حضرت مجدد الف ثانیؒ

(سوانح، مطالعاتِ عمومی، مجددؒ اور اقبال)

ترتیب وتدوین

محمد اکرام چغتائی

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانیؒ

(سوانح، مطالعاتِ عمومی، مجددؒ اور اقبال)

ترتیب وتدوین

محمد اکرام چغتائی

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

923.4 Chaghatai, M. Ikram
Hazrat Mujaddid Alifsani / ed. by M. Ikram Chaghatai.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2009.
932pp.
1. Biography. I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2009
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

ISBN-10: 969-35-2232-X
ISBN-13: 978-969-35-2232-7

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

فہرستِ مضامین

سوانح

۱۔	ماہ و سال۔ سیرت مجدد الف ثانی		07
۲۔	احمد شیخ سرہندی	شیخ عنایت اللہ/سید نذیر نیازی	10
۳۔	حضرت مجدد الف ثانی	محمد احسان عباسی گورکھپوری	15
۴۔	حضرات القدس	پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	32
۵۔	مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی	محمد حسن نقشبندی	78
۶۔	کحل الجواہر	محمد باقر بن شرف الدین/مولوی عرفان احمد انصاری (مترجم)	138
۷۔	حضرت مجدد الف ثانی کی حیات مبارکہ	سید زوار حسین شاہ	149
۸۔	حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی	شیخ محمد اکرام	226
۹۔	شیخ مجدد الف ثانی...... حیات اور کارنامے	ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری	304
۱۰۔	امام ربانی مجدد الف ثانی کے حالات زندگی	ڈاکٹر سراج احمد خاں	340
۱۱۔	تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانی	نسیم احمد فریدی فاروقی امروہی	362

مطالعاتِ عمومی

۱۲۔	ہزارہ دوم یا الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ	مناظر احسن گیلانی	391
۱۳۔	حدیث تجدید کی شرح اور مجددیت کی حقیقت	محمد منظور نعمانی	473
۱۴۔	امام ربانی	مولانا محمد عبدالشکور فاروقی مجددی	479
۱۵۔	حضرت مجدد الف ثانی کی زندگی میں ہمارے لئے سبق	مولانا احمد علی	531
۱۶۔	مجدد الف ثانی	مولانا محمد طیب	535
۱۷۔	حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا جہاد و تجدید	ابوعبدالرحمٰن چشتی مچھلی شہری	542

۱۸۔ تعلیمات مجدد	نظام الدین مجددی توکلی	602
۱۹۔ افغانستان میں سلسلہ نقشبندیہ	الحاج محمد یونس باڑی مظہری	620
۲۰۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کی نظر میں	ڈاکٹر غلام سرور	626
۲۱۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی نظر میں	مفتی مہدی حسن شاہجہانپوری	635
۲۲۔ دوقومی نظریہ اور حضرت مجدد کے کارنامے	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	641
۲۳۔ حضرت مجدد الف ثانی اور وحدۃ الشہود	ڈاکٹر سراج احمد خاں	649
۲۴۔ امام ربانی کی تعلیمات تصوف	ڈاکٹر ساجد الرحمٰن	659
۲۵۔ شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی کارنامے	مولانا اشہد رفیق ندوی	667
۲۶۔ شیخ احمد سرہندی اور اہل حکومت میں شریعت کی ترویج	ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی	675
۲۷۔ حضرت مجدد الف ثانی پر حرف گیری کا جائزہ	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	696
۲۸۔ مخالفین اور معترضین	محمد احسان عباسی گورکھپوری	727

اقبال اور مجدد

۲۹۔ اقبال اور مجدد الف ثانی	ڈاکٹر برہان احمد فاروقی	733
۳۰۔ اقبال اور ملی تشخص شیخ احمد سرہندی کے حوالے سے	ڈاکٹر محمد اکرم اکرام	737
۳۱۔ حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال	ڈاکٹر محمد مسعود احمد	758
۳۲۔ شیخ سرہندی......اقبال کی نظر میں	ڈاکٹر رحیم بخش شاہین	802
۳۳۔ وحدۃ الشہود: مجدد الف ثانی، اقبال اور تصوف	ڈاکٹر محمد علی صدیقی	810
۳۴۔ اقبال اور امام ربانی	ڈاکٹر ملک حسن اختر	816
۳۵۔ ڈاکٹر مجدد الف ثانی۔ افکار و نظریات	ڈاکٹر محمد بابر بیگ مطالی	837

Marfat.com

سوانح

ماہ وسال......سیرت مجدد الف ثانی

۱۔	سرہند شریف میں ولادت	۱۴ شوال ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء
۲۔	حضرت مجددؒ کی علوم عقلیہ ونقلیہ میں سند فراغت	۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء
۳۔	حضرت مجددؒ کی اکبر آباد (آگرہ) میں پہلی بار تشریف آوری	۹۹۳ھ/۱۵۸۳ء
۴۔	تصنیف رسالہ ''اثبات النبوۃ''	۹۹۴ھ/۱۵۸۶ء
۵۔	حضرت مجددؒ کی شادی	۹۹۷ھ/۱۵۸۹ء
۶۔	آپ کے فرزند اکبر خواجہ محمد صادقؒ کی ولادت	۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء
۷۔	''کوائف مذہب شیعہ'' کے تاریخی نام سے ''ردّ روافض''	۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء
۸۔	حضرت مجددؒ کے دوسرے فرزند خواجہ محمد سعیدؒ کی ولادت	۱۰۰۵ھ/۱۵۹۶ء
۹۔	والد محترم خواجہ عبدالاحدؒ کی رحلت	۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء
۱۰۔	آپ کے تیسرے فرزند اور جانشیں خواجہ محمد معصومؒ کی ولادت	۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء
۱۱۔	پہلی مرتبہ دہلی حاضری اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں خلافت واجازت سے سرفرازی اور حصول کمالات عالیہ	۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء
۱۲۔	شاہ سکندر کیتھلیؒ نے حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (م ۵۶۱ھ/۱۱۶۴ء) کا خرقہ خلافت حضرت مجدد الف ثانیؒ تک پہنچایا	۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء
۱۳۔	حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی بارگاہ میں دوسری بار حاضری	۱۰۰۹ھ/۱۶۰۰ء
۱۴۔	''رسالہ تہلیلیہ'' کی تصنیف	۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء
۱۵۔	آپ کے چوتھے فرزند خواجہ محمد فرخؒ کی ولادت	۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء
۱۶۔	رحمت دوعالم ﷺ نے اپنے دست خاص سے آپ کو خلعت قیومیت پہنچائی	۱۹ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ/۱۶۰۳ء
۱۷۔	تیسری دفعہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی بارگاہ میں حاضری	۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء

Marfat.com

۱۸۔ حضرت خواجہ باقیؒ کا وصال — ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء

۱۹۔ وصال مرشد کے وقت لاہور سے فوراً تعزیت کی غرض سے چوتھی دفعہ دہلی حاضری — ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء

۲۰۔ اپنے پیر و مرشد خواجہ باقی باللہؒ کے عرس میں شمولیت کی غرض سے پانچویں مرتبہ دہلی حاضری — ۱۰۱۳ھ/۱۶۰۴ء

۲۱۔ تصنیف رسالہ "شرح رباعیات" — (تخمیناً) ۱۰۱۳ھ/ ۱۶۰۴ء

۲۲۔ شیخ احمد برکیؒ کو خلافت سے سرفراز کر کے تبلیغ دین کے لئے ان کے وطن میں واپس بھیج دینا — ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء

۲۳۔ مولانا صالح کولابیؒ کو خلافت دے کر طالقان میں تبلیغ دین کے لیے بھیجا — ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء

۲۴۔ مولانا قاسم علیؒ کو خلافت دے کر ماوراء النہر میں تبلیغ دین کے لیے بھیجا — ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء

۲۵۔ شیخ یوسفؒ اور شیخ حسنؒ کو خلافت سے سرفراز کیا۔ — ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء

۲۶۔ خراسان، بدخشاں اور توران کے ہزاروں افراد اور علماء و مشائخ حاضر بارگاہ ہو کر آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہوئے — ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء

۲۷۔ شیخ طاہر بدخشیؒ کو خلافت سے سرفراز کیا — ۱۰۱۶ھ/۱۶۰۷ء

۲۸۔ تصنیف رسالہ "معارف لدنیہ" — ۱۰۱۶ھ/۱۶۰۷ء

۲۹۔ آپ کے پانچویں فرزند خواجہ محمد عیسیٰؒ کی ولادت — ۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء

۳۰۔ خواجہ میر نعمانؒ کو خلافت سے سرفراز کر کے دکن میں تبلیغ کے لیے بھیجا — ۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء

۳۱۔ خواجہ محمد اشرف کابلیؒ اور شیخ میرکؒ جیسے مشائخ کی آپ کے حلقۂ ارادت میں شمولیت — ۱۰۱۹ھ/۱۶۱۰ء

۳۲۔ تدوین رسالہ "مبداء و معاد" — ۱۰۱۹ھ/۱۶۱۰ء

۳۳۔ فرزند اکبر خواجہ محمد صادقؒ کو خلافت سے سرفراز فرمایا — ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ء

۳۴۔ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (المتوفی ۱۰۲۷ھ/ ۱۶۴۷ء) جیسے نابغہ عصر عالم کی آپ کے ارادت مندوں میں شمولیت — ۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء

۳۵۔ شیخ حمید اللہؒ کو خلافت سے نواز کر تبلیغ دین کے لئے بنگال بھیجا — ۱۰۲۲ھ/ ۱۶۱۳ء

۳۶۔ بہت سے جنات کی اپنے بادشاہ سمیت آپ کے دست حق پر بیعت — ۱۰۲۲ھ/ ۱۶۱۳ء

۳۷۔ آپ کے ساتویں فرزند خواجہ محمد یحییٰؒ کی ولادت — ۱۰۲۴ھ/۱۶۱۵ء

۳۸۔ آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد عیسیٰؒ کا مرض طاعون سے وصال — ۷ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء

Marfat.com

۳۹۔ ان سے چند گھنٹے بعد آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد فرخ کا اسی مرض سے وصال ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء

۴۰۔ اسی مرض سے آپ کی صاحبزادی حضرت اُمِ کلثوم کا وصال ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء

۴۱۔ اسی مرض سے آپ کے فرزند اکبر خواجہ محمد صادقؒ کا وصال ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء

۴۲۔ مولانا یار محمد جدید بدخشیؒ نے ''مکتوب امام ربانی'' کا دفتر اول مرتب کیا۔ مشتمل بر ۳۱۳ مکتوبات ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء

۴۳۔ مولانا محمد قاسمؒ کو ستر آدمی دے کر ترکستان میں تبلیغ دین کے لیے بھیجا ۱۰۲۶ھ/۱۶۱۷ء

۴۴۔ مولانا فرخ حسینؒ کو چالیس آدمی دے کر عرب، یمن، شام اور روم میں تبلیغ دین کے لئے بھیجا ۱۰۲۶ھ/۱۶۱۷ء

۴۵۔ مولانا محمد صادق کابلیؒ کو دس آدمیوں کا نگران بنا کر کاشغر بھیجا ۱۰۲۶ھ/۱۶۱۷ء

۴۶۔ شیخ احمد برکیؒ کو تیس خلفاء سمیت تبلیغ دین کے لئے توران، بدخشاں اور خراسان بھیجا ۱۰۲۶ھ/۱۶۱۷ء

۴۷۔ شیخ بدیع الدینؒ کو شاہی لشکر میں تبلیغ دین پر مامور فرمایا ۱۰۲۷ھ/۱۶۱۸ء

۴۸۔ مولانا عبدالحیٔ حصاریؒ نے ''مکتوبات امام ربانی'' کے دوسرے دفتر کو ''نورالخلائق'' کے تاریخی نام سے مرتب کیا۔ مشتمل بر ۹۹ مکتوبات ۱۰۲۷ھ/۱۶۱۸ء

۴۹۔ گوالیار قلعے میں محبوس کیا گیا ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۸ء

۵۰۔ تقریباً ایک سال بعد آپ کو رہا کر کے لشکر کے ساتھ رکھا گیا ۱۰۲۹ھ/۱۶۱۹ء

۵۱۔ خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے ''مکتوبات امام ربانی'' کے تیسرے دفتر کو ''معرفۃ الحقائق'' کے تاریخی نام سے مرتب کیا ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۱ء

۵۲۔ وصال سے تقریباً ایک سال پہلے لشکر شاہی سے دولت کدے پر واپسی ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء

۵۳۔ وصال ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء

☆......☆......☆

شیخ عنایت اللہ / سید نذیر نیازی

شیخ احمد سرہندیؒ

(ابوالبرکات، بدرالدین، شیخ احمد نقشبندی سرہندی، امام ربانی، مجدد الف ثانیؒ، مخدوم شیخ عبدالاحد کے صاحبزادے، جو شیخ عبدالقدوسؒ گنگوہی کے مرید اور خود بھی ایک صاحب علم بزرگ تھے۔ تاریخ ولادت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ / ۱۵۶۴ء مولد سرہند، سلسلۂ نسب جناب فاروق اعظم حضرت عمرؓ ابن الخطاب سے ملتا ہے۔) ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور چند ہی سال میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ پھر سیالکوٹ تشریف لے گئے اور معقولات میں مولانا کمال کشمیری کے سامنے، جو علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے بعد استاد تھے، زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ حدیث، فقہ و تفسیر کے ساتھ ساتھ عربی ادب کا مطالعہ بھی جاری رہا۔ تعلیم سے فارغ ہوئے تو پھر سرہند آکر درس و تدریس کی طرح ڈالی، لیکن طلب علم کا شوق انہیں پھر کشاں کشاں رہتاس اور جونپور لے گیا۔ اکبرآباد (آگرہ) میں بھی قیام فرمایا، جہاں ابوالفضل اور ابوالفیض فیضی سے صحبت رہتی اور مسائل علم و حکمت زیر بحث آتے۔ یہی صحبتیں ہیں جن میں حضرت مجددؒ کو نہایت قریب سے ان حالات کے مشاہدے اور ان افکار و خیالات اور ان سیاسی و اجتماعی عوامل سے واقفیت پیدا کرنے کا موقع ملا جن کا تعلق اکبر کے عہد اور بالخصوص اس کے ذاتی حلقے سے ہے۔ قیام اکبرآباد ہی کے دوران میں آپ کے والد ماجد نے آپ کو سرہند طلب فرمایا۔ آپ واپس تشریف لائے تو آپ کی شادی شیخ سلطان رئیس تھانیسر کی صاحبزادی سے کردی گئی۔ شادی کے بعد آپ نے ایک حویلی اور ایک مسجد تعمیر کی اور سرہند ہی میں مقیم ہوگئے۔ اس اثناء میں آپ طریقۂ چشتیہ کے علاوہ، جس کی تعلیم آپ نے اپنے والد ماجد سے پائی تھی، شاید طریقۂ سہروردیہ اور طریقۂ قادریہ میں بھی داخل بھی ہوچکے تھے اور اپنے ایک اور استاد شیخ یعقوب کشمیری کی بدولت اگرچہ طریقۂ کبرویہ سے بھی استفادہ کیا تھا، لیکن اس کے باوجود اطمینان کلّی سے محروم تھی، مگر پھر ۱۰۰۸ھ میں سفر حج کی غرض سے دہلی پہنچے تو آپ کے دوستوں میں سے مولانا حسن کشمیری نے آپ سے حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کے کمالات کا ذکر کیا۔ حضرت مجددؒ کا اشتیاق بڑھا تو وہ انہیں حضرت خواجہؒ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت مجددؒ نے چند ہی دن ان کی صحبت میں گزارے تھے کہ وہ بے اطمینانی جس سے دل میں خلش رہا کرتی تھی، اطمینان سے بدل گئی۔ اُدھر حضرت خواجہؒ پر بھی آپ کے جذب و شوق اور صدق و صفا کے ساتھ ساتھ اتباع شریعت اور حمیت دینی کا بڑا اثر تھا۔ پھر جب آپ نے باقاعدہ حضرت خواجہؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان کے ارشاد کے مطابق سرہند واپس تشریف لے گئے اور اس سلسلۂ ارشاد و ہدایت کی ابتداء کی جو ارض

پاک و ہند میں مسلمانوں کی حیات ملّی کے لئے ایک بڑے فیصلہ کن اور دور رس انقلاب کا باعث ہوا۔ اس دوران میں آپ حضرت خواجہؒ کی دعوت پر ایک مرتبہ پھر دہلی تشریف لے گئے اور چند مہینے ان کی صحبت میں بسر کئے۔ ظاہر ہے اس زمانے میں انہوں نے اپنے مرشد سے بالخصوص اکتساب فیض کیا ہوگا، لیکن اس کے بعد پھر آپ کا ان سے ملنا ثابت نہیں حتیٰ کہ حضرت خواجہؒ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت مجددؒ اس وقت لاہور میں تھے جہاں حضرت خواجہؒ ہی کی ہدایت پر آپ تشریف لے گئے تھے۔ مرشد کی وفات کا حال سن کر آپ دہلی پہنچے، مزار پر حاضری دی اور سرہند واپس آ گئے۔ ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء میں آپ کو جہانگیر نے آگرے میں طلب کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب آپ کا سلسلۂ تلقین و ہدایت دور دور تک پھیل چکا تھا اور آپ کے مرید اور خلفاء اسلامی ہند کے اقطاع و اضلاع کے علاوہ بیرون ہند میں بھی موجود تھے۔ آپ کے سامنے اب ایک عظیم الشان کام تھا، یعنی ان خرابیوں کی اصلاح جو طرح طرح سے مسلمانوں میں پھیل رہی تھیں اور جن سے ایک طرف مسلمانوں کا شعور ملّی، دوسری جانب اتباع شریعت اور اقامت دین کے لئے ان کا احساس روز بروز کم ہو رہا تھا۔ یہی حالات تھے جنہیں دیکھتے ہوئے آپ کے ایک پُرجوش مرید شیخ بدرالدین نے جہانگیر کے لشکر کا رخ کیا اور اسے دعوت حق دی تو ایک تعداد کثیر حضرت مجددؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئی۔ اُدھر آپ کے مخالفین نے جہانگیر کو بہکایا اور حضرت مجددؒ پر یہ الزام لگایا کہ وہ اپنے بعض دعاوی میں حدود شریعت سے تجاوز کر گئے ہیں۔ یہ امر مصالح ملکی کے خلاف تھا۔ بہرکیف آپ دربار شاہی میں پہنچے تو جہانگیر بڑی بےادبی سے پیش آیا، آپ کو مغرور اور متکبر ٹھہرایا اور اس عذر میں کہ آپ اپنے احوال باطن کی اصلاح کر سکیں آپ کو قلعۂ گوالیار میں قید کر دیا، لیکن حضرت مجددؒ کے لئے قید و بند کا یہ سلسلہ ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا، چنانچہ اس دوران میں آپ نے اپنے مراتب روحانی میں بالخصوص ترقی کی جس کا اظہار آپ نے اپنے مکتوبات میں بھی کیا ہے۔ زندان گوالیار ہی میں کئی ایک غیر مسلموں نے آپ کے دست حق پر اسلام قبول کیا اور کئی ایک مجرموں نے صدق دل سے توبہ کی۔ سال بھر کے بعد جب جہانگیر نے، جو معلوم ہوتا ہے اپنے اس فعل پر نادم تھا، آپ کی رہائی کا حکم صادر کیا تو اس کے دل میں حضرت مجددؒ کی عظمت راسخ ہو چکی تھی اور وہ دل سے ان کا معتقد ہوگیا تھا۔ اس نے حضرت مجددؒ کو اجازت دی کہ جی چاہے تو سرہند واپس تشریف لے جائیں اور جی چاہے تو لشکر شاہی کے ساتھ رہیں۔ علاوہ اس کے خلعت فاخرہ بھی عطا کیا۔ حضرت مجددؒ نے اپنی دعوت کے پیش نظر لشکر کے ساتھ رہنا پسند کیا، چنانچہ کئی ایک مہموں میں آپ بادشاہ کے ساتھ رہے۔ بادشاہ کی توجہ بھی اب روز بروز اس امر پر مرکوز ہو رہی تھی کہ حکومت کے لئے اتباع شریعت فرض ہے۔ یوں اس طور و طریق کا ازالہ ہوا جو اکبر کے عہد میں حکومت نے اختیار کر رکھا تھا۔ اس دوران میں آپ اجمیر بھی تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی کے مزار پر مراقبہ فرمایا۔ پھر جب پیرانہ سالی کے باعث ضعف جسمانی بڑھنے لگا تو بادشاہ کی اجازت سے سرہند واپس آ گئے، جہاں ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ/دسمبر ۱۶۲۶ء کو آپ کا انتقال ہوگیا۔ مزار مبارک سرہند ہی میں ہے اور اس وقت سے لے کر اب تک ارادت مندوں کی زیارت گاہ ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ (۱۹۴۷ء میں) سکھوں نے جب سرہند کو تباہ کیا تو حضرت مجددؒ کا مزار ان کی دستبرد سے محفوظ رہا۔

حضرت مجددؒ کی دعوت یعنی اتباع شریعت، احیائے سنت نبوی اور اقامت دین کے لئے ان کی اولوالعزمانہ جدوجہد کی اہمیت دوگونہ ہے: ایک مذہبی، دوسری سیاسی۔ ایک طرف وہ الحاد و زندقہ اور ان فتنوں اور بدعنوانیوں کا ازالہ

Marfat.com

چاہتے تھے جو اسلامی تعلیمات کی غلط تعبیر یا تصوف کی آڑ میں مسلمانوں میں پھیل رہے تھے، دوسری جانب ان کی نظر حکومت وقت کے ان ملحدانہ اقدامات، خیالات اور نظریات پر تھی جو مسلمانوں کی حیات ملّی کے لئے ایک مادۂ فاسد کا حکم رکھتے تھے اور ڈر تھا کہ اگر ان کی سیاست اور معاشرت کا یہی عالم رہا تو بہت ممکن ہے ان کی ملّی عصبیت کا خاتمہ ہو جائے، چنانچہ حضرت مجددؒ نے ان دونوں معاملات میں ایک فیصلہ کن مؤقف اختیار کیا اور جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ان کا درجہ بلا شبہ ''ارہاص'' کا ہے۔ اندریں صورت تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت مجددؒ کی شخصیت اسلامی ہندوستان کی تاریخ تصوف میں یگانہ ہے۔ انہوں نے جس طرح اصولاً اسلامی تعلیمات کو ان کی صحیح شکل میں اجاگر کیا اسی طرح اس معاشرے کی حفاظت اور اس کی اس سیاسی اور ملّی ہیئت کو برقرار رکھنے کے لئے بھی مجاہدانہ قدم اٹھایا جس میں عملاً ان تعلیمات کا اظہار ہوتا ہے۔ اکبر کے عہد کی بے اعتدالیوں نے سلطنت مغلیہ کی اسلامی حیثیت کو جس طرح مسخ کر رکھا تھا اور ملک بھر میں کچھ تو عجمی تصوف اور کچھ بھگتی تحریک کے زیر اثر جو ملحدانہ خیالات اور تحریکات پھیل رہی تھیں، ان کے ازالے میں حضرت مجددؒ کی مساعی فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ جن حضرات کو اس امر میں شبہ ہے کہ حضرت مجددؒ کی دعوت کا ایک رخ سیاسی بھی تھا، وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام اور ہندو مذہب کی آمیزش کا وہ عمل جو سیاست، معاشرت اور تہذیب و تمدن میں جاری تھا حضرت مجددؒ ہی کی کوششوں سے رکا۔ یہی کوششیں تھیں جن سے مسلمانوں کی ملّی اور قومی عصبیت کو تقویت پہنچی۔ ایسے ہی ان شیعی اثرات کا جو دربار شاہی پر چھا رہے تھے اور ایک سنّی المذہب مملکت میں ناگواری کا سبب بن رہے تھے، قلع قمع ہوا تو انہیں کی بدولت۔ اس عملی جہاد کے ساتھ ساتھ حضرت مجددؒ نے تعلیم و ہدایت اور تزکیہ و تطہیر کا وہ عمل بھی جاری رکھا جس کے بغیر ناممکن ہے کہ اخلاق میں صدق و اخلاص کا رنگ پیدا ہو اور یہ نہایت ہی اہم حقیقت سمجھ میں آ جائے کہ ان مباحث کے باب میں جو ازروئے فکر یا ایمان و عقائد وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے ہیں، ہمارا مؤقف کیا ہونا چاہئے۔ لہٰذا حضرت مجددؒ نے شریعت و طریقت، کشف و کرامات، بدعت و سنت اور اجتہاد کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار بڑی جرأت سے کیا اور حق یہ ہے کہ اس باب میں ان کے خیالات سے انحراف کا کوئی راستہ نہیں۔ انہوں نے مسئلہ وحدۃ الوجود پر بالخصوص توجہ کی، اس لئے کہ یہ ایک ایسا تصور ہے جس کی تعبیر غیر اسلامی رنگ میں بھی ممکن ہے۔ انہوں نے اس کے برعکس وحدۃ الشہود کا نظریہ قائم کیا۔ یہاں اس امر کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت مجددؒ خود بھی تصوف کے مختلف سلسلوں، بالخصوص سلسلۂ نقشبندیہ سے منسلک اور صاحب حال بزرگ تھے۔ ان کی ذات بھی ائمۂ صوفیہ کی طرح ارشاد و ہدایت کا سرچشمہ تھی اور وہ بھی اس امر کے ذمہ دار تھے کہ اپنے ارادت مندوں کو تزکیۂ باطن کی تعلیم دیں، تاکہ ان کی زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے، لیکن ہندوستان میں کچھ ایسے عوامل کارفرما ہو گئے تھے جس سے اس سانچے کی اصل ہیئت میں بہت کچھ فرق آ چکا تھا، لہٰذا حضرت مجددؒ کی تعلیمات ایک نئے سلسلۂ تصوف کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔ ہمارا مطلب ہے سلسلۂ مجددیہ، جس کے متعلق قابل ذکر امر یہ ہے کہ دیگر سلسلہ ہائے تصوف کے برخلاف، جو بیرون ہند سے یہاں آئے تھے، یہی ایک سلسلہ ہے جس نے ہندوستان سے باہر دوسرے اسلامی ممالک کا رخ کیا۔ حضرت مجددؒ نے اپنے خیالات کی ترجمانی متعدد تصنیفات میں کی ہے، یعنی ''المبداء والمعاد'' (دہلی ۱۳۱۱ھ)، ''رسالۂ تہلیلیۃ'' (آپ کے مکتوبات کا ضمیمہ)، ''معارف اللدنیۃ''، ''مکاشفات غیبیۃ''، ''رسالۃ فی اثبات النبوۃ'' اور ''آداب المریدین'' میں۔ آپ کے ایک اور رسالے کا

Marfat.com

عنوان ہے ''ردروافض''، لیکن آپ کی سب سے بڑی علمی خدمت آپ کے ''مکتوبات'' ہیں جو تین دفاتر پر مشتمل ہیں (دفتر سوم بالخصوص اہم ہے) اور جن کی آپ کی زندگی میں اتنی قدر و منزلت ہوئی کہ ان کی نقلیں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دوسرے ممالک میں پھیل گئیں۔ غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مثنوی مولانا رومؒ کے بعد ''مکتوبات'' ہی حقائق و معارف اور اسرارِ شریعت و طریقت کا وہ خزینہ ہے جن سے الحاد و زندقہ، بدعت اور ضلالت کا قلع قمع ہوتا ہے۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ''مکتوبات'' کا مطالعہ خالصتاً علمی نہج پر بھی کیا جائے۔ اگر ایسا ہوا تو اس سے اسلامی تعلیمات، تاریخ تصوف اور نفسیات مذہب کے متعلق نہایت اہم نکات منکشف ہوں گے۔ ''مکتوبات'' کا انداز علمی بھی ہے اور واعظانہ و خطیبانہ بھی۔ زبان مؤثر اور شیریں ہے اور اسلوب بیان نہایت سلجھا ہوا۔ حضرت مجددؒ کا ذکر ان کے معاصرین اور متاخرین سب نے بڑی محبت اور عزت و احترام سے کیا ہے، لیکن پھر ایسا بھی ہوا کہ ''مکتوبات'' کی بعض عبارتوں اور ان کے دعویٰ مجددیت پر اعتراضات بھی کئے گئے۔ دعویٰ مجددیت کی ایک تعبیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اکبری الحاد میں اک فتنہ ''الفیہ'' بھی تھا، جس کا زور اس بات پر تھا کہ اسلام کی تعلیمات صرف ایک ہزار سال کے لئے ہیں، لہٰذا ان کا دور ختم ہو رہا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو دعویٰ مجددیت یا لقب مجدد الف ثانی کی توجیہ بآسانی ہو جاتی ہے، بالخصوص جب مقصد صرف یہ ہو کہ مسلمان اپنی زندگی میں وہ راستہ اختیار کریں جو اسلام نے تجویز کیا ہے۔ رہے ان کے دوسرے دعاوی جو مورد اعتراض ہوئے تو ان کی وجہ زیادہ تر وہ غلط فہمیاں ہیں جو ''روضۃ القیومیۃ'' کی عبارتوں سے پیدا ہوئیں جو بجائے خود ایک ناقص سی تصنیف ہے اور جس کی ذمہ داری حضرت مجددؒ پر بہر حال عاید نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے معاصرین، بالخصوص شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی، کو بھی بعض امور میں ان سے اختلاف تھا، لیکن یہاں بھی زیادہ تر دخل غلط فہمیوں ہی کا تھا۔ ثانیاً حضرت مجددؒ کو جب ان اختلافات یا اعتراضات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے بڑے سلیقے سے اپنا مؤقف واضح کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت محدثؒ دہلوی بھی ان کا نام بڑے احترام سے لیتے ہیں۔ پھر اس ضمن میں ایک اہم بات یہ ہے کہ حضرت مجددؒ نے جب قرآن و سنت کی قطعیت اور اتباع نبوی کی فرضیت کے پیش نظر جملہ احوال و مواجید، اور اسی طرح افکار و آراء کی صحت و عدم صحت کے متعلق خود ہی ایک اصول قائم کر دیا تو پھر ان سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، اس لئے کہ اس صورت میں ہم ہر بات کو اس معیار پر پرکھ سکتے ہیں جو انہوں نے بڑی خوبی اور جرأت سے قائم کیا تھا۔

مآخذ: (۱) مکتوبات، جو تعداد میں تقریباً ۵۳۰ ہیں، ہندوستان میں کئی مرتبہ چھپ چکے ہیں (چاپ سنگی، لکھنؤ) ۱۹۱۳ء، دہلی ۱۲۸۸ھ و ۱۲۹۰ھ، امرتسر ۱۳۳۱ھ تا ۱۳۳۴ھ، (۲) اردو ترجمۂ [مکتوبات]، از قاضی عالم الدین، لاہور ۱۹۱۳ء، (۳) توزک جہانگیری، علی گڑھ ۱۸۶۴ء، ص ۲۷۲، ۲۷۳، ۳۰۸، (۴) عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، کلکتہ ۱۸۶۸ء، (۵) محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، تألیف ۱۰۳۷ھ، مطبوعہ کانپور، ص ۱۲۶ تا ۲۸۲، (۶) بدرالدین سرہندی: حضرات القدس، تألیف ۱۰۵۷ھ، اب تک قلمی نسخے کی صورت میں محفوظ ہے، اردو ترجمہ، از احمد حسین خان، لاہور ۱۹۹۲ء، (۷) محمد امین نقشبندی: مقامات احمدیہ، تألیف ۱۰۶۸ھ، ابھی قلمی صورت میں ہے، اردو ترجمہ لاہور سے شائع ہوا، (۸) محمد رؤف احمد: جواہر علویہ، اردو ترجمہ، لاہور سے شائع ہوا، (۹) محمد باقر، کنز الہدایۃ، تألیف ۱۰۵۷ھ، ابھی تک قلمی شکل میں موجود ہے، اردو ترجمہ عرفان احمد انصاری نے کیا ہے، جو لاہور سے طبع ہوا ہے، (۱۰) مولوی فضل

Marfat.com

اللہ: عمدۃ المقامات، تألیف ۱۲۳۳ھ، (۱۱) محمد احسان: روضۃ القیومیہ، مخطوطہ، اردو ترجمہ، لاہور ۱۳۳۶ھ، (۱۲) عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی ۱۳۳۲ھ، ص ۳۲۳ تا ۳۲۶، (۱۴) غلام علی آزاد: سبحۃ المرجان، بمبئی ۱۳۰۳ھ، ص ۴۷ تا ۵۲، (۱۵) T.W. Beale: مفتاح التواریخ۔ کانپور ۱۸۶۷ء، ص ۲۳۰ تا ۲۳۱، (۱۶) مفتی غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء، کانپور ۱۸۹۴ء، ۲: ۶۰۷ تا ۶۱۹، (۱۷) رحمٰن علی: تذکرۂ علمائے ہند، لکھنؤ ۱۹۱۴ء، ص ۱۰ تا ۱۲، (۱۸) ابوالکلام آزاد: تذکرہ، کلکتہ ۱۹۱۹ء، (۱۹) محمد عبدالاحدؒ: حالات و مقامات شیخ احمد فاروقی سرہندی، دہلی ۱۳۲۹ھ، (۲۰) محمد احسان اللہ عباسی: سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی، رامپور ۱۹۲۶ءؒ، (۲۱) شیخ محمد اکرام: رود کوثر، مطبوعہ کراچی، (۲۲) محمد منظور، مدیر: الفرقان (مجدد نمبر)، بریلی ۱۹۳۸ء، (۲۳) محمد میاں: علمائے ہند کا شاندار ماضی، طبع دوم، دہلی ۱۹۴۲ء، (۲۴) T.W. Arnold: The Preaching of Islam، ۱۹۱۲ء (۲۵) برہان احمد فاروقی: The Mujaddid's Conception of Tawhid، لاہور ۱۹۴۰ء، (۲۶) مصطفٰی صبری: موقف العقل و العلم والعالم، قاہرۃ ۱۹۵۰ء، ۳: ۲۷۵ تا ۲۹۹، (۲۷) خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، (۲۸) وہی مصنف: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (۲۹) محمد فرمان: حیات مجددؒ۔

(در: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور: دانش گاہ پنجاب، لاہور۔ جلد اول)

☆......☆......☆

Marfat.com

محمد احسان عباسی گورکھپوری

حضرت مجدد الف ثانیؒ

از ولادت تا قیومیت

شہر سرہند میں جمعہ کی رات نصف شب گزرنے پر چودہ شوال ۹۷۱ھ کو حضرت مجدد الف ثانی پیدا ہوئے۔ آپ کا نام شیخ احمد، کنیت ابوالبرکات، لقب بدرالدین تھا۔ ایام حمل اور ولادت کے وقت بہت سے عجائبات ظہور میں آئے جن کا ذکر کرنا تاریخی حیثیت سے چنداں ضروری نہیں ہے۔ جب آپ سن شعور کو پہنچے تو تھوڑی ہی مدت میں آپ نے قرآن مجید حفظ کرلیا اور تحصیل علوم ظاہری زائد تر اپنے والد مخدوم عبدالاحدؒ سے کی اور سیالکوٹ میں جا کر مولانا کمال کشمیری سے معقولات کی بعض کتابیں پڑھیں اور حدیث کی کتابیں مولانا کمال کشمیری اور خلیفہ خوارزمی سے پڑھیں۔ تحصیل علم کا زمانہ سن بلوغ سے پہلے کا ہے۔ امام المحدثین شیخ عبدالرحمٰن سے بھی آپ نے بعض احادیث کی کتابیں پڑھ کر سند حاصل کی۔ تحصیل علم کے زمانے میں آپ نے چند رسالے بھی لکھے تھے (بالآخر علوم ظاہر میں آپ نے ایسا کمال حاصل کیا کہ آپ کو درجۂ اجتہاد ملا۔)

دسویں صدی ہجری کے آخر میں شہنشاہ اکبر علانیہ سُنت نبوی کا مخالف ہوا۔ بعض لوگ تو کہتے تھے کہ وہ دین محمدیؐ سے پھر گیا۔ مگر یہ کہنا صحیح نہیں۔ فیضی اور ابوالفضل ایسے ذی علم اشخاص بادشاہ کی ہر بات کی تائید کرتے تھے۔ حضرت مجددؒ تحصیل علم سے فارغ ہوکر شروع جوانی میں اکبر آباد (آگرہ) پہنچے جو دارالسلطنت تھا۔ بادشاہ کا تمام لشکر آپ کی علمی قابلیت دیکھ کر متحیر ہوا اور علمائے عصر بڑے فخر سے حدیث و تفسیر کی کتابوں کی سند آپ سے حاصل کرنے لگے۔ اس سے آپ کے علم اور درجۂ اجتہاد کا شہرہ ہوا۔ ایک روز حضرت سلیم چشتیؒ کے ایک خلیفہ نے آپ کو دیکھ کر کہا۔ ''میں نے انہیں اس سے پہلے خواب میں دیکھا تھا اور مجھ پر ظاہر ہوا تھا کہ یہ ایک بڑے بزرگ ہیں لیکن ابھی تک ان کے ظہور کا وقت نہیں آیا ہے۔'' فیضی اور ابوالفضل بھی حضرت مجددؒ کی شہرت سن کر حاضر خدمت ہوئے اور باہم مراسم دوستی قائم ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فیضی تفسیر قرآن بے نقط لکھ رہا تھا۔ علامہ بدرالدین سرہندی کا خیال ہے کہ اس میں حضرت مجددؒ نے بھی شرکت کی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت مجددؒ ان دونوں سے ناخوش ہوئے۔ وجہ یہ ہوئی کہ ابوالفضل اور فیضی نے علمائے دین کی توہین کی۔ حضرت مجددؒ نے سننا گوارا نہ کیا۔ اس پر بھی سلسلہ آمدورفت قائم رہا،

Marfat.com

لیکن ایک روز ابوالفضل نے رسالت پر کچھ شبہات اس طرح پر بیان کیے کہ حضرت مجددؒ بے کیف ہوئے اور پھر ابوالفضل کے معذرت کرنے اور معافی مانگنے پر بھی حضرت مجددؒ نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ حضرت مجدد کے رسالہ ''اثبات النبوۃ'' کی وجہ تصنیف ابوالفضل کا مناظرہ تھا۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد شاہزادۂ سلیم (جو بعد کو جہاں گیر مشہور ہوا) کے اشارے سے ابوالفضل ایک ہندو کے ہاتھ سے قتل کیا گیا۔

حضرت مجددؒ عرصے تک اکبرآباد میں رہے۔ آپ کے والد مخدوم عبدالاحدؒ آئے اور اپنے ساتھ سرہند واپس لے گئے۔ اثنائے راہ میں شیخ سلطان ایک مقرب شاہ ہند کی لڑکی سے حضرت مجددؒ کا عقد ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس عقد کی بابت آنحضرت محمد ﷺ سے شیخ سلطان کو خواب میں علم ہوا تھا۔ اس عقد سے حضرت مجددؒ کی مالی حالت بہت درست ہوئی اور ایک نئی حویلی حضرت مجددؒ نے اپنے لئے سرہند میں بنوائی۔ اس کے بعد حضرت مجددؒ اپنے باپ کے ساتھ برابر تا وفات ان کے سرہند میں رہے۔ آپ کے باپ نے خرقۂ خلافت چشتیہ (جو شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے ملا تھا) خرقۂ خلافت قادریہ (جو شاہ کمال کیتھلیؒ سے ملا تھا) اور خرقہ سہروردیہ جو آباؤ اجداد سے چلا آتا تھا، آپ کو عنایت فرما کر اپنا جانشین قرار دیا۔ آپ نے طریقہ کبرویہ میں حضرت یعقوب صرفیؒ سے جو کشمیر میں بہت مشہور تھے، استفادہ کیا تھا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہ کابلی کو خواجہ بزرگ بہاؤالدین نقشبندؒ سے بشارت ہوئی کہ ''ہند میں ایک مجدد ظاہر ہونے والا ہے۔ وہ وارث ہے اس نسبت کا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے امانت چلی آتی ہے۔ تم میرے خلیفہ خواجہ ابکنگیؒ کے پاس جاؤ اور ان سے یہ نسبت حاصل کر کے ہندوستان جاؤ اور یہ نسبت اس عزیز کے حوالہ کرو۔'' اس بشارت سے حضرت خواجہ باقی باللہؒ حضرت خواجہ ابکنگیؒ کے پاس آئے اور بعد حصول امانت نسبت صدیقیؓ حضرت مجددؒ کی فکر و تلاش میں چلے اور اس وقت سرہند پہنچے جب کہ حضرت مجددؒ وہاں سے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہو چکے تھے اور دہلی سے ہوتے ہوئے عرب جانا چاہتے تھے۔ دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت مجددؒ سے ملے اور سلسلہ نقشبندیہ میں آپ کو مرید کر کے وہ تمام نعمتیں عطا کیں جو عطا ہونے والی تھیں اور حضرت مجددؒ اس کے بعد وحدت وجود سے وحدت شہود تک پہنچے۔

حضرت مجددؒ نے اپنے مکتوب ۲۰۶ دفتر اول میں تحریر فرمایا ہے کہ ''میں نے معارف توحیدی وجودی وغیرہ کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا تھا، وہ محض عدم اطلاع کی وجہ سے لکھا تھا۔ جب اصل حقیقت معلوم ہوئی تو میں شرمندہ اور مستغفر ہوا۔'' پھر ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں کہ ''وحدت وجود کے متعلق میری تحریر مشہور ہو گئی ہے۔ میں اس سے تائب ہو کر چاہتا ہوں کہ جس طرح میرا گناہ مشہور ہوا، میری توبہ بھی مشہور ہو جائے۔'' غرض کہ خواجہ باقی باللہؒ نے نسبت خاصہ رجب ۱۰۰۹ھ میں حضرت مجددؒ کو القا فرمائی اور سرہند کی طرف روانہ کیا۔ اس کے بعد آپ مجدد الف ثانی اور قیوم اول مشہور ہوئے۔

حضرت مجددؒ چاروں سلسلوں میں مرید کرتے تھے، لیکن آپ کے بعد آپ کے خلفاء صرف سلسلۂ قادریہ اور سلسلۂ نقشبندیہ میں مرید کرتے تھے اور سلسلہ قادریہ آپ سے چلا۔ اسے سلسلہ قادریہ مجددیہ کہتے ہیں۔ حضرت مجددؒ بہ ارادۂ سفر حج سرہند سے چلے۔ دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی صحبت نے سفر حج سے باز رکھا اور پھر کبھی سفر حج کا اتفاق نہ ہوا۔ اگر یہ کہا جائے کہ خدمت مجددیت اور خدمت قیومیت نے حج سے باز رکھا تو یہ حضرت مجددؒ کی علوشان

Marfat.com

کے خلاف ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ دیگر مواقع پیش آئے ہوں اور ان کی تشریح نہ کی گئی ہو۔ یہ خیال کرنا کہ کعبہ خود حضرت مجددؒ کی زیارت کو آیا تو آپ کیوں زیارت کعبہ کو جاتے۔ حضرت مجددؒ کی شان پیروی سُنت نبویؐ سے بعید ہے کیونکہ آنحضرت محمد ﷺ مدینے سے حج کے لئے مکے میں اس وقت تشریف لائے جب امن قائم نہ تھا اور پھر امن قائم ہونے پر حج کے لئے دوبارہ تشریف لے گئے۔ سلسلہ مجددیہ میں سفر حج اور زیارت کعبے کی اہمیت کسی طرح نظر انداز نہیں کی گئی ہے، کیونکہ حضرت مجددؒ کے پسر قیوم دوم نے نہایت اہتمام سے اپنے وقت میں یہ کام انجام دیا۔

۱۰۰۷ھ میں حضرت مجددؒ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی شرف بیعت سے مشرف ہوئے تو ۱۰۰۹ھ میں خلعت مجددی اور خلعت قیومی حضرت مجددؒ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیونکر ملا ہے۔ اس کا جواب عام فہم نہیں ہے، بلکہ خاص خاص لوگ اس سے مستفیض ہوسکتے ہیں کیونکہ وہ عالم باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ عوام الناس کے لئے صرف اتنا سمجھنا کافی ہے کہ جس طرح انبیاء نے دعویٰ نبوت اپنے وقتوں میں کیا تھا۔ اسی طرح حضرت شیخ احمدؒ نے مجددیت اور قیومیت کا دعویٰ کیا۔

آپ نے علمائے ظاہر کو دلائل ظاہری سے اور علمائے باطن کو دلائل باطنی سے سمجھا دیا کہ جس سے سب کی تسکین ہوگئی کہ درجۂ قیوم کیا تھا اور کیا ہے۔ مفصلۂ بالا تحریر سے ظاہر ہے کہ ولایت اور نبوت کے درمیان یہ مقام ہے، لیکن ''روضۃ القیومیہ'' میں جو اس کی تعریف لکھی ہے، اس کا آخری فقرہ یہ ہے کہ ''جو کچھ خیال میں آسکتا ہے وہ قیوم کی مرضی اور حکم کے بغیر ظہور میں نہیں آتا۔'' مجددیوں کا اگر یہ عقیدہ ہے تو کفر کسے کہتے ہیں؟ یہ کہنا پڑے گا کہ طرز بیان اچھا نہیں ہے، لیکن یہ خیالات تعلیم باطنی سے الگ نہیں ہیں۔ اہل باطن دو عالم مانتے ہیں۔ عالم ظاہر اور عالم باطن اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں عالموں کے انتظام کے لئے جدا جدا عمال مقرر کر رکھے ہیں۔ عالم ظاہر کے عمال سلطان کے ماتحت ہیں اور عالم باطن کے عمال قطب وقت کے ماتحت ہیں۔ حضرت مجددؒ کے وقت میں قطب کے اوپر ایک درجہ قیوم کا ہوا۔ جس طرح سلطان کی مرضی سے عالم ظاہر میں کام ہوتا ہے۔ اسی طرح عالم باطن میں قطب یا قیوم کی مرضی سے کام ہوتا ہے اور جس طرح سلطان کی مرضی مشیت اور تقدیر الٰہی کے تابع ہے۔ اسی طرح قیوم یا قطب کی مرضی بھی مشیت یا تقدیر الٰہی کے تابع ہے۔

پہلے زمانے میں پے درپے نبی آتے تھے اور ان کی ضرورت تعلیم علم الٰہیات و اخلاق ہوتی تھی تاکہ لوگ بیدار رہیں، خواب غفلت میں گرفتار نہ ہوں اور احکام الٰہی یاد رکھیں، بھول نہ جائیں۔ اسی طرح اُمت محمدی میں جتنے علماء علم ظاہر یا علم باطن کے ہیں، ان کے متعلق بیدار کرنے کی خدمت ہے اور اگر ایک قرن سو برس کا قرار دے کر یہ کہا جائے کہ ایسے لوگوں کے لئے مجدد صدی کا لفظ موزوں ہے تو کیا بے جا ہے؟۔ مجدد الف ثانیؒ میں یہ خصوصیت تھی کہ دس صدیوں کے بعد آپ کا ظہور ہوا، اور آپ مجدد الف ثانی کے لقب سے ممتاز ہوئے اور قیومیت کے خلعت سے بھی مشرف ہوئے۔ خواجہ محمد احسان مؤلف ''روضۃ القیومیہ'' نے لکھا ہے کہ ''دو پہاڑوں کے درمیان ہزار برس تک آفتاب کے فیض پہنچنے کے بعد جو لعل پیدا ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ بیش قیمت ہوتا ہے۔ حضرت مجددؒ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ایسے دو پہاڑوں کے درمیان میں ہیں۔ اوّل سے نسبت طریقت اور ثانی سے نسبت توالد ہے اور آنحضرت محمد ﷺ ایسے آفتاب دین اسلام کا فیض ہزار برس تک پہنچنے کے بعد مجدد الف ثانیؒ کا وجود ہوا۔'' ایسے باریک نکات

Marfat.com

سے حضرت مجددؒ کے علو مرتبہ کا ثابت کرنا دیگر دلائل معقولی و منقولی کے ہوتے ہوئے چنداں مستحسن معلوم نہیں ہوتا۔

بحیثیت قیوم جو معارف اور اسرار مخصوصہ آپ پر منکشف ہوئے، ان کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) تاویل مقطعات و متشابہات قرآنی۔ اس کا اظہار آپ نے کسی پر نہیں کیا۔

(۲) وہ معارف جن کا اظہار صرف اپنے صاحبزادوں سے آپ نے کیا۔

(۳) وہ معارف جن کا اظہار آپ نے خاص مریدین اور محرمان راز سے خلوت خاص میں فرمایا۔

(۴) وہ معارف جو بہ نیت افادۂ طالبان یا بالتماس سائلاں آپ نے اپنے رسائل اور مکاتیب میں تحریر فرمائے۔

از قیومیت تا وفات

اس بات میں اگر صرف وہ حالات درج ہوتے جن کا پتہ مکتوبات حضرت مجددؒ سے لگتا تو بہتر تھا، مگر ایسا نہیں کیا گیا کیونکہ ''مکتوبات'' میں نہ تو تحریر کی تاریخیں درج ہیں نہ وہ مثل خیالات کے واقعات کا پورا پتہ دے سکتے۔ بہ مجبوری معتقدین اور مریدین کی تحریروں سے واقعات اخذ کئے گئے۔ ممکن ہے کہ خوش عقیدگی ان کی مبالغہ گوئی تک منحصر ہوئی ہو، لیکن عام اخبار نویسوں سے تو ان کا اخلاقی درجہ اتنا بلند ہے کہ ان پر اعتبار نہ کرنا متلاشی حق کے لئے کسی طرح روا نہیں ہے۔

۱۰۱۰ھ میں خلعت قیومیت حضرت مجددؒ کو عطا ہوا اور اسی سال میں آپ کو خطاب ''خزینۃ الرحمۃ'' بارگاہ صمدیت سے عطا ہوا۔ یہ باتیں اہل باطن سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت مجددؒ علوم ظاہری میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اجتہاد پر عمل کرتے تھے۔ گو اپنے آپ کو بھی مجاز اجتہاد جانتے تھے۔ کتب تفسیر و احادیث کے معتبر علماء کو ایسا ہی کرنا چاہئے، لیکن یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ شاید ہی کوئی مسئلہ ائمہ سابق کے اجتہاد سے بچ رہا ہو۔ جس میں اجتہاد کی ضرورت ہو، کسی مجتہد کی تقلید اس طرح کرنا کہ دوسرے مجتہدین کی رائے کو باطل سمجھنا لازم ہو، اہل سنت و جماعت کا طریقہ نہ ہونا چاہئے اور نہ تمام مذہبی کتابوں پر عبور کامل حاصل کئے بغیر مجتہدین سابق کی رایوں پر نکتہ چینی کرنا قرین صواب ہے اور اسی معنے سے کہا جاتا ہے کہ عوام کے لیے تقلید بغیر چارہ نہیں ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض امور میں حضرت مجددؒ کا بھی اجتہاد ہے۔ مثلاً مذہب حنفیہ ماتریدیہ کے نزدیک وہ مشرک جنہیں خبر رسالت نبی نہیں پہنچی، دوزخی ہیں لیکن مذہب شافعی کے فقہا انہیں جنتی کہتے ہیں۔ اول الذکر کا استدلال قرآن شریف کی اس آیت پر ہے:

اللہ لا یغفرو ان یشرک بہ و یغفر مادون ذالک لمن یشاء

اللہ مشرک کو نہ بخشے گا ان کے سوا جنہیں چاہے گا بخشے گا

فقہاء آخر الذکر اپنے استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

ماکنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا

ہم اس وقت تک کسی پر عذاب نہیں کرتے جب تک اس کے پاس رسول نہ بھیجیں۔

Marfat.com

اس بحث میں حضرت مجددؒ محاکمہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے لوگ حشر کے بعد چوپایوں کی طرح خاک کر دیئے جائیں گے۔ اسی طرح کفار دارالحرب کے بچے، امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ذمیوں کے بچوں کی طرح بہشتی ہیں، لیکن حضرت مجدد کے نزدیک وہ بھی خاک کر دیئے جائیں گے۔

آپ کے نزدیک جنت میں داخل ہونا اسلام یا تبعیت اسلام پر وابستہ ہے۔ دارالحرب کے بچوں کے لئے تبعیت اسلام مفقود ہے اور یہی کیفیت اہل ذمہ کے لڑکوں کی ہے۔ غرض ایمان اصالت اور ایمان تبعیت مطلق طور پر دونوں کے حق میں مفقود ہے، اس لئے ان کا جنت میں داخل ہونا متصور نہیں ہوتا۔

مشرکین کا دوزخ میں ہمیشہ کے لئے رہنا اس حالت میں منحصر ہوسکتا ہے جبکہ ان کے حق میں دعوت نبی ثابت ہو۔ نہ ان کے لئے کہ جن کے حق میں دعوت ثابت کرنا محال ہے۔ غرض کہ مشرک کا جنت میں داخل ہونا نصوص قرآنی کے خلاف ہے اور جس کو کہ دعوت رسول پہنچی ہو، اس پر خدا کا مرتب ہونا کمال رافت خداوندی سے بعید ہے۔ جو حکم چوپایوں کے لئے ہے وہی حکم ان کے لئے ہوگا یعنی بعث ونشور کے بعد ایسے لوگ مقام حساب میں کھڑے کر کے اور حقوق پورے کرا کر خاک کر دیئے جائیں گے۔ (مکتوب ۲۵۹)

حضرت مجدد کے حالات بقید سال حسب ذیل ہیں:

سال اوّل

اس سال ملا عبدالرحمٰن ایک جید عالم آپ کے مرید ہوئے اور اسی سال اول حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے بطور استفادہ بذریعہ مکتوبات چند باتیں آپ سے دریافت فرمائیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ بظاہر آپ کے پیر اور درپردہ مرید تھے۔

سال دوم

اس سال حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے اپنے مریدوں اور خلفاء کو حضرت مجددؒ کے پاس علوم باطن سیکھنے کو بھیجا۔

اسی سال سید صدر جہاں اور خان اعظم ایسے مقرب سلطانی حضرت مجددؒ کے مرید ہوئے۔

سال سوم

اس سال حضرت مجددؒ سہ بارہ آئے، تو حضرت خواجہ باقی باللہؒ مریدوں کی طرح آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے تھے، لیکن حضرت مجددؒ اپنے طور پر پیر کے ادب اور تعظیم میں کوتاہی نہ کرتے تھے۔ حضرت مجددؒ کی توجہ نے حضرت خواجہ باقی باللہ کو بھی توحید وجودی سے توحید شہودی تک پہنچایا۔

سلطان اورنگزیب کے زمانے میں ''مرأۃ العالم'' اور ''مرأۃ جہاں نما'' نام جو کتابیں تالیف ہوئی ہیں، ان

Marfat.com

میں بطور عجائب روزگاران آداب کا ذکر ہے، جو حضرت خواجہ باقی باللہؒ حضرت مجددؒ الف ثانی کے مقابلے میں بجا لاتے تھے۔

اسی سال مجددؒ لاہور تشریف لائے۔ یہاں علاوہ عوام الناس کے مولانا طاہر، مولانا حاجی محمد اور مولانا جمال تلوی ایسے علماء معتبر استفادہ باطنی حضرت مجددؒ سے کرتے تھے۔ اسی سال خواجہ فرخ حسین بدخشاں سے استفادہ باطنی کے لئے حضرت مجددؒ کے پاس آئے اور میر نصیر احمد رومی نے مدینہ سے آ کر حضرت مجدد سے بیعت کی۔

اسی سال خواجہ باقی باللہؒ کا انتقال ہوا۔ خبر رحلت سُن کر مجددؒ دہلی تشریف لائے تو امرائے سلطانی خان خاناں اور مرتضٰی خان نے جو حضرت باقی باللہؒ کے مرید تھے، حضرت مجددؒ سے تجدید بیعت کی اور استفادۂ علم باطن کیا۔

سال چہارم

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے بعض خلفا جو حضرت مجدد الف ثانی سے مخالف ہو گئے تھے۔ وہ راہ راست پر آ کر مخالفت سے باز آئے۔

سال پنجم

شاہ اکبر کی بے دینی سے گھبرا کر لوگوں نے حضرت مجددؒ سے فریاد کی۔ آپ نے خان خاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں اور مرتضٰی خاں کے ذریعہ سے بادشاہ کی طرف نصیحت آمیز پیغام بھیجے۔ یہ لوگ مقرب بارگاہ سلطانی تھے اور حضرت مجددؒ کے معتقد و مرید تھے۔ بالآخر قوم کو اختیار دیا گیا کہ سنت نبویؐ پر چلے یا بادشاہ اکبر کے اختراعات پر عمل کرے۔ اس طرح جو لوگ بادشاہ کے خوش کرنے کو امور مذہب میں جبر کرتے تھے، باز رہے اور دربار کا ایک دن مقرر ہوا جس میں سُنت نبوی پر عمل کرنے والوں کی نشست کا خیمہ الگ تھا اور بادشاہ کے معتقدوں کی نشست الگ تھی۔ بادشاہ اکبر دونوں کے سامنے ایک غرفہ میں بیٹھا تھا کہ اتفاقاً عین دربار کے وقت تُند ہوا چلی۔ ذریات اکبری کا خیمہ اکھڑ گیا۔ لوگوں کو چوٹیں لگیں۔ بادشاہ بھی زخمی ہوا لیکن خیمہ احمدی کو کچھ گزند نہ پہنچا۔ اس روز اکثر آدمی حضرت مجددؒ کے معتقد اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ ان میں خان جہاں لودھی، سکندر لودھی اور دریا خاں بڑے پائے کے امراء تھے۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد شاہ اکبر کا انتقال ہوا۔ شہنشاہ اکبر اور حضرت مجددؒ کے درمیان ذاتی مخالفت کے وجوہ پیدا نہیں ہوئے تھے جیسا کہ آئندہ زمانے میں حضرت مجددؒ اور جہانگیر کی مخالفتوں کا ظہور ہوا۔ (روضۃ القیومیہ)

سال ششم

اس سال ماوراء النہر اور بدخشاں میں حضرت مجددؒ کی پوری شہرت ہوئی تو طاہر بدخشی نے شاہ بدخشاں کی رقابت چھوڑ کر ہندوستان کا رُخ کیا۔ راستے میں مولانا صالح غلام جیلانی طائفان کے ایک جید عالم شیخ عبدالحق

شادیانی، شیخ احمد برکی اور شیخ مولانا یوسف بھی ساتھ ہوئے اور یہ قافلہ سرہند پہنچا۔ شیخ احمد برکی کو قطب کی خدمت دے کر حضرت مجددؒ نے واپس کیا۔ اسی زمانے میں شیخ حسن کو خلیفہ بنا کر اور شیخ یوسف کو بھی درجہ خلافت عطا کر کے واپس کیا۔ مولانا صالح کو کچھ عرصے تک اپنے پاس رکھ کر طائقان کی طرف بطور خلیفہ روانہ کیا۔ مولانا قاسم علی کو ماوراء النہر کی اسی سال خلافت عطا کی۔ خراسان، بدخشاں اور توران کے ہر شہر اور ہر قصبے میں حضرت مجددؒ کے خلفا بکثرت پھیل گئے۔ عبداللہ خاں اُزبک جوان مقامات کا بادشاہ تھا، حضرت مجددؒ کا معتقد ہوا اور غائبانہ آپ کا مرید ہوا۔ اسی سال حضرت مجددؒ نے میر محمد نعمان اور اپنے چند خلفا کو ملک دکن کی طرف بھیجا۔ ان کے مراقبے کے حلقے میں فوج کے چار سو سوار اور بے شمار پیادے حاضر رہنے لگے۔ یہ زمانہ جہانگیر کی سلطنت کا تھا۔ جہانگیر اپنی کمزوریوں کا احساس کرتے ہوئے ایسے مجمع کو خطرے سے خالی نہ سمجھتا تھا۔ اسی لئے میر مذکور کو اس نے دکن سے بلا کر اپنے پاس رکھا۔ یہ بادشاہ اپنے باپ شاہ اکبر کے اثر صحبت سے اور ماں کی طرف سے ہندو نژاد ہونے کی وجہ سے مذہب ہنود کا طرف دار تھا اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ نور جہاں سے جس کا مذہب اثناء عشریہ تھا، عقد نکاح کر کے اس کے باپ اور بھائی کو قلمدان وزارت سپرد کیا۔ حضرت مجددؒ کے اتباع سُنت نبوی نے جو ایک تازہ روح ارکان دولت اور اہل فوج میں پھونکی، تو یہ لوگ بادشاہ سے اس کا رجحان طبیعت ہندوؤں اور شیعوں کی طرف دیکھ کر نفرت کرنے لگے۔ اس لئے بادشاہ ارکان دولت سے خائف رہتا تھا۔ یہی اس کی کمزوریاں تھیں۔ اسی سال شیخ طاہر بدخشی بھی حضرت مجددؒ کے زمرۂ خلفا میں داخل ہوئے۔

سال ہفتم

عبداللہ خاں اُزبک شاہ تورانی سُنی المذہب تھا، اور عباس صفوی شاہ ایران تشیع کی ترویج میں کوشاں تھا۔ توران اور خراسان کے سربر آوردہ لوگ عبداللہ خاں اُزبک کو شاہ ایران سے جہاد کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ عبداللہ خاں کو لڑائی میں تامل تھا۔ اس نے حضرت مجددؒ سے استصواب رائے کیا۔ شیعوں اور سُنیوں کی سیاسی مخالفت کا یہ ابتدائی زمانہ تھا۔ اس کے پہلے محض مذہبی اختلاف آرا تھا۔ شیعوں اور سُنیوں میں پہلے ایسی تفریق نہ تھی جیسی کہ اس زمانے میں آغاز ہوئی۔ حضرت مجددؒ نے ایک رسالہ خلفائے اربعہؓ اور حضرت عائشہؓ کے فضائل میں لکھ کر عبداللہ خاں کے پاس بھیجا۔ عبداللہ خاں نے وہ رسالہ شاہ عباس کے پاس روانہ کیا۔ شاہ عباس نے اسے دیکھ کر علانیہ خلفائے اربعہؓ اور حضرت عائشہؓ کی تکفیر کی۔ ایلچی جب یہ خبر لایا تو عبداللہ خاں کو طیش آیا اور فوج لے کر وہ ایران کی طرف بڑھا۔ ایک بڑی لڑائی ہوئی، جس میں عبداللہ خان کو فتح ہوئی لیکن عبداللہ خاں شاہ عباس کو مغلوب کر کے اور ممالک مفتوحہ اسے واپس دے کر واپس چلا آیا۔

اس کے بعد ایرانیوں نے ایک رسالہ اپنے مذہب کی تائید میں لکھ کر عبداللہ خاں کے پاس بھیجا اور عبداللہ خان نے ردّ رسالہ لکھنے کی فرمائش کی۔ حضرت مجددؒ نے ایک رسالہ ''ردشیعہ'' لکھ کر عبداللہ خاں کے پاس بھیجا۔ عبداللہ خاں نے اسے شاہ عباس کے پاس روانہ کیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس رسالے کو دیکھ کر بہت سے شیعوں نے اپنے خیالات بدل دیئے اور ان میں بعض حضرت

Marfat.com

مجددؒ کے پاس بھی حاضر ہوئے۔ جہانگیر کے دادا ہمایوں کے وقت سے اہل تشیع ارکان دولت میں داخل تھے اور ایک شیعہ کے وزیر اعظم ہونے سے اور بھی شیعوں کا زور ہندوستان میں بڑھا چلا تھا۔ اس رسالہ ''ردِ شیعہ'' نے شیعان ہند کو حضرت مجددؒ کا دشمن بنایا اور وزیر اعظم نے بادشاہ کو حضرت مجددؒ سے بدظن کرنا شروع کر دیا۔

سال ہشتم

شیخ فضل اللہ برہان پوری سے بعض لوگوں نے حضرت مجددؒ کے عقائد کی برائیاں بیان کیں۔ شیخ صاحب بڑے بزرگ تھے۔ تفحص حالات کے لئے اپنے ایک ذی استعداد مرید کو انہوں نے تعینات کیا۔ وہ تین مہینے تک خانقاہ سرہندی میں رہ کر حضرت مجددؒ کا معتقد ہو گیا۔ چلتے وقت اس نے اپنے آنے کی غرض بیان کی، تو مجددؒ نے اس کے شبہات کے کافی جواب دیئے اور اس مرید کے واپس آنے پر شیخ فضل اللہ بھی حضرت مجددؒ کے معتقد ہوئے اور اطراف سرہند سے کوئی شخص ان کے پاس مرید ہونے کی غرض سے آتا تو وہ فرماتے کہ آفتاب کو چھوڑ کر ستاروں کی طرف رجوع کرنا بُرا ہے۔

شیخ حسن غوثی کو بھی حضرت مجددؒ کے مدارج کمالات میں شُبہ تھا۔ ان کا بھی شبہ رفع ہوا، تو کمالات مجددی کا انہوں نے اعتراف کیا۔

ہندوستان کے ایک رئیس تربیت خان نے ایک جید عالم سے پوچھا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کیسے ہیں؟ اس نے کہا۔ ''میں صوفیائے کرام کا قائل نہ تھا۔ مریدوں کی تحریروں کو مبالغہ سمجھتا تھا۔ حضرت مجددؒ کے اوضاع اور اطوار دیکھ کر نہ صرف حضرت مجددؒ سے میری خوش عقیدگی بڑھی۔ بلکہ گذشتہ اولیائے کرام کی عظمت بھی میرے دل میں قائم ہوئی۔'' علاوہ اس مولوی کے اور بھی بہت سے علماء نے تعریف کی۔ اس کے بعد تربیت خان حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ ان کی قبر حضرت مجددؒ کے روضہ میں ہے۔

سال نہم و دہم

اس سال بہت سی کرامتیں حضرت مجددؒ سے ظاہر ہوئیں۔ اسی سال خواجہ محمد اشرف کابلی اور میرک شیخ حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ میرک شیخ شہزادۂ داراشکوہ کے استاد تھے۔ داراشکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' میں اپنے استاد کا مرید ہونا لکھا ہے اور لکھا ہے۔ ''میرے استاد بہت چھان بین کے بعد حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تھے۔''

سال یازدہم

جہاں معتقدین کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، وہاں حاسد اور عدو بھی پیدا ہوتے رہے۔ آپ نے اپنے دشمنوں کے پاس پیغام بھیجا کہ ''جس طرح آنحضرت محمد ﷺ نے نجران کے نصاریٰ سے مباہلہ کیا تھا۔ میں بھی اسی طرح مباہلہ

١٢٧١٢٩

Marfat.com

کرنے کو تیار ہوں۔'' لیکن کوئی راضی نہ ہوا۔ ''روضۃ القیومیہ'' میں لکھا ہے کہ ''حضرت غوث الاعظم کی روح مجددؒ الف ثانی نے طلب کی تھی اور وہ آئی تھی۔'' اللہ تعالیٰ میں سب قدرت ہے، لیکن مافوق العادت باتیں بیان کر کے کسی بزرگ کا علوئے مرتبہ دکھانا ہمارے نزدیک عوام کی تعلیم کے لئے طریقہ محمود نہیں ہے۔ جو پردے کی بات ہو اسے پردے ہی میں رہنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ انسان کا علم محدود یا غیر مکمل ہے۔ سلسلہ اسباب ظاہری کے علاوہ سلسلۂ اسباب باطنی بھی ہے۔ کوئی بات کتنی ہی خلاف قیاس ظہور میں آئے اس سے انکار کرنا جہالت ہے، لیکن ایسی باتوں کا بیان کرنا جن سے انسانی تمدن و معاشرت پر اچھا اثر نہ پڑے اور اوہام پرستی میں اضافہ ہو، غیر مستحسن ہے۔ اگر کسی بزرگ نے سکر یا غلبۂ حال میں یا عالمان علم باطنی کو مخاطب کر کے کوئی بات راز کی کہی ہو تو اس کا اظہار کرنا دوسروں کے لئے چنداں مفید نہیں ہے۔ حضرت غوث الاعظم کی روح کے متعلق بڑے شد و مد سے ''روضۃ القیومیہ'' میں داستان بیان کی گئی ہے مگر ہم نے نہایت اختیار سے یہاں کام لیا ہے۔

سال دوازدہم

اس سال کے اہم واقعات میں مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی اور مولوی شیخ حمید بنگالی کا مرید ہونا ہے۔ مولوی عبدالحکیم کے تصانیف سلسلۂ نظامیہ کے نصاب تعلیم کے انتہائی درجوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ حضرت مجددؒ کے تصانیف دیکھ کر حضرت مجددؒ کے مرید ہونے کے شائق ہوئے تھے۔ مولوی شیخ حمید بنگالی بھی ایک بڑے پایہ کے عالم تھے۔ حضرت مجددؒ اکبر آباد آئے تو آپ کو دیکھ کر شیخ حمید جو پہلے منکرین میں تھے، حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور خرقہ خلافت لے کر بنگال کی طرف گئے اور وہاں ان کا طریقہ بہت رائج ہوا۔

میر یوسف سمرقندی نے جو پہلے حضرت باقی باللہؒ کے مرید تھے اور پھر حضرت مجددؒ کے مرید ہوئے تھے۔ اپنے مرض الموت میں حضرت مجددؒ کے کمالات باطنی حاصل کئے۔

سال سیزدہم

اس سال ایک بلخی شیخ حضرت مجددؒ کے مرید ہوئے اور سلسلہ چشتیہ کے ایک سجادہ نشین بھی مرید ہوئے۔

سال چہاردہم

اس سال سرہند میں طاعون کا بڑا زور ہوا جیسا کہ طاعون کے تاریخی حالات میں لکھا ہوا ہے کہ جہانگیر کے عہد میں یہ مرض ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا۔ حضرت مجددؒ کے دو فرزند شیخ محمد عیسیٰ اور شیخ محمد فرخ اور ایک دختر اُم کلثوم اور ایک بہو کا۔ پھر اس کے بعد آپ کے فرزند اکبر خواجہ محمد صادق کا انتقال ہوا اور ان کے مرنے کے بعد وباء طاعون سرہند

Marfat.com

سے دفع ہوئی۔ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ قیوم رابع کے زمانہ میں بھی طاعون پھیلا تھا۔

اس سال حضرت مجددؒ نے سرہند کو بہت متبرک مقام بیان کیا۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ اورنگزیب نے یہ سُن کر اپنے عہد سلطنت میں حضرت مجددؒ کے روضۂ مبارک کی خاک بطور تبرک اپنے خزانہ میں رکھی تھی۔ اعظم شاہ نے تخت پر بیٹھ کر خزانہ سے الگ کر دیا۔ اس کے بعد ہی اعظم شاہ سے اس کے بھائی معظم شاہ نے سلطنت چھین لی۔ ''روضۃ القیومیہ'' میں ایسا ہی لکھا ہے۔ ہم نے مورخانہ حیثیت سے اس کی تحقیق نہیں کی۔ یہ ضرور ہے کہ خاک خزانہ شاہی میں درحقیقت رکھی گئی تھی۔

اسی سال حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ شہر سرہند کے باہر جنوب ومشرق کی طرف میں نے ایک ٹیلے پر چند انبیاء کی قبریں مکاشفے سے دریافت کی ہیں۔ حضرت مجددؒ کا قول تھا کہ ''جو علم الٰہی ہندوستان میں پھیلا تھا، وہ ان انبیاء سے لیا گیا تھا۔'' اگر ہندوستان میں نبی نہ ہوتے تو قدیم زبان ہند میں نبی کے لفظ بسیٹھ نہ ہوتا۔ حضرت امیر خسرو ''خالق باری'' میں لکھتے ہیں۔ ع: رسول پیغمبر جان بسیٹھ، بسٹیٹھ بمعنی ایلچی ہوں تو حجت کچھ نہیں

اس سال حروف مقطعات قرآنی کے اسرار آپ پر ظاہر ہوئے، لیکن آپ نے قیوم ثانی کے سوا کسی دوسرے کو آگاہ کرنا پسند نہ فرمایا اور صرف انہیں کو خلوت میں بلا کر کچھ بتایا مگر وہ بھی شاید پورے طور پر نہیں۔ یہ خلوت کئی دن تک قائم رہی اور تعلیم بڑی مہتمم بالشان تھی۔

اس سال بہت سے خلفا ہدایت اور اشاعت اسلام کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے گئے۔ ستر آدمی مولانا محمد قاسم کی سرداری میں ترکستان اور دشت قپچاق کی طرف روانہ کئے گئے تھے اور چالیس آدمی عرب، یمن، شام اور روم کی طرف مولانا فرخ حسین کی ماتحتی میں بھیجے گئے تھے۔ مولانا صادق کابلی کے ماتحت دس معتبر یار کاشغر کی طرف بھیجے گئے اور تیس خلفا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں اور خراسان گئے اور ان لوگوں نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے۔

سال پنج دہم

اب وقت آ گیا کہ اکثر بلاد اسلام کے امراء، حکام، علما اور مشائخ حضرت مجددؒ سے آگاہ ہو گئے تھے اور ہر طرف سے لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے۔ جب آپ مرجع خلائق ہو گئے تو آپ کی مجلس کی یہ عظمت تھی اور دبدبہ کی یہ شان تھی کہ وہاں بڑے متکبروں کو بھی بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اسی زمانہ میں حضرت مجددؒ نے شیخ بدیع الدین کو لشکر جہانگیری میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ آصف جاہ وزیر سلطنت سے بے لطف ہوا اور بادشاہ سے کہا کہ ''آپ کو حضرت مجددؒ کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ ان کا اثر نہ صرف ہندوستان میں ہے بلکہ ایران، توران، بدخشاں وغیرہ میں بھی ہے۔ شاہ اسماعیل صفوی نے مریدوں ہی کے ذریعہ سے سلطنت ایران پر قبضہ کر لیا تھا۔ بہتر ہے شیخ بدیع الدین کے پاس لشکریوں کا جانا روکا جائے اور حضرت مجددؒ اس پر معترض ہوں تو وہ قید کئے جائیں۔'' اس کے بعد شیخ بدیع الدین کے پاس لشکریوں کے حاضر ہونے کی ممانعت کا حکم جہانگیر کی طرف سے صادر ہوا اور حضرت مجددؒ

Marfat.com

مشتبہ قرار پائے۔ شیخ صاحب لشکر سے الگ ہو جانا چاہتے تھے لیکن حضرت مجددؒ نے اس بات کی اجازت نہ دی۔ بالآخر سلطنت کی طرف سے جاسوس مقرر ہوئے اور شیخ بدیع الدین اور حضرت مجددؒ کی درمیانی مراسلت بند ہوئی۔ شیخ بدیع الدین گھبرا کر حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس سے خوش نہ ہوئے، تو پھر واپس چلے گئے۔ مخالفوں کو موقع ملا اور بادشاہ کو سمجھایا کہ شیخ صاحب اہل لشکر کا پیغام حضرت مجددؒ کے پاس لائے تھے۔ غرض وزیر نے اچھی طرح بادشاہ کے کان بھرے اور دربار شاہی میں حضرت مجدد کے قتل، جلاوطنی یا قید کے مشورے ہونے لگے۔

اسی سال حضرت مجددؒ کو خبر پہنچی کہ شہر سامانہ کے خطیب نے عید الفطر کے خطبہ میں خلفائے راشدین کے نام نہیں لئے۔ آپ نے وہاں کے لوگوں کو لکھا کہ خلفائے راشدین کے ناموں کا خطبہ پڑھنا چنداں ضروری نہیں ہے لیکن اس وقت ایسا کرنا مصلحت ہے کیونکہ ان اصحاب کے مخالف گروہ اہل تشیع کا زور روز بروز بڑھ رہا ہے۔

سال شش دہم

بالآخر ۱۶ مجددی میں جہانگیر نے حضرت مجددؒ کے قید کرنے کا ارادہ کیا اور اس لئے ان ارا کین کو جو حضرت مجددؒ کے معتقد تھے، اکبر آباد سے ہٹا دیا۔ اس طرح کہ خان خاناں کو دکھن، سید صدر جہاں کو پورب، خان جہاں لودی کو مالوہ، خان اعظم کو گجرات اور مہابت خان کو کابل کا حاکم مقرر کر کے روانہ کر دیا اور اس کے بعد بذریعہ خط حضرت مجددؒ کو سرہند سے طلب کر کے گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ قید میں جانے کے پہلے عقائد کے متعلق جو بدگمانیاں وزیر کے کہنے سے بادشاہ کے دل میں پیدا ہوئی تھیں، انہیں تو حضرت مجددؒ نے رفع کر دیا لیکن حضرت مجددؒ نے سجدۂ تعظیمی کرنے سے انکار کیا۔ حتیٰ کہ بادشاہ کے سامنے ذرا جھک کر بھی آداب سلطنت بجالانا پسند نہیں کیا اور اس جرم میں وہ سزاوار قید ٹھہرے۔ حضرت مجددؒ کا بیان تھا کہ اس قید نے آپ کو تزکیہ نفس میں بڑا فائدہ پہنچایا۔

سال ہفتدہم

۱۷ مجددی میں حضرت مجددؒ کے مریدوں نے اور معتقدوں نے حضرت مجددؒ کی نظر بندی کی خبر سُن کر باہم خط وکتابت شروع کی اور مہابت خان کو اپنا سردار تجویز کر کے علم بغاوت بلند کیا۔ دوسری ولایتوں کے حکمراں بھی ہمدرد تھے اور وہاں سے بھی مدد پہنچی تو مہابت خان خطبہ اور سکہ سے بادشاہ کا نام نکال کر کابل سے ہندوستان کی طرف چلا۔ وزیر نے بادشاہ کو حضرت مجددؒ کے قتل کی رائے دی۔ پہلے تو یہ صلاح پسند آئی۔ لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ قتل سے معاملہ اختیار سے باہر ہو جائے گا۔ غرضیکہ مہابت خان کابل سے لشکر جرار لے کر چلا۔ اس اثناء میں باغیوں نے چاہا کہ حضرت مجددؒ کو تخت پر بٹھائیں، لیکن حضرت مجددؒ نے اسے پسند نہ کیا۔ دریائے جہلم پر جہانگیر اور مہابت خان کا مقابلہ ہوا۔ دریا کے ایک طرف مہابت خان کی فوج تھی اور دوسری طرف شاہی فوج تھی۔ شاہی لشکر نے جن میں حضرت مجددؒ کے مرید بھی تھے، مہابت خان پر حملہ کیا۔ بادشاہ اپنے ہمراہیوں کے بطون سے واقف نہ تھا۔ مہابت خان بھاگا۔ بادشاہ نے تعاقب کیا۔

جب بادشاہ اپنے لشکر سے دور ہوگیا تو مہابت خان نے بآسانی اسے گرفتار کرلیا اور وزیر کا کچھ بس نہ چلا۔ وہ نادم اور پریشان ہوا۔ اسی اثناء میں دیگر امراء کے ذریعہ سے حضرت مجددؒ کا حکم مہابت خان کو ملا کہ "فتنہ اور فساد فرو کرو اور بادشاہ کی اطاعت کرو۔" مہابت خان نے حضرت مجددؒ کی رہائی کا عہد و پیمان لے کر بادشاہ کو پھر تخت پر بٹھایا اور خود دست بستہ سامنے کھڑا ہوا اور آداب سلطنت بجالایا۔ صرف سجدہ تعظیمی نہیں کیا۔ بادشاہ نے اس کا قصور معاف کیا۔ بادشاہ تین، سات یا زیادہ دنوں تک مہابت خان کے پاس نظر بند رہا پھر آزاد ہوا، تو کشمیر کی طرف چلا۔ اس کے پہلے سے شہزادہ خرم (جو بعد کو شاہجہاں ہوا) وزیر کی مرضی کے خلاف حضرت مجددؒ کے لئے اپنے باپ جہانگیر سے سفارشیں کر رہا تھا۔ اب حضرت مجددؒ کی نیک نیتی جو ظاہر ہوئی، تو بادشاہ نے حضرت مجددؒ کی رہائی کا حکم دیا اور اپنے پاس طلب کیا۔ حضرت مجددؒ نے سات شرطیں حاضری کے لئے پیش کیں۔

(۱) سجدۂ تعظیمی موقوف ہو۔

(۲) مسجدیں آباد ہوں۔

(۳) گاؤ کشی کے انسداد کے جو احکام جاری ہیں، وہ منسوخ کئے جائیں۔

(۴) خادمانِ شرع مثلاً قاضی، محتسب، مفتی وغیرہ مقرر ہوں۔

(۵) جزیہ لیا جائے۔

(۶) احکام شرع کی ترویج ہو اور بدعتیں رفع کی جائیں۔

(۷) قیدی (غالباً سیاسی قیدی) رہا کئے جائیں۔

بادشاہ نے یہ شرطیں منظور کیں اور حضرت مجددؒ بڑی عزت اور احترام سے رہا کئے گئے اور سرہند پہنچے اور مفصلہ بالا ساتوں شرطیں جو منظور ہوئی تھیں، ان کے متعلق فرمان شاہی جاری ہوئے اور ان کے مطابق عملدرآمد شروع ہوگیا۔ ہر شہر اور قصبے میں مسجدیں اور مدرسے قائم ہوئے اور قصابوں کی دکانیں بھی قائم ہوئیں۔ دربار عام کے سامنے مسجد بنائی گئی۔ اس مسجد میں بادشاہ نے حضرت مجددؒ کے پیچھے نماز پڑھی اور اپنی پہلی خطاؤں سے بہت منفعل ہوا اور مجددؒ کو اپنے ہمراہ رکھنے لگا۔

ضلع گورکھپور میں برلب جو، ایک چھوٹا سا گاؤں سلیم پور نام ہے۔ یہاں ایک بڑی شاندار مسجد ہے اور قصابوں کے گھر ہیں۔ اس مسجد کا کتبہ یہ ظاہر کرتا ہے۔

ابتدائے عہد شاہجہاں میں یہ مسجد تیار ہوئی اور اس سے بخوبی عیاں ہوتا ہے کہ اس کے بنانے کے اسباب عہد جانگیری میں پیدا ہوئے۔

ایک ہندو راجہ معتوب ہوکر جہانگیر کے پاس پہنچایا گیا۔ اس نے مسلمان ہوکر جان بچائی اور واپس آ کر جہانگیر کے نام پر سلیم پور بسایا۔ ایک مسجد بنائی اور گاؤ قصاب آباد کئے۔ جہانگیر کے خوش کرنے کو مسجد بنانا اور قصابوں کا بسانا کیسا؟ کتب تاریخ نصاب مدارس انگریزی اس کا جواب نہیں دے سکتیں، لیکن مفصلۂ بالا شرطیں اس عقدے کو حل کر دیتی ہیں اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے عہد میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جب مناکحت جاری

Marfat.com

تھی (جسے شاہجہاں نے بند کیا) تو ایک ہندو کا بادشاہ کے خوش کرنے کے لئے مسلمان ہو جانا کیسا؟ قیاس میں صرف یہ بات آتی ہے کہ مجددؒ کے نئے اختیارات کے بھروسے پر راجہ نے کلمہ پڑھا اور مجدد صاحبؒ اس کے سپر بن گئے، کیونکہ مجدد صاحبؒ اخیر اخیر مشیر سلطنت بھی تھے۔

نصابی تاریخوں میں جو مہابت خان کا جہانگیر کو گرفتار کرنا مذکور ہے، وہ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کیوں گرفتار کیا! اور کیونکر گرفتار کیا؟ اور اگر اپنے داماد شاہجہاں (خرم) کے تخت نشین بنانے کو ایسا کیا، تو پھر اسے تخت نشین کیوں نہیں کیا اور اگر خود تخت پر بیٹھنا چاہتا تھا تو کیوں نہ بیٹھا؟ اس سے زائد حیرت یہ ہے کہ ایسے زبردست بادشاہ کو قید کر کے پھر بے خوف اسے رہا کیوں کیا؟ اور اگر کم عقلی اور خبط الحواسی سے اس نے بادشاہ کو رہا کر دیا تھا تو پھر بادشاہ نے رہا ہو کر مہابت خان اور اس کے ساتھیوں کو اس کے اعمال کی سزا کیوں نہ دی؟ بادشاہ کا بیٹا بھی ایسی حرکت کرتا تو قابل رحم نہ ہوتا۔ مہابت خان تو شخص غیر تھا۔ اتنی بڑی بے ادبی اس نے کی اور پھر بادشاہ نے اس کی سزا نہ کی! ان سوالوں کا جواب تواریخ ہندوستان پڑھ کر کوئی نہیں دے سکتا، لیکن حضرت مجددؒ کے مریدین نے جو حالات لکھے ہیں اور جن کا خلاصہ اوپر لکھا گیا ہے، اس تاریخی معمے کو حل کر دیتے ہیں۔ یہ سارا طلسم حیرت اس علم کے بعد ٹوٹ جاتا ہے کہ حضرت مجددؒ کی ذات پس پردہ کام کر رہی تھی۔ حضرت مجددؒ کو بادشاہ نے باغی سلطنت سمجھ کر قید کیا تو آپ کے بااختیار مریدوں نے باہم سازش کر کے بادشاہ کو قید کر لیا اور حضرت مجددؒ کو قید سے نکال کر بادشاہ بنانا چاہا، لیکن آپ نے اسے پسند نہیں کیا اور آپ کے حکم سے بادشاہ پھر تخت پر بٹھایا گیا۔ بادشاہ سمجھا کہ جنہیں وہ باغی سلطنت سمجھا تھا، اُن سے بڑھ کر دوسرے لوگ اس کے بہی خواہ نہیں ہو سکتے کیونکہ انہوں نے سلطنت لے کر واپس دیدی۔ اسی وجہ سے حضرت مجددؒ کی ذریات بہترین معتمدان سلطنت رہے۔

سال ہشتدہم

اس سال کے دو واقعات قابل ذکر ہیں۔ ایک ملا نوراللہ شستری کا قتل اور دوسرا عیسائی پادریوں کا قتل اور ان دونوں میں حضرت مجددؒ کا بھی نام لیا جاتا ہے۔ واقعات کی صورت یہ ہے کہ حضرت مجددؒ کا رسوخ دربار شاہی میں ہوا تو آپ کا رنگ پھیکا کرنے کو وزیر نے ملا نوراللہ کو ایران سے بلوایا۔ جہانگیر کے مزاج میں تلون بہت تھا۔ نوراللہ کی باتوں پر وہ توجہ کرنے لگا تو حضرت مجددؒ نے اسے سمجھایا کہ آپ کو مذہب تیمور صاحب قراں سے پھیر کر شاہ عباس صفوی کے مذہب کی طرف لے جانے کو ملا نوراللہ ایران سے بلائے گئے ہیں۔ بادشاہ کو اس پر طیش آیا اور وہ طیش ملا صاحب کے قتل کا باعث ہوا۔

ملا نوراللہ کے قتل کے بعد وزیر نے مجددؒ کے اثر کو دفع کرنے کے لئے عیسائیوں کے علماء کو دربار شاہی میں پیش کیا۔ اس زمانے میں یورپ کے تجار اور ان کے ساتھ یورپ کے مذہبی علما کی آمد و رفت ہندوستان میں جاری ہو گئی تھی۔ دربار شاہی میں ایک روز علمائے عیسوی اور حضرت مجددؒ کے درمیان مباحثہ ہوا۔ حضرت کے کرامات کا جو مقابلہ عیسائیوں کے استدراج سے ہوا اس کا ذکر کرنا دلچسپ نہیں ہے۔ ہاں مباحثۂ علمی کا ایک جزو عام فہم یہ ہے کہ

عیسائیوں نے کہا۔ ''آنحضرت محمد ﷺ کی رسالت عیسائیوں اور مسلمانوں میں متنازعہ فیہ ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی رسالت متفق علیہ ہے تو سلطنت کا مذہب کیوں نہ وہ مذہب ہو جو متفق علیہ ہو؟'' حضرت مجددؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ ''اس اصول پر تو تمام یورپ کو مذہب عیسائی چھوڑ کر مذہب موسوی اختیار کرنا چاہئے اور یہودیت کو ازسرنو زندہ کرنا چاہئے کیونکہ حضرت موسیٰؑ بالاتفاق حق پر تھے اور حضرت عیسیٰؑ متنازعہ فیہ ہیں۔'' یہ جواب سُن کر سب کے سب خاموش ہو رہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجددؒ اگر جہانگیر کے ساتھ نہ ہوتے تو جہانگیر کا زمانہ اسلامی حیثیت سے بدتر از زمانہ اکبر ہوتا۔ بظاہر حضرت مجددؒ کا یہ فیض صحبت تھا کہ جہانگیر کے وقت سے اسلام میں پھر رونق شروع ہوئی۔

''روضۃ القیومیہ'' میں چند عیسائیوں کا قتل ہونا بھی مذکور ہے۔ لیکن یہ قتل اختلاف مذہب کی وجہ سے ہوئے، کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے۔ عیسائیوں کا قتل اگر ہوا تو اس کے وجوہ کچھ اور ہوں گے۔ لوگ تو ملاّ نوراللہ کا قتل بھی اختلاف مذہب پر محمول کرتے ہیں، لیکن اس کی تکذیب اس امر سے بخوبی ہو جاتی ہے کہ اگر اختلاف مذہب باعث قتل ہوتا تو نور جہاں شہنشاہ بیگم اور اس کا بھائی آصف جاہ وزیر سلطنت یہ دو کیسے قائم رہے۔

سال نہم

اس سال اہم واقعات میں شاہجہاں (خرم) اور جہانگیر کی لڑائی ہے۔ جب جہانگیر شیعوں کی طرف ملتفت ہوا اور پھر عیسائیوں کی طرف مائل ہوا تو اراکین دولت اس کے تلون سے گھبرائے اور تمام ملک میں بے رُعبی پھیلی۔ بادشاہ کا بیٹا خرم جو مہابت خان کا داماد تھا، بادشاہ سے لڑا اور مغلوب رہا۔ اس لڑائی میں حضرت مجددؒ جہانگیر کے حامی تھے۔ کیونکہ وہ اپنے معاصی سے تائب ہو کر آپ کا مرید ہو چکا تھا۔ شہزادۂ خرم شکست کے بعد چھپ کر حضرت مجددؒ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ''بادشاہ نے جب آپ کو نظر بند کیا تھا تو میں آپ کا بہی خواہ ہوا تھا اور جب وہ مجھ سے لڑا تو تعجب ہے کہ آپ اس کے ہوا خواہ اور میرے بدخواہ ہوئے۔'' آپ نے فرمایا کہ ''جب وہ تائب ہوا تو میرا دل اس سے صاف ہو گیا، لیکن مجھے مکاشفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب وہ مرے گا اور تم اس کے تخت پر بیٹھو گے اور تمہارا لقب شاہجہاں ہوگا اور عرصہ تک تمہاری نسل میں سلطنت رہے گی۔'' شاہجہاں یہ خبر سُن کر خوش ہوا۔ حضرت مجددؒ کا مرید ہوا اور بطور تبرک حضرت مجددؒ کی ایک دستار لے گیا جو عرصہ تک شاہان مابعد کے عہد میں بھی خزانہ شاہی میں رکھی ہوئی تھی۔

سال بستم

اس سال میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ بادشاہی لشکر کے ساتھ عرصہ تک حضرت مجددؒ پنجاب میں رہے اور مع بادشاہ کے سرہند پہنچے اور پھر دہلی سے ہوتے ہوئے اجمیر گئے۔ راستے میں حضرت مجددؒ اشاعت مذہب کا بھی موقع پاتے تھے اور بادشاہ کی تلون مزاجی کا بھی وقتاً فوقتاً تدارک فرماتے تھے۔

سال بست ویکم

اس سال حضرت مجددؒ نے اپنے لڑکوں کو لشکر شاہی سے سرہند بھیج دیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے بیٹے مولوی نورالحق کی معرفت چند اسرار باطنی کی نسبت حضرت مجددؒ سے استفسار کیا۔ اس کا جواب بذریعہ تحریر دیا گیا، جسے دیکھ کر شیخ عبدالحق حلقہ معتقدین میں آ گئے۔ یہ جواب تحریری ''مکتوبات'' کی جلد دوم میں ہے۔ اس میں خمیر طبیعت محمدیؐ سے پیدائش حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ذکر ہے۔ اس پر شیخ عبدالحقؒ نے اعتراض نہیں کیا بلکہ کمالات حضرت مجددؒ کے آپ قائل ہوئے۔

ایک عالم نے جو تصوف اور علم باطن کے خلاف تھا، حضرت مجددؒ کی یہ رائے سُن کر کہ ''حقیقت اور طریقت دونوں خادمۂ شریعت ہیں۔'' فرمایا کہ ''آج میرے دل سے وہ کدورت رفع ہوئی جو مشائخ کی طرف سے تھی۔''

آدم خاں نام ایک سپاہی نے سلوک میں ترقی کر کے حضرت مجددؒ سے تجدید بیعت کی اور کمالات ولایت حاصل کئے اور درجۂ خلافت پایا۔

شیخ آدم بنوری آپ کے خلیفہ دریا خاں کے لشکر میں رہتے تھے۔ یہاں کابل کے تازہ وارد پٹھانوں کی لشکر میں بھرتی ہوئی تھی۔ دریا خاں اور اس کے افغانی سپاہیوں پر شیخ آدم بنوری کا بڑا اثر تھا۔

سال بست ودوم

حضرت مجددؒ نے پہلے اپنے خلفا کے ذریعہ سے اشاعت مذہب کی تھی۔ اب آپ نے ''مکتوبات'' کی اشاعت سے اپنے خیالات کی تلقین شروع کی۔ ''مکتوبات'' کا دفتر (جلد) اول بدخشاں، خراسان اور ماوراء النہر میں پہنچا، تو اس نے آپ کے معتقدوں کی تعداد اس طرف بہت بڑھائی۔ مشائخ میں میر کشا شیخ المشائخ کبروی، میر محمد مومن بلخی اور علما میں مولانا ربانی، حسن قطاوانی اور مولانا نولک نے ایک قاصد کے ذریعہ سے درخواست بھیج کر غائبانہ بیعت کی یعنی وہ قاصد ہر ایک کی طرف سے آں جناب کی خدمت میں مرید ہوا۔

حضرت مجددؒ کو اپنے لڑکوں کی جدائی شاق تھی۔ کیونکہ آپ کو ان سے بہت اُنس تھا۔ آپ نے اپنے پاس معصوم زمانی اور محمد سعید کو طلب کیا اور جب وہ آئے تو معصوم زمانی کو اپنے سامنے مسند ارشاد پر بٹھا کر اپنے مریدوں سے کہا کہ ان سے تجدید بیعت کرو اور انہیں قیوم دوم سمجھو۔ اس کے بعد حضرت مجددؒ سرہند تشریف لائے اور گوشہ نشینی اختیار کی اور مسند ارشاد پر قیوم دوم کو بٹھایا۔

سال بست وسوم

حضرت مجددؒ کی عمر باسٹھ برس کی ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ''شاید میں ایک سال کا اور مہمان دُنیا میں ہوں۔ آنحضرت محمد ﷺ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ غالباً اتنی ہی عمر میری بھی ہو۔'' اس سال دیر تک خواجہ معین الدین چشتیؒ کے

مزار کے قریب آپ نے مراقبہ کیا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کا قبر پوش خادموں نے حضرت مجددؒ کو دیا۔ آپ نے اُسے اپنے کفن کے لئے رکھا۔ اس قسم کی باتیں مجددؒ کی طرف منسوب کرنا کسی طرح قرین قیاس نہیں۔ نہ ان کی تصانیف میں ان امور کا پتہ چلتا ہے۔ خواجہ ہاشم کشمیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور غالباً انہیں سے یہ روایت مولانا بدرالدینؒ کو پہنچی ہے۔ ''حضرات القدس'' میں جس کا ذکر انہوں نے کیا ہے۔ مگر یہی خواجہ ہاشم کشمی آگے چل کر لکھتے ہیں کہ وصیت حضرت مجددؒ بصواب رائے فقیہہ و دیگر فضلائے حاضرین تین سفید کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ لفافہ قمیص۔ تہ بند۔ عمامہ نہیں دیا گیا۔ کیونکہ فقہا محدثین نے اسے مکروہ لکھا ہے۔

ممکن ہے کہ حضرت مجددؒ نے اسے تبرکاً رکھا ہو، نہ یہ کہ اسے کفن کے لیے محفوظ رکھنے کی وصیت کی ہو۔

اس سال بڑی کوشش سے بادشاہ نے آپ کو رخصت کیا اور آپ نے سرہند میں پہنچ کر گوشہ نشینی اختیار کی۔

اسی سال آپ نے حضرت قیوم ثانی رحمۃ اللہ کو عروۃ الوثقیٰ کا اور محمد سعیدؒ کو خزینۃ الرحمۃ کا خطاب دیا۔ یہ خطابات روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے معنوں کی توضیح عام فہم نہیں ہے۔

حضرت مجددؒ کی کرامتیں بہت کچھ بیان کی گئی ہیں۔ غیر مسلم میں بھی استدراجی کیفیت ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت مجددؒ ایسے بزرگ کو کرامات و مکاشفات کے ذریعہ سے روشناسِ خلائق کرنا میں پسند نہیں کرتا۔

سال بست و چہارم

۲۸ یا ۲۹ صفر ۱۰۳۴ھ کو اشراق کے بعد حضرت مجددؒ نے تریسٹھ دن بیمار رہ کر تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مرنے کے عین ماقبل جو جمعہ تھا، اس دن مسجد جامع میں آ کر آپ نے بہت سی وصیتیں فرمائیں۔ پہلے بھی زیست سے ناامید ہو کر ایک مرتبہ وصیت کی تھی۔ اس مرتبہ زیادہ گفتگو کی نوبت آئی۔ دنیاوی امور کی بابت وصیت نہ تھی۔ بلکہ دینی امور کے متعلق ہدایتیں تھیں۔ زائد تر آپ نے یہ سمجھایا کہ

''سُنت نبوی ذرا بھی ترک نہ کرنا چاہیے۔'' اور یہ بھی فرمایا کہ

''تجہیز و تکفین سنت نبوی کے مطابق ہو اور غسل کے وقت میرے لڑکے اور دو خلفا موجود رہیں۔'' یہ بھی فرمایا کہ ''میری قبر پختہ نہ بنانا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں نام ونشان نہ رہے۔''

ایک جگہ لکھا ہوا ہے کہ آپ خلوت سے صرف بروز جمعہ باہر آتے تھے اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ آپ نے اخیر وقت تک نماز پنج وقتہ جماعت سے پڑھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلوت خانہ کے قریب ہی کوئی مسجد علاوہ مسجد جامع کے تھی جس میں آپ کی پنج وقتہ نماز ہوتی تھی اور نماز میں آپ کے فرزند خزینۃ الرحمۃ امامت کرتے تھے۔ درجہ قیومی خزینۃ الرحمۃ کو نہ ملا ورنہ مدارج میں وہ اور طور سے قیوم دوم سے کم نہ تھے۔ شب وفات کو آپ ہندی کا یہ مصرعہ پڑھتے تھے۔ ع

''آج ملاوَا کی سُنی، سکھی! سب جگ دینودار''

ترجمہ: آج روز وصال ہے۔ اس خوشی میں تمام جہان قربان کرتا ہوں۔

مرتے دم تک آپ کے معمولات میں فرق نہ آیا۔ بروز وفات آپ نے اٹھ کر وضو کیا۔ کھڑے ہو کر نماز تہجد

ادا کی۔ پھر نماز باجماعت پڑھی۔ مراقبہ کیا۔ نماز اشراق ادا کی، ادعیہ ماثورہ پڑھے۔ پھر پیشاب کرنے کے لیے تھال (طشت) طلب کیا۔ جب وہ آیا تو یہ کہہ کر اسے واپس کیا کہ "اب اتنی فرصت نہیں ہے کہ پیشاب کروں اور تازہ وضو کروں" لوگوں نے آپ کو لیٹا دیا اور اللہ اللہ کہتے ہوئے آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عیسیٰؑ کی نسبت انجیل میں مذکور ہے کہ لوگوں نے انہیں بعد وفات دیکھا تھا۔ حضرت مجدد کو بھی بعد وفات کے خواب میں کیا بلکہ بیداری میں دیکھنا بیان کیا گیا ہے۔

جہانگیر حضرت مجددؒ کے انتقال سے بہت گھبرایا، غالباً اس لئے کہ اخیر اخیر وہ آپ کے بھروسہ پر سلطنت کرتا تھا۔ وہ خبر وفات سُن کر تعزیت کے لئے سرہند گیا۔ وہاں پہنچ کر لشکریوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی، یہ کہہ کر کہ "میں قیوم اول کا خلیفہ (جانشین) ہوں۔" بعض لشکریوں کی مہر میں کندہوا "فلاں مرید سلطان جہانگیر" حضرت قیوم دوم نے بادشاہ کی یہ حرکت مجنونانہ تصور کی اور کچھ تعرض نہ کیا۔

حضرت مجددؒ کو چالیس سال کی عمر میں قیومیت ملی اور ۶۳ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ آنحضرت محمد ﷺ کے زمانہ بعثت و وفات سے اسے مناسبت ہے۔

آپ کے سات بیٹے تھے۔ خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد سعید خزینۃ الرحمۃ، خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ، محمد یحیٰ، محمد عیسیٰ، محمد فرخ اور محمد اشرف۔ محمد عیسیٰ، محمد فرخ اور محمد اشرف طفولیت میں مر گئے تھے۔ آپ کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ خدیجہ بانو اور ام کلثوم۔ یہ دونوں بچپن ہی میں مر گئی تھیں۔ آپ کی اولاد سب صالح اور علوم ظاہر و باطن سے مالا مال تھی۔ طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کو ان سے بہت کچھ رواج ہوا۔ خواجہ محمد یحیٰ کی اولاد اب تک کابل میں موجود ہے۔ خواجہ محمد صادق اور خواجہ محمد سعید کی قبر حضرت مجددؒ کے روضہ میں ہے۔ خواجہ محمد معصوم کا علیحدہ ایک عالیشان گنبد مزار ہے۔

خواجہ محمد یحیٰ حضرت مجددؒ کے احاطہ مزار میں مغرب کی طرف مدفون ہیں اور ان کی قبر پر ایک چھوٹا سا گنبد بنا ہوا ہے۔ یہ گنبد حضرت مجددؒ کے گنبد کے قریب واقع ہے۔

(در: سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی از محمد احسان اللہ عباس گورکھپوری، رامپور ۱۹۲۶ء)

☆......☆......☆

Marfat.com

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

حضرات القدس

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ (م ۱۰۳۴ھ) کی سوانح عمریاں دو بزرگوں نے لکھی ہیں اور دونوں آپ کے خلیفہ ہیں۔ ایک خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ''زبدۃ المقامات''[1] کے ایک چوتھائی سے کم صفحات میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ) کے حالات لکھے ہیں اور بقیہ کتاب میں حضرت مجددؒ سے متعلق تفصیل دی ہے۔ ''زبدۃ المقامات'' کے شروع میں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ۱۰۳۱ھ میں حضرت مجددؒ کے طلب کرنے پر اپنے (پہلے) مرشد میر محمد نعمانؒ سے اجازت لے کر حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو سال تک سفر و حضر میں ساتھ رہے۔ پھر حضرت ہی کے صاحبزادوں (خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ معصومؒ) کے ارشاد کے مطابق یہ سوانح عمری لکھنی شروع کی اور یہ کتاب اس کتاب کی تکمیل کے بعد ارادہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ سلسلۂ نقشبندیہ کے دیگر متقدمین بزرگوں کے حالات زندگی لکھیں گے اور وہ حصہ اس کتاب کا دفتر اول ہوگا چنانچہ انہوں نے پھر وہ کتاب ''نسمات القدس من حدیقۃ الانس''[2] کے نام سے مرتب کی لیکن افسوس کہ وہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔

''زبدۃ المقامات'' (صفحہ ۲۸۵) میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اواخر رجب ۱۰۳۲ھ میں حضرت مجددؒ نے مجھے (دکن کے لئے) رخصت فرما دیا تھا۔ اس لئے اس وقت سے آخر تک کے حالات میں شیخ بدرالدین سرہندیؒ سے اور حضرت کے صاحبزادوں سے معلوم کر کے لکھے۔

دوسرے سوانح نگار یہی بدرالدین سرہندیؒ ہیں جنہوں نے ''حضرات القدس''[3] کے نام سے سوانح عمری لکھی ہے اور اس میں التزام یہ ہے کہ اس کے دوسرے دفتر میں (جس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے) صرف حضرت مجددؒ کے حالات ہیں اور پہلے دفتر میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مختصر سیرت لکھنے کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت خواجہ باقی باللہؒ قدس سرہ تک تمام نقشبندیہ بزرگوں کے حالات درج کئے ہیں۔ شیخ بدرالدین سرہندیؒ نے دفتر دوم میں میر محمد نعمانؒ کے حالات کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے حالات خواجہ محمد صدیق کشمی بدخشیؒ[4] سے معلوم کئے ہیں اور اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ (۱۷۵/۱) کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے صاحبزادے خواجہ عبداللہ[5] نے خواجہ صاحب کے خلیفہ حسام الدین احمدؒ (اور سبھی بزرگوں) کے متعلق ایک علیحدہ کتاب لکھی ہے۔ اس سے بھی شیخ بدرالدینؒ نے مدد لی ہوگی۔

Marfat.com

شیخ بدرالدین سرہندیؒ نے ''حضرات القدس'' (دفتر دوم) کے حضرت نہم (یعنی باب نہم) میں اپنے علمی مشاغل اور ''حضرات القدس'' کی ترتیب کا ذکر بھی کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے ''سیر احمدی'' کے نام سے حضرت مجدد الف ثانی کے حالات[7] لکھنے شروع کئے اور آپ نے اسے ملاحظہ فرما کر پسند بھی فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ تصنیف ہمارے متعلق پہلی (نخستین) ہے۔ بلکہ آپ نے ایک جگہ اس کی تصحیح بھی فرمائی یعنی جہاں خواجہ باقی باللہؒ کے (ہندوستان میں آنے سے پہلے) استخارہ کا ذکر تھا کہ ان کو طوطی نظر آیا تھا لیکن شیخ بدرالدین شیخ نے وہاں طائر ہندی لکھ دیا تھا تو آپ (حضرت مجددؒ) نے اپنے دست مبارک سے اسے کاٹ کر طوطی لکھ دیا۔ اسی باب میں یہ تفصیل بھی ہے کہ ''سیر احمدی'' کے مسودات[7] چوری ہو گئے لیکن شیخ نے ۱۰۳۹ھ میں پھر ہمت کی کہ دوبارہ اس سوانح عمری کو لکھیں۔ چنانچہ اس کے مسوادات جمع کئے اور تاریخی نام ''درجات الابرار'' ۱۰۴۳ھ کے ساتھ اسے مرتب کیا اور اس کے مسودات صاف کرنے کا ارادہ تھا کہ سرہند کے ایک کروری (شیعہ) حاکم (سید علی اکبر اردستانی؟) نے حالات اولیاء پر ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی، تو شیخ نے ''مجمع الاولیاء'' کے نام سے قریب ڈیڑھ ہزار لوگوں کے حالات مرتب کئے اور اس کا تاریخی نام ''منازل شیوخ'' (۱۰۴۴ھ) رکھا۔ اس کے بعد شیخ نے پھر حضرت مجددؒ کے حالات سے متعلق کام شروع کیا، لیکن اسی حاکم نے ''مجمع الاولیاء'' کی تصحیح کے لئے بھی فرمایا تو اسے ٹھیک کر کے ۱۰۴۷ھ میں فراغت حاصل کی، لیکن شیخ خود لکھتے ہیں کہ بعض بے دین طلبہ نے اس کتاب میں مشاجرات صحابہؓ کا شامل کر کے اسے پایۂ اعتبار سے گرا دیا۔[8]

شیخ نے پھر چاہا کہ اپنا کام (سوانح عمری سے متعلق) شروع کریں تو شہزادہ داراشکوہ نے حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے مناقب پر عربی کتاب ''بہجۃ الاسرار'' کا فارسی ترجمہ کرنے کی فرمائش کر دی۔ وہ ترجمہ پورا کیا تھا کہ پھر اسی شہزادے نے دوسری کتاب ''روضۃ النواظر'' (مناقب غوث اعظمؒ) کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کرایا۔ پھر شیخ روزبہان بقلی کی تفسیر ''عرائس البیان'' کے ترجمے کی بھی اس نے فرمائش کر دی۔ شیخ نے اس کا بھی چوتھائی حصہ فارسی میں منتقل کر لیا، لیکن اب وہ اسے چھوڑ کر ''حضرات القدس'' کی ترتیب میں مصروف ہو گئے اور اسی میں کئی سال صرف کئے۔ غالباً اس کی تکمیل ۱۰۸۵ھ کے بعد ہوئی، کیونکہ آخری باب (حضرت دوازدہم) میں جہاں حضرت مجددؒ کے خلفاء کا ذکر شروع ہوتا ہے میر محمد نعمانؒ (المتوفی ۱۸ صفر ۱۰۵۸ھ) کے نام کے ساتھ ''قدس سرہ'' خود کتاب کے متن میں ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس تاریخ کے بعد تک لکھی جاتی رہی اور خود شیخ بدرالدین بھی اس تاریخ کے بعد تک زندہ رہے۔ شیخ بدرالدین اپنے متعلق لکھتے ہیں:

''ایں فقیر پانزدہ سالہ بود کہ بہ شرف ارادت آنحضرتؒ استسعاد یافت۔''[9]

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ''این فقیر ہفدہ سال درخدمت ایشاں بود۔''[10]

اگر یہ سمجھ لیا جائے (گو کہ اس کے لئے کوئی ثبوت نہیں) کہ حضرت مجدد الف ثانی کے وصال (۱۰۳۴ھ) تک شیخ کی حاضری کو سترہ سال ہوئے ہوں گے تو گویا وہ ۱۰۱۷ھ میں حاضر خدمت ہوئے تھے جبکہ وہ پندرہ سال کے تھے۔[11]

حضرت مجددؒ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادقؒ (المتوفی ۱۰۲۵ھ) کے حالات میں لکھتے ہیں کہ انہوں

Marfat.com

نے مجھے مطول باحاشیۂ میر، شرح عقائد باحاشیۂ خیالی، تحریر اقلیدس اور شرح مطالع باحاشیۂ میر پڑھائیں، اور ان کے انتقال کے بعد شرح مواقف، تفسیر بیضاوی اور حاشیۂ عضدی میں نے حضرت مجددؒ سے پڑھیں۔[۱۲]

شیخ بدرالدینؒ نے "حضرات القدس" (دفتر دوم) کے آخر میں اپنی روحانی تربیت کے حصول کی تفصیل دی ہے اس لئے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے جو مکتوبات ان کے نام ہیں، ان میں بھی یہی تربیت ہے۔ ۲۸۹/۱ میں قضاو قدر پر مفصل بحث ہے۔ ۱/ ۲۹۷ میں حق تعالیٰ کے احاطے اور سریان کی تحقیق ہے۔

۴۰/۲ میں ارشاد ہے کہ "حق تعالیٰ کی ذات سے اسماء وصفات اور شیون واعتبارات کے پردوں کا دور ہونا دو قسموں پر ہے۔ ایک وہ خرق ہے جو باعتبار شہود ہے اور دوسرے وہ خرق ہے جو باعتبار وجود کے ہے۔ خرق وجودی، ممتنع و محال ہے اور خرق شہودی، ممکن بلکہ واقع ہے......"

پھر مکتوب ۳۱/۳ میں عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجساد کی تحقیق ہے۔ آخر میں ارشاد ہے کہ: "آپ خیالی کشفوں اور مثالی صورتوں کے ظہور سے اہل سنت و جماعت کے مقررہ اعتقادوں کو نہ چھوڑیں اور اپنے خواب و خیال پر مغرور نہ ہوں کیونکہ اس فرقۂ ناجیہ کی متابعت کے بغیر نجات متصور نہیں۔ اگر آپ کو نجات کی خواہش ہے تو خوش طبعی کو چھوڑ کر جان ودل سے ان بزرگوں کی اتباع میں کوشش کریں......شیطان بڑا قوی دشمن ہے اس کے مکر سے بخوبی واقف رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو سیدھے راستے سے بہکا کر گمراہی کے کوچے میں ڈال دے۔ آپ کو جدا ہوئے ابھی ایک ہی سال ہوا ہے۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ احتیاطیں اور کوششیں جو فقیر سنت اور اہلسنت کی متابعت کے لئے کیا کرتا تھا اور انہی بزرگوں کی تقلید میں نجات کو موقوف کہا کرتا تھا، شاید آپ نے سب فراموش کر دیں......" اس مکتوب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ بدرالدینؒ ایک سال تک ضرور حضرت مجددؒ کی خدمت سے دور رہے ہیں اور خیالی کشفوں اور مثالی صورتوں پر کچھ زیادہ اعتبار کرنے لگے تھے جس کی کیفیت خود ان کے لکھے ہوئے اپنے حالات سے بھی (جو کتاب کے آخر میں ہیں) معلوم ہوتی ہے۔

حضرات القدس بہت سیدھی سادی زبان ہے جس میں سوائے چند تمہیدی تقریروں کے، تصنع اور تکلف نام کو نہیں۔ البتہ بعض مقامات میں جو تسامح پایا جاتا ہے ہوسکتا ہے کہ کتابت کا سہو ہو کیونکہ ابھی تک "حضرات القدس" کا کوئی نسخہ قریب العہد نہیں مل سکا۔

حضرت مولانا محبوب الٰہی صاحب نے "حضرات القدس" (دفتر دوم) کا فارسی متن بڑی محنت سے تیار کر کے ۱۹۷۱ء میں لاہور سے شائع کیا تھا۔ یہ اردو ترجمہ اسی کا ہے، لیکن مولانا عرفان احمد انصاری صاحب نے مولانا احمد حسین خاں صاحب کی نظر ثانی کے بعد جو اردو ترجمہ مرتب کیا تھا اور جو ملک فضل الدین ککے زئی صاحب نے ۱۹۲۲ء میں لاہور سے شائع کیا تھا، اس سے راقم الحروف نے بے شک مدد لی ہے۔ اللہ پاک ان سب کو جزائے خیر اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

☆......☆......☆

آپ (حضرت مجددؒ) کے خصوصی مقامات اور اعلیٰ درجات کے بیان میں کہ جن کی وجہ سے آپ تمام اولیاء میں ممتاز ہیں۔

درجہ نمبر ا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص بزرگوں اور بلند ترین علماء میں سب سے خاص بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں ان چند مخصوص بزرگوں میں خصوصیت بخشی جو قرآنی متشابہات اور حروف مقطعات کے اسرار سے واقف ہیں۔ آپ نے خود فرمایا ہے:

قدسیہ: ''یہ فقیر مدت تک قرآنی متشابہات کو حق تعالیٰ کے علم تک مخصوص سمجھتا رہا اور علمائے راسخین میں ان متشابہات پر ایمان رکھنے کے سوا کوئی اور حصہ نہ دیکھتا تھا اور جو تاویلات کہ بعض صوفی علماء نے کی ہیں، ان کو متشابہات کے مطابق قرار نہیں دیتا تھا اور ان تاویلات کو ایسے اسرار میں سے شمار نہ کرتا تھا جو پوشیدہ رکھے جانے کے قابل ہوں۔ چنانچہ حضرت عین القضاۃؒ نے الف، لام، میم سے الم مراد لی ہے یعنی درد جو لازمۂ محبت ہے۔ وغیرہ۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ان متشابہات کی تاویلات میں سے ایک شمع مجھ فقیر پر ظاہر فرمایا اور اس بحرِ محیط کی ایک نہر اس مسکین کی زمین استعداد میں کشادہ فرما دی۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ علمائے راسخین کو متشابہات اور مقطعات کی تاویلات میں وافر نصیب حاصل ہے۔'' اور اسی طرح جو بعض علماء نے 'وجہ' سے ذات الٰہی مراد لی ہے اور 'ید' سے مراد قدرت الٰہی لی ہے تو ایسی تاویل درست نہیں۔ بلکہ ان کی تاویل ضرور اسرار غامضہ میں سے ہے جو صرف اخص الخاص کو معلوم ہے اور حروف مقطعات کے متعلق کیا کہا جائے کہ ان حروف میں سے ہر حرف ایک بحر مواج ہے اور عاشق و معشوق کے درمیان اسرار خفیہ میں سے ہے اور ایک رمز غامض ہے محب اور محبوب کے رموز دقیقہ میں سے۔ پھر آیات محکمات اگرچہ اُمہات قرآنی ہیں لیکن ان کے نتائج و ثمرات یہی متشابہات ہیں۔ قرآن کے مقاصد ہی متشابہات ہیں اور امہات، وسائل سے زیادہ نہیں اور عالم راسخ وہ ہے جو ان متشابہات کو محکمات کے ساتھ جمع کر دے اور حقیقت کو صورت میں لے آئے۔ جو شخص علم محکمات کو بغیر جانے ہوئے اور ان محکمات کے مقتضیات پر عمل کیے ہوئے ان متشابہات کی تاویلات کو تلاش کرتا ہے اور صورت کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف دوڑتا ہے وہ جاہل ہے اور اپنی جہالت سے بے خبر ہے۔ وہ گمراہ ہے اور اپنی گمراہی کا شعور نہیں رکھتا۔ [13]

حضرت مجددؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ ''علم متشابہات صرف رسولوں سے مخصوص ہے (علیہم السلام)۔ مگر امت کی ایک بہت ہی کم تعداد محض تبعیت اور وراثت کے طور پر اس علم سے بہرہ مند ہوئی ہے اور ان پر سے اس دنیا میں جمال متشابہات کا پردہ ہٹا دیا جاتا ہے اور امید ہے کہ آخرت میں بھی امتوں کا ایک کثیر گروہ محض تبعیت کی وجہ سے اس دولت سے مستفید ہوگا۔ البتہ اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں قلیل تعداد کے علاوہ کچھ دوسرے حضرات کو بھی ممکن ہے کہ اس دولت سے مشرف فرما دیا جائے۔ مگر معاملے کی حقیقت کا علم پھر بھی نہیں دیا جاتا اور اس کی تاویل کو بھی کھولا نہیں جاتا۔ بہر حال اتنا ہو سکتا ہے کہ بعض کو تاویل متشابہات حاصل ہو جائے لیکن انہیں پتا بھی نہ ہو کہ کیا حاصل ہوا ہے کیونکہ متشابہات محض معاملات (حقائق) کے اشارے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ معاملات (حقیقت) حاصل ہو جائے اور اس کا علم نہ ہو سکے۔ یہ بات متشابہات کے صرف ایک جز کی مشاہدہ کی گئی ہے۔ اوروں کی بات کیا ہو؟'' [14]

ایک دن مخدوم زادہ نور اتم قیوم خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ نے خلوت میں مجھ سے فرمایا کہ ''حضرت مجدد پر

Marfat.com

متشابہات اور مقطعات کے اسرار و رموز ظاہر ہوئے ہیں لیکن آپ بتاتے نہیں ہیں۔ جب آپ سے دریافت کیا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ شیطان بڑا دشمن ہے اور وہ ہمیشہ اظہار اسرار کی جستجو میں رہتا ہے کہ ان معاملات کے مکاشفات کو ظاہر کیا جائے تا کہ وہ استراق سمع کر کے فوراً ان کا افشا کر دے۔ اللہ پاک نے ان علماء کو جو اس مقام تک پہنچے ہیں راسخین فرمایا ہے۔ ان کے رسوخ کی وجہ سے کہ وہ اس معاملے کو پوشیدہ رکھتے ہیں اور جس کسی کو آگاہ فرمایا گیا ہے اس نے اسے مستور ہی رکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ (بفضلہٖ تعالیٰ) آنجناب اس امر پر قدرت رکھتے ہیں کہ اس محل و موقع سے شیاطین کو دفع کر دیں اور اپنے اطراف سے بھی ان کو دور کر دیں تا کہ استراق سمع نہ کر سکیں۔ جب میں نے حد سے زیادہ اصرار اور التماس کیا (کہ وہ اسرار ظاہر فرما دیں) تو آنجناب نے حرفِ 'ق' کے اسرار کا اظہار کیا تو میرے ہوش اُڑ گئے۔''

درجہ ۲: اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو مجدد الف ثانی بنایا۔ چنانچہ خود اس معاملے کی صراحت فرمائی ہے اور ایک مکتوب میں خصوصی علوم و معارف کے ذکر کے بعد اس طرح تحریر فرمایا ہے:

''یہ علوم، مشکوٰۃ انوار نبوت (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے مقتبس ہیں جو الف ثانی کی تجدید کے بعد محض تبعیت اور وراثت کے لحاظ سے تازہ ہوئے اور تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ ان علوم و معارف کا حامل اس الف (ہزارہ) کا مجدد ہے۔ اور یہ بات ان لوگوں پر بخوبی روشن ہے جنہوں نے اس کے علوم و معارف کو دیکھا ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال سے ہے اور جن کا رشتہ احوال و مواجید و تجلیات اور ظہورات سے ہے۔ پس وہ جانتے ہیں کہ یہ علوم و معارف تمام علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف کے علاوہ ہیں بلکہ علوم مجددیہ کے مقابلے میں وہ پوست معلوم ہوتے ہیں اور وہ (علوم مجددیہ) مغز ہیں اور اللہ تعالیٰ سبحانہ ہدایت دینے والا ہے۔ واضح ہو کہ ہر صدی کے سرے کا مجدد ہوا ہے لیکن صدی والا مجدد اور ہے اور الف (ہزارہ) والا مجدد اور ہے۔ چنانچہ صدی اور ہزار میں جو فرق ہے ان مجددوں میں بھی اسی قدر فرق ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ اور مجدد وہ ہے کہ جو کچھ اس مدت میں امتوں کو فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں اسی کے توسط سے ہوتے ہیں۔ اگر چہ اقطاب و اوتاد بھی اس وقت میں ہوتے ہیں اور بُدَلاء اور نُجباء بھی ہوا کرتے ہیں۔'' [15]

حضرتؒ نے دوسرے کئی اور مکتوبات میں بھی اس مدعا سے متعلق تحریر فرمایا ہے:

''اے میرے بیٹے! یہ وہ وقت ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے پُرظلمت وقت میں ایک اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوا کرتا تھا جو شریعت جدیدہ کی بنیاد قائم کرتا تھا (لیکن) یہ امت جو خیر الامم ہے اور جس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل ہیں، اس کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا گیا ہے اور انبیاء کی جگہ ایسے علماء پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اسی لئے ہر صدی کے سرے پر اس امت کے علماء میں سے ایک کو مجدد متعین کیا جاتا ہے جو شریعت کی احیاء فرماتا ہے اور بالخصوص ہزار سال کے بعد کہ امم سابقہ میں تو اولوالعزم پیغمبر کی بعثت ہوا کرتی تھی اور عام پیغمبر پر اپنے زمانے میں

Marfat.com

اکتفا نہیں کیا جاتا تھا۔ اسی طرح ایسے وقت میں ایک ایسے[۱۶] عالم و عارف کی اس امت میں ضرورت ہے جو کامل معرفت ہو اور جو امم سابقہ والے اولوالعزم پیغمبر کا قائم مقام ہو سکے۔''

ایک اور موقع پر بھی حضرت نے اسی سلسلے میں تحریر فرمایا ہے:

''اس امت کی آخریت کی ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ایک ہزار سال کے بعد سے ہے کہ گزرے ہوئے ہزار سال کی ایک عظیم خاصیت ہے تغیر امور میں اور قوی تاثیر ہے تبدیل اشیاء میں۔ اور چونکہ اس امت میں کسی طرح نسخ اور تبدیلی نہیں ہو سکتی اس لئے سابقہ نسبت ہی تازگی اور رونق کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور اس الف ثانی میں شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید ہوئی ہے۔ اس پر عادل گواہ حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام) بھی ہیں اور حضرت مہدی (علیہ الرضوان) بھی۔

فیض روح القدس اب بھی جو مؤید ہو جائے دوسرے بھی وہ کریں جو کہ مسیحا نے کیا

اے بھائی! ایسی بات کہنی آج تو اکثر لوگوں کو گراں گزرتی ہے اور ان کی سمجھ سے دور ہے لیکن اگر وہ انصاف سے کام لیں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ کریں اور صحت اور سقم کو شریعت کے علوم کے معیار پر دیکھیں کہ مطابقت ہے یا نہیں اور یہ بھی کہ شریعت اور نبوت کی توقیر و تعظیم کہاں زیادہ ہے تو شاید اس تعجب سے نکل جائیں۔ دیکھا ہوگا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت اور حقیقت (دونوں) شریعت کی خادم ہیں اور ولایت سے نبوت افضل ہے خواہ وہ نبی کی ولادت ہو۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ولایت کے کمالات کی نبوت کے کمالات کے مقابلے میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اس کی حقیقت وہی ہے جیسی کہ دریائے محیط کے مقابلے میں قطرے کی ہوتی ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت کچھ لکھا خصوصاً 'بیان طریق' سے متعلق مکتوب میں دیکھیں۔ مقصود اس گفتگو سے محض تحدیث نعمت حق ہے اور بس۔ اور اس سے اس طریق کے طالبوں کے لئے ترغیب بھی ہے۔ اس سے دوسروں پر اپنی فضیلت ظاہر کرنا مقصود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو خود کو کافر فرنگ سے بدتر نہ جانتا ہو۔ پھر اکابر دین سے کیا مناسبت ہو سکے گی؟

اُٹھایا شہ نے مٹی سے تو حق ہے کہ میں اونچا کروں سر آسماں سے
اسی مٹی پہ باران بہاراں ہوا کرتا ہے لطف مہرباں سے
اگر ہوں سو زبانیں مثل سوسن ادا ہو شکر کیوں کر کس زباں سے؟''[۱۷]

درجہ ۳: حضرت مجددؒ نے تحریر فرمایا ہے:

قدسیہ: ''وہ علوم جو مقام فنافی اللہ اور بقا باللہ سے تعلق رکھتے ہیں اللہ پاک نے محض اپنی عنایت سے مجھ پر منکشف فرما دیئے ہیں اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ ہر چیز کی خاص وجہ کیا ہے اور سیر فی اللہ کے کیا معنی ہیں اور برقی تجلی کیا ہے اور محمدی المشرب کون ہے اور اسی طرح کی دوسری باتیں۔ اور ہر مقام میں اس کے لوازم اور ضروریات بتائی جاتی ہیں اور ان کی سیر کرائی جاتی ہے اور بہت کم چیزیں ایسی ہوں گی جن کی نشاندہی اولیاء اللہ نے کی ہو گی اور وہ راستے میں چھوڑ دی گئی ہوں اور نہ دکھائی گئی ہوں۔ وہ شخص مقبول ہو گیا جس نے اس کو بلا چون و چرا قبول کر لیا۔''

Marfat.com

درجہ۴: حضرت مجددؒ نے تحریر فرمایا ہے:

قدسیہ: ''اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عنایت بے غایت سے مدارج کمالات میں ترقیاں عطا فرمائی ہیں۔ مقام ولایت کے اوپر مقام شہادت ہے اور شہادت سے ولایت کی نسبت ایسی ہی ہے جیسی کہ تجلی ذاتی سے تجلی صُوری کی نسبت ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان دوری ان دونوں تجلیوں کے درمیان کی دوری سے زیادہ ہے اور مقام شہادت سے اوپر مقام صدیقیت ہے اور ان دونوں مقابلوں میں جو فرق ہے وہ نہ تو عبارت میں بیان ہوسکتا ہے اور نہ اشارے سے بتایا جاسکتا ہے اور اس مقام صدیقیت سے اونچا صرف مقام نبوت ہی ہے اور کوئی نہیں ہے اور صدیقیت اور نبوت کے درمیان کوئی دوسرا مقام نہیں ہوسکتا بلکہ محال ہے اور ایسا محال ہونا صریح اور صحیح کشف سے معلوم ہوا ہے اور وہ جو بعض بزرگوں نے ان دونوں مقاموں کے درمیان ایک واسطہ ثابت کیا ہے اور اسے قربت نام دیا ہے تو اس سے بھی مجھے مشرف فرمایا گیا ہے اور اس کی حقیقت کی بھی مجھے اطلاع دی گئی ہے۔ بہت سی توجہ اور بے حد تضرّع کے بعد پہلے تو اسی طرح جیسا کہ بعض اکابر نے بتایا ہے مجھ پر بھی اظہار ہوا، لیکن بعد میں اس کی حقیقت سے مجھے آگاہی دی گئی۔ بے شک اس مقام کا حصول، صدیقیت کے حصول کے بعد اور عروج کے وقت ہوتا ہے، لیکن واسطے کا ہونا محل تامل ہے کیونکہ وہ مقام بہت بلند ہے اور عروج کی منزلوں میں اس سے اوپر کوئی مقام نہیں اور ذات جل وعلا پر زائدیت وجود اسی مقام میں ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ علمائے اہل حق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے اور اسی مقام پر وجود بھی راہ میں رہ جاتا ہے اور اس سے اوپر عروج واقع ہوتا ہے۔ ابوالمکارم رکن الدین شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ [18] نے اپنی بعض تصانیف میں فرمایا ہے کہ عالم الوجود سے اوپر عالم الملک الودود ہے اور مقام صدیقیت، مقام بقا سے ہے جو عالم کی طرف رخ رکھتا ہے اور اس مقام سے بہت آگے مقام نبوت ہے جو فی الحقیقت بہت بلند ہے اور صحو و بقا کا کمال ہے اور ان دونوں مقاموں کے بیچ مقام قربت کو برزخیت کی حیثیت حاصل نہیں کیونکہ اس کا رخ صرف تنزیہ کی طرف ہے۔

پس آئینہ مجھے رکھا ہے طوطی کی طرح
وہی کہتا ہوں جو استادِ ازل سے سیکھا

علوم شرعیہ کو نظریۂ استدلالیہ کے مطابق بدیہی اور کشفی بنایا گیا ہے اور نظریت سے ضرورت کی طرف لایا گیا ہے۔'' [19]

درجہ۵: آپ (حضرت مجددؒ) نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے:

قدسیہ: ''استطاعت مع الفعل کا معاملہ بھی منکشف ہوگیا ہے یعنی فعل سے زیادہ قدرت نہیں ہوتی اور قدرت اتنی ہی دی جاتی ہے جس قدر فعل ہوسکتا ہے اور اسباب واعضا کی سلامتی کے مطابق ہی مکلّف کیا جاتا ہے جیسا کہ اہل سنت علماء نے ثابت کیا ہے اور اسی مقام میں خواجہ نقشبند قدس سرہ کے زیر قدم رکھا ہے۔ وہ اسی مقام میں تھے اور حضرت خواجہ علاء الدین (عطار) قدس سرہ [20] کو بھی اس مقام میں حصہ حاصل ہے اور اس سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ عبدالخالق (غجدوانی) [21] کو بھی اور متقدمین مشائخ میں سے حضرت معروف کرخیؒ [22]، امام داؤد طائی [23]، خواجہ حسن بصری [24] اور حبیب عجمی [25] کو بھی حاصل ہے۔ (قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم)۔''

درجہ۶: حضرت مجددؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ [26]

قدسیہ: ''مجھ فقیر کو جب اس راستے کی خواہش پیدا ہوئی تو عنایت خداوندی سے خانوادۂ حضرت خواجگان

Marfat.com

نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک خلیفہ یعنی حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں پہنچایا گیا اور وہاں سے ان بزرگوں کا طریقہ اخذ کر کے اس بزرگ کی صحبت اختیار کی اور اس بزرگ کی توجہ کی برکت سے خواجگان نقشبندیہؒ کا وہ جذبہ جوصفت قیومیت میں کمال فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے، اس فقیر کو حاصل ہوا اور اندراج نہایت فی البدایت سے بھی کسی قدر سیرابی حاصل ہوئی۔ جب یہ جذبہ اچھی طرح پختہ ہو گیا تو سلوک میں مجھے قرار حاصل ہوا اور میں نے اس راہ کو شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانی تربیت سے انجام کو پہنچایا۔ یعنی مجھے اس اسم تک عروج حاصل ہو گیا جو میرا مربی (پرورش کنندہ) تھا۔ اور پھر حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی روحانیت کی مدد سے اس اسم سے قابلیت اولیٰ کے درجے تک عروج کیا جسے حقیقت محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے بعد مجھے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی روحانی دستگیری سے اس قابلیت اولیٰ سے بھی بلندی نصیب ہوئی اور وہاں سے پھر میں اس مقام تک پہنچ گیا جو اس قابلیت سے بھی بلند تر ہے۔ گویا یہ قابلیت اس مقام کی خصوصی تفصیل ہے اور وہ مقام اس کا اجمال ہے۔ یہ مقام، اقطاب محمدیہ کا مقام کہلاتا ہے اور اس فقیر کو اس مقام تک ترقی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تربیت سے حاصل ہوئی۔ اس مقام تک پہنچنے کے وقت اس فقیر کو حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ کی روحانیت سے بھی ایک گونہ امداد حاصل رہی جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے خلیفہ اور خود قطب ارشاد ہیں۔ اقطاب کا منتہائے عروج اسی مقام تک ہے اور دائرہ ظلیت بھی اسی مقام تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اصل خالص کا مقام ہے یا اصل اور ظل دونوں ملے ہوئے ہیں۔ افراد کی ایک جماعت کو اس دولت تک پہنچنے کا امتیاز حاصل ہے۔ بعض اقطاب کو بھی افراد کی صحبت کے ذریعے اس اصل وظل آمیز مقام کا مشاہدہ میسر ہو جاتا ہے، لیکن اصل خالص تک پہنچ جانا یا اصل خالص کا مشاہدہ بتفاوت درجات کرنا صرف افراد ہی کا خصوصی امتیاز ہے۔ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑے فضل والا ہے۔)

اور اس فقیر کو اس مقام تک پہنچ جانے کے بعد جو اقطاب کا مقام کہلاتا ہے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قطبیت ارشاد کی خلعت عطا ہوئی اور مجھے اس منصب پر سرفراز فرمایا گیا۔ اس کے بعد پھر عنایت خداوندی شامل حال ہوئی تو اس مقام سے مزید بلندی کی طرف متوجہ فرمایا گیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اصل ظل آمیز تک رسائی حاصل ہوئی اور اس مقام میں بھی گذشتہ مقامات کی طرح فنا اور بقا نصیب ہوئی اور پھر وہاں سے اصل مقام تک ترقی عطا فرمائی گئی۔ حتیٰ کہ اس فقیر کو اصل الاصل کے مقام تک پہنچا دیا گیا۔ اس آخری عروج میں جو کہ مقامات اصل کا عروج ہے اس فقیر کو حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی روحانیت سے امداد حاصل رہی اور ان کی قوت تصرف نے ان تمام مقامات سے گزار کر اصل الاصل کے مقام تک واصل فرما دیا اور پھر وہاں سے مجھے اس دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہر مقام سے واپس کیا جاتا تھا۔ اور اس فقیر کو نسبت فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے، اپنے والد ماجد (خواجہ عبدالاحد قدس سرہ) سے حاصل ہوا تھا۔ اور میرے والد کو یہ نسبت اپنے ایک بزرگ (حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی قدس سرہ) سے حاصل ہوئی تھی۔ یہ جذبۂ قوی رکھتے تھے اور کرامات وخوارق عادات میں بہت شہرت رکھتے تھے۔ نیز اس فقیر کو علوم لدنی کی توفیق حضرت خضر (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کی روحانیت سے حاصل ہوئی، لیکن یہ صورتحال اس وقت تک ہی رہی جب تک کہ مقام اقطاب

Marfat.com

سے نہیں گزر گیا، لیکن اس مقام سے گزر جانے اور بلندی مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد ان علوم کا حصول خود اپنی حقیقت سے ہونے لگا۔ یعنی علوم اپنی ذات میں، خود بخود اپنی ذات ہی سے حاصل ہونے لگے۔ کسی غیر کی مجال نہ تھی کہ وہ درمیاں میں آسکے۔''

(درجہ ۷: اسی کے آگے تحریر فرماتے ہیں کہ) ''پھر اس فقیر کو نزول کے وقت جسے سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا اور ہر مقام سے کامل حصہ پایا اور وہ مشائخ میرے کام میں میرے مددگار ثابت ہوئے اور اپنی اپنی نسبتوں کے چیدہ چیدہ حصے عطا فرمائے۔ سب سے پہلے مجھے اکابر چشتیہ (قدس اللہ اسرارہم) کے مقامات پر عبور حاصل ہوا اور ان مقامات سے وافر حصہ ملا اور ان مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی روحانی نے دوسرے بزرگوں سے کہیں زیادہ میری امداد فرمائی اور سچ تو یہ ہے کہ یہ بزرگ اس مقام میں بڑی شان والے ہیں اور اس مقام کے سردار ہیں۔ اس کے بعد مشائخ کبرویہ (قدس اسرارہم) کے مقام پر گزر ہوا۔ یہ دونوں مقام (یعنی چشتیہ اور کبرویہ) عروج کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن مقام (کبرویہ) فوق سے نزول کرتے وقت اس شاہراہ کی دائیں جانب ہوتا ہے اور وہ مقام (چشتیہ) اس صراط مستقیم کی بائیں جانب ہے اور یہ شاہراہ (صراط مستقیم) وہ راستہ ہے کہ اقطاب ارشاد میں سے بعض اکابر اسی راستے سے فردیت کے مقام تک پہنچتے ہیں اور آخری انتہا تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ افراد تنہا (یعنی بلا قطبیت) کا راستہ دوسرا ہے۔ بغیر قطبیت کے اس راستے سے گزرنا ممکن نہیں۔ مقام صفات اور اس شاہراہ کے درمیان یہ مقام واقع ہوا ہے گویا ان دونوں مقاموں کے درمیان ایک برزخ ہے جسے دونوں طرف سے حصہ ملتا ہے اور پہلا مقام تو اس شاہراہ کی دوسری جانب واقع ہے جو صفات سے کم مناسبت رکھتا ہے۔ اس کے بعد اکابر سہروردیہ کے مقام پر عبور حاصل ہوا جو شیخ شہاب الدین قدس سرہ[۲۷] کی طرف منسوب ہیں۔ یہ مقام اتباع سنت (علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام) کے نور سے روشن ہے اور مشاہدۂ فوق الفوق کی نورانیت سے زینت حاصل کئے ہوئے ہے اور عبادتوں کی توفیق اس مقام کی رفیق ہے (یعنی اس مقام والوں کو حاصل ہے) بعض سالکوں کو جو ابھی تک اس مقام پر فائز نہیں ہوئے لیکن عبادات نافلہ میں مشغول ہیں اور اسی میں آرام حاصل کئے ہوئے ہیں اس مقام کی مناسبت سے اس مقام کا کچھ حصہ حاصل ہے۔ کیونکہ عبادات نافلہ سے بلاواسطہ اس مقام کو مناسبت ہے اور دوسروں کو خواہ وہ مبتدی ہوں یا منتہی، اسی واسطے سے اس مقام کے ساتھ مناسبت ہے اور یہ مقام بہت عجیب ہے کیونکہ جو نورانیت اس مقام میں ظاہر ہوتی ہے وہ دوسرے مقامات میں کم ہے اور اس مقام کے مشائخ، کمال اتباع کی وجہ سے عظیم الشان اور رفیع المکان ہیں اور اپنے ابنائے جنس میں امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں...... اس کے بعد مجھے مقام جذبہ میں لے آئے اور یہ مقام بے شمار مقامات جذبات کو لئے ہوئے ہے۔ پھر اس مقام سے نیچے بھی نزول ہوا۔ مراتب نزول کی انتہا مقام قلب پر ہوتی ہے جو ایک حقیقت جامعہ ہے اور ارشاد و تکمیل کا تعلق اس مقام تک نزول ہونے پر ہے۔ چنانچہ مجھے اس مقام پر نزول حاصل ہوا، لیکن قبل اس کے کہ مجھے اس مقام میں تمکین حاصل ہو پھر عروج واقع ہوا اور اس مرتبہ میں نے سایہ کی طرح اصل کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور اس عروج میں جو قلب کے مقام میں واقع ہوا، مجھے تمکین اور پختگی نصیب ہوگئی۔''

(درجہ ۸: اسی کے آگے حضرت مجددؒ نے اس طرح تحریر فرمایا ہے اور اپنے کمال سے متعلق اطلاع دی ہے کہ)

Marfat.com

''قطب ارشاد جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے بہت کم ہوا کرتا ہے۔ بہت صدیوں اور بے شمار زمانوں کے بعد اس قسم کا کوئی جوہر ظاہر ہوتا ہے اور یہ تاریک دنیا اس کے ظہور سے منور ہوتی ہے اور اس کے رشد و ہدایت کا نور تمام عالم کو شامل ہوتا ہے یعنی عرش کے دائرے سے فرش کے مرکز تک جس کسی کو بھی رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اسی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کی ذات سے مستفاد ہوتی ہے اور بغیر اس کے توسط کے، کوئی شخص اس دولت تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ اس کا نور ہدایت ایک بحر بیکراں کی طرح تمام عالم کو احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے اور وہ دریا گویا منجمد ہے جس میں مطلق حرکت نہیں ہے۔ جو شخص ایسے بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے یا وہ بزرگ خود کسی طالب کے حال پر متوجہ ہو جائے تو اس توجہ کے دوران ایک طرح سے اس طالب کے دل میں ایک سوراخ کھل جاتا ہے اور اس راستے سے (توجہ اور اخلاص کے مطابق) اس دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو ذکر الٰہی میں مشغول ہے اور اس بزرگ کی طرف انکار سے نہیں بلکہ لاعلمی کی وجہ سے متوجہ نہیں ہے تو اسے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے، لیکن پہلی صورت میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ البتہ وہ شخص جو ایسے بزرگ کا منکر ہو یا اس بزرگ کو اس شخص سے گرانی ہو تو وہ شخص خواہ ذکر الٰہی میں بہت کچھ مشغول رہے لیکن وہ رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم ہی رہے گا۔ بغیر اس کے کہ وہ بزرگ اس شخص کو فیض نہ پہنچانے کا کوئی ارادہ کرے یا اسے نقصان پہنچانے کا قصد کرے، اس کا یہ انکار ہی اس کے لئے استفاضے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے اور اسے ہدایت کی اصل حقیقت حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ جو کچھ حاصل ہوگا وہ ہدایت کی صورت ہوگی اور حقیقت کے بغیر صرف صورت سے بہت کم فائدہ پہنچتا ہے، لیکن جو لوگ اس بزرگ سے اخلاص اور محبت رکھتے ہیں، خواہ وہ توجہ مذکور اور ذکر الٰہی سے کتنے ہی خالی ہوں ان کو بھی محض محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور حاصل ہو جاتا ہے۔''[۲۸]

درجہ ۹: حضرت مجددؒ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سات درجہ متابعت سے نوازا گیا ہے اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس سات درجہ متابعت کی تفصیل آپ کے ''مکتوبات'' کے دفتر دوم کے پچاسویں مکتوب میں ملاحظہ فرمائیں۔

درجہ ۱۰: حضرت مجددؒ پر انبیاء علیہم السلام کی استعداد کے مشارب، ان کے تعینات کے مبادی اور ہر ایک کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ یعنی محبت، محبوبیت اور خُلت اور اسی طرح ان سالکوں کی استعداد جو کسی نبی کے زیر قدم ہوں، مکشوف کردی گئی تھی۔ پھر ان مشارب میں ہر ایک کے قدم کا فرق بھی ظاہر کر دیا گیا تھا۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں کہ فلاں شخص ولایت موسوی میں ہے، فلاں ولایت عیسوی میں، فلاں محمدی المشرب ہے اور فلاں نزدیک ہے فلاں ولایت کے نقطۂ مرکز سے اور فلاں اس دائرے کے قریب ہے وغیرہ۔ یہ بھی آپ کی عظیم خصوصیات اور رفیع مقامات میں سے ہے۔

درجہ ۱۱: تعین وجودی کہ جس کے متعلق آج تک کسی عارف نے لب کشائی نہیں کی تھی آپ پر ظاہر کیا گیا اور اس عالی مقام کے اسرار اور برکات سے آپ کو ممتاز فرمایا گیا۔ جیسا کہ مکتوبات کے دفتر سوم کے مکتوب ۸۹ میں تفصیل آئی ہے۔ اسی طرح دوسرے مکتوبات میں بھی ہے۔

درجہ ۱۲: حضرت مجددؒ کو قلوب خمسہ[۲۹] کے اسرار و علوم سے بھی نوازا گیا تھا۔ خصوصاً مرتبۂ علیا سے جو قلب پنجم

Marfat.com

سے تعلق رکھتا ہے اور یہ مرتبہ، قرب کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور منازل حصول کا منتہا بھی ہے اور آپ کی اعلیٰ خصوصیات میں سے بھی ہے اور آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کے مرتبہ تک پہنچائے گئے تھے اور اس مقام میں بھی داخل کئے گئے تھے جس سے اونچا کوئی مقام نہیں اور اقطاب و اوتاد کو آپ کی ولایت کے تحت رکھا گیا جیسا کہ رسالہ ''مبداء و معاد'' میں آپ نے فرمایا ہے:

''جب یہ عارف جس کی معرفت مکمل تر اور جس کا شہود (حضور) کامل ہو، اس مقام تک پہنچتا ہے جو نادرالوجود اور اشرف ہے، تو وہ تمام جہانوں اور تمام ظہورات کا قلب بن جاتا ہے اور یہی شخص ولایت محمدیہ کا صحیح مستحق اور دعوات مصطفویہ سے مشرف بن جاتا ہے۔ (علی صاحبہا الصلوٰۃ السلام) چنانچہ اقطاب، اوتاد اور ابدال سب اس کے دائرہ ولایت کے تحت ہوتے ہیں اور افراد، احاد اور اولیاء کے تمام گروہ اسی کے انوار ہدایت کے ماتحت مندرج ہوتے ہیں، کیونکہ وہی شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوتا ہے اور ہدایت یافتہ بھی۔ یہ نسبت شریفہ، مرادین میں سے کسی کے لئے مخصوص رکھی گئی ہے اور مریدین کو اس کمال میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ یہی آخری درجہ اور انتہائی مقام ہے جس سے بلند تر نہ کوئی کمال ہے اور نہ کوئی عطیہ ہے۔ اس قسم کا عارف اگر ہزاروں برس کے بعد بھی پایا جائے تو بہت غنیمت ہے۔ اس کی برکات، طویل مدتوں اور بعید عرصوں تک جاری و ساری رہتی ہیں اور یہی وہ ہستی ہے جس کا کلام دوا ہے اور جس کی نظر شفا ہے۔ اس خیر امت میں کچھ مدت کے بعد حضرت امام مہدی علیہ السلام اسی نسبت پر ظہور فرمائیں گے۔ اور یہ خدا کی دین ہے جسے وہ چاہے دے دے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔''[۳۰]

درجہ ۱۳: حضرت مجدد پر ولایت کے تین درجات منکشف فرمائے گئے۔ یعنی ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور والایت علیا۔ ان تینوں کی تفصیل آپ نے مکتوبات شریفہ میں تحریر فرمائی ہے۔[۳۱]

درجہ نمبر ۱۴: حضرت مجددؒ پر حقیقت قرآن، حقیقت کعبہ اور حقیقت بیت المقدس کے اسرار منکشف فرمائے گئے اور یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ ایک ہزار سال کے بعد حقیقت احمدی کے ساتھ حقیقت محمدی متحد کر دی گئی ہے۔ اس کی تفصیل بھی آپ نے خود تحریر فرمائی ہے۔[۳۲]

درجہ ۱۵: حضرت مجدد قدس سرہ پر ظاہر کیا گیا کہ اس دنیا میں اگرچہ رویت (رویت الٰہی) نہیں ہوتی تاہم یہ بے رویت بھی نہیں ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

قدسیہ: ''یہ وہ عظیم دولت ہے جو صحابہ کرامؓ کے بعد بہت کم کسی کو نصیب ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ بات بعید و عجیب سی ہے اور اکثر لوگ اس کو قبول نہ کریں گے لیکن تحدیث نعمت کی جارہی ہے۔ کم سمجھ لوگ اس کو قبول کریں یا نہ کریں۔ یہ نسبت کل کے روز اکمل طریقے پر حضرت مہدی علیہ الرضوان پر ظاہر ہوگی۔''[۳۳]

درجہ ۱۶: حضرت مجددؒ کو اللہ تعالیٰ نے حق الیقین سے مشرف فرمایا اور صوفیہ کی اصطلاح میں جو حق الیقین ہے وہ آپ کے نزدیک عین الیقین ہے۔ اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا کہ:

قدسیہ: ''عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق یہ فقیر کیا کہے؟ اور اگر کہے تو کون ہے جو سمجھ سکے اور کیا حاصل کر سکے؟ یہ معارف احاطۂ ولایت سے خارج ہیں اور علمائے ظاہر کی طرح ارباب ولایت بھی ان کو سمجھنے سے قاصر اور عاجز ہیں۔ یہ علوم، انوار نبوت (علی صاحبہا الصلوٰۃ السلام) کی مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں کہ دوسرے ہزار سال والی تجدید سے

محض تبعیت اور وراثیت کی وجہ سے تازہ ہوئے ہیں۔'' [۳۴]

درجہ ۱۷: حضرت مجدد قدس سرہ پر جذبہ وسلوک کے علاوہ ایک اور طریقہ ظاہر کیا گیا جس کو آپ نے مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ فرمایا ہے اور اس کی تفصیل مکتوبات (۱/۳۰۱) میں تحریر فرمائی ہے۔

درجہ ۱۸: حضرت مجدد قدس سرہ کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اتباع کی وجہ سے ایسے مقام سے جو مقام رضا سے بالاتر ہے، ممتاز فرمایا گیا جیسا کہ آپ نے دفتر دوم کے مکتوب دوم میں تحریر فرمایا ہے۔

درجہ ۱۹: حضرت مجدد قدس سرہ کو خزینہ دار رحمت بنایا گیا۔ جیسا کہ دفتر اول کے مکتوب ۳۱۱ میں ہائے دوچشمی کی حقیقت کے سلسلے میں آپ نے ارشارہ فرمایا ہے۔

درجہ ۲۰: حضرت مجدد قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے مقام سابقین سے جو اصحاب یمین کے درجات سے بلند و بالا ہے، واصل فرمایا۔

درجہ ۲۱: حضرت مجدد قدس سرہ کو حق تعالیٰ نے مُکلّم اور محدَّث (بفتح دال) بنایا جیسا کہ آپ نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:

قدسیہ: ''واضح ہو کہ بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کبھی بلا واسطہ کلام کرتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کے ساتھ ہوا ہے اور کبھی انبیاء علیہم السلام کے کامل متبعین میں سے بھی بعض کو بطریق وراثت یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر اس طریقے کا کلام امت کے کسی فرد کو بکثرت حاصل ہو تو وہ شخص محدث کہلاتا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ یہ کلام الہام، القائے قلبی سے مختلف ہے۔ فرشتے کے ساتھ جو کلام ہوتا ہے اس کی نوعیت بھی یہ نہیں۔ اس کلام کا مخاطب صرف وہ انسان کامل ہے جو عالم امر، عالم روح و نفس اور آلۂ عقل و خیال کا جامع ہو اور اللہ تعالیٰ خاص کرتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے اور وہ فضل عظیم والا ہے۔'' [۳۵]

درجہ ۲۲: حضرت مجدد قدس سرہ کو انبیاء علیہم السلام کی ولایت سے مشرف فرمایا گیا اور ولایت ظلی سے ولایت اصلی کا اتصال عطا فرمایا گیا۔ [۳۶]

درجہ ۲۳: حضرت مجدد قدس سرہ کو سیرِ آفاقی و انفسی کے علاوہ اور ایک سیر مکشوف فرمائی گئی۔ [۳۷]

درجہ ۲۴: حضرت مجدد قدس سرہ کو قیومیت کی نسبت سے بھی مشرف فرمایا گیا جیسا کہ مکتوبات میں درج ہے۔ [۳۸]

درجہ ۲۵: حضرت مجدد قدس سرہ کو قطب الاقطاب ارشاد بنایا گیا کہ روئے زمین میں اور بالائے آسمان بھی انہی کے توسط سے بشرط عدم انکار، فیض پہنچتا ہے لیکن منکر قطعی محروم ہوتا ہے۔ [۳۹]

درجہ ۲۶: اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد قدس سرہ کے بعض مریدوں کو حضرتؒ کے طفیل میں قطبیت کے درجے پر فائز فرمایا۔

درجہ ۲۷: حضرت مجدد قدس سرہ فرماتے تھے کہ مجھ پر منکشف ہوا ہے کہ یہ سلسلہ میرے فرزندوں کے ذریعے روز قیامت تک باقی رہے گا۔ (انشاء اللہ)

واضح ہو کہ حضرت مجدد قدس سرہ کے تمام درجات کا شمار کاتب اور کاغذ دونوں کی بساط سے باہر ہے۔ صرف

Marfat.com

ضرورت کے طور پر اسی قدر اکتفا کیا گیا اور آپ کے کچھ درجات کا ذکر حضرت ششم میں آپ کے مکاشفات کے بیان میں اور کچھ آپ کے خلفاء اور اصحاب کے حوال کے ذیل میں کیا جائے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

آپ کے معمولات، عبادات اور اخلاق کے بیان میں

حضرت مجدد قدس سرہ کا معمول، موسم گرما و سرما اور سفر و حضر میں یہ تھا کہ نصف شب کے بعد بیدار ہو جاتے تھے اور اس وقت کی مسنون دعائیں پڑھتے تھے۔ اس کے بعد استنجا کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہوئے پہلے بایاں قدم رکھتے، پھر دایاں رکھتے اور اس وقت کی مسنون دعائیں پڑھتے۔ پھر وہاں بیٹھتے اور بائیں پیر پر زور دے کر بیٹھتے۔ اس کے بعد طاق عدد ڈھیلے استعمال فرماتے، پھر پانی سے طہارت فرماتے۔ اس کے بعد آپ وضو کے لئے جاتے اور قبلہ رو بیٹھتے اور وضو میں کسی کی مدد نہ لیتے۔ بائیں ہاتھ میں آفتابہ لیتے اور پہلے دائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے، پھر بائیں پر ڈالتے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ ملا کر دھوتے اور ہاتھ کی انگلیوں میں ہتھیلی کی طرف سے خلال فرماتے اور کلّی کے وقت مسواک استعمال فرماتے۔ تین بار داہنی جانب، تین بار بائیں جانب اور تین بار زبان پر پھراتے اور اگر اس سے زیادہ کرتے تو طاق عدد کی رعایت ضرور رکھتے۔ اس کے بعد بائیں جانب کے اوپر کے دانتوں پر پھیرتے۔ پھر اس طرف کے نیچے کے دانتوں پر پھیرتے۔ اور ہر وضو میں لازمی طور پر مسواک استعمال فرماتے اور فراغت کے بعد مسواک کو کاتب قلم کی طرح کبھی کان کے اوپر لگا دیتے اور اکثر خادم کے سپرد کر دیتے۔ اور آپ کے اصحاب مسواک کو پگڑی کے پیچ میں رکھ لیتے اور کلّی کا پانی آپ دور پھینکتے تھے اور کلّی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں نیا پانی لیتے۔ پھر چہرۂ مبارک پر کمال آہستگی اور نرمی سے پانی پیشانی کے اوپر سے گراتے اور سیدھے ہاتھ کو سیدھی طرف کے رخسار پر کسی قدر پہلے اور بائیں ہاتھ کو بائیں رخسار پر کسی قدر بعد پھیرتے تھے تاکہ داہنے ہاتھ سے ابتداء ہو سکے اور چہرۂ مبارک کو دھوتے وقت اپنی دستار کو ٹیڑھا رکھتے تاکہ سر کا چوتھائی حصہ کھل جائے اور وہاں سے دھویا جائے اور آپ چہرۂ مبارک پر پانی اس طرح ڈالتے کہ کپڑے یا بدن پر ایک قطرہ بھی نہ گرنے پاتا اور ہر مرتبہ پانی ٹپکنا بند ہونے تک چہرے پر ہاتھ پھیرتے تاکہ کوئی قطرہ نہ رہ جائے جو کپڑے پر ٹپکے۔ اس کے بعد سیدھا ہاتھ کہنی تک تین مرتبہ دھوتے اور ہر مرتبہ مکرر ہاتھ کہنی پر پھیرتے تاکہ کوئی قطرہ باقی نہ رہ جائے۔ اسی طرح بائیں ہاتھ کو کرتے اور پانی کو انگلیوں کی طرف سے ڈالتے اور وہ پانی جو مسح کے لئے سیدھے ہاتھ میں لیتے اس کو بائیں ہاتھ تک پہنچا کر دور ڈال دیتے تاکہ زمین سے چھینٹے اُڑ کر کپڑوں پر نہ پڑیں اور تمام سر کا مسح شروع سر سے پیچھے تک کرتے اور وسط سر پر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے باطن سے مسح کرتے اور سر کے کناروں میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے کرتے اور ان کو پیچھے سے آگے تک واپس لاتے۔ اس کے بعد اسی پانی سے کانوں کے اندر کا مسح سبابہ سے اور کانوں کے باہر کا مسح انگوٹھوں کے باطن سے کرتے۔ پھر ہتھیلی پشت سے گردن کا مسح کرتے اور داہنے اور بائیں پاؤں کو تین تین مرتبہ دھوتے ٹخنوں اور پنڈلیوں کے کچھ حصے کے ساتھ اور ہر مرتبہ ہاتھ کو ان پر اتنا پھیرتے کہ وہ خشک ہونے کے قریب ہو جاتے اور ادعیۂ مسنونہ جو اعضا کے دھونے کے وقت مروی ہیں ہمیشہ تلاوت فرماتے اور وضوئے فراغت کے بعد بھی مسنون دعائیں پڑھتے اور

وضو کے اعضاء کو کپڑے سے نہ پونچھتے۔ اس کے بعد لطیف اور نفیس کپڑے زیب تن فرماتے اور پورے تجمل اور وقار کے ساتھ نماز کے لئے تیار ہوتے اور پہلے دو رکعت مختصر پڑھتے۔ پھر تہجد کی نماز کو طویل قرأت کے ساتھ ادا کرتے۔ غالباً دو تین جز قرآن کے پڑھتے۔ کبھی محویت کے عالم میں نصف شب سے صبح تک ایک ہی رکعت ہوتی تھی۔ جب خادم عرض کرتا کہ صبح ہو رہی ہے تو دوسری رکعت مختصر ادا فرماتے اور سلام پھیر دیتے۔ اور اکثر اوقات بارہ رکعتیں کم و بیش بلحاظ وقت ادا فرماتے اور ہر دوگانہ کے بعد خشوع و خضوع کے ساتھ مراقبہ اور استغراق میں مشغول ہو جاتے اور فراغت کے بعد ایک سو مرتبہ استغفار اور دوسری دعائیں اور درود شریف پڑھتے اور صبح تک مراقبہ فرماتے یا کلمۂ طیبہ میں مشغول ہوتے اور صبح سے پہلے سنت مبارکہ کے مطابق تھوڑی دیر کے لئے خواب فرماتے تاکہ تہجد دو نیندوں کے درمیان واقع ہو جائے اور صبح سے قبل بیدار ہو کر تازہ وضو فرماتے اور گھر میں سنت ادا فرماتے۔ اس کے بعد قبلہ رو ہو کر سیدھا ہاتھ سیدھے رخسار کے نیچے لمبا کرتے اور معاً اٹھ کر مسجد کی طرف متوجہ ہوتے۔ (آخر زمانے میں اس طرح پہلو پر دراز ہونا ترک فرما دیا تھا) اس کے بعد فجر کے فرض کو مسجد میں جماعت کثیرہ کے ساتھ اول روشنی میں اور تاریکی کے آخر میں ادا فرماتے تھے اور امامت خود فرماتے تھے اور طویل سورتیں (طوال مفصل) پڑھا کرتے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد بعض مسنون دعائیں پڑھتے تھے اور بجانب جماعت، داہنی یا بائیں طرف مڑ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے اور دعا کے بعد دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لیتے تھے۔ پھر اپنے اصحاب کے ساتھ حلقۂ ذکر بنا کر بیٹھتے اور شغل باطنی میں مصروف رہتے یہاں تک کہ سورج ایک نیزہ برابر اونچا ہو جاتا۔ حلقے کے ضمن میں کبھی حافظ سے بھی قرآن سنتے تھے۔ نماز اشراق، طویل قرأت کے ساتھ دو رکعت اور خفیف کے ساتھ دو رکعت ادا فرماتے تھے۔ اس سے فراغت کے بعد دعائے استخارہ اور تتمیہ ادعیہ موقتہ پڑھتے تھے۔ پھر اندر جاتے اور مقتضائے حال کے مطابق کبھی تلاوت قرآن مجید اور کبھی ختم کلمۂ طیبہ میں مشغول ہو جاتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ طالبوں کو الگ الگ طلب فرما کر ہر ایک سے اس کے باطنی احوال دریافت فرما کر اس کے مطابق ہدایت فرماتے تھے۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ ان کے باطنی احوال کا موجود اور آئندہ بیان فرماتے اور تفصیل سے اس کی تشریح فرما دیتے تھے اور ان کی تربیت فرماتے تھے۔ پھر مقامات و کیفیات اور واردات کے اسماء سے آگاہ فرماتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ زیادہ قریبی اصحاب کو طلب کر کے خاص اسرار اور خود اپنے مکشوفات کے معارف بیان فرماتے تھے (لیکن اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ) ایسے اسرار کے چھپانے میں پوری طرح کوشش فرماتے تھے لیکن معارف کے بیان کے وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اپنا القا اور اپنے حال کا اعطاء بیان کر رہے ہیں۔ بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ جب احباب آپ کی زبان گوہر فشان سے معارف علیہ سُنتے تو آپ کی توجہ سے اسی وقت خود کو اس معرفت سے متصف پاتے اور اکثر آپ کی صحبت خواہ اپنے احباب کے ساتھ ہو یا دوسروں کے ساتھ ہو، خاموشی سے ہوتی تھی اور احباب کو رعب اور خوف کی وجہ سے دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور آپ کی تمکین اس قدر تھی کہ واردات کے توارد و تکاثر مختلفہ کے باوجود آپ سے کوئی اثر تلوین کا کبھی ظاہر نہ ہوتا تھا۔ جوش و خروش اور نعرہ و فریاد آپ سے کبھی دیکھے نہ گئے مگر اتفاق سے اور بعض اوقات آپ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا اور آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے اور کبھی حقائق بیان کرتے وقت رخساروں کا رنگ متغیر دیکھا گیا ہے۔

(اب ہم پھر اپنی بات کی طرف آتے ہیں) جب ضحوۂ اکبریٰ ختم ہو جاتا تو آپ نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں

Marfat.com

ادا فرماتے اور کبھی ایسا موقع بھی ہوتا کہ چار رکعتیں بھی پڑھ لیتے۔ پھر کھانا کھاتے، لیکن کھانے کے وقت دیکھا گیا کہ اکثر وقت درویشوں، عزیزوں اور خادموں میں تقسیم کرنے میں گزر جاتا اور اس اثناء میں کبھی تین انگلیوں سے کوئی نوالہ لے لیتے اور کبھی طبق پر ہاتھ پہنچا کر منہ پر رکھ لیتے اور صرف ذائقہ چکھ لیتے۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کو کھانے کی حاجت نہیں ہے۔ محض اس لئے کچھ کھاتے ہیں کہ کھانا سنت ہے اور انبیاء علیہم السلام نے کھانا ترک نہیں فرمایا۔ اور کھانا کھاتے وقت آپ سنت کے مطابق بیٹھتے یعنی کبھی دوزانو اٹھا لیتے اور کبھی داہنا پاؤں بائیں پاؤں پر اور داہنے زانو کو بائیں زانو پر رکھتے۔ پھر کھانے سے فراغت پر اس وقت کی مسنون دعائیں پڑھتے اور عوام کے طریقے کے مطابق کھانے کے بعد فاتحہ پڑھنا آپ سے نہیں دیکھا گیا، کیونکہ ایسا کرنا سنت نہیں ہے۔

کھانے کے بعد سنت کے مطابق تھوڑی دیر کے لئے قیلولہ فرماتے تھے۔ اتنے میں سورج کا سایہ ڈھل جاتا اور مؤذن اذان کہتا۔ مؤذن کے لفظ اللہ اکبر کے ساتھ ہی آپ کی بیداری واقع ہو جاتی تھی اور آپ بے اختیار پوری عجلت کے ساتھ اور قوت کے ساتھ زمین پر آ جاتے اور اس کام میں ذرا دیر نہ فرماتے۔ اذان سنتے وقت اس کے ہر کلمہ کا اعادہ فرماتے مگر حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے وقت لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھتے۔ اذان سننے کے بعد دعا پڑھتے اور اس کو پڑھتے ہی اٹھ کھڑے ہوتے اور وضو فرماتے اور نفیس لباس پہن کر مسجد میں تشریف لاتے اور پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا فرماتے۔ اس کے بعد چار رکعت سنت زوال، طول قرأت کے ساتھ ادا فرماتے۔ پھر چار رکعت سنت مؤکدہ ظہر کی ادا فرماتے۔ پھر جب مکبّر اقامت کہتا تو آپ خود امامت فرماتے اور قرأت طویل سورتوں کی (طوال مفصل) فرماتے اور فرض پڑھنے کے بعد (بغیر دعاؤں کے) صرف اللھم انت السلام و منک السلام ...... تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام پڑھ کر کھڑے ہو جاتے اور دوسری دو رکعت سنت مؤکدہ کی پڑھتے۔ اس کے بعد چار رکعت جو سنت زوائد کی ہیں آپ ادا فرماتے۔ اس کے بعد جو فرض کے بعد کی مسنون دعائیں ہیں وہ پڑھتے۔ پھر سب کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے اور اصحاب حلقہ بنا لیتے اور حافظ قرآن کی تلاوت کرتا اور احباب پر توجہ دیتے اور مراقبہ فرماتے۔ فراغت کے بعد ایک دو سبق کا درس دیتے۔ اتنے میں عصر کا وقت آ جاتا اور آپ تازہ وضو کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ دو مثل اور سایۂ اصلی کے گزر جانے کے بعد عصر کے اول وقت میں آپ مسجد میں تشریف لاتے اور دو رکعت تحیۃ المسجد اور چار رکعت سنت (غیر مؤکدہ) ادا فرماتے۔ پھر امامت فرماتے اور کثیر جماعت کے ساتھ عصر فرض پڑھتے۔ اس کے بعد وہ مسنون دعائیں جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہیں، پڑھتے۔ پھر کبھی جماعت کی طرف رخ کر کے بیٹھتے اور مریدین حلقہ کرتے اور حافظ قرآن پاک پڑھتا جبکہ آپ اور مریدین مراقب ہوتے اور اس اثناء میں آپ باطنی طور پر ان لوگوں کے احوال کی طرف توجہ فرماتے اور ان کی روحانی ترقی کے لئے کوشاں ہوتے اور کبھی دوسرے اعمال صالحہ میں مصروف رہتے۔ پھر مغرب کی نماز اول وقت میں ادا فرماتے۔ فرض کے بعد بغیر تاخیر کئے ہوئے دو رکعت سنت مؤکدہ ادا فرماتے۔ پھر چھ رکعتیں تین سلام اور طویل قرأت کے ساتھ ادا فرماتے اور اس اوابین کی نماز میں سورۃ واقعہ اور سورۃ اخلاص مکرراً اور اس کے علاوہ سورتیں پڑھتے اور نماز عشا کے لئے افق کی سفیدی دور ہونے کے بعد کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہی شفق ہے اور متفق علیہ وقت بھی یہی ہے، آپ مسجد میں تشریف لاتے۔ پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے پھر چار رکعت سنت ادا فرماتے۔ اس کے بعد چار فرض جماعت کے ساتھ ادا فرما کر صرف دعا اللھم

Marfat.com

انت السلام...... کے علاوہ دوسرے ادعیہ نہ پڑھتے اور کھڑے ہو جاتے اور دو رکعت سنت مؤکدہ ادا کر کے چار رکعت مستحب ادا فرماتے۔ اس کے بعد وتر ادا فرماتے۔ پھر سورۃ الٓم سجدہ کی تلاوت فرماتے اور کبھی چار فرضوں کے بعد کی چار رکعتوں میں سورۃ سجدہ، سورۃ تبارک، قل یا یہا الکفرون اور قل ہو اللہ پڑھتے اور کبھی چاروں قُل پڑھتے اور وتر میں سورۃ سبح اسم، قل یاایھالکافرون اور قل ھو اللہ پڑھتے اور دعائے قنوت حنفی و شافعی جو حنفیوں نے جمع کر دی ہیں اور دونوں کو بہتر کہا ہے، آپ بھی جمع فرما دیتے اور وتر کے بعد پہلے آپ دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے اور ان میں سورۃ اذا زلزلت الارض اور قل یا ایھالکفرون پڑھتے تھے لیکن بعد میں آپ نے یہ دو رکعتیں ترک کر دی تھیں اور فرماتے تھے کہ اس میں اختلاف ہے اور سجدہ جو وتر کے بعد متعارف ہے، آپ نہیں کرتے تھے کہ علماء اس کی کراہت کے قائل ہیں۔ آپ وتر کو کبھی اول شب میں اور کبھی آخر شب میں پڑھتے تھے اور نماز تہجد کے بعد اسے دہراتے نہیں تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔ اور اس کے بعد آپ سوتے وقت سورۃ، آیات، تسبیحات اور ماثورہ دعائیں پڑھ کر سائبان میں لیٹ جاتے اس طرح کہ روئے مبارکہ قبلہ کی طرف اور سیدھا ہاتھ سیدھے رخسار کے نیچے ہوتا تھا اور آپ کی نیند بھی کامل حضور و مراقبہ اور وصال و مشاہدۂ جمال الٰہی کے ساتھ ہوتی تھی۔

ع عجیب نیند کہ بیداری سے بھی بہتر تھی

آپ فرماتے تھے:

قدسیہ: ''النوم اخ الموت کے مصداق، نیند کی حالت میں جو کیفیت وارد ہوتی ہے وہ بیداری کی حالت سے بہتر ہے اگرچہ عقلمندوں کی عقل اس نکتہ کو نہیں سمجھ سکتی۔ اسی طرح وہ حالت جو موت کے وقت ظاہر ہوتی ہے نیند کی حالت سے بہتر ہے اور وہ حالت جو قبر میں ظاہر ہوتی ہے وہ موت کی حالت سے بہتر ہے اور وہ حالت جو برزخ کبریٰ میں ظاہر ہوتی ہے ان تمام حالات سے بہتر ہے اور وہ حالت جو بہشت میں ظاہر ہوگی وہ ان سب سے بلند و بالا ہوگی۔''

آپ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مسجد مین اعتکاف فرماتے تھے اور ذی الحجہ کے عشرہ میں عزلت اختیار فرماتے تھے اور اس عشرہ میں عبادات، اذکار اور روزہ ادا کرنے میں حرص کامل فرماتے اور کثرت سے درود پڑھتے تھے اور نماز جمعہ اور عیدین میں حاضر ہوتے تھے اور نماز جمعہ کے بعد ظہر کے فرض کو چار سنت کے بعد آخر ظہر کی نیت سے (بدیں نیت کہ ''پایا میں نے وقت اس کا اور ارادہ نہ کیا تھا)'' احتیاطاً ادا فرماتے تھے کیونکہ بعض فقہائے کے قول کے مطابق شرائط جمعہ پائی نہیں جاتیں۔

اور عید الاضحیٰ کے دن آپ راستے میں تکبیرات بالجہر پڑھتے تھے اور ذی الحجہ کے عشرہ میں خلوت اور خضوع، انقطاع، روزہ اور قیام شب اختیار فرماتے تھے اور حُجاج کی طرح اس عرصے میں بال اور ناخن نہیں کٹواتے تھے، لیکن وہ جو لوگ عرفہ کے دن، جنگل میں جا کر ننگے سر ہو کر حاجیوں کی طرح دو رکعت پڑھتے ہیں آپ ایسا نہیں کرتے تھے اور عشرۂ ذی الحجہ کی نماز عشاء میں اور نماز فجر کی دوسری رکعت میں سورۃ الفجر تلاوت فرماتے تھے۔ اسی طرح اس ماہ کے تمام میں بھی۔

آپ سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازیں بھی پڑھتے تھے اور نماز تراویح بیس رکعت سفر اور حضر میں پوری جمعیت کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور ماہ رمضان میں تین سے کم قرآن پاک ختم نہیں کرتے تھے اور ہر چار رکعت تراویح

Marfat.com

کے بعد تین مرتبہ سبحان ذی الملک والملکوت ...... پڑھتے تھے اور دوسرے دنوں میں چونکہ حافظ قرآن تھے، ہمیشہ خلوص دل سے اس کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے اور قرآن پاک کا استماع بھی ذکر کر کے حلقوں میں ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ اور نماز وغیرہ میں قرأت کے وقت قرآن پاک اس طرح پڑھتے تھے کہ گویا الفاظ کے ضمن میں معنی ادا فرمار ہے ہیں اور آپ کی قرأت سننے سے سامعین کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایسے محبوب سبحانی پر اسرار قرآنی فائض ہو رہے ہیں اور بہت سے لوگ جو مریدین میں بھی داخل نہیں تھے، کہا کرتے تھے کہ آپ کی تلاوت اس نہج کی ہے کہ گویا آپ کے دل سے الفاظ نکل رہے ہیں۔ آپ ہرگز آواز میں غنا کی رعایت نہ فرماتے تھے اور تراویح میں سامعین میں بہت کم کسی کو دیکھا ہے کہ اسے غنودگی نہ ہو جاتی ہو، لیکن آپ ہمیشہ کھڑے ہوئے قرآن پاک سنتے تھے اور غنودگی کا شائبہ بھی آپ کے یہاں نہ ہوتا تھا۔

ایک روز اس حقیر مؤلف نے عرض کیا کہ یہ حضور کی کرامت ہے کہ حضور کو غنودگی نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ اسرار قرآنی کے سمندر میں شناوری مجھے موقع نہیں دیتی کہ میں آنکھ بند کر سکوں۔

آپ سفر میں منزل تک پہنچنے میں بھی تلاوت فرماتے رہتے تھے اور جب آیت سجدہ آتی تو فوراً گھوڑے سے اتر کر زمین میں سجدہ کرتے۔ انفرادی نماز میں رکوع اور سجدے میں تسبیحات پانچ سے سات تک بلکہ نو یا گیارہ مرتبہ تک پڑھتے اور حالت امامت میں آپ کبھی تین مرتبہ تک تسبیح کو کم کر لیتے اور کبھی چار مرتبہ پڑھتے تاکہ مقتدی حضرات تین مرتبہ تو اطمینان سے پڑھ سکیں اور چند روز آپ نے امامت میں رکوع اور سجود کی تسبیح پانچ بار بھی پڑھی تھی کہ حضرت حق کی بارگاہ سے اس کی ممانعت آئی۔ پھر تو آپ چار بار ہی پر اکتفا فرمانے لگے۔ آپ کی احتیاط اس درجہ تھی کہ سنت نبوی (علیہ الصلوۃ والسلام) میں کسی طرح کوئی کمی نہ واقع ہو اور اس طرح کوئی زیادتی بھی نہ ہو۔ اس کی احتیاط بھی فرماتے تھے اور سوائے تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے آپ کسی دوسری نفلی نماز کو جماعت سے ادا نہیں فرماتے تھے اور ایسا کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔ اسی طرح جو لوگ روز عاشورا، شب قدر، شب برات اور لیلۃ الرغائب میں نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں آپ اس کو سختی سے منع فرماتے تھے اور اسے خلاف سنت فرماتے تھے اور جو لوگ تہجد کو جماعت سے پڑھتے ہیں ان کو آپ برا کہتے تھے اور ہر کام کے شروع کرنے سے پہلے نماز استخارہ پڑھتے تھے اور کبھی صرف دعائے استخارہ پر اکتفا فرماتے تھے اور تشہد میں سبابہ (کلمہ کی انگلی) سے اشارہ نہیں فرماتے تھے کیونکہ یہ فعل مذہب حنفی میں مکروہ اور حرام کہا گیا ہے۔ اگرچہ علمائے سنت کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ جب سنت و کراہت کے مابین کوئی امر واقع ہو تو اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے، مگر آپ کبھی کبھی بمقتضائے احادیث نفلوں میں اشارہ فرماتے تھے تاکہ یہ عمل متروک مطلق نہ ہو جائے اور نماز کے بعد مرحوم لوگوں کے ایصال ثواب کے لئے فاتحہ یا مشکلات کے حل کے لیے فاتحہ پڑھنا جو بعض مشائخ کی عادت ہے، آپ نہیں پڑھتے تھے۔[39] اور امراض کے دفعیہ کے لئے آپ باطنی توجہ فرماتے تھے جس کے آثار بھی ظاہر ہوتے تھے جیسا کہ آپ کی کرامات کے ذیل میں لکھا گیا ہے۔ اور آپ زیارت قبور کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے اور استغفار اور مسنون دعائیں پڑھ کر ان کی مدد فرماتے تھے اور باطنی توجہ بھی فرماتے تھے تاکہ ان کا عذاب دور ہو اور ان کے درجات بلند ہوں۔ جیسا کہ ان کے مکاشفات کے ذیل میں ذکر کیا گیا ہے۔ آپ قبروں کو بوسہ دینا مستحسن نہیں سمجھتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی اپنے والد ماجد اور اپنے پیر دستگیر کی قبر کو ہاتھ لگاتے تھے۔

آپ دعوتِ خاص کو قبول فرما لیتے تھے لیکن دعوت عام میں نہیں جاتے تھے اور سرود وسماع اور مولود خوانی کی مجلسوں میں شرکت نہیں فرماتے تھے اور ذکر جہر کے ترک کو بہتر قرار دیتے تھے اور خواص بشر (یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرامؒ) کو خواص ملک پر فضیلت دیتے تھے اور نبوت کو ولایت سے افضل فرماتے تھے خواہ وہ ولایت نبی ہی کی کیوں نہ ہو اور غلبۂ صحو کو غلبۂ سکر پر ترجیح دیتے تھے اور صحو خالص کو عوام کالانعام کا حصہ قرار دیتے تھے اور ولی عشرت کو جو خلائق کے لئے نافع اور راہبر ہو، اس ولی عزت سے بہتر جانتے تھے جو صحرا اور پہاڑوں میں تنہا رہ کر اپنی جان کی سلامتی چاہتا ہو۔ اسی طرح تمام صحابۂ کرام کو تمام اولیاء سے افضل جانتے تھے خواہ یہ اولیاء کتنے ہی اقطاب واوتاد وابدال ہی کیوں نہ ہوں۔ اور صحابہ کرام کے اختلافات کو اجتہاد سمجھتے تھے اور ان کو ہوائے نفسانی سے قطعی مبرا جانتے تھے۔

ایک دن ایک جوان جس کے چہرے سے صلاح وخیر کے آثار ظاہر ہوتے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں برہان پور سے آ رہا ہوں اور حضرت شیخ فضل اللہ نے آپ کی خدمت میں دعوت مخلصانہ عرض کی ہیں اور کہا ہے کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ آپ نے اپنے ''مکتوبات'' میں کچھ ایسا لکھا ہے کہ میرا مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مرتبے سے زیادہ ہے تو اس بات کی حقیقت کیا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ جب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جو جمیع کمالات اور فضائل سے متصف تھے، دوسرے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر فضیلت نہیں دیتا تو پھر خود کو کیونکر ان سے افضل کہہ سکتا ہوں؟ اس شخص پر معرفت حق حرام ہے جو خود کو کافر فرنگ ہی سے بہتر جانے، چہ جائے کہ اکابر دین سے۔

آپ نے بعض صاحب حال مریدوں کو کہ جن سے لوگوں کو رشد وہدایت حاصل ہوتی تھی، درجۂ کمال و تکمیل تک پہنچنے سے قبل ہی ایک طرح کی اجازت، تعلیم طریقہ کی دیدی تھی تاکہ لوگوں کو وہ گرداب گمراہی سے بچا کر راہ حق کی طرف ہدایت دے سکیں، لیکن آپ تکرار اور مبالغے کے ساتھ ایسے مریدوں کی ناتمامی کی صراحت فرماتے رہتے تھے تاکہ انہیں اپنے کامل ہونے کا خیال نہ ہو اور تکبر پیدا نہ ہو اور ان کی ترقی نہ رُک جائے۔

آپ تمام مشائخین کے طریقوں سے افضل نقشبندی طریقے کو سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ طریقۂ نقشبندیہ بعینہٖ صحابہ کرامؓ کے طریقے پر ہے اور ان کی نسبت کو تمام نسبتوں سے برتر جانتے تھے اور اس زمانے میں جو بدعتیں پیدا ہوئی ہیں یعنی تہجد کی جماعت اور صبح کے وقت جہر کے ساتھ استغفار پڑھنا ان کو آپ ناپسند فرماتے تھے اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کو بزرگ تسلیم کرتے تھے گو کہ ان کے بعض مکشوفات کو خطا سمجھتے تھے لیکن اس خطائے کشفی کو خطائے اجتہادی کی طرح قابل مواخذہ نہیں سمجھتے تھے۔

آپ بعض کتابوں کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ مثلاً بیضاوی، بخاری، مشکوٰۃ، ہدایہ، شرح مواقف، حاشیۂ عضدی، بزدوی اور عوارف وغیرہ۔ اس فقیر مؤلف نے آپ سے شرح مواقف، بیضاوی اور عضدی مع حاشیۂ میر پڑھی ہیں اور آپ کی شاگردی کی سعادت حاصل کی ہے۔ آپ ہمیشہ طلبہ کو علم کی تحریص اور ترغیب دلایا کرتے تھے اور تحصیل علم (دین) کو تحصیل سلوک صوفیہ پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہ فقیر مؤلف اپنی نوجوانی کے زمانے میں اکثر غلبۂ حال کی وجہ سے پڑھنے کا ذوق خود میں نہ پاتا تھا تو آپ کمال مہربانی سے فرماتے تھے کہ سبق لاؤ اور پڑھو۔ کیونکہ جاہل صوفی تو شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

آپ اکثر اوقات سفر کے لئے دوشنبہ (پیر) اور پنج شنبہ (جمعرات) کو روانہ ہوتے تھے، لیکن ہر روز کو سفر کے لئے مبارک جانتے تھے اور نجومیوں کی بتائی ہوئی ساعات پر عمل نہیں کرتے تھے۔ (فرماتے تھے) کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کی برکت سے دنوں کی نحوست ختم ہو چکی ہے۔ آپ کا یہ عمل اس حدیث پر تھا کہ ''سب دن خدا کے ہیں اور سب بندے خدا کے بندے ہیں۔'' البتہ سفر کے وقت استخارہ بھی کرتے تھے اور سفر سے پہلے کی جو مسنون دعائیں ہیں، وہ بھی پڑھتے تھے۔ اسی طرح منزل پر پہنچتے وقت اور وہاں سے نکلتے وقت کی بھی مسنون دعائیں پڑھتے تھے اور کپڑا پہننے، پانی پینے، کھانا کھانے، چاند اور آئینہ دیکھنے کی جو دعائیں ہیں، وہ بھی پڑھتے تھے۔ آپ کے شب و روز کی دعاؤں اور وظیفوں کا کچھ ذکر ایک علیحدہ رسالے میں مذکور ہے۔[41]

اب ہم آپ کی نماز کی صفت بیان کرتے ہیں:

تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لو تک پہنچا کر اور ہاتھوں کی انگلیوں کو بغیر کھولے یا بند کئے ہوئے، جانب قبلہ کر کے آپ اللہ اکبر کہتے ہوئے نیچے لاتے تھے اور بغیر ہاتھ چھوڑے ہوئے سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر زیر ناف اس طرح سے باندھتے تھے کہ چھنگلیا اور انگوٹھا بطور حلقہ ہو جاتے اور بیچ کی تین انگلیاں بائیں ہاتھ پر دراز ہو جاتیں اور پکڑ لیتیں اور (کھڑے ہوتے وقت) دونوں پاؤں کا فاصلہ چار انگل کا ہوتا تھا اور دونوں پاؤں جما کر کھڑے ہوتے تھے، کسی ایک پاؤں پر بوجھ ڈال کر دوسرے پاؤں کو آرام نہیں دیتے تھے اور قیام میں سجدہ کی جگہ پر نظر رکھتے تھے اور قرأت میں ترتیل اور تجوید[42] کو اور قرآن کے معانی و اسرار میں غور و خوض اور حضور کو (جو آپ ہی جانتے تھے) ملحوظ رکھتے تھے۔ اس کے بعد تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے اور قدم پر نظر رکھتے اور سر کو پشت کے برابر رکھتے اور دونوں زانوؤں کو کھلی ہوئی انگلیوں سے مضبوط پکڑتے اور زانوؤں میں کوئی جھکاؤ نہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد ایک تسبیح کی مقدار میں قومہ فرماتے اور انفرادی نماز میں سمع اللہ حمدہ اور ربنا لک الحمد (دونوں) کو جمع فرماتے اور حالت امامت میں سمع اللہ لمن حمدہ اور حالت اقتدا میں ربنا لک الحمد ہی پڑھتے تھے اور دونوں سجدوں کے درمیان ایک تسبیح کی مقدار میں جلسہ کرتے تھے اور سجدہ کی حالت میں ناک کے نرمہ پر نظر رکھتے تھے اور پیٹ کو زانو سے اور زانو کو بازو سے جدا رکھتے تھے اور سجدہ کے تمام اعضاء و مواضع پر وزن برابر رکھتے تھے۔ پھر جو حال اور قرب آپ کو رکوع اور سجود کے وقت حاصل ہوتا تھا وہ آپ ہی کو معلوم تھا اور قعدۂ تشہد میں دونوں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرتے تھے اور کناروں پر نظر رکھتے تھے۔ غلبۂ باطن سے آپ کے ظاہر پر خضوع و خشوع کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور آپ کے مرید نماز کی صورت ہی کی پیروی کرتے تھے۔

یہ حقیر (مؤلف) اس برگزیدہ امام ہمام کے خادموں میں شامل ہونے سے پہلے کبھی کبھی آپ کی مسجد میں جمعہ کی نمازوں میں شریک ہو جاتا تھا اور آپ کی نماز کو دیکھ کر بے اختیار ہو جاتا تھا اور یقین رکھتا تھا کہ آپ ہمیشہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھتے ہیں، اور اسی طریقے کے مطابق آپ نماز ادا کرتے ہیں اور یوں تو اس حقیر نے دوسرے علماء اور مشائخ کو بھی دیکھا ہے لیکن ایسی نماز کسی کی نہیں دیکھی۔ ہمیشہ اول وقت میں نماز ادا کرنا اور ایک ہی طریقے سے ہمیشہ ادا کرنا عجوبۂ روزگار معلوم ہوتا تھا۔ کبھی ہم نے نہیں دیکھا کہ آپ نے اپنے وقت سے ایک لمحہ بھی تجاوز کیا ہو یا طریقۂ نماز میں کبھی قومہ یا جلسہ یا کسی

Marfat.com

آداب نماز میں کسی طرح کا کوئی فرق محسوس ہوا ہو۔ آپ کی نماز ہی آپ کی اعلیٰ کرامت تھی کہ خرقِ عادت اور عرفِ عالم ظاہر ہوتی تھی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہمیشہ ایک طور پر بلا کسی رنج و مشقت کے اس طرح پوری تعظیم و توقیر، وقار، خشوع اور خضوع اور آپ کی باطنی قوت کی وجہ سے تھی۔ اسی لئے یہ حقیر (مؤلف) بلکہ ایک کثیر جماعت آپ کی نماز ہی کی وجہ سے آپ کی معتقد ہوتی تھی۔

ماہ رمضان میں مسجد میں مصلے بچھائے جاتے تھے اور چراغ روشن کئے جاتے تھے اور ان دنوں میں صلحاء، علماء اور مریدوں کا ایک جم غفیر دور اور نزدیک مقامات سے آ کر حاضری دیتا تھا اور تراویح اور ختم قرآن میں شریک ہوتا تھا۔ آپ افطار میں عجلت اور سحری میں آخر وقت کے لئے کوشش فرماتے تھے اور حتی الامکان (رمضان میں) دن کے وقت بیت الخلاء نہیں جاتے تھے کہ پانی سے استنجا کرنے سے جوف میں پانی جانے کا احتمال ہوتا ہے اور اگر کبھی مجبوراً دن میں استنجا کرنے کا اتفاق ہو جاتا تو بطور احتیاط کے اس روزہ کی قضا کرتے تھے اور (رمضان میں) دن رات قرآن پاک کی تلاوت اور سماعت میں مصروف رہتے تھے۔

زکوٰۃ ادا کرنے کا آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کبھی کوئی آمدنی اور نذر آتی تو آپ سال کے ختم کا انتظار نہ فرماتے تھے بلکہ اس رقم کے آتے ہی فوراً حساب کر کے زکوٰۃ ادا کر دیتے تھے یعنی صالحین کو، بیواؤں کو، اقربا کو اور قابل رحم لوگوں کو دے دیتے تھے۔

حج کے لئے بارہا آپ نے پختہ ارادہ کیا لیکن میسر نہ ہوا۔ آپ ہمیشہ اس کے مشتاق رہتے تھے اور اسی شوق میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ فرماتے تھے کہ حج کا عزم تو مصمم ہوتا ہے لیکن استخارہ رہنمائی نہیں کرتا تھا اور حج کو جانا منظور خدا معلوم نہیں ہوتا اور یہ بھی آپ کے خوارق میں سے ہے کہ (آپ کے ارشاد کے مطابق) یہ مقصد آخر دم تک حاصل نہ ہو سکا۔

آپ خلق و تواضع اور مخلوق پر شفقت اور تسلیم و رضا بدرجۂ کمال رکھتے تھے۔ آپ کے عزیزوں کو ظالم حاکموں سے بہت تکلیفیں پہنچی تھیں مگر آپ کی تسلیم و رضا نے کبھی اس شکایت کا اظہار نہ ہونے دیا۔ جب کوئی بزرگ آپ سے ملنے کے لئے آتے آپ فوراً تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور صدر مجلس میں ان کو جگہ دیتے اور ان کے درجے کے مطابق ان سے گفتگو کرتے، لیکن کافروں کی ہرگز تعظیم نہ کرتے گو کہ وہ صاحب حکومت اور صاحب جاہ کیوں نہ ہوتے تھے اور ہر شخص سے سلام کی ابتداء آپ ہی فرماتے تھے۔ مجھے علم نہیں کہ کبھی کوئی شخص سلام میں آپ پر سبقت کر سکا ہو۔ آپ حقوق اہل رحم کے ادا میں نہایت کوشش فرماتے تھے اور جب کبھی کسی کے انتقال کی خبر سنتے تو اس سے عبرت پکڑتے اور افسوس کرتے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے اور اس کی نماز جنازہ میں حاضر ہوتے اور دعا و فاتحہ بھی فرماتے۔

آپ کا لباس یہ تھا کہ قمیص کے دونوں کاندھوں میں گریبان ہوتا تھا اور اس کے اوپر عبا پہنتے تھے۔ مگر گرمی میں صرف پیرہن پر اکتفا فرماتے تھے اور دستار باندھنے میں سر پر اسے پیچ دیتے تھے جیسا کہ سنت ہے اور شملہ کو دونوں کاندھوں کے درمیان اپنی پشت پر لٹکاتے تھے لیکن استنجا اور پیشاب کے وقت نہیں۔ اور آپ کمربند بھی باندھتے تھے اور دونوں ٹخنوں سے اوپر پاجامہ رکھتے تھے۔ جمعہ اور عیدین میں زیادہ اچھا لباس پہنتے تھے اور جب کبھی نیا لباس پہنتے تو پہلے

Marfat.com

والا لباس کسی غریب یا عزیز یا خادم یا مسافر کو دے دیتے تھے۔ آپ کی خدمت میں پچاس، ساٹھ بلکہ ایک سو لوگ علماء، عرفا، مشائخ، حفاظ، اشراف و سادات میں سے ہوتے تھے جن کو آپ کے مطبخ سے کھانا ملتا تھا۔

حضرت مجددؒ کے مکاشفات

مکاشفہ ۱: ایک رات آپ اپنے عالی درجات اصحاب اور بلند مقامات مریدوں کے ساتھ حضرت امام رفیع الدینؒ کے مزار پُر انوار کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ امام صاحب آپ کے اجداد امجاد میں سے تھے اور حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ بہت دیر تک امام صاحب کی قبر پر ٹھہرے رہے اور مراقبے میں رہے۔ اس مزار سے رجوع کے بعد آپ نے اصحاب اسرار سے فرمایا کہ جب میں امام صاحبؒ کے مزار کے مقابل کھڑا ہوا تو میں نے بارگاہ الٰہی جلت عظمتہ میں توجہ کی اور عرض کیا کہ خدایا! ان مزارات والوں پر رحم فرما اور ان قبر والوں سے عذاب دور فرما۔ حکم ہوا کہ تمہاری التماس کی وجہ سے ایک ہفتہ کے لیے اس قبرستان والوں پر سے عذاب اٹھا لیا گیا۔ میں نے عرض کیا، خدایا! تیری رحمت کی انتہاء نہیں ہے، ان کی مغفرت میں اضافہ فرما دے۔ تو حکم ہوا کہ تمہاری التماس پر اب ایک ماہ کے لئے ان قبروں پر سے ہم نے عذاب دور کر دیا۔ پھر میں نے بیش از بیش التجا کی تو جواب ملا کہ چونکہ تم نے اس جماعت سے رفع عذاب کے لئے ہماری بارگاہ میں مکرر التماس کی ہے اس لئے ہم نے ان کو بخش دیا۔

مکاشفہ ۲: ایک روز آپ اپنے والد ماجد (حضرت خواجہ عبدالاحدؒ) کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں خیال آیا کہ حدیث نبوی (علیٰ مصدرہ الصلوٰۃ والسلام) میں آیا ہے کہ جب کوئی عالم کسی مقبرے سے گزرتا ہے تو اہل مقبرہ سے چالیس روز کے لئے عذاب اٹھا لیا جاتا ہے۔ اسی وقت الہام ہوا کہ تمہارے آنے سے قیامت تک کے لئے اس مقبرے والوں سے ہم نے عذاب اٹھا لیا۔

مکاشفہ ۳: ایک روز آپ امام رفیع الدینؒ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس مقبرہ میں ایک عورت آپ کے اہل قرابت میں سے بلکہ اہل حقوق میں سے بھی دفن تھی۔ حضرت امامؒ کی زیارت سے فارغ ہو کر آپ اس عورت کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لائے اور اس کی قبر کے مقابل بہت دیر تک کھڑے رہے۔ آپ کے چہرۂ مبارک سے اس وقت خشوع و خضوع کے آثار ظاہر تھے اور کچھ دیر کے بعد چہرۂ مبارک سے خوشی اور تازگی ظاہر ہوئی۔ جب آپ اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو اس قبلۂ ابرار سے بعض محرمان اسرار نے دریافت کیا کہ قبر پر اتنی دیر ٹھہرنے اور چہرۂ مبارک پر پہلے خضوع اور الم کے آثار اور بعد میں مسرت اور تازگی ظاہر ہونے کا سبب کیا تھا۔ فرمایا کہ جب میں اس قبر پر پہنچا اور اس کو عذاب میں مبتلا پایا تو متوجہ ہوا اور معلوم ہوا کہ دفع عذاب کی کوئی صورت نہیں ہے۔ میں پھر اپنے آباؤ اجداد کی ارواح کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ارواح تشریف لے آئیں لیکن پھر بھی عذاب دور نہ ہوا۔ پھر تو میں اپنے سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کی ارواح (قدس اللہ اسرارہم) کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بھی تشریف لے آئیں مگر پھر بھی عذاب دور نہ

ہوا۔ پھر میں صد ہزار عاجزی کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں متوجہ ہوا تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت نبوت پر بیٹھے ہوئے تشریف لے آئے اور تشریف لاتے ہی فوراً عذاب دور ہو گیا۔ پھر اس عورت نے میرے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تم کو راحت پہنچائے جس طرح تم نے مجھے راحت پہنچائی ہے۔ اس بات پر میرے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے تھے۔

مکاشفہ ۴: ایک روز آپ نے ایک تقریب میں فرمایا کہ جب نظر کشفی دوڑائی جاتی ہے تو حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بعد مشائخ سلسلۂ قادریہ میں حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمۃ کی طرح کوئی کم نظر آتا ہے۔

مکاشفہ ۵: ایک روز آپ صبح کے حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے اور استغراق، توجہ اور مراقبے میں تھے کہ یکا یک شاہ سکندرؒ تشریف لے آئے اور حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہ کا خرقۂ مبارکہ آپ کے کندھے پر ڈال دیا۔ آپ نے آنکھ کھولی اور شاہ سکندرؒ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور نہایت تواضع کے ساتھ معانقہ کیا۔ شاہ سکندرؒ نے فرمایا کہ میرے دادا حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ نے اپنے وصال کے وقت یہ جبہ میرے سپرد کیا تھا کہ یہ بطور امانت تم کو دیتا ہوں اور جس کسی کو میں کہوں تم اسے پہنچا دینا۔ اب چند مرتبہ حضرتؒ نے واقعے میں مجھے حکم دیا کہ یہ جبہ آپ کو پہنچا دوں۔ مجھ پر بہت شاق گزرا کہ اپنے دادا کا خرقۂ مبارک اور اپنے گھر کی نعمت باہر کیوں دے دوں لیکن چونکہ سخت تاکید اور تہدید سے حکم دیا گیا ہے اس لئے ناچار لے آیا ہوں۔ آپ نے وہ جبۂ مبارک زیب تن کیا، کھڑے ہو گئے اور تنہائی میں تشریف لے گئے۔ فرماتے تھے کہ اس وقت مجھے یہ خیال گزرا کہ مشائخ کا ایک طریقہ ہے کہ کسی کو جامہ پہنا کر اپنا خلیفہ بناتے ہیں۔ اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ پہلے خلعت معنوی پہناتے اور احوال و کمال کا آب زلال پلاتے، پھر اپنا خلیفہ بناتے۔ اس اثناء میں حضرت غوث الثقلین قدس سرہ کو دیکھا کہ اپنے خلفا سے سلسلہ (تا شاہ کمالؒ) کے ساتھ تشریف لے آئے اور میرے معاملہ میں تصرف فرمایا اور میرے دل کو اپنے تصرف میں لیا اور اپنی خاص نسبتوں کے اسرار و انوار عطا فرمائے اور میں دریائے انوار میں غرق ہو کر اس سمندر میں غواصی کرنے لگا۔ جب اس طرح ایک ساعت گزر گئی تو ٹھیک انہی غلبات احوال میں مجھے خیال آیا کہ تم تو اکابر نقشبندیہؒ کے تربیت یافتہ ہو، ایسی صورت اب کیوں پیدا ہوئی؟ اس خیال کے آتے ہی میں نے دیکھا کہ سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سے لے کر حضرت خواجہ باقی باللہؒ (قدس اللہ اسرارہم) تک سب کے سب تشریف لے آئے اور حضرت بہاؤ الدین نقشبندی بخاری قدس سرہ تو حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ بیٹھنے کے بعد اکابر نقشبندیہؒ نے فرمایا کہ یہ تو ہمارے تربیت یافتہ ہیں اور ہماری تربیت سے کمال و اکمال کے مقام کو پہنچے ہیں۔ آپ حضرات کو ان سے کیا واسطہ؟۔ اکابر قادریہؒ نے فرمایا کہ ان کے بچپن ہی سے ان پر ہماری نظر رہی ہے اور انہوں نے ہمارے خوانِ نعمت سے چاشنی حاصل کی ہے اور ابھی ہمارا خرقہ بھی پہنا ہے۔

ابھی یہی بحث ہو رہی تھی کہ کبرویہ اور چشتیہ کی ایک جماعت اور بہت سے مشائخ بھی آ گئے اور ایسا اجتماع ہو گیا کہ اس شہر کے جنگل اور بیابان بھی ان سے بھر گئے۔ پھر تو دن کے آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ چونکہ یہ تربیت نقشبندیہ سے درجۂ کمال و تکمیل کو پہنچے ہیں اور اعتبار تکمیل کا ہوا کرتا ہے اس لئے ان کو اسی طریقے پر شرف حاصل ہوگا اور اسی

Marfat.com

طریقے میں وہ رشد و ہدایت فرمائیں گے، تاہم طریقہء قادریہ میں بھی ہدایت اور تکمیل فرمائیں گے۔

مکاشفہ ۶: حاجی حبیب جو آپ کے خاص خادموں میں سے تھے، بہت خدمت اور بہت ریاضت کرتے تھے اور سفر و حضر میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے، بیان کرتے تھے کہ اجمیر شریف میں جب میں آپ کی خدمت میں تھا تو میں ستر ہزار بار کلمۂ طیبہ کا ختم کر کے آپ کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ میں نے اتنا ختم کیا ہے اور اس کا ثواب میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آپ نے فوراً اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اور دوسرے دن فرمایا کہ جس وقت میں دعا کر رہا تھا فرشتوں کی فوجیں اس کا ثواب لے کر آسمان سے آ رہی تھیں۔ وہ اس قدر تھیں کہ زمین پر پاؤں رکھنے کی جگہ باقی نہ تھی اور یہ ختم میرے معاملے میں بہت مفید ثابت ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ہزار دانے کی تسبیح تیار کریں اور آپ ہمیشہ تنہائیوں میں کلمہ طیبہ کا ذکر زبان سے لیکن دل کی موافقت کے ساتھ کیا کرتے تھے اور جمعہ والی راتوں میں حلقہ میں یہ تسبیح حاضر کی جاتی تھی اور اجتماعی طور پر ایک ہزار بار درود شریف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پڑھی جاتی تھی اور اب تک آپ کا یہ طریقہ آپ کے خادموں سے رائج ہے۔ آپ کے تسبیح لینے کی ابتداء اس طرح سے ہوئی ہے۔ پھر آپ نے مجھ سے (حاجی حبیب) سے فرمایا کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اس پر تعجب نہ کرو۔ میں اپنا حال بھی تم کو بتاتا ہوں کہ میں ہر رات تہجد کے بعد اور سحر کے وقت پانچ سو مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھ کر محمد عیسیٰ، محمد فرخ اور ام کلثوم (اپنے بچوں) کو جو فوت ہو چکے ہیں، بخشتا تھا۔ اب پھر ہر رات محمد عیسیٰ[45] کی روح، سحر کے وقت آتی ہے اور مجھے بیدار کرتی ہے اور مجھے کلمۂ طیبہ کے ختم کے لئے آمادہ کرتی ہے اور مجھے بیدار کرنے کے بعد چلی جاتی ہے اور وہ اپنے بھائی محمد فرخ اور اپنی بہن ام کلثوم کی روحوں کو بلا کر لاتی ہے کہ چلو والد صاحب بیدار ہو گئے ہیں۔ جب تک میں وضو کر کے تہجد پڑھتا اور کلمۂ طیبہ کا ختم کرتا، وہ روحیں میرے گرد و پیش رہتیں۔ اسی طرح جس طرح کہ ایک ماں روٹی تیار کرتی ہے تو چھوٹے بچے اس کے گرد و پیش رہتے ہیں تاکہ انہیں روٹی دے دے۔ جب میں کلمۂ طیبہ کا ثواب ان کو بخش دیتا تو وہ روحیں چلی جاتی تھیں۔ مگر اب کثرت ثواب کی وجہ سے وہ معمور ہیں اور اب ان کا آنا نہیں ہوتا۔

مکاشفہ ۷: ایک روز آپ نے فرمایا کہ شہر سرہند کے فلاں گاؤں کے متعلق (جو ہماری خانقاہ کے خادموں کے لئے بادشاہ نے بطور جاگیر عطا کیا ہے) مشاہدہ ہوا کہ وہاں بارگاہ عظمت و جلال حضرت بیچوں نے نزول اجلال بے کیف فرمایا اور ایک خیمۂ عالی طناب بیچوں قائم کیا گیا ہے اور حشم بے قیاس بیچونگی نے ظہور فرمایا۔[46]

مکاشفہ ۸: ایک روز آپ کسی تقریب سے حضرت شاہ ابو بخاریؒ کے مزار پر کہ مزارات متبرکۂ سرہند میں سے ہے تشریف لے گئے۔ یہ حقیر مؤلف بھی آپ کے ساتھ تھا۔ آپ اس مزار پر تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے رہے اور توجہ اور مراقبہ فرمایا۔ بہت دیر کے بعد آپ اٹھے اور رخصت فرمائی۔ جب آپ اپنی خانقاہ میں پہنچے تو بعض محرمان اسرار نے آپ کی اور شاہ ابو کی گفتگو کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں شاہ صاحب کے مزار پر گیا تو شاہ صاحب تشریف لائے اور بہت کچھ تعظیم و تکریم فرمائی اور عنایتوں اور محبتوں کا اظہار فرمایا کہ ان کا ذکر طویل ہوگا۔ البتہ اتنا بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے خود کو یہاں کا صاحب ولایت کہا اور یہ بھی کہا کہ جب آپ جیسا بزرگ مہمان میرے پاس آئے تو اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی ولایت آپ کو پیش کر دوں۔ بس آج سے اس ملک کے صاحب ولایت آپ ہیں اور یہ ملک آپ کے تصرف میں رہے گا۔

Marfat.com

اس واقعے کے ایک مدت کے بعد آپ کے صریح اور صحیح کشف کے مطابق ایک معمر شخص نے اس حقیر مؤلف سے بیان کیا کہ شہر سرہند میں ایک بڑے بزرگ مجذوب شیخ داؤد نامی رہا کرتے تھے جن کا مزار شیخ مجدالدین قصداریؒ (خضداری) کے مقبرے میں ہے۔ جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ایک شخص کو شیخ ابو بخاری کے پاس بھیجا کہ ان کو بلا کر لائے۔ اس نے کہا کہ شاہ ابو تو ایک مجذوب شخص ہیں اور ہمیشہ سرہند کے بڑے حوض کے پانی میں کھڑے رہتے ہیں۔ میں ان سے کیا کہوں؟ انہوں نے کہا کہ تم تو میرا پیغام پہنچا دو۔ وہ خود چلے آئیں گے۔ چنانچہ وہ شخص گیا اور شیخ داؤد کا پیغام ان کو پہنچایا۔ شاہ ابو اس پیغام کے سنتے ہی فوراً روانہ ہو گئے اور شیخ داؤد کی خدمت میں پہنچے۔ شیخ داؤد نے ان سے کہا کہ اس شہر میں اب تک میں صاحب ولایت تھا اور اس کی پاسبانی اور نگہبانی میرے حوالے تھی۔ اب میں جا رہا ہوں (انتقال کرتا ہوں) اور تجھے یہ شہر حوالے کیا گیا ہے اور تجھے صاحب ولایت بنایا گیا ہے۔ خوب خبردار رہنا۔ انہوں نے اتنی بات کہی اور وصال فرمایا۔ پھر شاہ ابو آئے اور اپنی جگہ آ بیٹھے۔ اس دن سے لوگوں کا ہجوم شاہ ابو کے پاس اس قدر ہوا کہ گروہ کے گروہ ان کی زیارت کو آتے اور ان سے خوارق دیکھتے تھے۔

ان کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) کتوں کی دعوت کی۔ وہ ایسا ہوا کہ انہوں نے ایک کتے سے فرمایا کہ جا اور شہر کے کتوں کو بلا کر لے آ۔ وہ گیا اور بعض کتوں کو خبر کر دی۔ انہوں نے ایک دوسرے کو خبر کر کے سب کو اطلاع کر دی۔ پھر تو سب کتے قطار در قطار شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچنے لگے اور شہر میں شور مچ گیا۔ لوگ دیکھنے کو آ گئے۔ جب سب کتے جمع ہو گئے تو شاہ صاحب اٹھے اور ان پر نظر ڈال کر فرمایا کہ ایک سگ گرگیں کہ جس کی وجہ سے یہ مہمانی کی گئی ہے، نہیں آیا۔ پھر تو ایک کتا شہر کی طرف روانہ ہوا اور اس کو بھی بلا لایا۔ شیر برنج پکا ہوا تھا۔ ہر کتے کے سامنے ایک پیالہ مٹی کا رکھ دیا گیا۔ سب نے بغیر جھگڑا کیے ہوئے ادب کے ساتھ مل جل کر کھا لیا۔ اس کے بعد وہ سب منتظر بیٹھے رہے۔ شاہ صاحب نے ان سے فرمایا کہ اب جاؤ۔ چنانچہ سب اٹھے اور چلے گئے۔

اسی معمر شخص نے مجھ احقر سے یہ بھی بتایا کہ شاہ ابو کے پاس بکریاں بہت تھیں اور ان کا مسکن سرہند کے اطراف میں مشرق میں تھا اور ہر طرف کھیتی ہوتی تھی۔ بکریاں وہ کھیتی چر جاتی تھیں۔ کاشتکاروں نے شاہ ابو سے شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ چھوڑو انہیں کھانے دو۔ جو کچھ دوسرے قصبوں میں زراعت ہوتی ہے (انشاء اللہ) اتنی ہی تمہارے خرمن سے بھی حاصل ہوگی۔ عجیب اتفاق ہوا کہ دوسرے کاشتکاروں نے کھیت کاٹ کر خرمن کیا اور ان کاشتکاروں نے بھی جن کی کھیتی کو بکریاں کھا گئی تھیں اور بے خوشہ کر چکی تھیں، اپنا خرمن کیا۔ شاہ ابو کی کرامت سے ان کے یہاں بھی اتنا بلکہ اس سے زیادہ غلہ حاصل ہو گیا۔

مکاشفہ ۹: ایک روز لاہور سے ایک سبزی فروش آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور اس کی تعظیم کی۔ جو لوگ موجود تھے انہوں نے اس کے جانے کے بعد آپ سے عرض کیا کہ وہ تو سبزی فروش تھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ابدال ہے اور اس پیشے کو اس نے خود کو چھپانے کے لئے اختیار کیا ہے۔

مکاشفہ ۱۰: ماہ رمضان کے آخری عشرے میں (ایک مرتبہ) آپ نے فرمایا کہ آج میں نے عجیب بات دیکھی۔ میری آنکھیں مراقبے میں بند تھیں کہ یکایک دیکھا کہ ایک صاحب میرے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب میں نے بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ

Marfat.com

تمہارے لئے اجازت نامہ لکھ دوں جو میں نے آج تک کسی کے لئے نہیں لکھا۔ میں نے دیکھا کہ اس اجازت نامے میں بہت ہی بلند عنایات اور الطاف لکھے ہوئے تھے جو اُس دنیا سے متعلق تھے اور اس کی پشت پر بھی کثیر مرحمت ومکرمت درج تھی جو اس دنیا سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ بات آپ کے ''مکتوبات'' کے دفتر سوم (مکتوب ۱۰۶) میں مذکور ہے۔

مکاشفہ ۱۱: آپ فرماتے تھے کہ مجھے ہمیشہ نماز تہجد کے لئے اذان، اعلام یا کسی آواز یا کسی طرح بیدار کر دیا گیا اور میں از خود نماز تہجد کے لئے نہیں اٹھا۔ مگر ایک مرتبہ صریح اور واضح طور پر آواز نہ آئی تھی کہ میں بیدار ہو گیا۔ تو میں نے کہا کہ میں کون ہوں کہ خود ہی اٹھ بیٹھوں اور اس کی بندگی اور اطاعت میں مشغول ہو جاؤں۔ میں پھر سو گیا۔ ایک لحظہ نہ گزرا تھا کہ ہر طرف سے اذان اور اعلام کی آواز آنے لگی۔ میں اٹھ بیٹھا اور نماز (تہجد) ادا کی۔

مکاشفہ ۱۲: آپ فرماتے تھے کہ میں نے شریعت کو دیکھا کہ ہمارے اس مقام میں اتری ہے جس طرح کہ کوئی قافلہ کسی جگہ اترتا ہے۔ پھر آپ نے اپنی مسجد اور خانقاہ کی طرف اشارہ کیا۔

مکاشفہ: آپ فرماتے تھے کہ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں تراویح کے بعد میں اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ اس وقت ایک خادم میرے پیر دبا رہا تھا۔ میں سہو اور نسیان کی وجہ سے بائیں پہلو پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد مجھے یاد آیا کہ سونے کی سنت کہ دائیں پہلو پر لیٹنے کی ابتداء کی جاتی ہے مجھ سے چھوٹ گئی، لیکن نفس نے کاہلی کی وجہ سے ظاہر کیا کہ سہو ونسیان کی وجہ سے ایسی کوئی بات واقع ہو جائے تو وہ معاف ہے، لیکن مجھے خوف ہوا اور میں (اُٹھ کر) از سر نو لیٹ گیا اور اس کی ابتداء داہنے پہلو سے کی۔ اس سنت کے ادا کرتے ہی مجھ پر عنایات، برکات اور سلسلے کے انوار کا ظہور ہونے لگا اور آواز آئی کہ تمہاری اس قدر رعایت (سنت کے لئے) کی وجہ سے آخرت میں تم پر کسی طرح کوئی عذاب نہ ہوگا اور تمہارا خادم جو اس وقت تمہارے پیر مل رہا تھا، وہ بھی بخشا گیا۔

مکاشفہ ۱۴: آپ فرماتے تھے کہ آج حلقۂ ظہر میں حافظ قرآن پاک پڑھ رہا تھا کہ بعض وسوسے قرآن پاک کے بارے میں پیدا ہوئے۔ میں بہت متفکر ہوا کہ (اللہ کے فضل سے) مجھے نفسِ مطمئنہ مل گیا ہے، ولایت بھی متحقق ہوگئی اور فنا و بقاء بھی حاصل ہوگئی ہے۔ پھر یہ خطرات کیوں ہیں۔ (بارگاہ الٰہی میں) متوجہ ہوا۔ بہت کچھ توجہ اور الحاح وزاری کے بعد میں نے دیکھا کہ بہت بڑا پرندہ میرے سینے سے باہر نکلا اور اڑ کر چلا گیا۔ پھر متوجہ ہوا کہ یہ کیا تھا؟ آواز آئی کہ یہ خناس تھا جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی خناس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قل اعوذ برب الناس o ملک الناس o اله الناس o من شر الوسواس الخناس o الذی یوسوس فی صدور الناس o من الجنة والناس o ......اور یہ بھی الہام ہوا کہ اصول دین میں جو بُرا خیال پیدا ہو جاتا ہے وہ اسی خناس سے ہوتا ہے جو دلوں میں رہتا ہے اور ہر وقت ڈنک مارتا رہتا ہے اور یہ بھی آواز آئی کہ تمہارے سینۂ بے کینہ سے اس خناس کو ہم نے دور کر دیا۔ سچ ہے کہ اس خناس کے نکل جانے کے بعد مجھے عجیب شرح صدر ہونے لگا۔

مکاشفہ ۱۵: آپ فرماتے تھے کہ چند روز تک مجھے اپنے احوال کے قصور کی دید اس قدر غالب ہوئی کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ کا لفظ ایاک پڑھتا تھا تو حیران ہو جاتا تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ اگر میں یہ آیت (ایاک نعبدو ایاک نستعین) پڑھتا ہوں تو لم تقولون مالا تفعلون (تم وہ کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے) کا مصداق ہو جاتا ہوں اور اگر

نہ پڑھوں تو واجب کا ترک ہو جاتا ہے۔ پھر آواز آئی کہ ہم نے تمہاری عبادات سے شرک کو دور کر دیا ہے اور الا للہ الدین الخالص (جان لو کہ خدا ہی کے لئے دین خالص ہے) کا مطلب ظاہر ہوا۔

مکاشفہ ۱۶: آپ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں صبح کے حلقے میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک ایک قسم کی فنائے خاص ظاہر ہوئی اور میرے یقین کو لے اڑی۔ اور یہ دید ایک عرصے تک قائم رہی۔ اسی روز نماز عصر کے بعد امام اعظم ابو حنیفہؒ کو دیکھا کہ اپنے تمام شاگردوں اور اپنے طریق کے تمام مجتہدوں اور بعض استادوں مثلاً ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کے ساتھ میرے گرد جمع ہیں اور مجھے گھیر لیا ہے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ امام اعظمؒ اور دوسرے ائمہؒ کا نور میرے دل میں داخل ہو گیا ہے اور میں نے ان انوار سے تحقق اور بقا حاصل کی اور میں ان انوار کا مجسمہ بن گیا اور ہر ایک کے انوار الگ الگ میرے اجزاء بن گئے۔ دو تین دن کے بعد اسی طرح کا معاملہ امام شافعیؒ اور ان کے شاگردوں اور ان کے مذہب کے مجتہدوں کے انوار کے ساتھ تحقق اور بقا کا پیش آیا۔ میں نے دیکھا کہ اب علمائے حنفیہ کے انوار میرے اندر سے نکل گئے اور میں نے انوار شافعیہ میں بقا پائی۔ اور ان میں سے بھی ہر ایک کے انوار الگ الگ میرے اجزاء بن گئے۔ یہ اسی طرح ہوا جیسا کہ پہلی مرتبہ (انوار حنفیہ کا معاملہ) ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ جو انوار میرے اندر سے نکل گئے تھے وہ پھر میرے اندر آ گئے اور میں نے اب دونوں مذہبوں کے انوار میں تحقق حاصل کیا اور اس وقت ایسا دیکھا کہ ان دونوں مذہبوں سے حق دور نہیں یعنی اگر حنفیہ سے کسی جگہ حق کا موقع رہ گیا ہے تو شافعیہ نے اسے پا لیا اور ان سے حق متجاوز نہیں ہونے پایا۔ یہ بات آپ نے تفصیل سے بتائی اور یہ بھی فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ دو یا تین حصہ حق ہے اور تہائی یا چوتھائی حق امام شافعیؒ کے ساتھ ہے اور امام شافعیؒ سے حق آگے نہیں گیا۔ گویا اس طرح آپ کو حنفی الشافعی کہا جا سکتا ہے۔

مکاشفہ ۱۷: آپ فرماتے تھے کہ بغیر تکلف اور تعصب کے کہا جا سکتا ہے کہ مذہب حنفی کی نورانیت میری نظر کشفی میں ایک عظیم سمندر معلوم ہوتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں۔[۲۶]

مکاشفہ ۱۸: آپ فرماتے تھے کہ ایک دن میں نے ایک مرحوم فرزند کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے فقیروں اور درویشوں کے واسطے کھانا تیار کرایا تھا۔ اسی اثناء میں میری زبان پر یہ بات آئی کہ یہ صدقہ ہم سے کیونکر قبول ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "انما یتقبل اللہ من المتقین" (اللہ تعالیٰ متقیوں سے قبول فرماتا ہے) میں اسی تردد میں تھا کہ حضرت حق جل وعلا کی طرف سے آواز آئی کہ "انک من المتقین" (بیشک تم متقین میں سے ہو۔)

مکاشفہ ۱۹: آپ فرماتے تھے کہ مجھے بشارت دی گئی ہے کہ جس جنازے پر تم نماز پڑھو گے اس میت کو میں بخش دوں گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجھے بشارت حاصل ہے کہ کل روز قیامت میں کتنے ہزار مسلمانوں کو تمہاری شفاعت سے بخش دیا جائے گا۔

مکاشفہ ۲۰: آپ فرماتے تھے کہ مجھ پر ظاہر فرمایا گیا ہے کہ ہندوستان میں (بھی) انبیاءؑ گزرے ہیں، لیکن بہت کم لوگ ان کے پیرو ہوئے ہیں یعنی بعض پیغمبروں سے دو شخص، بعض سے تین شخص اور بعض سے صرف ایک شخص ایمان حاصل کر سکا اور تین سے زیادہ (ایمان لانے والے) نظر نہیں آتے۔ اگر میں چاہوں تو ان انبیاء (علیہم السلام) کے مبعوث ہونے کے مقامات اور ان کے مسکن بھی بتا دوں کہ مجھ پر ظاہر کئے گئے ہیں اور ان کے مقبرے بھی

Marfat.com

بتا سکتا ہوں کہ ان مقبروں پر ابھی تک انوار کا نزول ہوتا رہتا ہے۔

مکاشفہ ۲۱: آپ فرماتے تھے کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے زمانے سے لے کر حضرت امام مہدی (علیہ الرضوان) کے ظہور تک یہ کمالات اور معاملات جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے ہیں، کسی اور کو حاصل نہ ہوں گے۔

مکاشفہ ۲۲: آپ فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ کسی جگہ تنہائی میں گوشہ نشین ہو جاؤں اور سب سے علیحدگی اور خلوت اختیار کرلوں۔ میں نے استخارہ کیا اور حضرت رب العزت سے اجازت چاہی۔ اللہ پاک کی طرف سے خطاب ہوا کہ پسندیدہ، مناسب اور صحیح طریقہ وہی ہے جس پر تم قائم ہو۔ خلوت اور گوشہ نشینی کا طریقہ نہیں چاہئے۔

مکاشفہ ۲۳: آپ فرماتے تھے کہ مجھے بڑے فرزند خواجہ محمد صادق قدس سرہ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا جائے گا کہ میں نے وہاں جنت [48] کے باغوں میں سے ایک باغ دیکھا ہے۔

مکاشفہ ۲۴: ۔ مخدوم زادۂ عالی قدر خواجہ محمد معصومؒ نے لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ ''اگر میرے روضہ کی مٹی میں سے ایک مٹھی بھر کسی قبر میں ڈال دی جائے تو (بفضلہٖ تعالیٰ) رحمت عظیم کے نزول کی امید ہے۔'' پھر اس ہستی کا کیا رتبہ ہوگا جو اس روضے میں دفن ہے۔

مکاشفہ ۲۵: آپ کے گنبد کے اندر اور باہر کی زمین جو اس وقت داخل احاطہ تھی، آپ فرماتے تھے کہ ''وہ ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے۔'' اب وہ احاطہ باقی نہیں رہا۔ وسیع ہو گیا ہے۔

مکاشفہ ۲۶: اسی مخدوم زادہ بلند اقبال (یعنی خواجہ محمد معصومؒ) نے روایت کی ہو کہ حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ''قبر ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں'' تو اس کا مطلب یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قبر اور جنت کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ اٹھا لیا جاتا ہے گویا وہ قبر جنت کے ساتھ فنا اور بقا پیدا کرلیتی ہے اور یہی مطلب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ہے کہ ''میری قبر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے باغ ہے۔'' واضح ہو کہ روضہ کی یہ قسم خاص الخاص کے لئے ہے اور ہر مسلمان کو یہ بات میسر نہیں۔ البتہ اتنا ہو سکتا ہے کہ جب ان کی قبر میں پاکیزگی اور نورانیت پیدا ہو جائے تو ایسی استعداد پیدا ہو سکتی ہے کہ جنت کا ایک پرتو اس قبر پر پڑ جائے اور اس آئینے کے مصداق ہو جائے جو مصفّٰی کیا جاتا ہے۔

مکاشفہ ۲۷: آپ فرماتے تھے کہ سورج کی طرف تو بے تکلف دیکھا جا سکتا ہے لیکن شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ سکندرؒ کے قلب کی طرف نہیں دیکھا جا سکتا کہ اس میں انوار کی شعاعیں بہت غالب ہیں اور رسائی مشکل ہے۔

مکاشفہ ۲۸: ایک دن آپ فرماتے تھے کہ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ معارف وحقائق جو تحریر میں آ گئے ہیں، وہ حضرت مہدی موعود (علیہ الرضوان) کی نظر اقدس سے گزریں گے۔

مکاشفہ ۲۹: آپ فرماتے تھے کہ حضرت مہدی موعود اسی نسبت علیہ (نقشبندیہ) پر ہوں گے۔ (اس میں آپ نے اپنی نسبت خاصہ کی طرف اشارہ فرمایا جیسا کہ آپ کے رسائل اور ''مکتوبات'' میں تصریح آئی ہے۔)

مکاشفہ ۳۰: آپ فرماتے تھے کہ ایک رات مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ اگر کوئی نمازی وتر کی نماز دیر سے ادا کرنے کے ارادے سے تہجد کے وقت تک سو جائے اور نیت رکھے کہ آخر شب میں وتر ادا کروں گا تو کاتبین اعمال تمام

رات اس کے نام نیکیاں لکھتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ وتر ادا کرے۔ پس جس قدر وتر نماز کے ادا کرنے میں دیر کرے گا بہتر ہوگا۔

مکاشفہ ۳۱: آپ فرماتے تھے کہ کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو بدعت کی تاریکیوں نے گھیر لیا ہے اور سنت کا نور بعض مقامات پر جگنو کی طرح خال خال نظر آتا ہے۔

مکاشفہ ۳۲: ایک روز آپ نے کلمہ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کے ورد کے سلسلے میں فرمایا کہ اے کاش! تمام دنیا اس کلمۂ طیبہ کے مقابلے میں دریائے محیط کے سامنے ایک قطرہ ہی مناسبت رکھتا۔ یہ کلمہ مقدسہ تمام کمالات ولایت و نبوت کا جامع ہے۔ لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے جنت میں داخلہ کیونکر میسر ہوسکتا ہے اور جہنم کے خلود سے کس طرح رہائی حاصل ہوسکتی ہے؟ مجھے محسوس اور مشہود ہوتا ہے کہ اگر تمام عالم کو کلمۂ طیبہ ایک مرتبہ ادا کرنے سے بخش دیں اور جنت میں داخل کردیں تو یہ بھی ممکن ہے۔ اگر اس کلمۂ طیبہ کی برکتیں تقسیم کی جائیں تو تمام عالم ابدالآباد تک معمور اور سیراب رہ سکے گا۔

مکاشفہ ۳۳: آپ فرماتے تھے کہ جو شخص بھی ہمارے طریقے میں داخل ہوا اور داخل ہوگا قیامت تک بالواسطہ یا بلاواسطہ، مردوں میں سے یا عورتوں میں سے، وہ سب میری نظر میں لائے گئے اور ان کا نام، نسب، مولد اور مسکن بھی مجھے بتایا گیا۔ اگر چاہوں تو سب کو بیان کرسکتا ہوں۔

مکاشفہ ۳۴: آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم وعنایت خالص سے اور اپنی مہربانی ومرحمت خاص سے مجھے بشارت دی کہ ہم نے تمہاری دنیا کو بھی آخرت بنا دیا ہے۔

مکاشفہ ۳۵: ایک دن آپ قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء گئے۔ وہاں دیکھا کہ مٹی کا ایک ٹوٹا ہوا پیالہ ہے کہ جس سے بھنگی گندگی اٹھاتا تھا، اس پر اللہ کا نام کندہ تھا لیکن وہ نجاستوں سے آلودہ تھا۔ آپ نے وہ ٹوٹا پیالہ اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور باہر آئے اور خادم سے فرمایا کہ آفتابہ لاؤ اور آپ نے اپنے ہی ہاتھ سے اسے نجاستوں سے پاک کیا۔ خادموں نے ہر چند التماس کی کہ ہم صاف کردیں لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ اس کو صاف کرنے کے بعد آپ نے سفید کپڑے میں لپیٹ کر پوری تعظیم کے ساتھ اونچے طاق میں رکھ دیا اور جب کبھی آپ پانی پینا چاہتے تو اسی ٹوٹے ہوئے پیالے میں پیتے۔ اسی اثنا میں رب العزت کی بارگاہ سے آپ کو خطاب کیا گیا جس طرح تم نے میرے نام کی تعظیم کی میں بھی تمہارے نام کو دنیا اور آخرت میں اونچا کرتا ہوں۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر میں سو سال بھی ریاضت اور مجاہدہ کرتا تو اس سے اتنے فیوض وبرکات حاصل نہ ہوتے جتنے کہ اس عمل سے مجھے حاصل ہوئے۔

مکاشفہ ۳۶: حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ نے اپنے بعض مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ (حضرت مجددؒ) فرماتے تھے کہ مجھے وضو میں شک تھا کہ بیٹی ام کلثوم کا جنازہ لایا گیا۔ میں نے چاہا کہ تازہ وضو کرلوں، پھر نماز جنازہ ادا کروں۔ اسی اثنا مجھے باطن میں آواز دی گئی کہ اگر تم اسی طہارت کے ساتھ نماز جنازہ ادا کرلو گے تب بھی ہم اس میت کو بخش دیں گے چنانچہ اسی (مشکوک) وضو سے میں نے نماز جنازہ ادا کی۔

مکاشفہ ۳۷: ایک دن صبح کے حلقے میں آپ مراقب تھے اور آپ پر اپنے اعمال کی خامی کا تصور غالب تھا اور انکسار وتضرع کا غلبہ تھا۔ حدیث من تواضع للہ رفعه اللہ (جو خدا کے لئے تواضع کرتا ہے خدا اسے

Marfat.com

بلند کرتا ہے) کے مصداق اللہ تعالیٰ غفار الذنوب وستار العیوب کی طرف سے خطاب ہوا کہ ''میں نے تم کو بخش دیا اور اس کو بھی جو تمہارا وسیلہ اختیار کرے بالواسطہ یا بلاواسطہ، قیامت تک سب کو بخش دیا۔'' اور اس بشارت کے اظہار کا حکم بھی دیا گیا۔

مکاشفہ ۳۸: ایک دن اجمیر شریف میں آپ قطب الاقطاب حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کے مزار قدس کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور بہت دیر تک اس بدرالاولیاء کی خدمت میں مراقب رہے۔ جب باہر نکلے تو اپنے قریب والوں سے فرمایا کہ حضرت خواجہؒ نے بہت لطف و کرم فرمایا اور اپنی خاص برکات سے ضیافت فرمائی اور اسرار ورموز بھی بیان فرمائے۔ پھر لشکر کی رفاقت سے خلاصی کے لئے جو لوگ میرے لیے کوشش کر رہے تھے اس سے منع فرمایا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا پر چھوڑ دینے کے لئے حکم فرمایا۔ اسی اثناء میں یہ ہوا کہ حضرت خواجہ قدس سرہ کے مزار مبارک کی چادر جو ہر سال تازہ ڈالی جاتی ہے اور پرانی چادر کسی بڑے بزرگ کو بھیجی جاتی ہے یا بادشاہ وقت کو پیش کی جاتی ہے اور بادشاہ اس کو لعل کی طرح صندوق میں ادب و تعظیم کے ساتھ رکھتے ہیں، حضرت مجدد کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کی گئی اور مجاوروں نے کہا کہ آپ سے زیادہ اس تبرک کا مستحق اور کون ہوسکتا ہے؟ آپ نے پورے ادب و تعظیم کے ساتھ اسے قبول کیا اور فرمایا کہ حضرت خواجہؒ کے اس متبرک کپڑے کو میرے کفن کے لئے محفوظ رکھا جائے کہ اس وقت حضرت خواجہؒ نے لباس کے بجائے یہی چادر عنایت فرمادی ہے۔

مکاشفہ ۳۹: آپ نے اپنے آخری مرض کے زمانے میں فرمایا کہ ''ہر وہ کمال جو کسی بشر کے لئے سوچا جاسکتا ہے اور اس کے لئے ممکن الحصول ہوسکتا ہے، اللہ پاک نے حضور انور صلی اللہ علیہ سلم کے صدقے میں اس میں سے ایک حصہ مجھے عطا فرمایا ہے۔'' اس عبارت کی تشریح مخدوم زادوں نے فرمائی ہے۔

مکاشفہ ۴۰: آپ نے اپنے ''مکتوبات'' کے دفتر سوم میں اس طرح تحریر فرمایا ہے:

قدسیہ: خلق کی ملامت اس جماعت (صوفیہ) کے لئے حسن اور ان کے زنگار کو دور کرنے کے لیے صیقل ہے۔ اس سے قبض اور کدورت کیسے ہوسکتی ہے؟ شروع زمانے میں جب کہ میں اس قلعہ (گوالیار) میں قید ہوا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ خلق کی ملامت کی وجہ سے انوار مختلف شہروں اور قریوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے درپے پہنچ رہے ہیں اور میرے کام کو پستی سے بلندی کی طرف لے جاتے ہیں۔ پہلے تو برسوں تک میری تربیت جمالی طور پر کر کے قطع مسافت کی جاتی تھی، لیکن اب جلالی تربیت سے یہ مسافت طے کرائی جارہی ہے۔ اب مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہتے ہیں اور جمال وجلال کو مساوی جانتے ہیں کہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہوتی ہے۔ [۴۹]

مکاشفہ ۴۱: آپ فرماتے تھے کہ شیخ ابن عربیؒ اپنے تمام بیانات اور شطحیات کے باوجود اللہ تعالیٰ کے مقبولین میں نظر آتے ہیں اور اولیائے کرام میں سے ظاہر ہوتے ہیں۔

ع کریموں پہ مشکل نہیں کوئی کام

کبھی دعا سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور کبھی گالیوں پر ہنستے ہیں۔ شیخ ابن عربیؒ کا منکر بھی خطرے میں ہے اور ان کے بیانات کو قبول کرنے والا بھی خطرے میں ہے۔ (اس لئے) شیخ کو تو قبول کر لینا چاہئے لیکن ان کے شطحیات کو قبول نہیں کرنا

Marfat.com

چاہئے۔ان کے قبول کرنے اور نہ کرنے کا درمیانی طریقہ اس فقیر کا یہی ہے۔

مکاشفہ ۴۲: آپ کا یہ دستور تھا کہ فجر کی نماز کے بعد جماعت کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے اور دعا کے بعد مراقبہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔ایک مرتبہ عرفہ کی صبح کو فجر کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد آپ قبلہ رو ہی بیٹھے رہے یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو گیا۔اس کے بعد آپ نے مراقبے سے سر اٹھایا اور اپنے (محرمان اسرار سے) فرمایا کہ آج مجھے زیارت کعبہ کا شوق پیدا ہوا اور حرم پاک کا اشتیاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ یکا یک خود کعبہ میرے طواف کے لئے آیا اور میرے گرد گھومنے لگا۔تعجب ہے کہ ارباب کشف اس واقعے سے غافل رہے۔ورنہ وہ خود اس وقت میرے گرد گھومتے اور میرا طواف کرتے۔

مکاشفہ ۴۳: ایک مرتبہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں آپ نے فرمایا کہ آج شب قدر ہے۔ تراویح سے فراغت کے بعد فرمایا کہ مجھے شب قدر غیبت میں ظاہر ہوئی اور اس ساعت کا آخری حصہ نصیب ہوا۔جس طرح لشکر آگے آگے جاتا ہے اور بچے ہوئے لوگ پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ چلتے ہیں،اسی طرح میں نے شب قدر کو دیکھا۔

مکاشفہ ۴۴: شب برات کی صبح تھی کہ آپ پر منکشف ہوا کہ شیخ طاہر لاہوریؒ جو آپ کے خاص مریدوں میں سے تھے، وہ نیکیوں کی فہرست سے خارج کر دیئے گئے اور بدبختوں کی فہرست میں ڈال دیئے گئے۔حضرت مجددؒ بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہوئے اور اس واقعے کے دفعیہ کے لئے کوشش فرمائی۔معلوم ہوا کہ اس معاملے کو عرش مجید (لوح محفوظ) میں قضائے مبرم قرار دیا گیا ہے۔آپ حیران ہوئے۔اسی اثناء میں آپ کو حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کا یہ قول یاد آیا کہ ''قضائے مبرم میں سوائے میرے کسی کو دست تصرف حاصل نہیں۔'' پس آپ نے بارگاہ الٰہی میں التجا، تضرع اور مناجات عرض کی کہ الٰہی! جب تو نے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو وہ دستِ تصرف والی دولت عطا فرمائی ہے تو اس فقیر کو بھی اس دولت سے سرفراز فرما دے تو تیرے کرم سے دور نہیں۔آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کو معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں قضا کی ایک قسم مبرم [۵۰] ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ معلق ہے کسی شفاعت یا دیگر امر کے ساتھ۔اور اس قضائے مبرم میں خاص الخاص بزرگوں کو دست تصرف عطا کیا جاتا ہے اور وہ جو اللہ کے نزدیک مبرم ہے اس میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں ہے۔(قولہ تعالیٰ) ''میرے نزدیک جو قول ہے تبدیل نہیں ہوتا۔'' اس قول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

مکاشفہ ۴۵: آپ نے پہاڑوں میں رہنے والے لوگوں (شاہق جبل) اور رسولوں کے درمیانی وقفے میں ہونے والے مشرکوں (مشرکان فترت رسل) کے متعلق فرمایا کہ ایک بہت عرصے کے بعد اللہ پاک کی عنایت سے یہ معما حل ہوا۔یعنی مجھ پر منکشف کیا گیا کہ یہ جماعت نہ بہشت میں ہمیشہ رہے گی اور نہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گی بلکہ دوبارہ زندگی کے بعد (بعث و احیائے اخروی کے بعد) ان کو مقام حساب میں رکھ کر ان کے گناہوں کے مطابق ان پر عتاب و عذاب کیا جائے گا اور تکمیل حقوق کر کے شریعت سے غیر مکلف جانوروں کی طرح انہیں بھی مطلق معدوم اور نیست کر دیا جائے گا۔پس ان کو ہمیشگی ہوگی اور نہ وہ ہمیشہ رہیں گے۔یہ نادر معرفت (حقیقت) جب میں نے انبیاء علیہم السلام کی بارگاہ میں پیش کی تو سب نے اس کی تصدیق فرمائی اور سب نے پسند (قبول) فرمایا۔[۵۱]

مکاشفہ ۴۶: آپ فرماتے تھے کہ مجھے قضا و قدر کے اسرار سے مطلع کیا گیا ہے اور اس بات کو اس طرح

Marfat.com

منکشف کیا گیا ہے کہ کسی طرح بھی شریعت مطہرہ کے اصول سے مخالفت لازم نہیں آسکتی اور جو نقص ایجاب اور آمیزش جبر سے قطعی پاک ہے اور جو اپنے ظہور میں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ تعجب ہے کہ اصول شریعت سے مخالفت نہ ہونے کے باوجود اسے (کسی مصلحت سے) پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ اگر مخالفت کا شائبہ بھی اس میں ہوتا تو اس کی پوشیدگی مناسب تھی۔ (بہرحال) جو کچھ اللہ پاک کرے کس میں طاقت ہے کہ اس کو پوچھ سکے۔

کرا، زہرۂ آں کہ از بیم او — کشاید زباں جزبہ تسلیم او [52]

کہاں کس میں طاقت کہ کھولے زباں — یہ لازم ہے تسلیم ہو ہر بیاں

مکاشفہ ۴۷: حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ نے اپنی بیاض میں لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ عام دعوتوں میں تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ ایک دن ایک دولت مند نے حاضر خدمت ہو کر التجا کی کہ میں نے اپنے ایک عزیز کے ایصال ثواب کے لئے کھانا تیار کیا ہے۔ آپ میری دعوت قبول فرمائیں۔ آپ نے اس عام دعوت کو قبول نہیں فرمایا۔ اس نے نہایت انکسار، عقیدت اور اخلاص کا اظہار کیا۔ اس وقت آپ پر الہام ہوا کہ اگر تم وہاں جانے میں حرام [53] کا شک کرو گے تو ہم قیامت کے دن اس میت کو جس کے لئے ایصال ثواب ہے، اس قدر نور عطا کریں گے کہ اس سے تمام اہل محشر منور ہو جائیں گے۔ (اس الہام سے) آپ متفکر ہوئے کہ آخر یہ حرمت کیونکر دور ہوگی جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر ظاہر کیا گیا کہ تمہارا اس مجلس میں جانا ہی حرمت کا دور ہونا ہے۔ پس آپ نے اس دعوت کو قبول فرما لیا اور اس شخص کے مکان پر تشریف لے گئے۔

مکاشفہ ۴۸: آپ فرماتے تھے کہ مقام رضا سے اوپر کسی کی رسائی نہیں سوائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اس بات کو تحریر کرنے کے چند روز بعد آپ نے فرمایا کہ ایک روز نماز تہجد سے فراغت کے بعد میں تمام انبیاء علیہم السلام پر درود بھیج رہا تھا کہ میں نے ان سب کو اپنے مقامات سے عروج فرماتے دیکھا۔ وہ مقام رضا سے اوپر ایک مقام پر چند واسطوں سے واصل ہو گئے۔ اس کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر کہ جو ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی متابعت سے ملا ہوا تھا، عروج فرمایا اور اس مقام عزیز میں رسائی حاصل کی۔

مکاشفہ ۴۹: آپ فرماتے تھے کہ ہم پر منکشف فرمایا گیا ہے کہ حقیقت ھاء دوچشمی [54] (رموز مقطعات میں سے ہے) اللہ تعالیٰ کی رحمانی کا گنجینہ رحمت ہے اور کوئی رحمت اس گنجینے سے باہر نہیں ہے خواہ وہ دنیوی رحمتیں ہوں خواہ اخروی۔ ننانویں رحمتیں جو آخرت کے لیے رکھی گئی ہیں، ان کا مستقر (اس ھاء دوچشمی) ایک چشمہ ہے اور دوسرا وہ گنجینۂ رحمت جو دنیا کے لئے پھیلا دیا گیا ہے۔)

مکاشفہ ۵۰: ایک مرتبہ آپ نے اپنے ان صاحبزادوں کی فاتحہ کے لئے کھانا تیار کرایا جو آپ کے سامنے وفات پا چکے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ توجہ کثیر کے بعد وہ کھانا مقبول ہوا اور ایسا مکشوف ہوا کہ ملائکہ کھانے کے خوان لا رہے ہیں اور ان کی قبروں پر پہنچا رہے ہیں اور بہشت کے ایک چمن میں اس کو جمع کر رہے ہیں۔ جب وہ سب کھانا وہاں جمع ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ میرے فرزند اس کھانے کے پاس گئے اور وہ تمام کھانا ان کے پیٹ میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد دیکھا کہ ان میں استعداد اوپر جانے کی پیدا ہوئی اور وہ عروج میں مصروف ہو گئے اور جب وہ بہت اوپر گئے تو ایک بہشت ظاہر ہوئی جس میں انتہائی رفعت، منزلت، تازگی اور طراوت تھی۔ پس وہ سب اس

Marfat.com

بہشت میں داخل ہو گئے۔

چونکہ آپ نے ایصال ثواب میں تمام مؤمنین، مؤمنات اور ملائکہ عالیات کو بھی شامل فرما لیا تھا اس لئے آپ فرماتے تھے کہ میں نے کسی مومن اور مومنہ کی قبر کو نہیں دیکھا جہاں وہ کھانا نہ پہنچا ہو اور کوئی بہشت ایسی نظر نہیں آئی جو اس کھانے سے خالی ہو اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ ملائکہ میں بھی مختلف خوان بھیجے گئے اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔ اسی طرح جب کبھی آپ مردوں کی روحانیت کے لئے ایصال ثواب فرماتے تھے تو اسی طرح مکاشفات اور معائنات ہوتے تھے۔

مکاشفہ ۵۱: ایک مرتبہ ایک مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے جانے کا ذکر فرماتے تھے جو قریب مرگ تھا۔ آپ اس کے حال کی طرف متوجہ ہوئے۔ دیکھا کہ اس کے قلب میں بہت سیاہی ہے۔ بہت کچھ اس سیاہی کے دفع کرنے کے لیے آپ نے توجہ فرمائی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر بہت دیر کے بعد معلوم ہوا کہ وہ سیاہیاں خفیات کفر سے پیدا ہوئی ہیں جو اس کے اندر پوشیدہ ہیں اور ان کدورتوں کا سبب اس شخص کا تعلق کافروں کے ساتھ رکھنا ہے اور ان سیاہیوں کا دور ہونا موقوف ہے عذاب جہنم پر جو کفر کا بدلہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس شخص کے دل میں ایمان کی رمق موجود ہے کہ جس کی برکت سے آخر کار اسے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ جب آپ نے اس کا یہ حال مشاہدہ کیا تو پھر خیال آیا کہ ایسے شخص کی نماز جنازہ ادا کرنی چاہئے یا نہیں؟ پھر توجہ سے ظاہر ہوا کہ نماز تو ضرور پڑھنی چاہئے۔

مکاشفہ ۵۲: آپ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ اذان کے بعد میں دعا کر رہا تھا اور ہاتھ زانو پر تھے۔ اسی حالت میں خیال آیا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کروں اور میرا وہ طریقہ ادب سے دور معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کرنے لگا۔ (اللہ کی شان کہ) صرف اس قدر ادب کی رعایت کرنے سے خدا غفار وستار کی بارگاہ سے آواز آئی کہ تم پر کسی طرح کا کوئی عذاب نہ کیا جائے گا۔

مکاشفہ ۵۳: حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ نے بیان فرمایا کہ حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ احادیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص مرتا ہے اور اس کے ذمے کوئی قرض ہوتا ہے یا حقوق العباد سے کچھ ادا کرنا رہ گیا ہو تو اس کی روح کو ترقی نہیں ہوتی حتیٰ کہ اس کی طرف سے وہ قرض یا حق ادا نہ کر دیا جائے اور یہ کہ وہ روح محبوس رہتی ہے۔ اسے آسمان سے اوپر نہیں لے جاتے۔

حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ مجھ پر اس طرح ظاہر کیا گیا کہ یہ حکم اس شخص کے لئے مخصوص ہے جس کو اس دنیا میں ترقی نہ ہوئی ہو، لیکن اگر اس دنیا میں ان تعلقات کے باوجود ترقی ہوئی ہے تو مرنے کے بعد بھی اس کو ترقی ہوگی، لیکن اس کو نہیں جو اس دنیا میں بھی محبوس تھا۔ ایسے شخص کو موت کے بعد بھی قید ہے کیونکہ موت کے بعد کی ترقی یہاں کے تعلقات سے خلاصی پر موقوف ہے۔

مکاشفہ ۵۴: حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ نے اپنی خاص بیاض میں لکھا ہے کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے "یہ ہماری کتاب ہے جو تم پر سچی گواہی دے گی اور ہم تمہارے اعمال لکھتے رہتے ہیں۔"[۵۵] علمائے

Marfat.com

کرام نے اس سے فرشتوں کا لکھنا مراد لیا ہے اور خدا کی طرف اس استناد کو مجازی بتایا ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں یہ آیت بار بار تلاوت کر رہا تھا کہ یکا یک میرے دل میں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر لکھنے کی نسبت خود اپنی طرف فرمائی ہے تو اس کی کوئی حقیقت ضرور ہوگی۔ اس کے بعد ایسا ظاہر ہوا کہ اس مرتبہ مقدسہ میں فرشتوں کی اعمال نویسی کے علاوہ ایک اور قسم کا لکھنا بھی ثابت ہے اور وہ ان بعض افراد کے لئے ہوگا کہ جن کے حالات سے اللہ تعالیٰ اپنے سوا فرشتوں کو بھی مُطلع کرنا نہیں چاہتا۔ ''یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔'' اور یہی راز ہے اس معاملے میں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خواص اور اپنے ارباب اختصاص کے اعمال سے ملائکہ کرام کاتبین کو بھی آگاہ نہیں کرنا چاہتا۔

یہ رمز عاشق و معشوق جس سے کراماً کاتبین بھی بے خبر ہیں

اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ ''جانوں کو مرتے دم اللہ نکالتا ہے۔''[۵۶] یہاں توفی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف فرمائی اگرچہ جان نکالنے والا ملک الموت ہے۔ اس لئے کہ ممکن ہے بعض خاص الخاص کے ساتھ جان نکالنے کا معاملہ فرشتۂ موت کے بغیر ہی ہو اور بعض احادیث میں (بھی) جو ملک الموت کا توسط مذکور ہے تو وہ بعض دوسرے خواص کے لئے ہو۔ پس آیت مذکورہ کا مطلب تھوڑے تامل سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔ پس غور کرو۔

مکاشفہ ۵۵: حضرت مجددؒ کے ''مکتوبات'' (دفتر اول) جب اصحاب بدرؓ کی تعداد کے مطابق ۳۱۳ ہو چکے تو بعض حضرات نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو جائے تو بعد کے مکتوبات بھی جمع کر لئے جائیں اور دفتر دوم شروع کر دیا جائے۔ فرمایا کہ وہ تمام علوم و معارف جو ان مکتوبات میں تحریر ہوئے، کیا معلوم کہ وہ بارگاہ الٰہی میں مقبول و منظور ہیں یا نہیں۔ اسی اثناء میں آپ نے انکسار و تضرع کے ساتھ خاص توجہ سے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تو آواز آئی کہ یہ تمام علوم و معارف جو تم نے تحریر کئے ہیں بلکہ وہ سب جو تمہاری گفتگو میں آئے ہیں، ہمارے نزدیک مقبول و منظور ہیں بلکہ اس طرح بھی اشارہ ہوا کہ یہ سب ہمارا کلام ہے اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ اس وقت تفصیلاً اور اجمالاً ان علوم کا میں نے ملاحظہ کیا اور بالخصوص ان علوم کا بھی ملاحظہ کیا جن سے متعلق مجھے تردد تھا تو وہ سب اسی حکم میں داخل پائے گئے اور مجھے دفتر دوم کے جمع کرنے کا حکم دیا گیا۔

مکاشفہ ۵۶: گناہ کبیرہ کی تعیین میں علماء نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہے جیسا کہ علم کلام اور فقہ کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے...... حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ ایک رات مجھے تہجد کے بعد یہ خیال گزرا کہ بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہونا چاہئے اور گناہ کبیرہ کی تعیین کو سمجھنا چاہئے۔ (اللہ کا کرم ہوا کہ) تھوڑی سی توجہ کے بعد مجھے بتایا گیا کہ گناہ کبیرہ صرف سات ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ ''سات موبقات (مہلکات) سے بچو۔'' یہ مہلکات وہ ہیں جن کی جڑ شرک ہے (اور شرک کے علاوہ) چھ گناہ اس کے گرد گھومتے ہیں۔ گویا شرک ایک تنہ ہے اور چھ کبائر اس کی شاخیں ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے گناہ صغیرہ کے دائرے میں داخل ہیں۔ بعض صغائر (شرک صغیرہ) کی تعیین بھی آپ فرماتے تھے۔ مثلاً سود کھانا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا ان کو آپ شرک صغیرہ کہتے تھے۔

Marfat.com

ملفوظات حضرت مجددؒ

ملفوظ ا:

ایک مبارک رات میں (کہ شب قدر بھی اس سے قدر و منزلت کا استفادہ کرے اور شب برأت بھی رفعت درجات کا حصہ اس سے حاصل کرے) آپ جیسے صاحب کمال کو جب کہ وقت اور حال حاصل تھا، حضرت رومیؒ کے یہ دو شعر ورد زبان تھے۔ (ترجمہ):

عشقِ معشوق چھپا رہتا ہے   عشقِ عاشق تو مچاتا ہے شور
عشق معشوق کو کردے فربہ   اور عاشق کو بنادے کمزور

پھر فرمایا کہ معشوقوں کے عشق کو اپنے درجے کی بلندی کے باوجود عاشقوں کے عشق سے کسی طرح کی مناسبت نہیں ہے کیونکہ معشوقوں کے عشق کا تعلق اسی ایک ذاتِ عاشق سے ہے، عاشق کی صفات سے نہیں ہے، لیکن عاشق کے عشق کا تعلق معشوق کی صفات سے ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ایک وقت گزر جانے کے بعد عشق کا غلبہ، معشوق کی صفات سے گزر کر معشوق کی ذات تک پہنچا دیتا ہے۔ اس وقت اس کی محبت ذاتی ہو جاتی ہے اور معشوق کی محبت کو عاشق سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ (یعنی معشوق کی صفات خود عاشق میں جلوہ گر ہو جاتی ہیں)۔ چنانچہ یہی بات مجنون عامری کے آخری حالات میں بیان کی جاتی ہے۔ ورنہ ہوتا یہ ہے کہ عاشق کی ابتداء اور درمیانی حالت میں معشوق کی صفات ہی ملحوظ رہتی ہیں۔ جیسا کہ عشق مجازی میں ہوتا ہے کہ رخسار کی صباحت، قد کی آراستگی، مسکراہٹ کی ملاحت، گفتگو کی مٹھاس، غمزوں کا ناز و انداز، پیشانی، خمدار آبرو اور زلف، پُرشکن گیسو، غبغب کے خطوط، چاہ ذقن وغیرہ (عاشق کے لئے کشش کے ذریعے ہیں) لیکن معشوقوں کو اپنے عشق میں عاشق کی ایسی کوئی صفت ملحوظ نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا کہ صفات کے عشق میں بے آرامی اور تلون لازمی ہے اس لئے عاشق کا عشق ڈھول باجوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ (یعنی ظاہر ہو جاتا ہے) لیکن ذات کے عشق میں آرام اور تمکین کا حصول ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عاشق کو زاری و نزاری اور معشوق کو فربہی اور صحت ہوتی ہے اور جو رومی نے فرمایا ہے کہ عشق معشوق چھپا رہتا ہے تو وہ ذات کے عشق کی طرف اشارہ ہے۔ (صفات کی طرف نہیں) کیونکہ صفات کے مقابلے میں ذات پوشیدہ بھی ہے اور دقیق بھی۔ گویا اس طرح آپ نے ارشاد باری تعالیٰ یحبھم ویحبونہ کی تفسیر فرما دی ہے۔

ملفوظ ۲:

ایک روز ایک صالح درویش نے عرض کیا کہ غوث ربانی شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز میں رحمت ہے مگر محبت میں رحمت نہیں ہے۔ اس میں قتل بھی کر دیتے ہیں اور مقتول ہی سے خون بہا مانگتے ہیں۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ آپ تھوڑی دیر متوجہ اور مراقب رہے، پھر حاضرین کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ:

Marfat.com

اس کلام سے زوال عین واثر کا پتا چلتا ہے۔ چنانچہ ایسے حال والا ایسی بات کرتا ہے اگر چہ اس کے حق میں قطعی رحمت ہی رحمت نازل ہو رہی ہو، لیکن وہ بیچارہ اپنے محبوب سے ملنے اور اس سے واسطہ رکھنے کے لئے جو بے حد بے قرار ہے، کسی اور چیز کو رحمت نہیں سمجھتا۔ اسے تو ایسے موقع پر کہ وہ اپنے محبوب سے دور ہو محبوب کا نام، وطن اور مسکن وغیرہ کا حال سننے سے بھی رحمت (فرحت) حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ دیدار محبوب ہی کو رحمت جانتا ہے، لیکن جب وہ محبوب کی مہربانی سے بُعد سے قرب میں آ گیا تو اس کی بے قراری کے لئے وہ قرب بھی رحمت کی محرومی بن گیا۔ یعنی جب محبوب کی عنایت سے اس سے ہم آغوش ہوا تو محبت کی پیاس کی وجہ سے وہ اسے بھی غیر رحمت جاننے لگا اور اسے عین معشوق بننے ہی میں رحمت معلوم ہوئی اور جب وہ معشوق کی عنایت سے اس کا عین بھی بن گیا تو اس عینیت میں بھی جو بہت سے مراتب پنہاں ہیں، اس کی تشنگی اس کو بھی رحمت نہیں جانتی۔ ناچار وہ ھل من مزید کہتا ہوا ان مراتب و مدارج کا طالب بھی ہو جاتا ہے اور وہ بات کہ مقتول ہی سے خون بہا بھی لیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عاشق اپنی دانست میں خود کو مقتول سمجھ رہا ہے اور جو مواخذہ اس سے ہو رہا ہے اسے وہ بقایائے آثار کے نہ ہونے سے خون بہا سمجھ کر بڑی حیرت سے کہتا ہے جیسا کہ اس سے بن پڑتا ہے۔ مگر وہ نہیں جانتا کہ ان مراتب و مدارج کی راہ میں اس کا قتل ابھی مکمل نہیں ہوا اور ابھی زندگی کی رمق باقی ہے اور دوبارہ قتل کے بعد جب وہ رمق بھی نہ رہی تو ایک اور رمق جو قاتل کی نظر میں زیادہ دقیق ظاہر ہوتی ہے، اس کے دفعیہ میں وہ مشغول ہوا۔ اسی طرح اور بھی سمجھنا چاہئے۔ ایسے موقع پر مقتول سے قاتل خون بہا طلب کرے جب کہ مقتول نے کلی طور پر خود کو قاتل کے سپرد کر دیا ہے تو جب تک بال برابر بھی مقتول کی رمق باقی ہے قاتل ضرور خون بہا کا مواخذہ کرتا رہے گا۔ مگر میں کیا کہوں کہ اس پر کیا گزرتی ہے اور وہ کیا دیکھتا ہے اور کیا دیتا ہے۔

ملفوظ ۳:

ایک روز آپ فرما رہے تھے کہ شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ فرماتے ہیں (رباعی): ترجمہ

ہے وہم نہیں تجھ میں دوئی باقی ہے — امکان وحدت کی نہ کمی باقی ہے
گر فضل الٰہی بھی رہے شامل حال — دم بھر کے لئے تجھ میں توئی باقی ہے

یہ رباعی زوال عین کی طرف اشارہ کرتی ہے اگر چہ قائل، اس حال کو صرف ایک لمحے کے لئے جانتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ بغیر تجلی ذاتی کے زوال عین ممکن نہیں اور وہ بھی قائل کو صرف برقی تجلی حاصل ہے۔ اس لئے اس کا اثر دم بھر کے لئے ہوتا ہے اور میرا یہ کہنا کہ زوال عین بغیر ذاتی تجلی کے ممکن نہیں تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تک کوئی اسم یا صفت ہی ملحوظ ہے عارف کا عین ثابتہ درمیان میں حائل رہتا ہے۔ اسی لئے اس کا زوال عین نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ صاحب ''فصوص الحکم'' (ابن العربی) قدس سرہ تو زوال عین کے مطلق قائل نہیں ہیں اور تجلی ذاتی کو صرف صورت متجلی لہ (جس پر وہ تجلی آئے) کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ''فص شیثی'' میں فرمایا ہے کہ ''تجلی ذاتی صرف صورت متجلی لہ کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی ایسا شخص مرأت حق میں اپنی صورت کو دیکھتا ہے۔'' اور صاحب

''فصوص الحکم'' نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''عین (دراصل) معلومات الٰہیہ میں سے ہے۔ اگر وہ زائل ہو جائے تو حق تعالیٰ کا علم، جہل کی طرف منقلب ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے اور ایسا اعتقاد گمراہی ہے اور یہ بزرگوار تو زوال اثر کے بھی قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جب عین زائل نہیں ہوتا تو اثر کہاں چلا جائے گا؟ لیکن بعض دوسرے صوفیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عین تو زائل ہو جاتا ہے لیکن اثر نہیں جاتا۔ تاہم ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عین اور اثر دونوں زوال پذیر ہیں جیسا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ کے کلام سے اس بات کی صراحت ہوتی ہے اور جس شخص نے زوال عین کا ذکر کیا اور زوال اثر کا ذکر نہیں کیا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو زوال عین بھی متحقق نہیں ہوا تھا، کیونکہ اثر تو عرض کے حکم میں ہے اور عین، جوہر کے حکم میں ہے۔ اسی لئے جب جوہر ہی نہیں رہا تو عرض کہاں سے رہے گا؟ عرض تو جوہر سے قائم ہے اور اس کا کوئی علیحدہ وجود نہیں۔

ے سر نہیں ہے تو درد سر کیسا؟

پھر حضرت مجددؒ نے حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ کی وہ رباعی[57] جو انہوں نے اثر کے زائل ہونے کے سلسلے میں سائل کے جواب میں لکھی تھی، پڑھی اور اس کے چوتھے مصرع کی تکرار کر کے فرمایا کہ ہم عین اور اثر دونوں کے زوال کے معاملے میں شیخ بزرگوار کے ہم خیال ہیں لیکن ہم اس مصرع سے متفق نہیں کہ:

ع چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست؟[57]

(معشوق جو ہر جا ہے تو پھر عاشق کون؟)

ہم تو شیخ علاؤ الدولہ سمنانی کی طرح کہتے ہیں کہ ''توئی اٹھ جاتی ہے لیکن دوئی نہیں جاتی۔'' لیکن شیخ سمنانی اس کو ''دم بھر کے لئے'' کہتے ہیں اور ہم اس کی ہمیشگی کے قائل ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک تجلی دائمی ہوتی ہے، برقی نہیں ہوتی۔

حضرت مجددؒ نے یہ بھی فرمایا کہ عین اور اثر کے زوال کے لئے دوئی کا اٹھ جانا لازم نہیں بلکہ نہیں چاہئے۔ کیونکہ ظل تو اصل کی ودیعت ہے کہ وہ (ظل) خود کو دیکھ رہی تھی اور جب اصل کو دیکھ لیا تو اس کی توئی (یعنی وہ خود) جو اصل ہی کی ماہیت ودیعت شدہ تھی، اٹھ گئی لیکن دوئی قائم رہتی ہے کیونکہ ظل تو اصل نہیں ہو سکتا (پس سمجھا جس نے سمجھا)۔ اس مقام پر آپ نے اس قدر دقائق اور حقائق بیان فرمائے کہ ہماری قوت مدرکہ کو ان کے احاطہ کرنے کی طاقت نہ رہی۔ اسی اثناء میں فرمایا کہ:

چونکہ صاحب ''فتوحات'' (ابن العربی) نے حق کو وجود مطلق کہا ہے اس لئے شیخ علاؤ الدولہ سمنانی نے اس کے مقابلے میں شد و مد کے ساتھ کہا ہے کہ کلی دراصل مقید اور مطلق میں منحصر ہے اور علاوہ خاص اور عام کے وہ اس کو قسم ثالث نہیں سمجھتے اور صحیح بات تو یہ ہے کہ قانون منطق کے لحاظ سے بھی اسی طرح ہے۔ مگر ابن العربی نے اسے مطلق کہا ہے اور ایسا مطلق جو قید اطلاق سے بھی بالاتر ہے۔ اور یہی قسم ثالث ہے جو ان کی (ابن العربی کی) خاص اصطلاح ہے اور اصطلاح میں کسی کو کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس صورت میں کوئی نزاع نہیں ہے سوائے لفظی نزاع کے۔

ملفوظ ۴:

جس طرح ذات ہمارے ادراک اور تصور میں نہیں آسکتی اسی طرح صفات بھی نہیں آسکتے۔ کیونکہ صفات میں سے جو بھی سالک کے ادراک میں آسکتے ہیں وہ ظلال صفات ہیں۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ مطابق آیت اذکرونی اپنا تمام وقت اس کی یاد میں مستغرق رکھیں تاکہ حق تعالیٰ بھی بحکم اذکرکم تم کو اپنے کرم سے یاد کرے جیسا کہ اس نے یاد کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ کا ذکر، حصول احوال و مکاشفات کی غرض سے نہ کریں اور (دنیوی) غرض کو ذہن میں جگہ نہ دیں بلکہ بغیر کسی غرض کے اپنی جان پر احسان اٹھا کر ذکر اور بندگی میں مشغول رہیں۔ اگر وہ قبول فرمالے تو جس طرح چاہے نوازے اور وہ اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے مطابق شکر اللہ سبحانہ سعیھم ہو تو اس پر اعتماد کریں اور شکر بجالا کر ھل من مزید کہتے رہیں۔ اور اگر یہ بات پیدا نہ ہو تو وہ اعتبار کے لائق نہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ کمالات ذاتیہ کے حصول کے باوجود اس کی تنزیہ پاک کی مراعات سے اس کی صفات کے مراقبات میں اور اس کے تصورات میں خوف و حیرت ہوتی ہے۔ بعض مشائخ کے متعلق ہم سنتے ہیں کہ وہ مبتدیوں کو مراقبہ ذات کی تعلیم دیتے ہیں اور اس کو وہ نور بیرنگ و بے حیز کہتے ہیں جو سارے عالم کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور ایسے مراقبہ والوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے تخیل میں اس نور کو بسیط و عریض قرار دیتے ہیں، لیکن حق تعالیٰ ان کے اس خیال سے پاک ہے۔ وہ بسیط حقیقی ایسا ہے کہ اس میں بسط و طول و عرض اور اسی قسم کے تخیلات کی گنجائش نہیں ہے۔

ملفوظ ۵:

(آپ نے فرمایا کہ) جس دن میں نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے تعلیم (روحانی) حاصل کی مجھے یقین ہو گیا تھا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ محض اپنے کرم سے مجھے اس راہ کی انتہا تک پہنچا دے گا اور ہر چند اپنے حال اور اعمال کی خامی کو دیکھ کر اس یقین کی نفی کرتا تھا مجھے اس نفی میں کامیابی نہ ہوتی تھی اور یہ شعر اکثر میرے وردِ زبان رہتا تھا: (ترجمہ)

ترے انوار سے دل ہے منور   بالآخر تجھ کو پالوں گا یقیناً

ملفوظ ۶:

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ کے پاس کوئی نسبت ان کی خاص نسبتوں میں سے ایسی نہ تھی جو آپ نے ہمارے خواجہ باقی باللہؒ کو (نسبت اویسیہ سے) عطا نہ فرمائی ہو اور ان خاص نسبتوں میں سے ایسی کوئی نسبت نہ تھی جو حضرت خواجہؒ نے ہم کو عنایت نہ فرمائی ہو۔ مگر ایک نسبت عالیہ جو حضرت خواجہؒ احرار قدس سرہ کے عطیات میں سے باقی رہ گئی تھی، ہمارے حضرت خواجہؒ نے اپنے انتقال کے بعد جبکہ میں ان کے روضہ کی زیارت کو گیا تھا مجھے مرحمت فرمائی۔

Marfat.com

ملفوظ ۷:

(فرماتے تھے کہ) حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ اسی وقت تک مریدوں کی تربیت میں پیش پیش تھے جب تک کہ میری تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی۔ جب وہ میری تعلیم سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے خود کو اب مشیخت کے کام سے علیحدہ کرلیا ہے۔ انہوں نے مریدوں کو میرے حوالے فرما دیا اور میرے متعلق فرمایا کہ ''یہ بیج ہم بخارا اور سمرقند سے لائے ہیں اور ہندوستان کی مبارک سرزمین میں اسے بویا ہے۔''

ملفوظ ۸:

کلمۂ طیبہ لاالہ الا اللہ کی برکت اور عظمت اس کے قائل کے درجات کے مطابق حاصل ہوتی ہے یعنی جس قدر اس کا قائل عظیم ہوگا اس کی برکت اور عظمت بھی زیادہ ہوگی۔ پھر آپ نے ایک مصرعہ (عربی) کا پڑھا:

حسن بھی بڑھتا گیا جتنا کہ میں دیکھا کیا

اور آپ ہمیشہ فرماتے تھے کہ معلوم نہیں دنیا میں اس آرزو سے بھی بڑھ کر کوئی آرزو ہے کہ انسان ایک گوشے میں بیٹھ کر اس کلمہ طیبہ کی تکرار کی لذت حاصل کرتا رہے لیکن کیا کیا جائے کہ تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں۔

ملفوظ ۹:

وہ امور جو عارف کو ملکیت سے بشریت کی طرف لے آتے ہیں ان میں کھانا کھانے جیسی چیز کوئی نہیں۔ کبھی کبھی تہجد کے وقت کھانے کی کدورتوں کی ظاہری صورتیں نظر آجاتی ہیں۔

ملفوظ ۱۰:

جو کچھ ہم کو عطا فرمایا گیا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اگر اس کرم کے لئے کوئی ذریعہ بنا ہے تو وہ صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے جس پر ہمارے معاملے کا دارومدار ہے۔ چنانچہ جو کچھ ہم کو دیا گیا ہے وہ اسی پیروی اور غلامی کی بدولت ہے اور جو کچھ ہم کو نہیں دیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حکم شریعت کی پیروی میں ہمارے اندر کوئی خامی رہ گئی ہوگی۔

اسی سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھول کر میں نے بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پہلے سیدھا پاؤں رکھ دیا۔ اس روز مجھ پر حالات کے دروازے بند ہوگئے، لیکن ندامت اور توبہ کے بعد حالات معمول پر آئے۔

ملفوظ ۱۱:

ایک روز پیشاب کا تقاضا غالب ہوا تو میں جلدی سے طہارت خانہ میں داخل ہوا۔ میری نظر ایک ناخن پر پڑی۔ دیکھا کہ قلم سے گرا ہوا سیاہی کا ایک نقطہ اس پر پڑا ہوا تھا۔ چونکہ وہ نقطہ سیاہی جو حروف قرآنی کی کتابت کے اسباب میں سے ہے، اس کے ساتھ وہاں بیٹھنا میں نے خلاف ادب سمجھا۔ اس لئے تیزی کے ساتھ میں بیت الخلاء سے باہر نکل آیا اور اس نقطۂ سیاہی کو دھویا۔ اس کے بعد میں استنجا کے لئے گیا۔ حالانکہ مجھے پیشاب کا سخت تقاضا تھا، لیکن میں نے اسے روکنے کی تکلیف گوارا کی اور ادب کو ترک کرنا پسند نہیں کیا۔

ملفوظ ۱۲:

ایک بار آپ نفلی روزے رکھ رہے تھے۔ کسی نے دریافت کیا کہ آپ یہ روزے کس لئے رکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ احتیاط کے طور پر قضا روزے رکھ رہا ہوں کیونکہ ماہ رمضان میں دن کے وقت استنجا کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ تو اس خیال سے کہ پانی استعمال کرنا پڑا تھا تو احتیاط کے طور پر قضا روزے رکھ رہا ہوں۔

ملفوظ ۱۳:

آپ ہمیشہ اپنے مریدوں کو کثرت ذکر، دوام حضور اور مراقبہ کی پابندی کے لئے ترغیب دلایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا دار عمل ہے اور کھیتی بونے اور اس کے لئے کام کرنے کی جگہ ہے۔ اس لئے حضور باطن کو ظاہری آداب و اعمال کے ساتھ اپنے کام میں لگائے رکھو۔

ملفوظ ۱۴:

کچھ لوگوں نے خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے رسالوں سے قلتِ عمل کا مطلب نکال لیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ان بزرگواروں نے اتباع نبویؐ ہی کو اپنا معمول بنایا ہے اور اسی پر پورا بھروسا کیا ہے (یعنی وظیفے وغیرہ پڑھنے پر زور نہیں دیا) اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرادیت اور محبوبیت حاصل تھی، لیکن اس قدر لمبی نمازیں پڑھتے تھے کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے تھے اور طریقۂ نقشبندیہ میں شروع اور وسط کے حالات میں جذبات سے تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے کثرت شکر اور استغراق کی وجہ سے وہ کثرت نوافل میں عمل نہیں رکھتے بلکہ دوام حضور کو فرائض اور واجبات اور سنن مؤکدہ کے ادا کے ساتھ جمع کرتے ہیں اور اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ عزیمت کو بہت اہم سمجھتے ہیں کہ وہ عظیم ریاضتوں میں سے ہے اور بالخصوص (شروع اور وسط والے) جذبات اور غلبات کے ساتھ وہ اور بھی اہم ہو جاتی ہے، لیکن پھر جب عنایت الٰہی سے ان کے حالات (آگے چل کر) تلوین سے

Marfat.com

تمکین میں آ جاتے ہیں تو پھر وہ کثرتِ طاعات میں لگ جاتے ہیں اور اس وقت ان کی ترقیوں کا دارومدار کثرتِ اعمال ہی پر ہوتا ہے۔

ملفوظ ۱۵:

لوگ سمجھتے ہیں کہ ریاضت کے معنی بھوکا رہنا اور روزہ رکھنا ہے، لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) کھانے میں توسط (اور توازن) رکھنا دوام روزہ سے زیادہ مفید ہے۔ جب لذیذ کھانا سامنے رکھا ہوا ہو تو آدھی بھوک تک کھانا اور پھر کھانے سے ہاتھ کھینچ لینا بہت بڑی ریاضت ہے اور ان لوگوں کی ریاضتوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے تو وہ کھانا دیکھا ہی نہیں اور کھانے سے باز رہے اور یہ لوگ تو اس میں سے کچھ چکھ کر باز رہے ہیں۔

ملفوظ ۱۶:

شرم آتی ہے کہ انفرادی نماز قوت اور استطاعت کے باوجود رکوع اور سجود میں کم تسبیحات پڑھی جائیں۔

ملفوظ ۱۷:

لوگ ریاضتوں اور مجاہدوں کی ہوس کرتے ہیں، لیکن آداب شریعت کی رعایت کے برابر کوئی ریاضت اور مجاہدہ نہیں ہے۔ خصوصاً فرض، واجب اور سنت نمازیں اور ان کے ادا کرنے کا طریقہ جیسا کہ حکم دیا گیا ہے، بہت دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وانها لكبيرة الا على الخاشعين (اور وہ نماز بھاری ہے مگر ڈرنے والوں پر)[۵۹]

ملفوظ ۱۸:

نماز میں التحیات پڑھتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا اگرچہ بعض ظاہر احادیث کے موافق ہے اور مجتہدان حنفیہ کی بعض روایات اس کے جواز پر موجود ہیں، لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ احتیاط اور بہتری اسی میں ہے کہ یہ اشارہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ بہت سے علماء نے اسے حرام اور مکروہ کہا ہے اور جب کسی چیز کے حلال اور حرام ہونے میں اختلاف ہو تو اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہوگا۔

ملفوظ ۱۹:

احوال، شریعت کے تابع ہیں، شریعت، احوال کی تابع نہیں کیونکہ شریعت بالکل قطعی اور وحی الٰہی سے ثابت ہے اور احوال ظنی ہیں جو کشف اور الہام سے ثابت ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ملفوظ ۲۰:

بڑا تعجب (اور افسوس) ہے کہ بعض ناقص اور خام قسم کے درویش اپنے کشف پر اعتماد کر کے شریعت بیضا کے انکار اور مخالفت کی جرأت کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ۵۹ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتے تو ان کے لئے بھی سوائے اس روشن شریعت کی پیروی کے کوئی اور چارہ نہ ہوتا۔ تو پھر ایسے کور باطن درویشوں کی کیا حیثیت ہے؟

ملفوظ ۲۱:

ماتریدیہ ۶۰ کے متعلق آپ فرماتے تھے کہ یہ حضرات علوم فلسفہ کی آمیزش سے زیادہ دور ہیں اور انوار نبوت کے حصول سے زیادہ قریب ہیں۔

ملفوظ ۲۲:

حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ "ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے۔" چونکہ حضرات نقشبندیہؒ کا طریقہ، سنت کے اتباع اور عزیمت کی رعایت کے لحاظ سے دوسرے طریقوں سے زیادہ قوی اور بلند ہے، اس لئے ان کی نسبت بھی تمام نسبتوں سے افضل ہے۔

ملفوظ ۲۳:

عمل صالح کو تکبر اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ کر دیتی ہے تکبر کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے عامل کو اپنا عمل بہت اچھا معلوم ہوتا ہے (حالانکہ اسے) چاہئے کہ وہ اپنی پوشیدہ برائیوں اور خامیوں کو یاد کرتا رہے اور اپنی نیکیوں پر پردہ ڈالے بلکہ اپنی عبادتوں کے ادا کرنے سے شرمندہ ہو۔

ملفوظ ۲۴:

جب تک کوئی شخص علم ظاہری میں پوری مہارت نہ رکھتا ہو اس وقت تک وہ صوفیہ کی باتوں کے اسرار سے مستفید نہیں ہو سکتا۔

ملفوظ ۲۵:

موہوم اور موجود میں تمیز کرنا اور ہے اور متمیز ہو جانا اور ہے۔

ملفوظ ۲۶:

نفی اور انتفاء میں فرق الخ بہت نفیس ہے۔ یعنی نفی کا تعلق بدایت (ابتداء) اور وسط سے ہے اور انتفاء کا تعلق نہایت (انتہاء) سے ہے۔

ملفوظ ۲۷:

حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے طریقے میں اسم ذات کا سیکھنا سکھانا اور نفی و اثبات کی تعلیم بھی ہے یعنی دونوں طریقے ہیں اور جو ہم کو (کشف سے) معلوم کرایا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اسم ذات کو جذبہ سے زیادہ مناسبت اور نفی و اثبات کو سلوک سے ہے۔ اور چونکہ اس طریقے میں ابتداء ہی میں جذبہ کا مقدم ہونا مبتدی کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے اس طریقے کے مبتدی کو اسم ذات کی تکرار ہی بہتر ہے اور جب وہ سلوک میں قدم رکھے تو اس وقت نفی و اثبات اس کے حال کے مطابق ہوتا ہے۔

ملفوظ ۲۸:

آپ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ اس بات میں کیا راز ہے کہ میں محفلوں، مجلسوں، بازاروں اور ارباب تفرقہ کی صحبتوں میں نسبت کا ظہور اور حضور زیادہ پاتا ہوں اور خلوتوں، حجروں اور اصحاب جمعیت کی صحبتوں میں کم پاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت خواجۂ احرار قدس سرہٗ سے بھی یہی سوال کیا تھا تو انہوں نے یہ جواب دیا تھا کہ ہمارے بزرگوں کی نسبت محبوب جیسی ہے کہ جب محبوب کو خلوت میں بلاتے ہیں تو اسے حیا آتی ہے۔ لیکن حضرت خواجۂ احرار قدس سرہ کا یہ جواب حسن ادا اور لطافت والا ہے اور اس معمے کا حل یہ ہے کہ ظاہر کو باطن کے ساتھ الفت اور محبت ہوتی ہے ایسی جیسی کہ ایک ساتھ بیٹھنے اٹھنے والوں کو ہوتی ہے اور ظاہر باطن میں سے ہر ایک اپنے کام میں لگا رہتا ہے، لیکن سالک کا ظاہر جب محفلوں اور مجلسوں میں صحبت خلق کی وجہ سے باطن کی صحبت کو ترک کر دیتا ہے تو وہ باطن اپنے ظاہر کے بغیر اپنے کام میں لگ جاتا ہے۔ اسی لئے اس وقت حلاوت اور حضور زیادہ ہوتا ہے، لیکن جب سالک خلوت میں جاتا ہے تو اس کا ظاہر، محفلوں کے مشاغل سے ہٹ کر باطن کی صحبت اور موانست کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کا باطن بھی ظاہر کے ساتھ مجالست اختیار کر لیتا ہے۔ اس لئے حضور میں کمی ہو جاتی ہے، لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو خلوتوں اور حجروں میں، محفلوں اور اجتماعات کے مقابلے میں زیادہ جمعیت حاصل ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا باطن قوت حاصل کر کے ظاہر پر غالب ہو گیا ہے اور اس نے ظاہر کو اپنا تابع بنا کر اپنا ہم رنگ کر لیا ہے۔ پس اس ظاہر اور باطن کے مل جانے سے نسبت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

Marfat.com

ملفوظ ۲۹:

ایک دن آپ نے فرمایا کہ اگرچہ دین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صوفیہ کی وجہ سے بہت سے فائدہ حاصل ہوئے ہیں کہ اس امت کے بہت سے گناہ گار لوگ ان بزرگوں کے افاضات و برکات کی بدولت درجۂ کمالات کو پہنچ گئے ہیں اور ان بزرگوں کے انوار صحبت سے انؒ کو ظلمت بدعت دور ہوگئی ہے اور قرآن و سنت کے بہت سے اسرار بزرگوں کے مکشوفات سے ظہور میں آئے ہیں، لیکن صوفیہ کے ارباب سکر کی وجہ سے اس دین متین کو نقصانات بھی پہنچے ہیں اور (غیر محتاط) بے باک ناقص لوگوں کے لئے وہ ہدف بن گئے ہیں اور ان کے سکر آمیز اقوال اور خلاف شریعت کلام سے بہت لوگوں کو گمراہی ہوئی ہے۔

(لیکن) اللہ تعالیٰ نے ان کے ایسے کلمات کے ظہور میں حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں بلکہ (حق یہ ہے کہ) تخلقو باخلاق اللہ کے حکم کے مطابق ان بزرگواروں نے اپنی زبان سنت الٰہیہ کے لئے کھولی ہے کیونکہ قرآن پاک میں بھی جو متشابہات آتے ہیں جیسے ید، استویٰ علی العرش، ساق وغیرہ، تو ایک جماعت نے اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کر کے گمراہی مول لی اور اللہ تعالیٰ ان الفاظ سے ان کے گمراہ ہونے کو خوب جانتا ہے گو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بھی ان بزرگواروں نے کی جیسا کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ (۱) خدا ہنسا...... (۲) خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا...... (۳) میں نے اپنے رب کو بصورت امرد جوان، مدینے کی گلیوں میں چلتے پھرتے دیکھا..... اور (۴) اس نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا تو میں نے اس کی خنکی پائی۔ یعنی ایسے کلمات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی ادا ہوئے ہیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو کمال صحو میں تھے۔ پس ان صوفیہ سے ایسے کلمات سکر اور خلاف شرع الفاظ کا ادا ہونا بھی موجب طعن ولعن نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ ہم نے خود کو شریعت میں ڈال دیا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنت کی خدمت میں ہم قائم ہیں۔ اب اگر ہمارے قلم کی زبان سے بھی بعض سکر آمیز کلمات صادر ہوئے ہیں تو ظاہر ہیں لوگوں کو ان سے کیا ملے گا؟

حواشی

۱۔ اس کتاب کا تاریخی نام ''ھو زبدۃ المقامات'' (۱۰۳۷ھ) ہے اور دوسرا نام ''برکات الاحمدیہ الباقیہ'' ہے، لیکن اس میں محمد صالح کولابی کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ہماری اس تالیف سے کچھ پہلے ۱۰۳۸ھ میں فوت ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''زبدۃ المقامات'' ۱۰۳۸ھ کے بعد بھی لکھی جاتی رہی۔

۲۔ ''نسمات القدس'' کا مخطوطہ مدینہ منورہ میں مکتبہ عارف حکمت میں محفوظ ہے۔ کابل میں ملا شور بازارؒ کے کتب خانے میں بھی تھا۔ مکتبۂ عارف حکمت میں حضرت مجددؒ کے صاحبزادے خواجہ محمد سعیدؒ کے مکتوبات بھی ''تحقیقات'' کے نام سے محفوظ ہیں جس کے مکتوب الیہ محمد یوسف تھے۔ ان مکتوبات میں تصوف اور دین سے متعلق مسائل حل کئے گئے ہیں۔

۳۔ ''حضرات القدس'' کا تاریخی نام ''درجات الابرار'' (۱۰۴۳ھ) ہے، لیکن یہ کتاب مختلف وقفوں کے ساتھ (جیسا کہ

Marfat.com

حضرت نہم میں ذکر ہے) لکھی جاتی رہی۔ تفصیل اوپر آ رہی ہے۔ مگر اس میں حضرت مجددؒ کے والد ماجد اور اجداد کا ذکر نہیں ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ ان کی تفصیل ''زبدۃ المقامات'' میں آ چکی ہے۔

۴۔ گویا خواجہ محمد صدیق کشمیؒ کو حضرت خواجہ باقی باللہ کے حالات خوب معلوم تھے۔ اس طرح یہ عقیدہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ ''حیات باقیہ'' کے نامعلوم مؤلف یہی تھے جس میں ایک جگہ ان کا تخلص رشدی آتا ہے۔ یہی تخلص بعد میں ہدایت ہو گیا۔ مزید بحث کے لیے دیکھیں ڈاکٹر سراج احمد خاں کی کتاب ''مکتوبات امام ربانیؒ کی دینی اور معاشرتی اہمیت'' (صفحہ ۶۸-۶۹)

۵۔ غالباً یہ کتاب ''طبقات حسامی'' ہے جو بکثرت اولیاء وغیرہ کے متعلق خواجہ باقی باللہؒ کے صاحبزادے خواجہ عبداللہؒ نے لکھی تھی۔ مولانا نسیم احمد امروہوی نے اپنی کتاب ''خواجہ باقی باللہ'' (لکھنو ۱۹۷۸ء) کے صفحہ ۵۱ میں اس کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ وہ بڑے صاحبزادے تھے اور چھوٹے صاحبزادے خواجہ عبیداللہؒ تھے۔

۶۔ ''سیر احمدی''، خواجہ محمد صادقؒ کی وفات (۱۰۲۵ھ) کے بعد لکھی گئی تھی۔ شیخ بدرالدینؒ نے شیخ نور محمد پٹنیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ خواجہ محمد صادقؒ کی وفات کے بعد سرہند آئے اور میں اس وقت ''سیر احمدی'' لکھ رہا تھا۔

۷۔ اسی بات میں مسودات کی چوری سے پہلے یہ بھی ہے کہ انہوں نے (شیخ بدرالدینؒ نے) ''کرامات اولیاء'' (بعد الموت) بھی لکھی تھی۔ پھر غوث اعظمؒ کی کتاب ''فتوح الغیب'' کا ترجمہ کیا۔ اصطلاحات واشغال قادریہ ونقشبندیہ پر ''روائح کتاب'' لکھی۔ پھر آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے وقت کے بزرگوں تک سے متعلق ''سنوات الاتقیاء'' لکھی۔ آخر میں حضرت مجددؒ کی وفات پر ''وصال احمدی'' لکھی۔

۸۔ ''مجمع الاولیاء'' کا مخطوطہ نمبر ۶۴۵۔ انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے اور اس کا عکس عزیزی ڈاکٹر محمد مسعود صاحب (پرنسپل ٹھٹھہ) کے پاس ہے جس میں جگہ جگہ کاٹ پیٹ ہے اور مشاجرات صحابہؓ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۹۔ حضرت دوازدہم (فارسی) صفحہ ۳۷۶۔

۱۰۔ حضرت نہم۔ صفحہ ۱۷۵

۱۱۔ مکتوبات شریف (۳۱/۳) سے واضح ہے کہ شیخ بدرالدینؒ کم از کم ایک سال ضرور باہر رہے تھے۔

۱۲۔ حضرت یازدہم۔ صفحہ ۲۲۳۔ شیخ بدرالدینؒ کے مزید حالات دستیاب نہیں۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے شروع کتاب میں اپنے والد کا نام شیخ ابراہیم لکھا ہے اور آخر کتاب میں ایک چچا شیخ محمد اور فرزندوں میں سے شیخ محمد افضل کا ذکر آتا ہے۔

۱۳۔ مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۷۶ میں اس عبارت کے جملے مقدم ومؤخر ہیں۔ دفتر دوم۔ مکتوب۔ ۱۸ میں بھی اسی طرح کا مضمون ہے۔ اور مبدأ ومعاد میں (منہاج ۳۵) میں بھی۔

۱۴۔ مکتوبات۔ دفتر اول۔ ۳۱۱ دیکھیں۔

۱۵۔ مکتوبات۔ ۴/۲

۱۶۔ مکتوبات۔ ۳۲/۱ میں بھی کچھ مضمون اسی طرح کا ہے۔

۱۷۔ مکتوبات۔ ۲۶۱/۱

۱۸۔ ابوالمکارم رکن الدین علاء الدولہ سمنانیؒ (احمد بن محمد) ۶۵۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۳۶ھ میں وفات پائی۔ بغداد میں ۶۷۷ھ میں شیخ نورالدین عبدالرحمٰن کسرئیؒ سے بیعت ہوئے۔ اجتہاد سے ائمہ اربعہ کے مسلک سے اعراض بھی کیا ہے۔

۱۹۔ اوپر کا مضمون ''معارف لدنیہ'' (۱۴۔ معرفت) میں بھی ہے اور مکتوبات ۲/۲ میں بھی ہے۔

۲۰۔ خواجہ علاء الدین عطارؒ۔ اسم گرامی محمد بن محمد۔ حضرت خواجہ نقشبندی بخاریؒ کے خلیفہ تھے۔ ماوراء النہر کے موضع جغانیاں میں ۸۰۲ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

۲۱۔ ''خواجہ جہاں'' آپ کا لقب تھا۔۵۷۵ھ یا ۶۱۷ھ میں وفات پائی۔آپ کے مقرر کردہ آٹھ کلمات طریقۂ نقشبندیہ میں رائج ہیں یعنی (۱) ہوش دردم (۲) نظر برقدم (۳) سفر در وطن (۴) خلوت در انجمن (۵) یاد کرد (۶) بازگشت (۷) نگاہ داشت (۸) یادداشت۔

۲۲۔ خواجہ معروف کرخیؒ اکابر میں سے ہیں۔۲۰۰ھ میں وفات پائی۔

۲۳۔ آپ بھی اکابر میں ہیں۔۱۶۵ھ میں وفات پائی۔

۲۴۔ حسن بن ابی الحسنؒ بصری۔۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔تابعین میں بہت بلند مقام حاصل تھا۔

۲۵۔ ابومحمد حبیب عجمیؒ، فارس کے تھے۔حضرت حسن بصریؒ کے مرید تھے۔بصرہ میں ۱۵۶ھ میں وفات پائی۔عطارؒ کے ''تذکرۃ الاولیاء'' میں حالات ہیں۔دیکھیں حاشیہ ''طبقات الصوفیہ'' صفحہ ۲۲۹۔

۲۶۔ یہاں سے درجہ نمبر ۸ کے اختتام تک ''مبدأ و معاد'' کا ابتدائی مضمون ہے۔

۲۷۔ شیخ عمر شہاب الدینؒ سہروردی اپنے چچا ابونجیب سہروردیؒ کے خلیفہ تھے۔بغداد میں ۵۳۹ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۶۳۲ھ میں وصال ہوا۔آپ کی کتاب ''عوارف المعارف'' تصوف کی امہات الکتب میں شمار ہوتی ہے۔حضرت شیخ سعدیؒ اور حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ آپ کے مشہور خلفاء میں سے ہیں۔

۲۸۔ درجہ نمبر ۱ سے درجہ نمبر ۸ ''مبدأ و معاد'' کا ابتدائی حصہ ہے۔مکتوبات (۲۵۶/۱) بھی دیکھیں۔

۲۹۔ قلوب خمسہ کی تفصیل بھی ''مبدأ و معاد'' (۱۲ منہا) میں ملتی ہے۔

۳۰۔ مبدأ و معاد (۱۲ منہا)۔

۳۱۔ تفصیل کے لئے دیکھیں مکتوبات۔۲۶۰/۱۔۳۰۲ وغیرہ۔۲/۳ بھی دیکھیں۔

۳۲۔ دیکھیں مکتوبات ۳/۷۷۔۱۲۴ وغیرہ۔۲/۷۲ بھی دیکھیں۔

۳۳۔ مبدأ و معاد (۹ منہا) دیکھیں مکتوبات ۲/۴۔

۳۴۔ مکتوبات۔۲/۴۔

۳۵۔ مکتوبات۔۵۱/۲

۳۶۔ مکتوبات۔۳۰۱/۱ دیکھیں۔

۳۷۔ مکتوبات ۲/۲۶۔۴۲ دیکھیں۔''مبدأ و معاد'' (۹ منہا) بھی دیکھیں۔

۳۸۔۳۹۔ مکتوبات ۲/۱۱۔۲/۹۳۔۳/۸۰۔''مبدأ و معاد'' کا ابتدائی حصہ اور مکتوبات ''۲۵۶/۱'' بھی دیکھیں۔

۴۰۔ لیکن اس موقع کے علاوہ آپ ہمیشہ ایصال ثواب کے لئے فاتحہ وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔

۴۱۔ دیکھیں مبدأ و معاد (۱۳ منہا)۔

۴۲۔ یہ رسالہ حضرت مجددؒ کے خلیفہ محمد صالح کولابیؒ (۱۰۳۸ھ) نے فارسی میں 'ہدایت الطالبین' کے نام سے لکھا تھا۔فارسی میں یہ رسالہ مولانا محمد ہاشم مجددیؒ کے پاس ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں تھا۔اس کا اردو ترجمہ اللہ والے کی قومی دکان لاہور نے عرصہ ہوا شائع کر دیا ہے۔

۴۳۔ ترتیل ٹھہر کر پڑھنے کو بھی کہتے ہیں اور تجوید (یعنی حروف کے مخارج اور صفات) کو ملحوظ رکھنے اور وقف کرنے کے طریقے کی رعایت رکھنے کو بھی کہتے ہیں۔

۴۴۔ یہ تین بھائی بہن ۱۰۲۵ھ میں اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادقؒ کے ساتھ ہی طاعون کے مرض میں فوت ہوئے تھے۔

۴۵۔ مکاشفہ نمبر ۷ جناب مولانا محبوب الٰہی کے فارسی متن میں نہیں ہے۔البتہ مولانا عرفان احمد انصاری کے ترجمہ میں ملتا ہے۔

۴۶۔ مکتوبات ۲/۵۵ دیکھیں۔

۴۷۔ مکتوبات ۱/۲۵۹ دیکھیں۔ سرہند کے جنوب و مشرق میں مقام براس میں چند انبیاء کی قبریں ہیں۔

۴۸۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منبر اور بیت کے لئے فرمایا: مابین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة۔

۴۹۔ ڈاکٹر سراج احمد خاں نے اپنی کتاب ''مکتوبات امام ربانیؒ کی دینی اور معاشرتی اہمیت'' کے باب چہارم میں ثابت کیا ہے کہ حضرت مجددؒ جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ (۴ جون ۱۶۱۹ء) کو قید ہوئے اور جمعہ ۱۱ رجب ۱۰۲۹ھ (۲ جون ۱۶۲۰ء) کو رہا ہوئے۔ دیکھیں مکتوبات ۳/ ۶۔ ۳۱۔ ۳۷۔ ۴۳۔ ۵۶۔ ۸۲۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۲۹ھ میں رہائی کے بعد ۱۰۳۳ھ کے اوائل تک لشکر سلطانی کے ساتھ رہے۔ اسی دوران میں اجمیر شریف بھی گئے۔ ''زبدۃ المقامات'' (۱۵۹) کے مصنف ایک سفر میں ساتھ تھے۔

۵۰۔ مکتوبات۔ ۱/۲۷۱

۵۱۔ مکتوبات۔ ۱/۲۵۹ میں تفصیل ملتی ہے۔

۵۲۔ یہ شعر سعدیؒ کا ہے جس کی ردیف ''او'' نہیں ''تو'' ہے۔

۵۳۔ مولانا محبوب الٰہی نے فارسی متن (صفحہ ۱۰۸) میں یہاں ''ہتک حرمت'' (شک حرمت کے بجائے) لکھا ہے اور ان کے متن کا ترجمہ پھر اس طرح ہوگا کہ ''اگر تم وہاں جانے میں اپنی بے حرمتی سمجھو گے تو ہم قیامت کے دن اس میت کو جس کے لئے ایصال ثواب کیا ہے اس قدر نور عطا کریں گے کہ اس سے تمام اہل حشر منور ہو جائیں گے۔ آپ متفکر ہوئے کہ یہ کونسی ہتک حرمت ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ پھر ظاہر کیا گیا کہ اس مجلس میں جانا ہی ہتک حرمت ہے......''

۵۴۔ مکتوبات۔ ۱/۳۱۱ دیکھیں۔

۵۵۔ سورۃ الجاثیہ۔ ۲۹

۵۶۔ سورۃ الزمر۔ ۴۲۔ اس آیت سے متعلق اوپر کا بیان فارسی متن میں مختلف مکاشفہ کے ذیل میں ملتا ہے، لیکن خیال ہے کہ یہ بیان اوپر کے بیان سے مربوط ہے۔

۵۷۔ وہ رباعی یہ ہے:

چشم ہمہ اشک گشت جسم بگریست — درعشق تو بے جسم ہمی باید زیست

ازمن اثرے نماند ایں گریہ زچیست — چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

۵۸۔ جناب عرفان احمد انصاری کے ترجمہ میں ملفوظ نمبر ۱۶ بھی ہے جو فارسی متن میں نہیں ہے:۔ نماز میں سنن و مندوبات و آداب کی رعایت، حضور قلبی کا کام کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام رعایتیں ذکر (میں شامل) ہیں۔ یاد کرو اس کا امر اور اس کی طرف توجہ خالصہ۔

۵۹۔ ''معارف لدنیہ'' میں (خسران مخالفین کے ذیل میں) بھی یہ مضمون ہے۔

۶۰۔ شیخ ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الحنفی المتکلم الماتریدی سمرقندیؒ سے ماتریدیہ جماعت کی بنا پڑی۔ یہ جماعت راسخ العقیدہ سُنی تھی اور معتزلہ وغیرہ آزاد خیال فرقوں کے مقابلے میں وجود میں آئی تھی۔ شیخ ابو منصور ۳۳۴ھ میں سمرقند میں فوت ہوئے۔

۶۱۔ مکتوبات ۳/۶۷ (نفی۔ انتفاء) (موہم و موجود)

(در: حضرات القدس (مقامات حضرت مجدد الف ثانی) مؤلفہ شیخ بدر الدین سرہندی۔ ترجمہ و حواشی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں۔ اسلام آباد ۱۹۸۴ء، ص ۵۔ ۹۔ ۵۰۔ ۹۶۔ ۱۲۷۔ ۱۳۷)

☆......☆......☆

Marfat.com

محمد حسن نقشبندیؒ

مقاماتِ امام ربانی مجدد الف ثانی

الحمدالله رب العٰلمین . الرحمن الرحیم . مالک یوم الدین . ایّاک نعبدو ایّاک نستعین والصّلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالمرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین و علیٰ اله و اصحابه اجمعینo

امابعد۔ کمترین محمد حسن ساکن کوٹلہ متصل ککیر تیور ضلع بجنور عرض کرتا ہے کہ ابتداء میں یہ ہیچکارہ آوارہ دنیائے دنی کی تلاش میں سرگرداں و پریشاں پھرا کرتا تھا۔ اگر دن کو کسی قسم کا خیال آتا تھا تو اس مغضوبہ کا اور اگر رات کو خواب آتا تو اس ملعونہ کا۔ غرض کہ چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد کا مصداق تھا کہ یکا یک بکشش آب و دانہ ملک پنجاب جانے کا اتفاق ہوا اور صرف بتائید غیبی کہ جس کا شکریہ ادا نہیں ہوسکتا طریقہ مجددیہ میں جناب معلے القاب قبلۃ الاولیاء وکعبۃ الاصفیا قیوم زمان غوث دوران محبوب رب العالمین خلیفہ سید المرسلین فیض رسان ہر شیخ وصبی حضرت مولانا غلام نبی صاحب احمدی للّٰہی سے داخل طریق ہوا۔ شعر

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا | کہ میری نطق نے بوسہ میری زباں کے لئے
واجب آمد چونکہ بر دم نام او | شرح کردن رمزے از انعام او

حضرت کے من وعن حالات انشاء اللہ تعالیٰ اگر توفیق رفیق ہوئی تو علیحدہ لکھوں گا مگر اس جگہ مجمل حاوی مفصل تبرکاً حوالہ کاغذا کرتا ہوں۔ وھو ھذا۔

حضرت کا دولت خانہ مقام للّٰہ شریف ضلع جہلم واقع ملک پنجاب میں ہے۔ سن شریف اس وقت ماشا اللہ ساٹھ سے متجاوز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سب مسلمانوں پر سلامت باکرامت رکھے۔ آمین یارب العالمین۔ علم ظاہری میں حضرت نے خیالی تک اپنے والد بزرگوار سے پڑھا۔ بعد ازاں پشاور تشریف لے جاکر تین برس میں تکمیل معقول و منقول کماحقہ فرمائی۔ تحصیل علم سے فارغ ہوکر وطن مراجعت فرمائی اور زینت بخش مسند درس و تدریس ہوئے کہ یکا یک جذب الٰہی شامل حال ہوا اور بے اختیار کسی بزرگ سے بیعت ہونے کا شوق پیدا ہوا اور اسی شوق میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ دو ہی دن گزرے تھے کہ شاہ پور میں بشرف صحبت حضرت جامع النورین مجمع البحرین مخزن علوم رحمانی مظہر فیوض یزدانی امام المتقین حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری خلیفہ شاہ غلام علی صاحب دہلوی جعلہم اللہ تعالیٰ علی اعلیٰ علیین مشرف ہوئے۔ جناب مولانا نے حضرت کو ایک ماہ اپنے پاس رکھا تاکہ ولایت کبریٰ توجہ فرمائی اور خلوت میں

Marfat.com

طلب کر کے فرمایا کہ آج حضرت شاہ صاحب دہلوی ملے تھے ان سے عرض کی تھی کہ فلاں شخص کو (یعنی حضرت صاحب کو) تا ولایت کبریٰ توجہ کی ہے۔ جناب شاہ صاحب نے فرمایا کہ کلاہ اجازت دینی چاہئے، چنانچہ یہ کہہ کر حضرت کو کلاہ اجازت عطا فرمائی اور طریق توجہ دہی تعلیم کر کے رخصت فرمایا۔ حضرت دولت خانہ پر تشریف لا کر جو بعض بعض کو توجہ فرمائی تو نہایت اثر ظاہر ہوا۔ اس کی کچھ مدت کے بعد پھر حضرت مولانا کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ اس مرتبہ جناب مولانا نے تا بکمالات نبوت توجہ فرمائی۔ حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ مجھ کو اس مقام میں قرآن شریف کا ایسا شوق اور لذت پیدا ہوگئی کہ چھ مہینہ میں حفظ کر کے رمضان المبارک میں محراب سنا دی۔ اس کے بعد پھر حضرت اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں ان کے مکان پر بمقام قصور شریف تشریف لے گئے اور وہاں چھ مہینہ تک رہنے کا اتفاق ہوا۔ اس دفعہ جناب مولانا نے حضرت کو باقی جملہ مقامات مجددیہ کمالات ثلاثہ وحقائق امکانی دوجوبی طے کرا کے دستار خلافت مطلقہ عطا فرمائی اور بشارت حصول نسبت خاصہ محمدیہ و ولایت محمدی علی اربابہا الصلوٰۃ والسلام وبعض دیگر بشارات کہ جن کی تصریح مصلحت نہیں معلوم ہوتی، پیشگاہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوا کر رخصت کیا۔ دولت خانہ پر تشریف لا کر حضرت مصروف ہدایت خلق اللہ ہوئے اور صدہا کو ضلالت سے راہ مستقیم پر لائے۔ چند مدت میں پھر شوق دیدار پیر بزرگوار ہوا اور حضرت قصور شریف میں حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا بکمال عنایت پیش آئے اور اکثر طالبین کو توجہ کے واسطے حضرت کے سپرد کیا کرتے کہ یکایک جناب مولانا نے اس جہان فانی سے بتاریخ ۲۲ ذیقعدہ ۱۲۷۰ ہجری بوقت دوپہر انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جناب مولانا کے انتقال کے بعد عید الاضحیٰ کو جب حضرت عیدگاہ میں نماز کو تشریف لے گئے تو دیکھنے والے کہتے تھے کہ حضرت کی بعینہٖ جناب مولانا کی شکل ہوگئی ہے۔ ازاں بعد حضرت دولت خانہ پر تشریف لائے اور رونق بخش مسند ارشاد ہوئے۔ صدہا ہزار ہا کو نسبت مجددیہ سے سیراب و مالا مال کر دیا۔ بعد داخل طریق ہونے کے راقم سیہ کار کا بہ برکت صحبت جناب حضرت صاحب قبلہ نوکری کی طرف سے دل سرد ہو گیا اور چند مدت کیمیا خاصیت میں حاضر رہنے کا اتفاق ہوا۔ کتب خانہ عالیہ میں چند کتب مثل ''زبدۃ المقامات'' و ''حضرات القدس'' و ''روضۃ القیومیہ'' و ''رسالہ معشوقیہ'' حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے حالات میں مطالعہ سے گزریں۔ ان کو دیکھ کر بے اختیار دل میں آرزو ہوئی کہ کوئی کتاب اردو میں حضرت کے حالات کی تحریر کروں لہٰذا یہ چند اوراق نامربوط سیاہ کئے۔ شعر

چشم دارم کہ دہے اشک مرا حسن قبول
ایکہ درساختہ قطرۂ بارانے را

مقام اول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ذکر پیدائش وتحصیل علم ظاہری واپنے والد بزرگوار سے نسبت ہائے چشتیہ قادریہ حاصل کرنے کے بیان میں

ولادت باسعادت اس تاج الاولیاء سلطان اصفیا غوث المحققین قطب المدققین واقف اسرار متشابہات قرآنی ماہر رموز مقطعات فرقانی محبوب الصمدانی قیوم ربانی مجدد الف ثانی بتاریخ ۱۴ شوال روز جمعہ بوقت نصف شب ۹۷۱ ہجری

Marfat.com

میں بمقام سرہند شریف پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت شیخ عبدالاحد چشتی قدوسی نے بموجب الہام و بشارت حضرت رسالت ابوالبرکات کنیت ولقب شریف بدرالدین اور اسم مبارک شیخ احمد رکھا۔ آپ کا نسب انسب حضرت امیرالمومنین عمر بن الخطابؓ سے ملتا ہے۔ ''روضۃ القیومیہ'' میں لکھا ہے کہ آپ کی والایت کے قبل آپ کے والد نے مراقبہ میں دیکھا تھا کہ تمام جہان پُر از ظلمت ہوگیا اور خوک اور بندر اور ریچھ جہاں میں لوگوں کو ہلاک کرتے ہیں کہ اسی اثناء میں میرے سینہ سے ایک نور نکلا ہے کہ اس سے تمام عالم نورانی ہوگیا ہے اور ایک بجلی اس نور میں سے نکلی ہے کہ اس نے تمام خوک وخرس جلا دیئے اور اسی نور میں سے ایک تخت ظاہر ہوا ہے کہ اس پر ایک شخص نورانی تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور ہزاروں آدمی نورانی بلکہ فرشتہ ہائے آسمانی اس کے سامنے باادب تمام کھڑے ہیں اور سارے جہاں کے ظلم و زندیق وملحدوں کو پکڑ کر اس کے سامنے لاکر مثل بکریوں کے ذبح کرتے ہیں اور کوئی شخص بآواز بلند کہتا ہے۔ قل جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا ۔ حضرت کے والد نے صبح اٹھ کر اس خواب کی تعبیر حضرت شاہ کمال کیتھلی کہ فرد زمانہ تھے، دریافت کی۔ حضرت شاہ نے بعد توجہ باطنی کے فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم سے فرزند پیدا ہو جس سے تمام ظلمت و بدعت دور ہو اور سنت محمدی علی اربابہا الصلوٰۃ والسلام قائم ہو۔ فوقع کمال قال ۔ حضرت مثل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختون پیدا ہوئے اور لڑکپن میں ہرگز برہنہ نہ ہوتے تھے اور اگر اتفاقاً ہو جاتے تھے تو جلدی سے ڈھک لیتے تھے اور بچوں کی طرح آلودۂ نجاسات نہ رہتے تھے اور ہر دم فرحان وخنداں رہتے تھے۔ اگر دودھ کے پلانے میں تساہل ہو جاتا تو دودھ کے واسطے آپ کبھی نہ روتے تھے۔ غرضیکہ جملہ آثار وعلامات ہونہار ہونے کی ظاہر تھیں۔ نقل ہے کہ ایام رضاعت میں ایک دفعہ آپ ایسے سخت بیمار ہوگئے کہ کسی کو توقع حیات نہ رہی۔ اتفاقاً حضرت شاہ کمال کیتھلی کا وہاں گزر ہوا۔ حضرت کے والد آپ کو دم پھوک کرانے کے واسطے حضرت شاہ صاحب کے پاس لے گئے۔ حضرت شاہ ولایت پناہ نے آپ کو گود میں لے کر اپنی زبان دہن مبارک میں دی اور حضرت اس کو دیر تک چوستے رہے۔ آخر کار شاہ حضرت نے سب کی تسلی کی کہ گھبراؤ نہیں آرام ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کو اس سے بہت کام ہیں اور حضرت کو اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ چنانچہ اسی وقت صحت کلّی حاصل ہوئی۔ ہر چند کہ یہ معاملہ ایام رضاعت کا تھا لیکن حضرت کو بخوبی یاد تھا۔ جب آپ سن تعلیم کو پہنچے تو آپ کے والد بزرگوار نے مکتب میں داخل کیا چنانچہ وہاں آپ نے چند مدت میں قرآن شریف حفظ کرلیا۔ اس کے بعد آپ نے کچھ اپنے والد بزرگوار سے کہ عالم متبحر تھے، پڑھا اور پھر سیالکوٹ تشریف لے جاکر مولانا کمال کشمیری سے کہ جامع علوم ظاہری وباطنی تھے، بعض کتب معقولہ بکمال تحقیق و تدقیق پڑھیں اور بعض کتب احادیث کی شیخ یعقوب کشمیری سے کہ خلفاء کبرویہ سے تھے اور حرمین شریفین میں بڑے بڑے محدثین سے تصحیح حدیث کی تھی، سند لی بلکہ اخذ طریقہ کبرویہ بھی انہیں سے کیا۔ علاوہ ازیں بعد جلوس بمسند ارشاد سند تفسیر قاضی بیضاوی وصحیح امام بخاری ومشکوٰۃ وتبریزی وشمائل ترمذی وجامع صغیر سیوطی وقصیدہ بردہ شیخ سعید بوجری وغیرہ و حدیث مسلسلہ الراحمون یرحمهم الرحمن الرحمو امن فی الارض یرحکم من فی السماء اپنے مرید ومخلص خاص قاضی بہلول بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے لی ہے۔ بعد تحصیل علوم ظاہری کہ اس وقت حضرت کی عمر سترہ برس کی ہوگی۔ مسند آرائے درس وتدریس ہوئے اور نہایت سعی وکوشش سے پڑھایا کرتے تو کوئی جگہ مغلق و دقیق نظر سے گزرتی تو اس پر حاشیہ تحریر فرما دیتے۔ اسی اثناء میں آپ اکبرآباد عرف آگرہ کہ اس زمانہ میں دارالخلافہ تھا اور بایں

Marfat.com

وجہ بڑے بڑے عالم رہتے تھے، تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کے علم کا چرچا ہوا۔ چنانچہ اکثر لوگ مشتاق ہوکر حضرت کی ملاقات کو آئے۔ فیضی و ابوالفضل بھی شہرت سن کر نہایت شوق مند ہوئے اور چاہا کہ حضرت ان کے مکان پر تشریف لے جائیں لیکن یہ امر آپ نے منظور نہ رکھا۔ آخر کار وہ خود حاضر ہوئے اور نہایت اخلاص و خصوصیت سے پیش آئے اور بتقریب دعوت حضرت کو اپنے مکان پر لے گئے اور کمال مہمان نوازی سے تین روز تک اپنے مکان پر رکھا۔ اس کے بعد اکثر آپس میں ملاقات ہوتی تھی اور حضرت بھی گاہ گاہ ان کے مکان پر قدم رنجہ فرماتے۔

نقل ہے کہ ایک بار آپ ابوالفضل کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ تفسیر بے نقطہ لکھتا تھا مگر ایک مقام میں آکر ایسا پھنس گیا تھا کہ نکلنا دشوار ہوگیا تھا کہ ناگاہ حضرت تشریف لے گئے۔ آپ کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا اور کہا کہ اس وقت آپ خوب آئے۔ ایک ایسی جگہ تفسیر میں آئی کہ اس کو بے نقطہ عبارت میں بیان کرنا متعسر ہے۔ ہر چند غور و فکر کیا لیکن خیال میں نہیں آتا تھا۔ باوجودیکہ حضرت کو بے نقط عبارت کے لکھنے کی مشق نہ تھی لیکن اس وقت فی البدیہہ ایسا قلم برداشتہ اس مقام کو لکھا کہ فیضی و ابوالفضل حیران رہ گئے۔

نقل ہے کہ ایک روز ابوالفضل نے فلاسفہ اور فلسفہ کی ایسی تعریف کرنی شروع کی جس سے علماء اسلام کی توہین پائی جاتی تھی۔ حضرت نے جوش اسلام میں آکر فرمایا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جن علوم کا فلاسفہ اپنے تئیں واضع بتلاتے ہیں وہ دراصل علوم انبیاء سے مسروقہ ہیں اور جو علوم انہوں نے مثل ریاضی وغیرہ ایجاد کئے ہیں وہ دین میں مفید نہیں۔ اس بات سے ابوالفضل سخت متغیر ہوا اور کہنے لگا کہ غزالی نے نامعقول کہا ہے۔ حضرت اس بات سے بہت خفا ہوئے اور اٹھ کھڑے ہوئے اور بغضب فرمایا کہ اگر اہل علم کا شوق ہے تو ایسی باتیں منہ سے مت نکالا کر اور اسی وقت وہاں مراجعت فرمائی۔ پھر چند روز تشریف نہ لے گئے۔ جب وہ تین دن کے بعد اس نے کمال معذرت کی، تب پھر جانا شروع کیا۔

نقل ہے کہ عید فطر کے دن حضرت ابوالفضل کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس سال عید کا چاند ۲۹ کا ہوا تھا لیکن بباعث کدورت آسمان سوائے سلطان کے اور کسی نے نہیں دیکھا تھا مگر سلطان کی رؤیت پر سب نے عید کر لی تھی الا حضرت نے عید نہیں کی تھی۔ ابوالفضل نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ چہرہ مبارک پر آثار صوم پائے جاتے ہیں۔ کیا روزہ ہے؟ حضرت نے جواب دیا کہ ہاں میرا تو روزہ ہے۔ ابوالفضل نے کہا کہ تمام جہان میں عید اور آپ کا روزہ! اس کا کیا سبب؟ حضرت نے فرمایا کہ غلظت اس قدر نہ تھی کہ سوا بادشاہ کے اور کسی کو چاند دکھائی نہ دے۔ اس معاملہ میں دو تین آدمیوں کی گواہی کا بھی اعتبار نہیں جب تک جم غفیر آکر شہادت نہ دیں اور معہذا گواہی سلطان تو بالکل ناقابل اعتبار ہے کہ دین سے منحرف ہے۔ ابالفضل نے کہا کہ یہ شقیں جانے دو اور روزہ افطار کرو۔ یہ کہہ کر پانی منگوایا اور چونکہ دعوے اخلاص تھا، خود کٹورہ لے کر دہن مبارک سے لگا دیا۔ حضرت نے کٹورہ پر ایسا ہاتھ مارا کہ تمام پانی اس کے کپڑوں پر گر پڑا۔ یہ بات غالباً اس کو ناگوار گزری مگر کچھ اظہار نہ کیا کہ اتنے میں ایک جمع کثیر نے آکر رؤیت ہلال کی شہادت دی۔ یہ سن کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور خود پانی لے کر روزہ افطار کیا اور بھی آپ گاہ گاہ تشریف ان کے مکان پر لے جایا کرتے تھے۔ مگر آخر کار حضرت ان کی بے دینی سے آزردہ ہوگئے اور جانا چھوڑ دیا بلکہ ترک سلام علیک کر دی۔ کچھ مدت کے بعد حضرت کے والد ماجد اکبرآباد تشریف لے گئے اور اپنے ہمراہ لے آئے۔ راستہ میں جب تھانیسر پر پہنچے

Marfat.com

وہاں کے رئیس اعظم شیخ سلطان نے کہ مقربان شاہی سے تھا، خواب میں دیکھا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنی لڑکی کی شادی شیخ احمد سے کردے اور خواب میں حضرت کی شکل بھی دکھائی۔ صبح اٹھ کر اس نے اس شکل وشمائل کا آدمی جو کہ رات کو خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا تھا، تلاش کرنا شروع کیا۔ حسن اتفاق سے حضرت بھی اس جگہ موجود تھے۔ پہچان کر رات کا خواب حضرت سے بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس معاملہ میں میرا اختیار نہیں ہے حضرت والد سے کہو چنانچہ شیخ نے حضرت مخدوم سے عرض کی۔ انہوں نے بکمال فرحت قبول فرمایا اور انہیں دنوں میں آپ کا خطبہ نکاح شیخ سلطان تھانیسرئی کی لڑکی سے پڑھا گیا۔ بعد نکاح حضرت کو نہایت ثروت حاصل ہوئی اور یہ سنت نبوی کے مطابق ہوا کہ بعد تزویج حضرت خدیجہ الکبریٰ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال ثروت حاصل ہوئی تھی۔ بعد فراغت سفر اکبر آباد و مناکحت حضرت اپنے والد بزرگوار کی صحبت کے ملتزم ہوئے اور نسبت خاندان چشتیہ و قادریہ حاصل کی۔ حضرت مخدوم نے وقت وصال آپ کو بلا کر خرقہ خلافت چشتیہ جو کہ ان کو شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے وقادریہ شاہ کمال کیتھلیؒ سے ملا تھا، عطا فرما کر قائم مقام و جانشین اپنا مقرر کیا چنانچہ خود حضرت اپنے رسالہ ''مبداء معاد'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''ایں فقیر راپانہ نسبت فرویت از پدر بزرگوار خود حاصل شدہ بود و پدر بزرگ وار را از عزیزے کہ جذب قومی داشتند و بخوارق مشہور بوند بدست آمدہ۔'' اس جگہ صاحب جذب قوی سے شیخ کمال کیتھلی مراد ہیں اور پھر اسی جگہ لکھا ہے کہ ''ایں درویش را توفیق عبادات نافلہ خصوصاً ادائے صلوۃ نافلہ مددے از پدرو ے است و پدر بزرگوار را ایں سعادت از شیخ خود کہ در سلسلہ چشتیہ بودند حاصل شدہ بود۔'' شیخ خود سے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ مراد ہیں۔

انہیں دنوں کا ذکر ہے کہ حضرت ایسے سخت علیل ہوئے کہ زندگی کی امید نہ رہی اور جب کسی دعا ودوا سے شفا نظر نہ آئی تو حضرت کے گھر میں باوضو ہو کر آپ کی صحت کے واسطے دعا کرنے لگیں کہ اتنے میں آواز آئی کہ تم کسی طرح کا فکر نہ کرو۔ ان کو صحت ہوگی اور ابھی اللہ تعالیٰ کو ان سے بہت کام لینے ہیں چنانچہ بفضل تعالیٰ جلد تندرستی ہوگئی۔ حضرت کو شوق زیارت بیت اللہ وروضہ مطہرہ رسول ﷺ از حد تھا لیکن بوجہ رعایت خدمت والد بزرگوار تامل رہتا تھا۔ جب ایک ہزار سات ہجری میں آپ کے والد ماجد کا اس جہان سے انتقال ہوگیا تو حضرت نہایت مشتاق زیارت حرمین شریفین ہو کر مکان سے کعبۃ اللہ تشریف لے گئے۔

مقام دوم حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے نسبت نقشبندیہ حاصل کرنے میں

کعبۃ اللہ کو جاتے ہوئے حضرت دہلی پہنچے تو مولانا حسن کشمیری سے کہ دوستان قدیم سے تھے، ملاقات کی۔ انہوں نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مناقب ومآثر بیان کئے چونکہ حضرت کو نسبت علیہ نقشبندیہ کا کمال شوق تھا، بے اختیار ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ بکمال شفقت وعنایت پیش آئے اور استفسار عزم کیا۔ حضرت نے ارادہ سے آگاہ کیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اگر ایک مہینہ ایک ہفتہ اس جگہ قیام کرو تو کیا مضائقہ ہے۔ حضرت

نے قبول فرمایا اور ٹھہر گئے۔ ابھی تین چار روز نہ گزرے ہوں گے کہ حضرت کے دل میں داخل طریق ہونے کا شوق پیدا کیا بلکہ غالب ہوا اور اس امر کا اظہار حضرت خواجہ سے کہا۔ ہر چند کہ حضرت خواجہ نہایت دیر آشنا تھے اور بلا استخارہ ولیت دلعل تلقین طریقہ نہ فرمایا کرتے مگر حضرت کو بلا تامل ایک خلوت میں طلب کر کے توجہ فرمانے لگے چنانچہ اسی وقت حضرت کا دل ذاکر ہو گیا اور آرام و جمعیت والتذاذ بخوبی پیدا ہو گیا اور اس کے بعد پھر دن دونی اور رات چوگنی ترقی شروع ہوگئی اور ایسے عروجات عالیہ وارادت مستعالیہ ہوئیں کہ عقل وفکر سے باہر چنانچہ تحریص طالبوں کے واسطے ایک جگہ انہیں ایام کے حالات اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

''ایں درویش راچوں ہوس ایں راہ پیدا شد عنایت خداوندی جل شانہ ہادی کار اوگشتہ بخدمت ولایت پناہ حقیقت آگاہ ہادی طریق اندراج النہایت فی البدایت والی السبیل الموصل الے درجات الولایت موید الدین الرضی شیخنا واما منا محمد الباقی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کہ یکے از خلفاء کبار خانوادہ حضرات اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم بودہ اندر سانید وایشاں ایں درویش راذکر اسم ذات جل سلطانہ تعلیم فرمودند و بطریق معہود توجہ نمودند تا التذاذ تمام درمن پیدا شد واز کمال شوق گریہ دست داد بعد از یکروز کیفیت بے خودی کہ نزد ایں اکابر معتبر است و مسمی است بغیبۃ رونمود و دراں بے خودی یک دریائے محیط دیدم و صور و اشکال عالم اور ادر رنگ سایہ وراں دریا می یافتم وایں بیخودی رفتہ رفتہ استیلاء پیدا کردہ بہ امتداد کشید گاہے تا یک پہر روزے کشید وگاہے تا دو پہر بیخود در بعضے اوقات استیعاب شب مینمود وچوں ایں قصہ را بحضرت ایشاں رسانیدم فرمودند نحوے از فنا حاصل شدہ است واز ذکر گفتن منع فرمودند و بنگاہداشت آں آگاہی امر نمودند بعد از دو روز مرا فنائے مصطلح حاصل شد بعرض رسانیدم فرمودند بکار خود مشغول باش بعد ازاں فناء فناء حاصل شد چوں بعرض رسانیدم فرمودند تمام عالم را یکے مے بینی ومتصل واحدے یابی عرض کردم کہ بلے فرمودند کہ معتبر در فناء فناء آنست کہ باوجود دید آں اتصال بے شعوری حاصل شود درہماں شب فناء فنا باآں صفت حاصل شد بعرض رسانیدم وحالیتکہ بعد از فنا حاصل شد نیز بعرض رسانیدم و گفتم کہ من علم خود را نسبت بحق سبحانہ حضوری مے یابم واہ صافیکہ بمن منسوب بودہ بحق سبحانہ منسوب مے یابم بعد ازاں نوریکہ محیط ہمہ اشیا است ظاہر گشت ومن آنراحق دانستم جل وعلا وآں نور رنگ سیاہ داشت بعرض رسانیدم فرمودند کہ حق مشہود است جل سلطانہ امادر پردۂ نور و نیز فرمودند کہ ایں انبساط کہ دراں نورے نمائد در علم است بواسطہ تعلق ذات جلشانہ باشیاء معدودہ کہ در بالا و پست واقع شدہ اند منبسط مینماید نفی انبساط باید کرد بعد ازاں آں نور سیاہ منبسط روبانقباض آورد وتنگ شدن گرفت تا آں کہ بنقطہ کشید فرمودند کہ آں نقطہ راہم نفی باید کرد وبحیرت آمد ہمچناں کردم آں نقطہ موہوم از میان زائل شد و بحیرت انجامید کہ دراں موطن مشہود حقسبحانہ خود بخود است چوں بعرض رسانیدم فرمودند کہ ہمیں حضور حضور نقشبندیہ است ونسبت نقشبندیہ عبارت ازیں حضور است وایں حضور را حضور بے غیبت نیز میگویند و اندراج نہایت در بدایت دریں

Marfat.com

موطن صورت مے بندد وحصول ایں نسبت مر طالب را دریں طریق دررنگ اخذ کردن طالب است در سلاسل دیگر اذکار واوراد از پیر تابراں عمل نماید وپے بمقصود برد۔ ع، قیاس کن زگلستان من بہار مرا وایں درویش را ایں نسبت عزیز الوجود بعد از دو ماہ چند روز از ابتداء زمان تعلیم ذکر حاصل شدہ بود۔''

الغرض کہ جو حالات دن کو سالہا سال میں پیش آتے ہیں، حضرت کو آناً فاناً میں یسر محبوبی ومرادی حاصل ہوئی۔ بارہا حضرت کی نسبت حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ محبوب ومراد ہیں۔

نقل ہے کہ انہیں دنوں میں حضرت خواجہ نے کسی اپنے دوست کو خط لکھا ہے، اس میں حضرت کا اس طرح ذکر لکھا ہے کہ ''شیخ احمد نام مردیست از سرہند کثیر العلم وقوی العمل روزے چند فقیر باونشست خاست کرد عجائب بسیار از روزگار اوقات ومشاہدات نمود بآں ماند کہ چراغی شود کہ عالمہا از روشن گردد الحمد اللہ تعالیٰ احوال کاملہ او مرا بیقین پیوستہ''

اور حضرت بھی فرماتے تھے کہ جس روز سے میں حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اسی روز سے یقین کامل ہو گیا تھا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھ کو تا نہایت اس راہ کے پہنچائے گا اور یہ شعر اکثر ورد زبان تھا۔

ازاں نورے کہ از تو بردلم تافت
یقین دانم کہ آخر خواہمت یافت

حضرت خواجہ قدس سرہ نے حضرت کی علو استعداد دیکھ کر ایک روز خلوت میں طلب کیا اور اپنے وقائع جو کہ قبل ازیں حضرت کے بارہ میں دیکھی تھی، بیان فرمانے شروع کئے چنانچہ فرمایا کہ جب حضرت خواجہ ایلنگی نے مجھ کو واسطے رواج طریقہ کے ہندوستان کی جانب آنے کا حکم فرمایا تو میں نے اپنے تئیں اس کام کے لائق نہ سمجھ کر عذر کیا۔ خواجہ املنکی نے استخارہ کے واسطے فرمایا چنانچہ میں نے استخارہ کیا۔ کیا دیکھتا ہوں گویا ایک طوطی سبز شاخ پر بیٹھی ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا اگر یہ طوطی میرے ہاتھ پر آ کر بیٹھ جائے تو مجھ کو اس سفر میں کشائش ہوگی۔ بمجرد اس خطرہ کے وہ طوطی اڑ کر میرے ہاتھ پر آ بیٹھی۔ میں نے اپنے لعاب دہن اس کی چونچ میں ڈالا اور اس نے میرے منہ میں شکر ڈالی۔ صبح کو میں نے یہ واقعہ حضرت خواجہ ایلنگی سے بیان کیا۔ حضرت خواجہ ایلنگی نے فرمایا کہ طوطی ہندوستانی جانوروں میں سے ہے۔ وہاں تم سے کوئی شخص ظاہر ہوگا کہ اس سے تمام جہان منور ہوگا اور تم کو بھی اس سے فائدہ ہوگا۔ پھر جب میں وہاں سے چلا اور ہندوستان میں سرہند پہنچا تو واقعہ میں آگاہ کیا کہ تو قطب کے جوار میں ہے چنانچہ حلیہ بھی دیکھا یا صبح اٹھ کر میں نے ہر چند کہ وہاں کے گوشہ نشینوں اور درویشوں کی زیارت کی لیکن وہ حلیہ اور وہ استعداد کسی میں نہ پائی۔ میں نے خیال کیا کہ شاید یہاں کے باشندوں میں کسی میں یہ استعداد ہو کہ بعد ازاں ظاہر ہوگی۔ چنانچہ جس وقت تم کو دیکھا بعینہٖ وہی حلیہ پایا و نیز نشان قابلیت بھی معلوم ہوا۔ غرض کہ تھوڑی مدت میں حضرت خواجہ نے حضرت کو بشارت حصول دولت کمال وتکمیل عطا فرما کر وطن کو رخصت فرمایا۔ کچھ مدت تک حضرت وطن میں رہے۔ بعد ازاں پھر مشتاق ہو کر حاضر حضرت خواجہ ہوئے چنانچہ حضرت خواجہ بکمال نواز پیش آئے اب کی مرتبہ اجازت ارشاد وافادہ طلاب بھی عطا فرمائے۔ و نیز منتخب اصحاب بھی حضرت کو کامل مکمل سمجھ کر حضرت خواجہ نے سپرد کئے لیکن اس وقت حضرت کو اپنے کمال وتکمیل

میں تردد تھا۔ حضرت خواجہ نے یہ امر اپنی کرامت سے دریافت کر کے فرمایا کہ تردد نہ کرنا چاہئے کہ اس سے کمالیت شیخ میں تردد لازم ہے اور خلعت خلافت عطا فرما کر رخصت کیا۔ حضرت جب سرہند شریف میں پہنچے تو ترتیب و تہذیب طالبان میں مشغول ہوئے اور اثر عظیم ظاہر ہوا کہ سالہا سال کا کام گھڑی و ساعت میں ہو جاتا اور لوگ مثل مور و ملخ آ کر گرد ہو گئے کہ اسی اثنا میں پھر حضرت کو اپنے نقص کا علم ظاہر ہوا اور مریدوں و مسترشدوں کو جمع کر کے اپنا نقص ظاہر کیا اور فاتحہ رخصت پڑھا مگر سعادت مندوں نے یہ امر حضرت کی تواضع پر محمول کیا اور حاضر حضور رہے۔ چند روز کے بعد حضرت کی یہی مقصد براری ہوگئی اور جن مقامات کے آپ خواہش مند تھے وہ حاصل ہو گئے اور حضرت پھر سرگرم افادہ طالبان ہوئے۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد حضرت کے پاس حضرت خواجہ کا خط متضمن کلمات مشتاقانہ وعبارات دلربایانہ پہنچا۔ حضرت اس کو پڑھ کر بے اختیار ہو گئے اور دہلی تشریف لے گئے۔ جب حضرت خواجہ نے حضرت کی تشریف آوری کی خبر سنی فی الفور معہ مریداں و خادماں تا دروازہ کابلی واقع شہر دہلی پاپیادہ استقبال کو گئے اور شہر میں لا کر اعزاز و اکرام فرمایا چنانچہ حضرت کو اپنے سامنے سر حلقہ بنا کر اپنے اصحاب و مریدوں کو تاکید کی کہ خبردار ان کے سامنے کوئی میری تعظیم نہ کرے اور نہ کوئی ان کی موجودگی میں اس طرف متوجہ ہو بلکہ سب انہیں کی جانب متوجہ رہا کرو اور میر نعمان کو جو تعمیل حکم میں کچھ تامل ہوا تو فرمایا کہ میاں شیخ احمد آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ستارہ ان کی روشنی میں گم ہیں اور خود بھی مثل دیگر مریدوں کے حلقہ میں تشریف لا کر داخل حلقہ ہوا کرتے اور جب حلقہ و مجلس سے اٹھ کر باہر تشریف لے جاتے تو حضرت کی جانب پشت نہ کرتے بلکہ چند قدم برجعت قہقری تشریف لے جاتے۔

نقل ہے۔ ایک مرتبہ حضرت اپنے حجرہ میں پہنچنے پر آرام فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ درویشانہ طور پر حجرہ میں آئے۔ خادم نے چاہا کہ حضرت کو بیدار کرے لیکن حضرت خواجہ نے منع کیا اور خود باہر آ کر بہ نیاز تمام بانتظار بیداری بیٹھ گئے۔ ایک لحہ نہ گزرا تھا کہ حضرت بیدار ہوئے اور پوچھا کہ دروازہ کے باہر کون ہے۔ حضرت خواجہ نے بادب تمام کہا کہ محمد باقی۔ یہ سن کر حضرت بے قرار ہو کر باہر آئے اور بافتقار و بہ انکسار تمام خدمت میں بیٹھ گئے اور اسی طرح تحریر میں بھی نیاز مندی کیا کرتے تھے چنانچہ اس جگہ حضرت خواجہ کے دو خطوں کی نقل جو کہ حضرت کے نام بھیجے تھے، درج کرتا ہوں۔

مکتوب اوّل:

حق سبحانہ تعالیٰ باعلیٰ کمال برساناد۔ والارض من کاس الکرام نصیب تکلفے نیست آنچہ حقیقت حالست نوشتہ مے شود پیرا انصاری قدس سرہ میفر مود من مرید خرقانی ام لیکن اگر خرقانی در نیوقت میبود۔ باوجود پیریش مریدی من میکرد۔ ہرگاہ صفت آں بے صفتاں ایں باشد گرفتاران آثار صفات چرا جان فدائے لوازم طلبگاری نکنشد واز ہر کجا بوئے بمشام ایشاں برسد درپے آں نروند اکنوں تامل واہمال ما نہ از استغنائے وبے نیاز یست موقوف باشارت است ۔

گر طمع خواہد زمن سلطان دین
خاک برفرق قناعت بعد ازیں

بارے حال ونسخہ ارادۂ ما ایں است خدائے عزوجل برانچہ میباید معتہد گرواناد واز عجب پندار مخلصی بخشاد۔

Marfat.com

مکتوب دوم:

اللہ تعالیٰ فقرا و مساکین در ماندہ را از برکات برگزیدگاں بدرمانے برسانا ومدنیست کہ عرض نیاز مندی بدرگاہ ولایت نکردہ ام آرے ایں کلمہ را قاصد صادق حامل میتو اند شد الحمد اللہ ایں قسم خود صورت مے بند و دیگر چہ نویسم سخن درویشاں بحضرت شما نوشتن بغایت بےشرمیست وحکایت اوضاع صوریہ بس بیجا الغرض ما را حد خود باید دانست واز فضول احتراز باید کرد۔

مگر باوجود ایں ہمہ کثرت عنایت وشفقت حضرت کا بھی یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ خواجہ حسام الدین نے آپ سے آ کر کہا کہ حضرت خواجہ آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ حضرت یہ سن کر کانپنے لگے اور رنگ چہرہ مبارک کا فق ہوگیا۔ خواجہ حسام الدین دیکھ کر حیران ہوگئے اور کہنے لگے ''سبحان اللہ نزدیکاں را بیش بود حیرانی۔'' ایک روز حضرت خواجہ نے حضرت سے کہا کہ ضعف غالب ہوگیا ہے اور امید حیات تھوڑی ہے۔ لڑکوں کے حال سے آگاہ رہنا اور اسی وقت صاحبزادوں کو کہ ہنوز شیر خوار تھے، طلب کیا اور حضرت سے توجہ کرنے کے واسطے فرمایا لیکن حضرت نے تواضع کی مگر جب حضرت خواجہ نے اصرار کیا تو حضرت نے روبرو پیر دستگیر توجہ کی اور اس کا اثر بھی ظاہر ہوا چنانچہ بعد ارتحال حضرت خواجہ جب صاحبزادہ سن شعور کو پہنچے تو سرہند شریف کو روانہ ہوئے۔ جب حضرت نے خبر آمد سنی تو کہلا بھیجا کہ اگر اپنے والد کی وصیت بموجب آتے ہیں تو چلے آویں اور اگر پیرزادگی کے طور پر تشریف لاتے ہیں تو ویسا فرمایئے کہ استقبال و جملہ لوازم ادا کیے جاویں۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم مرید ہونے آتے ہیں۔ چنانچہ جب سرہند میں داخل ہوئے تو حضرت نے کمال خاطر تواضع کی اور نسبت خاصہ سے مشرف فرما کر اور خلعت خلافت عطا فرما کر رخصت کیا۔ الغرض کچھ مدت حضرت دہلی میں رہ کر پھر وطن واپس تشریف لائے۔ اس کے بعد پھر حضرت کی خواجہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

تھوڑے دن حضرت دارالارشاد سرہند میں مقیم رہے۔ ازاں بعد باشارت حضرت خواجہ لاہور تشریف لے گئے۔ حضرت کے آنے کی خبر سن کر اکابر لاہور مثل مولانا طاہر ومولانا حاجی محمد ومولانا جمال ملوی حاضر خدمت ہوئے اور نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ جب حضرت مجلس سے اٹھنے لگے تو مولانا جمال ملوی نے نہایت ادب سے حضرت کی نعلین مبارک چوم کر آگے رکھیں۔ مولانا کی اس قدر تواضع ایک ان کے شاگرد کو گراں گزری اور جب مولانا باہر آئے تو کہا کہ آپ اس قدر کیوں تعظیم کرتے ہیں۔ مولانا نے جواب دیا کہ وہ عالم باللہ ہیں۔ ان کی تعظیم ہم پر لازم اور موجب اجر عظیم ہے۔

نقل ہے کہ ایک روز مولانا ممدوح نے حضرت سے دریافت کیا کہ آپ جامع علوم ظاہر و باطن ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود کی کیا اصلیت ہے کہ ظاہراً مخالف شرع ہے اور معہذا اکابر اولیاء کا یہ مذہب بھی ہے۔ حضرت نے جھک کر چند کلمہ مولانا کے کان میں کہے کہ ان کے سننے سے مولانا کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ چہرہ متغیر ہوگیا اور آثار سکر پیدا ہوئے۔

ندانم چہ گفتی چہ انگیختی
کہ گفتی و از دیدہ خون ریختی

Marfat.com

خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے لکھا ہے کہ بتقریب اس قصہ اور نسبت توحید کے ایک حضرت کے مخلص نے زبانی حضرت کے بیان کیا کہ آپ فرماتے تھے کہ جن ایام میں مجھ پر غلبہ نسبت احاطت وسریان ومعیت تھا۔ ایک شخص نے میرے سامنے قلم پر قط رکھا۔ میری انگلی کٹ گئی۔ آمدم برسر مطلب کہ حضرت لاہور میں سرگرم افادۂ طلباء تھے کہ یکا یک خبر ارتحال حضرت خواجہ پہنچی۔ سن کر نہایت پریشان ہوئے اور بکمال اضطرار قصد دہلی کیا۔ حضرت خواجہ صاحب کے خادمان نے جب حضرت کی تشریف آوری کی خبر سنی تو حضرت خواجہ کی سنت کے موافق حضرت کا استقبال کیا اور نہایت تعظیم وادب سے لاکر اوتارا اور حاضر حلقہ ومجلس ہوا کرتے اور اخذ فیوض کرتے تھے کہ دفعتاً شیطان الرجیم نے اپنا شیشہ چھوڑا اور بعض بعض حضرت سے منحرف ہوگئے حتیٰ کہ حضرت کی ہلاکت کے واسطے ختم حضرت خواجہ کے مزار پر پڑھے مگر

چراغیرا کہ ایزد برفروزد　　　　کسے کوتف زند ریشش بسوزد

نقل ہے کہ ایک روز ان میں سے کسی اہل کشف نے دیکھا کہ گویا سب کے چراغ جلتے ہیں کہ یکا یک ایک برق خاطف آئی اور سب کو بجھا دیا۔ ندا آئی کہ یہ چراغ منکران کی دعا وتوجہ تھی اور برق خاطف حضرت کی توجہ تھی کہ اس سے سب بجھ گئے۔ حضرت نے اول اول تو سب کو خوب نصیحت وپند فرمائی لیکن جب کچھ اثر نہ ہوا تو کسی کی سلب نسبت کی اور جب اسپر بھی خیال نہ کیا تب حضرت اپنے وطن کو مراجعت فرما ہوئے۔ شیخ تاج الدین گویا رئیس الخدمہ حضرت خواجہ تھے۔ ان کے دل میں بھی بوجہ صحبت بعض منحرفان کچھ شکوک وترددات حضرت کی طرف سے آگئے تھے۔ جب مکان پر واپس آئے ہر چند متوجہ نسبت باطنی ہوئے لیکن مطلق اثر نسبت نہ پایا۔ اس بات سے شیخ کمال متفکر ہوئے اور درپے ہوئے کہ یہ معاملہ ظاہر ہو کہ ایک شب خواب میں دیکھا کہ جمیع اولیاء امت ایک مجلس میں جمع ہیں اور شیخ بھی ایک گوشہ مجلس میں بیٹھے ہیں۔ سب نے شیخ سے علیحدہ علیحدہ کہا کہ تم اکمل اولیاء امت سے انکار کرتے ہو معلوم نہیں کہ ان سے انکار باعث خسارت دارین ہے۔ شیخ سن کر حیران ہوگئے اور کہنے لگے کہ وہ کون اکمل اولیا امت ہے جس کا میں منکر ہوں کہ ناگاہ حضرت پر نظر پڑی کہ صدر مجلس میں بیٹھے ہیں اور جمیع حاضرین حضرت کی طرف متوجہ ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کمل اولیاء امت ہیں۔ یہ دیکھ کر شیخ اپنے دل میں نہایت نادم ہوئے اور حضرت کے پاس آکر عفو تقصیر کرائی چنانچہ حضرت نے معاف فرمایا۔ جب شیخ بیدار ہوئے تو اپنے خیالات سے تائب ہو کر کمال تضرع وزاری کی چنانچہ اس کا اثر بھی ظاہر ہوا کہ شیخ نے اپنی نسبت باطنی کو مثل پہلے کے بحال پایا۔ بعد ازاں ایک خط مولانا فلیج خیر پوری کو لکھا کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کو عریضہ لکھو تو میری طرف سے تعظیمات لکھنا کہ آپ نے واقعہ میں میرا جرم معاف فرمایا ہے۔ واقع میں بھی معاف فرمائیں اور یاران دہلی سے کہنا کہ جو حضرت مجدد الف ثانی سے رجوع لاکر پھر گیا ہے وہ مرتد طریقہ ہے اور جس نے رجوع نہیں کیا اور انحراف کیا وہ بھی مرتد ہے کہ انکار اولیاء کاملا رتداد ہے۔ یہ زندگانی دوروزہ سہل ہے۔ آخر مرتے وقت سلب ایمان کا اندیشہ ہے۔ چونکہ آپس میں رشتہ ہمپیری ہے لہٰذا لکھا گیا اور آگاہ کیا۔ ادھر ایک خط حضرت کی خدمت میں بھی بطلب عفو تقصیرات وشفاعت یاراں بھیجا اور اس میں یہ حکایت لکھی کہ ایک بزرگ ایک مسجد کے گوشہ میں مراقب بیٹھے تھے کہ وہاں ایک سوداگر آکر نماز پڑھنے لگا۔ بعد نماز جو خیال کیا تو ہمیان زر جو اس کت کمر سے بندھی تھی، نہ پائی۔ اس کا گمان اُن بزرگ پر گیا کہ شاید انہوں نے چورالی ہے چنانچہ نوکر چاکروں نے ان پر ایسا تشدد کرایا کہ وہ بے چارا چار ناچار اس کے روپیہ دینے کو آمادہ اور جو کوئی خادم مرید تھے ان سے

Marfat.com

کہا انہوں نے فی الفور ادا کر دیئے۔ بعد ازاں وہ ہمیان زر اس سوداگر کو اور جگہ سے مل گئی۔ دل میں بہت ڈرا اور ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ وہ فرمانے لگے کہ جس وقت تو نے مجھ کو ایذا پہنچائی اسی وقت میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا تھا کہ جب تک یہ شخص بہشت میں نہ جائے گا میں نہ جاؤں گا۔ جناب من! سلف کا تو یہ دستور تھا۔ امید کہ آپ بھی اس کے موافق اس کی زلات سے درگزر فرمائیں۔ اس کے بعد جب شیخ تاج دہلی میں گئے تو سب پیر بھائی جمع ہوئے اور دریافت کیا کہ آپ کی طرف سے اس مضمون کا خط آیا تھا۔ آیا وہ آپ کا ہی خط تھا یا کسی اور نے آپ کی جانب سے لکھ کر بھیجا تھا۔ شیخ نے کہا کہ وہ بے شک میرا ہی تھا اور تمام ماجرا جو کہ واقعہ میں تھا، بیان کیا۔ ادھر جب حضرت بتقریب عرس حضرت خواجہ دہلی تشریف لائے تو شیخ و جملہ یاران نے استقبال کیا اور شہر میں لائے۔ شیخ نے بالمشافہ اپنے اور دیگر بھائیوں کی عفو تقصیر چاہی چنانچہ حضرت نے معاف فرمایا۔ قبل ازیں حضرت خواجہ حسام الدین نے ایک شب واقعہ میں دیکھا تھا کہ کوئی کہتا ہے کہ یاران فیروز آباد پر (یعنی مریدان حضرت خواجہ جو کہ فیروز آباد میں رہتے ہیں) بلائے عظیم نازل ہوگی لیکن جو شخص حضرت شیخ احمد کا غسالہ وضو پئے گا وہ نجات پائے گا۔ اس واقعہ کو حضرت کے سامنے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ آب مستعمل پینا مکروہ ہے۔ تب کتب فقہ پر رجوع کیا۔ اس میں یہ نکلا کہ اگر چوتھی دفعہ کا پانی بلانیت قربت پیا جاوے تو کراہت نہیں چنانچہ حضرت کے وضو کی چوتھی مرتبہ کا پانی یاران فیروز آباد نیز حضرت کے اپنے خادموں نے پیا اور قادر المطلق نے ببرکت اس کے سب کو بلا سے محفوظ رکھا۔ اس کے بعد یاران فیروز آباد بکمال اخلاص وصدق پیش آتے اور بہ تعظیم تمام حاضر حلقہ و مجلس ہوا کرتے اور حضرت بھی ہر سال ایام عرس میں دہلی تشریف لاتے اور پھر دولت خانہ واپس آ جاتے البتہ دو مرتبہ آگرہ بھی جانے کا اتفاق ہوا یا کچھ مدت ہمراہ لشکر سلطانی بطور اضطرار سفر فرمایا اور نہ ہمیشہ دارالارشاد سرہند میں مقیم رہے اور طالبان خدا کو فیض پہنچاتے رہے۔

مقام تیسرا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے حلیہ وعبادات وعادات میں

حضرت تمام قد نازک اندام گندم گوں مائل بسفیدی کشادہ پیشانی تھے۔ ناصیہ اور رخسار مبارک سے ایسا نور ہمکتا تھا کہ دیکھنے والے کی آنکھ کام نہ کرتی تھی۔ آپ کے ابرو سیاہ دراز باریک وکشادہ تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی ان کی یاہی نہایت سیاہ اور سفیدی نہایت سفید۔ سر مبارک بلند اور باریک تھا۔ لب سرخ۔ دہن مبارک نہ بڑا نہ چھوٹا۔ دانت متصل متصل چمکتے ہوئے۔ داڑھی مبارک بانبوہ وشکوہ مربع تھی۔ رخسار مبارک پر بال متجاوز نہ تھے۔ آپ کے پاشنہ نہایت صاف رہتے تھے۔ بدن مبارک پر میل نہ بیٹھتا تھا۔ پسینہ میں خواہ گرمی ہو خواہ برسات، کبھی بو نہ آتی تھی۔ غرض کہ آپ کی شکل ایسی محبوبانہ تھی کہ جو دیکھتا تھا بے اختیار سبحان اللہ وہذا ولی اللہ کہتا تھا۔ حضرت ہمیشہ سرما وگرما سفر وحضر میں بعد نصف شب بیدار ہوتے تھے اور یہ دعا پڑھتے تھے:

الحمد اللہ الذی احیانا بعد ما امام تناو الیہ البعث النشور اور یہ آیت بھی پڑھتے تھے۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم . الحمدللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض وجعل الظلمات والنورثم الذین کفرو ابربھم یعدلون. ھوالذی خلقکم من طین ثم قضا اجلاد اجل مسمی عندہ ثم انتم تمتر ون ھوالذی

فی السمٰوٰت و فی الارض یعلم سرکم و جهرکم و یعلم ماتکسبون.

بعدازاں استنجا کوتشریف لے جاتے۔ پہلے بایاں پیر خلا میں رکھتے۔ بعداس کے داہنا اور یہ دعا مسنونہ پڑھتے اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث ۔ بعدازاں اس جگہ پر جب بیٹھتے تو بائیں پیر پر زور رکھتے۔ بعدفراغت بکلوخ طاقت استنجا کرتے۔اس کے بعد پانی سے استنجا کرتے اور بیت الخلا سے باہر نکلتے وقت پہلے داہنا پیر نکالتے بعدازاں مستقبل بقبلہ وضوکو بیٹھتے اور بوقت وضوکسی سے مددطلب نہ کرتے اور آفتابہ جانب دست چپ رکھتے اورابتداہاتھ دھونے میں یہ دعاپڑھتے۔بسم اللہ الرحمن الرحیم بسم اللہ العظیم والحمد للہ علی دین الاسلام الاسلام حق والکفر باطل. پہلے داہنے ہاتھ پر پانی ڈالتے بعدازاں بائیں پر بعدازاں دونوں ہاتھ جمع کرکے دھوتے اورانگلیوں میں کف دست کی طرف سے خلال کرتے اور بوقت مضمضہ مسواک استعمال فرماتے اور تین دفعہ داہنی طرف اور تین مرتبہ بائیں طرف کرتے پھرزبان پر کرتے اور اگرزیادہ کرتے تورعایت وترکرتے اور پہلے داہنی طرف کے اوپر کے دانتوں میں پھرنیچے کے دانتوں میں بعدازاں بائیں طرف کے اوپر کے دانتوں میں پھرنیچے کے دانتوں میں اور ہروضومیں التزام مسواک رکھتے تھے۔بعدفراغ مسواک کواکثر خادم کے سپرد کرتے اور وہ اس کو اپنی پگڑی کے پیچ میں رکھ لیتا اور آپ مضمضہ دور ڈالتے تھے اور رعایت تثلیث رکھتے۔بوقت مضمضہ یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللھم اعنی علی ذکرک و علی تلاوۃ القرآن و علی صلوٰۃ حبیبک علیہ الصلوۃ والسلام اور تین دفعہ استنشاق بھی تازہ پانی سے جداجدا کرتے اور بوقت استنشاق یہ دعا بھی پڑھتے۔اللھم ارحنی رائحۃ الجنۃ وارض ضی غیر غضبان اور بوقت استنثار یہ دعاپڑھتے اللھم انی اعوذبک من النار وسوء الدار بحرمت النبی المختار الابرار علیہ وعلیھم الصلوٰۃ بعدہ منہ مبارک پرکمال آہستگی وسہولت سے بالائے پیشانی سے پانی ڈالتے اور داہنا ہاتھ داہنے رخسار مبارک اور بایاں ہاتھ بائیں رخسار پر گزارتے اور داہنے کو بائیں پر تقدیم کرتے تاکہ ابتدا داہنے ہاتھ سے ہو اور منہ دھوتے وقت دستار مبارک پیچھے ہٹا دیتے تھے کہ ربع سرکھل جائے اور وہاں سے دھویا جاوے اور منہ مبارک پر اس انداز سے پانی ڈالتے اور احتیاط کرتے کہ کپڑوں پر قطرہ نہ پڑے اور منہ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے۔نویت ان اتوضاء لرفع الحدث و استباحۃ الصلوٰۃ اللہ تعالیٰ اللھم بیض وجھی بنورک یوم بتیض وجوہ اولیائک ولا تسوو وجھی یوم تسوو وجوہ اعداء ک اشھد ان لا الہ الا الہ وحد لا شریک لہ و اشھد ان محمد عبدہ و رسولہ علیہ الصلوٰۃ السلام ۔ بعدازاں داہنا ہاتھ کہنیوں تک تین مرتبہ دھوتے اور ہرمرتبہ اس پر ہاتھ پھیرتے تاکہ قطرہ نہ رہ جاوے اوراسی طرح سے بایاں ہاتھ دھوتے انگلیوں کی جانب سے پانی ڈالتے اور داہنا ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے۔اللھم اتنی کتابی بمینی و حامبتو حسابایسیرا واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ شریک لہ و اشھدان محمداً عبدہ و رسولہ اور بایاں ہاتھ دھوتے وقت یہ دعاپڑھتے ۔ اللھم انی اعوذبک انی توتینی کتابی بشمالی و من وراء ظھری تحاسبنی حساب عیسرا واشھد ان لا الہ الااللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھدان محمد عبدہ و رسولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام. بعدازاں داہنے چلو میں پانی لے کر بائیں کف دست اور انگلیوں پر ڈال کر اس

Marfat.com

طرح زمین پر ڈالتے کہ چھینٹیں نہ اُڑیں اور تمام سر کا مسح کرتے اور اطراف سر پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں پیچھے آگے پھیرلاتے اور یہ دعا پڑھتے۔ اللھم غشنی برحمتک انزل علی برکاتک و اظلنی تحت عرشک۔ بعد ازاں اسی پانی سے مسح گوش باطن سابہ سے اور پشت گوش نرانگشت سے کرتے اور یہ دعا پڑھتے۔ اللھم اعتق رقبتی ورقاب اباءٔ من النار واعذنی من السلاسل والاغلال اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ و رسولہ علیہ الصّلوٰۃ والسلام۔ بعد ازاں داہنا پیر تین مرتبہ ٹخنوں سے اوپر تک دھوتے اور ہر مرتبہ اس پر اس طرح ہاتھ پھیرتے ہیں کہ قریب خشک کے ہوجاتا اور اسی طرح سے بائیاں پیر دھوتے۔ داہنا پیر دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے۔ اللھم ثبت قدمی و قدم والذی علی الصراط المستقیم یوم ثبت قدام المومنین اشھد ان لا الیہ اللہ و اشھد ان محمد عبدہ و رسولہ علیہ الصّلوٰۃ والسلام اور بایاں پیر دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے۔ اللھم انی اعوذبک ان تزل قدمی و قدم والذی عن صراط المستقیم یوم تبزل اقدام المنافقین و الکافرین فی النار بحرمت النبی المختار اشھد ان لاالہ الا اللہ و اشھدان محمد عبدہ و رسولہ علیہ الصلوٰۃ اور بعد فراغ وضو یہ دعا پڑھتے۔ اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المطھرین واجعلنی من عبادک الصالحین واجعلنی من ورثۃ الجنۃ النعیم واجعلنی من الذین لا خوف علیھم ولاھم یحزنون واجعلنی عبداللہ شکورا وجعلنی ان اذکرک کثیرا والسبحک بکرۃ واصیلا اعوذباللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم انا انزلنا۔ تاآخرہ اور یہ دعا پڑھتے۔ اللھم اشفنی بشفائک وادنی بدوائک وعافنی من البلاء واعصتمو ومن الاھوال والامراض والارجاع اور اعضاء وضو کپڑے سے نہ پونچھتے۔ بعد ازاں پوشاک لطیف ونفیس پہنتے و بہ تجمل و وقار تمام متوجہ نماز ہوتے اور دو رکعت خفیف گزارتے اور ان رکعتوں میں قرأت بعد فاتحہ یہ آیت پڑھتے۔ والذین اذافعلو اذا فاحشۃ وظلمو انفسھم ذکرواللہ فاستغفر والذنوبھم ومن یغفرالذنوب الا اللہ ولم یصرواعلیٰ مافعلوا وھم یعملون o اولئک جزأھم مغفرۃ من ربھم و جنات تجری من تحتھاالانھار خالدین فیھا ونعم اجرالعاملین ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جائوک فاستغفرو اللہ واستغفرولھم الرسول لوجدو اللہ توا بارحیما o ومن یعمل سوءً ویظلم نفسہ ثم یستغفراللہ یجداللہ غفورا رحیما۔ باقی نماز تہجد کو بطول قرأت ادا کرتے غالباً دو تین سیپارہ قرآن پڑھتے تھے اور گاہ گاہ حالت غلبہ حضور میں نصف شب سے صبح تک ایک ہی رکعت میں گزر جاتے اور خادم پکارتا کہ صبح ہوئی جاتی ہے تب دوسری رکعت بہ تخفیف ادا فرما کر سلام پھیرتے۔ پس ازاں دوسری دو رکعتیں بقرأت طویلہ لیکن اول سے کم ادا کرتے اور علیٰ ہذاالقیاس۔ بعد کی رکعتیں ایک دوسری سے کم ادا فرماتے۔ بعد ازاں تین وتر پڑھتے اور بعد فاتحہ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک اور دوسری میں قلیا ایھاالکافرون اور تیسرے میں قل ھو اللہ احد پڑھتے۔ سیوم رکعت میں بعد قل ھو اللہ قنوت حنفی کو قنوت شافعی سے ضم کرتے جیسے کہ حنفیوں کی کتاب میں موجود ہے۔ اللھم اھدنا فی من ھدیت وعافنا فی من عافیت وتولنا فی من تولیت و بارک لنا فی من اعطیت وقنا ربنا شرما قضیت انک تقضی ولا یقضی علیک انہ لایذل من والیت ولایغرمن عادیت تبارکت ربنا

Marfat.com

وتعالیت عمایقولو الظلمون علواکبیراً اوراگر وتر اول شب پڑھ لیا کرتے تو نماز تہجد بارہ رکعت اور کبھی آٹھ اور کبھی دس پر بھی اکتفا فرماتے اور اکثر نماز تہجد میں سورہ یٰسین پڑھتے اور فرماتے کہ اس کی قرأت میں منافع بسیار اور نتائج بے شمار پائے جاتے ہیں اور سورہ الم سجدہ وسورہ الملک وسورہ مزمل اور سورہ واقعہ اور چار قل بھی پڑھتے تھے اور بعد نماز آخر سورہ آل عمران اس جگہ سے پڑھتے۔ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنھار الیٰ اخرالسورة اور ستر دفعہ استغفراللہ اور کبھی کبھی آیہ کریمہ کا بانی ظلمت نفسی فاغفرلی فغفر له ستر مرتبہ پڑھتے۔بعدہ صبح تک مراقبہ کرتے یا کلمہ طیبہ پڑھتے یا قبل از صبح موافق سنت سنیہ علی مصدرہ الصلوٰۃ والسلام سو جاتے تا تہجد بین النومین واقع ہو اور قبل صبح بیدار ہوتے اور وضو جدید فرما کر سنت گھر پڑھتے۔ بعدازاں بجانب قبلہ داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے۔پھر اٹھ کر متوجہ مسجد ہوتے لیکن آخر میں یہ اضطجاع ترک کر دیا تھا۔بعدازاں فرض فجر با جماعت کثیر اول وقت آخر غلس میں ادا کرتے اور خود امامت فرماتے اور طوال مفصل پڑھتے۔ بعد ادائے فرض اسی جگہ میں دس مرتبہ لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد و یحیی ویمیت بیده الخیر وهو علیٰ کل شئی قدیر اور سات دفعہ اللهم اجرنی من النار. بعدازاں یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے۔والھکم اله واحد لا اله الا ھوالرحمن الرحیم وحم تنزیل الکتاب تا الیه المصیر و آیة الکرسی و کریمه فسبحان الله حین تمسون و حین تصبحون الی تخرجون پھر یمین و یسار قوم کی طرف رجوع ہو کر دعا کے واسطے ہاتھ اٹھانے کے بعد دونوں ہاتھ منہ مبارک پر لاتے۔بعدازاں معہ اصحاب حلقہ ذکر فرماتے اور شغل باطنی میں تا بلندی آفتاب بقدر نیزہ مشغول رہتے۔حلقہ میں کبھی کبھی حافظ سے قرآن بھی سنتے اور بعد فراغت دو رکعت نماز پڑھتے۔اول رکعت میں آیۃ الکرسی اور سورہ یٰسین تا نفخ فی الصور اور دوسری رکعت میں آیۃ سے تا آخر سورہ مذکورہ سورہ والشمس پھر دو رکعت بہ نیت استخارہ پڑھتے۔کبھی اول رکعت میں قل یا ایھاالکافرون اور دوسری میں قل هو الله اور کبھی پہلے میں سبح اسم والم نشرح وقل یا ایھاالکافرون اور دوسری رکعت میں قل هو الله اور کبھی پہلے میں سبح اسم والم نشرح و قل یا ایھاالکافرون اور دوسری میں قل هو الله احد تین مرتبہ اور معوذتین ایک ایک بار پڑھتے اور بعد تشہد درود و استغفار اس طرح پڑھتے۔اللھم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک مااستطعت اعوذبک من شرما صنعت ابوء لک بنعمتک علی ابوابذنبی فاغفرلی فانه لا یغفرالذنوب الا انت بعد دعا استخارہ پڑھتے۔اللھم انی استخیزک لعلمک واستقدک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم انک انت علام العیوب اللھم ان کنت تعلم ان ما ارید من ای عمل کان خیرالی فی دینی و دنیای و معاشی و عاقبت امری اوعاجل امری واجله الیوم فاقدره لی ویسره لی ثم بارک لی فیه ان کنتم تعلم ان ما اریدمن العمل ای عمل کان شرالی فی دینی و دنیاوی و معاشی و عاقبت امری اوعاجل امری واجله الیوم فاصرفه عنی وصرفتی عنه و اقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی به و صلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد واله و اصحابه اجمعین و بوقت شام بعد اتمام اوّابین بھی دعا استخارہ پڑھتے اور جب بعد نماز صبح سکوت

Marfat.com

فرماتے تو بعض دعوات یومی بعد اشراق پڑھتے دعوات یہ ہیں۔ اصبحنا و اصبح الملک للہ و الحمد للہ اللھم انی اسئلک خیر ما فی ھذا الیوم نورہ و برکتہ و ھداہ اعوذبک من شرما فی ھذا الیوم و شرما اصبحنی من نعمت اوباحدمن خلقک منک وحدک لا شریک لک فلک الحمد ولک الشکر اورتین مرتبہ اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق اورتین دفعہ بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئی فی الارض ولا فی السمآ و ھو السمیع العلیم اورسات دفعہ اللھم بننی قبل ان ینبنی الموت اورسات دفعہ اللھمنیٰ ارشد فی واعذنی من شرنفسی اورسات مرتبہ ربنالا تزغ قلوبنا بعد اذھدینا وھب لنا من لدنک رحمتہ انک انت الوھاب اورسات مرتبہ یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علیٰ طاعتک اورسات مرتبہ اللھم وفقنا المرضیاتک و ثبتنا علیٰ طاعتک اورسات دفعہ اللھم اغفر ولامنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اورسات دفعہ رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی اورسومرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ اورتینتیس دفعہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمدللہ اورتینتیس دفعہ اللہ اکبر اور ایک دفعہ لاالہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الملک والحمد بیدہ الخیر وھو علیٰ کل شئ قدیر اوربعض ادعیہ کو بعد نماز وہیں پڑھتے اور ان چار کلمات کو ہر فرض کے بعد موافق اور اعداد و مذکورہ بالا پڑھتے اور اگر شام کو پڑھتے تو بجائے الیوم اللیل پڑھتے اور بجائے صبح امسی پڑھتے۔ بعدازاں خلوت میں تشریف لے جاتے اور بمقتضائے حال کبھی قرآن شریف پڑھتے اور کبھی طیبہ کا تکرار کرتے اور گاہ گاہ طالبان خدا کو جدا جدا طلب کرکے احوال پرسی فرماتے اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ان کا احوال خفیہ اگلا پچھلا سب خود تفصیل وشرح فرماتے اور مقامات اور کیفیات سے آگاہ کرتے اور کبھی خاص خاص اصحاب کو طلب فرما کر اسرار خاصہ و معارف مکشوفہ بیان فرماتے اور پوشیدہ رکھنے میں کوشش کرتے اور معارف بیان کرتے وقت محسوس ہوتا کہ گویا القاء واعطا حال کرتے ہیں۔ بارہا ایسا اتفاق ہوتا کہ جس وقت کوئی حضرت کی زبان سے سنتے، بمجرد سننے کے اس معرفت سے بتوجہ حضرت متحقق ہو جاتے۔

حضرتؒ کی اپنے اصحاب سے طرز نشست وبرخاست

اکثر حضرت کے اصحابوں سے خاموشی کی صحبت ہوتی اور اصحاب پر اس قدر دہشت وہیبت غالب تھی کہ مجال انبساط دوم زدن نہ تھی اور حضرت کی تمکین اس درجہ کی تھی کہ باوجود تواتر وتکاثر واردات متنوعہ ومتلونہ ہرگز کبھی اثر تلوین ظاہر نہیں ہوا البتہ بہ سبیل ندرت چشم پرآب ہو جاتے اور گاہ گاہ اثنائے بیان حقائق میں تلون رنگ رخسار و دیدہ ہو جاتا۔ جب صحوہ کبری ہو جاتا تو حضرت نماز ضحیٰ کی آٹھ رکعت ادا کرتے۔ ہر چند کہ چار رکعت جو اول پڑھتے تھے داخل ضحیٰ تھیں۔ حاصل یہ کہ نماز صبح بارہ رکعت پڑھتے اور کبھی بسبب قلت انہیں چار رکعت پر جو کہ اول روز پڑھتے، اکتفا فرماتے اور کبھی دو ہی اول پر اور قرأت نماز چاشت میں بعد فاتحہ سبح اسم والشمس واللیلواضحیٰ و چھار قل پڑھتے تھے بعد ازاں گھر میں تشریف لے جاتے اور کھانا تناول فرماتے اور کھاتے وقت خویشوں و درویشوں کو طعام تقسیم فرماتے۔ حضرت کے گھر کا کھانا نہایت لذیذ ہوتا تھا۔ جب لشکر سلطان کے ہمراہ میں تھے تو لشکر کا ایک دفعہ سرہند گزر

ہوا۔ حضرت نے سلطان کی دعوت کی۔ سلطان نے جب کھانا کھایا تو نہایت خوش ہوا اور کہا کہ ایسا لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا۔ اپنے باورچیوں کو حکم دو کہ ہمارے باورچیوں کو ایسا کھانا پکانا سکھلاویں۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارے باورچیوں سے ایسا کھانا پک نہیں سکتا۔ راقم کہتا ہے کہ اس کھانے سے اور سلطانی کھانے سے کیا نسبت۔ یہ سراسر حلال وہ سراسر مشتبہ۔ اس میں حضرت کی نسبت وانوار ساری اس میں سلطان کی دمطبخوں کی غفلت وظلمت بھری ہے۔ چہ نسبت خاک رابا عالم پاک۔ یہ مرے تجربہ کی بات ہے کہ جو حضرت مرشدی مولائے حضرت مولانا حافظ غلام نبی صاحب احمد للّٰہی کے کھانے میں لذت ہوتی خواہ وہ کیسا ہی خشک ہو دوسری جگہ کے کھانے میں خواہ وہ کیسا ہی مرغن ہو، مزا نہیں ہوتا۔ وہی سرایت نسبت ونور سبب ہے اور تین انگلیوں سے نوالہ لیتے اور گاہے گاہے ہاتھ طبق کو لے جا کر منہ کو لے جاتے اور مزا لیتے گویا کہ کھانے کی رغبت نہیں ہے محض اس نیت سے کہ کھانا سنت ہے، تناول فرماتے اور کھاتے وقت سنت طریق سے جلسہ فرماتے اور بعض اوقات کھانے سے قبل بسم الذی لا یضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السماء و ھو اسمیع العلیم فاللہ خیر حافظا و ھو الرحم الرحمین اور سورہ لائلف پڑھتے اور بعد فراغ ازطعام یہ پڑھتے الحمدللہ الذی اطعمنی ھذاالطعام اللطیف الملح بغیر حول ولاقوۃ اور اگر طعام شیریں ہوتا تو ھذاالطعام الطیف الحلو فرماتے اور کبھی کبھی دعا بھی پڑھتے الحمدللہ الذی اطعمنا و اسقانا واشبعنا و ادانا وجعلنا من المسلمین اللھم اغفرلا کلہ ولباذلہ و لمن کانہ لہ شئی فیہ و صلی اللہ تعالیٰ خیر اخلقہ محمد و الہ و اصحابہ اور اگر صاحب طعام حاضر ہوتا تو فرماتے جزاکم اللہ خیر اور اگر صاحب طعام غائب ہوتا تو جزاھم اللہ خیر اور کبھی یہ دعا پڑھتے۔ اللھم ارزقنی مما تحب و ترضی و اجعلھا عونا علی مایحب ۔ بعد طعام کے تھوڑی دیر بحکم سنت قیلولہ فرماتے اور جیسے ہی سایہ پھرتا اور موذن اذان کہتا بجرد استماع اللہ اکبر بے اختیار بقوت وعجلت تمام بستر سے زمین پر اتر آتے اور اس میں ناغہ نہ ہوتا اور بوقت سننے اذان کے اعادہ کرتے مگر وقت حیلتین لاحول پڑھتے اور بعد ازاں دعا اذان پڑھ کر فی الفور ہی اٹھ کھڑے ہوتے اور وضو کر کے نفیس پوشاک پہن کر مسجد میں تشریف لے جاتے۔ اول دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے۔ بعد ازاں چار رکعت سنت زوال بطول قرأت ادا کرتے اور فرماتے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمان بعثت سے تا زمان رحلت سنت زوال ترک نہیں کیں اور اس میں طوال مفصل پڑھتے اور کبھی بمقتضائے گنجائش اقتصار قرأت پر ہی اکتفا فرماتے۔ بعد ازاں چار رکعت سنت موکدہ ظہر کے پڑھتے اور ازاں بعد تکبیر اقامت کہتے اور خود امام ہوتے اور فرض ظہر پڑھتے اور قرأت طوال پڑھتے اور بعد فراغ فرض یہ دعا اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذی الجلال والاکرام پڑھ کر کھڑے ہو جاتے۔ بعد ازاں دو رکعت سنت موکدہ پڑھتے اور پھر چار رکعت سنت زائدہ پڑھتے۔ بعد ازاں دعوات کے بعد ظہر ماثورہ ہیں، پڑھتے۔ اس کے بعد قوم کی جانب ہو بیٹھتے اور اصحاب حلقہ کرتے اور حافظ قرآن پڑھتا اور حضرت یاروں کی طرف مراقب اور متوجہ بیٹھ جاتے۔ بعد فراغ از حلقہ دو ایک سبق دیتے درس فرماتے اور جب وقت عصر ہو جاتا تو تجدید وضو کے واسطے اٹھتے اور بعد گزرنے دو مثلوں اور سایہ صلی کے اول وقت عصر مسجد میں آتے اور آتے ہی دو رکعت تحیت اور چار رکعت سنت عصر ادا کرتے۔ بعد ازاں خود امام ہوتے اور جماعت فرض عصر بجماعت کثیر ادا کرتے۔ بعد ازاں ادعیہ ماثورہ وقت عصر کو پڑھ کر قوم کی طرف پھر بیٹھتے اور اصحاب حلقہ کرتے اور حافظ قرآن پڑھتا اور حضرت اور

Marfat.com

اصحاب مراقب بیٹھتے اور کبھی احوال پرسی کا شغل کرتے اور متوجہ احوال طالبان ہو کر ان کی ترقی کے واسطے ہمت فرماتے اور کبھی کچھ اور عمل صالح کرتے۔ بعد ازاں اول وقت نماز مغرب پڑھتے اور بعد ادائے فرض دس مرتبہ لاالہ اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک و لہ الحمد یحیی و یمیت بیدہ الخیر و ھو علیٰ کل شئی قدیر پڑھتے اور سات دفعہ اللھم اجرنی من النار پڑھتے اور بعد ازاں چار رکعت نماز اوابین پڑھتے۔ اور اکثر اوقات ان میں سورۂ واقعہ و سورۂ اخلاق تکریر وغیرہ قرأت پڑھتے اور نماز عشاء کو بعد از زوال بیاض اُفق کہ نزدیک امام اعظم شفق اوسی سے مراد ہے و وقت متفق علیہ ہے، مسجد میں تشریف لاتے اور دو رکعت تحیت المسجد پڑھتے۔ بعد ازاں چار رکعت سنت یا دو رکعت گزارتے اور پہلی رکعت میں الم سجدہ اور دوسری میں سورۃ الملک اور تیسری میں قلیا اور چوتھی میں قل ھو اللہ احد اور کبھی چاروں میں چاروں قل پڑھتے اور فرضوں میں الم سجدہ اور سورۃ الملک ہمیشہ پڑھتے اور بغیر اس کے ادعیہ پڑھیں۔ اللھم انت السلام پڑھ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور دو رکعت سنت موکدہ پڑھتے۔ بعد ازاں چار رکعت اور مستحب پڑھتے۔ بعد ازاں وتر پڑھتے۔ بعد ازاں سورۃ الم سجدہ پڑھتے اور کبھی بعد فرض چار رکعت میں سورۃ سجدہ و تبارک و قلیا و قل ھو اللہ پڑھتے اور دعائے قنوت حنفی و شافعی کہ حنفیوں نے جمع کیا ہے، جمع کرتے۔ بعد ازاں دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے۔ اول رکعت میں اذا زلزلت الارض اور دوسری میں قلیا پڑھتے اور آخر میں ان دو رکعت کو ترک کر دیا تھا اور فرماتے تھے کہ اس میں اختلاف ہے بروقت نماز حضرت ہر دو ابہام۔

حضرتؒ کے نماز پڑھنے کے طور

کان کی لو تک لے جاتے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو بغیر اس کے کہ کھلی یا جڑی رکھیں بلکہ متوجہ قبلہ رکھتے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھوں کو نیچے لاتے اور زیر ناف داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر اس طور سے رکھتے کہ داہنے ہاتھ کے خنصر اور ابہام سے حلقہ ہو جاتا اور تین انگلیاں کلائی پر لمبی لمبی رکھی جاتیں اور دونوں پیروں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ ہوتا اور دونوں پیروں پر برابر زور رکھتے، ایک پر زور دے کر دوسری کو آرام نہ دیتے اور قیام میں سجدہ کی جگہ نگاہ رکھتے اور نہایت تجوید و تعمق معانی و اسرار قرآنی سے قرأت پڑھتے۔ بعد ازاں تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے اور قدموں پر نظر رکھتے اور سر پشت کے ساتھ برابر کرتے اور زانو و انگلیاں کھول کر بقوت پکڑتے اور زانوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دیتے۔ بعد ازاں قومہ بمقدار تسبیح کرتے اور در حال انفراد سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک حمد پڑھتے اور دونوں سجدوں کے درمیان بقدر تسبیح جلسہ کرتے اور سجدہ میں ناک کے نرمہ پر نگاہ رکھتے اور پیٹ کو زانو سے اور زانو کو بازو سے جدا رکھتے اور بوقت سجدہ تمام اعضاء پر برابر زور دیتے اور تشہد میں دونوں پیروں کی انگلیوں کو قبلہ کی جانب متوجہ رکھتے اور کنار پر نظر رکھتے اور حصرت کے تمام اصحاب نماز میں حضرت کی تقلید کرتے۔ بہت سے آدمی حضرت کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر فریفتہ ہو گئے۔ بعد نماز عشاء اور قبل سونے کے حضرت سورۃ فاتحہ و ایۃ الکرسی تا آخر و امن الرسول ان ربکم الذی خلق السمٰوات والارض تامن المحسنین قل ادعوا اللہ و ادعو الرحمن اور چار قل پڑھتے اور جس وقت لیٹتے پہلوئے راست پر تکیہ کرتے اور داہنے ہاتھ کو داہنے رخسار مبارک کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے۔

Marfat.com

اللھم یاسمک ربی وضعت وبک ارفعه ان امسکت نفسی فارحمها وان ارسلتها فاحفظها بما تحفظبه عبادک الصالحین اللھم انی ارسلت الیک وجهت وجهی الیک وفوضت امری الیک والجات ظهری الیک رغبت و هیبة الیک لا ملجاولا منجا الا الیک اللھم انی امنت بکتا بک الذی انزلت و برسولک الذی ارسلت اللھم انی احمدک بکل لسان واستعبذبک من البلایا و لا حول لا ولاقوة الا باالله العلیٰ العظیم اعوذبکلمات الله التامات کلها من شرما خلق۔ تین مرتبہ اس کلمہ کا تکرار کرتے پھر تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد اللہ اور چونتیس (۳۴) مرتبہ الله اکبـــر لا الـه الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد بیده الخیر ویمیت و هوحی لا یموت ابداً اباأ ذوالجلال والاکرام و هو علیٰ کل شئی قدیر اور سو دفعہ اور سبحان الله و بحمده پڑھتے اور سو دفعہ بعد نماز تہجد کے بھی پڑھتے اور سو دفعہ ہر روز مواظبت رکھتے۔ پھر خواب کرتے۔ نماز جمعہ کو جس طرح کہ علماء حنفیہ نے فرمایا ہے، اسی طرح ادا کرتے اور بعد فرض جمعہ سات دفعہ سورۃ فاتحہ اور سات دفعہ سورۃ اخلاص اور سات دفعہ معوذتین معہ بسم اللہ پڑھتے اور صلوۃ ظہر کو قبل جمعہ نہ ادا کرتے بلکہ اس کو مکروہ جانتے لیکن بعد ادائے جمعہ پڑھتے اور فرماتے کہ شرائط جمعہ بقول بعضے اس وقت پائی نہیں جاتیں اور اس طرح نیت کرتے نویت ان اصلی الله تبارک وتعالیٰ اربع رکعت اخد فرض ظهر اور کته وقته ولم ادا اور روز جمعہ نماز ظہر کو بجماعت نہ پڑھتے۔ اگر کبھی کچھ بیماری وغیرہ ہوتی اور نماز جمعہ کو نہ پہنچتے تو مفرد ادا کرتے اور اسی طرح سفر میں بھی طریقہ جاری رکھتے۔ باوجود اس کے کہ نماز بجماعت ادا کرنے کے نہایت حریض تھے اور فرماتے تھے کہ ہم تابع مجتہد ہیں انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے کرنا چاہئے اور جس کو منع کیا ہے نہ کرنا چاہئے اور آخر عشرۂ رمضان میں مسجد میں معتکف بیٹھتے اور عشرہ ذالحج میں بھی عزلت کرتے۔ ان عشرات میں طاعات واذکار وصیام کے بہت حریض ہوتے اور درود پڑھتے اور شبہائے جمعہ کو معہ اصحاب حلقہ کر کے ہزار بار درود شریف پڑھتے۔ عیدالاضحیٰ کو راہ میں تکبیریں بلند کہتے جاتے اور عشرہ ذالحج کو حاجیوں کی شباہت کر کے اور سر اور ناخن نہ ترشواتے لیکن یہ جو متعارف ہے کہ عرفہ کے روز لوگ صحرا میں سر برہنہ دو رکعت نماز واسطے شباہت اہل حج کے ادا کرتے لیکن بعضے ادعیہ ماثورہ پڑھا کرتے اور عشرہ ذالحج میں ہر روز نماز عشا اور نماز فجر کی دوسری رکعت میں سورۃ الفجر پڑھتے، کسوف وخسوف پڑھتے اور نماز تراویح کو بیس رکعت ادا کرتے اور سفر وحضر میں بجمعیت تمام ادا کرتے اور تین قرآن شریف سے کم ایام صیام میں ختم نہ کرتے اور ہر چہار رکعت تراویح کے بعد تین دفعہ سبـحـــان ذی الـمـلـک والـملکوت سبحان ذلاعزت والعظمت والهیبت والقدرت والکبریا والجبروت سبحان الملک الحی الذی لا یموت ولا بنام سبوح قدوس ربنا و رب الملائکة والروح اللھم اجرنی من النار یا مجیر یا مجیر یا مجیر اور دیگر ایام میں چونکہ حافظ قرآن تھے بعد ظہر ہمیشہ تلاوت فرماتے تھے اور حلقات میں استماع قرآن ہمیشہ جاری تھا اور نماز وغیرہ میں اس طرح قرأت پڑھتے تھے کہ گویا اداء معنی ضمن الفاظ فرماتے جاتے ہیں اور سامعین کو بدیہی طور پر معلوم ہوتا تھا کہ اسرار قرآنی اس مقرب سبحانی پر وارد ہو رہے ہیں۔ بہت سے آدمی جو کہ مرید بھی نہ ہوتے تھے، کہتے کہ حضرت قرآن اسطور سے پڑھتے ہیں گویا الفاظ ان کے دل سے نکلتے ہیں اور ہرگز آواز بنا بنا کر نہ پڑھتے تھے اور نماز تراویح میں اکثر سامعین کو غنودگی ہو جاتی تھی لیکن حضرت کو کبھی کچھ نہ ہوتی تھی اور اسی طرح

Marfat.com

کھڑے کھڑے قرآن سنتے۔ ملا بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت سے عرض کی کہ کیا باعث ہے آپ کو کبھی غنودگی نہیں ہوتی۔ فرمایا شناوری دریائے اسرار قرانی فرصت نہیں دیتی کہ پلک بھی جھپکاؤں۔ سفر میں منزل پہنچنے تک تلاوت قرآن فرماتے اور جس وقت آیت سجدہ آتی فی الفور سواری سے اتر کر زمین پر سجدہ کرتے اور حالت انفراد میں تسبیحات رکوع وسجود پانچ وسات بلکہ نو و گیارہ پڑھتے اور کبھی تین ہی مرتبہ پر اقتصار فرماتے۔ حسب موقعہ اور حالت امامت میں چار دفعہ کہتے۔ چند مدت بحالت امامت پانچ مرتبہ تسبیح رکوع وسجود میں کہتے کہ حضرت حق جل وعلاؔ سے ممنوع ہوگئی اور چار[63] دفعہ کہنا شروع کیا تاکہ مقتدی تین مرتبہ بفراغت کہیں اور جس طرح اس بات کی احتیاط کرتے کہ سنت میں نقصان نہ ہو اسی طرح اس میں بھی احتیاط کرتے کہ زیادتی بھی نہ ہو اور سوائے نماز تراویح وکسوف وخسوف اور کسی نفل کی جماعت نہ کراتے اور اس کو مکروہ جانتے اور ہر کام نماز استخارہ سے شروع کرتے اور کبھی دعا استخارہ پر اکتفا فرماتے اور تشہد میں انگشت سبابہ سے اشارت نہ کرتے کہ مذہب حنفی میں حرام ومکروہ ہے۔ ہر چند کہ بہت سے علماء اس کی سنیت کے بھی قائل ہیں مگر بحکم اذا ادار الامر بین السنت والمکواھتہ فالترک اولیٰ مع ذلک کبھی کبھی بمقتضائے حدیث نوافل میں اشارت بھی کرتے تھے تاکہ یہ عمل متروک مطلق نہ ہو اور فاتحہ ارواح پر مہمات کے واسطے بعد نماز جو کہ مرسوم مشائخ زمانہ ہے، نہ پڑھتے تھے اور مریض کی عیادت کو جاتے اور ادعیہ ماثورہ مریض پر پڑھتے اور دفع مرض کے واسطے توجہ باطنی فرماتے اور قبروں کی زیارت کو جاتے اور بدعا واستغفار مدد فرماتے اور اموات سے استعانت[65] جائز رکھتے بلکہ خود بھی کرتے اور باطن سے توجہ رفع عذاب وترقی درجات کرتے۔ دعوت خاص قبول فرماتے اور دعوت عام میں تشریف نہ لے جاتے اور مجلس سرود ومولود خوانی میں حاضر نہ ہوتے (مولود عبارت از قصائد نعت واشعار غیر نعت خواندن۔ مکتوب دوسو بہتر۔ جلد اول) ذکر جہر کو ترک اولیٰ جانتے۔ خواص بشر کو خواص فرشتوں پر فضل دیتے اور نبوت کو ولایت سے افضل جانتے۔ اگرچہ ولایت اس نبی کی کیوں نہ ہو اور غلبہ صحو کو غلبہ سکر پر ترجیح دیتے اور صحو خالص نصیب عوام کالانعام کہتے اور اولیاء عشرت کو جو کہ خلائق کی ہدایت میں مشغول ہیں، اولیاء عزلت سے جو کہ جنگل و پہاڑوں میں بیٹھے ہیں، بہتر جانتے اور تمام اصحاب کو تمام اولیاء سے خواہ وہ قطب ہوں یا غوث، افضل جانتے اور مشاجرات صحابہ کو اجتہاد پر محمول فرماتے اور ہوائے نفسانی سے مبرا سمجھتے۔ طریق مشائخ میں طریقہ نقشبندیہ کو افضل سمجھتے اور فرماتے کہ یہ طریقہ طریقہ اصحاب ہے اور جو کہ اس طریقہ میں بدعات مثل جہر استغفاری میں ناپسند فرماتے۔ معہذا شیخ محی الدین ابن العربی کو بہ نیکی یاد فرماتے بلکہ اظہار محبت فرماتے۔ معہذا یہ بھی ارشاد فرماتے کہ ہر چند مجھ کو شیخ سے محبت ہے مگر بعض علوم کشفی میں ان کو پسند نہیں کرتا اور حق ان کے خلاف سمجھتا ہوں مگر خطا کشفی کو در رنگ خطا اجتہادی بعید از مواخذہ جانتے۔ بعض کتب مثل بیضاوی و بخاری و مشکوٰۃ و ہدایہ وشرح مواقف و بیضاء حاشیۂ عفوی وعوارف کا درس بھی فرماتے۔ تحصیل علوم کو سلوک صوفیہ پر مقدم کرتے اور فرماتے کہ صوفی جاہل مسخرہ شیطان ہے اور اگر کبھی سفر جانے کا اتفاق ہوتا تو دوشنبہ و پنجشنبہ کو شروع کرتے اور باقی ایام کو بھی سفر کے واسطے مبارک جانتے کہ الایام ایام اللہ والعباد عباداللہ اور جب سفر پر متوجہ ہوتے تو دو رکعت نماز استخارہ پڑھتے۔ اول رکعت میں قل یا ایھاالکافرون اور دوسری میں قل ھو اللہ احد اور دعا استخارہ بھی پڑھتے اور برآمد ہوتے وقت سورۂ فاتحہ وآیۃ الکرسی اور چار قل پڑھتے اور جس وقت سوار ہوتے تکبیر کہتے اور یہ آیہ کریمہ پڑھتے سبحان الذی سخرلنا ھذا وما

Marfat.com

کنا له مقرنین و انا الی ربنا منقلبون اور جب شہر یا قریہ میں داخل ہوتے تو یہ پڑھتے اللھم انی اسئلک خیر هذا المقام و خیر من به اور جب منزل پر نزول فرماتے تو یہ دعا پڑھتے رب انزلنی منزلا مبارکاً وانت خیر المنزلین اور اثنا عبور راہ میں اتر پڑتے اور تین مرتبہ یہ دعا پڑھتے اعوذ بکلمات الله التامات من شر ما خلق اور دو رکعت نماز بھی پڑھتے اور سفر میں ہمراہیوں کو تلاوت سورۃ قریش کی ترغیب دیتے اور اسی طرح جس منزل میں پہنچتے، واسطے خیریت منزل کے دعا استخارہ پڑھتے اور بوقت تند ہوا چلنے کے یہ دعا پڑھتے اللھم اجعلھا ریا جلولا تجعلها ریحاانی اسئلک خیرما و خیرما ارسلت به اعوذ بک من شرها و شرما ارسله به اور بوقت آواز رعد و ظہور صاعقہ یہ تسبیح پڑھتے سبحان من یسبح الرعد بحمده و الملائكة من خيفة و یرسل الصواعق اور اگر کسی کو بلا میں مبتلا دیکھتے تو یہ پڑھتے الحمد الله الذی عافانی مما ابتلاہ به و فضلنی اعلیٰ کثیر ممن خلق تفصیلا و جعلنی من المسلمین اور اگر کافر یا بت پرست کو دیکھتے تو بھی یہی دعا پڑھتے اور کافر کو کبھی تعظیم نہ دیتے حتیٰ کہ ایک مرتبہ کی نقل ہے کہ حضرت سلطان کے ہمراہ تھے۔ ایک مرتبہ لشکر سلطانی گنگا پر خیمہ زن ہوا۔ حضرت نے جمیع توابعین سے منع کر دیا کہ اس دریا کا پانی کوئی نہ پیئے کہ ہندوؤں کا معبد ہے۔ وہاں سے دور ایک کنواں تھا، وہاں سے پانی منگایا اور ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت کسی جگہ تشریف لے گئے وہاں کنواں پانی عمدہ کا نہ تھا۔ کسی مخلص نے دریائے جمنا کا پانی کہ وہاں سے تین چار کوس پر تھا، حضرت کے استعمال کے واسطے منگایا۔ جب آپ کو معلوم ہوا فرمایا کہ اس پانی کے پینے میں اس کی تعظیم پائی جاتی ہے، اس سے فقط استنجا کریں اور آئینہ دیکھتے یہ پڑھتے اللھم کما احسنت خلقی فحسن خلقی وحرم وجھی علی النار اور اگر اتفاقاً بازار میں گزر ہوتا تو کلمہ تمجید پڑھتے لااله الاالله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد یحیی و یمیت و هوحی لا یموت وهوعلیٰ کل شئی قدیر ابداً ابد ذوالجلال والاکرام اور جس وقت مسجد میں آتے اگر وقت مکروہ نہ ہوتا تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے اور اس میں کبھی فرق نہ آتا اور بوقت داخل ہونے کے نیت اعتکاف فرماتے اور اس طرح نیت کرتے انسی اعتکف مادمت فی هذاالمسجد اور جب دولت خانے سے باہر تشریف لاتے تو یہ پڑھتے توکلت علی الله واعتصمت بالله لاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم اور جب ہلال دیکھتے تو پڑھتے اللھم اهله علینا بالامن ولامان والسلامة ولسلام ربی وربک الله اور ہاتھوں کی انگلیوں سے نقش لفظ اللہ بناتے اور اگر مریض کی عیادت کو جاتے تو عفاک اللہ کہتے اور جب نیا لباس پہنتے تو پڑھتے الحمد الله الذی کسانی هذاالثوب بغیر حول منی ولاقوة اور لباس کا نام بھی تعین کرتے۔ اگر عمامہ پہنتے تو هذه العمامة اور قمیص ہوتا تو هذاالقمیص فرماتے اور اگر کوئی اور پوشاک ہوتی تو فرماتے البس جدیداً وعش حمیداً و مت شهیداً. غرضیکہ ہر ایک امر میں حضرت کمال رعایت سنت و مستحب رکھتے تھے اور اس امر کی خادموں کو بھی نہایت تاکید ہوتی تھی۔ نقل ہے کہ ایک روز حضرت نے خادم سے فرمایا کہ فلانی جگہ قرنفل رکھی ہیں ان میں سے تھوڑی سی لے آؤ۔ خادم نے چھ دانہ لا کر سامنے رکھے۔ آپ نے ترش ہو کر فرمایا کہ ہمارے صوفی کو ابھی اس قدر بھی معلوم نہیں کہ اللہ وتر و یحب الوتر پھر فرمایا کہ رعایت وتر مستحبات سے ہے۔ مستحب کو لوگ کیا سمجھتے ہیں مستحب دوست داشتہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر دنیا و آخرت کو ایک ایک مستحب کے عمل میں دیں تو بھی کچھ نہیں فرمایا کہ میں اس قدر رعایت مستحب کرتا ہوں کہ منہ دھوتے وقت خیال رہتا

Marfat.com

ہے کہ پہلے پانی داہنے رخسار پر پڑے کہ تیامن یعنی داہنے سے شروع کرنا مستحبات سے ہے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نے ایام سخت میں روزے رکھنے شروع کئے اور بباعث نحافت بدن کے دشوار ہوئے۔ کسی نے عرض کی حضرت یہ کیا دن روزہ رکھنے کے ہیں۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ انہیں ایام میں ماہ رمضان گزرا ہے۔ اس میں اکثروں کو استنجا کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اعلیٰ قضاء احتیاطی ہے اور اسی تقریب میں اپنے والد کا ذکر کیا کہ جہاں تک ممکن ہوتا روزوں میں دن کو استنجانہ کرتے اور اگر بہ ضرورت اتفاق ہو جاتا تو اس کی قضا رکھتے سبحان اللہ نعم السلف و نعم الخلف اور جس طرح حضرت رعایت مستحبات کرتے تھے اسی طرح رعایت اداب بھی تھی۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرت پلنگ پر بیٹھ کر دفعتاً اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بچھونے کے نیچے کاغذ ہے نکال لو۔ گویا اس قدر گوارا نہ کیا کہ اتنے خادم کاغذ نکالے آپ بیٹھے رہیں اور ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک حافظ فرش پر بیٹھا ہوا قرآن پڑھتا تھا۔ حضرت نے جو خیال کیا تو اپنے نیچے فرش زیادہ پایا جیسا کہ صدر نشین کے ہوتا ہے۔ فی الفور وہ فرش زیادہ اپنے نیچے سے نکال دیا اور اس حافظ کے ہم فرش ہو گئے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت پیشاب کرنے تشریف لے گئے جب وہاں بیٹھے تو دیکھا کہ ناخن پر سیاہی کا نکتہ لگا ہے۔ دل میں خیال گزرا کہ یہ نکتہ اسباب کتابت حروف قرآنی سے ہے۔ معہ اس کے اس جگہ بیٹھنا خلاف ادب ہے۔ یہ سوچ کر فی الفور باہر نکل آئے اور ہاتھ دھو کر استنجا کو تشریف لے گئے۔

مقام چوتھا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے سلوک کے بیان میں

سلوک مجددی طے لطائف عشرہ وسہ گانہ ولایت وکمالات ثلثہ وحقائق سبعہ سے مراد ہے۔ واضح ہو کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے نزدیک انسان ایک مجموعہ اجزاء عشرہ یعنی اربعہ عناصر ونفس ناطقہ وقلب وروح وسر وخفی واخفی ہے اور انہیں کو لطائف عشرہ بھی کہتے ہیں۔ منجملہ ازاں اربعہ عناصر ونفس ناطقہ عالم خلق سے ہیں اور لطائف خمسہ یعنی قلب وروح وسر وخفی واخفی عالم امر سے جملہ قوائے انسانی انہیں اجزا سے مرکب ہیں اور یہ اجزا آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں جس طرح کہ اربعہ عناصر ایک دوسرے کی ضد ہیں اسی طرح پنجگانہ عالم امر میں بھی علیحدہ علیحدہ خاصیت ہے۔ نفس ناطقہ خود خواہاں خودی ہے۔ یہ کسی کا تابع ہی نہیں ہو چاہتا بلکہ یہی چاہتا ہے کہ سب اسی کے فرمانبردار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان ضدوں کو ایک جگہ جمع کر کے ایک مزاج خاص اور ہیئت وحدانی عطا فرمائی اور اس کو ایک صورت خاص بخشی کہ اجزا متفرقہ ومتضادہ کی حفاظت کرے اور اس مجموعہ کا نام انسان رکھا اور باعتبار جامعیت و حصول ہیئت وحدانی بتشریف خلافت مشرف فرمایا۔ یہ دولت عظمیٰ سوائے حضرت انسان کے کسی اور کو نصیب نہیں ہوئے۔ اصول ان لطائف عشرہ کے عالم کبیر میں منجملہ لطائف عشرہ اصول قلب وروح وسر وخفی واخفی فوق العرش جس کو لامکانی بھی کہتے ہیں، واصول عناصر اربعہ ونفس تحت العرش مگر اصل ہر لطیفہ عالم خلق کی اصل لطیفہ از لطائف عالم امر ہے چنانچہ اصل نفس اصل قلب ہے۔ واصل باد اصل روح واصل آب سر واصل نار اصل خفی واصل خاک اصل اخفی ہے اور یہ جملہ خلق وامر داخل دائرہ امکان ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے بعد تسوء اس ہیکل جسمانی میں خمسہ عالم امر کو

Marfat.com

اپنے محل و موقع سے جگہ عطا فرمائے تو بسبب علائق وعوائق حظوظ نفسانی انہوں نے اپنی اصل کو بالکل فراموش کر دیا۔ بتوجہ پیر کامل مکمل اپنے اصول سے آگاہ وخبردار ہونے میں اور میلان پیدا ہوتا ہے اور اس کی جانب طیران کر کے اس میں داخل ہو کر استہلاک و اضمحلال پیدا کرتے ہیں۔ ابتدائی سلوک خفیفہ قلب سے شروع ہوتا ہے اور اس کے تین طریقہ مقرر فرمائے ہیں۔

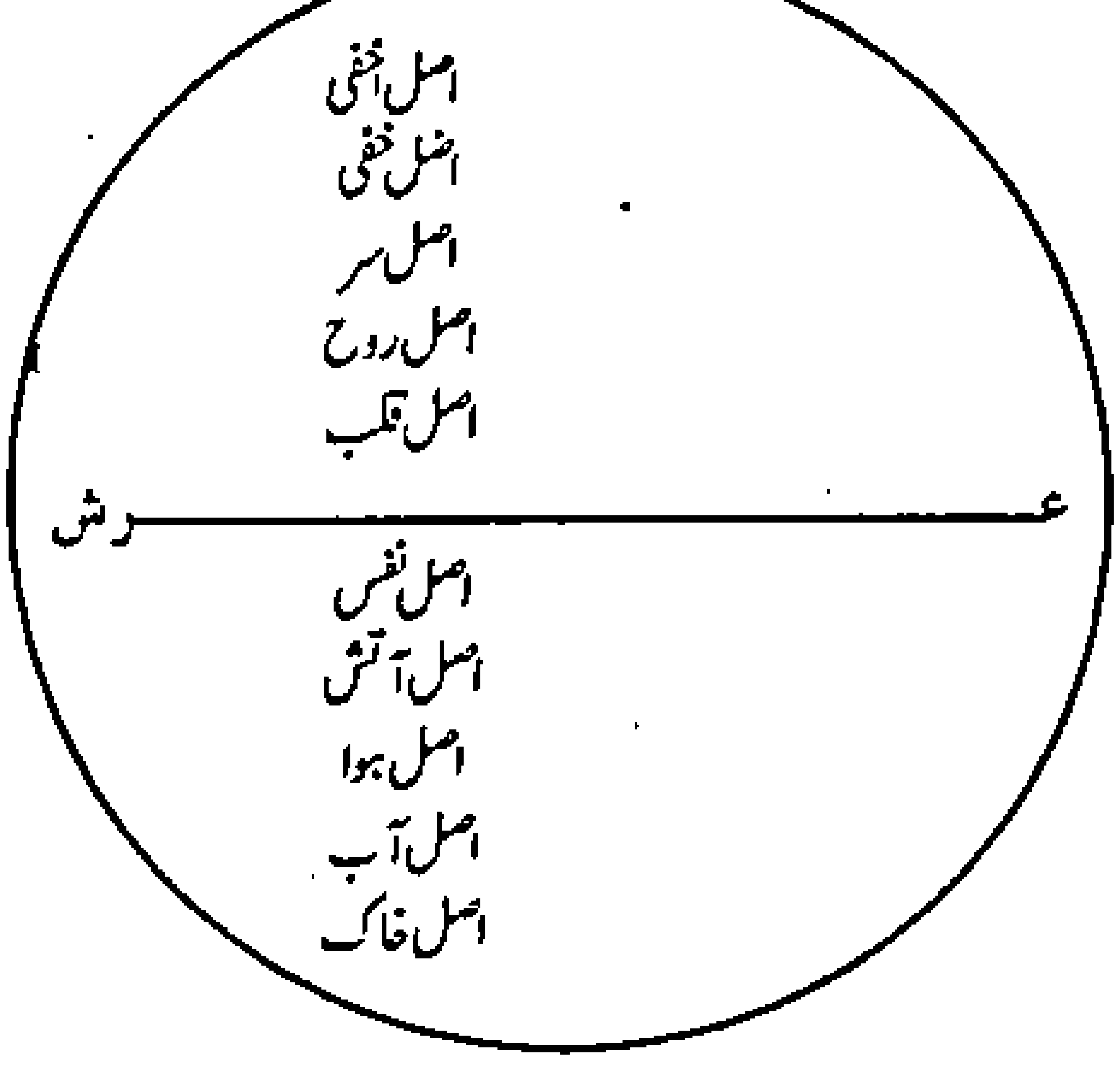

طریق اول ذکر اسم ذات

اس کا طریقہ یہ ہے کہ دل کو جمیع خطرات وحدیث نفس سے خالی کر کے صورت پیر کی باادب تمام حاضر کرے اور زبان کو تالو سے لگائے اور بجمیع ہمت متوجہ قلب صنوبری کہ زیر پستان چپ بفاصلہ دو انگشت واقع ہے، ہو اور اسم مبارک اللہ اللہ بلا لحاظ کسی صفت کے زبان دل سے کہے بغیر اس کے کہ صورت دل کا تصور کیا جائے یا سانس بند کیا جائے بلکہ سانس بجائے خود آئی جائے اور ذکر بجائے خود کرے اور جب پچیس مرتبہ کہے تو زبان سے کہے کہ الٰہی مقصود میرا تو ہے اور رضا تیری اپنی محبت و معرفت مجھے عطا کر۔ یہ لطیفہ زرد رنگ زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام ہے۔ جس کسی کو اس لطیفہ کے ذریعہ سے وصول ہوتا ہے اس کو آدمی المشرب کہتے ہیں۔ بعد ازاں بطریق مذکورہ بالا لطیفہ روح سے کہ اس کا محل زیر پستان راست ہے، ذکر ہے۔ یہ لطیفہ برنگ سرخ زیر قدم حضرت ابراہیم السلام ہے۔ جس کسی کو اس لطیفہ کے ذریعے سے وصول ہوتا ہے اس کو ابراہیمی المشرب کہتے ہیں۔ بعد ازاں سر سے اس کا رنگ سفید زیر قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ جس کسی کو اس لطیفہ کے ذریعہ سے وصول ہوتا ہے اس کو عیسوی المشرب کہتے ہیں۔ زاں بعد خفی سے اس کا رنگ سیاہ زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام ہے۔ جس کسی کو اس لطیفہ کے ذریعہ سے وصول ہوتا ہے اس کو موسوی المشرب کہتے ہیں۔ اس کے بعد اخفی سے اس کا رنگ سبز زیر قدم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس کسی کا وصول اس کے ذریعہ سے ہوتا ہے اس کو محمدی المشرب کہتے ہیں۔ اس کے بعد لطیفہ نفس ہے کہ اس کا محل پیشانی ہے۔ ذکر کرتے ہیں اور اس کے بعد لطیفہ قالب سے کہ اس کی جگہ تمام بدن ہے، چاہئے کہ ہر بُن موئی ذکر جاری ہو جائے اور اس کو سلطان الاذکار کہتے ہیں۔

دوسرا طریق ذکر نفی واثبات ہے۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ دو زانو بیٹھے اور سانس کو ناف کے نیچے بند کرے اور بزبان خیال لا کو ناف سے کھینچ کر فرق پر پہنچائے اور پھر وہاں سے الٰہ کو کھینچ کر داہنے مونڈے پر لاوے اور الا اللہ کو

Marfat.com

مونڈھے سے قلب پر پہنچائے کہ اس مجموع کا نقش لامعکوس ہو جاتا ہے اور بروقت چھوڑنے سانس کے محمد رسول اللہ خیال میں کہے اور ذکر کرتے وقت کسی عضو کو جنبش نہ ہو اور ہر سانس میں طاق عدد کہے کہ اسی کو وقوف عددی کہتے ہیں اور جب پچیس مرتبہ کہے تو زبان سے کہے کہ الٰہی مقصود میرا تو ہے اور رضا تیری اپنی محنت اور معرفت مجھ کو عطا کر اور بروقت کہنے لا الہ خیال کرے کہ نہیں کوئی مقصود اور بروقت الا اللہ کہنے کے مگر اللہ۔

واضح ہو کہ حبس نفس مفید حرارت قلب و ذوق وشوق ورقت ونفی خواطر وترقی محبت و بیشتر موجب حصول کشف ہوتا ہے اور ایک طریقہ مراقبہ ہے۔ مراقبہ مشتق ہے ترقب سے اور ترقب انتظار کو کہتے ہیں۔ پس مراقبہ گویا انتظار فیض الٰہی ہے۔ چاہئے کہ ہر وقت بہ نیاز و شکستگی تمام متوجہ الی اللہ ہو اور کوئی خطرہ دل پر نہ آنے دے۔ اس صورت میں ذکر کی کچھ ضرورت نہیں ہوتی مگر اس طریقہ میں مدار کار محبت ورابطہ شیخ پر ہے۔ براہ محبت طالب صادق وساعت شیخ سے اخذ فیوض وبرکات کرتا ہے اور بوجہ مناسبت باطنی آناً فاناً پیر کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ ذکر تنہا بے رابطہ شیخ اس طریقہ میں موصل نہیں ہے۔ ہاں صرف رابطہ بارعایت ادب صحبت وتوجہ والتفات پیر بلا ذکر موصل ہے البتہ اور طریقوں میں کہ مدار کار اوراد واذکار وریاضات اور تعینات پر ہے۔ ان میں رابطہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے بخلاف اس طریقہ کے کہ بعینہٖ طریقہ اصحاب کرام ہے وافادہ واستفادہ انعکاسی ہے۔ اس میں صرف محبت شیخ بارعایت ادب کافی ہے جس طرح صحبت حضرت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام بشرط ایمان وانقیاد کافی تھی اور یہی وجہ ہے کہ یہ طریقہ جملہ طرق میں اقرب واسبق واوفق واسلم واحکم واصدق واول واجل وارفع واکمل ہے۔

نظم

نقشبندیہ عجب قافلہ سالاراند	کہ برندازرہ پنہان بحرم قافلہ را
ازدل سالک رہ جاذبہ صحت شان	می بردوسوسہ خلوت و فکر چلہ را
قاصرے کوزند اینطائفہ راطعن قصور	حاش للہ کہ برارم بزیاں ایں گلہ را
ہمہ شیراں جہاں بستہ ایں سلسلہ اند	روبہ ازحیلہ چسان بکسلد ایں سلسلہ را

حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”شکر ایں نعمت عظمیٰ بکدام زبان بجا آرد کہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ مافقرار ابعد از تصحیح عقیدہ بموجب آراء اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ اسعیہم بسلوک طریقہ علیہ نقشبندیہ مشرف ساخت واز مریدان ومنتسبان ایں خانودہ بزرگ گردانید نزد فقیر یک گام دریں طریقہ زدن برابر بہزار گام طریق دیگر است را ہے بکمالات نبوت برطریق تبعیت ووراثت کشادہ میشود مخصوبایں طریق عالیست متنہائی طرق دیگر تا نہایت کمالات ولایت است ازا بکمارا ہے بکمالات نبوت کشادہ اند ازینجاست کہ ایں فقیر در کتب و رسائل خود نوشتہ کہ طریق ایں بزرگواران طریق اصحاب کرام است علیہم الرضوان چنانچہ اصحاب کرام بطریق وراثت از کمالات نبوت حظ وافر گرفتہ اند منتہیان ایں طریق نیز ازاں کمالات، بطریق تبعیت نصیب کامل میابند ومبتدیاں ومتوسطاں کہ ملتزم ایں طریق اند ومحبت کامل بہ منتہیاں ایں طریق دارند نیز امیدوار ندالمرءُ مع من احب بشارتیست و درافتاد گانرا۔“ بعد اختتام لطائف سبعہ مراقبات شروع ہوتی ہیں۔ مراقبہ اول مراقبہ حضور ہے۔ یہ مراقبہ ولایت صغریٰ کا ہے۔ فیض اس کا لطیفہ قلب پر آتا

Marfat.com

ہے۔اس جگہ حضور و جمعیت وبےخطرگی یا کم خطرگی اقل درجہ چار گھڑی تک ہونا چاہئے اور یہ علامت تمامی قطع دائرہ امکان ہے۔بعدازاں مراقبہ معیت ہے کہ مفہوم آیۃ وھو معکم اینما کنتم ہے۔یہ مراقبہ بھی ولایت صغریٰ میں ہے۔اس میں بھی فیض لطیفہ قلب پر آتا ہے۔یہاں ظلال اسماء وصفات میں سیر ہوتی ہے۔نسیان ماسواء وغلبات نسبت وتوحید معلیٰ وتجلی برقی وشہود وحدت در کثرت (ولایت صغریٰ) وشوق وطپش وسکر ومستی وجذبات وواردات وفنا وبقا وآہ ونعرہ واستغراق وبےخودی ورقت ودوام حضور ودیگر حالات مثل وحشت وحیرت وانکشاف سرمعیت وحصول مقامات عشرہ یعنی توبہ وانابت وزہد وقناعت وورع وشکر وصبر وتوکل وتسلیم ورضا اجمالا وکشف قبور وکشف قلوب وکشف ارواح اس مقام میں حاصل ہوتی ہیں۔ذکر اسم ذات ونفی اثبات وتہلیل لسانی اس جگہ فائدہ بخش ہے۔بعدازاں ولایت کبریٰ میں ولایت انبیاء ہے،سیر واقع ہوتی ہے اوراس میں تین دائرہ اور ایک قوس ہے۔دائرہ اولیٰ مراقبہ قربیت مفہوم آیۃ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید ہے (قوس محبت اقربیت)۔اس کا فیض لطیفہ نفس اور لطائف خمسہ پر آتا ہے۔حضور و نگرانی وعروج ونزول وجذبات مانند قلب اس جگہ بھی حاصل ہوتی ہیں لیکن بہ نسبت قلب کے اس جگہ بدمزگی وکم حلاوتی ہے۔ذکر تہلیل بزبان وخیال اس جگہ ترقی بخش ہے۔بعدازاں مراقبہ محبت کہ مفہوم یحبھم ویحبونہ ہے۔یہ مراقبہ بھی ولایت کبریٰ کا ہے۔اطمینان شورش مقام جذبات واستہلال واضحلال حقیقت فنا وحقیقت اسلام وشرح صدر ودوام شکر و رضا اس جگہ حاصل ہوتی ہے اور قضا پر چوں وچرا جاتی رہتی ہے۔قبول تکلیفات شرعیہ میں احتیاج دلیل نہیں رہتی۔دفع انانیت واتہام نیات ودید قصور وتہذیب اخلاق وتزکیہ رزائل مثل حرص وبخل وحسد وکبر وحب وجاہ وعجب اس مقام میں حاصل ہوتا ہے۔بعد تمام ہونے ولایت کبریٰ کے ولایت علیا پیش آتی ہے۔اس جگہ مور وفیض عناصر ثلثہ یعنی آب باد آتش میں ہیں۔یہاں (ولایت علیا) عناصر ثلثہ کو عروج ونزول ہوتا ہے۔سلطان الاذکار سے جو مبتدیوں کو صفائی ہوتی ہے وہ اور ہے اور یہ تصفیہ عناصر اور یہاں کے حالات وکیفیات بکمال لطافت ونزاکت ہیں اور کچھ عجیب وغریب وسعت باطن میں پیدا ہوتی ہے اور ملاء اعلیٰ سے مناسبت حاصل ہوتی ہے بلکہ ممکن ہے کہ ملائکہ کرام سے ملاقات بھی ہو اور اسرار قابل استتار ظاہر ہوں۔ذکر تہلیل وصلوٰۃ نافلہ اس جگہ مفید ہیں۔بعدازاں اگر فضل الٰہی شامل حال ہو تو کمالات نبوت میں سیر ہوتی ہے۔کمالات نبوت عبارت دوام تجلی ذاتی بےپردہ اسماء وصفات سے ہے۔اس جگہ ایک نقطہ طے کرنا جمیع مقامات ولایت سے افضل بہتر ہے۔(کمالات نبوت) یہاں حضور بےجہت ہوتا ہے۔پچھلی طلب وطپش و بیتابی وشوق حال ومقام توحید وجودی وشہودی بمراحل دور رہ جاتے ہیں اور بجائے ان کی برویقین ونکارت وجہالت حاصل ہوتی ہے۔یہاں وصل عریاں وصفائی وقت وحقیقت اطمینان واتباع ہوالماجاء بہ المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و کمال وسعت نسبت باطن وبیکیفی ویاس وحرمان نقد وقت ہوتا ہے۔یافت وادراک اس جگہ علامت نارسائی ہے۔مور و فیض یہاں صرف لطیفہ خاک ہے۔اس جگہ اور آئندہ کے جملہ مقامات میں نماز بطول قنوت وتلاوت قرآن شریف ترقی بخش ہے مگر تین سپارہ سے کم نہیں چاہئے اور اگر قرآن شریف یاد نہ ہو تو ایک ہزار مرتبہ سورۃ اخلاص بھی کافی ہے اور اور ادواذکار ماثورہ کھانے وپینے وسونے میں معمول کرنا چاہئے غرضیکہ اس جگہ جس قدر اتباع رسول اللہ صلعم ہوگا اسی قدر ترقی باطنی ہوگی۔بعدازاں مقام کمالات رسالت ہے۔اس جگہ مور وفیض ہیئت وحدانی ہے کہ بعد تقرر وتکمیل لطائف عشرہ حاصل ہوتی ہے جیسے کہ کوئی حکیم حاذق متفرق اجزا کی ترکیب ووزن درست کر کے ایک معجون خاص مزاج کی

Marfat.com

بنائے۔ یہاں (کمالات رسالت) عروج ونزول وانجذاب تمام بدن کو نصیب ہوتا ہے۔ بعد ازاں مراقبہ کمالات اولوالعزم پیش آتا ہے۔ (کمالات اولوالعزم) اس جگہ بھی مورد فیض ہیئت وحدانی ہے۔ یہ مقامات یعنی کمالات ثلثہ آپس میں قشر ومغز کا فرق رکھتے ہیں۔ مقام فوق مثل مغز خیال کرنا چاہئے اور مقام تحت مثل قشر۔ واضح ہو کہ اس کے آگے ایک دوراہہ پیش آتا ہے۔ ایک بجانب حقائق انبیاء اور ایک بجانب حقائق الٰہیہ خاندان مجددیہ مظہریہ سعدیہ میں بعد کمالات حقائق الٰہیہ کی سیر کراتے ہیں اور خاندان مظہریہ للٰہیہ میں کمالات حقائق انبیاء کے چونکہ الحروف للہی ہے اس سبب سے بعد کمالات حقائق انبیاء لکھتا ہوں۔

حقیقت ابراہیمی:

یہ مقام خلت از بس شگرف وکثیر البرکت ہے (حقیقت ابراہیمی)۔ اس مقام میں انبیاء تابع حضرت ابراہیم خلیل اللہ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور حضرت حبیب رب العالمین علیہ من الصلوٰۃ اکملہا باتباع ملت ابراہیم حنیفا مامور ہیں اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برکات مطلوبہ اپنے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صلوٰۃ و برکات سے متشابہ کیا ہے کہ اللھم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید. اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم و علیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید فرمایا ہے۔ بس اس سے ہی خیر وبرکت اس مقام کی دریافت کرنا چاہئے۔ اس جگہ سالک کو انس خاص حضرت حق سبحانہ سے پیدا ہوتا ہے اور تمام خلق سے اس قدر بے التفاتی ہوجاتی ہے کہ کسی کے توسط پر راضی نہیں ہوتا گویا کہ واما الیک فلاحاجة لی کا مصداق ہوتا ہے۔ درود مذکورہ بالا تین ہزار مرتبہ پڑھنا اس جگہ ترقی بخش ہے۔

حقیقت موسوی:

یہ مقام محبت صرفہ ذاتیہ حقیقت موسوی ہے (حقیقت موسوی) علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ بہت سے پیغمبر بمتابعت حضرت کلیم اللہ علیہ السلام اس مقام پر پہنچے ہیں۔ اس مقام میں کیفیت عجیب بقوۃ تمام ظاہر ہوتی ہے اور باوجود ظہور محبت ذاتی شان استغنائی وبے نیازی بھی ظاہر ہوتی ہے اور یہی بھید ہے کہ بعض مواضعات پر حضرت کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلمات گستاخانہ سرزد ہوئے۔ کما قال اللہ سبحانہ حکایة عن قوله علیه الصلوٰة والسلام ان ھی الا فتنتک اور ایک قسم کا اس جگہ شور وشوق پیدا ہوتا ہے کہ مشارب ارنی انظر الیک ہے لیکن جو شور وشوق قلب میں ہوتا ہے وہ اور ہے اور یہ اور ہے۔ وہ موجب شورش اور یہ باعث کمال اطمینان دوست و بیرنگی باطن وارادہ طاعت واستوائے ایلام وانعام محبوب ہوتا ہے۔ درود شریف اللھم صل علی محمد و آله و اصحابه و علیٰ جمیع الانبیاء المرسلین خصوصاً علیٰ کلیمک موسیٰ بقدر مذکورہ بالا ترقی بخش ہے۔ حقیقت محمدی یہ مقام محب ومحبوبیت ممتزجہ ذاتیہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس مقام میں تابع کو اپنے متبوع سے ایسی

Marfat.com

شباہت و مناسبت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا تبعیت درمیان سے اٹھ گئی اور امتیاز تابع و قبوع زائل ہو جاتا ہے اور ایسا متوہم ہوتا ہے (حقیقت محمدی) کہ گویا تابع و متبوع ہر دو ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں وہم آغوش ایک کنار و ایک بستر ایں مگر تابع اپنے تئیں طفیلی اپنے متبوع کا جانتا ہے و معنی قول امام ربانی مجدد الف ثانی کہ خدا را ازاں دوست می دارم کہ رب محمد است اس جگہ ظاہر ہوتی ہے۔ اس مقام میں جمیع حرکات و سکنات دینی و دنیوی میں اتباع محبوب رب العالمین سید المرسلین مرغوب ہوتا ہے و درود اللھم صلی علیٰ سیدنا محمد علیٰ آل محمدٍ و اصحاب سیدنا محمد افضل صلوٰتک بعد و معلوماتک و بارک وسلم بتعداد مذکورہ بالا ترقی بخش ہے۔

حقیقت احمدی:

یہ مقام محبوبیت ذاتیہ صرفہ سے ناشی ہے (حقیقت احمدی) اور بہ نسبت حقیقت سابق کے حضرت ذات سے ایک مرحلہ نزدیک ہے اور حکم روح رکھتی ہے کیونکہ حقیقت سابق حضرت صلعم کی تعین جسدی ہے اور یہ تعین روحی اس جگہ علو نسبت باششاں انوار ظہور فرماتی ہے اور عجیب و غریب کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ امام الطریقہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس مقام کے ایضاح میں اس طرح فرمایا ہے کہ حضرت ''پیغمبر ما صلی اللہ علیہ وسلم مسمی بدو اسم است کہ ہر دو اسم مبارک او در قرآن مجید مسطور است فرمود محمد رسول اللہ و در حکایت بشارت روح اللہ اسمہ احمد و ہر کدام ایں دو اسم مبارک را ولایت علیحدہ است ولایت محمدی سرچندی ناشی از مقام محبوبیت اوست علیہ الصلوٰۃ والسلام اما آنجا محبوبیت صرف کائن نیست مزجی از نشا محیب نیز دارد اگرچہ ان مزج بالاصالت اور اثابت نباشد امامانع مقام محبوبیت صرف است و ولایت احمدی ناشی از محبوبیت صرف است کہ شائبہ محب ندارد ایں ولایت از ولایت سابق پیش قدم است و یک مرحلہ از مطلوب نزدیکتر است بحب مرغوب ترچہ محبوب ہر چند در محبوبیت تمام تر بود استغنا و بے نیازی او را کامل تر باشند و در نظر محب زیبا تر در آید و رعنا تر نماید و بیشتر محبوب را بخود جذب ساز د و شیفتہ والا تر گرداند۔

نہ تنہا آفتم زیبائے اوست بلائے من زنا پروائے است

مراد از بلا فراط عشق است سبحان اللہ احمد عجب اسمی است سامی کہ مرکب در کلمہ مقدمہ احد است و از حلقہ حرف میم کہ از غوامض اسرار الٰہیت جلشانہ در عالم بیچون گنجائش ندارد کہ در عالم چوں تعبیر از ن سرکنوں بغیر از حلقہ میم تو ان کرد اگر گنجائش میداشت حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ باں تعبیر میفرمود و احد احد است کہ لاشریک لہ است و حلقہ میم طوق عبودیت است کہ بندہ را از مولیٰ متمیز گردانیدہ است پس بندہ ہماں حلقہ میم است و لفظ احد از برائے تعظیم او آمدہ است و اظہار و اختصاص او کردہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

چو نام اینست نام آورچہ باشد مکرم تر بود از ہرچہ باشند

بعد از ہزار سال کہ آنزار تاثیرے نہادہ اندر تغیر امور عظام معاملہ آنولائیت بآنولایت کشیدہ ولایت محمدی بولایت احمدی انجامید و کاروبار از دو طوق عبودیت بیک طوق رسید و بجائے طوق نخستین حرف الف کہ رمزے از رب اوست متمکن گشت تا محمد احمد شد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بیانش آنست کہ دو طوق عبودیت عبارت از دو حلقہ میم است کہ در اسم مبارک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وبارک اندراج یافتہ است تواند بود کہ آں دو طوق اشارت بدو تعین روحی

Marfat.com

اوباشد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام یکے ازاں دوتعین جسدی بشری است و دوم تعین روحی ملکی دور تعین جسدی ہر چند بواسطہ عروض موت فتور رفتہ بود و تعین روحی قوت گرفتہ اما اثر آں تعین باقی ماندہ بود۔ ہزار سال بائست تا آں اثر نیز زائل شود و نشانی ازاں تعین نماند و چوں ہزار سال آخر آمد واثرے ازاں تعین نماند و یک طوق عبودیت ازاں دوطوق گشتہ شدوز والی وفنائی بآں طاری گشت والف الوہیت کہ آنرا در رنگ بقائے باللہ تواں گفت بجائے آں بنشست ناچار محمد احمد گشت و ولایت محمدی بولایت احمدی انتقال فرمود۔ پس محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ عبارت از دوتعین آمد واحمد کنایت از یک تعین باشد و بس ابن اسم بحضرت اطلاق اقرب باشد واز عالم دور تر بود سوال فنا و بقا کہ مشائخ قرار دادہ اندہ ولایت رابآں مربوط ساختہ بچہ معنی است وایں فنا و بقا کہ تعین محمدی گفتہ شد بکدام معنی جواب فنا و بقاء کہ ولایت بآں مربوط است فنا و بقا شہودیست اگر فنا و زوال است با اعتبار نظر است و اگر بقا وثبات است ہم با اعتبار نظر انجا صفات بشری راستتار است نہ زوال وفنائے ایں تعین ہمچنیں است بلکہ اینجا صفات بشری راز وال وجودی متحق است وانخلاع از جسدی بروحی کائین دور جانب بقا اینجا نیز ہر چند بندہ حق نشود واز بندگی نہ برآید ما بحق نزدیک تر افتد ومعیت بیشتر پیدا میکند واز خود دور تر گشتہ احکام بشری از وے مسلوب ترمیگر دد باید دانست کہ ایں عروج محمدی کہ مربوط بانتفائے صیفات بشری است ہر چند کاروبار اوعلیہ وعلی آل الصلوٰۃ والسلام بالا تر برود وزدہ علیا رسانیدو از کشاکش غیر و غیریت وارہانید اما معاملہ برامتاں اوعلیہ وعلیٰ وآلہ الصلوۃ والسلام تنگ ترگشت ونور ہدایت اوکہ بواسطہ مناسبت بشریت بود کمتر شد وتوجہی کہ بحال ایں واپس ماندگان داشت قلت پیدا کرد وبکلیت بمحبوب خود متوجہ شد واز ینجا است کہ بعد از ہزار سال ظلمات کفر و بدعت مستولی گشت وانوار اسلام وسنت نقصان کردہ ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علیٰ کل شئی قدیر. 'ق

بعد طے حقیقت احمدی حسب صرفہ پیش آتا ہے۔ (حسب صرفہ) علوو بیرونگی اس مقام کے بسبب قرب ذات مطلق ولاتعین بیان نہیں ہوسکتی۔ اول چیز کہ گنجینہ مخفی سے ظہور پذیر ہوئے یہی حسب ہے اور یہی حسب منشاء و مبدا خلق ہے۔ اگر یہ حسب نہ ہوتی اور ایجاد نہ کھلتا چنانچہ حدیث شریف کنت کنزاً مخفیافا جبت ان اعرف مخلقت الخلق لا عرف اس پر نص قاطعہ ہے۔ یہ مقام خاص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ پچھلے حقائق اس مقام کے ظل ہیں۔ سر حدیث قدسی لولاک لماخلقت الافلاک اس سے دریافت ہوتا ہے دیگر حقائق انبیاء کا اس جگہ کچھ نشان نہیں ملتا۔ من بعد لاتعین ہے کہ سیر قدمی کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے۔ (لاتعین) البتہ سیر نظری ہوتی ہے اور یہ سیر نظری ذات بحت وصفات ثمانیہ یعنی تکوین وقدرت وسمع وبصر وکلام وعلم وحیوۃ وان کے اصول اول اصولی میں ہوتی ہے۔ حقیقت کعبہ (حقیقت کعبہ) یہ مقام سرادقات عظمت وکبریائے ذاتیۂ الٰہیہ ہے۔ اس جگہ باطن سالک پر ایک ہیبت وارد ہوتی ہے اور جب اس مقام میں فنا و بقا حاصل ہو جاتی ہے تو سالک توجہ ممکنات اپنی جانب پاتا ہے۔ حقیقت قرآن (حقیقت قرآن) عبارت مبد وسعت بیچون حضرت ذات سے ہے۔ اس جگہ نکات واسرار مقطعات و متشابہات ظاہر ہوتے ہیں اور وقت قرأت زبان قاری حکم شجرۂ موسوی رکھتی ہے بلکہ بسا اوقات تمام قالب حکم زبان پیدا کرتا ہے اور غالباً علامت انکشاف انوار قرآن مجید ایک ثقل باطن عارف پر ہوتا ہے گویا کہ انا سنلقی علیک قولاً ثقیلا اس سے مراد ہے حقیقت صلوٰۃ (حقیقت صلوٰۃ) عبارت کمال وسعت بے چون حضرت ذات سے ہے۔ یہ مقام

جامع جمیع کمالات ہے۔ اگر حقیقت کعبہ ہے وہ بھی جز وصلوٰۃ ہے اور اگر حقیقت قرآن ہے وہ بھی جز وصلوٰۃ ہے۔ جس شخص کو اس مقام سے مناسبت تامہ پیدا ہو جاتی ہے وہ بروقت نماز گویا نشہ دنیوی سے خارج اور نشہ اخروی میں شامل ہو جاتا ہے۔ و مضمون حدیث ان تعبد اللہ کانک تراہ بوجہ کمال ظاہر ہوتا ہے اور جو دولت کہ مخصوص بآخرت ہے اس سے حظ وافر حاصل ہوتا ہے۔ رمز ارحنی یا بلال وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ اس جگہ کھلتا ہے۔ صاحب ''فتوحات مکیہ'' نے لکھا ہے کہ صوم سے کہ ترک اکل وشرب اس میں ہوتا ہے صفات صمدیت میں شامل ہونا ہے اور نماز سے کہ عابد و معبود کا امتیاز کرنا ہے غیر وغیریت میں آنا ہے۔ امام الطریقہ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ صاحب ''فتوحات'' کا یہ کلام ہے نبی بر توحید وجودی ہے کہ جس کا منشا سکر و عدم آگاہی از حقیقت نماز ہے جو لوگ کہ سماع و وجد و تواجد و رقص و رقاصی کے خوگر ہیں اگر شمہ بھی حقیقت صلوٰۃ سے آگاہ ہوتے ہیں تو ہرگز ہرگز اس طرح خیال نہ کرتے مگر کیا کریں چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ معبودیت صرفہ (معبود صرفہ) یہاں کسی کی مجال دم زدن نہیں۔ عابدی و معبودی میں گنجائش قدم ہے مگر جب معاملہ معبودیت صرفہ پر پہنچا تو پھر قدم کجا مگر الحمدللہ کہ سیر نظری کو اس جگہ جائز رکھا ہے اور بقدر استعداد گنجائش رکھی ہے۔ بلا بودی اگر ایں ہم نبودی۔ شاید کہ قف یا محمد اسی کوتاہی قدم سے اشارہ ہے۔ سیر نظری و سیر قدمی سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہاں شہود و مشاہدہ ہے یا قدم رکھنے کی گنجائش ہے بلکہ یہ سیر از قبیل متشابہات ہیں من لم مذق لم ید ریہ ۔ ایک وصول مجہول الکیفیۃ ہے۔ اگر صورت مثالیہ میں نظر آیا تو اس کو سیر نظری کہا اور اگر وصول قدمی ہوا تو سیر قدمی کہا ورنہ وہاں نظر کجا اور قدم کہاں۔ اس جگہ عبادت صلویۃ سے حدت نظر و ترقی بصر کو ترقی ہوتی ہے۔ واضح ہو کہ طے مقامات مجددیہ توجہ التفات پیر کامل مکمل پر موقوف ہے اور بلا توجہ پیر کامل مکمل پائے سعی لنگ ہے اور کامل مکمل جس کی صحبت میں یہ مقامات حاصل ہوں، النادر کالمعدوم ہیں۔ کاتب الحروف کے علم میں اس وقت حضرت مرشدنا وقبلتنا حضرت مولانا حافظ غلام نبی صاحب احمدی للہی مدظلہم العالی کی خدمت بافر وسعادت میں تو البتہ یہ مقامات بوجہ احسن حاصل ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلیک مقامات مجددیہ میں ایسی قوت قدسیہ عطا فرمائی ہے کہ جس کا نظیر حکم عنقائے مغربی رکھتا ہے۔ دیکھنے و کہنے و سننے میں بڑا فرق ہے۔

قدر ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

باوجود دیکھ جہاں خصوصاً ہندوستان پُر از کفر و شرک و بدت و وہابیت ہے مگر مبداء فیاض نے حضرت مرشدنا و مولانا کو ایسا سراپا تاثیر بنایا ہے کہ بارہا ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ بمجرد تلقین مقام سالک پر فیوض و برکات اس مقام کے وارد ہو جاتے ہیں اور قوت تسلیک مقامات اس سے قیاس کرنا چاہئے کہ کسی کو صرف ایک مہینہ کے عرصہ میں اور کسی کو ہر ایک مقام پر صرف سات سات توجہ فرما کر طے سلوک مجددیہ کرا دیا ہے اور سالک نے بقدر اپنی استعداد کے ہر مقام کا بخوبی امتیاز کیا وھذا من اعجب العجوبات و من اعظم التصرفات ۔ اس وقت تک حضرت کی خدمت سراپا برکت میں چالیس کے قریب آدمی جملہ مقامات مجددیہ حاصل کر چکے ہیں اور اجازت صغریٰ و کبریٰ تک تو اس قدر پہنچے کہ شمار نہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی عمر شریف میں برکت کرے کہ وجود مسعود ایک آیت آیات الٰہی و رحمت رحمت ہائے رب العالمین سے ہے۔

Marfat.com

زاقصائے خطاتا غایتٔ مغرب زمیں امروز | نباشد ہیچ کس مانند اواز نوع انسانی
زاقطاب جہاں دعویٰ ہمتائیش میزیبد | سہارا گرسزد با مہر تاباں لاف رخشانی
زخورشید جمالش نیست جز خفاش بے بہرہ | بجزاحوال نہ بیند کس دریں عالم وراثانی
نزیبد مہر رابا فیض اولاف جہانگیری | نباشد چرخرابا قدر اوامکان ہمثانی
بجان شوبندہ اش اے آنکہ میخواہی شدن آزاد | زتسویلات نفسانی و تلبیسات شیطانی
تمنائے قبولش دارم و دانم کہ نااہلم | مدد یاروح شاہ نقشبند و غوث گیلانی
سگم از سگ بسے کمتر تو نجم الدین صفت جاناں | بریں سگ بنگرار زوئے کرم زاانسانکہ میدانی

مقام پانچواں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ملفوظات میں

ایک روز شب کے وقت حضرت نے یہ اشعار مولانا روم کے ۔

عشق معشوقاں نہانست و سیتر | عشق عاشق باد وصد طبل و نفیر
لیک عشق عاشقاں تن زہ کند | عشق معشوقاں خوش و فربہ کند

مکرر بکمال لطف و کیفیت پڑھے۔ بعد ازاں فرمایا کہ معشوقوں کے عشق کو عاشقوں کے عشق سے بسبب علو کچھ مناسبت نہیں کیونکہ معشوقوں کا عشق صرف ذات عاشق کے متعلق ہوتا ہے اور اس میں صفات کا کچھ لگاؤ نہیں، بخلاف عشق عاشق کہ اس میں سراسر معشوق کی صفات ہے۔ صفات کا لحاظ ہے مگر ہاں اگر عاشق بسبب غلبہ واستیلائے عشق صفات معشوق سے ذات معشوق پر گزر جائے تب البتہ اس کے عشق کو معشوق کے عشق سے مناسبت ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ مجنوں عامری کے اواخر حال کی نقل مشہور ہے والا ابتدا وتوسط میں عشق عاشق میں صرف صفات منظور ہوتی ہے جیسے کہ عشق عاشق مجازی میں خال وخط مدنظر ہوتا ہے اور عشق معشوق میں سوا ذات عاشق کے اور کچھ منظور نہیں ہوتا پھر فرمایا کہ صفات کے واسطے بے آرامی وتلوین ضرور ہے اور اسی وجہ سے عشق عاشق باد وصد طبل ونفیر ہوتا ہے اور عشق معشوق میں تمکین یہ موجب نزاری عاشق وفربہی معشوق ہے اور یہ جو کہا کہ عشق معشوقاں نہانست دستیر یہ بھی محبت ذاتیۂ کی طرف اشارہ ہے لان الذات اخفی من الصفات دادق منھا اور یہ حضرت کا فرمانا گویا یحبھم و یحبونہ کے معنی کی برمزواشارہ تعبیر کی ہے۔ ایک روز حضرت چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے کہ ایک درویش خاص نے عرض کی کہ ایک کتاب میں لکھا دیکھا کہ شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''در ہر چیز رحمت است الا در محبت کہ در وہیچ رحمت نیست کہ بکشند واز کشتہ دیت میخواہند'' یعنی سب چیز میں رحمت ہے لیکن محبت میں رحمت نہیں کہ قتل کرتے ہیں اور مقتول سے خون بہا مانگتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت چارپائی سے اتر بیٹھے اور قدرے مراقب رہے۔ بعد ازاں خواجہ محمد ہاشم کشمی اپنے خلیفہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ یہ کلام عارف کے زوال عین واثر سے خبر دیتا ہے۔ جس نے یہ کلام کیا اس نے گویا اپنا حال کہا ہے۔ ہر چند کہ اس کے حق میں رحمت ہے لیکن وہ بیچارہ معشوق میں باقی اور محقق ہونے کے شوق میں اس رحمت کو رحمت نہیں جانتا کیونکہ اول جب وہ کشتۂ محبت ہوا تھا تو معشوق سے دور تھا۔ اس وقت اس کو معشوق کی خبر ومسکن

Marfat.com

کا حال سننا ہی رحمت تھا اور جب یہ حاصل ہوگیا تو رویت کو رحمت سمجھا اور جب یہ بھی نصیب ہوگئی تو اس کو بیرحمی سمجھا اور عین معشوق ہونے کو رحمت سمجھا اور جب عین بھی ہوگیا تو پھر اس عینیت کے اور مدارج و مراقب ہیں اور ان کے شوق میں مراتب حاصل شدہ کا حصول رحمت سمجھتا ہے اور پھر فرمایا کہ یہ جو کہا ہے کہ از کشتہ دیت خواہند یعنی مقتول سے خون بہا مانگتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے بدانست خود اپنے تئیں کشتہ تصور کیا اور اس پر معاملہ فنا و بقا جو گزرا اس کو دیت یعنی خون بہا سمجھا اور جو کچھ کہتا ہے عالم حیرت میں کہتا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ ہر مرتبہ اس کا قتل کامل نہیں ہوا تھا۔ کوئی رمق باقی رہ گئی تھی۔ بعد قتل ثانی کے ازالہ رمق باقیماندہ تھا جو بنظر تامل دیکھا تو قاتل کی نظر میں اور رمق باریک نظر آئی اس کے ازالہ کے واسطے پھر سعی کی۔ اس جگہ خون بہا طلب کرنا قاتل کا مقتول سے یہ ہے کہ مقتول اپنے تئیں سراپا سپرد قاتل کرے۔ اس کے بعد اور بھی توجیہہ فرمائی کہ ''بکشند واز کشتہ دیت خواہند'' سے یہی مراد ہے کہ باوجود فنا جس کو زوال عین واثر لازم ہے اسے بندگی اور وظائف و تکالیف شرعیہ طلب کرتے ہیں۔ ایک روز حضرت نے فرمایا کہ شیخ علاء الدولہ سمنانی کی یہ رباعی۔

ایں وہم بود کز تو دوئے برخیزد — امکان وحدت براہ وروئے برخیزد
گر لطف خدا در رسد از راہ کرم — شاید کہ دمے از تو دوئے برخیزد

ان کے زوال عین کی طرف اشارہ کرتی ہے ہر چند کہ ان کے نزدیک وہ زوال ایک لمحہ سے زیادہ نہیں کیونکہ زوال عین جو ہوتا ہے وہ ذات تجلی ذاتی سے ہوتا ہے اور تجلی ذاتی ان کے نزدیک لمحہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ پس زوال عین بھی ایک لمحہ سے زیادہ نہ ہوا اور صاحب خصوص تو بالکل زوال عین کے قائل ہی نہیں کیونکہ ان کے نزدیک عین معلوم ہے۔ پس معلومات الٰہی سے اگر اس کو زوال ہو تو گویا علم الٰہی سے منقلب بجہل ہوا اور یہ محال اور اس قسم کے عقائد گمراہی اور زوال اثر کے بھی یہ بزرگ قائل نہیں کیونکہ جب عین نہ زائل ہوا تو اثر کس طرح زائل ہوگا اور بعض صوفیہ کے کلام سے پایا جاتا ہے کہ عین جاتا رہتا ہے اور اثر نہیں جاتا لیکن میرے نزدیک عین واثر دونوں جاتے رہتے ہیں جیسے کہ شیخ ابوسعید قدس سرہ کے کلام سے اس کی صراحت ہوتی ہے اور جو زوال عین مانتے ہیں اور زوال اثر جائز نہیں رکھتے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ ان کا زوال عین کامل نہیں ہوا کیونکہ اثر حکم عرض رکھتا ہے اور عین حکم جوہر حسب جوہر نہ رہا تو پھر عرض کجا۔ جب سر نہ رہا تو درد سر کس طرح رہ سکتا ہے۔ بعد ازاں حضرت نے شیخ منہ کی یہ رباعی۔

چشم ہمہ اشک گشت و چشم نگریست — در عشق تو بے چشم ہے باید زیست
از من اثرے نماند ایں عشق از چیست — چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

پڑھی اور چوتھے مصرعہ کو مکرر پڑھ کر فرمایا کہ اس سے ہمارا اتفاق نہیں ہے بلکہ اسی قول شیخ سمنانی سے کہ ''توئی خیزد دوئی برنہ خیزد'' ہاں اتنا فرق ہے کہ شیخ سمنانی اس کو برقی کہتے ہیں اور میں استمراری کیونکہ تجلی ذاتی میرے نزدیک دائمی ہے نہ کہ برقی اور فرمایا کہ زوال عین واثر کو رفع دوئی لازم نہیں ہے اور نہیں ہو سکتی کیونکہ جو ہستی کہ ظل کو تھی اور اپنی اصل سے تھی، اس کو وہ اپنی جانتا تھا اور جب اس نے اصل کو دے دی تو ''توئی برخیزد'' کا مضمون صادق آیا کیونکہ توئی اس میں وہی امانت تھی جو اس میں مودع تھی اور اس نے اس کے اہل کے حوالہ کی لیکن دوئی دور نہیں ہو سکتی کیونکہ ظل اصل نہیں

Marfat.com

ہوسکتا۔ ایک روز بتقریب اس کلام صاحب ''فصوص'' کے کہ فرمایا ہے ان شئت قلت انه ای العالم حق و ان شئت قلت از خلق وان شئت قلت حق من وجه و خلق من وجه و ان شئت قلت بالحیرة العدم التمیز بینهما ۔فرمایا موجود موہوم میں تمیز کرنا اور بات ہے اور ممیز ہونا اور کچھ اور اسی طرح نفی وانتفا میں نہایت باریک فرق ہے کہ نفی ابتدا اور توسط میں ہوتی ہے اور انتفا انتہا میں اور اسی تقریب میں فرمایا کہ ہمارے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کے طریقہ میں تعلیم و تعلم اسم ذات و نفی اثبات دونوں جاری ہیں لیکن مجھ کو جو آگاہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اسم ذات کو جذبہ سے مناسبت ہے اور نفی اثبات کو سلوک سے مگر چونکہ اس طریقہ میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اس لئے ابتدا میں اسم ذات تعلیم کرتے ہیں اور جب سلوک میں قدم رکھتا ہے تو نفی اثبات تعلیم کرتے ہیں۔ ایک روز حضرت خلوت میں تشریف رکھتے تھے۔ چند خادم بھی حاضر تھے۔ ایک نے عرض کی کہ اس کا کیا سبب ہے کہ محافل و ہنگاموں میں ظہور نسبت زیادہ ہوتا ہے اور تنہائی میں کمتر ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہی بھید ایک شخص نے خواجہ صاحب احرار سے دریافت کیا تھا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے خواجگان کی نسبت محبوب ہے اور قاعدہ ہے کہ جب محبوب کو خلوت میں بلاتے ہیں تو شرماتا ہے۔ بعد اس کے حضرت نے فرمایا کہ حضرت خواجہ کا یہ جواب لطیف و ظریف ہے لیکن حل اس دقیقہ کا نہ کیا۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے جو کہ اس وقت موجود تھے، غرض کی کہ حل کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اصل یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں آپس میں نسبت الفت آشنائی و ہم نشینی ہے جیسے کہ دوستوں اور ہم نشینوں میں محبت ہوتی ہے اور سالک کا ہر دو یعنی ظاہر و باطن اپنے اپنے کام میں مثلاً باطن توجہ و مراقبہ و حضور و ظاہر دیگر امور حسنہ میں مشغول رہتی ہے اور محافل و ہنگاموں میں نسبت کثرت اختلاط خلق ظاہر باطن کی ہم نشینی و مجالست سے رہ جاتا ہے۔ اس وقت باطن اپنے کام میں سرگرم اور مشغول ہوتا ہے۔ یہ سبب ہے کہ اس وقت غلبہ حضور و حلاوت زیادہ ہوتا ہے اور جس وقت سالک سکوت میں جاتا ہے اختلاط خلق سے چھوٹ جاتا ہے اور باطن کی طرف بوجہ محبت سابقہ مصاحب ہوکر مختلط ہو جاتا ہے۔ ناچار باطن کے حضور توجہ میں فرق آ جاتا ہے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے عرض کی کہ اکثر ہوتا ہے کہ سالک کو خلوت میں بہ نسبت مجالس کے زیادہ حلاوت ہوتی ہے اس کا کیا سبب ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کا باطن تو تیز ہو گیا ہے اور ظاہر پر غالب آ گیا ہے بلکہ اس نے اس کو اپنے رنگ میں کرلیا ہے۔ اس سبب سے آرام زیادہ آتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ جس طرح ذات اوسبحانہ تعالیٰ اور اکمین نہیں آتی اسی طرح صفات اوتعالیٰ بھی ادراک و مراقبات میں نہیں آتیں اور جو کچھ کہ مراقبات وادراک میں آتا ہے وہ ظلال صفات ہے اور یہی میرا مختار ہے اور چاہئے کہ بحکم ''اذکرونی'' یاد الٰہی میں مستغرق رہے تا کہ اللہ تعالیٰ بوعدہ ''اذکرکم'' تم کو یاد کرے۔ ذکر بفرض حصول احوال و مکاشفات نہ کرے اور کوئی مطلب دل میں نہ رکھے بلکہ بے فرضانہ پر بذکر و عبودیت مشغول رہے۔ اگر قبول کرے اور جو کچھ عطا فرمائے اور موافق اعتقاد اہل سنت والجماعت ہو اعتماد اور تنزانہ ''ہل من مزید'' مترنم ہو وگرنہ اعتبار نہ کرے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ باوجود حصول کمالات ذاتیۂ و رعایت تنزیہ اوسبحانہ مراقبات صفات میں کمال خوف و حیرت ہوتی ہے۔ بعض مشائخوں کو میں نے سنا ہے کہ مبتدیوں کو مراقبہ ذات سبحانہ فرماتے ہیں اور اس کو بنور بیرنگ محیط تمام عالم بتلاتے ہیں اور ان مراقبہ والوں کے بیان سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ اس نور کو بسیط و عریض خیال کرتے ہیں۔

حق سبحانہ ایسے مخیلات سے منزہ ہے۔ اوتعالیٰ بسیط حقیقی ہے کہ اس جگہ طول وعرض کو گنجائش نہیں ہے۔ ایک روز حضرت نے فرمایا کہ اگرچہ صوفیہ علیہ سے دین محمدی کو بڑا فائدہ پہنچا اور صد ہا ہزار ہا آدمی ان کی برکت سے چاہ گمراہی سے نکل کر کمالات کو پہنچے اور بہت سے اسرار غامضہ کتاب وسنت کے ان کے کشف سے ظاہر ہوئے لیکن بعض ارباب سکر اس طائفہ سے ضرر بھی دین متین کو پہنچا کہ حالت مستی میں جو ان سے کلمات سرزد ہوئے ان کو ناقصوں نے اپنا تکیہ کلام اور سند بنالی لیکن اللہ تعالیٰ کو ان سے ان کلمات کے ظاہر کرانے میں حکمت ہوگی اور ان سے یہ کلمات بحکم تخلقو باخلاق اللہ مواقف سنت الٰہی سرزد ہوئے کیونکہ قرآن مجید میں بھی متشابہات مثل یدو استوی علی العرش وغیرہ واقع ہیں کہ جس سے بعض فرقوں نے اللہ تعالیٰ کا جسم ثابت کیا اور گمراہ ہوئے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی سے واقف تھا بلکہ ان کلمات کے سرزد ہوتے ہیں متابعت سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی پائی جاتی ہے کیونکہ حضرت خاتمیت صلعم نے بھی فرمایا۔ ضحک اللہ وان اللہ خلق آدم علی صورتہ ورایت ربی فی سلک المدینۃ علی صورت امرو شاب و وضع اللہ یدہ علی کنفی فوجدت بروھا ۔ حالانکہ انبیاء خصوص جناب سید المرسلین صلعم کمال صحو میں تھے۔ پس اگر صوفیہ سے اس قسم کے کلمات صادر ہوئے تو کوئی جگہ لعن طعن کی نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ میں نے اپنے تئیں ہمہ تن سپرد شریعت کر دیا ہے۔ میری زبان قلم سے بھی بعض کلمات سکر آمیز سرزد ہوئے ہیں۔ دیکھئے ظاہر بین اس سے کیا مطلب نکالتے ہیں۔ فرمایا علوم و معارف میں کہ ترجمان مواجید و حال ہیں، اگر کچھ تناقص و تدافع واقع ہو تو اس کو اختلاف احوال واوضاع پر حمل کرنا چاہئے کیونکہ ہر وقت کے احوال علیحدہ اور ہر مقام کے معارف جدا ہوتے ہیں اور اختلاف اوقات واوضاع پر غور کرنے سے تناقص وتدافع مرتفع ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ سرگرمی حضرت خواجہ جب تک تھی کہ جب تک میرا معاملہ انتہا کو نہ پہنچا تھا اور جب میرا معاملہ انتہا کو پہنچا تو وہ سرگرمی جاتی رہی فرمایا کہ حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ سمرقند اور بخارے سے تخم لایا اور ہند میں بویا۔ فرمایا کہ حصول برکت وطور عظمت کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ باعتبار درجات اس کے قائل کی ہے۔ جس قدر پڑھنے والا بزرگ ہوگا اسی قدر برکت وعظمت زیادہ ہوگی اور ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ شاید اس سے زیادہ کوئی آرزو نہ ہوگی کہ ایک گوشہ میں بیٹھ کر تکرار کلمہ طیبہ کرے مگر کیا کیجئے تمام آرزوئیں میسر نہیں ہوتیں۔ ایک روز فرمایا ہر چند کہ میں کیا اور میرے عمل کیا ہیں اور جو کچھ مجھ کو عطا فرمایا ہے محض کرم و فضل سے عطا فرمایا لیکن اگر کچھ بہانہ ہو بھی سکتا ہے تو یہ ہی ہوسکتا ہے کہ جو کچھ مجھ کو عطا کیا ہے بباعث متابعت سرور دین و دنیا عطا کیا ہے اور جو کچھ نہیں بخشا ہے وہ بباعث قصور اتباع نہیں بخشا اور اسی تقریب میں فرمایا کہ ایک روز بھول کر پاخانہ میں میں نے داہنا پیر پہلے رکھا۔ اس روز بندش احوال رہی۔ آخر کار جب کمال ندامت کی تو احوال نے رجوع کیا۔ ہمیشہ حضرت اپنے اصحاب کو کثرت ذکر و دوام حضور اور مراقبہ کے واسطے تاکید کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ دار دار عمل ہے اور مزرعہ کشت کار چاہئے کہ حضور باطن کو برعایت آداب اعمال ظاہری جمع کر کے مشغول رہو۔ فرمایا کہ بہت سے آدمی حضرت خواجگان کے رسائل سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس طریقہ میں کثرت عمل کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ طریقہ خواجگان اتباع اطوار نبوی میں اوفق واوثق ہے۔ ہاں اس قدر ہے کہ اس طریقہ میں چونکہ ابتدا و توسط میں سکر و استغراق بہت ہوتا ہے اس واسطے مبتدی و متوسط صرف فرائض وسنن موکدہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ معہذا رعایت عزیمت کو اہم مہام سے سمجھتے ہیں اور پھر جب بعنایت ربانی تلوین سے تمکین پر پہنچتے ہیں ناچار بکثرت طاعت وعبادت

مشغول ہوتے ہیں اور اس وقت مدار کثرت ترقیات کثرت اعمال پر ہے۔ فرمایا کہ لوگ جانتے ہیں کہ ریاضت بھوک اور روزہ رکھنے پر منحصر ہے اور یہ نہیں جانتے کہ توسط احوال کھانا اور پینے میں دوام صیام سے افضل ہے مثلاً کسی شخص کے سامنے طعام لذیذ رکھا ہے اور اس نے آدھی بھوک کھانا کھا کر ہاتھ ہٹالیا۔ یہ مستحب ریاضت نسبت اس کے کہ کسی نے طعام نادیدہ امساک کیا ہو۔ فرمایا کہ ہوس ریاضت و مجاہدات رکھتے ہیں حالانکہ کوئی ریاضت برابر اداب شریعت نہیں خصوصاً ادائے نماز جس طرح کہ فرمایا ہے کہ نہایت دشوار ہے۔ حق سبحانہ فرماتا ہے۔ وانــه الـكبــرة الا عـلـى الخـاشعين ۔ فرمایا کہ احوال تابع شریعت ہے نہ شریعت وحی سے قطعی ثابت ہو چکی اور احوال ظنی یہ کشف والہام سے ثابت ہوتا ہے۔ فرمایا کہ بعض درویشان خام ناتمام پر تعجب آتا ہے کہ اپنے کشف پر اعتماد کر کے مخالفت وانکار شریعت عزا بیضا کرتے ہیں حالانکہ اگر موسیٰ کلیم اللہ جناب رسول صلعم کے عہد میں ہوتے تو ان کو بھی بلا متابعت عزا اور کچھ چارہ نہ تھا تو اب پھر ان کو باطنوں کو کیا کہنا چاہئے۔ فرمایا کہ حضرت خواجگان نے فرمایا ہے کہ نسبت ہماری سب نسبتوں سے فوق ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ متابعت نسبت سینہ ورعایت عزیمت میں وہ سب سے پیش قدم ہیں۔ اس سبب سے ان کی نسبت بھی سب طریقوں سے فوق ہوئی۔ فرمایا کہ شرم آتی ہے کہ درصورت انفراد واستطاعت وقوت رکوع وسجود میں تھوڑی تسبیحات پر اکتفا کیا جائے۔ فرمایا کہ کرامات وہی معجزات پیغمبر ہیں جیسے کہ معجزوں سے ترویج وہی مراد تھی اسی طرح کرامتوں سے بھی وہی مقصد ہے۔ اس سے علاوہ اولیاؤں کا مطلب اظہار خوارق سے کچھ حصول جاہ وہنر نمائی و شہرت نہیں ہے اور باوجود اس نیت کے اکثر اولیاء اظہار جو خوارق سے اخیر وقت میں نادم ہوئے اور بعضوں کا قول ہے عـقـوبتہ الانبیا جبس الـوحـی و عـقـوبـه الاولیاء اظهار الكرامات و عقوبة المؤمنين التفصير فى الـطــاعــات اور جس قدر قرب قیامت ہوتا جاتا ہے اسی قدر دین ضعیف ہوتا جاتا ہے چنانچہ احادیث کثیرہ سے یہ امر ثابت ہے کہ لاجرم خوارق بھی کہ تقویت دین کے واسطے تھیں، تقلیل پذیر ہوتی جاتی ہیں خصوصاً جبکہ خیر البشر صلعم کو ہزار سال گزر چکے اور اس مدت کو تغیر دینے میں تاثیر عظیم ہے۔ اولیا عشرت مثل اولیاء عزلت غالباً اظہار کرامت سے منع کر دیئے گئے ہیں کہ ظہور خوارق مقتضیات اسم الہادی سے ہے کہ رشد ہدایت سے تعلق رکھتا ہے و زمانہ اخیر مقتضی ظہور اسم المضل ہے کہ وابستہ بدعت وضلالت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے، الحدیث. ان بين يدى الساعة قـرنـاً كـقـطـع الـلـيـل الـمظلم يصبح الرجل فيها مومنا ويمسى كافراً ويمسى مومنا و يصبح كافراً الـحـديث اور فرمایا کہ کرامت کہ ارباب ارشاد کو ضروری ہے، یہ ہے کہ مریدان رشید کی تبدیل اخلاق کرائیں اور ایک حال سے دوسرے حال پر پہنچائیں اور مرید سعادت مند ہر روز اپنے مرشدوں سے کرامتیں مطالعہ کرتا ہے اور اپنے میں آثار تصرف پیر پاتا ہے اور مریدوں کے علاوہ اوروں کو کرامات دکھانا اولیاؤں کو کچھ ضرور نہیں کہ معاملہ ولایت پوشیدہ بہتر ہے۔ اولیائے تحت قبائے لایعـرفـهم غیری اس مدعا پر گواہ صادق ہے اور ایک جگہ تحریر بھی فرمایا کہ ”خوارق نہ آز ارکان ولایت آنست و نہ از شرائط آں بخلاف معجزہ نبی کہ از شرائط مقام دعوت است لیکن ظہور خوارق از اولیاء اللہ شائع است تخلف کم کند اما کثرت ظہور خوارق بر افضلیت دلالت ندارد و تفاضل آنجا باعتبار قرب الہی است جل شانہ تواند بود کہ از ولی اقرب ظہور خوارق اقل باشند وازاں بعد اکثر خوارق کہ از بعض اولیا ایں امت بظہور آمدہ از اصحاب کرام رضی اللہ عنہ عشر عشیراں نیامدہ تا آنکہ افضل اولیاء بمرتبہ ادنیٰ اصحابی نرسد نظر بر ظہور خوارق از کوتہ نظریست و دلیلست

Marfat.com

بر قصور استعداد و تقلیدے شایان قبول فیض نبوت و ولایت جماعہ اند کہ استعداد تقلیدے در ایشاں غالب آنست بر قوت نظر ایشاں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ بواسطہ آں قوۃ اصلا محتاج بلم نگشت ولہذا اسبق سابقاں ایں است آمد و ابوجہل لعین بواسطہ قصور ہمین استعداد باوجود ظہور چندیں آیات باہرہ معجزات قاہرہ بدولت تصدیق نبوت مشرف نشدہ" اور فرمایا کہ خوارق دو قسم کے ہوتے ہیں۔قسم اول ظہور علوم و معارف الٰہی ہے کہ ذات وصفات و افعال واجبی سے علاقہ رکھتی ہے اور وراء طور عقل و نظر ہے اور یہ قسم خاص ارباب اہل معرفت کو نصیب ہے۔قسم ثانی کہ معاملات کونی سے تعلق رکھتی ہے۔اس میں محق و مبطل سب شریک ہیں۔قسم اول اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہے کہ اولیاء خاص بلا شرکت غیرہ اس سے مشرف ہیں۔قسم ثانی عوام میں معتبر و محترم ہے بلکہ اگر اس قسم کے اہل استدراج سے صادر ہو تو کچھ عجب نہیں کہ لوگ اس کو پرستش کرنے لگیں اور برخلاف اس کے قسم اول کو عوام لوگ خوارق سے نہیں جانتے۔کوئی خیال کرے کہ جو علم مخلوقات سے تعلق رکھتا ہوا س میں کیا رکھا ہے بلکہ یہ علم تو اس قابل ہے کہ نسیاً منسیاً کر دیا جائے تا کہ مخلوقات اور ان کے حالات سب سہو ہو جاویں۔معرفت الٰہی احترام و اعزاز کے شایان ہے،لیکن اس موقع پر "پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں بوالعجبی است۔" اور یہی وجہ کہ متقدمین میں مثل شیخ جنید بغدادی سے کہ سید طائفہ ہے شاید کہ دس کرامتیں نقل کی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے حال سے خبر دی ہے۔ولقد اتینا موسع تسع ایات بنیات کرامات و خوارق دلیل افضلیت نہیں ہے اور نہ قلت علامت نقص اور ظہور خوارق داخل ماہیت ولایت بلکہ اس کے لوازم سے ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ولی سے کرامات ظاہر ہو جاوے اور اس کو خبر نہ ہو۔فرمایا کہ ابتدا تعلیم میں عموماً دل کا ذاکر ہو جانا اور جذب پیدا ہونا ہمارے حضرت خواجہ کے انعامات و برکات سے ہے۔ہر چند کہ پہلے بھی یہ معمول تھا مگر ابتدا تعلیم میں اس قدر عموماً نہ ہوتا تھا۔فرمایا کہ ایک روز میں نے حضرت خواجہ سے دریافت بھی کیا تھا تو اس پر انہوں نے فرمایا تھا چونکہ اب طلب کی ہمت بہ نسبت سابق کے بہت کم ہو گئی ہے،اس سبب سے یہ بات اختیار کی تا کہ بلا مجاہدہ و مشقت ان کو یہ بات حاصل ہو جاوے کہ ان کی برودت مبدل بحرارت ہو جاوے جزاللہ عنا خیر الجزاء۔فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کمال عنایت ہے کہ کوئی کوچہ کوچہائے فقر سے نہیں رکھا کہ اس میں مجھ کو عبور نہ ہو اور طالب حسب استعداد خود جس طریقہ میں سلوک کرتا ہے اس کو تکمیل میں پہنچا دیتا ہوں۔

☆......☆......☆

مقام ساتواں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی پر اعتراضات کے جواب میں

بعض بعض آدمی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر حسب فہم ناقص خود چند اعتراض بھی بنائے ہیں۔اول یہ ہے کہ حضرت نے کہا ہے کہ میرا مرتبہ صدیق اکبر سے زیادہ ہے اور منشا اس اعتراض کا مکتوب یازدہم جلد اول ہے جو کہ حضرت نے اپنے پیر بزرگوار کو لکھا۔وہ مکتوب جس قدر کہ اس اعتراض کے متعلق ہے،بجنسہٖ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔وہو ہذا۔"عرض داشت کمترین بندگان احمد آنکہ مقامیکہ سابقہ خود دراں دیدہ بود چوں حسب الامر العالی باز ملاحظہ نمود عبور خلفاء ثلثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم دراں مقام در نظر آمد اماچوں مقام و استقرار دراں جاداشت در دفعہ اولیٰ

بنظر نہ درآمدند چنانکہ از ائمہ اہلبیت غیر از امامین و امام زین العابدین رضی اللہ عنہم اجمعین دراں مقام استقرار ثبات ندارد لیکن عبورے دراں واقعہ شدہ است بدقت نظر میتوان یافت و آنکہ اول خود در اں مقام نامناسب مید ہد بے مناسبتے دونوع است یکے آنکہ بواسطہ عدم ظہور طریقے از طرق طاری میشود و چوں نگاہے باو نمودند آں بے مناسبتے برطرف میشود دیگر بیمناسبتے مطلق است کہ بیچ وجہ قابل زوال نیست و راہہا کہ موصل آں مقام اند و داند کہ ثالث ندارند یعنے درنظر ورائے آں دو طریق طرق دیگر ظاہر نمیشود یکے دید نقص وقصور است و نیات خود ا مہتم داشتن است در خیرات باقوت جذب دیگر صحبت شیخ مکملے مجذوب بے سلوک تمام کردہ حق سبحانہٗ تعالیٰ بطفیل عنایت حضرت ایشاں طریق اول را بقدر استعداد عنایت فرمودہ است بیچ عملے از اعمال خیر بوقوع نمے آید مگر آنکہ خودرا دراں عمل متہم میساز د بلکہ تا زمانہ کہ بوجوہ تہمت نہند بے قرار و بے آرام مے باشند نزد خود چناں میداند کہ بیچ عملے از وے صادر نمیشود کہ قابل کتابت ملائکہ یمین باشد و میداند کہ صحیفہ یمین از اعمال خیر حالی است و کتبہ آں معطل و بیکارند خود شایاں آں حضرت جل وعلا کسے بودہ باشد و ہر کہ در عالم است حتیٰ کہ کافر فرنگ و ملحد زندیق از خود بوجود بہتر میداند و بدترین ہمہ اینہا خود مے انگارد ثانیاً معروض آنکہ دراثنائے ملاحظہ آن مقام مرۃ ثانیہ مقامات دیگر بعضہا خوف بعض ظاہر شدند بعد از توجہ بہ نیاز دشکستگی چوں بمقام فوق آں مقام سابق رسیدہ شد معلوم شد کہ ایں مقام حضرت ذوالنورین است و خلفا دیگر را ہم دراں مقام عبورے واقعہ شدہ است و این مقام درینمقام ہم مقام تکمیل و ارشاد است و ہم چنیں دو مقام فوق ہم کہ اکنوں مذکور میشود و بالائے آں مقام مقام دیگر درنظرے آید چون آن مقام رسیدہ شد معلوم گشت کہ آن مقام حضرت فاروق است و خلفائے دیگر راہم درانجا عبورے واقعہ شدہ است و فوق آں مقام مقام حضرت صدیق اکبر ظاہر شد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین باآں مقام نیز رسیدہ است و از مشائخ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ الاقدس را او ر ہر مقامے با خود ہمراہ می یافت و خلفائے دیگر راہم دراں مقام عبورے واقعہ شدہ است تفاوت نیست الا در عبور مقام و مرور و ثبات و بالائے آن مقام بیچ مقام مفہوم نمیشود الا مقام حضرت رسالت خاتمت علیہ من الصلوٰۃ اتمہا و من التحیات اکمہا و محاذی مقام حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقامے دیگر نورانی بس شگرف کہ ہرگز مثل آں درنظر نیامدہ بود ظاہر شد و اندکے از ان مقام مقام محبوبیت است و آں مقام ارتفاع داشت چنانچہ صفحہ را از نہ وے زمین مے سازند و معلوم شد کہ آن مقام مقام محبوبیت است و آں مقام رنگین و منقش بود خود را ہم بانعکاس آں مقام رنگین و منقش یافت بعد از اں بہماں کیفیت خود را لطیف یافت و در رنگ ہوا یا قطعہ بر در آفاق منتشر دید و بعضے اطراف را و اگرفت و حضرت خواجہ بزرگ در مقام صدیق اند رضی اللہ تعالیٰ عنہما خود را در مقام مجاذی آں مے یابد بہ کیفیتے معروض داشت۔'' اس مکتوب کی اس عبارت محاذی مقام حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام دیگر نورانی بس شگرف بکیفیتے اس معروضداشت پر معترض اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت نے اپنا مقام حضرت صدیق سے بالا بتلایا اور اپنے تئیں افضل ٹھہرایا مگر معترض کے غشاوت قلبی کی بھی کچھ انتہا نہیں کہ اسی مکتوب کی اس عبارت کہ ''ہر کہ در عالم است حتیٰ کہ کافر فرنگ و ملحد زندیق از خود بوجوہ بہتر میداند و بدترین ہمہ اینہا خود را مے انگارد'' سے چشم پوشی کی۔ فرمایئے کہ جو شخص اپنے تئیں کافر فرنگ سے بدتر جانتا ہو وہ کس طرح حضرت ابوبکر صدیق سے بالاجماع افضل ہیں، اپنے تئیں بہتر جانے گا۔ یہ اعتراض حضرت کی حین حیات مشہور ہو گیا تھا چنانچہ اس کے جواب میں حضرت نے ایک شخص کو اس طرح تحریر فرمایا۔ ''شخصے کہ خود را از حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل داند امر او از دو

Marfat.com

حال خالی نیست زندیق محض است یا جاہل صرف ایں فقیر پیش ازین بچند سال مکتوبیکہ بجناب شما نوشتہ بود درمیان فرقہ ناجیہ کہ اہل سنت و جماعت اند عجیب است بعد از مطالعہ آں ایں قسم سخنان را تجویز میںمایند کسیکہ حضرت امیر را افضل از حضرت صدیق گوید از جرگہ اہلسنت ے بر آید فکیف کہ خود را افضل داند ومقرر ایں طائفہ است اگر سالکے خود را از سگ گرگین بہتر واند از کمالات ایں بزرگواران محروم است اجماع سلف برا فضیلت حضرت صدیق بر جمیع بشیر بعد از انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات منعقد گشتہ است احمقی باشد کہ تو ہم خرق ایں اجماع نمائید ایں فقیر در کتب و رسائل خود نوشتہ است کہ وحشی قاتل حضرت حمزہ کہ یکمرتبہ الصحبت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والسلام رسیدہ از اویس قرنی کہ خیر التابعین است بہتر است پس درحق اینطور شخصے آنقسم سخنان تخیل نمودن از عقل دور اندیش دور است عبارتیکہ مردم ایں توہم را از آنجا پیدا کردہ اند باید دید وتحقیقت معاملہ دار رسید مجرد تقلید ارباب حسد نمودن چہ مناسب است با آنکہ مشائخ در غلبہ سکر چیز ہائے نامناسب گفتہ اند شیخ بسطام میگوید لوائی ارفع من لوائے محمد از پے با فضیلت نتواں برد کہ عین زندقہ است و در عبارت فقیر حاشا کلا کہ اینقسم چیزے مذکور شدہ باشد والسلام دیگر آنکہ۔'' یہ اعتراض ناواقفی معاملات و اصطلاحات صوفیہ سے ہے۔ اس مکتوب میں حضرت نے اپنے عروج کا حال لکھا ہے کہ فلاں فلاں مقام تک پہنچا ہے۔ اکثر اولیاؤں کو ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے اسما مبادی تعینات تک عروج کر جاتے ہیں اور ولایت متحقق ہو جاتی ہے تو بفضل ایزدی ان کو انہیں اسما کے اصول واصول اصول الی ماشاء اللہ تعالیٰ میں سیر واقعہ ہو جاتی ہے اور اس سیر میں اکثر ان اولیاؤں کے مقامات سے بلند بھی عروج ہو جاتا ہے جو کہ فی الواقعہ و باجماع علما اس سے افضل ہیں حتیٰ کہ کبھی کبھی انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام سے بھی کہ قطعاً بہترین خلائق ہیں، بالاتر عروج ہوتا ہے اور اس سے لازم نہیں آتا ہے کہ وہ ولی ان اہل مقامات سے افضل ہے کیونکہ اصلی مقام اس کا وہی جگہ ہے جہاں سے کہ اس کو ثانیاً سیر شروع ہوئی اور یہ سیر اس کی عارضی ہے کہ پھر نزول کر کے اس جگہ واپس جاتا ہے اور اصلی مقام ان اولیاء و انبیاء کا علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ ہے جہاں تک سالک کا عارضی عروج میں گزر ہوا ہے اور پھر وہاں سے واپس آ گیا ہے۔ ان کے انتہا عروج کا حال خدا جانتا ہے کہ کہاں تک گیا ہوگا جب تک اس کا عارضی عروج ان کے طبعی مقام تک پہنچا ہے اور دراصل اعتبار مقامات طبعی کا ہے اور اس میں یہ سالک بے چارہ بمراحل نیچے پڑا ہے تو اب افضلیت کجا و مساوات کجا اور یہی سیر تھی جس میں کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب مجھ کو صفات انبیاء میں سیر واقعہ ہوئی رفتہ رفتہ بارگاہ محمدی صلعم پر پہنچا چاہتا تھا کہ وہاں پر بھی سیر کروں کہ میری پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا یعنی روک دیا۔ اسی طرح حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب سیر کرتا کرتا میں بارگاہ محمدی صلعم پر پہنچا، آگے بڑھنے کے لئے میں نے بایزید گستاخی نہ کی بلکہ بتواضع سیر نیاز آستان عالیہ پر رکھا، مرے حال پر مہربانی فرمائے اور اس مقام کی سیر کرائے تو اب ضرور ہے کہ یہ بزرگ وار تمام اولیا و انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات طے کر کے وہاں پہنچے ہوں گے تو بقول معترض انہوں نے اپنے تئیں ان اولیاء و انبیاء سے افضل ٹھہرایا اور یہ بالکل خلاف اسی طرح حضرت کو بھی ابتداء میں سیر ہوئی اور اس کو حضرت خواجہ کے پاس لکھ بھیجا کیونکہ اس گروہ میں یہ قاعدہ ہے کہ اپنے تمام واقعات و واردات اپنے پیر کی خدمت میں بیان کرتے ہیں تاکہ اس کی صحت سقم سے آگاہی ہو اور خصوصاً یہ سیر تو حضرت کے بخواہش حضرت خواجہ ہوئی جیسے کہ عنوان مکتوب سے پایا جاتا ہے اور یہ اس سے ہرگز نہیں سمجھا جاتا ہے کہ حضرت اپنے تئیں افضل از صدیق اکبر سمجھتے ہوں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

Marfat.com

دوسرا اعتراض حضرت پر انکار مسئلہ وحدت الوجود کا ہے اور بعض وقت صوفیہ یہ جانتے ہیں کہ حضرت اس مسئلہ کے بالکل مخالف ہیں حالانکہ یہ محض خلاف واقعہ ہے۔ راقم الحروف کا یہ عقیدہ ہے کہ مسئلہ وحدت الوجود میں جس قدر حضرت کو حظ وافر تھا دوسرے کو نہ ہوگا البتہ حضرت کو اس مقام سے ترقی ہوئی اور غالباً اسی ترقی کو کم فہم انکار سمجھتے ہیں۔ یہ اعتراض بھی مثل پہلے اعتراض کے حضرت کی زندگی میں مشہور ہوگیا تھا چنانچہ حضرت نے اس کے جواب میں ایک شخص کو اس طرح لکھا ہے۔ ''مخدوما مکرما معتقد فقیر از خوردی مشرب اہل توحید بود والد فقیر قدس سرہ بظاہر برہمیں مشرب بودہ اند بر سبیل دوام بہمیں طریق استعمال داشتہ اند با وجود حصول نگرانی تمام در باطن کہ بجانب مرتبہ بے کیفی داشتہ اند و بحکم ابن الفقیہ نصف الفقیہ فقیر را ازیں مشرب حظ وافر بود ولذت عظیم داشت تا آنکہ حق سبحانہ وتعالیٰ بہ محض کرم خویش بخدمت ارشاد پناہی حقائق و معارف آگاہی مؤید الدین الرضی شیخنا ومولانا قبلتنا محمد الباقی قدس اللہ تعالیٰ سرہ رسانید وایشاں بہ فقیر طریقہ علیہ نقشبندیہ تعلیم فرمودند وتوجہ بلیغ بحال ایں مسکین مرعی داشتند بعد از ممارست اینطریقہ علیہ در اندک مدت توحید وجودی منکشف گشت وغلوے درینکشف پیدا شد علوم ومعارف اینمقام فراواں ظاہر گشتند وکم دقیقہ از دقائق اینمرتبہ ماندہ باشد کہ آنرا منکشف نہ گردانیدند دقائق معارف شیخ محی الدین ابن العربی را کما ینبغی لائح ساختند و تجلی ذاتی کہ صاحب ''فصوص'' آنرا بیان فرمودہ است ونہایت عروج جز آنرا نمے داند ودر شان آں تجلی میگوید و ما بعد ہذا الا العدم المحض بآں تجلی ذاتی مشرف گشت وعلوم ومعارف آں تجلی را کہ شیخ مخصوص بخاتم الولایۃ میداند نیز بتفصیل معلوم شد وسکر وقت وغلبہ حال درین توحید بحدے رسید کہ در بعضے عریضہا کہ بحضرت خواجہ نوشتہ بود ایں دو بیت را کہ سراسر سکر است نوشتہ بود۔ رباعی

اے دریغا کین شریعت ملت اعمائے است	ملت ما کفرے و ملت ترسائی است
کفر وایمان زلف وروئے آں پری زیبائی است	کفر و ایمان ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

وایںحال تا مدت مدید کشید واز شہور بسنین انجامید ناگاہ عنایت بے غایت حضرت جل سلطانہ از دریچہ غیب درعرہ ظہور آمد و پردہ روپوش بیچونی وبیچگونگی را برانداخت علوم سابق کہ بنی از اتحاد ووحدت وجود بودہ اندر وبنزال آوردند واحاطہ وسریان و قرب و معیت ذاتیہ کہ درانمقام منکشف شدہ بود مستتر گشتند وبیقین یقین معلوم گشت کہ صانع راجل شانہ با عالم ازیں نسبت ہائے مذکورہ ہیچ ثابت نیست احاطہ وقرب او تعالیٰ علمی است چنانچہ مقرر اہل حق است شکر اللہ تعالیٰ سعیہم واو سبحانہ با ہیچ چیز متحد نیست او است تعالیٰ وتقدس وعلم او سبحانہ بیچون وبیچگونہ است و عالم سراسر بداغ چونی وبچگونی متسم بیچون را عین چون نتوان گفت واجب تعالیٰ را عین ممکن نتوان خواند قدیم ہرگز عین حادث نشود ممتنع العدم عین جائز العدم نہ گردد انقلاب حقائق محالست عقلاً وشرعاً وصحت حمل یکے بر دیگرے ممتنع است در اشیا عجب است کہ شیخ محی الدین وتابعان او ذات واجب تعالیٰ را مجہول مطلق میگویند ومحکوم علیہ حکمی نمے دانند مع ذلک احاطہ ذاتی وقرب معیت ذاتیہ اثبات مینمایند وما ہو الا الحکم علی الذات تعالیٰ وتقدس فالصواب ما قال العلماء من اہل سنۃ من القرب العلمی والا حاطۃ العلمیۃ و در زمان حصول علم ومعارف منافی مشرب توحید وجودی ایں فقیر را اضطراب تمام بود کہ دراء ایں توحید امر دیگر عالی ترنمید انست و بتضرع وزاری دعا میکرد کہ ایں معرفت زائل نہ گردد تا آنکہ حجب بتمام از روئے کار زائل گشتند وحقیقت کما ینبغی منکشف شد معلوم شد کہ عالم ہر چند مرایائے کمالات صفاتی است ومجال ظہورات اسمائے اما مظہر عین ظاہر نیست وظل عین اصل نہ

Marfat.com

چنانکہ مذہب اہل توحید وجودی است۔'' اور اسی طرح مکتوب صد و نو دم جلد اول میں اپنا ابتدائے احوال لکھتے لکھتے تحریر فرماتے ہیں کہ ''اے عزیز! اگر قلم را در تفصیل احوال و تبیین معارف جاری سازم بہ تطویل انجامد و بہ اطناب کشد علی الخصوص معارف توحید وجود و علوم ظلیت اشیا اگر در بیان آیند جماعہ کہ عمر ہا در توحید وجود گزرانیدہ اند معلوم نمایند کہ قطرہ ازاں دریائے بے نہایت حاصل نکردہ اند عجب آنست کہ ہماں جماعت ایں درویش را از باب توحید وجود مے انکارند و از علما منکرین توحید مے شمارند و از کوتہ نظری پنداشتہ اند کہ اصرار بر معارف توحید از کمال است و ترقی ازاں مقام از نقص۔

بے خسروی چند زخود بخبر عیب پسندند بزعم ہنر

متشبہ ایں جماعہ درایں امرا اقوال مشائخ ماتقدم است کہ در توحید وجودی واقع شدہ اند حضرت سبحانہ و تعالیٰ ایشانرا انصاف دہد از کجا دانستہ اند کہ آں مشائخ را ازاں مقام ترقی واقعہ نشدہ است و محبوس آنمقام ماندہ اند سخن در نفس حصول معارف توحیدی نیست کہ آن البتہ واقعہ است بلکہ سخن در ترقی آں مقام آست اگر صاحب ترقی را منکر توحید گویند و بر آں اصطلاح شدند چہ مناقشہ شد۔'' اگر ارباب توحید وجود خیال کریں اور انصاف کو بھی کام فرمائیں تو حضرت کے احسان سے تا قیام قیامت سبکدوش نہیں ہو سکتے کہ حضرت نے اس مسئلہ کو جس پر کہ ہمیشہ سے علماء ظواہر فتویٰ کفر دیتے تھے، مطابق شریعت غرا ایسا ثابت کیا ہے کہ جائے دم زدن باقی نہیں رہی چنانچہ مکتوب ہشتاد و نہم جلد ثالث اس پر دال ہے وہو ہذا۔ ''بقاضی اسمٰعیل فرید آبادی در شرح سخن شیخ روز بہان بقلی با بعضے دقایق توحید وجودی قال شیخ الولی روز بہان البقلی قدس سرہ، فی بتیین غلطات المتصوفیہ دیگر غلط آں است کہ گویند ہمہ اوست و با اینہمہ جزئیات متفرقہ حادث یک ذات خواہند و بر مزیک دیگر را گویند کہ ماخود اوئیم پس آں کافرانرا صد ہزار خدا باشد و خداوند عالم تعالیٰ و تقدس از جمع و تفرقہ محدثات منزہ است و احد است کہ جز در ابر وراہ نیست حلول پذیرد و متلون نشو و بریں قول کافرانہ خود را ادانند نہ خدارا کہ اگر کسے حق بودے کسے فنا شدی قومے راغلط وروح و اینہا را ور جسم است قاتلہم اللہ سبحانہ انتہی پوشیدہ نماند کہ عبارت ہمہ اوست...... قدما صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم متعارف نبودہ است اما مثل انا الحق و سبحانی ولیس فی جنتی سوائی و امثال آنہا بودہ بسیار است کہ مودی ایں عبارت و آں عبارات یکے است آب از سر جو گزشتہ است چو یک نیزہ چہ صد مثل موزن مشہور است کہ در متاخراں صوفیہ اینعبارت شائع و ذائع است و بے تکلف ہمہ اوست میگویند و بر آں قول اسرار دارند مگر قلیلے از اینہا کہ در ینعبارت و امثال اینعبارت تردد دارند بلکہ صورت انکار اظہار مینمایند وانچہ ایں فقیر از اطلاقات ایشاں معنی ہمہ اوست مفہمد آنست کہ ایں ہمہ جزئیات متفرق حادث ظہور یک ذات اند تعالیٰ و تقدس در رنگ آنکہ صورت زید مثلاً در مرایائے متعددہ منعکس گردد و ظہور آنجا پیدا کند گویند ہمہ اوست یعنے اینہمہ صور کہ در مرایائے متعددہ نمودہ پیدا کردہ است ظہور یک ذات زید است اینجا کدام جزئیت و اتحاد است و کدام حلول و تلون ذات زید باوجود اینہمہ صور صرافت و حالت اصلی خود است و ایں صور وروے نہ ہیچ افزودہ است و نہ ہیچ کاستہ آنجا کہ ذات زید است ایں صور آنجا نامی و نشانی نسیت تا باوے نسبتی از نسبت جزئیت و اتحاد و حلول و سریان پیدا کند سرالان کما کان را اینجا باید جست چہ در مرتبہ کہ اوست تعالیٰ چنانچہ علم راپیش از ظہور آنجا گنجائش نبود بعد از ظہور ہم آنجا ہیچ گنجائش نباشد فلا جرم یکون الان کما کان عجائب کاروبار است بسیارے از اکابر متقدمین صوفیہ ازیں عبارت توحیدا میز معنے حلول و اتحاد مے فہمند و تکفیر و تضلیل قائلاں آنعبارت مینمایند و بعضے از نیہا توجیہات آنعبارت را بر نہجے مے نمایند کہ بمذاق قائلاں ہیچ

Marfat.com

نسبت و مناسبت ندارد صاحب ''عوارف'' میفر ماید کہ قول انا الحق از منصور و قول سبحانی از بایزید بسطامی بر طریق حکایت بودہ است یعنی از حق جل و علیٰ سلطانہ و اگر بطریق حکایت نباشد بلکہ شائبہ حلول و اتحاد در میان بود در میان بود قائلاں ایں اقوال را روے نمائم چنانچہ نصارا ے را رد میکنم کہ بحلول و اتحاد قائل اند و از تحقیق سابق واضح گشت کہ دریں عبارات شطح نما ہیچ حلول و اتحاد نیست اگر حمل است باعتبار ظہور است نہ باعتبار وجود چنانچہ فہمیدہ اند و بحلول و اتحاد بردہ مانا کہ ایں مسئلہ توحید در متقدمان صوفیہ نیک محرر و ملخص نشدہ بود ہر کسے کہ ازینہا مغلوب حال میگشت کلمہ در توحید کہ اتحاد نما باشد از وے صادر میشد و از غلبہ سکر بہ سر آں در نمیرفت و ظاہر آں عبارت را از شائبہ حلول و اتحاد مصروف نمیساخت و چوں نوبت بشیخ بزرگوار محی الدین بن العربی قدس سرہ رسید او از کمال معرفت ایں مسئلہ دقیقہ را مشرح ساخت و مجبوب و مفصل گردانیدہ در رنگ صرف و نحو در تدو در آورد مع ذلک جمیع ازیں طائفہ مراد او را نفہمیدہ تخطیہ او نمودند و مطعون و ملام ساختند و دریں مسئلہ در اکثر تحقیقات شیخ محق است و طاعنان او دور از صواب بزرگی و فور علم شیخ را از تحقیق ایں مسئلہ باید دریافت نہ رو در طعن او باید کردن و ایں مسئلہ ہر چند میر و د و بتلاحق افکار متاخران واضح و منقح تر میگر دو و از شبہائے حلول و اتحاد و ترقی افتد نحو یکہ الحال بتلاحق افکار متاخران نحویہ واضح و منقح گشتہ است ہرگز در زبان سیبویہ و اخفش آں تنقیح و وضوح نداشت کہ تکمیل صناعت بتلاحق افکار است امام اعظم و امام ابی یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما تا ششماہ در مسئلہ خلق قرآن با یکدیگر مناقشہ داشتند و ردو بدل میکردند بعد از ششماہ منقح شد کسے کہ قرآن را مخلوق گوید کافر گردو ایں طول منازعت بواسطہ عدم تنقیح ایں مسئلہ بودہ است در ینوقت و الحال کہ بتلاحق افکار منقح شدہ است گویم کہ محل نزار اگر حروف و کلمات اند کہ دوال اند بر کلام نفسی شک نیست کہ حادث اند و مخلوق و اگر مدلولات مراد باشد قدیم و غیر مخلوقست ایں تنقیح از برکات تلاحق افکار است بر سر اصل سخن رویم و گویم کہ معنے دیگر ہم ایں عبارت راہست کہ از حلول و اتحاد بعید است یعنے ہمہ نیستند موجود اوست تعالیٰ نہ اینکہ اینہا ہمہ اوست ہستند و باو متحد ند تعالیٰ ایں را خود ابلہی نگوید از بزرگان چگونہ متصور نشود و چوں در غلبہ محبت ماسوائے محبوب از نظر ایں بزرگواراں مستور میگردد و غیر او در مشہود شان نمیماند میگویند ہمہ اوست یعنی ایں ہمہ کہ ثابت مے نمود متوہم و متخیل بودہ است موجودہ اوست تعالیٰ بریں تقدیر ہم نہ شائبہ جزئیت و اتحاداست و نہ سنطنت حلول و تلون مع ذلک ایں فقیر امثال ایں عبارات را نمے پسند و ہر چند ازیں مقاصد مبرا است زیرا کہ شایان مرتبہ تقدس و تنزیہ خداوندی نیست جل سلطانہ اینہا چہ باشند کہ مظاہر او بوند تعالیٰ۔

درکدام آئینہ درآید اد

وایشانرا ایارائے آں کجا است کہ باعتبار ظہور ہم بروئے تعالیٰ محمول کردند اگر مظہر اند ظلے از ظلال کمالات آنرا مظہر اند و آں ظل کہ آنہا مظہر او یند خداوند جل سلطانہ کہ اور اچندیں ہزار ظلال باذات تعالیٰ در میان بودہ باشند ان اللہ سبعین الف حجاب من نور و ظلمت شنیدہ باشند پس بے تحاشی مظہر ظلی از ظلال کمال او را سبحانہ بروئے محمول داشتن و اوست گفتن سوء ادب است و کمال جرأت اما چوں در غلبہ سکر حالست آنقدر مذموم نیست و ہمچنیں بر توجیہ ثانی مشہود خود را عین حق دانستن و باعتبار آں محمول ساختن تیز سوء ادب است بلکہ خلاف واقعہ آں مشہود ہم ظلے از کمالات اوست سبحانہ و تعالیٰ وراء الوراء است ثم وراء الوراء نیز ہر چہ مشہود است شایان نفی است پس حق نبود جل و علا خواجہ نقشبندیہ میفر ماید قدس سرہ ہر چہ دیدہ شد و شنیدہ شد و دانستہ شد آنہمہ غیر حق است سبحانہ بحقیقت کلمہ لانفی آں باید کرد و آنچہ مختار ایں حقیر است دریں مسئلہ و

Marfat.com

مناسب شان تقدس و تنزیہ است عبارت ہمہ از وست نہ بآں معنی کہ علماء ظواہر برآں اقتصار نمایند و گویند صدور و خلق ہمہ از دست اینخو د صادقست مع ذلک اینجا علاقہ دیگر ہم است کہ علما بآں مہتد نگشتہ اند و صوفیہ بدریافت آں ممتاز گشتہ و آں ارتباط اصالت و ظلیت است یعنی اگر وجود ممکن است ناشی از وجود واجب است تعالیٰ و پرتو وجود است سبحانہ و ہمچنیں اگر حیات است ناشی از صفت حیوۃ اوست سبحانہ و پرتو آں حیوۃ مقدسہ است علیٰ ہذا القیاس العلم والقدرۃ والارادہ وغیرہ پس بطور صوفیہ عالم ہم صادر از وست سبحانہ و ہم ظل کمالات او و ناشی ازاں کمالات منزہ اولتائے تعالیٰ مثلاً وجودے کہ بممکن دادہ اند نہ امری است کہ بسر خود باشد و استقلال او را حاصل بود بلکہ آں وجود پرتو ظل وجود واجب است تعالیٰ و ہمچنیں حیوۃ و علم وغیرہا کہ بممکن بخشیدہ اند نہ امورے اند کہ استقلال ثبوت از صانع تعالیٰ پیدا کردہ اند بلکہ وجود و صدور از صانع تعالیٰ اینہا ظلال کمالاۃ وے اند سبحانہ و صور و امثال کمالات ہمیں ارتباط اصالت و ظلیت است و صوفیہ بآں مہتد گشتہ اند معاملہ صوفیہ را با علائے علیین بردہ است نہ بفنا و بقا رسانیدہ بولایت خاصہ متحقق ساختہ و چوں علما ظواہر را ایں دید میسر نشدہ است از فنا و بقا بہرہ نرسیدہ بولایت خاصہ متحقق نشدہ و صوفیہ کمالات خود را ظلال کمالات واجب تعالیٰ یافتہ اند و وجود سائر توابع وجود را عکوس آں کمالات دانستہ ناچار خود را پیش از امانت و از کمالات او ندیدہ اند و غیر را از مریائے آں کمالات نیافتہ و چوں بحکم ان اللہ یامرکم ان تود لا مانات الی اھلھا ایں امانت را باہل امانت بسیار ید و ایں کمالات را باصل بد ہند و خود را معدوم یا بندومیت دانند چہ وجود حیوۃ چوں باصل رفت معدوم و معیت ماند و فنا متحقق گشت للمولوی۔

چوں بد انستی تو او را ز نخست سوئے آنحضرت نسب کردی درشت
و آں کہ دانستی کہ ظل کیستی فارغی گر مردے و گر زیستی

بعد از فنا اگر او را بقا مشرف سازند مرت ثانیہ وجود و تابع وجود از صفات کاملہ او را اعطا خواہند فرمود و بولایت ثانیہ متحقق خواہند ساخت لن یلج ملکوت السمٰوٰت من لم یولد مرتین۔

ھیناً لا رباب نعیم نعیمھا ۔بار خدایا از تنگی عبارات الفاظیکہ شرع باطلاق آں وارد نشدہ است در رنگ ظلیت وغیرہا اطلاق مینمائم و میگوئم وجود ممکن ظل وجود واجب است تعالیٰ و صفات او ظلال صفات کاملہ او تعالیٰ ازیں اطلاقات ترساں ولرزاں ام و چوں اولیائے تو بایں اطلاقات سبقت نمودہ اند امیدوار عفوئیم ربنا لا تواخذ ان نسینا او اخطانا باید دانست ازیں تحقیق کہ سابق نمودہ آمد و واضح گشت کہ صوفیہ کہ قائلند بکلام ہمہ اوست عالم را با حق جل و علا متحد نمیدانند و حلول و سریان ثابت نمیکنند و جملے کہ مینمایند باعتبار ظہور ظلیت است نہ باعتبار وجود و تحقق و ہر چند از ظاہر عبارات شان اتحاد وجودی متوہم شود اما حاشا کہ مراد شان آں بود کہ کفر و الحاد است و چوں حمل یکے بر دیگر باعتبار ظہور گشت نہ باعتبار وجود معنی اوست ہمہ از وست کہ مدظل شے ناشے ازاں شے است و ہر چند در غلبہ احوال ہمہ اوست گویند اما فی الحقیقت مراد شان از آں عبارت ہمہ از وست باشد فلا مجال فی الاطلاق کلامھم والحکم بتضلیل قائلھم و تکفیرھم بدانکہ ظل شئے عبارۃ از ظہور شئی است در مرتبہ ثانیہ یا ثالث یا اربع مثلاً صورت زید کہ در مرأت منعکس گشتہ است ظل زید است و ظہور زید است در مرتبہ ثانیہ و زید فی حد ذاتہ در مرتبہ وجود اصلی خود است کہ بظلے خود را در مرأت ظاہر ساختہ است بے آنکہ در ذات و صفات تلونے و تغیری رود چنانچہ گزشت۔ ربنا اتمم لنا نورنا و غفرلنا انک علیٰ کل شئی قدیر والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ "۔اب اس مکتوب سے ناظرین انصاف پسند معلوم

Marfat.com

کر سکتے ہیں کہ حضرت نے کیسے کیسے براہین ساطع و دلائل قاطع سے اس مسئلہ کو شرح شریف سے تطبیق دی ہے۔ باوجود اینہمہ پھر بھی اگر کوئی حضرت کو منکر وحدت الوجود کہے تو یا وہ حضرت کے حالات و مذاق سے واقف نہیں یا آنکہ وہ متعصب و متعسف محض ہے مگر اس کا علاج بقول شخصے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمہ آفتاب راچہ گناہ

مقام آٹھواں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکاشفات و کرامات کے بیان میں

حضرت نے فرمایا کہ ایک روز بعد نماز ظہر میں مراقب بیٹھا تھا اور حافظ قرآن پڑھتا تھا۔ اسی اثنا میں میں نے اپنے اوپر ایک خلعت عالی نورانی پایا۔ ایسا معلوم ہوا کہ یہ خلعت قومیت تمام ممکنات ہے کہ اللہ تعالیٰ پیغمبر اولی العزم کو عنایت کرتا ہے اور الہام ہوا کہ بوراثت و تبعیت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم تم کو عطا ہوا اور جمیع مخلوقات کا قیام تمہاری ذات پر مقرر ہوا کہ اتنے میں حضرت سید المرسلین تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے میرے سر پر دستار باندھی اور مبارکباد منصب قومیت دی۔ فرمایا کہ ایک روز بعد نماز عشاء میں دعا مانگتا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ میرا تمام بدن مثل شمع کے روشن ہے اور آفتاب کی طرح ایسا چمکتا ہے کہ آنکھ سامنے نہیں کی جاتی۔ اسی اثنا میں الہام ہوا کہ یہ روشنی اس واسطے ہے کہ تیرا بدن بقیہ طینت حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت بارہا فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ بقیہ طینت حضرت خاتم النبیین تھا بطور الوش ایک فرد امت کو پہنچا ہے اور اس سے کچھ بچ کر اس کی ایک منتسب کو ملا ہے۔ منتسب سے حضرت خواجہ محمد معصوم حضرت کے فرزند ثالث مراد ہیں۔ حضرت کا تمام بدن بقیہ طینت مصطفوی صلعم کا بنا تھا مگر پیر مبارک نہ تھے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میرا حال مثل طاؤس کے ہے کہ اپنے بدن کی زیبائی و رعنائی دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور ناچتا ہے لیکن جب پیروں پر نظر پڑتی ہے تو پژمردہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح میں بھی جب اپنا بدن دیکھتا ہوں تو خوش ہو جاتا ہوں اور جب پیر دیکھتا ہوں تو منقبض ہو جاتا ہوں۔ ایک روز فرمایا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صف بلند پر جمیع انبیا موجود ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام میر مجلس ہیں چنانچہ میں بھی اس جگہ گیا مگر بیٹھنے کی جگہ نہ تھی کہ اتنے میں حضرت خلیل اللہ نے سب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ایھا الذین آمنوا تفسحو فی المجالس کہ سب نے تھوڑی حرکت کی اور میرے بیٹھنے کی بفراغت جگہ نکل آئی اور میں اس جگہ بیٹھ گیا۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت نے فرمایا آج میں نے دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوں کہ حضرت خاتمیت نے ایک اجازت نامہ جیسا کہ مشائخ اپنے خلفا کو لکھ کر دیتے ہیں، مجھ کو دیا ہے لیکن بعدہ معلوم ہوا کہ اس اجازت نامہ میں ابھی کچھ کسر ہے کہ اتنے میں ایک شخص آ کر مجھ سے وہ اجازت نامہ بحضور صلی اللہ علیہ وسلم لے گیا ہے اور پھر اس پر لکھوا کر اور حضرت محبوب رب العالمین کی مہر سے مزین کرا کر مجھ کو لا کر دیا ہے۔ اس کے متن میں الطاف عظیمہ جو کہ اس دنیا کے متعلق ہیں لکھے ہیں اور اس کی پشت پر لکھا ہے کہ تم کو اجازت نامہ آخرت عطا ہوا ہے اور مقام شفاعت مرحمت فرمایا ہے اور کاغذ اجازت نامہ بہت طولانی ہے اور اس پر بہت سی سطریں لکھی ہیں۔ فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ کے پاس اس طرح بیٹھا ہوں جیسے کہ بیٹا باپ کے پاس بیٹھا ہو کہ اتنے میں وہ اجازت نامہ

Marfat.com

لپٹا ہوا ہاتھ میں لئے ہوئے حرم شریف میں حضرت صلعم کے ساتھ داخل ہوا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بحضور آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرمانے لگیں کہ ہم تیرے انتظار میں تھے اور تو یہ کام کر اور یہ حضوری حضرت خاتمیت صلعم اور حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مجھ کو کچھ غیر غیر نہیں معلوم ہوتی۔

نقل ہے کہ حضرت کو زیارت بیت اللہ کا کمال شوق تھا اور ایک روز اسی بے قراری میں تھے کیا دیکھتے ہیں کہ تمام عالم جن وانس و ملائک وغیرہ نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ حضرت کی جانب کرتے ہیں۔ حضرت اس بات سے نہایت متحیر ہوئے اور متوجہ کشف اس معاملہ کے ہوئے۔ معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ آپ کی ملاقات کے واسطے آیا ہے اور آپ کا احاطہ کیا ہے اس سبب سے جو کعبہ کو سجدہ کرتا ہے وہ آپ کی طرف معلوم ہوتا ہے چنانچہ اسی اثنا میں الہام ہوا کہ تو ہمیشہ زیارت کعبہ کا مشتاق تھا اس واسطے ہم نے کعبہ کو تیری زیارت کے واسطے بھیجا ہے۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت نے واقعہ میں دیکھا کہ گویا ہزاروں ہزار فرشتہ ایسے حسین وجمیل کہ شعشان نور سے نگاہ کام نہیں کرتی ہے، حاضر ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ آپ کی اطاعت میں حاضر ہوں کہ خزانہ رحمت آپ کو عطا ہوا ہے چنانچہ اشارات متعلقہ رباعی مولفہ حضرت مندرجہ مکتوب تین سو گیارہ جلد اول مصداق اس کے ہے۔ رباعی

ہائے دو چشمی است مربی ما	ہم چو الف رب حبیب خدا
لام مربی خلیل اللہ است	میم زتدبیر کلیم اللہ است

نقل ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ پر منکشف کیا ہے کہ حقیقت گنجیہ رحمت رحمٰن ہے جلسطانہ اور کوئی رحمت خواہ دنیوی ہو خواہ اخروی اس گنجینہ سے باہر نہیں۔ جس قدر رحمت کہ آخرت میں ذخیرہ ہے ایک چشم کی ہے اور دوسری چشم کی رحمت دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ نقل ہے کہ ایک روز حضرت نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا گویا آپ فرماتے ہیں کہ تو مجتہد علم کلام ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب سے میری علیحدہ رائے ہے لیکن اکثر موافق ابوحنیفہ ہے۔ فرمایا کہ جب اجتہاد ابوحنیفہ اور شافعی کی سیر کرتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ دو حصہ حق بجانب ابوحنیفہ ہے اور ایک حصہ بطرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم اور ان دو بزرگوار سے حق باہر نہیں۔ فرمایا کہ ایک روز بیٹھا تھا کیا معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ معہ شاگردان آئے اور ہر ایک کا نور مجھ میں آیا اور اس نور میں مجھ کو فنا و بقا حاصل ہوئی۔ اس کے کئی روز کے بعد کیا دیکھا کہ اسی طرح امام شافعی معہ تلامذہ تشریف لائے اور جو معاملہ امام ابوحنیفہ سے گزرا تھا وہی ان سے پیش آیا۔ نقل ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ بلا شائبہ تکلیف وتعصب کیا جاتا ہے کہ نورانیت مذہب حنفی نظر کشفی میں مثل دریا عظیم کے معلوم ہوتی ہے اور دوسرے مذہب مثل حوض کے۔ نقل ہے کہ ایک روز حضرت حلقہ معہ یاراں مراقب بیٹھے تھے کہ حضرت شاہ سکندر نبیرہ شاہ کمال کیتھلی آئے اور ایک خرقہ آپ کے دوش مبارک پر ڈال دیا۔ حضرت نے آنکھ جو کھولی تو دیکھا کہ شاہ سکندر ہیں۔ جلدی سے اٹھے اور بتواضع معانقہ کیا۔ حضرت شاہ سکندر نے کہا کہ میرے جد امجد نے اپنے وصال کے نزدیک یہ جبہ جو کہ حضرت غوث الاعظم سے پشت بہ پشت چلا آتا ہے، میرے سپرد کیا تھا اور کہا تھا کہ اس کو امانتاً اپنے پاس رکھ جس کو میں کہوں گا اس کے حوالہ کرنا۔ اب چند مرتبہ مجھ سے حضرت جد امجد نے تمہارے حوالہ کرنے کے واسطے واقعہ میں کہا لیکن مجھ پر اس تبرک کا علیحدہ کرنا سخت شاق تھا مگر چونکہ اب تاکید بہ تہدید کی چار و ناچار لے آیا۔ حضرت وہ

Marfat.com

جبہ پہن کر خلوت میں تشریف لے گئے۔ فرمایا کہ اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ مشائخ کے بھی عجب معمول ہیں کہ جس کو جامہ پہنا دیا وہی خلیفہ ٹھہرا ورنہ یہ چاہئے کہ پہلے خلعت معنوی پہنائیں بعد ازاں اپنا خلیفہ بنائیں۔ بمجرد اس خطرہ نے حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ مع تمامی خلفا تا حضرت شاہ کمال کیتھلی تشریف لائے اور اپنے خاصہ نسب کے انوار و اسرار سے مالا مال کر دیا۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ میں نقشبندیوں کا پرورش یافتہ ہوں اور یہاں یہ معاملہ گزرا کہ اتنے میں ہی حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے لے کر تا حضرت خواجہ باقی باللہ سب تشریف لائے اور حضرت خواجہ نقشبند علیہ رحمۃ حضرت غوث الاعظم کے برابر بیٹھے۔ اکابر نقشبندیہ نے فرمایا کہ شیخ احمد ہماری تربیت سے کمال و تکمیل کو پہنچے ہیں۔ آپ کو ان سے کیا علاقہ ہے۔ اکابر قادریہ نے کہا کہ اول چاشنی ہمارے خوان سے کھائی ہے اور یہ اس قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ شاہ کمال کیتھلی حضرت کے ایام شیر خوارگی میں تشریف لائے تھے اور حضرت بیمار تھے اور شاہ صاحب نے اپنی زبان مبارک کے دہن میں دی تھی۔ آپ نے وہ خوب چوسی تھی اور اب خرقہ بھی ہمارا ہی پہنا ہے۔ اسی بحث میں حضرت چشتیہ و کبرویہ وسہروردیہ بھی تشریف لائے اور کہا کہ ان کے ہم بھی دعویدار ہیں، کیونکہ ان خاندان کی خلاف حضرت کو اپنے والد بزرگوار سے قبل بیعت حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ ملی تھی۔ مولانا بدرالدین سرہندی حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ نے ''حضرات القدس'' میں لکھا ہے کہ اس وقت اس قدر ارواح اولیا جمع ہوئیں کہ تمام مکان وگلی وکوچہ ودشت وصحرا بھر گیا اور مناظرہ میں صبح سے ظہر کا وقت ہو گیا کہ اس اثنا میں جناب سید المرسلین رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور بکمال کرم ونوازش سب کی تسلی و دلاسا فرما کر ارشاد فرمایا کہ چونکہ کمال و تکمیل شیخ احمد کی طریقہ نقشبندیہ میں ہوئی ہے اس واسطے اس کی ترویج کریں اور باقی سلاسل کی نسبت بھی القا کریں کہ ان کا حق بھی ثابت ہے اور اسی بات پر فاتحہ پڑھا گیا اور سب رخصت ہو گئے۔ فرمایا کہ طریقہ قادریہ میں بعد شیخ عبدالقادر جیلانی شیخ کمال کیتھلی کے مانند اور کوئی نظر نہیں آتا۔ فرمایا کہ آفتاب کی جانب بفراغت دیکھ سکتے ہیں مگر شاہ سکندر کے قلب کی طرف بوجہ شعشان نور نگاہ نہیں کی جاتی۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت نے واقعہ میں دیکھا گویا حضرت علیؓ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ تجھ کو سمٰوٰت سکھانے آیا ہوں۔ نقل ہے کہ ایک روز حضرت نے فرمایا کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دائرہ غضب الٰہی ظاہر ہوا۔ اس میں جو سیر کی تو طرح طرح کے غضب ذاتی وصفاتی وانتقامات اوسجانہ مطالعہ کئے اور یہ سیر دیر تک رہی۔ بعد ازاں دیکھا کہ اس دائرہ سے نکل کر مافوق کے مقام پر سیر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ دائرہ استغنائی ہے۔ وہاں رنگ رنگ کی استغنائی ذاتی وصفاتی اللہ تعالیٰ کی نظر سے گزریں۔ بعد ازاں اس مقام سے مقام بالا کی سیر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ مقام رحمت ہے۔ اس مقام میں صرف جمال ہی جمال کا ظہور ہے۔ جلال و استغنائی کی بو بھی نہیں ہے۔ بعد ازاں سیر فوق الفوق الی ماشا واقع ہوئی۔ نقل ہے کہ ایک روز مسجد وگھر وخانقاہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ شریعت اس جگہ اتری ہے جیسے کہ کارواں آ کر ٹھہرتا ہے۔ نقل ہے کہ حضرت نے فرمایا ایک روز حافظ حلقہ میں قرآن پڑھتا تھا کہ دفعتاً بعض وساوس درباب قرآن میرے دل میں آنے لگے۔ خیال آیا کہ نفس مطمئنہ ہو گیا۔ ولایت متحقق فنا و بقا حاصل۔ پھر یہ خطرات کہاں سے چنانچہ اس راز کے کشف کے واسطے متوجہ ہوا۔ بعد توجہ بسیار والتجا بے شمار کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مرغ عظیم الخلقت میرے سینہ سے نکل کر باہر گیا۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ سینہ میں یہ ہی خناس تھا جو وسوسہ ڈالتا تھا۔ حضرت

پیغمبر علیہ السلام کو اسی خناس کے شر سے بچنے کے واسطے حکم ہوا تھا۔ جس جگہ کہ فرمایا ہے قل اعوذ برب الناس ملک الناس الہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس اور پھر الہام ہوا کہ اصل دین میں جو خطرہ گزرتا ہے منشا اس کا یہ ہی خناس ہے کہ سینوں میں آشیانہ رکھتا ہے اور ہر وقت نیش زنی کرتا رہتا ہے اور پھر الہام ہوا کہ اس کے آشیانے کو ترے سینہ سے دور کر دیا۔ الحق کہ بعد خروج اس خناس کے عجیب شرح صدر حاصل ہوا۔ فرمایا کہ مجھ پر مکشوف ہوا۔ کہ ہندوستان میں بھی انبیا گزرے ہیں لیکن کسی کا ایک تابع ہوا اور کسی کے دو۔ غرض کہ تین سے زیادہ کسی کے نہیں پائے جاتے اور اگر چاہوں تو ان کا مکان وجگہ بعثت بھی بتا سکتا ہوں بلکہ ان کی قبر بھی کہ ان کے انوار نظر آتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک روز ایک اپنے فرزند متوفی کی روح پر ثواب رسانی کی نیت سے کچھ طعام فقیروں اور درویشوں کے کھلانے کے واسطے تیار کرایا۔ اسی اثنا میں میری زبان سے نکلا کہ یہ صدقہ کس طرح قبول ہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما یتقبل اللہ من المتقین۔ اسی خیال میں تھا کہ آواز آئی کہ انت من المتقین۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھ پر دید قصور اعمال اس قدر غالب تھا کہ جس وقت نماز میں فاتحہ پڑھتا تھا اور لفظ ایاک نعبدو و ایاک نستعین پر آتا تھا حیران ہو جاتا تھا کہ کیا کروں۔ اگر پڑھتا ہوں تو کریمہ لم تقولون مالا تفعلون کا مصداق ٹھہرتا ہوں اور اگر نہیں پڑھتا تو واجب ترک ہو جاتا ہے کہ اتنے میں آواز آئی کہ شرک کو تیری عبادت سے دور کیا اور منطوق الا الذین خالص کا ظہور ہوا۔ فرمایا کہ جو کوئی میرے طریقہ میں بیواسطہ یا بواسطہ خواہ مرد ہو خواہ عورت، قیامت تک داخل ہوگا سب کو میرے پیش نظر کیا۔ اگر چاہوں تو ہر ایک کا نام ومقام بتا دوں۔ فرمایا کہ سوا نبوت جو کمالات کہ نوع بشر میں ممکن ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فرمائے۔ فرمایا ایک روز حلقہ یاراں میں بیٹھا تھا کہ اپنی خرابیوں پر نظر پڑی اور یہ دید غالب ہوئی کہ اسی اثنا میں بحکم من تواضع للہ رفع اللہ یہ آواز آئی غفرت لک ولمن توسل بک الی بواسطہ اور بغیر واسطہ الی یوم القیامت فرمایا کہ مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ جو معاملات وکمالات خدا تعالیٰ نے مجھ پر افاضہ فرمائے ہیں تا ظہور امام مہدی اور کسی پر نہ ہوں گے۔ فرمایا کہ مجھ پر مکشوف ہوا کہ مہدی معہود رضی اللہ عنہ اسی نسبت (یعنی نسبت مجددیہ) پر ہوں گے۔ فرمایا کہ مجھ پر ظاہر ہوا کہ حقائق ومعارف جو میں نے لکھے ہیں حضرت مہدی معہود کی نظر سے گزریں گے اور ان کے مقبول ہوں گے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بحض فضل وکرم مجھ کو بشارت دی ہے کہ تری دنیا کو آخرت کر دی یعنی بہت سے کمالات جو اوروں کے واسطے آخرت پر موقوف ہیں حضرت کو اس جگہ عطا ہوئے۔ نقل ہے کہ ایک روز قضا حاجت کو پاخانہ تشریف لے گئے۔ وہاں دیکھا کہ مٹی کا پیالہ گندگی میں پڑا ہے اور اس پر اللہ کا نام لکھا ہے۔ حضرت اس پیالہ کو لے کر فی الفور باہر نکل آئے۔ خادم سے فرمایا کہ لوٹا میں پانی لے آ۔ وہ لے آیا۔ اس سے پیالہ کو اپنے ہاتھ سے دھویا۔ ہر چند خادم نے عرض کی کہ آپ تکلیف نہ کریں میں دھو دوں گا۔ حضرت نے نہ مانا اور خوب پاک کر کے ایک کپڑے میں لپیٹ کر اونچا طاق میں رکھ دیا اور جب ضرورت ہوتی اس میں پانی پیا کرتے۔ اسی اثنا میں آواز آئی کہ جیسے تو نے میرا نام بزرگ رکھا اسی طرح میں نے تیرا نام دنیا وآخرت میں بزرگ کیا۔ فرمایا اگر سو برس ریاضت ومجاہدہ کرتا وہ بھی اس قدر فیوض وبرکات نازل نہ ہوتے جیسے کہ اس عمل سے ہوئے۔ فرمایا کہ قضا وقدر پر مجھ کو اطلاع بخشی ہے اور اس طرح منکشف کیا ہے کہ کسی وجہ سے شریعت غرا کے مخالف نہیں ہے۔ نقل ہے کہ ایک مرتبہ ایک امیر شخص نے کسی رشتہ دار قریبی کی روح پر ثواب پہنچانے کے ارادہ سے کھانا تیار کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ بھی تشریف

Marfat.com

لے چلیں۔ چونکہ دعوت عام تھی حضرت نے منظور نہ فرمایا۔ اس نے کمال عاجزی و انکسار کیا۔ اسی اثنا میں الہام ہوا کہ اگر تو اپنی ہتک حرمت اختیار کرے تو اس میت کو روز حشر اس قدر نور بخشوں کہ اہل محشر اس سے منور ہو جائیں۔ حضرت متردد ہوئے کہ ہتک حرمت کیا۔ معنی معلوم ہوا کہ اس قسم کی مجلس میں جانا ہتک حرمت ہے۔ پس حضرت نے اجابت دعوت کی اور اس کے مکان پر تشریف لے گئے۔ فرمایا کہ مجھ کو بشارت ہوئی کہ جس جنازہ پر تو نماز پڑھے اس میت کو بخش دوں۔ فرمایا کہ ایک روز بعد اذان نماز دعا پڑھتا تھا لیکن ہاتھ زانو پر رکھے ہوئے تھے۔ خیال آیا کہ اس طرح سے دعا مانگنا بعید از ادب ہے۔ ہاتھ اٹھا کر دعا شروع کی۔ آواز آئی کہ اس ادب کے عوض تجھ کو بھی اور کچھ عذاب نہ ہوگا۔ ایک روز بتقریب تکرار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فرمایا کہ بمقابلہ اس کلمہ طیبہ کے کاش تمام عالم حکم قطرہ بدریائے محیط رکھتا۔ فرمایا یہ کلمہ مقدسہ جامع کمالات نبوت و ولایت ہے۔ لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کے کلمہ پڑھنے سے کس طرح جنت مل سکتی ہے اور دوزخ سے خلاصی ہو سکتی ہے۔ جو کچھ مجھ کو معلوم و محسوس ہوا یہ ہے کہ اگر تمام عالم کو بعوض ایک دفعہ پڑھنے کے خلاصی دیں تو گنجائش رکھتا ہے اور اگر برکات اس کلمہ کے تمام عالم کو قسمت کریں تو ابدالا باد تک معمور و ساری رہیں۔ فرمایا کہ شیخ ابن العربی باہمہ سطح مقبولوں میں سے نظر آتے ہیں اور اولیاؤں میں معلوم ہوتے ہیں۔ با کریمان کارہا دشوار نیست۔ سچ ہے گاہے بسلامی برنجند وگاہے بدشنامی بخند ندرو کنندہ شیخ خطر میں ہے۔ و نیز قبول کنندہ جملہ کلمات شیخ بھی خطر میں ہے۔ فرمایا کہ ایک روز میں متوجہ یاراں تھا۔ معلوم ہوا کہ شیخ طاہر لاہوری کا نام دفتر سعداء سے خارج کر کے دفتر اشقیا میں داخل کر دیا چنانچہ اسی وقت متوجہ دفع شقاوت شیخ مذکور ہوا۔ عین التجا و تضرع معلوم ہوا کہ یہ امر لوح محفوظ میں قضا معلق نہیں ہے اور مشروط کسی شرط کی نہیں ہے۔ اس وقت کمال یاس اور ناامیدی ہوئی مگر معاً قول حضرت سید محی الدین عبد القادر جیلانی یاد آیا کہ انہوں نے فرمایا کہ قضا مبرم میں کسی کو مجال تبدیل نہیں ہے لیکن مجھ کو اگر چاہوں تو وہاں بھی تصرف کروں۔ پھر از سر نو ملتجی و متضرع ہوا اور عرض کی کہ بار خدایا تو نے اپنے ایک بندہ کو اس نوازش سے سرفراز فرمایا ہے۔ تیرے کمال کرم سے بعید نہیں جو اس عاجز کو بھی ممتاز فرمایئے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ ایک قسم کی قضا ہے کہ وہ لوح محفوظ میں مبرم ہوتی ہے اور عند اللہ معلق ہوتی ہے اور اس میں اخص خواص کو دست تصرف ہوتا ہے اور یہ معاملہ بھی اسی قسم آخر سے ہے چنانچہ بفضلہ تعالیٰ حضرت کے تصرف سے شیخ طاہر کو اس بلا سے نجات ہوگئی۔ سچ ہے۔

اولیا راہست قدرت از الہ
تیر جستہ بازگرداند ز راہ

نقل ہے کہ ابتدا میں ایک روز حضرت ایک قبرستان میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک عورت کی قبر تھی۔ وہ حضرت کی اہل حق اور قرابتوں میں سے تھی۔ حضرت اس عورت کے قبر کی محاذ میں تادیر کھڑے رہے۔ پہلے آثار خضوع و خشوع چہرہ مبارک پر ظاہر ہوئی۔ بعد دیر علامت خوشی و خورمی پائی گئی۔ جب حضرت مکان پر تشریف لے گئے تو محرمان اسرار نے دریافت کیا کہ حضرت کیا باعث تھا کہ آپ تادیر اس عورت کی قبر پر کھڑے رہے اور اولاً چہرہ مبارک سے آثار انکسار ظاہر ہوئے اور دیر کے بعد خوشی معلوم ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ جس وقت میں اس کی قبر پر پہنچا اس کو معذب دیکھ کر متوجہ دفع عذاب ہوا مگر عذاب دور نہ ہوا کہ میں متوجہ ارواح اپنے آبا و اجداد کا ہوا چنانچہ ان کی ارواح پاک حاضر

ہوئیں مگر دفع عذاب نہ ہو۔ بعدازاں متوجہ ارواح عالیات حضرت خواجہا ہوا کہ وہ بھی فی الفور تشریف فرما ہوئیں لیکن عذاب اس طرح قائم رہا۔ آخر کار بصد عجز متوجہ بارگاہ محمدی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آں حضرت علیہ السلام تخت نبوت پر سوار تشریف لائے اور بمجرد درود تخت محمدی وہ عذاب دور ہوگیا اور اس عفیفہ نے مجھ کو دعا دی کہ جس طرح تو نے مجھے راحت پہنچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ تجھے بھی راحت پہنچائے۔ اس وقت آثار خوشی کے مجھ پر ظاہر ہوئے۔

نقل ہے کہ ایک روز ایک قبرستان میں تشریف لے گئے۔ دل میں گزرا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر عالم کسی مقبرہ پر گزرے تو چالیس دن تک اس مقبرہ کا عذاب موقوف ہوجاتا ہے۔ بمجرد اس خطرہ کے الہام ہوا کہ تیرے گزرنے کی وجہ سے ان اہل قبور کا تاقیامت عذاب موقوف کیا۔ نقل ہے کہ ایک روز ایک خادم نے حاضر ہوکر عرض کی کہ ستر ہزار کلموں کا ثواب آپ کی نظر کیا۔ بمجرد اس کہنے کے حضرت نے فی الفور ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھی۔ دوسرے روز اسی خادم سے فرمایا کہ جس وقت میں نے دعا کے واسطے ہاتھ اُٹھائے فرشتے ثواب لے کر اس کثرت سے اترے کہ زمین پر پیر رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ پھر فرمایا کہ اس بات سے تم مغرور نہ ہونا۔ اپنا قصہ سناتا ہوں کہ ہر شب نماز بعد تہجد پانسو مرتبہ کلمہ طیب پڑھ کر محمد عیسیٰ و محمد فرخ وام کلثوم (یہ حضرت کی اولاد متوفی کے نام ہیں) کی روح پر بخشتا ہوں۔ ابتدا میں ایسا ہوتا تھا کہ محمد عیسیٰ کی روح آکر مجھ کو جگا دیا کرتی تھی کہ ختم کلمہ طیب کروں اور پھر اپنے بھائی اور بہن کی روح کو بلانے جایا کرتی تھی کہ چلو باوا جان بیدار ہوئے اور جب تک میں وضو کرتا اور نماز پڑھتا اور ختم کلمہ طیب کرتا اس طرح گرد پیش پھرا کرتے جیسے روٹی پکاتے میں چھوٹے بچے اپنی ماں کے آس پاس پھرا کرتے ہیں اور جب ان کو ثواب بخش دیتا تو چلے جاتے۔ اب کثرت ثواب سے ایسے سیر ہوگئے ہیں کہ کبھی نہیں آتے۔ نقل ہے کہ مولانا یوسف ایک علماعصر سے تھے اور حضرت کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے کہ اثنا سلوک میں ان کی اجل آگئی۔ قریب فوت حضرت ان کے پاس گئے اور متوجہ اتمام سلوک ہوئے اور اس کو اس امر سے اطلاع بھی فرمائی اور اس سے حال بھی دریافت کرتے جاتے اور وہ عرض کرتے جاتے حتیٰ کہ اسی وقت اس کا تمام سلوک طے کرا دیا۔ بمجرد تمام اس نے جان بحق تسلیم کی یا کریمان کارہا دشوار نیست۔ نقل ہے کہ ایک شخص حضرت کے مناقب سن کر قدم بوسی کے واسطے خدمت شریف میں روانہ ہوا۔ پھر رات گئے حضرت سرہند میں پہنچا۔ ایک مسجد کے قریب مکان میں ٹھہر گیا۔ صاحب خانہ نے کمال مہربانی کی۔ اس نے اس سے کچھ حضرت کا حال دریافت کیا۔ اس نے کچھ لعن وتعریض کرنے شروع کردیئے۔ یہ بیچارہ نہایت حیران ہوا کہ ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص شمشیر برہنہ آیا اور اس طاعن کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ یہ بیچارہ یہ ماجرا دیکھ کر بہت گھبرایا اور اس شخص کے پیچھے دوڑا مگر مطلق پتہ نہ لگا صبح کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت اس شخص سے بغلگیر ہوئے اور متبسم ہوکر فرمایا۔ مامضی باللیل لم یذکر بالنہار۔ بعدازاں اس محلہ میں گیا وہاں رونا پیٹنا پڑا تھا کہ فلانے کو کوئی شخص رات مار گیا۔

نقل ہے کہ ایک درویش خانقاہ شریف میں حضرت کے رہا کرتا تھا۔ اس پر واردات کثیر وارد ہوتی تھیں چنانچہ بسا اوقات ایسا اتفاق ہوتا کہ جب سجدہ جاتا تو حالات زمین و آسمان اس پر ظاہر ہوجاتے۔ اسی اثنا میں اس کے ایک شخص کثیر الخدشہ سے صحبت ہوگئی۔ اس کے دل میں خطرہ گزرا کہ باوجود حضرت کے اس قدر علم وعرفان کے خرق

عادت نہیں ہوتی اور اس خطرہ نے اس پر غلبہ کیا حتیٰ کہ اس کو اپنے حال میں بستگی پائی گئی۔ لاچار ہوا اور اپنے گلے میں پگڑی ڈال کر حضرت کے قدموں پر آ کر گر پڑا لیکن اظہار خطرہ نہ کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ طالب کرامات ہوئے ہیں اور یہ فلاں شخص کی صحبت کا اثر ہے۔ بعد ازاں حضرت نے سب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جو شخص کرامات چاہتا ہو اس کو چاہئے کہ اپنا دوسرا شیخ تلاش کر لے اور جو کوئی متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقتباس انوار فنا و بقا و دیگر کمالات معرفت ذات وصفات چاہتا ہو وہ اس جگہ رہے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کو علالت عارض ہوئی۔ دس گیارہ دانہ مویز کے تناول فرمانے کو طلب فرمائے چنانچہ خادم نے دانہ حاضر کئے۔ حضرت متوجہ کشف اس معاملہ کے ہوئے۔ آیا یہ دانے نافع ہوں گے یا نہیں۔ جب سر مبارک اٹھایا تو فرمایا کہ عجیب معاملہ گزرا کہ یہ مویز کے دانے بارگاہ الٰہی میں ملتجی ہوئے کہ اے بار خدا! تیرے دوست نے ہم کو تناول کرنے کے لیے منگایا ہے۔ ہم سے اس کو شفا عطا فرما اور جو کوئی ہم سے جس مرض کے واسطے جو دانہ تناول فرمائے چنانچہ فی الفور آرام ہو گیا اور بعد ازاں جس مرض کے لئے جس بیمار کو ایک دانہ دیا فی الفور شفا کلی ہوئی۔ حضرت بحسرت فرمایا کرتے تھے کہ کاش یہ دانے زیادہ ہوئے ہوتے کہ مجمع کثیر اس سے صحت یاب ہوتے۔ نقل ہے کہ ایک شخص کو حضرت نے کسی کام کو بھیجا اور بوقت رخصت کہہ دیا کہ راستہ میں سورۃ لایلاف بکثرت پڑھنا اور جہاں کہیں کچھ مشکل ہو مجھ کو یاد کرنا۔ چنانچہ وہ شخص روانہ ہوا۔ چلتے چلتے ایک جگہ پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ شیر چلا آتا ہے اور سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ دیکھتے ہی کانپنے لگا اور اسی وقت حضرت کو یاد کیا یاد کرتے ہی دیکھا کہ حضرت عصا لئے ہوئے تشریف لائے اور عصا اس شیر کے منہ میں دے دیا۔ اس شخص کے جب حواس بجا ہوئے، دیکھا نہ شیر تھا نہ حضرت تھے۔ نقل ہے کہ ایک شخص کی زبانی سنا تھا کہ جس قدر کفار کی توہین کرے عند اللہ اجر عظیم وثواب غازیاں فی سبیل اللہ ہوگا۔ ایک روز اس شخص کا ایک بت خانہ میں گزر ہوا۔ وہاں اس کو حضرت کا فرمانا یاد آ گیا اور فی الفور مع رفقا بت شکنی میں مشغول ہو گیا کہ ناگاہ گاؤں کی جانب سے لوگ لاٹھی سونٹا لئے ہوئے آتے دکھائی دیئے۔ دیکھتے ہی ہوش اُڑ گئے۔ اسی وقت حضرت کو یاد کیا کہ حضرت آپ کی نصیحت پر عمل کیا ہے وقت مدد ہے۔ آواز آئی کہ تیری مدد کو لشکر اسلام بھیجتا ہوں۔ میں نے رفیقوں سے کہا کہ حضرت کی آواز آئی ہے کہ لشکر بھیجتا ہوں مگر دشمن یہاں آ پہنچے۔ ایک تیر کے فاصلہ پر کفار رہ گئے ہوں گے کہ ایک بلندی پر سے تیس چالیس آدمی گھوڑے دوڑائے آتے ہوئے نمایاں ہوئے اور آتے ہی کفاروں کو ایک ڈانٹ بتلائی اور مجھ کو اپنی حمایت میں لے کر چل دیئے۔ جب کفار نظر سے غائب ہو گئے ہم کو رخصت کر دیا۔ دیکھا تو نہ لشکر تھا نہ آدمی تھے۔ صرف حضرت کا تصرف ہی تصرف تھا۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیر وگشت کے واسطے بیرون جات تشریف لے گئے۔ ایک روز ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جاتے ہوئے راستہ میں آفتاب کی حرارت وغبار راہ سے رفیقوں کو خصوصاً جو پیدل تھے، ازبس پریشانی و پیاس ہوئی لیکن غلبہ رعب سے کچھ عرض نہ کر سکے۔ حضرت نے خود اشراف خواطر سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ گرمی آفتاب وتراکم غبار سے رفیقوں کو تکلیف ہے۔ مولانا محمد یوسف سمرقندی نے عرض کی کہ حضور کو خود معلوم ہے۔ عرض کی کچھ حاجت نہیں۔ یہ سن کر حضرت نے تبسم فرمایا اور گوشہ چشم حق بین جانب آسمان کر کے کچھ زیر لب فرمایا۔ تھوڑی دور چلے ہوں گے کہ ایک بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا اور اوپر آ کر اس قدر برس گیا کہ جس میں غبار بیٹھ جاوے اور کیچڑ نہ ہو اور باد

Marfat.com

شمال معتدل چلنے لگی کہ تمام راہ کی کوفت وحرارت بھول گئے۔ نقل ہے کہ ایک امیر کو سلطان وقت نے بغضب تمام لاہور سے طلب کیا۔ چونکہ اس سے تقصیر عظیم سرزد ہوئی تھی لوگ گمان کرتے تھے کہ بمجرد پہنچنے کے اس کو ہاتھی کے پیر سے بندھوا اکبر بادشاہ مروا ڈالے گا۔ دہلی جاتے وقت جب وہ شخص سرہند میں پہنچا تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور التماس حمایت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ خطرہ نہیں۔ خاطر جمع رکھو۔ اس نے کمال اضطرار سے کہا کہ جو کچھ حضرت زبانی فرماتے ہیں اس کو قلم سے لکھ کر میرے حوالہ فرمائیں حضرت نے مسکرا کر یہ لکھ دیا کہ ''چوں فلاں از خوف غضب سلطانی کہ نمونہ غضب الٰہی است بفقرا رجوع نمودہ فقرا او را در ضمن خود گرفتہ ازیں مہلک رہانیدند'' اس کے رخصت ہونے کے بعد چند ایام جب گزرے تو کسی نے آ کر کہا کہ اس امیر کو بادشاہ نے قید کر دیا۔ حضرت سن کر فرمانے لگے کہ یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ فقراء کو سلطان کی شفقت اس کے حق میں مثل روز روشن معلوم ہوئی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچا بادشاہ اس کو دیکھ کر متبسم ہوا اور چند کلمات نصیحت آمیز کہہ کر خلعت دیا اور اس کو اس کی جگہ بھیج دیا۔ نقل ہے کہ ایک شخص سالہا سال سے بیمار چلا آ رہا تھا۔ نہ کوئی دوا فائدہ کرتی تھی اور نہ دعا۔ حضرت کی شہرت سن کر ایک عریضہ خدمت شریف میں روانہ کیا اور جامہ تبرک بھی طلب کیا۔ حضرت نے اس کے حال پر رحم فرما کر یہ عنایت نامہ مع جامہ تبرک بھیجا۔ ''مخدوما تا چند چوں مادر مہربان برخود باید لرزیدو تا کے برخود از غصہ و غم باید پیچیدہ خود را وہمہ را مردہ باید انگاشت و جمادی چند بے حس وحرکت باید پنداشت انک میت و انھم میتون نص قاطع است فکر ازالہ مرض قلبی دریں فرصت یسیر بذکر کثیر از اہم مہام است وعلاج علت معنوی دریں مہلت قلیل بیاد رب جلیل از اعظم مقاصد دلی کہ گرفتار غیر است از وچہ توقع خیر است روحے کہ مائل بکہتر است نفس امارہ از و بہتر است آنجا ہمہ سلامتی قلب مے طلبند وخلاصی روح مے جویند و ماکوتہ اندیشاں ہمہ در فکر تحصیل اسباب گرفتاری روح و قلبھم ہیہات چہ تواں کرد ماظلمھم اللہ ولکن کانوا انفسھم یظلمون دیگر از ضعف ظاہر اندیشہ نکنند انشاء اللہ تعالیٰ بصحت و عافیت تبدیل خواہد یافت خاطر اینجانب ازیں رہگزر جمع است جامہ فقرا کہ طلب داشتہ بودند پیراہن فرستادہ شد بپوشند و مترصد نتائج وثمرات آں باشند کہ کثیر البرکات است۔

ہر کسی افسانہ خواند افسانہ است　　　　و آنکہ دیدش نقد خود مردانہ است

والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ و علیٰ الہ من الصلوٰۃ اکملھا''

جس وقت کہ اس نے اس پیراہن شریف کو پہنا امراض سے رہائی پائی اور حاضر حضور ہو کر مرید ہوا بلکہ غالباً حضرت نے اس کو اجازت تعلیم طریقہ بھی عطا فرمائی۔ نقل ہے کہ عبدالرحیم خاں خان خاناں صوبہ دار بوجہ غمازی چند فتنہ انگیز مورد عتاب سلطانی ہوا اور معزول کر کے دار سلطنت میں طلب کیا گیا اور نوبت بہ اینجا رسید کہ اس کو اپنی جان کا اندیشہ ہو گیا۔ سخت پریشان ہوا اور حضرت کے خلیفہ جلیل القدر میر محمد نعمان سے طلب دعا کی۔ میر موصوف نے عریضہ لکھ کر حضرت سے خان خاناں کی سفارش کی اور جواب نیاز نامہ طلب کیا۔ حضرت نے بعد ملاحظہ عریضہ میر نعمان قلمدان طلب کر کے جواب لکھا کہ ''دروقت مطالعہ کتاب شما خانخاناں در نظر رفیع القدر در آمد خاطر شریف از معاملہ او جمع باشد۔'' میر صاحب نے وہ خط بجنسہ خان خاناں کے پاس بھیج دیا۔ اس کے چند ہی روز کے بعد بادشاہ خان خاناں سے راضی ہو گیا اور خلعت خاصہ عطا فرما کر اس کو پھر بحال کر دیا۔ نقل ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میرا بیٹا بیمار ہے اور ایک

Marfat.com

روپیہ بھی نذر کیا۔ حضرت نے وہ روپیہ قبول نہ فرمایا۔ چند روز اس نے الحاح کی لیکن منظور نہ ہوئی حالانکہ عادت شریف ردفتوح کی نہ تھی۔ سب کو یقین ہوگیا کہ اس کا لڑکا بچتا نظر نہیں آتا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور شام کو وہ مرگیا۔ نقل ہے کہ ایک حضرت کا خادم سفر اصفہان سے واپس آتا تھا۔ راستہ میں کسی جگہ خورے گر پڑے۔ اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔ اتنے میں قافلہ بھی نظر سے غائب ہوگیا اور پریشانی بالائے پریشانی ہوئی۔ روتا ہوا پہاڑوں میں ٹکریں مارتا حیران پھرتا تھا اور کہیں قافلہ کا سراغ نہ لگتا تھا اور ایسا مایوس ہوگیا کہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ ناچار ایک طرف جا کر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت کی طرف متوجہ ہوا۔ کیا دیکھا ہے کہ حضرت ایک گھوڑے پر سوار چلے آتے ہیں اور اس کے پاس آئے اور اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھا کر گھوڑا دوڑا لیا۔ جب قافلہ قریب آگیا اس کو گھوڑے سے اتار دیا۔ آپ نگاہ سے غائب ہوگئے۔ نقل ہے کہ ایک مرتبہ شاہجہان عالم شہزادگی میں اپنے باپ سے مخالف ہوگیا اور بمقابلہ و مقاتلہ پیش آیا۔ بعض اشخاص نے حضرت کو لکھا کہ مشائخ دہلی نے اپنے مکشوفات سے نصرت و فتح شاہزادہ کی معلوم کی ہے۔ آپ کیا فرماتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھ کو معاملہ بالعکس معلوم ہوتا ہے لیکن آخر کار مدعا شہزادہ کرسی نشین ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ چنانچہ بعد شکست شہزادہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدعا سلطنت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں سلطنت جہانگیر کی رہے لیکن بعد ازاں انشاء اللہ تعالیٰ بادشاہ تو ہوگا۔ خاطر جمع رکھ۔ شہزادہ اس بشارت سے نہایت خوش ہوا اور واقع بھی ایسا ہوا کہ بعد جہانگیر شاہجہاں تخت نشین ہوا۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ فوجدار سرہند نے کوہستانیوں پر فوج کشی کی اور بعض بعض گوشہ نشین سے دریافت کیا کہ انہوں نے کہا کہ اس مہم میں تیری فتح ہے اور بنظر تصدیق مزید حضرت سے بھی خط بھیج کر دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس مہم میں فوجدار کی شکست فاش معلوم ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چار پانچ روز میں فوجدار صاحب نقارہ وفارہ چھنوا کر لوٹ آئے۔ نقل ہے کہ مولانا مرتضیٰ کے والد نے وصیت کی تھی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو نعش کو حضرت کی خدمت میں لے جانا اور عرض کرنا کہ داخل طریق کریں اور حضرت کا طریقہ تھا کہ اموات کو بھی عطا نسبت فرمایا کرتے تھے۔ بعد وفات مولانا اپنے والد کی نعش کو حضرت کی خدمت میں لائے اور اپنے والد کی وصیت سے آگاہ کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ کل کو حال معلوم ہو جائے گا۔ دوسرے دن مولانا نے حلقہ میں کیا دیکھا کہ ان کے والد حضرت سے ایک آدمی کے فاصلہ پر بیٹھے ہیں اور سرگرم ذکر ہیں۔

نقل ہے کہ ایک درویش کعبہ شریف کو جاتا تھا۔ راستہ میں جب سرہند میں پہنچا تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت نماز سے فارغ ہو کر گوشہ میں تشریف لے جاتے تھے۔ یہ درویش جا کر قدموں پر گر پڑا۔ حضرت نے خادم سے کہا کہ اگر کوئی روٹی کا ٹکڑا ہو تو گھر میں سے منگا لو۔ خادم گیا اور ایک روٹی کا ٹکڑا لے آیا۔ حضرت نے اپنے ہاتھ سے وہ ٹکڑا اس کی گود میں ڈال دیا اور فرمایا کہ اب وقت تنگ ہوگیا ہے اور یہ ٹکڑا تیرا مرشد ہے۔ اس درویش کی زبانی ہے کہ اس ٹکڑے کے ملتے ہی مجھ کو اس قدر حاصل ہوا اور ایسی آناً فاناً ترقی ہوئی کہ تیس برس ریاضت کی تھی اس کی بو بھی نہ پائی تھی۔ نقل ہے کہ ایک شخص حضرت کے خویشوں میں تھا۔ اس کے بیٹا زندہ نہ رہا کرتا تھا اور جو لڑکا پیدا ہوتا وہ مرجاتا ایک دفعہ اس کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ اس کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضرت

Marfat.com

میں نے نیاز کی ہے کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو آپ کی غلامی میں دوں گا۔ حضرت نے بعد توجہ فرمایا کہ اس لڑکے کا نام عبدالحق رکھنا انشاء اللہ تعالیٰ زندہ رہے گا لیکن ہر مہینہ پانچ بہلولی حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز دیا کرنا چنانچہ ببرکت نفس نفیس وہ لڑکا زندہ رہا۔ نقل ہے کہ ایک شخص جان محمد جالندھری حضرت کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اس کو حضرت نے قادریہ طریق میں داخل کیا تھا۔ کوئی شخص ایک روز حضرت کے مہمان آئے۔ انہوں نے حضرت سے دریافت کیا کہ اس شخص کو آپ نے کس طریق میں داخل کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ قادریہ میں۔ اس مہمان نے کہا کہ اس شخص کا باپ میرا بھی آشنا تھا۔ میں بھی اس کی سفارش کرتا ہوں کہ آپ اس کو حضرت غوث الثقلین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملا دیجئے۔ اسی اثنا میں حضرت اٹھے۔ باہر تشریف لائے۔ اس سے فرمایا کہ جان محمد قطب تارہ کو پہچانتے ہو یہ ہے اور فرمایا کہ خوب دیکھ۔ جان محمد نے جو خوب غور سے دیکھا تو اس میں سے ایک شخص سیاہ کمل پہنے باہر نکلا اور تیر کی طرح اس جگہ آ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کی قدم بوسی کر۔ یہ غوث الثقلین ہیں چنانچہ جان محمد فی الفور قدم بوس ہوا۔ بعد ازاں حضرت غوث الثقلین رخصت ہوئے اور پھر اسی ستارہ کی جانب متوجہ ہوئے اور اس میں غائب ہوگئے۔ جب حضرت وضو وغیرہ سے فارغ ہوئے اور مسجد میں تشریف لائے تو اس مہمان نے پوچھا کہو حضرت غوث الثقلین کو دیکھا۔ جان محمد نے کہا دیکھا۔

نقل ہے کہ ایک شخص سے حضرت نے فرمایا کہ تیری اور فلانے کی ولایت ابراہیمی ہے۔ اس شخص نے دل میں خیال کیا ہر چند کہ فرمودہ حضرت کافی ہے لیکن اگر مجھ کو یہی معلوم ہو جاتا تو خوب تسلی ہوتی۔ اسی روز شب کو حضرت خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ حضرت بھی موجود ہیں اور وہ دونوں شخص بھی کھڑے ہیں۔ حضرت نے ان دونوں شخصوں کے ہاتھ پکڑ کر حضرت ابراہیم کے قدموں پر ڈال دیا چنانچہ ان شخصوں نے حضرت خلیل کی قدم بوسی کی اور پھر اپنی جگہ کھڑے ہو لئے۔ صبح کو جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابھی واقعہ نہیں سنایا تھا کہ حضرت نے فرمایا کہ جو کچھ کہہ دیا ہے اس میں تردد کی گنجائش نہیں ہے۔ تم کو کیا معلوم ہے کہ جملہ سالکان راہ کو اپنے مشرب واستعداد کا علم پورا پورا نہیں دیتے بلکہ اس قسم کا علم شاذ ونادر کسی زمانہ میں کسی شخص کو ہوتا ہے۔ شیخ نجم الدین کبروی کی نقل ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے قطب تھے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ میری کونسی ولایت ہے چنانچہ اس بات کی تحقیق کے واسطے ایک اپنے اصحاب کو ایک اور بزرگ کی خدمت میں جو کہ علم احوال رکھتے تھے، بھیجا۔ اس بزرگ نے دیکھتے ہی کہہ دیا کہ تیرا یہودی کیا کرتا ہے۔ مرید آزردہ خاطر ہوا اور واپس ہو کر اپنے پیر کی خدمت میں آیا اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ شیخ بہت خوش ہوئے اور کہا یہ انہوں نے میری موسوی المشرب ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضرت کے صاحبزادہ کلاں محمد صادق کی ولایت ابراہیمی تھی۔ حضرت نے اپنے تصرف سے ان کو ولایت محمدی پر پہنچایا اور یہ تصرف راقم الحروف کے نزدیک اعظم کرامات سے ہے۔ ہر ولی کا تو کیا ذکر ہے اگر ہزار بلکہ دس ہزار اولیاء میں سے ایک میں بھی یہ طاقت ہو تو آفرین بردست وبربازوے او۔

مقام نواں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے محبوس ہونے کے بیان میں

جب حضرت مجدد الف ثانی کا سن شریف پچاس سے متجاوز ہوا تو آپ فرمایا کرتے کہ ترپن برس کی عمر میں

Marfat.com

قضا معلق ہے دیکھئے کیا پیش آتا ہے اور گاہ گاہ یہ بھی فرماتے کہ ابھی تک میری پرورش جمالی طور سے ہوئی اب منظور رب العالمین جلالی طور سے کرنے کی ہے۔ خیر چنانکہ پرورشم مید ہند میرویم۔ اب اس کے ظہور کی یہ شکل ہوئی کہ قبل ازیں عہد اکبری میں اسلام کا اس قدر ضعف اور کفر کا زور ہوگیا تھا کہ ایک ایکادشی کے دن بازار بند رہتے اور رمضان میں علانیہ دن کو طنور گرم رہتے۔ اکبر خود الوالعزم بن بیٹھا تھا سجدہ کراتا تھا۔ خیر وہ وقت تو گزر گیا جب جہانگیر جانشین ہوا تو مسلمان خوش ہوئے کہ اب دین کی تروتازگی ہوگی مگر وہ الولد سرلابیہ نکلا۔ پہلے ہنود کا زور تھا اب رافضی امیر وزیر بن بیٹھے۔ سجدہ اسی طرح قائم رہا۔ اہل ہنود کی رسوم کی جگہ روافض کی بدعادات جاری ہوگئیں۔ ان جملہ امور کی جب حضرت کو خبر پہنچی تو آپ فرماتے کہ جب تک میں اپنے نفس پر تکلیف نہیں اٹھانے کا، تجدید دین کما حقہ نہیں ہوگا مگر کل امر مرھون باوقاتھا وہ وقت ابھی دور تھا۔ ''رد روافض'' میں آپ کا مکاتیب و رسائل تحریر فرماتے اور رافضی امیر وزیر ان کو دیکھ کر جلتے مگر کچھ نہ کر سکتے منتظر موقع رہتے۔ اسی اثنا میں حضرت نے اپنے خلیفہ بدیع الدین کو کہ نہایت مقرب تھا، لشکر میں امر معروف کے واسطے بھیج دیا اور فرمایا کہ تم کو لشکر میں قبولیت عظیم ہوگی۔ اگر بباعث بعض امور کے کچھ تکلیف پہنچے تو باستقامت برداشت کرنا اور اس جگہ ٹھہرے رہنا اور جب تک میں طلب نہ کروں ہرگز ہرگز نہ آنا۔ الحق کہ لشکر پہنچ کر شیخ کو ایسی قبولیت ہوئی کہ صدہا ہزار ہا آدمی صبح شام حاضر مجلس ہوا کرتے اور بسا اوقات بڑے بڑے امیروں کو بباعث کثرت اژدہام زیارت نصیب نہ ہوتی۔ یہ امر روافض کو کہ نور جہاں کے بھائی وغیرہ اور گویا کہ مالک دربار بنے ہوئے تھے، نہایت شاق گزرا اور ایک روز موقع پا کر سلطان سے کہا کہ سرہند میں ایک شخص شیخ احمد نامی رہتا ہے۔ وہ اپنے تئیں حضرت ابوبکر صدیق سے افضل بتلاتا ہے اور دعویٰ تجدید الف ثانی کرتا ہے۔ صدہا ہزار ہا سوار جرار اس کے پاس موجود ہیں۔ تمام سلاطین و خوانین توران و ماوراء النہر اس کے حلقہ بگوش ہیں۔ علاوہ ازیں شیخ کے صدہا خلیفہ جابجا منتشر ہیں اور ان خلیفوں کے صدہا مرید ہیں چنانچہ ایک اس جگہ لشکر میں بھی موجود ہے۔ تمام سپاہ و ارکان سلطنت آپ کے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ شیخ کے دل میں داعیہ سلطنت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مثل شاہ اسماعیل فقیر کے یہ بھی مالک سلطنت بن بیٹھے اس لئے اس کا علاج قبل از واقعہ کرنا چاہئے اور فی الحال اس کے انسداد کی یہ شکل ہے کہ شیخ کو اس جگہ طلب کیا جاوے اور اس کو کسی بہانہ سے قید کر دینا چاہئے کہ آئندہ کو کسی طرح کا اندیشہ نہ رہے۔ یہ بات بادشاہ کو بہت پسند آئی اور حضرت کو سرہند سے طلب کیا۔ جب حضرت تشریف لائے تو وزیر نے ایسے وقت ملاقات کرائی کہ وہ نشہ میں چور تھا۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم اپنے تئیں حضرت ابوبکر صدیق پر ترجیح دیتے ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم حضرت علیؓ کو کہ خلیفہ چہارم ہیں حضرت ابوبکر صدیق پر ترجیح نہیں دیتے تو اپنے تئیں کس طرح دیں گے۔ سراسر خلاف عقل و نقل ہے اور جس عبارت سے لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں اس کا یہ منشا نہیں ہے بلکہ اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً کسی شخص کو تم اپنے پاس بلاؤ اور سرگوشی کرو تو ضرور ہے کہ وہ شخص پنج ہزاری و ہفت ہزاری کی جگہ پر گزرتا ہوا آوے گا اور سرگوشی کر کے پھر اپنے مقام پر واپس آجائے گا تو اس عبور مقامات پنج ہزاری و ہفت ہزاری سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ شخص ان ہفت ہزاری وغیرہ سے بڑھ گیا اس بات کو سن کر بادشاہ خاموش ہوگیا کہ اتنے میں وزیر بول اٹھا کہ یہ شخص کیسا متکبر ہے کہ آپ کو سجدہ کیا سلام علیک بھی نہیں کی۔ اس بات پر سلطان افروختہ خاطر ہوگیا اور کہا کہ تم نے سجدہ و سلام کیوں نہیں کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ سجدہ سوا خدا کے اور کو جائز نہیں اور سلام علیک اس واسطے نہیں

Marfat.com

کی کہ تو جواب نہ دیتا اور گنہگار ہوتا۔ بادشاہ نے کہا کہ سجدہ تم کو کرنا پڑے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں سجدہ نہیں کروں گا کہ اتنے میں مفتی عبدالرحمٰن نے اکابر علماوقت سے تھے، کہا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ اس وقت سجدہ کرنا جائز ہے کہ جان کا بچانا فرض ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ملا جی یہ فتویٰ تمہارے واسطے ہے میرے واسطے نہیں۔ سجدہ کرنا ایسی حالت میں رخصت ہے اور عزیمت یہ ہے کہ سواء خدا کے اور کسی کو نہ کرے۔ تب بادشاہ نے حضرت کو قید کر دیا۔ ''روضۃ القیومیہ'' میں لکھا ہے کہ شہزادہ خرم جو کہ بعد ازاں شاہجہاں کے لقب سے ملقب ہوا۔ حضرت کی قید سے نہایت پریشان ہوا اور حضرت کے پاس مع مفتی عبدالرحمٰن و کتاب فقہ گیا کہ اس میں جواز سجدہ تحیت تھا اور عرض کی کہ اگر آپ سجدہ کر لیں گے تو پھر میں آپ کی رہائی کا ذمہ دار ہوتا ہوں لیکن حضرت نے منظور نہ فرمایا اور یہ بھی ''روضۃ القیومہ'' میں لکھا ہے کہ جب حضرت نے جہانگیر کے رو برو سجدہ سے انکار کیا تو اس نے کہا کہ آپ صرف سر جھکا دیں مگر حضرت اس پر بھی راضی نہ ہوئے۔ تب کہا کہ کٹہرے کے دروازہ میں کو نکل آؤ۔ اس سے یہ مطلب کہ اس میں سر جھکا کر نکلیں گے تو سجدہ کی شکل ہو جاؤ گے اور حکم لغو نہ رہ جائے گا مگر حضرت نے اس میں بھی پہلے پیر نکالے۔ یہ دیکھ کر مارے غصہ کے جل گیا اور آپ کو گوالیار کے قلعہ میں کہ جہاں ایک رافضی قلعہ دار تھا، بھیج دیا۔ جب آپ قید ہو گئے تو مخلص و عزیز و اقارب کو نہایت غم و الم ہوا۔ حضرت نے سب کو تسلی فرمائی کہ انشاء اللہ میری یہاں سے خلاصی ہو گی کیونکہ میرے پاس بعض بعض کا حصہ ہے وہ ان کو پہنچتا ہے اور یہ امر بلا رہائی ممکن نہیں اور فرماتے کہ یہاں مجھ کو ایک کام کے واسطے بھیجا ہے جب وہ ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ رہائی ہو جائے گی اور حالت قید میں حضرت پر کمال فیوض و برکات نازل ہوئیں چنانچہ بعد رہائی بھی ان کو یاد کر کر کے حظ اٹھایا کرتے تھے چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں'' درایام حبس گاہے کہ مطالعہ ناکامی و بے اختیاری خود مینمودم عجب حظ میگرفتم و طرفہ ذوقے میافتم بلیے ارباب فراغت ذوق ارباب بلا راچہ دریابند واز جمال بلائے او چہ درک نمایند طفلاں را حظ منحصر در شیرینی است و آنکہ از تلخی حظ فرا گرفتہ است شیرینی را بجوئے نمیخرد۔

مرغ آتشخوارہ کسے لذت شناسد دانہ را''

جب حضرت کو چھ مہینہ حبس میں گزر گئے اور جس مراتب و مقامات پر اللہ تعالیٰ آپ کو براہ جلال پہنچاتا تھا، پہنچ گئے تو رہائی کی پردہ قدرت سے یہ تدبیر ہوئی کہ جہانگیر کی لڑکی نے خواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا گویا آپ حضرت مجدد الف ثانی کی بے ادبی کرنے سے نہایت ناراض ہیں اور فرماتے ہیں کہ فلاں شخص کو جلد باعزاز و اکرام بلا کر اپنا عفو تقصیر چاہو ورنہ سلطنت درہم برہم ہو جائے گی۔ سلطان اس وقت کشمیر میں تھا۔ اس خواب کو سن کر دل میں بہت ہراساں ہوا اور فی الفور حضرت کو اپنے پاس طلب کیا اور نہایت عاجزی سے عفو تقصیر چاہی اور اپنی صحت کے واسطے کہ ان دنوں بیمار تھا، دعا کرائی۔ چنانچہ بفضلہٖ صحت ہو گئی۔ بعد ازاں حضرت کا نہایت معتقد ہو گیا بلکہ مرید بھی ہوا اور توجہ بھی لی ہے اور ببرکت و ہدایت حضرت جملہ احکام شرع جاری کئے۔ سجدہ تحیت موقوف ہوا۔ مساجد منہدم شدہ از سرنو تیار ہوئیں۔ گائے کا گوشت علانیہ طور سے بازاروں میں فروخت ہونے لگا۔ غرضیکہ اسلام کی تجدید ہوئی۔ یہ سب کچھ مگر حضرت کو اپنے ساتھ رکھا اور لشکر سے علیحدہ ہونے کی اجازت نہ تھی۔ اب یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ رکھنا اصلاح دین کے واسطے تھا یا با مصلحت سلطنت کی نظر سے۔ بہرحال جو کچھ ہو نہایت ادب سے پیش آتا اور بارہا اپنے خاتمہ بخیر و مغفرت کے واسطے عرض کرتا اور اپنے کردار سے سخت ندامت ظاہر کرتا چنانچہ تسلی کے واسطے حضرت نے ایک روز اس

سے فرمایا کہ تو خاطر جمع رکھ۔ میں جنت میں جب جاؤں گا جب پہلے تجھ کو داخل کرلوں گا۔ سچ ہے نیکی بانیکاں خر خاریست و نیکی بابداں کار عبداللہ انصار ایست۔ غرضیکہ سلطان کے ہمراہ جس جگہ وہ جایا کرتا تھا تشریف لے جایا کرتے تھے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی حضرت کے خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ''زبدۃ المقامات'' میں لکھا ہے کہ حضرت کے اس طرح سلطان کے ہمراہ پھرنے میں بڑی حکمت تھی یعنی بہت سے آدمی جو کسی وجہ سے حضرت کی خدمت میں نہ پہنچ سکتے تھے اور وہ اس ذریعہ سے سعادت اندوز ہوئے چنانچہ خواجہ مرحوم نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں ہمراہ تھا کہ لشکر سلطانی دریائے چناب کے کنارہ فروکش ہوا۔ اسی نواح میں ایک گاؤں تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت اس طرف کو تن تنہا پا پیادہ تشریف لئے جاتے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر میں بھی دوڑا۔ جب قریب پہنچا تو حضرت نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اس گاؤں میں کوئی مسجد ہو گی وہاں چل کر تازہ وضو کر کے نماز پڑھیں۔ خیر آگے تھوڑے دور چلے کہ ایک مسجد آ گئی۔ حضرت نے وضو کر کے نماز شروع کی کہ اتنے میں ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ میں نے بتلایا کہ فلاں بزرگ ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ شخص وہاں سے بھاگا اور ایک معمر آدمی لے آیا۔ وہ شخص حضرت کے اوصاف سن کر نہایت مشتاق دیدار تھا لیکن بوجہ کبرسنی و دیگر موانع حاضر نہ ہو سکتا تھا۔ اس نے حضرت کی قدم بوسی کی اور عرض کی کہ

اگر تراگزرے برمقام ماافتد ہمائے اوج سعادت بدام ماافتد

چنانچہ حضرت نے اس شب مع جمیع مریدین و خلفا اسی کے گھر دعوت نوش فرمائی اور وہ پیر مرد مع جمیع توابع و لواحق داخل طریق ہوا۔ الغرض کہ اسی طرح سے آٹھ سال سلطان کے ساتھ پھرنے کا اتفاق ہوا۔

مقام دسواں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی وفات کے بیان میں

۱۰۳۴ ہجری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ کو کہ اس وقت حضرت کی عمر ترپن برس کی تھی، خاص خاص اصحاب سے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوا ہے اور الہام ہوا ہے کہ قضائے مبرم تریسٹھ برس کی عمر میں ہے اور اس بات سے حضرت نہایت خوش تھے کہ عمر بھی بوجہ غایت تبعیت سید الابرار صلعم مطابق سنت نبوی ہوئی۔ علی ارباب الصلوٰۃ والسلام ۱۰۳۳ ہجری میں حضرت اجمیر میں تھے کہ آثار قرب وصال ظاہر ہوئے۔ صاحبزادوں کو کہ اس وقت سرہند شریف میں تھے، لکھا کہ ایام انتقال نزدیک اور فرزند دور۔ صاحبزادہ بمجرد دیکھنے اس حظ کے حاضر ہوئے۔ ایک روز حضرت نے اپنے فرزند ثالث خواجہ محمد معصوم کو خلوت میں طلب کر کے کہا کہ میرا اس جہان میں رہنے کا کوئی تعلق نہیں رہا اور منصب قومیت تم کو عطا ہوا اور اشیاء تمہاری قیومیت پر بہ نسبت میرے زیادہ راضی ہیں۔ حضرت خواجہ محمد معصوم یہ سن کر باوجود حصول ایسے منصب عظیم الشان کے زار زار رونے لگے اور ضبط گریہ نہ کر سکے۔ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں ایسا بدحواس ہو گیا کہ اس بات کو کہ نہایت امر ضروری تھا نہ پوچھ سکا کہ آیا اشیا میری قیومیت پر کیوں زیادہ راضی ہیں۔ حضرت نے خواجہ محمد معصوم صاحب کی اس قدر بے قراری دیکھ کر فرمایا کہ ابھی میری زندگی میں ایک سال اور تین مہینہ باقی ہیں۔ تمہارا قیام مجھ سے ہے اور تمام اشیاء کا تم پر ہے۔ اس خبر کو سن کر حضرت خواجہ صاحب زادہ کے فی الجملہ تسلی ہوئی اور اب

Marfat.com

حضرت کی مرضی یہ ہوئی کہ کسی طرح سے سلطان سے رخصت ملے تو مکان پر چلیں۔ اتفاقاً ایک روز قطب الاقطاب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار پُرانوار پر تشریف لے گئے۔ اس جگہ تادیر مراقبہ فرمایا۔ بعدہٗ جب باہر تشریف لائے فرمانے لگے کہ حضرت خواجہ نے طرح طرح کے اسرار و بھید ظاہر کئے اور یہ بھی کہا کہ اپنی خلاصی کا فکر نہ کرو اور اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرو کہ اتنے ہی میں ایک مجاور حضرت خواجہ کے مزار کا قبر پوش لایا اور حضرت کے حوالے کیا۔ حضرت نے اس کو خادم کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کو میرے کفن کے واسطے رکھ چھوڑو۔ اس کی تھوڑی مدت کے بعد حضرتؒ کو سلطان نے رخصت کردیا اور حضرت سرہند شریف میں تشریف لائے اور اپنے واسطہ علیحدہ خانہ مقرر کرکے گوشہ گزین ہوئے اور کاروبار ارشاد حضرت خواجہ محمد معصوم کے سپرد کردیا بلکہ جو شخص بیعت ہونے آتا اس کو بھی انہیں کے پاس بھیج دیتے اور خود صرف کے دن باہر تشریف لاتے۔ انہیں ایام کا ذکر ہے کہ شب برات کی رات حضرت نصف شب کے بعد خلوت سے گھر میں تشریف لائے۔ والدہ مخدومزادگان کہ اس وقت تسبیح خوانی میں مشغول تھیں، بیساختہ ان کی زبان سے نکلا خدا جانے آج کس کس کا نام دفتر ہستی سے محو کیا ہو۔ حضرت نے جواب دیا کہ تم بطریق شک کہتے ہو لیکن جو شخص دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ میرا نام دفتر ہستی سے محو کیا ہے اس کا کیا حال ہوگا۔ یہ حضرت نے اپنی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ غرض کہ ماہ ذالحجہ میں حضرت کو مرض ضیق النفس عارض ہوا۔ انہیں ایام میں حضرت نے فرمایا کہ حضرت شیخ الجن والانس شیخ عبدالقادر جیلانی کو معاملہ میں دیکھا اور نہایت عنایت سے پیش آئے اور فرمایا کہ میرے اس شعر

اذلت شمرس لاولین و شمسنا　　　ابداً علیٰ افق العلیٰ لا تعزب

وقول قدمی هذا اعلیٰ رقبه کل ولی الله سے لوگ حیران ہیں۔ تم اس کا حل لکھنا کہ اس بیماری سے تم کو صحت ہے لیکن حضرت کو اس حالت میں شوق بقا از حد تھا اور ہر وقت بترانہ اللهم الرفیق اعلیٰ مترنم رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر طبیب کہہ دیں کہ ترا یہ مرض لا دوا ہے تو اللہ تعالیٰ کے شکر میں فقیروں کو روپیہ بانٹوں اور اسی شوق کی وجہ سے حضرت غوث پاک کے شعر و کلام کی خود شرح تحریر نہ کرسکے لیکن حسب فرمودہ حضرت غوث الثقلین چند روز کے واسطے صحت ہوگئی۔ اس چند روزہ ایام صحت میں حضرت بیماری کے دنوں کو یاد کیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ جو حلاوت اور نعمت ان دنوں میں تھی اب نہیں ہے۔ تصدق و خیرات بکثرت کرتے تھے۔ کسی نے عرض کی اس قدر خیرات رفع بلیہ کے واسطے ہے۔ فرمایا نہیں بلکہ شوق وصل میں اور اشک حسرت آنکھوں میں لاکر فرمایا۔ آج ملاوا کنتھ سوں سکھی سب جگ دینوں وار۔ غرضکہ بارہویں محرم کو حضرت نے فرمایا کہ مجھ کو آگاہ کیا ہے کہ چالیس اور پچاس دن کے بیچ میں اس جہان سے اس جہان کو جانا ہوگا اور قبر کی جگہ بھی دکھلائی ہے اور اس کے بعد ہر روز وں گنے جاتے تھے حتیٰ کہ بائیسویں صفر کو حضرت نے مجمع اصحاب میں فرمایا کہ اس میعاد کے چالیس دن گزر گئے۔ اب دیکھئے اس پانچ سات دن میں کیا ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ان ایام صحت میں جو کمال کہ نوع بشر کو حاصل ہونی ممکن تھی، وہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے بطفیل حبیب خود عطا فرمائی۔ میں اس کلام سے صاحبزادہ نہایت پریشان خاطر ہوئے کہ بوئے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کی آتی تھی۔ ۲۳ تاریخ صفر کو حضرت نے تمام کپڑا تقسیم کردیئے اور پھر عود کرآئے۔ یہ بھی مطابقت سنت واقعہ ہوا کہ رسول اللہ صلعم کو بیمار ہونے کے بعد صحت ہوگئی تھی اور مرض موت پھر لاحق ہوا تھا۔ اسی بیماری

Marfat.com

میں حضرت نے خادم سے فرمایا کہ دو روپیہ کے کوئلہ انگیٹھی کے واسطے لے آ۔ جب وہ چلا گیا پھر بلایا کہ ایک ہی روپیہ کے لانا۔ واعظ الٰہی کہتا ہے کہ اتنی فرصت کہاں ہے۔ پھر فرمایا کہ اچھا دو ہی کے لے آؤ۔ جب کوئلہ آ گئے تو نصف اپنے واسطے رکھے اور نصف گھر بھیج دیئے۔ لکھا ہے کہ جس وقت حضرت کا انتقال ہوا اس وقت وہ کوئلہ بھی ختم ہو چکے۔ ان ایام مرض میں صاحبزادوں کو افاضہ علوم بیش از بیش فرمائے چنانچہ خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی وصیت فرمائی کہ حضرت غوث پاک کے شعر کی شرح بھی تحریر فرمائیں اور باوجود شدت مرض اور کثرت ضعف اس کو زبان مبارک سے بیان فرمایا چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضرت کے انتقال کے تیسرے دن مزار شریف کے سامنے بیٹھ کر بچشم پُر آب اس کو تحریر فرمایا۔ اس ضعف میں بیان حقائق ودقائق جو بکثرت فرمایا تو ایک روز خواجہ محمد سعید صاحب فرزند ثانی نے عرض کی کہ آپ کو بیان کرنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ کسی اور وقت فرصت سہی۔ فرمایا کہ وقت کہاں اور فرصت کسے۔ پھر جانے اس قدر ہو سکے یا نہ اور تمام بیماری میں نماز تہجد وفرائض بجماعت ادعیہ اوراد ماثورہ و ذکر و مراقبہ بدستور سابق کرتے رہے اور کوئی دقیقہ دقائق شریعت وطریقت سے فروگذاشت نہ کیا۔ قریب وصال حضرت کو اکثر غیبت ہو جاتی تھی۔ صاحبزادوں نے عرض کی کہ آیا یہ غیبت استغراق سے ہے یا ضعف سے۔ فرمایا استغراق سے ہے۔ بعض معاملات جو درمیان ہیں چاہتا ہوں کہ وہ کماحقہ مکشوف ہو جائیں اور کچھ مجمل مجمل صاحبزادوں سے کہے بھی۔ جس وقت افاقت ہوتی وصایائے دردانگیز فرماتے اور اکثر وصایا تحریص متابعت والتزام سنت واجتناب از بدعت ودوام ذکر ومراقب کے ہوئیں، فرماتے کہ سنت نبوی کو دانتوں سے پکڑنا چاہئے اور یہ وصیت بھی بحکم سنت تھی کہ جناب رسول صلعم نے بھی وقت انتقال وصیت فرمائی تھی اور چند وصایا میں فرمایا کہ صاحب شریعت نے علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کوئی دقیقہ نصیحت کا فروگذاشت نہیں کیا۔ چاہئے کہ کتب فقہ سے طریق کاملہ متابعت کا اختیار کریں اور فرمایا کہ میری تجہیز وتکفین رعایت سنت کی رکھنا اور یہ بھی وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر کسی گمنام جگہ کرنا۔ صاحبزادوں نے عرض کی کہ پہلے آپ نے فرمایا کہ فلاں جگہ میری قبر بنانا اور اب اس طرح مرضی ہے۔ فرمایا کہ جب اسی طرح مرضی تھی مگر جب دیکھا کہ صاحبزادوں کو قبول کرنے میں توقف ہے فرمایا کہ والد کی قبر کے پاس کچی قبر بنانا تاکہ تھوڑی مدت میں نیست نابود ہو جائے مگر جب اس کے بھی قبول کرنے میں صاحبزادوں کی جانب سے تردّد دیکھا تو متبسم ہو کر فرمایا تم کو اختیار ہے جہاں صلاح دیکھنا وہیں رکھ دینا۔ رات کے وقت کہ اس کی صبح کو انتقال ہوگا خادموں سے جو کہ بیمار داری میں حاضر تھے، فرمایا کہ تم نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ خیر آج کی رات اور ہے وبس۔ ثلث شب کو اٹھے، وضو کر کے تہجد پڑھا اور فرمایا کہ یہ آخری تہجد ہے۔ صبح کو اشراق کے وقت بول کے واسطے طشت حاضر کیا۔ اس میں ریت نہ تھا۔ فرمایا کہ اس میں ریگ ڈالو کہ بلا ریگ چھینٹیں اڑنے کا اندیشہ ہے۔ سبحان اللہ یہ وقت اور یہ احتیاط۔ بعد اس کے فرمایا کہ لٹا دو۔ شاید کہ حضرت کو معلوم ہو گیا تھا کہ بطہارت اس جہان سے تشریف لے جاویں۔ الغرض بطریق مسنونہ داہنا ہاتھ داہنے رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر حضرت لیٹ گئے اور ذکر میں مشغول ہو گئے اور سرعت نفس شروع ہو گئے۔ صاحبزادہ نے دریافت کیا کہ حال شریف کیسا ہے۔ فرمایا کہ جو دو رکعت نماز پڑھی ہیں وہ ہی کافی ہیں۔ یہ کلام بھی متابعت انبیا سرزد ہوا کیونکہ آخر میں کلام اکثر انبیا کا حرف نماز تھا اور اس کے بعد کوئی کلام نہ کیا سوائے ذکر ذات کے اور ایک لحمہ کے بعد جہاں بجاناں تسلیم کے رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃ وابدیۃ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جس وقت حضرت کو نہلانے کے واسطے تختہ پر لٹایا، دیکھا کہ

Marfat.com

مسکراتے ہیں اور دونوں ہاتھ جس طرح کہ نماز میں باندھتے تھے، باندھے ہوئے ہیں حالانکہ صاحبزادہ نے بوقت انتقال سیدھے کردیئے تھے چنانچہ پھر سیدھے کردیئے، تھوڑی دیر میں پھر دیکھا تو پھر اسی طرح باندھے ہوئے تھے پھر سیدھے کردیئے لیکن پھر اسی طرح ہوگئے۔ جب حاضرین نے یہ متواتر معاملہ دیکھا تو دست کش ہوگئے اور خیال کیا کہ اس میں کچھ بھید ہے اور اسی طرح رہنے دیا۔ حضرت کو تین جاموں سفید لفافہ قمیص وازار سے حسب وصیت کفن دیا۔ عمامہ نہ دیا کہ اتفاق فقہا و محدثین ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم و حضرت ابوبکر صدیق کو نہ دیا تھا اور نماز جنازہ حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ فرزند ثانی نے پڑھائی اور حضرت خواجہ محمد صادق حضرت کے فرزند اکبر کے محاذی میں دفن کیا کہ ایک دفعہ اس جگہ دفن ہونے کے واسطے حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔ یہی جگہ ہے کہ جس کی شرافت میں تحریر فرمایا ہے ''الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی بعنایت اللہ تعالیٰ سبحانہ و بصدقہ حبیبہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ و البرکہ بلدہ سرہند گویا زمین احیائے من است کہ برائے من چاہ عمیق تاریک راپر کردہ صفہ بلند ساختہ اند و بر اکثر بلاد و بقاء آنرا ارتفاع دادہ و نورے درآن زمین ودیعت گشتہ است کہ مقتبس از نور بے صفتی و بے کیفی است و در رنگ نواری کہ از زمین مقدسہ بیت اللہ ساطع و لامع است پیش از ارتحال فرزندی اعظمی مرحومی بچند ماہ ایں نور را بریں درویش ظاہر ساختہ بودند و در زاویہ زمین سکنائے فقیر آنرا نشاں دادہ نوری نمودند ساطع کہ گردی از صفت و شان بوئے راہ نیافتہ بود و از کیفیات منزہ و مبرا آرزوے آنشد کہ آں زمین مدفن من شود و آں نور بر سر قبر من لامع بود ایں معنی را بالفرزندے اعظم کہ صاحب سر بود ظاہر ساختم و آں نور وازاں آرزوئے مطلع گردانیدم اتفاقاً فرزندی مرحومی بایں دولت سبقت کرد در پردہ خاک در دریائے نور مستغرق گشت

نبیناً لارباب النعیم یغمها ولـلـشعاشق المسکین مایتجرع

از شرافت ایں بلدہ معظم است کہ مثل فرزندی اعظمی کہ از اکابر اولیاء اللہ است درآنجا آسودہ است و بعد از مدتے ظاہر شد کہ آں نور مودع لمعہ ایست از انوار قلبیہ ایں فقیر کہ از ینجا اقتباس نمودہ درآں زمیں افروختہ اند در رنگ آنکہ چراغی از مشعلہ برافروزند قل کل من عنداللہ نور السموت والارض سبحان ربک رب العزت عما یصفون والسلام علی المرسلین والحمد اللہ رب العالمین۔'' حضرت خواجہ محمد معصوم فرزند ثالث مجدد الف ثانی نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی فرمایا کرتے تھے کہ جیسے زمین روضہ منورہ خاتم الرسل صلعم زمین جنت سے ہے چنانچہ حدیث بین قبری و منبری روضہ من ریاض الجنتہ اس پر دال ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے بکمال فضل بباعث غایت اتباع حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے روضہ کی زمین کو بھی جنت کیا ہے چنانچہ اگر میری قبر سے کوئی ایک مشت خاک لے کر اپنی قبر میں ڈالے تو اس کے نجات کے واسطے امید عظیم ہے فکیف من دفن فیہ چنانچہ شاہ۔ اورنگ زیب نے یہ بشارت سن کر ایک گھڑا اس خاک کا بھر اپنے خزانہ میں رکھا تھا۔ حضرت کا وصال بروز شنبہ بوقت قریب چاشت بتاریخ ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ سرہند میں ہوا ہے۔ نقل ہے کہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ سوال منکر نکیر کے کیونکر گزرے۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بکمال رحمت الہام کیا کہ اگر تو کہے تو یہ دو فرشتہ یعنی منکر نکیر تیرے پاس آئیں۔ میں نے عرض کی کہ اس بندہ مسکین کے پاس نہ آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے بکمال رحمت میرے پاس نہ بھیجا۔ پھر حضرت خواجہ محمد معصوم نے دریافت کیا کہ ضغطہ قبر کے کس طرح ہوئے۔ فرمایا کہ ہو مگر

اقل قلیل واقعہ میں یہ بھی معلوم ہوا کہ گویا کوئی شخص کہتا ہے کہ اقل قلیل لسبیل تواضع فرماتے ہیں ورنہ کچھ نہیں ہوا۔

مقام گیارہواں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی بشارات کے بیان میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت کے وجود کو اپنی عجائبات قدرت کا ایک نمونہ بنایا تھا کہ جس کے ظہور کی حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ہزار برس پہلے بشارت دی تھی کہ یکون رجل فی امتی بقاله صله یدخله الجنة بشفاعة کذا کذا چنانچہ اس کے تصدیق میں حضرت نے مکتوب ششم جلد دوم میں فرمایا ہے الحمدللہ الذی جعلنی صلته البحرین الخ۔ مکتوب شریف شروع سے اس طرح چلتا ہے۔ ''الحمدللہ وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ انگارم کہ مقصود از آفرینش من آں ست کہ ولایت محمدی بولایت ابراہیمی علیہما الصلوٰۃ والتحیات منصبغ گردد وحسن ملاحت ابن ولایت باجمال صباحت آں ولایت ممتزج شود ورد فی الحدیث اخی یوسف اصبح و انا ملح وبایں الصباغ وامتزاج مقام محبوبیت محمدیہ بدرجہ علیا رسد مانا کہ مقصود از امر باتباع ملت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام حصول ایں دولت عظمیٰ بودہ است وطلب صلوٰۃ وبرکات مماثل صلوٰۃ وبرکات حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ایں غرض بودہ ملاحت وصباحت ہر دو مبنی برحسن ذات اند تعالیٰ بے مزج صفات لیکن حسن صفات وافعال وآثار ہمہ مستفاد از حسن صباحت است کہ کثیر البرکت است حسن ملاحت بحضرت اجمال مناسب تر است گویا ملاحت مرکزیست مرحسن را وصباحت دائرہ آں مرکز و در حضرت ذات تعالیٰ وتقدس چنانچہ بساطت است وسعت است نیز نہ آں بساطت ووسعت کہ در فہم مادر آید ونہ آں اجمال وتفصیل کہ مدرک ما گردو لا اتدرکہ الابصار ھو یدرک الا بصار و ھواللطیف الخبیرہ۔ بساطت ووسعت کہ در حضرت ذات تعالیٰ اثبات مے نمائیم از یک دیگر جدا اند نہ آنکہ عین یک دگراند چنانچہ بعضے گمان بردہ اند اما تمیزے کہ درمیان انبیاء در آنمرتبہ ثابت است خارج از حیط ادراک ماست وبیروں از دائرہ افہام ماپس ملاحت وصباحت نیز در انمرتبہ متمیز باشند واحکام یک دیراز ہمدیگر جدا بوند وکمالات کہ بایںہا متعلق شونداز ہمدیگر جدا باشند وآنچہ مقصود از آفرینش خود مے دانستم معلوم شدہ کہ بحصول پیوست ومسئول ہزار سالہ باجابت قرین گشت الحمد اللہ الذی جعلنی صلة البحرین و مصلحاً بین القین اکمل الحمد علی کل حال والصّلوٰة علی خیر الانام و علی اخوانه الکرام من الانبیاء و الملائکته العظام وچوں صباحت نیر برنگ ملاحت متلون گشتہ است لاجرم مقام خلت ابراہیمی نیز وسعتے پیدا کردہ است ومحیط حکم مرکز نیز یافتہ باید دانست کہ مقام محبت بمرتبہ ملاحت مناسبت دارد ومقام خلت بمرتبہ صباحت در محبت محبوبیت صرف نصیب خاتم الرسل است علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ومحبیت خالص بحضرت کلیم علی انبیا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام و حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نسبت یاری وندیمی دارد ومحب ومحبوب دیگر است ویار وندیم دیگر بہر کدام نسبت علیحدہ است وایں فقیر چوں مربائے ولایت محمدیہ وولایت موسویہ است علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و التحیہ موطن ومسکن در مقام ملاحت دارد بواسطہ غلبہ محبت ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰہ والسلام والتحیہ نسبت محبوبیت

Marfat.com

غالب است ونسبت محبیت مغلوب ومستورا ے فرزند باوجوداین معاملہ کہ بخلقت من مربوط بودہ است کارخانہ عظیم دیگر بمن حوالہ فرمودہ اند وبرائے پیری ومریدی مرانیاوردہ اند ومقصود از خلقت من تکمیل وارشاد خلق نیست معاملہ دیگر است وکارخانہ دیگر دریں ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض خواہد گرفت والا لا معاملہ تکمیل وارشاد نسبت باآں کارخانہ امریست ہچومطروح فی الطریق دعوت انبیا علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نسبت بمعاملہ باطنیہ ایشاں ہمیں حکم دارد ہر چند منصب نبوت ختم یافتہ است اما از کمالات نبوت وخصائص آں بتطریق تبعیت ووراثت کمل تابعاں انبیا رانصیب است علیہم الصلوۃ والتحیات۔'' حدیث میں آیا ہے کہ بعد ہر صدی کے ایک شخص پیدا ہوتا ہے کہ وہ تجدید دین محمدی کرتا ہے اور اسی طرح یہ بھی سنت اللہ جاری ہے کہ بعد ہزار سال کے ایک العزم پیدا ہوتا ہے اور وہ تقویت دین کرتا ہے کیونکہ ہر فرد بشر خواہ نبی ہو یا غیر نبی۔ عالمِ خلق وعالم امر سے مرکب ہے اور قول حق سبحانہ تعالیٰ قل انما انا بشر مثلکم الخ اسپر دال ہے۔ پیغمبروں کا اس جہان میں واسطے مناسبت خلق کے کہ افادہ اسی پر موقوف ہے بشریت روحانیت پر یعنے عالم خلق عالم امر پر غایت ہوتا ہے لیکن بعد ارتحال جانب روحانیت غالب آتا جاتا ہے اور بشریت نقص پذیر ہوتی جاتی ہے اور خلق سے مناسبت کم ہوتی جاتی ہے چنانچہ بعض اصحاب کرام سے نقل ہے کہ ابھی آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دفن کر کے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ دلوں میں تفاوت پیدا ہوگئی تھی۔ اس کی یہ ہی وجہ تھی کہ ایمان مشہودی مبدل با ایمان غیبی ہوگیا تھا اور جب ہزار سال گزر گئے تو پلہ روحانیت اس قدر غالب ہوجاتا ہے کہ جانب بشریت کو بتمامہ اپنے ہمرنگ کر لیتا ہے اور مناسبت بشری جو خلق سے تھی وہ جاتی رہتی ہے۔ لاجرم امت میں بجاآوری احکام شروع میں فرق عظیم ہوجاتا ہے۔ پس اس کے تجدید کے واسطے ایک پیغمبر الوالعزم مبعوث ہوتا ہے کہ تقویت دین وشرع کرے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتحال کو ہزار سال گزرے اور مطابق قاعدہ کے دین میں سستی وشیوع بدعت وظلمت ہوگئی اور چونکہ آپ خاتم النبیین ہیں اور نبی یا الوالعزم کا پیدا ہونا ممنوع وخلاف شرع لہٰذا ضرور تھا کہ کوئی شخص ان کمالات کا پیدا ہوتا کہ وہ قائم مقام الوالعزم ہوتا اور تجدید دین متین کرتا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے وہ کمالات حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کوعطا فرمائے اور مجدد الف ثانی کیا۔

فیض روح القدس اربارند و فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

واللہ یختص برحمۃ من یشاء۔ چنانچہ حضرت نے مکتوب چہارم جلد دوم میں بعد تشریح علم الیقین فہو ائے واما بنعمتک ربک فحدث اپنے تجدید کا اس طرح اظہار کیا ہے۔''از عین الیقین وحق الیقین چہ گوید کہ فہم کند وکہ دریابد ایں معارف از حیطہ ولایت نیست ارباب ولایت درنگ علما ظواہر درادراک آں عاجز ندو دردرک آں قاصر ایں علوم مقتبس از از مشکوٰۃ انوار نبوت اند علی اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کہ بعد از تجدید الف ثانی بہ تبعیت ووراثت تازہ گشتہ اند وبطراوت ظہور یافتہ صاحب ایں علوم ومعارف مجدد ایں اتف است کمالا یخفی علی الناظرین فی علومہ ومعارفہ التی متعلق بالذات والصفات والافعال ومتلبس بالاحوال واامواجید والتجلیات والظہورات فیعلمون ان ہذہ المعارف والعلوم ورا علوم العلما وورا معارف الاولیا بل علوم ہولا بالنسبت الی تلک العلوم قشر وتلک المعارف لب ذلک القشر واللہ سبحان الہادی وبدانند کہ بر سرمایہ مجددی گذشتہ است اما مجدد مائۃ دیگر است ومجدد الف دیگر چنانچہ درمیان ماۃ و

Marfat.com

الف فرق است در مجدد بن انبہا نیز ہماں قدر فرق است بلکہ زیادہ ازاں وجدو آنست کہ ہر چہ دراں مدت فیوض بامتاں برسد بتوسط او برسد اگر چہ اقطاب واوتاد آنوقت بوند وبدلا وجنا باشند خاص کند بندہ مصلحت عام راوالسلام علی من اتبع و التزم متابعت المصطفیٰ علیہ وآلہ الصلوٰۃ وتسلیمات العلی وجمیع اخوانہ من الانبیاء والمرسلین و ملائکۃ المقربین وعباداللہ الصالحین۔'' اس کے علاوہ اور یہی چند جا اشارتاً وصراحتاً اسی طرح تحریر فرمایا کہ ان کی نقل موجب طوالت ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے حضرت کی شان کچھ نرالی بنائی ہے۔

نقل ہے کہ خواجہ حسام الدین حضرت خواجہ باقی باللہ علیہم الرحمۃ کے خلیفہ نے خواب میں دیکھا کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ پڑھتے ہیں اور بفقرات دلپذیر حضرت کی تعریف فرماتے ہیں بلکہ مباہات و مفاخرت کر کے ارشاد کرتے ہیں کہ میں ناز کرتا ہوں کہ ایسا شخص میری امت میں پیدا ہوا اور تجدید دین کی۔

نقل ہے کہ ایک شخص میر نصیر احمد نامی مشائخ روم سے تھے، ایک روز روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھے کہ حضرت خاتمیت صلعم ظاہر ہوئے اور میر موصوف سے کہا کہ ہند میں ایک شخص اکمل اولیا امت سے ہے۔ اگر اپنے سعادت چاہے تو اس کی خدمت میں حاضر ہو چنانچہ میر ممدوح حضرت کی خدمت میں بمقام لاہور حاضر ہوئے۔

نقل ہے کہ شیخ ظاہر بدخشی مقرب سلطان بدخشاں نے خواب میں دیکھا کہ گویا پیغمبر خدا صلعم مجمع خلفائے راشدین میں بیٹھے ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں کہ تجھ کو لائق نہیں کہ ہمراہ سلطان رہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہند میں مجدد الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہو چنانچہ صبح اٹھ کر نوکری سے استعفیٰ دیا اور راہی ہندوستان ہو کر حاضر حضور ہوا۔

نقل ہے کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک جنازہ باعظمت وجلالت لائے ہیں اور تمام اولیاء سلف وخلف مثل عبدالخالق غجدوانی وخواجہ نقشبند علیہم الرحمۃ موجود ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے منتظر ہیں۔ اس شخص نے دریافت کیا کہ یہ جنازہ کس کا ہے اور انتظار کس کا ہے۔ کسی شخص نے جواب دیا کہ اس ملک کے قطب کا جنازہ ہے اور قطب الاقطاب کا انتظار ہے کہ وہ آ کر امامت کرے۔ اتنے میں ایک شخص بکمال تمکین و وقار آیا اور سب نے اس کی تعظیم کی اور اس نے امامت کی۔ بعدہ جنازہ اٹھا کر لے گئے۔ اس شخص نے دریافت کیا یہ کون شخص ہیں۔ کسی نے جواب دیا کہ یہ شیخ احمد مجدد الف ثانی ہیں چنانچہ صبح اٹھ کر وہ شخص حضرت کا نہایت مشتاق ہو کر سرہند روانہ ہوا۔ یہاں کر قدم بوس ہوا تو بعینہٖ وہی حلیہ پایا۔

نقل ہے کہ میر نعمان نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ گویا جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو مقبول شیخ ہے وہ مقبول میرا ہے اور جو میرا مقبول وہ مقبول خدا۔

نقل ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ حضرت آپ حضرت شیخ احمد سرہندی کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ میرا خلیفہ پنجم ہے۔

نقل ہے کہ ایک شب حضرت میرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ حضرت مجدد الف ثانی کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ ایسا اور کون میری امت میں ہے۔ پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان کے مکتوبات آپ کی نظر مبارک سے گزرے ہیں۔ فرمایا اگر

Marfat.com

کہیں کچھ یاد ہو تو پڑھو۔ حضرت مرزا صاحب نے یہ عبارت کسی مکتوب سے پڑھی انہ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء۔ حضرت خاتمیت ﷺ نے نہایت پسند فرمایا اور بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ پھر پڑھو۔ جناب مرزا صاحب نے پھر پڑھا انہ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء۔ پھر آپ نہایت محظوظ ہوئے اور اس طرح کی بہت سی حکایتیں ہیں مگر اس جگہ مشتے نمونہ از خروارے نقل کیں۔

حواشی

۱۔ دیکھو حضرات القدس مؤلفہ مولانا بدرالدین سرہندی شاگرد و خلیفہ حضرت مجدد علیہم رحمۃ

۲۔ دیکھو مکتوب دوسوبیس۔ جلد اول و مکتوب پنجاہ و ہشتم۔ جلد دوم

(مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی۔ مؤلفہ محمد حسن نقشبندی، لاہور، بلا تاریخ، ص ا۔۴۳، ۵۷۔۹۶)

محمد باقر بن شرف الدین العباس اللاہوری۔

ترجمہ: مولوی عرفان احمد انصاری قادری

رسالہ......کحل الجواہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور سلام اس کے برگزیدہ بندوں پر ہو۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ جب سالک اپنی ہستی اور خود پرستی کے حجاب سے نکل جاتا ہے اور اس کے باطن کی آنکھ معرفت الٰہی کے کحل الجواہر سے سُرمگیں ہو جاتی ہے، تو جو نشانات بفحوائے وَفِیۡ اَنفسکم افلا تبصرون، و فی انفسکم ایات عظیمۃ افلاتبصرون ۔ بصر البصیرت اس میں امانت رکھے گئے ہیں، مشاہدہ کرتا ہے اور بحکم من عرف نفسہ فقد عرف ربہ بارگاہ قدس میں باریابی پاتا ہے۔ تھوڑے سے حقائق اور آیات جو قالب انسانی میں امانت رکھے گئے، بیان کئے جاتے ہیں۔ گوش ہوش سے سماعت فرمائے جائیں۔

جاننا چاہئے کہ انسان جس کو عالم صغیر کہتے ہیں، دس اجزا سے مرکب ہے جن کے اصول عالم کبیر میں ہیں۔ عالم کبیر مجموعہ موجودات خلق وامر کا نام ہے۔ پانچ جز عالم خلق کے ہیں۔ نفس اور عناصر اربعہ اور پانچ جز عالم امر کے ہیں۔ یعنی قلب وروح وسّر وخفی واخفیٰ۔ جس طرح عناصر اربعہ کے اصول عالم خلق میں ہیں، اسی طرح لطائف خمسہ کے اصول عالم امر میں جو فوق عرش ہے اور لامکانیت سے مشہور ہے، متحقق ہیں۔ عرش مجید کے اوپر اور دوسرے لطائف کے اصول کے نیچے قلب کی اصل ہے۔ اسی لئے قلب کو عالم خلق وامر کا برزخ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ عالم خلق کی انتہا عرش مجید ہے۔ اسی لئے عرش کو بھی برزخ کہتے ہیں کہ وہ عالم امر کی طرف رخ رکھتا ہے۔ اصل قلب کے اوپر اصل روح اور اس کے اوپر اصل سّر اور اس کے اوپر اصل خفی اور اس کے اوپر اصل اخفیٰ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنی حکمت کاملہ سے انسان کو اس ترکیب سے بنائے تو اول قلب انسانی کو برابر کیا۔ بعدہ لطائف خمسہ میں سے ہر ایک کا تعلق اور تعشق عنصر جسمانی سے کر کے عرش سے اتار کر ہر ایک لطیفہ کو اس کی مناسبت کے لحاظ سے ایک ایک مقام خاص پر متمکن اور مقرر کیا۔ چنانچہ لطیفۂ قلب کو پستانِ چپ کے نیچے مضغۂ قلب صنوبری میں جگہ دی گئی۔ اس کا نام صنوبری اس وجہ سے ہوا کہ وہ الٹے چلغوزہ کے مناسب ہے۔ اس لطیفہ کی اصل

Marfat.com

الاصل صفت اضافیہ یعنی فعل وتکوین حق ہے۔اس لطیفہ کا کمال یہ ہے کہ سالک افعال حق جل وعلا میں فانی ہو جاتا ہے اور افعال حق ہی سے بقا پاتا ہے۔اس وقت سالک اپنے کو مسلوب الفعل پائے گا اور اپنے افعال کو حق سبحانہ کی طرف منسوب پائے گا۔فنائے قلبی اور تجلی فعلی سے یہی مراد ہے۔اس کی دلیل قاطع یہ ہے کہ سالک کا تعلق علمی وجبی غیر حق سبحانہ سے نہیں رہتا اور اس کا قلب ماسوائے حق سبحانہ کو فراموش کر دیتا ہے۔یہاں تک کہ اگر برسوں غیر حق کو یاد کرنے کی کوشش کرے تو بھی نہیں کر سکتا۔اس حالت میں جس طرح کہ سالک سے اشیاء کا علم زائل ہو جاتا ہے اسی طرح محبت اشیاء بھی بطریق اولیٰ جاتی رہتی ہے۔جب کوئی سالک فنائے قلبی سے مشرف ہوتا ہے تو جماعت اولیاء میں داخل ہوتا ہے۔حالت فنائے قلبی بلا قطع کرنے دائرہ امکان کے جو فرش سے عرش تک (منتہائے عالم امر ہے) پھیلا ہوا ہے اور بغیر طے کرنے مراتب عشرہ کے جس کی صوفیائے کرام نے صراحت کی ہے، حاصل نہیں ہوتی۔قلب کے نور کو زرد بیان کیا گیا ہے۔

اِس لطیفہ کی ولایت حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے۔جو سالک آدمی المشرب ہوتا ہے۔اس کا وصول جناب قدس تک اسی لطیفہ کے ذریعہ پیر کامل کی کوشش سے ہوتا ہے۔اسی لطیفہ کے سالک کو (اگر کوئی بیرونی امر مانع نہ ہو) تو ولایت کے پانچ مراتب میں سے ایک مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

لطیفہ روح لطیفہ قلب سے زیادہ اور جانب راست سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔اس مقام جانب راست کے پستان کے نیچے واقع ہے۔اس لطیفہ کی اصل الاصل صفات ثبوتیہ حق ہیں، جو بمقابلہ فعل کے حضرت ذات سے ایک قدم قریب تر ہیں۔سالک اس لطیفہ کی فنا سے مشرف ہونے کے بعد جو کہ تجلی صفاتی سے وابستہ ہے، اپنی صفات کو اپنے سے مسلوب اور صفات اللہ کو اپنے اندر جلوہ گر پائے گا۔اس لطیفہ کا نور سُرخ ہے۔

اس لطیفہ کی ولایت حضرت نوح وحضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔جو سالک نوحی اور ابراہیمی المشرب ہوتا ہے، اس کا وصول اسی لطیفہ سے مراتب قلب کے قطع کرنے کے بعد ہوتا ہے۔اس مشرب والے میں اگر کوئی امر بیرونی مانع نہ ہو تو ولایت کے دو مرتبوں کی استعداد ہوتی ہے۔

لطیفہ سرّ

یہ لطیفہ روح سے زیادہ لطیف ہے۔اس کا مقام وسط سینہ کے قریب لطیفہ قلب کی طرف کسی قدر اونچا ہے۔اس لطیفہ کی اصل الاصل شیونات الٰہیہ ذاتیہ ہیں اور بمقابلہ لطیفۂ روح یہ حضرات ذات سے ایک قدم قریب تر ہے۔اس لطیفہ کا نور سفید ہے۔

اس لطیفہ کی ولایت حضرت موسیٰ صلوات اللہ علیٰ نبینا وعلیہ کے زیر قدم ہے۔جو سالک موسوی المشرب ہوتا ہے۔اس کا وصول جناب قدس سے لطائف سابقہ کے طے کرنے کے بعد اسی لطیفہ سے ہوتا ہے۔اس مرتبہ سالک کی استعداد اگر بیرونی امر مانع نہ ہو تو ولایت پنجگانہ کے تین مرتبوں کے حصول کی ہوتی ہے۔

Marfat.com

لطیفہ خفی

یہ لطیفہ سرّ سے زیادہ لطیف ہے۔ اس کا مقام وسط سینہ کے قریب لطیفہ روح سے اونچا ہے۔ اس لطیفہ کی اصل الاصل صفات سلبیہ تنزیہہ ہیں، جو شیونات ذاتیہ سے فوق ہیں۔ اس لطیفہ کی فنا انہی صفات مذکورہ کے حصول پر موقوف ہے۔ اس لطیفہ کا نور سیاہ اور اس کی ولایت حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ جو سالک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہو جناب قدس سے اس کا وصول اسی لطیفہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ لطائف سابقہ کے قطع کرنے کے بعد اس مشرب والے کی استعداد اگر کوئی بیرونی امر مانع نہ ہو تو ولایت پنجگانہ سے چار مرتبوں کے حصول کی ہوتی ہے۔

لطیفہ اخفیٰ

یہ لطیفہ عالم امر کے تمام لطائف سے احسن اور اجمل ہے اور حضرت ذات سے قریب تر ہے اور حضرت اجمال سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اس لطیفہ کی اصل الاصل تنزیہہ اور احدیت مجردہ کے درمیان برزخ کی طرح ہے۔ اس لطیفہ کا مقام سینہ کے وسط حقیقی میں ہے۔ اس لطیفہ کی فنا اسی مقدسہ کی تجلی پر موقوف ہے۔ اس لطیفہ نفسیہ کے نور کا رنگ سبز ہے اور اس کی ولایت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قدم ہے۔ اس مرتبہ عالی کا سالک ولایت کے کل مراتب کے حصول کی استعداد رکھتا ہے۔

حضرت قطب الاقطاب سلمہ ربہ کی زبان فیض الہام سے میں نے سنا ہے کہ ایک روز حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صبح کی نماز اول وقت تاریکی میں ادا کرنا فناء اخفیٰ کا ثمرہ دیتا ہے۔

واضح ہو کہ عالم امر کے لطائف خمسہ کا عروج ولایت کبریٰ کے دائرہ اولیٰ یعنی اقربیت تک ہے اور دائر ولایت کبرائے تین دائرہ اور ایک قوس پر مشتمل ہے۔ جب اس دائرہ سے عالم فوق پر عروج ہوتا ہے تو دائرہ اصل الاصل کی سیر ہوتی ہے اور نفس سے معاملہ متعلق ہوتا ہے۔ نفس فناء اتم اور بقاء اکمل اور شرح صدر اور اسلام حقیقی اور اطمینان کے حصول سے اور مقام رضا پر پہنچنے سے مشرف ہوتا ہے۔ اس کے بعد ولایت علیا کی سیر ہوتی ہے اور عناصر ثلاثہ یعنی عنصر ناری اور آبی وہوائی سے معاملہ متعلق ہوتا ہے۔ اگر بفضل حق سبحانہ، اس مقام سے بھی ترقی میسر ہو تو کمالات نبوت کی سیر ہوتی ہے اور عنصر خاکی سے معاملہ متعلق ہوتا ہے۔ اگر اس مقام سے بھی ترقی ہو تو خواہ کمالات رسالت میں ہو۔ خواہ حقائق ثلاثہ یعنی حقیقت کعبہ وحقیقت قرآن وحقیقت صلوٰۃ میں معاملہ عالم خلق وامر کے مجموعہ اجزا عشرہ کی واحدنی سے متعلق ہوتا ہے۔ اس کا لبد کا سلوک ماوشما کی عقل وفہم سے بالاتر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت بیغایت سے ان کمالات سے حصہ فرمائے انہ تعالیٰ قریب مجیب۔ بے شک وہی خدائے برتر قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ سبحانہ اور بطفیل حضرت عالی درجات قدس اللہ سرہ العزیز ان مراتب مذکورہ سے اور ان معاملات سے جن کو بمقابلہ مراتب مذکورہ آسمان وزمین کی نسبت ہے، مناسب استعداد فقیر کے بلکہ اس کی استعداد سے زیادہ عطا

Marfat.com

فرمایا اور اس ذرہ کو خاک مذلت سے اٹھا کر آفتاب کے ہم مرتبہ بنایا۔ان مراتب کا شکریہ اگر ہزار سال تک لاکھ زبانوں سے کیا جائے تو ایک حصہ بھی ادا نہیں ہوسکتا۔ پس خدا کا بڑا شکر و احسان ہے کہ اس کی شان اور عزت کے لائق ہو اور درود و سلام اس کے رسول پر اور ان کی آل و اصحاب پر نازل ہو، جو نیک اور پرہیزگار ہیں۔

اس قسم کی باتوں کے ظاہر کرنے سے اگرچہ افتخار اور مباہات کا وہم پیدا ہوتا ہے۔لیکن چونکہ نعمت کا ظاہر کرنا شکر ہے۔خصوصاً احباب مخلصین سے جو مشتاقوں کے اسرار اور اکابر کے ارشادات سے واقف ہیں، چند باتیں بیان کی گئیں۔

اے رب ہمارے اگر ہم بھول گئے ہوں یا ہم نے خطا کی ہو تو ہمارے سردار ہمارے مولا نبی اُمی عربی کے طفیل ہم سے مت مواخذہ کر۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

منقول از کتب خانہ مولانا مرشدنا شیخ المشائخ حضرت مولانا الحافظ الحاج القاری عبداللہ شاہ ابوالخیر دہلوی ادام اللہ ظلہ علیٰ رؤس العالمین۔

وجودش ہمہ خیر آمد پدید باین شکل خیر مجسم کہ دید
فتد چشم لطفش بنا قص دگر کند کامل دہر از یک نظر

احوال کرامت مآل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

قدس سرہ السلام

منتخب از کتاب جواہر علویہ مؤلفہ شاہ رؤف احمد صاحب قدس سرہ

خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحب قدس سرہ خلیفہ حضرت میرزا جان جاناں قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گوہر اکتیسواں حالات میں حضرت امام العرفا حجۃ الاتقیا فرید العصر وحید الدہر امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی ابوالبرکات بدرالدین حضرت شیخ احمد سرہندی الفاروقی الاویسی الرحمانی قدس سرہ

آپ کا نسب شریف حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک اٹھائیس واسطوں سے پہنچتا ہے۔فروع اور عبادات میں مذہب حنفی رکھتے تھے اور اعتقادات میں فی الجملہ خود مجتہد تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۹۷۱ ہجری میں ہوئی۔ زمانہ شیر خوارگی میں حضرت شاہ کمال کیتھلی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے جو جذب کی نسبت قوی رکھتے تھے، اپنی زبان کو آپ کے دہن میں رکھا اور فرمایا کہ یہ لڑکا میری طرح بزرگ ہوگا۔

آپ نے مدت قلیل میں قرآن مجید کو حفظ فرمایا اور علوم کی تکمیل اپنے والد ماجد نیز دوسرے علمائے سرہند سے کی۔ بلدۂ سیالکوٹ کا سفر کر کے علم معقول کی بعض کتابیں مولانا کمال کشمیری سے پڑھیں۔کتب حدیث کی شیخ

یعقوب کشمیری سے سند حاصل کی اور تفسیر واحدی مع کل تصنیفات واحدی کے جیسے بسیط اور وسیط اور اسباب نزول نیز تفسیر بیضاوی مع تمام تصنیفات امام بیضاوی کی جیسے منہاج الوصول اور غایت القصوی وغیرہ اور صحیح بخاری معہ کل تصنیفات امام بخاری کے ثلاثیات اور ادب مفرد اور افعال العباد اور تاریخ وغیرہ نیز مشکوٰۃ تبریزی اور شمائل ترمذی اور جامع صغیر امام سیوطی اور قصیدہ بردہ بوصیری اور حدیث مسلسل بالا ولیۃ الراحمون یرحمھم الرحمن قال اللہ تبارک و تعالیٰ ارحمو من فی الارض یرحکم من فی السماء کی اجازتیں عالم ربانی قاضی بہلول بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو حاصل ہوئیں اور کتب صوفیہ جیسے ''تعرف'' اور ''عوارف'' اور ''فصوص الحکم'' وغیرہ کی سند اپنے والد ماجد سے حاصل فرمائی۔ آپ سترہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد کے سامنے علوم ظاہر کا درس حاصل کر کے تعلیم چشتیہ میں مشغول ہو گئے۔ بعد تکمیل خلافت نامہ سے مشرف ہوئے اور نسبت نقشبندیہ کا اشتیاق پیدا ہوا۔

جب ۱۰۰۷ھ میں آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحدؒ نے اس عالم فانی سے رحلت فرمائی تو آپ حج بیت اللہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور دہلی میں پہنچے۔ وہاں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ سے ملاقات ہوئی، تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ حج کرنا سعادت دارین ہے۔ اگر ایک مہینہ یا ایک ہفتہ ہماری صحبت میں رہو تو کیا نقصان ہے۔ حضرت وہیں مقیم ہو گئے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کے انوار صحبت اور انظار مرحمت آپ کے باطن میں ظاہر ہونے لگے۔

آپ قدس سرہ نے حضرت خواجہؒ سے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔ حضرت خواجہؒ نے ذکر کی تلقین کی اور قلب کی طرف توجہ فرمائی۔ اس سے ہر روز بلکہ ہر ساعت آپ کے باطن میں ترقی ہونی شروع ہوئی اور دو ماہ میں نسبت نقشبندیہ یعنی توجہ اور حضور بحق سے آگاہی بے غیبت حاصل ہو گئی اور صوفیہ کے علوم و کشوف بے انتہا ظاہر ہوئے۔ آپ نے کل کیفیت خواجہ صاحب سے عرض کی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آپ اکمل مردان سے ہیں۔ سرعت سَیر اسی کی علامت ہے۔ اسی زمانہ میں حضرت خواجہ نے اپنے ایک مخلص کو لکھا کہ میرے پاس ایک صاحب شیخ احمد نامی سرہند سے آئے ہوئے ہیں۔ کثیر العلم وقوی العمل ہیں۔

ایک دن چند درویشوں کے ساتھ وہ ہم نشین رہے۔ اس کے بہت سے عجائبات دیکھنے میں آئے۔ امید ہے کہ وہ چراغ ہدایت بنیں گے اور یقین ہے کہ ان کے فیض سے تمام عالم روشن ہو جائے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ان کے احوال کاملہ کا مجھ کو یقین ہو گیا ہے۔

شیخ صاحب موصوف کے اقربا اور اخوان سب صالحین اور طبقہ علماء سے ہیں۔ ان سب کو فقیر گوہر آب دار خیال کرتا ہے۔ استعداد عجیب رکھتے ہیں۔

شیخ موصوف کے فرزند ابھی لڑکے ہیں مگر اسرار الٰہی ہیں۔ اللہ نے ان کو سرسبز اور شادکام کیا ہے۔ فقرا باب اللہ ہیں اور عجیب دل رکھتے ہیں۔

حضرت خواجہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد ایک آفتاب ہیں جس میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہو گئے ہیں۔ اس وقت عالم میں ان کا نظیر نہیں۔ اس امت میں ایسے لوگ چند ہی گزرے ہیں وہ اس وقت محبوب کامل ہیں۔

خواجہ حسام الدین احمد صاحب نے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم آپ کی تعریف فرمارہے ہیں۔

خواجہ میر محمد نعمان صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ شیخ احمد کا مقبول ہمارا مقبول ہے اور شیخ احمد کا مردود ہمارا مردود ہے۔

چنانچہ اسی روز سے یہ کلمہ ضرب المثل ہوگیا ہے کہ ایک کا مقبول سب کا مقبول اور ایک کا مردود سب کا مردود ہے۔

حضرت شیخ احمد جام قدس سرہ اور دوسرے اکابرؒ نے بھی حضرت ظہور کی بشارتیں دیں تھیں، جو ''برکات احمدیہ'' اور ''حضرات القدس'' میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

الحاصل آپ تین بار سرہند شریف سے خدمت بابرکت حضرت خواجہ قدس سرہ حاضر ہوئے۔

پہلی مرتبہ میں حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دولت کمال و تکمیل و ترقیات مدارج قرب کی بشارت دی۔

دوسری مرتبہ میں طالبان خدا کو ہدایت دینے اور فائدہ پہنچانے کی اجازت دی اور خلعت خلافت عطا فرمایا اور اپنے بعض اصحاب کو تعلیم کے لئے آپ کے حوالہ کیا۔

تیسری مرتبہ خواجہ صاحب بمقدار دو پرتاب تیر کے آپ کے استقبال کے لئے آئے اور فرمایا کہ سفر ہندوستان کے وقت استخارہ میں میں نے دیکھا کہ ایک خوبصورت طوطی شیریں گفتار میرے ہاتھ پر آکر بیٹھی۔ میں نے اپنا آب دہن اس کے منقار میں ڈالا۔ طوطی نے میرے دہن میں شکر ریزی کی۔

میں نے یہ خواب مولانا خواجگی املنگی سے بیان کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ طوطی ہندی جانور ہے۔ ہندوستان میں تمہارے فیض سے ایک بزرگ پیدا ہوگا جس سے ایک عالم منور ہو جائے گا اور تم کو بھی اس سے فائدہ ہوگا۔ میں اس خواب کو آپ کے (حضرت مجدد) حال کے مطابق پاتا ہوں۔

حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ جب ہم شہر سرہند میں پہنچے تو واقعہ میں دیکھا کہ ایک قطب تمام اقطاب کے ساتھ آیا ہے۔ آپ نے اس قطب کا حلیہ بھی بیان کیا۔ صبح کو شہر کے گوشہ نشینوں اور درویشوں کی ملاقات ہوتی رہی۔ مگر اس حلیہ کی مطابقت کسی سے نہ ہوئی اور نہ قطبیت کے حالات کسی میں پائے گئے۔

میں نے خیال کیا کہ شاید اہل شہر میں کوئی شخص اس منصب کی قابلیت رکھتا ہو، جو بعد میں ظاہر ہوگا۔ اسی روز ہم نے آپ کو (حضرت مجدد) دیکھا۔ اس حلیہ کی مطابقت ہوگئی اور قابلیت کی علامتیں بھی تم سے ظاہر ہوتی ہیں۔

نیز ہم نے دیکھا کہ ایک مشعل کلاں آفتاب کی طرح روشن کی ہے۔ مشاہدہ ہوتا تھا کہ وقتاً فوقتاً اس کی روشنی بڑھ رہی تھی۔ لوگ اس سے چراغ روشن کررہے تھے۔ اس بشارت کو بھی ہم تم سے مطابق پاتے ہیں۔

نیز آپ نے فرمایا کہ تخم پاک زمین سمرقند و بخارا سے لایا گیا اور ہندوستان کی زمین برکت نشان میں بویا گیا۔ الحمدللہ

عنایت الٰہی سے شجرہ طیبہ جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہیں، ظاہر ہوا۔ الغرض حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے طالبوں کی تربیت آپ کے سپرد فرمائی۔ آپ حضرت کے سامنے حلقہ توجہ کرتے۔ آپ کی توجہ میں برسوں کا کام ایک ساعت میں انجام پاتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اس لئے حضرت خواجگان رضی اللہ عنہم کا منصب ارشاد آپ

کے سپرد ہوا۔

کہتے ہیں کہ آپ کا شہرۂ ارشاد عالم میں پھیل گیا تھا اور آپ کی ہدایت کی بلند گلبانگ دنیا میں مشہور ہوئی۔ قطبیت کا نقارہ آپ کے نام سے بجا اور غوثیت کا علم آپ کے نام سے بلند ہوا۔ ولایت اور برکات کے انوار کرامات اور خرق عادات کا بھی آپ سے ظہور ہوا۔ مقامات قرب الٰہی کا انکشاف اس مرتبہ پر پہنچا کہ بیان سے باہر ہے۔ دریائے غفلت میں ڈوبا ہوا عالم حضور اور شہود کے کنارہ پر پہنچا اور بہت سے بھولے بھٹکے ہوئے شاہراہ پر آئے۔ اطراف واکناف سے مور و ملخ کی طرح علماء وفضلا آپ کی خدمت میں پہنچے اور مشائخ وقت ترک مشیخت کر کے آپ کی صحبت اختیار کرنے پر نازاں تھے۔ الحاصل آپ اپنے وقت کے قبلہ روزگار اور کعبہ امصار تھے۔ بلکہ معارج ہدایت کا وصول اور مدارج ولایت کا حصول سارے عالم کے لئے مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک آپ کے وقت ظہور سے لے کر قیام قیامت تک آپ کے توسط سے ہے۔ آپ کا معاملہ عقل اور فکر سے علیحدہ ہے۔

حضرت محبوب ذوالجلال صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت شریف سے ہزار سال کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ظہور ہوا۔ علمائے وقت نے آپ کے مجدد ہونے کا اقرار کیا۔

چنانچہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ آپ مجدد الف ثانیؒ ہیں۔ گویا حدیث مثل امتی کمثل المطرلا یدریٰ اولھم خیرام اٰخرھم آپ کے وجود باجود کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد آئے گا اور دین کو ازسرنو تازہ کرے گا۔ اس لئے ہر صدی کے آغاز میں ایک مجدد گزرتا رہا ہے۔ مگر مجدد ماتہ ہونا دوسری چیز ہے اور مجدد الف ہونا علیحدہ ہے۔ جو فرق سو اور ہزار میں ہے۔ وہی ان کے مجدد میں بھی ہے بلکہ اس سے زیادہ ہے۔

مجدد وہ شخص ہوتا ہے کہ اس میں جو کچھ فیوضات اور برکات امت پر نازل ہو، اسی کے توسط سے ہو۔ اگرچہ اقطاب اور ابدال واوتاد اس وقت کیوں نہ ہوں۔

خاص کند بندۂ مصلحت عام را

دین کی تجدید کرے اور معارف جدیدہ بیان کرے۔ آپ کی ذات سے کفر اور بدعت کی ظلمتیں ایمان وسنت کے انوار سے بدل گئیں اور ایمان وعرفان کے ستون نے استحکام پایا۔ بلاد اسلام آپ کے خلفا سے بھر گئے اور جو معارف جدیدہ کہ حق سبحانہ نے آپ کو عنایت فرمائے تھے ہزاروں علماء اور فضلا سے طریقہ بواسطہ اور بلا واسطہ کشفاً اور عیاناً ظاہر ہوئے۔ اس بارے میں سوائے کور باطن کے اور کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ آپ سے پہلے اور کسی عالم امت نے ان معارف کو بیان نہیں کیا۔

آپ کا طریقہ سنت کی پیروی کرنا اور بدعت کو ترک کرنا اور ذکر خفی وحضور الٰہی میں مشغول رہنا ہے، جو احسان کا پرتو ہے۔ اسی بناء پر قصور عالیہ تیار کئے گئے جس کے بیان کی اس مختصر میں گنجائش نہیں ہے۔ اس خاندان کی کتابیں ان بیانوں سے بھری ہوئی ہیں اور اس طریقہ کے اہل نسبت بخوبی جانتے ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں کہ تم علم کلام کے مجتہد ہو۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آپ نے دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ میں تم کو علم سموات سکھانے

Marfat.com

کے لیے آیا ہوں۔

آپ کے پاس جب حضرت شاہ سکندر حضرت شاہ کمال کیتھلی کی حسب وصیت خرقہ مبارک حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لائے اور وہ آپ کو پہنایا تو روح پاک حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوئے اور نسبت قادریہ کے انوار آپ پر غالب ہوگئے۔

آپ نے خیال فرمایا کہ میں تربیت یافتہ حضرات نقشبندیہ کا تھا مگر اب نسبت قادریہ غالب آ گئی اور نسبت نقشبندیہ مغلوب ہوگئی۔ کیا تدبیر کی جائے۔ اتنے میں حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلفا کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا کہ احمد ہمارے ہیں اور ہماری تعلیم سے کمال اور تکمیل کے مرتبہ کو پہنچے ہیں۔

حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ زمانہ طفولیت سے ہمارے عنایات کے مورد رہے ہیں اور ہم سے فیض حاصل کیا ہے۔

اسی اثناء میں مشائخ چشتیہ وسہروردیہ وکبرویہ تشریف فرما ہوئے اور مباحثہ ختم ہوا۔ سب نے اپنی نسبتوں کا آپ پر القا فرمایا اور خلافت واجازت عطا فرمائی۔

ایک روز آپ کو الہام ہوا کہ میں نے تم کو بخش دیا اور ان لوگوں کو بھی جو تمہارا وسیلہ حاصل کریں، بالواسطہ یا بلاواسطہ قیامت تک۔ پھر حکم ہوا کہ اس بشارت کو مخلوق سے بیان کرو۔

آپ فرماتے تھے کہ جو شخص ہمارے سلسلے میں داخل ہوگیا یا داخل ہوگا بے واسطہ یا بلاواسطہ، سب کو میرے سامنے لایا گیا اور ہر ایک کا نام اور اس کا مولد ومسکن بتایا گیا اور ان سب کو مجھے بخش دیا گیا۔ اگر میں چاہوں تو سب کو بیان کرسکتا ہوں۔

آپ فرماتے تھے کہ ایک روز اپنے ایک فرزند کے فاتحہ کے لئے میں نے کھانا تیار کیا۔ اس کے قبول ہونے پر میں متردد تھا کیونکہ انما یتقبل اللہ من المتقین (اللہ تعالیٰ متقیوں کا عمل قبول فرماتا ہے۔)

الہام ہوا کہ انک من المتقین بے شک تو پرہیزگاروں میں سے ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ ایک روز ایک مرغ عظیم الخلقت میں نے دیکھا کہ میرے سینہ سے نکل کر اڑ گیا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا چیز تھی۔ مجھ کو بتایا گیا کہ جو جانور تیرے سینہ بے کینہ سے نکالا گیا وہ خناس تھا جو مخلوق کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے جس سے پناہ مانگنے کے لیے سورۂ ناس میں حکم دیا گیا ہے۔ تجھ کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کو نکال دیا گیا۔ واقعی اس کے دفع ہوجانے سے ایک عجیب انشراح اور سرور وافر اور اطمینان کامل ہوا۔

آپ فرماتے ہیں کہ چند روز اعمال کی کمی مجھ پر ایسی غالب ہوگئی کہ نماز میں کلمہ ایاک نعبدو کی تلاوت کے وقت میں متحیر ہوتا تھا کہ کیا کروں۔ اگر پڑھتا ہوں تو آیۂ کریمہ لم تقولون مالا تفعلون کا مصداق ہوجاؤں گا اور اگر ترک کرتا ہوں تو واجب متروک ہوجاتا ہے۔ الہام ہوا کہ شرک تیری عبادت سے اٹھالیا گیا اور تیرا دین خالص ہوگیا۔ آپ کے کل اعمال احادیث کے موافق تھے۔ عزیمت پر عمل کرنے اور اولیٰ کو اختیار کرنے اور بدعت سے بچنے میں بہت کوشش فرماتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔ نماز تہجد واشراق وضحیٰ واوابین جس طریقہ سے احادیث میں مروی ہیں، کمال خشوع وخضوع سے ادا فرماتے تھے۔ ابتداء حال میں اسّی بار سورہ یٰسین ان نمازوں

Marfat.com

میں تلاوت فرماتے تھے۔ مگر جب قرآن مجید کامل حفظ ہوگیا تو ان نوافل میں طول قرأت کے ساتھ قیام فرماتے تھے۔ ہر دو رکعت بعد مراقب ہوتے اور توبہ واستغفار اور ادعیہ و درود میں مشغول رہتے۔ ادائے فجر کے بعد اشراق تک ارباب سلوک کے ساتھ مراقب رہتے۔

اس کے بعد دولت خانہ میں تشریف لے جاتے اور اہل وعیال کے حالات کا استفسار فرماتے۔ خلوت میں تلاوت کلام اللہ شریف فرماتے تھے۔ بعد نماز چاشت کے کھانا ہوتا اور فقر کو تقسیم فرما کر تھوڑا سا خود بھی تناول فرماتے تھے اور ادعیہ ثورہ کی تلاوت کر کے قیلولہ فرماتے۔

نماز فی الزوال ادا کرنے کے بعد نماز ظہر مستحب وقت میں ادا کر کے حافظ کلام اللہ سے قرآن مجید سنتے۔ عصر کی سنتیں اور عشاء کی ابتدائی سنتیں بہت کم کرتے تھے۔ نماز عصر بعد مثلین کے اور مغرب غروب آفتاب کے بعد اور عشا سرخی وسفیدی کے غائب ہونے کے بعد اکثر ربع شب کے بعد اور فجر اول اسفار میں کمال رعایت آداب کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ رکوع اور سجود کی تسبیحیں سات اور گیارہ تک پہنچتیں۔ تسبیح اور تحمید دونوں کو جمع کرتے تھے۔ چار نفلیں قیام لیل کی اور دو بعد وتر کے ادا فرماتے تھے۔ وتر کبھی عشا کے بعد اور کبھی تہجد کے بعد پڑھتے۔ سورۂ تبارک والم و سجدہ ودخان اور ادعیہ ماثورہ کی قرأت خواب کے وقت معمول رکھتے۔

ادائے نماز میں آپ کے حالات بمصداق لی مع اللہ وقت اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ اور ارحنا یا بلالؓ کے تھے۔ جو کیفیات ادائے نماز اور تلاوت قرآن مجید میں آپ پر طاری ہوتیں، دوسرے اوقات میں کمتر پائی جاتی تھیں۔

عصر سے پہلے اسباق طلبہ کی تعلیم میں مصروف رہتے تھے۔ اثناء حلقہ میں حافظ کلام اللہ سے قرآن مجید سماعت کرتے۔ آپ عیادت مریض کرتے تھے اور رمضان شریف کے آخیر عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے۔ عشرۂ ذی الحجہ کی خلوت میں اذکار کی کثرت اور روزہ کا معمول رکھتے تھے۔ صلوٰۃ عاشورہ وغیرہ کی ادائے جماعت کے ساتھ خلاف سنت جانتے تھے۔ ہر کام کی ابتداء استخارہ سے فرماتے تھے۔ قبور کو بوسہ دینا مستحسن نہیں جانتے تھے۔ مگر کبھی پیر اور والد کی قبر کو ہاتھ لگاتے تھے۔ خاص دعوتوں کو قبول فرماتے مگر عام طور سے عادت نہ تھی۔ مجلس سماع وسرود ومولود خوانی میں نہیں جاتے تھے۔ ذکر جہر کو ترک ادب جانتے تھے۔ نبوت کو ولایت سے اگرچہ نبی کی ولایت کیوں نہ ہو مگر نبوت ہی کو افضل جانتے تھے۔ صحو کو سکر پر ترجیح دیتے تھے اور تمام اصحاب کرام کو تمام اولیا سے افضل جانتے تھے۔ مذہب حنفی کو تمام مذاہب پر ترجیح دیتے اور عقائد ماتریدیہ کو پسند فرماتے اور طرق مشائخ سے طریقہ نقشبندیہ کو افضل جانتے تھے۔ تحصیل علوم کو سلوک صوفیہ پر تقدیم دیتے تھے۔ اگرچہ ہر روز آپ کے نزدیک مبارک تھا کہ الایام اللہ والعباد عباد اللہ مگر بفحوائے حدیث بارک اللہ فی یوم السبت والخمیس سفر کے لئے آپ شنبہ اور پنجشنبہ کو اختیار فرماتے تھے۔ ادعیہ ماثورہ باوقات مقررہ پڑھتے تھے۔

رمضان المبارک میں طالبین دور دور سے آتے اور ادائے زکوٰۃ میں اختتام سال کا انتظار نہیں کرتے تھے۔ حساب کے مطابق وجوب سے پہلے اس کے مصارف میں صرف کرتے تھے۔ ہمیشہ حج کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ کے اخلاق خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ تسلیم ورضا وصبر احکام قضا پسند کرتے تھے۔ سلام کرنے میں سبقت کرتے تھے۔ قریب ایک سو کے علماء وفضلا اور صلحا وحفاظ آپ کی صحبت میں حاضر رہتے تھے اور سب کو باورچی خانہ سے کھانا پہنچتا تھا۔

Marfat.com

آپ کی مجلس حضور اور آگاہی سے پُر رہتی تھی۔ آپ کا لباس مشقوق المنکبین تھا۔ دستار مسنون طریقہ پر باندھتے تھے۔ جمعہ اور عیدین میں لباس فاخرہ پہنتے تھے۔ عادات میں بھی سنن نبوی کی رعایت کرتے تھے۔ ہر وقت عبادات اور طالبان خدا کو فائدہ رسانی میں مشغول رہتے تھے۔

آپ کے خوارق اور کرامات سات سو لکھے گئے ہیں۔ کوئی کرامت محبت خدائے جل وعلا اور پیروی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہے اور قلوب میں تصرف کرنا اور صدور میں احوال الٰہیہ کا القا کرنا سب سے بڑی کرامت ہے۔ چنانچہ آپ سے ان کرامتوں کا ظہور اتنے واضح طور سے ہے کہ جس کا انکار آفتاب کا انکار ہے اور مکنونات میں تصرفات اور مغیبات کی خبر دینا اور آپ کی توجہات سے حاجتوں کا برآمد ہونا آپ سے بہت کچھ سرزد ہوئیں۔ ہزاروں کافر آپ کے ہاتھ پر ایمان لائے اور بے شمار فساق تائب ہو کر تقویٰ کو پہنچے۔ اکثر طالبین آپ کی مختصر صحبت میں فائز المرام ہوگئے۔ مریدوں کی کثرت تعداد کے باوجود اپنی توجہ عالیہ سے احوال تک پہنچاتے اور ہر توجہ میں جدید حالات عطا فرماتے اور ہر ایک کے حال پر علیحدہ علیحدہ مشغول ہو کر ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جاتے اور قوت کمال باطن سے برسوں اور مدتوں کا کام تھوڑی سی دیر میں طالبوں پر مشاہدہ ہونے لگتا تھا۔

ملا بدرالدین سرہندی قدس سرہ کتاب ''حضرات القدس'' میں لکھتے ہیں کہ آپ اکثر میرا حال دریافت فرماتے۔ جب میں اپنا حال آپ سے عرض کرتا اسی وقت وہ حال برطرف ہو کر اسی سے قوی حال قائم ہوتا۔ کبھی آپ خود ہی فرماتے کہ اب تمہارا حال یہ ہے۔

اسی طرح تھوڑی مدت میں مراتب فنا و بقاء عطا فرما کر جن مقامات کا غیب سے حکم ہوتا طالبوں کی ہدایت کے لئے ان کو وہیں روانہ فرما دیتے۔ اس کے بعد تیز رفتار طالبوں کو غائبانہ توجہ دے کر مقامات خاص پر فائض فرماتے۔ ایک عالم آپ کے فیوضات سے پُر ہوگیا۔

آپ کی بہترین کرامتیں وہ علوم اور معارف ہیں، جو کتاب و سنت کے موافق ہیں۔ مکتوبات قدسی آیات کے تینوں دفتر ان علوم سے پُر ہیں۔ آپ کے فرزندان گرامی آپ کی حسن تربیت سے علوم ظاہر اور باطن اور کمالات قرب ولایت اور افادۂ فیوضات میں سرآمد علما اور اولیاء تھے۔ جہاں تاریک ان کے انوار سے نورانی ہوگیا۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایسی قوت دی ہے کہ اگر خشک لکڑی پر توجہ کروں وہ نورانی ہو جائے گی لیکن اس آخر زمانہ میں مرضی الٰہی نہیں ہے۔

جب آپ کی عمر شریف اکسٹھ (٦١) سال کو پہنچی تو ١٠٣٢ھ میں اجمیر شریف مزار مبارک حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ پر حاضر ہوئے چنانچہ آپ کی روح مبارک سے بہت سے الطاف آپ نے مشاہدہ فرمائے۔ یہاں سے واپسی کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری عمر ٦٣ سال کی معلوم ہوتی ہے۔

١٠٣٣ھ میں جبکہ آپ کی عمر شریف ٦٢ باسٹھ سال کی تھی، ماہ شعبان المعظم کی شب برأت میں آپ نے خلوت اختیار فرمائی۔ جب خلوت سے برآمد ہوئے تو کسی نے کہا کہ معلوم نہیں ہوا کہ اس سال کس کا نام دفتر حیات سے مٹایا گیا۔

فرمایا تم بسبیل شک کہتے ہو۔ اس شخص کا کیا حال ہوگا جو اپنا نام اعداد اموات میں دیکھتا ہو۔

Marfat.com

پس آپ نے ہدایت کا کارخانہ اپنے فرزندوں کے حوالہ فرمایا اور عبادت و تلاوت و اذکار میں مشغول ہو گئے۔ سوائے نماز کے خلوت سے نہیں نکلتے تھے اور صوم وصلوٰۃ میں مشغول رہتے تھے اور خیرات ومبرات اور انفاق فی سبیل اللہ میں کثرت فرمانے لگے اور اپنی وفات کے قریب ہونے کا اشارہ فرمایا کرتے تھے۔

وسط ماہ ذی الحجہ میں آپ کو ضیق النفس اور تپ محرقہ لاحق ہوا۔ ہر روز مرض میں زیادتی ہوتی گئی۔

آپ نے فرمایا کہ اسی زمانہ میں حضرتؒ غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میں نے دیکھا۔ آپ نے میرے حال پر بہت عنایتیں فرمائیں۔

محرم کی بارہویں تاریخ آپ نے فرمایا کہ پنتالیس دن میں اس جہان فانی سے جہان جاودانی کو سفر کروں گا۔ اپنے احباب اور اقربا کو وصیت فرمائی اور اتباع سنت اور عمل بعزیمت اور دوام ذکر ومراقبہ اور تہذیب اخلاق اور ایذائے خلق پر برداشت اور صبر ورضا بقضا اور معاملات جلال میں لذت اور تیاری موت اور آخرت کے لئے مستعدی اور ماسوی اللہ سے انقطاع اور محبت خدا میں خلوص کے لئے تاکید فرمائی۔

آخرکار دوشنبہ کے دن اٹھائیسویں صفر ۱۰۳۴ ہجری میں کہ اس وقت عمر شریف آپ کی ۶۳ سال عمر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق تھی۔ مشاہدہ مقصود کی نہایت استغراق میں اور ذکر اسم ذات کے غلبہ میں اس دار بے مقدار سے دار القرار کی طرف سفر فرما ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و افاض علینا من برکاتہ۔

مزار شریف بلدۂ سرہند میں واقع ہے۔ یزار و یتبرک

☆......☆......☆

Marfat.com

سید زوار حسین شاہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی حیات مبارک

ولادت باسعادت

منقول ہے کہ حضرت امام ربانی محبوب سبحانی الف ثانی شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی قدس سرہ السامی نے بوقت مسعود شب جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ بمطابق ۱۵۶۳ء برج حمل سے مطلع شہر سرہند میں طلوع فرمایا اور اپنے انوار جہاں آراء سے عالم دو عالمیان کو منور فرمایا۔ آپ کا سنہ ولادت لفظ ''خاشع'' سے نکلتا ہے۔

مہے براوج سپہر کمال طالع شد — کہ کس ندید چناں ماہ در ہزاراں سال

ولادت سے متعلق چند واقعات

آپ کی ولادت باسعادت کے وقت بہت سے عجیب واقعات ظہور میں آئے جن میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں۔

آپ کی والدۂ ماجدہ فرماتی ہیں کہ میرے فرزند شیخ احمدؒ کی ولادت کے بعد مجھ پر ایک غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ بہت سے اولیائے امت ہمارے گھر میں تشریف فرما ہیں اور مجھے مبارکباد دے رہے ہیں۔

آپ کے والد بزرگوار حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے فرزند کی ولادت کے دن حالت کشف میں دیکھا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں اور شیخ احمدؒ نومولود کے کانوں میں اذان وتکبیر کہہ رہے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے خلیفہ شیخ عبدالعزیزؒ آپ کی ولادت کے دن سرہند شریف میں موجود تھے۔ آپ نے وہاں کشفی حالت میں ملائکہ کا ہجوم دیکھا۔

علاوہ ازیں شیخ ابوالحسن چشتیؒ بھی حسن اتفاق سے آپ کی ولادت کے وقت سرہند شریف میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ولادت کی شب میں نے عالم رویا میں دیکھا کہ اس شہر میں بہت سے اولیاء کرام جمع ہیں اور ایک بزرگ منبر پر تشریف فرما ہیں اور فرما رہے ہیں کہ لوگو تمہیں مبارک ہو کہ آج تم میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا ہے جس

Marfat.com

کے سبب دین اسلام از سر نو زندہ ہوگا۔

آپ کی ولادت کے دن...... اکبر بادشاہ نے ایک وحشت ناک خواب دیکھا کہ شمال کی طرف سے ایک تیز و تند ہوا آئی اور تخت کو بادشاہ سمیت اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اس خواب سے بادشاہ بہت حیران و پریشان ہوا اور معبروں سے تعبیر دریافت کی۔ انہوں نے کہا کہ کسی بزرگ کے ظہور سے آپ کے آئین سلطنت میں تزلزل واقع ہوگا۔ [1]

بچپن کی بعض خصوصیات

حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو شروع ہی سے کمال درجہ اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائی تھی چنانچہ آپ سنت کے مطابق مختون پیدا ہوئے اور عام بچوں کی طرح کبھی ننگے نہ ہوئے۔ اگر بول و براز کے موقع پر اتفاقاً کبھی آپ کا بدن ننگا بھی ہو جاتا تو بڑی جلدی بدن کو ڈھانپ لیتے۔ آپ کبھی نہ روتے، ہر وقت خوش وخرم اور خنداں رہتے۔ [2]

حضرت شاہ کمالؒ سے کسب فیض

ایک مرتبہ آپ زمانہ رضاعت میں علیل ہوگئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم عبد الاحد قدس سرہ حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہ کو دعا دم کرانے کی غرض سے لے کر آئے انہوں نے دم کرنے کے بعد بہت دعائیں دیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ اس بچے کی عمر دراز کرے، یہ تو عالم باعمل عارف کامل ہے۔ بزرگوں کی بڑی تعداد اس سے فیض حاصل کرے گی اور تا قیام قیامت اس کی ہدایت وارشاد کا نور روشن رہے گا۔ یہ بدعت وگمراہی دور کرے گا اور سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو زندہ کرے گا وغیرہ۔ بعد ازاں حضرت شاہ کمالؒ نے فرط محبت سے اپنی زبان مبارک آپ کے دہن مبارک میں دیدی تو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شاہ صاحبؒ کی زبان کو خوب چوسا اور اپنے منہ میں دبائے رکھا۔ آخر حضرت شاہ کمالؒ فرمانے لگے کہ بابا بس کرو اتنا ہی کافی ہے۔ کچھ ہماری اولاد کے لئے بھی چھوڑ دو۔ تم نے تو ہماری نسبت ساری ہی کھینچ لی۔ [3]

زمانۂ تعلیم

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو ابتدا میں جب مکتب میں بٹھایا گیا تو آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ بعد ازاں اپنے والد ماجد سے تحصیل علوم میں مشغول ہوگئے اور یہ علوم بھی جلدی ہی حاصل کر لئے۔ حضرت مخدومؒ کی توجہ کی برکت سے ایسی فتح وکشادگی حاصل ہوئی کہ بڑے بڑے دقیق مسائل کو آپ آسانی حل فرما دیا کرتے اور جہاں کہیں دقیق عبارت ہوتی تو آپ اسے نہایت وضاحت کے ساتھ حل کر کے حاشیہ پر تحریر فرما دیتے۔ غرضکہ اکثر علوم تو آپ نے اپنے والد ماجدؒ ہی سے پڑھے اور بعض اس زمانے کے علماء کبار سے بھی حاصل کئے

چنانچہ مولانا کمال الدین کشمیریؒ کی خدمت میں معقولات کی چند کتب عضدی وغیرہ پڑھیں (جو کہ اپنے زمانے کے اکابر علماء میں سے تھے اور صاحب تحقیق و تدقیق و صاحب ورع و تقویٰ تھے اور آپ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے استاد بھی تھے)......اور بعض کتب احادیث شیخ یعقوب کشمیریؒ کی خدمت میں پڑھیں اور یہ شیخ یعقوب کشمیری، شیخ معظم وقطب مکرم شیخ حسین خوارزمی کے خلفاء میں سے تھے اور انہوں نے حرمین محترمین کے کبار محدثین امام ابن حجر مکی وعبدالرحمٰن بن فہد مکی وغیرہ سے حدیث پڑھی تھی۔ کہا گیا ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ان سے طریقۂ کبرویہ میں بیعت کر کے طریقہ بھی حاصل کیا......اور تفسیر واحدی و دیگر مؤلفات واحدی مثل بسیط و وسیط و اسباب نزول اور تفسیر بیضاوی و دیگر مصنفات بیضاوی مثل منہاج الوصول و غایۃ القصویٰ وغیرہ اور صحیح بخاری و دیگر مصنفات امام بخاری مثل ثلاثیات امام بخاریؒ و ادب المفرد وافعال العباد و تاریخ وغیرہ ذلک اور مشکوٰۃ تبریزی، شمائل ترمذی، جامع صغیر سیوطی، قصیدۂ بُردہ شیخ سعید بوصیری اور حدیث مسلسل کی روایت و اجازت مع اسناد جس کی سند آگے آتی ہے، عالم ربانی قاضی بہلول بدخشانیؒ سے حاصل کی۔ اور قاضی بہلول بدخشانیؒ نے ان کتابوں کی اجازت مع حدیث مسلسل شیخ معظم عبدالرحمٰن بن فہد سے حاصل کی تھی......شیخ عبدالرحمٰن بن فہد اور ان کے آباؤ اجداد اس بلاد کے کبار محدثین میں سے تھے اور ان کا گھر اَبًا عن جدٍّ بیت الحدیث تھا۔ چونکہ ان تمام کتابوں کی اسانید کا ذکر کرانا موجب تطویل ہے اس لئے صرف مشکوٰۃ شریف اور حدیثِ مسلسل کی اسناد لکھی جاتی ہیں۔

اسناد الحدیث المسلسل

اما الحديث المسلسل بالاولية قال الشيخ عبدالرحمن بن فهد سمعة من لفظ سيدى و والدى عبدالقادر بن عبدالعزيز بن فهد و هو اول حديث سمعة منه قال حدثنى به جدى الحافظ الرحلة تقى الدين بن محمد بن فهد الهاشمى العلوى و هواول حديث سمحة منه قال حدثنى به جمع من المشائخ الاعلام اجلّهم العلامة برهان الدين الاتباسى سماعا من لفظ قاضى القضاة ابوالحامد المطرى بقراء تى عليه بالحرم الشرف بمكة و هو اول حديث سمحة منه قال اخبرنابه الخطيب صدر الدين ابوالفتح محمد بن المبردى قال الانباسى و هو اول حديث سمحة منه و قال المطرى و هو اول حديث رويت عنه قال اخبرنابه الشيخ نجيب الدين عبداللطيف الحرانى و هو اول حديث سمعته منه قال اخبرنابه الحافظ ابوالفراج ابن الجوزى و هو اول حديث سمعته منه قال اخبرنابه ابو سعيد اسمٰعيل بن ابى صالح النيشابورى و هو اول حديث سمعته منه قال اخبرنابه ابوصالح احمد بن عبدالملك المؤذن و هو اول حديث سمعته منه قال حدثنا به ابو طاهر محمد بن محسن الزمادنى و هو اول حديث سمعته منه قال حدثنا ابو حامد احمد البزاز و هو اول حديث سمعته منه قال حدثنا به عبدالرحمن بن بشير بن الحكيم الصدرى و هو اول حديث سمعته منه قال حدثنا به سفيان بن عيسى و هو اول حديث سمعته من سفيان عن عمر و بن دينار عن ابيقابوس

Marfat.com

مولی عبداللہ بن عمر و بن العاص عن عبداللہ بن عمر و بن العاص رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الراحمون یرحمھم الرحمن تبارک و تعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء۔

اسنادِ مشکوٰۃ المصابیح

آپ کی اسناد مشکوٰۃ شریف شیخ عبدالعزیز بن فہد تک تو وہی ہے جو حدیث مسلسل میں مذکور ہوئی اور شیخ عبدالعزیز فہدؒ شیخ تقی الدین بن فہدؒ الہاشمی سے بھی اجازت رکھتے ہیں اور شیخ الاسلام ابن حجر العسقلانی سے بھی۔

قال الشیخ تقی الدین اخبرنابه عالیاً الشیخ الامام شرف الدین عبدالرحیم ابن عبدالکریم الحرھی قال اخبرنا به العلامة امام الدین علی بن مبارک شاه الصدیقی الساؤجی عرف بخواچه وقال شیخ الاسلام ابن حجر اخبرنابه العلامة البغوی قاضی الاقضیه المجد بن محمد بن یعقوب الفیروزآبادی الشیرازی الصدیقی الشافعی اخبرنابه الحافظ جلال الدین حسین والحجة الهمام شمس الدین محمد المقدسی قالا والصدیقی الساؤجی اخبرنابه مولفه ناصر السنة ابو عبدالله محمد بن عبدالله الخطیب قال الساؤجی قرأة و اجازة وقال الاخزان اذنا فقط [۴]

درس وتدریس

مذکورہ بالا کتابوں کی اجازت حاصل کر لینے کے بعد ایک دن آپ نے فرمایا کہ محسوس ہوتا ہے کہ مجھے طبقۂ محدثین میں داخل کیا گیا ہے۔ غرضیکہ سترہ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مسند افادہ پر متمکن ہو گئے اور مختلف ممالک سے صدہا طلبا جوق در جوق آنے شروع ہوئے۔ رات دن درس وتدریس کا مشغلہ جاری تھا اور حلقہ حدیث وتفسیر گرم رہتا تھا، چنانچہ آپ کی درسگاہ سے بہت لوگ فارغ التحصیل ہوئے۔

سند مصافحہ

مولانا بدرالدین سرہندیؒ صاحب ''حضرات القدس'' فرماتے ہیں کہ ''حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو چار شخصوں کے واسطے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مصافحہ نصیب ہوا جس کی ترتیب یہ ہے: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے حاجی عبدالرحمٰن بدخشی کابلی معروف بہ حاجی رمزی رحمۃ اللہ سے مصافحہ کیا اور انہوں نے حافظ سلطان ادھمی رحمۃ اللہ سے جن کی عمر ایک سو دس سال تھی اور انہوں نے شیخ محمود الفرازی رحمۃ اللہ سے، انہوں نے شیخ سعید معمن حبشی رحمۃ اللہ سے انہوں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف مصافحہ حاصل کیا۔ اس کی تفصیل کتاب ''سنوات الاتقیا'' میں بیان کی گئی ہے۔'' [۵] لیکن ''جواہر مجددیہ'' میں شیخ سعید کی بجائے شیخ معمن حبشی نام درج ہے

Marfat.com

اور یہ بھی ہے کہ ان میں سے ایک صاحب جن ہیں۔ واللہ علم بالصواب۔

اکبر آباد کا سفر

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا عین شباب تھا اور ابھی علم کی تحصیل سے فارغ ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ آپ کو اکبر آباد کے علماء وفضلاء کی شہرت کا علم ہوا جو اکبر بادشاہ کا پایۂ تخت اور دارالحکومت تھا اس لئے حضرت موصوف نے وہاں جانے کا ارادہ کیا۔ جب وہاں تشریف فرما ہوئے تو چند ہی روز میں آپ کے علم وفضل کی وہ شہرت ہوئی کہ بڑے بڑے علماء حدیث وتفسیر کی کتابوں کی سند آپ سے حاصل کرنے میں اپنی سعادت سمجھنے لگے اور آپ کی شاگردی پر فخر کرنے لگے۔ غرضیکہ آپ کے درس میں بہت سے علماء وفضلاء حاضر ہوتے اور فیض حاصل کرتے اور آپ کو مجتہد زمانہ مانتے۔ اس طرح حضرت کے علم وفضل اور اجتہاد کا شہرہ اس درجہ ہوا کہ عوام وخواص حیران رہ گئے۔

ابوالفضل وفیضی سے ملاقات

جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی شہرت علماء ومشائخ سے اراکین سلطنت اور وزراء تک پہنچی تو وہ بھی حضرت کی خدمت میں حاضری دینے لگے، چنانچہ ابوالفضل وفیضی بھی آپ کی شہرت سُن کر مشتاق ملاقات ہوئے اور بہت کوشش کی کہ کسی طرح حضرت ان کے گھر تشریف لائیں لیکن کوئی صورت کارگر نہ ہوئی۔ آخر یہ دونوں بھائی خود حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بہت اخلاص ظاہر کیا۔ حضرت موصوف، سنت نبوی صلوۃ اللہ علیہ وسلامہ کے مطابق ان کے ساتھ نہایت شفقت ومہربانی سے پیش آئے، انہوں نے دعوت قبول فرمانے کے لیے اصرار کیا تو آپ نے بھی قبول فرمالیا۔ چنانچہ دوسرے دن حضرتؒ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور ان دونوں بھائیوں نے حسب دستور نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ مراسم ضیافت ادا کئے اور شاگردوں کی طرح خدمت بجالاتے رہے۔ بعدازاں آمدورفت اور تحفہ تحائف کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

تفسیرِ بے نقط کا حال

اسی زمانے میں ابوالفیض فیضی نے تفسیر بے نقط جس کا نام "سواطع الالہام" ہے، لکھنی شروع کی۔ اتفاق سے ایک مقام پر پہنچ کر یہ دونوں بھائی عاجز ہوگئے اور کچھ بن نہ آیا۔ کیونکہ اس تفسیر میں جس صنعت (یعنی بے نقط الفاظ) کا التزام کیا تھا اس صنعت میں مضمون مرتب نہیں ہو رہا تھا۔ بہت سے علماء کو بلایا لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ آخر مجبور ہوکر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں اپنی عاجزی اور مضمون کی ترتیب کی درخواست کی۔ آپ نے اگرچہ کبھی بے نقط عبارت لکھنے کی مشق نہیں کی تھی لیکن ان کی درخواست پر اس مقام کے مناسب تفسیر نہایت فصیح و بلیغ عبارت میں قلم برداشتہ تحریر فرمادی۔ اس طرح اس تفسیر میں حضرت کی امداد بھی شامل ہوگئی۔

Marfat.com

غرض کہ اس طرح کے متعدد واقعات اور کشف و کرامات کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے علم و فضل کا سکہ عوام و خواص کے علاوہ اراکین سلطنت کے دلوں میں بھی بیٹھتا چلا گیا اور آپ نہایت درجہ مقبول اور معزز و مکرم ہو گئے۔

ابوالفضل و فیضی سے نفرت

جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ابوالفضل و فیضی[۵] سے اس طرح اکثر ملاقاتیں ہوئیں تو حضرت کو ان کے عقائد باطلہ کا علم ہو کر ان سے اختلاف ہو گیا اور یہ اختلاف آہستہ آہستہ نفرت میں بدل گیا۔ ظاہر ہے کہ اپنے پیارے اور محترم بزرگوں کی شان میں گستاخی کون برداشت کر سکتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص اس سے بھی بڑھ جائے اور دین اسلام اور شریعت مطہرہ کے خلاف بکواس اور کفر کی حمایت کرنے لگے تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ذات گرامی ''جو کامل و مکمل محی سنت اور ماحی بدعت تھی'' کس طرح برداشت کر سکتی تھی، چنانچہ حضرت موصوف کا ابوالفضل و فیضی سے مناظرہ بھی ہوا جس میں حضرت والا کو بالکل واضح کامیابی اور فتح حاصل ہوئی۔

ایک اہم واقعہ

اسی زمانے کے اہم واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ عبدالمؤمن خاں ابن عبداللہ خاں ازبک والیٔ توران (م ۱۰۰۶ھ) نہایت نیک اور صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت سے تھے۔ سوءِ اتفاق کہ اس وقت ایران پر شاہ عباس صفوی حکمراں تھا۔ اس نے لوگوں کو جبراً شیعہ بنا کر ملک کی یہ حالت کر دی تھی کہ کوئی شہر یا قصبہ یا گاؤں ایسا نہ تھا جہاں شیعوں کی اکثریت نہ ہو گئی ہو اور وہاں کے لوگ اپنی عادت اور دستور کے مطابق ہر چھوٹی بڑی تقریب اور جلسوں میں سب صحابہ تبرّا کیا کرتے تھے۔ ماوراء النہر کے عوام نے عبدالمؤمن خاں ابن عبداللہ خاں ازبک کی خدمت میں تفصیلی حالات پیش کر کے درخواست کی کہ وہ شاہِ ایران کو سمجھائیں تا کہ وہ ان حرکات سے باز آئے۔ چنانچہ ابن عبداللہ خاں نے شاہِ عباس صفوی کو سمجھانے کے لئے خطوط لکھے لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ حتیٰ کہ دونوں طرف سے اپنے اپنے دلائل میں رسائل لکھے گئے لیکن بات بڑھتی چلی گئی۔ آخر تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق دونوں طرف سے فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور ۱۰۰۱ھ میں خوب گھمسان کی جنگ ہوئی۔ بالآخر حق سبحانہ وتعالیٰ نے ابن عبداللہ خاں ازبک کو فتح عطا فرمائی اور شاہ عباس بھاگ نکلا۔ اس کے بعد ابن عبداللہ خاں نے شاہ ایران کو بلوایا اور کہا کہ میں نے یہ جنگ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کی تھی کسی دنیوی لالچ یا ذاتی غرض کے لئے نہیں کی تھی اس لئے تمہارا ملک تم کو واپس دیتا ہوں لیکن آئندہ ان حرکتوں سے باز رہنا۔ چنانچہ شاہِ عباس سے قول و قرار لینے کے بعد ابن عبداللہ خاں اپنے وطن واپس چلے آئے۔ ان حالات کا جب حضرت مجدد الف ثانیؒ کو علم ہوا تو آپ نے رسالہ ''ردِّ روافض'' لکھ کر ابن عبداللہ خاں کے پاس بھجوایا اور انہوں نے اس کو شاہ ایران کے پاس بھیج دیا۔ علمائے شیعہ اس رسالہ سے بہت متاثر ہوئے اور کسی کو اس کے خلاف قلم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ بہت سے اپنے باطل عقائد سے تائب ہو گئے۔ اس رسالہ کی وجہ سے اس علاقہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تعارف اور شہرت ہو گئی[۱۰] اور اس کے بعد اثرات بڑھتے ہی رہے حتیٰ کہ وہاں کے

Marfat.com

عوام وخواص آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔[9]

اس دور کے یہی حالات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے رسائل ''اثبات النبوۃ'' ''تہلیلیہ'' اور ''ردِّ روافض'' کے محرک بنے۔[10]

حضرت مخدومؒ کی آگرہ تشریف آوری

چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو اکبر آباد میں اقامت پذیر ہوئے ایک عرصہ گزر گیا تھا اس لئے حضرت کے والد ماجد مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہ آپ کے اشتیاق محبت میں آگرہ تشریف لائے۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سُن کر شہر کے اکثر علماء وفضلاء اور اراکین سلطنت آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ ان میں سے بعض نے عرض کیا کہ ضعف پیری اور بُعد مسافت کے باوجود آپ نے بہت تکلیف فرمائی۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ کیا کروں فرزند شیخ احمد کی محبت کھینچ لائی ہے۔[11]

اکبر آباد سے واپسی

چونکہ حضرت مخدوم قدس سرہ کو حضرت مجدد الف ثانی سے بے حد محبت تھی اور وہ ان کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اس لئے مزید مفارقت گوارا نہ فرمائی اور ان کو اپنے ساتھ لے کر سرہند شریف کے لیے روانہ ہو گئے۔ اثناءِ راہ میں دہلی اور سرہند کے درمیان جب شہر تھانیسر سے گزر ہوا تو وہاں کے رئیس شیخ سلطان[12] نے جو بادشاہ کے بڑے مقرب اور علاقۂ تھانیسر کے حاکم تھے۔ نہایت اعزاز واکرام سے اپنے ہاں مہمان رکھا۔

حضرت مجدد الف ثانی کی شادی خانہ آبادی

منقول ہے کہ انہی دنوں شیخ سلطان عالم رؤیا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تمہاری بیٹی اس زمانے میں سب سے زیادہ نیک خاتون ہے۔ تم اس کا نکاح میرے فرزند اور نائب شیخ احمدؒ سے کر دو، اس میں تمہارے لئے اور تمہاری بیٹی کے لئے بڑی سعادت ہے۔'' جب تین مرتبہ اسی طرح کے خواب دیکھے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کا حلیہ شریف بھی دکھایا گیا، اس وقت سے شیخ سلطان، حضرت موصوف کی تلاش میں کوشاں تھے۔ حسن اتفاق کہ جب یہ دونوں آفتاب و ماہتاب وہاں پہنچے تو شیخ سلطان نے ان کو پہچان لیا اور اپنے ہاں مہمان رکھا اور جب ان کے زہد وتقویٰ اور علم وفضل سے متاثر ہو کر یقین ہو گیا کہ واقعی یہی وہ بزرگ ہیں جن کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے تو شیخ سلطان نے مخدومؒ سے اس خواب اور اپنے ارادہ کا تذکرہ کیا۔ حضرت مخدومؒ نے بڑی خوشی سے منظور فرمالیا۔ چنانچہ نہایت تزک واحتشام کے ساتھ شاہانہ انداز سے شادی کی تقریب مسنون طریقہ پر انجام پائی[13] اور دلہن کو لے کر سرہند تشریف لے آئے۔ (اندازہ ہے کہ تقریب

شادی ۹۹۸ھ میں انجام پذیر ہوئی)۔

مال کی فراوانی

شادی کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پاس ظاہری مال و دولت کی بہت فراوانی ہوگئی۔ اپنی جدّی حویلی کو چھوڑ کر ایک اور حویلی بنوائی جہاں اب حضرت موصوف کا روضۂ پُرنور ہے اور آپ کی اولاد کا محلّہ ہے۔ حویلی کے قریب ہی ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ جب کبھی اپنے بھائیوں کو یاد فرماتے تو پُرانی حویلی والے فرمایا کرتے، اسی وجہ سے آپ کے بھائیوں کی اولاد کا لقب پرانی حویلی والے پڑ گیا۔ اس طرح حق سبحانہ و تعالیٰ کے فضل و کرم سے شادی کے بعد مالدار ہونے کی سنت بھی ادا ہوگئی۔ یعنی جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر لیا تو اپنا تمام مال آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ اس طرح آپ کو ظاہری غنا حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ووجدک عائلاً فاغنی عن العالمین (اور ہم نے آپ کو مفلس پایا۔ پس غنی کر دیا) باقی آپ کے قلبی اور باطنی غنا کا درجہ تو وہ ہی جانتا ہے کوئی بشر اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔[۱۴]

اکبر آباد سے واپسی اور شادی کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے والد ماجد حضرت مخدومؒ ہی کی خدمت میں رہے اور باطنی کمالات کا فیض حاصل کیا حتیٰ کہ جب حضرت مخدوم کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرزند و اصحاب کے سامنے خرقۂ خلافت جو سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے آباؤ اجداد سے حاصل تھا، وہ اور خرقۂ خلافت جو سلسلۂ چشتیہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے حاصل ہوا تھا اور وہ خرقۂ خلافت جو سلسلۂ قادریہ میں شاہ کمال کیتھلیؒ سے حاصل ہوا، سب کچھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو عنایت فرما کر اپنا قائم مقام اور جانشین قرار دیا۔[۱۵]

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ رسالہ ''مبدأ و معاد'' میں فرماتے ہیں کہ ''اس فقیر کو اس نسبت فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے، اپنے والد (مخدوم عبدالاحد قدس سرہ) سے حاصل ہوا تھا اور میرے والد ماجد کو یہ نسبت اپنے ایک عزیز (بزرگ حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہ) سے جو جذبۂ قوی کے مالک تھے اور کرامات و خوارق عادات میں مشہور تھے، حاصل ہوئی تھی...... نیز اس فقیر کو عبادات نافلہ خصوصاً نفل نمازیں ادا کرنے کی توفیق بھی والد ماجد کی مدد سے حاصل ہوئی تھی اور میرے والد بزرگوار کو یہ سعادت اپنے شیخ (یعنی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کے صاحبزادے شاہ رکن الدین قدس سرہما) سے حاصل ہوئی تھی جو چشتیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔''[۱۶]

۱۰۰۰ ہجری میں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہ اور ماہ شوال ۱۰۰۵ھ میں حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہ اور ماہ شوال ۱۰۰۷ھ میں حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ صاحبزادگان کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا عزمِ سفرِ حج

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو اگرچہ شروع ہی سے حج بیت اللہ (زادہا اللہ شرفاً تعظیماً) کی سعادت حاصل کرنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ منور کی زیارت کا شوق شب و روز بے چین رکھتا تھا لیکن اپنے والد

Marfat.com

بزرگوار کو بڑھاپے اور ضعف کی حالت میں چھوڑ کر سفر حجاز اختیار کر کے آں موصوف کی خدمت سراپا برکت سے طویل عرصہ کے لئے جدا ہونا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ بالآخر جب حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہ ۱۰۰۷ھ میں رحلت فرما گئے تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ۱۰۰۸ھ میں سفر حجاز کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ دہلی پہنچے تو وہاں کے علماء و فضلاء ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ ان میں مولانا حسن کشمیری بھی تھے جو حضرت موصوف کے پرانے احباب میں سے اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مخلصین میں سے تھے۔ انہوں نے دوران گفتگو میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مناقب اور کرامات بیان کیں اور کہا کہ اس وقت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت جیسا کثیر البرکت کوئی اور نظر نہیں آتا۔ آپ کی ایک نظر و توجہ میں طالبان حق کو وہ فیض حاصل ہوتا ہے جو دوسرے طریقوں میں چلّوں اور ریاضت شاقہ سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔[۱۷] چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اسی تحریک کے شکریہ میں مولانا حسن کشمیریؒ کی جانب ایک مکتوب تحریر فرماتے ہیں۔

"فقیر آپ کی نعمت کا شکریہ ادا کرنے اور آپ کے اس احسان کا بدلہ دینے میں قصور اور عاجزی کا اقرار کرتا ہے۔ یہ سب کاروبار اسی نعمت پر مبنی ہے اور یہ سب دید و داد اسی احسان پر وابستہ ہے۔ آپ کے حسن توسط اور وسیلہ سے فقیر کو وہ کچھ دیا گیا ہے جو کسی نے دیکھا ہی نہیں اور آپ کے توسل کی یمن و برکت سے وہ کچھ بخشا گیا ہے کہ کسی نے اس کا مزہ چکھا ہی نہیں، خاص خاص عطیے اس قدر عطا فرمائے گئے ہیں کہ اکثر لوگوں کو اس قسم کے عام عطیے بھی حاصل نہیں ہوئے۔ احوال و مقامات اور اذواق و مواجید اور علوم و معارف اور تجلیات و ظہورات سب کو راہ عروج کے زینے بنا کر فقیر کو قرب کے درجوں اور وصول کی منزلوں تک پہنچا دیا۔

قرب و وصول کا لفظ میدان عبارت کی تنگی کے باعث اختیار کیا ہے ورنہ وہاں نہ قرب ہے نہ وصول، نہ عبارت ہے نہ اشارہ، نہ شہود ہے نہ حلول، نہ اتحاد ہے نہ کیف، نہ زمین نہ زمان، نہ احاطہ نہ سریان، نہ علم نہ معرفت، نہ جہل نہ حیرت۔

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ   کہ باعنقا بود ہم آشیانہ
زعنقا ہست نامے پیش مردم   زمرغ من بود آں نام ہم گم

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانوں کے اس اظہار میں جس کا ظہور عالم اسباب میں آپ کی اسی نعمت پر ہوا ہے آپ کی نعمت کا شکر بھی شامل تھا اس لئے چند فقروں میں درج کر کے تحریر کیا گیا تاکہ آپ کی نعمت کا تھوڑا سا شکریہ ادا ہو جائے۔"[۱۸]

حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے ملاقات

چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے والد ماجدؒ سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی بہت تعریف اور اس

سلسلہ کے بزرگوں کے حالات سنے تھے اور والد ماجد کا ذوق وشوق اس سلسلۂ عالیہ کے متعلق مشاہدہ فرمایا تھا اور کتابوں میں بھی اس سلسلہ کے اوصاف ملاحظہ فرمائے تھے اور خود آپ اس نسبت بلند کے ساتھ استعداد بوجہ اتم واکمل رکھتے تھے، اپنے دوست مولانا حسن کشمیری کی تحریک پر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ فرمالیا اور فرمایا کہ اس سفر حجاز کا تحفہ اس سے بہتر اور کیا ہوگا کہ میں اس مقتدا سے ان بزرگوں کا ذکر ومراقبہ حاصل کر کے اس پر عمل کروں۔ [19]

چنانچہ آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی شرف ملاقات کا کمال درجہ اشتیاق ہوا اور آپ نے مولانا کے ہمراہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا حسن کشمیری نے تعارف کرایا اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ارادۂ سفر حجاز کے متعلق بھی عرض کیا۔ حضرت خواجہ قدس سرہ نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آئے اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ اگرچہ حضرت خواجہؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ خود کسی سے اخذ طریقہ والتزام صحبت کے لئے اظہار نہیں فرماتے تھے لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بلند استعداد اور اعلیٰ قابلیت ملاحظہ فرما کر آپ سے ارشاد فرمایا اگرچہ آپ اس مبارک سفر کا ارادہ رکھتے ہیں تاہم چند روز ہمارے مہمان رہیں، کم از کم ایک ماہ یا ایک ہفتہ ہی سہی کیا حرج ہے؟ حضرت خواجہؒ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک ہفتہ خانقاہ شریف میں قیام کا ارادہ کرلیا اور رفتہ رفتہ یہ قیام ایک ماہ دو ہفتہ تک طویل ہوگیا۔ [20]

حضرت خواجہؒ سے شرف بیعت

ابھی خانقاہ شریف میں دو دن بھی نہ گزرے تھے کہ آپ پر حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز کے تصرف وکشش کے آثار اور اخذ طریقۂ حضرت خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے ذوق وشوق نے غلبہ کیا یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے بیعت توبہ اور اخذ طریقہ کی درخواست کی۔ بغیر اس کے کہ جانبین استخارہ فرمائیں حضرت خواجہ قدس سرہ نے آپ کو خلوت میں طلب فرما کر (ماہ ربیع الثانی ۱۰۰۸ھ) میں بیعت کیا اور ذکر تلقین فرما کر توجہات عالیہ سے ایسا مشرف فرمایا کہ اسی وقت آپ کا قلب ذکر الٰہی سے جاری ہوگیا اور ذکر قلبی میں عجیب وغریب لذت وحلاوت اور آرام محسوس ہونے لگا۔ پھر یوماً فیوماً بلکہ آناً فاناً ترقیات عالیہ میں عروج اور فیوضات متعالیہ کا ظہور ہوتا رہا، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام گذشتہ اور آئندہ اولیائے امت سے سبقت لے گئے مثلاً قطبیت، فردیت، قیومیت، خلّت، طینت، اصالت، محبوبیت ذاتی، سابقیت اور تجدید الف ثانی سب کچھ حاصل کرلیا۔ غرضیکہ یا تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کو خانۂ کعبہ کے طواف کا ذوق وشوق تھا یا راہ میں ہی خود صاحب خانہ مل گیا اور روضۂ منورہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ کے انوار سے نور وضیا حاصل کرنے جارہے تھے کہ اثناء سفر ہی میں اقتباس انوار صاحب روضۂ مطہرہ نصیب ہوگیا۔ [21] سبحان اللہ فسبحان اللہ۔

آپ کے منازل سلوک طے کرنے کے حالات خود آپ کے قلم سے:

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے منازل سلوک طے کرنے کے حالات مختصر طور پر اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

''ماہ ربیع الثانی (۱۰۰۸ھ) کے آخری دنوں میں یہ فقیر ایک بزرگ (حضرت خواجہ باقی باللہؒ) کی خدمت سے شرف اندوز ہوا جو اس بزرگ خاندان (نقشبندیہ) کے خلیفہ تھے اور ان بزرگوں کے طریقہ کو حاصل کر کے اسی سال نصف ماہ رجب میں اس فقیر کو (نقشبندی سلسلے کے) حضور (قلب) کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس مقام میں، آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی (اندراج نہایت در بدایت) کا منظر در پیش ہوتا ہے۔ ان بزرگ (خواجہ صاحبؒ) نے فرمایا کہ نقشبندی نسبت دراصل اسی حضور (قلب) جو ابتدا (بدایت) ہی میں بے شمار ابتداؤں (بدایات) اور درمیانی درجوں (اوساط) کے بیشمار پردوں کے پیچھے سے جلوہ گر ہوئی تھی نقاب چاک کر کے عیاناً جلوہ گر ہوگئی اور یہ یقین حاصل ہوگیا کہ آغاز (ہدایت) میں جو تجلی نظر آئی تھی وہ اسی اسم کی صورت تھی (جس کی حقیقت اب سامنے آئی ہے) اور وہ اسی پیکر کا سایہ یا پرچھائیں تھی اور اسی مسمیٰ کا ایک اسم تھا۔ ان دونوں (یعنی ابتدا و انتہا) میں بہت بڑا فرق ہے۔ حقیقت حال اس مقام پر پہنچ کر منکشف ہوئی اور معاملہ کا راز یہاں پہنچ کر ظاہر ہوا، جس نے اس ذوق کو چکھا ہی نہیں وہ اسے ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔''[۲۲]

نیز آپ اپنے حصول سلوک کے تفصیلی حالات اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں جو مولانا ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے اور جلد اول کے مکتوب نمبر ۲۹۰ میں درج ہے۔ وہ یہاں تبرکاً درج کیا جاتا ہے۔

''اے بھائی! خدا تجھے سیدھے راستے کی ہدایت دے، تجھے جاننا چاہیئے کہ جب اس درویش کو اس راہ کی ہوس پیدا ہوئی تو حق تعالیٰ نے ہادئ راہ ہو کر ولایت پناہ، حقیقت آگاہ، اندراج النہایت فی البدایت کے طریقے کی ہدایت کرنے والے اور درجات ولایت تک پہنچانے والے راستے کے والی اور پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے، ہمارے شیخ آقا اور امام خواجہ محمد باقی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچایا جو سلسلۂ حضراتِ نقشبندیہ قدس سرہم کے ایک بہت بڑے خلیفہ تھے۔''

تعلیمِ ذکرِ اسمِ ذات

انہوں نے اس درویش کو ذکر اسم ذات تعلیم فرمایا اور مقررہ طریق سے ایسی توجہ فرمائی کہ مجھ کو کمال لذت حاصل ہوئی اور کمال شوق سے گریہ شروع ہوا۔

بیخودی وفنائیت

پھر ایک روز کے بعد بے خودی کی کیفیت جوان بزرگواروں کے نزدیک معتبر ہے اور غیبت سے موسوم ہے مجھ پر طاری ہوئی، اس بے خودی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ ایک محیط سمندر ہے

جس میں تمام عالم کی صورتیں اور شکلیں اس طرح نمایاں ہیں جیسے پانی میں چیزوں کے عکس نظر آتے ہیں۔ یہ بے خودی آہستہ آہستہ غالب آتی گئی اور دیر تک رہنے لگی۔ کبھی ایک پہر اور کبھی دو پہر تک اور بعض مرتبہ رات بھر یہی حالت رہتی۔

فنائے فنا

جب میں نے یہ حالت حضرت پیرومرشد خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے عرض کی تو آپ نے فرمایا ''تھوڑی سی فنا حاصل ہوگئی ہے۔'' پھر آپ نے مجھے ذکر سے منع فرمایا اور اس آگاہی کی نگہداشت کا حکم دیا۔ دو دن کے بعد مجھے فنائے اصطلاحی حاصل ہوگئی۔ جب اس کی کیفیت حضرت خواجہؒ سے عرض کی تو آپ نے فرمایا ''اپنے کام میں لگے رہیں۔'' بعد ازاں فنائے فنا حاصل ہوئی۔ پھر عرض کیا تو آپ نے فرمایا ''کیا آپ تمام جہان کو ایک دیکھتے ہیں اور ذات واحد کے ساتھ متصل پاتے ہیں۔'' میں نے عرض کیا حضور ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا ''فنائے فنا میں قابل اعتبار یہ بات ہے کہ اس اتصال کے دیکھنے کے باوجود بے شعوری حاصل ہو۔'' چنانچہ اسی شب اس قسم کی فنائے فنا حاصل ہوگئی۔ میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں اس کی کیفیت بھی عرض کی کہ میں اپنے علم کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی نسبت علم حضوری پاتا ہوں (یعنی علم حصولی پالینے کے بعد بلاتوسطِ حصول صورت علمِ حضوری پاتا ہوں) اور جو اوصاف میری طرف منسوب تھے حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف منسوب پاتا ہوں۔

مرتبہء علمی

پھر ایک سیاہ رنگ کا نور ظاہر ہوا جو تمام اشیائے عالم کو گھیرے ہوئے تھا۔ میں سمجھا کہ حق تعالیٰ یہی ہے۔ میں نے عرض کیا تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا ''حق جل سلطانہ مشہود ہے لیکن نور کے پردہ میں''۔ نیز فرمایا کہ ''یہ انبساط اور پھیلاؤ جو اس نور میں دکھائی دیتا ہے (دراصل) علم میں ہے کیونکہ ذات حق جل شانہ کا تعلق متعدد اشیاء کے ساتھ ہے جو کہ اوپر نیچے واقع ہوئی ہیں اس لئے منبسط اور پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس انبساط کی بھی نفی کرنی چاہئے۔'' اس کے بعد وہ پھیلا ہوا سیاہ نور سکڑنے اور کم ہونے لگا حتیٰ کہ ایک نقطہ سا بن گیا۔

مقامِ حیرت وحضور نقشبندیہ

حضرت نے فرمایا ''اس نقطہ کی بھی نفی کرنی چاہئے اور مقام حیرت میں آجانا چاہئے۔'' میں نے ایسا ہی کیا وہ نقطۂ موہوم بھی درمیان سے زائل ہوگیا اور مقام حیرت حاصل ہوگیا۔ جس مقام

میں حق تعالیٰ کا شہود (پردۂ نور کے بغیر) خود بخود ہے۔ جب میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں یہ کیفیت عرض کی تو فرمایا کہ ''یہی حضور حضرات نقشبندیہ کا حضور ہے اور نسبت نقشبندیہ اسی حضور کو کہتے ہیں اور اس حضور کو حضور بے غیبت بھی کہتے ہیں اور بدایت میں نہایت کا مندرج ہونا اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے اور اس طریقہ میں طالب کو اس نسبت کا حاصل ہونا ویسا ہی ہے جیسا کہ دوسرے سلسلوں میں طالب کا اپنے پیر سے اذکار و اوراد اخذ کرنا تاکہ ان پر عمل کر کے مقصود تک پہنچے۔

قیاس کُن زگلستان من بہار مرا''

فنائے حقیقی

اس خاکسار کو یہ عزیز الوجود نسبت ذکر کی تعلیم کی ابتدا سے دو ماہ اور چند روز بعد حاصل ہو گئی تھی اور اس فنا کے حاصل ہونے کے بعد ایک اور فنا حاصل ہوئی جس کو فنائے حقیقی کہتے ہیں اور دل کو اس قدر وسعت حاصل ہوئی کہ عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام عالم (موجودات) کی اس وسعت کے مقابلہ میں رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی قدر نہ تھی۔

مرتبۂ حق الیقین و مرتبۂ جمع الجمع

بعد ازاں میں اپنے آپ کو اور ہر فرد عالم کو بلکہ ہر ذرہ کو دیکھتا تھا کہ یہ سب حق تعالیٰ ہے۔ اس کے بعد دنیا کے ہر ذرہ کو الگ الگ اپنا عین دیکھا اور اپنے آپ کو ان سب کا عین پایا۔ یہاں تک کہ تمام عالم کو ایک ذرہ میں گم پایا اس کے بعد اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرہ کو اس قدر منبسط اور وسیع دیکھا کہ تمام عالم بلکہ اس سے کئی گنا اور عالم اس میں سما سکیں بلکہ اپنے آپ کو اور ہر ذرہ کو ایسا پھیلا ہوا نور پایا جو ہر ذرہ میں سرایت کئے ہوئے ہے اور عالم کی صورتیں اور شکلیں اس نور میں گھل مل گئی اور فنا ہو گئی ہیں۔ بعد ازاں اپنے آپ کو بلکہ ہر ایک ذرے کو تمام جہان کے قائم رہنے کا باعث معلوم کیا۔ جب یہ کیفیت حضرت خواجہؒ سے عرض کی تو فرمایا کہ ''توحید میں حق الیقین کا مرتبہ یہی ہے اور جمع الجمع اسی مقام کو کہتے ہیں۔''

بعد ازاں جہان کی تمام صورتیں اور شکلیں جن کو پہلے حق تعالیٰ معلوم کرتا تھا اب وہ وہمی اور خیالی دکھائی دینے لگے۔ پہلے ہر ذرہ کو بغیر کسی فرق و تمیز کے حق تعالیٰ پاتا تھا اور اب اسی ذرہ کو موہوم پایا۔ نہایت حیرت حاصل ہوئی اور اس اثنا میں ''فصوص الحکم'' کی وہ عبارت جو میں نے اپنے والد بزرگوار علیہ الرحمہ سے سنی تھی یاد آئی۔ وہ یہ کہ صاحب ''فصوص'' نے فرمایا ہے:

Marfat.com

ان شئت قلت انه ای العالم حق و ان شئت قلت انه خلق و ان شئت قلت انه حق من وجه و خلق من وجه و ان شئت قلت بالحیرت لعدم التمیز بینهما.

(ترجمہ: اگر تو چاہے تو کہے کہ عالم حق ہے اور اگر چاہے تو کہے کہ عالم خلق ہے اور اگر چاہے تو کہے کہ یہ ایک اعتبار سے حق اور ایک اعتبار سے خلق ہے اور اگر تو چاہے تو ان دونوں میں تمیز نہ ہونے کے باعث حیرت کہے یعنی یہ سب بجا ہے)

اس عبارت سے اس اضطراب کو کسی قدر تسکین ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی حالت عرض کی تو ارشاد فرمایا

مرتبۂ فرق بعد الجمع

ارشاد فرمایا "ابھی تمہارا حضور صاف نہیں ہوا، اپنے کام میں مشغول رہیں حتیٰ کہ موجود اور موہوم میں تمیز ہو جائے۔" میں نے "فصوص" کی وہ عبارت عرض کی جس سے عدم تمیز ظاہر ہوتی تھی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "شیخ ابن عربی قدس سرہ نے اپنی اس عبارت میں کامل شخص کا حال بیان نہیں کیا، عدم تمیز بھی بعض اشخاص کی نسبت ثابت ہے۔" حسب الارشاد میں اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض آنجناب (پیرومرشدنا) کی توجۂ شریف سے دو روز کے بعد موجود اور موہوم کے درمیان تمیز ظاہر فرما دی یہاں تک کہ میں نے موجود حقیقی کو موہوم خیالی سے ممتاز پایا اور ان صفات و افعال و آثار کو جو موہوم دکھائی دیتے تھے۔ میں نے حق سبحانہ سے دیکھا اور ان صفات و افعال کو بھی محض موہوم پایا اور خارج میں بجز ایک ذات کچھ موجود نہ دیکھا۔ جب میں نے یہ حالت حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کی تو ارشاد فرمایا کہ "مرتبۂ فرق بعد الجمع یہی ہے اور سعی و کوشش کی انتہا یہیں تک ہے۔ اس سے مزید جو کچھ کسی کی فطرت و استعداد میں مقدر کیا گیا ہے ظاہر ہو جاتا ہے اور اس مرتبہ کو مشائخ طریقت نے مقام تکمیل کہا ہے۔

سکر و صحو

جاننا چاہئے کہ اس درویش کو جب اول مرتبہ میں سکر سے صحو میں لائے اور فنا سے بقا کے ساتھ مشرف فرمایا تو جب اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں نظر کی تو حق تعالیٰ کے سوا کچھ نہ پایا اور ہر ذرہ کو اس کے شہود کا آئینہ معلوم کیا۔ اس مقام سے پھر حیرت میں لے گئے۔ جب ہوش میں لائے تو حق تعالیٰ کو اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ پایا نہ کہ ہر ذرہ میں اور پہلا مقام اس دوسرے مقام کی نسبت بہت نیچے نظر آیا۔ پھر حیرت میں لے گئے جب ہوش میں لائے تو اس مرتبہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ کو نہ عالم کے متصل پایا نہ اس کے منفصل اور نہ

عالم میں داخل اور نہ اس سے خارج معلوم کیا۔ معیت اور احاطہ اور سریان کی نسبت جس طرح کہ اول پاتا تھا بالکل منتفی ہوگئی، باوجود اس کے اسی کیفیت پر مشہود ہوا بلکہ اس طرح پر کہ گویا محسوس ہے اور عالم بھی اس وقت مشہود تھا لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ اس نسبت مذکورہ سے کچھ نہ رکھتا تھا۔ پھر حیرت میں لے گئے۔ جب صحو میں لائے تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو عالم کے ساتھ اس نسبت مذکورہ کے علاوہ ایک اور نسبت ہے اور وہ نسبت مجہول الکیفیت ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ مجہول الکیفیت نسبت سے مشہود ہوا۔

پھر حیرت میں لے گئے اور اس مرتبہ میں ایک قسم کا قبض طاری ہوگیا۔ پھر جب ہوش میں لائے تو حق تعالیٰ اس مجہول الکیفیت نسبت کے بغیر اس طرح مشہود ہوا کہ عالم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا نہ ہی معلوم الکیفیت اور نہ ہی مجہول الکیفیت اور اس وقت عالم اسی خصوصیت سے مشہود تھا۔ اس وقت ایک خاص علم عنایت ہوا جس کے باعث ہر دو شہود کے حاصل ہونے کے باوجود خلق اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی مناسبت نہ رہی۔ اس وقت مجھے بتایا گیا کہ اس صفت و تنزیہ کا مشہود ذات حق نہیں ہے، حق تعالیٰ اس سے برتر ہے بلکہ یہ اس کے تکوین کے تعلق کی صورت مثالی ہے کیونکہ حق تعالیٰ تعلقات کونی سے بالاتر ہے خواہ وہ تعلق معلوم الکیفیت ہو یا مجہول الکیفیت ہیہات ہیہات۔

کیف الوصول الیٰ سعاد و دونہا　　　قلل الجبال و دونہن خیوف [۴۳]

(میں اپنی محبوبہ تک کس طرح پہنچوں جبکہ اس کے راستے میں پہاڑوں کی چوٹیاں اور بڑے بڑے غار حائل ہیں)

نسبتِ مرادیت ومحبوبیت

الحاصل آپ نے دقائق علیہ، وارداتِ مرضیہ اور احوالِ شریفہ بہت ہی کم مدت میں حاصل فرمائے جو اور سالکوں کو برسوں میں بھی حاصل نہیں ہوسکتے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اندر نسبت محبوبیت ومرادیت اور اس نسبت والوں کو مریدیت ومحبیت کی نسبت والوں کے مقابلے میں بلا محنت ومشقت بہت جلد سلوک طے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضور نے ایک دن واقعات میں سے کسی واقعہ میں فرمایا تھا کہ اگر خاکسار میں محبوبیت کے معنی نہ ہوتے تو مقصود تک پہنچنے میں بہت توقف ہوتا اور اس نسبت کو بھی جو خاکسار کی محبوبیت کو حضور کی عنایت کے ساتھ ہے، بیان فرمایا تھا اس سے بڑی بھاری امید وابستہ ہے اور یہ جرأت وگستاخی اسی وجہ سے ہے۔" [۴۴]

Marfat.com

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ نے اسی دوران میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے سابقہ حالات استخارہ اور طوطا دیکھنے کی کیفیات بیان فرمائیں، نیز فرمایا کہ جب میں تمہارے شہر سرہند پہنچا تو واقعہ (خواب) میں مجھے دکھایا گیا کہ میں قطب کے پڑوس میں اترا ہوا ہوں اور مجھے اس قطب کا حلیہ بھی دکھایا گیا۔ اسی صبح کو میں اس شہر کے درویشوں اور گوشہ نشینوں کی ملاقات کے لئے روانہ ہوا۔ ہر ایک جماعت کو دیکھا لیکن کسی کو اس حلیہ کے مطابق نہیں پایا اور نہ ہی کسی میں قطب ہونے کے آثار و حالات دیکھنے میں آئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید اس شہر کا کوئی شخص جو اس بات کی قابلیت رکھتا ہو، آئندہ ظاہر ہونے والا ہوگا۔ پھر جس روز آپ کو دیکھا تو آپ کا تمام حلیہ اس کے موافق پایا اور اس قابلیت (قطبیت) کی نشانی بھی آپ کے اندر مشاہدہ ہوئی ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہوا تھا کہ میں نے ایک بہت بڑا چراغ روشن کیا اور مشاہدہ ہوتا تھا کہ ساعت بساعت اس چراغ کا نور بڑھتا جاتا تھا اور یہ بھی مشاہدہ کیا کہ لوگوں نے اس چراغ سے بہت سے چراغ روشن کر لئے ہیں اور جب میں سرہند کے نواح میں پہنچا تو میں نے اس جگہ کے جنگل و صحرا کو مشعلوں سے پُر دیکھا۔ اس کو بھی میں آپ ہی کے متعلق اشارہ سمجھتا ہوں۔[۲۵]

حضرت خواجہؒ کی رائے عالی

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں ابھی چند ہی روز گزرنے پائے تھے کہ حضرت خواجہؒ نے اپنے ایک دوست کے خط میں آپ کی نسبت یہ تحریر فرمایا:۔

> ''اہل سرہند سے ایک بزرگ شیخ احمد بڑے عالم فاضل ہیں جو کہ قوت عمل سے متصف ہیں۔ فقیر نے چند روز ان کی صحبت میں نشست و برخاست کر کے بہت سے عجائب روزگار کا مشاہدہ کیا۔ وہ ایک چراغ ہیں جو بہت عالم کو منور کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے ان کے کامل احوال کا مجھے یقین واثق ہوگیا ہے۔ شیخ موصوف کے چند بھائی اور رشتہ دار بھی ہیں جو سب کے سب صالح اور عالم ہیں۔ ان میں چند ایک سے ملاقات ہوئی۔ وہ جواہر عالیہ ہیں عجیب استعداد کے مالک ہیں۔ شیخ کے صاحبزادے جو ابھی بہت کم سن ہیں، اسرار الٰہی اور شجرۂ طیبہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اچھی طرح نشو و نما کرے۔ اللہ تعالیٰ کے دروازہ کے فقیروں کے دل بھی عجیب ہیں۔''[۲۶]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یقین تکمیل

صاحب ''برکات احمدیہ'' لکھتے ہیں کہ اس فقیر نے خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جس روز سے حضرت خواجہ قدس سرہ نے مجھے تعلیم طریقت دینی شروع کی، اسی دن سے مجھے یقین ہوگیا تھا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے عنقریب اس راہ کی نہایت کو پہنچائے گا اگرچہ میں ہر چند اس یقین

Marfat.com

کی نفی کرتا تھا لیکن کسی طرح بھی یہ خیال میرے دل سے نہ نکلتا تھا اور اکثر یہ شعر زبان پر جاری ہو جاتا تھا۔

ازیں نورے کہ از تو بردلم تافت یقین دانم کہ آخر خوا ہمت یافت

اس بیان کے بعد آپ بہ انکسار و نیاز مندی و استغراق اور پُرنم آنکھوں کے ساتھ کلمۂ تحمید (الحمدللہ) زبان پر لائے۔[۲۷]

حضرت کی توجہ و تصرف

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ نے ہمارے برادر طریقت شیخ تاج کو اس خدمت پر مامور کر رکھا تھا کہ وہ یارانِ طریقت کے بعض احوال و وقائع کو ان سے سُن کر آپ سے بیان کیا کریں مگر میرے احوال کو اس سے مستثنیٰ کر رکھا تھا۔ آپ خود مجھ سے دریافت کرتے تھے اور میں حضرت خواجہؒ کی خدمت میں جا کر کچھ نہیں کہتا تھا۔ ایک دن آپ نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اپنے احوال مجھ سے کچھ بیان نہیں کرتے۔ میں نے تواضع کے طور پر عرض کیا کہ میرے ایسے حالات ہی کیا ہیں جو گوش گزار ہونے کے قابل ہوں۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا نہیں تم ضرور بیان کرو خواہ معمولی واقعہ ہی ہوا کرے۔ اتفاقاً انہی دنوں مجھے ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ میں شیخ تاج کی طرف متوجہ ہوا اور ان پر میں نے اپنا تصرف کیا چنانچہ وہ بے خود ہو کر زمین پر گر پڑے۔ جب میں نے اظہار واقعہ کے بارے میں حضرت خواجہ کا اصرار دیکھا تو لامحالہ اس مذکورہ واقعہ کا اظہار کر دیا۔ حضرت خواجہؒ یہ بات سُن کر خاموش ہو رہے اور میں بھی خاموش ہو گیا۔[۲۸]

اس واقعہ سے آپ کی بلندیٔ ہمت، علو استعداد و قابلیت اور آداب پیر کی کثرت رعایت اور تھوڑے عرصہ میں ایسے بلند مرتبہ پر فائز ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

واپسی سرہند شریف

غرضیکہ جب حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو کامل و مکمل پایا تو نسبت خاصہ القا فرما کر اور خلافت و اجازت کا ملہ عطا کر کے اپنے چند طالبان صادق آپ کے ہمراہ روانہ فرمائے اور آپ کو وطن مالوف سرہند کی طرف رخصت کیا۔ پس بکثرت انعامات کے ساتھ اپنے وطن تشریف لے آئے اور حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے ارشاد کے مطابق طالبین کی تربیت اور سالکین کی ہدایت میں مشغول ہو گئے اور تھوڑی ہی مدت میں ہزار ہا طالبوں کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب و شاداب کر دیا۔[۲۹]

گوشہ نشینی

اسی زمانے میں طالبوں کی تربیت کے دوران آپ کو اپنے کمال میں نقص کا علم پیدا ہوا اور اس اعلیٰ کمال کو

Marfat.com

حاصل کرنے کے لئے طالبوں کو رخصت کر دیا اور گوشۂ تنہائی اختیار فرمایا۔[۱۳۰] چنانچہ مولانا ہاشم کشمی کی طرف تحریر فرماتے ہیں:

''اے برادر! جب حضرت خواجہ نے مجھ کو کامل مکمل جان کر تعلیم طریقہ کی اجازت فرمائی اور طالبوں کی ایک جماعت کو میرے حوالہ کیا تو اس وقت مجھ کو اپنے کمال و تکمیل میں تردد تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تردد کا کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ مشائخ عظام نے اس مقام کو کمال و تکمیل کا مقام فرمایا ہے۔ اگر اس مقام میں تردد کریں تو مشائخ کی کمالیت میں تردد لازم آتا ہے۔ حسب ارشاد طریقت کی تعلیم کو شروع کیا اور طالبوں کے کام میں توجہات کو مدنظر رکھا اور طالبوں میں اس کا بڑا اثر محسوس ہوا یہاں تک کہ سالکوں کا سالوں کا کام گھڑیوں میں ہونے لگا۔ کچھ مدت تک اس کام کو بڑی سرگرمی اور مستعدی سے کرتا رہا۔

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ

آخر کار اپنے نقص کا علم پیدا ہوا اور ظاہر کیا گیا کہ تجلی ذاتی برقی جس کو مشائخ کبار نے نہایت کہا ہے، اس راہ میں کوئی پیدا نہیں ہوئی اور نیز معلوم نہیں ہوا کہ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کیا چیز ہے۔ پس اس قسم کے کمالات کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس وقت اپنے نقص کا علم روشن ہو گیا۔ وہ طالب جو میرے پاس جمع تھے سب کو اکٹھا کر کے اپنا نقص ان سے بیان کیا اور سب کو رخصت کر دیا لیکن طالب اس بات کو کسر نفسی سمجھتے ہوئے اپنے عقیدے سے نہ پھرے۔ کچھ مدت کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل احوالِ منتظرہ (یعنی تجلی ذاتی برقی و معنئ سیر الی اللہ فی اللہ) کو عطا فرما دیا۔''[۱۳۱]

بعض اہل غرض و اصحاب رشک نے گوشہ نشینی کے اس معاملہ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں دوسرے انداز سے بیان کیا۔ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو اس کی بابت معلوم ہوا تو آپ نے اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا جس میں تحریر فرمایا:۔

''جس روز سے خادم حضور کی خدمت سے واپس آیا ہے فوق کی طرف رغبت ہونے کے سبب مقام ارشاد کے ساتھ چنداں مناسبت نہیں رکھتا۔ کچھ مدت تک یہ ارادہ رہا کہ گوشہ نشین ہو جائے کیونکہ لوگ صحبت میں شیر ببر کی طرح نظر آتے تھے۔ گوشہ نشینی کا ارادہ پختہ ہو چکا تھا لیکن استخارہ اس کے موافق نہیں آتا تھا۔ قرب کے مدارج میں اگرچہ ان کی کوئی انتہا نہیں ہے تاہم انتہا درجہ تک عروج حاصل ہوا اور ہوتا ہے اور کبھی اوپر لے جاتے ہیں کبھی نیچے لے آتے ہیں۔ کل یوم ھو فی شان (اللہ تعالیٰ ہر روز ایک نئی شان میں ہے) تمام مشائخ کے مقامات پر عروج میسر

Marfat.com

ہوالا ماشآاللہ

گلے بردند زیں دہلیزۂ پست بداں درگاہِ والادست بردست

اس اثناء میں اگر مشائخ کی روحانیات کے واسطہ در واسطہ ہونے کو گننے لگوں تو بات لمبی ہو جائے، مختصر یہ کہ تمام مقامات اصلی سے ظلی مقامات کی مانند گزر کرایا۔ خدائے تعالیٰ کی عنایات کا کیا بیان کرے۔ قبل من قبل بلاعلة (جو شخص قبول ہوا ہے بلاسبب و وسیلہ قبول ہوا) اتنی قسم کی ولایت اور ان کے کمالات ظاہر کئے کہ بندہ کیا عرض کرے۔

ماہِ ذی الحجہ[۳۲] میں نزول کے درجوں میں مقام قلب تک نیچے لے آئے اور یہ مقام تکمیل و ارشاد کا مقام ہے لیکن ابھی اس مقام کے لئے تمام وکمال تک پہنچانے والی چیزیں درکار ہیں۔ دیکھئے کب حاصل ہوتی ہیں۔ یہ کام آسان نہیں ہے۔ مراد ہونے کے باوجود اس قدر منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں کہ مریدوں کو عمر نوح میں بھی ان کا طے کرنا میسر نہیں ہوتا بلکہ اس قسم کے کمالات مریدین ہی کے ساتھ مخصوص ہیں، مرید اس جگہ قدم نہیں رکھتے۔ افراد کا نہایت عروج مقام اصل کی ابتدا تک ہے (بلکہ) بہت سے افراد کا بھی گزر نہیں ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء و اللہ ذوالفضل العظیم۔

تکمیل وارشاد کے مراتب میں توقف کی وجہ یہی ہے اور نورانیت کا نہ ہونا ظلمت غیب کا نور ظاہر ہونے کے سبب سے ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے، لوگ اپنے آپ خیال کے مطابق کئی باتیں بناتے ہیں۔ ان پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔

درنیا بدحال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

اس قسم کی ظنی باتوں کے اندیشہ میں ضرر کا احتمال غالب ہے۔ آپ ان لوگوں کو فرمادیں کہ اس خستہ دل کے حالات سے اپنی خیالی نظر کو بند کرلیں۔ نظر ڈالنے کے لئے اور بہت سے مواقع ہیں۔

من گم شدہ ام مرا مجوئید باگم شدگان سخن مگوئید

خدائے تعالیٰ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے۔ جس امر کو اللہ تعالیٰ کامل کرنا چاہتا ہے اس میں نقص نکالنے اور عیب لگانے کی گفتگو کرنا مناسب نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔''[۳۳]

دہلی کا دوسرا سفر

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو اپنے مرشد کامل حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی زیارت کا اشتیاق

Marfat.com

مالایطاق موجزن ہوا تو آپ سرہند[۳۴] سے دہلی تشریف لائے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے مع اپنے خلفا و مریدین آپ کا استقبال کیا اور نہایت اعزاز واحترام کے ساتھ خانقاہ شریف میں ٹھہرایا۔

اس مرتبہ آپ نے اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں مدت تک قیام کیا اور حضرت خواجہؒ کی صحبت بابرکت سے مقام و مرتبہ کو مزید بلند کیا اور پہلے کی نسبت بہت ترقی حاصل کی۔ ان مقامات بلند اور فضائل ارجمند کے باوجود آپ اپنے پیر بزرگوار کے ادب کی رعایت اس درجہ کرتے تھے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ صاحب ''زبدۃ المقامات'' تحریر فرماتے ہیں کہ خواجہ حسام الدینؒ نے خود مجھ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بہت تعریف وتوصیف کرنے کے بعد فرمایا کہ آپ (حضرت مجدد علیہ الرحمہ) باوجود علوِ مرتبت و کثرتِ فضیلت اپنے پیر دستگیر کے ادب کی کمال رعایت کرتے تھے اور خواجہ علیہ الرحمہ کے مریدوں میں آپ جیسا کوئی شخص نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اوروں سے پہلے آپ کو برکات نصیب ہوئے۔ نیز آپ (خواجہ حسام الدینؒ) نے اس فقیر (خواجہ ہاشم کشمیؒ) سے یہ بھی فرمایا کہ جن دنوں حضرت خواجہ علیہ الرحمہ ان خلیفۂ عالی درجات یعنی تمہارے شیخ پر نہایت التفات رکھتے تھے اور ان کی توقیر واحترام میں کمال مبالغہ کرتے تھے، مجھے آپ کے بلانے کے لئے بھیجا۔ جونہی میں نے آپ سے کہا کہ آپ کے پیر دستگیر آپ کو طلب کرتے ہیں آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور خوف وبیم سے اس قدر مضطرب ہوئے کہ قریب تھا کہ رعشہ پیدا ہو جاتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ جو میں نے سنا تھا کہ اہل قرب کو حیرانی زیادہ ہوتی ہے تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔[۳۵]

خود حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی رسالہ ''مبدأ و معاد'' میں اس کا ذکر کیا ہے کہ ''ہم چار آدمی اپنے خواجہ (باقی باللہؒ) کی خدمت میں ایسے تھے کہ لوگوں کی نگاہوں میں باقی دوستوں کی نسبت ہمیں خاص امتیاز حاصل تھا۔ حضرت خواجہؒ کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا اعتقاد علیحدہ تھا اور معاملہ بھی جدا تھا۔ یہ فقیر تو یقین کے ساتھ یہ سمجھتا تھا کہ اس قسم کی صحبت اور یکجائی اور اس طرح کی تربیت اور ہدایت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے زمانے کے بعد سے کبھی بھی کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتا تھا کہ اگرچہ خیر البشر علی وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے شرفِ صحبت سے مشرف نہیں ہوسکا تاہم اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا (چند سطور کے بعد) چنانچہ ہم میں سے ہر ایک کو اس کے اعتقاد کے اندازہ کے مطابق ہی حصہ ملا۔[۳۶]

بہرکیف آپ نے یہ یمن و برکات مراعاتِ آداب دیکھا جو کچھ کہ دیکھا یہاں تک کہ حضرت خواجہؒ نے ایثار کر کے جس قدر نسبہائے[۳۷] عالیہ تھیں آپ کو عطا کیں ...... اور تاج تربیت وارشاد آپ کے سر پر رکھا اور تمام کاروبار تربیت آپ کے حوالے کر دیا۔[۳۸]

واپسی سرہند شریف

اس کے بعد آپ بکثرت مزید انعامات کے ساتھ اپنے وطن مالوف سرہند تشریف لے آئے۔ جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں ''باز آمدیم باصد ہزار خلعت وفتوح'' اور مدت تک سالکوں کو اپنے فیوض و برکات سے مستفیض فرماتے

Marfat.com

رہے اور اسی ضمن میں اپنے احوال عظیمہ اور اپنے دوستوں اور پیر بھائیوں کی ترقی کے حال احوال اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں عرض کرتے رہے۔ خود حضرت خواجہ قدس سرہ بھی اپنے ان دوستوں کے حالات آپ سے دریافت کرتے رہتے تھے جو دہلی سے آپ کے ہمراہ گئے تھے کہ آپ سرہند سے ان کی ترقی اور قابلیت معلوم کر کے لکھتے رہیں۔ اسی طرح حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے بعض دقائق علوم اور درجات و مقامات ارباب معرفت و تحقیق بھی آپ سے استفسار فرمائے اور جو کچھ آپ نے اس کے متعلق عرض خدمت کیا موجب اطمینان خاطر شریف ہو۔[۳۹]

اس کے بعد ۱۰۱۰ھ کے خصوصی واقعات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے چوتھے صاحبزادہ خواجہ محمد فرخؒ کی ولادت باسعادت اور پیرزادگان خواجہ عبید اللہؒ عرف خواجہ کلاں کی یکم ربیع الاول ۱۰۱۰ھ اور خواجہ عبداللہؒ عرف خواجہ خورد کی رجب ۱۰۱۰ھ میں ولادت باسعادت ہوئی۔

مولانا نسیم احمد صاحب امروہوی نے ماہنامہ "الفرقان" بماہ جمادی الاخری ۱۳۷۲ھ "اسراریہ" کے حوالہ سے تمام تذکرہ نویسوں کے برعکس خواجہ عبید اللہ کو صاحبزادہ خورد اور خواجہ عبداللہ کو صاحبزادہ کلاں ثابت کیا ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

تجدید کا پہلا سال

(از جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ)

علامات تجدید

حضرت خواجہ محمد زبیر قدس سرہ فرماتے ہیں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ پر تجدید الف ثانی کی پہلی علامت و نشانی یہ ظاہر ہوئی کہ آپ سے عین شرعی امور کے مطابق مشاہدات، تجلیات، ظہورات، احوال، معارف اور علوم ظاہر ہونے لگے اور وحدت وجود کے متعلقہ حالات جو اس سے پیشتر آپ پر ظاہر ہوئے تھے، مفقود ہو گئے کیونکہ وہ حالات ولایت صغریٰ سے ہیں جو اولیاء کی ولایت ہے۔[۴۱]

جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ولایت صغریٰ سے ترقی کر کے ولایت کبریٰ و ولایت علیا اور کمالاتِ نبوت حاصل کیے تو آپ پر علوم و معارف شرعیہ جو معارف انبیاءؑ ہیں، ظاہر ہونے لگے اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تجدید الفِ ثانی کی خلعت سے آپ کو نوازا[۴۲] فسبحان اللہ و بحمدہ

نزولِ خلعتِ تجدید

بروز جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ صبح کے وقت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ حلقہ مراقبہ فرما رہے تھے تو حالتِ کشفی میں دیکھتے ہیں کہ حضور انور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مع اولیائے کرامؒ کی ایک جماعت کے تشریف فرما ہوئے ہیں اور خود اپنے دست مبارک سے ایک نہایت فاخرہ خلعت جو گویا محض نور تھی، حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کو پہنائی اور فرمایا کہ یہ تجدید الفِ ثانی کی خلعت ہے۔[۴۳]

Marfat.com

تو گوئے عارفاں راز میداں ربودۂ تجدید الف را تو سزا وا ربودۂ

نزولِ خلعتِ قیومیت

پھر چند ماہ بعد بروز پیر ۲۷ رمضان المبارک ۱۰۱۱ھ کا واقعہ ہے کہ ایک روز نماز ظہر کے بعد آپ مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک حافظ صاحب آپ کے پاس بیٹھے قرآن کریم نہایت خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے کہ یکا یک ایک اعلیٰ درجہ کی نوری خلعت آپ نے اپنے اوپر مشاہدہ کی۔ ساتھ ہی القا ہوا کہ یہ قیومت کی خلعت ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اتباع کی وجہ سے آپ کو عطا کی گئی ہے۔[۴۴]

امام ربانی محبوب سبحانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے خلعت مجددی اور خلعت قیومی کیونکر ملا ہے؟ اس کا جواب عام فہم نہیں ہے بلکہ اخص الخواص حضرات ہی اس کو کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان له قلب (اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کے لئے جس کے اندر دل ہے) بس یوں سمجھئے کہ جس طرح حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے نبوت عطا فرما کر بنی آدم کی طرف بھیجا اور انہوں نے اپنے اپنے زمانے میں دعوائے نبوت کیا، اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی قدس سرہ کو بھی حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جب مجدد الف ثانی و قیومیت کا منصب عطا ہوا تو آپ نے بھی تحدیث نعمت کے طور پر اپنے مجددیت و قیومیت کے منصب پر فائز ہونے کا اظہار فرمایا اور اپنے وقت کے علمائے ظاہر کو ظاہری دلائل سے اور علمائے باطن کو باطنی دلائل سے مطمئن کر دیا جس کا اندازہ حضرت کے مکتوبات شریف اور حضرت کی ''مجددیت'' کے باب سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ دوست تو دوست دشمن بھی آپ کے مدح خواں نظر آتے ہیں۔ اسی سال ''خزینۃ الرحمۃ'' کا خطاب بھی بارگاہ ایزدی سے آپ کو عطا ہوا۔

مجتہد کا خطاب عطا ہونا

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو اسی سال مجتہد کا خطاب عطا ہوا، چنانچہ آپ ''مبداء و معاد'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''احوال سلوک کے درمیانی حالات میں ایک مرتبہ حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے واقعہ میں اس فقیر سے فرمایا تھا کہ ''تو علم کلام کے مجتہدین میں سے ہے۔'' اسی وقت سے مسائل کلامیہ کے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی خاص رائے اور مخصوص علم ہے۔ اکثر اختلافی مسائل میں جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کے درمیان جھگڑا ہے، جب وہ مسئلہ ابتدائی طور پر سامنے آتا ہے تو حقیقت اشاعرہ کی طرف سمجھ میں آتی ہے لیکن جب نور فراست سے باریک بینی کے ساتھ غور کیا جاتا ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حق ماتریدیہ ہی کی طرف ہے۔''[۴۵]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اجتہادیہ مسائل بہت ہیں۔ یہاں صرف دو مسائل بیان کئے جاتے ہیں:۔

Marfat.com

اوّل یہ کہ متکلمین کی رائے میں شاھق الجبل یعنی پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے لوگ جن کو کسی پیغمبر علیہ السلام کی تبلیغ نہیں پہنچی اور وہ بت پرستی کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ کافر ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مؤمن ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ان لوگوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''بہت مدت کے بعد حق سبحانہ و تعالیٰ کی عنایت نے رہنمائی کی اور اس معمے کو حل کر دیا اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے اور نہ دوزخ میں بلکہ آخرت کی بعث و احیا کے بعد مقام حساب میں رکھ کر ان کو گناہوں کے اندازے کے موافق عتاب وعذاب دیں گے اور بندوں کے حقوق پورے کرنے کے بعد غیر مکلف حیوانوں کی طرح ان کو بھی معدوم مطلق اور لاشئے محض کر دیں گے۔ (چند سطور کے بعد دوم یہ کہ) فقیر کے نزدیک دار حرب کے مشرکوں کی نابالغ اولاد کے بارے میں بھی یہی (مذکورہ بالا) حکم ہے''۔ [۴۶]

مزید مسائل اجتہادیہ کے لئے ''تعلیمات'' کا باب ملاحظہ فرمائیں۔

اس سال حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے اپنے مریدوں اور خلفاء کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں باطنی ترقیاں حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔

حضرت خواجہ ہاشم کشمی قدس سرہ ''برکاتِ احمدیہ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسی سال ایک مخلص نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ عرض کیا کہ اس خادم پر عنایات خاصہ کی نظر فرمائیں تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب حضرت شیخ احمد فاروقی سرہند سے تشریف لائیں گے تو ہم ان سے تمہارے واسطے کہیں گے۔ وہ تمہارے حق میں خاص توجہات فرمائیں گے اور تھوڑی مدت میں وہ تم کو مقامات عالیہ تک پہنچا دیں گے۔ [۴۷]

حضرت خواجہؒ کا مکتوب

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ میں خط وکتابت کا سلسلہ جاری تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا نہایت شفقت ومحبت سے لبریز ایک مکتوب گرامی موصول ہوا جو درج ذیل ہے:

''حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو کمال کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچائے، بزرگوں کے پیالہ میں زمین کا حصہ بھی ہوتا ہے، اس میں سرمو تکلف نہیں جو حقیقت حال ہے لکھی جاتی ہے۔ پیر انصار قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کا مرید ہوں لیکن اگر وہ اس وقت موجود ہوتے تو باوجود پیر ہونے کے میرے مرید ہوتے جبکہ ان بے صفتوں کی یہ صفت ہو تو پھر کیونکر ان آثار وصفات کا گرفتار طلبگاری کے لوازمات پر جان کو فدا نہ کرے اور جہاں سے خوشبو دماغ میں آئے کیوں اس کے پیچھے نہ جائے۔ اب ہماری سستی اور دیر کوئی بے نیازی یا استغنا کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اشارہ پر موقوف ہے۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں   خاک برفرق قناعت بعد ازیں

ہم نے اپنی موجودہ حالت اور دلی خواہش ظاہر کر دی ہے۔ اب جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے اس کی ہدایت کرے

اور غرور و خود پسندی سے نجات دے۔"[48]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اس مکتوب گرامی کا نہایت عاجزی اور انکساری سے جواب دیا جو مکتوبات شریف کے دفتر اول میں موجود ہے۔ اس کے تین ماہ بعد پھر حضرت خواجہؒ نے مزید مندرجہ ذیل گرامی نامہ ارقام فرمایا۔

حضرت خواجہؒ کا دوسرا مکتوبِ گرامی

اللہ تعالیٰ فقراء و مساکین کو اپنے برگزیدوں کی برکات سے منزل مقصود پر پہنچائے۔ مدت سے میں نے درگاہ ولایت میں اپنی نیاز مندی عرض نہیں کی۔ اس کلمے کو سچے نامہ بہ ضرور خدمت والا میں عرض کر دیں گے۔ الحمدللہ، ایسی صورتیں خود ہی نکل آیا کرتی ہیں اور زیادہ کیا لکھوں۔ درویشوں کی باتیں آپ کی خدمت میں لکھنا نہایت بے شرمی ہے اور ظاہری وضع کی باتیں لکھنا بہت ہی بے جا ہے۔ الغرض ہمیں اپنی حد کو نظر رکھ کر فضول باتوں سے احتراز کرنا چاہئے والدعاء۔[49]

یہ استفسارات و نوازشیں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی حضرت مجدد الف ثانیؒ پر اس حد تک ہوئیں کہ آپ کے وفورِ تعطش و اشتیاق کا مندرجہ ذیل اشعار سے اندازہ ہوسکتا ہے۔

بس تشنہ و بس خرابم اے دوست　　　　در حسرت یک دم آیم اے دوست
ہر جا کہ ترشحِ تو بینم　　　　در العطش آیم و نشینم[50]

دہلی[51] کا تیسرا سفر

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مکتوبات و نوازشات نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو زیارت و ملاقات شیخ کے اشتیاق نے بے چین کر دیا اور آپ بے اختیار دہلی روانہ ہوگئے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کو جب آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی تو پاپیادہ مع خلفاء و مریدین شہر سے باہر استقبال کے لئے تشریف لائے اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو خانقاہ شریف میں لائے اور قیام کا انتظام فرمایا۔

اس مرتبہ مجدد الف ثانی قدس سرہ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی صحبت میں مزید عروج و کمال حاصل ہوا۔ بسا اوقات حضرت خواجہ علیہ الرحمہ اپنی موجودگی میں آپ کو بر سر حلقہ بٹھاتے اور صبح و شام مراقبہ کے حلقوں کا مقتدا مقرر فرماتے اور خود بھی آپ کے حلقہ میں تمام مریدوں کی طرح مستفیدانہ شرکت فرماتے اور جب حضرت خواجہؒ حلقہ سے اپنی قیام گاہ تشریف لاتے تو نہایت ادب کا لحاظ کرتے ہوئے چند قدم تک الٹے پاؤں واپس ہوتے تھے اور دوستوں کو بھی تاکید فرماتے تھے کہ جو استقبال و متابعت ہم ان کے ساتھ کرتے ہیں آپ بھی کیا کریں اور ان کے ساتھ دوستانہ سلوک اختیار کریں بلکہ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ ان کی موجودگی میں اپنے باطن کو ہماری طرف متوجہ نہ رکھا کریں۔[52]

Marfat.com

حضرت خواجہ میر محمد نعمانؒ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ساتھ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی تواضعات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت مجددؒ اپنے حجرے میں تخت پر آرام فرما رہے تھے کہ اتفاقاً حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ تنہا آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ خادم نے آپ کو بیدار کرنا چاہا لیکن حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے نہایت مبالغہ کے ساتھ اس کو بیدار کرنے سے منع فرما دیا اور خود حجرہ کے دروازہ کے باہر نہایت ادب و نیاز کے ساتھ آپ کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ آپ حالانکہ گہری نیند سو رہے تھے لیکن ایک لمحہ بھی نہ گزرا تھا کہ فوراً اٹھ بیٹھے اور دریافت فرمایا کہ باہر کون صاحب ہیں؟ حضرت خواجہؒ نے نہایت ادب [۵۳] کے ساتھ فرمایا: فقیر محمد باقیؒ۔ آپ فوراً اپنے تخت سے مضطرب ہو کر اٹھے اور باہر آ کر نہایت فقر و انکساری کے ساتھ آپ کی خدمت میں آ بیٹھے۔ [۵۴]

انہی ایام میں حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے اپنے صاحبزادگان خواجہ عبید اللہؒ و خواجہ محمد عبد اللہؒ کو جو اس وقت شیر خوار تھے، آپ کے روبرو پیش کر کے ان دونوں کے حق میں توجہ کے لئے ارشاد فرمایا۔ آپ نے حسب الامر توجہ فرمائی جس کے آثار اسی وقت ظاہر ہو گئے اور حضرت خواجہؒ کے ارشاد کے مطابق ہر دو صاحبزادگان کی والدات کے حق میں بھی غائبانہ توجہ فرمائی۔ [۵۵] چنانچہ مکتوبات شریف میں ہر دو صاحبزادگان کے نام صادر ہوا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"یہ فقیر تین مرتبہ حضرت ایشاں یعنی خواجۂ بزرگوار کی قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا۔ اخیر دفعہ حضور نے اس فقیر سے فرمایا کہ بدن کی کمزوری کمال درجہ مجھ پر غالب آ گئی ہے اور زندگی کی امید کم ہے۔ بچوں کے احوال سے خبردار رہنا ہوگا اور اسی وقت اپنے حضور میں آپ کو بلایا۔ آپ اس وقت دائیوں کی گود میں تھے یعنی دودھ پیتے بچے تھے اور فقیر سے فرمایا کہ ان کی طرف توجہ کرو۔ فقیر نے حکم بموجب حضور کی خدمت میں آپ کی طرف توجہ کی حتیٰ کہ اس کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی والدات کے لئے بھی غائبانہ توجہ کرو۔ حکم کے موافق غائبانہ توجہ کی گئی۔ امید ہے کہ حضور کی برکت سے اس توجہ سے کسی قسم کے فائدے اور نتیجے حاصل ہوں گے۔ آپ ہرگز تصور نہ کریں کہ حضور کے کسی واجب الامتثال امر اور حضور کی وصیت لازمہ میں کسی قسم کی سستی یا غفلت واقع ہوئی ہو۔ ہرگز نہیں، بلکہ آپ کے ارشار اور اذن کا منتظر ہے۔" [۵۶]

صاحب "روضۃ القیومیہ" تحریر فرماتے ہیں۔

"بعد ازاں حضرت خواجہؒ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے فرمایا کہ ہم پر بھی توجہ کریں، پہلے تو آپ نے بڑے ادب و انکساری سے معافی چاہی کہ کہیں ترک ادب نہ ہو جائے لیکن آخرکار جب حضرت خواجہؒ مصر ہوئے تو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں عدم تعمیل ارشاد کے مرتکب نہ ہو جائیں اس لئے مجبوراً آپ نے دعا اور توجہ باطنی کی، حتیٰ کہ عنایت الٰہی سے ان (حضرت خواجہؒ) کا مقصود حاصل ہو گیا۔ خواجہ ہاشم رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں یہ قصہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفہ شیخ تاج کی زبانی سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ ہم شیخ احمدؒ کی توجہ مبارک سے ان مقامات میں پہنچے جو ہم نے پہلے کبھی دیکھے نہ تھے۔ان کی توجہ نے ہمیں توحید وجودی کے مقام سے نکال کر مقامات شرعیہ میں پہنچا دیا۔''

نیز صاحب ''روضۃ القیومیہ'' یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جو مکتوبات اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں لکھے ہیں، ان میں سے بعض میں تحریر فرمایا ہے کہ ''میں نے عزیز متوقف کو فلاں مقام تک پہنچا دیا اور فلاں مقام سے فلاں مقام تک ترقی کرائی۔'' جب حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے بعض احباب نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ ''عزیز متوقف سے کون صاحب مراد ہیں؟'' تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا ''میں ہی عزیز متوقف ہوں، مجھے ہی اشارۃً عزیز متوقف لکھتے ہیں۔''[۵۷]

واپسی سرہند

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کچھ عرصہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت اقدس سے فیضیاب ہوکر سرہند تشریف لے آئے۔اس کے بعد پھر آپ کو حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی صحبت میسر نہ ہوسکی۔

خانۂ کعبہ کا نزول

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کو ہمیشہ کعبۃ اللہ شریف کی زیارت کا بہت شوق رہا لیکن بعض موانعات کی وجہ سے وہ شوق پورا نہ ہوسکا۔اس سال وہ شوق بہت زیادہ ہوگیا اور بے قراری زیادہ بڑھ گئی۔ایک روز اسی بے قراری میں کشفی حالت میں کیا دیکھتے ہیں کہ جن وانس اور ملائکہ وغیرہ تمام مخلوقات نماز ادا کر رہی ہے اور آنجناب کی طرف رُخ کر کے سجدہ کر رہی ہے۔جب آپ نے توجہ کی تو معلوم ہوا کہ کعبۂ معظّمہ کی مثالی صورت نے آپ پر نزول فرمایا ہوا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جو شخص کعبہ معظّمہ کی طرف سجدہ کرتا ہے اس کا رخ آپ ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے۔اسی اثناء میں الہام ہوا کہ تم ہمیشہ کعبہ کے مشتاق رہتے تھے۔ہم نے کعبہ کو تمہاری ملاقات کے لئے بھیجا ہے۔بعد ازاں کعبۂ معظّمہ نے حضرتؒ کی خانقاہ میں حلول کیا اور خانقاہ شریف اور مسجد کی زمین کو بیت اللہ شریف کی زمین سے پوری پوری فنا و بقاء حاصل ہوگئی چنانچہ بعد میں اس متبرک جگہ کو جہاں پر کعبۂ معظّمہ کی مثالی صورت نے حلول کیا تھا، نشاندہی کے طور پر باقی حصہ سے اونچا کر کے ممتاز کر دیا گیا تھا۔آج کل وہ صفہ زیارت گاہِ عام وخاص ہے۔[۵۸]

اس کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو ظاہری طور پر فریضہ حج ادا کرنے کا شوق بے چین و بے قرار رکھتا تھا جس کا اندازہ مندرجہ ذیل مکتوب سے بخوبی ہوسکتا ہے:

''اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حقیقتِ کعبہ کے ساتھ الحاق یعنی وصول میسر ہوچکا ہے اور اس الحاق کے بعد بے شمار ترقیاں حاصل ہوچکی ہیں مگر صورتِ کعبہ کو صورتِ کعبہ کی ملاقات کا شوق

ہے۔ حج فرض ہو چکا ہے اور راستہ کا امن بھی غلبۂ سلامتی کے باعث ثابت ہو چکا ہے اور اس فرض کے ادا کرنے کا شوق بھی کمال درجہ ہے لیکن دیر پر دیر ہوتی جارہی ہے۔ سفر کا استخارہ بھی موافقت نہیں کرتا اور اگرچہ اچھی طرح سے متوجہ ہوتا ہوں پھر بھی چلنے کا راستہ نہیں کھلتا اور کعبہ تک پہنچنا نظر نہیں آتا کیا کیا جائے۔ ادائے فرض کی تاخیر میں یہ تمام عذرات فائدہ مند نہیں ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فرض حج ادا کرنے کے ارادہ پر گھر سے نکلنا چاہئے اور سر آنکھوں کے بل منزلوں کو قطع کرنا چاہئے۔ اگر پہنچ گئے تو نعمت عظمیٰ ہے اگر راہ ہی میں رہ گئے تو بھی بڑی بھاری امیدواری ہو۔[۵۹]

اس قدر شوق و بے قراری اور کثرت اشتیاق کے باوجود آپ کو آخر عمر تک فریضۂ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً کوئی بہت بڑی شرعی رکاوٹ آپ کے اس سفر کی مانع رہی ہے ورنہ آپ ضرور فریضۂ حج اور زیارت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوتے۔

تجدید کا دوسرا سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۳ھ)

لاہور کا سفر

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تیسری مرتبہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں فیض صحبت حاصل کر کے سرہند شریف واپس تشریف لے آئے۔ چند روز وہاں گزار کر پیر بزرگوار کے اشارہ وارشاد کے بموجب تبلیغ دین کے لئے لاہور تشریف لے گئے چنانچہ لاہور کے چھوٹے بڑے علماء ومشائخ نے آپ کی تشریف آوری کی خبر سُن کر پُر جوش استقبال یا اور نہایت تعظیم وتکریم سے پیش آئے۔ مولانا طاہر لاہوری، مولانا حاجی محمد، مولانا جمال الدین تلوی، خاں خاناں اور مرتضیٰ خاں وغیرہ بکثرت عوام وخواص آپ کے حلقۂ ارادت وبیعت میں داخل ہوئے اور حلقۂ ذکر ومراقبہ بہت وسیع ہوگیا۔ مجلس صحبت ہر وقت گرم رہنے لگی۔ علاوہ ازیں شیخ خواجہ فرخ حسین ماوراء النہر سے اور سید صفیر احمد رومی روم سے بہت تلاش وجستجو کے بعد لاہور ہی میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔[۶۰]

حضرت مولانا ہاشم کشمی قدس سرہ ''زبدۃ المقامات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا جمال تلوی علیہ الرحمتہ کے ایک فاضل تلمیذ نے احقر سے بیان کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ جب لاہور میں قیام پذیر تھے تو ہمارے استاذ مولانا جمال تلوی آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے چاہا کہ چند قدم چل کر آپ کو رخصت کریں، جب آگے بڑھے تو مولانا نے آپ کے نعلین اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ شاگردوں پر آپ کا یہ افراطِ تواضع گراں گزرا کیونکہ ہمارے اعتقاد کے مطابق مولانا موصوف علم و ورع اور تقویٰ و

صفائے باطن کے لحاظ سے کم نہ تھے۔ جب ہم باہر آئے تو گستاخی کر کے ہم نے عرض کیا کہ آپ کی اس تواضع وتذلل کی کوئی وجہ نہیں؟ فرمایا یہ علماء باللہ ومحرمان اسرار لی مع اللہ ہیں۔ ان کا احترام ہم پر لازم ہے۔ لہٰذا اس باب میں مجھے معذور سمجھو بلکہ ماجور ومصاب جانو۔ [61]

نیز مولانا جمال تلوی کے ایک اور تلمیذ بیان کرتے ہیں کہ مولانا نے ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے دریافت کیا کہ آپ اس وقت علم احکام وعلم اسرار کے جامع ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود چنداں ظاہر شرع سے موافقت نہیں رکھتا۔ آپ کے نزدیک اس مسئلہ کا حل کیونکر ہے۔ آپ نے سرگوشی کر کے مولانا موصوف سے چند کلمات فرمائے۔ اسی وقت مولانا موصوف کی آنکھوں سے آنسوں ٹپکنے لگے اور ارباب حال کی طرح چہرہ متغیر ہوگیا۔ دیر تک خاموش بیٹھے رہے اور آخر خاموش ہی رخصت ہوگئے اور کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ آپ نے کیا کہا اور مولانا نے کیا سُنا۔

ندانم چہ گفتی چہ انگیختی   کہ گفتی و از دیدہ خوں ریختی [62]

حضرت خواجہؒ کا وصال

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ابھی لاہور ہی میں مقیم اور سرگرم حلقۂ ذکر وشغل تھے کہ حضرت پیر بزرگوار خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے انتقال پُر ملال کی اطلاع آپ کو ملی کہ چند یوم کی علالت کے بعد ۲۵ جمادی الاخری ۱۰۱۲ھ کو دہلی میں وصال ہوگیا ہے۔

اس جانکاہ حادثہ کی خبر پاتے ہی آپ کا آرام دل بے آرامی میں تبدیل ہوگیا، بدن پر لرزہ طاری ہوکر ہوش و حواس گم ہوگئے اور ایک آہِ سرد کھینچ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے بے اختیار بحالت اضطرار دہلی کی جانب روانہ ہوگئے۔ اگرچہ راستہ میں سرہند شریف تھا لیکن گھر نہ گئے۔ دہلی پہنچ کر مرشد برحق کے مزار پُر انوار کی زیارت کی، مخدوم زادوں اور پیر بھائیوں کی تعزیت کی اور صبر و دلاسا دیا۔ حضرت خواجہ قدس سرہ کے اصحاب نے آپ کی صحبت وتربیت کی برکت سے اپنے شکستہ دلوں کے علاج کی درخواست کی۔ آپ نے بھی اپنے پیر بزرگوار کے امر و وصیت کے مطابق اور دوستوں کی خواہش پر ان کے شکستہ دلوں کی تسلی وتشفی کے لئے چند روز دہلی میں قیام کرنا منظور فرما لیا اور احباب کے احوال کی جستجو اور ارشاد وافاضہ اور حلقۂ ذکر میں مشغول ہوگئے۔ چنانچہ نئے سرے سے تربیت وارشاد کی اس محفل میں سرگرمی وتازگی پیدا ہوگئی اور طالبوں کے باطن میں آثار توجہات وانوار جذبات جلوہ گر ہوگئے۔ [63]

اسی اثناء میں شیطان نے بعض کو ورغلا کر آپ کا مخالف بنا دیا۔ آپ نے ہر چند پند ونصیحت کی اور سمجھانا چاہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر آپ دہلی سے روانہ ہوکر اپنے وطن سرہند شریف تشریف لے آئے ...... اس کے بعد آپ دو تین دفعہ آگرہ تشریف لے گئے اور کہیں نہیں گئے، البتہ اخیر عمر میں تین سال تک شاہی لشکر کے ہمراہ بعض بلاد پر آپ کا گزر ہوا تو ان شہروں کے اکثر حضرات آپ کی صحبت سے مشرف ہوکر فیضیاب ہوئے۔ [64]

Marfat.com

حضرت غوث الاعظمؒ کا خرقہ پیش ہونا

اس سال وہ خرقہ شریف جو حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے اپنے صاحبزادے سید تاج الدین عبدالرزاق قدس سرہ کو تفویض فرما کر ارشاد فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا جس میں ایک بزرگ وحید امت پیدا ہوگا جو دین اسلام کو نئے سرے سے تازگی بخشے گا اور شرک والحاد کو نابود کر دے گا، یہ خرقہ اس بزرگ کو تفویض کرنا چنانچہ وہ خرقہ سید صاحب کے جانشینوں میں یکے بعد دیگرا اماناً چلا آتا تھا حتیٰ کہ جب حضرت مجدد قدس سرہ کو تجدید و قیومیت کی خلعت سے نوازا گیا تو حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہ نے عالم رؤیا میں اپنے پوتے شاہ سکندر علیہ الرحمۃ سے فرمایا کہ یہ خرقہ قیومت مآب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو پہنچا دو۔ جب دو تین بار ایسا ہی خواب دیکھا تو شاہ سکندرؒ خرقہ مبارک لے کر کیتھل سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت دوستوں کے ساتھ مراقب تھے۔ شاہ سکندرؒ نے خرقۂ مبارک آپ کے کندھوں پر ڈال دیا۔ جب حضرتؒ نے آنکھ کھولی اور شاہ سکندرؒ کو دیکھا تو واضع کے ساتھ معانقہ فرمایا۔ اس کے بعد شاہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ میرے دادا حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ نے وصال کے وقت یہ جبۂ مبارکہ بطور امانت میرے سپرد کیا تھا اب چند مرتبہ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یہ جُبہ میں آپ کی خدمت میں پیش کردوں۔ چنانچہ آپ نے اس جبۂ متبرکہ کو پہن لیا اور پھر اس کو پہنے ہوئے زنانخانہ میں تشریف لے گئے۔

جب کچھ دیر کے بعد باہر تشریف لائے تو آپ نے اپنے کسی محرم اسرار دوست سے فرمایا کہ اس خرقۂ مبارکہ حضرت شاہ کمالؒ کو پہننے کے بعد عجیب معاملہ پیش آیا کہ مجھ پر قادریہ نسبت کا اس قدر غلبہ ہوا کہ وہ نقشبندیہ نسبت پر غالب آگئی۔ پھر ذرا وقفہ کے بعد نقشبندیہ نسبت اس پر غالب آگئی۔ چند مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ کبھی وہ نسبت غالب آجاتی اور کبھی یہ۔ اتنے میں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ شاہ کمال رحمہم اللہ تک اپنے تمام خلفاء کے ہمراہ تشریف لائے۔ میرے دل کو اپنے تصرف میں لیا اور اپنے انوار و اسرار اور نسبت ہائے خاصہ سے مجھے نوازا۔ میں ان انوار واحوال میں غرق ہو کر اس دریائے نور میں غواصی کرنے لگا۔ جب کچھ دیر اسی حالت میں گزر گئی تو مجھے خیال آیا کہ میں تو اکابر نقشبندیہ کا پروردہ ہوں۔ اب یہ صورتحال کیا ہوگئی ہے؟ اس خیال کے آتے ہی مشائخ نقشبندیہ کے خلفاء حضرات بھی حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہ سے ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ سرہ تک تشریف لے آئے اور حضرت خواجہ سید بہاؤالدین قدس سرہ نہایت ادب کے ساتھ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے پہلو میں بیٹھے اور دونوں سلسلوں کے حضرات میں تکرار ہونے لگی۔ مشائخ نقشبندیہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ یہ تو ہمارا پروردہ ہے اور ہماری تربیت سے اس ذوق وحال واور کمال واکمال کو پہنچا ہے۔ آپ حضرات کو اس پر کس طرح حق حاصل ہے۔ اکابر قادریہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ ایامِ طفولیت ہی سے ہماری نظر اس پر رہی ہے اور یہ ہمارے ہی خوان نعمت کی چاشنی چکھے ہوئے ہے اور اب بھی ہم نے اس کو اپنا خرقہ پہنایا ہے۔

زبہر آں بت چوں شمع وچوں گل   گرفتہ جنگ باپروانہ بلبل

یہ مباحثہ جاری تھا کہ مشائخ کبرویہ ومشائخ چشتیہ رحمہم اللہ کی جماعت بھی آپہنچی اور انہوں نے مصالحت کرا

Marfat.com

دی۔ اس کے بعد میں نے ان دونوں نسبتوں کے کامل و وافر حصہ اپنے باطن میں پایا۔ الغرض آپ سلسلۂ قادریہ میں بھی مرید کرتے تھے اور ان مشائخ کا شجرہ وکلاہ و دامنی بھی دیتے تھے اور اگر کوئی طالب اس سلسلہ کا ذکر طلب کرتا تھا تو اس کو اس کی تعلیم دیتے تھے اور ان کی نسبت سے طالب کی تربیت کرتے تھے۔ آپ کو سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد ماجد سے اجازت ارشاد حاصل تھی۔ [65]

حضرت خواجہ ہاشم کشمی اور مولانا بدرالدین سرہندی علیہما الرحمہ اپنی تاریخوں میں لکھتے ہیں کہ اس دن اس قدر اولیائے امت کی روحیں سرہند شریف تشریف لائیں کہ ہر جگہ ہر طرف وہی نظر آتی تھیں اور صبح سے ظہر تک یہی مناظرہ و مذاکرہ ہوتا رہا۔ آخر سب نے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ لطف و کرم ہر ایک کو تسلی و دلاسا دیا اور فرمایا کہ تم سب اپنی اپنی نسبتیں اس عزیز کو دیدو۔ جو شخص اس سلسلے میں داخل ہوگا اس کا اجر تم کو بھی مل جائے گا اور اس کے ذریعہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی اشاعت زیادہ ہوگی کیونکہ اسے نسبت اسی سلسلے سے حاصل ہوئی ہے اور اس سلسلے کے سردار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں نیز اس طریقہ میں اتباع سنت اور امور بدعت سے کنارہ کشی حد درجہ ہے۔ [66] یہ واقعہ پیر کے دن ۱۵ شعبان ۱۰۱۲ھ کو تجدید و قیومیت کے دوسرے سال عصر اور مغرب کے درمیان ظہور میں آیا۔ [67]

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی وفات کے بعد آپ کے مسودات مکاشفۂ خاصہ میں سے ایک مسودہ ملا جس میں چار دائرے بنے ہوئے تھے۔ ایک دائرے میں ولایت بالفتح لکھی ہوئی تھی اور دائرہ چہارم میں کمال مطلق لکھا ہوا تھا اور باب دوائر اربعہ میں آپ کو بعد صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین اخص الخواص سے شمار کیا تھا۔ ان دائروں کے حاشیے پر مراتب و مقامات لکھے تھے جو آپ نے اپنے مکاشفہ میں معائنہ کئے تھے اور ان دائروں کے درمیان مشائخ طریقت کے دس بارہ نام لکھے ہوئے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا نام بھی آپ نے انہی دس بارہ شخصوں کے درمیان تحریر فرمایا تھا۔ [68]

اسی سال کے دوران سید صدر جہاں اور خانِ اعظم جو اکبر بادشاہ کے مقرب وزراء میں سے تھے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مرید ہوئے۔

تجدید کا تیسرا سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۳ھ ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۴ھ)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تعزیت کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور وہاں بعض حضرات کی مخالفت کی وجہ سے کبیدہ خاطر ہو کر سرہند شریف تشریف لے آئے۔ اس کے بعد مخالفین کے باطنی حالات و کیفیات میں فرق آ گیا اور بعض پریشان کن خواب بھی نظر

Marfat.com

آنے لگے تو یہ حضرات بہت گھبرائے اور خواجہ حسام الدینؒ اور مولانا محمد قلیچ کو جو حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے برادر نسبتی (یعنی سالے) تھے، نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی غلطی سے آگاہ کیا اور استدعا کی کہ وہ ان سب کی طرف سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں معافی کی درخواست کریں۔ چنانچہ ان کی درخواست پر آپ نے سب کو معاف کردیا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے عرس کی تقریب پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ دہلی تشریف لائے تو مخالفین حضرات ننگے سر اپنی اپنی دستاروں کو گلے میں ڈالے شہر سے کئی میل باہر استقبال کے لئے حاضر ہوئے اور بالمشافہ بھی اپنے قصوروں کی صدق دل سے معافی چاہی۔ آپ نے سب کو معاف فرمادیا۔[۶۹]

اسی سال خان خاناں اور شیخ فرید الملقب بہ مرتضٰی خاں نے جو پہلے حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے مرید تھے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر تجدید بیعت کی۔

اندازہ ہے کہ اسی سال حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے پیر بزرگوار کی یاد میں ان کی دو رباعیوں کی شرح فرما کر اپنے خستہ و غمگین دل کے لئے تسکین کا سامان مہیا کیا۔

تجدید کا چوتھا سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۴ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۵ھ)

جیسا کہ ولایت باسعادت کے ضمن میں عرض کیا جاچکا ہے کہ اس وقت ہندوستان میں اکبر بادشاہ کا دور دورہ تھا جس کی وجہ سے نہایت درجہ بے دینی پھیلی ہوئی تھی۔ بادشاہ رعایا کو اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے ہٹا کر اپنی چوکھٹ پر جھکنے اور سجدہ کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ اس ظلم و ستم اور جبر و تشدد کا منظر دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی رگوں میں اسلامی خون جوش زن ہوا۔ آپ نے خان خاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں اور مرتضٰی خاں وغیرہ کے ذریعہ بادشاہ کو نصیحت آمیز پیغامات بھیجے۔ یہ حضرات اکبر بادشاہ کے مقربین میں سے تھے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے معتقد و مرید بھی تھے۔

چنانچہ یہ حضرات بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس کو ہر طرح سمجھایا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی روحانی قوت سے خوف دلایا۔ غرضیکہ بہت قیل و قال کے بعد بادشاہ اس بات پر رضا مند ہوگیا کہ ”لوگوں کو اختیار ہے خواہ وہ دین اسلام پر رہیں یا بادشاہ کے اختراعی طریقے میں شامل ہو جائیں اور کسی پر سجدۂ تعظیمی کرنے کے لئے بھی جبر نہ کیا جائے گا۔“

علاوہ ازیں بادشاہ نے اپنے درباریوں کا جائزہ لینے کے لئے ایک دن مقرر کیا جس میں سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عمل کرنے والوں کا خیمہ الگ تھا جو معمولی درجہ کا تھا اور شاہ معتقدین کا خیمہ الگ تھا جو نہایت شاندار طریقے پر پُر تکلف کھانوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اکبر بادشاہ درمیان میں ایک غرفہ میں بیٹھا ہوا درباریوں کی آمد و رفت

Marfat.com

ملاحظہ کررہا تھا کہ اتفاقاً عین دربار کے وقت نہایت تند و تیز ہوا چلی جس کی وجہ سے شاہی ذریات کا خیمہ اکھڑ گیا اور لوگوں کے بہت چوٹیں آئیں۔ خود بادشاہ بھی نہ بچ سکا۔ اس کے بھی کسی چیز کے لگ جانے سے چوٹ آئی، لیکن خدا کی شان دیکھئے کہ سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر چلنے والوں کا خیمہ جوں کا توں اپنی آب و تاب سے کھڑا رہا اور کسی کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا (روضۃ القیومیہ)۔

اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد شب چہارشنبہ ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۴ھ کو اکبر بادشاہ کا انتقال ہوگیا۔

اکبر بادشاہ کی موت

خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی مرحوم ''تاریخ ہندوستان'' (۵/ ۸۶۳) میں تحریر فرماتے ہیں ''اکبر نے ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی اور ملا عبدالقادر کی تاریخ ۱۰۰۴ھ پر ختم ہو جاتی ہے۔ ابوالفضل کی موت ۱۰۱۱ھ میں واقع ہوئی اور اکبر کے مرنے سے اس کی ''آئین اکبری'' اور ''اکبرنامہ'' ختم ہوگئے اس لئے اکبر کے مذہبی خیالات کے تغیرات کا ذکر آخر کے دس سال میں کسی مورخ نے نہیں لکھا۔ شہنشاہ اکبر کے مذہبی خیالات ہمیشہ بدلتے رہتے تھے۔ معلوم نہیں کہ اس آخری دس سال میں ان میں کیا تغیر پیدا ہوا۔ جہانگیر کی ''توزک جہانگیری'' کا ترجمہ انگریزی زبان میں میجر پرائس نے کیا ہے۔ ترجمہ میں یہ فقرہ ہے ''شہنشاہ اکبر نے سب سے بڑے مولوی کے ہاتھ پر توبہ کی اور کلمہ پڑھ کر جنتی مسلمانوں کی طرح وہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔'' مگر اس مضمون کا کوئی فقرہ اس ''توزک جہانگیری'' میں نہیں ہے جو سر ڈاکٹر سید احمد خان بہادر نے ۱۲۸۱ھ بمطابق ۱۸۶۴ء میں چھپوایا ہے۔ شمس العلماء موصوف نے جلد ششم میں تحریر فرمایا ہے ''جہانگیر نے چھوٹی توزک میں اپنے باپ کے مرنے کا حال بہت دلچسپ لکھا ہے (اس میں درج ہے) روز سہ شنبہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۴ھ کو میرے باپ و مرشد کا سانس تنگ ہوا اور وقت رحلت نزدیک آ گیا فرمایا ''بابا (جہانگیر کو خطاب کیا) کسی آدمی کو بھیج کر میرے کل امراء اور مقربوں کو بلالو تاکہ میں تجھ کو ان کے سپرد کروں اور اپنا کہا سُنا ان سے معاف کراؤں۔ انہوں نے برسوں میری ہمرکابی میں جانفشانی کی ہے...... امراء حاضر ہوئے...... بادشاہ نے ان کی طرف منہ کر کے اپنا کہا سُنا معاف کرایا اور چند فارسی اشعار پڑھے۔ میران صدر جہاں حاضر ہوئے اور دوزانو ادب سے بیٹھ کر کلمۂ شہادت پڑھنا شروع کیا۔ بادشاہ نے خود بھی اپنی زبان سے بلند آواز کے ساتھ کلمۂ شہادت پڑھا اور میران صدر جہاں سے فرمایا کہ سراہنے بیٹھ کر سورۂ یٰسین اور دعائے عدیلہ پڑھیں اور جب میران صدر جہاں نے سورۂ یٰسین پڑھ کر دعائے عدیلہ ختم کی تو بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور جان جان آفریں کو سپرد کی۔'' (علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۱۰۱ بحوالہ خلاصہ ص ۲۸۱ تا ۲۸۶ جلد ہشتم ''تاریخ ہندوستان'')

اکبر اتوار کی شب ۵ رجب ۹۴۹ھ م ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو امرکوٹ ضلع تھرپارکر سندھ میں پیدا ہوا اور بروز جمعہ ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو کلانور ضلع گورداس پور پنجاب میں تاجپوشی ہوئی اور بدھ کی شب ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۴ھ کو آگرہ میں وفات پائی۔

Marfat.com

تجدید کا پانچواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۵ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ)

اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے حلقۂ ارادت میں دور دراز ممالک کے بہت مشہور علماء و مشائخ داخل ہوئے۔ مثلاً شیخ طاہر بدخشی نے شاہِ بدخشاں کی رفاقت چھوڑ کر ہندوستان کا رخ کیا۔ راستے میں مولانا صالح کولابی، طالقان کے ایک جید عالم شیخ عبدالحق شادمانی، شیخ احمد برکی، مولانا یار محمد اور مولانا شیخ یوسف بھی ساتھ ہوگئے۔ بالآخر یہ سب حضرات سفر کی دشوار گزار منزلیں طے کرتے ہوئے سرہند شریف پہنچے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر شرفِ زیارت و بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے سب پر شفقت و عنایت کی نظر فرمائی۔

شیخ احمد برکیؒ کو ایک ہفتہ اپنی خدمت میں رکھا اور خلعتِ خلافت وقطبیت سے سرفراز فرما کر وطن کو رخصت کردیا، چنانچہ شیخ احمد برکی کو اپنے وطن میں بڑی قبولیت نصیب ہوئی۔ خراسان، بدخشاں اور توران کے ہزار ہا اشخاص آپ کے مرید ہوئے۔

اسی زمانے میں شیخ حسن کو اور شیخ یوسف کو بھی خلافت عطا فرما کر واپس کیا۔

مولانا صالح کولابی کو کچھ عرصے اپنی خدمت میں رکھ کر خلافت عطا فرما کر طالقان کی طرف روانہ فرمایا۔

مولانا قاسم علی کو بھی خلافت عطا فرما کر ماوراء النہر روانہ کیا۔

ان سب حضرات نے ان علاقوں میں دین اسلام کی بہت تبلیغ کی۔

تجدید کا چھٹا سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۷ھ)

اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے طریقۂ علیہ مجددیہ کی اشاعت خراسان و بدخشاں اور توران میں اس قدر ہوئی کہ وہاں کا کوئی شہر، گاؤں یا قصبہ ایسا نہ تھا جہاں اس سلسلۂ عالیہ کے خلفاء نہ پہنچ گئے ہوں اور وہاں کے بڑے بڑے آدمی ان کے معتقد نہ ہوگئے ہوں۔

شیخ طاہر بدخشی کو بھی اسی سال خلافت سے مشرف فرمایا۔

اسی سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو خوش خبری دی گئی کہ آپ کا تمام سلسلہ قیامت تک جتنا ہوگا سب بخش دیا جائے گا چنانچہ آپ اس نعمت کے شکر کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

"واما بنعمة ربک فحدث (اور جو کچھ تیرے پروردگار کا (تجھ پر) انعام ہوا تو اسے بیان کردیا کر) یہ

Marfat.com

فقیر اپنے دوستوں کے حلقہ میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا اور اپنی کمزوریوں پر غور کر رہا تھا۔ یہ فکر اس حد تک غالب آ چکی تھی کہ اپنے آپ کو (درویشی کی) اس وضع میں بغیر کامل مناسبت کے محسوس کر رہا تھا۔ اسی عرصہ میں بمصداق من تواضع للہ رفعہ اللہ (جو اللہ کے لئے انکساری کرتا ہے اللہ اسے اور بلند فرما دیتا ہے) (کارکنان قضاء وقدر نے) اس دور افتادہ کو ذلت کی خاک سے اٹھایا اور (مزید بلند کر دیا) اور میرے باطن میں یہ ندا دی کہ غفرت لک و لمن توسل بک الی بواسطۃ او بغیر و اسطۃ الی یوم القیمۃ (میں نے تجھے بخش دیا اور قیامت تک پیدا ہونے والے ان تمام لوگوں کو بھی بخش دیا جو تیرے واسطے سے مجھ تک پہنچیں، خواہ یہ وسیلہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ) اور اسی مضمون کو اس حد تک بار بار دہرانے کی نوازش فرماتے رہے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس نعمت پر حق تعالیٰ سبحانہ کی بے شمار حمد وثنا ہے ایسی حمد وثنا جو پاکیزہ ہو جس میں برکت ہو اور جس کے اوپر بھی برکت ہو، جیسی کہ ہمارا پروردگار پسند فرمائے اور جس سے وہ راضی ہو اور درود وسلام ہو اس کے رسول ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر، ایسا درود وسلام جو آپ کی شان کے شایان ہو۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس واقعہ کو ظاہر کر دوں۔ [1]

تجدید کا ساتواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۷ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۸ھ)

اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اس قدر بیمار ہوئے کہ 'نصیب دشمناں' امید زیست نہ رہی لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ نے فضل فرمایا اور تھوڑے ہی دنوں میں آپ کو صحتِ کلی حاصل ہو گئی۔ [2]

شیخ فضل اللہ علیہ الرحمہ برہان پوری اپنے زمانے کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ جب ان کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تجدید و قیومیت کا علم ہوا اور انہوں نے آپ کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنی چاہی تو بعض حاسدین نے آپ کے متعلق غلط بیانی سے کام لیا۔ چونکہ شیخ صاحب کمال بزرگ تھے اس لئے انہوں نے اس معاملہ کی تحقیق کے لئے ایک ذی استعداد مرید کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا چنانچہ وہ تین ماہ خانقاہ شریف میں رہ کر حضرتؒ کے حالات کا مشاہدہ کرتا رہا اور آپ کا معتقد ہو گیا۔ واپسی کے وقت اس نے اپنے آنے کی غرض وغایت بیان کی تو آپ نے اس کے شبہات کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اس مُرید کے واپس پہنچنے پر شیخ فضل اللہؒ بھی حضرت معتقد ہو گئے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص اطراف سرہند سے آپ کے پاس مرید ہونے کی غرض سے آتا تو فرماتے کہ ''آفتاب کو چھوڑ کر ستاروں کی طرف رجوع کرنا بُرا ہے۔'' [3]

اسی سال مجدد الف ثانی قدس سرہ نے خواجہ میر محمد نعمانؒ کو خلافت عطا فرما کر دکن بھیجا۔ اس علاقہ میں میر صاحب کے ارشاد وہدایت نے یہاں تک ترقی کی کہ مراقبے کے لئے خانقاہ میں کئی سو سوار اور بے شمار پیادے حاضر ہوا کرتے تھے۔ یہ زمانہ چونکہ جہانگیر بادشاہ کی سلطنت کے ابتدائی دور کا تھا اور وہ اپنی کمزوریوں کا احساس کرتے ہوئے ایسے مجمع کو خطرے سے خالی نہ سمجھتا تھا اس لئے اس نے میر صاحب موصوف کو دکن سے بُلا کر اپنے پاس رکھا۔

تجدید کا آٹھواں سال

(از۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۸ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۹ھ)

شیخ حسن غوثی علیہ الرحمہ بھی ہندوستان کے بلند پایہ علماء میں سے تھے، ان کو بھی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مدارج کمالات میں شبہ تھا لیکن تحقیق کے بعد انہوں نے توبہ کی اور آپ کے تمام کمالات کا اعتراف کیا اور اولیاء کے احوال میں جو تذکرہ لکھا ہے اس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے احوال میں یہ عبارت درج ہے " بالانشینِ مسند محبوبیت، صدر آرائے محفلِ واحدنیت، خدیو مقام فردیت وقطبیت، صاحب مرتبۂ قیومیت وتجدیدالف۔"

ہندوستان کے ایک رئیس تربیت خاں کے ہاں کسی تقریب کے موقع پر چند علماء بھی مدعو تھے۔ رئیس موصوف نے ان سے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے بارے میں دریافت کیا تو ایک عالم نے کہا کہ حضرت کے اوضاع واطوار دیکھ کر نہ صرف یہ کہ حضرتؒ سے میری عقیدت بڑھ گئی بلکہ گذشتہ اولیاء کی عظمت بھی میرے دل میں قائم ہوگئی...... ایک دوسرے عالم نے کہا کہ کتابیں تصنیف ہوتی ہیں یا تالیف۔ ایک عرصہ سے تصنیف کا سلسلہ ختم ہوگیا تھا۔ صرف تالیف رہ گئی تھی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضرت مجدد الرحمہ کے تمام مکتوبات ورسائل تصنیفات ہیں جو آپ کی علوشان کی شاہد ہیں کیونکہ میں نے ان کا بہت غور سے مطالعہ کیا۔ آپ نے کسی دوسرے کی عبارت کا کہیں حوالہ نہیں دیا بلکہ صرف اپنے حاصل کردہ علوم واسرار بیان فرماتے ہیں...... ایک اور عالم نے کہا کہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جو شخص ایک ادب کے ترک کو اپنے لئے حرام سمجھتا ہو، اس کا کلام کس طرح شریعت سے ہٹا ہوا ہوسکتا ہے۔ ان کے کلام اور شریعت میں بال برابر بھی فرق نہیں، لیکن بات یہ ہے کہ اہل زمانہ کا مزاج ان کے حقائق سمجھنے کے لائق نہیں ہے وغیرہ...... ان حقائق کو سُن کر تربیت خاں اس قدر متاثر ہوا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوکر مرید ہوا اور بقیہ عمر آپ کی خدمت میں گزار دی اور مرنے کے بعد بھی حضرتؒ کے روضۂ شریف کے بالکل قریب دفن ہوا۔

(روضۃ القیومیہ۔ رکن اول ص ۱۳۶)

تجدید کا نواں سال

(از۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۹ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۰ھ)

اس سال کے حالات میں صاحب "روضۃ القیومیہ" تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ لطف وکرم حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ کو اپنا مکون ومزور بنایا۔"............ "مکون" اور "مزور" اس شخص کو کہتے ہیں کہ جب شیخ کامل چاہے کہ اپنے کمالات خاصہ کو مرید میں القا کرے تو مرید اس کے تصرف وتوجہ سے شیخ کی رنگت اختیار کر جائے اور اس کے حقائق ودقائق سے متحقق ہو جائے حتیٰ کہ مرید کی صورت بھی شیخ کی

صورت ہو جائے۔[۴]........(اس بات کو سمجھنے کے لئے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی توجہ شریفہ سے نانبائی کا حضرت خواجہ کے ہمشکل بن جانا مثال کے لئے کافی ہے۔)

علاوہ ازیں اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے بعض کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ اسی سال خواجہ محمد اشرف کابلی اور شیخ میرک حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ شیخ میرک شہزادہ دارا شکوہ کے استاد تھے۔ چنانچہ دارا شکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' میں اپنے استاد کا آپ سے بیعت ہونا لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''میرے استاد بہت چھان بین کے بعد حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تھے۔''[۵]

اسی سال رسالہ ''مبدأ و معاد'' کے مضامین مکمل ہوئے جن کو حضرت مجددؒ کے خلیفہ مولانا محمد صدیق ملقب بہ ہدایت نے ماہ رمضان المبارک ۱۰۱۹ھ کے آخری عشرہ میں بحالت اعتکاف مرتب و مدون کیا۔

تجدید کا دسواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۰ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ)

اس سال شیخ خلیل اللہ بدخشیؒ کے خلیفہ عبدالرحمٰنؒ رویائے صادقہ کی بناء پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے بیعت کے لئے بدخشاں سے حاضر ہوئے۔ آپ نے کمال شفقت و مہربانی سے ان کو حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا۔[۶]

اسی سال شیخ بلخی بھی اپنے زمانے کے اکابر مشائخ سے تھے۔ آپ کے مرید ہوئے۔ انہوں نے اپنے مرید ہونے کا یہ سبب بتایا کہ ایک رات میں نماز تہجد کے بعد خواجہ محمد زاہد بلخیؒ کے خلیفہ خواجہ صدرالدین کی روح پُر فتوح کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کی کہ آپ تو اس دار فانی سے تشریف لے گئے اور میرا کام تا حال سر انجام نہیں ہوا۔ لوگ مجھے شیخ سمجھ کر مرید ہونے کے لئے آتے ہیں۔ آپ کسی ایسے بزرگ کا پتہ دیں جو اس زمانہ میں فائق ہو تا کہ میں اس سے تکمیل کروں۔ آپ نے فرمایا کہ ''حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں سرہند شریف جاؤ۔'' چنانچہ شیخ بلخی حاضر ہو کر مرید ہوئے۔[۷][۸]

بروز جمعہ ماہ جمادی الاخری ۱۰۲۱ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے صاحبزادۂ اعظم حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہ کو خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا۔[۹]

اسی سال اواخر ماہ مئی ۱۶۱۱ء مطابق ربیع الاول ۱۰۲۰ھ میں غیاث الدین کی حسین بیٹی مہر النساء اپنے شوہر شیر افگن کے قتل ہو جانے کے تقریباً چار سال بعد شاہی حرم سرا میں ملکہ بن کر داخل ہوئی۔ پہلے نور محل لقب پایا پھر نور جہاں۔ نور جہاں چونکہ ایک نہایت حسین و جمیل اور عقلمند عورت تھی اس لئے اس نے جہانگیر بادشاہ پر اپنا سکہ ایسا جمایا کہ بس اس کا اپنا حکم چلنے لگا۔ پھر اس نے اپنے باپ کو دیوان کل اور اپنے بھائی کو وزیر اعظم کا عہدہ دلا کر پوری طرح حکمرانی شروع کر دی اور چونکہ نور جہاں مذہباً شیعہ تھی اس لئے اب سلطنت میں شیعیت کا اثر و رسوخ مزید بڑھنا شروع ہو گیا۔

Marfat.com

تجدید کا گیارھواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۲ھ)

اس سال حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ نے ایک روز حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ ''میں اپنے آپ کو ایک ایسا نور پاتا ہوں کہ تمام عالم اس سے منور ہے اور وہ نور عالم کے ہر ذرہ میں ساری ہے جیسا کہ آفتاب کا نور، کہ اس سے تمام عالم منور ہے۔'' حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ''اے فرزند! تم اپنے وقت کے قطب ہوگے، میری اس بات کو یاد رکھنا۔''...... چنانچہ مخدوم زادہ علیہ الرحمہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت عالی منقبتؒ نے مجھ کو چودہ سال کی عمر میں قطبیت کی بشارت دی تھی اور الحمد اللہ کہ قیومیت کی خلعت کے عطا ہونے سے دس گیارہ سال پہلے یہ خوشخبری پوری ہوگئی اور اس بشارت کے اثرات حاصل ہوئے۔''[80]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے معتقدین و مریدین کی تعداد میں جہاں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا وہاں کچھ حاسدین و ناقدین بھی پیدا ہوگئے تھے حتیٰ کہ وہ آپ کی اہانت و خفت کے درپے ہوگئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ فی الواقع قیوم و مجدد الف ثانی ہیں تو ہمیں کوئی کرامت دکھائیں جس طرح کہ پیغمبر اپنے زمانے میں معجزہ دکھاتے تھے...... حضرتؒ کو ان لوگوں کی باتوں کا علم ہوا تو فرمایا ''ان سے کہہ دو کہ اگر تمہارا دل یہی چاہتا ہے تو آؤ مباہلہ کرلو۔'' جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ حضرتؒ مباہلہ کے لئے تیار ہیں تو وہ مباہلہ سے خائف ہو کر طالب کرامت ہوئے اور حسب منشا کرامت کے ظاہر ہونے پر توبہ کی اور حاضر خدمت ہو کر مرید ہوگئے۔[81]

تجدید کا بارھواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۰ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ)

اس سال مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمہ جو علماء کے سرتاج اور تصانیف عالیہ کے مصنف تھے اور بہت سی کتابوں پر حواشی و شروح بھی لکھی ہیں، حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تصانیف دیکھ کر معتقد ہوگئے اور پھر حاضر خدمت ہو کر شریف بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو 'امام ربانی، محبوب سبحانی، مجدد الف ثانی'' تحریر کیا تھا[82] اور تجدید الف ثانی کے اثبات میں ایک رسالہ مسمّی بہ 'دلائل التجدید''[83] لکھا ہے جس میں نہایت قوی دلائل اور براہین سے آپ کو مجدد الف ثانی ثابت کیا ہے۔[84]

اسی سال شیخ حمید جو ایک کامل صاحب استعداد بزرگ تھے اور اکبر آباد میں رہتے تھے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اکبر آباد تشریف لے جانے پر مرید ہوئے۔ حضرتؒ نے کچھ عرصہ بعد آپ کو خلافت سے سرفراز فرما کر بنگالہ کی طرف جانے کی اجازت فرمائی جہاں آپ کو شہرت عامہ نصیب ہوئی اور آج تک شیخ حمیدؒ کا طریقہ اس

Marfat.com

ملک میں رائج ہے۔[۸۵]

میر یوسف سمرقندیؒ نے جو پہلے خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مرید تھے بعد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ سے تجدید بیعت کی، پھر کسی کام سے اپنے وطن چلے گئے تھے۔اسی سال واپس آئے تو مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔آخر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے آپ کی درخواست پر سلوک طے کرا دیا۔بعد ازاں آپ نے وفات پائی۔[۸۶]

صاحبؒ ''روضۃ القیومیہ'' تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شب صاحبزادہ خواجہ محمد سعید الرحمہ حجرے میں آرام فرما رہے تھے کہ جنات نے آکر صحن میں کھیلنا شروع کر دیا اور شرارت کے طور پر دروازے کھٹکھٹانے لگے اور چاہتے تھے کہ اندر داخل ہو کر صاحبزادہ موصوف کو پریشان کریں۔ان کے اس شور وغوغا سے صاحبزادہ محمد سعیدؒ کی آنکھ کھل گئی۔ساتھ ہی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ بھی بیدار ہو گئے اور آپ نے زور سے کھنکار کر فرمایا ''محمد سعید دروازہ نہ کھولنا''...... جنات نے جونہی آپ کی آواز سنی تو آپس میں کہنے لگے کہ حضرت بیدار ہو گئے ہیں۔بس بھاگ چلو ورنہ ہلاک کر دیں گے، چنانچہ وہ سب جنات بھاگ گئے ...... بعد ازاں حضرت مجدد قدس سرہ نے جنات کے بادشاہ کو بلایا وہ حاضر خدمت ہوا تو اس نے آپ سے معافی مانگی اور جو جنات صاحبزادہ موصوف کو ستانے کا ارادہ رکھتے تھے ان کو ہلاک کر دیا اور جس قدر جنات خانقاہ کے گردونواح میں آباد تھے ان کو وہاں سے نکال دیا۔پھر شاہِ جنات نے مرید ہونے کے لئے منت وسماجت کی تو آپ نے جنات کے بادشاہ کو مع اس کے لشکر کے مرید فرما لیا۔اس کے بعد شاہِ جنات نے حضرت کی خدمت کے لئے جنات کی ایک جماعت مقرر کی جو آج تک حضرتؒ کی خانقاہ کے گردونواح میں آباد ہے۔وہ نہ خود کسی کو ستاتے ہیں اور نہ کسی دوسرے جناب کو دست درازی کرنے دیتے ہیں۔[۸۷]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ جنات سے متعلق ''مبدأ و معاد'' میں فرماتے ہیں: ''ایک دن جنات کے حالات کو اس فقیر پر منکشف فرمایا گیا۔اس فقیر نے دیکھا کہ جنات گلی کوچوں میں انسانوں ہی کی طرح گھوم پھر رہے ہیں اور ہر جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔وہ جن اس فرشتہ کے ڈر سے اپنا سر بھی نہیں اٹھا سکتا اور اپنے دائیں بائیں دیکھ بھی نہیں سکتا۔وہ مقید اور محبوب (قیدیوں) کی طرح پر گھوم رہے تھے اور قطعاً کسی مخالفت کی مجال نہیں رکھتے تھے بجز اس کے کہ میرا پروردگار ہی کسی چیز کو چاہے اور اس وقت کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مؤکل (مقررہ فرشتہ) کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہے۔اگر وہ اس جن سے ذرا سی مخالفت کا بھی احساس کرے تو ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دے۔

خدائے کہ بالاؤ پست آفرید زبردست ہر دست، دست آفرید[۸۸]

(خدا نے بنایا ہے بالا و پست زبردست بالائے ہر زیر دست)

تجدید کا تیرہواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۳ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ)

اس سال بلخ کے ایک شیخ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو خواب میں قطب الاقطاب کے مرتبہ پر فائز

Marfat.com

دیکھا تو حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ اسی طرح ایک سید زادے اور سلسلۂ چشتیہ کے ایک سجادہ نشین کا بیعت ہونا روایات میں درج ہے لیکن ان بزرگوں کے ناموں کو کسی نے ظاہر نہیں کیا، اس لئے ہم بھی مجبور ہیں۔

اسی سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے جد امجد بانی سرہند شریف حضرت امام رفیع الدین قدس سرہ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ فاتحہ کے بعد تمام قبرستان کی مغفرت کے لئے دعا کی۔ الہام ہوا کہ ہم نے ایک ہفتہ کے لئے اس قبرستان سے عذاب اُٹھالیا۔ آپ نے الحاح وزاری کے ساتھ مزید درخواست کی کہ اے پروردگار! تیری رحمت کی کوئی انتہا نہیں اور زیادہ مغفرت فرما۔ بار بار درخواست کے بعد الہام ہوا کہ ہم نے اپنے فضل سے تمہاری خاطر اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اٹھالیا۔

پھر ایک دن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے والد بزرگوار مخدوم عبدالاحد قدس سرہ کے مزار پر فاتحہ اور زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو حضرتؒ موصوف کے دل میں حدیث شریف کے اس مضمون کا خیال آیا کہ جب کسی عالم کا قبر پر گزر ہوتا ہے تو چالیس روز تک صاحب قبر کو عذاب نہیں ہوتا۔ یہ خیال آتے ہی الہام ہوا کہ آپ کی تشریف آوری کے سبب ہم نے اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اٹھالیا اور آئندہ بھی جو شخص اس قبرستان میں دفن کیا جائے گا ہم اپنے فضل وکرم سے بخش دیں گے۔ شہر سرہند کا تمام قبرستان اسی مقام پر واقع ہے۔ [۸۹]

تجدید کا چودھواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ)

اس سال ۱۰۲۵ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات کی پہلی جلد مکمل ہوئی۔ اس کے جامع شیخ یار محمد بدخشی طالقانی ہیں اور اس کی نقلیں ایران، توران اور بدخشاں وغیرہ ممالک میں بھیجی گئیں۔ [۹۰]

اسی سال کئی المناک حادثات پیش آئے۔ خصوصاً سرہند شریف میں طاعون کی وبا ایسی پھیلی کہ روزانہ ہزارہا آدمی اجل کا شکار ہونے لگے، چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے صاحبزادے شیخ محمد عیسیٰؒ پھر دوسرے صاحبزادے شیخ محمد فرخؒ ان کے چند دن بعد آپ کی صاحبزادی ام کلثومؒ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم بھی رحلت فرما گئیں۔ ان کے بعد حضرتؒ کے سب سے بڑے فرزند حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہ کا بھی ۹ ربیع اولال ۱۰۲۵ھ کو مرض طاعون میں وصال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آخر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی دعا کی برکت سے یہ وبا دور ہوئی۔ [۹۱]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے ایک مکتوب گرامی میں مرض طاعون کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس وبا میں ہماری شومئ اعمال سے اول چوہے ہلاک ہوئے جو ہم سے زیادہ اختلاط رکھتے تھے۔ اس کے بعد عورتیں، جن کے وجود پر نوع انسانی کی نسل و بقا کا مدار ہے۔ مردوں کی نسبت زیادہ مرگئیں اور جو اس وبا میں مرنے سے بھاگا اور سلامت رہا اس نے اپنی زندگی پر خاک ڈالی

Marfat.com

اور جو شخص نہ بھاگا اور مر گیا اس کو موت شہادت کی مبارکبادی اور خوشخبری ہے۔" [92]

ایک دوسرے مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"یہ مصیبتیں بظاہر جراحت نظر آتی ہیں مگر حقیقت میں ترقیات اور مرہم ہیں۔ وہ ثمرات ونتائج جو اس دنیا میں ان مصیبتوں پر مرتب ہوئے ہیں وہ ان ثمرات کا سواں حصہ ہیں جن کے ملنے کی امید وتوقع حق تعالیٰ کی عنایت سے آخرت میں ہے۔ فرزندوں کا وجود عین رحمت ہے۔ زندگی میں بھی ان سے فائدے اور منافع ہیں اور مرنے پر بھی ثمرات ونتائج مرتب ہیں۔ (چند سطور کے بعد) حدیث شریف میں ہے کہ طاعون پہلی امتوں کے حق میں عذاب تھا اور اس امت کے لئے شہادت ہے۔"

واقعی وہ لوگ جو اس وبا میں مرتے ہیں عجیب حضور وتوجہ سے مرتے ہیں۔ حرص آتی ہے کہ کوئی شخص ان دنوں میں اس بلا والے لوگوں کے ساتھ ملحق ہو جائے اور دنیا سے آخرت کی طرف کوچ کر جائے۔ یہ بلا اس امت میں بظاہر غضب ہے اور باطن میں رحمت۔

میاں شیخ طاہر بیان کرتے تھے کہ لاہور میں طاعون کے دنوں میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں "جو کوئی ان دنوں میں نہ مرے گا حسرت اٹھائے گا۔" ہاں جب ان گزشتہ لوگوں کے حال پر نظر کی جاتی ہے تو حالات غریبہ اور معاملات عجیبہ مشاہدہ میں آتے ہیں۔ شاید شہداء فی سبیل اللہ ان خصوصیات سے ممتاز ہوں۔

میرے مخدوم! فرزند عزیز (خواجہ محمد صادق) قدس سرہ کی مفارقت بڑی بھاری مصیبت ہے۔ معلوم نہیں کہ کسی کو اس قسم کی مصیبت پہنچی ہو لیکن وہ صبر وشکر جو حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو کرامت فرمایا ہے، بڑی اعلیٰ نعمت اور عظیم انعام ہے۔ یہ فقیر حق سبحانہ وتعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اس مصیبت کی جزا آخرت پر موقوف رکھے اور دنیا میں اس کی جزا کچھ بھی ظاہر نہ ہو، حالانکہ جانتا ہے کہ یہ سوال بھی سینہ کی تنگی کے باعث ہے ورنہ حق تعالیٰ بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ فللّٰہ الاخرۃ و الا ولی (دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔) [93]

تجدید کا پندرھواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۶ھ)

اس سال وبا کے دور ہونے کے بعد ایک دن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا شہر سرہند سے باہر جنوب مشرق کی طرف چند میل کے فاصلہ پر ایک مقام موضع براس سے گزر ہوا۔ اس گاؤں کے متصل شمالی جانب ایک بلند ٹیلہ ہے۔ آپ نے اسے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ وہیں نماز ظہر ادا فرمائی۔ پھر دیر تک مراقبہ کرنے کے بعد ہمراہیوں سے فرمایا کہ نظر کشفی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ٹیلہ پر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں۔ مجھے ان بزرگوں کی

Marfat.com

روحانیت سے ملاقات بھی حاصل ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات و تنزیہ و تقدیس کی نسبت جو کچھ اہل ہنود کے مذہبی پیشواؤں نے لکھا ہے۔ وہ انہیں انبیاء علیہم السلام کے علوم سے حاصل کیا ہے۔ یہ مقام انبیاء علیہم السلام کی ہجرت گاہ ہے۔[94]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ایک مکتوب میں جو صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہ کے نام ہے، ان انبیاء علیہم السلام کے متعلق اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''اے فرزند! یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو وسیع کرتا ہے ایسی کوئی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت نہ پہنچی ہو بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب کی طرح سب جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا نور پہنچا ہے حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی کہ جن کی دیوار حائل ہے، پہنچا ہوا ہے اور گذشتہ امتوں میں ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو حتیٰ کہ زمین ہند میں بھی جو اس معاملہ ہے دور دکھائی دیتی ہے، معلوم کرتا ہے کہ اہل ہند سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع جل شانہ کی طرف دعوت فرمائی ہے اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں۔ اگر ان شہروں کو متعین کرنا چاہئے تو کرسکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر ہے جس کی کسی نے تابعداری نہیں کی اور کسی نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور کوئی ایسا پیغمبر ہے کہ صرف ایک ہی آدمی اس پر ایمان لایا ہے اور کسی پیغمبر کے تابع صرف دو شخص ہوئے اور بعض کے ساتھ تین آدمی ایمان لائے ہیں۔ تین آدمیوں سے زیادہ نظر نہیں آتے جو ہند میں کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں یا کہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوں اور جو کچھ ہند کے رئیس کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات اور اس کے تنزیہ و تقدیس کی نسبت لکھا ہے سب انوار نبوت سے مقتبس ہے، کیونکہ گذشتہ امتوں میں سے ہر ایک کے زمانہ میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور گزرا ہے جس نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کے صفات قدیمہ اور اس کے تنزیہ و تقدس کی نسبت خبر دی ہے۔ اگر ان بزرگوں کا وجود شریف نہ ہوتا تو ان بدبختوں کی لنگڑی اور اندھی عقل جو کفر و معاصی کے ظلمات سے آلودہ ہے، اس دولت کی طرف کس طرح ہدایت پاتی۔''[95]

اسی سال حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ پر قرآنی حروف مقطعات کے اسرار ظاہر فرمائے اور آپ نے صرف اپنے خلفِ ارشد حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کو کئی دن تک خلوت میں ان اسرار مقطعات قرآنی سے آگاہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ان اسرار کا اظہار فرماتے وقت مجھ پر بے ہوشی طاری ہو جایا کرتی تھی۔[96]

اس سال بہت سے خلفا ہدایت اور اشاعت اسلام کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے گئے۔ ستر حضرات مولانا محمد

Marfat.com

قاسم کی سرداری میں ترکستان کی طرف روانہ کئے اور چالیس حضرات عرب، یمن، شام اور روم کی طرف مولانا فرخ حسین کی ماتحتی میں بھیجے گئے۔ مولانا محمد صادق کابلی کے ماتحت دس معتبر حضرات کاشغر کی طرف بھیجے گئے اور تیس خلفا مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں اور خراسان گئے اور ان لوگوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔[97]

تجدید کا سولھواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۶ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۷ھ)

اب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی بزرگی اور ارشاد و ہدایت کا شہرہ تمام عالم میں بلند ہو چکا تھا۔ تجدید ملت کی نوبت ہر چہار طرف بجنے لگی تھی۔ زمانے بھر کے بڑے بڑے اولیاء حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت کو حق سبحانہ وتعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ غرض ہر طرف سے لوگ جوق در جوق زیارت اور شرف بیعت کے لئے آنے لگے۔ حتیٰ کہ اسی سال فرمانروایان ایران وتوران اور بدخشاں نے بھی غائبانہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ کی عظمت و دبدبہ کی یہ شان تھی کہ بڑے بڑے متکبروں کو بھی آپؒ کے سامنے بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور آپ خلاف شریعت کاموں پر ہدایت وتنبیہہ فرمانے میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے۔

چنانچہ اسی سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو خبر پہنچی کہ شہر سامانہ کے خطیب نے عید الفطر کے خطبے میں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی نہیں ادا کئے تو آپ نے مکتوب نمبر ۱۵ ج ۲ میں جو شہر سامانہ کے بزرگ سادات اور قاضیوں ورئیسوں کے نام صادر فرمایا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

> ......''سنا گیا ہے کہ اس جگہ کے خطیب نے عید قرباں کے خطبہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر کو ترک کیا ہے اور ان کے مبارک ناموں کو نہیں لیا۔'' چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں ''خلفائے راشدینؓ کا ذکر اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں لیکن اہل سنت کا شعار تو ضرور ہے اور اس شخص کے سوائے جس کا دل مریض ہو اور باطن پلید ہو اور کوئی شخص عمداً اور بغیر سرکشی کے اس کو ترک نہیں کرتا۔ ہم نے مانا کہ اس نے تعصب اور عناد سے ترک نہیں کیا مگر من تشبہ بقوم فھو منھم کیا جواب دے گا اور اتقوا من مواضع التھم کے موافق تہمت کے موقع سے کس طرح بچ سکے گا۔ الخ۔''

اس سال کا ایک اہم واقعہ سلطان جہانگیر کا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے منحرف ہونا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اکبر بادشاہ فوت ہوا تھا تو رعایا بہت خوش تھی اور شکر ادا کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ملحدانہ عقائد والے بادشاہ سے نجات دلائی اور جہانگیر بادشاہ کے اخلاق و عادات اور عدل و انصاف سے لوگوں کو توقع تھی کہ وہ دین اسلام کی اشاعت میں مدد و معاون ہوگا اس لئے مزید خوش تھے۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی جہانگیر کے متعلق

اچھی رائے رکھتے تھے چنانچہ آپ خواجہ میر نعمان کو ایک طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''آپ کے مکتوب شریف میں سلطان وقت کی خدا پرستی اور احکام شریعت کے موافق عدل و انتظام کا حال لکھا ہوا تھا۔ اس کے مطالعہ سے بہت خوشی حاصل ہوئی اور کمال ذوق پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بادشاہ وقت (جہانگیر) کو عدل و عدالت کے نور سے منور کیا ہوا ہے اسی طرح ملت محمدیہ کو بھی بادشاہ کے حسن اہتمام سے نصرت و عزت بخشے۔'' (مکتوب ۲۹ دفتر دوم)

لیکن جب لوگوں نے دیکھا کہ حکومت میں اہل تشیع کا غلبہ ہو رہا ہے تو بہت گھبرائے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں اس فتنے کے دفعیہ کے لئے توجہ بلیغ کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا جب تک ہم اپنے نفس پر تکلیف گوارا نہ کریں گے مخلوق خدا اس فتنے سے خلاصی نہیں پائے گی۔ بعد ازاں آپ نے شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو خلافت عنایت فرما کر شاہی لشکر آگرہ میں بھیج دیا اور رخصت کے وقت شیخ بدیع الدین سے فرمایا کہ تمہیں شاہی لشکر میں قبولیت عامہ نصیب ہوگی، اگر کسی وجہ سے تم کو تکلیف بھی پہنچے تو مستقل مزاج رہنا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے حرکت نہ کرنا، اگر مستقل مزاج نہ رہو گے تو خود بھی تکلیف اٹھاؤ گے اور ہمیں بھی تکلیف پہنچے گی۔

چنانچہ شیخ بدیع الدین کو لشکر شاہی میں قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔ اکثر ارکان سلطنت نے شیخ صاحب موصوف سے رجوع کیا اور لشکر کے ہزار ہا آدمی مرید ہو گئے۔ ہر روز اس قدر ہجوم ہوتا کہ بڑے بڑے امراء کو بڑی مشکل سے شیخ کی زیارت نصیب ہوتی۔ اس دوران میں آپ سے بہت کشف و کرامات بھی ظاہر ہوئیں۔ آخر ان احوال کی اطلاع آصف الدولہ شیعہ وزیر اعظم کو ہوئی تو وہ بہت برہم ہوا اور موقع پا کر جہانگیر بادشاہ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف بھڑکایا، طرح طرح کے الزامات لگائے اور کہا کہ سرہند کے ایک مشائخ زادے نے جو علوم عربیہ میں ماہر ہے اور مختلف درویشوں سے خلافت پائی ہے، مجددیت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس نے صدہا خلفاء مختلف دور دراز ملکوں میں بھیج دیئے اور لاکھوں آدمی اس کے اور اس کے خلفاء کے مرید ہو گئے ہیں۔ کئی غیر ممالک کے بادشاہ خود اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے ہیں اور ہمارے لشکر میں بھی اس کا ایک خلیفہ مقیم ہے۔ اکثر امراء سلطانی مثلاً خان خاناں، سید صدر جہاں، خان جہاں، خان اعظم، مہابت خاں، تربیت خاں، سکندر خاں، دریا خاں، مرتضیٰ خاں وغیرہ سب اس کے حلقہ بگوش ہو گئے ہیں۔ خوف ہے کہ غفلت میں کوئی اور شکل ظہور پذیر نہ ہو جائے۔ نیز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بعض نازک معارف جنہیں عام لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے، وہ جہانگیر کو دکھائے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ شاہی احکام کے ذریعہ فوجی لوگوں کو شیخ بدیع الدین کے پاس جانے پر سخت پابندی لگا دی گئی اور شیخ کو ان کے کشف و کرامات کی وجہ سے جادوگر وغیرہ مشہور کر دیا۔ ان حالات سے مجبور ہو کر بعض ضعیف الاعتقاد لوگ ان کی خدمت میں آمد و رفت سے رُک گئے۔ بعض خفیہ طور پر آتے جاتے رہے اور بعض راسخ العقیدہ بے تکلف شیخ بدیع الدین کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے لیکن جس کے حاضر ہونے کی اطلاع ہو جاتی، مورد عتاب شاہی ہوتا۔ اس بناء پر شیخ موصوف خود بھی لوگوں کو اپنے پاس آنے سے منع کرتے کہ تم کو میرے پاس آنے سے تکلیف پیش آنے کا خطرہ ہے۔ ساتھ ہی شیخ موصوف ان تمام حالات و واقعات کی اطلاعات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں برابر

Marfat.com

ارسال کرتے رہے اور حضرت مجدد الف ثانی بھی ان کو تسلی اور اطمینان دلاتے تھے۔

اس دوران میں وزیر اعظم جہانگیر بادشاہ کو برابر بھڑکاتا رہا۔ آخر دربارشاہی میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے قتل یا جلاوطنی یا قید کے مشورے ہونے لگے اور روزانہ نئی سے نئی افواہیں پھیلائی گئیں۔ جب ان مشوروں اور افواہوں کی اطلاع شیخ بدیع الدین کو ہوئی تو وہ گھبرا کبرآباد سے روانہ ہوگئے اور اپنے وطن سہارنپور ہوتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں سرہند شریف حاضر ہوگئے۔ حضرت الف ثانی قدس سرہ کو شیخ موصوف کی آمد کی اطلاع ہوئی تو شیخ پر بہت ناراض ہوئے کہ میں نے تم کو تاکیداً منع کر دیا تھا کہ وہاں سے میری اجازت کے بغیر نہ آنا پھر تم کیوں چلے آئے۔ تم شاہی لشکر میں خلیفہ بنا کر بھیجنے کے قابل نہیں ہو، اب تم آگرہ ہرگز واپس نہ جانا۔ شیخ نے خیال کیا کہ حضرت موصوف نے غصہ میں واپس جانے سے منع فرمایا ہے اصل مقصد نہیں ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ جلد واپس چلا جاؤں۔ چنانچہ شیخ صاحب اس غلط فہمی میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اجازت کے بغیر پھر آگرہ شاہی لشکر میں پہنچ گئے۔

اب مخالفین کو اور موقع ملا اور بادشاہ کو شیخ کے واپس آنے کی اطلاع کے ساتھ یہ پٹی بھی پڑھائی کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ کے ذریعہ فوج سے ساز باز کر رہے ہیں اور اب وہ کوئی خصوصی پروگرام شاہی لشکر کے لئے لے کر آئے ہیں اور بغاوت کا سخت اندیشہ ہے اس لئے جلد کوئی کارروائی کرنی چاہئے۔ لہٰذا اس سلسلے میں ضروری سمجھا گیا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خصوصی مریدین جو اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، ان کو دور دراز ملکوں میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ مزید فتنہ برپا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ خان خاناں کو دکن، خان جہاں لودھی کو مالوہ، خان اعظم کو گجرات اور مہابت خان کو کابل کی صوبیداری پر بھیج دیا اور اسی طرح باقی حکام کو بھی جو آپ کے خاص معتقد تھے دور دراز صوبوں کا حاکم بنا کر بھیج دیا گیا۔ [۹۸]

تجدید کا سترہواں سال

(از ۱۲ ربیع اولال ۱۰۲۷ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۸ھ)

جب جہانگیر بادشاہ کو حکام کے اپنے اپنے تبدیل شدہ مقامات پر پہنچنے کی اطلاع مل گئی تو اس کو اطمینان ہوگیا کہ اب اگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے خلاف کوئی کارروائی کی جائے تو یہ لوگ بے خبر رہیں گے اور سلطنت میں کسی قسم کا نقص امن نہیں کر سکیں گے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ایک فرمان حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نام جاری کیا جس میں آپ کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کر کے آپ کو مع جملہ صاحبزادگان و مریدین دعوت دی گئی اور حاکم سرہند کو تاکید کی کہ جس طرح ہو سکے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو یہاں بھجوا دو۔

جب یہ حکم نامہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اپنے صاحبزادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ کو پوشیدہ طور پر پہاڑی علاقہ کی طرف بھیج دیا اور اہل وعیال کو دلاسا و تسلی دے کر خود

حاضر الوقت پانچ مریدوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے۔ رخصت کے وقت اہل وعیال اور معتقدین نے گھبراہٹ و بے چینی ظاہر کی لیکن حضرت موصوف نے سب کو تسلی دی اور صبر وتحمل سے کام لینے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ یہ تکلیف صرف ایک سال کے لئے ہے، بعد ازاں آرام ہی آرام ہے۔

بادشاہ نے جب آپ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو امراء کو آپ کے استقبال کے لئے بھیجا اور نہایت احترام کے ساتھ شاہی مہمان کی حیثیت سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ اپنے محل کے قریب آپ کا خیمہ نصب کرایا اور آپ کے ہمراہیوں کے لئے بھی خیمے لگوا دیئے۔ آخر بادشاہ نے ملاقات کے لئے آپ کو دربار میں طلب کیا۔ آپ دربار میں تشریف لے گئے تو آداب شاہی جو خلاف شرع شریف تھے، آپ نے ادا نہ کئے۔ بادشاہ کی جونہی حضرت مجددؒ صاحب پر نظر پڑی تو وہ اس درجہ متاثر ہوا کہ آداب شاہی بجا نہ لانے پر ذرا بھی معترض نہ ہوا۔

یہ حال دیکھ کر وزیر حیران رہ گیا اور بادشاہ سے کہا ''حضور یہ وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو تمام انبیاء سے افضل بتاتا ہے اور حضرت موصوف کا وہ مکتوب گرامی بھی پیش کیا جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں اپنے تفصیلِ احوال کے سلسلہ میں تحریر کیا تھا۔ و ھو ھذا۔

> ''دوسری عرض یہ ہے کہ دوبارہ اس مقام کے ملاحظہ کے وقت اور بہت سے مقامات ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے۔ نیاز و عاجزی سے توجہ کرنے کے بعد جب اس پہلے مقام سے اوپر کے مقام میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل وارشاد کا مقام ہے اور ایسے ہی اس مقام سے اوپر کے وہ مقام بھی جن کا ذکر اب ہوتا ہے، تکمیل وارشاد کے مقام ہیں اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا۔ جب اس مقام میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی وہاں عبور واقع ہے اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا۔ بندہ اس مقام پر بھی پہنچا اور اپنے مشائخ میں سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کو ہر مقام میں اپنے ہمراہ پاتا تھا اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہے، سوائے عبور اور مقام اور مرور اور اثبات کے کچھ فرق نہیں ہے اور اس مقام کے اوپر سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام کے مقابل ایک اور نہایت عمدہ نورانی مقام کہ اس جیسا کبھی نظر نہ آیا تھا، ظاہر ہوا اور وہ مقام اس مقام سے تھوڑا سا بلند تھا جس طرح کہ صفہ کو سطح زمین سے ذرا بلند بناتے ہیں اور معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت کا مقام ہے اور وہ مقام رنگین اور منقش تھا۔ اپنے آپ کو بھی اس مقام کے عکس سے رنگین معلوم کیا۔ اس کے بعد اسی کیفیت میں اپنے آپ کو لطیف پایا اور ہوا یا بادل کے ٹکڑے کی طرح اطراف میں پھیل گیا اور بعض اطراف کو گھیر لیا اور

Marfat.com

حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام میں ہیں۔ بندہ اپنے آپ کو اس کیفیت کے ساتھ جو عرض کی گئی ہے اس مقام کے مقابل مقام میں پاتا ہے۔" (مکتوب ۱۱ دفتر اول)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا کہ جو شخص حضرت علی کرم وجہہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل جانے وہ دائرہ اہل سنت و جماعت سے خارج سمجھا جاتا ہے چہ جائیکہ کوئی اپنے تئیں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھے حالانکہ اہل تصوف کے نزدیک جو شخص اپنے تئیں سگ گرگین سے خبیث ترین مخلوقات سے ہے بہتر جانے وہ بدتر از سگِ گرگین ہے اور جس عبارت سے لوگ یہ مطلب سمجھے ہیں، وہ سیر عروج کا حال ہے کہ اکثر صوفیہ کو ابتداء حال میں بڑے بڑے مقامات کی یہ سیر حاصل ہوتی ہے اور پھر اپنے اصلی مقام پر آ جاتے ہیں، مثلاً دربار شاہی میں کہ ہر ایک امیر وزیر و شاہزادہ کی جگہ مقرر ہے۔ اگر سلطان کسی شخص کو مصلحتاً اپنے پاس ذرا سی دیر کے لیے طلب فرمائے اور اس سے سرگوشی کر کے پھر اس کو واپس کر دے چونکہ وہ شخص تمام اراکین سلطنت کے مقام سے گزرتا ہوا آئے گا تو اس سے یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص اس کا ہم رتبہ و ہم درجہ ہو گیا۔ یہی حال اس عروج باطنی کا بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس مکتوب میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے تئیں اس مقام کے عکس سے رنگین پایا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی چیز آفتاب کے عکس سے روشن ہو جائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ آفتاب ہو گئی۔ زمین ہر روز آفتاب کے عکس سے روشن ہوتی ہے مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ زمین آفتاب ہو گئی۔ غرض کہ حضرت کے معقول جوابات سے بادشاہ کو ایسی تسلی ہوئی کہ اس کا غصہ دور ہو گیا۔[۹۹]

اور بادشاہ نے کہا واقعی ہمارا خیال بھی ایسا ہی تھا کہ آپ جیسے بزرگ صالح اور متقی سے کیوں اہل حق کی مخالفت ظاہر ہو گی۔ جب وزیر نے دیکھا کہ یہ داؤ بھی نہ چل سکا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ حضور! شیخ صاحب نے آداب سلطنت کی کوئی رعایت نہیں کی۔ اس پر بادشاہ نے آپ سے وجہ دریافت کی؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے آج تک خدا اور رسولؐ کے بتائے ہوئے آداب و احکام کی پابندی کی ہے۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی آداب نہیں آتے۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا کہ مجھے سجدہ کرو۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے سوائے خدا کے نہ کسی کو سجدہ کیا اور نہ کروں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ نہیں تم کو سجدہ کرنا پڑے گا۔ حضرت نے فرمایا تم مجھ سے ہرگز سجدہ نہیں کرا سکتے...... کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے پہلے شہزادۂ دین پناہ شاہجہاں کہ حضرتؒ سے خلوص کامل رکھتا تھا، علامہ افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کو کتب فقہ کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں بھیج چکا تھا کہ سجدۂ تحیت سلاطین کے لئے آیا ہے۔ اگر آپ سجدہ کر لیں تو آپ کو بادشاہ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ میں ضامن اور ذمہ دار ہوتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ حکم بطور رخصت ہے اور بطور عزیمت حکم یہ ہے کہ غیر حق کو کبھی سجدہ نہ کریں۔"[۱۰۰]

جب بادشاہ کو اندازہ ہو گیا کہ آپ کسی طرح اس کو سجدہ نہیں کریں گے تو کہا اچھا آپ کا سجدہ صرف اتنا ہے کہ سر کو ذرا خم کر دیں۔ باقی آداب میں نے معاف کر دیئے کیونکہ مجھے آپ سے شرم آتی ہے اور یہ کہ میری زبان سے ایک بات نکل گئی ہے اس کو پورا ہونا چاہئے۔ حضرتؒ نے فرمایا میں اس بات کے لئے سر بھی نہیں جھکاؤں گا۔ بادشاہ نے

Marfat.com

اپنے مقربین سے کہا کہ شیخ صاحب کے سر کو پکڑ کر ذرا جھکا دو اور پھر ان کو تحفے اور انعام دے کر رخصت کر دو کیونکہ مجھے ان سے شرم آتی ہے۔ چنانچہ چند قوی ہیکل امراء نے حضرتؒ کے سر مبارک کو خم کرنا چاہا اور بہت زور لگایا کہ کسی طرح ذرا خم کر دیں لیکن ممکن نہ ہوا۔ حتیٰ کہ زور آزمائی کی وجہ سے حضرت موصوف کی بینیٔ مبارک سے خون جاری ہو گیا۔ بعد ازاں بادشاہ نے کہا اچھا شیخ صاحب کو اس چھوٹے دروازے سے جو قدِ آدم سے چھوٹا تھا، لے کر آؤ تا کہ اس سے گزرتے وقت تو سر جھکانا ہی پڑے لیکن حضرت مجدد الف ثانی نے اس دروازے سے گزرنے کے لئے پہلے اپنا قدم نکالا اور پھر سر کو پچھلی طرف جھکا کر داخل ہوئے۔ وزیر نے یہ حالت دیکھ کر بادشاہ کو اور بھڑکایا کہ شیخ صاحب جب آپ کے حضور میں اس قدر تکبر کرتے ہیں تو باہر نکل کر کس قسم کی شورش کا موجب نہ ہوں گے، ایسا موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا شیخ صاحب کو ابھی قید کر لینا چاہئے ورنہ بعد میں بڑی ندامت ہوگی، اس وقت پچھتانا کچھ مفید نہ ہوگا۔ آخر بادشاہ وزیر کے کہنے پر حضرتؒ کو قید کرنے پر راضی ہو گیا اور گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کرنے کا حکم دیدیا۔ [۱۰۱]

چنانچہ جہانگیر نے خود بھی ''توزک جہانگیری'' میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی قید و بند کے بارے میں نہایت مغرورانہ انداز میں لکھا ہے:

> ''دریں [۱۰۲] ایام بعرض رسید کہ شیخ احمد نام شیادے در سہرند دام زرق و سالوس فرو چیدہ بسیارے از ظاہر پرستاں بے معنی راصید خود کردہ و بہر شہر و دیارے یکے از مریدانِ خود را کہ آئین دکان آرائی و معرفت فروشی و مردم فریبی راز دیگراں پختہ تر داند خلیفہ نام نہادہ فرستادہ و مزخرفاتے کہ بہ مریداں و معتقدان خود نوشتہ کتابے فراہم آوردہ مکتوباتے نام کردہ و دراں جنگ مہملات بسا مقدمات لاطائل مرقوم گشتہ کہ بکفر و زندقہ منجرمی شود ازاں جملہ درمکتوبے نوشتہ کہ دراثناء سلوک گزارم بمقام ذی النورین افتاد، مقامے دیدم بغایت عالی وخوش بصفا راز انجملہ درگذشتم بمقام فاروق پیوستم واز مقام فاروق بمقام صدیق عبور کردم و ہر کدام را تعریفے درخودِ آں نوشتہ واز انجا بمقام محبوبیت واصل شدہ مقامے مشاہدہ افتاد بغایت منور وملون خود را بانواع انوار والوان منعکس یافتم یعنی استغفراللہ از مقام خلفا درگشتہ بعالی مرتبت رجوع نمود و دیگر گستاخی ہا کردہ کہ نوشتن آں طولے دار دواز ادب دوراست بنا بریں حکم فرمودم کہ بدرگاہ عدالت آئین حاضر سازند، حسب الحکم بملازمت پیوست واز ہر چہ پرسیدم جواب معقول نتوانست سامان نمود با عدم خرد و دانش بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شدہ صلاح حال او منحصر دریں دیدم کہ روزے چند درزندان ادب محبوب باشد تا شوریدگی مزاج وآشفتگی دماغش قدرے تسکین پذیرد و شورش عوام نیز فرونشیند، لاجرم بانے رائے سنگدلن حوالہ شد کہ درقلعہ گوالیار مقید دارد۔''

شہنشاہ جہانگیر نے اگرچہ مندرجہ بالا عبارت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی مدح میں نہیں لکھی بلکہ اس عبارت کا انداز منہ چڑانے کے مترادف ہے اس کے باوجود اس عبارت میں بعض حقائق پنہاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ جہانگیر خود اس بات کا اعتراف کر رہا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اور آں موصوف کے خلفاء و مریدوں نے ہر شہر و قصبہ میں

Marfat.com

معرفت کی دکان کھولی ہے یعنی آپ کی مقبولیت اس قدر عام ہوگئی تھی کہ ہر شہر و ہر قصبہ میں آپ کی تعلیمات کے مدارس اور ذکر و اشغال کی مجالس قائم ہوگئی ہیں۔ اس سے زیادہ حضرتؒ کی مدح و ستائش اور کیا ہوسکتی ہے۔ سچ ہے "جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔"

دیگر یہ کہ چونکہ جہانگیر تصوف اور سلوک کی منازل و درجات سے ناواقف تھا اس لئے وہ ان مقامات کو نہ سمجھ سکا جس کی بناء پر اس نے آپ کو قید کی سزا دی اور یقیناً وہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے جذبۂ اخلاص و اتباع سنت کے اثر سے متاثر اور آپ کی ولایت و کرامت کا ضرور معترف تھا اور آپ کی عظمت و جلال کا رعب و دبدبہ بدرجۂ اتم اس کے دل پر ضرور چھا چکا تھا ورنہ جبکہ اس نے اپنی شہزادگی کے زمانے میں ابوالفضل جیسے وزیر اعظم کو قتل کرا دیا تھا تو وہ اپنی مطلق العنان بادشاہی کے دور میں آپ کے ساتھ کیا کچھ نہ کر سکتا تھا۔

چونکہ ان واقعات کے سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو الہام ہو چکا تھا اسی لئے آپ قید ہونے سے پہلے فرمایا کرتے تھے کہ ابھی تک میری تربیت جمالی طور سے ہوئی ہے اب حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ جلالی طور سے ہو اور مجھ پر ایک مصیبت آنے والی ہے جو میرے مدارج قرب کی ترقیات کا موجب ہوگی چنانچہ آپ نے ان قید و بند کی تکالیف کو بخوشی قبول فرمالیا۔

نقل ہے کہ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ گوالیار کے قلعہ میں پہنچے تو حاکم قلعہ شاہی حکم کے مطابق نہایت سختی سے پیش آیا۔ یہ دیکھ کر آپ کے خلفاء میں سے ایک صاحب نے پاسبانوں سے کہا کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ بادشاہ نے ہمیں یہاں قید کر رکھا ہے؟ یاد رکھو کہ ہم حکم الٰہی سے یہاں آئے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اللہ کے حکم سے تمہاری آنکھوں میں خاک ڈال کر ایک دم میں باہر جا سکتے ہیں۔ اتنا کہہ کر اچھلے اور قلعہ کی دیوار پر جا بیٹھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جب یہ دیکھا تو جھڑک کر فرمایا کیا مجھ میں اظہار کرامت کی قدرت نہیں جو تم کر رہے ہو؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اس جفا کو برداشت کرنے کے لئے مامور ہیں۔

تو سمجھتا ہے حوادث ہیں ستانے کے لئے	یہ ہوا کرتے ہیں ظاہر آزمانے کے لئے
تیزیٔ بادِ مخالف سے نہ ہو حیراں عقاب	یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

جب پاسبانوں نے یہ حالت دیکھی تو بہت نادم اور پشیمان ہوئے اور خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی۔ [۱۰۳]

نقل ہے کہ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ قلعۂ گوالیار میں پہنچے تو وہاں کئی ہزار غیر مسلم بھی قید تھے۔ حضرت نے ان کو تبلیغ دین کر کے مشرف باسلام کیا اور سینکڑوں قیدیوں کو ارادت سے سرفراز فرما کر درجات ولایت پر پہنچا دیا۔ [۱۰۴]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جمادی الآخریٰ ۱۰۲۸ھ میں جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو قلعۂ گوالیار میں نظر بند کر دیا تو مکتوبات شریف کے دفتر دوم کو اسی واقعہ کی یادگار کے طور پر ختم کر کے مکمل کر دیا گیا۔ واللہ اعلم

اسی سال آپ کے خلیفہ شیخ احمد برکی کا وصال ہوا۔ جب اس کی اطلاع حضرتؒ کو ہوئی تو بہت افسوس کیا۔

تجدید کا اٹھارہواں سال

(از ۱۲ ربیع اولال ۱۰۲۸ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۹ھ)

اس سال کے اہم واقعات میں جہانگیر کے خلاف امراء کی بغاوت، حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رہائی اور لشکر میں قیام، بادشاہ سے ملاقاتیں اور دین اسلام کی تبلیغ و ترویج وغیرہ ہیں۔

ہندوستان کے امراء اور ارا کین سلطنت مثلاً خان خاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں، مہابت خاں، مرتضیٰ خاں، قاسم خاں، تربیت خاں، خان جہاں لودھی، سکندر لودھی، حیات خاں اور دریا خاں جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مرید تھے، آپ کی نظر بندی کی خبر سن کر آگ بگولا ہو گئے۔ فوراً جنگ کی تیاری کے لئے باہمی خط و کتابت کی۔ آخر یہ طے پایا کہ کابل کے حاکم مہابت خان کو اپنا سردار مقرر کیا جائے اور باقی سب حاکم خزانے اور فوج سے اس کی مدد کریں۔ الغرض مذکورہ بالا سب حاکموں نے پوشیدہ طور پر خزانے اور فوجیں کابل روانہ کر دیں اور دوسری ولایتوں کے بادشاہوں نے بھی حتی المقدور مہابت خان کی مدد کی چنانچہ مہابت خان کافی فوج لے کر مقابلہ کے لئے کابل سے روانہ ہو گیا۔ مگر اثناء راہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی جانب سے اس کو ایک مکتوب گرامی ملا جس میں تحریر تھا کہ میری یہ کیفیت میری رضامندی سے ہے۔ خبردار آپ لوگ کوئی جنبش اور حرکت نہ کریں۔

اسی اثنا میں بادشاہ اپنی شامتِ اعمال کی بنا پر سخت بیمار ہو گیا اور کسی طرح شفا کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ آخر ایک شب خواب میں کسی بزرگ نے فرمایا ''اے ظالم! تو نے مجدد اسلام اور امام وقت کو تکلیف دی ہے۔ یہ بیماری اس کا سبب ہے۔'' بادشاہ نے بیدار ہوتے ہی آپ کی رہائی کا فرمان جاری کر دیا اور ایک عرضداشت جو خطا کی معافی اور ملاقات سے مشرف ہونے کی استدعا پر مشتمل تھی، اپنے ندیموں کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیجی۔ [105]

صاحب ''روضۃ القیومیہ'' نے ان واقعات کو اس طرح قلمبند کیا ہے کہ مہابت خان نے جب ہر طرح کے انتظامات مکمل کر لئے تو خطبہ اور سکہ سے بادشاہ کا نام نکال کر کابل سے ہندوستان کی طرف چلا۔ جب یہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو بہت پریشان ہوا اور سوائے اس کے کوئی چارا نظر نہ آیا کہ مہابت خان کا مقابلہ کیا جائے، چنانچہ بادشاہ خود ایک جرار لشکر لے کر نکلا، آخر دریائے جہلم پر جہانگیر اور مہابت خان کا مقابلہ ہوا۔ جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ شاہی لشکر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مریدوں کی کثرت تھی اور سب کو معلوم تھا کہ مہابت خان حضرت موصوفؒ کو قید کرنے کی وجہ سے بادشاہ سے جنگ کرنے پر مجبور ہوا ہے اس لئے بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں لشکر نے مہابت خان پر حملہ صرف دکھانے کے لئے کیا۔ بادشاہ غصے میں بھرا ہوا تو تھا ہی اس نے آگا دیکھا نہ پیچھا بڑھتا چلا گیا۔ مہابت خان جنگی چال دے کر پیچھے ہٹتا چلا گیا حتیٰ کہ بادشاہ کو گھیرے میں لے کر گرفتار کر لیا۔ وزیر اور باقی لشکر کو جب بادشاہ کی گرفتاری کا علم ہوا تو بہت گھبرائے اور صلح کی پیشکش کی اور وزیر بدتدبیر نے مہابت خان کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت خوشامد کی اور معافی مانگی۔ بادشاہ نے بھی معافی مانگی۔ بادشاہ تین یا سات دن مہابت خان کے پاس نظر بند

Marfat.com

رہا۔اس دوران میں بعض امراء نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کوتخت پر بٹھانا چاہا لیکن حضرت نے تخت پر بیٹھنا تو درکنار قید سے نکلنا بھی پسند نہ کیا بلکہ آپ نے امراء کے ذریعہ مہابت خان کو پیغام بھیجا کہ ''فتنہ اور فساد فرو کرو اور بادشاہ کی اطاعت کرو۔''

جب مہابت خان نے جہانگیر کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا یہ پیغام سنایا تو وہ حیران ہوا اور حضرتؒ کی عظمت وہیبت سے تھرا گیا۔ چنانچہ مہابت خان نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رہائی کا عہد و پیمان لے کر بادشاہ کو پھر تخت پر بٹھایا اور خود دست بستہ سامنے کھڑا ہوگیا اور آداب سلطنت بجالایا۔ بادشاہ نے بھی اس کا قصور معاف کیا اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رہائی کا حکم دیا۔ آپ کی نیک نیتی اور اخلاص کے اس عظیم مظاہرہ سے متاثر ہوکر بادشاہ نے آپ کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کرکے تشریف لانے کی دعوت دی۔ [۱۰۶]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے چند شرطیں حاضر ہونے کے لئے پیش کیں جن کو بادشاہ نے بخوشی منظور فرمالیا۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ بڑی عزت و احترام سے رہا کئے گئے۔ تین یوم سرہند شریف میں قیام فرما کر آپ شاہی لشکر آگرہ میں تشریف لے آئے۔ ولی عہد (شہزادہ خرم) اور وزیر اعظم نے آپ کا استقبال کیا اور آپ نے شاہی محل میں نہایت درجہ احترام کے ساتھ قیام فرمایا۔ بادشاہ نے آپ کی پیش کردہ شرطوں کو پورا کیا چنانچہ

(۱) سجدۂ تعظیمی بالکل موقوف کردیا گیا۔ (۲) گاؤکشی میں آزادی دی گئی۔ گائے کا گوشت برسربازار فروخت ہونا شروع ہوگیا۔ (۳) بادشاہ اور ارکان دولت نے ایک ایک گائے دربار عام کے دروازے پر اپنے اپنے ہاتھ سے ذبح کی اور کباب تیار کرا کر کھائے۔ (۴) ملک کے جس جس حصہ میں مساجد شہید کی گئی تھیں دوبارہ تعمیر کی گئیں۔ (۵) دربار عام کے قریب ایک خوشنما مسجد تعمیر ہوئی۔ تیار ہونے پر بادشاہ امراء سمیت اس مسجد میں آیا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی امامت میں نماز ادا کی۔ (۶) ہر شہر اور قصبہ میں دینی تعلیم کے لئے مکتب اور مدرسے قائم کئے گئے۔ (۷) شہر بشہر محتسب، شرعی مفتی اور قاضی مقرر ہوئے۔ (۸) کفار پر جزیہ مقرر ہوا۔ (۹) جس قدر قوانین خلاف شرع جاری تھے سب یک قلم منسوخ کئے گئے۔ (۱۰) جملہ بدعات اور رسوم جاہلیت بالکل مٹا دی گئیں۔ اس طرح دین اسلام میں نئے سرے سے رونق اور تازگی پیدا ہوئی، مسلمانوں کے قلوب مسرت سے لبریز ہوگئے اور شبانہ روز کفار اپنی رضا و رغبت سے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے۔ [۱۰۷]

صاحب ''روضۃ القیومیہ'' رقم طراز ہیں کہ ''بادشاہ گذشتہ گستاخیوں کی بابت بہت شرمندہ تھا۔ ہر روز اپنے خاتمہ بالخیر اور مغفرت کے لئے آنجناب (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) سے التجا کرتا۔ آنحضرتؒ فرماتے کہ خاطر جمع رکھو میں اس وقت بہشت میں داخل ہوں گا جب تم کو اپنے ساتھ لے لوں گا۔'' [۱۰۸]

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی مجددی لکھنوی علیہ الرحمۃ قید سے رہائی کے واقعات کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''قید سے رہائی کا واقعہ بھی آپ کی روشن کرامت ہے۔ بادشاہ جہانگیر نے خواب دیکھا۔ خواب

Marfat.com

کیا قسمت جاگ اٹھی۔ دیکھا کہ سید الخلق اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بطور تاسف اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرمار ہے ہیں کہ ”جہانگیر! تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا۔“

اس خواب کے فوراً بعد آپ کی رہائی عمل میں آئی مگر دشمنوں نے پھر کچھ کہہ سن کر بادشاہ سے یہ حکم دلوا دیا کہ چند روز آپ ہمارے ساتھ لشکر میں رہیں۔ گو یہ چیز حضرتؒ کے لئے قید سے کم تکلیف دہ نہ تھی لیکن کام جو بنا وہ اسی سے بنا۔ بادشاہ کو آپ کی صحبت نصیب ہوئی اور اس صحبت نے اس کے باطن کو مزکّی کر دیا۔ پھر تو وہ آپ کا غلام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی۔ شراب و کباب اور دوسرے منہیات سے ایسی کامل بے تعلقی اختیار کی کہ باید و شاید۔

وہی بادشاہ جس کے غرور بدمستی کی یہ حالت تھی کہ اپنے لئے سجدہ کراتا تھا۔ سجدۂ تعظیمی کے جواز کے فتوے علماء سے لئے تھے وہی بادشاہ آخر عمر میں کہتا ہے کہ ”میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک روز مجھ سے شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا تھا کہ ”اگر اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے۔“

حضرت امام ربانیؒ ہی کی برکت تھی کہ جہانگیر کے بعد شاہجہاں جیسا دیندار بادشاہ اور شاہجہاں کے بعد اورنگزیب جیسا جامع کمالاتِ صوری و معنوی بادشاہ ہوئے۔

جہانگیر کے اقبال نے یہاں تک ترقی کی کہ سرہند میں حضرت امام ربانی کا مہمان بننے اور آپ کے باورچی خانہ کا کھانا کھانے کا شرف حاصل کیا۔ کھانا اگرچہ بالکل سادہ تھا مگر بادشاہ نے کہا کہ میں ایسا لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا۔“ ۱۰۹

جہانگیر اپنی ”توزک“ میں رہائی کے واقعات کو اپنے شاہی رعب و جلال کے ساتھ اس طرح لکھتا ہے:

”دریں ۱۱۰ تاریخ شیخ احمد سرہندی را کہ بجہت دکان آرائی و خود فروشی و بے صرفہ گوئی روزے چند درزندان ادب محبوس بود بحضور طلب داشتہ خلاص ساختم خلعت و ہزار روپیہ خرچ عنایت نمودہ دررفتن و بودن مختار گردانیدم او از روئے انصاف معروض داشت کہ ایں تنبیہ و تادیب در حقیقت ہدایتے و کفایتے بود نقش مراد در ملازمت خواہد بود۔“

جہانگیر کی یہ عبارت بھی اپنے شاہی متکبرانہ انداز میں ہے لیکن ساتھ ہی اس بات کا واضح طور پر یقین ہوتا ہے کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے جذبۂ اخلاص سے ضرور مرعوب ہو چکا تھا جب ہی تو اس نے خلعت اور ہزار روپیہ کی رقم عنایت فرمائی اور اس کا بھی اختیار دیا کہ خواہ آپ اپنے وطن واپس تشریف لے جائیں یا میرے ساتھ رہیں۔ آپ نے شاہی لشکر میں قیام کو قبول فرما لیا اور فرمایا ”میرا مقصد اسی سے پورا ہوگا“ یعنی اس سے بادشاہ کی اصلاح ہوگی اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

اس کے بعد بھی ایک دوسرے موقع پر جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو دو ہزار روپے عنایت فرمائے چنانچہ ”توزک جہانگیری“ صفحہ ۳۸۰ پر درج ہے کہ

Marfat.com

''ازاں جملہ بشیخ احمد سہرندی دو ہزار روپیہ عنایت شد۔''

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ گوالیار کے قلعہ سے باہر تشریف لائے اور لشکر میں قیام پذیر ہوئے تو وہاں کے حالات مخدوم زادوں کے نام تحریر فرماتے ہیں:

''الحمدللہ والصلوٰۃ والسّلام علی رسول اللہ ۔فرزندان گرامی اگرچہ ہماری دائمی صحبت کے مشتاق اور خواہاں ہیں اور ہم بھی ان کے حضور و ملاقات کے آرزومند ہیں لیکن کیا کر سکتے ہیں کیونکہ تمام امیدیں میسر نہیں۔''

تجری الرّیاح بما لا تشتھی السفن
(ہوا چلتی ہے کشتی کے مخالف)

لشکر میں اس طرح بے اختیار و بے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت جانتا ہوں اور اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہوں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جیسا کہ ارشاد فرمایا تھا کہ ''میرا مقصد اسی سے پورا ہوگا'' یعنی لشکر کے دوران قیام بادشاہ سے ملاقات کی سہولت اور اس کو تبلیغ دین کرنے کے مواقع حاصل ہوسکیں گے، چنانچہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی شاہی دربار میں آمدورفت شروع ہوگئی جس کا تذکرہ مخدوم زادوں کے نام ایک مکتوب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''الحمدللہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔اس طرف کے احوال اور اوضاع حمد کے لائق ہیں۔ عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے امور دینیہ اور اصول اسلامیہ کی ان گفتگوؤں میں سرِ مُو سُستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں وہی باتیں بیان ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کے لئے ایک دفتر ہونا چاہئے۔ الخ''[۱۱]

شاہی مجلس سے متعلق ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''فرزندان گرامی کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ صحت و عافیت سے ہیں۔ ایک تازہ معاملہ جو آج ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں اچھی طرح سماعت کریں۔ آج شنبہ کی رات کو بادشاہی مجلس میں گیا تھا۔ ایک پہر رات گزرے وہاں سے واپس آیا اور تین سیپارہ قرآن مجید حافظ سے سنا۔ دو پہر سے زیادہ رات گزر چکی تھی کہ نیند میسر ہوئی۔''[۱۲]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریف میں ایک مکتوب جہانگیر بادشاہ کے نام بھی ہے چونکہ شہنشاہ جہانگیر سے متعلق گفتگو کا سلسلہ جاری ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکتوب یہاں درج کر دیا جائے۔ وھو ھذا۔

''کمترین دعا گویان احمد معلی بازگاہ کے حاضرین اور بلند درگاہ کے خادموں کی خدمت میں عاجزی اور نیاز مندی ظاہر کرتا ہے اور اس امن و آرام کی نعمت کا شکر بجا لاتا ہے جو جناب کے غلاموں کی دولت و اقبال سے عوام و

Marfat.com

خواص کے شامل حال ہے اور دعا کی قبولیت کے گمان کردہ وقتوں اور فقراء کی جمیعت کے زمانوں میں فتح حاصل کرنے والے لشکر کے لئے فتح ونصرت کی دعا مانگنا ہے کیونکہ ۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند
(ہر کسی کو دے دیا ہے ایک کام)

اس لئے کارخانۂ خداوندی میں کوئی چیز عبث نہیں ہے۔ وہ کام جو غزا اور جہاد کرنے والے لشکر پر موقوف ہے اس میں دولت وسلطنت قاہرہ کی تائید اور تقویت ہے جس پر شریعت روشن کی ترقی منحصر ہے کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اَلشرعُ تحت السیف (شرع تلوار کے نیچے ہے) اور یہی بڑا معتبر کام لشکر دعا (دعا کرنے والے حضرات) سے بھی وابستہ ہے جو ارباب فقر واحباب بلا ہیں، کیونکہ فتح ونصرت کی صورت ہے جو غزا کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے، دوسری قسم فتح ونصرت کی حقیقت ہے اور مسبب الاسباب کی طرف سے ہے آیت کریمہ وما النصر الا من عنداللہ (نہیں ہے مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) میں اسی نصرت کی طرف اشارہ ہے اور یہ لشکر دعا سے تعلق رکھتی ہے۔ پس لشکر دعا اپنی ذات وانکساری کے باعث لشکر غزا پر سبقت لے گیا اور سبب سے مسبب کی طرف دلالت فرمائی ۔

بردند شکستگاں ازیں میدان گرے
(لے گئے کمزور اس میدان سے گیند)

نیز دعا قضا کو رد کر دیتی ہے، جیسے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا ہے لا یردّ القضآءَ الا الدُّعآءُ (سوائے دعا کے کوئی چیز قضا کو نہیں ٹالتی) تلوار اور جہاد میں یہ طاقت نہیں کہ قضا کو رد کر سکے۔ پس لشکر دعا ضعف و عاجزی کے باوجود لشکر غزا سے زیادہ قوی ہے، نیز لشکر دعا روح کی طرح ہے اور لشکر غزا جسم کی طرح۔ پس لشکر غزا کے لئے لشکر دعا کا ہونا ضروری ہے کیونکہ بغیر روح کے تائید ونصرت کے لائق نہیں ہوتا، اسی لئے (راویوں) نے کہا ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستفتح بصعالیک المہاجرین ۔(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر غزا اور جہاد کرنے والوں کے غلبہ کے باوجود فقراء مہاجرین کے وسیلے سے فتح ونصرت طلب کیا کرتے تھے)۔ پس فقرا جو دعا کا لشکر ہیں، خواری اور زاری اور بے اعتباری کے باوجود ضرورت کے وقت کام آتے ہیں۔ اگرچہ الفقر سواد الوجہ فی الدارین (فقر دونوں جہان میں روسیاہی کا باعث ہے) کہا گیا ہے، اس بے اعتباری کے باوجود اعتبار حاصل کرتے ہیں اور سب سے آگے قدم لے جاتے ہیں۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ''قیامت کے دن شہیدوں کے خون کو علماء کی سیاہی کے ساتھ تولیں گے تو سیاہی والا پلہ غالب آ جائے گا۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ یہی سیاہی اور روسیاہی ان کی عزت وسرخروئی کا باعث ہوگئی اور ان کے مرتبہ کو پستی سے بلندی تک پہنچا دیا۔ ہاں ۔

بتاریکی دروں آب حیات است
(چھپا ظلمت میں آب زندگی ہے)

کوئی شاعر کہتا ہے۔ بیت

Marfat.com

غلام خویشتنم خواند لالہ رخسارے
سیاہ روئی من کرد عاقبت کارے
(میرے حبیب نے مجھ کو اپنا غلام کہا۔ میری سیاہ روئی نے آخر میرا کام بنا دیا)

یہ کمترین اگرچہ اس لائق نہیں کہ اپنے آپ کو لشکر دعا کے شمار میں داخل کرے لیکن تاہم صرف فقر کے نام اور دعا کی قبولیت کے احتمال پر اپنے آپ کو دولت قاہرہ کی دعا سے فارغ نہیں رکھتا اور حال وقال کی زبان سے سلامتی کی دعا و فاتحہ میں مشغول رہتا ہے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم“ [113]

تجدید کا انیسواں سال

(از ۱۲ ربیع اولال ۱۰۲۹ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۰ھ)

اس سال کے اہم واقعات میں جہانگیر اور شہزادہ خرم کی جنگ، شہزادہ کا حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہونا اور سلطنت کی بشارت پانا۔

اس سال ولی عہد شہزادہ خرم (شاہجہاں) جو بہت نیک طینت اور فرشتہ خصلت تھا، حضرت مجدد الف ثانیؒ کا بہت معتقد تھا اور آصف الدولہ برادر نور جہاں کا داماد تھا۔ حضرتؒ کے حبس کے زمانے میں حضرت کے لئے کئی بار باپ سے لڑا جھگڑا بھی تھا اور رہائی کے لئے سفارش بھی کی تھی۔ بادشاہ کی تلون مزاجی اور آئے دن ان فتنوں کے بپا ہونے سے سخت نالاں تھا۔ اسی اثنا میں شہزادہ کو خفیہ طور پر معلوم ہوا کہ اس کو ولی عہدی سے محروم کر کے شہریار کو ولی عہد بنانے کی سازش ہو رہی ہے تو مجبور ہو کر باپ کے ساتھ آمادۂ پیکار ہو گیا۔ شہزادہ کے ساتھ فوج کی کثرت تھی۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ عین جنگ کی حالت میں کچھ فوجی دستے بادشاہ سے جدا ہو کر شہزادہ سے جا ملے۔ غرض بڑے زور سے باپ بیٹے کا مقابلہ ہوا۔ جہانگیر پریشان ہو کر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے فتح و نصرت کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آخر آپ کی دعا کی برکت سے دیکھتے ہی دیکھتے معاملہ برعکس ہو گیا اور شہزادہ کو شکست اور جہانگیر کو فتح حاصل ہوئی۔

شہزادہ خرم شکست کے بعد چھپتا چھپاتا حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں تو ہمیشہ بادشاہ سے آپ کے لئے لڑتا بھڑتا رہا اب آپ میری مدد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ”مجھے حق تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا ہے کہ عنقریب تم تخت پر بیٹھو گے اور تمہارا لقب شاہجہاں ہوگا اور عرصہ تک تمہاری نسل میں سلطنت رہے گی۔“ یہ سن کر شہزادہ بہت خوش ہوا اور بطور تبرک حضرتؒ کی ایک دستار لے گیا جو عرصہ تک شاہان مغلیہ کے خزانہ میں رکھی رہی۔ [114]

Marfat.com

بعض حضرات نے اس جنگ کے اسباب اس طرح بیان کئے ہیں۔ ''نور جہاں اگرچہ سنجیدہ، قابل اور دانشمند عورت تھی، اس کے رحم و کرم اور دستِ فیض سے ہزاروں بے کس اور نادار عورتیں اپنی جملہ مشکلات سے نجات پاتی تھیں لیکن بسا اوقات وہ اپنے ذاتی منشا کو پورا کرنے کے لیے تباہ کن فتنہ بھی کھڑا کر دیا کرتی تھی، چنانچہ اس کا یہی افسوں تھا جس کی بنا پر مہابت خان جیسا مخلص اور وفادار سپہ سالار جہانگیر سے باغی ہوا.....'' اسی طرح شہزادہ خرم سے جہانگیر اتنا خوش تھا کہ عہد شہزادگی ہی میں اس کو ''شاہجہاں'' کا خطاب دے کر چتر وغیرہ شاہانہ امتیازات اس کو مرحمت کر دیئے تھے لیکن جب نور جہاں اس کی مخالف ہوئی تو جہانگیر کو اس فرزند عزیز سے زیادہ نفرت کسی سے نہیں تھی۔ شہزادہ موصوف نے غلط فہمی کے ازالہ کے لئے اپنا وکیل بادشاہ کی خدمت میں بھیجا تو اس کو بات کرنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ مجبوراً اس عزیز فرزند کو اپنی جان بچانے کے لئے شاہی فوجوں سے مقابلہ کرنا پڑا اور جہانگیر کی عمر کے آخری سال انہی خرخشوں کی نذر ہو گئے۔

بات صرف یہ تھی کہ نور جہاں شہزادہ کو جہانگیر کا جانشین بنانا چاہتی تھی۔ شہریار سے شیر افگن کی لڑکی منسوب تھی جو نور جہاں کے بطن سے تھی۔ شاہجہاں کی مشہور اور مسلم قابلیت کے مقابلے میں شہریار طفل مکتب تھا مگر داماد کی محبت میں اس نے مفاد سلطنت حتیٰ کہ خاندانی مصلحت کا بھی خیال نہ کیا اور پورے ملک میں ایک فتنہ برپا کر دیا۔ نور جہاں کا بھائی آصف الدولہ شاہجہاں کا حامی اور نور جہاں کے مقابلہ پر تھا کیونکہ آصف الدولہ کی لڑکی شاہجہاں سے منسوب تھی جس کا لقب ممتاز محل تھا۔ یہ رشتہ بھی شاہجہاں کی حمایت کا باعث تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ شاہجہاں کی ذات ستودہ صفات ہر ایک بہی خواہ ملک اور مدبر کو اپنی حمایت پر مجبور کر دیتی تھی۔ [۱۱۵]

اسی سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے صاحبزادوں کو کوہستان سے اپنے پاس لشکر میں بلا لیا۔

تجدید کا بیسواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۰ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۱ھ)

اس سال کے اہم واقعات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہمراہ جہانگیر کا سرہند آنا۔ اجمیر شریف حاضر ہونا، حضرتؒ کی لشکر سے خلاصی وغیرہ حالات ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اخلاص و کرامات کی وجہ سے جہانگیر اس درجہ گرویدہ ہوا کہ اب ایک ساعت کے لئے بھی آپ کو اپنے سے جدا ہونا پسند نہ کرتا تھا حتیٰ کہ سفر و حضر میں بھی اپنے ساتھ رکھتا۔ اس طرح ساتھ رہنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جو لوگ اپنی مجبوریوں کی بنا پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے اور حصول فیض کے متمنی تھے ان کو حضرت سے فیض حاصل کرنے کا موقع مل گیا اور جن علاقوں میں دینی مدارس نہ تھے وہاں حضرت کے حکم سے مدارس قائم کئے گئے اور جو مساجد غیر آباد یا منہدم ہو گئی تھیں وہ آباد و تعمیر کی گئیں۔ اس طرح دین کا چرچا عام ہو گیا اور عوام کی دینی و اخلاقی اصلاح بھی ہو گئی۔

Marfat.com

جب حضرت مجدد علیہ الرحمہ لاہور پہنچے تو اس شہر کی قطبیت شیخ طاہر کو عنایت فرمائی اور سرہند کی طرف روانہ ہوئے۔ جب شاہی خیمے سرہند میں نصب ہوئے تو حضرتؒ نے بادشاہ کی ضیافت فرمائی۔ کھانا کھانے کے بعد بادشاہ نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ ایسا لذیذ کھانا میں نے کبھی نہیں کھایا۔ آپ اپنے باورچیوں سے فرمائیں کہ ہمارے باورچیوں کو کھانا پکانا سکھائیں۔ حضرتؒ نے فرمایا تمہارے باورچیوں سے ایسا کھانا نہیں پک سکے گا۔ چنانچہ جتنے دن بادشاہ سرہند شریف میں مقیم رہا حضرت کی خانقاہ سے اس کے لئے کھانا جاتا رہا...... ایک روز حضرت علیہ الرحمہ نے بادشاہ سے فرمایا کہ مجھے اب سرہند ہی رہنے دو لیکن بادشاہ نے آپ کی جدائی گوارا نہ کی اور آپ کی خاطر کچھ عرصہ سرہند میں قیام کیا۔ بعد ازاں بادشاہ دہلی روانہ ہوا اور حضرت کو بھی ہمراہ لیا۔ حضرتؒ وہاں سے بنارس تک بادشاہ کے ہمراہ تشریف لے گئے، پھر بادشاہ اجمیر کی طرف روانہ ہوا۔ حضرتؒ بھی اس کے ہمراہ اجمیر تشریف لے گئے اور وہاں کافی عرصہ قیام پذیر رہے۔ (روضہ، ۲۰۷ تا ۲۰۹)

تجدید کا اکیسواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۱ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۲ھ)

اس سال کے اہم واقعات میں شیخ نورالحق پسر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی طرف مکتوب گرامی اور حضرتؒ کا خصوصی مکاشفہ وغیرہ حالات ہیں۔

اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے صاحبزادہ خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ کو لشکر شاہی سے سرہند شریف روانہ کیا۔

اسی سال شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے صاحبزادے مولوی نورالحق کی معرفت چند اسرار باطنی کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے استفسار کیا۔ حضرت نے نہایت تسلی بخش جواب دیا جو مکتوب ۱۰۰ دفتر سوم میں شیخ نورالحق کے نام ہے۔ یہ ایک طویل مکتوب گرامی ہے جس میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گرفتاری کے سِر کو منکشف فرمایا اور بعض اسرار غریبہ اور علوم عجیبہ بیان فرمائے۔ اس مکتوب گرامی کی ابتدا اس طرح پر ہے:

> ''الحمدللہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ فضائل و کمالات کے پناہ والے برادرم شیخ نورالحق نے اس گرفتاری کی نسبت جو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ کے ساتھ تھی، بڑے شوق و اہتمام کے ساتھ دریافت کیا تھا اور فقیر کو بھی مدت سے اس انکشاف کا شوق تھا۔ جب آپ کا شوق اس شوق کے ساتھ مل گیا تو بے اختیار ہو کر ہمہ تن اس دقیقہ کے کشف کی طرف متوجہ ہوا اور سرسری نظر میں معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت اور ان کا حُسن و جمال اس عالم دنیا کے خلقت اور حُسن و جمال کی

Marfat.com

قسم سے نہیں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ اس کا جمال بہشتیوں کے جمال کی قسم سے ہے اور مشہود ہوا کہ باوجود اس جہان کے اس کا حسن حور وغلمان کے حسن کی مانند ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس بارے میں مفصل طور پر جو کچھ فائض ہوا ہے تحریر کر کے ارسال کیا جاتا ہے۔ سبحانک ولا علم لنا الا علمتنا، الیٰ آخر المکتوب الشریف۔''

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس جواب کو دیکھ کر آپ کے معتقد ہو گئے اور ملاقات کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہی دنوں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حضرت خواجۂ بیرنگ باقی باللہ قدس سرہ العزیز کے خلیفہ شیخ حسام الدین کی طرف سے ایک مکتوب لکھا جو اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ شیخ عبدالحقؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تجدید و قیومیت کے معترف تھے۔[۱۱۶]

ایک عالم نے جو تصوف کے خلاف تھے جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا ایک مکتوب پڑھا جس میں تحریر تھا ''حقیقت وطریقت دونوں شریعت کی خادمہ ہیں'' تو اس عالم نے حضرت کے اس جملہ سے بہت لطف اٹھایا اور بے اختیار اس کی زبان سے نکلا ''اللھم سلم ھذا الشیخ المعظم'' (اے پروردگار! اس شیخ معظم کو سلامت رکھ)۔ پھر فرمایا کہ آج میرے دل سے وہ کدورت رفع ہو گئی جو مشائخ کی طرف سے تھی۔[۱۱۷]

اسی سال ۱۰۳۱ھ میں حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے امر و طلب پر آپ کی خدمت میں اجمیر شریف حاضر ہوئے اور آپ نے حضرت علیہ الرحمہ کی ہدایت کے بموجب مکتوبات شریفہ کا دفتر سوم مرتب و مدون کیا جس کا سال تدوین لفظ ثالث ومعرفت الحقائق سے ظاہر ہے۔ یہ دفتر ۱۱۴ مکتوبات پر ختم ہوا تھا لیکن اس کی تدوین کے بعد کے دس مکتوبات بھی اس میں اضافہ کر دیئے گئے اور اب دفتر ۱۲۴ پر مشتمل ہے۔[۱۱۸]

اسی سال اجمیر ہی میں شیخ آدم بنوریؒ حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور باطنی حالات میں بہت جلد ترقی کی۔ چند ماہ بعد حضرت علیہ الرحمہ نے شیخ کو لوگوں کی تربیت کے قابل پایا تو سرہند شریف میں خلافت سے سرفراز فرمایا۔[۱۱۹]

تجدید کا بائیسواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۲ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۳ھ)

اس سال کے اہم واقعات میں آثار رحلت، سرہند شریف میں ورود مسعود، حضرت خواجہ محمد معصوم کا مسند ارشاد پر فائز ہونا وغیرہ حالات ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بعض مخلص احباب آپ کے مکتوبات شریف کی پہلی اور دوسری جلد بدخشاں، خراسان اور ماوراء النہر لے گئے۔ وہاں کے بعض علماء ومشائخ جو اپنے حلقہ کے سردار بھی تھے، ابھی تک کسی کے مرید نہیں ہوئے تھے۔ جب انہوں نے مکتوبات شریف کا مطالعہ کیا تو حضرتؒ کے معتقد ہو گئے چنانچہ وہاں کے جید علماء

میں سے مولانا ربانی حسن قادانی اور مولانا نولک نے ایک صالح مرد کے ہاتھ اپنے اپنے نیازمندانہ عریضے آپ کی خدمت اقدس میں بھیجے جو اس مرد صالح نے اجمیر شریف میں حاضر خدمت ہوکر آپ کے حضور پیش کئے اور ان بزرگوں کی طرف سے وفور محبت وعقیدت کا اظہار کیا۔ ان عریضوں میں تحریر تھا کہ اگر کبرسنی، ضعف جسمانی، بُعدِ مسافت اور صعوبت سفر وغیرہ امور مانع نہ ہوتے تو ہم خود حضرتِ اقدس میں حاضر ہوکر بقیہ لمحات درِ دولت پر گزارتے لہٰذا ہم نیاز مندوں کو اپنے مخلصوں اور مریدوں میں شمار کرکے غائبانہ افاضت سے ہمارے احوال پر توجہ فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے ان میں سے ہر ایک عرض گزار کی طرف سے اس صالح مرد کو مرید کیا۔ رخصت ہوتے وقت اس صالح مرد نے درخواست کی کہ وہاں کے بزرگوں نے مکتوبات شریف کے تیسرے دفتر کی درخواست کی ہے۔ آپ نے تیسرے دفتر کا ایک جز اس صالح مرد کو عنایت فرمایا۔[120]

آثار رحلت وجانشینی

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ابھی اجمیر شریف میں ہی تشریف فرما تھے کہ ایک دن فرمایا ''آثار بتاتے ہیں کہ اب کوچ کا زمانہ قریب ہے'' چنانچہ سرہند شریف اپنے صاحبزادوں حضرت خواجہ محمد سعید وحضرت خواجہ معصوم علیہما الرحمۃ کو مندرجہ مکتوب تحریر فرماتے ہیں:

''الحمد للہ و سلامی علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ مدت گزری کہ فرزندان گرامی نے اپنے ظاہری و باطنی احوال کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ شاید دیر تک جدا رہنے کے باعث مجھ دور افتادہ کو بھول گئے ہوں۔ ہم بھی ارحم الراحمین رکھتے ہیں۔ آیت کریمہ۔ الیس اللہ بکافٍ عبدہ (کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کافی نہیں) نامراد غریبوں کو تسلی بخشنے والی ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ تمہاری اس قدر لاپروائی کے باوجود دل ہمیشہ تمہارے احوال کی طرف متوجہ ہے اور تمہارے کمال کا خواہاں ہے۔ کل صبح کی نماز کے بعد مجلس سکوت یعنی مراقبہ وخاموشی کے وقت ظاہر ہوا کہ وہ خلعت جو میں پہنے ہوئے تھا مجھ سے جدا ہوگئی اور بجائے اس کے اور خلعت مجھے پہنائی گئی۔ دل میں آیا کہ یہ خلعت زائلہ (میری اتاری ہوئی خلعت) کسی کو دیتے ہیں یا نہیں۔ مجھے یہ آرزو ہوئی کہ اگر یہ خلعت زائلہ میرے فرزند محمد معصوم کو دیدیں تو بہتر ہے۔ ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ میرے فرزند کو مرحمت فرمائی گئی ہے اور وہ خلعت سب کی سب اس کو پہنائی گئی ہے۔ یہ خلعت زائلہ معاملۂ قیومیت سے مراد ہے جو تربیت وتکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے اس عرصۂ مجتمعہ کے ساتھ ارتباط کا باعث ہوا ہے۔ اس خلعت جدیدہ کا معاملہ جب انجام تک پہنچ جائے گا اور خلع کی مستحق ہوجائے گی تو امید ہے کہ کمال کرم سے فرزند عزیز محمد سعید کو عطا فرمائیں گے۔ یہ فقیر ہمیشہ عاجزی کے ساتھ یہ سوال کرتا ہے اور قبولیت کا اثر پاتا ہے اور فرزند عزیز کو اس دولت کا مستحق معلوم کرتا ہے۔

Marfat.com

بر کریماں کارہا دشوار نیست (کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام)

استعداد ہے تو وہ بھی اسی کی دی ہوئی ہے۔ بیت

نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

(نہیں لایا میں کچھ بھی اپنے گھر سے مجھے سب کچھ ملا ہے تیرے در سے)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اعملو ال داؤد شکراً و قلیل من عبادی الشکور (اے آل داؤد! عمل کرو اور شکر بجالاؤ، میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہی ہیں) تم جانتے ہو کہ شکر سے مراد ہے کہ بندہ اپنی ظاہری و باطنی اعضاء و جوارح اور قویٰ کو جس جس غرض کے لئے خدا تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے ان میں صرف کرے۔ اگر یہ نہ کیا جائے تو شکر بھی ادا نہ ہو۔ واللہ سبحانہ الموفق (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) اس قسم کے علوم پوشیدہ اسرار میں سے ہیں۔ اگرچہ احتیاط کے ساتھ کہے جاتے ہیں لیکن پھر بھی ان کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے تاکہ لوگ فتنے میں نہ پڑ جائیں۔

دوسرے یہ کہ وہ مشکل جو درپیش تھی شاید وہ معاملہ عالم مثال میں تھا۔ ان دنوں میں وہ بھی حل ہوگئی ہے اور کوئی پوشیدگی نہیں رہی، شاید اس امر میں خواجہ معین الدینؒ کی روحانیت کا بھی دخل ہوگا۔ محمد معصوم بھی شاید اس مشکل کو دل میں رکھتا ہوگا۔ والسلام'' [۱۲۱]

خواجہ ہاشم کشمی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اسی سال ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں فرمایا کہ آج عجیب معاملہ پیش آیا کہ میں اپنے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اسی تخت پر میرے ساتھ کوئی اور آ کر بیٹھ گیا ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں تمہارے واسطے اجازت نامہ لکھنے کے لئے آیا ہوں جو آج تک میں نے کسی کے واسطے نہیں لکھا۔ میں نے دیکھا کہ اس اجازت نامہ کے متن میں وہ الطاف عظیم درج فرمائے تھے جو اس جہان سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کی پشت پر وہ عنایات کثیرہ رقم فرمائی تھیں جو عالم آخرت کے متعلق تھیں۔ چنانچہ یہ بات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے مکتوبات کی تیسری جلد میں تحریر فرمائی ہے: [۱۲۲]

''فرزندان گرامی کا صحیفہ شریف پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ صحت و عافیت سے ہیں۔ ایک تازہ معاملہ جو آج ظاہر ہوا لکھتا ہوں اچھی طرح سماعت کریں (پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) دوپہر سے زیادہ رات گزر چکی تھی کہ نیند میسر ہوئی۔ صبح حلقہ کے بعد چونکہ رات کا تھکا ماندہ تھا، سوگیا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیر کے لئے اجازت نامہ لکھا ہے۔ جس طرح کہ مشائخ کی عادت ہے کہ اپنے خلفاء کے لئے لکھتے ہیں اور فقیر کے مخلص دوستوں میں سے ایک دوست بھی اس معاملہ میں ہمراہ ہے۔ اس اثنا میں گو ظاہر ہوا کہ

Marfat.com

اس اجازت نامہ کے اجراء میں ایک طرح کا فتور ہے۔ اس فتور کی خاص وجہ بھی اسی وقت معلوم ہوگئی۔ وہ دوست جو اس خدمت کا پیش کار ہے گویا دوبارہ اس اجازت نامہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت نامہ کی پشت پر دوسرا اجازت نامہ لکھا ہے یا لکھوایا ہے۔ یہ تشخیص نہیں ہوا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت معلوم ہے اور لکھنے کے بعد اپنی مُہر سے مزین فرمایا ہے۔ اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ دنیا کے اجازت نامہ کے عوض آخرت کا اجازت نامہ دیا گیا ہے اور مقام شفاعت میں نصیب وحصہ عطا فرمایا ہے اور کاغذ بھی بہت بڑا ہے اور اس میں بہت سی سطریں لکھی ہیں۔ میں اس دوست سے پوچھتا ہوں کہ پہلا اجازت نامہ کونسا ہے اور دوسرا اجازت نامہ جو لکھا ہے وہ کونسا ہے اور اس میں اس وقت معلوم کرتا ہوں کہ میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہم ایک ہی جگہ میں ہیں، باپ بیٹے کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت کا حضور مجھ سے اجنبی نہیں ہیں اور میں اس کاغذ کو لپیٹ کر اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر محرم فرزندوں کی طرح اس کے حرم شریف میں داخل ہوا ہوں۔ امہات المومنین (مؤمنوں کی ماؤں) میں سے بڑی ماں (حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ) مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بعض خدمات بڑے اہتمام سے فرماتی ہیں اور کہتی ہیں کہ میں تیرا انتظار کرتی تھی، اس اس طرح کرنا چاہئے۔ اسی اثنا میں افاقہ ہوگیا۔ یہ بات دل سے دور ہوگئی کہ اس فتور کی وجہ کیا تھی جو (اس وقت) معلوم نہیں ہوتی تھی۔ جوں جوں آنکھ کھلتی جاتی تھی اس واقعہ کی خصوصیتیں دل سے نکلتی جاتی تھیں۔

تمہیں یاد ہوگا کہ میں اس بارے میں پہلے بھی یہ بات کہا کرتا تھا کہ یہ بلند نسبت عجیب ہے کہ اپنے اندازہ کے موافق ظاہر نہیں ہوتی۔ دل میں یہ بات آتی تھی کہ اس کا ظہور ظاہراً آخرت کے لئے ذخیرہ رکھا ہے اور اس کا نعم البدل میسر ہوگا۔ اس واقعہ کی وجہ سے ان ترددات سے تشفی حاصل ہوئی۔ قیامت قریب ہے اور ظلمتوں کی گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ کہاں خیریت کجا نورانیت، شاید حضرت مہدی علیہ الرضوان خلافت ظاہر کی تائید پا کر اس کو رواج دیں گے اور اس نعمت کے شکریہ میں ہم نے حکم دیا ہے کہ قسم قسم کے کھانے (پکا کر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کو ہدیہ کریں اور خوشی کی مجلس قائم کریں۔ شاید اس مکتوب کے اٹھانے والے بھی ان کھانوں میں سے تناول فرمائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی مکتوب میں ایک واقعہ کے بیان میں جو ظاہر ہوا تھا، لکھا تھا کہ تیسرے دوست کو نوکری میں قبول نہ کیا۔ کچھ عرصے کے بعد ظاہر ہوا کہ محض کرم سے اس کو بھی قبول فرمایا اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوئے۔ للہ الحمد والمنۃ علی ذلک و علیٰ جمیع النعماء

Marfat.com

(اس نعمت پر بلکہ تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے) ان دونوں معارف غریبہ اور علوم عجیبہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ گویا وہ ورق مرقوم ہوا ہے اور ہر ایک کا معاملہ جدا ظاہر ہوا ہے، ''فرزند دور ہیں اور عمر کا معاملہ نزدیک ہو جاتا ہے۔'' الخیر فیما صنع اللہ تعالیٰ (بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے) کہتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔ ربنا اتنا من لدنک رحمۃ و ھی لنا من امرنا رشداً (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرمایا اور ہمارے کام سے بھلائی نصیب کر۔) والسلام علیٰ من تبع الھدیٰ۔'' [۱۲۳]

اس نامۂ مبارک کے پہنچتے ہی دونوں صاحبزادے حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ بے اختیار خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شرف زیارت سے مشرف ہوئے۔ چند روز کے بعد ایک دن خلوت میں دونوں صاحبزادوں سے فرمایا کہ اب مجھے اس جہاں سے مطلق دلچسپی نہیں رہی۔ اس جہاں میں جانا چاہئے کیونکہ کوچ کی علامات نمایاں ہو رہی ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ اپنے مکتوبات کی جلد اول میں اس مجلس کا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''جس وقت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اس بندہ کو خلعت قیومیت سے سرفراز فرمایا اس وقت حضرتؒ اور ہم دونوں بھائی موجود تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا کہ اس مجمع گاہ سے میل جول کا باعث قیومیت تھی جو تجھے عطا کر دی ہے۔ اب تمام خط و کتابت دینی و دنیاوی معاملات میں تمہیں سے ہوگی، اس لئے اب اس جہان میں میرے رہنے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ جب میں (خواجہ محمد معصومؒ) نے حضرتؒ کی زبان مبارک سے آپ کے اس جہاں سے وادیٔ قرب میں کوچ کر جانے کی بابت سنا تو اگرچہ آپ نے مجھے قیومیت کی خوشخبری دی تھی لیکن وہ خوشی فوراً زائل ہو گئی، جگر کباب ہو گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور مارے غم کے زبان بند ہو گئی، سننے کی طاقت زائل ہو گئی۔ جب آپ نے میری طبیعت میں یکا یک تبدیلی دیکھی تو از راہ لطف و کرم فرمایا کہ غم مت کرو اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہی یہ ہے کہ ایک کو اپنے پاس بلاتا ہے اور دوسرے کو اس کی جگہ قائم مقام کرتا ہے۔'' [۱۲۴]

صاحب ''زبدۃ المقامات'' تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرزندان عالی قدر کا حزن و ملال بدرجہ غایت ملاحظہ کیا تو مخدوم زادوں سے فرمایا کہ ''ابھی کچھ وقت ایک اور کام کے انجام دینے کے لئے مجھے عنایت فرمایا گیا ہے۔'' اس خوشخبری کے سننے سے مخدوم زادے اور احباب خوش ہو گئے۔ [۱۲۵] غرض کہ آپ نے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو منصب قیومت سے سرفراز فرما کر نسبت خاصہ القا کی اور اپنا حقیقی جانشین مقرر فرمایا اور محبوبیت ذاتی بھی جو طینت محمدیؐ پر موقوف ہے، عنایت فرمائی۔ یہ محبوبیت ذاتی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ یا آپ کے فرزندوں کے کسی بھی ولی کو عنایت نہیں فرمائی۔ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ کے پہلے عشرے کا ہے اور اس کے ایک سال تین ماہ بعد حضرتؒ کا وصال ۲۹ صفر ۱۰۳۴ھ کو ہوا۔

Marfat.com

اس کے بعد آپ نے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو اپنے حضور میں مسند ارشاد پر بٹھایا اور تمام خلفاء اور مریدین کو حکم دیا کہ ان سے بیعت کریں۔ سب نے حسب الارشاد بیعت کی اور خانقاہ کے تمام معاملات بھی ان کے سپرد ہوئے۔ سب کو حکم دیا کہ حضرت خواجہ معصومؒ کے حلقہ میں بیٹھا کریں حتیٰ کہ اگر کوئی آپ کے پاس مرید ہونے کے لیے حاضر ہوتا آپ اسے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بھیج دیتے اور خود مرید نہ فرماتے۔ [۱۲۶]

تجدید کا تیسواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۳ھ تا ۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ)

اس سال کے اہم واقعات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا سرہند واپس تشریف لانا، تمام تعلقات سے انقطاع کر کے خلوت اختیار فرمانا اور وفات حسرت آیات وغیرہ حالات ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی عمر شریف کا تقریباً ایک سال باقی رہ گیا تو آپ نے بڑی کوشش کے بعد بادشاہ سے رخصت [۱۲۷] حاصل کی اور حسب معمول حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ دیر تک مرقد مبارک کے محاذ میں مراقب رہے۔ جب وہاں سے اٹھے تو فرمایا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے حق مہمانی ادا کیا اور طرح طرح کی ضیافتیں فرمائیں اور بہت سی پوشیدہ باتوں کا اظہار فرمایا۔ اتنے میں مزار کے خادموں نے حضرت خواجہؒ کا قبر پوش جو ہر سال نیا چڑھا کر پرانا بادشاہوں کو دیا جاتا تھا، حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے قبول فرما کر خادم کے سپرد کر دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ زیارت روضۂ خواجہؒ کے بعد اجمیر سے اپنے وطن مالوف کو روانہ ہو گئے۔ جب اس سفر سے دارالارشاد سرہند شریف تشریف لائے تو اہل سرہند نے آپ کے شایان شان استقبال کیا اور مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا بے حد شکر بجالائے۔

دیوار و درش سجود کردند　　　شکرانۂ ایں ورود کردند [۱۲۸]

سرہند شریف پہنچ کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے تمام تعلقات سے کلی انقطاع کر کے خلوت اختیار کر لی۔ سوائے مخدوم زادوں اور دو تین خادموں کے اور کوئی آپ کی خدمت میں جانے کا مجاز نہ تھا۔

خواجہ ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ انہی خلوت کے ایام میں ایک روز میں نے عرض کیا کہ حضور! ملک دکن کے امور سلطنت میں آج کل سخت بد نظمی ہے۔ اگر اجازت ہو تو اپنے اہل وعیال کو لے آؤں۔ آپ نے اجازت دیدی۔ رخصت ہوتے وقت میں نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں کہ پھر آستانہ پر حاضر ہو کر قدم بوسی نصیب ہو۔ فرمایا: دعا کرتا ہوں کہ آخرت میں پھر ہم یکجا جمع ہو جائیں۔

اسی طرح شعبان المعظم ۱۰۳۳ھ کی پندرہویں شب کو جب آپ حرم سرا میں تشریف لے گئے تو آپ کی اہلیہ صاحبہ کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ "اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آج کس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا ہے اور کس کا باقی

رکھا گیا ہے۔'' یہ سن کر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ تم تو شک وشبہ میں یہ بات کہہ رہی ہو لیکن اس شخص کی کیا حالت ہوگی جو بچشم خود دیکھتا ہو کہ اس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹادیا گیا ہے۔[129] (اس میں اپنی جانب اشارہ تھا)

حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مکان میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ میں آئندہ جاڑے کے موسم میں اس مکان میں نہ ہوں گا۔ لوگوں نے عرض کیا شاید اس مکان میں جو کہ خلوت کے واسطے درست کرایا ہے، قیام فرمائیں گے۔ ارشاد ہوا کہ اس جگہ بھی نہیں۔ پھر خدام نے دوبارہ عرض کیا کہ پھر کہاں رونق افروز ہوں گے؟ فرمایا کہ ان مکانوں میں سے کسی میں بھی نہیں، دیکھو خود بخود کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اتفاقاً موسم سرما آنے سے پہلے ہی اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف آپ رحلت فرما ہوگئے۔[130]

انہی دونوں مخدوم زادوں سے منقول ہے کہ ہم نے حضرت اقدس قدس سرہ سے دریافت کیا کہ آپ نے اہل وعیال سے اس قدر بے رغبتی اور خلق سے بے تعلقی کس لئے اختیار فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا کہ میرے انتقال کا زمانہ بہت ہی نزدیک اور نہایت ہی قریب ہے۔ پس جس آدمی کو یہ معلوم ہو تو اس کو لازم ہے کہ اپنے کو بزور عبادت میں مشغول کرے اور تسبیح و استغفار اور درود وتلاوت قرآن مجید اور ذکر وغیرہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہو اور غیر حق سے بالکل علیحدگی اختیار کرے، اس لئے تم سب بھی مجھ کو خدا پر چھوڑ دو۔ حق سبحانہ وتعالیٰ سب سے زیادہ دوست ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ میری توجہ اور اعانت تم لوگوں کے لئے رحلت کے بعد قبل رحلت کی بہ نسبت اور زیادہ ہو جائے گی، اس لئے کہ تعلق بشری بعض وقتوں میں اعانت اور توجہ کو مانع ہے اور بعد انتقال کے چونکہ فراغت اور تجرد ہے کوئی مانع نہیں[131]...... حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اس مدت میں ظاہر و پوشیدہ دن اور رات بہت خیرات کی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے عید الاضحیٰ ۱۰۳۳ھ کی نماز کے بعد ایک مختصر سی تقریر میں فرمایا ''لوگو! میں نے تمہیں پہلے ہی اطلاع دیدی ہے کہ میں عنقریب دنیا سے کوچ کرنے والا ہوں۔ آثار مجھے بتارہے ہیں کہ میری عمر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ۶۳ سال ہوگی۔ اب ۶۳ واں سال شروع ہو چکا ہے لہٰذا میں عنقریب تم لوگوں سے جدا ہو جاؤں گا اور اپنے مولا کا دیدار حاصل کروں گا۔ خدا کے بندو! جو کچھ مجھے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حاصل ہوا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا۔ یہ بھی تم سے مخفی نہیں کہ میں نے ملتِ حقہ کے رواج دینے میں کس قدر کوششیں کیں، کتنے ظلم سہے، کتنی جفائیں برداشت کیں، کتنے سخت سے سخت مصائب اٹھائے حتیٰ کہ قید تک منظور کی، لشکر میں رہنا اختیار کیا لیکن اپنے کام میں کوتاہی نہیں کی۔ آہ! اب میں تم سے جدا ہوتا ہوں اور تم کو اپنے پروردگار کے سپرد کرتا ہوں۔ میری اور تمہاری ملاقات اب قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے ہوگی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے پوچھیں گے کہ شیخ احمدؒ نے ملت حقہ کے رواج دینے میں کیا کچھ کیا تھا۔''

یہ سن کر حاضرین مجلس تڑپ گئے، بے اختیار رونے لگے اور سب نے یک زباں ہو کر کہا: یا امام الاولیاء! واقعی آپ نے شریعت کو رواج دینے میں اور مذہب وملت کی تجدید میں حد درجہ کوشش فرمائی ہے اور اس دوران میں جو جو مصائب وتکالیف آپ کو پیش آئیں، ان پر آپ نے صبر سے کام لیا اور شکر الٰہی بجالائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر

عطا فرمائے۔ انشاء اللہ ہم قیامت کے دن بھی گواہی دیں گے۔ اس کے بعد آپ نے حاضرین کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور خانقاہ شریف میں تشریف لے آئے۔ [۱۳۲]

۱۰۳۴ھ کا آغاز ہوا تو ۱۲ محرم کو گوشہ نشینی سے اٹھ کر والد ماجد کے مزار شریف پر تشریف لے گئے اور دیر تک مراقبہ فرمایا اور تمام اہل قبور کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ پھر وہاں سے جد اعلیٰ حضرت امام رفیع الدین قدس سرہ کے مزار شریف پر تشریف لے گئے۔ وہاں بھی مراقبہ فرمایا اور دعائے مغفرت کے بعد دولت خانہ تشریف لے آئے۔ (سیرت امام ربانی، ۱۴۶)

چھ سات ماہ کی گوشہ نشینی کے بعد یہ آخری بار زیارت قبور کا اتفاق تھا۔ اس کے بعد ضیق النفس کا دورہ عارض ہوگیا جو ہر سال ہوا کرتا تھا لیکن اس سے کسی طرح افاقہ نہ ہوا بلکہ مرض شب و روز بڑھتا چلا گیا۔ ۱۲ صفر کو اس کے ساتھ بخار بھی شروع ہوگیا۔ ان سب کے باوجود آپ نماز باجماعت ادا فرماتے رہے اور اوراد و وظائف اور ذکر و مراقبہ میں کسی قسم کی کوتاہی واقع نہیں ہوئی۔ ۲۳ صفر پنجشنبہ کے دن کچھ افاقہ ہوا لیکن پھر مرض کا زور ہو کر بڑھنا شروع ہو گیا حتیٰ کہ سہ شنبہ ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ ہجری کو آپ کا وصال ہوگیا۔

حضرت مجدد الف ثانی کے وصایا

حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ نے وصال سے قبل زندگی کے آخری ایام میں صاحبزادوں، خلفاء اور مریدوں کو بہت سی وصیتیں فرمائیں جن میں چند درج کی جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ قرآن مجید اور سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنا، دین حق کے مجتہدوں کی فرمانبرداری کرنا، خلاف شرع مشائخ سے بچنا، جو فقراء وحدت وجود کے قائل ہیں اور رقص و سماع کو کام میں لاتے ہیں وہ جھوٹے مدعی ہیں کیونکہ جو احوال سالک پر ان امور سے وارد ہوئے ہیں میں نے انہیں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ان سے منع فرمایا۔ شریعت اور طریقت پر ثابت قدم رہنا، عزیمت پر عمل کرنا، کرامت اور رخصت کو اعمال میں داخل نہ کرنا، ذکر و شغل اور مراقبہ بکثرت کرنا، اپنا سارا وقت یاد الٰہی میں صرف کرنا تاکہ باطنی احوال کشادہ ہو جائیں۔ باطنی ترقی شریعت پر ثابت قدم رہنے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر محال ہے۔ اگر کوئی شخص شریعت کا مخالف ہو اور اس سے خوارق عادات یا کرامات ظاہر ہوں تو وہ کرامت نہیں بلکہ استدراج ہے۔ یہ باتیں میں نے اپنے کلام (مکتوبات) میں مفصل لکھ دی ہیں، ان پر عمل کرنا تاکہ تمہیں نجات حاصل ہو اور علم باطنی سے حصہ ملے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان تمام مریدوں کا حال مجھ پر منکشف فرمایا ہے جو قیامت تک میرے سلسلے میں داخل ہوں گے۔ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر نیک لوگ مجھے اپنے سلسلے میں معلوم ہوئے۔

نیز میرے فرزندوں کی عزت کرنا، ان سے دعا و توجہ کے لئے التماس کرنا، سختی اور مصیبت میں ان سے مدد طلب کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پوری پوری معرفت اور مکمل قرب عطا فرمایا ہے۔ وہ تمام جہاں میں شریف و کریم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ہماری نسبت خاصہ اور تمام جہان کی قطبیت قیامت تک ہمارے فرزندوں

میں رہے گی وغیرہ۔[۱۳۳]

مذکورہ بالا وصیتوں کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے صاحبزادوں کو وصیت کی کہ میری تجہیز و تکفین میں اتباع سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پوری پوری رعایت رکھنا، میری قبر کو خام رکھنا، میری قبر کو کسی گمنام جگہ بنانا۔ اس تیسری وصیت پر مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے عرض کیا کہ حضرت سلامت آپ نے پہلے فرمایا تھا کہ ہماری قبر صاحبزادہ محمد صادقؒ کے گنبد میں ہوگی اور قبر کی جگہ بھی آپ نے معین فرمادی تھی اور اس جگہ کی شرافت اور برکت وانوار بھی بیان فرمائے تھے۔ فرمایا ہاں میں نے کہا تھا لیکن اس وقت مجھے یہی شوق ہے، اگر تم کو یہ منظور نہ ہوا تو والد بزرگوار کے نزدیک یا باغ میں دفن کیجیو۔ جب مخدوم زادہ نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا اچھا جو مناسب ہو کیجیو اور مخدوم زادگان کی والدہ ماجدہ کو وصیت فرمائی کہ میری تجہیز و تکفین اپنے مہر سے کرنا۔[۱۳۴]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی وفات حسرت آیات

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے چھ سات مہینے گزرے تھے کہ بتاریخ ۷ ذی الحجہ ۱۰۳۳ھ آپ کو ضیق النفس کا دورہ پڑا۔ اگرچہ یہ دورہ ہر سال ہوا کرتا تھا لیکن اس سال زیادہ شدت کے ساتھ مع بخار لاحق ہوا جس کی وجہ سے اعزا کو صحت سے مایوسی ہوئی۔ ایک روز آپ نے مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید الرحمہ سے فرمایا کہ ''آج شب میں نے حضرت غوث الثقلین قدس سرہ کو خواب میں دیکھا کہ میرے حال پر نہایت مہربانی اور عنایت فرماتے ہیں اور اپنی زبان مبارک کو میرے منہ میں ڈال کر فرماتے ہیں کہ میرے اس شعر

افلت شموس الاولین و شمسنا   ابداً علیٰ افق العُلیٰ لا تغرب

(گذشتہ تمام بزرگوں کے آفتاب غروب ہو چکے ہیں لیکن ہمارا آفتاب ہمیشہ افق اعلیٰ پر (چمکتا رہے گا) غروب نہ ہوگا)

اور میرے اس قول میں کہ قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ (میرا یہ قدم، اللہ تعالیٰ کے ہر ولی کی گردن پر ہے) لوگ حیران ہیں، اس کا حل لکھو (اس کی برکت سے) تم کو اس ضعف سے صحت حاصل ہوگی' چنانچہ مرضِ موت میں آپ نے حضرت قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو وصیت فرمائی کہ مذکورہ بالا شعر کا حل ضرور لکھنا اور خود زبان مبارک سے اس کی تشریح فرمادی۔ حضرت خواجہ معصوم علیہ الرحمۃ نے حضرت کی وصیت کو آپ کی عزاداری کے دنوں میں پورا کیا اور مکتوبات شریف کی تیسری جلد میں داخل کردیا ہے جو جلد سوم کے آخر میں مکتوب ۱۲۳ شیخ نور محمد بہاری کے نام لکھا گیا ہے[۱۳۵] اور چونکہ اس ضعف میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ پر حق سبحانہ وتعالیٰ کی ملاقات کا شوق کمال درجہ غالب تھا اس لئے آپ پر گریہ وزاری طاری ہوا حتیٰ کہ کلمۂ اللھم الرفیق الاعلیٰ کے ساتھ دم بدم رطب اللسان تھے اور فرماتے تھے کہ اگر کوئی طبیب کہے کہ تمہاری بیماری کا علاج نہیں ہے تو سو روپیہ بطور شکرانہ خیرات کروں۔

نیز ۱۲ محرم ۱۰۳۴ھ کو ارشاد فرمایا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ چالیس پچاس دن کے درمیان تمہاری قبر بن جائے

Marfat.com

گی۔ سننے والوں کو گمان ہوا شاید اسی ضعف میں آپ کا وصال ہو جائے گا لیکن بموجب بشارت حضرت غوث الثقلین قدس سرہ حضرت موصوفؒ کو صحت حاصل ہوگئی اور ضعف بھی جا تا رہا۔ طبیبوں نے صحت کی خوشخبری سنائی حتیٰ کہ آپ نماز کے لئے مسجد میں جانے لگے۔ تمام عزیزوں کو آپ کی صحت کا یقین ہو گیا اور آپ کا وہ فرمانا کہ چالیس پچاس روز کے درمیان گزر جاؤں گا لوگوں کے خیال سے نکل گیا اور اس مشہود کو واقعہ اور خواب پر محمول کرنے لگے اور اس کی تاویلات و تعبیراتؒ کر کے اپنے دلوں کو اطمینان و تسلی دینے لگے لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ برابر دن گنتے اور وصال کے منتظر تھے۔

ان ایامِ صحت میں آپ سے صدقہ و خیرات بکثرت ظہور میں آیا۔ آپ کے مخلصین میں سے ایک شخص جس نے آپ کے اندر رفیق اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) سے وصال کے شوق کی کثرت کو مشاہدہ کیا تھا اور اس دنیا کی زندگی سے آپ کی ناامیدی کو دیکھا تھا، وہ ان صدقات و خیرات کو بلیات کا دفعیہ گمان کر کے حیرت میں تھا یہاں تک کہ ایک روز اس نے عرض کیا کہ آپ میں زندگی سے ناامیدی اور اس دارِ فانی سے رحلت کے آثار ظاہر ہیں اور رفیق اعلیٰ کی ملاقات کا شوق نمایاں ہے پھر یہ سب صدقات و خیرات جو دافع بلیات ہیں کس لئے ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں یہ ہندی مصرع پڑھا ؎

آج ملا وا کنت سوں سکھی سب جگ دیئوں وار

یعنی آج دوست سے ملنے کا دن ہے۔ اے راز دار دوست! میں اس نعمت کی خوشی میں تمام دنیا کو قربان کرتا ہوں۔ [۱۳۶]

مخدوم زادہ حضرت خواجہ معصوم علیہ الرحمہ نقل کرتے ہیں کہ انہی ایام صحت میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا ''جو کمال کہ کسی انسان کے واسطے مخصوص اور ممکن الحصول ہو سکتا ہے بطفیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو اس سے ایک حصہ عطا کیا گیا ہے۔''

حضرت مخدوم زادہ فرماتے ہیں کہ اس سے میرا دل سخت پریشان ہوا اور سمجھا کہ شاید اب حضرتؒ اس عالم سے کوچ فرمائیں گے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیۂ شریفہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً کے نزول سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت قریب ہے۔ یہاں تک کہ جمعرات ۲۳ صفر کو عصر کے وقت صوفیوں کو قبائیں تقسیم فرما رہے تھے اور اس وقت آپ صرف فرجی (از قسم قبا) پہنے ہوئے تھے اور فرجی قبا کے نیچے کوئی دوسری قبا عادت کے موافق نہ تھی جس کی وجہ سے سردی لگ کر بخار ہو گیا اور آپ صاحبِ فراش ہو گئے۔ اس کے باوجود آپ اس رات تہجد کے لئے اٹھے اور بعد نماز تہجد فرمایا ''یہ ہماری آخری تہجد ہے۔'' حضرت مخدوم زادہ فرماتے ہیں کہ اس بات کے سنتے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ بیماری سے صحت پا کر پھر بیمار ہونا اور اس عالم سے رحلت فرمانا گویا اس معنی میں بھی آپ کو آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نصیب ہوئی۔ [۱۳۷]

اس ضعف و ناتوانی کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے کوئی نمازِ جماعت کے بغیر نہ پڑھی۔ الا ماشاء اللہ۔ قومہ اور جلسہ بھی جیسا کہ چاہئے ادا فرماتے تھے بلکہ جو دعا اور وظیفہ معمول تھا سب ادا فرماتے تھے۔ کوئی دقیقہ

Marfat.com

دقائق شریعت سے اور کوئی ادب آداب اعمال سے ترک نہ فرماتے اور کسی جزئیات شریعت میں حالت صحت کی طرح بال برابر بھی فرق نہ آنے دیتے تھے۔

کسی دن اسی حالت ضعف میں آپ نے حافظ عبدالرشید سے فرمایا کہ دو روپے کے کوئلے انگیٹھی کے لئے لے آؤ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ایک ہی روپے کے لے آؤ اس لئے کہ کوئی واعظ دل میں کہتا ہے کہ اس قدر وقت کہاں ہے جو دو روپے کے کوئلے جل سکیں۔ شیخ حبیب خادم نے عرض کیا کہ حضرت سلامت! سردی کا زمانہ ہے کام آئیں گے۔ اس پر فرمایا مُلّا حبیب اس قدر وقت اور زندگی کی امید کہاں مگر ایسا ہی کرو جب کوئلے آ گئے تو ان میں سے ایک روپیہ کے کوئلے جدا کئے اور فرمایا اتنے کوئلے ہمارے واسطے کافی ہیں اور باقی اندرون خانہ بھجوا دیئے۔ اپنے لئے جو کوئلے رکھے تھے وہ وصال کے وقت تک کافی ہو گئے اور کچھ نہ بچے۔ [۱۳۸]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ پر اس مرض میں حالت صحت سے بھی زیادہ علوم و معارف کا نزول ہوا جن کو آپ نے مخدوم زادوں پر ظاہر فرمایا۔ چنانچہ ایک روز معارف و حقائق کے بیان میں ایسے سرگرم ہوئے کہ ضعف و ناتوانی ہو کر طاقت گویائی نہ رہی تھی۔ مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے عرض کیا کہ حضرت سلامت آپ کو بہت ضعف ہو گیا ہے اس لئے ان معارف کو صحت کے وقت پر موقوف رکھئے۔ ارشاد فرمایا: اے عزیز! آئندہ وقت کہاں ہے اور فرصت کس کو ہے، میں جانتا ہوں کہ دوسرے وقت زبان کو اتنا بھی یارائے سخن نہ ہو گا۔ [۱۳۹]

آخر منگل کی شب کو وصال حق جل وعلا کے اشتیاق میں آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ ادا ہوا۔ اصبح یـا لیـل (صبح ہو اے رات!) اور جو خدام تیمارداری و خدمت گزاری کے لئے حضور میں حاضر تھے۔ ان سے فرمایا کہ تم نے بہت تکلیف اٹھائی اب (صرف) یہی رات محنت کی ہے۔ اس پر سب کو گریہ طاری ہو گیا اور آپ پر بھی ضعف کی وجہ سے بے ہوشی اور استغراق کا غلبہ ہو گیا۔ اس وقت حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے گھبرا کر عرض کیا کہ حضرت سلامت یہ غیبت آپ کو استغراق کی وجہ سے ہے یا خواب کی وجہ سے؟ ارشاد فرمایا استغراق کی وجہ سے ہے، بعض معاملات و حقائق درپیش ہیں اس لئے توجہ کرتا ہوں کہ (پوری طرح) ظاہر ہو جائیں اور اختتام کو پہنچیں اور ان معاملات کو مخدوم زادوں میں سے بھی بیان فرمایا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لطیف اسرار تھے۔

اس بیماری میں بھی اکثر اوقات وصیت فرماتے اور سنت عالیہ کی پیروی اور پسندیدہ ملت کے التزام پر رغبت دلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ شریعت کو مضبوطی سے اختیار کرو اور یہ بھی فرمایا کہ الـدین ھی النصیحۃ (دین نصیحت ہی ہے) کہ مصداق صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نصیحت کی باریکیوں میں سے کوئی باریکی (بیان کئے بغیر) نہیں چھوڑی۔ [۱۴۰]

اس کے بعد پیشاب کرنے کے لئے طشت منگایا۔ اتفاقاً آپ کے خادم مولانا محمد قاسم نے بغیر ریت والا طشت حاضر کیا اور ریت والا طشت نہ لائے۔ فرمایا اس میں ریت نہیں ہے۔ احتمال ہے کہ کہیں پیشاب کے قطرے اُچٹ کر لباس پر نہ گریں، اس لئے پیشاب کا ارادہ ترک فرما دیا۔ آخر ریت والا طشت حاضر کیا۔ فرمایا اب اتنی فرصت کہاں کہ پیشاب کے بعد وضو کر سکوں، اس کو لے جاؤ اور مجھے بستر پر لٹا دو چنانچہ آپ کو تکیہ کے سہارے لٹا دیا گیا تو آپ نے بطریق مسنون قبلہ رخ کر کے رخسارے کے نیچے اپنا داہنا ہاتھ رکھ لیا اور ذکر میں مشغول ہو گئے۔

بے شک چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نماز فجر سے باطہارت تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ رحلت کا وقت بہت قریب ہے اور پیشاب کے بعد استنجا اور وضو کرنے کی مہلت نہیں ملے گی اس لئے آپ نے پیشاب کا ارادہ ترک فرمایا کہ پہلا وضو نہ ٹوٹے اور طہارت کے ساتھ اس دار فانی سے انتقال فرمائیں۔ جب مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے دیکھا کہ سانس تیز آنا شروع ہو گیا ہے تو گھبرا کر پوچھا حضرت سلامت مزاج مبارک کیسا ہے؟ فرمایا کہ ''میں بہت اچھا ہوں، دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھی وہ کافی ہے۔'' اس میں بھی آپ کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اتباع نصیب ہوا کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا آخری کلام نماز کی بابت ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی بات نہیں کی اور ایک لحہ بعد اللہ اللہ کہتے ہوئے عالم قدس میں پہنچ گئے۔ آہ! وہ آفتاب حقیقت جس کے فیضان کی شعاعوں سے ایک عالم نور تھا دیکھتے ہی دیکھتے غریب ہو گیا۔ انا للہ و انا علیہ راجعون رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً۔ [141]

آپ کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں منگل کے دن ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء کو بوقت اشراق ہوا۔

اس حادثہ عظیمہ کے پیش آتے ہی گھر میں ایک کہرام مچ گیا اور آناً فاناً یہ خبر دور دور تک پہنچ گئی۔ مخدوم زادوں نے رنج و غم کے باوجود اپنے آپ کو سنبھالا اور حضرتؒ کے ہاتھ پاؤں سیدھے کر کے آپ پر چادر ڈال دی اور ہر شخص اپنے اپنے تعلق کے مطابق رنج و غم میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت آپ کے اعزا و احباب، خلفاء و مریدین کا رنج و الم سے کیا حال ہوا ہو گا، اس کا بیان کس طرح کیا جا سکتا ہے جبکہ آج چار سو سال بعد ہم پڑھنے اور لکھنے والوں کے دل اس حادثہ کے تصور سے اثر پذیر ہو رہے ہیں۔

غرضیکہ جب غسال نے آپ کو غسل کے لئے تختہ پر لٹایا اور آپ کے بدن مبارک سے کپڑے اتارے تو حاضرین نے معائنہ کیا کہ آپ اپنے دونوں ہاتھ بطریق نماز باندھے ہوئے تھے۔ بائیں ہاتھ کی کلائی پر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقہ کئے ہوئے تھے۔ حالانکہ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ نے انتقال کے بعد آپ کے ہاتھ اور پاؤں سیدھے کر دیئے تھے۔ تختہ پر لٹاتے وقت آپ نے تبسم کیا اور دیر تک متبسم رہے چنانچہ حاضرین آہ و فغاں کرنے لگے۔ یہ قطعہ آپ کے اور حاضرین کے اس وقت کے مناسب حال ہے۔

قطعہ

یاد داری کہ وقت زادنِ تو   ہمہ خنداں بدند و تو گریاں
ہمچناں زی کہ وقت مردنِ تو   ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

غسال نے آپ کو وضو کرایا اور آپ کے دونوں ہاتھ کھول کر سیدھے کر کے بائیں کروٹ پر لٹایا اور داہنی جانب غسل دیا۔ اس کے بعد داہنی کروٹ پر لٹا کر بائیں جانب غسل دیا۔ جب بائیں جانب بھی غسل دے چکے تو حاضرین نے مشاہدہ کیا کہ آپ کے دونوں دستِ مبارک پھر بطریق سابق ایک ضعیف حرکت کے ساتھ حالت نماز کی طرح بندھ گئے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا نے بائیں ہاتھ کے پہنچے پر حلقہ کر لیا۔ حالانکہ جب داہنی جانب لٹایا

Marfat.com

جائے تو سیدھا ہاتھ الٹے ہاتھ پر ہرگز نہیں ٹھہرتا مگر آپ نے اپنے اختیار وقوت سے ایسا پکڑ لیا کہ نہ گرا، باوجودیکہ آپ کے اعضائے شریفہ موم سے بھی زیادہ نرم اور برگِ گل سے بھی زیادہ ملائم تھے۔ اسی طرح کفن پہناتے وقت بھی ہاتھوں کا باندھنا ظہور میں آیا اور اسی طرح جب آپ کو غسل کے تخت سے اٹھایا اس وقت بھی ہاتھوں کا پکڑنا اسی طرح واقع ہوا۔ حاضرین مشاہدہ کر رہے تھے کہ آپ کے دستِ مبارک سیدھے کردیئے جاتے ہیں اور آپ بطریق مذکورہ حالتِ نماز کی طرح باندھ لیتے ہیں۔ جب دو تین دفعہ ایسا ہی واقع ہوا تو یقین ہوا کہ اس امر میں کوئی پوشیدہ بھید اور مخفی راز ہے اس لئے پھر تعرض نہیں کیا اور آپ کے دستِ مبارک ویسے ہی بندھے رہنے دیئے۔ اس وقت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے فرمایا ''معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مرضی یہی ہے کہ آپ کے دستِ مبارک اسی طرح رہنے دیئے جائیں۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما تعیشون تموتون (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کہ جس طرح زندگی بسر کرو گے ویسے ہی مرو گے۔) ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآءُ و اللہ ذو الفضل العظیم۔[۱۴۲]

حضرت مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ کی روایت میں یہ جملہ بھی ہے کہ ''احقر غسل کے وقت حاضر تھا۔ حضرت کے بھتیجے شیخ بہاؤالدین غسل دے رہے تھے اور میں پانی ڈال رہا تھا۔ میں نے آپ کے پاؤں مبارک کو چوما اور آنکھوں سے ملا، دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھوں کو بطریق نماز باندھے ہوئے ہیں اور تبسم فرما رہے ہیں جیسا کہ زندگی میں مسکرایا کرتے تھے۔ جو دیکھتا تھا تعجب کرتا تھا۔''[۱۴۳]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو تین سفید کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ لفافہ، قمیض اور تہبند۔ نماز جنازہ آپ کے فرزند حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہ نے پڑھائی اور بعد نماز جنازہ دعا کے لئے توقف نہیں کیا اس لئے کہ سنت یہی ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ کی قبر سے مغرب کی جانب آپ کو دفن کیا گیا اور آپ کی ایک قبر بالشت بلند مثلِ کوہانِ شتر بنائی گئی۔[۱۴۴]

روایت ہے کہ مخدوم زادہ خواجہ محمد صادق قدس سرہ کی قبر شریف گنبد کے وسط میں مائل بقبلہ واقع ہوئی تھی۔ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے وفات پائی تو آپ کی قبر شریف مخدوم زادہ کی قبر سے جانب قبلہ کھودی گئی اور اس میں حضرت کو خزانہ کی طرح سپرد کیا گیا اور قبر بنائی گئی۔ (مولانا بدرالدین سرہندیؒ فرماتے ہیں) ہم نے دیکھا کہ یکایک مخدوم زادہ کی قبر شریف بہ تعظیم والد بزرگوار و پیر دستگیر کسی قدر (بقدر ایک ہاتھ) شرقی دیوار کی جانب ہٹ گئی ہے۔ اب تک اسی حالت میں ہے۔ یہ واقعہ جس نے دیکھا حیران رہ گیا۔[۱۴۵] اب بھی زائرین بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ مخدوم زادہ کی قبر تقریباً ایک ذراع (ہاتھ) شرقی دیوار کی جانب ہٹی ہوئی ہے۔[۱۴۶]

پھر جب حضرت خواجہ سعید ''خان الرحمۃ'' قدس سرہ کا وصال ہوا تو ان کو بھی اسی گنبد میں صاحبزادہ خواجہ محمد صادق قدس سرہ کے پہلو میں شرقی جانب دفن کیا گیا۔ اب اس گنبد میں تین مزار مبارک ہیں۔ مغربی سمت میں حضرت خواجہ مجدد الف ثانی قدس سرہ، درمیان میں صاحبزادہ کلاں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہ اور مشرقی سمت میں صاحبزادۂ دوم حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہ۔ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں آپ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کے مزار مقدس پر گنبد بھی بنا اور گنبد کے اندر تین مزارات کی سنت بھی پوری ہوئی۔ فسبحان اللہ و بحمدہ۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے وصال کے دن آسمان کے چاروں طرف کنارے سرخ ہو گئے تھے جیسا

Marfat.com

کہ ''شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور'' میں حدیث شریف مذکور ہے کہ ''مومن کی موت پر آسمان و زمین روتے ہیں اور آسمان کا رونا اس کے کناروں کا سرخ ہو جانا ہے۔''[147]

آپ کے وصال کے بعد مخدوم زادوں اور دیگر حضرات نے جو کچھ خواب میں دیکھا یا مکاشفات میں معلوم ہوا وہ واقعات بکثرت ہیں۔ ان میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں:

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید قدس سرہ سے منقول ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی وفات کے رنج و غم کے زمانے میں ایک شب میں اس حجرہ میں جو روضۂ مبارک کے صحن میں ہے، بستر پر لیٹا تھا۔ اسی ماتم فراق و درد اشتیاق کی حالت میں سو گیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ حضرت صحنِ روضہ میں ٹہل رہے ہیں۔ پھر واقعہ میں دیکھا کہ حضرت حجرہ کے دروازہ کی طرف مُڑے اور اندر تشریف لے آئے اور میرے بستر پر بیٹھ کر مجھ کو گود میں دبا لیا جس طرح کہ مشائخین بوقت عطاء نعمتِ باطنی معانقہ کیا کرتے ہیں۔ اس امر سے مجھ پر ہیبت غالب ہوگئی اور تمام جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ اتنے میں آپ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ علاوہ ازیں میں نے مختلف راتوں میں دیکھا کہ حضرتؒ روضہ شریف کے صحن میں چہل قدمی فرما رہے ہیں۔[148]

شیخ پیر محمد سلطان پوری جو کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مرید ہیں، نقل کرتے ہیں کہ حضرتؒ کی رحلت کے چار پانچ یوم بعد میں حضرت کی مسجد میں ظہر کی نماز کے لئے آیا۔ مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ امامت کے لئے آگے بڑھے اور میں ان کے پیچھے کھڑا ہوا۔ اس وقت میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ میرے برابر کھڑے ہیں اور اپنے دست مبارک سے مجھ کو پکڑ کر اپنے قریب کر لیا تاکہ درمیان میں فاصلہ نہ رہے۔ آپ ایک سبز شال اوڑھے ہوئے اور پاؤں میں موزے پہنے ہوئے تھے۔ آخر نماز تک میں نے آپ کو بغور دیکھا کہ شاید وہم و خیال ہو۔ معلوم ہوا کہ بلا ریب و شک حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی ہیں لیکن جونہی نماز ختم ہوئی آپ کو نہ پایا۔[149]

مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ حضرت سلامت منکر نکیر کے سوال کا حال کیسا گزرا؟ فرمایا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے کمال رحمت کے ساتھ مجھ سے فرمایا کہ اگر تو اجازت دے تو یہ دونوں فرشتے تیری قبر میں آئیں اور تیری قدم بوسی کریں۔ میں نے عرض کیا کہ بارالٰہا یہ دونوں تیری ہی بارگاہ کے دروازے پر رہیں یہاں نہ آئیں، چنانچہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے مہربانی فرما کر ان فرشتوں کو میرے پاس نہ بھیجا۔ اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ حضرت سلامت ضغطۂ قبر (قبر کی تنگی) کی کیا حالت ہوئی؟ فرمایا ہوئی مگر نہایت کم۔ اور گویا آپ کے خادم محمد ہاشم بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ یہ تواضع کے طور پر فرماتے ہیں ورنہ اصلاً تنگی نہیں ہوئی۔[150]

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید قدس سرہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ان انعامات الٰہی کو بیان فرما رہے ہیں جو حق سبحانہ و تعالیٰ نے بعد وصال آپ پر عنایت فرمائے ہیں اور آپ ان پر شکر ادا فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو مقام شکر سے بھی کچھ حصہ عطا فرمایا ہے؟ فرمایا ہاں مجھے بھی شکر گزاروں میں شمار فرمایا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ قرآن مجید میں وقلیل من عبادی الشکور جو وارد

ہوا ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ صرف پیغمبروں کی جماعت ہوگی یا پیغمبروں کے کامل ترین صحابہ کرام ہوں گے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ فرمایا ہاں ایسا ہی ہے مگر حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بھی اس جماعت میں داخل کرلیا ہے۔[۱۵۱]

مولانا بدرالدین سرہندیؒ رقمطراز ہیں کہ آپ کی رحلت کے پانچ چھ دن کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی جگہ جا رہا ہوں۔ راستہ میں شیخ فرید فاروقی مل گئے۔ میں نے ان سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ خلوت خانہ میں تشریف رکھتے ہیں اور حضرت خواجہ حسام الدینؒ کو خط تحریر فرما رہے ہیں۔ فقیر بھی اندر پہنچا دیکھا کہ (واقعی) خط تحریر فرما رہے ہیں۔ میں نے خط کا مطالعہ کیا اس کا عنوان تھا کہ ''ہم خود اس جہاں کے نگہبان ہیں، ہم (اس) جہاں سے گزر گئے اور اس جہان میں آ گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (بیشک ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) بہت سا حصہ یاد نہیں رہا، اس کے بعد خط کو لپیٹ کر اس کے اوپر یہ عبارت لکھی ''یہ خط مرزا کا بمہر خاص ہے۔''

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مخلصین میں سے ایک شخص عبدالعلیم بن شیخ احمد برکی مرحوم نے مخدوم زادگان کی خدمت میں نقل کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے وصال کی خبر ابھی ہم تک نہیں پہنچی تھی اور ان دنوں میرا لڑکا بیمار تھا اور شدت مرض کے سبب تڑپ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو نے حضرت مجدد الف ثانی کو دیکھا تھا کیا اب آپ کی صورت مبارک تجھے یاد ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کا حلیہ مبارک اور ریش شریف (داڑھی) میری نظر میں ہے۔ میں نے کہا کہ پس اسی کو نظر میں رکھ کر وسوسے سے دور ہو جائیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ حضرت کے تصور کے خیال سے تجھ کو صحت عطا فرمائے۔ اچانک اس کو غنودگی طاری ہوئی اور اس نے دیکھا کہ ''حضرت موجود ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم خدائے تعالیٰ کے پاس پہنچے اور بہشت اعلیٰ میں آ گئے۔ ہم نے پہلے دایاں پاؤں بہشت میں رکھا اس کے بعد پھر بایاں پاؤں اندر لائے اور ہم خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت سلامت مجھ کو بھی بہشت اور دیدار خدا تک پہنچا دیجئے۔ آپ نے فرمایا ابھی تیرا اور میرے فرزندوں کا وقت نہیں آیا ہے۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوا تو صحت یاب ہو چکا تھا اور ضعف و وسواس کا کچھ اثر باقی نہ رہا تھا۔ یہ واقعہ حضرت کے وصال سے دس روز بعد کا ہے۔[۱۵۲]

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حواشی:

۱۔ روضۃ القیومیہ از ۵۴ تا ۶۸ و سیرت امام ربانی ص ۵۶ و ۹۷

۲۔ ایضاً ص ۵۹

۳۔ ایضاً ص ۵۹

۴۔ زبدۃ المقامات ص ۱۲۸ تا ۱۳۰

۵۔ حضرات القدس ص ۹ و روضۃ القیومیہ ص ۶۱

Marfat.com

۶۔ اندازہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ بائیس سال کی عمر (۹۹۳ھ) میں اکبر آباد تشریف لائے ہوں گے۔
۷۔ فیضی کی تفسیر "سواطع الالہام" ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔
۸۔ فیضی نے ۱۰۰۴ھ میں وفات پائی اور ابوالفضل ۱۰۱۱ھ میں قتل کیا گیا۔
۹۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۳۲ و ۱۳۳۔
۱۰۔ اندازہ ہے کہ "اثبات النبوۃ" ۹۹۴ھ میں اور "رد روافض" ۱۰۰۲ھ میں اور "رسالہ تہلیلیہ" ۱۰۰۸ھ میں مکمل ہوئے۔
۱۱۔ روضۃ القیومیہ ص ۶۷۔
۱۲۔ آپ کتب تاریخ میں حاجی سلطان تھانیسری کے نام سے معروف ہیں اور اس زمانے کے علماء و فضلا میں ممتاز تھے۔ حج بیت اللہ و زیارت مدینۂ منورہ کی سعادت سے بھی مشرف تھے۔ آپ کو علوم نقلیہ میں کافی مہارت حاصل تھی۔ اسی بنا پر عرصہ دراز تک شاہی خدمات پر مامور رہے۔ چار سال تک "مہا بھارت" کا ترجمہ کرنے پر جو "رزم نامہ" کے نام سے تیار ہوا تھا، مصروف رہے۔ اکبر بادشاہ آپ کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا۔ اس بناء پر آپ مقرب شاہی بن گئے۔ پھر مزید شاہی عنایات کی بناء پر آپ کو تھانیسر و کرنال کا کروڑی بنا دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد تھانیسر کے ہندوؤں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ آپ گاؤ کشی کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے آپ کو جلا وطن کر کے بھکر کی طرف بھیج دیا...... حسن اتفاق کہ اس زمانہ میں صوبۂ بھکر کا نظم و نسق خان خاناں کے ہاتھ میں تھا۔ وہ آپ کے ساتھ بڑی محبت و التفات کے ساتھ پیش آئے اور ہر طرح آپ کی امداد کا وعدہ کیا۔ چنانچہ خان خاناں رحمہ اللہ جب وہاں کی فتوحات سے فارغ ہوئے تو آپ کو اپنے ساتھ لے آئے۔ اس طرح آپ پوشیدہ طور پر اپنے وطن تھانیسر آ گئے۔ برہان پور کی فتح کے بعد خان خاناں نے بادشاہ سے آپ کی جلاوطنی کے حکم کی تنسیخ اور سابقہ عہدہ بحال کرنے کی سفارش کی۔ بادشاہ نے خان خاناں کی سفارش منظور کر کے حکم صادر کر دیا کہ آپ کو تھانیسر و کرنال کا کروڑی بنا دیا جائے۔
ایک عرصہ بعد سابقہ کشمکش تازہ ہوگئی اور ہندوؤں نے بادشاہ سے آپ کی شکایت کی۔ اکبر ان دنوں کروڑیوں کے ساتھ خاص طور پر سختی کر رہا تھا چنانچہ اس نے آپ کی سزائے موت کا حکم دیدیا اور یکم جنوری ۱۵۹۹ء مطابق ۱۰۰۸ھ شیخ کو پھانسی دیدی گئی۔ (ماخوذ از منتخب التواریخ)
۱۳۔ روضۃ القیومیہ ص ۶۸
۱۴۔ ایضاً ص ۶۸ و ۶۹
۱۵۔ ایضاً ص ۷۰
۱۶۔ مبدأ و معاد ص ۱۱ و ۱۲
۱۷۔ زبدۃ المقامات ص ۱۳۷ اور ۱۳۸ و حضرات القدس جلد دوم ص ۱۱
۱۸۔ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب نمبر ۲۷۹
۱۹۔ زبدۃ المقامات ص ۱۳۹
۲۰۔ ایضاً ص ۱۳۹
۲۱۔ ایضاً ص ۱۴۰ اور روضۃ القیومیہ ص ۷۷
۲۲۔ مبدأ و معاد ص ۱۶
۲۳۔ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۹۰
۲۴۔ مکتوب ۱۴ دفتر اول

Marfat.com

۲۵۔ زبدۃ المقامات ص ۱۴۱
۲۶۔ کلیات باقی باللہؒ مکتوب ۶۵ ص ۱۳۰ و ۱۳۱
۲۷۔ زبدۃ المقامات ص ۱۴۵
۲۸۔۳۰ ایضاً ص ۱۴۶
۳۱۔ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۹۰
۳۲۔ غالباً ماہ ذی الحجہ ۱۰۰۸ھ مراد ہے۔
۳۳۔ دفتر اول مکتوب ۱۶۔
۳۴۔ یہ واقعات غالباً ۱۰۰۹ھ کے اواخر کے ہیں۔
۳۵۔ زبدۃ المقامات ص ۱۴۸
۳۶۔ مبداء و معاد ص ۷۶ و ۷۷
۳۷۔ یہ واقعہ بقول ''روضۃ القیومیہ'' ص ۸۳ نصف رجب ۱۰۰۹ھ کا ہے۔
۳۸۔ زبدۃ المقامات ص ۱۵۰۔
۳۹۔ ایضاً
۴۰۔ صاحب ''روضۃ القیومیہ'' نے تجدید و قیومیت کا جلیل القدر منصب عطا ہونے کی تاریخ اس طرح تحریر فرمائی ہے:

''حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ پر تجدید الف ثانی کی خلعت کا نزول بروز جمعہ دسویں ماہ ربیع الاول ۱۰۱۰ھ کو ہوا۔''

ص ۹۳۔ اس کے بعد ایک دوسرے موقع پر صاحب ''روضۃ القیومیہ'' تحریر فرماتے ہیں:

''یہ واقعہ سوموار کے روز ۱۵ شعبان ۱۰۱۵ھ کو تجدید و قیومیت کے دوسرے سال عصر اور مغرب کے درمیان ظہور میں آیا۔'' اس تضاد کے بیان کرنے سے ہمارا مقصد تنقیص کرنا نہیں بلکہ ہم تو صاحب ''روضۃ القیومیہ'' کے ممنون احسان ہیں کہ انہوں نے سالانہ واقعات کو تفصیل کے ساتھ پیش کر کے ایک راہ متعین فرما دی۔ چنانچہ ہم نے بھی سالانہ واقعات آں موصوف ہی کی پیروی میں پیش کئے ہیں الا ماشاءاللہ۔ بعض جگہ اتفاق نہ کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ تاریخ کا تعین نہ خود حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کیا، نہ صاحب ''زبدۃ المقامات'' نے اور نہ صاحب ''حضرات القدس'' نے۔ لہٰذا آں موصوف کے حساب میں سہو ہو جانا یا کتابت میں غلطی ہو جانا ممکن ہوا۔ پھر ہمارے سامنے ''روضۃ القیومیہ'' کا ترجمہ ہے۔ ممکن ہے کہ اصل فارسی نسخہ میں اسی طرح ہو جیسا کہ ہم نے پیش کیا ہے۔ غرض کہ ہم نے جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ کو تجدید الف ثانی کے منصب عطا ہونے کا دن اس لئے قرار دیا ہے کہ اول تو اس تاریخ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو ایک ہزار سال پورے ہو جاتے ہیں، دوم یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی عمر شریف کے چالیس سال پورے ہو جاتے ہیں۔ سوم یہ کہ آئندہ بھی زندگی کے پورے تئیس سال بن جاتے ہیں۔ چہارم یہ کہ اس حساب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اور تبلیغ کے سال کی سنت پوری ہو جاتی ہے۔ پنجم یہ کہ تقویت کے حساب سے بھی تاریخ و دن صحیح ہو جاتے ہیں۔ واللہ علم بالصواب۔

۴۱۔ روضۃ القیومیہ ص ۸۶
۴۲۔ ایضاً ص ۸۸
۴۳۔ ایضاً، ۸۹ و سیرت امام ربانی ص ۷۷
۴۴۔۴۵ ایضاً ص ۸۸ و ۸۹ و ایضاً، ۷۸

Marfat.com

۴۶۔ مبدأ و معاد ص ۵۴ و ۵۵

۴۷۔ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۹

۴۸۔ زبدۃ المقامات ص ۱۵۰

۴۹۔ کلیات باقی باللہ مکتوب ۸۳ ص ۱۴۰

۵۰۔ ایضاً، مکتوب ۵۸ ص ۱۴۱

۵۱۔ زبدۃ المقامات ص ۱۵۲

۵۲۔ ایضاً ص ۱۵۳

دہلی کا یہ تیسرا سفر ۱۰۱۲ھ کے ابتدائی مہینوں کا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

۵۳۔ زبدۃ المقامات ص ۱۵۳ و ۱۵۴۔

۵۴۔ ایضاً ص ۱۵۵

۵۵۔ دفتر اوّل مکتوب ۲۶۶

۵۶۔ سلطان اورنگزیب کے زمانے میں ''مرأۃ العالم'' اور ''مرأۃ جہاں نما'' جو کتابیں تالیف ہوئی ہیں، ان میں بطور عجائب روزگاران آداب کا ذکر ہے جو حضرت خواجہ باقی باللہؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے لئے بجالاتے تھے۔ (روضۃ القیومیہ ص ۱۱۶)

۵۷۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۱۵ و ۱۱۶

۵۸۔ ایضاً، ص ۱۰۱ ملخصاً

۵۹۔ دفتر دوم مکتوب ۷۲

۶۰۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۱۷

۶۱۔ زبدۃ المقامات ص ۱۵۷

۶۲۔ ایضاً، ص ۱۵۷

۶۳۔ ایضاً ص ۱۵۸

۶۴۔ ایضاً، ص ۱۵۸ و ۱۵۹

۶۵۔ ایضاً، ص ۱۳۴ و ۱۳۵

۶۶۔ ایضاً، ص ۱۰۹

۶۷۔ ایضاً ص ۱۱۱

۶۸۔ ایضاً، ص ۱۶۵

۶۹۔ روضۃ القیومیہ ۱۲۱ تا ۱۲۴ ملخصاً

۷۰۔ ایضاً، ص ۲۸ و ۱۲۹۔ اندازہ ہے کہ اس سال ''معارف لدنیہ'' کی تکمیل ہوئی۔

۷۱۔ مبدأ و معاد۔ منہا نمبر ۵ ص ۱۷

۷۲۔۷۳۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۳۴ و سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی ص ۸۳

۷۴۔ ایضاً، ص ۱۳۸

۷۵۔ سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۸۴

Marfat.com

۷۶۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۴۱

۷۷۔ میر مؤمن بلخی کے نام مکتوب صادر ہوا ہے شاید یہی ہوں۔ واللہ علم

۷۸۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۴۲

۷۹۔ حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۹۱

۸۰۔ ایضاً، دفتر دوم ص ۲۳۳۔

۸۱۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۴۴ تا ۱۴۷ ملخصاً

۸۲۔ ایضاً ص ۱۵۰

۸۳۔ آپ کی مجددیت کے بیان میں ایک اور مستقل اور بینظیر کتاب بھی تالیف ہوچکی ہے جس کا نام ''شواہد التجدید'' ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مدظلہ العالی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ نیز بھوپال کی خانقاہ مجددیہ میں بھی اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

۸۴۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۴۹

۸۵۔ ایضاً ص ۱۵۱

۸۶۔ ایضاً ص ۱۵۱

۸۷۔ ایضاً، رکن اول ص ۱۵۲ و ۱۵۳

۸۸۔ مبدأ و معاد۔ منہا نمبر ۵۶ ص ۸۵

۸۹۔ روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۵۴ و ۱۵۵

۹۰۔ ایضاً، ص ۱۶۳

۹۱۔ ایضاً ص ۱۵۹

۹۲۔ مکتوبات شریف، دفتر اول مکتوب ۲۹۹

۹۳۔ ایضاً، دفتر دوم مکتوب ۱۷

۹۴۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۶۲ و ۱۶۳

۹۵۔ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۵۹

۹۶۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۶۴

۹۷۔ ایضاً ص ۱۶۶ و ۱۶۷

۹۸۔ زبدۃ المقامات ص ۲۴۷ تا ۲۵۰ روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۷۰ تا ۱۷۴ ملخصاً

۹۹۔ از مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۱۶۶

۱۰۰۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۷۹ و ۱۸۰۔ حضرات القدس ص ۹۰ دفتر دوم

۱۰۱۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے قلعۂ گوالیار میں قید کرنے کی تاریخ کے سلسلے میں عرض ہے کہ ''توزک جہانگیری'' کے صفحہ ۲۶۵ پر چودہویں جشن نوروز کے حالات شروع ہوتے ہیں جو کہ بروز ہفتہ ۴ ربیع الثانی ۱۰۲۸ھ کو منایا گیا تھا۔ اس سال کے ماہ خورداد (مطابق جمادی الاخریٰ ۱۰۲۸ھ مطابق مئی ۱۶۱۹ء) میں جو حالات و واقعات پیش آئے ان کی تفصیلات کے ضمن میں صفحہ ۲۷۲ و ۲۷۳ پر یہ عبارت درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کے وسط میں آپ کو قید کیا گیا۔ واللہ اعلم

Marfat.com

۱۰۲۔ سیرت امام ربانیؒ ص ۱۲۷ و ۱۲۸
۱۰۳۔ علماء و ہند کا شاندار ماضی ص ۲۵۲
۱۰۴۔ سیرت امام ربانی ص ۱۳۰ و ۱۳۱
۱۰۵۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۸۸ و ۱۸۹ و سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۸۹
۱۰۶۔ سیرت امام ربانی ص ۱۳۲ و ۱۳۳
۱۰۷۔ روضۃ القیومیہ ص ۱۹۷
۱۰۸۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۲۵۶ و ۲۵۷
۱۰۹۔ قید سے رہائی کے سلسلے میں عرض ہے کہ ''توزک جہانگیری'' میں صفحہ ۲۹۲ پر پندرہویں جشن نوروز کے حالات شروع ہوتے ہیں جو کہ برز جمعہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۰۲۹ھ کو منایا گیا۔ اس سال خورداد کے مہینے (مطابق جمادی الاخریٰ ۱۰۲۹ھ و مطابق مئی ۱۶۲۰ء) میں جو حالات و واقعات پیش آئے ان کے ضمن میں صفحہ ۳۰۸ پر یہ عبارت درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی ماہ کی کسی تاریخ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو پورے ایک سال بعد قید سے رہا کیا گیا۔
۱۱۰۔ مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۴۳
۱۱۱۔ ایضاً دفتر سوم مکتوب ۱۰۶...... دفتر سوم مکتوب ۷۸
۱۱۲۔ ایضاً، دفتر سوم مکتوب ۴۷
۱۱۳۔ روضۃ القیومیہ ص ۲۰۳ تا ۲۰۵ و سیرت امام ربانیؒ ص ۱۳۴
۱۱۴۔ علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۱۴۴ و ۱۴۵
۱۵۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا وہ مکتوب ''مجددیت'' کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔
۱۱۶۔ سیرت امام ربانی ص ۱۳۸
۱۱۷۔ دیباچہ دفتر سوم
۱۱۸۔ روضۃ القیومیہ ص ۲۱۴
۱۱۹۔ ایضاً، رکن اول ص ۲۱۶ و ۲۱۷
۱۲۰۔ مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۱۰۴
۱۲۱۔ زبدۃ المقامات ص ۱۸۰
۱۲۲۔ مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۱۰۶
۱۲۳۔ روضۃ القیومیہ ص ۲۲۱
۱۲۴۔ زبدۃ المقامات ص ۲۸۳
۱۲۵۔ روضۃ القیومیہ ص ۲۲۲ و ۲۲۳
۱۲۶۔ ایضاً ص ۲۲۴ و ۲۲۵۔ زبدۃ المقامات ص ۲۸۳ و ۲۸۴
۱۲۷۔ جیسا کہ خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ دفتر سوم مکتوب ۱۱۵ میں تحریر فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کی عنایت سے لشکر کی ہمراہی سے خلاصی میسر ہوگئی۔''
۱۲۸۔ زبدۃ المقامات میں ص ۲۸۵
۱۲۹۔ وصال احمدی ص ۹ و ۱۰

Marfat.com

۱۳۰۔ زبدۃ المقامات ص ۲۸۸
۱۳۱۔ روضۃ القیومیہ ص ۲۶۲
۱۳۲۔ ایضاً، ص ۲۶۲ و ۲۶۳
۱۳۳۔ زبدۃ المقامات ص ۲۹۰
۱۳۴۔ روضۃ القیومیہ ص ۲۶۷
۱۳۵۔ زبدۃ المقامات ص ۲۸۷ و وصال احمدی ص ۸
۱۳۶۔ ایضاً، ص ۲۸۸ و ۲۸۹۔ ایضاً، ص ۱۶ و ۱۸
۱۳۷۔ ایضاً
۱۳۸۔ ایضاً، ص ۲۸۹ ایضاً، ص ۲۰
۱۳۹۔ ایضاً، ص ۲۹۰ ایضاً، ص ۲۰ و ۲۲
۱۴۰۔ ایضاً، ص ۲۹۳
۱۴۱۔ حضرات القدس ص ۱۷۹
۱۴۲۔ زبدۃ المقامات ص ۲۹۳ و ۲۹۴
۱۴۳۔ حضرات القدس ص ۱۷۹
۱۴۴۔ وصال احمدی ص ۳۳
۱۴۵۔ حضرات القدس ۱۹۸
۱۴۶۔ زبدۃ المقامات ص ۲۹۶
۱۴۷۔ ایضاً، ص ۲۹۴
۱۴۸۔۱۴۹ حضرات القدس ص ۱۸۰
۱۵۰۔ زبدۃ المقامات ۲۹۷ و وصال احمدی ص ۳۶
۱۵۱۔۱۵۲ ایضاً، ص ۲۹۷ و ۲۹۸ ایضاً، ص ۳۸

☆......☆......☆

Marfat.com

شیخ محمد اکرام

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ

حضرت مجدد الف ثانی ۱۴ شوال ۹۷۱ھ یعنی ۲۶ جون ۱۵۶۴ء کو بمقام سرہند پیدا ہوئے۔ آپ کا اسم گرامی احمد تھا۔ لقب بدرالدین اور کنیت ابوالبرکات۔ آپ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد سے تھے اور آپ کا سلسلہ نسب کابل کے ایک ممتاز خاندان سے ملتا ہے۔ خاندانی روایت کے مطابق آپ پاکستان کے مشہور بزرگ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے ہم جد تھے۔ کیونکہ دونوں کا سلسلہ نسب شیخ شہاب الدین علی المعروف بہ فرخ شاہ الفاروقی الکابلی سے ملتا ہے۔

تعلیم

حضرت مجدد الف ثانی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مخدوم عبدالاحدؒ اور سرہند کے دوسرے علماء سے حاصل کی۔ اس کے بعد ملک کے بعض بہترین علماء سے فیض حاصل کیا۔ سیالکوٹ میں آپ نے علامہ کمال الدین کشمیری سے، جن کے حلقہ درس سے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے فاضلِ روزگار اٹھے، عضدی اور اس قسم کی دوسری مشکل کتابیں پڑھیں۔ حدیث میں آپ کے سب سے مشہور استاد شیخ یعقوب صرفی کشمیریؒ تھے، جن کا ذکر آئندہ سطور میں آئے گا۔ ان کے علاوہ قاضی بہلول بدخشانیؒ سے تفسیر واحدی مع دیگر مولفات واحدی (مثلاً بسیط و وسیط و اسبابِ نزول) تفسیر بیضاوی مع دیگر مصنفات قاضی بیضاوی (مثلاً منہاج الوصول و غایت القصویٰ) صحیح بخاری اور امام بخاریؒ کی دوسری تالیفات (مثلاً ثلاثیات و ادب المفرد و افعال العباد و تاریخ وغیرہ)۔ مشکوٰۃ مصابیح، شمائل ترمذی، جامع صغیر سیوطی اور قصیدہ بردہ و حدیث مسلسل کی اجازت حاصل کی۔ افسوس کہ قاضی بہلول بدخشانی کے متعلق تفاصیل نہیں ملیں۔ لیکن ''زبدۃ المقامات'' میں جہاں ان کی اسناد حدیث درج ہیں، یہ وضاحت کی گئی ہے کہ حدیث میں ان کے استادِ معظم شیخ عبدالرحمان بن فہد تھے، جو حجاز کے ایک مشہور محدث خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

مخدوم عبدالاحدؒ

مخدوم عبدالاحدؒ جو حضرت مجددؒ کے والد، استاد اور پیر و مرشد تھے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے

صاحبزادہ شیخ رکن الدین کے ممتاز خلیفہ اور بڑے صاحب علم بزرگ تھے۔ آپ کئی صوفیانہ کتب مثلاً کنوز الحقائق اور رسالہ تشہد کے مصنف اور بڑے سیاح تھے۔ چنانچہ ''زبدۃ المقامات'' میں آپ کے بنگالہ، جونپور، رہتاس وغیرہ کے سفر اور اثنائے سفر میں اولیائے اور علمائے کرام سے ملاقات کا ذکر ملتا ہے۔

آپ نے شیخ اکبر محی الدین ابن العربی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتابوں کا غائر مطالعہ کیا تھا اور ''فصوص الحکم'' اور تصوف کی دوسری اہم کتابوں مثلاً ''عوارف المعارف'' کا درس دیا کرتے تھے۔ بلکہ ''زبدۃ المقامات'' کے ایک اندراج سے خیال ہوتا ہے کہ حضرت میاں میر لاہوری نے ''فصوص الحکم'' آپ سے پڑھی تھی۔ مولانا ہاشم کشمی لکھتے ہیں ''قدوۃ المشائخ جناب شیخ میر، جو آج کل شہر لاہور میں سکونت فرما اور نہایت عزت پسند ہیں، آپ کے تلامذہ ''فصوص الحکم'' سے ہیں۔''

سب والدین کو اپنی اولاد عزیز ہوتی ہے، لیکن تذکرہ نگار بالصراحت اور بالتفصیل لکھتے ہیں کہ مخدوم صاحب کو اپنے بلند اقبال صاحبزادے سے غیر معمولی محبت تھی۔

''والد ماجدِ ایشاں را با ایشاں الفت تمام بودہ و از جانِ عزیزِ خود عزیز ترے داشند و ہمیشہ بصحبتِ ایشاں مشغوف بودند۔ واز دقائقِ علومِ دینی و اسرارِ یقینی درمیان مے آوردند۔''

(زبدۃ المقامات ص ۱۳۳)

اور حضرت مجددؒ نے بھی ان سے پوری طرح اخذِ فیض کیا:

''ملتزم خدمت وصحبت والا بزرگ گوار شدہ و ہمگی اقتباس انوار آں بزرگِ عالی مقدار گردیدہ و فوائد باطنیہ کثیرہ از ایشاں دیدہ'' (ایضاً)

یہ صرف ایک شفیق باپ اور سعادت مند صاحبزادے کا تعلق نہ تھا بلکہ مخدوم صاحب ان کے استاد اور پیر و مرشد بھی تھے۔ حضرت مجدد نے شروع میں اکثر علوم ان سے پڑھے۔ چشتیہ اور قادریہ سلسلہ میں ان کے مرید ہوئے اور جیسا کہ انہوں نے ''مبداء و معاد'' میں لکھا ہے۔ ''نسبتِ فردیت'' ان سے حاصل کی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجددؒ کی اکثر صلاحیتیں خداداد تھیں اور ان کے جوہر نقشبندیہ سلسلے میں بیعت اور حضرت باقی باللہ کی خدمت میں پہنچنے کے بعد کھلے۔ لیکن شاید ان کے خیالات کی ساخت میں سب سے زیادہ دخل ان کے شفیق باپ کی صحبت اور ابتدائی ماحول کو تھا۔

مخدوم عبدالاحد کو شیخ ابن العربی کے خیالات سے بڑا شغف تھا۔ اس کا اثر ان کے فخرِ پدر صاحبزادہ پر بڑا گہرا اور وسیع ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانی ایک خط میں لکھتے ہیں:

''مکرما! معتقدِ فقیر از خردی با مشرب اہل توحید بود۔ والدِ فقیر قدس سرہٗ بظاہر برہمیں مشرب بودند۔ و بر سبیل دوام بہ ہمیں طریقہ اشتغال داشتہ اند...... بحکمِ ابن الفقیہہ نصف الفقیہہ فقیر را ازیں مشرب از روئے علم حظِ وافر بود و لذتِ عظیم داشت۔''

نقشبندیہ سلسلے میں داخل ہونے کے بعد بھی مدت تک یہی حالت رہی۔ اس کے بعد حضرت مجدد پر وحدتِ

Marfat.com

شہود کی کیفیت منکشف ہوئی۔ اس زمانے میں انہوں نے شیخ ابن العربی اور ان کی تصانیف کے متعلق بعض مخالفانہ فقرے لکھے۔ شیخ کی مخالفِ شرع باتوں سے اختلاف ظاہر کیا۔ لیکن شیخ کی عظمت و بزرگی کے ہمیشہ معترف رہے۔ بقول خواجہ ہاشم کشمی ''شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ' رابس بزرگ مے دانستند و نیک یاد مے کردند۔'' انہوں نے توحید وجودی کی پوری نفی نہیں کی۔ بلکہ اسے توحیدِ شہودی سے نیچے ایک مقام قرار دیا۔ اور ''توحید وغیرہ امور خلافیہ'' کے متعلق کہا۔ ''علماء ان امور کی قباحت کے قائل ہیں اور فقیر بشرط عبور ان امور کے حسن کا'' (دفتر دوم نمبر ۴۲)۔ قطب' ابدال' اوتاد کے جس باطنی نظام کو شیخ ابن العربی نے تصوف میں داخل کیا تھا' اسے آپ نے ترقی اور تقویت دی اور طریقہ مجددیہ کے قیوم کو شیخ ابن العربی کے قطب کی اگلی منزل سمجھنا چاہیے۔

شیخ یعقوب صرفی کشمیریؒ

حضرت مجدد کے دوسرے بااثر استاد شیخ یعقوب صرفی کشمیریؒ تھے' جن سے انہوں نے حدیث کی بعض کتابیں پڑھیں اور سلسلہ کبرویہ میں بیعت کی (حضرات القدس)۔ برصغیر کی روحانی' ادبی اور سیاسی زندگی میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ۹۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ کشمیر کے ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ تعلیم ظاہری کے بعد سمرقند جا کر شیخ حسین خوارزمیؒ کے مرید ہوئے۔ مرشد نے خاص توجہ اور مہربانی کی۔ واپس کشمیر آئے تو خلقت کے ٹھٹ کے ٹھٹ فیض کے لیے حاضر ہوئے۔ انہوں نے کچھ عرصے کے بعد خراسان کے رستے حجاز کا رخ کیا۔ شیخ ابنِ حجرؒ سے حدیث پڑھی اور سند لی۔ بڑے سفر کیے اور کئی اولیائے اللہ سے ملاقات کی۔ واپس کشمیر پہنچے تو یہاں شیعہ سنّی جھگڑے زوروں پر تھے۔ جب یعقوب چک نے قاضی موسیٰ کو شیعہ طریقے سے خطبہ نہ پڑھنے پر شہید کرا دیا اور اہل سنت کے لیے حالات بہت ناسازگار ہو گئے تو شیخ یعقوب' بابا داؤد خاکی کو ساتھ لے کر اکبر کے پاس لاہور پہنچے اور کشمیری عوام کی طرف سے دعوت دی۔ اکبر تو اس موقع کا پہلے سے منتظر تھا۔ اس نے اپنی فوجیں بھیجیں اور اکتوبر ۱۵۸۶ھ میں کشمیر مملکتِ مُغلیہ کا کا حصہ ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد اکبر اور شیخ کے درمیان خاص روابط ہو جانا عجب نہیں۔ لیکن بدایونی کے بیان سے خیال ہوتا ہے کہ شاید روابط پہلے سے تھے۔ بلکہ وہ تو کہتا ہے کہ ہمایوں[1] کو بھی شیخ سے غیر معمولی اعتقاد تھا:

> ''وہم پادشاہِ مغفرت پناہ (ہمایوں) وہم شاہنشاہی (اکبر) رانسبت وے اعتقادِ غریب بود۔ بشرفِ صحبت اختصاص داشتہ ومنظورِ نظر شفقت اثر گشتہ معزز و مکرم محترم بود۔''

شیعہ سنّی مسئلے پر شیخ یعقوب کے جو شدید احساسات تھے' اس کا اندازہ ان اقدامات سے ہو سکتا ہے' جو انہوں نے قاضی موسیٰ کی شہادت پر شروع کیے۔ لیکن ان کی مثالیں اس سے پہلے بھی ملتی ہیں۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد اپنی کتاب ''پاکستان میں فارسی ادب'' (جلد اول) میں لکھتے ہیں کہ شیخ یعقوب صرفی کا سرینگر میں ایک استاد تھے۔ اخوند ملا بصیر' بڑے بڑے صاحبِ عظمت بزرگ ان کے حلقہ تلمذ میں شریک تھے۔ مثلاً شیخ داؤد خاکی' لوگوں نے مشہور کیا کہ مُلا بصیر بھی مائل بہ تشیع ہیں تو شیخ صرفی ان کے مدرسے سے اُٹھ آئے۔

Marfat.com

حضرت مجددؒ کا شیعیت کی نسبت ایک خاص نقطہ نظر تھا اور ان کی ابتدائی تصانیف میں ایک رسالہ تھا ''ردِروافض''۔ کیا اس نقطہ نظر کے پیدا کرنے یا اسے تقویت دینے میں ان کے مُرشد اور استاد شیخ یعقوب صرفی کا اثر بھی کارفرما تھا؟

شیخ یعقوب کی ہستی جامع صفات تھی۔ وہ عالم اور شیخ ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھے۔ ''خمسہ'' کا جواب لکھا۔ ''پاکستان میں فارسی ادب'' میں ان کا تذکرہ ساٹھ صفحوں پر محیط ہے۔ بدایونی نے ان کے متعلق جو طویل اندراج دیا ہے' اس سے پتا چلتا ہے کہ ان کے فیضی سے بڑے مراسم تھے۔ اس کی علمی اور ادبی صحبتوں میں وہ اکثر شریک ہوتے۔ ان کی لکھی ہوئی تفسیر فیضی کی تکمیل کی تاریخ اکثر مؤرخین نے نقل کی ہے۔

حضرت مجددؒ کی بھی فیضی اور ابوالفضل کے ہاں کافی آمدورفت تھی اور ان کے تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ انہوں نے تفسیر بے نقط کی تکمیل میں فیضی کا ہاتھ بٹایا۔ کیا فیضی (اور ابوالفضل) سے ان تعلقات کی استواری میں ان کے استاد کو بھی دخل تھا؟

شیعہ سنّی مسئلے پر شیخ یعقوب اور حضرت مجدد کے اشتراکِ احساسات اور فیضی سے دونوں کے قریبی تعلقات کی بناء پر بعض سوالات ان کے سوانح نگار کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں' لیکن ان کا یقینی جواب نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اتنا یقینی ہے کہ حضرت مجدد اپنی تمام عمر میں تین بزرگوں کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے۔ ایک ان کے والد بزرگوار تھے۔ دوسرے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تیسرے شیخ یعقوب صرفی کشمیریؒ۔ مؤخر الذکر کا بھی ان کی علمی اور روحانی زندگی میں ایک اہم مقام ہے۔

جب حضرت مجدد علومِ عقلیہ ونقلیہ سے استفادہ کر چکے تو آپ نے سرہندؒ میں درسِ علوم کا سلسلہ شروع کیا اور مدت تک طالبان علوم کو فیوض و برکات سے بہرہ ور کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ (بیس سال کی عمر میں؟) اکبر آباد تشریف لے گئے اور ایک مدت تک وہاں قیام کیا۔

قیام اکبرآباد

سوانح نگار لکھتے ہیں کہ قیام اکبرآباد کے دوران میں آپ کو ابوالفضل اور فیضی سے کئی بار ملنے کا موقع ہوا اور بعض اختلافات کے باوجود دونوں بھائی آپ کے علم وفضل کے بڑے معترف ہوگئے۔ آپ کے مشہور خلیفہ خواجہ محمد ہاشمی کشمی نے ''زبدۃ المقامات'' میں لکھا ہے: (ترجمہ)

> ''چونکہ ابوالفضل اہل علم کی قدر کرتا تھا اور اہل علم کو بھی بعض مجبوریوں کی بناء پر اس سے ملنا پڑتا تھا۔ اس لیے حضرت مجدد کئی بار اس کی مجلس میں آئے۔ اور چونکہ وہ بھی آپ کی متعدد خوبیوں سے واقف تھا' اس لیے وہ آپ کا خاص پاس کرتا۔ چنانچہ اس کے ایک شاگرد نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ابوالفضل کسی دوست کو چند باتیں لکھ رہا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے ایک واقعہ درج کیا' جو اس نے حضرت شیخ (مجدد) سے سنا تھا اور اس ضمن میں

Marfat.com

حضرت کی بڑی تعریف لکھی۔

ابوالفضل کا ایک اور مصاحب مجھ سے کہتا تھا کہ ایک دفعہ تمہارے مُرشدٗ ابوالفضل کی مجلس میں حاضر تھے۔ اس وقت ابوالفضل نے فلسفیوں اور ان کے علوم کی تعریف شروع کی اور اس میں اس طرح مبالغہ کیا کہ علمائے اسلام کی توہین مفہوم ہوتی تھی۔ حضرت شیخ سلمہ اللہ تعالیٰ سے نہ رہا گیا اور انہوں نے فرمایا کہ امام غزالی قدس سرہ نے رسالہ شریفہ ''منقذ من الضلال'' میں لکھا ہے کہ جن علوم کی ایجاد کا فلسفی دعویٰ کرتے ہیں' ان میں سے جو کام کے ہیں' مثلاً ہیئت' نجوم' ہیئت' طب' وہ انہوں نے قدیم انبیاء کی کتابوں اور ان کے کلام سے چرائے ہیں اور جو ان کی اپنی ایجاد ہیں مثلاً ریاضی وغیرہ، وہ کسی دینی کام کے نہیں۔ ابوالفضل یہ سن کر جوش میں آ گیا اور کہنے لگا کہ غزالی نے نامعقول بات کہی ہے۔ حضرت شیخ نے اس بات سے بڑا برا مانا۔ فوراً ابوالفضل کی مجلس سے اٹھے اور فرمایا کہ اگر اہل علم کی صحبت کا شوق ہے تو اس طرح بے ادبی کے الفاظ زبان سے نہیں نکالنے چاہئیں۔

یہ کہہ کر وہ مجلس سے باہر چلے گئے اور پھر کئی روز تک ابوالفضل کے پاس نہ گئے۔ حتیٰ کہ اس نے آدمی بھیج کر معذرت چاہی اور انہیں بلا بھیجا۔

ایک رز حضرت (مجدد) ابوالفضل کے بھائی ابوالفیض (فیضی) کے مکان پر گئے۔ وہ تفسیر غیر معجمہ کے لکھنے میں مشغول تھا۔ جب آپ کو دیکھا تو بڑا خوش ہوا اور کہا کہ آپ اچھے وقت آئے۔ اس وقت میں تفسیر کے لیے ایک ایسی بات لکھنا چاہتا ہوں' جس کے لیے غیر منقوط الفاظ نہیں ملتے۔ بہت دماغ سوزی کی' لیکن خاطر خواہ عبارت نہیں لکھ سکا۔ آپ نے اسی وقت' باوجودیکہ آپ کو غیر منقوط عبارت لکھنے کا محاورہ نہ تھا' اس مقام کی تفسیر اس طرح فصاحت و بلاغت سے لکھ دی کہ فیضی حیران رہ گیا۔'' [۳]

''حضرات القدس'' میں بھی جو حضرت مجددؒ کی دوسری قریب العہد سوانح عمری ہے' آپ کے خلیفہ اور شاگرد مولانا بدرالدین سرہندی نے لکھا ہے کہ آپ نے تفسیر غیر منقوط کی تحریر میں (فیضی کو) [۴] بڑی مدد دی تھی اور تفسیر کا ایک حصہ لکھ کر دیا تھا۔ (ص ۱۱) تفسیر کے مقام تصنیف کے متعلق ہم آئندہ سطور میں اظہار خیال کریں گے۔ لیکن اتنا یقینی ہے کہ آگرہ (یا فتح پور سیکری) میں حضرت مجددؒ کا ابوالفضل اور فیضی کے ہاں آنا جانا تھا اور یہ وہی زمانہ تھا' جب وہ درس و تدریس اور افاضہ طلباء میں مشغول تھے۔

عجب نہیں کہ ابوالفضل نے ''آئین اکبری'' کے آخر میں جن فضلائے عصر کا ذکر کیا ہے' ان میں شمارہ نمبر ۱۰۳ پر شیخ احمد آپ کا اسم گرامی ہو۔ اکبر نے اپنے دارالحکومت کو علمی اور ادبی سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز بنا دیا تھا۔ فیضی اور ابوالفضل دونوں بڑے عالم اور صاحب طرز ادیب تھے اور ان کے ہاں اہل علم کا جھمگٹا رہتا تھا۔ یقینی ہے کہ وہاں کتابوں

Marfat.com

کی، علم وحکمت کی باتیں ہوتی ہوں گی۔ کئی کتابیں، جو عام اہل مدرسہ کو میسر نہ تھیں، ان کا ذکر ہوتا ہوگا۔ مصنفوں کے انداز بیان پر تبصرے ہوتے ہوں گے اور عبارت آرائی اور زورِ بیان کے طریقے سوچے جاتے ہوں گے۔ یہ صحیح ہے کہ اہل دین کے لیے ان محفلوں میں دماغی کوفت کا بڑا سامان تھا۔ لیکن شاید یہ محض اتفاق نہیں کہ طبقہ علماء کے دو سب سے بڑے نثر نگار (حضرت مجدد اور شیخ عبدالحق محدث) اور خود بدایونی ان مجلسوں میں بیٹھنے والے تھے۔ ان تینوں (بلکہ ابوالفضل۔ فیضی کو ملا کر پانچوں) کا طرز تحریر جداگانہ ہے۔ اس میں ان کی اپنی اپنی شخصیت جھلکتی ہے۔ بدایونی کی نثر میں ایک موسیقی کے رسیا، خوش الحان قاری کی شعری دلآویزی ہے۔ حضرت مجدد کی شخصیت جامع صفات تھی۔ ان کے طرز تحریر میں قوسِ قزح کے سارے رنگ ہیں۔ کہیں زورِ خطابت ہے، کہیں متکلمانہ موشگافی اور کہیں علمی متانت۔ اور ان سب میں اعلیٰ درجے کی فصاحت و بلاغت۔ شیخ عبدالحق حقی کے ہاں عالمانہ وقار کے ساتھ دلّی کی شستگی و نفاست ہے۔ علامی ابوالفضل کا طرز تحریر ہمیں زیادہ پسند نہیں۔ لیکن اس کی عربیت، علم و فضل اور شکوہ سلطانی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح فیضی کے ہاں زورِ کلام، جوش، علمیت اور شعروں کی فراوانی ہے۔ ان سب کا رنگ اپنا اپنا ہے۔ "ہر گلے را رنگ وبوے دیگر است۔" لیکن ان میں ایک چیز مُشترک ہے اور وہ ہے اندازِ بیان کی اہمیت کا احساس۔ دوسرے علماء (حتیٰ کہ شاہ ولی اللہ) بالعموم اس بات پر قانع ہیں کہ ان کا مافی الضمیر موزوں الفاظ میں ادا ہو جائے۔ لیکن عہد اکبری کے اہل علم، بالخصوص جو لوگ فیضی، ابوالفضل کی مجلسوں میں آتے جاتے تھے، طرز ادا کی خوبیوں کا بھی خیال رکھتے تھے اور عبارت کی نوک پلک سنوارنے پر بھی توجہ دیتے تھے۔

قیامِ اکبر آباد میں حضرت مجدد کو اپنی معلومات بڑھانے، علمی اور فکری مسائل پر مختلف نقطہ نظر جاننے اور اندازِ بیان کی پختگی کا موقع ملا ہوگا۔ لیکن آپ کا زاویہ نگاہ فیضی، ابوالفضل سے بالکل مختلف تھا۔ اس کا اندازہ آپ کے رسالہ "اثبات النبوت" سے ہوتا ہے، جس کی ضرورت، ممکن ہے، آپ نے ابوالفضل سے اس زبانی بحث کے بعد محسوس کی ہو، جس کا ذکر زبدۃ المقامات میں ہے اور جس میں غزالی کی "منقذ من الضلال" کے طویل اندراجات ہیں۔

رسالہ "اثبات النبوۃ"

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجددؒ کی موجودہ تصانیف میں سب سے قدیم "اثبات النبوۃ" ہے۔ اس کے ابھی تک نامکمل نسخے ہی ملے ہیں، جنہیں پہلے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اردو ترجمہ کے ساتھ اور اب مولوی محبوب الٰہی صاحب نے "رسائل مجددیہ" میں شامل کر کے شائع کر دیا ہے۔

رسالہ "اثبات النبوۃ"، جس کا بعض نسخوں میں "تحقیق النبوۃ" نام لکھا ہے۔ چھوٹے سائز کا چوالیس (۴۴) صفحے کا رسالہ ہے۔ اس میں تمہیدی عبارت کے بعد دو بحثیں ہیں۔ ایک نبوۃ کے معنی کی تحقیق ہیں۔ دوسری معجزہ کے بارے میں۔ اس کے بعد ایک طویل مقالہ ہے، جس کا پہلا مسلک بعثت اور نبوت کی حقیقت اور اس کی ضرورت کے بیان میں اور دوسرا مسلک خاتم الانبیاءؐ کی نبوت کے اثبات میں ہے۔

دوسرا مقالہ "فلاسفہ کی مذمت میں اور ان کے علوم کی ممارست اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے جو ضرر ہوتا

Marfat.com

ہے اس کے بیان میں ہے۔'' لیکن ابھی تک جو تین قلمی نسخے ملے ہیں' ان میں سے کسی میں بھی یہ مقالہ موجود نہیں۔ پتا نہیں' اس کا کیا سبب ہے۔ ممکن ہے کسی وجہ سے یہ رسالہ مکمل نہ ہوسکا ہو۔ یا شاید موجودہ نسخے کسی ابتدائی' غیر مکمل نسخے کی نقلیں ہوں۔

''اثبات النبوۃ'' کے ابتدائی صفحات تمہیدی ہیں' جن میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ عہدِ اکبری کی مذہبی بدعنوانیوں کا ذکر ہے۔ اس اندراج سے بدایونیؒ کے بیانات کی تائید ہوتی ہے' لیکن رسالہ کو بغور پڑھیں تو اس عظیم بُعد وتفاوت کا اندازہ بھی ہوتا ہے' جو حضرت مجددؒ اور بدایونی کی اخلاقی اور ذہنی سطح میں تھا۔ ''اثبات النبوۃ'' ایک اہم مسئلے کا ایک نہایت بلند پایہ تجزیہ ہے۔ اس کا موضوع بحث ومناظرے کا ہے' لیکن اس میں ایک لفظ ایسا نہیں' جو نہایت اونچے درجے کی علمی ثقاہت ومتانت کے خلاف ہو یا جس سے مخالفین کے ساتھ خوش اخلاقی میں ذرہ بھر کمی محسوس ہو۔ ان کا نقطہ نظر بڑی احتیاط اور بڑے انصاف سے پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ نفسِ مضمون ایسا تھا' جس کے متعلق مصنف کے احساسات شدید تھے' لیکن انہوں نے کہیں اپنے جذبات کو غالب آنے نہیں دیا اور نہایت بلند علمی اور فکری سطح برقرار رکھی ہے۔

رسالے کی تصنیف کے محرکات مقامی اور معاصرانہ تھے' لیکن تمہیدی عبارت کے سوا اس میں فقط انہی امور سے بحث ہے' جو اصولی اور دوامی ہیں۔ اور اگرچہ یہ رسالہ (غالباً) ابوالفضل سے ایک بحث سے متاثر ہوکر لکھا گیا۔ لیکن فی الحقیقت اس میں ایک ایسے سوال (کیا انسانی راہنمائی کے لیے عقل کافی ہے یا نبوت کی بھی ضرورت ہے؟) کا عالمانہ' محققانہ جواب ہے' جو صرف اہل اسلام کے لیے ہی نہیں' بلکہ دوسرے مذاہب والوں کے لیے بھی اہمیت رکھتا ہے۔

تمہیدی عبارت کے بعد آپ فرماتے ہیں: (ترجمہ)

> ''میں نے بعض لوگوں سے مناظرہ کیا جنہوں نے علمِ فلسفہ پڑھا تھا اور کافروں کی کتابوں سے بہرہ یاب ہوکر فضل وفضیلت کے مُدعی ہوگئے تھے اور لوگوں کو گمراہ کیا اور اصل نبوت کے تحقق اور ایک خاص شخص کے لیے اس کے ثبوت میں خود بھی گمراہ ہوئے اور یہاں تک کہنے لگے کہ نبوت کا حاصل حکمت اور مصلحت ہے۔ خلق کے ظاہری حالات کی اصلاح ہے اور عوام کو شہوات میں آزادروی' باہمی نزاع اور اختلاف سے محفوظ رکھنا ہے اور اس کا نجات اُخرویہ سے کوئی تعلق نہیں' بلکہ اس کا تعلق صرف تہذیب اخلاق اور قلبی اعمال کے ان فضائل کی تحصیل سے ہے جنہیں حکماء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔''

مخالفین کے نقطہ نظر کی توضیح اور ان کے بعض اعتراضات کا جواب دے کر آپ لکھتے ہیں ''میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور میرے سینے میں جم گئی کہ میں ان کے لیے ایسی تقریر کروں' جو ان کے شکوک دور کردے اور ان کے لیے ایسی بات لکھوں' جو ان کے شُبہ کو زائل کردے۔''

''اثبات النبوۃ'' اسی ارادے کی تکمیل ہے۔ یہ تمام کا تمام رسالہ مطالعہ اور غور وخوض کا مستحق ہے' لیکن اس

Marfat.com

کے متعلق چند باتیں خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔ ایک تو بلند علمی معیار' جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ چونکہ اس رسالے کا مقصد عقل کے دعویداروں کے شبہات وشکوک رفع کرنا تھا' اس لیے اپنے نقطہ نظر (یعنی نبوت کی ضرورت اور عقل کی واماندگی) کو مضبوط عقلی دلائل کی مدد سے واضح کیا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کو سلسلہ وار گنا کر ان کا نہایت خوش اسلوبی اور وضاحت سے جواب دیا ہے۔ رسالہ کی تیسری خصوصیت اس کا فصیح و بلیغ اندازِ بیان ہے' جو حضرت مجددؒ کی تمام تحریروں کا زیور ہے اور جس نے انہیں مذہبی مسائل پر اسلامی ہندوستان کا سب سے قادر الکلام اہل قلم بنا دیا تھا۔

ابتدائی حالات کے متعلق دشواریاں

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے احوال زندگی کے کئی معاصرانہ مآخذ ہیں' لیکن ابتدائی حالات کے متعلق کئی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ آپ کے حالات وتعلیمات کا مستند مخزن تو آپ کے اپنے مکتوبات ہیں' لیکن وہ اس زمانے سے شروع ہوتے ہیں' جب آپ حضرت خواجہ باقی باللہ کی صحبت میں پہنچے۔ ابتدائی چھتیس سالوں کے لیے ہمیں ''زبدۃ المقامات'' اور ''حضرات القدس'' پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ یہ دونوں تذکرے بے حد کارآمد ہیں۔ لیکن شاید وہ بھی الحاقی عبارتوں سے پوری طرح محفوظ نہیں رہے۔[5] اس کے علاوہ آغازِ ارشاد سے پہلے کے واقعات کے متعلق ان تذکروں میں' جو ان واقعات کے وقوع کے کافی بعد لکھ گئے' سہو کا امکان رہتا ہے۔

اس سہو کی ایک نمایاں مثال حضرت مجدد کے ابتدائی رسائل کے زمان تالیف کے متعلق نظر آتی ہے۔ ''حضرات القدس'' کے (اردو ترجمہ) کی متعلقہ عبارت ہے۔ ''اثنائے تحصیل علوم ظاہر میں آپ نے عربی وفارسی میں متعدد رسالے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ تحریر فرمائے۔ چنانچہ رسالہ ''تہلیلیہ'' اور رسالہ ''اثبات النبوۃ'' اور رسالہ ''ردِ روافض'' انہی رسائل میں سے ہیں۔'' ''حضرات القدس'' کا یہ اندراج کہ رسائل مذکورہ بالا ''اثنائے تحصیل علوم ظاہر میں'' (جس سے آپ سترہ سال کی عمر میں...... فارغ ہو گئے۔'' حضرات القدس) یقیناً صحیح نہیں۔ ''زبدۃ المقامات'' میں صرف دو رسائل کے نام لیے گئے ہیں (رسالہ ''تہلیلیہ'' اور رسالہ ''ردِ روافض'') اور ان کا ذکر درس و تدریس کے دور میں' بلکہ اس کے بعد کیا گیا ہے۔ یہ بیان زیادہ قرین قیاس ہے۔ خوش قسمتی سے حال ہی میں ''اثبات النبوت'' اور رسالہ ''تہلیلیہ'' شائع ہو گئے ہیں۔ (تیسرا رسالہ ان سے پہلے مکتوبات کے ساتھ نولکشور پریس والوں نے شائع کر دیا تھا)۔ اور اب حضرات القدس وغیرہ کے بیان کی صحت کا بہتر اندازہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے نشان دہی کی ہے۔ رسالہ ''تہلیلیہ'' میں حضرت مجدد کے والد ماجد کے ساتھ قدس سرہ لکھا ہے۔ اس لیے اس کی تصنیف مخدوم صاحب کے سال وفات (۱۰۰۷ ہجری) کے بعد ہوئی ہو گی۔ اس میں ''اثبات النبوۃ'' کی تائید میں ایک رسالہ کا ذکر ہے۔ اس لیے وہ رسالہ ''تہلیلیہ'' سے پہلے کا ہو گا۔ ''اثبات النبوۃ'' کے مقدمہ میں ڈاکٹر صاحب نے اس رسالے کی تصنیف ''۹۹۰ھ کے قریب'' قرار دی ہے۔ اور ''زبدۃ المقامات'' کے اندراج کی بناء پر اس سال کے متعلق فٹ نوٹ دیا ہے کہ ''اسی عمر میں ''ردِ روافض'' وغیرہ رسائل بھی لکھ چکے تھے۔'' محترمی ڈاکٹر صاحب نے

ایک اور جگہ ''اثبات النبوۃ'' کے ۹۹۸ھ کی تصنیف ہونے کا امکان بھی ظاہر کیا ہے۔ دونوں بیانات قیاسی ہیں۔ اور رسالہ ''اثبات النبوۃ'' کے سالِ تصنیف کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ (سوائے اس کے کہ اس کی تصنیف رسالہ ''تہلیلیہ'' سے پہلے ہوئی تھی اور غالباً حضرت مجدد کی سب سے پہلی تصنیف یہی رسالہ تھا)۔

رسالہ ''ردِ روافض'' بھی ابتدائی تصانیف میں سے ہے' لیکن اس میں اس خط کا ذکر ہے' جو علمائے مشہد نے علمائے ماوراء النہر کو لکھا۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر اطہر عباس رضوی نے وضاحت کی ہے۔ یہ خط شاہ عباس صفوی کے دوسرے سالِ جلوس یعنی ۹۹۷ھ (۹-۱۵۸۸ء) میں لکھا گیا۔ اس لیے حضرت مجدد کا رسالہ بھی اس کے بعد کا ہوگا۔

مندرجہ بالا مثالوں سے ظاہر ہے کہ اگرچہ ''حضرات القدس'' اور ''زبدۃ المقامات'' کی تاریخی اہمیت بہت ہے۔ ان کے مصنفین کو تلاش واقعات کی بڑی سہولتیں حاصل تھیں اور ان کے بیانات کی عمومی صحت پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن ابتدائی حالات کی جزئیات کے متعلق ان کے لفظ لفظ کا پابند ہونا یا اسے متعلقہ واقعات کا مکمل بیان سمجھنا خطرے سے خالی نہیں۔

اسی طرح کی الجھنیں حضرت مجدد کے سفروں کے متعلق ہیں۔ ''زبدۃ المقامات'' میں آپ کے آگرہ جانے کا تو ذکر نہیں' لیکن ابوالفضل کی مجلس میں آنے جانے اور اس سے مقام نبوت پر ایک بحث اور مخدوم صاحب کے آگرے آکر آپ کو سرہند لے جانے کی تفصیلات درج ہیں۔ ''زبدۃ المقامات'' کا بیان آگرے کے متعلق ہے۔ لیکن ابوالفضل تو غالباً ان دنوں فتح پور سیکری میں تھا۔ یہ دونوں مقامات ایک دوسرے سے بہت دور نہیں۔ اس لیے عمومی طور پر آگرے کا نام لیا گیا۔ لیکن زیادہ الجھن ابوالفیض فیضی کی تفسیر کے متعلق ہے۔ ''زبدۃ المقامات'' اور ''حضرات القدس'' دونوں میں حضرت مجدد کی شرکت کا ذکر ہے۔ یہ تفسیر ۱۰۰۲ھ میں لاہور میں ختم ہوئی۔ اکبر اور اس کے ساتھ فیضی وغیرہ ۹۹۴ھ سے لاہور میں تھے۔ ان حالات میں فیضی کی تفسیر کے متعلق ''حضرات القدس'' اور ''زبدۃ المقامات'' کے اندراجات قبول کرنے میں بعض اُلجھنیں ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کا ارشاد ہے۔ ''حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ...... قریب ۲۰-۲۲ سال کی عمر میں آگرہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں فیضی اپنی بے نقط تفسیر ''سواطع الالہام'' کی تیاری میں مصروف تھا۔ اس لیے حضرت علیہ الرحمۃ نے برجستہ ایک بے نقطہ عبارت مرحمت فرمائی تھی۔ وہ تفسیر نظر ثانی کے بعد (بدایونی ص ۳۸۹) ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔'' تفسیر غیر منقوط کا آگرے میں شروع ہونا ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ شاید زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اگرچہ حضرت مجددؒ آگرہ سے تشریف لے آئے' جس کے بعد ان کی شادی ہوگئی اور وہ کافی دیر سرہند مقیم رہے۔ لیکن اس کے بعد وہ کچھ عرصے کے لیے لاہور تشریف لے گئے۔ جہاں انہوں نے (علمائے مشہد کے ۹۹۷ھ (۹-۱۵۸۸ء) والے خط کے ہندوستان پہنچنے اور یہاں اس کے مضامین عام ہونے کے بعد) ''مجالس اور امراء وسلاطین'' میں شیعہ اہل علم سے بحث ومباحثہ کیا۔ فیضی کو تفسیر غیر منقوط میں مدد دی اور رسالہ ''ردِ روافض'' تحریر کیا۔

یہ صحیح ہے کہ معاصرانہ تذکرہ نگار اس سفرِ لاہور کا ذکر نہیں کرتے' لیکن ان سے آپ کے تمام سفروں کا ذکر متوقع نہیں۔ مثلاً حضرت مجدد نے ایک مکتوب (دفتر اول شمارہ ۳۱۳) میں پرگنہ بنارس کے سفر کا ذکر کیا ہے' لیکن اس کے بارے میں تذکرہ نگار بالکل خاموش ہیں۔ اسی طرح تذکروں میں حضرت باقی باللہ کی وفات کے بعد کسی وقت حضرت مجدد کے سفرِ لاہور کا ذکر ہماری نظر سے نہیں گزرا بلکہ سوائے واقعہ گوالیار اور لشکر کی نظر بندی کے' سرہند میں ہی قیام کی

Marfat.com

صراحت ہے' لیکن خواجہ خُردؒ کی ''رباعیات وشرح رباعیات'' سے پتا چلتا ہے کہ وہ حضرت مجددؒ کی خدمت میں تین مرتبہ بمقام سرہند اور ایک مرتبہ لاہور حاضر ہوئے۔ چونکہ خواجہ خُردؒ اپنے والد کی وفات کے وقت دو سال کے تھے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ لاہور کا سفر اس کے بہت بعد ہوا ہوگا اور وہاں حضرت مجدد کا قیام خاصہ طویل ہوگا کہ خواجہ خردؒ نے نزدیکی مقام سرہند میں ان کا انتظار کرنے کی بجائے لاہور حاضری دی۔

اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ تذکرہ نگاروں نے عمومی طور پر اکبرآباد سے دارالحکومت مراد لیا ہو۔ نہ ہی فتح پور سیکری کی وضاحت کی اور نہ ہی یہ خیال کیا کہ اکبر اور اس کے امرا ۹۹۴ھ سے ۱۰۰۷ھ تک لاہور میں مقیم تھے۔

اگر ۱۰۰۰ھ میں یا اس کے جلد بعد کچھ عرصے کے لیے حضرت مجدد کا سفر لاہور تسلیم کر لیا جائے تو نہ صرف تفسیر بے نقط کے متعلق ''زبدۃ المقامات'' اور ''حضرات القدس'' کے اندراجات بلکہ رسالہ ''رد روافض'' کی بعض الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔ لیکن بہرحال یہ معاملہ قیاسی ہے...... ممکن ہے نئی شہادت یا مزید غور وخوض کی روشنی میں صورت حالات زیادہ صحت کے ساتھ واضح ہو جائے۔

شادی خانہ آبادی

''زبدۃ المقامات'' میں اس امر کی وضاحت ہے کہ جب حضرت مجدد کو اکبرآباد رہتے ایک مدت گزر گئی تو ان کے والد ماجد فرط محبت سے مجبور ہو کر بُعدِ مسافت اور کبرسنی کے باوجود ان کے پاس پہنچے اور حضرت مجدد نے وطن کو مراجعت فرمائی اور بعد میں والد ماجد کی خدمت میں رہے۔

واپسی کے سفر کے متعلق مولانا احسان اللہ گورکھپوری ''سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی سرہندی'' میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت مجدد عرصے تک اکبرآباد میں رہے۔ آپ کے والد مخدوم عبدالاحد آئے اور اپنے ساتھ سرہند واپس لے گئے۔ واپسی پر شیخ سلطان ایک مقرب شاہ ہند کی لڑکی سے حضرت مجدد کا عقد ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس عقد کی بابت حضرت محمد ﷺ سے شیخ سلطان کو خواب میں علم ہوا تھا۔ اس عقد سے حضرت مجددؒ کی مالی حالت بہت درست ہوئی اور ایک نئی حویلی حضرت مجدد نے اپنے لیے سرہند میں بنوائی۔'' (ص ۷۰)

مولانا احسان اللہ کا بیان ''روضۃ القیومیہ'' پر مبنی معلوم ہوتا ہے' جو بیان واقعات میں محتاط نہیں۔ لیکن چونکہ مصنف خاندان مجددیہ سے تھا' اس لیے اس کی کتاب خاندانی روایات کا ایک کارآمد ذخیرہ ہے۔ وہ اس شادی کا ذکر کر کے لکھتا ہے۔ ''اس شادی کے بعد حضرت قیوم اول (حضرت مجدد الف ثانی) کے پاس ظاہری مال و دولت بکثرت ہو گیا۔ اپنے والد بزرگوار کی حویلی چھوڑ کر ایک نئی حویلی بنوائی، جہاں پر آج کل آنجناب کا روضہ مبارک اور آنجناب کی اولاد کا محلہ ہے۔ حویلی کے قریب ہی ایک مسجد بنوائی۔'' آپ کے دوسرے بھائی پرانی حویلی میں رہتے رہے۔ اس لیے ان کی اولاد کا لقب پرانی حویلی والے پڑ گیا۔ (ص ۶۸۔۶۹)

Marfat.com

حضرت مجدد کی زندگی میں اس شادی کی بڑی اہمیت ہے۔ ایک تو آپ کی اہلیہ محترمہ کے درجہ عالی کی بناء پر دوسرے ان کے والد شیخ سلطان کی وجہ سے، جو ایک ممتاز عالم ادیب اور حاکمِ علاقہ تھے۔ اکبر سے قریب رہنے کے باوجود اس کی مذہبی پالیسی کے سخت مخالف تھے اور قرین قیاس نہیں کہ ان کے خیالات اور واقعات زندگی کا ذہین اور قابل داماد پر کوئی اثر نہ ہوا ہو۔

حضرت مجدد کی شادی کی تاریخ نہیں ملتی۔ لیکن آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ محمد صادق کی، جو چوبیس پچیس برس کی عمر میں وفات پا گئے، تاریخ ولادت ۱۰۰۰ھ ہے۔ ان سے پہلے کسی اولاد کا ذکر نہیں ملتا۔ قرین قیاس ہے کہ شادی اور اکبر آباد سے واپسی کا زمانہ دسویں صدی ہجری کے آخری سال ۹۹۹ھ سے بہت پہلے نہ ہوگا۔

حاجی سلطان تھانیسری

''روضۃ القیومیہ'' میں شیخ سلطان کے متعلق عجیب گل افشانیاں ہوئی ہیں۔ ان کے حالات زندگی کو الف لیلہ کے قصے بنا دیا گیا ہے حالانکہ ان بیانات کے پس پشت حقیقت کا ایک عنصر موجود ہے، جو خود اتنا دلچسپ ہے کہ اگر تاریخی کتب سے ہی صحیح حالات کو جمع کر دیا جائے تو ایک غیر معمولی شخصیت کا عبرتناک مُرقع تیار ہوتا ہے۔

''روضۃ القیومیہ'' میں لکھا ہے کہ شیخ سلطان کو اکبر کے ہاں بڑا قرب و اقتدار حاصل تھا۔ بادشاہ نے ان سے کہا تم ہمارے لیے قرآن لکھو۔ انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور پوچھنے پر کہا کہ آسمان سے جبرئیل تمہارے لیے قرآن شریف لائے تو میں بھی لکھوں۔ بادشاہ نے شرمندہ ہو کر انہیں اپنے ہاں سے دور کرنے کا فیصلہ کیا اور لاہور اور دہلی کے درمیانی علاقے کی حکومت ان کے سپرد کی۔ وہ وہاں پہنچے تو سرکاری لگان علماء و فقراء میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ بارہ برس تک یہی کیا۔ بادشاہ کو ایک پیسا نہ بھیجا۔ جب وہ کسی تقریب سے ادھر سے گزرا اور بارہ سالہ خراج کی نسبت پوچھا تو شیخ صاحب نے کہا تو مُرتد ہو گیا ہے اور مرتد کا مال اڑانا جائز ہے۔ اس لیے میں نے اسے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا۔'' یہ کہہ کر بغل سے ایک پتھر نکال کر بادشاہ کے چہرہ پر ایسا تاک کر مارا کہ پیشانی سے خون بہنے لگا۔ شیخ صاحب کو سُولی چڑھایا گیا۔'' (ص ۳۶)

حقیقتِ حال یہ ہے کہ شیخ سلطان جو تھانیسر کے رہنے والے تھے اور کتب تاریخ میں حاجی سلطان تھانیسری کے نام سے معروف ہیں، ایک عالم فاضل بزرگ تھے۔ (''علوم نقلیہ راخوب ورزیدہ'')۔ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ مقاربت شاہی میں رہے۔ چار سال تک ''مہا بھارت'' کے ترجمے پر جو ''رزم نامہ'' کے نام سے تیار ہوا، مامور رہے۔ ابوالفضل اور بدایونی کے ہاں ان کی آمد و رفت تھی اور بدایونی کے وہ دلی خیر خواہ تھے۔ چنانچہ جب بدایونی مخدوم الملک سے ان کے زمانہ اقتدار میں ملنے گیا تو ابوالفضل اور شیخ سلطان اس کے ساتھ تھے۔ بدایونی کی مخدوم سے ''روضۃ الاحباب'' کے متعلق ناخوشگوار بحث شروع ہوگئی تو وہ اشاروں سے بدایونی کو منع کرتے رہے کہ احتیاط کرے اور سمجھ سے کام لے۔ یہ ابتدائی ایام کا واقعہ ہے۔ جب ابوالفضل دربار میں پہنچ گیا تھا، لیکن اسے کوئی منصب نہ ملا تھا۔

شیخ سلطان سے بادشاہ کی ناچاقی اس وقت شروع ہوئی جب تھانیسر کے ہندوؤں نے ان کے خلاف گاؤکشی کی شکایت کی۔ انہیں بھکر جلاوطن کر دیا گیا۔ اتفاقاً خانخاناں اس علاقے کی حکومت پر مامور ہوا۔ وہ اہل علم کا ہوا خواہ

تھا۔ شیخ سلطان سے بڑے التفات سے پیش آیا۔ ان کے زخموں پر مرہم رکھا اور فتح سندھ کے بعد انہیں اپنے ساتھ واپس لایا۔ شیخ مخفی طور پر اپنے وطن چلے گئے۔ لیکن خانخاناں نے دکن سے ان کی سفارش کی اور جلاوطنی کے حکم کی تنسیخ کی درخواست کی۔ یہ سفارش منظور ہوئی۔ شیخ سلطان کا کام بن گیا۔ بادشاہ نے غائبانہ حکم دیا کہ انہیں تھانیسر و کرنال کا کروڑی بنا دیا جائے۔ چنانچہ جب بدایونی نے اپنی تاریخ لکھی (جس سے یہ حالات ماخوذ ہیں)، اس وقت وہ اس خدمت پر مامور تھے۔

شیخ سلطان کا عتاب شاہی کے بعد تھانیسر کا کروڑی ہو جانا حیرت انگیز تھا۔ (بدایونی نے بھی ایک عربی شعر درج کر کے (کسی قدر رشک کے ساتھ) اس امر کا اظہار کیا ہے کہ بسا اوقات عنایت الٰہی سے اس طرح کام بن جاتے ہیں کہ عقل ان کے سمجھنے میں حیران رہتی ہے)۔ لیکن بالآخر یہی تقرر ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ تھانیسر ہندوؤں کا ایک مقدس مقام اور ان کی احیائیت کا ایک گڑھ تھا۔ ان لوگوں سے شیخ کی پہلے بھی کشمکش ہو چکی تھی، جس کی وجہ سے وہ بھکر جلاوطن ہوئے۔ یہ کشمکش پھر تازہ ہو گئی اور اس دفعہ ان کے دشمنوں کا وار بڑا کاری تھا۔

اکبر ۱۵۹۸ء کے آخر میں لاہور کے طویل قیام کے بعد جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں کوکبۂ شاہی تھانیسر میں مقیم ہوا تو لوگوں (مقامی ہندوؤں) نے شیخ کے ظلم و ستم اور خلقت آزاری کی شکایت کی اور بادشاہ کو اس کا قائل کر دیا۔ اکبر ان دنوں ان کروڑیوں کے ساتھ، جن کے خلاف شکایات ثابت ہوتی تھیں، خاص طور پر سختی کر رہا تھا۔[۶] اس نے سزائے موت کا حکم دیا۔ چنانچہ یکم جنوری ۱۵۹۹ء کو شیخ سلطان کو پھانسی دی گئی۔

اس سلسلے میں ''اکبر نامہ'' میں حسب ذیل اندراج ہے:

> ''دریں روز شیخ سلطان را ز حلق کشیدند۔ در گروہ عمامہ داراں مے زیست۔ آزروئے عمل گزاری اورا کالیوہ ساخت۔ تھانیسر (کہ بنگاہ اوبود) بدو سپردند۔ از بدمستی دنیا کین ہارا تازہ بر ساخت۔ و بہ جاں گزائی نیکواں برخاست۔ چوں دادخدا رابداں شہر گزار شد۔ و لختے ستمگاری اور خاطر نشین گشت۔ بسزائے کردار خود رسید۔'' (اکبر نامہ۔ جلد سوم ص ۷۴۸)

''اقبال نامہ جہانگیری'' میں اس سانحہ کا ذکر بدیں الفاظ ہے:

> ''چوں موکبِ اقبال بنواحی تھانیسر رسید۔ خلق انبوہ از بروے سلطان کروڑی آنجا دادخواہ شدند۔ وبعد از تحقیق بظہور پیوست کہ دریں ملک تظلم و بیداد از و بفعل آمد۔ حکم شد کہ ہماں جا از خلق بر کشند کہ عبرت دیگراں شود۔'' (اقبال نامہ جہانگیری (نولکشور) جلد دوم ص ۴۵۹)

''روضۃ القیومیہ'' میں لکھا ہے کہ شیخ سلطان محاصل شاہی کو فقراء و مساکین میں بانٹ دیتے تھے۔ ممکن ہے اس میں صداقت کا کوئی عنصر ہو۔ شیخ صاحب کی سخاوت کا تذکرہ نگار بالصراحت ذکر کرتے ہیں۔ ''حضرات القدس'' میں انہیں ''عالم و فاضل اور پرہیزگار و سخی بزرگ'' (ص ۲۶) کہا گیا ہے، لیکن ابوالفضل کے الفاظ ''کہن کین ہارا تازہ ساخت'' کو بدایونی کے بیان کی روشنی میں دیکھیں تو خیال ہوتا ہے کہ یہ پرانے گاؤکشی والے جھگڑے کا شاخسانہ تھا۔

Marfat.com

شاید شیخ نے اپنے قدیمی دشمنوں کے خلاف کوئی قدم اٹھایا ہو، جن کے طرفدار ہندوؤں نے موقع مل جانے پر اکٹھے ہو کر بادشاہ سے شکایت کی۔

واقعہ کی جزئیات پوری طرح واضح نہیں' لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ شیخ سلطان کا کربناک انجام ایسا نہ تھا کہ اس سے ان کے اقربا کو (جن میں ان کی صاحبزادی اور حضرت مجدد الف ثانی خود تھے) اکبر یا اس کی پالیسی یا ہنود سے شکایت نہ ہوتی اور حقیقت یہ ہے کہ اس سانحہ نے اکبر کے حکام اور ہندوؤں کے اثر کا مسئلہ ایک ایسی بھیانک صورت میں پیش کر دیا جس کا پورا اندازہ دارالحکومت میں نہ ہو سکتا تھا۔

شیخ سلطان کا نقطہ نظر دکھانے کے لیے ہم ان کے حالات کو ان کی وفات تک لے آئے ہیں' لیکن اس سے پہلے انہوں نے بڑی شان کی زندگی بسر کی تھی۔ وہ برسوں ایک اہم علاقے کے کروڑی رہے' جو اس زمانے میں بڑے رتبہ اور اقتدار کا عہدہ تھا۔ علمی اور ادبی حلقوں میں بھی ان کا اپنا مقام تھا۔ اہل دربار سے ان کے پرانے مراسم تھے۔ قرین قیاس ہے کہ ان سے قریبی تعلق قائم ہونے سے حضرت مجددؒ کا حلقہ اثر بھی وسیع تر ہو گیا ہوگا۔

اس سے بھی اہم معاملہ نقطہ نظر کا ہے۔ معاصرانہ مسائل پر حضرت مجددؒ کا جو زاویہ نگاہ شروع سے تھا' وہ ''اثبات النبوۃ'' سے واضح ہے۔ لیکن اگر اس کا مقابلہ ''رد روافض'' سے کریں تو انداز بیان میں ایک لطیف فرق نظر آتا ہے۔ ''اثبات النبوۃ'' کا طرز اظہار عالمانہ بلکہ محققانہ ہے۔ دوسرے رسالے میں بھی علمیت کی کمی نہیں۔ لیکن لہجے میں ایک نئی گرمی اور تیزی ہے۔ ''رگ فاروقیم'' کی جو ترکیب پہلی مرتبہ اس رسالے میں استعمال ہوئی ہے' وہ اس کا مابہ الامتیاز ہے۔ اس رگِ فاروقیم سے' جیسا کہ ان کے واقعات زندگی گواہ ہیں' شیخ سلطان کو بھی وافر حصہ ملا تھا اور کیا یہ خیال بے جا ہے کہ ان کے ساتھ ربط و ضبط بڑھنے اور ان کے خیالات و احساسات جاننے سے حضرت مجدد کی شخصیت کے اس پہلو کو تقویت پہنچی؟

شیخ سلطان ایک سخی انسان تھے۔ اپنے پسماندگان کے لیے انہوں نے بہت کچھ نہ چھوڑا۔ (ممکن ہے' جائداد ضبط ہو گئی ہو' جیسا کہ معتوب کروڑیوں کے ساتھ اکثر ہوتا تھا)۔ حضرت مجدد کا ایک بالکل ابتدائی عربی خط ہے، خواجہ جہاں کے نام۔ اس میں غالباً شیخ کے بیٹوں کا ذکر ہے۔ ''بقیہ مضمون یہ ہے کہ شیخ سلطان مرحوم کے دونوں بیٹوں کے لیے گزارہ و معیشت کی بہت تنگی و ناچاری ہے۔ اس واسطے آنجناب سے التماس ہے کہ ان کی ہر طرح مدد و اعانت کریں۔ کیونکہ آپ اس بات کے لائق ہیں۔'' (دفتر اول۔ مکتوب ۲۵)

شیخ سلطان کے ایک بھائی تھے' شیخ زکریا۔ (حضرات القدس ص ۲۶) حضرت مجدد کے مکتوبات میں کسی شیخ زکریا کا بار بار ذکر ہے' جو کسی پرگنہ کے کروڑی تھے۔ ان کے حضرت مجدد پر بہت حقوق ہوں گے۔ کیونکہ ایک نہیں' تین مکتوبات ان کی سفارش اور حاجت براری کے لیے لکھے گئے اور شیخ زکریا یہ توقع کرتے تھے کہ حضرت مجدد ان کی خاطر بُعدِ مسافت کے باوجود (شاہی) لشکر میں جا کر ان کی مخلصی کے لیے کوشش کریں۔ (دفتر اول مکتوب نمبر ۷۶) کیا یہ شیخ زکریا' شیخ سلطان مرحوم کے بھائی نہ تھے؟

معلوم ہوتا ہے' شیخ زکریا کو عہدہ شیخ فرید کی سفارش سے ملا تھا۔ پہلے سفارشی خط میں انہیں لکھا ہے ''ہمچناں کہ ایشاں رانواختہ اند۔ تا آخر دستگیری فرمائید۔ واز گرگان حوادث محفوظ دارند۔'' (دفتر اول مکتوب نمبر ۴۳)۔ دوسرے خط

Marfat.com

میں شیخ فرید کو لکھا ہے کہ نئے دیوان پر بھی یہ ظاہر کر دیا جائے کہ شیخ زکریا آپ کے آدمی ہیں۔ ''بہ دیوانِ جدید نیز ظاہر شود کہ ایشاں از خادمان آں درگاہ عالی اند۔'' (دفتر اول مکتوب نمبر ۵۰)

حاجی سلطان تھانیسری کے حالات کی نشان دہی میں بدایونی سے بیش بہا مدد ملتی ہے۔ لیکن اس سے دو ایک الجھنیں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے بیان سے خیال ہوتا ہے کہ خانخاناں نے ''بعد فتح ولایت آسیر و برہان پور'' حاجی صاحب کے متعلق ایک سفارشی عرضداشت بھیجی۔ اس سے عتابِ شاہی دور ہوا اور کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے انہیں کروڑی مقرر کیا لیکن اکبری فوجیں ۲۵ رمضان ۱۰۰۸ھ کو برہان پور میں داخل ہوئیں اور اکبر نے قلعہ اسیر ۲۲ رجب ۱۰۰۹ھ میں اس وقت فتح کیا جب حاجی سلطان کو پھانسی دی جا چکی تھی۔ ے

بدایونی کو اس معاملے میں کچھ تسامح ہوا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے اسیر اور برہانپور کے قلعوں کا نہیں ''ولائت'' کا ذکر کیا ہے، لیکن فتح سندھ کے بعد پہلی مرتبہ خانخاناں دکن کو ۱۰۰۳ھ میں گیا اور حاجی سلطان کی صاحبزادی کی شادی ۹۹۹ھ کے آخر تک ہو چکی ہوگی۔ شاید یہ شادی اس وقت ہوئی، جب حاجی سلطان بھکر سے مخفی طور پر واپس آ چکے تھے، لیکن ابھی کروڑی مقرر نہیں ہوئے تھے۔

رسالہ ''ردِّ روافض''

شادی کے بعد کچھ عرصہ حضرت مجدد الف ثانی سرہند میں مقیم رہے، جہاں ۱۰۰۰ھ میں آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق پیدا ہوئے۔ (ان کا سالِ وفات ''زبدۃ المقامات'' میں درج ہے۔ تاریخ ولادت نہیں، لیکن چونکہ تاریخ وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ ہے، جب آپ کی عمر چوبیس سال سے کسی قدر زیادہ تھی۔ اس لیے تاریخ ولادت ۱۰۰۰ھ کے اواخر میں ہوگی)۔

ہم یہ خیال ظاہر کر چکے ہیں کہ شاید حضرت مجدد کا رسالہ ''ردِ روافض'' شادی کے بعد کی تصنیف اور غالباً سفر لاہور کی یادگار ہے۔ یہ رسالہ اصل میں اس رسالے کا جواب ہے جو علمائے شیعہ نے علمائے ماوراء النہر کو اس وقت بھیجا، جب عبداللہ خان ازبک نے ۹۹۷ھ میں مشہد کا محاصرہ کر رکھا تھا، لیکن اس کی تصنیف کی فوری وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں کئی شیعہ علمائے مشہد کے مضامین دہراتے اور امرا و سلاطین کی مجلسوں میں انہیں بڑے فخر سے بیان کرتے۔ حضرت مجدد ان محفلوں میں ان کی تردید کرتے، لیکن انہیں خیال ہوا کہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ سپرد قلم ہونا چاہیے تاکہ عوام الناس میں بھی غلط فہمیوں کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ وہ اس رسالے کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''بعضے از طلبہ شیعہ کہ متردد ایں حدود بودند۔ بایں مقدماتِ افتخار و مباہات مینمودند و در مجالسِ امراء و سلاطین ایں مغالطات شہرت می دادند، وایں حقیر در ہر مجلس و معرکہ مشافہہ بمقدمات معقولہ و منقولہ ردِ آنہا می کرد۔ وغلطہای صریحہ ایشاں را اطلاع می داد۔ اما حمیت اسلام و رگِ فاروقیم بایں قدر رد و الزام کفایت نمی کرد و شورشِ سینہ بے کینہ تشفی نیافت۔ و بخاطر فاتر قرار یافت کہ اظہار مفاسد ایشاں تا زمانے کہ در قید کتابت نہ آید...... نفع عامہ نہ بخشد۔''

Marfat.com

اس رسالے میں شیعوں کی نسبت وہی نقطہ نظر ہے، جس سے مکتوبات امام ربانی اور مکتوبات خواجہ محمد معصوم کے پڑھنے والے واقف ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ کافر ہیں اور واجب القتل۔ یہ رسالہ (''اثبات النبوۃ'' اور ''رسالہ تہلیلیہ'' کے برعکس جو عربی زبان میں ہیں) فارسی میں لکھا گیا۔ لیکن اپنے نقطہ نظر کی تائید میں کثرت سے روایات واحادیث دی ہیں، جو عربی میں ہیں۔

رسالہ ''رد روافض'' مکتوبات کے نولکشوری ایڈیشن کے ساتھ شائع ہوگیا ہے۔ لیکن مطبوعہ رسالہ اور اس قلمی نسخہ میں جو خانقاہ کندیاں شریف میں ہے، کسی قدر فرق ہے۔

رسالہ ''تہلیلیہ''

حضرت مجدد الف ثانی کا ایک اور رسالہ، جو انہوں نے خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے لکھا اور اب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی بدولت پہلی مرتبہ منظر عام پر آیا، رسالہ ''تہلیلیہ'' ہے۔ بیس بائیس صفحے کا چھوٹی تقطیع کا مختصر رسالہ ہے۔ جس کے ساتھ حافظ رشید احمد صاحب ارشد کا سلیس، بامحاورہ اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔

چونکہ اس میں حضرت مجدد نے ''شیخی ووالدی'' (مخدوم عبدالاحد) کے ساتھ ''قدس سرہ'' لکھا ہے۔ اس سے ڈاکٹر صاحب موصوف نے استنباط کیا ہے کہ یہ رسالہ مخدوم صاحبؒ کی وفات کے بعد لکھا گیا۔ انہوں نے محض اندازے سے عام اور نفس مضمون کی مناسبت سے اس کا تاریخی نام ''معارف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ۱۰۱۰ھ رکھا ہے۔ مولوی محبوب الٰہی مرتب ''رسائل مجددیہ'' ۱۰۰۷ھ کے بعد والے استنباط سے متفق ہیں، لیکن اس خیال سے کہ اس کا ذکر ''زبدۃ المقامات'' میں ان رسائل کے ضمن میں ہوا ہے، جو حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضری (ربیع الآخر ۱۰۰۸ھ) سے پہلے لکھے گئے۔ اس لیے انہوں نے اس کا زمان تصنیف ۱۰۰۷ھ کا آخر یا ۱۰۰۸ھ کا آغاز قرار دیا۔

ہم ''زبدۃ المقامات'' اور ''حضرات القدس'' کی نسبت یہ رائے درج کر چکے ہیں کہ ابتدائی ایام کے متعلق ان کے اندراجات کو تخمینی اور عمومی سمجھنا چاہیے لیکن مولوی صاحب کا اندازہ قرین صحت معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ رسالے میں حضرات چشت مثلاً مخدوم عبدالاحدؒ اور شیخ عبدالقدوس[8] (؟) اور وحدت الوجودی خیال کے صوفیہ (مثلاً شیخ ابن العربیؒ اور شیخ صدر الدین قونویؒ) کی تصانیف سے طویل اقتباسات ہیں، لیکن بزرگان نقشبندیہ میں سے کسی کا ذکر نہیں۔ حضرت خواجہؒ سے بیعت کے بعد حضرت مجدد کی ابتدائی تصانیف میں ان کا ذکر اکثر آجاتا ہے، وہ بھی نہیں۔ اس لیے یہ خیال کہ یہ رسالہ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضری سے پہلے لکھا گیا، مستبعد نہیں۔

رسالہ ''تہلیلیہ'' میں کلمہ طیبہ کے متعلق مختلف امور سے بحث ہے۔ ابتدا لا کی بحث سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد لفظ اللہ کی حقیقت اور اس کے اشتقاق کے متعلق نحوی علما اور مفسرین کے اقوال کی روشنی میں بحث کی ہے۔ پھر لفظ اللہ کے لطائف، وحدانیت الٰہی کے دلائل اور کلمہ طیبہ کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ایک طویل اندراج ہے، جس کا عنوان حافظ رشید احمد صاحب ارشد نے ''توحید صوفیا'' اور مولوی محبوب الٰہی صاحب نے ''توحید العوام وتوحید الخواص'' دیا ہے۔ پھر ایک مختصر اندراج میں وجود باری کے عین ذات ہونے میں فلاسفہ کے دلائل دیئے ہیں اور اس

Marfat.com

معاملے میں فلاسفہ اور صوفیائے کرام کے اتفاق رائے کا ذکر ہے۔ آخری حصہ (بلکہ باب) کلمہ طیبہ کے جزو ثانی (یعنی رسالت محمدیہؐ) کے متعلق ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل' معجزات اور اخلاق کریمہ و اوصاف عظیمہ کا ذکر ہے۔

''اثبات النبوۃ'' اور ''رسالہ تہلیلیہ'' ایک ہی صاحب نظر کا عطیہ ہیں۔ ایک ہی دور کے متعلق ہیں۔ ''رسالہ تہلیلیہ'' کے آخری حصہ کا تو موضوع بھی وہی ہے' جو ''اثبات النبوۃ'' کے ایک جزو کا ہے۔ چنانچہ اخلاق نبویؐ کے متعلق بعض عبارتیں (خفیف اختلافات کے ساتھ)[9] ''رسالہ تہلیلیہ'' میں وہی ہیں' جو ''اثبات النبوۃ'' میں تھیں۔

''اثبات النبوۃ'' اور ''رسالہ تہلیلیہ'' میں کئی چیزیں مشترک ہیں' لیکن اگر ان کا غور سے مطالعہ کریں تو ان میں ایک لطیف فرق نظر آتا ہے۔ یہ دونوں رسالے ایک بلند پایہ عالم اور سچے محب اسلام کے لکھے ہوئے ہیں اور دونوں کی سطح بہت بلند ہے۔ لیکن ''اثبات النبوۃ'' میں صوفیانہ رنگ بہت ہلکا ہے اور ''رسالہ تہلیلیہ'' میں بڑا نمایاں ہے۔ اس امتیاز کی ایک وجہ تو اختلاف مباحث ہے اور دوسری یہ کہ ''اثبات النبوۃ'' میں روئے سخن ان لوگوں کی طرف تھا' جو عقل کے ترجمان بنتے تھے۔ اس لیے حوالے بھی زیادہ تر ان مفکرین و علما کے ہیں جنہیں وہ مانتے تھے۔ (مثلاً جالینوس' امام رازی' امام غزالی' معتزلہ میں سے جاحظ اور النظام)۔ ''رسالہ تہلیلیہ'' عام مسلمانوں کے لیے لکھا گیا ہے۔ اس لیے اس میں انداز بیان مختلف اختیار کیا گیا۔ یہ دونوں اسباب امتیاز تو مسلم ہیں' لیکن دوسرے رسالے میں صوفیانہ عنصر کا اس شدت سے اضافہ ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ اس کا ہیولےٰ اس زمانے میں تیار ہوا' جب تکمیل عوام اور درس و تدریس علوم ظاہرہ کے بعد (شاید ''اثبات النبوۃ'' زمان درس و تدریس کی یادگار ہے۔ ''زبدۃ المقامات'' کے مطابق ابوالفضل سے نبوت کے متعلق بحث اس زمانے میں ہوئی تھی) آپ کو والد ماجد کی خدمت میں پھر سے زیادہ رہنے کا موقع ملا اور تصوف کی منتہیانہ تصانیف کا گہرا مطالعہ ہوا۔

''رسالہ تہلیلیہ'' میں نہ صرف صوفیائے کبار کی مشہور تصانیف سے طویل اقتباسات ہیں بلکہ صوفیائے کرام اور قطب و اوتاد کے متعلق آپ نے اسی نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے' جو شیخ محی الدین ابن عربی کا تھا۔ متعلقہ عبارت کا حسب ذیل ترجمہ حافظ رشید احمد صاحب ارشد نے کیا ہے۔

وہ صوفیائے کرام جو خدا پرست' صاحب کشف اور شمع نبوت سے نور حاصل کرتے ہیں' زمین ان کے سہارے قائم ہے اور انہیں کے فیض و برکات سے اہل زمین پر نزول رحمت ہوتا ہے۔ انہیں کی وجہ سے لوگوں پر بارش برسائی جاتی ہے اور انہیں کی بدولت ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ (رسالہ تہلیلیہ ص ۲۷)

''رسالہ تہلیلیہ'' کی تالیف کے بعد حضرت مجدد نے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی، جس میں شروع کی پابندی ہے۔ اس بیعت کے بعد آپ نے وحدت الشہود کی توضیح کی اور ابن العربی سے بعض باتوں میں اختلاف کیا۔ لیکن ابتدائی اثرات کو جڑ سے اکھیڑ دینا آسان نہیں ہوتا۔ ابن العربی نے قطب' ابدال' اوتاد کا جو باطنی نظام پیش کیا تھا اور جس کا پرتو ''رسالہ تہلیلیہ'' کی مندرجہ بالا عبارت میں نظر آتا ہے' اس کا اثر آپ پر تمام عمر رہا۔ بلکہ آپ نے اس میں اضافہ کر کے (اور قرآن مجید کی ایک آیت کی تاویل کر کے) قیومیت کا نظریہ پیش کیا، جسے بعد والوں نے بہت وسعت دی، اور بے حد غلو کیا۔ یہ نظریہ فی الحقیقت ابن العربی کے ان اثرات کا ماحصل ہے' جن کا بیج مخدوم صاحب کی صحبت اور تعلیم

Marfat.com

باطنی کے زمانے میں بویا گیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت

۱۰۰۷ھ کا سال حضرت مجدد کے لیے بڑا رنج والم کا زمانہ تھا۔ اس سال ۲ جمادی الآخر کو آپ کے خسر شیخ سلطان کے حسرت ناک انجام کا سانحہ پیش آیا۔ پچیس روز بعد یعنی ۲۷ جمادی الآخر ۱۰۰۷ھ کو (روضۃ القیومیہ ص ۳۳) آپ کے والد ماجد، جو آپ کو بیحد عزیز تھے، وفات پا گئے۔ ان دونوں سانحات کا آپ کو بڑا صدمہ ہوا ہوگا۔ لیکن الفرح بعد الشدت، بسا اوقات رنج والم ہی رحمت الٰہی کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں۔ اگلے ہی سال خوبیٔ قسمت آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں لے گئی، جن کے فیض صحبت سے آپ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی خدمت میں آپ اواخر ربیع الثانی ۱۰۰۸ھ یعنی نومبر ۱۵۹۹ء کے وسط میں پہنچے۔[10] تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ آپ والد کی وفات کے بعد حج کے ارادے سے گھر سے نکلے تھے۔ راستے میں دہلی تھی۔ جب آپ وہاں پہنچے تو مولانا حسن کشمیری[11] کے ایک شاگرد نے جو آپ کے دوستوں اور حضرت خواجہ کے مخلصوں میں سے تھے، آپ سے حضرت خواجہ کے کمالات کا اظہار کر کے ملاقات کی تحریک کی اور آپ ان کے ہمراہ خدمت عالیہ میں پہنچے۔ حضرت خواجہ صاحب کی یہ عادت نہ تھی کہ کسی سے کوئی اپنی خواہش ظاہر فرماتے۔ البتہ آپ سے حضرت خواجہ صاحب نے خلافِ عادت خانقاہ شریف میں چند یوم قیام کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ آپ نے ایک ہفتہ قیام کا وعدہ کیا، لیکن رفتہ رفتہ دو ڈھائی مہینے کی نوبت پہنچ گئی اور رجب کا مہینہ آ گیا۔[12] لیکن اس سے بہت پہلے آثارِ تصرف و کشش حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کے نمودار ہو چکے تھے[13] اور آپ پر شوق انابت واخذ طریقہ خواجگان علیہ الرحمۃ نے غلبہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ نے حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ سے بیعت کے لیے درخواست کی۔ بمجرد عرض کرنے کے بلا استخارہ (خلاف عادت) حضرت خواجہ نے آپ کو خلوت میں طلب کر کے ذکر قلبی تعلیم فرمایا۔ آپ کا دل فوراً ذاکر ہو گیا اور آرام وحلاوت ذکر قلبی والتذاذ تمام حاصل ہوا۔ یوماً فیوماً ترقیاتِ عالیہ وعروجاتِ متعالیہ ظاہر ہوتے رہے۔[14]

حضرت خواجہ صاحب کی توجہ سے اور اپنی استعدادِ عالی کی بدولت آپ نے طریقت کی بہت سی منزلیں تھوڑے ہی عرصے میں طے کر لیں۔ آپ کی علمی قابلیت، حوصلہ اور روحانی استعداد نے خواجہ صاحب کو قائل کر لیا۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے اپنے خطوں میں آپ کا ذکر بڑے احترام سے کیا ہے۔

ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "شیخ احمد نام مردیست از سرہند، کثیر العلم وقوی العمل۔ روزے چند فقیر با او نشست و برخاست کرد۔ عجائب بسیار از روزگار اوقات او مشاہدہ نمود۔ بآں ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گردد۔"

حضرت خواجہ باقی باللہ آپ کا بڑا پاس کرتے۔ آپ سن وسال میں عین ان کے ہم عمر تھے۔ علوم ظاہری میں ان سے بڑھے ہوئے تھے اور تقریر وتحریر میں آپ کو ایک غیر معمولی ملکہ تھا۔ لیکن بالغ نظر مُرشد نے آپ کی غلطیاں

Marfat.com

جتانے سے بھی گریز نہ کیا اور آپ کی تعلیم و تربیت میں پوری کوشش کی۔ مثلاً ایک زمانے میں آپ پر وحدت الوجودی رنگ غالب تھا۔ ان دنوں آپ نے ایک رباعی لکھی ؎

اے دریغا کیں شریعت ملت آبائی است
ملتِ ما کافری و ملتِ ترسائی است
کفر و ایماں ہر دو زلف و روئے آں زیبائی است
کُفر و ایماں ہر دواندر راہ ما یکتائی است

تو مُرشد نے فوراً انہیں ٹوکا اور ایک خط میں اس پر سختی سے تنبیہہ کی۔ فرماتے ہیں (ترجمہ)

''اور وہ رباعی ملحدانہ' جو آپ نے لکھی تھی' بہت ہی بے سمجھی اور کم عقلی ہے۔ ایسی رباعی کے کہنے والا ہرگز مقبول نہیں ہو سکتا۔ ادب کو نگاہ رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غنی اور غیرت مند ہے۔''

اسی طرح حضرت کے کشفی واقعات اور مقامات عروج کے اظہار کا مسئلہ ہے۔ ان کے متعلق بھی حضرت خواجہ باقی باللہ کی مسلسل ہدایت تھی کہ ان کے بارے میں اخفا سے کام لیا جائے۔ مثلاً حضرت مجدد نے ایک خط (مکتوب ہفتم) میں اپنے مقاماتِ عروج کا ذکر کیا تو حضرت خواجہؒ نے ایک طویل خط (رقعہ ہفتم) میں ان کی نسبت اپنی رائے ظاہر کی اور آخر میں لکھا: (ترجمہ)

''اسرار کو محفوظ رکھیں' یعنی حضرت ختم الخلافت کے ساتھ ان مقامات کی جو خصوصیت ہے وہ ظاہر نہ کریں۔ ایسا نہ ہو لوگ غلطی میں پڑ جائیں اور ان کے عقیدے بگڑ جائیں۔''

حضرت خواجہ کے ملفوظات میں بھی لکھا ہے: (ترجمہ)

''ایک دن میاں شیخ احمد سرہندی کو جو حضور کے جلیل القدر اور ممتاز رفقاء میں سے تھے' سرہند کی طرف رخصت کر رہے تھے۔ انہیں فرمایا کہ نسبت کو حتی المقدور پوشیدہ رکھنا' صبح کی نماز سے لے کر اشراق تک جائے نماز پر بیٹھنا لیکن حلقہ نہ کرنا۔ اس کے بعد علوم دینی کا درس دینا۔ اکثر اوقات تصحیح کتب اور مطالعہ میں مشغول رہنا۔ اگر سخن کا اتفاق ہو تو بطور علماء کے کہنا بطور صوفیا کے نہیں اور اگر احیاناً بطور صوفیا کچھ کہا جائے تو اجمال اور اغلاق کے ساتھ کہو۔ تاکہ جسے خطاب کرنا منظور ہو وُہی سمجھے اور دوسرا اس سے کوئی ایسی چیز جو اس کی لغزش کا باعث ہو، اخذ نہ کرے۔''[15]

حضرت خواجہ باقی باللہ نے حضرت مجدد کی تعلیم و تربیت میں پوری کوشش کی۔ جس چیز کو قابل اصلاح سمجھتے تھے' اس کی نشان دہی کی' لیکن آپ کے مراتبِ عالیہ کی دل کھول کر تعریف کی۔ پہلی مرتبہ حضرت مجدد دو ڈھائی مہینے دہلی مقیم رہے۔ اس کے بعد آپ دو مرتبہ اور مُرشد کی زندگی میں دہلی تشریف لائے۔ اب حضرت خواجہ کی عنایات آپ پر بہت بڑھ گئی تھیں۔ جب آپ دوسری دفعہ دہلی تشریف[16] لائے تو حضرت خواجہ نے نہ صرف خلعت خلافت عطا کر کے اجازت ارشاد عطا فرمائی بلکہ چند منتخب حضرات' جن کی تعلیم و تربیت خاص طور پر منظور تھی' انہیں آپ کے سپرد کیا۔ ''اس

Marfat.com

وقت آپ کو اپنے کمال و تکمیل میں تردد تھا۔ حضرت خواجہؒ نے اپنی صفائی باطن سے اس تردد کو معلوم کر کے فرمایا کہ تردد نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے شیخ کے کمال میں تردد لازم آتا ہے۔'' چنانچہ آپ سرہند شریف واپس پہنچے اور طالبانِ راہ ہدایت کی تربیت میں مصروف ہو گئے۔ دہلی کا تیسرا سفر آپ نے حضرت خواجہ کے ایک خط سے متاثر ہو کر کیا۔ مُرشد نے بڑی محبت و تپاک کا اظہار کیا۔ بسا مرتبہ آپ کو سرِ حلقہ بنایا۔ ایک آدھ چھوڑ کر نئے طالبوں کی تعلیم و تربیت آپ کے سپرد کی اور اپنے شیر خوار بیٹوں کو بُلا کر اپنے عالی مرتبہ مرید سے توجہ دلائی اور حضرت مجدد کے متعلق مختلف مواقع پر اتنے پُر جوش فقرات مدحیہ کہے کہ ''احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔ (زبدۃ المقامات)۔

لاہور ''ہمچو قطب الارشاد است''

اس ملاقات کے بعد آپ سرہند تشریف لے گئے۔ لیکن چند روز کے قیام کے بعد مُرشد کے ایما کے مطابق لاہور تشریف لے گئے۔ یہاں آپ کو بڑی کامیابی ہوئی۔ کئی لوگ حلقۂ عقیدت میں داخل ہوئے اور علماء و فضلاء نے بھی آپ کی بڑی قدر کی' بالخصوص مولانا جمال تلوی' جنہیں بدایونی ''اعلم العلماء'' کہتا ہے اور جن سے غالباً آپ کا تعارف فیضی کی تفسیر نویسی کے زمانے میں ہو چکا تھا۔ آپ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ ان کے شاگرد حیران' بلکہ معترض ہوتے۔ مولانا جمال نے ہی ان ملاقاتوں کے دوران مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق اپنے شبہات بیان کیے اور اس کے حل کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت مجدد نے اس وقت تو مختصراً ان کے کان میں چند کلمات کہے' لیکن پھر اس مسئلے پر تفصیل سے اپنے رسالے اور مکتوبات میں لکھا اور وحدت الوجود سے بالا وحدت الشہود کا مقام متعین کیا۔

حضرت مجدد کی لاہور پر خاص نگہ التفات تھی۔ اس زمانے میں اس شہر نے (جو ابتدائی دور میں قبۃ الاسلام کہلاتا تھا' لیکن منگولوں کی تباہ کاریوں کے بعد عرصہ تک نیم ویران حالت میں رہا) قلعۂ اکبری اور دوسری عمارتوں کی تعمیر سے نئی رونق پائی تھی اور آگرہ اور سیکری کے مقابلے میں یہاں اسلامی اثرات زیادہ زوروں پر تھے۔ قلیچ خاں' جس نے اپنے زمانہ حکومت میں یہاں تقویتِ دین اور ترویج علوم اسلامی کی بڑی کوشش کی، اس وقت برسر اقتدار تھا۔[1] حضرت مجدد ایک خط میں جو خواجہ باقی باللہ کی وفات کے بعد لیکن اکبر کی زندگی میں (''دریں طورِ زمانہ'') لکھا گیا' اسے تحریر فرماتے ہیں:

> ''در بلدۂ معظمہ لاہور بہ وجودِ ایشاں بسیارے از احکام شرعیہ دریں طور زمانہ رواجے پیدا کردہ است وتقویتِ دین و ترویج ملت دراں بقعہ حاصل گشتہ وآں بلدہ نزدِ فقیر ہمچو قطب ارشاد ست' نسبت بہ سائر بلادِ ہندوستان۔ خیر و برکت آں بلدہ بہ جمیع بلادِ ہندوستان ساریست۔ اگر آنجا ترویج دین است' در ہمہ جانحوے از رواج متحقق است۔ حق سبحانہ تعالیٰ موید و ناصر ایشاں باد۔''
>
> (دفتر اول مکتوب نمبر ۶۷)

حضرت مجدد لاہور میں تھے۔ جب ۳۰ نومبر ۱۶۰۳ء کو آپ کے مُرشد نے وصال فرمایا۔ آپ فوراً دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔ سرہند راستے میں تھا' لیکن آپ وہاں نہیں رُکے' بلکہ مکان کی شکل تک نہ دیکھی اور شبانہ روز چل کر

Marfat.com

دہلی پہنچے اور مُرشد کے مزار پُرانوار کی زیارت کی۔

خانقاہِ باقویہ

دہلی میں بدقسمتی سے آپ کے اپنے پیر بھائیوں سے بعض اختلافات ہو گئے۔ شاید ان میں سے بعض کی محدود صلاحیتوں کی نسبت آپ نے مُرشد کی زندگی میں ہی اظہار خیال کیا تھا۔ دفتر اول کے مکتوب سوم میں حضرت خواجہ باقی باللہ کو سرہند سے لکھتے ہیں:

> ''و دیگر بعضے از یارانِ آنجائی (دہلی؟) بطریق مقربین مناسبت ندارند۔ موافق حال آنہا طریق ابرارست۔ فی الجملہ یقینے کہ حاصل کردہ اند۔ ہم غنیمت است ہماں طریق امر باید فرمود ع
>
> ہر کسے را بہرِ کارے ساختند
>
> در تفصیلِ اسامی آنہا جرأت نمود کہ از ایشاں مخفی نخواہد بود۔ زیادہ گستاخی نمود۔''

اس عبارت کا مفہوم یقینی نہیں، لیکن حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد جو اختلافات ان کے دہلوی مریدوں اور حضرت مجددؒ میں رونما ہوئے، وہ واضح ہیں۔ ان پر تذکرہ نویسوں نے بہت حاشیے چڑھائے ہیں۔ لیکن اصل معتبر بیان حضرت مجددؒ کا اپنا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت خواجہؒ کے سب سے برگزیدہ خلیفہ وہی تھے۔ ان کی شان میں مُرشد نے جو تعریفی کلمات کہے اور معترفانہ برتاؤ رکھا، اس کا عشر عشیر بھی دوسروں کو نصیب نہ ہوا۔ خواجہ خرد ''رباعیات و شرح رباعیات'' میں لکھتے ہیں۔ ''می فرمودند کہ حضرت خواجہ جیو فرمودند کہ بر ما ظاہر شدہ است کہ از شما (حضرت مجددؒ) سلسلۂ ما باقی خواہد ماند۔''

لیکن حضرت مجددؒ زیادہ تر سرہند (یا لاہور) میں رہے۔ مُرشد کی زندگی میں وہ فقط تین مرتبہ دہلی گئے۔ اس کے علاوہ جب حضرت خواجہ ماوراء النہر گئے تھے تو مریدوں کی دیکھ بھال شیخ الہ داد کے سپُرد کر گئے تھے۔ اپنی بیماری کے دوران میں بھی انہوں نے شیخ الہ داد کے ذمے بعض خدمتیں کی تھیں۔ چنانچہ حضرت مجدد لکھتے ہیں:

> ''اخیری ملاقات کے وقت حضور قدس سرہ نے فقیر کو فرمایا تھا کہ تم تجویز کرو کہ شیخ الہ داد ہماری طرف سے جا کر بعض طالبوں کو مشغول یعنی ذکر کے لیے کہے اور بعض کے احوال ہم تک پہنچائے۔ کیونکہ حضور میں بُلانے اور ذکر بتلانے اور احوال پوچھنے کی طاقت اب ہم میں نہیں رہی۔
>
> فقیر اس بارے میں بھی متردد تھا۔ لیکن ضروری معلوم ہوا تو فقیر نے بھی اس تجویز کو پسند کیا۔''
>
> (دفتر اول۔ مکتوب ۳۲)

حضرت مجدد فرماتے تھے کہ جو خدمت شیخ الہ داد کو سپرد ہوئی تھی، وہ ''محض ایلچی گری کی قسم سے ہے...... یہ

Marfat.com

سفارت بھی حضور قدس سرہ کی زندگی تک مخصوص ہوگی۔'' لیکن جو لوگ خانقاہ باقویہ میں مقیم تھے' ان کا خیال تھا کہ اس انتظام سے مستنبط ہوتا تھا کہ حضرت خواجہ یہ مقام شیخ الہ داد کو سپرد کر گئے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف محض شخصی نہ تھا۔ بلکہ نقطۂ نظر کا بھی تھا۔ خانقاہ والے حضرت خواجہ کے طریقے کو بغیر کسی کمی بیشی کے جاری رکھنا چاہتے تھے' لیکن حضرت مجدد کی نگاہ بلند تھی۔ وہ اس میں مزید تکمیل و ترقی کے قائل اور اس کے لیے کوشاں تھے۔ وہ اسی خط میں خواجہ حسام الدین کو لکھتے ہیں:

''آپ نے لکھا تھا کہ پیر دستگیر خواجہ باقی باللہ صاحب کی نسبت باقی رہتی ہے۔ یعنی زیادتی اور نقصان قبول نہیں کرتی۔ میرے مخدوم! ہر فن کی تکمیل بہت سے فکروں کے ملنے سے ہوتی ہے۔ جو نحو کہ سیبویہ نے وضع کیا تھا، متاخرین کی فکروں نے اس کو دس گنا زیادہ کر دیا ہے۔ اس کا اصلی حالت میں رہنا عین نقصان ہے۔ وہ نسبت جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہ کے زمانے میں نہ تھی۔ علیٰ ہٰذا القیاس

خاص کر ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ اس نسبت کو کامل کرنے کے درپے رہتے تھے اور اس کو (ابھی) تمام و کمال نہیں سمجھتے تھے۔ اگر زندگی وفا کرتی۔ خدا تعالیٰ کے ارادے سے' معلوم نہیں' اس نسبت کو کہاں تک لے جاتے۔ اس نسبت کے زیادہ ہونے میں کوشش نہ کرنا مناسب نہیں۔''

(دفتر اول۔ مکتوب ۳۲)

حضرت مجدد شیخ الہ داد کو اس اہم کام کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے دہلوی پیر بھائی اپنے خیال پر قائم رہے۔ لیکن حضرت مجدد نے حسب معمول بلند ہمتی سے کام لیا۔ ان اختلافات کو قطع تعلق کا باعث نہ ہونے دیا۔ اسی خط میں خواجہ حسام الدین کو لکھتے ہیں۔ ''سرہند کو اپنا گھر تصور فرمائیں۔ محبت کا علاقہ اور پیر بھائی ہونے کی نسبت اس قسم کی نہیں ہے کہ ایسی عارضی باتوں سے ٹوٹ جائے۔'' چنانچہ خواجہ حسام الدین سے ان کی خط و کتابت آخر تک جاری رہی۔ شیخ تاج الدین سنبھلی سے بھی' جو شاید جانشینی کے مسئلے میں پیش پیش تھے، آپ کا دل صاف ہوگیا۔ چنانچہ جب وہ حجاز سے کچھ عرصے کے لیے وطن واپس آئے تو آپ نے بڑا محبت بھرا خط لکھا۔ ''آپ نے قدم رنجہ فرمایا ہے تو جلدی تشریف لائیں' کیونکہ مشتاق مدت سے منتظر ہیں اور بیت اللہ کی خبریں سننے کی آرزو رکھتے ہیں۔''

حضرت مجدد کے اپنے پیر بھائیوں سے جو شخصی اختلافات حضرت خواجہ کی وفات کے بعد پیدا ہوگئے تھے' وہ تو رفع ہوگئے' لیکن معلوم ہوتا ہے کہ طریقۂ باقویہ سے کمی بیشی کے متعلق جو اصولی اختلاف تھا' وہ ختم نہ ہوا اور حضرت مجدد اور خواجہ حسام الدین کے درمیان دوستانہ شکایت و تردد کے ایسے خطوط لکھے گئے، جن کی تہہ میں یہی اصولی مسئلہ تھا۔ مثلاً مکتوبات امام ربانی کے دفتر اول میں بعد کا ایک خط ہے۔ (شمارہ ۲۲۹) جو خواجہ صاحب کے ''شبہات و تردیدات'' کو رفع کرنے کے لیے لکھا گیا۔ حضرت مجدد نے اپنے پیر بھائی کو یقین دلایا کہ میرا طریقہ وہی ہے جو حضرت خواجہ قدس سرہ کا تھا۔ روزمرہ اور نشست و برخاست میں اس طریق کے آداب و لوازم کی پوری رعایت کی جاتی ہے وغیرہ۔

Marfat.com

اسی طرح جب ایک مرتبہ حضرت مجدد کو ان کے پیر بھائیوں کے مولود سننے کی اطلاع موصول ہوئی تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا اور جب خواجہ حسام الدین نے لکھا کہ میر محمد نعمان نے رسالت مآب کو واقعہ میں دیکھا کہ اس مجلس سے خوش ہیں اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے ''مشروب قوی العذب'' کا ذکر کیا تو حضرت مجدد نے ایک زوردار خط میں اس سے اختلاف کیا۔

حضرت مجدد اور خانقاہ باقویہ والے بعض امور میں پوری طرح ہم خیال نہ تھے۔ لیکن چونکہ یہ اختلافات دیانتدارانہ تھے اور ان کے اظہار میں پورا ادب بلکہ دوستانہ طرز بیان ملحوظ رکھا گیا۔ اس لیے ان اختلافات نے ذاتی تعلقات اور عقیدت و احترام کو متاثر نہ کیا۔ خواجہ حسام الدین نے (دوسرے طالبین کے علاوہ) اپنے بڑے بیٹے کو تکمیل طریقہ کے لیے سرہند بھیجا۔ حضرت خواجہ کے صاحبزادوں کو انہوں نے دو برس کی عمر سے پالا پوسا اور بے انتہا خدمت کی۔ وہ بھی ان سے بڑے وابستہ تھے' لیکن حضرت مجدد سے انہوں نے جس طرح فیض حاصل کیا' اس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ خواجہ کلاں کی صاحبزادی تو حضرت مجدد کے چھوٹے صاحبزادہ خواجہ محمد یحییٰ سے بیاہی گئیں۔ ان قریبی تعلقات میں حضرت مجدد کی بلند حوصلگی اور فرض شناسی کو بڑا دخل تھا۔ وہ مُرشد زادوں کی بہترین تعلیم و تربیت کے لیے جس طرح بے قرار تھے' اس کا اندازہ مکتوبات سے ہوتا ہے۔ خانقاہ باقویہ سے بھی ان کی دلی وابستگی تھی اور وہ مُرشد کی وفات کے بعد عُرس میں باقاعدہ شرکت کرتے۔

رسالہ ''معارف لدنیہ'' ''رسالہ مبداء و معاد'' وغیرہ

سرہند میں حضرت مجدد نے ابتدا ان طالبین کی تعلیم و تربیت سے کی' جنھیں حضرت خواجہ نے آپ کے پاس بھیجا تھا یا جو خود بخود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن اس شخصی ارشاد و ہدایت کے علاوہ آپ کو اپنے زورِ قلم کا اندازہ ہو گیا تھا اور آپ نے ان تحریری صلاحیتوں کو بڑی قابلیت سے تقویت دین اور ترویج سلسلہ کے لیے استعمال کیا۔ اس میدان میں آپ کا اصل شاہکار تو مکتوبات کی تین جلدیں ہیں' جن کا ہم آگے چل کر تفصیلی ذکر کریں گے۔ لیکن آپ نے اس زمانے میں بعض رسائل بھی لکھے' جن کا مجمل ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہم آپ کے تین رسائل کا ذکر کر چکے ہیں' جو آپ نے حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے لکھے تھے۔ ان میں سے پہلے دو (اثبات النبوۃ اور ردِ روافض) معاصرانہ ضروریات کو ملحوظ رکھ کر لکھے گئے اور ان کا اندازِ بیان علمائے ظاہر کا ہے۔ تیسرے رسالہ (تہلیلیہ) پر صوفیہ کا رنگ غالب ہے۔ بعد کے رسائل میں یہ رنگ اور گہرا ہو گیا ہے بلکہ وہ تمام تر صوفیہ مسائل یا اپنے احوال و مقامات کے متعلق ہیں۔

بعد کے رسائل میں سے شاید ''معارف لدنیہ'' پہلے لکھا گیا۔ کیونکہ اس کا ذکر ''مبداء و معاد'' میں ہے' جس کی تاریخ تکمیل ۱۰۱۹ھ ہے۔ اس میں زیادہ تر معرفتِ الٰہی کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہے۔ شریعت و طریقت کی ہم آہنگی پر زور دیا ہے اور ان نام نہاد صوفیہ کی مذمت کی ہے جو شریعت کے مخالف باتیں کہتے ہیں:

''و عجب است از بعضے درویشان خام ناتمام کہ کشف خیالی خود را اعتبار نمودہ با نکار و مخالفت ایں

Marfat.com

شریعت باہرہ اقدام می نمایند۔ وحال آنکہ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بایں کلیمی و قرب، اگر زندہ مے بود غیر از متابعت ایں شریعت امر دیگر نے نمود۔"

"مبداء و معاد" میں حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ محمد صدیق بدخشی نے ان کی بیاض سے بعض عبارتیں جمع کی ہیں۔ مختلف صوفیانہ مسائل کا بیان ہے۔ لیکن کئی اندراجات سے حضرت مجدد کی اپنی روحانی زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ رسالے کے آخر میں خواجہ محمد صدیق نے اس کی تاریخ تکمیل ۱۰۱۹ھ دی ہے لیکن اصل اندراجات اس سے پہلے کے تھے۔ اگرچہ ان میں اصلاح و ترمیم ہوتی رہی۔ ۱۰۱۸ھ میں خواجہ محمد صدیق (اور "ظہیرالدین حسن مرید مولانا خواجہ باقی نقشبندی اویسی") اثنائے سفر میں مانڈو پہنچے اور "گلزار ابرار" کے مصنف غوثی سے ملے۔ اس وقت (خواجہ محمد صدیق کے پاس) ایک رسالہ تھا، جس سے غوثی نے کچھ عبارت نقل کی ہے۔ یہ عبارت "مبداء و معاد" کی ہے۔ اگرچہ مطبوعہ نسخوں سے قدرے مختلف ہے۔ غوثی نے "معارف لدنیہ کہ از جملہ مصنفات او (شیخ احمد سرہندی) است" کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کا اقتباس درج کتاب کیا ہے۔

علاوہ ازیں ایک مختصر رسالہ "تعلیقات برشرح رباعیات خواجہ باقی باللہ" میں آپ نے حضرت خواجہ کی رباعیات کی اس شرح پر اضافے کیے، جو حضرت خواجہ نے خود ان رباعیات کی وضاحت کے لیے لکھی تھی۔ یہ رباعیات وجود واجب تعالیٰ اور ربط حادث بالقدیم کے دقیق مسئلے سے متعلق تھیں اور حضرت مجدد نے ان کی وضاحت اپنے معارفِ خاصہ اور حضرت خواجہ کے بعد کے خیالات کی روشنی میں کی ہے۔ یہ رسالہ "رسائل مجددیہ" میں شامل ہے۔

حضرت مجدد کے ایک اور رسالہ "تعلیقات عوارف" کا نام بھی تذکروں میں آتا ہے۔ لیکن ابھی یہ حلیہ طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ رسالہ "ارشاد المریدین" کا نام بھی لیا جاتا ہے، لیکن یہ بھی نہیں چھپا۔ حال میں "مکاشفاتِ عینیہ مجددیہ" کے تاریخی نام سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے ایک رسالہ شائع کیا ہے، جسے "زبدۃ المقامات" کے مصنف اور مکتوبات کے دفتر سوم کے مرتب مولانا ہاشم کشمی نے حضرت مجدد کی وفات کے بعد ان کے ایسے مسودات سے ترتیب دیا، جو بعض خلفا نے محفوظ کر لیے تھے۔ متفرق صوفیانہ مسائل اور مکاشفات کا بیان ہے، جن میں سے بعض اندراجات پرانے ہوں گے۔ مثلاً مکاشفہ نمبر ۵ کی عبارت سے خیال ہوتا ہے کہ یہ اندراج حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی زندگی میں کیا گیا۔

ارشاد و ہدایت

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی وفات ۳۰ نومبر ۱۶۰۳ء کو ہوئی۔ اس کے قریباً دو سال بعد ۱۷ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو اکبر انتقال کر گیا اور اس کی جگہ جہانگیر تخت نشین ہوا۔ اسے باپ کی طرح جگت گورو بننے کا خبط نہ تھا۔ لیکن اس کے عہد حکومت میں حضرت مجدد کو ایک اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا، جس کا (بقول بعض تذکرہ نگاروں کے) ان کی اسیری میں بھی دخل تھا۔ جہانگیر کے دربار پر پہلے سال سے شریف خاں کے امیر الامرا اور وکیل مطلق ہو جانے سے ایرانی چھائے ہوئے تھے اور ان کا اقتدار کسی نہ کسی صورت میں آخر تک قائم رہا۔ ان میں سے کئی شیعہ یا مائل بہ شیعیت تھے۔ شیعوں

کی نسبت حضرت مجدد کا جو نقطۂ نظر تھا' وہ پوشیدہ نہیں۔ انہوں نے نہ صرف ان کے خلاف رسالہ ''ردروافض'' لکھا تھا بلکہ ''امراو سلاطین'' کی مجلسوں میں بھی انہوں نے شیعہ اہلِ علم سے بحثیں کیں اور مکتوبات میں بھی کئی جگہ اظہار خیال کیا۔ ایرانی امرا سے روابط پیدا کرنا اور انہیں متاثر کرنا ان کے لیے بڑا مشکل تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے باوجود وہ اصلاح حال کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے فوراً بعد بالخصوص انہوں نے بڑی سرگرم کوشش کی کہ آغاز کار ٹھیک طرح سے ہو اور ان تمام امرا کو' جنہیں وہ خواجہ باقی باللہ کے ذریعے سے یا کسی اور وجہ سے جانتے تھے' پُر زور خط لکھے۔ لیکن اب ان امرا ہی کو وہ اثر و اقتدار میسر نہ تھا' جو انہیں اواخر عہد اکبری میں حاصل تھا۔ خان اعظم پر خسرو کی وجہ سے اعتماد نہ کیا جاتا اور ایک زمانے میں تو اسے قلعہ گوالیار میں قید کر لیا گیا۔ شیخ فرید کی عظیم خدمات کی وجہ سے جہانگیر ان کا معترف تھا' لیکن اب انہیں مرکز سے دور رکھا گیا اور انہیں وہ اثر و اقتدار حاصل نہ ہوا' جو عہد اکبری میں تھا۔

حضرت مجدد کے لیے عہد جہانگیری میں کئی مشکلیں تھیں' لیکن ان برگزیدہ ہستیوں کے لیے مشکلوں کے خاطر میں لانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دربار جہانگیری میں ان کے مخالف امرا برسر اقتدار تھے۔ لیکن اب انہوں نے عوام سے رشتہ جوڑا اور اپنی روحانی عظمت' علم و فضل' قوت تحریر و تقریر اور انتظامی قابلیت سے نقشبندیہ سلسلے کو ملک میں بے انتہا وسعت دی۔ ہم خیال امرا کو وہ ترویج شریعت کی مسلسل تلقین کرتے رہے۔ جہاں طریقہ اہل سنت سے انحراف دیکھتے (مثلاً جب سامانہ کے ایک خطیب نے خطبہ میں چاروں خلفا کا نام نہ لیا) تو اصلاح حالت کے لیے متعلقہ افراد کو پُر زور طریقے سے ہدایت کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ عام ہدایت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ سلسلۂ نقشبندیہ کی بڑی باقاعدگی سے تنظیم کی۔ ملک کے تمام بڑے بڑے مرکزوں میں ان کے منتخب خلفاء تھے' جو آپ کے خیالات کی ترویج کرتے۔ وہ اپنے مریدوں کی جس طرح خبر گیری کیا کرتے تھے' اس کا اندازہ دو معمولی مثالوں سے ہو سکتا ہے۔ ان کی طرف سے اطلاع نہ آئی۔ حضرت مجدد نے پہلے تو انہیں محبت بھرے خط لکھے اور جب پھر بھی خاطر خواہ جواب نہ آیا تو اپنے پٹنہ کے خلیفہ شیخ عبدالحی شادمانی کو ان کے پاس بنگال بھیجا تا کہ ان کے احوال سے آگہی اور جماعت سے ان کا ربط قائم رہے۔ جہاں تک مریدوں کی انفرادی تعلیم و تربیت کا تعلق ہے' خواجہ بدرالدین سرہندی کا تفصیلی بیان پڑھنے کے لائق ہے (حضرات القدس ص ۱۲۹)۔ وہ کہتے ہیں۔ ''کہ ہر روز کم و بیش دس مرتبہ حضرت میرے احوالِ باطنی کو دریافت فرماتے تھے۔'' یا خود اندازہ لگاتے اور مسلسل بہتر سے بہتر صورت حال پیدا کرنے کی کوشش فرماتے۔

مُرشد کی وفات کے بعد حضرت مجدد زیادہ تر سرہند میں مقیم رہے۔ لیکن ان کے مزار کی زیارت کے لیے جمادی الثانی میں جو حضرت خواجہ کی وفات کا مہینا ہے' دہلی تشریف لاتے اور دو تین مرتبہ آگرے تشریف لے گئے۔

خانگی صدمات اور حضرت مجدد کی عالی حوصلگی اور تسلیم و رضا

مارچ ۱۶۱۶ء کے آخری ہفتے میں آپ کو پے در پے کئی صدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس زمانے میں طاعون زوروں پر تھی اور آپ کا خاندان اس سے خاص طور پر متاثر ہوا۔ تین چار روز کے اندر آپ کے گھر سے کئی جنازے نکلے، جن میں آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق (عمر ۲۴۔۲۵ سال) دو کم عمر صاحبزادوں (محمد فرخ اور محمد

Marfat.com

عیسیٰ) ایک صاحبزادی (ام کلثوم) اور دوسرے افراد خاندان کی میتیں شامل تھیں۔ ان اندوہناک بلکہ ہمت شکن حالات میں آپ نے جو صبر و سکون دکھایا اور جس عالی حوصلگی اور تسلیم و رضا کا ثبوت دیا' وہ آپ کی بزرگی اور خدا رسیدگی کی بیّن دلیل ہے۔

مُلا بدرالدین سرہندی نے ''حضرات القدس'' میں ان حوادث کی چند کربناک جزئیات محفوظ کر دی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے چھوٹے صاحبزادے محمد فرخ اور محمد عیسیٰؒ بیک وقت بیمار ہوئے۔ لوگوں نے کہا کہ دونوں کو الگ الگ رکھنا چاہیے تاکہ ایک دوسرے سے متاثر نہ ہوں۔ چنانچہ جماعت خانہ کے حجرہ میں صاحبزادہ محمد فرخ کو اور زنانہ میں محمد عیسیٰ کو رکھا گیا۔ پہلے رحلت مؤخر الذکر کی ہوئی۔ بیمار بھائی کو اطلاع نہ دی گئی' لیکن انہیں خود بخود اس کی خبر ہوگئی اور انہوں نے کہنا شروع کیا کہ محمد عیسیٰ رحلت میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ شام کو انہوں نے خود انتقال کیا۔

بڑے مخدوم زادہ کا انتقال اور بھی حسرت ناک تھا۔ وہ بڑے عالم اور برگزیدہ حال صوفی تھے۔ مشکل کتب کا درس دیتے تھے۔ مثلاً مطول مع حاشیۂ میر' شرح عقائد مع حاشیۂ خیالی' تحریر اقلیدس آپ سے مُلا بدرالدین نے پڑھی تھیں۔

آپ اپنے چھوٹے بھائی محمد عیسیٰ کے جنازے کے ہمراہ پیادہ پا مقبرہ جدِ بزرگوار تک گئے۔ واپسی میں طاعون کی گلٹی نمودار ہوئی۔ چنانچہ بیرون مکان حجرہ خانقاہ میں آپ کو لٹا دیا گیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی جو حالت ہوئی ہوگی' اس کے قیاس سے ہی کلیجہ شق ہوتا ہے۔ انہوں نے آپ کے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ ''بدقت تمام دو شخصوں کی گردن میں ہاتھ ڈال کر گئے اور والدہ ماجدہ اور تمام ارباب حقوق سے پوری طرح سے رخصت ہو کر حجرہ مذکور میں واپس آئے۔'' اور دوسرے روز رحلت فرمائی۔

صاحبزادہ محمد صادق کی وفات کا جو آپ کے مُرشد خواجہ باقی باللہ کو بڑے عزیز تھے اور بڑے عالم فاضل تھے، حضرت مجدد کو بڑا صدمہ تھا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ''مفارقت اعزی قدس سرہ از اعظم مصائب است۔ معلوم نیست کہ کسے بمثل ایں مصیبت مصاب شدہ باشد۔'' معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کی تیمارداریوں اور افراطِ غم نے آپ کی اپنی صحت پر اثر ڈالا۔ اس زمانے کا ایک خط ہے۔ ''چند روز است کہ بلغم و سرفہ زبوں ساختہ است۔ وضعفِ بدن بہم رسیدہ۔'' لیکن جس ہمت اور صبر و رضا سے آپ نے یہ صدمے برداشت کیے۔ اس پر آپ کے وہ مکاتیب گواہ ہیں' جو آپ نے خطوط تعزیت کے جواب میں لکھے۔ ایسے مکتوبات (دفتر اول کے آخر اور دفتر دوم کے شروع میں) کئی ہیں۔ ایک خط میں خواجہ حسام الدین کو لکھتے ہیں۔

> ''یہ مصیبتیں بظاہر جراحت نظر آتی ہیں۔ مگر حقیقت میں ترقیات اور مرہم ہیں۔ وہ صبر و شکر جو حق تعالیٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو کرامت فرمایا ہے۔ بڑی اعلیٰ نعمت اور اعظم انعام ہے (دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے)۔''

اس خط میں ''تسلیم و رضا'' کا ذکر ہے' لیکن متعدد خطوط ایسے ہیں' جن سے خیال ہوتا ہے کہ معاملہ تسلیم و رضا سے بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ کئی خطوط میں یہ اظہار ہے کہ تسلیم و رضا اچھی چیز ہے۔ لیکن اگر محبوب حقیقی سے سچی محبت

Marfat.com

ہے تو اس کے ہر فعل سے محبت ہونی چاہیے اور بظاہر ناخوشگوار واقعات پر نہ صرف تسلیم و رضا بلکہ خوشی اور ''التذاذ'' محسوس ہونا چاہیے۔ چنانچہ ایک مکتوب نگار (خواجہ محمد طالب بدخشی) سے تلقین صبر اور تسلیم آموزی کی شکایت کی ہے۔ اور لکھا ہے:

''میرے برادر عزیز! حق تعالیٰ مومنوں کے نزدیک ان کے مالوں، جانوں اور تمام اشیا سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔ زندہ کرنا اور مارنا اسی کا فعل ہے۔ اس میں کسی اور کا دخل نہیں۔ اس لیے اس کا فعل بھی زیادہ عزیز اور محبوب ہو گا۔ محبّ اپنے محبوب کے فعل سے لذت پاتے اور خوش ہوتے ہیں۔ ان کو صبر کی ترغیب دینی مکروہ اور نامناسب ہے۔ مقام رضا اگرچہ رغبت و سرور کی خبر دیتا ہے۔ لیکن التذاذ کا مرتبہ امرِ دیگر ہے۔''

ایسے مکاتیب کئی ہیں، جن میں یہ اظہار ہے کہ محبوب کی سختی اور جور و جفا اس کی مہربانیوں سے زیادہ عزیز ہے۔ ایک خط شیخ عبدالحق محدث کے نام ہے اور سارے کا سارا نقل کرنے کے لائق ہے:

''میرے مخدوم و مکرم! مصائب میں اگرچہ بڑی تکلیف و ایذا برداشت کرنی پڑتی ہے، لیکن ان پر بڑی کرامت اور مہربانی کی امید ہے۔ اس جہاں کا بہتر اسباب حزن و اندوہ ہے اور اس دسترخوان کی خوشگوار نعمت الم و مصیبت ہے۔ ان شکر پاروں پر داروئے تلخ کا رقیق غلاف چڑھایا ہوا ہے اور اس حیلہ سے ابتلاء و آزمائش کا راستہ کھولا ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر کر کے تلخی کو شکر کی طرح چبا جاتے ہیں اور کڑواہٹ کو صفرا کے برعکس شیریں معلوم کرتے ہیں۔ کیوں شیریں معلوم نہ کریں جبکہ محبوب کے افعال سب شیریں ہوتے ہیں۔ علتی اور بیمار شاید ان کو کڑوا معلوم کرے تو کرے، جو ماسواء میں گرفتار ہے۔ مگر دولت مند محبوب کے ایلام و رنج میں اس قدر حلاوت اور لذت پاتے ہیں، جو اس کے انعام میں ہرگز متصور نہیں۔ اگرچہ دونوں محبوب کی طرف سے ہیں، لیکن ایلام میں محبّ کے نفس کا دخل نہیں ہوتا اور انعام میں اپنے نفس کی مراد پر قیام ہوتا ہے۔

هنيا لارباب النعيم نعيمها
وللعاشق المسكين مايتجرء

ترجمہ : مبارک منعموں کو اپنی دولت
مبارک عاشقوں کو داد وکلفت

اللهم لاتحرمنا اجرهم ولا تفتنا بعد هم (یااللہ! تو ہم کو ان کے اجر سے محروم نہ رکھ اور ان کے بعد ہم کو فتنہ میں نہ ڈال) اس غربت اسلام کے زمانے میں آپ کا وجود شریف اہل اسلام کے لیے غنیمت ہے۔ سلمکم الله تعالیٰ و ابقاکم (اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و باقی رکھے)۔ والسلام۔''

شیخ بدیع الدین

خانگی حوادث سے حضرت مجدد نے ارشاد و ہدایت میں ذرا ضعف نہ آنے دیا۔

۱۶۱۹ء میں جب آپ کی مجددانہ مساعی کو کئی سال ہو چکے تھے اور آپ کے مرید اور خلفاء تمام ہندوستان میں بلکہ ہندوستان سے باہر بھی (مثلاً ممالک افغانستان و ترکستان) میں پھیل چکے تھے۔ آپ نے ایک پُر جوش مرید شیخ بدیع الدین کو جہانگیر کے دارالحکومت آگرہ میں ارشاد و ہدایت کے لیے بھیجا۔ شیخ بدیع الدین میں جوش اور جذبہ زیادہ تھا' احتیاط اور توازن کم۔ وہ اس سے پہلے عشق مجازی میں مبتلا ہوئے تھے تو ارکان اسلام کو ہی جواب دے بیٹھے۔ جب اس سے نجات پائی اور سلوک کی طرف توجہ کی تو اپنے فطری ذوق وشوق کی مدد سے بڑی ترقی حاصل کی' لیکن کئی الجھنوں کا سامان بھی کیا۔ آگرے میں انہیں بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور بہت سے آدمی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے' لیکن مخالفت کا بازار بھی خوب گرم ہوا۔ شیخ بدیع الدین اپنے مُرشد کو ایک خط میں اپنے احوال بلند اور اپنے مریدوں کی عقیدت کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

''بعضے از طلبہ از کثرت التذاذ ترک خاں وماں می کنند۔ اقربائے آنہا ایں فقیر را بسیار آزاری دہند و آنہارا تکلیف بوضع سابق می نمایند۔ بعضے مردم اینجا کہ درسلاسل دیگر شغل کردہ اند۔ الحال کہ دریں طریقہ علیہ داخل شدہ خیلے متلذذ اند۔ و برعمر گزشتہ متاسف۔ ازیں جہت یکے از مشائخ اینجا غایت عداوت گرفتہ تا بجائے کہ بایں طریقہ و اعزہ آں سخنانِ بیہودہ می گوید۔ روزے جمعے از مریدانش را فرستاد۔ تا بہ حضرت خواجہ بزرگ و حضرت مخدومی خواجہ باقی قدس سرہما و سائر اعزہ دشنام ہا دادند۔'' (زبدۃ المقامات)

شیخ بدیع الدین نے مُرشد کی بھی نافرمانی کی اور ان کے حکم کے خلاف آگرہ چھوڑ کر اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔ یہ امر حضرت مجدد کو بہت ناگوار گزرا اور جب شیخ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس پر شیخ نے معافی چاہی اور تلافی مافات کے طور پر آگرے جا کر پہلے سے بھی زیادہ زور شور سے اپنا کام شروع کیا لیکن اسی زور سے مخالفت ہوئی اور اس ضمن میں حضرت مجدد کو بھی بادشاہ کے دربار میں حاضر اور زندانِ شاہی میں محبوس ہونا پڑا۔ اس واقعہ کے متعلق حضرت مجدد کی سب سے قدیمی سوانح عمری میں جو اس واقعہ کے دس بارہ سال بعد' ان کے صاحبزادوں کے ایماپر ان کے ایک ممتاز خلیفہ نے لکھی' ذیل کا اندراج ہے:

''شیخ (بدیع الدین) باضطراب متوجہ دارالخلافت شد بامید آنکہ خاطر مبارک کہ غبار یافتہ است' مصفا شود۔ چوں رسید۔ اول آں مقام گرمی ہا دفیضہا بخلائق رسید۔ لیکن چوں آں شہر دارالامارت بود و مجمع عسکریاں ہنگامہ طلب دور از اخلاص و ادب۔ ازاں گروہ جمعے کہ بخدمتش رسیدند۔ بآنہا نصائح خشونت آمیز درمیاں نہاد و احوالاتِ بلند خویش برزبان آورد۔ بلکہ بعض وقائع و کشوف کہ اظہار آنہا ایقاظ فتنہ مے نمود۔ بگوش منکراں رسانید تا بجائے رسید کہ دراں شہر بو

Marfat.com

دن نتوانست بلکہ آں شور و شر بہ پیر بزرگوار او قدس سرہ العزیز سریاں نمود و سلطان آں وقت کہ بایں طائفہ بے مناسبتی تمام داشت' حضرت ایشاں راطب نمودہ ایذا نمود و حبس فرمود۔ اگرچہ بعدازاں سلطان ازیں امر نادم و پشیمان شد و عذر ہا خواست۔ اما وے راایں سوء ادب نامبارک آمد۔ شورہا و فتور ہا در مملکتش پیدا شد و بر بعضے دیار معتبرہ اور ایرانیاں غلبہ نمودہ در تصرف خود آوردند و خودش بضعفہاء مہلک مبتلا گشت تا بہماں رفت۔'' (زبدۃ المقامات)

مکتوب یازدہم کی مخالفت

شیخ بدیع الدین کے طریق کار سے جو ''شور وشر'' پیدا ہوا، اس کا اثر ان کے مُرشد عالی مقام کو بھی پہنچا اور مکتوبات کے بعض اندراجات پر اعتراض شروع ہوئے۔ جس بیان پر اس زمانے میں زیادہ حرف گیری کی گئی' وہ دفتر اول کے مکتوب یازدہم میں درج ہے اور اس میں حضرت مجدد نے اپنے عروج روحانی کا ذکر کیا ہے۔ زیادہ اعتراض ذیل کی عبارت پر تھا: (ترجمہ)

''دوسری عرض یہ ہے کہ اس مقام کے ملاحظہ کے وقت اور بہت سے مقام ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے۔ نیاز و عاجزی سے توجہ کرنے کے بعد جب اس پہلے مقام سے اوپر کے مقام میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ذی النورینؓ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل وارشاد کا مقام ہے اور ایسے ہی اس مقام سے اوپر کے دو مقام بھی جن کا اب ذکر ہوتا ہے، تکمیل وارشاد کے مقام ہیں اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا۔ جب اس مقام میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی وہاں عبور واقع ہوا ہے اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا۔ بندہ اس مقام پر بھی پہنچا اور اپنے مشائخ میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کو ہر مقام میں اپنے ہمراہ پاتا تھا اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے۔ سوائے عبور اور مقام اور مرور اور اثبات کے کچھ فرق نہیں ہے اور اس مقام کے اوپر سوائے آنحضرت صلعم کے اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابل ایک اور نہایت عمدہ نورانی مقام کہ اس جیسا کبھی نظر میں نہ آیا تھا' ظاہر ہوا اور وہ مقام اس مقام سے تھوڑا سا بلند تھا' جس طرح کہ صفہ کو سطح زمین سے ذرا بلند بناتے ہیں اور معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت کا مقام ہے اور وہ مقام رنگین اور منقش تھا۔ اپنے آپ کو بھی اس مقام کے عکس سے سنگین معلوم کیا۔''

شیخ بدیع الدین تک بھی یہ اعتراض پہنچائے گئے اور کہا گیا کہ تمہارا پیر تو اپنے آپ کو صدیق اکبرؓ سے بھی

Marfat.com

افضل سمجھتا ہے۔ انہوں نے ایک عریضہ مُرشد کی خدمت میں ارسال کر کے عبارت کی توضیح چاہی۔ چنانچہ دفتر اول کا ایک مکتوب (شمارہ ۹۲) اسی خط کے جواب میں ہے۔ اس میں حضرت مجدد لکھتے ہیں کہ میں نے اصل خط اپنے مُرشد کے نام لکھا تھا اور اس سلسلے کا یہ اصول ہے کہ مرید کو جتنے بھی واقعات پیش آئیں' صحیح ہوں یا سقیم۔ بے تحاشا انہیں اپنے مُرشد کے حضور میں عرض کر دینا چاہیے تاکہ غیر صحیح ہونے کی صورت میں ان کی تعبیر ہو سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معترضین کی اس سے تشفی نہ ہوئی اور آپ کے کئی مریدوں (مثلاً مرزا فتح اللہ گیلانی اور قاضی سنام) نے مکتوب یا زوہم کی بناء پر آپ کے طریقہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس پر آپ نے ایک مفصل مکتوب مرزا فتح اللہ کو لکھا' جس میں ظاہر کیا کہ میں قطعاً اپنے تئیں حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل نہیں سمجھتا:

> ''وہ شخص جو اپنے آپ کو حضرت صدیقؓ سے افضل جانے' اس کا حال دو امر سے خالی نہیں ہے۔ یا وہ زندیق محض ہے یا جاہل...... وہ شخص جو حضرت امیرؓ کو حضرت صدیقؓ سے افضل کہے' اہل سنت والجماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال ہے جو اپنے آپ کو افضل جانے؟''

حضرت مجدد دربارِ جہانگیر میں

حضرت مجدد کی تشریح سے معترضین کی تسلی ہو جانی چاہیے تھی' لیکن پتا نہیں یہ تشریح بہتوں تک پہنچی یا نہیں۔ بہرکیف ''علمائے ظاہر بیں''[۱۸] نے جہانگیر کے حضور میں شکایت کی کہ سرہند کا ایک مشائخ زادہ اپنے تئیں حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل سمجھتا ہے اور ایسے دعوے کرتا ہے' جن سے کفر لازم آتا ہے۔ اس کے علاوہ شیعہ امرا اور دوسرے مخالفوں نے نمک مرچ لگائی ہوگی کہ شیخ احمد نے مجددیت کا دعویٰ کیا ہے۔ ہزاروں آدمی اس کے حلقہ بگوش ہیں۔ عجب نہیں کہ اس کا اثر حکومت کے لیے مضر ثابت ہو۔ چنانچہ جہانگیر نے حاکمِ سرہند کی معرفت حضرت مجدد کو بُلا بھیجا۔

جہانگیر نے اس واقعہ کی نسبت ''توزک جہانگیری'' میں کسی قدر تفصیل سے اظہار خیالات کیا ہے۔ بدقسمتی سے اسے اس قدر بہکایا گیا تھا کہ اس نے اپنی رائے بڑی بے ادبی سے ظاہر کی ہے۔ حضرت مجدد کی نسبت اس نے جو خیالات ظاہر کیے ہیں' وہ حضرت مجدد کے تمام معتقدوں بلکہ تاریخ کے غیر جانبدار ناظرین کو بھی معیوب معلوم ہوں گے۔ لیکن چونکہ جہانگیر کے بیان کی تاریخی اہمیت بہت ہے' اس لیے ہم اس کے وہ الفاظ حذف کر کے جو خاص طور پر قابل اعتراض ہیں' ذیل میں اس کا بیان درج کرتے ہیں۔

جہانگیر چہار دہم سال جلوس کے ضمن میں لکھتا ہے:

> ''دریں ایام بعرض رسید کہ شیخ احمد...... کتابے فراہم آوردہ مکتوبات نام کردہ...... ازانجملہ درمکتوبے نوشتہ کہ در اثنائے سلوک گزارم بمقام ذی النورینؓ افتاد۔ مقامے دیدم بغایت عالی و خوش بصفا۔ ازانجا در گزشتم بمقام فاروقؓ پیوستم واز مقامِ فاروق بمقام صدیق عبور کردم۔ و ہر کدام را تعریفے درخورِ آں نوشتہ واز آنجا بمقام محبوبیت واصل شدہ' مقامے مشاہدہ افتاد بغایت

Marfat.com

منور وملون۔ خودرا بانواع انوار والوان منعکس یافتم۔ یعنی استغفر اللہ از مقام خلفاء درگزشتہ بعالی مرتبت رجوع نمودم۔ و دیگر گستاخی ہا کردہ کہ نوشتن آں طولے دار دو ازادب دُور است۔ بنابرین حکم فرمودم کہ بدرگاہ عدالت آئین حاضر سازند۔ حسب الحکم بملازمت پیوست واز ہر چہ پرسیدم جواب معقول نتوانست سامان نمود و باعدم خرد و دانش، بغایت مغرور وخود پسند ظاہر شد۔ صلاح حال او منحصر دریں دیدم کہ روزے چند درزندان ادب محبوس باشد تا شوریدگی مزاج و آشفتگی دماغش قدرے تسکین پزیرد وشورش عوام نیز فرونشیند۔ لاجرم بہ انی رائے سنگدلن حوالہ شد کہ درقلعہ گوالیار مقید دارد۔‘‘ (تزکِ جہانگیری ص ۲۷۵)

’’حضرات القدس‘‘ میں جسے آپ کے خلیفہ مولانا بدر الدین سرہندی نے ترتیب دیا، اس واقعہ کے متعلق ذیل کا اندراج ہے:

’’جبکہ آنجناب قدس سرہٗ کو اس کلام کے باعث جہانگیر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے آپ سے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ نے لکھا ہے کہ میرا مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بلندتر ہے۔ آپ نے یہی جواب [19] دیا اور ایک مثال بھی بیان کی کہ مثلاً آپ کسی ایک ادنیٰ آدمی کو خدمت کے لیے بلائیں اور اس سے از راہ نوازش اسرار کی باتیں کریں تو وہ لامحالہ پنج ہزاری امرا کے مقام کو طے کر کے پیشی تک پہنچے گا اور پھر اپنے مقام پر واپس جا کر کھڑا ہو جائے گا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا مرتبہ امرائے پنج ہزاری سے زیادہ ہو جائے۔ اس جواب کو سن کر بادشاہ کا عتاب دور ہو گیا۔

اسی اثناء میں ایک شخص نے جو خدا شناسی سے دور تھا، بادشاہ سے کہا کہ اس شیخ کا حال دیکھیے کہ آپ ظل اللہ اور خلیفۃ اللہ ہیں۔ آپ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ معمولی تواضع بھی بجا نہیں لایا۔ بادشاہ اس کلام کے سننے سے خفا ہوا اور گوالیار میں حضرت کو قید کرنے کا حکم دیا۔ اس واقعہ سے پہلے شہزادہ دین پناہ شاہجہاں کہ آنجناب سے خلوص کامل رکھتا تھا، علمائے مقامی افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کو کتب فقہ کے ساتھ حضرت کی خدمت میں بھیج چکا تھا کہ سجدہ تحیت سلاطین کے لیے آیا ہے۔ اگر آپ سجدہ کر لیں تو کوئی گزند بادشاہ سے آپ کو نہ پہنچے گا۔ میں ضامن اور ذمہ دار ہوتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مسئلۂ ضعیف حکمِ رخصت ہے اور مسئلہ قوی عزیمت یہ ہے کہ غیر حق کو کبھی سجدہ نہ کریں۔‘‘ (حضرات القدس۔ دفتر دوم ص ۸۹۔۹۰)

حضرت مجدد کی محبوسی جہانگیر کا ایک ایسا فعل ہے، جس کا کوئی جواز نہیں اور ان کے متعلق جہانگیر (یا اس کے درباری مؤرخ نے) جو بے ادبانہ الفاظ استعمال کیے، وہ تو بہر صورت قابل مذمت ہیں۔ لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس امر کا اظہار کر دیا جائے کہ حضرت مجدد کو جہانگیر نے اس لیے طلب نہیں کیا تھا کہ اسے حضرت سے کوئی ذاتی عناد تھا بلکہ اس طلبی کی اگر ایک وجہ ملکی مصلحتیں [20] تھیں تو دوسری وجہ مذہبی تھی۔ مکتوبات کے جن اندراجات کی ’’توزک

جہانگیری'' میں شکایت کی گئی ہے' ان پر کئی دوسرے ہمعصر معترض تھے۔ بلکہ ''خزینۃ الاصفیا'' میں تو لکھا ہے کہ علما نے حضرت مجدد کے قتل کا فتویٰ دے دیا تھا۔ (''پس ہمہ علما بخاطر داری امرائے دربار فتویٰ بر قتل شیخ نوشتند'')

''خزینہ'' میں حضرت مجدد کے متعلق جو طویل اندراج ہے' اس کا ایک اہم ماخذ (روضۃ السلام) ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن ''سبحۃ المرجان'' میں بھی میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ جہانگیر کے پاس مکتوب یازدہم کی شکایت علما نے کی تھی (ص ۴۸)۔ اس کے علاوہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے خلاف ایک عام شورش کی صورت پیدا ہوگئی تھی۔ چنانچہ جہانگیر حضرت مجدد کی قید کا ایک مقصد یہ بھی بتاتا ہے کہ ''شورش عوام'' ٹھنڈی پڑ جائے اور ''زبدۃ المقامات'' میں بھی لکھا ہے کہ شورش کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ شیخ بدیع الدین کے لیے اکبر آباد میں رہنا ناممکن ہوگیا۔ بلکہ اس شورش کی آنچ پیر بزرگوار تک پہنچی۔

سُنتِ یُوسفی

حضرت مجدد تقریباً ایک سال گوالیار کے قلعے میں قید رہے۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو شیخ بدیع الدین کا ذوق و شوق بالکل مردہ ہوگیا (نوشتہ بودند کہ از وقت ظہور فتنہ ذوق ماندہ است و نہ حال) لیکن حضرت مجدد کے ذوق وشوق میں اور اضافہ ہوا۔ انہوں نے دفتر سوم میں کئی جگہ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ محبوب کی جفا اس کی مہربانی سے زیادہ دلآویز ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض لحاظ سے واقعۂ قید حضرت مجدد کے لیے زیادہ ترقیات اور روحانی اصلاح کا باعث ہوا۔ قید کے فوراً بعد آپ نے صاحبزادگان کو جو پہلا خط لکھا۔ (دفتر سوم' مکتوب دوم) وہ بھی کامل تسلیم ورضا' فصاحت و بلاغت اور شفقت ومحبت کا ایک دلآویز مرقع ہے۔

جہانگیر پندرہویں سال جلوس کے ضمن میں لکھتا ہے:۔

> ''دریں ایام شیخ احمد سرہندی را کہ بجہت دکان آرائی وخود فروشی و بے صرفہ گوئی روزے چند درزندان ادب محبوس بود۔ بحضور طلب داشتہ خلاص ساختم۔ خلعت و ہزار روپیہ خرچ عنایت نمودہ دررفتن و بودن مختار گردانیدم۔ واز روئے انصاف معروض داشت کہ ایں تنبیہ تادیب درحقیقت ہدائتے وکفائتے بود۔''

جہانگیر نے حضرت مجدد کے مرتبہ اور ظرف کا صحیح اندازہ لگایا ہو یا نہ' لیکن یہ صحیح ہے کہ انہوں نے واقعۂ قید سے بھی مزید روحانی ترقی کا سامان کیا۔ اس آزمائش میں انہوں نے جس وقار' استقلال اور علوِ ہمت کا مظاہرہ کیا، وہ ہماری روحانی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ تذکرہ نگار تو نہیں لکھتے لیکن پروفیسر محمد فرمان نے ایک مکتوب سے قیاس لگایا ہے کہ معاملہ صرف قید وبند کا نہ تھا' بلکہ جائداد بھی ضبط کی گئی اور انہیں اور ان کے خاندان کو ''حویلی وسرا وچاہ وباغ وکتب و اشیائے دیگر'' سے محروم ہونا پڑا۔ لیکن اس پیکر تسلیم ورضا پر ذرہ بھر اثر نہ ہوا۔ صاحبزادگان گرامی قدر' خواجہ محمد سعید اور محمد معصوم کو لکھتے ہیں کہ ان چیزوں کی پروا نہیں۔ ''باید کہ ہیچ چیز مزاحم وقت شما نشود وغیراز مرضیات حق جلا وعلا مراد ومرضی شما نباشد۔ اگر ما مے مردیم۔ ایں ہمہ اشیاء مے رفت گو درحیاتِ مارفتہ باشند۔ ہیچ فکر نہ کنند۔ والدہ خود را تسلی دہند۔''

Marfat.com

قید خانے میں اس نئی صورت حالات کو آپ جس نظریے سے دیکھتے تھے' اس کا تفصیلی اظہار میر محمد نعمان کے نام ایک خط میں ہے: (ترجمہ)

> ''پوشیدہ نہ رہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس عنایت نے حق تعالیٰ کے جلال و غضب کی صورت میں تجلی نہ فرمائی اور قید خانے میں قید نہ ہوا۔ تب تک ایمان شہودی کے تنگ کوچہ سے کلی طور پر نہ نکلا اور ظلال وخیال ومثال کے کوچوں میں سرگرداں رہا۔ ایمان بالغیب کی شاہراہ میں مطلق العنان ہو کر نہ دوڑا اور حضور سے غیب کے ساتھ اور عین سے علم کے ساتھ شہود سے استدلال کے ساتھ کامل طور پر نہ ملا اور ذوق کامل اور وجدان بالغ کے ساتھ دوسروں کے ہنر کو عیب اور ان کے عیب کو ہنر نہ معلوم کیا۔ بے ننگی اور بے ناموسی کے خوشگوار شربت اور رسوائی اور خواری کے مزے دار مربے نہ چکھے اور خلق کے طعن و ملامت کے جمال سے خط نہ پایا اور لوگوں کے بلا و جفا کے حسن سے محفوظ نہ ہوا اور کلی طور پر اپنے ارادہ واختیار کو ترک نہ کیا اور آفاقی اور نفسی تعلقات کے رشتہ کو کامل طور پر نہ توڑا اور تضرع والتجا' انابت واستغفار اور ذلت وانکسار کی حقیقت حاصل نہ ہوئی اور حق تعالیٰ کے استغنا کی رفیع الشان بارگاہ کو جس کے گرد عظمت و کبریا کے پردے تنے ہوئے ہیں' مشاہدہ نہ کیا اور اپنے آپ کو بندۂ خوار وزار و ذلیل و بے اعتبار و بے ہنر و بے طاقت اور کامل محتاج اور فقیر معلوم نہ کیا۔''

ہم جہانگیر کا بیان نقل کر چکے ہیں کہ قید خانے سے رہائی کے بعد اس نے حضرت مجدد کو اجازت دی تھی کہ وہ چاہیں تو لشکر کے ساتھ رہیں اور چاہیں تو گھر چلے جائیں۔ آپ نے لشکر کے ساتھ رہنا قبول کیا۔[۱۲] اس طرح آپ کو سارے لشکر میں' بلکہ ساری مملکت میں جہاں جہاں لشکر جاتا' تلقین و ہدایت کا موقع ملتا۔ اس سے پہلے بھی جب آپ جیل خانے میں محبوس تھے تو آپ نے اپنے رفقائے زنداں میں سے کئی بت پرستوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا تھا۔ لشکر کے ساتھ قیام کے دوران میں آپ کو بادشاہ کو تلقین کرنے کا بھی موقع ملتا۔ چنانچہ دفتر سوم میں ایک خط بادشاہ کے نام ہے اور ایک اور خط میں اس گفتگو کا ذکر ہے جو آپ نے مجلس شاہی میں کی تھی۔ لکھتے ہیں۔ (ترجمہ)

> ''عجیب وغریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان گفتگوؤں سے امور دینیہ اور اصول اسلامیہ میں سرِ مُوسُستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی وہی باتیں ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو دفتر ہو جائے۔ خاص کر آج ماہ رمضان کی سترہویں رات کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت کے ایمان اور اس کے عذاب وثواب اور رویت و دیدار کے اثبات اور حضرت خاتم الرسلؐ کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اقتداء اور تراویح کی سنت اور تناسخ کے باطل ہونے اور جنوں اور جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب وثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہوا۔ بادشاہ بڑی خوشی

Marfat.com

سے سنتا رہا۔ اس اثناء میں اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر ہوا اور اقطاب و اوتاد اور ابدال کے احوال اور ان کی خصوصیتوں وغیرہ کا بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ سب کچھ قبول کرتے رہے اور کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا۔ ان واقعات اور ملاقات میں شاید کوئی اللہ کی پوشیدہ حکمت اور خفیہ راز ہوگا''۔

جہانگیر آپ کی قید خانے سے رہائی کے تین سال بعد اپنی سالگرہ کے ذکر میں لکھتا ہے:

''بدستور ہر سال خود را بہ طلا و اجناس وزن فرمودہ در وجہ مستحقاں مقرر فرمودم۔ از آں جملہ شیخ احمد سرہندی را دو ہزار روپیہ عنایت شد۔''

حضرت مجدد قلعہ گوالیار سے واپسی کے بعد تقریباً تین چار سال تک بادشاہ کے لشکر میں رہے۔ اس دوران میں انہوں نے کئی خط لکھے جو جلد سوم میں موجود ہیں لیکن ان میں سوانحی واقعات بہت تھوڑے ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ آیا حضرت مجدد بادشاہ کے ساتھ کشمیر اور کانگڑہ بھی گئے۔ لیکن ''تزکِ جہانگیری'' کے مطالعہ سے خیال ہوتا ہے کہ ان تین چار سالوں میں جہانگیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا اور اسؒ کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا۔ عجب نہیں کہ اس میں حضرت کی تعلیمات کو بھی دخل ہو۔ جہانگیر پندرہویں سال جلوس کے واقعات میں، یعنی جس سال حضرت کو رہائی ملی، علاقہ راجوری (کشمیر) کے بعض مسلمان راجپوتوں کی نسبت لکھتا ہے:

''زمینداران ایں جارا را جامی گفتند۔ سلطان فیروز مسلمان کردہ۔ ومع ذالک خودرا راجامی گویانند و ہنوز بدعت ہائے ایام جہالت درمیان آنہا مستمراست از جملہ چنانچہ بعضے از زنانِ ہندو با شوہر خود مے سوزند۔ اینہا را زندہ با شوہر در گور می آرند۔ شنیدہ شد کہ درہمیں ایام دخترے دہ دواز دہ سال با شوہر خود کہ ہمسال باو بودُ زندہ بہ قبر در آوردند۔ دیگر آنکہ بعضے از مردم بے بضاعت را کہ دختر بوجودمی آید خفہ کردہ می کیشند۔ باہنُود پیوندِ خویشی مے کنند۔ دختر می دہند و می گیرند۔ گرفتن خود خوب۔ اما دادن!!! نعوذ باللہ۔ فرمان شد کہ بعد ازیں پیرا مون ایں امور نگردند۔ و ہر کس کہ مرتکب ایں بدعتہا شود۔ او را سیاست کنند۔'' (تزکِ جہانگیری ص ۳۲۳)

پھر اگلے سال فتح کانگڑہ[۲۲] کے ذکر میں لکھتا ہے:

''متوجہ سیرِ قلعہ کانگرہ شدم وحکم کردم کہ قاضی ومیرِ عدل و دیگر علماء اسلام کہ در رکاب بود۔ آنچہ شعارِ اسلام و شرائط دین محمدی است در قلعہ مذکور بہ عمل آورند۔ بتوفیق ایزد سبحانہ بانگِ نماز و خواندنِ خطبہ وکشتن گاؤ وغیرہ کہ از ابتدائے بناء ایں قلعہ تا حال نشدہ بود۔ ہمہ را در حضور خود بہ عمل آوردم۔ سجداتِ شکر ایں موہبت عظمیٰ کہ ہیچ بادشاہے توفیق براں نیافتہ بود بہ تقدیم رسانیدہ، حکم فرمودم کہ مسجد عالی درونِ قلعہ بنا نہند۔'' (تزکِ جہانگیری ص ۳۴۶)

یہ امر غیر اغلب نہیں کہ ''دیگر علمائے اسلام'' جو بادشاہ کے ساتھ تھے' ان میں حضرت مجدد بھی ہوں۔''[۲۳]

Marfat.com

جہانگیر کی حکومت میں نور جہاں کے شیعہ بھائی اور وزیر سلطنت آصف کو بڑا دخل تھا اور حضرت مجدد کو ان کا طریق کار ضرور ناگوار ہوتا ہوگا۔ لیکن قیام سلطنت کے دوران میں کئی الجھنوں کے باوجود حضرت مجددؒ نے اپنی جمعیتِ خاطر اور رُوحانی مشاغل میں فرق نہیں آنے دیا۔ ایک خط میں خواجہ حسام الدین احمد کو لکھتے ہیں:

"اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں کہ عین بلا میں عافیت اور عین تفرقہ میں جمعیت حاصل ہے۔ وہ فرزند و دوست جو ہمراہ ہیں' ان کے اوقات بھی جمعیت سے گزر رہے ہیں اور ان کے احوال میں ترقی ہو رہی ہے۔ الحمد للہ کہ باوجودیکہ اربابِ تفرقہ سے بہت میل جول ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہمراہیوں میں سے کسی کو ابھی تک تفرقہ کی نوبت نہیں پہنچی اور مطلب سے نہیں روکا۔"

لشکر کے ساتھ ہی آپ ۱۶۳۲ء میں اجمیر تشریف لے گئے، جہاں آپ نے حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ کے مزار کی زیارت کی۔ دیر تک وہاں مراقبہ کیا اور بڑا فیض حاصل کیا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب نے حق مہمانی ادا کیا۔ طرح طرح کی ضیافتیں کیں اور بہت سی اسرار کی باتوں کا ذکر ہوا۔ اسی جگہ مزار کے خادموں نے حاضر ہو کر حضرت خواجہ کے مزار کا قبر پوش آپ کی خدمت میں پیش کیا' جسے آپ نے ادب کے ہاتھوں سے لے لیا اور فرمایا کہ چونکہ لباس حضرت خواجہ سے بہت نزدیک رہا ہے۔ اس لیے اسے میرے کفن کے لیے سنبھال رکھا جائے۔

مکتوبات سے خیال ہوتا ہے کہ آپ کبھی کبھی رخصت لے کر سرہند تشریف لے جاتے اور مدت رخصت کے اختتام پر واپس تشریف لے آتے۔ خواجہ زادگان میں سے بھی کبھی کوئی لشکر میں ساتھ ہوتا۔ ایک زمانہ میں فقط خواجہ محمد ہاشم کشمی ساتھ تھے اور وہ بھی سفر اجمیر کی صعوبتوں سے گھبرا گئے تھے۔ (جلد سوم مکتوب نمبر ۸۲)

اب آپ کی عمر زیادہ ہو رہی تھی۔ سفر میں تکلیف ہوتی تھی۔ ضعفِ جسمانی غالب آ رہا تھا اور سمجھتے تھے کہ رحلت کا وقت قریب آ رہا ہے۔ چنانچہ بادشاہ سے اجازت ملی تو آپ سرہند تشریف لے گئے۔ جہاں پہنچ کر آپ نے خلوت اختیار کی۔ ان ایام میں کئی دفعہ آپ اپنی موت کا ذکر کرتے تھے۔ کئی دوستوں کے نام خط میں "استعفیٰ دے چلے" کا فقرہ لکھا اور بعض کو تو بالصراحت بتایا کہ عمر کا اخیر ہے۔ اس دوران میں آپ پر دمے کا بڑا سخت حملہ ہوا۔ پھر طبیعت بحال ہوگئی۔ لیکن آپ موت کا اکثر ذکر کرتے رہے۔ اس زمانے میں کثرت سے خیرات دی۔ کسی نے سمجھا کہ دفعِ بلیات کا صدقہ ہے، تو آپ نے ہندی کا یہ مصرع پڑھ کر حقیقتِ حال واضح کی۔ ع

آج ملا واکنت سوں' سکھی' سب جگ دیواں وار

یعنی آج وصال کا دن ہے' اے سکھی! میں اس خوشی پر تمام دنیا کو نثار کر دوں۔

تھوڑے ہی عرصے بعد موت کا پیغام آن پہنچا اور آپ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ ہجری مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء کو انتقال فرما گئے۔

کیا حضرت مجددؒ ("اور تنِ تنہا حضرت مجددؒ") نے اکبری "الحاد" کا قلع قمع کیا؟

حضرت مجدد کی مذہبی خدمات پر تبصرہ کرنے سے پہلے اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے کہ حضرت مجدد کا

Marfat.com

اکبری الحاد کے خاتمہ میں کس قدر حصہ تھا؟

آج سے تیس چالیس سال پہلے سوائے مجددیہ حضرات کے کوئی اہل علم اس امر کا قائل نہ تھا کہ حضرت نے عہد اکبری کی بدمذہبی کا خاتمہ کیا۔ یہ صحیح ہے کہ "روضۃ القیومیہ" اور حضرت مجدد کی بعض سوانح عمریوں میں، جو ان کی وفات کے بہت مدت بعد ان کے غالی معتقدوں نے لکھیں، اس امر کا دعویٰ کیا گیا۔ لیکن علمی حلقوں میں اس خوش اعتقادی کو اسی قدر اہمیت دی جاتی، جس قدر علاؤ الدین خلجی کے متعلق نظامی حضرات کے اس دعویٰ کو کہ اس کی فتوحات سلطان المشائخ کی مرہون منت تھیں۔ یا مغلوں کے متعلق شطاریوں کے اس بیان کو کہ خاندان سُور پر انہیں فتح حضرت غوث گوالیاری کی مدد سے ہوئی۔

حضرت مجدد کے متعلق ان کے بعد ہمارے بہترین علماء و صلحا مثلاً شاہ ولی اللہ شیخ نور الحق ابن شیخ عبدالحق محدث اور مرزا جانجاناں مظہر نے اپنے خیالات قلمبند کیے ہیں اور یہ خیالات عقیدت مندانہ تھے، لیکن ان میں کسی نے حضرت مجدد کو اکبری الحاد کا قاطع قرار نہیں دیا۔ علمی حلقوں میں یہ دعویٰ سب سے پہلے آج سے تیس سال قبل مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا۔ انہوں نے "تذکرہ" میں لکھا:

> "شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء و مشائخ حق سے بالکل خالی ہو گیا تھا؟ کیسے کیسے اکابر موجود تھے؟ لیکن مفاسدِ وقت کی اصلاح و تجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ صرف مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا وجودِ گرامی ہی "تن تنہا" اس کاروبار کا کفیل ہوا۔" (ص ۲۳۸)

پھر فٹ نوٹ میں اس عبارت پر مزید اضافہ کیا:

> "عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ان (حضرت مجددؒ) کی تجدید محض ردِ بدعاتِ جہال صوفیہ و تحقیق بعض معارفِ تصوف و اعلان و اشتہار توحید شہودی میں منحصر ہے۔ حالانکہ معاملہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔"

مولانا لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد کے کاموں کی تفصیل کے لیے انہوں نے "متوسط تقطیع کے ۱۷۳" صفحوں پر "سیرت حضرت مجددؒ" لکھی۔ اس کتاب کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔ لیکن مولانا نے "تذکرہ" میں جو ولولہ انگیز مبہم اشارے کیے تھے اور حضرت مجددؒ کے مقابلے میں جس طرح انہوں نے نام لے کر شیخ عبدالحق محدثؒ کی "لغزش" اور حضرت خواجہ باقی باللہ کی ناتمامی کا ذکر کیا، اس سے "روضۃ القیومیہ" اور اس قسم کے متاخرانہ مجددی تذکرہ نگاروں کے اس نظریہ کو بڑی تقویت ملی کہ اکبری دور کی خرابیوں کو دور کرنے والے حضرت مجددؒ اور "تنہا" حضرت مجددؒ تھے۔

اس کے بعد کسی مؤرخ نے اس مسئلے پر محققانہ نظر نہیں ڈالی اور چونکہ اقبال کے فلسفہ اور ہماری روحانی زندگی کے موجودہ رجحانات کی وجہ سے تمام وہ حضرات جنہوں نے اخلاقی جرأت اور جلالی شان دکھائی، خاص و عام میں مقبول ہیں۔ اس لیے مولانا ابوالکلام آزاد کے نقطۂ نظر کی بڑی خوشی سے پیروی ہوئی اور آج عوام الناس ہی نہیں، بلکہ اہل علم حضرات بھی اکبری الحاد کا قاطع فقط حضرت مجدد کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن کئی قوی قیاسات اور شواہد ایسے ہیں، جن کی بناء پر

ہمارا خیال ہے کہ حضرت مجدد کے متعلق یہ دعویٰ محلِ نظر ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے قابلِ ذکر حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ یا شیخ عبدالحق محدث یا شیخ نورالحق جو حضرت مجدد کے ہمعصر یا قریب العہد تھے' وہ حضرت مجدد کو اکبری الحاد کا قاطع نہیں کہتے۔ وہ حضرت سرہندی کی دوسری خوبیوں اور کارناموں کا ذکر کرتے ہیں' لیکن ایک ایسا امر' جو اگر امر واقعی ہوتو حضرت سرہندی کی دوسری سب خوبیوں سے اہم ہوگا، اس کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حضرت مجدد کے رسالہ ''ردِ روافض'' کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمے کے شروع میں عہدِ اکبری کے مذہبی رجحانات پر تبصرہ ہے اور حضرت مجدد کے تمام احسانات و کارنامے ایک ایک کر کے تفصیل سے گنائے گئے ہیں۔ اس بحث میں شاہ صاحب نے رسالہ ''اثبات النبوۃ'' اور ان مکتوبات کا ذکر کیا ہے، جن کی بناء پر معتقدین' حضرت مجدد کو اکبری الحاد کا قاطع قرار دیتے ہیں' لیکن شاہ صاحب نے ان چیزوں کی جتنی اہمیت تھی وہ بتادی ہے۔ نہ زیادہ نہ کم اور حضرت مجدد کے تمام کارنامے گنانے کے باوجود کہیں یہ نہیں کہا کہ انہوں نے اکبری الحاد کا قلع قمع کیا۔ یہی نہیں بلکہ حضرت مجدد کی وفات کے فوراً بعد دو مبسوط تذکرے ان کے خلفا نے لکھے۔ ایک (زبدۃ المقامات) ان کے صاحبزادوں کے ایما پر ان کے خلیفۂ اعظم خواجہ محمد ہاشم کشمی نے لکھا۔ دوسرا (حضرات القدس) مولانا بدرالدین سرہندی کی تصنیف ہے' جو آپ کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ سترہ برس آپ کی خدمت میں رہے۔ ان دونوں میں حضرت مجدد کے اس کارنامے کا کہیں ذکر نہیں۔

اگر حضرت مجدد نے واقعی اکبری بدمذہبی کا ازالہ کیا تو کیا یہ امر تعجب انگیز نہیں کہ یہ سب بزرگ اس مسئلہ میں خاموش ہیں۔ آخر انہیں آج کے مصنفین کی نسبت واقعات کو جاننے کا زیادہ موقع تھا۔

لیکن لطف یہ ہے کہ نہ صرف کوئی ہمعصر یا قریب العہد مستند عالم حضرت مجدد کے اس تجدیدی کارنامے کا ذکر نہیں کرتا' بلکہ ان کے زمانے کا سب سے بڑا عالم ان کی سخت مخالفت کرتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث کے اکبری بدمذہبی کی نسبت جو خیالات ہوں گے' ان کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔ ان کا تھوڑا بہت اظہار انہوں نے شیخ فرید کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ فیضی ان کا بڑا قدردان تھا لیکن وہ اس کے اور اکبر کے مذہبی خیالات سے برگشتہ ہو کر فتح پور سیکری چھوڑ گئے۔ اب اگر کوئی شخص اس بدمذہبی کا ازالہ کرتا تو کیا شیخ عبدالحق محدث اس کے سامنے سرِ عقیدت نہ جھکاتے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ مکتوبات کے بعض اندراجات کی بناء پر حضرت مجدد کے مخالفین میں پیش پیش تھے اور انہوں نے ایک مستقل رسالہ حضرت مجدد کے بعض بیانات کی تردید میں لکھا۔

جہانگیر اکبر کا جانشین تھا' لیکن اکبر کے مذہبی منصوبوں سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ابوالفضل کا وہ سخت مخالف تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے جو احکام جاری کیے' ان سے شرع کا احترام ٹپکتا ہے۔ پرتگیزی مشنری کہتے ہیں کہ اس نے احترامِ شرع کا وعدہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ الحاد کا مخالف ہوگا۔ اب اگر حضرت مجدد نے اکبری الحاد کا قلع قمع کیا تو کیا یہ امر عجیب نہیں کہ جہانگیر نہ صرف ان کے کارناموں سے ناواقف ہے اور ان کا خاص احترام نہیں کرتا' بلکہ الٹا انہیں قید کر لیتا ہے۔

جہانگیر نے حضرت مجدد کی طلبی اور قید کا واقعہ بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ حضرت کی

Marfat.com

حراست کی ایک وجہ ان کا غرور و تفاخر تھی۔ (یعنی غالباً یہ کہ انہوں نے سجدۂ دربار نہ کیا) اور دوسری وجہ یہ تھی کہ انہیں چند دن قید میں رکھنے سے ان کے خلاف جو عوام کی شورش تھی، وہ تھم جائے (شورش عوام فرونشیند)۔ عوام کی اس شورش سے ہی اندازہ ہوسکتا ہے کہ معاصرین کی رائے حضرت مجدد کے متعلق کیا تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی معاصرانہ اور مستند تاریخ یا تذکرہ میں اس امر کا ذکر نہیں کہ حضرت مجدد نے اکبری بدمذہبی کا قلع قمع کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کا وہ نظریہ جو ''تذکرہ'' سے اخذ کیا جاتا ہے' مستبعد بلکہ ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے لیکن مولانا غالباً ان مکتوبات سے متاثر ہوئے ہیں' جن میں حضرت مجدد نے اکابر عہد کو شرع کے استحکام اور مذہب کی استواری کی تلقین کی ہے۔ اس لیے واقعات کو پرکھنے کے لیے ان مکتوبات پر نظر ڈالنی پڑے گی۔

ان مکتوبات کی نسبت ایک قابل ذکر امر یہ ہے کہ اگر ان کی بناء پر یہ تسلیم کیا جائے کہ شیخ فرید' خان اعظم اور دوسرے اکابر کو حضرت مجدد کی یاددہانی اور وعظ و تلقین کی وجہ سے حفاظتِ مذہب کا خیال پیدا ہوا اور پھر انہوں نے اس امر کے لیے کوششیں کیں۔ تب بھی بہ نظر انصاف ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ وعظ و نصیحت آسان ہوتی ہے اور اس پر عمل پیرائی کہیں زیادہ مشکل۔[۲۴] اس وعظ و نصیحت کی وجہ سے ہمیں شیخ فرید اور دوسرے اکابر عہد کے ساتھ بے انصافی نہیں کرنی چاہیے' جنہیں بادشاہ کو قائل کرنے میں جو عملی مشکلات تھیں، ان کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان مکتوبات کے بغیر ہی مسلمان امراء کو اپنے فرض کا احساس تھا بلکہ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں' ان مکتوبات کے لکھے جانے سے پہلے ہی اصل مراحل طے ہوگئے تھے اور اکبری الحاد کا قلع قمع ہو چکا تھا۔

ان مکتوبات میں سب سے زیادہ شیخ فرید کے نام ہیں۔ ہم شیخ فرید کے حالات ذرا تفصیل سے لکھ چکے ہیں اور ان کی نسبت مجدد الف ثانی کے مُرشد خواجہ باقی باللہؒ اور خود حضرت مجدد کے جو عقیدت مندانہ خیالات تھے' وہ نقل کر چکے ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے ساتھ ان کا جو یگانگت کا رشتہ تھا' وہ بیان ہو چکا۔ اسے دیکھ کر کوئی باانصاف انسان نہیں کہے گا کہ شیخ فرید کو اسلام سے یا طریقہ نقشبندیہ سے دلی لگاؤ نہ تھا۔ یا یہ کہ حضرت مجدد کی یاددہانی کے بغیر شیخ فرید کو اپنے فرائض کا خیال نہ ہوتا۔

لیکن حضرت مجدد کے مکتوبات سے ہی خود اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ وہ اس وقت لکھے گئے' جب اکبر کے ساتھ اس کی مذہبی بوالفضولیاں ختم ہو چکی تھیں۔ جہانگیر مذہبی امور میں اکبر کا ہم خیال نہ تھا اور پرتگیزی مشنری بہ اکراہ تسلیم کرتے ہیں کہ جہانگیر نے تخت نشین ہونے سے پہلے اس امر کا وعدہ کیا تھا کہ وہ شعائر اسلامی کی پابندی کرے گا۔

یہ سب مرحلے طے ہوگئے ہیں' جہانگیر تخت نشین ہو چکا ہے اور وہ ابتدائی احکام' جن میں ایک تعمیر مساجد کے متعلق ہے' جاری ہو چکے ہیں۔ اس وقت حضرت مجدد سرہند سے شیخ فرید کے نام خط لکھتے ہیں:

''امروز کہ نوید زوالِ مانع دولت اسلام و بشارت جلوس بادشاہ اسلام بگوش خاص و عام رسید۔ اہل اسلام برخود لازم دانستند کہ ممد و معاون بادشاہ باشند و بر ترویج شریعت و تقویت ملت دلالت نمائند۔''

اس کے بعد بادشاہوں کو علماء سُو سے بچانے کی ضرورت کا ذکر کر کے لکھتے ہیں (ترجمہ)

Marfat.com

''یہ فقیر بے سروسامان بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو اسلام کے مددگار گروہ میں داخل کرے (کہ خود را در جرگہ مردان اسلام اندازد) اور اس بارے میں کوشش کرے۔

من کثر سواد قوم فھو منھم کے موافق ہوسکتا ہے کہ (آپ) اس فقیر کو ان بزرگوں کی جماعت میں داخل کرلیں۔ فقیر اپنے آپ کو اس بڑھیا کی طرح خیال کرتا ہے جو اپنا تھوڑا سا سُوت لے کر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خریداروں میں شامل ہوگئی تھی۔''

اس خط کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ ''جرگہ مردان اسلام'' پہلے سے موجود تھا اور حضرت مجدد اپنے مقابلے میں دوسرے اہل دل مسلمانوں کے کام کی قدر و قیمت بھی سمجھتے تھے۔

مکاتیب کے متعلق یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان میں بظاہر کوئی ایسا نہیں' جو حضرت مجدد نے حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے لکھا ہو اور تذکرہ نگار بھی حضرت کا آغاز ارشاد نقشبندی سلسلہ سے بیعت کے بعد شروع کرتے ہیں۔ مُرشد کی زندگی میں بہرکیف حضرت مجدد کی حیثیت ثانوی تھی اور مُرشد کی وفات کو دو سال نہ ہوئے تھے کہ اکبر مرگیا اور جہانگیر تخت نشین ہوا۔ اس دوران میں آپ کے پیر بھائیوں سے اختلافات رونما ہوئے۔ اور آپ سرہند میں مقیم ہوگئے۔ اکبر کے طور طریقے یقیناً آپ کو ناپسند تھے اور رسالہ ''اثبات النبوۃ'' معاصرانہ خیالات کی اصلاح کے لیے لکھا گیا' لیکن اس ایک رسالہ سے (جس کے فقط ناتمام مخطوطے ملتے ہیں اور جو بظاہر کبھی مکمل نہ ہوا) اکبری خیالات کا کس طرح قلع قمع ہوسکتا تھا؟

مولانا ابوالکلام آزاد (اور عام مجددی تذکرہ نگاروں) کے بیان کا سب سے قابل افسوس پہلو یہ ہے کہ انہوں نے تمام صورت حالات کو ذہن میں رکھنے کی بجائے حضرت خواجہ باقی باللہ کے چند ارشادات سے' جو انہوں نے اپنے بلند مرتبہ مرید کی تعریف میں کہے' مُرشد کے کام کی اہمیت کو کم کرنا چاہا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں۔ ''اصحاب طریقت میں حضرت خواجہ باقی باللہ جیسے عارف کامل خود دہلی میں بعہدِ اکبری مقیم رہے' لیکن وہ خود کہتے تھے کہ میں چراغ نہیں' چقماق ہوں۔ آگ نکال دوں گا۔ چراغ شیخ احمد سرہندی ہیں۔'' حضرت خواجہ کا کوئی بیان بدیں الفاظ خاص ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن حضرت کا طریقہ درویشی اور انتہائی مسکنت کا تھا۔ وہ شیخ عبدالحق محدث سے بھی اس طرح برتاؤ کرتے' گویا وہ استاد ہیں اور حضرت خواجہ شاگرد۔ حضرت مجدد کے تو وہ خاص طور پر قدردان تھے اور ان کی انہوں نے دل کھول کر تعریف کی' جس سے مجددی تذکرہ نگاروں اور مولانا ابوالکلام آزاد نے غلط نتائج اخذ کرلیے' لیکن صحیح صورت حالات جاننے کے لیے فقط حضرت خواجہ کے مدحیہ ارشادات پر انحصار نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت مجدد کے ان بیانات کو بھی دیکھنا چاہیے' جو انہوں نے ''مبداء و معاد'' میں اور دوسری جگہ مُرشد کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے لکھے۔ یا مُرشد نے بلند پایہ مرید کی اصلاح و ہدایت کے لیے تحریر کیے۔ ان کے مطالعہ کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ان دونوں کے درمیان مرشد اور سعادت مند مرید کا رشتہ تھا۔ حضرت مجدد کے خطوط خاص طور پر دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اپنے مقاماتِ عروج کا ذکر کرتے ہیں اور بار بار لکھتے ہیں کہ یہ سب آپ کا فیض ہے' ورنہ ع

من ہماں احمد پارینہ کہ ہستم ہستم!

Marfat.com

حضرت مجددؒ کی مذہبی خدمات

مولانا ابوالکلام آزاد (اور عام مجددی تذکرہ نگاروں) نے جس طرح حضرت خواجہ باقی باللہ کے ساتھ بے انصافی کی ہے اور مفاسد وقت کی اصلاح کا کفیل ''تن تنہا'' حضرت مجدد الف ثانی کو قرار دیا ہے، اس کی تصحیح کے لیے ہمیں مندرجہ بالا سطور لکھنی پڑیں' لیکن اس اختلاف سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس ضمن میں ہمیں حضرت مجدد کے کام کی اہمیت سے انکار ہے۔ یا ان کے علوِ مرتبہ کے اعتراف میں ہم کسی سے پیچھے ہیں۔

عبادت خانہ کی تلخ اور ناعاقبت اندیشانہ بحثوں نے جو ناگوار صورت اختیار کر لی اور درباری خوشامدیوں اور علمائے سوء کی جدت طرازیوں نے جو انتشار پیدا کر دیا' اسے روکنے کے لیے متعدد مسلمان امرا و علماء نے کوشش کی اور بعضوں نے بڑی قربانیاں دیں۔ اس کے کامیاب سدباب میں جن محبان اسلام نے اواخر عہد اکبری میں حصہ لیا، ان میں مرکزی حیثیت حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی تھی' جن کے دست راست دو شخص تھے۔ امراء میں سے شیخ فرید اور اہل باطن میں شیخ احمد سرہندیؒ۔ مؤخر الذکر کا مرتبہ بہرکیف بلند ہے' لیکن معاملہ صرف ان خرابیوں کا نہ تھا جو عبادت خانہ اور دربار شاہی کی بحثوں سے پیدا ہوئی تھے۔ وہ ہندومت کی جارحانہ احیائیت کی پیدا کردہ تھیں۔ ان کا تو دارالخلافہ میں پورا احساس ہی نہ تھا۔ ان کی طرف حضرت مجدد نے توجہ دلائی۔ امرا و اراکین سلطنت کو ان کے فرائض یاد دلائے اور شعائر اسلام کی بجاآوری اور اسلام کی سربلندی پر زور دیا۔ لیکن حضرت مجدد کی کوششیں صرف مسلمانوں کے بااثر طبقے کو اپنے فرائض یاد دلانے اور امراء کے خیالات کی اصلاح تک محدود نہ تھیں۔ انہوں نے عامۃ المسلمین بلکہ جمہور علماء اور صوفیہ کے خیالات کی بھی اصلاح کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عہدِ اکبری کی مذہبی بے قاعدگیوں کے خلاف جو ردعمل ہوا اور شرع و دین نے جو بتدریج دوبارہ فروغ حاصل کیا' اسے حضرت مجدد کی ذات والا صفات سے بڑی تقویت ملی۔

حضرت مجدد کی ایک اہم اسلامی خدمت یہ ہے کہ آپ نے اس سلسلہ تصوف کی اشاعت کی جو ہندوستانی طریقوں میں شریعت سے قریب ترین ہے، ہندوستان میں شروع ہی سے اسلام پر تصوف کا رنگ اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ بیسویں صدی کے شروع تک کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ کسی صوفیانہ سلسلے میں داخل ہوئے بغیر انسان اسلام کی برکات سے مستفید ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں اسلام کی بڑی خدمت اسی میں تھی کہ ایک ایسے صوفیانہ سلسلے کو ترقی دی جائے جو بعض دوسرے سلسلوں کی طرح شرع سے آزاد نہ ہو۔ حضرت مجدد نے یہی کیا اور ہندوستان کے مشہور اور پرانے سلسلوں کو چھوڑ کر ایک ایسے طریق کی اشاعت کی' جس میں شرع اسلام کی پیروی پر بڑا زور ہے۔ ''جواہر مجددیہ'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ ''اس طریقے کے تمام اصول اور فروع میں اتباع سنت سنیہ اور اجتناب بدعت نامرضیہ بدرجہ کمال ہے۔ یعنی اصحاب کبار کا سا لباس مشروط ہے۔ انہی کی سی معاشرت' ویسے ہی کم ریاضتیں اور فیضان کثیر اور کمالاتِ ولایت کے علاوہ کمالات نبوت کی بھی تعلیم ہے۔ نہ اس میں چلہ کشی کی ضرورت ہے نہ ذکر بالجہر کی اجازت ہے۔ نہ سماع بالمزامیر[25] ہے۔ نہ قبور پر روشنی۔ نہ غلاف و چادر اندازی۔ نہ ہجوم عورات۔ نہ سجدہ تعظیمی۔ نہ سر کا جھکانا۔ نہ بوسہ دینا۔ نہ توحید وجودی و دعوئ انا الحق و ہمہ اوست۔ نہ مریدوں کو پیروں کی قدم بوسی کا حکم۔ نہ مرید عورتوں کی ان کے پیروں سے بے پردگی۔'' (ص ۲۴)

Marfat.com

اس کے علاوہ نہ صرف آپ نے طریقت کا وہ سلسلہ اختیار کیا جس میں احکام شرعی کا سب سے زیادہ پاس تھا اور اس سلسلے کو ترقی دی بلکہ طریقت کے مقابلے میں شرع کی اہمیت واضح کر دی۔ آپ کے کئی ارشادات ایسے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ تعلیم دینی کو تعلیم سلوک پر مقدم رکھتے تھے[26] اور صحابہؓ کرام کو تمام اولیاء سے بزرگ تر مانتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حال تابع شریعت ہے نہ شریعت تابع احوال۔ جب آپ نے دیکھا کہ صوفیائے متقدمین کے کلام کی خلافِ شرع ترجمانیاں ہوتی ہیں تو اپنے مکتوبات میں تشریح اور تاویل کر کے انہیں شرع کے مطابق ثابت کیا۔ مشائخ متاخرین بعض خلاف شرع امور کو روا رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ وہ لازم الاتباع نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ ایک قابل' عالم' شیخ طریقت تھے' جو تاویل و تشریح سے اور مخالفِ شرع اقوال و احوال سے علیحدگی اختیار کر کے تصوف کو احکام شرعی کی حدود میں لے آئے۔ اس سے تصوف کی بنیادیں زیادہ مستحکم ہوئیں اور طریقت و شریعت کے اختلافات بھی کم ہوئے۔

آپ نے عقیدۂ وحدت الوجود کی نئی توجیہ کی اور وحدت الشہود کا نظریہ قائم کر کے مسلمان صوفیاء اور علماء کے اختلافات رفع کر دیئے۔ آپ خود ایک طویل مدت تک وحدت الوجود کی منزل میں سرگرداں رہے تھے۔ (ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب ۲۱) لیکن عالم اور محبِ شرع ہونے کی وجہ سے اس اختلاف سے بھی واقف تھے' جو وحدت الوجود کی بعض ترجمانیوں سے اہل شرع کو تھا۔ چنانچہ آپ نے مکتوبات میں اس گتھی کو سلجھایا۔ آپ کا قول ہے کہ مقامِ وحدت الوجود سالک کو ابتدائے سلوک میں پیش آتا ہے' جس سے اسے گزر جانا چاہیے اور جو شخص اس سے بالاتر مقام پر عروج کرتا ہے' اس پر مقام وحدت الشہود منکشف ہوتا ہے' جو شرع کے عین مطابق ہے۔

شرع کی حمایت اور ترجمانی کے علاوہ آپ کا ایک بڑا کام ردِ بدعت تھا۔ نئے فرقوں اور نئے طریقوں سے نہ صرف دین میں رخنے پیدا ہوتے تھے بلکہ اسلامیان ہند کے اجتماعی نظام میں بھی انتشار پیدا ہوتا تھا۔[27] آپ نے ردِ بدعت کی پوری کوشش کی۔ جن نئے فرقوں سے قومی نظام میں خلل کا اندیشہ تھا' ان کی ہر طرح مخالفت کی۔ اس زمانے میں صفویوں کی وجہ سے شیعیت ایران میں عروج پر آئی اور چونکہ ایران سے عہدِ مغلیہ میں گہرے روابط قائم ہو گئے تھے۔ ہندوستان میں بھی شیعہ اثرات بڑھنے لگے۔ آپ نے انہیں روکنے کے لیے زبان اور قلم سے کام لیا۔ امراء و سلاطین کی محفلوں میں اس کی مخالفت کی۔ شیعہ خیالات کی تردید میں ایک پُر زور رسالہ لکھا۔ جب کہیں شیعہ طریقوں کو فروغ پاتا دیکھتے' ذمہ دار حضرات کو ان کے خطرات سے آگاہ کرتے۔ مہدویت کی بھی آپ نے مخالفت کی اور تصوف میں بھی بدعتوں کے خلاف آواز اٹھائی۔

شرع کی ترویج، طریقۂ نقشبندیہ کی اشاعت، شریعت اور طریقت کی تطبیق اور بدعت کی مخالفت کے علاوہ شیخ مجددؒ نے جو اہم کام کیا' وہ اسلام کا عام احیاء تھا۔ اس زمانے میں جب ایک طرف اکبر کے "صلح کل" طریقے نے اسلام کو اس حمایت و دین پناہی سے محروم کر دیا تھا' جو اسلامی حکومت کی ابتداء سے اسے حاصل تھی اور دوسری طرف ہندو احیائیت نے مسلمانوں کے لیے (جیسا کہ ہم تفصیل سے آگے چل کر بتائیں گے) طرح طرح کی مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ آپ نے شعائر اسلام کے احترام پر زور دیا۔ امراء و اراکینِ سلطنت کو اس کی تلقین کی۔ خود اپنی زندگی میں اسلامی نقطۂ نظر کے احترام کی بڑی جرأت مندانہ مثال قائم کی۔ آپ نے جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کر کے قید و بند کی

Marfat.com

سختیاں جھیلیں اور اپنی جرأت اور احترام دین سے خلافِ شرع احکام کی عملی مخالفت کی۔ آپ کی اس نیک مثال نے لوگوں کو جرأت دلائی۔ جو دبے بیٹھے تھے وہ دلیر ہو گئے۔ حکمران طبقے میں جو اسلام پسند گروہ تھا' اسے تقویت ملی اور جو غیر اسلامی آداب و رسوم دربارِ شاہی میں عجمی ملوکیت کی تقلید میں یا ہندو اثرات کی وجہ سے رائج ہو گئی تھیں' ان کے ازالے کا سامان ہوا اور شعائر اسلامی کے احترام کا پھر سے خیال کیا جانے لگا۔ [۲۸]

حضرت مجدد نے احیاء اسلام کی کوشش کی اور اس کے علاوہ ایک ایسا وسیع نظام قائم کر دیا' جس سے آپ کے مقاصد کی تکمیل ہوئی۔ آپ کے صدہا خلفا تھے' جو ہندوستان کے کونے کونے میں' بلکہ ہندوستان سے باہر بھی آپ کے خیالات کی اشاعت کر رہے تھے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزندانِ ارجمند نے آپ کا کام جاری رکھا۔ آج بھی آپ کے سلسلے کا فیض جاری ہے اور نقشبندیہ' مجددیہ سلسلے میں اتباع شریعت اور ترویج سنت کا جوش دوسرے سلسلوں سے زیادہ ہے۔ [۲۹]

نقشبندیہ (مجددیہ) سلسلہ کے کامیاب طریقۂ اشاعت اور اس سلسلے کے مشائخ کبیر کے خلفاء کی کثرت کا ایک مبارک نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے سارے حصوں میں اہل ذوق اس سے منسلک ہو گئے اور ایک روحانی یکسانیت اور تنظیم کے آثار نمایاں ہوئے۔ نظامی سلسلے کی اشاعت کے بعد (شطاری سلسلے کو چھوڑ کر جس نے قوم کے مرکزی روحانی نظام میں جگہ حاصل نہ کی) یہ غالباً پہلا موقع تھا کہ سارے ملک میں ایک روحانی نظام نے اقتدار حاصل کر لیا۔ بنگال میں حضرت مجدد الف ثانی کے محبوب خلیفہ شیخ حمید دانشمند بنگالی ارشاد و ہدایت کے بڑے مرکز تھے۔ سندھ میں ان کے پوتے شیخ سیف الدینؒ کے ایک خلیفہ مخدوم ابوالقاسم نے اس طریقے کی اشاعت کی اور ان کی کوششوں کو خدا نے اس طرح مقبولیت دی کہ اب اس علاقے میں یہ سلسلہ اگر سہروردی اور قادری سلسلوں [۳۰] پر غالب نہیں تو ان سے کسی طرح پیچھے بھی نہیں۔ مخدوم صاحب کو مُرشد نے نور الحق کا خطاب دیا تھا' لیکن چونکہ اس سلسلے میں نقشبندی سلسلے کی اصل اشاعت انہوں نے کی اس لیے سندھ میں انہیں حضرت نقشبندی صاحب کہا جاتا ہے۔ ان سے پہلے مخدوم آدم صاحب بھی نقشبندی سلسلے میں منسلک تھے اور مخدوم ابوالقاسم نے سرہند جانے سے پہلے ان سے کسب فیض بھی کیا' لیکن مخدوم آدم سے سلسلہ بہت چلا نہیں اور مخدوم ابوالقاسم کے پاس تو لوگ ٹھٹ کے ٹھٹ آنے لگے اور نقشبندیہ سلسلہ نے اس ملک میں جڑ پکڑ لی۔ آپ کے عقیدت مندوں میں سورت اور دوسرے علاقوں کے لوگ بھی تھے' لیکن آپ کا اصل کام سندھ میں نقشبندیہ سلسلے کی اشاعت ہے۔ آپ کے ماننے والوں میں ''حضرت عمدۃ العلماء الربانین وقدوۃ المفسرین و المحدثین مخدوم محمد معینؒ' سندھیؒ ہیں' جنہوں نے شاہ ولی اللہ سے درس حدیث حاصل کیا' بلکہ ''تکملہ مقالات الشعراء'' میں مخدوم خلیل تتوی نقشبندی لکھتے ہیں کہ جب مخدوم محمد معینؒ نے مخدوم ابوالقاسم کی تعریف میں رسالہ لکھنا چاہا تو انہوں نے اجازت نہ دی۔ مخدوم ابوالقاسم کی وفات ۱۷۲۶ء میں ہوئی۔ [۳۱]

سابق پنجاب اور افغان علاقے میں تو مجددی سلسلہ کو اس سے بھی بڑھ کر فروغ ملا۔ اس کا زوردار آغاز حضرت مجددؒ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا' لیکن آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم اور خلیفہ شیخ آدم بنوری نے کام کو بڑی وسعت دی۔ جنوب میں برہان پور مجددیہ نقشبندیہ طریقے کا ایک بڑا مرکز تھا' جس کی سربراہی میر محمد نعمان اور خواجہ ہاشم کشمی جیسے بزرگوں نے کی۔ غرضیکہ تمام ملک میں ایک منظم طریقے سے سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ چھایا ہوا تھا۔

جو اثرات حضرت مجدد الف ثانی کی بدولت اسلامی ہندوستان میں عام ہوئے' انہی کا فیض یہاں کی سرحدوں سے گزر کر باقی عالم اسلام کو پہنچا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے قدیمی خلیفہ تاج الدین سنبھلی نقشبندیہ طریقہ لے کر حجاز پہنچے اور وہاں کثرت سے اس سلسلے کی اشاعت کی' لیکن شیخ تاج الدین کا طریقہ تھا نقشبندیہ باقویہ۔ اس میں جمالی رنگ زیادہ نمایاں تھا اور اصل زور تزکیۂ نفس اور اصلاح حال پر تھا۔ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں جلالی شان غالب تھی۔ اس کا طریقِ کار احیائی تھا۔ اس کی اشاعت کا ایک اہم ذریعہ مکتوباتِ امام ربانی تھے' جن کا جلد ہی عربی میں ترجمہ ہو گیا اور دوسرا ذریعہ خلفا و مرید۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی ''سبحۃ المرجان'' میں حضرت مجدد کی نسبت لکھتے ہیں۔

''سلسلہ ان کا ہند سے ماوراء النہر اور روم' شام و عرب تک پہنچا۔ تصنیفات میں ان کی مکتوبات تین جلدوں میں ہیں...... میں نے سنا ہے کہ بعض علماء نے ان کے مکتوبات کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ اگرچہ میں نے یہ عربی ترجمہ نہیں دیکھا۔''

حضرت خواجہ باقی باللہ خود کابل کے رہنے والے تھے اور انہوں نے تعلیم ماوراء النہر میں پائی تھی۔ اس لیے ان کے خلیفۂ اعظم کے طریق کار کی افغانستان اور ترکستان میں اشاعت قدرتی تھی۔ چنانچہ ان کے ماننے والے ان علاقوں میں بہت ہیں۔ مثلاً موجودہ افغانستان کے سب سے بڑے روحانی بزرگ حضرت نور المشائخ اسی سلسلے سے متعلق ہیں۔ حجاز اور خلافتِ عثمانیہ میں اس سلسلے کی اشاعت کو حضرت مجدد کے صاحبزادے خواجہ محمد معصومؒ کے سفرِ حج سے بہت تقویت حاصل ہوئی ہو گی۔ لیکن خلافت عثمانیہ میں طریقۂ مجددیہ کی سب سے وسیع اشاعت انیسویں صدی میں ہوئی، جب حضرت خالد کردیؒ نے دہلی میں ایک سال رہ کر شاہ غلام علی قدس سرہ سے یہ طریقہ اخذ کیا اور واپس جا کر عراق' شام' اناطولیہ میں اس کی بڑے زور اور کامیابی سے اشاعت کی۔ حضرت خالد کردیؒ خلافت عثمانیہ کے آخری دور کے بہت بڑے بزرگ تھے اور انہوں نے (اہل شرع کی مدد سے) طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کو سلطنت کا سب سے بااثر صوفی طریقہ بنا دیا۔

خاص طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی اشاعت کے علاوہ حضرت مجدد کی تعلیمات عام ہونے کا ایک بڑا نتیجہ احیائی اور شرعی رنگ کا غلبہ تھا جو آہستہ آہستہ عالم اسلام میں ظاہر ہوا۔ اس میں متعدد اثرات کو دخل تھا اور ابھی اس مسئلے میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے' لیکن بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ احیائی رنگ کی مقبولیت اور وہابی تحریک کے لیے مختلف اسلامی علاقوں میں زمین کو ہموار کرنے میں شیخ احمد سرہندی کی تجدیدی تحریک کا بڑا دخل تھا۔

صوفیانہ احوال اور نظریۂ قیومیت

حضرت مجدد الف ثانی کی مذہبی خدمات مسلمہ ہیں۔ لیکن ان کے مخالفوں اور نکتہ چینوں کی بھی کمی نہیں اور ان میں بڑے بڑے متقی، پرہیزگار اور قابل عزت بزرگ شامل ہیں۔ ان کی اپنی زندگی ہی میں مکتوبات کی وجہ سے علماء نے ان کے خلاف جہانگیر کے پاس شکایت کی تھی اور ان کے معترضوں میں شیخ عبدالحق محدث جیسے فاضل اور دیندار بزرگ[۲۲] تھے' لیکن یہ سلسلہ اس پر ختم نہیں ہوا۔ ان کے بعد بھی کئی اور بزرگوں نے مکتوبات کے اندراجات اور مجددی بزرگوں کے دعاوی پر اعتراض کیے ہیں اور حضرت مجدد کے مشہور معتقدوں نے ان اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ مرزا مظہر جانجاناں کے کئی خطوط ان شبہات کے ازالہ کے لیے لکھے گئے اور شاہ ولی اللہؒ کا ایک اہم خط بھی جو

Marfat.com

انہوں نے اپنے ایک عزیز ارادتمند خواجہ محمد امین کی تشفی کے لیے لکھا، اسی مسئلے کے متعلق ہے۔

صوفیہ کے اختلاف تو ایک حد تک حضرت سرہندی کے نظریہ وحدت الشہود کی وجہ سے ہے، جس کی مدد سے آپ نے ابن العربی کے نظریۂ وحدت الوجود کو اسلامی عقائد سے تطبیق دینے کی کوشش کی۔ لیکن علماء کو زیادہ اعتراض ان دعوؤں پر ہے جو آپ کے بعض واقعات اور احوال سے اخذ ہوتے ہیں۔ ہم مکتوب یاز دہم کی اس عبارت کو نقل کر چکے ہیں، جس کی بناء پر عہدِ جہانگیری میں شعور و غوغا بلند ہوا تھا اور جس کی تشریح و توضیح حضرت سرہندی نے کئی جگہ کی ہے، لیکن معترضین اس عبارت کے علاوہ اور بھی کئی اندراجات کی شکایت کرتے ہیں۔ خواجہ محمد امین نے مکتوبات کی اس عبارت کی توضیح چاہی تھی، جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ (استغفر اللہ) رسول اکرمؐ اپنی وفات سے ایک ہزار سال بعد ایک فردِ امت (حضرت مجدد) کی وجہ سے مقامِ خلیلی سے مستجاب ہوئے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں:

> ''برادرِ عزیز القدر خواجہ محمد امین اکرمہ تعالیٰ بشہودہ سوال کردہ بودند کہ حضرت شیخ مجدد قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز درمکتوب نود و چہارم از جلد ثالث وغیر آں نیز تصریح کردہ اند۔ آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را بعد ہزار سال بواسطہ بعض افرادِ امت مقامِ خلت حاصل شد و دعائے۔ اللھم صل علےٰ محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم مستجاب گشت۔ و باشارہ مفہوم میگردد۔ کہ مراد ازاں فرد ذاتِ حضرت مجدد است و ایں مقدمہ بظاہر مورد اشکالات کثیرہ است۔ ازاں جملہ آنکہ توسط فردے از افرادِ اُمت در حصولِ مقامِ خلت کہ از اعلیٰ مقامات است مستلزم فضلِ او بر ذاتِ حضرت خاتم الانبیاست علیہ الصلوٰت والتسلیمات۔''

حضرت مجدد نے اس خیال کا اظہار تیسری جلد میں ہی نہیں، بلکہ دوسری جلد کے چھٹے مکتوب میں بھی کیا تھا اور ان کی زندگی میں ہی پڑھنے والوں کو عجیب معلوم ہوا تھا۔ ان کے مشہور خلیفہ اور سوانح نگار ہاشم کشمی نے اس کی توضیح چاہی تھی اور اسی جلد کے ستانویں (۹۷) مکتوب میں حضرت مجدد نے جواب لکھا تھا۔ ''آپ نے پوچھا تھا کہ اس عبارت کے کیا معنی ہیں، جو چھٹے مکتوب میں واقع ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، ولایت ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رنگ میں رنگی جائے اور ولایت محمدی کا حسن ملاحت، ولایت ابراہیمی کے جمال صباحت کے ساتھ مل جائے اور اس انصباغ اور امتزاج سے محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ بلند تک پہنچ جائے۔'' اپنے دعوے کے جواز میں حضرت مجدد نے کہا تھا۔ ''وہ انتفاع و استفادہ جو صاحب دولتوں کو غلاموں اور خادموں کی جہت سے میسر ہوتا ہے، کوئی ممنوع و محذور نہیں اور نہ ہی اس میں ان کا کسی قسم کا قصور و نقصان ہے، بلکہ صاحب دولتوں کا کمال غلاموں اور خادموں کی خدمت ہی میں ہے۔''

شاہ ولی اللہؒ نے زیادہ ملائم اور قابل فہم طریقے سے اس کی تاویل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''غرض شیخ اثباتِ اصل خلت است آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم در اول امر بغیر توسط و اثبات خود در فیضانِ خلت بر بنی آدم بآں معنی کہ بتوسطِ او بعد ہزار سال مرداں حصہ ازاں خلت یافتند۔''

Marfat.com

اس طرح کے کئی اندراجات، حضرت مجدد کی تصانیف اور سوانح میں ملتے ہیں، جنہیں بغیر تشریح و تاویل کے قبول کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے اور جن کی نسبت خود انہوں نے کہا۔ ''مخدوما۔ ہر کہ ایں قسم سخناں نوشتہ است۔ منشاء آں سکر است۔ و بے مزج سکر دریں باب دست بقلم نہ برد۔''

واقعہ یہ ہے کہ صوفیوں کے احوال و مقامات کا عجیب معاملہ ہے۔ یہ بزرگ صبح و شام ان خیالات میں مستغرق رہتے ہیں، جن سے عوام کو برائے نام دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ غذا فقط اتنی کھاتے ہیں، جس سے جان سلامت رہے۔ زیادہ وقت تنہائی وخلوت اور ذکر وفکر میں گزرتا ہے۔ مراقبے اور دوسرے اشغال اتنے سخت ہوتے کہ دل و دماغ پر ایک خاص رنگ غالب آ جاتا ہے۔ نفسیات کا اصول ہے کہ جو دُھن سر پر سوار ہو، وہی عالمِ خواب یا عالمِ انجذاب میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ انہیں بھی جذب و بے خودی یا واقعات کے عالم میں ایسی ایسی باتیں نظر آتی ہیں کہ عوام، جن کی دنیا ہی ان سے مختلف ہوتی ہے، سمجھ نہیں سکتے اور معترض ہوتے ہیں۔ لیکن ان سے انکار کرنا، جب تک کہ صاحبِ احوال ہی اس انکار کا مستحق ہو صحیح نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ تمام محتاط صوفیہ ان احوال کو، جو شرع اور عقل کے موافق نہ ہوں اور جن کی مناسب تاویل نہ ہو سکے، فاسد سمجھتے ہیں۔ مُرشد کو ان احوال کا من وعن بتانا ضروری ہے تاکہ وہ اس بات سے واقف رہے کہ مرید کے دل و دماغ پر کونسا رنگ غالب ہے اور اس کے تحت الشعور کا کیا حال ہے، لیکن اس سے زیادہ ان کی اہمیت نہیں۔

حضرت مجدد بھی اس نکتے سے خوب واقف تھے اور انہوں نے کئی خطوط میں ان احوال پر بھروسا نہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ ایک خط (جلد اول شمار ۲۰۷) میں مرزا حسام الدین کو لکھتے ہیں:

> ''صوفیوں کی بیہودہ باتوں سے کیا حاصل ہوتا ہے اور ان کے احوال سے کیا بڑھتا ہے ''وہاں'' وجد و حال جب تک شرع کی میزان پر نہ تولیں نیم جیتل سے نہیں خریدتے اور کشف اور الہاموں کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں، نیم جَو کے برابر پسند نہیں کرتے۔''

شیخ حمید بنگالی کے نام ایک خط (جلد اول ۲۲۱) میں تفصیل سے ان غلط فہمیوں کی تشریح و اصلاح کی کوشش کی ہے، جو مقاماتِ عروج میں اپنی فضیلت کے متعلق پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس میں اپنی نسبت لکھتے ہیں کہ میں ''توبہ و استغفار و انابت سے التجا کرتا تھا اور عاجزی وزاری سے دعا کرتا تھا کہ اس قسم کے کشف ظاہر نہ ہوں اور اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے خلاف سرِمُو منکشف نہ ہو۔'' حضرت مجدد اس نکتے کو خوب سمجھتے تھے کہ اگر احوال اور غیر معمولی نفسیاتی مشاہدات کو اہمیت دی جائے تو چونکہ ہر ایک انسان کے مشاہدات مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ہر ایک اپنے ہی مشاہدات کو حق مانے گا اور شرع و سنت کی پیروی کی ضرورت نہ سمجھے گا، جس سے روحانی اور مذہبی معاملات میں بڑی بد نظمی پیدا ہوگی۔ اس کی ایک دلچسپ مثال ان کے اپنے مکتوبات میں ہی ملتی ہے (جلد اول شمارہ ۲۷۳)۔ ان کے نامور خلیفہ میر محمد نعمان اور بعض دوسرے بزرگوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ رسولِ اکرم مجلسِ مولود خوانی کے انعقاد سے خوش ہیں۔ چنانچہ وہ انہیں ترک کرنا نہ چاہتے تھے۔ حضرت مجدد اس بارے میں مرزا حسام الدین احمد کو لکھتے ہیں:

> ''آپ نے لکھا تھا کہ اگر سماع کے منع ہونے کا مبالغہ مولود کے منع ہونے کو بھی شامل ہے، جو نعتیہ

Marfat.com

قصیدوں اور غیر نعتیہ شعروں کے پڑھنے سے مراد ہے تو برادرِ عزیز میر محمد نعمان اور بعض اس جگہ کے یار جنہوں نے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس مجلس مولود خوانی سے بہت خوش ہیں۔ان پر مولود کا سننا اور ترک کرنا بہت مشکل ہے۔

میرے مخدوم! اگر واقعات کا کچھ اعتبار ہوتا اور منامات اور خوابوں کا کچھ بھروسا ہوتا تو مریدوں کو پیروں کی حاجت نہ رہتی اور طریق میں سے کسی ایک طریقے کا لازم پکڑنا عبث معلوم ہوتا۔ کیونکہ ہر ایک مرید اپنے واقعات کے موافق عمل کو لیتا اور اپنی خوابوں کے مطابق زندگی بسر کر لیتا...... اس طرح سلسلہ پیری و مریدی درہم برہم ہو جاتا اور ہر بوالہوس اپنی وضع پر مستقل اور برقرار ہو جاتا۔"

یہ خیال کرنے کی قطعاً کوئی وجہ نہیں کہ جن احوال و مقامات کا ذکر حضرت مجدد کے مکتوبات میں ہے وہ انہیں پیش نہ آئے تھے۔ جو شخص ٹھنڈے دل سے ان کی تصانیف اور حالات پر نظر کرے گا' وہ ان کی بزرگی' علم و فضل اور صاف گوئی کا قائل ہو جائے گا۔لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان مقامات کو بڑی اہمیت نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی ان کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ ان میں غلطی کا امکان نہ تھا۔ (شیخ عبدالحق محدثؒ نے تو بعض کا شرع اور سلوک کی رُو سے انکار کر کے یہاں تک لکھا ہے۔"ظاہر آن است کہ شاد غا خوردہ اید")[۳۳] لیکن اس سے اس مقام میں کمی نہیں ہوتی، جو حضرت مجددؒ کو ہماری رُوحانی' دینی اور سیاسی تاریخ میں حاصل ہے۔ان کی بزرگی ان کے کاموں میں' ان کی تعلیمات میں' ان کے کردار میں اور ان کی بلند پایہ تصانیف میں ہے۔ان مقامات اور احوال میں نہیں' جن پر وہ خود اعتماد نہ کرتے تھے اور اعتماد نہ کرنے کی تلقین کرتے تھے۔افسوس ہے کہ ان کے عقیدت مندوں نے بالعموم یہ نکتہ نہیں سمجھا۔ان کی تعلیمات کو ترتیب دے کر پوری طرح سمجھنے کی کوشش نہیں ہوئی۔ان کے حالات زندگی ہی صحیح طور پر مرتب نہیں ہوئے۔زیادہ توجہ ان کے مقامات و احوال پر رہی ہے اور خود بھی ماشاء اللہ مجددیوں نے اپنی طرف سے ایسے واقعات کا اشتہار دیا ہے کہ عقل حیران ہوتی ہے اور خیال آتا ہے کہ اگر ان بزرگوں نے پرانے صوفیوں کی بعض غلطیوں کی اصلاح کی ہے تو کیا انہوں نے مبتدیوں اور خوش اعتقادوں کو الجھانے کا اس سے زیادہ سامان تو نہیں پیدا کر دیا!

احوال و مقامات پر بھروسا رکھنے سے انسان جن خام خیالیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے' اس کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے' جو حضرت مجدد کے جانشین خواجہ محمد معصومؒ نے اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے والد کے ایک مشہور خلیفہ شیخ آدم بنوری کی نسبت لکھا:

"بعض ناکمل اور ادھورے سالک اپنے خواب اور واقعات پر گمان کر کے اکابر دین کی برابری کرتے ہیں' لیکن برابری کہاں۔ان سے برابری کی خواہش ایک خیال محال ہے' جو محض نادانی اور خام خیالی ہے۔ بہت سے نادان از روئے جہلِ مرکب اپنے واقعات پر بھروسا کر کے خیالات فاسدہ میں خود بھی مبتلا ہیں اور اوروں کو گمراہ کر لیا ہے۔ایسے لوگ گمراہ ہیں۔انہوں نے ضائع کیا۔کھویا اور گنوایا۔اصل تو درکنار ابھی شاخ کے خیال تک کو نہیں پہنچے۔محض خواب میں

ہیں۔ان کی مثال چوہے کی سی ہے جو ہلدی کی گانٹھ پر پنساری بن بیٹھتا ہے۔'' [۳۴]

قیومیت کا نظریہ [۳۵]، جس کے متعلق مکتوبات امامِ ربانی میں کوئی واضح اندراج ہمیں نہیں ملا' لیکن جسے حضرت مجدد کے بعض عقیدت مندوں نے بڑی تفصیل سے مدون کیا ہے' اسی ذہنیت کا ایک کرشمہ تھا۔ قیوم کون ہوتا ہے:

''قیوم اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے ماتحت تمام اسماو صفاتِ شیونات اعتبارات اور اصول ہوں اور تمام گزشتہ و آئندہ مخلوقات کے عالم موجودات انسان۔ وحوش۔ پرند۔ نبات۔ ہر ذی رُوح۔ پتھر۔ درخت۔ بحر و بر کی ہر شے۔ عرش۔ کرسی۔ لوح۔ قلم۔ ستارہ۔ ثوابت۔ سورج۔ چاند۔ آسمان۔ بروج سب اس کے سائے میں ہوں۔ افلاک و بروج کی حرکت وسکون' سمندروں کی لہروں کی حرکت' درختوں کے پتوں کا ہلنا' بارش کے قطروں کا گرنا' پھلوں کا پکنا' پرندوں کا چونچ پھیلانا' دن رات کا پیدا ہونا اور گردش کنندہ آسمان کی موافق یا ناموافق رفتار' سب کچھ اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ بارش کا ایک قطرہ ایسا نہیں جو اس کی اطلاع کے بغیر گرتا ہو۔ زمین پر حرکت وسکون اس کی مرضی کے بغیر نہیں۔ جو آرام وخوشی اور بے چینی اور رنج اہل زمین کو ہوتا ہے اس کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا۔ کوئی گھڑی' کوئی دن' کوئی ہفتہ' کوئی مہینا' کوئی سال ایسا نہیں جو اس کے حکم کے بغیر اپنے آپ میں نیکی بدی کا تصرف کر سکے۔ غلہ کی پیدائش۔ نباتات کا اُگنا۔ غرض جو جو کچھ بھی خیال میں آ سکتا ہے وہ اس کی مرضی اور حکم کے بغیر ظہور میں نہیں آتا۔

روئے زمین پر جس قدر زاہد' عابد' ابرار اور مقرب' تسبیح' ذکر' فکر' تقدیس اور تزویہ میں عبادت گاہوں' جھونپڑوں' کٹیوں' پہاڑ اور دریا کے کنارے' زبان' قلب' روح' سر' خفی' اخفیٰ اور نفسی سے شاغل اور معتکف ہیں اور حق تعالیٰ کی راہ میں مشغول ہیں۔ سب اسی کی مرضی سے مشغول ہیں۔ گو انہیں اس بات کا علم نہ ہو اور جب تک ان کی عبادت قیوم کے ہاں قبول نہ ہو' اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتی۔'' (روضۃ القیومیہ۔ جلد اول ص ۹۴)

حضرات مجددیہ چار بزرگوں کی قیومیت کے قائل ہیں۔ قیوم اول حضرت مجدد الف ثانیؒ' قیوم ثانی خواجہ محمد معصومؒ' قیوم ثالث خواجہ محمد نقشبندؒ' قیوم رابع خواجہ محمد زبیرؒ اور ان کے بعد بھی بعض بزرگوں (مثلاً شاہ ابو سعیدؒ) کے حالات میں تفویض قیومیت کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ باوجودیکہ قیوم کو صفاتِ نبوی سے نہیں صفات الٰہیہ سے متصف کیا جاتا ہے۔ کوئی آیت' کوئی حدیث اس نظریے کی قطعی تائید میں پیش نہیں کی جاتی۔ عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی' لیکن کشف اور صوفیانہ احوال کے زور پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے اور عقیدت مند مان لیتے ہیں۔

حالی نے کیا خوب کہا ہے ۔

کرے غیر گر بُت کی پُوجا تو کافر جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو اپنا قبلہ تو کافر کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبیؐ کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں اماموں کا رُتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں شہیدوں سے جاجا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

اِستدراک

''رودِ کوثر'' کی تیسری اشاعت کے بعد مجددی سلسلہ کے دو فاضل بزرگوں نے قیومیت کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے، جس سے اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب، جنہیں ہمارے مندرجہ بالا اظہار خیال سے شدید اختلاف ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''یہ قیومیت، مقاماتِ عروج سے متعلق ہے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ جو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک لطائف سبعہ، نفی اثبات، تہلیل لسانی، مراقبہ احدیت، پھر مراقبات مشارب اور مراقبہ معیت تک محدود تھا وہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے ولایت کبریٰ، مراقبات کمالات نبوت و رسالت و اولوالعزم، کراقبہ، حقیقتِ کعبہ، حقیقتِ قرآن، حقیقتِ صلوٰۃ، معبودیتِ صرفہ، حقیقتِ ابراہیمی، حقیقتِ موسوی، حقیقتِ محمدی، حقیقت احمدی، حُبِ صرفہ اور لاتعین کے مقامات تک وابستہ ہوگیا ہے۔ یہ چیزیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل میں اُن کے وابستگان تک پہنچی ہوئی ہیں اور ان کے متعلق کسی نظریاتی بحث و تمحیص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ ان چیزوں کا ذکر بھی اس مضمون میں نہیں ہونا چاہیے۔''

محترمی ڈاکٹر صاحب کا اپنا اندازِ خیال تو مندرجہ بالا اندراج سے ظاہر ہے، لیکن شاید ان سطور کے لکھنے کے بعد انہیں احساس ہوا کہ مسئلہ قیومیت پر نظریاتی بحث و تمحیص اتنی غیر ضروری نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس موضوع کی وضاحت کے لیے حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مدظلہ کو زحمت دی، جو نہ صرف دہلی کی مشہور تاریخی خانقاہ (خانقاہ شاہ غلام علیؒ)[۳۶] کے سجادہ نشین ہیں۔ بلکہ بھارت کے اہل علم میں بھی ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس مسئلے پر ایک مفصل، مدلل اور منصفانہ مضمون لکھا، جسے محترمی ڈاکٹر صاحب نے اپنے رسالے کے ساتھ بطور ضمیمہ کے شائع کر دیا۔

مولانا زید صاحب کے مضمون کا لب لباب یہ ہے کہ قیومیت ولایت کا ایک بلند مرتبہ ہے۔ ''ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوئی، اور ضرورت پیدا ہوئی کہ مراتبِ عالیہ کا علیحدہ علیحدہ ظہور ہو۔ چنانچہ جب بھی جس

Marfat.com

عہدہ کے ظہور کا وقت آیا' وہ عہدہ ظاہر ہوا۔ یعنی قطب' غوث وغیرہ اور قیومیت کا ظہور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہ السامی کی مبارک ذات سے ہوا۔''

محترم مضمون نگار نے جن تفصیلی دلائل سے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے' ان سب کو یہاں دہرانا مشکل ہے' لیکن انہوں نے اس مضمون میں ''روضۃ القیومیہ'' اور بالخصوص اس اندراج پر جو ہم اُوپر درج کر چکے' سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ اسے نقل کرنا غلط فہمیوں کو دُور کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس کتاب کی عمومی صحت کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

> ''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ''روضۂ قیومیہ'' کا ذکر کر دیا جائے۔ کیونکہ قیومیت کے سلسلے میں بعض افراد اس کتاب کی عبارت سے متحیر رہ گئے ہیں اور ان کا متحیر ہونا اپنی جگہ صحیح ہے۔ یہ کتاب جناب محمد احسان مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ یہ حضرت خواجہ محمد زبیر کے خلیفہ تھے اور وہ اپنے دادا حضرت خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ کے اور وہ اپنے پدر بزرگوار حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ اسرارہم کے۔ ان کو اپنے پیرو مُرشد سے کامل عقیدت تھی۔ دقائق علمیہ سے پوری طرح باخبر نہ تھے۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں قدس اللہ سرہ نے ان کو ایک خط لکھا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔ ''آنچہ از احوالِ شہود نوشتہ اند کہ ہر ذرہ ظہور ذاتِ اللہ تعالیٰ و تقدس معلوم می شود۔ وایں را توحید متعارف دانستہ اند غلط است۔'' ''روضۂ قیومیہ'' میں بھی ان سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ بعض واقعات بھی صرف از وجہ سماع قلمبند کر دیئے ہیں' حالانکہ وہ صحیح نہیں ہیں۔ بنابریں حضراتِ عالی قدر نے اس کتاب کو قابل اعتنا نہیں سمجھا ہے۔ قیومیت کے سلسلے میں ان کا مسلک جادۂ صواب سے ہٹا ہوا ہے۔''

اس کے بعد قیوم کے متعلق ''روضۃ القیومیہ'' کی اس عبارت سے جسے ہم نے اُوپر نقل کیا ہے' کچھ اقتباس دے کر مولانا زید صاحب فرماتے ہیں:

> ''محمد احسان صاحب بموجب اس اردو ترجمہ کے جو پیش نظر ہے' نہ حضرات عالی قدر کے کلام کو سمجھے ہیں اور نہ قیوم کے مرتبہ کو۔ انہوں نے اسماء' صفات' شیونات' اصول اور تمام گزشتہ اور آئندہ مخلوقات کے متعلق لکھ دیا کہ سب اس کے سایے میں ہوں۔ العیاذ باللہ من ھذا لقول الفاسد۔ بھلا اسماء باری تعالیٰ اور اس کی صفات و شیونات کس کے سایہ میں آ سکتے ہیں۔ اصل کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ انبیاء اور ملائکہ کے لیے تجلی صفات اصل ہے۔ باقی افراد کو نی کے لیے تجلی صفات کا ظل اصل ہے۔ بھلا تجلیات صفات یا ظلال تجلیاتِ صفات پر کون حاوی ہو سکتا ہے۔ استغفر اللہ۔ اور لکھا ہے تمام گزشتہ اور آئندہ مخلوقات الخ۔''
>
> ''یہ اللہ کے بندے اتنا نہ سمجھے کہ تمام گزشتہ مخلوقات میں صحابۂ کرام' انبیاء عظام' ملائکہ عالی مقام اور سردار دو جہاں محبوبِ کبریا جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ جمیع انبیاء والملائکہ وجمیع عباداللہ الصالحین وبارک وسلم بھی شامل ہیں۔ حالانکہ بڑے سے بڑا ولی بھی صحابی رضوان اللہ

علیہم کے خاک پا کی برابری نہیں کرسکتا‘ چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام [کی]۔“

ہم نے سطور بالا میں لکھا تھا کہ نظریۂ قیومیت کے متعلق ہمیں ”مکتوبات امام ربانی میں کوئی واضح اندراج نہیں ملا“ اور ”کوئی“ آیت‘ کوئی حدیث اس نظریے کی قطعی تائید میں پیش نہیں کی جاتی۔“ کتاب کی اشاعت کے بعد ہمیں دفتر دوم کے مکتوب نمبر ۴۷ اور دفتر سوم کے مکتوب نمبر ۱۰۴ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ مؤخرالذکر میں حضرت مجددؒ کی خلعت قیومیت خواجہ محمد معصومؒ کو منتقل ہونے کا بیان ہے اور پہلے مکتوب میں دو آیات قرآنی کی تاویل وتشریح سے قیومیت کا نظریہ مستنبط ہوتا ہے۔ ان دو آیات میں سے زیادہ متعلقہ وہ مشہور آیت ہے‘ جس کا اردو ترجمہ ہے۔ ”ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے پیش کی‘ لیکن انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ یہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔“ اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے حضرت مجدد قیوم کے متعلق لکھتے ہیں:

”آں امانت بزعم ایں حقیر قیومیت جمیع اشیاست۔ بر سبیلِ نیابت کہ مخصوص بہ مکمل افرادِ انسان است۔ یعنی معاملۂ انسانِ کامل تا بجائے میرسد کہ اور اقیوم جمیع اشیا بحکم خلافت می سازند۔ وہمہ را افاضہ وجود و بقا و سائر کمالاتِ ظاہری و باطنی بتوسط او میرسانند۔ اگر ملک است باو متوسل است۔ و اگر انس وجن است باو متشبت“ (دفتر دوم مکتوب نمبر ۵۴)

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

”عارفے کہ بہ منصب قیومیت اشیا مشرف گشتہ است‘ حکمِ وزیر دارد کہ مہماتِ مخلوقات را باو مرجوع داشتہ اند۔ ہر چند انعامات از سلطان است‘ اما وصولِ آنہا بتوسط وزیر ست۔“ (ایضا)

ان اندراجات سے بظاہر ہمارے اس بیان کی کہ نظریۂ قیومیت کی تائید میں کوئی آیت پیش نہیں کی جاتی، تغلیط ہوتی ہے (اور یہ صحیح ہے کہ اصل تحریر کے وقت ہماری نظر میں یہ مکاتیب نہ تھے) لیکن ہمارا خیال ہے کہ آیات قرآنی کی اس تاویل وتشریح کو پڑھتے وقت وہ عربی جملے ذہن نشین رکھنے چاہئیں‘ جو حضرت مجدد نے اس سے پہلے حقیقتِ حال کو واضح کرنے کے لیے لکھے۔ ان کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

”ان دونوں آیتوں کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن ہم تاویل بیان کرتے ہیں‘ جو ہم پر ظاہر ہوگئی ہے۔ یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ کر۔“

(اردو ترجمہ مکتوباتِ امام ربانی جلد دوم ص ۲۴۲)

کیا اس ابتدائی عبارت سے یہ امر واضح نہیں کہ حضرت مجدد کو اس ترجمانی پر (جسے وہ تاویل کہتے ہیں) یقین نہ تھا اور وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اگر اس معاملے میں ان سے کوئی بھول چوک ہوئی ہے تو اس پر ان سے مواخذہ نہ کیا جائے؟

”روضۃ القیومیہ“ کی عبارت پر مولانا زید ابوالحسن صاحب مدظلہ نے جو تبصرہ کیا ہے‘ اس سے ایک حد تک

صورت حالات کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ لیکن کیا یہ بہتر نہ ہو کہ حضرت مجددؒ نے ابتدائی عربی عبارت میں جو وضاحت کی ہے' اسے زیادہ اہمیت دی جائے اور یہ خیال کر کے مفسرین میں سے کسی (یا کم از کم سوادِ اعظم) نے متعلقہ آیتِ کریمہ کی یہ تاویل نہیں کی۔ قیومیت کو امورِ مشتبہ میں شمار کیا جائے؟ ہماری حقیر رائے میں یہ انداز فکر حضرت مجددؒ کی ابتدائی عربی عبارت کے مطابق ہوگا۔ ''روضۃ القیومیہ'' میں خواجہ محمد معصومؒ کو قیوم ثانی قرار دیا ہے اور ان کے ایک مکتوب (دفتر اول نمبر ۸۶) میں خلعت قیومیت کے حصول اور اس مرتبہ کے متعلق ایک تفصیلی بیان ہے۔ لیکن ان کے آخری ایام کا ایک خط ہے (دفتر سوم نمبر ۱۹۵) جس میں اس قسم کے خطاب پر اظہار ناراضگی فرمایا ہے۔ شیخ محمد خلیل اللہ کو لکھتے ہیں:

''...... دیگر نوشتہ بودند ''اگرچہ ایں حکم بہ بار یافتگان جناب قیومیت بے ادبی است الخ''، فقیر بایں قسم عبارات کہ در بارۂ ایں دُور از کار بنویسند۔ راضی نیست۔ (گزشتہ آنچہ) گزشت۔ مِن بعد نخواہند نوشت......''

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں خواجہ محمد معصومؒ قیومیت سے اپنی نسبت کے اظہار کو ناپسند کرتے تھے۔ افسوس کہ متاخرین نے یہ طریق کار اختیار نہ کیا۔ بعد میں قیومیت کے نظریے کو جس طرح وسعت دی گئی' وہ ''روضۃ القیومیہ'' سے ظاہر ہے۔ قدرتی طور پر یہ طریق کار علماء کو کھٹکتا ہے۔ قیومیت کے مسئلے پر علماء کی (آپ انہیں علمائے ظاہر کہہ لیجیے) جو رائے ہے' اس کا اندازہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے ایک جملہ سے ہو سکتا ہے۔ ''معاذ اللہ۔''

وہ رسالہ ''تجدید و احیائے دین'' (اشاعت اول) کے ص ۷۷ پر لکھتے ہیں۔ ''حضرت مجدد صاحب کی وفات پر کچھ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ان کے حلقہ کے لوگوں نے ان کو قیوم اول اور ان کے خلفاء کو قیوم ثانی کا خطاب عطا کر دیا۔ معاذ اللہ''

''روضۃُ القیومیہ''

جناب مولانا زید ابوالحسن فاروقی صاحب مدظلہ نے اپنے ارشادات میں ''روضۃ القیومیہ'' کے مصنف جناب محمد احسان مجددی کی لغزشوں کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ انہوں نے ''بعض واقعات بھی صرف از وجہ سماع قلمبند کر دیئے ہیں۔ حالانکہ وہ صحیح نہیں۔ بنابریں حضرات عالی قدر نے اس کتاب کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا ہے۔'' جہاں تک اہلِ نظر خواص کا تعلق ہے' ان کا فرمانا بجا ہے' لیکن سطحیت اور جذباتیت کے اس دور میں اہل نظر کتنے ہیں؟ عام طور پر اس کتاب کو ''قابل اعتنا'' ہی نہیں سمجھا گیا' بلکہ بعد کے تذکرہ نگاروں نے تو ''زبدۃ المقامات'' اور ''حضرات القدس'' جیسے معاصرانہ اور حضرت مجدد الف ثانی کے خلفائے کبار کے لکھے ہوئے تذکروں کو چھوڑ کو جمع حالات اور نقطۂ نظر میں ''روضۃ القیومیہ'' کو چراغِ راہ بنایا ہے۔ پروفیسر محمد فرمان صاحب (جنہوں نے حضرت مجدد کے حالات و خیالات کو زیادہ تر مکتوبات کی روشنی میں جمع کیا ہے) ''روضۃ القیومیہ'' کی نسبت لکھتے ہیں۔ ''اس کتاب پر حضرت مجدد الف ثانی کے اکثر سوانح نگاروں نے انحصار کیا ہے...... نقشبندی حضرات کے ہاں اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہے'' (حیاتِ

Marfat.com

مجدد ص ۲۹۱)۔ بعض بلند پایہ اور اہل علم مجددی بزرگوں کو بھی اس کتاب کا نقطۂ نظر اور اس کی روایات جس قدر عزیز ہیں، اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اس عہد کے ایک مشہور و معروف فاضل ''علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی گورکھپوری''[۳۷] کی سوانح عمری ''حضرت مجدد الف ثانی سرہندی'' کی نسبت، جس کا سوانحی حصہ ''روضۃ القیومیہ'' کا ملخص ہے، لکھتے ہیں۔ ''حضرت مجدد کے متعلق صرف یہی ایک ایسی کتاب ہے، جسے ہمارے دور میں بڑی ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ مولانا مرحوم نے حضرت مجدد کے حالات بڑی تحقیق سے لکھے ہیں۔''[۳۸] مولانا احسان اللہ نے اپنی کتاب کے ابواب و اندراجات کی ترتیب جدید طریقے سے اور ''مذاقِ حال کے موافق'' کی۔ ایک اہم کام یہ کیا کہ مکتوبات امام ربانی کے ''تینوں دفتروں کے ایک ایک مکتوب کا حوالہ اور اس کا عنوان اردو میں دیا ہے۔''[۳۹] دو رسائل (یعنی ''مبداء و معاد'' اور ''معارف لدنیہ'') کا بھی کارآمد خلاصہ درج کتاب کیا' لیکن جہاں تک ''حضرت مجدد کے حالات'' کا تعلق ہے' مولانا احسان اللہ کی کتاب ''روضۃ القیومیہ'' کی صدائے بازگشت ہے۔ وہ خود کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں۔ ''روضۃ القیومیہ'' ہر چہار جلد اور مکتوبات کے ہر سہ دفتر دیکھ کر پورے دو ماہ میں میں نے سوانح عمری حضرت مجددؒ کی تیار کر لی'' (ص ۱۴) ممکن ہے نظر ثانی کے وقت اور کتابوں سے بھی افادہ کیا ہو لیکن اس میں جو حالات سال بسال درج ہیں' ان کا ''روضۃ القیومیہ'' سے موازنہ کرنے سے صاف نظر آتا ہے کہ مولانا کی کتاب کا سوانحی حصہ موخر الذکر کی تلخیص ہے۔ اب اگر ایک مشہور مجددی بزرگ اور نامور اہل علم ایسی تالیف کو ''حضرت مجدد کے حالات'' کا ایک محققانہ بیان سمجھیں، تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عوام الناس میں ''روضۃ القیومیہ'' کے قصے کہانیاں کیسے مقبول ہوں گے۔

چونکہ ''روضۃ القیومیہ'' کے اندراجات پر پہلی مرتبہ کڑی تنقید ''رود کوثر'' میں ہوئی' اس لئے شاید بیجا نہ ہو، اگر راقم السطور ایک دو امور کی وضاحت کر دے۔ اس کتاب کے متعلق بڑی دشواری یہ ہے کہ فقط اس کا اردو ترجمہ دستیاب ہوتا ہے۔

اصل کتاب کا ایک قلمی مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے۔ لیکن وہاں سے اس کی نقل حاصل کرنا بے حد مشکل ہے۔ اس لئے اس کے متعلق جو کچھ لکھا جا سکتا ہے' وہ اس اردو ترجمہ کے متعلق ہے' جو لاہور سے شائع ہوا اور عام طور پر متداول ہے۔

''روضۃ القیومیہ'' کے اندراجات کثیرہ سے شدید اختلاف کے باوجود یہ اظہار ضروری ہے کہ اگر یہ کتاب احتیاط سے مطالعہ کی جائے اور ان بیانات کو جو مستند تاریخی شواہد یا شرعی اعتراضات کی بناء پر قابل قبول نہیں' نظر انداز کر دیا جائے تو اس سے بڑے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ مصنف خاندان مجددیہ سے تھے۔ انہوں نے چار قیومیوں کے حالات دیتے ہوئے ان کے تمام بیٹوں' بیٹیوں اور خلفا بلکہ بعض معاصرین کے حالات لکھے ہیں، جن کے جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں اور اس طرح سے اس خاندان عالی کا' جس کے متعلق حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے لکھا تھا ''سب کے سب شجرہ طیبہ یعنی پاک درخت کی طرح ہیں' جس سے پاک ہی شاخیں نکلی ہیں۔'' (ترجمہ) اس طرح حال بیان کیا ہے کہ اس شجرہ طیبہ کی ٹہنی ٹہنی' بلکہ پتا پتا نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ یہ ایک احسان عظیم ہے۔ خدا انہیں اس کی جزائے سے خیر دے اور فرو گذاشتیں درگزر فرمائے۔

مولانا زید ابوالحسن صاحب نے ''روضۃ القیومیہ'' کے غیر صحیح اندراجات کی نسبت تحریر فرمایا ہے کہ وہ بغیر قومی

Marfat.com

شہادت کے ''از وجہ سماع'' قلمبند کر دیے گئے۔ عجب نہیں کہ اس میں مؤلف یا ان کے ماخذ کی ''تاریخ سازی'' کو دخل ہو۔ ہمیں کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ شاید یہ کتاب ''مناقب الحضرات'' کے جواب میں لکھی گئی' جو اس کی تالیف سے چند سال پیشتر شیخ آدم بنوریؒ کے سلسلے کے ایک اہل قلم نے لکھی تھی۔ اس میں حضرت مجددؒ کے اجمالی ذکر کے بعد شیخ آدم بنوریؒ اور ان کے سلسلے کے بعض بزرگوں کے حالات میں اسی قسم کے قصے بیان کیے ہیں۔ ''روضۃ القیومیہ'' میں قیومان اربعہ کے متعلق ملتے ہیں۔ ''مناقب الحضرات'' کا جو انداز فکر اور ''بنیادی نظریہ'' ہے' وہ ایک اقتباس سے ظاہر ہو جائے گا۔

> ''بعد از رحلت جہانگیر بادشاہ یک پسر وے بر تخت سلطانت نشست۔ محمد خرم شاہ جہاں پسر دیگر وے در دکن بود۔ حضرت خضرؑ نزد حضرت سیدنا و مولانا قدس آمد و گفت کہ این خدمت بر تو مقررہ شدہ و حضرت افضل المخلوقات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرا نزد تو فرستادہ اند کہ ہر کرا او تجویز کند' پادشاہ باشد۔ ایشاں متوجہ شدند مرضی مالک حقیقی جل شانہ' و رسول او صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شاہجہاں دیدند۔ بحضرت خضرؑ گفتند۔ کہ مرضی چنانست۔ وے گفت۔ موقوف بر تجویز تست۔ ایشاں شاہجہاں را مقرر کردند۔ و در پاسبانی میبودند۔ ظاہرا ہیچ آشنائی با او نداشتند''
>
> (مناقب آدمیہ۔ قلمی ورق ۲۰۲)

''حضرت سیدنا و مولانا قدس سرہ'' سے' جنہوں نے (مصنف کے بیان کے مطابق) شاہجہاں کو بادشاہ ''مقرر'' کیا۔ شیخ احمد بنوریؒ مراد ہیں' جنہیں شاہ جہاں نے سعد اللہ خاں اور ملا عبدالحکیم کے مشورے پر ایک طرح سے ملک بدر کیا اور مکہ معظمہ روانہ کر دیا۔

''مناقب الحضرات'' کے آخر میں اظہار احوال کا تفصیلی جواز پیش کیا گیا۔ بالجملہ مصنف کا نقطہ نظر ہے۔ ''اظہار احوال مناقب و افشائے نعم و فضل الٰہی سکراست و اخفائے او مکر'' اس عبارت اور بالخصوص آخری جملے سے اندازہ لگایئے کہ انداز خیال حضرت خواجہ باقی باللہ کے نقطہ نظر سے کتنی دور تھا!

''مناقب الحضرات'' جس کا پورا نام ہے ''مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ'' نہم محرم ۱۱۴۰ھ کو مکمل ہوئی۔ ''روضۃ القیومیہ'' اس کے بارہ سال بعد ۱۱۵۲ھ/ ۱۷۳۹ء میں یعنی جملہ نادری کے زمانے میں شروع ہوئی۔ لیکن اس کی تکمیل میں کئی سال لگے۔ دونوں کتابوں کے زمان تالیف اور موضوع سے خیال ہوتا ہے کہ شاید ''روضۃ القیومیہ'' اکابر سلسلہ آدمیہ کے مقابلے میں بزرگان سرہند کے تصرفات نمایاں کرنے کے لیے لکھی گئی۔

''روضۃ القیومیہ'' کے مؤلف خواجہ ابوالفیض کمال الدین محمد احسان کی نسبت ''حیات مجدد'' میں پروفیسر محمد فرمان لکھتے ہیں۔ ''مؤلف کے خلوص پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس خلوص نے غلو کر کے تصوف کی خدمت سے کہیں زیادہ اسے نقصان پہنچایا ہے۔'' (ص ۲۹۱) ہمیں اس سے اتفاق ہے۔ لیکن وہ پہلے صوفی تذکرہ نگار نہیں جن کے غلو سے نقصان زیادہ پہنچا ہے' فائدہ کم۔ یہ سلسلہ اس سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ شیخ عبدالحق محدث نے بھی حضرت مجددؒ کی زندگی میں ان کے بعض معتقدین کی غیر مستند حکایات کا ذکر کیا تھا۔ ''......گفت و گوئے مریدان ایشاں کہ در نقل اقوال و ذکر حکایات بے صرفہ و بے احتیاط''۔ (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۳۱۳)۔ ''روضۃ القیومیہ'' نے اس

Marfat.com

عمل کو انتہا تک پہنچا دیا۔ اس کا آغاز نہیں کیا۔

وحدت الشہود

خواجہ باقی باللہؒ کی آمد سے پہلے جو صوفی سلسلے ہندوستان میں برسر فروغ تھے وہ تمام کے تمام ایران اور ایران کی علمی سرحد عراق کی پیداوار تھے۔ قادریہ سلسلہ کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بغداد کے رہنے والے تھے۔ سہروردی سلسلہ سہرورد سے متعلق ہے جو بغداد سے چند میل کے فاصلے پر ایک قریہ تھا۔ چشت بھی خراسان کی ایک بستی ہے۔

ان تینوں سلسلوں میں جزوی اور فروعی اختلافات تھے لیکن ان کا روحانی پس منظر ایک تھا اور ان سب میں وہ عجمیت جو دور عباسیہ کو دور اموی سے اور بغداد کے متکلمین اور فلسفیوں کو مدینہ منورہ کے محدثین وفقہا سے منفرد کرتی ہے، موجود تھی۔ تینوں میں وہ ''صلح کل'' کا طریقہ مقبول تھا، جس کے تحت غیر مروجہ بلکہ غیر اسلامی طریقوں سے کلی پرہیز نہ کیا جاتا۔ تینوں میں شروع کے معاملے میں تھوڑی بہت آزادی تھی اور تینوں میں وحدت الوجود کا طریق رائج ہو گیا تھا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ جس سلسلے کو لے کر ہندوستان آئے وہ ایران نہیں توران کا تحفہ تھا اور ماوراء النہر[۴۹] کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ نقشبندیہ سلسلے میں شروع کی پابندی پر بڑا زور تھا۔ سماع کی ممانعت تھی۔ ذکر خفی کی تلقین تھی اور فرائض شرعی کو نوافل پر واضح ترجیح تھی۔

نقشبندیہ سلسلہ حضرت مجدد کے ظہور سے پہلے ہی کئی اہم امور میں قدیم صوفیہ سلسلوں سے ممتاز تھا اور شروع سے بہت قریب تھا۔ لیکن اس کا بنیادی فلسفہ دوسرے سلسلوں سے مختلف نہ تھا۔ جو فرق تھا وہ خواجگان بخارا و سمرقند کی آئین پسندی ڈسپلن اور شرعی جوش وخروش کی وجہ سے تھا اور ابھی تک کوئی ایسا صاحب فکر پیدا نہ ہوا تھا جو نقشبندیوں کو ایک ایسا فلسفہ دے دیتا جو اس معاملے میں بھی انہیں ایک امتیازی رنگ دے کہ ان کے خاص رجحانات کے لئے ایک فکری اساس کا کام دیتا۔ یہ کمی حضرت مجدد نے پوری کر دی۔ ان کے ظہور سے پہلے تمام صوفیوں میں ایک ہی فلسفہ رائج تھا۔[۵۰] ابن العربی کا فلسفہ وحدت الوجود۔ بیشک اس کے اخذ وقبول میں مراتب ومنازل تھے۔ بعض انتہا پسند صوفی تو وحدت الوجود میں اتنا غلو کرتے کہ وہ قریب قریب دائرہ اسلام سے باہر آ جاتے اور کئی دوسرے فقط اسی حد تک اختیار کرتے جس حد تک اسلام مانع نہ ہو۔ لیکن اب پہلی دفعہ ایک ایسا جداگانہ فلسفہ مدون ہوا جو فلسفہ وحدت الوجود کا مدمقابل ہو سکتا تھا۔ یہ فلسفہ وحدت الشہود تھا جو معنوی لحاظ سے وحدت الوجود کی ضد یعنی تثنیہ الوجود کا فلسفہ کہلا سکتا ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کا مسلک شروع میں وحدت الوجود کا تھا اور ''گلزار ابرار'' میں لکھا ہے کہ ان کے دہلوی جانشین مرزا حسام الدین احمد نے اسے جاری رکھا۔ لیکن حضرت مجدد لکھتے ہیں کہ آخری ایام میں خواجہ نے یہ مسلک ترک کر دیا تھا'' معرفت پناہی قبلہ گاہی حضرت خواجہ ما قدس اللہ تعالیٰ سرہ چندگاہ مشرب توحید وجودی داشتند و در رسائل ومکتوبات خود آں را اظہاری فرمودند اما آخر کار حق سبحانہ[۵۱] وتعالیٰ بکمال عنایت خویش ازاں مقام ترقی ارزانی فرمودہ بشاہراہ انداختہ از ضیق ایں معرفت خلاصی داد۔ میاں عبدالحق (محدث) کہ از مخلصان ایشانند۔ نقل کردند۔ کہ پیش از مرض موت بہ یک ہفتہ فرمودند کہ مرا عین الیقین معلوم شد کہ توحید کوچہ ایست تنگ۔ شاہراہ دیگر یست۔ پیش ازیں ہم میدانستم

Marfat.com

اما اکنوں یقین دیگر حاصل گشت۔ واین حقیر نیز کہ چند گاہ در حضرت ایشاں ایں مشرب توحید داشت ومقدمات کشفیہ درتائید ایں طریق بسیار لائح گشتہ۔ اما عنایت خداوندی جل سلطانہ ازاں مقام گزرانیدہ' بہ مقامے کہ خواست مشرف گردانیدہ۔''

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے دونوں فلسفے ذات باری اور مخلوقات کے تعلقات کو بیان کرتے ہیں اور ان کے مطالب کے لحاظ سے انہیں توحید عینی اور توحید ظلی بھی کہہ سکتے ہیں۔ تصوف کی ایک مشہور کتاب ''تذکرہ غوثیہ'' میں دونوں کا فرق اس طرح سمجھایا گیا ہے:

> ''وجود یعنی ہستی حقیقی واحد ہے لیکن ایک ظاہر وجود ہے اور ایک باطن۔ باطن وجود ایک نور ہے جو جملہ عالم کے لئے بمنزلہ ایک جان کے ہے۔ اسی نور باطن کا پرتو ظاہر وجود ہے جو ممکنات کی صورت میں نظر آتا ہے۔ ہر اسم وصفت وفعل کہ عالم ظاہر میں ہے' ان سب کی اصل وہی وصف باطن ہے اور حقیقت اس کثرت کی وہی وحدت صرف ہے۔ جیسے امواج کی حقیقت عین ذات دریا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جملہ افراد کائنات تجلیات حق ہیں۔ سبحان الذی خلق الاشیاء وھو عینھا اور اس کثرت اعتبار کا وجود اسی وحدت حقیقی سے ہے۔ الحق محسوس و الخلق معقول۔
>
> یہ خلاصہ وحدت الوجود کی تقریر کا ہے اور وحدت الشہود کا بیان یہ ہے کہ وجود کائنات اور ظہور آثار وصفات مختلفہ' واحد مطلق کی ذات وصفات کا ظلل وعکس ہے، جو عدم میں منعکس ہو رہا ہے اور یہ ظل عین صاحب ظل نہیں ہے بلکہ محض ایک مثال ہے۔''

مندرجہ بالا تشریح دیکھ کر شاید بعض بزرگ کہیں کہ ان دونوں فلسفوں میں تو کوئی خاص بُعد نہیں (اور سچ یہ ہے کہ ان مسائل پر فلسفہ اور تصوف کی بھول بھلیاں دیکھ کر بار بار اس ذات حکیم کا فرمان یاد آتا ہے کہ اس ذات اور صفات کے جھگڑوں میں نہ پڑو) لیکن فی الواقعہ یہ دونوں نظریے دو مختلف بلکہ متضاد نفسیاتی رجحانات کے ترجمان ہیں۔ نواب سر احمد حسین نظام جنگ بہادر نے اپنی کتاب ''فلسفہء فقراء'' میں ان دونوں کے فرق کو ایک نقشے کی مدد سے نمایاں کیا ہے:

وحدت الوجود (ہوالکل)	وحدت الشہود: (ہوالہادی)
نظریہ: ہمہ اوست یا اندر ہمہ اوست	نظریہ: ہمہ از اوست
رجحان تصوف۔ سکون کی طرف مائل۔	رجحان تصوف: جوش کی طرف مائل۔
میں اور وہ جدا نہیں (وہ دریا تو میں قطرہ ہوں)	اس کے ساتھ میں اور میرے ساتھ وہ ہے۔
وصل	عشق
اعتقاد۔ میں کون؟ انا الحق (عارف)	اعتقاد۔ میں کون؟ انا عبدہ' (عاشق)

علامہ اقبال نے ایک خط خواجہ حسن نظامی کو لکھا تھا:

''حضرت امام ربانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ گسستن اچھا ہے یا پیوستن؟ میرے نزدیک گسستن عین اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے...... آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ نے مجھے سرّ الوصال کا خطاب دیا تھا، تو میں نے آپ کو کہا تھا کہ مجھے سر الفراق کہا جائے۔ اس وقت بھی میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا' جو مجدد الف ثانی نے کیا ہے۔''

اقبال نے سرّ الفراق کے جس خطاب کی خواہش کی تھی' حضرت مجدد الف ثانیؒ اس سے بھی زیادہ مستحق ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ابن العربی کو سر الوصال اور حضرت مجدد کو سر الفراق کہا جائے تو ان کے فلسفوں اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا امتیاز بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ وحدت الوجود کا قائل ہونے کی وجہ سے شیخ ابن العربی کا دوسرا مذہبوں کی نسبت جو طرز عمل ہو گیا' اسے انہوں نے چند عربی اشعار میں بڑی وضاحت سے نظم کیا ہے۔ (ترجمہ)

''آج کے دن سے پہلے میرا یہ حال تھا کہ جس ساتھی کا دین مجھ سے نہ ملتا میں اس کا انکار کرتا اور اسے اجنبی سمجھتا۔

لیکن اب میرا دل ہر صورت کو قبول کرتا ہے۔ وہ اب ایک چراگاہ بن گیا ہے۔ غزالوں کی۔ اور دیر ہے راہبوں کا۔ اور آتش پرستوں کے لئے اور کعبہ ہے حاجیوں کے لئے اور الواح ہے تو رات کی اور صحیفہ ہے قرآن کا۔

میں اب مذہب عشق کا پرستار ہوں۔ عشق کا قافلہ' جدھر بھی چاہے' مجھے لے جائے۔ میرا دین بھی عشق ہے' میرا امان بھی عشق ہے۔''

برخلاف اس کے حضرت مجدد کا دوسرے مذاہب کی نسبت جو خیال تھا' اس کا اندازہ اس مکتوب سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے ایک ہندو ہردے رام کو لکھا اور جس میں رام اور رحمان کو ایک سمجھنے کی بڑی خفگی سے تردید کی تھی۔

مندرجہ بالا سطور سے حضرت مجدد کے روحانی اسلوب خیال کا اندازہ ہوتا ہے اور تاریخ تصوف میں ان کی منفردانہ حیثیت سمجھی جا سکتی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باوجود ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ یا ان میں سے اگر ایک حق پر ہے تو دوسرا ضرور باطل ہوگا۔

یہ دونوں رجحانات مختلف اور متضاد ہیں' لیکن حالات کے مطابق مختلف رجحانات برسرکار آتے ہیں اور جداگانہ حالات میں جداگانہ رجحانات ہی مفید ہوتے ہیں۔ ایک انگریزی مقولہ ہے:۔

"There is a season and time for every purpose under heaven,
a time to love and time to hate."

دنیا کی ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی وقت ہوتا ہے۔
کوئی وقت محبت کرنے کا ہوتا ہے اور کوئی وقت نفرت کا۔

یعنی کسی وقت سر الوصال کی رہنمائی مفید ہوتی ہے اور کسی وقت سر الفراق کی یا تصوف کی اصطلاح میں یوں سمجھیے کہ کوئی وقت شان جمالی کا ہوتا ہے' کوئی وقت شان جلالی کا۔

یہی وجہ ہے کہ امام الہند شاہ ولی اللہ نے جو ہمارے سب سے متوازن مزاج اور معاملہ فہم عالم ہوتے ہیں، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی اور اسماعیل آفندی کے نام ایک طویل عربی خط میں (جواب مع اردو ترجمہ کے ''فیصلہ وحدت الوجود والشہود'' کے نام سے چھپا ہے) شیخ اکبر اور شیخ مجدد کے خیالات کی تطبیق کی۔ شاہ صاحب نے دیکھا ہوگا کہ ایک اصول ہے اخذ و انجذاب کا اور دوسرا فلسفہ ہے تطہیر و تزکیہ کا۔ ایک کے پیرو مشابہتوں اور یکرنگیوں کو دیکھتے ہیں اور دوسروں کی نظر اختلافات پر پڑتی ہے۔ ابن العربی' رومی' غزالی اور داراشکوہ عیسائی' نو افلاطونی اور ہندو فلسفوں اور طریقوں کو کھنگالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں کونسی چیز اچھی ہے اور اخذ کی جا سکتی ہے' لیکن ابن تیمیہ' ابن عبدالوہاب' مجدد الف ثانی' اقبال اور اورنگزیب ان چیزوں کو اسلام کی کسوٹی پر کستے ہیں۔ تاکہ جو چیز شرعی معیار پر پوری نہ اترے' اسے رد کر دیا جائے۔ اگر پہلا گروہ نہ ہو تو خیالات اور فلسفہ کی نشوونما ختم ہو جائے۔ دماغ ایک محدود اور تنگ و تاریک دائرے سے باہر نہ نکلے اور خیالات میں وسعت اور لچک نہ رہے۔ اگر دوسرا گروہ اپنا کام بند کر دے تو ہر رطب و یابس' بلکہ ملحدانہ اور مضر خیالات قبول کر لئے جائیں اور قوم کا نہ صرف شرعی' بلکہ فکری اور روحانی نظام درہم برہم ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں دونوں اصول کارفرما رہے ہیں۔ وحدت الوجودیوں اور حق کو ہر گوشے میں تلاش کرنے والوں نے دوسری قوموں اور دوسرے طریقوں سے استفادہ کیا اور ان کے قابل اخذ خیالات کو اسلام میں داخل کیا' لیکن جب اس طرح بعض مضر خیالات اور شعائر بھی رائج ہو گئے اور باہر کے عناصر قومی تخیل پر اس طرح چھا گئے کہ اصل اسلامی احکام نظر سے اوجھل ہونے شروع ہوئے تو ابن تیمیہ، ابن عبدالوہاب، حضرت مجدد اور اقبال نے اپنا کام شروع کیا اور اسلام کو غیر اسلامی عناصر سے پاک صاف کرنے کی کوشش کی۔

ظاہری نقطۂ نظر سے تو دوسری کوششیں شرع کی پابند اور اسلام کے لئے زیادہ مفید معلوم ہوتی ہیں' لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام کی روح کے لئے پہلی کوششیں اسی قدر ضروری نہیں؟ اسلام تو وہ مذہب ہے جس نے سابق کے تمام پیغمبروں اور ان کے مذہبوں کو سچا تسلیم کیا ہے اور ان کی نیک اور مفید باتیں اخذ کر لی ہیں۔ کیا یہ امر اسلام کی عین روح کے مطابق نہیں کہ اخذ و انجذاب کا یہ اصول جاری رہے اور جو باتیں اسلام کے بنیادی اصولوں کے متناقض نہیں' ان میں وسیع النظری سے کام لیا جائے اور حقیقت کو ہر گوشے میں تلاش کیا جائے؟

حضرت مجدد اسی زمانے میں پیدا ہوئے' جب ہندو احیائیت اور اکبر و ابوالفضل کی مصلحت کوشیوں سے اسلام کے لئے ایک عظیم خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور اسلامی معاشرے کو بچانے کے لئے سر الفراق کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ امر قابل ذکر ہے کہ انہوں نے وحدت الوجود کی بالکل نفی نہیں کی۔ بلکہ اسے 'وحدت الشہود' سے نچلے درجے پر ایک صوفیانہ مقام ظاہر کیا ہے۔

Marfat.com

حضرت مجدد اور شیخ ابن العربی

حضرت مجدد نے بعض جگہ شیخ ابن العربی کی کتابوں کے خلاف ایسی ادیبانہ شان سے اور ناقابل فراموش الفاظ میں (مارا بہ نص کار است' نہ بہ فص ۔ مارا فتوحات مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است) اظہار خیال کیا ہے اور ان کا فلسفہ وحدت الشہودؒ اس طرح فلسفہ وحدت الوجود کے مخالف سمجھا جاتا ہے کہ شیخ کے متعلق حضرت مجدد کے نقطہ نظر کو ذرا وضاحت سے بیان کرنا مفید ہوگا۔

ہم حضرت مجددؒ کے والد مخدوم عبدالاحدؒ کا ذکر کرتے ہوئے لکھ چکے ہیں کہ وہ وحدت الوجودی خیالات کے تھے اور حضرت مجددؒ کا بیان بھی نقل کر چکے ہیں کہ ابن الفقیہہ نصف الفقیہہ ۔ ان کے بھی یہی خیالات ہو گئے اور ایک مدت تک ان پر توحیدی رنگ غالب رہا۔ اس کے بعد ان پر وحدت الشہود منکشف ہوئی اور انہوں نے شیخ ابن عربی سے اپنے اختلاف کا اظہار زور دار طریقے سے کیا لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ کلیتاً شیخ کے منکر تھے۔ ''زبدۃ المقامات'' میں خواجہ ہاشم کشمی جو آخری سالوں میں کافی عرصہ ان کے ساتھ رہے' لکھتے ہیں۔ ''......شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ رابس بزرگ مے دانستند و نیک یاد مے کردند''۔ (زبدۃ المقامات) فی الحقیقت شیخ کی نسبت ان کا نقطہ نظر بڑا پیچ در پیچ تھا۔ بعض باتوں میں انہیں ان سے اختلاف تھا اور بعض میں اشتراک رائے' لیکن شیخ کی عظمت اور پاکیزگی پر وہ بڑا زور دیتے تھے۔ شیخ کے متعلق حضرت مجدد نے اظہار خیال کئی جگہ کیا ہے۔ آخری ایام کا ایک خط (دفتر سوم ۷۹) صاحبزادہ محمد معصوم کے نام ہے۔ اس میں شیخ ابن العربی کی نسبت کہتے ہیں:

''دریں عرصہ شیخ ست قدس سرہ' کہ گاہے باوے جنگ است وگاہے صلح''

آگے چل کر لکھتے ہیں۔ (ترجمہ)

''ہم پسماندوں نے بھی اس بزرگ کی برکات سے استفادہ کیا ہے اور اس کے علوم و معارف سے بہت فائدے حاصل کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے۔ لیکن چونکہ بشریت کے مطابق خطا و صواب ایک دوسرے کے ساتھ ملا جلا ہے اور انسان احکام میں کبھی خطا پر ہے اور کبھی صواب پر۔ اس لئے اہل حق کے سواد اعظم کے احکام کی موافقت کو صواب کا مصداق اور ان کی مخالفت کو خطا کی دلیل سمجھنا چاہئے۔ کہنے والا خواہ کوئی ہو اور خواہ کوئی کلام ہو۔''

اسی زمانے کے ایک اور خط میں شیخ کی بعض شطحیات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

''عجب معاملہ ہے کہ شیخ باوجود اس گفتگو اور ان خلاف جواز اور مخالف شطحیات کے' مقبولوں میں سے نظر آتا ہے اور اولیاء کے زمرہ میں گنا جاتا ہے...... شیخ کو قبول کرنا چاہیے اور ان کی مخالف باتوں کو قبول نہ کرنا چاہیے۔'' (دفتر سوم نمبر ۷۷)

حضرت مجددؒ نے وضاحت کی ہے کہ توحید وجودی کے متعلق ان کا اپنا نقطہ نظر علماء کا نہ تھا:

''علما کا خلاف مشائخ کے ساتھ مسئلہ توحید وغیرہ امور خلافیہ میں نظر واستدلال کی وجہ سے ہے اور فقیر کا خلاف ان کے ساتھ ان امور میں کشف وشہود کی راہ سے ہے۔

علما ان امور کی قباحت کے قائل ہیں اور فقیر بشرط عبور ان کے حسن کا'' (دفتر دوم۔۴۲)

دفتر دوم کا پہلا مکتوب سارے کا سارا شیخ ابن العربی کے خیالات کے متعلق ہے۔اس ضمن میں شیخ کی بڑی تعریف کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''پس شیخ برہان متقدمان ایں طائفہ آمدہ وحجت متاخران ایشان گشتہ۔معذالک دقائق کثیرہ دریں مسئلہ مختفی ماندہ است واسرار غامضہ' ظہور نیامدہ کو فقیر باظہار آں توفیق یافتہ است و بہ تحریر آں مبشر گشتہ۔''

حضرت مجدد نے شیخ ابن العربی کی بعض باتوں کی تردید کی۔ (مثلاً جہاں وہ اپنے آپ کو ختم ولایت محمدؐیہ بتا کر یہ کہتے ہیں کہ بعض علوم ختم النبوت نے ختم الولایت سے اخذ کیے۔ معاذ اللہ) اور اصولی طور پر بھی وہ اس بات پر اصرار کرتے تھے کہ ہر بات کو مخبر صادقؐ کے ارشادات کی روشنی میں پرکھنا چاہئے۔'' کہنے والا خواہ کوئی ہو اور خواہ کوئی کلام ہو'' (کاش ان کے اپنے پرُ جوش معتقدان اس اصول کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کریں) لیکن جیسا کہ (دفتر دوم مکتوب اول کی) مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے۔وہ اپنے آپ کو شیخ ابن العربی کے کام کو آگے بڑھانے والا اور اس کی تکمیل کرنے والا سمجھتے تھے۔صاحبزادہ محمد معصوم کے نام کے مکتوب کے آخر میں' اگرچہ صراحت اسی نہیں' لیکن مفہوم قریباً یہی ہے۔توحید وجودی کے متعلق' جو ان کے اور شیخ کے درمیان سب سے بڑی وجہ اختلاف سمجھی جاتی ہے، انہوں نے بالصراحت کہا کہ ''بشرط عبور'' وہ اس کے حسن کے قائل ہیں۔ان کی توحید شہودی شیخ کی توحید وجودی کی ضد نہیں' بلکہ اس سے اگلی منزل ہے۔اسی طرح ابن العربی کے نظام باطنی کا مسئلہ ہے۔حضرت مجددؒ نے نہ صرف اسے قبول کیا' بلکہ اسے ترقی دی اور طریقہ مجددیہ کا قیوم' شیخ ابن العربی کے قطب کی ارتقائی صورت ہے۔

جارحانہ ہندو احیائیت اور حضرت مجددؒ کا ردِ عمل

حضرت مجدد کی ایک نمایاں خصوصیت ان کا غیر مسلموں کے متعلق نقطہ نظر ہے۔ان سے پہلے ہندوستان میں بزرگان اہل طریقت نے غیر مسلموں کے ساتھ سخت اور شدت کی تلقین نہیں کی۔ مسلمان بادشاہوں کا ملکی اور فوجی مصلحتوں کی بنا پر ان سے خواہ کیا سلوک ہو اور فقہا اور علما ان کے متعلق خواہ کچھ ہی فتوے دیں' لیکن حضرات صوفیہ نے ان کے خلاف غیظ وغضب کا اظہار نہیں کیا۔حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ کو (بعض روایات کے مطابق) ایک ہندو راجا نے تکلیفیں دیں۔انہوں نے اس کے حق میں بددعا بھی کی۔لیکن عام ہندوؤں کے خلاف جوش اور غصے کا اظہار ان کے ارشادات میں نہیں ملتا اور خواجہ بزرگؒ کے معتقدین میں ہندو بھی شامل تھے۔شہزادہ

Marfat.com

داراشکوہ آپ کی نسبت ''سفینۃ الاولیا'' میں لکھتا ہے:

''وجمع کثرئی از کفار بہ برکت قدوم ایشاں مسلمان شدند و جماعت کہ مسلمان نشدہ بودند' فتوح و دینار بے حد بخدمت ایشاں می فرستادند و ہنوز کفارے کہ دراں نواحی اند۔ بہ زیارت ایشاں می آیند۔ و مبلغہا بہ مجاوران روضہ منورہ ہی گزرانند''۔

رائے بہادر پنڈت ہربلاس سارداحضرت خواجہ کی نسبت اپنی انگریزی تصنیف ''اجمیر'' میں لکھتے ہیں:

''انہوں نے کبھی کسی کو تنگ کرنے کا مشورہ نہیں دیا اور خدا کی تمام مخلوقات کی نسبت ان کا نقطہ نظر صلح جوئی اور خیر خواہی کا تھا۔'' (ترجمہ)

حضرت خواجہ کے علاوہ جن دوسرے بزرگوں نے ہندوستان میں اشاعت اسلام کی' ان کے حالات اور ارشادات بھی کسی غصے کے جذبے سے عاری ہیں۔ حضرت مجدد کا نقطہ نظر اس سے بہت مختلف تھا۔ ان کے خطوط میں غیر مسلموں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کثرت سے ہوا ہے اور انہیں ذلیل کرنے کی جا بجا تلقین ہے۔ اس نئے زاویہ نگاہ کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ حضرت مجدد نے وہ زمانہ دیکھا تھا؟ جب مسلمان ایک مسلمان بادشاہ کے عہد حکومت میں احکام اسلامی جاری کرنے سے عاجز تھے۔

''در قرون ماضی کفار برملا طریق استیلا اجرائے احکام کفر در دارالاسلام می کردند و مسلمانان از اظہار احکام[43] اسلام عاجز بودند واگرمی کردند تقبل می رسیدند۔ وا ویلا' وامصیبتا' واحسرتا' واحزنا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است۔ مصدقان او ذلیل و خوار بودند و منکران او بعزت بودند و معاندان بسخریہ واستہزا بر جراحت ہائے ایشاں نمک پاشیدند''۔

حضرت مجدد کے حساس دل پر ان واقعات کا بڑا اثر ہوا اور نہ صرف اکبر کے خلاف' بلکہ غیر مسلموں کے متعلق بھی ان کے دل میں غصے اور انتقام کے جذبات پیدا ہو گئے۔ لیکن اصل وجہ یہ تھی کہ اگرچہ درباری مورخوں نے جنگوں اور جشنوں کی داستانوں سے حقیقت حال پر پردہ ڈال رکھا ہے' جیسا کہ ہم آگے چل کر تفصیلات دیں گے۔
اس وقت ہندوؤں میں احیائے مذہب کی تحریک زوروں پر تھی اور اطراف ملک میں اس کے جو مظاہرے ہوئے تھے' ان سے باغیرت مسلمانوں کے دل مجروح ہوتے تھے۔ حضرت کو ان واقعات کا بڑا قلق تھا اور ان کے دل میں انتقام اور غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ شاید اس میں نہ صرف اس زمانے کے حالات کو' بلکہ حضرت مجدد کی اپنی حساس اور پُر جوش طبیعت (رگ فاروقیم) کو بھی دخل تھا۔ وہ خود ایک خط میں شیخ فرید کو لکھتے ہیں:

''ہر کسے را در دل تمنائے امریست از امور۔ و تمنائے ایں فقیر شدت نمودن است' بدشمنان خدا و دشمنان پیغمبر و اہانت رسانیدن بایں بے دولتاں و خوار داشتن ایشاں و بہ یقین میداند کہ ہیچ عملے نزدحق عمل مرضی تر نیست۔''

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فرید اس انتہائی نقطہ نظر کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ حضرت مجدد بار بار انہیں خطوں میں غیر مسلموں کو اپنی مجلس میں جگہ نہ دینے اور اگر آئیں تو ذلیل رکھنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''پس اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی خواری میں ہے۔ جس نے اہل کفر کو عزیز رکھا اس نے اہل اسلام کو خوار کیا۔ ان کے عزیز رکھنے سے فقط تعظیم کرنا اور بلند بٹھانا ہی مراد نہیں۔ بلکہ اپنی مجلسوں میں جگہ دینا اور ان کی ہم نشینی کرنا اور ان کے ساتھ گفتگو کرنا سب اعزاز میں داخل ہے۔ کتوں کی طرح ان کو دور کرنا چاہیے[44] اور اگر دنیاوی غرض ان کے متعلق ہو' جو ان کے بغیر حاصل نہ ہوتی ہو تو پھر بھی بے اعتباری کے طریق کو مدنظر رکھ کر بقدر ضرورت ان کے ساتھ میل جول رکھنا چاہئے اور کمال اسلام تو یہ ہے کہ اس دنیاوی غرض سے بھی درگزر کریں اور ان کی طرف نہ جائیں۔'' (ترجمہ)

غیر مسلموں کے متعلق عام صوفیہ اور حضرت مجدد کے نقطہ نظر میں جو اختلاف تھا' اس کا کچھ اندازہ سکھ رہنماؤں کے متعلق ان کے زاویہ نگار سے ہوسکتا ہے۔

حضرت میاں میر کی معاصر سکھ گرو سے دوستی تھی اور سکھ روایات کے مطابق امرتسر کے مشہور تالاب کا سنگ بنیاد حضرت میاں میر سے رکھوایا گیا۔ لیکن جب گرو ارجن دیو کی (شہزادہ خسرو کی سرپرستی کی وجہ سے) جہانگیر کے ساتھ (اور بعض نجی معاملات کی بنا پر) لاہور کے دیوان چندو لال سے کشمکش ہوئی اور اس کشمکش میں اس کی موت واقع ہوئی تو حضرت مجدد نے شیخ فرید کے نام ایک خط میں اس پر بڑی خوشی کا اظہار کیا:

> ''دریں وقت کشتن کافر لعین گوبندوال۔ بسیار خوب واقع شد۔ و باعث شکست عظیم بر ہنود مردود گشت۔ بہر نیت کہ کشتہ باشد' و بہر غرض کہ ہلاک کردہ' خواری کفار نقد وقت اہل اسلام است۔''

غیر مسلموں کے متعلق عام صوفیہ اور حضرت مجدد کے نقطہ نظر میں جو فرق تھا' اس کی بنیادی وجہ وہی تھی' جس کا ہم ذکر کر چکے۔ یعنی ہندو احیائیت کی تحریک جو بسا اوقات دارالسلطنت یا بڑے اسلامی شہروں مثلاً لاہور سے دور (اور بالخصوص ہندوؤں کے مقدس مقامات کے گردونواح میں) بڑی خطرناک صورت اختیار کر لیتی تھی۔ عہد اکبری میں متھرا کے ایک برہمن نے مسجد کی اینٹ پتھر کو ایک مندر کی تعمیر میں جس طرح استعمال کیا اور مسلمان مالک کی مزاحمت پر رسول اکرم کی شان میں گستاخی کی' اس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اس واقعے کا بیان صفحات تاریخ میں اس لئے آ جاتا ہے کہ اس برہمن کو سزائے قتل دینے پر اکبر کے دربار میں بڑا ہنگامہ ہوا تھا۔ ہندوؤں کی سینہ زوری کے اور بھی کئی واقعات اطراف ملک میں ہو رہے تھے' لیکن درباری مؤرخین یا تو ان سے باخبر نہ تھے یا انہیں درج کتاب کرنا اپنے ممدوح بادشاہوں کی شان کے منافی سمجھتے تھے۔ حضرت مجدد کے مکتوبات میں ان کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک جگہ تھانیسر میں ایک ایسے واقعہ کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ تھانیسر میں

Marfat.com

حوض کرکھیت (کوروکشیتر) کے درمیان ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا۔ اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا ہے۔" (دفتر دوم مکتوب نمبر ۹۲)

اسی خط میں وہ آگے چل کر مسلمانوں کی مشکلات کی اور مثالی دیتے ہیں (جو ہندو علاقوں میں دیہی اور کاروباری نظام ہندوؤں کے ہاتھ میں ہونے سے پیدا ہوتی تھیں۔)

"نیز کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجالا رہے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے جاری کرنے میں عاجز ہیں ایکادشی کے دن ہندو کھانا ترک کر دیتے ہیں۔ بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان اس دن روٹی نہ پکائے اور نہ بیچے اور ماہ مبارک رمضان میں برملا نان و طعام پکاتے اور بیچتے ہیں۔ مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث کوئی روک نہیں سکتا۔

ہائے افسوس! بادشاہ وقت ہم میں سے ہو اور پھر ہم فقیروں کا اس طرح خستہ و خراب حال ہو۔"

یہ حالت تو شاہی علاقے کے قصبات و دیہات میں تھی جہاں (مثلاً مشرقی پنجاب کے پہاڑی علاقے میں) ہندو ریاستیں ابھی قائم تھیں۔ وہاں قریب کی مسلمان آبادیوں پر گاہے گاہے حملے اور بڑے مظالم برپا ہوتے۔ حضرت مجددؒ ایک خط میں خواجہ شرف الدین حسین کو لکھتے ہیں:

"تم کو معلوم ہوگا کہ ان ہی دنوں میں دارالحرب کے کفار نے نگرکوٹ کے گردونواح میں مسلمانوں اور مسلمانوں کے شہروں پر کیا کیا ظلم وستم کئے ہیں اور کیسی اہانت کی ہے۔"
(دفتر دوم مکتوب نمبر ۶۹)

سرہند کا مقام وقوع ایسا تھا کہ اس کے ایک طرف ہندوؤں کا مذہبی مرکز تھانیسر تھا۔ دوسری طرف گووندوال جہاں ان دنوں گورو ارجن کا قیام تھا اور سکھ قوم کی نئی تنظیم ہو رہی تھی، جس میں جیسا کہ "تزک جہانگیری" سے پتا چلتا ہے بعض مسلمان بھی جذب ہو رہے تھے۔ تیسری طرف پرانا تیرتھ نگرکوٹ تھا۔ یہ سب ہندو سکھ احیائیت کے مرکز تھے۔ بیچ میں سرہند تھا۔ اس لئے حضرت مجدد کو ہندوؤں کی جارحانہ سرگرمیوں سے واقف ہونے کے وہ سامان میسر تھے جو دارالسلطنت میں رہنے والوں (حتیٰ کہ بدایونی) کو بھی حاصل نہ تھے۔

اس کے علاوہ انہوں نے اپنے خسر (حاجی سلطان تھانیسری) کی زندگی (اور موت) میں (تھانیسر کے ہندوؤں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے) جو کچھ دیکھا، وہ ایک الگ درس عبرت تھا۔

حضرت مجدد کے گردوپیش جب اس طرح کے واقعات پیش آ رہے تھے تو چنداں جائے تعجب نہیں کہ غیر مسلموں کی نسبت ان کا زاویہ نگاہ عام صوفیہ سے بالکل مختلف تھا۔

حضرت مجدد کا غیر مسلموں کے متعلق جو خاص نقطہ نظر تھا اور جو فی الحقیقت ہندوؤں کی جارحانہ احیا کی تحریک کے خلاف ردعمل تھا' اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ اکبر کے زمانے سے ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لئے جو مصالحانہ کوششیں ہوئی تھیں' ان کی مخالفت شروع ہوئی۔ اکبر کے زمانے میں جزیہ موقوف ہوا تھا اور ذبح بقر پر پابندیاں لگائی گئیں۔

Marfat.com

حضرت مجدد کو یہ دونوں باتیں ناگوار تھیں اور ان کی بڑی خواہش تھی کہ جزیہ نئے سرے سے لگایا جائے اور ذبح بقر عام طور پر رائج ہو۔ اس کی کوشش انہوں نے جہانگیر کی تخت نشینی کے فوراً بعد شروع کی۔ کئی خطوں میں اس بات کا افسوس کیا ہے کہ ہندوؤں سے جزیہ لینا برطرف کر دیا گیا ہے۔ ایک خط میں شیخ فرید کو لکھتے ہیں۔ ''جزیہ از اہل کفر[45] کہ در ہندوستان برطرف شدہ است۔''

اختلافات کا حل

حضرت مجدد نے ہندوؤں کی جارحانہ احیائیت کا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ وہ ان کوششوں کے بھی خلاف تھے جو اسلام اور ہندومت کے امزاج کے متعلق بعض ہندو اور مسلمان پسند کرتے تھے۔ دفتر اوّل میں ایک خط ایک ہندو ہردے رام کے نام ہے' جس نے حضرت مجدد کے نام دو خطوں میں فقرا و صوفیہ سے محبت کا اظہار کیا تھا اور لکھا تھا کہ رام اور رحمان حقیقت میں ایک ہیں۔ حضرت مجدد کو اس طرز استدلال میں خطرہ نظر آتا تھا۔ انہوں نے ایک پُرزور خط میں مکتوب نگار کے نقطہ نظر کی تردید کی اور لکھا۔ ''رام اور رحمان کو ایک جاننا بڑی بے وقوفی ہے۔ خالق مخلوق کے ساتھ ایک نہیں ہوتا اور چوں بے چوں کے ساتھ متحد نہیں ہوتا۔''

غیر مسلموں کی نسبت حضرت مجدد کا انداز بیان عام صوفیہ سے مختلف تھا۔ لیکن ان کا نقطہ نظر محض منفیانہ نہ تھا۔ انہوں نے حالات کے تحت بعض جگہ بڑے سخت الفاظ استعمال کئے' لیکن ہندو مسلم مسئلے کا انہوں نے ایک حل بھی پیش کیا اور شاید کشیدگی کو دور کرنے اور ملک میں ایک خوشگوار فضا پیدا کرنے کے لئے سب سے کارآمد طریق کار وہی تھا۔ ان کی نگہ تیز بین نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلافات اتنے بنیادی ہیں کہ دین الٰہی کا ملغوبہ بنا کر' یا رام اور رحمان کو ایک کہہ کر انہیں جوڑا نہیں جا سکتا۔ یہ ایک سعی لاحاصل ہے۔ یا خرابیوں کا پیش خیمہ اور بہرکیف اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک خطرہ عظیم ہے۔ باہمی امن و امان کی خاطر اور ہندوستان کے خاص حالات کے لئے' زیادہ سے زیادہ وہ جس بات کو گوارا کر سکتے تھے' وہ یہ تھی۔ ''مسلمان بر دین خود باشند و کفار بر کیش خود۔ (آیہ کریمہ) لکم دینکم ولی دین بیان این معنی است'' (مکتوبات) یعنی امتزاج یا اتحاد (Integration) نہیں، رواداری (Co-existence)۔ اور کیا یہ طریقہ کار حالات کا واحد قابل عمل ہونے کے علاوہ منصفانہ نہ تھا؟

ہندوؤں کے متعلق حضرت مجدد نے بسا اوقات اظہار خیال بڑی تلخی اور غیظ و غضب سے کیا اور بہرکیف ان کا انداز فکر اور اسلوب اظہار ان صوفیہ سے بالکل مختلف تھا' جنہیں ہندو احیائیت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ لیکن ہندو مسلم اختلافات کے متعلق تاریخ نے ان کے نقطہ نظر کی تائید کی۔ ہندو مسلم اتحاد کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ انگریزی عہد میں اختلافات اور بڑھ گئے اور برصغیر کو بھارت اور پاکستان میں تقسیم کرنا پڑا۔ شاید ان ملکوں کے رہنما اور بیرونی خیر خواہ بھی کبھی سرہند کے اس ''مرد آخر بین'' کی رائے تسلیم کر لیں کہ ان دونوں کے درمیان امن اور سلامتی کا راستہ اتحاد نہیں' بلکہ ہمسایانہ رواداری (Neighbourly co-existence) ہے۔

Marfat.com

مکتوباتِ امام ربّانی

ہندوستان میں تصوف کی تھوڑی کتابوں کو وہ قدر و منزلت میسر آئی ہے، جو مکتوبات امام ربانی کو نصیب ہے۔ حضرت سرہندی کی زندگی ہی میں ان کی نقلیں، ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دوسرے ملکوں میں پھیل گئی تھیں اور آج بھی ان کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

> ''تصوف اسلام کے ذخیرہ میں سب سے زیادہ اثر میرے اوپر دو ہی کتابوں کا پڑا ہے۔ نمبر اول پر مثنوی ہے، جس نے دہریت و الحاد سے کھینچ کر مجھے اسلام کی راہ دکھائی۔ اس اجمال کے بعد ضرورت تفصیل کی تھی۔ یعنی اسلام کے اندر عقائد و اعمال میں متعین راہ کون سی اختیار کی جائے۔ اس باب میں شمع ہدایت کا کام مکتوبات ہی نے دیا۔''

مکتوباتِ امام ربانی حضرت مجدد کی زندگی میں ہی مرتب ہو گئے تھے۔ ان کی تین جلدیں ہیں۔ دفتر اول، جسے دُرّ المعرفت بھی کہتے ہیں۔ ۳۱۳ خطوط پر مشتمل ہے۔ اسے خواجہ یار محمد بدخشی نے ۱۶۱۶ء میں یعنی محبوسی سے تین سال پہلے ترتیب دیا ہے۔ یہ مجموعہ سب سے مفصل ہے اور اس میں کئی سالوں کے خطوط جمع ہیں۔ پہلے بیس خطوط وہ ہیں، جو حضرت سرہندی نے اپنے پیر و مرشد خواجہ باقی باللہ کو لکھے۔ پھر متعدد خطوط شیخ فرید اور دوسرے امرائے جہانگیری کے نام ہیں، جن میں انہیں تلقین کی گئی ہے کہ وہ نئے بادشاہ کے زمانے میں ترویج دین کی کوشش کریں۔ باقی خطوط میں سوالوں کے جواب ہیں۔ یا علمی اور مذہبی مسائل کی توضیح ہے۔ چونکہ اس زمانے میں ان کے مکتوب یازدہم پر (جس میں انہوں نے اپنے عروج کا ذکر کیا تھا) اعتراضات شروع ہو گئے تھے۔ اس لئے اس جلد کے آخر میں کئی خطوط اپنے معترضوں کی تسکین کے لئے لکھے گئے۔ ایک چالیس صفحے کا خط اپنے مرشد زادوں کے نام ہے، جس میں اہلسنت و الجماعت کے عقائد بیان کئے ہیں۔ دفتر اول کے آخر میں جواں مرگ صاحبزادہ خواجہ محمد صادقؒ کے وہ تین خطوط درج ہیں، جو انہوں نے اپنے والد ماجدؒ کی خدمت میں ارسال کئے۔

دفتر دوم، جس کا تاریخی نام نور الخلائق ہے، ۱۶۱۹ء میں یعنی واقعہ قید سے ذرا پہلے مرتب ہوا۔ اسے خواجہ عبدالحی نے خواجہ محمد معصوم کے ایما پر جمع کیا۔ اس میں خطوط تھوڑے ہیں۔ فقط ننانوے، لیکن ان میں سے بعض بڑے طویل اور مفصل ہیں۔ ایک خط بیس صفحے سے زیادہ خواجہ محمد تقی کے نام ہے، جس میں اہل سنت اور شیعوں کے خیالات سے بڑی مدلل بحث کی ہے اور اپنے نقطہ نظر کی توضیح کی ہے۔ ایک پندرہ صفحے کا خط خان جہان کے نام ہے۔ اس میں اسلامی عقائد کو تفصیل سے منضبط کیا ہے۔ چند ایک خط اپنے مرشد زادوں کے متعلق ہیں۔ باقی خطوط میں بیشتر مسائل صوفیہ کی توضیح ہے۔

دفترِ سوم موسوم بہ معرفت الحقائق کی ترتیب میر محمد نعمانؒ نے شروع کی۔ لیکن انہوں نے فقط تیس کے قریب مکاتیب جمع کئے تھے۔ باقی کو خواجہ محمد ہاشم کشمی برہانپوری نے ۱۶۲۲ء میں یعنی حضرت مجدد کی وفات سے تین سال پیشتر نقل کرنا شروع کیا۔ پہلے اس میں ۱۴ خطوط تھے۔ خواجہ محمد ہاشم ''زبدۃ المقامات'' میں لکھتے ہیں کہ دفتر سوم ۱۱۴ مکاتیب پر

Marfat.com

ختم کر دیا گیا اور دفتر چہارم شروع ہوا' لیکن ابھی چودہ مکاتیب لکھے گئے تھے کہ حضرت مجدد کا وصال ہو گیا۔ اس لئے ان چودہ مکاتیب کو بھی دفتر میں شامل کر لیا گیا۔ اس حساب سے دفتر سوم میں ۱۲۸ مکاتیب ہونے چاہئیں۔ لیکن مطبوعہ دفتر سوم میں ۱۲۴ مکاتیب ہی ملتے ہیں۔ یعنی ''زبدۃ المقامات'' کے بیان کے مطابق ۴ مکاتیب مطبوعہ نسخوں میں نہیں۔ دفتر سوم کے بیشتر خطوط اس وقت لکھے گئے' جب حضرت مجدد گوالیار میں محبوس تھے یا لشکر شاہی کے ہمراہ رہتے تھے۔ کئی ایک خطوط مخدوم زادگان کے نام ہیں۔ ایک خط (۱۰۹) میں اس گفتگو کا ذکر ہے' جو حضرت مجدد نے ایک دفعہ جہانگیر کی مجلس میں کی تھی۔ ایک خط جہانگیر کے نام ہے، جس میں دعا کے اسرار اور علما و صلحا کی تعریف بیان کی ہے۔

ایک نہایت دلچسپ خط (۴۱) ایک صالحہ عورت کے نام ہے' جس میں ان شرطوں کی توضیح کی ہے' جن پر عورتوں کی بیعت ہونی چاہئے اور اس میں تمام وہ بدعتیں بالتفصیل گنائی گئی ہیں، جن میں ہندوستانی عورتیں خاص طور پر گرفتار ہیں۔ (مثلاً سیتلا اور چیچک کے موقع پر دیوی کی منت ماننا۔ مشائخ کی قبروں پر منت کے جانور ذبح کرنا۔ پیروں کے روزے رکھنا۔ شگون کا اعتبار کرنا۔ جادو کا قائل ہونا) اور جن کی اصلاح کے لئے حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید نے کوشش کی۔

مکتوبات سے ہم نے اس قدر حوالے دیئے ہیں کہ اب کسی طویل اقتباس کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ تو تمام کے تمام پڑھنے اور غور کرنے کے لائق ہیں۔ لیکن انہیں پڑھنے سے پہلے تصوف اور مذہب اسلام کے مشہور مسائل اور ان کی تاریخ سے تھوڑی بہت واقفیت ہونی چاہئے۔ تاکہ حضرت مجدد کی قابلیت' راست خیالی اور سلیم الطبعی کا صحیح اندازہ ہو سکے اور یہ معلوم ہو کہ جو صدیوں کی پرانی گتھیاں تھیں' انہیں شرع اور عقل و سمجھ کے موافق انہوں نے کس طرح سلجھانے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ عہد اکبری اور عہد جہانگیری کے واقعات اور ممتاز شخصیتوں سے تھوڑی بہت واقفیت ہو تو مکتوبات کی دلچسپی اور بڑھ جاتی ہے۔

مکتوبات کی مقبولیت کی اگر بڑی وجہ ان کے مضامین کی خوبی' تنوع اور صاحب مکتوبات کی علمیت اور روحانی فضیلت ہے تو اس کے علاوہ حضرت مجدد کے طرز تحریر کو بھی ان کے اثر میں بڑا دخل ہے۔ ان مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ مجدد بڑے بلند پایہ اہل قلم تھے اور خط لکھتے وقت مکتوبات کی انشائی خوبیوں پر بھی پوری نظر رکھتے تھے۔ ان کے خطوط میں بیشتر علمی اور دینی مسائل ہیں اور ان کے لئے وہی عالمانہ طرز تحریر اختیار کیا ہے، جس میں زیادہ سے زیادہ معانی تھوڑے سے تھوڑے الفاظ میں ادا ہو جائیں۔ وہ ارباب تصوف کی مروجہ اصطلاحیں کثرت سے استعمال کرتے تھے اور جو لوگ ان سے ناواقف ہیں' انہیں بعض مطالب سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ لیکن عام طور پر ثقیل الفاظ تھوڑے ہیں اور بالخصوص ان مکتوبات میں جو عقائد کی توضیح میں یا مبتدیوں اور نوجوان طالبوں کو لکھے گئے' زبان بڑی سلیس اور عام فہم ہے۔ مکتوبات امام ربانی کا ایک اہم جز معاصرانہ امرا کے نام ہے، جس میں انہیں شریعت کو سنبھالنے اور اسلام کی مدد کرنے کی تلقین کی ہے۔ ان خطوط کا طرز تحریر علمی خطوط سے مختلف ہے۔ عالمانہ اصطلاحیں ان میں بہت کم ہیں۔ الفاظ پُر وقار مگر سریع الفہم ہیں' لیکن طرز تحریر میں ایک جوش ہے۔ خطیبانہ اور پُر تاثیر۔ یہ خطوط دل سے نکلے ہوئے جذبات کا آئینہ ہیں۔ اس لئے دل پر اثر کرتے ہیں۔

آپ تشریح اور تاثیر کے لئے گاہے گاہے مکاتیب میں کوئی دلچسپ شعر یا مصرع بھی درج کر دیتے، جس

Marfat.com

سے اندراج کی دلچسپی میں اضافہ ہو جاتا۔ اس کے علاوہ الفاظ کے انتخاب اور تقابل کا بھی خیال کرتے۔ ایک خط میں ملاحسن کشمیری کو لکھتے ہیں:

''نوشتہ بودند کہ شیخ عبدالکبیر یمنی گفتہ است کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ عالم الغیب نیست بے اختیار رگ فاروقیم درحرکت می آید۔ وفرصت تاویل وتوجیہ نمی دہد۔ قائل ایں سخنان شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی' کلام محمد علیہ وآلہ والصلوٰۃ والسلام درکاراست۔ نہ کلام محی الدین عربی وصدرالدین قونیوی وعبدالرزاق کاشی۔ مارا بہ نص کاراست۔ نہ بہ فص۔ مارا فتوحات مدینہ (یعنی احادیث) ازفتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است۔''

ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت کا طرز تحریر یا تو علمی ہوتا ہے' علمی مسائل کی توضیح کے لئے یا خطیبانہ۔ جب اپنے جذبات کا اظہار اور دوسروں کو کسی اقدام کی تلقین مقصود ہو۔ لیکن چند ایک خطوط اس تقسیم سے باہر ہیں۔ ان میں سے ایک خط جو انہوں نے صاحبزادوں کو حالت قید میں لکھا اور جس میں پدرانہ محبت نے نہایت ملائم اور شیریں الفاظ کا جامہ پہنا ہے' درج کیے بغیر جی نہیں مانتا:

''فرزندان گرامی بہ جمعیت باشند۔ مردم ہمہ وقت محنت ہائے مار ادرنظر میدارند ومخلصی ازیں مضیق می طلبند۔ نمیدانند کہ درنامرادی و بے اختیاری چہ بلاحسن و جمال است۔ وکدام نعمت برابر آن است کہ ایں کسی را بے اختیار از اختیار او برآرند۔ و باختیار خود او ازندگانی دہند۔ و امور اختیاری او رانیز تابع آں بے اختیاری او ساختہ اوراازدائرہ اختیار او برآرند۔۔۔۔ درایام حبس گاہے کہ مطالعہ ناکامی و بے اختیاری خودمی نمودم۔ عجب حظ می گرفتم وطرفہ ذوق می یافتم۔ بلے ارباب فراغت' ذوق ارباب بلاراچہ دریابند۔ وازبلائے جمال اوچہ درک نمایند۔ طفلاں راحظ منحصر درشیرینی است وآنکہ ازتلخی حظ وافر گرفتہ است۔ شیرینی راجوے نمی خرد

مُرغ آتش خوارہ کے لذّت شناسد دانہ را''

تاریخی لحاظ سے اس سے بھی اہم خط وہ ہے' جو صاحبزادگان کے نام واقعہ قید کے بالکل آغاز میں لکھا گیا۔ اس میں ان کے لئے پدرانہ نصیحتیں ہیں۔ عتاب شاہی سے جو صورت حالات پیدا ہوگئی تھی، اس کا اظہار بھی ہے اور اس کے مقابلے میں ظرف اور حوصلے اور تسلیم و رضا کا مظاہرہ ہے۔ ہم اسی ''وصیت نامہ'' پر اس بیان کو ختم کرتے ہیں۔

''فرزندان عزیز!

ابتلا کا وقت اگرچہ تلخ و بے مزہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر فرصت دیں تو غنیمت ہے۔ تم کو اب فرصت مل گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لاکر اپنے کام میں لگے رہو اور ایک دم بھی فراغت و آرام اپنے لئے پسند نہ کرو۔ اور تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہو۔ قرآن شریف کی تلاوت کرو۔ یا لمبی قرأت کے ساتھ نماز کو ادا کرو۔ یا کلمہ طیبہ لاالٰہ الا اللہ کی تکرار کرتے رہو۔ کلمہ لاالٰہ

الا اللہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے سوا تمام جھوٹے خداؤں اور اپنے نفس کی خواہشات کی نفی کرنی چاہئے۔ اور تمام مرادوں اور مقصودوں کو دفع کرنا چاہئے۔ کیونکہ اپنی مراد کا طلب کرنا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے۔ بلکہ سینہ میں کسی مراد کی گنجائش نہ رہے اور متخیلہ میں بھی کوئی ہوس باقی نہ رہے تا کہ بندگی کی حقیقت حاصل ہو۔ اپنی مراد کو طلب کرنا گویا اپنے مولا کی مراد کو دفع کرنا اور اپنے مالک کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ اس امر میں اپنے مولا کی نفی اور اپنے مولےٰ بننے کا اثبات ہے۔ اس امر کی برائی اچھی طرح معلوم کر کے اپنی الوہیت کے دعوے کی نفی کرو۔ تا کہ تمام ہوا و ہوس سے کامل طور پر پاک ہو جاؤ۔ اور طلب مولا کے سوا تمہاری کوئی مراد نہ رہے۔ یہ مطلب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بلا وابتلا کے زمانہ میں بڑی آسانی سے میسر ہو جاتا ہے اور اس زمانہ کے سوا ہوا و ہوس سد سکندری ہے۔ گوشہ میں بیٹھ کر اس کام میں مشغول رہو کہ اب فرصت غنیمت ہے۔ فتنہ کے زمانے میں تھوڑے کام کو بہت اجر کے عوض قبول کر لیتے ہیں اور فتنہ کے زمانے کے سوا سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہیں۔ اطلاع دینا ضروری ہے۔ شاید ملاقات ہو یا نہ ہو۔

یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد ہوس نہ رہے۔ اپنی والدہ کو بھی اس امر پر اطلاع دے دو اور اسے اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دو۔

باقی احوال چونکہ یہ جہاں فانی اور گزرنے والا ہے کیا لکھے جائیں۔ چھوٹوں پر شفقت رکھو اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دو اور جہاں تک ہو سکے تمام اہل حقوق کو ہماری طرف سے راضی کرو۔ اور ایمان کی سلامتی کی دعا سے مدد و معاون رہو۔ بار بار یہی لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بیہودہ امور میں ضائع نہ کرو اور ذکر الٰہی کے سوا کسی کام میں مشغول نہ ہو۔ اب کتابوں کے مطالعہ اور طلباء کے تکرار کا وقت نہیں ہے۔ اب ذکر کا وقت ہے۔ تمام نفسانی خواہشوں کو جو جھوٹے خدا ہیں، لا کے نیچے لا کر سب کی نفی کر دو اور کوئی مراد و مقصود سینے میں نہ رہنے دو حتیٰ کہ میری خلاصی بھی جو کہ تمہارے لئے نہایت ضروری ہے۔ تمہاری مراد و مطلوب نہ ہو۔ اور حق تعالیٰ کی تقدیر اور فعل اور ارادہ پر راضی ہو۔ اور کلمہ طیبہ کے اثبات کی جانب میں غیب ہویت کے سوا جو تمام معلومات و متخیلات کے وراء الوراء ہے۔ کچھ نہ رہے۔ حویلی و سرائے و چاہ و باغ اور کتابوں اور دوسری تمام اشیاء کا غم سہل ہے۔ ان میں کوئی چیز تمہارے وقت کی مانع نہ ہو اور حق تعالیٰ کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد و مرضی نہ رہے۔ ہم اگر مر جاتے تو یہ چیزیں بھی چلی جاتیں۔ بہتر ہے کہ ہماری زندگی میں چلی جائیں تا کہ کوئی فکر نہ رہے۔ اولیاء نے ان امور کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے۔ ہم حق تعالیٰ کے اختیار سے ان امور کو چھوڑ دیں اور شکر بجا لائیں۔ امید ہے کہ مخلصین بفتح لام میں سے ہو جائیں گے۔ جہاں تم بیٹھے ہو۔ اسی کو اپنا وطن خیال کرو۔ چند روزہ زندگی جہاں گزرے۔ یاد حق میں گزر جائے۔ دنیا کا معاملہ آسان ہے۔ اس کو چھوڑ کر آخرت

Marfat.com

کی طرف متوجہ ہو۔

اپنی والدہ کو تسلی اور آخرت کی ترغیب دو۔ باقی رہی ایک دوسرے کی ملاقات، اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہو کر رہے گی۔ ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہو۔ اور دعا کرو کہ دارالسلام میں سب جمع ہوں اور دنیاوی ملاقات کی تلافی کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آخرت کے حوالہ کریں۔ الحمد للہ علیٰ کل حال۔

مخدوم زادگان کی والدہ محترمہ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ آپ کے دو خوارق تھے۔ ایک تو آپ کے مکاتیب' دوسرے آپ کے فرزندان گرامی۔ ایک سے آپ کی علمیت' ذہنی جرأت' سلیم الخیالی' حمیت دینی اور سلیقۂ تحریر کا پتا چلتا ہے' جن کا ظہور آپ کے مکتوبات میں ہوا ہے۔ دوسرے سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ آپ ایک خوش قسمت' شفیق اور فرض شناس باپ تھے' جنھوں نے اپنے بیٹوں کی تعلیم و تربیت اس طرح کی کہ وہ مراتب عالیہ کو پہنچے اور واقعہ یہ ہے کہ کڑی آزمائشوں (مثلاً زمانہ طاعون میں تین صاحبزادگان اور ایک صاحبزادی کی وفات' عہد جہانگیری میں قید اور پھر لشکر میں نظر بندی) کے باوجود آپ کے خاندان کو ایک مثالی خاندان سمجھنا چاہیے۔

آپ کی زوجۂ محترمہ ایک بڑے باپ کی بیٹی تھیں اور آپ سے انتساب اور آپ کے دکھ سکھ میں شریک رہنے کی وجہ سے ہی ہماری روحانی تاریخ میں انہیں جو مرتبہ مل جاتا ہے' وہ محتاج بیان نہیں۔ لیکن مکاتیب اور تذکروں میں جو ضمنی اندراجات ملتے ہیں' ان سے پتا چلتا ہے کہ محترمہ نہ صرف ایک بڑی عابد' متدین اور باہمت خاتون تھیں' بلکہ آپ دونوں کے درمیان غیر معمولی محبت اور یگانگت کا رشتہ تھا اور آپ کو ان کا بڑا پاس خاطر ملحوظ تھا۔

حضرت مجددؒ کو جس طرح آپ کا خیال رہتا تھا' اس کا تھوڑا بہت اندازہ اس اہم خط سے ہوتا ہے' جو انہوں نے قید کے بالکل آغاز میں صاحبزادگان کے نام لکھا۔ (دفتر سوم' مکتوب دوم)۔ اس میں صبر و تسلیم کی پوری وضاحت کر کے اور رضائے الٰہی کے سامنے اپنی خواہشات کو بالکل مٹا دینے کے بارے میں متعدد دلائل دے کر لکھتے ہیں۔

''والدہ خود را نیز بدیں معنی مطلع سازند و دلالت نمائند''۔ خط کے آخر میں پھر انہیں کا ذکر ہے۔ ''والدہ خود را تسلی دہند'' لیکن شاید اس سے بھی اہم ایک اور واقعہ ہے' جو معمولی یگانگت' محبت اور اعتماد کی نشاندہی کرتا ہے۔ جب آپ اجمیر میں تھے، تو حضرت خواجہ اجمیری کے خادمان درگاہ نے ان کے مزار کا قبر پوش' جو ہر سال اتارا جاتا ہے' اور کم از کم اس زمانے میں فقط خواص کے لئے وقف تھا' آپ کو پیش کیا۔ آپ نے ادب سے قبول کیا اور خادم کو دے کر کہا کہ یہ لباس جو حضرت خواجہ کے اس قدر قریب تھا' ہمارے کفن کے لئے محفوظ رکھا جائے۔

یہ روایت خواجہ ہاشم کشمی کی ہے' جو سفر اجمیر میں ساتھ تھے لیکن آگے چل کر وہی لکھتے ہیں کہ جب آپ کا وقت وصال آن پہنچا تو آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا: ''باید کہ از مبلغ مہر خود کفن من سازی''۔ اس غیر معمولی وصیت کی سوائے اس کے کوئی اور وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کو محترمہ کی انتہائی عقیدت کا احساس تھا (جس کی تائید تذکرہ

Marfat.com

نگاروں کے بیان کردہ دوسرے واقعات سے بھی ہوتی ہے) اور اس اعزاز سے اس عقیدت کا اعتراف اور پوری یگانگت کا اظہار مقصود تھا۔

تذکرہ نگار صاحبزادگان کی والدہ محترمہ کی عبادت اور پرہیز گاری کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور ہم ''حضرات القدس'' کی بیان کردہ ایک حکایت سے اس رابعہ عصر کے متعلق اس مختصر اندراج کو ختم کرتے ہیں۔

> ''ایک دفعہ آپ زمانہ شباب میں بیمار ہوئے اور اتنا ضعف بڑھا کہ سب لوگ مایوس ہو گئے۔ والدہ حضرت مخدوم زادگان عالی قدر یعنی حضرت کی بی بی صاحبہ نے جو ایک صالحہ اور عابدہ بی بی تھیں، نیا وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور بکمال گریہ زاری و نیاز درگاہ باری جلت عظمتہ میں آپ کی صحت و عافیت کے لئے دعا کی۔ اس حال میں اس زہراء وقت کو نیند آ گئی۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا آپ سے کہہ رہا ہے کہ اطمینان رکھو۔ ہم کو ان سے بڑی خدمتیں لینی ہیں اور ابھی تو ہزار خدمتوں میں سے ایک بھی نہیں لی گئی۔ خدائے پاک عنقریب آپ کو صحت کامل عطا فرمائے گا اور مراتب قرب تک پہنچائے گا۔'' (ص ۲۶)

خواجہ محمد سعیدؒ

حضرت مجددؒ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق تھے، جو عین جوانی میں بعارضہ طاعون وفات پا گئے۔ دوسرے بیٹے خواجہ محمد سعیدؒ تھے، جو شعبان ۱۰۰۵ھ (اپریل ۱۵۹۷ء) میں پیدا ہوئے۔ علوم متداولہ عقلیہ ونقلیہ کی پوری طرح تحصیل کی اور پھر درس وتدریس شروع کی۔ ''حضرات القدس'' میں لکھا ہے۔ ''کتب متعلقہ مثل شرح حکمت العین اور عضدی اور بیضاوی کا درس دیا کرتے تھے اور تصانیف لطیفہ تحریر فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے مشکوٰۃ شریف پر حاشیہ لکھا اور حنفی مذہب کی تائید کی اور ایک حاشیہ متن حاشیہ خیالی پر لکھا۔۔۔ ایک رسالہ تشہد میں دفع سبابہ کی ممانعت کے بارے میں تحریر فرمایا''۔ آپ کے مکتوبات حال ۱۹۶۶ء میں مکتبہ حکیم سیفی لاہور[46] کی طرف سے شائع ہو گئے ہیں۔ بعض مکاتیب عربی میں ہیں اور سب ملا کر ایک سو سے زیادہ نہیں (غالباً یہ ایک انتخابی مجموعہ ہے) لیکن ''ہر چند بقامت کہتر، بقیمت بہتر'' والا معاملہ ہے۔ معانی کی گہرائی اور عبارت کی شیرینی نے اس مختصر مجموعہ میں عجب دلکشی پیدا کر دی ہے۔ نو خطوط اورنگزیب عالمگیر کے نام ہیں، جن میں شاید بعض (مثلاً مکتوب نمبر ۸۲) اس کی شہزادگی کے زمانے کے ہیں۔ ان مکاتیب کا خواجہ محمد معصومؒ کے مکاتیب کی تین جلدوں اور ''عالمگیر نامہ'' کے ساتھ ملا کر مطالعہ کریں تو خیال ہوتا ہے کہ اگرچہ عالمگیر دونوں بھائیوں کا قدر دان تھا اور ان دونوں کے درجات عالیہ میں کلام نہیں۔ لیکن شاید حضرت مجددؒ کا جانشین (ان کے زندہ بیٹوں میں سب سے بڑا ہونے کی وجہ سے) خواجہ محمد سعیدؒ کو سمجھا جاتا تھا۔ خواجہ محمد معصومؒ کے مکاتیب کی پہلی جلد میں فقط ایک خط ''شاہزادہ دین پناہ سلطان محمد اورنگزیب'' کے نام ہے۔ جہاد اصغر و جہاد اکبر کے فضائل میں (مکتوب ۶۴) دوسری جلد میں بھی ایک ہے۔ ''در فنائے قلب وفنائے نفس'' (مکتوب نمبر ۵) تیسری جلد میں چار اہم مکاتیب اورنگزیب کے نام ہیں۔ (۶، ۱۲۲، ۲۲۱، ۲۲۷) اور تین خطوط شیخ سیف الدین کے نام ایسے ہیں، جو

عالمگیر کے متعلق ہیں۔ (۲۲۰، ۲۳۲، ۲۴۲) اس تفاوت کی وجہ غالباً یہ ہے کہ تیسری جلد خواجہ محمد معصومؒ کے آخری سالوں کے متعلق ہے، جب خواجہ محمد سعیدؒ وفات پا چکے تھے۔ خواجہ محمد معصوم کا دربار ارشاد و ہدایت کے تنہا ذمہ دار تھے اور انہوں نے اپنے صاحبزادے شیخ سیف الدین کو لشکر شاہی میں بھیج رکھا تھا۔

خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کے تعلقات میں برادرانہ محبت اور یگانگت تھی۔ شاہجہاں کے آخری ایام میں ۱۰۶۷ھ (۵۷۔۱۶۵۶ء) وہ اکٹھے حج کے لئے روانہ ہوئے اور قریباً تین سال ہندوستان سے باہر رہے۔ جب وہ روانہ ہوئے تو داراشکوہ کا ستارہ عروج پر تھا۔ واپس پہنچے تو عالمگیر تخت سلطنت پر متمکن تھا۔ دونوں بھائیوں کی، بلکہ خاندان مجددیہ کے تمام سربرآوردہ افراد کی قدر دانی ہوئی۔ لیکن خواجہ محمد سعید کی صحت اب ٹھیک نہ رہتی تھی۔ وہ سفر حج میں ہی ایک دفعہ اتنے بیمار ہوئے تھے کہ امید زیست نہ رہی تھی۔ واپسی پر ایک مرتبہ اورنگزیب کی دعوت پر دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں سخت بیمار ہو گئے۔ بادشاہ نے علاج میں بڑا اہتمام کیا، لیکن طبیعت نہ سنبھلی۔ چنانچہ آپ سرہند کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ سرہند میں مدفون ہوئے۔ آپ کا سال وفات ۱۰۷۰ھ بتایا جاتا ہے۔

شیخ محمد معصومؒ

حضرت مجدد الف ثانی کے دوسرے مشہور خلیفہ آپ کے صاحبزادے، عروۃ الوثقیٰ، قیوم ثانی، شیخ محمد معصوم تھے۔ آپ کی نسبت "فرحت الناظرین" میں لکھا ہے:۔

> "مرید و خلیفہء والد بزرگوار خود شیخ احمد بود۔ در تربیت مریداں و تعبیر وقائع و حل مشکلات اینان، از برادران و سائر شیوخِ زماں امتیاز داشت و از تصانیف او سہ جلد مکتوبات است کہ بس اسرارِ غریبہ و نکات عجیبہ و علوم بدیعہ دراں اندراج یافت و بنا بر استدعائے بادشاہ دیں پناہ (عالمگیر) چند بار بہ بارگاہ عظمت و جاہ رسید۔ باقسام تجلیل و تکریم و انواع توقیر و تعظیم مخصوص گشتہ بود۔"

آپ کی نسبت مشہور ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر آپ کا مرید ہو گیا تھا۔ اس کا تو کوئی ثبوت ہماری نظروں سے نہیں گزرا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ عالمگیر آپ کا اور آپ کے بھائیوں کا قدر دان تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادے شیخ سیف الدین کو اورنگزیب کے لشکر میں ارشاد و ہدایت کے لئے بھیجا اور اورنگ زیب نے ان کے ارشادات کو توجہ اور ادب سے سنا۔ "عالمگیر نامہ" میں آپ کے بڑے بھائی (خازن الرحمت) شیخ محمد سعید (المتوفی ۱۰۷۰ھ (۱۶۵۹ء) کی نسبت لکھا ہے:۔

> "و شیخ محمد سعید و شیخ محمد معصوم پسران شیخ مغفور، واقف اسرار حقائق و علوم، شیخ احمد سرہندی کہ ہر یک در فضائل و کمالات صوری و معنوی خلف الصدق آں سالک مسالک طریقت و عرفان است، بانعام سہ صد اشرفی۔۔۔ مورد نوازش گردیدند"۔

ایک اور جگہ یہی مؤرخ لکھتا ہے "و بہ تقویٰ شعار، شیخ محمد سعید خلف شیخ احمد سرہندیؒ خلعت و دو ہزار

روپیہ۔۔۔ مرحمت شد"۔
شیخ محمد معصوم کی نسبت "فرحت الناظرین" کا اندراج ہم نقل کر چکے ہیں۔ اسی تذکرہ میں آگے چل کر لکھا ہے کہ شیخ محمد معصوم کے دوسرے بھائی شیخ محمد یحیٰ، شیخ محمد سعید اور مؤخر الذکر کے دو فرزند شیخ سعد الدین اور شیخ عبدالاحد المعروف بہ میاں گل "کئی بار" "بادشاہ دین پناہ" کی بارگاہ میں پہنچے اور الطاف شاہنشہی سے فیض یاب ہوئے۔ اس سے اور دوسرے شواہد سے خیال ہوتا ہے کہ بادشاہ کی عقیدت فقط شیخ محمد معصوم سے نہ تھی، بلکہ حضرت مجدد کے تمام خاندان سے تھی۔

خواجہ محمد معصوم کے کاموں کا صحیح طور پر مطالعہ نہیں ہوا۔ مکتوبات کی تین جلدیں مختلف مطبعوں سے منتشر طور پر شائع ہوئیں اور اب عنقا ہیں۔ ان کی معاصرانہ سوانح عمریاں بھی ابھی طباعت سے محروم ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر سلسلہ مجددیہ کو بے انتہا وسعت دی۔ ان کے خلفا کابل، پشاور، ننگر ہار کے علاقے میں بہت تھے۔ ایک خلیفہ شیخ مراد نے شام میں اقامت اختیار کی۔ وہاں انہیں بڑا عروج ہوا اور ان کی بدولت سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کو بڑی وسعت ہوئی۔ ہندوستان میں بھی کئی امرا و اکابر آپ کے حلقہ ارادت میں تھے۔ مثلاً بختاور خان (جو "مرآۃ العالم" کا مؤلف سمجھا جاتا ہے) کامگار خان، وغیرہ۔

خواجہ محمد معصوم کا ایک اور مشہور مرید فارسی شاعر ناصر علی سرہندی تھا، جس نے آپ کی تعریف میں کئی شعر کہے ہیں۔

چراغ ہفت محفل خواجہ معصوم	منور از فروغش ہند تا روم
رود جائے کہ جا آنجا نہ گنجد	نظر بے کار ماند پا نہ گنجد
ردائے ماہتابی شرع بردوش	چوں صبح از پاکی باطن قطب پوش
ستون بارگاہ شرع اسلام	بہ افعا پیمبرؐ گام بر گام
زہے عزت کہ رب العرش داد	کہ برسر تاج قیومیش بنہاد

شیخ محمد معصوم کی وفات اورنگ زیب کے دسویں سال (جلوس ۱۰۷۹ھ، ۶۹۔۱۶۶۸ء) میں ہوئی۔ مزار مبارک سرہند میں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سب سے چھوٹے بیٹے شیخ محمدؒ یحییٰ عرف شاہ جیو تھے۔ وہ ۱۰۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علوم ظاہری بڑے انہماک سے حاصل کئے۔ موطا شیخ عبدالحق محدث سے پڑھی۔ ان کی شادی حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے خواجہ کلاں کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ "روضۃ القیومیہ" میں لکھا ہے کہ اورنگزیب نے آپ کو مدد معاش کے طور پر بہت کچھ دیا ہوا تھا۔ چنانچہ آج تک سرہند میں ضرب المثل ہے۔

"الملک المت و الملک ایحیی"۔ سرہند میں آپ نے ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی۔ دینی علوم میں کئی کتابیں لکھیں۔ ۲۷ جمادی الثانی ۱۰۵۶ھ کو وفات پائی اور سرہند میں مدفون ہوئے۔

خواجہ محمد معصومؒ کے جانشین خواجہ محمد نقشبندؒ تھے۔ ان کا ذکر ہم عہد عالمگیر کے ضمن میں درج کریں گے۔

ہم حضرت مجدد کی تصانیف کے سلسلے میں ان کے رسالہ "رد روافض" کا ذکر کر چکے ہیں۔ شیعوں کی مخالفت حضرت مجدد کی تعلیمات کا ایک اہم جزو تھی۔ وہ خلفائے اربعہ کے احترام میں ذرا بھی کمی گوارا نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ

شہر سامانہ کے خطیب نے خطبہ عید کے دوران میں خلفائے راشدین کا نام نہ لیا تو آپ نے فوراً اس شہر کے مشائخ وقضاۃ کو خط لکھا کہ خطیب کی اس فروگزاشت پر اس کے ساتھ سختی کیوں نہ کی گئی:

"شنیدہ شد کہ خطیب آں مقام در خطبہ عید قربانی ذکر خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ترک کردہ واسامی متبرکہ ایشاں رانخواندہ۔ ونیز شنیدہ کہ اکابر واہالی آں مقام دریں باب مبالغہ ورزیدند۔ وبشدت وبغلظت بآں خطیب بے انصاف پیش نیامدند وائے نہ یکبار بلکہ صد باروائے! ۔۔۔۔ چو استماع ایں خبر وحشت اثر درشورش آورد ورگ فاروقیم راحرکت داد۔ بچند کلمہ اقدام نمود"۔

خواجہ محمد معصوم کا بھی اس مسئلے میں وہی طرز عمل تھا' جو ان کے والد بزرگوار کا تھا اور ان کے مکتوبات میں ایک اہم خط ہے (دفتر اول۔ شمارہ ۶۴) جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے شاہزادہ اورنگ زیب کو لکھا اور جس میں تکفیر روافض اور ان کے قتل کرنے کے حق میں کئی حدیثیں[۴۸] درج کی ہیں۔ ایک حدیث ہے:

"ابو درداء میں لکھا ہے کہ ابن عباسؓ نے روایت کی کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جن کو روافض کہیں گے۔ جو اسلام کی توہین کریں گے۔ ان کو قتل کرنا کیونکہ یہ مشرک ہوں گے۔"

شیخ آدم بنوریؒ

حضرت مجدد کے خلفائے اور فیض یافتگان کا سلسلہ بڑا وسیع تھا۔ صاحبزادگان شیخ محمد سعید اور شیخ محمد کے بعد ان میں سب سے بزرگ میر محمد نعمان اور خواجہ ہاشم کشمی کو سمجھا جاتا ہے۔ مؤخر الذکر "زبدۃ المقامات" کے مصنف' مکتوبات کے دفتر سوم کے مرتب اور ایک بڑے خوشگو شاعر تھے۔ ہم نے "ارمغان پاک" (اشاعت چہارم) میں ان کی کئی پُرسوز غزلیں درج کی ہیں۔ لیکن ان دونوں بزرگوں کے کام کا میدان برہان پور کا علاقہ تھا' جہاں سلسلہ مجددیہ بلکہ اسلام کی جڑیں بہت دور نہیں پھیلیں۔

حضرت مجددؒ کے ایک اور خلیفہ' جنہیں ان کے بے شمار معتقدین صاحبزادگان سے بھی بڑھ کر سمجھتے تھے اور جو مختصر تعلیم کے باوجود صفحات تاریخ پر ایک گہرا نقش چھوڑ گئے' شیخ آدم بنوری تھے۔ وہ بنور کے (جو سرہند سے بیس میل دور ایک بستی ہے) رہنے والے تھے۔ پہلے شاہی لشکر میں ملازم تھے۔ لیکن ایک واقعہ سے متاثر ہو کر ملازمت ترک کر دی اور پہلے حاجی خضر خاں افغان اور پھر حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہو کر نعمت باطنی سے فیض یاب ہوئے۔ شروع میں اُمی محض تھے۔ ایک جذبہ پُرزور کے تحت قرآن مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری بھی حاصل کئے۔ پھر ایک عالم کو سیراب کیا۔ آپ کی شخصیت بڑی قوی الاثر تھی۔ کہتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ میں ایک ہزار سے زیادہ طلبائے معرفت جمع رہتے تھے' جن کو آپ کے لنگر سے کھانا ملتا تھا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد ایک سو اور مریدین کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ جہاں آپ جاتے تھے' ہزار ہا پٹھان آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ ۱۶۴۲ء میں آپ لاہور تشریف لے گئے۔ ایک کثیر

جماعت آپ کے ساتھ تھی۔ بعض مخالفوں نے شاہجہاں کو خبر پہنچائی کہ شیخ کے پاس اتنی جمعیت ہے کہ اگر وہ چاہے تو حکومت کا تختہ پلٹ سکتا ہے۔ شاہجہاں نے اپنے وزیراعظم نواب سعد اللہ خاں اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو تحقیق حالات کے لئے بھیجا۔ آپ ان سے سردمہری سے پیش آئے۔ دیر تک ملے نہیں اور جب ملے تو بے رخی سے بات چیت کی۔ انہوں نے واپس جا کر سارے حالات بادشاہ کو سنائے اور کہا کہ بے شمار افغان شیخ کے ساتھ ہیں۔ ممکن ہے کوئی فتنہ پیش آئے۔ چنانچہ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ شیخ حج کو چلے جائیں۔ شیخ پہلے ہی حج کو جانا چاہتے تھے۔ بڑی خوشی سے اس حکم کی تعمیل کی اور وہیں مدینہ منورہ میں قریباً ۷۴ سال کی عمر میں ۲۵ دسمبر ۱۶۴۳ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

شیخ آدم بنوری تو حج کے لئے چلے گئے' لیکن انہوں نے فیض کے جو سرچشمے لگائے تھے' ان کا فیض جاری رہا۔ ان کے خلفاء بے شمار تھے' جن میں سے کئی افغان علاقہ میں تھے۔ (شاید روشنیہ فرقہ کے زوال کا ایک باعث یہ بھی تھا کہ اب افغان علاقے میں نقشبندیہ سلسلے کے بزرگوں مثلاً شیخ آدم بنوری اور خواجہ محمد معصوم کو جن کے اجداد کا رودہ یا کابل سے خاندانی تعلق تھا' بڑا قبول حاصل ہوا اور لوگوں کی توجہ اس طرف پھر گئی۔) آپ کے خلفا میں سے لاہور کے شیخ سعدی (جن کے کئی افغان مرید تھے)' کوہاٹ میں حاجی عبداللہ کوہاٹی اور پشاور میں شیخ نور محمد پشاور خلف اخوند درویزہ خاص طور پر مشہور ہیں۔ ایک بزرگ حافظ سید عبداللہ اکبر آبادی تھے' جن کے مرید شاہ ولی اللہؒ کے والد اور چچا شیخ عبدالرحیم اور شیخ محمد رضا ہوئے' جن سے خود شاہ صاحب نے فیض حاصل کیا۔ شاہ صاحب نے ''انفاس العارفین'' میں شیخ آدم بنوریؒ اور حافظ صاحب کے بہت سے واقعات لکھے ہیں اور شیخ کی بڑی تعریف کی ہے۔

شیخ آدم بنوری صاحب تصانیف تھے۔ ''کلمات معارف'' میں نقشبندی سلسلہ کی تعلیمات کو مدون کیا ہے اور بہت سی معرفت کی باتیں بیان کی ہیں۔ اس سے پہلے ''نکات الاسرار'' میں اسی مضمون پر لکھا تھا۔ ''مناقب الحضرات'' میں آپ کے حالات شیخ محمد امین بدخشی نے بڑے غلو سے' بلکہ تاریخی صحت کو نظرانداز کر کے لکھے ہیں۔

اہل تشیع کے متعلق حضرات مجددیہ کا جو نقطہ نظر تھا' وہ تو مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے' لیکن اس مسئلے پر دوسرے نقشبندیہ حضرات کا بھی یہی نقطہ نظر تھا (نقشبندیہ سلسلے کو ماوراء النہر کی سرزمین سے خاص تعلق ہے) اور شیعہ سنی مناقشات زیادہ تر نقشبندیہ سلسلے کی ایک اور شاخ کے ذریعے ظہور پذیر ہوئے۔ ہندوستان میں اس سلسلے کے بانی خواجہ خاوند محمود نقشبندی المعروف بہ حضرت خواجہ ایشاں تھے' جو شیخ سرہندی کے ہم عصر تھے۔ وہ بخارا میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم پائی اور سمرقند و کابل ہوتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے۔ کشمیر میں آپ کے سلسلے کو خاص فروغ ہوا۔ یہاں ان دنوں شیعہ سنی سوال زوروں پر تھا۔ دربار دہلی کی طرف سے نواب خاں والی کشمیر تھا۔ قضارا شیعوں اور اہل سنت کے درمیان بلوہ ہوا اور بہت سے کشت و خون کے بعد قاضی ابوالقاسم اور قاضی محمد عارف کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ انہوں نے اہل تشیع کی سزا دہی میں توقف کیا۔ اس سے اہل سنت ناراض ہو گئے اور خواجہ خاوند محمود کی سرکردگی میں شہر چھوڑ کر ہفت چنار آ گئے۔ ناظم صوبہ انہیں آ کر منا کے لے گیا اور شیعوں کے خلاف کارروائی بھی کی۔ لیکن اس نے ساتھ ساتھ دربار شاہی میں خواجہ کی شکایت لکھی۔ چنانچہ دربار میں بلائے گئے اور ان کے متعلق فیصلہ ہوا کہ وہ شاہی لشکر کے ساتھ ساتھ رہیں۔ کشمیر واپس نہ جائیں۔ اس کے بعد وہ مختلف مقامات میں شاہی لشکر کے ساتھ رہے اور بالآخر ۵/ نومبر ۱۶۴۲ء کو بمقام لاہور وفات پا کر وہیں دفن ہوئے۔

Marfat.com

خواجہ خاوند محمود تو شاہی حکم کے بعد کشمیر نہیں گئے' لیکن شیعہ سنّی چپقلش ان کے جانشینوں کے عہد میں جاری رہی۔ ان کے ایک سجادہ نشین خواجہ کمال الدین نقشبندی تھے۔ انہوں نے شیعوں کی مخالفت جاری رکھی اور ان کی کوششوں سے امین نامی ایک شیعہ کو قتل کی سزا ہوئی۔ اس پر شیعہ برافروختہ ہوگئے اور ایک آدمی کو آمادہ کیا کہ خواجہ صاحب کو شہید کرے۔ چنانچہ ۳۰/ دسمبر ۱۷۶۶ء کی رات کو (یعنی مرزا جانجاناں کی شہادت سے پندرہ سال پہلے) آپ اپنی خانقاہ میں شہید کر دیئے گئے۔ آپ کی شہادت کے بعد شیعوں' سنیّوں میں پھر بلوے ہوئے۔

حواشی:

۱۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ شیخ یعقوبؒ اثنائے سفر میں شاہ طہماسپ کے ایامِ حکومت میں ایران پہنچے تھے۔ غالباً یہ وہ زمانہ تھا جب ہمایوں بھی وہاں مقیم تھا۔ شاید ان ایام میں ہمایوں سے روابط قائم ہوئے ہوں۔

۲۔ ''حضرات القدس'' میں لکھا ہے ''تحصیل علوم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے والد ماجد کے حضور میں درسِ علوم میں مشغول ہوئے۔'' ''زبدۃ المقامات'' میں ''والد ماجد کے حضور'' کا ذکر نہیں۔ ''چوں حضرت ایشاں از استفادہ علوم معقول و منقول و فروع و اصول فارغ شدہ اند۔ رخت بمسند افادہ کشیدہ اند۔ و مدتہا طلبہ علوم را از برکاتِ خویش بہرہ ور گردانیدہ۔'' ممکن ہے اکبرآباد میں بھی یہ سلسلہ قائم رہا ہو۔

۳۔ ترجمہ از زبدۃ المقامات (نولکشور) ص ۱۳۱۔۱۳۲

۴۔ اردو ترجمہ میں ابوالفضل چھپا ہے' جو صحیح نہیں۔ شاید اصل میں ابوالفیض ہو۔ یا چونکہ اس سے پہلے ابوالفضل کا ذکر تھا' کسی نقل کرنے والے نے ابوالفضل لکھ دیا۔

۵۔ ''زبدۃ المقامات'' بوجوہ حضرت مجدد کا بہترین تذکرہ ہے' لیکن اس میں بھی ایک دو الجھنیں ہیں۔ مثلاً اس کی تاریخ تکمیل ۱۰۳۷ھ ہے' لیکن ایک جگہ شاہ محمد یحییٰ صاحب (ولادت ۱۰۲۷ھ) کے متعلق لکھا ہے۔ ''امروز کہ سالِ عمر آں برخوردار بہ پانزدہ رسیدہ۔''

۶۔ اس سے چند مہینے پہلے' جب اکبر کشمیر سے واپس آ رہا تھا تو الوورانج (کنجاہ) ''کی رعایا نے محمد بیگ کروڑی کے ظلم و ستم کی فریاد کی۔ وہیں اس ستم پیشہ کے گلے پر چھری پھروا دی تاکہ ظالم حاکم عبرت پکڑیں۔'' (خلاصۃ التواریخ ص ۵۲۶)

۷۔ بدایونی کے بیان میں ایک اور الجھن یہ ہے کہ عام خیال کے مطابق اس نے ۱۰۰۳ھ تک کے واقعات لکھے ہیں۔ یہ اندازہ دوسری جلد کے متعلق' جن میں سیاسی حالات اور اکبری احکام کا خلاصہ ہے' صحیح ہے لیکن شاید تیسری جلد کا ایک حصہ بعد میں لکھا گیا۔ اور بہر کیف چونکہ بدایونی ۱۰۰۲۷ھ تک زندہ رہا ممکن ہے' اس نے تکمیل کتاب کے بعد کچھ اضافے کیے ہوں۔

۸۔ مطبوعہ رسالے میں ''الشیخ العارف عبداللہ القدوس الحنفی'' لکھا ہے۔ اور ان کے فارسی مکتوبات سے اقتباس دیا ہے۔ چونکہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے فارسی مکتوبات مشہور ہیں۔ اس لیے ہمارا خیال ہے کہ شاید ان کی طرف اشارہ ہے اور سہو کتابت سے نام میں ذرا تبدیلی ہوگئی۔

۹۔ مثلاً رسول اکرمؐ کے احوال ''قبل النبوت و حال الدعوت و بعد اتمامہا'' (یہ الفاظ مشترکہ ہیں) کے ضمن میں ''اثبات النبوۃ'' میں ''اخلاق العظیمہ و احکام الحکیمہ'' کا ذکر ہے۔ لیکن ''رسالہ تہلیلیہ'' میں ''اخلاق الکریمہ و احکام الحکیمہ'' لکھا ہے۔ یہ تغیر صوتی اعتبار سے بھی بہتر ہے اور معنوی لحاظ سے بھی زیادہ روحانی سربلندی کا مظہر ہے۔

Marfat.com

۱۰۔ مبداء و معاد (رسائل مجددیہ ص ۶۷)

۱۱۔ حضرت مجدد نے ایک خط میں مُلا حسن کاشمیری کا زوردار لفظوں میں شکریہ ادا کیا ہے۔ (دفتر اول نمبر ۲۸۹)

۱۲۔ مبداء و معاد

۱۳۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے خواجہ خُرد ''رباعیات و شرح رباعیات'' میں لکھتے ہیں ''حضرت مخدومی قبلہ گاہی شیخ احمد در دہلی بخدمت حضرت خواجہ بیرنگ قدس سرہ رسیدند۔ ودر اندک مدت فتحہائے عظیم روئے نمودہ۔ مے فرمودند۔ اول نفی واثبات تعلیم کردند۔ چنداں درنگرفت' بعد از سہ چہار روز بآستانہء حضرت خواجہ قطب الدین تشریف بردہ بودند۔ آنجا طلبیدند۔ وذکر اسم ذات تلقین کردند۔ فی الفور اثرے عظیم پیدا شد۔''

۱۴۔ ملخص از ''زبدۃ المقامات''۔

۱۵۔ ایک بزرگوار نے ان اقتباسات پر جو ہم نے حضرت خواجہ کے ارشادات سے دیے ہیں' اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے ''اس کے بعد معترض صاحب نے نہیں معلوم کس مقصد سے وہ نصائح بھی درج کر دیے ہیں' جو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمائی تھیں' اور جو اس سلسلے میں تقویت و ترقی کے لیے خصوصی طور پر کی جاتی ہیں۔'' گزارش ہے کہ مندرجہ بالا اقتباسات درج کرنے سے راقم السطور کا مقصد حقیقت حال کو پیش کرنا اور یہ دکھانا ہے کہ حضرت خواجہؒ اور حضرت مجددؒ کے تعلقات کے متعلق متداول نقطہ نظر حقیقت سے کس قدر بعید ہے۔ اس نقطۂ نظر کی ایک واضح مثال احسان اللہ صاحب گورکھپوری کی اس سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی میں ملتی ہے' جس کے متعلق خود محترم فرماتے ہیں ''حضرت مجددؒ کے متعلق صرف یہی ایک ایسی کتاب ہے' جسے ہمارے دور میں بڑی ممتاز حیثیت حاصل ہے'' اور جس میں حضرت مجددؒ کے متعلق لکھا ہے ''کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ بظاہر آپ کے پیر اور در پردہ مرید تھے'' (ص ۷۹)

۱۶۔ غالباً دوسرا سفر رمضان ۱۰۰۲ ہجری (اپریل ۱۶۰۱ء) میں کیا گیا۔ حضرت خواجہ کے ملفوظات کا مرتب لکھتا ہے کہ اس نے دو تین مجالس (بابت یکم صفر۔ دوم صفر۔ ششم صفر ۱۰۰۹ھ) کے ارشادات بغیر اجازت لکھ لیے تھے۔ لیکن جب انہیں حضرت خواجہ کو سنایا' تو انہوں نے منع کر دیا۔ لیکن کوئی آٹھ مہینے کے بعد قسمت نے یاوری کی۔ ''یعنی حضرت شیخ احمد سرہندی جو حضور کے مقربوں اور مقبولوں میں سے ہیں' کسی تقریب پر حاضر ہوئے اور دوبارہ اس ضروری کام کے قبول کرنے کی درخواست کی۔'' شیخ کی سفارش سے یہ درخواست منظور ہوئی۔ اس کے بعد ۱۱ رمضان ۱۰۰۹ھ یعنی ۱۶۔ اپریل ۱۶۰۱ء کے واقعات درج ہیں۔

۱۷۔ قلیچ خاں ۱۶۰۲ء سے ۱۶۰۵ء تک حاکم پنجاب تھا۔ اس کے علاوہ بھی اس عہدے پر مامور رہا۔

۱۸۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۱۔ اپنی عربی تصنیف ''سبحۃ المرجان'' میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی مکتوب یازدہم کا خلاصہ دے کر لکھتے ہیں کہ بعض علما نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت مجدد اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا مقام صدیق اکبرؓ سے بلند تر ہے۔ پس وہ مناظرہ کے لیے کمربستہ ہو گئے وغیرہ (ص ۴۸)

۱۹۔ یعنی عبور و مرور اور اثبات کے فرق کے متعلق۔

۲۰۔ شاید مغل بادشاہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر نہ چاہتے تھے کہ مذہبی راہنماؤں کا اثر بہت بڑھ جائے۔ ''توزک جہانگیری'' میں ایک جگہ لکھا ہے ''بمن خبر رسید کہ شیخ ابراہیم بابا افغانی دکانِ شیخی و مریدی درکیے پرگنہ از پرگناتِ لاہور ترتیب دادہ' چنانچہ طریقہء اوباش است جمع کثیرے از افغاناں وغیرہ بروگرد آمدہ اند۔ فرمودم کہ اورا حاضر آوردہ بہ پرویز سپارند کہ در قلعہ چنار نگاہ دارد۔ تا ایں ہنگامہ باطل برہم خورد۔'' ''گلزار ابرار'' میں بھی سید احمد نعمانی کے ذکر میں لکھا ہے کہ جس

Marfat.com

سال خسرو نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کی' ان دنوں ایک مجلس میں سادات صفوی کے ایران پر قبضہ پانے کا ذکر ہو رہا تھا تو کسی نے کہا کہ اس وقت بھی کئی درویش صورت اشخاص ایسے ہیں' جن کے فرمانبردار معتقدین کی تعداد ایک ولایت کی فوج سے کم نہیں اور اس سلسلے میں باجواڑہ کے سید احمد افغانی کا نام لیا۔ وہ بُلائے گئے۔ آداب ملازمت بجانہ لائے اور تین سال تک گوالیار میں قید رہے۔ وہ بھی وحدت الوجود کے خلاف تھے۔ شاہجہاں نے بھی حضرت مجدد کے خلیفۂ اعظم شیخ آدم بنوری کو حج پر جانے کے لیے مجبور کیا تھا۔

۲۱۔ پروفیسر محمد فرمان کا خیال ہے کہ جہانگیر کا حضرت مجدد کی نسبت یہ لکھنا کہ ''در رفتن و ماندن مختار گردانیدم'' جھوٹ اور ڈپلومیسی کا اظہار ہے اور اُس نے ''حضرت مجدد کو آخر وقت تک نظر بند رکھا۔'' (حیات مجدد ص ۳۵) یہ خیال بے بنیاد نہیں۔ مکتوبات امام ربانی کا بغور مطالعہ کریں تو اس کی تائید ہوتی ہے۔ لشکر سے جب حضرت مجدد جاتے تھے تو رخصت لے کر جاتے تھے۔ ان کا طریقہ انتہائی تسلیم و رضا کا تھا لیکن خواجہ حسام الدین کے نام بھی ان کا خط پڑھیں تو عین بلا اور عین تفرقہ کا جس طرح ذکر ہے اور جو دوسرے پُر معنی جملے ہیں (دفتر دوم نمبر ۷۲) ان سے پروفیسر محمد فرمان کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

۲۲۔ جہانگیر کے بیان سے خیال ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمان عوام جوالا مکھی کی پرستش کرتے تھے۔ ''قطع نظر از کفار کہ بت پرستی آئین آنہاست۔ گروہ گروہ از اہل اسلام مسافتِ بعید طے نمودہ نذورات می آرند۔ و پرستش ایں سنگ سیاہ می نمایند۔'' (تزکِ جہانگیری ص ۳۴۷)

۲۳۔ ہم نے اپنے زُعم میں بڑی محنت کی اور مجددی تذکرہ نگاروں کی تائید میں ''تزکِ جہانگیری'' سے جو کچھ مل سکا اسے جمع کیا اور حضرت مجددؒ کے اثرات کے ثبوت میں پیش کیا۔ لیکن چونکہ ہم نے ''تزکِ جہانگیری'' کی عبارت کے لحاظ سے حضرت مجدد کے ساتھ دوسروں کو بھی شامل کر لیا تھا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم نے ''حضرت مجدد کی خدمات پر پردہ'' ڈالنا چاہا ہے۔ خیر' خبیر و علیم اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہمیں شکایت نہیں۔ لیکن پروفیسر محمد فرمان نے جو کچھ لکھا ہے' اس کی روشنی میں جہانگیر اور حضرت مجددؒ کے تعلقات کا نئے سرے سے مطالعہ مناسب ہے۔

۲۴۔ حضرت مجدد اس اہم فرق کو خوب سمجھتے تھے۔ خان جہاں کو ایک خط میں شرع مُبین کی تابعداری اور دشمنانِ دین کی مخالفت کی تلقین کر کے لکھتے ہیں۔ ''یہی خدمت جو اب آپ کر رہے ہیں' اگر اس کو شریعت کی بجا آوری کے ساتھ جمع کریں تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سا کام کریں گے' جس سے دین منور و معمور ہو جائے گا۔ ہم فقیر اگر سالوں تک اس عمل میں جان سے کوشش کریں۔ تب بھی آپ جیسے بہادروں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے۔'' ایسا اظہار خیال کئی خطوط میں ہے۔

۲۵۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ نقشبندیہ طریقے کی کسی بات پر اہل شرع یا دوسرے سلسلوں کے ماننے والے اعتراض نہیں کرتے۔ مثلاً تصور شیخ کے متعلق ''ترجمان القرآن'' بابت مئی ۱۹۵۱ء وغیرہ ملاحظہ ہو۔ اسی طرح بعض نقشبندی اشغال کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ یوگیوں میں بھی رائج ہیں۔

۲۶۔ لیکن آپ بنیادی طور پر ایک شیخ طریقت تھے۔ آپ کے ہاں ''کشف و شہود'' کی افراط ہے اور بعض جگہ اپنے طریق کار کو علما کے طریق کار سے جو ''نظر و استدلال'' پر مبنی ہے' مختلف بتایا ہے۔ (مثلاً ملاحظہ ہو دفتر دوم مکتوب نمبر ۴۲)

۲۷۔ آپ کے رسالہ ''ردِ روافض'' کا جو نسخہ خانقاہ سراجیہ کُندیاں شریف میں ہے' اس میں امیر خسرو کی متعدد ابیات بدیں مضمون نقل کی ہیں (۱۴) کہ ہندوستان میں اسلام کو رونق اور یکجہتی حاصل ہے اور لکھا ہے ''کہ تمام سکان آں از اہل اسلام بر عقیدۂ حقیۂ اہلِ سنت و جماعت اند۔ و نشانے از اہل بدعت و ضلالت داراں دیار پیدا نیست۔'' لیکن اب شیعوں کی آمد سے یہ فضیلت و یکجہتی جاتی رہی ہے۔

Marfat.com

۲۸۔ مجددی تذکرہ نگاروں کا یہ خیال، کہ جہانگیر حضرت کا مرید ہو گیا تھا اور اس نے آپ کے حسب الحکم تمام شرعی احکام جاری کرائے، قابل قبول نہیں۔ شیخ مجدد کے ان مکتوبات سے جو آخری سالوں میں لکھے گئے، یہ خیال ہوتا ہے کہ آپ اس زمانے کے حالات سے بھی مایوس تھے اور شاید سمجھتے تھے کہ ظہور قیامت کا زمانہ قریب ہے۔ ایک خط میں صاحبزادگان کو لکھتے ہیں۔ ''قیامت قریب ہے اور ظلمتوں کی گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ کہاں خیریت اور کہاں نورانیت۔ شاید حضرت مہدی علیہ الرضوان خلافت ظاہری کی تائید پا کر اس کو رواج دیں گے۔'' (دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۰۱) اسی زمانے کا ایک اور خط ہے۔ ''یہی باعث ہے کہ ہزار سال کے بعد اندھیرا غالب آ گیا ہے اور سنت اسلام کا نور ماند پڑ گیا ہے۔'' (دفتر سوم مکتوب نمبر ۹۶)

۲۹۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دوسرے سلسلے اتباع شریعت سے عاری تھے۔ یا ان کی جو خاص خوبیاں تھیں، ان کی روحانی اور اخلاقی سربلندی کے لیے ضرورت نہ تھی۔ بلکہ بسا اوقات تو خیال ہوتا ہے کہ اگرچہ بعض دوسرے سلسلوں (مثلاً چشتیہ) میں ظواہر شرعی کی پابندی پر اتنا زور نہیں، لیکن ان کی مستند کتابیں پڑھیں تو جتنا زور باطنی اصلاح اور اخلاقی پاکیزگی پر ان میں نظر آتا ہے، سلسلۂ مجددیہ کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ مثلاً اگرچہ ''فوائد الفواد'' میں وہ معارفِ عالیہ اور علمی مسائل نہیں، جو طریقہ مجددیہ کے شاہکاروں میں ہیں۔ لیکن اخلاقی پاکیزگی اور سربلندی پر جو جگہ جگہ زور دیا گیا ہے (خواہ وہ حضرت بایزید بسطامی کے یہودی دوست کے بیانات کو دہرا کر ہو۔ یا لاہور کی تباہی کو وہاں کے تاجروں کے ضعف دیانت سے متعلق کر کے، وغیرہ) مجددیہ سلسلے کی کتابوں میں (اس مؤثر انداز سے اور اس تکرار کے ساتھ) شاید ہی ملے اور قومی اور انفرادی بلندی کے لیے اس کی بھی بڑی ضرورت ہے، بلکہ ''حاصل سلوک تہذیب الاخلاق'' کی اصل تشریح ہے۔

۳۰۔ سندھ میں پرانے باثر سلسلے یہی دو تھے۔ چشتیہ سلسلے کو سندھ میں کبھی فروغ نہیں ہوا۔ (تکملہ مقالات الشعراء ص ۱۸۴)

۳۱۔ تکملہ مقالات الشعراء ص ۱۸۵

۳۲۔ مکتوبات کے بعض اندراجات پر عہد عالمگیری میں بھی اعتراض ہوئے تھے، بلکہ عالمگیر کی طرف سے بعض ایسے خط حضرت قیوم ثالث وغیرہ کو لکھے گئے جنہیں مجددی حضرات جعلی بتاتے تھے اور جن میں لکھا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی بعض عبارتیں بظاہر خلافِ شرع ہیں اور تمام علماء نے متفق ہو کر اس بات کا فتویٰ دیا ہے کہ مکتوبات کا پڑھنا بند کر دیا جائے۔ چنانچہ عہد عالمگیری میں علماء کا ایک محضر بھی بلایا گیا جس میں مکتوبات پر بحث ہوئی۔ (روضۃ القیومیہ۔ رکن سوم صفحہ ۷۳۔۷۴)

''معارج الولایت'' میں قاضی شیخ الاسلام کا وہ مراسلہ درج ہے، جس میں اورنگ زیب کے حسب الحکم مکتوبات کا پڑھنا بند کر دیا گیا تھا۔ اس لیے یہ خط جعلی نہ تھے۔ لیکن عالمگیر اس کے بعد بھی سلسلہ مجددیہ کا بڑا مقلد نظر آتا ہے۔ جیسا کہ خواجہ نقشبند ثانی کے خطوط سے ظاہر ہے۔

۳۳۔ حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۳۳۵

۳۴۔ روضۃ القیومیہ۔ جلد ثانی ص ۶۴

۳۵۔ ملاحظہ ہو استدراک۔

۳۶۔ اب اسے خانقاہ مظہریہ کہتے ہیں، لیکن یہ وہی بابرکت مقام ہے، جو تاریخ میں خانقاہ شاہ غلام علیؒ یا صرف خانقاہ کے نام سے معروف ہے۔

۳۷۔ کتاب کے سرورق پر مصنف کا نام اس طرح لکھا ہے۔ سب ٹائٹل پر موضوع کتاب کی توضیح ہے۔ ''حضرت شیخ احمد

Marfat.com

سرہندی ملقب (کذا) بہ قیوم اول و مشہور بہ مجدد الف ثانی کے حالات۔"

۳۸۔ ملاحظہ ہو تحریر و تقریر (شائع کردہ حکیم محمود الزمان نمبر ۲۷۲ لطیف آباد۔ حیدر آباد) ص ۱۵۹

۳۹۔ ایضاً۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کا یہ خیال کہ "پروفیسر (محمد فرمان) صاحب نے ("حیات مجدد" میں) صرف یہ کیا ہے کہ (مولانا احسان اللہ عباسی کے) انہی عنوانات کو یکجا کر دیا ہے۔" صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ مولانا احسان اللہ نے فقط عام فہم اندراجات لیے تھے اور اقتباسات کے مطابق عنوانات دے دیئے۔ بعض اقتباسات بڑے مختصر ہیں۔ پروفیسر محمد فرمان نے بطور خود مکتوبات کا بڑا غائر مطالعہ کیا ہے اور اس مطالعہ میں حضرت مجدد کی تعلیمات اور مذہبی احساسات کے جو اہم پہلو نظر آئے انہیں گیارہ بارہ عنوانات کے تحت طویل اقتباسات دے کر ان کی وضاحت کی ہے۔

۴۰۔ مرزا غالب نے ایک دفعہ بہادر شاہ کے دربار میں ایک رباعی پڑھی تھی۔

جن لوگوں کو مجھ سے ہے عداوت گہری   کہتے ہیں وہ مجھے رافضی اور دہری
دہری کیونکر ہو جو کہ ہووے صوفی   شیعی کیونکر ہو ماوراء النہری

آخری مصرع پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا حالی فرماتے ہیں۔"چوتھے مصرعہ کا یہ مطلب ہے کہ ماوراء النہر یعنی ترکستان کے لوگ متعصب سنی ہونے میں ضرب المثل ہیں۔ یہاں تک کہ شیعہ ان کو ناصبی او خارجی سمجھتے ہیں۔" مولانا نے تو فقط ایک پہلو پر تبصرہ کیا ہے' لیکن ترکستان کے لوگ ایرانیوں کی نسبت عام طور پر زیادہ متشدد اور شرع کے زیادہ پابند ہوتے ہیں۔

۴۱۔ وحدت الشہود کی کچھ جھلک شیخ علاء الدولہ سمنانی کی تحریروں میں ملتی ہے' جو قدیمی خواجگان ترکستان میں بڑے دیدہ ور بزرگ تھے۔

۴۲۔ گلزار ابرار میں خواجہ محمد صدیق بدخشی کا بیان اس واقعہ کے متعلق دیکھیے اور اندازہ لگایئے کہ معتقدین بیان واقعات میں کس طرح بے احتیاطی کرتے ہیں۔

۴۳۔ شاید ذبح بقر پر پابندیوں کی طرف اشارہ ہے۔

۴۴۔ یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ اخیر عمر میں حضرت مجدد کے طرز عمل میں زیادہ ملائمت آ گئی۔ جس قسم کے خطوط کا ہم نے حوالہ دیا ہے' وہ دفتر اول میں بہت ہیں۔ دفتر دوم میں شاذ و نادر اور دفتر سوم میں بالکل ندارد۔ بلکہ دفتر سوم میں ایک خط ایسا ہے (مکتوب ۲۲) جس میں "المشرکون نجس" کی تاویل مشرکوں کے حق میں کی ہے اور ملا مقصود علی تبریزی کو لکھا ہے "آپ خلق خدا پر رحم کریں اور عام طور پر ان کی نجاست کا حکم نہ دیں اور مسلمانوں کو بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث جس سے چارہ نہیں' نجس نہ جانیں"۔ اسی طرح ایک اور خط میں انہوں نے چند سوالات کے جواب میں بعض ہنود کے "جذبہ" بلکہ "ایک قسم کی محبوبیت" کا ذکر کیا ہے "۔۔۔ ہم نے بہت سے ہندوؤں کو دیکھا ہے کہ جذبہ رکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ صاحب شریعت علیہ السلام کی متابعت سے آراستہ نہیں ہیں۔ اس لئے خراب و ابتر ہیں اور جذب کی صورت کے سوا کچھ نصیب نہیں۔

سوال: جذب کا حاصل ہونا ایک قسم کی محبوبیت چاہتا ہے۔ پس کفار کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں' جذبہ کا نصیب کس طرح تصور کیا جاتا ہے؟

جواب: ہو سکتا ہے کہ بعض کفار ایک قسم کی محبوبیت رکھتے ہوں جو ان کے جذب کے حاصل کرنے کا باعث ہوئی ہوں"۔ (دفتر سوم مکتوب ۱۲۱۔ ص ۳۱۷)

اسی طرح جب شیخ فرید کی وفات کے بعد جہانگیر نے فتح کانگڑہ کے لئے ایک ہندو جرنیل کو مامور کیا تو مجددی تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق حضرت مجدد نے اسے دعا و بشارت سے سرفراز فرمایا۔

Marfat.com

۴۵۔ حضرت مجدد نے ہنود کے لئے ذمی کا لفظ کہیں نہیں استعمال کیا۔ ہمیشہ اہل کفر کہتے ہیں۔ جزیہ کفار سے نہیں لیا جاتا۔ اہل کتاب ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔ لیکن جب مسلمان ہندوستان میں آئے اور انہوں نے دیکھا کہ اکثر ہندو بت پرست ہیں، لیکن ان کے طریقے کفار مکہ سے مختلف ہیں۔ ان میں سے کئی اپنے خیال کے مطابق خدائے واحد کی عبادت کرتے ہیں تو انہوں نے ان سے بھی وہی سلوک کیا جو فقہی کتب میں اہلِ کتاب ذمیوں کے لیے مخصوص تھا۔ حضرت مجدد ہنود کو کافر کہتے ہیں، لیکن وہ قدیم ہندوستان میں پیغمبر مبعوث ہونے کے قائل تھے۔

۴۶۔ ''مکتوبات سعیدیہ'' کے ناشر حکیم ذوالقرنین صاحب نے کتاب کے شروع میں لکھا ہے:'' چیف ایڈمنسٹریٹر صاحب اوقاف مغربی پاکستان جناب شیخ محمدؒ اکرام صاحب نے (''مکتوبات سعیدیہ'' کی) کتابت کے حسن و جمال اور صاحب کلام کے علومرتبہ وکمال کو دیکھ کر اس کی طباعت واشاعت کے لئے محکمہ سے قرض حسنہ دینا منظور فرمایا''۔ یہ بیان ذرا وضاحت طلب ہے۔''مکتوبات سعیدیہ'' کی اشاعت کے لئے مجھے سب سے پہلے جناب مولانا ابوالخلیل صاحب سجادہ نشین خانقاہ کندیاں شریف مدظلہ نے ارشاد فرمایا تھا۔ بلکہ انہوں نے بکمال محبت دینی ومعارف پروری اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ بھی ارسال فرمایا۔ چنانچہ اسی نسخہ کی بنا پر کتاب کی اشاعت کا ارادہ تھا۔لیکن اس دوران میں سید شبیر بخاری صاحب مشیر تعلیمات وناظم نشریات، محکمہ اوقاف، حکیم ذوالقرنین صاحب والا نسخہ لائے، جس کی کتابت میں واقعی بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ چنانچہ اسی کی اشاعت کا انتظام ہوا۔

(۱) مکتوبات سعیدیہ کی اشاعت کے علاوہ راقم السطور کی نظامت اوقاف کے زمانے میں مجددیہ سلسلہ کی جن اصل فارسی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا، وہ حسب ذیل ہیں: (۲) مکتوبات امام ربانی ہرسہ دفتر ('امرتسری ایڈیشن) (۳) رسائل مجددیہ (۴) مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ (ہرسہ دفتر) (۵) زبدۃ المقامات (۶) حضرات القدس (دفتر ثانی مع تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ از دفتر اول) اور (۷) کلیات حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ۔ (دیوان ہاشم کشمیؒ کے لئے بھی کوشش جاری ہے)۔

محکمہ اوقاف کتاب کی نصف لاگت کے لئے قرض حسنہ دینے کے علاوہ اس کے سو نسخے خریدتا تھا۔ فی الواقع ان کتابوں کی اشاعت ناشرین کی ہمت اور محبت وعقیدت کی مرہون منت ہے۔ افسوس کہ اب فارسی کا رواج اس قدر کم ہو گیا ہے کہ ان کتابوں کی عام نکاسی بہت تھوڑی ہے لیکن انہیں کم از کم سب کتب خانوں میں ہونا چاہیے اور سلسلہ کے سجادہ نشین حضرات اور دوسرے محبوں کو بھی باہمت ناشرین کی سرپرستی کرنی چاہیے۔

۴۷۔ آدم الشعرائے اُردو ولی دکنی کے اُستاد گلشن کے پیرومرشد تھے اور آپ کے عرف گل پر ہی اس نے اپنا تخلص گلشن رکھا۔ آپ کا ضخیم دیوان (دیوانِ وحدت) ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے۔

۴۸۔ جتنی وضعی حدیثیں اس مسئلے پر ہیں، شاید ہی کسی اور مسئلے کے متعلق ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباسیہ کی کشمکش کے دوران میں مخالف فریق ایسی حدیثیں گھڑ کر اپنے مخالفوں کو ذلیل اور بدنام کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ سولھویں صدی میں ایران وتوران کی کشمکش سے پھر پرانی تلخ بحثیں تازہ ہو گئیں۔ ایک طرف اسماعیل صفوی شاہ ایران تھا، جس کی ترجمانی علمائے مشہد وغیرہ نے کی۔ دوسری طرف شیبانی خاں ازبک، جس کو علمائے ماوراء النہر سے مدد ملتی تھی۔ حضرت مجدد اور دوسرے نقشبندیہ بزرگوں کا شیعہ سنی مسئلے پر علمائے ماوراء النہر کا نقطہ نظر تھا۔ لیکن شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں اس نقطہ نظر میں ملائمت آئی اور علی گڑھ تحریک میں شیعہ سنی زعما نے مل کر کام کیا۔ خود بانی پاکستان قائداعظم اثناعشری شیعہ تھے۔

(در: رودِ کوثر از شیخ محمد اکرام، مطبوعہ لاہور)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری

شیخ مجدد الف ثانیؒ ......حیات اور کارنامے

ابتدائی زندگی

شیخ احمد سرہندی ۴ شوال ۹۷۱ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۵۶۴ء بروز جمعہ پنجاب کے مقام سرہند میں پیدا ہوئے۔ نسباً فاروقی تھے۔ خاندان میں کئی پشتوں سے تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ عبدالاحد (۹۲۷ھ/۱۵۲۱ء۔ ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء) سے حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد سیالکوٹ کے مشہور عالم ملا کمال کشمیری[1] (م ۱۰۱۷ھ/ ۱۶۰۸ء) سے منطق، فلسفہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی۔ صحیح بخاری کے شارح شیخ یعقوب صرفی (م ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء)[2] سے حدیث اور قاضی بہلول بدخشانی سے تفسیر کی امہات کتب پڑھیں۔ سترہ سال کی عمر میں تحصیل علوم کے بعد وطن واپس ہوئے۔

تین سال بعد شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء۔ ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) کے پایہ تخت آگرہ کا سفر کیا۔ وہاں فیضی (۹۴۵ھ/۱۵۳۹ء۔ ۱۰۱۴ھ/۱۵۹۵ء) ابوالفضل (۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء۔ ۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء) اور بعض دسرے درباری علماء کے ساتھ نشست و برخاست رہی۔ کہا جاتا ہے کہ فیضی کی غیر منقوط تفسیر 'سواطع الالہام' کی تصنیف میں شیخ احمد نے بھی تعاون کیا تھا۔ مگر ابوالفضل کے ساتھ زیادہ دنوں تک نہیں نبھ سکی، اس لئے کہ اس کے مذہبی عقائد صحیح نہیں تھے۔ وہ اللہ کے وجود پر تو یقین رکھتا تھا لیکن شریعت و عبادت کا منکر تھا اور تمام مذاہب کو مبنی بر غلط قرار دیتا تھا۔ ہر معاملے میں محض عقل پر بھروسا کرتا تھا۔[3] یہ خیالات تنہا ابوالفضل کے نہیں تھے بلکہ شاہی دربار سے وابستہ دوسرے کئی علماء بھی یہی خیالات رکھتے تھے۔ شیخ احمدؒ نے اس صورتحال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''لما رآیت فتور اعتقاد الناس فی هذالزمان فی اصل النبوة ثم ثبوتها و تحققها لشخص معین ثم فی العمل بما شرعة النبوة و تحقق شیوع ذلک فی الخلق حتی ان بعض متغلبة زماننا عذب کثیرا من العلماء بتشدیدات و تعذیبات لا یناسب ذکر ها لرسوخهم فی متابعة الشرائع و اذعان الرسل......؛''[4]

''جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت کے متعلق فتور دیکھا پھر ایک

Marfat.com

شخص معین کی نبوت کے ثبوت اور تحقیق میں اور نبوت کے مشروع کردہ امور میں (فتور دیکھا) اور لوگوں میں اس کا شیوع بڑھایا یہاں تک کہ شریعت کی پیروی اور رسولوں کے اتباع اور ان پر یقین کی وجہ سے ہمارے زمانے کے بعض جابروں نے بہت سے علماء کو سخت ایذائیں پہنچائیں، جن کا ذکر مناسب نہیں ہے......''

ابوالفضل کے ساتھ ایک مباحثے میں شیخ احمد نے نبوت کا اثبات کیا۔ اسے یہ بات ناگوار گزری اور اس نے شیخ کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا۔ شیخ نے بددل ہو کر اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔[5] جب اس بات کی اطلاع شیخ کے والد کو ہوئی تو آگرہ آئے اور انہیں لے کر سرہند روانہ ہوگئے۔ راستے میں تھانیسر کی مقتدر شخصیت شیخ سلطان کی خواہش پر ان کی دختر سے شیخ احمد کا نکاح کر دیا۔[6] سرہند پہنچ کر شیخ احمد نے اپنے والد کی نگرانی میں تصوف کی امہات کتب جیسے شیخ ابوبکر کلاباذی (م ۳۹۰ھ/۱۰۰۰ء) کی ''التعرف المذہب اہل التصوف''، شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) کی ''عوارف المعارف'' اور ابن عربی (م ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) کی ''فصوص الحکم'' وغیرہ کا مطالعہ کیا۔[7]

شیخ احمد کے والد محترم شیخ عبدالاحد نے اوائل عمر میں وحدۃ الوجود کے قائل اور بڑے ہی صاحب جذب و سکر بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۹۱ھ/۱۵۸۳ء) کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی، لیکن شیخ گنگوہی نے انہیں پہلے علوم شرعیہ کی تکمیل کا حکم دیا۔ انہوں نے تعمیل ارشاد میں متعدد مقامات کا سفر کیا اور مختلف علماء سے دینی علوم کی تحصیل کی۔ لیکن چونکہ چند سال بعد جب شیخ عبدالاحد واپس لوٹے تو شیخ گنگوہی سے دینی علوم کی تحصیل کی۔ لیکن چونکہ چند سال بعد جب شیخ عبدالاحد واپس لوٹے تو شیخ گنگوہی کا وصال ہو چکا تھا، اس لئے ان کے فرزند و خلیفہ شیخ رکن الدین سے قادری اور چشتی سلسلوں میں اجازت و خلافت حاصل کی۔[8] شیخ رکن الدین بھی اپنے والد محترم شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی طرح وحدۃ الوجودی تھے۔ اگرچہ شیخ عبدالاحد بھی وحدۃ الوجود میں یقین رکھتے تھے لیکن جیسا کہ شیخ احمد نے وضاحت کی ہے کہ وہ وحدۃ الوجود کے اندھے مقلد نہیں تھے۔ انہوں نے اس نظریے کے بعض پہلوؤں کی خود اپنے طور پر تشریح کی تھی۔[9]

شیخ احمد نے اپنے ایک مکتوب میں شیخ عبدالاحد کی ایک تصنیف ''کنز الحقائق'' کا[10] اور ان کے سوانح نگار محمد ہاشم کشمی نے ایک دوسری کتاب ''اسرار التشہد'' کا تذکرہ کیا ہے۔[11]

بیعت اور روحانی سفر

شیخ احمد نے تصوف کا مطالعہ اپنے والد کی نگرانی میں کیا اور انہی کی صحبت میں راہ سلوک طے کی۔ اپنی کتاب ''مبدأ و معاد'' میں اپنے والد کے اس احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے نسبت فردیہ حاصل کی[12] اور انہوں نے یہ نسبت ایک مشہور صاحب وجد صوفی سے حاصل کی تھی۔ مجھے نفل عبادات کا ذوق بھی اپنے والد سے ملا۔ انہوں نے یہ ذوق ایک چشتی صوفی سے حاصل کیا تھا۔[13]

۱۰۰۷ھ/۹۸-۱۵۹۷ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد شیخ احمد نے حج کے لئے رخت سفر باندھا۔ دوران

Marfat.com

سفر میں دہلی میں ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کے بانی خواجہ باقی باللہؒ (۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء۔۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کے یہاں حاضری دی۔ خواجہ باقی باللہؒ چند ماہ پیش تر ہی دہلی تشریف لائے تھے، لیکن اس مختصر سے عرصے میں انہیں غیر معمولی شہرت حاصل ہوگئی تھی۔

خواجہ باقی باللہؒ کی ترغیب پر شیخ احمد نے کچھ وقت ان کی خدمت میں گزارنے کا ارادہ کیا اور جلد ہی اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ نقشبندیہ سے جڑ گئے اور فنائے حقیقی یا جمع الجمع کی منزل تک رسائی حاصل کی۔[14] حتیٰ کہ ترقی کر کے فرق بعد الجمع کے مقام تک پہنچ گئے۔ خواجہ باقی باللہ فرق بعد الجمع کو انسانی کوششوں کی معراج تصور کرتے تھے۔[15] خواجہ نے اپنے مرید کی اس حیرت انگیز ترقی سے متاثر ہو کر اپنے ایک دوست کو لکھا:

> ''سرہند سے شیخ احمد نامی ایک شخص ابھی جلد ہی آیا ہے، وہ بہت پڑھا لکھا ہے، اس میں غیر معمولی روحانی استعداد ہے، اس نے چند دن میں میرے پاس قیام کیا، اس درمیان اس سے متعلق میں نے جو کچھ دیکھا، اس کی بنیاد پر میں امید کرتا ہوں کہ وہ مستقبل میں ایک ایسا چراغ ثابت ہوگا جو پوری دنیا کو روشن کرے گا۔''[16]

آئندہ چار سال کے عرصے میں شیخ نے اپنے مرشد کی خدمت میں دوبارہ حاضری دی۔ دوسری ملاقات میں سرہند واپسی کے وقت خواجہ باقی باللہ نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا اور اپنے کچھ متوسلین کو تعلیم و تربیت کے لئے ان کے سپرد کیا۔

اگرچہ شیخ احمد نے اس ذمے داری کو قبول کرنے میں تامل کیا تاہم خواجہ کی اس یقین دہانی کے بعد کہ اب وہ کامل ہوگئے ہیں، اسے قبول کرلیا۔[17] تیسری اور آخری بار خواجہ باقی باللہ کی وفات سے کچھ پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ صاحب نے چند قدم چل کر اپنے مرید کا استقبال کیا اور خود اپنے بیٹوں کو بھی ارشاد و سلوک کی غرض سے ان کے سپرد کیا۔[18]

شیخ احمد نے اپنے روحانی سفر کا حال کہیں اجمال اور کہیں تفصیل سے کئی جگہ بیان کیا ہے۔ ذیل میں ان کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

> ''معتقد فقیر از خوردی با مشرب اہل توحید بود والد فقیر قدس سرہ بظاہر برہمیں مشرب بودہ اند و بر سبیل دوام بہ ہمیں طریق اشتغال داشتہ اند باوجود حصول نگرانی تمام در باطن کہ بجانب مرتبہ نئے کیفی داشتہ اند و بحکم ابن الفقیہ نصف الفقیہ فقیر را ازیں مشرب از روئے حظ وافر بود و لذت عظیم داشت تا آنکہ حق سبحانہ و تعالیٰ بہ محض کرم خویش بہ خدمت ارشاد پناہی حقائق و معارف آگاہی مؤید الدین الرضی شیخنا و مولانا و قبلتنا محمد الباقی قدس اللہ تعالیٰ بسرہ رسانید وایشاں بہ فقیر طریقہ علیہ نقشبندیہ تعلیم فرمودند و توجہ بلیغ بحال ایں مسکین مرعی داشتند، بعد از ممارسہ ایں طریق علیہ دراند کہ مدت توحید وجودی منکشف گشت و غلو دریں کشف پیدا شد علوم و معارف ایں مقام فراواں ظاہر گشتند و کم دقیقہ از دقائق ایں مرتبہ ماندہ باشد کہ آنرا منکشف نہ گردانیدند، دقائق

Marfat.com

معارف شیخ محی الدین ابن العربی را کما ینبغی لائح ساختند و تجلی ذات کہ صاحب فصوص آنرا بیان فرمودہ است و نہایت عروج جز آں رانمی داند و در شان آں تجلی می گوید و ما بعد ھذا الا العدم المحض، بآں تجلی ذاتی مشرف گشت و علوم و معارف آں تجلی را کہ شیخ مخصوص بخاتم الولایۃ می داند نیز بہ تفصیل معلوم شدند و سکر وقت و غلبہ حال دریں توحید بحدے رسید کہ در بعضے عریضھا کہ بحضرت خواجہ نوشتہ بود ایں دو بیت را کہ سراسر سکر است نوشتہ بود۔ رباعی ۔

اے دریغا! کیں شریعت ملت اعمائی است
ملت ما کافری و ملت ترسائی است
کفر و ایماں زلف و روئے آں پری زیبائی است
کفر و ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

وایں حال تا مدت مدید کشید و از شہور بسنیں انجامید۔'' ۱۹

(نوعمری سے اس فقیر کا اعتقاد اہل توحید کا مشرب تھا۔ میرے والد بھی ظاہراً اسی مسلک پر تھے اور اسی طریقے سے مستقل اشتغال رکھتے تھے۔ مشہور ہے کہ فقیہ کا بیٹا آدھا فقیہ ہوتا ہے، مجھ کو بھی اس نسبت سے حظ وافر حاصل ہوا اور میں بھی اس میں بڑی لذت پاتا تھا۔ یہاں تک کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ارشاد پناہ، حقائق و معارف آگاہ مؤید الدین شیخ مولانا محمد الباقی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچایا اور آنجناب نے مجھے طریقہ علیہ نقشبندیہ کی تعلیم دی اور میرے حال پر توجہ بلیغ ملحوظ رکھی۔ اس طریقہ علیہ کے اشتغال و ممارست کے بعد تھوڑی مدت میں مجھ پر توحید وجودی کا انکشاف ہوا اور اس انکشاف میں ایک طرح کا غلو پیدا ہو گیا۔ اس مقام کے علوم و معارف کا بہ کثرت فیضان ہوا اور اس کے دقائق میں شاید ہی کوئی بات رہی ہو جو منکشف نہ کر دی گئی ہو۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے دقیق علوم و معارف کما حقہ سامنے آئے اور تجلی ذات جس کو صاحب ''فصوص الحکم'' نے بیان کیا ہے اور اس کو انتہائی عروج کا مقام بتایا ہے، جس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سوائے عدم محض کے کچھ نہیں اس سے بھی مشرف ہوا اور وہ تجلی اور علوم و معارف جن کو شیخ نے خاتم الولایت کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے، بہ تفصیل علم میں آئے۔ اس توحید میں سکر و غلبۂ حال اس حد تک پہنچا کہ میں نے اپنے بعض خطوط میں حضرت خواجہ کو یہ رباعی لکھ کر بھیجی جو سراسر سکر کی دین تھی۔

افسوس یہ شریعت اندھوں کی شریعت ہے
ہمارا راستہ تو کفار اور مجوسیوں کا راستہ ہے
کفر اور ایماں اس خوبصورت پری کے زلف اور رخسار ہیں
ہمارے طریقے میں کفر و ایماں دونوں ایک ہیں۔'')

Marfat.com

اس حالت نے مدت مدید تک طویل کھینچا اور مہینوں سے برسوں کی نوبت آ گئی۔ اپنے روحانی ارتقا کے دوسرے مرحلے کو شیخ احمد نے ذیل کی عبارت میں بیان کیا ہے:

''بعد از مدتے نسبت دیگر برایں درویش غلبہ آورد و در غلبہ آں در توحید توقف نمود اما ایں توقف بحسن ظن بود نہ بانکار مدت متوقف بود آخر الامر کار بانکار انجامید و نمودند کہ ایں پایہ پایانست رخبت بمقام ظلّیت برد اما دریں انکارے اختیار بود و نمی خواست کہ از آں مقام براید بواسطہ آں کہ مشائخ عظام بآں مقام اقامت دارند و چوں بمقام ظلیت رسید و خود را و عالم را ظل یافت چناں کہ طائفہ ثانیہ بآں قائلند آرزوئے آں شد کہ کاشکے ازیں مقام نہ برند کہ کمال در وحدت وجودی دانست و ایں مقام فی الجملہ باو مناسبت دارد اتفاقاً از کمال عنایت و غریب نوازی ازاں مقام ہم بالا برند و مقام عبدیت رسانیدند ایں زماں کمال ایں مقام در نظر آمد و علو آں واضح گشت واز مقامات گذشتہ تائب و مستغفر شد اگر آں درویش را بایں طریق نمی بردند و فوقیت بعض را از بعض نمی نمودند تنزل خود را دریں مقام می دانست چہ نزد او بالاتر از توحید مقام دیگر نبودہ'' واللہ یحق الحق و ھو یھدی السبیل۔'' [۲۱]

(ایک مدت کے بعد دوسری نسبت کا اس فقیر پر غلبہ ہوا اور اس غلبہ کی حالت میں اس کو توحید وجودی کے بارے میں توقف لاحق ہوا' لیکن یہ توقف حسن ظن کے ساتھ تھا انکار کے ساتھ نہیں۔ مدت تک میں متوقف رہا۔ بالآخر معاملہ انکار تک پہنچ گیا اور مجھے دکھایا گیا کہ یہ مرتبہ (وحدۃ الوجود) فروتر ہے اور مجھے مقام ظلیت تک پہنچایا گیا جو اس سے بالاتر ہے۔ میرا یہ انکار ارادی نہیں تھا، میں نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر نکلوں، اس لئے کہ بہت سے کبار مشائخ اسی مقام پر مقیم تھے، لیکن جب میں مقام ظلیت تک پہنچا اور میں خود کو اور عالم کو ظل پایا مجھے یہ آرزو ہوئی کہ اس مقام سے نہ ہٹایا جاؤں، اس لئے کہ وحدۃ الوجود اس وقت بھی میرے لئے تکمیل کی علامت تھی اور یہ مقام فی الجملہ اس سے مناسبت رکھتا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عنایت اور بندہ پروری سے مجھے اس مقام سے بھی بلند کر کے مقام عبدیت تک پہنچایا۔ اس وقت اس مقام کا کمال نظر آیا اور اس کی بلندی واضح ہوئی اور مقام گذشتہ سے توبہ و استغفار کرنے لگا۔ اگر مجھ پر اللہ تعالیٰ کی عنایت نہ ہوتی اور ایک مقام کے بعد دوسرے مقام کی فوقیت اس طرح نہ بتائی جاتی تو میں اس کو مقام تنزل ہی سمجھتا۔ اس لئے کہ میرے نزدیک توحید وجودی سے بالاتر کوئی مقام نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ ہی حق بات کہنے والا اور سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔)

میں نے یہاں نسبتاً لمبا اقتباس نقل کیا ہے۔ شیخ احمد کے روحانی ارتقاء سے خود انہی کے الفاظ میں واقفیت ہو سکے۔ اس طرح ان شکوک و شبہات کا بھی ازالہ ہو جائے، جنہیں بعض معاصر مصنفین [۲۲] نے شیخ احمد کے روحانی ارتقا

Marfat.com

کے بارے میں اس کو پورے طور پر نہ سمجھ پانے کی وجہ سے اٹھایا ہے۔ شیخ احمد نے اپنے روحانی سفر کے تین مراحل کے لیے یہ تین اصطلاحات استعمال کی ہیں: ۱۔ وحدۃ الوجود، ۲۔ ظلیت، ۳۔ عبدیت۔ خالص سلوکی زبان میں یہ تین اصطلاحیں تین مقامات کی تشریح کرتی ہیں یعنی جمع الجمع، فرق بعد الجمع اور فرق المطلق۔ پہلے دو مقام عام ہیں اور بیشتر صوفیہ کی ان تک رسائی رہی ہے جبکہ آخری مقام تک نسبتاً کم صوفیہ پہنچ سکے ہیں۔

شیخ احمد نے ان مقامات کا ذکر دو وجوہ سے کئی جگہ کیا ہے۔[۲۲] اولاً وہ معاصر صوفیہ کے ذہن میں (جن کی اکثریت پہلے یا دوسرے مقام پر فائز تھی) یہ بات بٹھانا چاہتے تھے کہ روحانی ارتقا کا اس سے بھی آگے ایک اور مقام ہے، جہاں اللہ تعالیٰ اور کائنات کی وحدت کا تصور ختم ہو جاتا ہے اور یہ یقین جازم ہوتا ہے کہ کائنات اور خالق کائنات میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کائنات سے کلی طور پر جدا ہے اور انسان محض اس کی ایک مخلوق ہے۔ دوسری بات جسے وہ واضح کرنا چاہتے تھے، وہ یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کی تنزیہہ مطلق کا عقیدہ ان کے لئے صرف ایمان کا مسئلہ نہیں جیسا کہ عام لوگوں کے لیے ہے اور نہ ہی عقلی فیصلہ ہے جو اہل کلام کی آخری منزل ہے، ان کے لئے تو یہ حقیقت ایک ذاتی تجربہ ہے جو ان کی خواہش کے علی الرغم ان کو حاصل ہوا ہے۔

خواجہ باقی باللہؒ کی وفات کے بعد شیخ احمد نے سرہند میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اپنے آپ کو یکسو کر کے کچھ عظیم کاموں کی تکمیل میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے سرہند سے بہت کم اسفار کئے۔ چند بار دہلی اور آگرہ گئے اور وُہ بھی صرف اپنے پیش نظر کاموں کی تکمیل کے لئے۔

سلسلۂ نقشبندیہ کی اشاعت

پہلا کام جس کا شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے بیڑا اٹھایا، وہ ہندوستان میں سلسلۂ نقشبندیہ کی توسیع و اشاعت تھی۔ جلد ہی ان کی شہرت پورے ملک میں پھیل گئی اور چاروں طرف سے لوگ ان کے پاس روحانی ہدایت کے لئے آنے لگے۔ شیخ ان کی رہنمائی کرتے، ان کی روحانی ترقیوں پر نظر رکھتے اور جب وہ ایک مخصوص مقام تک پہنچ جاتے تو ان کو ان کے علاقوں میں واپس بھیج دیتے تاکہ وہاں جا کر نقشبندیہ سلسلے کو فروغ دیں۔ ان میں جو زیادہ باصلاحیت تھے ان کو شیخ نے ہندوستان کے اہم شہروں لاہور، دہلی، آگرہ، سہارنپور، بدایوں، جونپور، الہ آباد، مکن پور، پٹنہ، منگل کوٹ (بنگال) اور برہان پور[۲۳] وغیرہ میں بھیجا اور سلسلۂ نقشبندیہ کی اشاعت کا حکم دیا۔ ان حضرات کی کوششوں کے نتیجے میں یہ سلسلہ بہت جلد مقبول ہو گیا۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ جہانگیر کے اس جملے سے لگایا جا سکتا ہے، جو اس نے اس سلسلے کے آغاز کے سولہ سال بعد لکھا تھا:

"شیخ کے عقیدت مند ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیل گئے ہیں۔"[۲۴]

یہ سلسلہ صرف ہندوستان تک محدود نہیں رہا بلکہ افغانستان، ترکستان، طبرستان اور ایران میں بھی پھیلا۔ شیخ نے شادمان (اصفہان) حسین ابدال (کابل) کشم (بدخشاں) بیرک (قندھار) اور طالقان وغیرہ شہروں میں بھی اپنے خلفاء بھیجے اور ان سے مستقبل رابطہ رکھا۔ جب ان کو کوئی مشکل پیش آتی تو وہ شیخ سے رجوع کرتے اور شیخ ان کے

سوالات کا جواب دیتے۔ اپنے جوابی خطوط[25] میں شیخ مجددؒ نے نقشبندیہ طریقے کے بنیادی نکات واضح کئے ہیں، خاص طور پر اتباع سنت کی اہمیت جتائی ہے۔ سماع، رقص اور ذکر جہری کی ممانعت کی ہے، پُر مشقت عبادات اور سخت ریاضت کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور کھانے، پینے اور پہننے میں میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ شیخ نے لکھا ہے کہ ان کا طریقہ وجد، مشاہدات، تجلیات اور شطحیات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ مکاشفات کو شریعت کے اصولوں پر پرکھتا ہے۔ شیخ نے یہ نکتہ بار بار واضح کیا ہے کہ تصوف کا مقصد نہ تو خدا تعالیٰ کے ساتھ اتحاد ہے اور نہ اس کی صفات میں اشتراک۔ اس کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی اور اس کی اطاعت ہے۔ مقام عبدیت سے بڑھ کر کوئی دوسرا مقام نہیں ہے۔

عہد اکبری میں اسلام کی زبوں حالی اور شیخ کی اصلاحی کوششیں

سلسلۂ نقشبندیہ کی اشاعت چاہے جتنی اہم ہو، وہ شیخ مجددؒ کے مشن کا صرف ایک جز تھی۔ شیخ نے لکھا ہے کہ میرا مقصد لوگوں کی محض روحانی تربیت نہیں ہے، میں تو کسی اور کام کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔[26] وہ اپنے آپ کو ایک ولی سے بڑھ کر ایک مجدد سمجھتے تھے جو الف ثانی (دوسرے ہزار سالہ) میں کار تجدید کے لئے اٹھایا گیا ہو۔[27] اگرچہ انہوں نے خود تفصیل سے نہیں لکھا، تاہم یہ واضح ہے کہ ان کے سامنے ان کا مشن اور اس کے تقاضے پوری طرح واضح تھے۔ شیخ کے کام کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اصل مقصد الحاد اور غلط طریقوں پر تنقید کرنا، وحی، نبوت اور شریعت محمدیہ میں از سر نو یقین راسخ پیدا کرنا، نافرمانیوں اور بدعات و خرافات کو مٹانا، اچھائیوں، نیکیوں اور اتباع سنت کا احیا کرنا اور اسلام مخالف عناصر اور قوتوں کے خلاف جہاد اور اسلامی اداروں کا قیام تھا۔ شیخ مجددؒ نے اپنی ساری ذہنی طاقتوں کو اس مقصد کی تحصیل کے لیے وقف کر دیا تھا۔ انہوں نے سماج کے ہر طبقے، عوام، علماء، صوفیہ اور اہل حکومت و سیاست کے غلط خیالات کی اصلاح کے لئے کتابیں اور رسالے تصنیف کئے[28] اور واضح کیا کہ قرآن و سنت اور عقل و طریقت کی روشنی میں کیا درست ہے اور کیا غیر درست ہے۔ انہوں نے زندگی کے ہر پہلو سے متعلق اہم شخصیات کو، چاہے ان کا تعلق مدارس سے ہو یا خانقاہوں سے، فوج سے ہو یا حکومت سے، خطوط لکھے اور سب کو توجہ دلائی کہ وہ اپنے زیر اثر حلقے میں لوگوں کی اصلاح کریں اور ان کو اس بھاری ذمہ داری کا احساس دلائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کاندھوں پر ڈالی ہے۔ انہوں نے ان کے پاس اپنے پیغام رساں بھی بھیجے اور جب ضرورت محسوس ہوئی خود بھی سفر کیا۔ ہند اور بیرون ہند میں اپنے مریدین کے ذریعے لوگوں کے عقائد کی درستی اور اتباع سنت کی مہم چلائی۔ انہوں نے اپنے مکاتیب کی متعدد کاپیاں تیار کر کے اپنے حلقہ مریدین میں تقسیم کرائیں۔ آئندہ سطور میں مختصراً اس عظیم کام کا بیان ہے جو شیخ مجدد نے انجام دیا ہے۔

سماج کا ایک طبقہ جس کے عوام پر بڑے گہرے اثرات تھے، درباری علماء کا تھا۔ عوام پر اس طبقے کے بڑے گہرے اثرات تھے۔ ابوالفضل کا ذکر ابتدا میں آچکا ہے۔ اس کے علاوہ اس گروہ میں اور بھی لوگ شامل تھے۔ مثلاً ابوالفضل کے والد ملا مبارک ناگوری (م ۱۰۰۱ھ/۱۵۹۳ء) جس نے اکبر کو الحاد کی راہ پر ڈالا تھا۔[29] میر فتح اللہ شیرازی (م ۹۹۷ھ/۱۵۸۸ء) جو اس کمیٹی کا سربراہ تھا، جو شریعت مطہرہ کی معقولیت جانچنے کے لیے بنائی گئی تھی۔[30] شریف

Marfat.com

آملی جس کو اکبر نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے بنگال میں متعین کیا گیا تھا۔[۴۱] اور بھی متعدد افراد تھے جنہوں نے یونانی فلسفہ پڑھا اور ہندو پنڈتوں سے ہندی فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ لوگ وحی اور نبوت کی معقولیت پر اعتراض کرتے تھے اور الٰہی شریعت کی ضرورت کے منکر تھے۔ اس رجحان کا مقابلہ کرنے کے لئے شیخ مجدد نے آگرہ کے دوران قیام اپنی پہلی کتاب 'اثبات النبوۃ' لکھی۔ دربار کے حالات کا مختصر ساذکر کرنے کے بعد، نبوت کے مزاج اور اس کی ضرورت کے متعلق تفصیلی بحث کی اور یہ بتایا کہ کسی نبی کے دعوائے نبوت پر یقین لانے کے کیا وجوہ ہیں؟ خواب اور کشف کے حوالے سے وحی کے امکان کو ثابت کیا۔[۴۲] وحی کی ضرورت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ انسانی عقل محسوسات سے ماورا صداقتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ جہاں تک صوفیہ کے کشف کا تعلق ہے تو اس میں غلطی کا امکان بہت ہے' اس لئے مختلف صوفیہ کے مکاشفات میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔[۴۳] جہاں تک کسی نبی کے دعوائے نبوت کے اثبات کا تعلق ہے تو شیخ مجددؒ نے معجزوں کے علاوہ نبی کی زندگی، اس کے پیغام اور اس کے کام کو بطور ثبوت پیش کیا ہے۔ محمد ﷺ کی نبوت کے اثبات کے ضمن میں انہوں نے قرآن کریم، نبی ﷺ کی مثالی زندگی، آپ کی شریعت کا مکمل ہونا اور معاشرہ پر آپؐ کے غیر معمولی اثرات کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ 'اثبات النبوۃ' اپنے موضوع پر مختصر مگر بہت اہم کتاب ہے۔ اس کتاب میں اور دوسرے کلامی مباحث میں جو شیخ کے خطوط میں جابجا پائے جاتے ہیں' انہوں نے اسلام کی پوری کلامی روایت سے استفادہ کیا ہے، خاص طور پر تسخ مکتب فکر سے، جو اس وقت وسط ایشیا میں چھایا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بھی ان کی کتابوں میں مثلاً صفات ذات باری، آزادئ ارادہ، ایام فترۃ کے ایمان وغیرہ سے متعلق نئے مباحث اور نکتے ملتے ہیں۔ وحدۃ الشہود کے صوفیانہ نظریہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

اکبری عہد میں نبوت کے علاوہ مقام صحابہ کو بھی ہدف طعن بنایا جا رہا تھا۔ شیعوں نے ملک بھر میں تنقیص صحابہ کی جو پُرجوش مہم چلا رکھی تھی، خاص طور پر ایران میں صفوی بادشاہوں کے ذریعے شیعیت کے احیا کی تحریک سے متاثر ہوکر یہاں بھی شیعوں نے خلفاء ثلاثہ کو یہ کہہ کر مطعون کرنا شروع کیا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو خلافت سے محروم کر دیا تھا۔ حضرت علیؓ کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کی وجہ سے حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور امیر معاویہؓ کے خلاف بھی زبان درازی کرتے تھے اور ان صحابہ کو بھی جنہوں نے ان کی حمایت کی تھی، ہدف طعن بناتے تھے۔ ان کی طعن و تشنیع بڑھتے بڑھتے حضرت علیؓ اور ان کے چند حامیوں کو چھوڑ کر پورے گروہ صحابہ پر حاوی ہوگئی تھی۔ دربار آگرہ کے جو لوگ اس تحریک میں پیش پیش تھے ان کی قیادت قاضی نور اللہ شوشتری کر رہے تھے۔[۴۴] جنوب میں اس کی قیادت برہان نظام شاہ (۱۵۰۸ء۔۱۵۵۳ء) نے سنبھال رکھی تھی جس نے صحابہ کرام پر تبرا کرنے اور اس راہ میں مزاحم ہونے والوں کو قتل کرنے کے لئے سینکڑوں لوگوں کو بطور خاص ملازم رکھا تھا۔[۴۵] شمال میں اس مہم کا دوسرا مرکز کشمیر تھا۔ آگرہ میں شیعہ عالموں نے ایک کتاب شائع کی جس میں شیعہ مسلک پر وسط ایشیا کے سنّی علماء کی تنقید کا جواب دیا تھا اور اپنے مؤقف کو درست ٹھہرایا تھا۔ اس کتاب کو ایک معرکہ آراء کتاب کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا تھا۔

شیخ مجدد نے اپنی تصنیف 'رد روافض' میں اس کتاب کا تنقیدی جائزہ لیا اور اہل سنت کے مؤقف کی تائید کی۔ اس تصنیف میں اور اس موضوع سے بحث کرنے والے دوسرے خطوط میں[۴۶] شیخ مجدد نے دکھایا کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب کی تنقیص و اہانت غلط ہے۔ اول تو یہی درست نہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کی

Marfat.com

وصیت کی تھی۔ اس سلسلے کی جتنی روایات ہیں، سب موضوع ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابتدائی تین خلفاء سے یہ بات مستبعد ہے کہ وہ نبی ﷺ کی وصیت کے خلاف کام کریں اور اگر حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو جانشین بنایا ہوتا تو یہ بات حضرت علیؓ کے وقار کے بھی خلاف ہے کہ وہ ان تینوں کا اتباع کر کے اپنے حق کا ابطال کرتے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر شیعہ مؤقف قبول کرلیا جائے اور صحابہ کی مذمت کی جانے لگے، تو اس سے قرآن کی حقانیت شدید طور پر متاثر ہوگی۔ اس لئے کہ قرآن پاک کو صحابہؓ نے ہی جمع کیا تھا۔ اسی طرح حدیث کے پورے ذخیرے کا اعتبار بھی مجروح ہو جائے گا، اس لئے کہ وہ بھی صحابہ ہی سے نقل ہو کر آیا ہے۔ یہ بات نبی کریم ﷺ کے اس مشن کو بھی مجروح کرتی ہے جس کے لئے آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپؐ نے پوری زندگی ایسے لوگوں کو تیار کرنے میں گزار دی جنہوں نے اپنے پیشوا کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کی ایک غیر معمولی وصیت کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ صحابہ میں جنہوں نے بعد میں حضرت علیؓ کی مخالفت کی تھی، ان کے بارے میں شیخ مجددؒ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اس معاملے میں حضرت علیؓ برسرِحق تھے اور ان کے مخالفین غلطی پر تھے۔ تاہم ان کی غلطی اجتہادی تھی، جیسا کہ بہت سے علماء نے اشارہ کیا ہے۔ چونکہ اس اختلاف کا سبب ذاتی اغراض نہیں تھے[37] اس لئے ان پر تنقید کرنے کی بجائے ان کو معذور سمجھنا چاہئے۔ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ توجیہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور عائشہؓ کو تو بری کر دیتی ہے لیکن حضرت معاویہؓ کو نہیں[38] جنہیں شیخ مجدد نے بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے، تب بھی ان حضرات کی وفات کے بعد ان کی تنقیص کا عمل نامناسب ہے[39] خاص طور پر جب انہوں نے اسلام کی بے شمار قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ شیخ مجدد کی 'رد روافض' کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس تصنیف کے تقریباً ایک صدی بعد شاہ ولی اللہ جیسی شخصیت نے اس کی شرح لکھی اور اس کی مقبولیت میں اضافہ کیا۔[40]

شیخ مجدد کے دور میں عام مسلمانوں کی زندگی کافی حد تک شرک و بدعت سے عبارت تھی۔ مشرکانہ مذاہب اور ہندوستانی ثقافت سے ربط و تعلق کی وجہ سے مسلمان غیر مسلموں کے مذہبی رسوم میں شرکت کرتے تھے۔[41] اپنی اغراض کے لئے ان کے دیوی دیوتاؤں سے منت مانگتے تھے عورتیں چیچک سے بچنے کے لئے ان کی پرارتھنا کیا کرتی تھیں۔[42] راکھی اور دیوالی جیسے ہندو تہواروں میں بھی مسلمان شریک ہونے لگے تھے۔ دیوالی کے موقع پر وہ بھی بالکل ہندوؤں کی طرح دیئے جلاتے تھے اور کھانا پکا کر رنگ برنگ برتنوں میں دوستوں کے یہاں تحفے بھیجا کرتے تھے۔[43] ہندو تہذیب کا اثر اوپر کے طبقوں تک بھی پہنچ چکا تھا، مثلاً دکن میں خان خاناں کے دربار میں ایک شاعر نے کفری تخلص اختیار کر رکھا تھا۔[44]

مذہبی انحطاط کا دوسرا سبب جاہل اور گمراہ صوفیہ کے اثرات تھے۔ ان کے نام کی نذریں مانی جاتی تھیں اور مرحوم صوفیہ کی قبروں پر قربانیاں کی جاتی تھیں۔ عورتیں اپنے صوفی پیروں کے نام کے روزے رکھتی تھیں اور دوسری بہت سی رسوم بھی ادا کرتی تھیں، مثال کے طور پر وہ چاہے کتنی ہی مال دار کیوں نہ ہوں، مانگی ہوئی بھیک سے ہی روزہ افطار کرتی تھیں۔[45] پندرہ شعبان کی شب، رجب کی ستائیسویں شب اور رجب کی پہلی جمعرات جسے لیلۃ الرغائب کہا جاتا تھا' کو بڑے اہتمام سے منایا جاتا تھا۔ اس موقع پر اجتماعی طور سے نفل پڑھنے کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔[46] صوفیہ میں سماع اور وجد اور رقص عام تھا۔ جشن میلاد النبی بھی بڑی دھوم سے منایا جاتا تھا۔[47] خود مجدد کے

Marfat.com

پیرزادے بھی جمعرات کے دن قوالی میں شرکت کو معیوب نہیں سمجھتے تھے۔[48] فرائض وسنن کے مقابلے میں ذکر وفکر کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ لوگ چلہ کشی تو کرتے تھے مگر نماز باجماعت کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔[49] پیروں کے بارے میں یہ تصور عام تھا کہ ان کے اندر ایسی روحانی قوت ہے کہ اگر وہ کسی سے ناراض ہو جائیں تو اسے روحانی ارتقا سے محروم کر سکتے ہیں[50] اور اگر کسی سے راضی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سے اس کے گناہ بھی بخشوا سکتے ہیں۔[51]

وجودی صوفیہ تو شریعت کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے تھے۔ شریعت کو صرف علم یقین حاصل کرنے کا ذریعہ تصور کرتے تھے۔ ایسی صورت میں ان کے خیال میں کسی وحدۃ الوجودی کے لئے انبیائی شریعت کی حاجت باقی نہیں رہتی۔[52] کچھ صوفیہ یہ کہہ کر نماز کی اہمیت گھٹایا کرتے تھے کہ یہ اللہ اور بندے کے درمیان تفریق کرتی ہے۔[53] بعض صوفیہ فنا اور بقا کو وفات اور حشر کا مساوی قرار دیتے اور جزا وسزا کا انکار کرتے تھے۔[54] بعض صوفیہ حسین چہروں کو دیکھنے اور خوش گلو کی آواز سننے کا یہ جواز نکالتے تھے کہ یہ حسن ازلی کے مظاہر ہیں۔[55] شیخ مجدد نے ان افکار وخیالات کا تذکرہ اپنے خطوط میں کیا ہے۔ انہیں کفر، شرک اور بدعت قرار دیا ہے۔ انہوں نے صوفیہ کو ہدایت کی ہے کہ ان گمراہیوں سے بچیں اور اپنی زندگی کو درست کریں۔ تھانیسر کے ایک صوفی کے نام ایک خط میں انہوں نے لکھا:

> ''نماز عشاء کو نصف شب تک اس ارادے سے مؤخر کرنا کہ اس طرح تہجد کی نماز پڑھ لی جائے، قابل اعتراض ہے۔ حنفی فقہاء نے اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے یہ چیز ختم ہونی چاہئے۔ آپ اپنے وضو کا ماء مستعمل دوسروں کو پینے کی ہدایت ہرگز نہ کریں' اس لئے کہ ماء مستعمل امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناپاک ہے۔ فقہاء نے اس کے استعمال سے منع کیا ہے۔ مجھے معتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے خلفاء کو ان کے مریدین سجدہ کرتے ہیں اور تعظیم کے لئے صرف سر جھکا دینے کو کافی نہیں سمجھتے۔ یہ فعل شنیع ہے اس کی شدید مذمت کرنی چاہئے اور اس کو بند کر دینا چاہئے۔''[56]

شیخ احمد بدعت حسنہ وسیئہ میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ دین میں ہر اضافہ بدعت ہے۔ اپنے ایک مرید کے نام خط میں لکھتے ہیں:

> ''تم نے پوچھا ہے کہ ذکر جہری کو کیوں منع کرتا ہوں اور بدعت کہتا ہوں جب کہ اور بہت سی دیگر اشیاء کو منع نہیں کرتا جو عہد نبوی میں نہیں تھیں جیسے فرجی لباس (سامنے کا پورا حصہ کھلا ہوا، اچکن کی طرح) اور پائجامہ وغیرہ۔ اس بات کو یاد رکھو کہ رسول عربی ﷺ کے اعمال دو طرح کے تھے، کچھ تو عبادات کے قبیل سے تھے اور کچھ عرف وعادات یا رسوم ورواج کے قبیل سے۔ جو اعمال آپؐ نے بطور عبادت کئے تھے، ان میں مداخلت بدعت ہے، اس کی سختی سے مخالفت ہونی چاہئے کیونکہ یہ دین میں اضافہ ہے۔ البتہ جو کام آپؐ نے بطور عرف وعادت کئے ہیں ان میں تبدیلی بدعت نہیں کہلائے گی اس لئے کہ ان کا تعلق دین سے نہیں ہے، ان کا وجود اور عدم وجود عرف وعادت پر مبنی ہوتا ہے مذہب پر نہیں۔''[57]

Marfat.com

شیخ مجدد نے بدعات کا تذکرہ کیا۔ ان میں سے کچھ تو دین میں اضافہ ہیں جن کے لئے کوئی نص موجود نہیں ہے اور ان سے شریعت کی قائم کردہ ترجیحات بھی متاثر ہوتی ہیں۔ ان سے ایسی چیزوں کو فروغ ملتا ہے جو شریعت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح کا ایک تصرف یہ تھا کہ شریعت نے جن احکام کے وقت اور جگہ کا تعین کیا تھا لوگ ان میں جگہ اور مقام کی تبدیلی کرتے تھے۔ شیخ مجدد کا کہنا تھا کہ ہر قسم کی بدعت، اعمال کی انجام دہی کے مطلوبہ طریقوں میں تبدیلی کرتی ہے اور سنت کو ہٹا کر اس کی جگہ لے لیتی ہے۔[۵۸]

شیخ مجدد نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ جو علماء لوگوں کو شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دینے پر مامور تھے، وہ خود بدعت و گمراہی میں مبتلا ہیں۔ لکھا ہے کہ اس وقت سارا عالم بدعت کے دریا میں غرق ہو چکا ہے اور برائیاں فروغ پا رہی ہیں۔ آج کے علماء بھی بدعت کے مبلغ اور سنت کے مخالف بنے ہوئے ہیں۔ بدعت کی مخالفت اور سنت کی حمایت کرنے کی کسی میں ہمت نہیں ہے۔ بیشتر علماء لوگوں کو یہ کہہ کر بدعت میں مبتلا کر رہے ہیں کہ یہی طریقہ زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے۔[۵۹]

علماء صرف بدعت کے فروغ پر اکتفا کر رہے ہیں بلکہ پورے نظام دین کو مسخ کرنے کی کاوش کر رہے ہیں۔ ایک عالم جو پورے ملک کے سب سے معتبر دینی عہدے پر فائز ہیں' انہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ مکہ کا راستہ پُر خطر ہونے کی وجہ سے حج کی فرضیت ساقط ہوگئی۔[۶۰] ایک دوسرے عالم نے لاہور میں فتویٰ دیا ہے کہ سود لینا جائز ہے۔[۶۱] کچھ دوسرے علماء نے بادشاہ کے سامنے تعظیماً رکوع کرنے اور زمین پر سر رکھنے کو جائز قرار دیا ہے۔[۶۲] اس فعل کے جواز میں ایک ''تاج العارفین'' نے وحدۃ الوجود کا سہارا لیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ بادشاہ اور خدا دونوں ایک ہی ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔[۶۳] ایک دوسرے عارف کہتے ہیں کہ چونکہ جنت میں لوگ بغیر داڑھی کے ہوں گے اس لئے داڑھی منڈوانا جائز ہے۔[۶۴]

شیخ مجدد اس طرح کے اقوال کو دین میں مداخلت قرار دیتے ہیں اور ان کے کہنے والوں پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ وہ ان کو دین کا رہزن بتاتے ہیں۔[۶۵] شیخ مجدد نے اکبر کو گمراہ کرنے والے اس کے درباری علماء ملا مبارک اور ابوالفضل پر سخت تنقید کی ہے۔[۶۶] وہ ان کی سطحیت اور علمی کم مائیگی کو اسلام سے انحراف اور آزاد خیالی کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ لوگ ایسے خودغرض اور کم ظرف ہیں جو ذاتی مفادات کے لئے ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو فاسق و فاجر اور مفسد قرار دیتے ہیں اور اپنے منصب سے فائدہ اٹھا کر محض دولت جمع کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔[۶۷]

شیخ مجدد نے ملک کے خدا ترس علماء سے اپیل کی کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ان غلطیوں کی اصلاح کریں جنہوں نے عوامی زندگی کو متاثر کیا ہے اور اسلام کی تصویر بگاڑی ہے۔ انہوں نے تنبیہ کی کہ اس معاملے میں مفاہمت کی کوئی بھی کوشش خطرناک ثابت ہوگی۔ جب لاہور کے بعض علماء نے سود کے جواز کا فتویٰ دیا تو وہاں کے ایک بڑے عالم کے نام طویل خط لکھا۔ اس میں شیخ نے ان کے دلائل جواز کی تردید کی اور توجہ دلائی کہ علماء حق کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا چاہئے۔[۶۸] ایک دوسرے خط میں اپنے خلیفہ ملا احمد برکی کے نام لکھا:

Marfat.com

"جہاں جہاں بدعات کا زور ہے، وہاں پوری توجہ اور لگن سے شرعی احکام اور فقہی اصولوں کو رواج دینے کی کوشش کرو، اپنے آپ کو تیار کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دو، یہ تمہاری ذمہ داری ہے اسے صرف خوشنودی رب کے حصول کے لیے کرو۔"[۶۹]

۹۸۷ھ/۱۵۷۹ء میں درباری علماء نے ایک محضر نامہ تیار کیا[۷۰] اور اس پر مختلف علماء کے دستخط کروا کے اسے اکبر کی خدمت میں پیش کیا۔ اس میں انہوں نے لکھا کہ اکبر نہایت عادل، ذی علم اور خدا ترس بادشاہ ہے، اس لئے اس کا مقام مجتہد سے بھی افضل ہے اور اس کو مجتہدین کے مابین مختلف فیہ معاملات میں فیصلہ دینے کا اختیار ہے۔ یہ حق حاصل کرنے کے بعد اکبر نے اگلے دو دنوں میں تین ایسے بنیادی اقدامات کئے جن سے برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پر دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ اول اکبر نے ملا مبارک اور اس کے بیٹے ابوالفضل کا تجویز کردہ ایک نیا مذہب دین الٰہی جاری کیا۔[۷۱] اس دین کی بنیاد یہ کہہ کر رکھی گئی کہ چونکہ اسلام اپنے ہزار سال پورے کر چکا ہے جو کسی بھی مذہب کی طبعی عمر ہے، اسلئے اب اس کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ دین الٰہی اس طرح ترتیب دیا گیا کہ اس میں اسلام کے سوا دیگر تمام مذاہب جیسے ہندو مذہب، عیسائیت، یہودیت وغیرہ کے عقائد و رسوم شامل تھے' اس کی تفصیلات بہت دلچسپ ہیں'[۷۲] لیکن یہاں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اس مذہب کے بانی اور چند دیگر چیلوں کے علاوہ کسی نے بھی اس مذہب کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ ایسے اشارے موجود ہیں کہ خود اکبر اس مذہب کا سرپرست اعلیٰ تھا۔ وہ بھی آخر میں اس سے تائب ہو گیا تھا۔[۷۳] یہ بھی قابل ذکر ہے کہ شیخ مجدد نے اکبر کے دیگر اعمال پر تنقید کی لیکن انہوں نے اس کے مذہب کا نوٹس لینا ضروری نہیں سمجھا۔ بحیثیت مذہب دین الٰہی مکمل طور پر ناکام ہوا۔

دوسری اور زیادہ اہم بات یہ ہوئی کہ اکبر نے اپنے دربار میں ایسے لوگوں کو جمع کیا جو اسلامی عقائد و عبادات اور اسلامی شخصیات کو ہدف تنقید بناتے رہے اور ان کی تحقیر و استخفاف کرتے تھے۔ اکبر اگرچہ بنیادی طور پر مختلف مذاہب میں صداقت کا متلاشی تھا لیکن بعض خود غرض اور تنگ نظر علماء کی آپسی چپقلش نے اس کی کوشش کو اسلام کے خلاف ایک مہم میں تبدیل کر دیا تھا۔ خدا پر ایمان تو باقی رہا لیکن باقی چیزیں جیسے تخلیق کائنات، ملائکہ، بعث بعد الموت، وحی و رسالت وغیرہ کا انکار کر دیا گیا۔ ان کے بجائے عالم ازلی قرار دیا گیا، عقیدہ تناسخ کی تصدیق کی گئی اور رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ کو ہدف طعن بنایا گیا۔ مخلف افراد کے ناموں میں آپ ﷺ کا نام نامی جز کے طور پر استعمال ہوتا تھا اسے حذف کر دیا گیا (جیسے محمد فرید کو فرید کہا جانے لگا)، نماز اور دوسرے اعمال پر تنقید کی گئی، حلت و حرمت کے قانون کا مضحکہ اڑایا گیا وغیرہ۔[۷۴] اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ جس نے بھی ان باتوں کو قبول کرنے سے انکار کیا یا اعتراض کرنے کی ہمت کی' اس کی تذلیل کی گئی، سزائیں دی گئیں اور بعض کا تو خاتمہ بھی کر دیا گیا۔[۷۵]

تیسری اہم بات یہ ہوئی کہ اکبر نے شریعت اسلامیہ پر مبنی ملک کے قانون کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے زکوٰۃ اور جزیہ کو ختم کر دیا، شراب نوشی اور جوئے کو جائز قرار دیا، چچا زاد بھائی اور بہن کے مابین مناکحت اسلام میں جائز ہے، اس کو ممنوع کر دیا۔ ایک سے زائد شادیوں پر پابندی عائد کر دی، جسم فروشی کے کاروبار کو فروغ دیا، ذبیحہ گائے پر پابندی لگا دی اور مختلف ایام میں دیگر جانوروں کا ذبح ممنوع قرار دے دیا۔ خطبہ جمعہ سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اسماء مبارک نکال دیئے گئے، سنہ ہجری موقوف کر دیا گیا، نئے ہزار سالہ کے آغاز پر نئے سکے جاری کئے گئے،

Marfat.com

عربی اور اسلامیات کے مطالعے کی حوصلہ شکنی کی گئی، عربی مدارس کے لئے دی جانے والی سرکاری امداد یا تو بند کردی گئی یا مختصر کردی گئی اور جو اسلامی عہدے اور مناصب خالی ہو گئے تھے' ان کو پُر نہیں کیا گیا۔ [6]

ان چیزوں کا اثر یہ ہوا کہ اسلام کا دوسرے مذاہب کے درمیان بحیثیت مذہب زندہ رہنا مشکل ہو گیا۔ اس کو دبانے اور معتوب کرنے کی کوشش کی گئی۔ شمالی ہند میں چیتنیہ کی سرکردگی میں چلنے والی ہندو احیا پرستی کی تحریک نے صورتحال اور بھی خراب کردی۔ متعدد مقامات پر مسلمانوں کی جان غیر محفوظ ہو گئی، مسجدیں شہید کی گئیں اور اسلامی اعمال کی انجام دہی ممنوع قرار دی گئی۔ شیخ مجدد نے اس صورتحال کا اپنے متعدد خطوط میں تذکرہ کیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے۔ سابقہ ایام میں غیر مسلم، مسلم بستیوں میں بھی اپنے مذہبی رسوم آزادانہ ادا کرتے تھے جبکہ مسلمان اسلام کی اتباع بھی نہ کر سکتے تھے اور اگر اس کی ہمت کرتے تو ان کو موت کی سزا دی جاتی۔ [7] ہندو مسجدوں کو شہید کرنے اور ان کی جگہ مندر تعمیر کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے تھے، مثال کے طور پر کوروکشیتر میں ایک مسجد اور کسی بزرگ کا ایک مزار تھا، ہندوؤں نے اس کو شہید کر کے اس کی جگہ ایک بہت بڑا مندر تعمیر کرلیا۔ غیر مسلم حضرات اپنے مذہبی رسوم علانیہ ادا کرتے تھے جبکہ مسلمان اپنی مذہبی عبادات کو ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ ایکادشی کے دن ہندو برت رکھتے تھے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس دوران مسلم محلوں میں بھی مسلمان کھانا نہیں بنا سکتے تھے اور نہ کھانا فروخت ہی کر سکتے تھے جبکہ رمضان المبارک میں وہ لوگ کھلے عام کھانا تیار کرتے اور اشیائے خورد و نوش فروخت کرتے تھے' لیکن اہل اسلام کی کمزوری کی وجہ سے کوئی ان سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ملک کا حکمران ہم ہی میں سے ایک فرد ہے اور ہم اس قابل رحم حالت میں رہ رہے ہیں۔ [8]

اکبر کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں جانشینی کا مسئلہ کھڑا ہوا۔ سلیم (جہانگیر) کو بعض ایسے درباری امراء کی حمایت حاصل ہو گئی جو اکبر کی مذہبی پالیسی کے خلاف تھے۔ اس نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شریعت کی حمایت کرے گا۔ [9] چنانچہ اکبر کی وفات کے بعد ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء میں وہی تخت نشین ہوا۔

شیخ مجدد کو جہانگیر کی تخت نشینی سے مسرت ہوئی لیکن انہیں یقین نہیں تھا کہ جہانگیر اپنے وعدے کو پورا کر سکے گا۔ اگر وہ کرنا بھی چاہے تو اس کو اس کام کا صحیح طریقہ معلوم ہو گا' اس لئے شیخ مجدد نے شریعت سے جہانگیر کے تعلق کو مضبوط کرنے اور اس تک صحیح مشورہ پہنچانے کی کوشش کی۔ اپنا مطمح نظر بنایا۔ شیخ کو ان عناصر کی مخالفت کا بھی اندیشہ تھا جو اگرچہ دب گئے تھے لیکن ختم نہیں ہوئے تھے۔ صورتحال کے اس تجزیہ کے بعد انہوں نے جہانگیر کے قریبی بڑے عہدیداروں کو خطوط لکھے اور انہیں اسلام اور مسلمانوں کی قابل رحم حالت کے بارے میں بتا کر فوری کارروائی کی ضرورت کا احساس دلایا۔ مثال کے طور پر جہانگیر کے استاذ اور ملک کے صدر الصدور صدر جہاں (م ۱۰۲۷ھ/۱۶۱۸ء) کے نام ایک خط میں انہوں نے لکھا:

> "اب جبکہ صورتحال بدل چکی ہے، لوگوں کی عداوتیں کم ہو چکی ہیں اسلامی زعماء، صدر اسلام اور علماء اسلام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شریعت کو نافذ کرنے کی کوشش کریں، اسلام کے وہ ارکان جو منہدم ہو گئے ہیں' ان کو دوبارہ رائج کریں، مجھے اس بات کا شدید احساس ہے...... اگر

Marfat.com

بادشاہ شریعت مصطفویہ کے نفاذ کے بارے میں کوشاں نہ ہوا اس کے قریبی لوگ اپنے آپ کو اس معاملے میں معذور سمجھیں اور وقت کو اسی طرح گزار دینا چاہیں تو آگے چل کر عام مسلمانوں کے لئے جنہیں کوئی قوت حاصل نہیں ہے، زندگی دشوار ہو جائے گی۔''[۸۰]

ایک دوسرے درباری امیر خان جہاں (م ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء) کے نام انہوں نے لکھا:

''جب بادشاہ آپ کی بات غور سے سنے اور اہمیت دے تو آپ انہیں اہل سنت والجماعت کے عقائد مختصر یا تفصیل کے ساتھ بیان کر دیں تو یہ بڑی بات ہوگی۔ براہ کرام بادشاہ کو شریعت محمدیہؐ کے بارے میں بتائیے۔ اسلام اور مسلمانوں کے دفاع میں جب کوئی موقع ملے تو اس کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔ اسلام کے اصولوں کا دفاع کیجئے اور بدعت و گمراہی پر تنقید کیجئے۔''[۸۱]

جب جہانگیر نے علماء کی ایک چہار رکنی کمیٹی تشکیل دی تو شیخ فرید کو جنہوں نے جہانگیر کی حکومت کو بچانے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، شیخ مجدد نے لکھا کہ صرف ایک خدا ترس، فاضل و لائق عالم کا انتخاب کیا جائے۔ اگر ایک سے زائد علماء ہوں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ باہمی چپقلش میں مبتلا ہو کر جہانگیر کو بھی اسی طرح گمراہ کر دیں جس طرح ان سے قبل ان کے باپ کو گمراہ کر دیا تھا۔[۸۲]

شیخ مجدد نے مختلف صوبوں کے اعلیٰ حکام کو بھی اپنے حلقہ اثر میں اسلام کو نافذ کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ انہوں نے گجرات کے حاکم شیخ مرتضیٰ، لاہور کے نائب قلیچ خاں، بہار کے حاکم لالہ بیگ، دکن کے سالار اعظم عبدالرحیم خان خاناں اور ان کے علاوہ متعدد اہم شخصیات کے نام خطوط لکھے اور ان سے اسلامی تعلیمات کی اشاعت، ایمان کی حفاظت، غیر اسلامی قوانین کی تردید، اسلامی ارکان کے احیاء اور اسلام کی معاندانہ قوتوں کو دبانے کی درخواست کی اور انہیں بتایا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو آخرت میں اجر عظیم سے نوازے جائیں گے، اس لئے کہ وہ حقیقتاً وہ کام کریں گے، جس کے لئے انبیاء بھیجے جاتے تھے۔[۸۳]

اپنی تخت نشینی کے چھ سال بعد جہانگیر نے نور جہاں سے شادی کی، جس نے اپنے حسن، علم اور ذہانت سے بہت جلد جہانگیر پر غیر معمولی گرفت حاصل کر لی اور اپنے بھائی کو وزیر اعظم اور والد کو دربار کا اہم رکن بنوا کر پوری حکومت پر غلبہ حاصل کر لیا۔ نور جہاں کے اس عروج سے دربار کے شیعہ عناصر، سنیوں کے خلاف متحرک ہو گئے۔ چونکہ شیخ مجدد کے بھی سنی طبقہ پر بڑے اثرات تھے، اس لئے یہ عناصر ان کے بھی مخالف ہو گئے۔ انہوں نے جہانگیر کو یہ باور کرایا کہ شیخ کے مریدین سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں، دربار کے امراء اور مختلف ریاستوں کے حکام سے بھی ان کے تعلقات ہیں، اس لئے وہ حکومت کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں۔[۸۴] دوسری طرف وہ صوفیہ جن کے مشائخ اور طریقہ پر شیخ مجدد نے تنقید کی تھی، وہ بھی ان سے ناخوش تھے۔ جب شیخ مجدد کے مریدین اور خلفاء میں سے بعض نے شیخ کے روحانی کمالات کا ذکر کرنا شروع کیا اور ان کے مکاشفات کی اشاعت شروع کی تو انہوں نے علی الاعلان شیخ پر تنقید شروع کر دی۔[۸۵] شیخ کا ایک خط جو انہوں نے چھ سال قبل اپنے مرشد کو لکھا اور اس میں اپنے مشاہدے کا ذکر کیا تھا کہ وہ مقام صدیق سے بھی آگے چلے گئے ہیں، اس کی بنیاد پر مختلف لوگوں کی طرف سے سخت تنقیدیں شروع ہوئیں۔

Marfat.com

حتیٰ کہ کچھ لوگوں نے کفر کا فتویٰ لگا کر انہیں واجب القتل قرار دے دیا۔[۸۶]

۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء میں جہانگیر نے شیخ مجدد کو ان الزامات کی وضاحت کے لئے بلوایا۔ ''تزک جہانگیری'' سے پتہ چلتا ہے کہ جہانگیر شیخ مجدد کے جوابات سے مطمئن نہیں ہوا اور ان کی اصلاح اور عوامی شورش کو کم کرنے کے لئے انہیں قید کرنے کا حکم دے دیا۔[۸۷] بعض دوسرے ذرائع سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہانگیر ان کے جوابات سے مطمئن ہو گیا تھا لیکن چونکہ شیخ مجددؒ نے دربار میں داخل ہونے کے آداب کی خلاف ورزی کی تھی، اس لئے جہانگیر نے انہیں جیل بھجوا دیا۔[۸۸]

شیخ مجدد نے قید و بند کی صعوبتوں کو اولوالعزمی کے ساتھ برداشت کیا۔ انہوں نے نہ تو اپنے اس اقدام پر افسوس کیا اور نہ رہائی حاصل کرنے کی جدوجہد کی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہوتی تو انہیں قید نہ کیا جاتا۔ انہوں نے اس کو قرب الٰہی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا[۸۹] اور جیل کے اندر اپنے کام کو اسی جذبے کے ساتھ جاری رکھا جس جذبے سے انہوں نے جیل کے باہر شروع کیا تھا۔ ان کی زندگی اور تعلیمات سے متاثر ہو کر سینکڑوں غیر مسلم قیدیوں نے اپنے سابقہ اعمال سے توبہ کی اور اسلام قبول کر لیا۔[۹۰]

ایک سال بعد جہانگیر نے شیخ مجدد کی رہائی کا حکم صادر کر کے دربار میں بلایا اور خلعت سے سرفراز کیا۔ ان کی جائداد انہیں واپس کر دی، مزید ایک ہزار روپے عطیہ دیا اور اجازت دی کہ چاہیں تو معسکر (فوجی چھاؤنی) میں قیام کریں اور چاہیں تو سرہند چلے جائیں۔[۹۱] شیخ مجدد نے معسکر میں رہنے کا فیصلہ کیا' اس لئے کہ اس طرح ان کو بادشاہ اور درباریوں میں دعوت و تبلیغ کا موقع فراہم ہوتا تھا۔ جہانگیر کے ساتھ مختلف نشستوں میں شیخ ان کو قرآن پڑھ کر سناتے، قرآن کے پیغام سے آشنا کرتے اور ایمان اور شریعت کے اصولوں کی وضاحت کرتے۔[۹۲] ایسا لگتا کہ ان ساری چیزوں کا اس پر خاصا اثر پڑا۔ ایک سال بعد جہانگیر نے کانگڑا قلعہ فتح کیا تو اس نے وہاں اسلامی قوانین کے نفاذ میں غیر معمولی جوش اور جذبے کا اظہار کیا۔ اسی سال اس نے کشمیر میں مسلمان لڑکیوں کی غیر مسلموں سے شادی کرنے پر پابندی لگا دی۔ اس نے ہجری سنہ کو دوبارہ رواج دیا، سکوں پر اسلامی علامات کندہ کرائیں، جن مسجدوں کو شہید کر دیا گیا ان کی دوبارہ تعمیر کروائی اور عربی و اسلامی تعلیمات کی حوصلہ افزائی کی۔[۹۳]

شیخ مجدد نے تین سال معسکر میں قیام کیا، مختلف مہموں میں بادشاہ کے ہم رکاب رہے، بہت سے مقامات کا دورہ کیا۔ جب ان کی صحت گرنے لگی تو سرہند واپس چلے گئے اور دوسری مصروفیات کو کم کر کے صرف اذکار و عبادات میں مشغول ہو گئے۔ شیخ نے ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء کو رحلت فرمائی۔

شیخ مجدد کا اصل کارنامہ

جن کاموں کا اوپر ذکر ہوا ہے، وہ شیخ مجدد کے پیش نظر کام کا صرف ایک حصہ ہے۔ مختلف اعتبارات سے اس سے زیادہ اہم کام وہ ہے جو شیخ نے تصوف اور شریعت سے اس کے تعلق کی وضاحت کے سلسلے میں انجام دیا۔ تصوف کی تاریخ میں وہ پہلے عظیم صوفی ہیں جنہوں نے صوفیہ کے روحانی سفر کی حقیقت بیان کی، اس کے مختلف مراحل کی

Marfat.com

خصوصیات پر روشنی ڈالی اور اس کی اہمیت پر تفصیل سے کلام کیا۔ اس طرح وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا تک پہنچنے کے نبوی طریقے اور صوفی طریقہ میں امتیاز کیا اور مؤخرالذکر پر طریق نبوت کی روشنی میں تبصرہ کیا۔ شیخ مجدد نے غیر معمولی جرأت کے ساتھ تصوف کی پوری تاریخ پر نظر ڈالی اور واضح کیا کہ کون سے نظریات اور اعمال شریعت کی حدود کے اندر ہیں اور کون سی چیزیں شریعت سے منحرف اور قابل تنقید ہیں۔ کوئی شخصیت چاہے کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، اگر اس نے شریعت کے خلاف کوئی بات کہی ہے تو شیخ مجدد نے اس پر بے تکلف تنقید کی۔ خاص طور پر انہوں نے وحدۃ الوجود کے فلسفہ کو ہدف تنقید بنایا اور اسلامی عقائد، اقدار اور اعمال پر اس کے برے اثرات سے آگاہ کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے وحدۃ الوجود کے بجائے وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا جو شریعت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔[۹۴] یہ وہ کام ہے جسے خود شیخ مجدد نے احیائے اسلام کے لئے اپنی کاوشوں میں سب سے بڑی خدمت قرار دیا ہے۔ مگر ابھی تک نہ تو اس کا صحیح طور پر مطالعہ کیا گیا ہے اور نہ اس کی اہمیت اچھی طرح واضح کی گئی ہے۔

☆......☆......☆

وحدۃ الشہود

تصوف کی کتابوں میں لفظ توحید چار معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اول خدا کی وحدانیت پر ایمان لانا۔ دوم‘ اس عقیدے کے مطابق خارجی اور داخلی زندگی کی تعمیر۔ سوم، ذات باری تعالیٰ کے ساتھ جمع و اتحاد۔ چہارم، روحانی مکاشفات و تجربات کی روشنی میں حقیقت کی فلسفیانہ اور متصوفانہ تشکیل۔

شریعت کی اصطلاح میں توحید اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان اور اس کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے کا نام ہے۔ ان تقاضوں کی تفصیلات شریعت میں بیان کی گئی ہیں۔ البتہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمع واتحاد کا تجربہ طریقہ نبوت کا جز نہیں ہے، اس لئے توحید کے تیسرے اور چوتھے معنی شریعت میں نہیں پائے جاتے‘ لیکن ایمان کا بیان قرآن و سنت میں آیا ہے اور کلام کی کتابوں میں اس کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے‘ اس لئے جس حد تک یہ تشریح شریعت کا جز ہے، اس حد تک اسے حقیقت کے متصوفانہ نظریے کے مدمقابل رکھا جاسکتا ہے۔

تصوف کی بعد کی کتابوں میں مذکورہ بالا تیسرے معنی میں توحید کے لئے توحید شہودی کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کے معنی صوفی کو اپنے روحانی تجربے میں صرف ایک ہی وجود کے شہود ہونے کے ہیں۔ یہ کیفیت جمع کی آخری منزل ہے۔ چوتھے معنی میں توحید کے توحید وجودی یا وحدۃ الوجود کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ بسا اوقات اس کے لئے صرف توحید کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ چونکہ توحید وجودی یا وحدۃ الوجود کی سب سے زیادہ قوی اور مفصل تشکیل ابن عربی نے کی‘ اس لئے یہ توحید ابن عربی کے فلسفے سے وابستہ ہوگئی ورنہ بعض اور صوفیہ نے بھی اپنے طور پر اس کی تعبیر کی ہے۔[۹۵]

شیخ مجدد نے توحید وجودی اور توحید شہودی میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”توحید شہودی یکے دیدن است یعنی مشہود سالک جز یکے نباشد و توحید وجودی یک موجود دانستن است وغیر او را معدوم انگاشتند باجود عدمیت مجالے و مظاہر آں یکے پنداشتن۔“[۹۶]

Marfat.com

(توحیدی شہودی صرف ایک ذات کے مشاہدے کا نام ہے، یعنی یہ کہ سالک کے مشاہدے میں ایک ذات کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں توحید وجودی اس اعتقاد کا نام ہے کہ خارج میں صرف ایک ہی ذات کا وجود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور شئی وجود نہیں رکھتی اور یہ کہ تمام اشیاء باوجود غیر موجود ہونے کے ایک ہی وجود کے مظاہر اور اشکال ہیں۔)

توحید شہودی صرف ایک ہی ذات کے مشاہدے کا نام ہے، لیکن اس مشاہدے کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ دوسری اشیاء موجود نہیں ہیں۔ دن میں ہم سورج کو دیکھتے ہیں، لیکن ستاروں کو نہیں دیکھ پاتے۔ پھر بھی ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ستارے موجود نہیں ہیں۔[۹۷] اس کے برخلاف توحید وجودی یہ ہے کہ نہ صرف مشاہدے میں بلکہ حقیقت میں بھی صرف ایک ہی ذات کا وجود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دنیا ایک فریب نظر ہے اور اشیائے کائنات کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ تمام دوسری اشیاء اس ذات واحد سے علیحدہ وجود نہیں رکھتیں بلکہ اس ایک ذات کے مظاہر ہیں۔ گویا خارج میں صرف ایک ہی ہستی کا وجود ہے۔

ابن عربی کا فلسفہ دو مقدمات پر مبنی ہے۔ اول یہ کہ خارج میں صرف ایک ہی ذات موجود ہے اور دوم یہ کہ کائنات میں جو بے شمار چیزیں نظر آتی ہیں، وہ ذات واحد کے مظاہر اور اشکال کے علاوہ کچھ اور نہیں ہیں۔ بہت سے اہل علم نے ابن عربی کے فلسفے کا مطالعہ کیا ہے اور اس کی تشریح کرنے کی سعی کی ہے۔ اس پر میں نے بھی ایک دوسرے مقام پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔[۹۸] یہاں میں اس فلسفے کے بنیادی نکات بیان کروں گا، تاکہ شیخ مجدد کے فلسفے سے اس کا موازنہ کرنے میں آسانی ہو اور یہ معلوم ہو سکے کہ شیخ نے اس پر جو تنقید کی ہے اس کی کیا حیثیت ہے۔

ابن عربی کا نظریہ وحدۃ الوجود

ابن عربی کے فلسفہ کا پہلا بنیادی تصور یہ ہے کہ خارج میں صرف ایک ہی ذات موجود (Being) ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور وجود نہیں۔ عربی میں Being اور Existence دونوں کے لئے وجود کا لفظ آتا ہے۔ دور حاضر میں Being اور Existence میں فرق کیا جاتا ہے، لیکن ابن عربی نے ان میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ یہ بات کہ خارج میں صرف ایک ہی وجود ہے، اس کا مطلب ابن عربی کے یہاں یہ ہے:

(الف) خارج میں جو کچھ بھی ہے وہ ایک ہی وجود ہے۔ (ب) اور یہ وجود نہ مختلف اجزاء کا حامل ہے۔ (ج) اور نہ ایسا ہے کہ اس وجود کا ظہور ایک شے میں زیادہ ہو اور دوسری شے میں کم۔ خارج میں صرف ایک ہی وجود ہے، جو نا قابل تجزیٰ اور کلیتاً متجانس اور ہر طرح کے درجات و مراتب کے امتیاز سے بلند ہے۔

یہ ذات جب اپنے آپ کو متعین کرتی ہے تو اس تعین کے نتیجے میں اس کے اندر فرق و امتیاز پیدا ہو جاتا ہے اور وحدت سے کثرت کا صدور ہوتا ہے، لیکن اس عمل کے دوران وہ نہ تو تقسیم ہوتی ہے اور نہ کم یا زیادہ۔ وہی ذات بحیثیت کل مختلف مظاہر میں ہوتی ہے۔ یہاں ایک شکل میں اور وہاں دوسری شکل میں۔ مگر ظہور کے اس عمل میں نہ اس میں کوئی تقسیم ہوتی ہے اور نہ کمی و بیشی۔ اس کی صورت بالکل ایک اداکار کی ہوتی ہے جو مختلف بھیس بدل کر، مختلف

Marfat.com

کرداروں کی شکل میں اور مختلف ناموں کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور مختلف کام انجام دیتا ہے۔ ابن عربی اس کی مثال پانی سے بھی دیتے ہیں، جو کبھی برف کی شکل اختیار کرلیتا ہے، کبھی پانی کی اور کبھی بھاپ کی۔

عام طور پر ذات واحد کے تعینات کے پانچ مراحل بیان کئے جاتے ہیں: جو وجود ہر تعین سے بالاتر ہے، اسے احد کہتے ہیں اور یہ احدیت یا وحدت مطلقہ کا مرحلہ کہلاتا ہے۔ دوسرے مرحلے کو وحدت کہتے ہیں' جبکہ ذات واحد کے اندرونی تعینات وجود میں آتے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ذات اپنے علم میں ان تعینات کو پیش کرتی ہے، جو مستقبل میں کائنات کے اندر ظہور پذیر ہونے والے ہوتے ہیں۔ ان علمی تعینات کو اعیان ثابتہ کہا گیا ہے' اس لئے کہ وہ حضرت علم میں ابد سے موجود ہیں۔ تیسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوتا ہے، جب وہ ذات اعیان ثابتہ کے مطابق خارج میں ظہور پذیر ہونے لگتی ہے۔ اس مرحلے کو واحدیت کہتے ہیں۔ چونکہ اس عمل میں اعیان ثابتہ حضرت علم سے باہر نہیں آتے اور ثبوت کے عالم ہی میں ہمیشہ رہتے ہیں، جو ظاہر وجود کے مقابلے میں ایک طرح کے اضافی عدم کی حالت ہے، اس لئے ابن عربی انہیں معدوم کہتے ہیں۔ اگلے تین مراحل وجود کے مخصوص خارجی تعینات ہیں۔ پہلا روحانی تعین ہے دوسرا مثالی اور تیسرا جسدی۔ یہ خارجی تعینات متناہی ہوتے ہیں جبکہ حضرت علم میں اعیان ثابتہ غیر متناہی تعینات ہیں۔ ان پانچوں مراحل کو حضرات خمس بھی کہا جاتا ہے۔

وجود جو کہ مختلف شکلوں میں اپنا تعین کرتا ہے، وہ خدا ہی کا وجود ہے۔ خدا کے علاوہ کسی اور کا وجود نہیں ہے، کیونکہ وجود دو نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور کائنات دونوں کا وجود ایک ہے۔ دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

چونکہ خدا اور کائنات دونوں ایک ہی وجود ہیں اس لئے خدا اور کائنات کے درمیان علت و معلول اور خالق و مخلوق کا تعلق نہیں ہوسکتا، جیسا کہ متکلمین کا خیال ہے اور نہ ان کے درمیان مصدر اور صادر کا تعلق ہوسکتا ہے، جیسا کہ نوافلاطونی فلاسفہ کا خیال ہے۔ کیونکہ خلق، علیت اور صدور کے سارے تعلقات خدا اور کائنات کے درمیان مختلف نوعیتوں کی ثنویت کو مستلزم ہیں اور اس بنیادی تصور کے منافی ہیں کہ خارج میں صرف ایک ہی وجود ہے، اس لئے ابن عربی نے خدا اور کائنات کے درمیان تعلق کو صحیح طور پر بیان کرنے کے لئے تجلی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کے معنی اظہار ذات کے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ابن عربی نے خلق اور خالق، فیضان، صدور اور علت و معلول سارے الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن وہ ان کو ان معنوں میں استعمال نہیں کرتے جو بالعموم ان سے مراد لئے جاتے ہیں۔ بلکہ دوسرے معنوں میں استعمال کرتے ہیں جو ابن عربی کے بنیادی تصور سے مطابقت رکھتے ہیں۔

خدا کی ذات ان ساری صفات سے متصف ہے، جو وجود کے داخلی تعینات سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب وجود اپنے اندرون سے اشیاء کے اعیان کو اپنے علم میں لاتا ہے، تو یہ علم الٰہی ہے۔ و اعیان جو حضرت علم میں اشیاء کے علمی تعینات ہیں وہی علم الٰہی کا موضوع ہیں۔ اسی طرح سے ذات واحد جب خارجی تعینات کے ساتھ متعین ہوتی ہے تو اسے تخلیق یا خلق کہا جاتا ہے اور اس عمل سے متصف ذات کو خالق کہا جاتا ہے۔ خارج میں جو چیزیں موجود ہیں وہ اس ذات کی متناہی شکلیں ہیں اور ایک وقت میں یہ شکلیں جتنی ہوتی ہیں، کائنات انہیں سے عبارت ہے۔ وہی وجود خالق بھی ہے اور مخلوق بھی' عالم بھی ہے اور معلوم بھی۔ اسی طرح وہی ذات عالم اور خالق کی حیثیت سے خدا ہے اور معلوم و مخلوق کی

Marfat.com

حیثیت سے کائنات۔ بالفاظ دیگر وہی وجود جو غیر منقسم اور یکساں ہے، اسے جب ہم ایک زاویے سے دیکھتے ہیں تو وہ خدا ہے اور جب دوسرے زاویے سے دیکھتے ہیں تو کائنات۔

اسمائے باری تعالیٰ تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم ان ناموں کی ہے جو منفی ہیں جیسے لامحدود، یا منفی معنی کے حامل ہیں، جیسے ازلی اور ابدی۔ اس لئے کہ ازلی اسے کہتے ہیں جس کی ابتدا نہ ہو اور ابدی اسے کہتے ہیں جس کی انتہاء نہ ہو۔ دوسری قسم کے نام نسبتی ہیں جیسے اول، آخر، خالق، رب وغیرہ۔ تیسری قسم کے نام وہ ہیں جو خدا تعالیٰ کی داخلی صفات سے ماخوذ ہیں، جیسے عالم، قادر، بصیر وغیرہ۔

جہاں تک پہلی اور دوسری قسم کی صفات کا تعلق ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ اشیائے کائنات ان سے متضاد صفات کی حامل ہوتی ہیں، جیسے کہ خدا کی ذات لامتناہی ہے اور عالم لامتناہی۔ خدا تعالیٰ خالق کائنات اور رب ہے جبکہ کائنات مخلوق اور مربوب ہے۔ جہاں تک تیسری قسم کی صفات کا تعلق ہے تو وہ خدا کی صفات سے ماخوذ ضرور ہیں، مگر اس کی ذات پر زائد نہیں ہیں، جیسا کہ علمائے کرام کا عقیدہ ہے۔ بلکہ اس کے احوال ہیں، جو اس پر اشیاء کے حوالے سے طاری ہوتے ہیں۔ جب اس کا تعلق اشیاء سے قائم ہو جاتا ہے تو یہ صفات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ خدا عالم ہے، اس کا تعلق اشیاء سے قائم ہے کہ ذات الٰہی کا اشیاء سے ایک خاص طرح کا تعلق ہے، جس سے اشیاء اس کے علم میں آتی ہیں، مگر چونکہ خدا کے علاوہ اور کوئی وجود نہیں اور اشیاء بھی اپنی متناہی شکلوں میں اس وجود کے علاوہ کچھ اور نہیں ہیں، اس لئے خدا عالم ہے کا مطلب ہے کہ خدا ایسی حالت میں ہے کہ اسے اپنے متناہی مظاہر کا شعور ہے۔ عالم و معلوم دونوں ایک ہیں۔ یہی بات خدا قادر ہے اور خدا مرید ہے کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ زید عالم ہے، یا مرید ہے، تو اس کے کیا معنی ہوں گے؟ چونکہ زید کا وجود خدا کا ایک مخصوص اور متناہی مظہر ہے، اس لئے یہ عالم ہے یا مرید ہے اس کے معنی ہوں گے کہ خدا عالم ہے یا مرید ہے۔ لامتناہی وجود کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنے محدود اور متناہی مظہر کی حیثیت سے۔

ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود سے لازم آتا ہے کہ ہر محمول کا موضوع خدا ہے۔ خواہ ظاہر میں انسان ہو یا غیر انسان۔ خدا ہی عالم ہے خدا ہی معلوم ہے، وہی قادر ہے اور وہی مقدور، وہی مرید ہے اور وہی مراد، وہی محرک ہے اور وہی محرَّک۔ اچھے اور برے تمام اعمال کا صدور اسی سے ہوتا ہے، ہر طرح کے عقیدے کو ماننے والا بھی وہی ہے، وہی اچھے برے تجربات سے گزرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اچھے بُرے تمام اعمال بھی وہی کرتا ہے۔ اس طرح سارے اعمال، تجربات اور احساسات، افکار و عقائد بھی اسی کے ہیں۔

اور وہی ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ وہی ماوراء بھی ہے اور پنہاں بھی۔ وہ کائنات کے اندر پنہاں اس معنی میں ہے کہ وہ اور کائنات ایک ہیں اور وہ اور کائنات ایک ہیں وجود میں، صفات میں اور اعمال و احساسات میں۔ خدا کا وجود، صفات، اعمال اور احساسات ہیں، تمام محمولات کا موضوع وہی ہے اور وہ ماوراء اس معنی میں ہے جس معنی میں وہ کائنات مختلف ہے اور وہ کائنات سے صرف ان صفات میں مختلف ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں اور جن میں اشیائے کائنات اس کے ساتھ شریک نہیں ہیں جیسے اس کی لامتناہیت، ابدیت، خالقیت، الوہیت، ہدایت اور فرماں روائی وغیرہ۔

Marfat.com

نظریۂ وحدۃ الوجود پر شیخ مجدد کی تنقید

وحدۃ الوجود کے اس نظریے پر شیخ مجدد کی پہلی تنقید یہ ہے کہ یہ نظریہ انبیاء کے بیان کردہ تصورتوحید کے منافی ہے۔[99] انبیاء کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ وجود صرف ایک ہے۔ ان کی تعلیم یہ ہے کہ خدا ہے۔ انبیاء یہ نہیں کہتے کہ خدا کے علاوہ کسی بھی چیز کا وجود نہیں۔ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ ابن عربی کے وحدۃ الوجود کے برعکس وہ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ کائنات کا اپنا وجود ہے اور یہ وجود خدا کے وجود سے مختلف ہے۔ خدا کائنات کی کسی بھی چیز میں شریک نہیں ہے۔ وہ کائنات سے کلیتاً ماوراء ہے۔ شیخ مجدد کہتے ہیں کہ انبیاء جس مذہب کے داعی ہیں، وہ خدا اور کائنات کی دوئی (اثنینیت) پر مبنی ہے نہ کہ ان کی عینیت پر۔ ان کا مذہب مخلوق کو خالق سے اور بندے کو رب سے الگ رکھتا ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں کہتے کہ خالق ہی مخلوق ہے یا رب ہی بندہ ہے۔ انبیائے کرام انسان یا دیگر مخلوقات کے علم و ارادہ، قدرت اور فعل کی نفی نہیں کرتے اور نہ ان کے اعمال وافعال کو خدا کی طرف محمول کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ کائنات میں صرف ایک ہی فاعل یا ایک ہی وجود ہے۔

ابن عربی اوران کے متبعین قرآن پاک کی مختلف آیات جیسے:

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی [100]

''اور اے (نبیؐ) تو نے نہیں پھینکا جب تم نے پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا''

سے استدلال کرتے ہیں' لیکن اس طرح کی آیات سے وہ بات ثابت نہیں ہوتی، جو وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مذکورہ آیت کو ہی لیجئے۔ اس میں صرف یہ بات کہی گئی ہے کہ آپؐ کے عمل سے دشمنوں پر جو اثرات مرتب ہوئے، وہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا نہ کہ آپ کا۔ جہاں تک آپؐ کے فعل کا تعلق ہے، اس کی نفی نہیں کی گئی۔ نفی صرف آپ کے فعل کے تنہا مؤثر ہونے کی کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''اس شخص کا ایمان نہیں جو بدعہدی کرتا ہے۔''[101] اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدعہدی کا مرتکب مومن نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کا ایمان کمزور اور غیر مؤثر ہے۔ جس طرح یہ حدیث بدعہد انسان کے ایمان کی نفی نہیں کرتی بلکہ اس کو غیر مؤثر بتا رہی ہے، اسی طرح مذکورہ آیت میں آپؐ کے عمل کی نفی نہیں ہے۔ اس کے تنہا مؤثر ہونے کی نفی ہے۔

وحدۃ الوجود پر یقین رکھنے والے اصحاب قرآن وسنت کی تفسیر بالعموم اپنے نظریات کی روشنی میں کرتے ہیں' لیکن ان میں سے بعض افراد جو دین میں گہری بصیرت رکھتے ہیں، وہ ایسا نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) جو وحدۃ الوجود کے بنیادی تصورات کی ایک نئی تعبیر کر کے انہیں تسلیم کرتے ہیں، انہوں نے لکھا ہے:

''آں کہ کلام ایشاں را در مسائل وحدت وجود فرودمی آرد ایشاں را نہ شناختہ است و راہ ایشاں را ندانستہ۔''[102]

Marfat.com

(جو شخص انبیاء کے اقوال کی تفسیر وحدۃ الوجود کی روشنی میں کرتا ہے وہ نہ انبیاء سے واقف ہے نہ ان کے طریقہ سے۔)

ایک دوسرے مقام پر عام انسانوں کی زبان جسے وہ ''طور فطرۃ'' کہتے ہیں اور فلسفیانہ زبان میں تمیز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انبیاء عوامی زبان میں گفتگو کرتے ہیں نہ کہ وحدۃ الوجود کی زبان میں۔''[۱۰۳]

ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود پر شیخ مجدد کی دوسری تنقید یہ ہے کہ وہ اسلام کے بہت سے بنیادی اصولوں سے متصادم ہے۔ مثلاً یہ نظریہ بت پرستی کے لئے جواز فراہم کرتا ہے، چونکہ یہ نظریہ کائنات کو خدا کا عین قرار دیتا ہے، اس لئے کائنات کی کسی بھی چیز کی عبادت عین خدا کی عبادت قرار پاتی ہے، بشرطیکہ اس کی عبادت مظہر خداوندی سمجھ کر کی جائے۔[۱۰۴] عام طور پر بت پرست بھی اپنے معبودوں کی عبادت خدا کا مظہر سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس نظریے کے اعتبار سے ہر چیز خیر بن جاتی ہے۔ کوئی چیز خواہ کتنی ہی بری کیوں نہ ہو وہ خیر مطلق کا ظہور ہے، اس لئے وہ بھی خیر ہے۔ اگر اس میں شر کا کوئی پہلو ہے تو محض وہ اضافی ہے۔ وحدۃ الوجود کے قائلین کفر والحاد کو بھی خیر کہنے سے گریز نہیں کرتے۔ انہیں صرف اسلام کے مقابلے میں شر کہتے ہیں۔ شیخ مجدد نے لکھا ہے:

''ازاینجاست کہ ہیچ چیز را قبیح نمی دانند حتیٰ کہ کفر و ضلالت را بنسبت بایمان و ہدایت بدی دانند نہ نسبت بہ ذوات خود۔''[۱۰۵]

(یہیں سے ہے کہ کسی چیز کو برا نہیں جانتے حتیٰ کہ کفر و ضلالت کو بھی ایمان و ہدایت کے مقابلے میں بُرا کہتے ہیں فی نفسہ برا نہیں کہتے۔)

یہ نظریہ انبیاء کے مشن سے متصادم ہے۔ اس کی رو سے دعوت و تبلیغ فعل عبث ہے۔[۱۰۶] یہ نظریہ توحید فعلی کو بھی مستلزم ہے۔ چونکہ کائنات میں دو وجود نہیں اس لئے دو ارادے بھی نہیں۔ یہاں جو بھی کام ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے اور اسی کے ارادے سے انجام پاتا ہے۔ شیخ مجدد کہتے ہیں کہ توحید فعلی سکر کی پیداوار ہے، اس سے جبریت[۱۰۷] کے نظریے کو فروغ ملتا ہے اور انسان کے ارادہ و عمل کی آزادی کی نفی ہوتی ہے۔ شیخ مجدد یہ بھی کہتے ہیں کہ نظریہ وحدۃ الوجود سے انسان کا ہر غلط عقیدہ اور برا فعل اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جاتا ہے۔[۱۰۸] انسان کے اختیار اور ارادے کا خاتمہ ہو جاتا ہے[۱۰۹] اور کچھ ارواح کی ابدیت لازم آتی ہے۔[۱۱۰]

وحدۃ الوجود پر شیخ مجدد کی تیسری تنقید یہ ہے کہ وجود کی وحدت کا نظریہ محض موضوعی (Subjective) فکر کا نتیجہ ہے۔ یہ نظریہ جس طریقے سے پیدا ہوتا ہے اور فروغ پاتا ہے، وہی اس کے موضوعی ہونے کی دلیل ہے۔ یہ تصور دو طریقوں سے پیدا ہوتا ہے۔ شیخ مجدد نے پہلے طریقے کے بارے میں لکھا ہے:

''جمعے را کثرت ممارست مراقبات توحید است و تعقل معنی کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ بلا موجود الا اللہ ظہور ایں قسم توحید بعد از تخیل و تامل و تخیل بواسطہ استیلائے سلطان خیال است کہ از کثرت مزاولت

Marfat.com

معنی توحید ایں معرفت در متخیلہ نقش بستہ است۔''[111]

(ایک گروہ کے لئے اس کا سبب توحید کے مراقبات کی کثرت اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کو لاموجود الا اللہ سمجھنا ہے۔ توحید کی اس قسم کا ظہور اس میں غور وخوض اور تفکر کے ذریعہ ذہن پر اس تصور کے غالب ہو جانے سے ہوتا ہے۔ طویل مزاولت کے نتیجہ میں توحید کی یہ قسم قلب و دماغ پر چھا جاتی ہے۔)

دوسرے طریقے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وجمعے دیگر را منشا توحید وجودی انجذاب ومحبت قلبی است کہ ابتداء باذکار ومراقبات کہ خالی از تخیل معنی توحید است اشتغال نمودہ اند وبہ جد وجہد یا بجر د سابقہ عنایت بمقام قلب رسیدہ اند و جذبے پیدا کردہ اند دریں مقام اگر برایشاں جمال توحید وجودی ظاہر شود سبب آں غلبہ محبت محبوب خواہد بود کہ ماسواء محبوب را از نظر شاں مختفی ساختہ است و مستور گردانیدہ۔ وچوں ماسواء محبوب را نمی بینند ونمی یابند لا جرم جز محبوب را موجود نمی دانند۔ ایں قسم توحید از احوال است واز علت تخیل وشائبہ توہم پاک ومبرا۔''[112]

(کچھ صوفیہ عشق ومحبت کے راستے سے وحدۃ الوجود تک پہنچتے ہیں۔ اذکار ومراقبات کی ابتداء میں ان کا ذہن توحید کے اس تخیل (کہ خارج میں صرف ایک ہی وجود ہے) سے خالی ہوتا ہے' لیکن جب وہ اپنی کوششوں اور خدا کے فضل سے مقام قلب تک پہنچتے ہیں تو اگر ان پر توحید وجودی کا جمال آشکار ہوتا ہے، تو محبوب سے غایت درجہ کی محبت سے ہوتا ہے جو ماسوائے محبوب کو اس کی نظر سے مخفی اور مستور کر دیتی ہے اور جب وہ ماسوائے محبوب کو دیکھ نہیں پاتا تو لامحالہ اس کے سوا ہر چیز کو غیر موجود سمجھتا ہے۔ توحید کی یہ قسم ایک حال اور کیفیت ہے اور تخیل وتوہم سے پاک ومبرا ہے۔)

وجود واحد کا عقیدہ کلمہ طیبہ کے مسلسل ورد سے پیدا ہو، یا خدا تعالیٰ سے گہرے عشق کا نتیجہ، بہر حال یہ راہ سلوک کا ایک مقام ہے۔ جب صوفی اس سے ایک قدم آگے جاتا ہے تو جمع کی جگہ فرق کا شعور ابھرتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ یہ شعور اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ صوفی یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا عین نہیں بلکہ مکمل غیر ہے۔

وحدۃ الوجود پر شیخ مجدد کی چوتھی تنقید یہ ہے کہ تصوف کی تاریخ میں یہ نظریہ ایک نئی چیز ہے۔ ابن عربی سے قبل کسی نے بھی اسے پیش نہیں کیا۔ ان سے قبل صرف توحید شہودی تھی، نہ کہ توحیدی وجودی۔[113] شیخ مجدد کا یہ تبصرہ بحیثیت مجموعی صحیح ہے۔ ابتدائی عہد کے صوفیہ جیسے ابراہیم ادہم[114] (م ۱۴۰ھ/۷۵۷ء) اور فضیل بن عیاض[115] (م ۱۸۷ھ/۸۰۳ء) وغیرہ معروف معنوں میں صوفی نہیں تھے بلکہ عابد وزاہد تھے۔ صحیح معنوں میں تصوف کا باقاعدہ آغاز ذوالنون مصری[116] (م ۲۴۶ھ/۸۶۰ء) ابو یزید[117] (م ۲۴۱ھ/۸۵۵ء) اور ابو سعید[118] (م ۲۷۷ھ/۸۹۰ء) سے ہوتا

Marfat.com

ہے۔ ان حضرات نے فنا، بقا، جمع اور فرق کے تجربات کیے اور ان تجربات واردات کو بیان بھی کیا۔ تاہم انہوں نے یہ صراحت نہیں کی کہ وہ ان کو کن معنوں میں لیتے تھے۔ انہوں نے روح کی حقیقت یا خدا اور کائنات کے تعلق پر بھی گفتگو نہیں کی۔[119] روح اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق کے درمیان غور و فکر کا آغاز شیخ جنید (م ۲۹۷ھ/۹۰۹ء) سے ہوتا ہے۔ شیخ جنید کی تحریروں سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ غالباً توحید فعلی کے قائل تھے۔[120] حلاج (م ۳۰۹ھ/۹۲۲ء) نے مختلف اور متضاد باتیں کہی ہیں۔ کہیں خدا تعالیٰ کی مطلق و رائیت کا اثبات کیا ہے۔[121] کبھی حلول جسمانی کا[122] اور کبھی کائنات اور ذات باری تعالیٰ کی عینیت کا۔[123] امام غزالی (م ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) نے صرف ایک وجود کا تصور پیش کیا ہے۔[124] شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء) اور شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) کو فلسفیانہ طرز فکر سے دلچسپی نہیں تھی۔[125] ابن فارض کا تصور توحید جیسا کہ پروفیسر نکلسن کا خیال ہے شہودی تھا وجودی نہیں۔[126] اس لئے شیخ مجددؒ کا یہ دعویٰ بالکل درست ہے کہ وحدۃ الوجود کی ابتداء ابن عربی نے کی۔[127]

وحدۃ الوجود پر شیخ مجدد کی آخری تنقید یہ ہے کہ فنا کے حصول کے لیے وحدۃ الوجود کی قطعاً ضرورت نہیں، اس لئے کہ توحید شہودی کافی ہے۔ توحید شہودی کے ذریعے بھی وہ اخلاص حاصل ہوتا ہے، جو صوفیہ کے سلوک کی غایت ہے۔ شیخ مجدد لکھتے ہیں: ''فنا کے لئے صرف توحید شہودی کافی ہے۔ اس کے ذریعے بھی غیر اللہ کو بھلا کر فنا کا مقام حاصل کیا جاسکتا ہے۔'' توحید وجودی کے بارے میں ان کی رائے ہے: اس سے گزرے بغیر بھی سالک راہ سلوک کی تمام منزلیں قطع کرسکتا ہے، بلکہ ان کی رائے میں وحدۃ الوجود کو نظر انداز کر کے راہ سلوک کی منزلیں طے کی جائیں تو راستہ نسبتاً مختصر ہوگا۔ مزید برآں اس صورت میں منتہائے مقصود تک رسائی یقینی ہوگی۔ جبکہ وحدۃ الوجود کے راستے سے سالک کے گمراہ ہونے کا بھی اندیشہ رہتا ہے۔ ایسے لوگوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی دریا کو چھوڑ کر قطروں کے پیچھے بھاگے۔ یہ لوگ بھی حقیقت کو چھوڑ کر محض سراب اور اظلال کے پیچھے سرگرداں رہتے ہیں۔ شیخ مجدد فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات اپنے ذاتی تجربے سے حاصل ہوئی ہے۔[128]

نظریۂ وحدۃ الشہود

شیخ مجدد نے نہ صرف توحید نبوی اور توحید وجودی کے درمیان فرق واضح کیا ہے کہ وجودی توحید نبوی توحید سے متصادم ہے بلکہ ایک ایسے فلسفے کی بھی تشکیل کی ہے، جو ایک طرف نبوی توحید کے بھی مطابق ہو اور دوسری طرف صوفیہ کے مشاہدے (وجود واحد کے شہود) سے بھی پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ اس فلسفہ کو وحدۃ الشہود کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی رو سے صوفی کو اپنے تجربے میں جو حدت نظر آتی ہے، وہ صرف مشاہدے کی چیز ہے نہ کہ کوئی معروضی حقیقت۔ توحید شہودی سے اس منفی معنی کے علاوہ شیخ مجدد کے فلسفے کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔ میں نے ان کے فلسفے کو تفصیل کے ساتھ دوسرے مقام پر بیان کیا ہے۔ یہاں صرف اس کے اہم تصورات کا ایک خاکہ پیش کروں گا۔[129]

شیخ مجدد کے فلسفے کا سب سے بنیادی تصور یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کائنات سے بالکل مختلف اور کلیتاً غیر ہے۔ کائنات کسی بھی مفہوم میں خدا کے ساتھ متحد نہیں ہے اور نہ دونوں ایک وجود ہیں۔ خدا تعالیٰ کا وجود ایک وجود ہے اور

Marfat.com

کائنات کا بالکل دوسرا۔

شیخ مجدد کو اس بات کا احساس تھا کہ ابن عربی کائنات اور خدا تعالیٰ میں کلّی نوعیت کی عینیت کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ وہ دونوں کے درمیان فرق کرتے تھے اور ایک معنی میں خدا کی تنزیہہ کے قائل تھے۔ تاہم شیخ مجدد کا خیال تھا کہ وحدۃ الوجود میں خدا اور کائنات کی عینیت کا تصور بنیادی ہے۔ اس کے مطابق ایک ہی وجود ہے غیر منقسم اور غیر متمیز جو خدا بھی ہے اور کائنات بھی۔ شیخ مجدد عینیت کے اس تصور کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا اور کائنات دونوں جداگانہ وجود ہیں، خدا کا وجود کائنات کا وجود نہیں ہے۔

چونکہ خدا تعالیٰ کائنات سے جدا ایک وجود ہے، اس لئے بنیادی حقیقت وجود کی وحدت نہیں دوئی (اثنینیت) ہے۔ شیخ مجدد خدا اور کائنات میں جو فرق کرتے ہیں، یہ اس کا منطقی نتیجہ ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے ان کے فلسفے کو اثنینیت کا نام دیا ہے۔ خود انہیں بھی اس اصطلاح کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا، لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ دوئی آخر صداقت نہیں ہے' اس لئے کہ اگرچہ کائنات خدا کے ساتھ متحد نہیں ہے مگر خدا سے صادر ہوتی ہے۔ ہمہ اوست نہیں ہے گر ہمہ از وست ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خدا کے وجود اور کائنات کے وجود میں کوئی موازنہ نہیں ہے۔ خدا کا وجود حقیقی اور کائنات کا وجود خیالی اور موہوم ہے' اس لئے حقیقت یہ ہے کہ خارج میں صرف ایک وجود ہے۔ یعنی خدا اور کائنات کا وجود خیالی اور موہوم ہے۔ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ خارج میں صرف ایک وجود ہے۔ یعنی خدا کا اور کائنات کا وجود کوئی وجود نہیں ہے۔ اس مفہوم میں اگر کوئی شیخ مجدد کے فلسفے کو وحدۃ الوجود کہے تو انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

ابن عربی اور شیخ مجدد میں اس بات پر اتفاق ہے کہ خارج میں صرف ایک ہی وجود ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے۔ اختلاف دونوں کے درمیان اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور کائنات میں تعلق کی نوعیت کیا ہے؟ ابن عربی کے نزدیک خدا کا وجود اور کائنات کا وجود دونوں ایک ہی ہیں۔ اسی ایک وجود کو جب ایک زاویے سے دیکھا جائے تو وہ خدا ہے اور دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو وہ کائنات۔ خدا کائنات کے ساتھ ایک بھی ہے اور اس سے الگ اور منفرد بھی۔ کائنات کے ساتھ ایک اس معنی میں کہ اس کا وجود ہی دراصل کائنات کا وجود ہے اور الگ یا منفرد اس معنی میں کہ وہ لامتناہی ہے' جب کہ کائنات متناہی ہے۔

اس کے مقابلے میں شیخ مجدد کے نزدیک خدا اور کائنات دونوں ایک وجود نہیں ہیں۔ خدا کائنات سے جدا اور منفک ہے، اس میں شامل نہیں۔ خدا کی ذات کے علاوہ خارج میں کائنات کا وجود تسلیم کر لینے سے اس حقیقت کی نفی نہیں ہوتی کہ خارج میں صرف ایک ہی وجود ہے۔ خدا کا وجود حقیقی وجود ہے اور کائنات کا وجود ایک خیالی۔ خیالی وجود سے حقیقی وجود کی وحدت متاثر نہیں ہوتی۔

شیخ مجدد اپنے فلسفے کے اس اچھوتے تصور کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ کائنات کا وجود ایسا ہی ہے جیسے کہ آئینے میں عکس کا وجود۔ جس طرح کہ شے اور اس کے عکس کے درمیان کوئی موازنہ نہیں ہے، اسی طرح خدا اور کائنات کے درمیان کوئی موازنہ نہیں۔ شے آئینے کے سامنے ہوتی ہے اور عکس اس کے پیچھے' لیکن حقیقتاً نہ وہ آئینے کے پیچھے ہوتا ہے اور نہ آئینے کے اندر۔ عکس خارج میں نہیں ہوتا۔ خارج میں صرف شے ہوتی ہے۔ اس طرح بہت سی خصوصیات جو اصل میں ہوتی ہیں، وہ عکس میں نہیں ہوتی۔ اس لئے عکس کے وجود کو کسی شے کا وجود قرار نہیں کہا جا سکتا۔

Marfat.com

شے کا وجود حقیقی ہے اور حقیقی خارج میں ہے۔ جبکہ عکس کا وجود غیر حقیقی اور صرف حس و گمان میں ہے۔ عکس کا غیر حقیقی وجود شے کے حقیقی وجود سے کلیتاً مختلف ہے۔ اس طرح سے کائنات کا وجود محض ظلی ہے۔ اس کا خدا تعالیٰ کے حقیقی وجود سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس طرح آئینے میں کسی چیز کا عکس دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خارج میں دو وجود ہیں۔ اسی طرح کائنات کے وجود کی بنا پر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ خارج میں دو وجود ہیں۔

کائنات کے ظلی اور غیر حقیقی وجود کی فلسفیانہ تشریح شیخ مجدد نے اپنے نظریۂ عدم کے ذریعے کی ہے۔ یہ تصور ابن عربی کے یہاں نہیں پایا جاتا۔ ابن عربی جب عدم کا ذکر کرتے ہیں، تو ان کی مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ اعیان ثابتہ جو کہ حضرت علم میں ہیں، وہ صرف ثبوتی حقیقت رکھتے ہیں، خارج میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ شیخ مجدد کا تصور عدم بالکل مختلف ہے اور بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے فلسفے میں اس کا مقام وہی جو نو افلاطونی نظریے میں مادے کا، شنکر اچاریہ کے ویدانت میں اودیا کو حاصل ہے۔

اشیائے کائنات ابن عربی کے نزدیک وجود کے تعینات ہیں۔ اس کے برخلاف شیخ مجدد کے نزدیک وہ عدم کے تعینات ہیں۔ اشیاء میں جو علم ہے، وہ عدم علم یعنی جہل کے تعینات ہیں جن پر علم الٰہی کا سایہ ہے اور ان میں جو قدرت ہے وہ عدم قدرت یعنی عجز کے تعینات ہیں جن پر خدا کی قدرت کا عکس ہے۔ یہی بات اشیاء کی دوسری صفات اور ذات کے لئے بھی درست ہے۔ اشیاء کی ذات عدم کے ہی تعینات ہیں، جن پر خدا کی ذات کا عکس ہے۔

اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ کسی چیز کا سایہ بذات خود وہ چیز نہیں، جیسا کہ ابن عربی اور ان کے متبعین مانتے ہیں۔[130] ایک چیز کا سایہ اصل سے عددی اور صفاتی ہر معنی میں مختلف ہوتا ہے۔

شیخ ابن عربی کے فلسفے سے یہ دو بنیادی نوعیت کے اختلافات یعنی اول یہ کہ اشیائے کائنات درحقیقت عدم کے تعینات ہیں نہ کہ وجود کے اور یہ کہ وجود کے اظلال جن سے یہ عدمات قائم ہیں اور جو عدداً وصفتاً بھی وجود اور اس کی صفات سے مختلف ہیں، شیخ مجدد کے فلسفے کو ابن عربی کے فلسفہ سے کلیتاً ممتاز کرتے ہیں۔ مثلاً ابن عربی کے فلسفے میں اعیان ثابتہ حضرت علم میں وجود کے تعینات سے عبارت ہیں۔ جبکہ شیخ مجدد کے فلسفے میں وہ مرکبات ہیں، جو عدم کے مختلف تعینات جیسے جہل، عجز وغیرہ پر خدا کی مختلف صفات جیسے علم اور قدرت کے سایے سے مل کر تشکیل پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ مجدد ان کو اعیان ثابتہ کہنے کی بجائے حقائق ممکنات کہتے ہیں۔ ابن عربی کے مطابق خلق عبارت ہے وجود کے ان تعینات سے جو اعیان ثابتہ کے مطابق خارج میں واقع ہوں، جبکہ شیخ مجدد کے بقول خلق عبارت ہے حقائق ممکنات کا خدا کے وجود کے ظل کے ساتھ خارج ظلی میں ظاہر ہونے سے۔

شیخ مجدد کے خیال میں کائنات حقیقت میں عدم ہے۔ جو چیز اسے ایک ظلی وجود اور حقیقت کی پرچھائیں عطا کرتی ہے اور عدم محض سے بلند کر کے پائیداری اور استحکام بخشتی ہے، وہ اس پر خدا تعالیٰ اور اس کی صفات کا سایہ ہے۔ ان کی حیثیت ایسی ہے جیسے جادو سے کوئی چیز بنالی جائے۔ گرچہ وہ بظاہر زندہ نظر آتی ہے، لیکن حقیقتاً زندہ نہیں ہے۔ جادوئی شے اور کائنات میں فرق صرف یہ ہے کہ جادو کی چیزیں لمحاتی وجود کی حامل ہوتی ہیں، جبکہ کائنات اتنی مستحکم ضرور ہے کہ اس پر دنیا و آخرت کی زندگی استوار ہو سکے۔ مختصر یہ کہ کائنات حقیقی بھی ہے اور غیر حقیقی بھی۔ گویا یہ ایک غیر حقیقی حقیقت ہے۔

خدا نے اس غیر حقیقی کائنات کو جو اضافی استحکام بخشا ہے، اس نے اسے خدا سے الگ اپنا ایک تشخص عطا کیا ہے اور یہ تشخص ایک ایسی سطح پر ہے کہ خدا کی وحدت اس سے متاثر نہیں ہوتی۔ کائنات کی اشیاء کے اندر ان کی قوت و حرکت ان کی اپنی ہے۔ اسی طرح انسان کو جو قوت و استطاعت اور ارادہ حاصل ہے وہ بھی اس کا اپنا ہے۔ شیخ مجدد تو قدرت میں علت و معلول کے تعلق کا انکار کرتے ہیں اور نہ انسانوں میں آزادی فکر اور ارادے کی نفی کرتے ہیں۔ وہ صرف ان کی خود اکتفائی اور استقلال کی نفی کرتے ہیں۔ انسانوں کے عقائد و اعمال اور تجربات ان کے اپنے ہوتے ہیں، خدا کے نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اس علم اور قدرت کے نتیجے میں ہوتے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ دائرہ کار میں فعال ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اچھے عقائد اختیار کرتا ہے، نیک افعال و اعمال کرتا ہے تو اس کو اس کا اجر ملے گا اور اگر غلط عقائد رکھتا ہے اور برے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کو اس کی سزا ملے گی۔

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں فرق

شیخ مجدد اور ابن عربی کے فلسفے میں جو فرق ہے، وہ بنیادی نوعیت کا ہے، لیکن بعض اسباب کی بناء پر اس کو وہ اہمیت نہیں دی گئی، جس کا وہ مستحق ہے۔ ایک حد تک اس کے ذمے دار خود شیخ مجدد بھی ہیں۔ اپنے فلسفے کی تشکیل کے لئے شیخ مجدد نے خطوط کو ذریعہ بنایا جو دوسرے کاموں کے لئے اگرچہ مؤثر ثابت ہو سکتا ہے لیکن ایک مربوط بحث چہ جائیکہ ایک فلسفیانہ نظریہ کی تشکیل کے لئے غیر موزوں ہے۔ شیخ مجدد ایک خط میں اپنے فلسفے کا خاکہ پیش کرتے ہیں، دوسرے میں اس کے تصور کی وضاحت کرتے ہیں اور تیسرے میں کسی اور مسئلے کی تشریح کرتے ہیں۔ کسی مسئلے کے ایک پہلو پر بحث ایک جگہ ہے، دوسرے پہلو پر دوسری جگہ۔ ایک نکتہ ایک خط میں بیان ہوا ہے تو دوسرا نکتہ کسی دوسرے خط میں' اس لئے جب تک مکتوبات کی تینوں ضخیم جلدوں کی ورق گردانی نہ کر لی جائے، اس وقت تک ان کے فلسفے سے آگاہی نہیں ہو پاتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ شیخ کی فلسفیانہ فکر مختلف تبدیلیوں سے گزری ہے۔ حالانکہ شیخ نے سلوک کے تمام مراحل بہت جلد قطع کر لئے' لیکن اپنے افکار کو فلسفیانہ قالب دینے میں انہیں کئی سال لگ گئے۔ تیسری بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے فکر کی تشکیل میں بیش تر انہی اصطلاعات کو استعمال کیا ہے جنہیں ابن عربی نے اپنے مخصوص فلسفے کی تشکیل کے لئے وضع کیا تھا' اس لئے غلط فہمی کا امکان خاصا بڑھ گیا ہے۔

دونوں فلسفوں کو بیان کرتے وقت میں نے بعض غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً میں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''وجود ایک ہے'' کا مطلب ابن عربی کیا لیتے ہیں اور شیخ مجدد کیا۔ اسی طرح اعیان ثابتہ کے بارے میں دونوں کے اختلافات کا تذکرہ کیا ہے۔ اعیان ثابتہ یا خلق سے پہلے انسان کا حضرت علم میں تعین اور خود تخلیق کے بارے میں دونوں بزرگوں کے یہاں جو اختلاف ہے اس کا ذکر کیا ہے۔ کائنات کی حقیقت کے بارے میں دونوں کے نظریات کو بیان کیا ہے۔ دونوں کے نزدیک کائنات کے ظل، سایہ، عدم اور موہوم ہونے کے الفاظ آتے ہیں لیکن دونوں ان سے دو مختلف معنی مراد لیتے ہیں۔ ابن عربی جب عالم کو ظل کہتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ عالم از خود موجود نہیں ہے بلکہ صرف خدا کا ایک ظہور ہے۔ انہوں نے صراحت کی ہے کہ کائنات خدا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے'

Marfat.com

لیکن جب شیخ مجدد کائنات کو ظل کہتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ کائنات نہ صرف اپنے وجود میں خدا کی ذات پر منحصر ہے بلکہ اس سے مختلف ایک وجود ہے جو اگرچہ خارج میں موجود ہے لیکن اس کا وجود بہت ہی کم تر درجہ کا وجود ہے۔ تقریباً لاشئے۔

اسی طرح جب ابن عربی یہ کہتے ہیں کہ عالم معدوم ہے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اشیاء کی ذوات یعنی اعیان ثابتہ جو حضرت علم میں علمی تعینات ہیں، ہمیشہ خدا کے علم ہی میں رہتے ہیں۔ خارجی دنیا میں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ جو کچھ خارج میں نظر آتا ہے، وہ اعیان ثابتہ کے نمونے پر خدا تعالیٰ کا وجود ہے۔ دوسری طرف جب شیخ مجدد یہ کہتے ہیں کہ کائنات معدوم ہے تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ کائنات کی اشیاء اپنی ذات میں عدم کے ایسے تعینات ہیں، جن پر خدا کی صفات کا محض ایک عکس پڑا ہے اور جو خدا تعالیٰ کے وجود سے اس عکس کی وجہ سے جو ان پر پڑتا ہے خارجی دنیا میں وجود پذیر ہوتی ہیں، لیکن ان کے وجود کو خدا تعالیٰ کے وجود کے مقابلے میں عدم ہی کہا جاسکتا ہے، کچھ اور نہیں۔[۱۳۱]

اسی طرح جب ابن عربی یہ کہتے ہیں کہ کائنات خیالی اور موہوم ہے تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کائنات کے بارے میں یہ عام تاثر کہ وہ خدا سے الگ ایک مستقل وجود ہے، محض وہم اور گمان ہے۔ حقیقت میں وہ خدا کے ساتھ متحد ہے، اگرچہ ایک معنی میں اس سے مختلف ہے۔ دراصل یہ خدائے لامحدود کی ایک محدود و متعین شکل ہے۔ دوسری طرف جب شیخ مجدد یہ کہتے ہیں کہ کائنات خیالی اور موہوم ہے تو اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کائنات کا خدا کی ذات سے الگ ایک وجود ہے، لیکن خدا کے وجود کی طرح یہ کوئی حقیقی وجود نہیں ہے بلکہ ایک ظلی وجود یا سحر و جادو کے ذریعہ پیدا کردہ کسی خیالی اور موہوم وجود کی طرح ایک نمود بے بود ہے۔[۱۳۲]

اس طرح کی دشواریاں شیخ مجدد کے فلسفے کی تفہیم میں آتی ہیں۔ ان کی وجہ سے ان کے فلسفے کی تفہیم اور مشکل ہوجاتی ہے۔ تاہم ان کی تحریروں کے گہرے اور سنجیدہ مطالعے سے ان کے فلسفے کو یقیناً سمجھا جاسکتا ہے، لیکن بعد کے چند اصحاب علم کو جو ان کے اور ابن عربی دونوں کے عقیدت مند تھے، یہ بات عجیب سی نظر آئی کہ تصوف کے ان اساطین میں اتنا بنیادی نوعیت کا اختلاف ہو۔ اسی لئے انہوں نے ان اختلافات کو نظر انداز کرکے انہیں کم کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کی ایک مثال شاہ ولی اللہ (۱۱۷۱ھ/۱۷۶۲ء) تھے، جو ایک طرف ابن عربی کے عقیدت مند تھے اور نظریہ وحدۃ الوجود کو بنیادی طور پر صحیح سمجھتے تھے، انہیں اس نظریہ میں صرف ایک بات قابل اعتراض محسوس ہوتی تھی کہ اس نظریہ کی جس طرح بالعموم تشریح کی جاتی ہے اس سے خدا تعالیٰ کی ورائیت متاثر ہوتی ہے[۱۳۳] ان کا خیال تھا کہ اس کمی کو بعض تصورات کی نئی تشریح کے ذریعہ دور کیا جاسکتا ہے۔[۱۳۴] دوسری طرف شیخ مجدد سے بھی ان کو بڑی عقیدت تھی اور انہی کے سلسلہ سے وابستہ بھی تھے۔ نیز شیخ کے متعدد خیالات کے ہم نوا تھے۔ ان کے لئے یہ تسلیم کرنا مشکل تھا کہ دونوں بزرگوں کے مکاشفات ایک دوسرے سے بنیادی طور پر مختلف ہوں۔ اگر وہ اس اختلاف کو تسلیم کرتے تو صوفیانہ تجربات و مکاشفات بے قیمت ہوجاتے۔ اسی لئے انہوں نے یہ کہہ دیا کہ دونوں کے درمیان اختلاف صرف جزئیات میں ہے، بنیادی مسلمات میں دونوں متفق ہیں۔[۱۳۵]

اس مفروضے کی بنیاد پر شاہ ولی اللہ دونوں بزرگوں کے نظریات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔[۱۳۶] سب سے پہلے وہ شیخ مجدد کے نظریہ عدم کو لاشئے کہہ کر رد کردیتے ہیں[۱۳۷] جس کا مطلب شیخ مجدد کے فلسفہ

Marfat.com

کے دو بنیادی تصورات میں سے ایک کا انکار ہے۔ شیخ مجدد کا دوسرا بنیادی تصور ظل کا ہے۔ شاہ ولی اللہ اس کو بھی یہ کہہ کر رد کردیتے ہیں کہ یہ استعارہ ہے۔[۱۳۸] ان دونوں بنیادی تصورات کی نفی کردینے کے بعد یہ کہنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ دونوں کے بنیادی نظریات ایک ہیں۔ اب رہ جاتا ہے وحدۃ الوجود پر شیخ مجدد کی تنقید کا معاملہ تو شاہ ولی اللہ اس کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ غالباً ان کا خیال یہ ہے کہ اگر وحدۃ الوجود کی ایسی تشریح کردی جائے' جیسی کہ انہوں نے کرنے کی کوشش کی ہے تو اعتراضات خود بخود رفع ہوجائیں گے۔[۱۳۹] شاہ ولی اللہ نے وحدۃ الوجود کی اپنے طور پر جو تشریح کی ہے، اسے میں دوسرے مقام پر بیان کرچکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ان کی تشریح سے بھی اس نظریے میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آتی۔

شاہ ولی اللہ کی اس کوشش سے کہ شیخ مجدد اور ابن عربی کے بنیادی اصولوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور اختلاف محض لفظی ہے' سلسلہ مجددیہ کے بعض صوفیہ نے اختلاف کیا ہی۔ مثلاً مظہر جان جاناں[۱۴۰] (م ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) کے ایماء پر ان کے مرید شاہ غلام یحییٰ[۱۴۱] (م ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء) نے ''کلمۃ الحق'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں پہلے انہوں نے شیخ مجدد کے فلسفے کی وضاحت کی، پھر ان نکات کو بیان کیا جن پر ابن عربی سے ان کا اختلاف ہے اور شاہ ولی اللہ پر تنقید کی جن کے نزدیک وہ اختلافات غیر اہم تھے۔ اس کے رد میں شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین (م ۱۲۲۷ھ/۱۸۳۳ء) نے ''دمغ الباطل'' تصنیف کی۔[۱۴۲] دوسری طرف شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ اسماعیل شہید دہلوی (م ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء) نے جو شیخ مجدد سے زیادہ متاثر تھے، ''عبقات'' لکھی۔[۱۴۳] انہوں نے ابن عربی اور شیخ مجدد کے درمیان اختلافات کی اہمیت کو گھٹایا نہیں بلکہ اس اختلاف کے حقیقی ہونے کو تسلیم کیا اور ابن عربی کے الفاظ و تعبیرات کے ذریعے شیخ مجدد کے نظریہ میں خدا تعالیٰ کی ماورائیت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔

حواشی:

۱۔ ملا کمال کے ایک شاگرد ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء) ہیں۔ یہ زبردست عالم تھے۔ عہد شاہجہانی میں شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز رہے۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ شیخ مجدد کے بڑے مداح تھے اور ان کو مجدد الف ثانی کہا کرتے تھے اور اپنی کتاب ''دلائل التجدید'' میں ان کے کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔

۲۔ نور الحسن: ابوالفضل، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، طبع جدید ص: ۱/۱۱۷، Rizwi S.A.A., Religious and Intellectual History of the Muslims in Akbar's Reign, 339-93 منشی رام منوہر لال پبلشر دہلی۔

۳۔ دیکھئے: اسی کتاب میں

۴۔ شیخ مجدد: اثبات النبوۃ مع اردو ترجمہ، ترتیب غلام مصطفیٰ خاں، کراچی ۱۳۸۳ھ ص: ۶

۵۔ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، نول کشور لکھنؤ ۱۸۹۰ء ص ۱۳۲۔ اس کی طرف شیخ مجدد نے ''اثبات النبوۃ'' میں اشارہ کیا ہے، حوالہ سابق ص ۶

۶۔ ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت و عزیمت، لکھنؤ ۱۹۸۰ء ج ۵ ص ۱۴۰

۷۔ زبدۃ المقامات ص ۱۱۳

Marfat.com

۸۔ خرقہ وہ لباس ہے، جو کسی شیخ کی طرف سے اپنے مرید کو یا تو راہ سلوک کی ابتداء کرتے وقت یا تکمیل کے بعد اس وقت عنایت کیا جاتا ہے، جب اسے راہ سلوک کے سالکین کی رہنمائی کی اجازت ملتی ہے۔

۹۔ شیخ مجدد: مکتوبات، ترتیب نور احمد، طبع نور کمپنی لاہور ۱۳۸۴ھ جلد دوم، مکتوب نمبر ۴۴۔ ص ۹۸۹۔۹۹۵

۱۰۔ شیخ مجدد: رسالہ تہلیلیہ، مع اردو ترجمہ، غلام مصطفیٰ خاں، ادارہ مجددیہ کراچی، ۱۹۶۵ھ ص ۲۸۔ زبدۃ المقامات، ص ۱۱۷

۱۱۔ زبدۃ المقامات ص ۱۱۷، تاریخ دعوت عزیمت ج ۵ ص ۱۳۶

۱۲۔ شیخ کی وضاحت کے مطابق نسبت فردیہ عبارت ہے۔ اس داخلی کیفیت سے، جو صوفی کو اپنے روحانی ارتقاء کے وقت حاصل ہوتی ہے۔

۱۳۔ شیخ مجدد: مبدأ و معاد، مطبع انصاری، دہلی ص ۴

۱۴۔ مکتوبات جلد اول، م ۲۹۰ ص ۷۴۱، ج ۱، م ۲۶۶، ص ۵۸۴

۱۵۔ حوالہ سابق ج ۱، م ۲۹۰، ص ۷۴۴

۱۶۔ تاریخ دعوت وعزیمت ج ۵ ص ۱۵۰، محمد حسن: مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی، شاہی پریس لکھنؤ، ۱۳۱۳ھ ص ۹

۱۷۔ مکتوبات، ج ۱، م ۲۹۰، ص ۷۵۵۔ منقول ہے کہ خواجہ باقی باللہ نے شیخ مجدد کو نقشبندیہ سلسلے کی اشاعت کے لئے لاہور میں متعین کیا تھا۔ ملاحظہ کیجئے۔ تاریخ دعوت وعزیمت ج ۵ ص ۱۵۳

۱۸۔ مکتوبات، ج ۱، م ۲۶۶، ص ۵۸۵، تاریخ دعوت وعزیمت ۱۵۰/۵

۱۹۔ مکتوبات، ج ۱، م ۳۱، ص ۱۰۲

۲۰۔ ایضاً، م ۱۶۰، ص ۹۔۳۳۸

۲۱۔ شیخ مجدد کے اس دعوے پر کہ آخری صداقت کو پانے سے قبل وہ مقام اتحاد (وحدۃ الوجود) سے گزرے، Dr Yohanan Friedmann نے اعتراض کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شیخ مجدد نہ تو اتحاد کامل کے تجربے سے گزرے، نہ ان پر جذب کی کیفیات طاری ہوئیں اور نہ ہی ان سے شطحات کا صدور ہوا۔ ملاحظہ کیجئے:

Shaikh Ahmad Sirhindi: An Outline of His Thought and a Study of His Image in the Eyes of Posterity. Montreal, McGill/ Queen's University Press 1971, pp.6, 20, 24

اگرچہ یہ واضح نہیں ہے کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں، لیکن اس کا مقصد ظاہر ہے۔ یعنی وہ شیخ مجدد کو حقیقی صوفی ماننے کو تیار نہیں، اس لئے کہ انہوں نے نہ تو اتحاد کا تجربہ کیا اور نہ ہی وجد اور سکر کی کیفیات ان پر طاری ہوئیں جو تصوف پر جدید دور کے لکھنے والوں کے مطابق حقیقی تصوف کی علامات ہیں۔ پروفیسر مجیب نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ لکھا ہے کہ شیخ مجدد اس مزاج اور فکر کے حامل نہیں ہیں، جو صوفیہ کی خصوصیت ہے۔

(The Indian Muslims: London: Allen & Unwin 1976, p.245

Dr. Friedmann کے اعتراض کی اساس یہ ہے کہ شیخ مجدد نے لکھا ہے کہ توحید وجودی کے تجربے سے گزرتے ہوئے وہ اس سے اس درجہ متاثر تھے کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں اس کا بیان کیا تھا، لیکن اصلاً ان کی دستیاب تحریروں میں اس طرح کے بیانات نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس تجربے کا دعویٰ درست نہیں ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جلد اول مکتوب نمبر ۲۹۰ جس کا ترجمہ مذکور ہے اور جس میں شیخ احمد نے اپنے روحانی تجربات کی مختلف منازل کا بیان کیا ہے، اس میں اتحاد اور جمع کے مرحلے کا بھی ذکر ہے۔ وہ اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ شیخ احمد

نے حقیقی تجربات بیان کئے ہیں۔ جہاں تک توحید وجودی کے تجربے سے گزرتے ہوئے انہوں نے جو تحریریں لکھی تھیں' ان کا سوال ہے تو ان کے بارے میں شیخ احمد نے لکھا ہے کہ وہ مختلف دوستوں کے پاس منتشر ہیں۔ ان کو جمع کرنا دشوار ہے' اس لئے میں نے انہیں علیٰ حالیہ چھوڑ دیا۔ (مکتوب نمبر ۲۹۱ ص ۷۵۸) اور جب شیخ مجدد نے ان نظریات سے رجوع کر لیا تو ان کو محفوظ کرنے میں کوئی معقولیت بھی نہیں تھی۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس طرح کی کچھ تحریریں ان کے شاگردوں نے جمع کی ہیں جنہیں ''معارف لدنیہ'' میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے فاضل مرتب نے اس مقدمے میں لکھا ہے کہ میرے جمع اور موازنہ کے دوران مجھے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوگئی کہ یہ حالات شیخ مجدد کو نقشبندیہ سلسلے میں راہ سلوک طے کرتے ہوئے ابتدائی مراحل میں پیش آئے تھے۔ ان معارف میں شیخ خدا کی ذات کو وجود کا عین قرار دیتے ہیں اور ممکنات کی ذوات کو علم الٰہی میں متعین کردہ خدا کے شئون ذاتیہ قرار دیتے ہیں اور انہیں بھی واجب کہتے ہیں۔ اسی طریقے سے یہ بھی خیال ملتا ہے کہ تکمیل نام ہے تنزیہہ اور تشبیہہ کے امتزاج نیز ظلیت کے اثبات کا۔ یہ چار اصول شیخ اکبر کے طریقے کی بنیاد ہیں (معارف لدنیہ ترتیب عبدالمجید سلفی، لاہور ۱۳۷۶ھ ص ۲) اس سلسلے میں زیادہ ہم آہنگ معارف ۱۸/۵ اور ۱۰ ہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ شیخ کا وہ اقتباس جو مذکور ہو چکا ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے پیر خواجہ باقی باللہ کے پاس اس وقت ایک رباعی لکھ کر بھیجی جب وہ توحید وجودی کے مرحلہ سے گزر رہے تھے۔ نیز اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ خواجہ نے ان کو اس طرح کی رباعی لکھنے پر تنبیہہ کرتے ہوئے لکھا ''تم نے جو بات لکھی ہے وہ احمقانہ اور معقولیت سے عاری ہے، اس طرح کے خیالات کا حامل شخص خدا کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہو سکتا۔ تم کو خدا کا فرمانبردار ہونا چاہئے' وہ بے نیاز اور غیور ہے۔'' (شیخ اکرام: رود کوثر، کراچی تاج آفس، ص ۱۵۳)

ان ملاحظات کے بعد میرا خیال یہ نہیں ہے جیسا کہ ہمارے بعض مصنفین کا خیال ہے کہ وحدۃ الوجود کا تجربہ اور شطح کا صدور حقیقی صوفی کے لئے ضروری ہے۔ حقیقی صوفی کے لئے جمع کا تجربہ تو ضروری ہے لیکن وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھنا یا شطح کا صادر ہونا ضروری نہیں۔

۲۲۔ شیخ مجدد: مکتوبات ج ۱، م ۱۳، ۳۱، ۳۶، ۱۶۰، ۲۹۱

۲۳۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے تاریخ دعوت و عزیمت ج۔ ۵/۵۶۔ ۱۵۴

۲۴۔ نورالدین جہانگیر: تزک جہانگیری، تحقیق سید احمد خان۔ علی گڑھ ۱۸۶۴، ص ۳۔ ۲۷۲

۲۵۔ شیخ مجدد: مکتوبات، ج ۱، م ۱۳۱، ص ۵۔ ۳۰۴، م ۱۶۸، ص ۳۵۲، م ۲۲۱، ص ۵۔ ۲۶۴، م ۳۱۳، ص ۸۔ ۸۲۷

۲۶۔ ایضاً ج ۲، م ۶، ص ۲۷۲۔

۲۷۔ ایضاً ج ۱، م ۲۳۴، ص ۴۹۵، ج ۱، م ۲۶۱، ص ۵۷۴، ج ۲، ص ۸۷۹، ج ۳، م ۱۰۰، ص ۱۵۰۶

۲۸۔ ملاحظہ کیجئے کتابیات

۲۹۔ عزیز احمد Islamic Culture in the Indian Environment, Oxford University Press 1964, p. 175۔ ملا مبارک ناگوری کے سلسلہ میں دیکھئے: Sir Wolseley Haig, (Planned) Sir Richard Burn(ed.) - Cambridge History of India Vol. iv Cambridge 1937 pp. 114, 106

۳۰۔ عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، کلکتہ ۱۸۶۵ء، ج ۳ ص ۱۔ ۱۳، فتح اللہ شیرازی کے بارے میں دیکھئے، ایم اسلم: سرمایۂ عمر، ندوۃ المصنفین، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۳۰۔ ۹

Marfat.com

۳۱۔ منتخب التواریخ، ص ۲/۸ ۔ ۲۴۵

۳۲۔ اثبات النبوۃ، ص ۱۹۔ ۲۰

۳۳۔ دیکھئے اسی کتاب میں

۳۴۔ سرمایہ عمر ص ۱۱۴۔

۳۵۔ تاریخ دعوت وعزیمت: ۴۵/۵

۳۶۔ مکتوبات، ج ۱، م ۱۳، ص ۸ ۔ ۲۷، م ۲۵۱، ص ۸ ۔ ۵۲۳، م ۲۶۶، ص ۲۰ ۔ ۶۱۶، ج ۲، ج ۱، م ۱۳، ص ۶۷۸، م ۲۵۱، ص ۸ ۔ ۵۲۳، م ۲۶۶، ص ۲۰ ۔ ۶۱۶، م ۱۵، ص ۸۹۳، م ۳۶، ص ۵۸ ۔ ۹۳، م ۶۷، ص ۸ ۔ ۱۷۷، م ۹۶، ص ۵۰ ۔ ۱۱۳۹

۳۷۔ ایضاً ج ۱، م ۲۵۱، ص ۵۲۳، ج ۲، م ۹۶، ص ۱۱۵۰

۳۸۔ شیخ مجدد نے لکھا ہے مولانا جامی (۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) اور بعض دوسرے مصنفین نے امیر معاویہ پر اعتراض کیا ہے۔ (مکتوبات، ج ۱، م ۲۵۱، ص ۵ ۔ ۵۲۴)

۳۹۔ اپنی کتاب ''رد روافض'' میں شیخ مجدد نے متعدد شیعہ فرقوں اور ان کے عقائد کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے کچھ عقائد ایسے ہیں جو اسلام کی بنیاد ہی منہدم کر دیتے ہیں۔ مثلاً حضرت علیؓ کی الوہیت کا عقیدہ یا یہ کہ وحی دراصل حضرت علیؓ کی طرف آرہی تھی لیکن جبرئیل کی غلطی سے محمد ﷺ کی طرف منتقل ہوگئی اور یہ کہ روحیں مختلف شکلوں میں بار بار پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ شیعوں کے بڑے فرقے ان عقائد کے حامل نہیں ہیں، صرف کچھ ہی انتہا پسند فرقے یہ خیالات رکھتے ہیں اور انہی کو امت نے کافر قرار دیا ہے۔ جو شیعہ صحابہ خاص طور پر ابتدائی تین خلفائے راشدین اور ان صحابہؓ پر تبرا کرتے ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا، ان شیعوں کے بارے میں رائے مختلف ہے۔ اگرچہ اس طرح کے فعل کو سنّی نے سختی سے رد کیا ہے تاہم کچھ حنفی اور علمائے ماوراء النہر کے ایک گروہ کے علاوہ علماء کی اکثریت نے ان کو کافر قرار نہیں دیا ہے اگرچہ ان میں سے بھی اکثر ان شیعوں کو کافر کہہ دیتے ہیں جو حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور دوسرے صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔ ''رد روافض'' میں شیخ مجدد نے علماء ماوراء النہر کی توثیق کی ہے کہ صحابہ کرام کو کافر قرار دینے والے یا تبرا کرنے والے شیعہ کافر ہیں۔ مگر جہاں تک مکتوبات کا تعلق ہے تو شیخ نے اس عمل کو فسق و بدعت تو قرار دیا ہے لیکن ان کے عمل کرنے والوں کو کافر کہنے سے احتراز کیا ہے۔ (اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کے لئے دیکھئے: ابن عابدین کا رسالہ ''تنبیہ الولاۃ والحکماء علی احکام مشاتم خیر الانام واصحابہ الکرام'' مشمولہ رسائل ابن عابدین۔ تاریخ طبع ندارد، ج ۱، ص ۱۷ ۔ ۳۵۷، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول''، سبکی کی ''السیف المسلول علی من سب الرسول۔''، قاضی عیاض کی ''الشفاء'' وغیرہ)

۴۰۔ محمد منظور نعمانی: تذکرۂ امام ربانی، مکتبہ الفرقان لکھنؤ ۱۹۸۲ء، ص ۲۹۹

۴۱۔ مکتوبات، ج ۱، م ۲۶۶، ص ۶۱۲

۴۲۔ ایضاً ج ۳، م ۴۱، ص ۱۲۹۷

۴۳۔ ایضاً ج ۳، م ۴۱، ص ۱۲۹۸، ج ۱، م ۲۶۶، ص ۶۱۲

۴۴۔ تذکرہ امام ربانی، ص ۱۲۳، یہ تعجب خیز بات ہے کہ شیخ اکرام نے بغیر حوالہ کے کفری تخلص کا انتساب خود شیخ مجدد کی طرف کیا ہے۔ یہ شیخ اکرام کی تحقیق ہے۔ (Muslim Civilization in India, New York, London, Columbia University Press, 1964, p. 167)

۴۵۔ مکتوبات، ج ۳، م ۴۱، ص ۱۲۹۸

Marfat.com

۴۶۔ ایضاً ج ۱،م ۲۸۸،ص ۴۲۲

۴۷۔ ایضاً ج ۱،م ۲۶۱،ص ۳-۵۷

۴۸۔ ایضاً ج ۱،۲۶۶،ص ۶۲۶، ج ۲،م ۶۲،ص ۱۰۶۱

۴۹۔ ایضاً ج ۱،م ۲۶۰،ص ۵۶۲۔ اگرچہ فرض وواجب کے یہ الفاظ عام ہیں تاہم یہاں ان سے نماز مراد ہے۔

۵۰۔ ایضاً ج ۲،م ۲۸،ص ۲۔۹۲۱

۵۱۔ ایضاً ج ۳،م ۴۱،ص ۱۳۰۶

۵۲۔ ایضاً ج ۱،م ۲۷۶،ص ۳-۶۷

۵۳۔ ایضاً ج ۱،م ۲۶۱،ص ۳-۵۷

۵۴۔ ایضاً ج ۱،م ۲۹۴،ص ۶۷۷، ج ۲،م ۵۸،ص ۱۰۵۰

۵۵۔ ایضاً ج ۱،م ۲۳۲،ص ۱۰۵۰، ج ۳،م ۶۶،ص ۱۳۶۷، ج ۱،م ۲۳۴،ص ۳۔۴۹۲

۵۶۔ ایضاً ج ۱،م ۲۹،ص ۶۔۹۵

۵۷۔ ایضاً ج ۱،م ۲۳۱،ص ۲۸۱

۵۸۔ بدعت کے سلسلہ میں شیخ مجدد کی گفتگو کے لئے ملاحظہ کیجئے مکتوبات: ج ۱ص ۱۸۶، ۲۳۱، ۲۲۱، ۱۱۹ اور اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کے لئے دیکھئے ابواسحاق الشاطبی کی کتاب "الاعتصام" مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، قاہرہ، جلد ۲

۵۹۔ مکتوبات، ج ۲،م ۵۴،ص ۱۰۳۲

۶۰۔ تذکرہ امام ربانی، ص ۷۸

۶۱۔ مکتوبات، ج ۱،م ۱۰۲،ص ۲۵۶

۶۲۔ تذکرہ امام ربانی، ص ۲۵۵، تاریخ دعوت وعزیمت، ص ۱۲۲/۴۔۱۶۳

۶۳۔ تذکرہ امام ربانی، ص ۶۹

۶۴۔ ایضاً، ص ۷۲

۶۵۔ مکتوبات، ج ۱،م ۲۱۳،ص ۴۲۵،م ۱۹۴،ص ۳۸۹

۶۶۔ ایضاً، ج ۱،م ۴۷،ص ۱۶۳

۶۷۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ج ۹۱/۴۔۸۸

۶۸۔ مکتوبات، ج ۱،م ۱۰۲،ص ۲۵۶

۶۹۔ ایضاً ج ۱،م ۲۷۵،ص ۶۷۰

۷۰۔ محضر نامہ کی تفصیلات کے لئے دیکھئے منتخب التواریخ: بدایونی، ج ۲/۲۔۲۷۱، اس کے انگریزی ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ M.Mujeeb: Indian Muslims, London: Allen & Unwin 1976, pp.242-3

۷۱۔ Aziz Ahmad: Islamic Culture in the Indian Environment, Oxford: Clarendon Press, 1964, p.175

۷۲۔ دین الٰہی کی تفصیلات کے لئے دیکھئے، تاریخ دعوت وعزیمت: ۲۵/۴۔۱۰۸

۷۳۔ اکبر کی مذہبی پالیسی میں ابوالفضل کے کردار کے لئے دیکھئے، مشیر الحسن کا مقالہ Studies in Islam دہلی، ج ۱۰، جنوری تا اپریل ۱۹۷۳، ص ۱۱۹ اور عزیز احمد کی کتاب Islamic Culture in the Indain

Marfat.com

Environment p. 173

۷۴۔ تفصیلات کے لئے رجوع کیجئے شیخ اکرام Muslim Civilization in India, pp. 162-3

۷۵۔ جن لوگوں نے اکبر کی مذہبی پالیسی کی مخالفت کی تھی ان میں شیعہ عالم اور جونپور کے قاضی ملامحمود یزدی اور بنگال کے قاضی القضاۃ معزالملک شامل ہیں۔ شیخ اکرام: Muslim Civilization...... p. 160 شیخ مجدد نے شدید تعذیب اور موت کے گھاٹ اتار دیئے جانے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

۷۶۔ عزیز احمد: Islamic Culture in the Indian Enviroment p 180، شیخ اکرام Muslim Civilization p. 180، مکتوبات ج ۱، م ۱۹۵، ص ۳۹۱

۷۷۔ مکتوبات، ج ۱، م ۴۷، ص ۱۶۲۔۸۱، ص ۲۲۵

۷۸۔ ایضاً، ج ۲، م ۹۲، ص ۳۰۔۱۱۲۹

۷۹۔ K.A. Nizami: Naqshbandi Influence on the Mughal Rulers and Politics, (Islamic Culture, Jan. 1965, p 47)

۸۰۔ مکتوبات، ج ۱، م ۱۹۵، ص ۱۔۳۹۰

۸۱۔ ایضاً، ج ۲، م ۶۷، ص ۱۰۸۲

۸۲۔ ایضاً، ج ۱، م ۵۳، ص ۱۷۱

۸۳۔ ملاحظہ کیجئے مکتوبات، ج ۱، م ۲۶۹، ص ۴۸، ۱۶۳، ۱۶۵، ۵۳، ۱۹۵، ۶۵، ج ۲، م ۵۷، ص ۵۴

۸۴۔ شیخ اکرام: رودکوثر، ص ۱۵۹

۸۵۔ ایضاً، ص ۱۵۷

۸۶۔ کچھ نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا (تذکرہ امام ربانی، ص ۹۹) اور کچھ نے ان کو قتل کرنے کا مطالبہ کیا (رودکوثر، ص ۱۶۲)

۸۷۔ رودکوثر، ۱۶۰

۸۸۔ بدرالدین: حضرات القدس، ص ۱۷۔۱۶۶، بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت، ج ۴، ص ۳۔۱۶۲

۸۹۔ مکتوبات، ج ۳، م ۵، ص ۱۲۰۲، م ۲، ص ۴۔۱۱۹۳، ۱۲۰۳

۹۰۔ Arnold, T.W. Preaching of Islam, 2nd Revised ed. London: Constable & Company, 1913. p.412

۹۱۔ رودکوثر، ص ۱۶۳

۹۲۔ مکتوبات، ج ۳، م ۴۳، ص ۱۳۰۷، م ۱۰۶، ص ۱۵۱۳، م ۲، ص ۱۳۸۷

۹۳۔ سرمایۂ عمر، ص ۳۱۔۱۲۸۔ Muslim Civilization... , p.169

۹۴۔ مکتوبات، ج ۲، م ۴، ص ۸۷۰، ج ۱، م ۲۶۱، ص ۵۔۵۷۴، م ۲۳۴، م ۲۳۴، ص ۴۹۴، ۳، م ۱۰۰، ص ۱۵۰۶

۹۵۔ ابوالحسین احمد بن محمد نوری (۲۹۵ھ/۹۰۷ء) کے والدین خراسان کے رہنے والے تھے۔ ان کی ولادت اور پرورش بغداد میں ہوئی۔ ابوالحسین نوری اپنے رفیق شیخ جنید بغدادی کے مقابلے میں کہیں زیادہ عبادت گزار تھے۔ ان پر وجد و سکر کا غلبہ بھی تھا۔ وہ اپنے اشارات کے لئے مشہور ہیں۔ ان میں سے کچھ کی تشریح ابوالنصر السراج نے کی ہے۔ دیکھئے کتاب اللمع ص ۴۔۲۹۲۔ رسالہ قشیریہ ص ۴۔۱۲۳، ابوبکر الکلاباذی کی "التعرف المذہب اہل التصوف"، ص ۹۶۔۱۰۰، علی ہجویری کی کشف المحجوب ص ۶۔۱۶۴، اور عطار کا تذکرۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۷۔۳۹

۹۶۔ تذکرۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۴۶

۹۷۔ ابوالقاسم جنید بن محمد بغدادی (۲۹۷ھ/۹۰۹ء) اپنے عہد کے ممتاز ترین صوفی، زبردست عالم اور اصحاب صحو میں سے تھے۔ انہوں نے سختی کے ساتھ شریعت کا اتباع کیا۔ صوفیہ انہیں سید الطائفہ کہتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے ان کو مشائخ الاسلام اور ائمۃ الہدیٰ میں شمار کیا ہے۔ (فتاویٰ، ص ۱۰/۱۷۔۵۱۶) ڈاکٹر حسن علی عبدالقادر نے ان کے رسائل کو اپنی کتاب: The Life, Personality and Writings of Al-Junayd (London1962) میں شامل کیا ہے۔ Prof. R.C. Zahner نے اپنی کتاب Hindu and Muslim Mysticism میں (ص ۶۱۔۱۳۵) پر ایک باب شیخ جنید کے لئے وقف کیا ہے۔ میں نے بھی شیخ جنید پر درج ذیل عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے: Doctrine of one Actor:Junayd's Views of Tawhid, (The Muslim World, Jan. 1983, pp.33-36)

۹۸۔ رسالہ قشیریہ، ص ۲۵۲

۹۹۔ ابومحمد صالح بن عبدالعزیز التستری (۲۸۳ھ/۸۹۷ء) فارس کے شہر خوزستان کے مقام تستر کے رہنے والے تھے۔ علوم اسلامیہ اور تصوف کے حصول کے بعد بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ان کا زہد و ورع ضرب المثل تھا۔ صائم الدہر تھے۔ ان کی کرامات بھی مشہور ہیں۔ حلاج نے بھی ان سے استفادہ کیا تھا۔

۱۰۰۔ ابن سبعین (۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء۔۶۷۹ھ/۱۲۸۰ء) ابن عربی کے ہم وطن تھے۔ انہوں نے وحدۃ الوجود کی ایک ایسی تعبیر پیش کی جو ابن عربی کے نظریہ سے خاصی مختلف ہے۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر ابوالوجود التفتازانی کی کتاب ''ابن سبعین و فلسفۃ'' (بیروت ۱۹۷۳ء)۔ عبدالکریم جیلی (۸۱۱ھ/۱۴۰۸ء۔۶۷۶ھ/۱۲۷۸ء) نے ابن عربی کے فلسفہ میں کچھ اہم ترمیمات کیں۔ (ملاحظہ ہو Nicholson کی کتاب Studies in Islamic Mysticism، طبع (دہلی ۱۹۷۶ء) ص ۷۷ تا ۱۴۲، اور علامہ اقبال کی Development of Metaphysics in Persia (Lahore) pp.33-16

۱۰۱۔ مکتوبات ج ۱، م ۴۳، ص ۱۴۷

۱۰۲۔ مکتوبات ج ۱، م ۴۳، ص ۱۴۷

۱۰۳۔ انگریزی زبان میں ابن عربی پر سب سے عمدہ کتاب عفیفی کی The Mystical Philosophy of Ibn-Arabi ہے۔ عفیفی نے ابن عربی کی ''فصوص الحکم'' کو فاضلانہ حواشی کے ساتھ ایڈٹ بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ Titus Burckhardt کی Introduction to Sufi Doctrine ایک طرح ابن عربی کے نظریہ کی تشریح ہے۔ Henry Corbin کی Creative Imagination in Sufism of Ibn-Arabi ابن عربی کے فلسفہ کے ایک خاص پہلو کی ایک اچھی تفہیم ہے۔ Dr. Toshihuka Izutsu نے اپنی کتاب A Comparative Study of the Key Philosophical Concepts of Sufism and Taoism, 2 Vols. (Tokyo 1966) میں ''فصوص الحکم'' پر مبنی ابن عربی کے بنیادی تصورات پر کلام کیا ہے۔ میں نے اپنی زیر تصنیف کتاب Sufi Perspectives میں اس پر بحث کی ہے۔

۱۰۴۔ مکتوبات، ج ۱، م ۲۷۲، ص ۶۵۰

۱۰۵۔ سورہ انفال نمبر ۱۷

۱۰۶۔ مسند احمد، ص ۳/۱۳۵، ۱۵۴، ۳۱۰، ۳۱۵

Marfat.com

۱۰۷۔ شاہ ولی اللہ ہمعات، تحقیق نور الحق اور غلام مصطفیٰ، حیدر آباد، پاکستان، ۱۹۶۴ء، ص ۶۴

۱۰۸۔ التفہیمات الٰہیہ ج ۲/ ۷۔۲۶۶

۱۰۹۔ مکتوبات، ج ۱، م ۲۷۲، ص ۱۔۶۵۰

۱۱۰۔ مکتوبات، ج ۱، م ۲۳۴، ص ۴۹۴، ج ۲، م ۱، ص ۸۴۵

۱۱۱۔ مکتوبات، ج ۱، م ۲۷۲، ص ۲۔۶۵۱

۱۱۲۔ مکتوبات، ج ۱، م ۳۰، ص ۱۰۱، ص ۷۳۴، ۷۳۸

۱۱۳۔ مکتوبات، ج ۱، م ۸۵۳

۱۱۴۔ مکتوبات، ج ۱، ۲۸۶، ص ۸۔۶۹۷

۱۱۵۔ مکتوبات، ج ۲، م ۸۵۳، ص ۶۹۸

۱۱۶۔ مکتوبات، ج ۱، م ۲۹۱، ص ۷۵۶

۱۱۷۔ مکتبوات، ج ۲، م ۸۵۳، ص ۷۵۶

۱۱۸۔ مکتوبات، ج ۱، م ۲۷۲، ص ۶۵۳

۱۱۹۔ زاہد و عابد اور صوفی ابو اسحاق ابراہیم بن ادہم بن منصور (۱۶۰ھ/ ۷۷۷ء) قبیلہ بکر بن وائل سے تھے۔ یہ قصہ کہ وہ بلخ کے شہزادے تھے اور انہوں نے ایک غیبی آواز سن کر حکومت ترک کر دیا تھا، محض ایک اسطورہ ہے۔ اس طرح کے اساطیر متعدد صوفیہ کے بارے میں مشہور ہیں۔ سفیان ثوری، فضیل (۱۸۷ھ/ ۸۰۳ء) کے احباب میں سے تھے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے متعدد جہادوں میں حصہ لیا تھا۔ وغیرہ (دیکھئے عبدالرحمٰن بدوی کی ''تاریخ التصوف الاسلامی'')

۱۲۰۔ ابو علی فضیل بن عیاض، خراسان کے مشائخ کبار میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کو شروع سے ہی عبادات سے لگاؤ تھا۔ بچپن میں ہی تحصیل علم حدیث کے لئے کوفہ آ گئے۔ متعدد محدثین جیسے سفیان بن عینیہ اور یحیٰ بن سعید نے ان سے روایت کی ہے۔ فضیل بن عیاض، زاہد مرتاض، عبادت گزار، دنیا سے بے رغبت تھے، ان کو فنا و بقاء کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ (عبدالرحمٰن بدوی: تاریخ التصوف الاسلامی)

۱۲۱۔ دیکھئے مذکورہ حاشیہ ۹۵

۱۲۲۔ دیکھئے مذکورہ حاشیہ ۳۴

۱۲۳۔ ابو سعید احمد بن عیسیٰ الخراز (۲۷۷ھ/ ۸۹۰ء) کا شمار کبار صوفیہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ذوالنون مصری اور سری سقطی سے سلوک کی تعلیم حاصل کی۔ علامہ جامی کا خیال ہے کہ صوفیہ میں سب سے پہلے الخراز ہی نے فنا و بقا کا تصور پیش کیا ہے۔ ان کی ''کتاب الصدق'' (تحقیق عبدالحلیم محمود، طبع قاہرہ ۱۹۵۰ء) اور ان کے الفاظ جو ابوالنصر سراج، امام قشیری اور شیخ علی ہجویری نے نقل کئے ہیں' ان سے یہ بالکل واضح نہیں ہوتا کہ وہ صوفیہ کے تجربات و واردات کسی نقطۂ نظر کے حامل تھے۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۱۴۰، نفحات الانس ص ۸۔۵۷، کشف المحجوب، ص ۲۔۱۸۰، حلیۃ الاولیاء ج ۱۰، ۲۴۶)

۱۲۴۔ دیکھئے میرا مقابلہ Abu-Yazid Bistami's Description of the Mystical Experience

۱۲۵۔ میرا مقالہ The Doctrine of One Actor: Junaid's views of Tawhid

۱۲۶۔ اخبار الحلاج تحقیق L. Massignon طبع پیرس، ۱۹۳۶ء، ص ۲۔۳۱ مزید دیکھئے الرسالۃ القشیریۃ، ص ۴۔۳۲

۱۲۷۔ دیوان الحلاج، تحقیق (L. Massignon (Paris, 1955

۱۲۸۔ اخبار الحلاج، ص ۱۶، ۱۸۰، دیوان الحلاج، ص ۷۵، کتاب الطواسین، ص ۳۱۔
۱۲۹۔ عبدالحق انصاری، The Doctrine of Divine Command، حوالہ مذکورہ، ص ۳۱
۱۳۰۔ نکلسن: فی التصوف الاسلامی وتاریخیہ، ترجمہ عففیی، قاہرہ، ۱۹۶۹، ۱۳۱
۱۳۱۔ نکلسن کی کتاب ''فی التصوف الاسلامی'' پر عففیی کا تعارفی مقدمہ اور ان کی کتاب ''التصوف الروحیۃ فی الاسلام'' (بیروت) ص ۱۷۵
۱۳۲۔ مکتوبات، ج ۱، م ۲۷۲، ص ۶۵۴، م ۴۳، ص ۱۴۷
۱۳۳۔ میری زیر تصنیف کتاب Sufi Perspectives
۱۳۴۔ فضل حق خیر آبادی، الروض الجود (دہلی) ص ۴
۱۳۵۔ علامہ جامی، لوائح، نولکشور، ۱۹۳۶ء، ص ۲۲
۱۳۶۔ مکتوبات، ج ۲، م ۵، ص ۱۷۸، ج ۱، م ۳۲، ص ۱۰۹
۱۳۷۔ مکتوبات، ج ۳، م ۶۸، ص ۲۔۳۷۱، م ۷۱، ص ۱۳۷۵، م ۱۹۰، ص ۱۵۱۶، ۱۴۴، ص ۴۔۱۵۳۲
۱۳۸۔ فیوض الحرمین، ص ۴، التفہیمات الالہیہ ج ۲/۴۷۲
۱۳۹۔ میری زیر تصنیف کتاب Sufi Perspectives میں شاہ ولی اللہ پر میرا مقالہ
۱۴۰۔ التفہیمات الہیہ ج ۲/۴۔۲۶۳
۱۴۱۔ شاہ ولی اللہ نے یہ بحث اپنے اس خط میں کی ہے جو ''مکتوب مدنی'' کے نام سے مشہور ہے۔
۱۴۲۔ شاہ ولی اللہ: الخیر الکثیر طبع قاہرہ ۱۹۷۶ ص ۲۳
۱۴۳۔ التفہیمات الہیہ ص ۲/۲۶۴

(تصوف اور شریعت۔ مجدد الف ثانی کے افکار کا مطالعہ
از ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری، ترجمہ مفتی محمد مشتاق تجاوری، نئی دہلی ۲۰۰۱ء)

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر سراج احمد خان

امام ربانی مجدد الف ثانی کے حالاتِ زندگی

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

ارشاد باری ہے:

ولکل قوم ھاد.[1]

اور ہر قوم کے لیے ہادی ہوتے چلے آئے ہیں۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی انسان دین فطرت سے ہٹا اور اس نے بے راہ روی اختیار کی، تو قدرت نے ایک ہادی کے ذریعے اس کی رہبری فرمائی۔ یہ رہبری پہلے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے حاصل ہوئی پھر انسانیت کے سب سے بڑے محسن یعنی ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کامل و مکمل ہدایت اور رحمت نصیب ہوئی۔ بعد میں مجددین علیہم الرحمتہ کے ذریعے انسانیت کی رہنمائی کی گئی۔ تجدید دین کے اس پہلو کی طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک میں صراحتاً ارشاد کیا گیا ہے:

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل ماۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا.[2]

اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے سرے پر اس امت کے لئے ایسے بندے پیدا کرے گا جو اس کے لئے اس کے دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے۔

[حضرت عمر بن عبدالعزیز، ائمہ اربعہ، حضرت امام غزالی، حضرت شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی)، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایسے ہی چند مجددین تھے جنہوں نے اپنے اپنے پُرفتن ادوار میں احیاء شریعت اور تجدید دین کے لئے سعی فرمائی اور جن کی کوششوں سے اسلام کو حیات نو، تازگی اور تابندگی ملی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز (مجدد الف اوّل) اور شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) کو ان مجددین میں خاص امتیاز حاصل ہے۔]

حضرت مجدد الف ثانی[3] (م۔۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) نے جب ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ دشمنان اسلام کی ریشہ

دیوانوں کی وجہ سے پاک و ہند میں اسلام کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ شعائر اسلام کی توہین و تذلیل عام ہے۔ اسلام دشمن افراد کو خطرناک حد تک ملکی انتظام میں عمل دخل حاصل ہے اور ان کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے بادشاہ وقت (اکبر) کی طبیعت میں بھی اسلام کے خلاف ایک طرح کی ضد پیدا ہوگئی ہے۔ اسلام کی اس زبوں حالی پر انتہائی کرب کا اظہار کرتے ہوئے دربار اکبری کے ایک اہم رکن شیخ فرید بخاری کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''مسلمانوں پر پچھلے دور' یعنی دور اکبری' میں کیا کچھ گزر گیا۔ اسلام کی زبوں حالی اس سے پہلے زمانے میں اس سے آگے نہ گئی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کفار اپنے دین پر (آیت کریمہ لکم دینکم ولی دین سے معلوم ہوتا ہے)۔ لیکن گزشتہ دور (دور اکبری) میں کھلے بندوں اسلامی سلطنت میں کفر کے قوانین غالب اور نافذ تھے اور مسلمان احکام اسلام کے اظہار سے عاجز و قاصر تھے۔ اگر اظہار کرنے کی جرأت کرتے تو گردن ماردی جاتی۔ آہ! کیسی مصیبت کا وقت تھا' کیسی حسرت و افسوس کا مقام تھا کہ محبوب رب العالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ذلیل و خوار تھے اور ان کے منکرین کو عزت و اعتبار حاصل تھا۔ مسلمان زخمی دل اسلام کے ماتم میں مصروف ہوں اور دشمن مذاق اڑا اڑا کر دل بہلائیں اور زخموں پر نمک پاشی کریں۔''[4]

حضرت مجدد الف ثانی نے ناگفتہ بہ حالت پر ماتم ہی نہیں کیا بلکہ ان حالات کو بدلنے کے لئے مجاہدانہ سرگرم عمل ہوئے۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور اسلام کا بول بالا کیا اور آپ کی مساعی جمیلہ نے حالات میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ یا تو وہ وقت تھا کہ مسجدیں منہدم کی جارہی تھیں اور ان کی جگہ مندر اور اصطبل بنائے جارہے تھے' حتیٰ کہ بعض قبریں بھی اکھاڑ کر پھینک دی گئی تھیں' جیسا کہ خود حضرت مجدد اپنے خلیفہ حضرت میر نعمان کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''اسلام اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ ہندوستان کے کفار بے کھٹکے مسجدیں گرارہے ہیں اور ان کی جگہ مندر بنارہے ہیں۔ تھانیسر میں کرکھیت کے تالاب کے اندر ایک مسجد اور ایک بزرگ کی قبر تھی' ان کو ڈھا کر ان کی جگہ دسہرہ کلاں مندر بنا دیا گیا ہے۔''[5]

پھر وہ وقت آیا کہ جب نہ صرف منہدم مسجدیں دوبارہ تعمیر کی گئیں بلکہ نئی نئی وسیع اور خوبصورت مسجدیں تعمیر ہوئیں اور پھر آگے چل کر (دور شاہجہانی) میں ایسی مسجدیں تعمیر ہوئیں جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔
ایک وہ زمانہ تھا کہ کفار اور ہنود کے کبر و نخوت کا یہ عالم تھا کہ شعائر اسلام کا مذاق اڑاتے اور شعائر کفر کا احترام کرنے کے لئے مسلمانوں کو مجبور کرتے۔ مسلمانوں کی اس بے بسی کا حال خود حضرت مجدد کی زبانی سنیے:

(ترجمہ) ''کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجالا رہے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام جاری کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادیشی کے دن ہندو کھانا ترک کردیتے ہیں۔ بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی

Marfat.com

شہروں میں کوئی مسلمان اس دن روٹی نہ پکائے اور نہ بیچے' لیکن ماہ رمضان المبارک میں ہندو لوگ برملا' نان و طعام پکاتے بیچتے ہیں۔ مگر اسلام کے مغلوب ہونے کی وجہ سے انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ ہائے افسوس! بادشاہ وقت ہم میں سے ہو پھر ہم فقیروں کا اس طرح خستہ و خراب حال ہو''[6]

ہاں اس دور ابتلا کے بعد حضرت مجدد کی مساعی کے طفیل ایک وہ زمانہ آیا کہ بادشاہ وقت (جہانگیر) اسلامی شریعت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور پھر آگے چل کر دور عالمگیری[7] میں پاک و ہند پر اسلام اور صرف اسلام کی علمداری ہوتی ہے اور ''فتاویٰ عالمگیری'' مرتب کیا جاتا ہے۔ دور اکبری حضرت مجدد کی مساعی جمیلہ کا نقطہ آغاز تھا اور دور عالمگیری نقطہ کمال۔

حضرت مجدد کی حیرت انگیز اور انقلاب آفریں کوششوں اور ان کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں:

''جب ہزار سال گزر چکے اور مرد کامل کے ظہور کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے عادت قدیمہ کے تحت دوسرے ہزار سال کے لئے ایک مجدد پیدا کیا کہ تمام اولیاء مجددین میں اس کا مثیل و نظیر نہ ہوگا۔ اس کو وہ مقامات اور کمالات عطا کئے گئے کہ کسی دوسرے نے دیکھے بھی نہ ہوں۔''[8]

اور شاعر مشرق علامہ اقبال خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
(بال جبریل)

حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کے خاص تربیت یافتہ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت مجدد کا شجرہ نسب چھبیس واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے:

شیخ احمد بن شیخ عبدالاحد بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبدالحی[9] بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن شیخ امام رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحاق بن شیخ عبداللہ بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین فرخ شاہ کابلی بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ الواعظ الاصغر بن شیخ عبداللہ الواعظ الاکبر بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ابراہیم بن شیخ ناصر بن حضرت عبداللہ[10] بن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم اجمعین۔[11]

حضرت مجدد کے پندرہویں جد حضرت شہاب الدین علی الملقب بہ فرخ شاہ کابلی کے متعلق خواجہ محمد ہاشم کشمی نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ سلاطین کابل کے اہم وزراء میں سے تھے۔ چونکہ آپ کابل سے ہندوستان تشریف لائے تھے اس لئے ہندوستان میں جو قبیلہ آپ سے منسوب تھا' اس کو اس زمانے میں کابلی کہتے تھے۔[12-13]

شیخ شہاب الدین فرخ شاہ کابلی جامع صفات بزرگ تھے۔ پاکستان کے مشہور بزرگ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمتہ کا سلسلہ نسب بھی آپ سے ملتا ہے۔ آپ نے اپنے دور میں انتہائی اہم اسلامی خدمات انجام دیں۔ جس کا ذکر شاہ محمد فضل اللہ (م ۱۲۴۱ھ) نے کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''آپ نے کئی بار ہندوستان پر لشکر کشی کی۔ کفار سے جہاد کیا۔ بتوں کا قلع قمع کیا اور اسلام کی ترویج و اشاعت کی۔ بار بار کثرت مال غنیمت لے کر فتح و نصرت کے ساتھ ہندوستان سے لوٹے۔ آخر میں ترک سلطنت کر کے فقر اختیار کر لیا اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہو گئے۔ کوہستان کابل میں سکونت اختیار کی۔ مخلوق کو اپنے روحانی فیض و برکت سے مستفیض فرماتے رہے اور یہیں انتقال فرمایا۔ شیخ ضیاء الحق علیہ الرحمتہ نے یہاں خانقاہ اور مسجدیں تعمیر کرائی ہیں۔ آج کل یہ موضع درہ فرخ شاہ کے نام سے مشہور ہے۔''[۱۴]

حضرت مجدد کے چھٹے جد حضرت امام رفیع الدین علیہ الرحمتہ سرہند کے بانی اور اپنے وقت کے جلیل القدر عالم تھے۔ ظاہری و باطنی علوم میں کمال حاصل تھا۔ آپ حضرت جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں علیہ الرحمتہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ صاحب کرامات تھے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے مختلف کرامات کا ذکر کیا ہے۔ منجملہ دیگر کرامات کے لئے ایک کرامات یہ ہے:

''جب آپ اپنے مرشد مخدوم جہانیاں علیہ الرحمتہ کے ہمراہ وارد ہندوستان ہوئے اور موضع سرائس پہنچے جو سرہند سے سات کوس کے فاصلے پر واقع ہے تو وہاں کے لوگوں نے حضرت مخدوم جہانیاں سے درخواست کی کہ جب آپ دہلی تشریف لے جائیں تو سلطان فیروز شاہ سے فرما دیں کہ سامانہ اور سرائس کا درمیانی راستہ پُر خطر ہے۔ کیونکہ جنگل میں وحشی درندے ہیں اور جو لوگ سامانہ سے مالیہ جمع کرانے سرائس آنا چاہتے ہیں' انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ لہٰذا سامانہ اور سرائس کے درمیان ایک شہر آباد کر دیا جائے تاکہ وہاں کے باشندوں کی تکلیف دور ہو۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے دہلی جا کر سرائس کے باشندوں کی یہ درخواست بادشاہ کے سامنے پیش کر دی۔ چونکہ سلطان فیروز شاہ حضرت مخدوم صاحب کا مرید تھا' اس لئے اس نے فوراً رضامندی کا اظہار کر دیا اور حکم دے دیا کہ اس جگہ ایک شہر سرہند آباد کر دیا جائے۔''[۱۵]

بادشاہ نے اس مقصد کے لئے امام رفیع الدین کے بڑے بھائی خواجہ فتح اللہ کو متعین کیا جو مقربین شاہی میں سے تھے۔ چنانچہ خواجہ صاحب دو ہزار سوار کے ہمراہ یہاں تشریف لائے اور قلعہ کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا۔ مگر یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ ایک دن میں جتنا قلعہ تعمیر کیا جاتا دوسرے روز وہ منہدم ہو جاتا۔ لوگ پریشان ہو گئے اور بادشاہ کو اطلاع دی گئی۔ بادشاہ نے اپنے مرشد حضرت مخدوم جہانیاں سے ذکر فرمایا۔ آپ نے حضرت امام رفیع الدین کو حکم دیا کہ وہ خود قلعہ سرہند کی بنیاد رکھیں اور وہیں سکونت اختیار کریں۔[۱۶] چنانچہ حضرت امام رفیع الدین سرہند

Marfat.com

تشریف لائے اور قلعہ کی بنیاد رکھی اور وہ بخیر و خوبی مکمل ہوگیا۔ آج بھی یہ قلعہ انہی بنیادوں پر قائم ہے۔

قلعہ کے انہدام کا عقدہ بعد میں کھلا۔ ہوا یہ کہ تعمیر کے وقت مزدوروں سے بیگار لی گئی تھی جس کو حضرت امام رفیع الدین نے بذریعہ کشف معلوم کر لیا اور ایسا کرنے سے سختی سے منع کر دیا۔[17] حضرت امام رفیع الدین نے وہاں سکونت اختیار کی تو وہاں کچھ اور ہی رونق ہوگئی اور لوگ بڑی تعداد میں آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے لگے۔ اس طرح شہر سرہند[18] کو سب سے پہلے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے جد ششم حضرت امام رفیع الدین علیہ الرحمۃ نے آباد فرمایا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور آپ کے خاندان نے سرہند شریف میں عظیم اسلامی خدمات انجام دیں۔ یہ شہر جو آپ کا مولد و مسکن بھی ہے، آپ کے عہد مبارک تک انتہائی پُر رونق شہر اور عظیم اسلامی مرکز بن گیا تھا، جیسا کہ مولانا محمد صادق کشمیری کے نام آپ نے خود ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:

> "سرہند میری جائے پیدائش ہے گویا میرے لئے ایک گہرے اور تاریک کنویں کو پاٹ کر اس پر ایک اونچا چبوترہ بنایا گیا ہے اور اس کو بیشتر شہروں اور مقامات سے بلندی دی گئی ہے اور اس زمین میں اس نور کو امانت رکھ دیا ہے جو نور الٰہی سے مقتبس ہے اور اسی نوری رنگ سے چمکایا گیا ہے جس نور سے بیت اللہ شریف کی مقدس سرزمین کو چمکایا گیا ہے۔"[19]

صدر جہاں کے نام ایک مکتوب میں سرہند کو "اعظم بلاد اسلام"[20] تحریر فرمایا ہے۔ الغرض مکتوبات شریف کے مطالعہ سے اس شہر کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر پاک و ہند میں واقعی اعظم بلاد تھا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے والد ماجد شیخ عبدالاحد قدس سرہ العزیز (م ۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۸ھ) اپنے دور کے متبحر عالم اور بزرگ تھے۔ عالم شباب میں جذبہ شوق الٰہی حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۴۴ھ/ ۱۵۳۷ھ) کے آستانہ عالیہ پر لے گیا۔ بیعت کی درخواست کی تو حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے بیعت فرما لیا اور کچھ ضروری اذکار و اوراد کی تلقین فرمائی[21] اور رخصت فرما دیا۔ شیخ عبدالاحد علیہ الرحمۃ نے آستانے پر مزید قیام کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ پہلے علوم دین کی تکمیل کرو پھر اس علم کی تحصیل کے لئے کمر ہمت باندھو، کیونکہ بے علم درویش اس کھانے کی مانند ہے جس میں نمک نہ ہو۔ چونکہ حضرت گنگوہی کافی ضعیف ہو چکے تھے، اس لئے حضرت شیخ عبدالاحد کو کچھ قائل ہوا اور آپ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ پھر صحبت نہ مل سکے، اس پر حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر میرے صاحبزادے شیخ رکن الدین کی طرف رجوع کرنا چنانچہ شیخ عبدالاحد واپس تشریف لے گئے۔ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد جب آستانہ عالیہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ شیخ وصال فرما چکے ہیں۔ حسب ارشاد شیخ رکن الدین علیہ الرحمۃ کی طرف رجوع کیا اور آپ نے شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فیوض و برکات سے مستفیض فرمایا۔

صاحب "جواہر مجددیہ"[22] تحریر فرماتے ہیں:

انہوں نے آپ کا کمال اعزاز کیا۔ بہت جلد فوائد اور برکات سے بہرہ یاب کر کے ۹۷۹ھ میں

Marfat.com

آپ کو طریقہ قادریہ اور چشتیہ صابریہ کا خرقہ خلافت عنایت فرمایا اور فصیح و بلیغ عربی عبارات میں خلافت نامہ عطا فرمایا۔"[۲۳]

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اس خلافت نامہ کا پورا عربی متن نقل فرمایا ہے۔[۲۴]

حضرت شیخ عبدالاحد نے بعض دیگر مشائخ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثلاً حضرت کمال کیتھلی قادری علیہ الرحمۃ، شیخ حضرت علی قوام نظامی علیہ الرحمۃ، (جن سے آپ نے جونپور میں استفادہ فرمایا) حضرت شیخ الہ داد علیہ الرحمۃ (جن سے آپ نے شہر رہتاس میں کسب فیض فرمایا) وغیرہ۔

شیخ عبدالاحد علیہ الرحمۃ کے مریدین اور تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ بکثرت مخلوق خدا نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ شاہزادہ داراشکوہ کے استاذ ظاہر و باطن شیخ میرک لاہوری علیہ الرحمۃ شیخ موصوف کے مرید اور شاگرد تھے۔ شیخ عبدالاحد کی تصانیف میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

(۱)......اسرار التشہد (۲)......کنز الحقائق[۲۵]

حضرت شیخ نے ۱۷ رجب المرجب ۱۰۰۷ھ کو ۸۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک سرہند شریف میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے سات صاحبزادے تھے جن میں سے مندرجہ ذیل پانچ مشہور ہوئے۔

(۱)......شیخ شاہ محمد علیہ الرحمۃ (خلیفہ شیخ عبدالاحد)

(۲)......شیخ مسعود علیہ الرحمۃ (مرید حضرت خواجہ باقی باللہ)

(۳)......شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ

(۴)......شیخ غلام محمد علیہ الرحمۃ (مکتوبات ۱/۲۸۷۔ ۲/۱۲ میں شیخ غلام محمد اور ۲/۱۰ میں شیخ مودود مذکور ہیں)

(۵)......شیخ مودود علیہ الرحمۃ

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی ولادت باسعادت سرہند شریف میں ۹۷۱ھ مطابق ۱۵۶۴ء ہوئی چنانچہ خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"یہ آفتاب ولایت تقریباً ۹۷۱ھ میں طلوع ہوا، جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی کے ارشاد سے واضح ہوتا ہے۔ آپ نے اپنا سنہ ولادت تخمیناً ۹۷۱ھ فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی کے بعض معمر قریبی عزیزوں سے بھی یہی سنا ہے۔ لفظ 'خاشع' سے آپ کا سنہ ولادت نکلتا ہے۔ ولادت شریف سرہند شریف میں ہوئی۔"[۲۶]

خواجہ محمد ہاشم نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور حضرت امام ابوحنیفہ کے والدین کے ازدواجی حالات میں ایک گونہ مماثلت بیان فرمائی۔ وہ فرماتے ہیں کہ

"جس طرح حضرت امام ابوحنیفہ کے والد بزرگوار حضرت ثابت کے زہد و تقویٰ سے متاثر ہو کر کوفے کے ایک درویش نے اپنی صاحبزادی آپ سے منسوب کر دی تھی، اسی طرح دوران سفر حضرت مجدد کے والد شیخ عبدالاحد کے زہد و تقویٰ اور بزرگی سے متاثر ہو کر سکندر (اٹاوہ کے

Marfat.com

قریب) کی ایک پارسا خاتون نے اپنی صاحبزادی آپ سے منسوب کر دی تھی اور جس طرح حضرت ثابت کے ہاں امام ابوحنیفہ جیسا فرزند جلیل پیدا ہوا' اس طرح حضرت شیخ عبدالاحد کے ہاں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ جیسا بطل جلیل پیدا ہوا۔"[۲۷]

حضرت مجدد علیہ الرحمتہ نے ابتداء میں اپنے والد ماجد قدس سرہ سے تعلیم حاصل کی چنانچہ خواجہ محمد ہاشم کشمی تحریر فرماتے ہیں:

"جب حضرت مجدد الف ثانی مکتب میں داخل ہوئے تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن کریم حفظ فرما کر اپنے والد بزرگوار سے تحصیل علوم میں مشغول ہو گئے[۲۸] چند ہی روز میں اپنی ذہانت اور اعلیٰ فطری صلاحیتوں کے باعث آپ نے ایسا کمال پیدا کیا کہ انتہائی دقیق اور مشکل مقامات کو بھی بڑی خوبصورتی اور آسانی کے ساتھ حل فرما لیا کرتے تھے۔"

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے آپ کے فضل و کمال کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔[۲۹]
حفظ قرآن کریم کے بارے میں اگرچہ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے یہی لکھا ہے کہ ابتداء عمر میں کر لیا تھا' جیسا کہ محولہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے لیکن حضرت مجدد کے ایک مکتوب سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شرف آپ کو نظر بندی کے دوران حاصل ہوا۔ چنانچہ اپنے صاحبزادگان خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد سعید علیہم الرحمتہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"سورہ عنکبوت تک قرآن کریم ختم کر لیا ہے۔ رات کو جب یہ فقیر اس مجلس (مجلس شہری) سے واپس لوٹتا ہے' تراویح میں مشغول ہو جاتا ہے۔ حفظ قرآن کی یہ دولت عین پریشانی میں حاصل ہوئی کہ جو جان طمانیت ہے۔"[۳۰]

لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ بچپن میں حفظ کیا ہو اور باقی ایام اسیری میں۔ اور حفظ کی تکمیل ایام اسیری میں ہوئی جیسا کہ مکتوب گرامی سے مترشح ہوتا ہے۔
جیسا کہ عرض کیا گیا' حضرت مجدد علیہ الرحمتہ نے اپنے والد بزرگوار سے تحصیل علوم فرمائی لیکن موصوف کے علاوہ دیگر معاصرین علمائے سے بھی استفادہ فرمایا۔ ان حضرات میں شیخ یعقوب کشمیری' قاضی بہلول بدخشانی' مولانا کمال کشمیری علیہم الرحمتہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شیخ یعقوب کشمیری کے متعلق خواجہ محمد ہاشم کشمی تحریر فرماتے ہیں:

"وہ شیخ حسین خوارزمی کبروی علوی کے خلیفہ تھے اور حرمین شریفین میں کبار محدثین سے تحصیل حدیث کی تھی۔"[۳۱]

قاضی بہلول بدخشی سے عوم عقلیہ ونقلیہ میں مختلف کتابوں کی اجازت حاصل کی اور اسی کے ساتھ ایک حدیث مسلسل کی بھی اجازت حاصل کی۔ اس سے حضرت مجدد کو روحانی مسرت ہوئی۔ اس کا اندازہ آپ کے اس جملے

Marfat.com

سے لگایا جا سکتا ہے:

''ایسا محسوس ہوا کہ گویا مجھ کو طبقہ محدثین میں داخل کر لیا گیا ہے۔''[۳۲]

مولانا کشمیری سے سیالکوٹ جا کر عضدی اور اس جیسی اور دقیق کتابیں پڑھیں۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے مولانائے موصوف کو ''فحول دانشوران متورع'' [۳۳] تحریر فرمایا ہے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت کے بعد غالباً ۹۹۷ھ میں آپ اکبر آباد (آگرہ) تشریف لے گئے اور وہاں درس وتدریس میں بھی مصروف رہے۔ وہیں عربی رسالہ ''اثبات النبوۃ'' (بنام تاریخی) ۹۹۸ھ میں لکھا۔ اس میں (صفحہ ۶/۷) اکبری عہد کے ''فقہائے امت'' اور علمائے حق کے قتل و انخلاء کا ذکر ہے جو بقول بدایوانی (صفحہ ۳۲۹۔۳۶۱) ۹۹۰ھ سے شروع ہوا تھا۔ نیز ابوالفضل سے آپ کے تعارض کا حال ہے۔ فیضی کی تفسیر ''سواطع الالہام'' (بقول بدایوانی ص۔ ۳۸۹) نظر ثانی کے بعد ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔ یعنی اس سے پہلے ضرور ۹۹۸ھ کے قریب وہ اسے تیار کر رہا تھا جس میں وہ ایک جگہ اٹک گیا تھا اور حضرت مجدد نے اس کی مدد فرمائی تھی۔ (یہ واقعہ ابھی آتا ہے) اسی کے بعد آگرہ سے واپسی پر تھانیسر میں آپ کی شادی ہوئی۔ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے محمد صادق کی ولادت ۱۰۰۰ھ میں ہوئی تھی اس لئے ظاہر ہے کہ یہ شادی ۹۹۹ھ تک ضرور ہو چکی ہوگی اور اس سے پہلے آپ آگرہ میں رہے ہوں گے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمتہ نے اپنی قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے اکبر آباد کی علمی مجلسوں میں جلد ہی بلند مقام حاصل کر لیا۔ ''اکبر آباد'' اکبر بادشاہ کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے علمی مرکز کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اکبر آباد کی علمی مجلسوں میں حضرت مجدد کی دربار اکبری کی دو عظیم شخصیتوں سے ملاقات ہوئی یعنی ابوالفضل اور فیضی۔ یہ مجلسیں کبھی کبھی ابوالفضل اور فیضی کے گھروں میں بھی ہوا کرتی تھیں اور آپ وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مگر یہ جانا خوشامد یا تملق کے طور پر نہ تھا۔ فیضی آپ کی علمی استعداد کی وجہ سے آپ کی بڑی عزت کیا کرتا تھا۔ یہی حال ابوالفضل کا تھا۔ چنانچہ خود ابوالفضل کے ایک شاگرد نے خواجہ محمد ہاشم کشمی سے بیان کیا کہ ابوالفضل نے اپنے کسی دوست کو خط لکھا کر دیا تھا۔ اس میں حضرت مجدد کا ذکر آیا تو آپ کا نام نامی بڑے القاب و آداب کے ساتھ تحریر کیا۔[۳۴] اسی طرح ایک اور واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ فیضی اپنی تفسیر بے نقط ''سواطع الالہام'' لکھ رہا تھا۔ ایک مقام پر اٹک گیا۔ ایسی عبارت نہ بن پڑی جو بے نقطہ ہو۔ اتنے میں حضرت مجدد تشریف لے آئے۔ آپ سے اپنی کا مشکل ذکر کیا تو آپ نے قلم برداشتہ بے نقطہ عبارت تحریر فرما کر ایک طرف اس کی مشکل کو حل فرما دیا' دوسری طرف اس کو حیرت میں ڈال دیا۔ یہ واقعہ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے نقل فرمایا ہے۔[۳۵]

فیضی اور ابوالفضل دربار اکبری میں بڑا رسوخ رکھتے تھے۔ معمولی آدمی نہ تھے۔ فیضی ۹۵۴ھ میں آگرہ میں پیدا ہوا۔ بیس اکیس برس کی عمر میں اکبری دربار میں پہنچ گیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد اپنی شاعرانہ استعداد کی وجہ سے ۹۹۶ھ میں دربار اکبری سے ملک الشعراء کا خطاب حاصل کیا۔ اسی طرح اس کا چھوٹا بھائی ابوالفضل ۹۵۸ھ میں آگرے میں پیدا ہوا۔ فیضی کی سفارش سے ۹۸۱ھ میں حاضر دربار ہوا اور بہت جلد اکبر بادشاہ کا منظور نظر ہو گیا۔[۳۶] یہ دونوں بھائی تقرب شاہی کی وجہ سے بڑا اثر ورسوخ رکھتے تھے' لیکن مجدد علیہ الرحمتہ شرعی معاملات میں دونوں بھائیوں

سے کبھی نہ دبے بلکہ سختی سے کہنے میں بھی گریز نہ کیا۔ چنانچہ ایک مجلس میں جب ابوالفضل نے بیباکانہ حضرت امام غزالی کے قول کو نامعقول کہا تو فوراً مجلس سے اٹھ کر چلے آئے اور یہ فرمایا کہ

''اگر اہل علم کی محبت کا ذوق وشوق ہے تو ہمارے سامنے ایسے بے ادبانہ کلام سے احتراز کرو۔''[۳۷]

اور کئی روز اس کی مجلس میں تشریف نہیں لے گئے۔ بالآخر ابوالفضل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے معذرت چاہی۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد صرف تزئین مجلس یا علمی مباحث سے لذت اندوزی کے لئے تشریف نہ لے جاتے تھے بلکہ آپ کے سامنے اصلاح حال اور اصلاح خیال کی ایک عظیم مہم تھی جس کو ان مجالس میں سر کرنا تھا۔ اس طرح ابوالفضل ہی سے متعلق ایک اور واقعہ ہے۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ عید کے چاند کے لئے شرعی ثبوت ملنے سے پہلے اکبر بادشاہ نے بزعم بادشاہی یا علماء سوء کے کہنے سے عید کے چاند کا اعلان کر دیا اور لوگوں نے روزے کھول لیے، لیکن حضرت مجدد روزے سے تھے۔ اس حال میں ابوالفضل کی مجلس میں تشریف لے گئے۔ اس کو جو معلوم ہوا کہ آپ کا روزہ ہے تو اس نے کہا کہ بادشاہ نے تو اعلان کر دیا ہے۔ آپ نے برجستہ فرمایا، بادشاہ تو بے دین ہے، اعتبار کے لائق نہیں۔[۳۸] ابوالفضل خفیف ہوا اور غالباً بے تکلفی کی بناء پر پانی کا کٹورا آپ کے منہ سے لگا دیا۔ اس حرکت پر آپ بہت برہم ہوئے اور مجلس سے اٹھ گئے اور فرمایا کہ اہل علم سے ملنے کا شوق ہے تو ملنے کا سلیقہ سیکھو۔ ابوالفضل کی معذرت خواہی کے بعد پھر آپ اس کی مجلسوں میں تشریف لے جانے لگے۔

اکبر آباد کی علمی مجلسوں اور ابوالفضل وفیضی سے ملاقاتوں سے جہاد تجدید میں حضرت مجدد کو بڑی مدد ملی۔ آپ نے بہت قریب سے دور اکبری کے فتنے کے اسباب اور ان کے موثرات کا عمیق مطالعہ اور مشاہدہ فرمایا۔ پھر حکمت و موعظت کے ساتھ اس فتنے کا علاج فرمایا۔ جہانگیر کے دربار کا کوئی ایسا ممتاز رکن نہ ہوگا جس کو حضرت مجدد نے خط نہ لکھا ہو۔ ان خطوط کا صرف ایک مقصد ہے کہ دور اکبری میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، ان کی اصلاح کی جائے۔ ادب و انشا کے کمال کے اس دور میں آپ نے کمال انشا پردازی کے وہ جوہر دکھلائے کہ ویسے اب نایاب ہیں۔ آپ کے مکاتیب ادب عالی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں۔ زور قلم اور زور بیان سے آپ نے اپنے معاصرین کو متاثر کیا۔ بات وہی کہی جو پہلے کہی جا چکی تھی، مگر اس انداز سے کہی کہ بالکل انوکھی اور نئی معلوم ہوتی تھی۔ اعجاز بیان نے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا اور پھر کار اصلاح و ارشاد نسبتاً سہل ہو گیا۔ تبلیغ و ارشاد کے اس پہلو پر مولانا مناظر احسن گیلانی نے بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔[۳۹]

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اکبر آباد (آگرہ) میں کافی عرصہ رہے۔ حتیٰ کہ آپ کی طویل مفارقت نے والد بزرگوار حضرت شیخ عبدالاحد کو بے چین و مضطرب کر دیا۔ چنانچہ شدت اشتیاق میں آپ باوجود کبر سنی کے بنفس نفیس اکبر آباد تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے حضرت مجدد کو لے کر واپس لوٹے۔ سرہند شریف جاتے ہوئے جب یہ دونوں حضرات تھانیسر پہنچے تو تھانیسر کے رئیس شیخ سلطان نے جو اکبر بادشاہ کے مقربین میں سے تھے، اپنی صاحبزادی کو حضرت مجدد سے منسوب کرنا چاہا۔ حضرت شیخ عبدالاحد نے اس نسبت کو پسند فرمایا۔ چنانچہ یہیں نکاح ہو گیا۔[۴۰] اس کے بعد حضرت مجدد والد محترم کے ہمراہ سرہند تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ عبدالاحد کا اکبر آباد آنا حکمت سے خالی نہ

Marfat.com

تھا۔ واپسی میں اس پوشیدہ حکمت کا پتا چلا۔

رحمت حق بہانہ می جوید

حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کو متعدد سلاسل طریقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہے جیسا کہ آپ خود ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:

> ''حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ارادت متعدد واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں ۲۱ واسطے درمیان میں ہیں' طریقہ قادریہ میں ۲۵ واسطے اور طریقہ چشتیہ میں ۲۷ واسطے ہیں۔''[۴۱]

سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمتہ (م۔۱۰۰۷ھ) سے خلافت حاصل کی' سلسلہ قادریہ میں حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمتہ (م۔۹۸۰ھ) سے اور سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمتہ (م۔۱۰۱۲ھ) سے۔ حضرت مجدد نے ابتداءً اپنے والد ماجد علیہ الرحمتہ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ جب آپ آگرے سے سرہند شریف واپس تشریف لائے تو آپ کو والد ماجد سے کسب علوم باطنی اور تحصیل اسرار طریقت کا زیادہ موقع ملا۔ چنانچہ آپ کے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمتہ (م۔۱۰۵۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

> ''چونکہ آپ کے والد ماجد کو آپ سے بے حد محبت تھی اور وہ آپ کو اپنی جان عزیز سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے' اس لئے ہمیشہ نجی مجالس میں علوم دینیہ اور اسرار باطنیہ کے ذکر اذکار کرتے رہے۔ لیکن جب آپ آگرے سے واپس سرہند تشریف لائے تو پھر والد ماجد کی صحبت میں رہے اور اقتباس انوار فرمایا اور بہت سے باطنی فائدے حاصل کیے۔''[۴۲]

خود حضرت مجدد علیہ الرحمتہ نے اپنے رسالہ ''مبداء و معاد'' میں والد ماجد سے اکتساب باطنی کا ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمتہ سے سلسلہ قادریہ میں فیض حاصل کیا اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمتہ سے سلسلہ چشتیہ میں اکتساب باطنی فرمایا۔

حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمتہ نے بچپن میں حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کو توجہ خاص سے نوازا تھا اور نسبت قادریہ بخشی تھی۔ اس وقت حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کی عمر شریف تقریباً دس سال ہوگی' لیکن بعد میں ایک وصیت کے ذریعے خرقہ خلافت و اجازت بھی مرحمت فرمایا۔ اس طرح آپ کو اپنے والد ماجد کے واسطے کے بغیر بھی براہ راست حضرت شاہ کمال رحمتہ ال علیہ سے سلسلہ قادریہ میں اجازت و خلافت حاصل ہے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اس خلافت و اجازت کا حال اس طرح لکھا ہے:

> ''جب حضرت مجدد خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمتہ کی صحبت سے پہلی بار فیض یاب ہو کر دہلی سے سرہند تشریف لائے تو ایک دن حلقہ ذکر میں مراقبہ فرما رہے تھے کہ حضرت شاہ سکندر علیہ الرحمتہ (م۔۱۰۲۳ھ) نبیرہ حضرت شاہ کمال علیہ الرحمتہ تشریف لائے اور حالت مراقبہ میں شاہ کمال کا خرقہ

شریف آپ کے شانوں پر ڈال دیا۔ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ جب مراقبے سے فارغ ہوئے تو شاہ سکندر کو کمال تواضع سے گلے لگا لیا۔ شاہ موصوف نے فرمایا کہ کئی مرتبہ حضرت جد امجد شاہ کمال علیہ الرحمتہ نے خواب میں اشارہ فرمایا کہ میرا خرقہ فلاں کو (جس سے مراد آپ ہی ہیں) پہنچا دو۔ باوجودیکہ اس خرقہ شریف کو گھر سے نکالنا اور کسی کو دینا سخت گراں تھا۔ لیکن چونکہ تاکیداً مجھ کو حکم دیا گیا تھا۔ اس لئے حکم کی بجا آوری میں مجبور ہو گیا۔''[43]

حضرت مجدد نے وہ خرقہ شریف زیب تن فرمایا اور مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر بعد واپس تشریف لائے اور بعض محرمان اسرار سے اپنا کشف بیان فرمایا۔ آپ نے فرمایا:

''حضرت شاہ کمال کے خرقہ شریف پہننے کے بعد عجب حالت رونما ہوئی۔ دونوں نسبتوں' قادریہ اور چشتیہ' سے پورا پورا حصہ ملا اور میں نے اپنے باطن میں اس کو محسوس بھی کیا۔''[44]

حضرت مجدد اسی لئے کبھی کبھی سلسلہ قادریہ میں بھی بیعت فرمایا کرتے تھے چنانچہ خواجہ محمد ہاشم کشمی تحریر فرماتے ہیں:

''آپ شاذ و نادر سلسلہ قادریہ میں بھی بیعت فرمایا کرتے تھے اور مشائخ سلسلہ قادریہ کا شجرہ بھی عنایت فرمایا کرتے تھے اور اگر کوئی طالب اس سلسلے کے ذکر اذکار پوچھتا تو اس کی تعلیم بھی فرمایا کرتے تھے۔''[45]

لیکن ان تینوں سلسلوں میں حضرت مجدد کو سلسلہ نقشبندیہ سے خاص لگاؤ تھا اور حق تو یہ ہے کہ آپ کے بیشتر باطنی کمالات اور روحانی فیوض و برکات اسی سلسلے سے وابستگی کا نتیجہ تھے۔

جیسا کہ عرض کیا سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمتہ سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت مجدد اپنے والد ماجد عبدالاحد علیہ الرحمتہ کے وصال کے بعد ۱۰۰۸ھ میں حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر دہلی پہنچے۔ یہاں آپ کے ایک رفیق مولانا حسن کشمیری کی تحریک پر خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ صاحب نے انتہائی شفقت فرمائی اور اگرچہ آپ کی یہ عادت نہ تھی کہ خود کسی طالب کو اپنی بیعت کی طرف راغب فرماتے' لیکن حضرت مجدد کی بلند استعداد اور اعلیٰ صلاحیت و قابلیت کا اندازہ چشم باطن سے لگا لیا اور فرمایا:

''اگرچہ آپ مبارک سفر پر جا رہے ہیں' لیکن چند روزہ فقیر کے پاس رہیں' زیادہ نہیں' ایک مہینہ یا ایک ہفتہ میں کیا حرج ہے۔''[46]

حضرت مجدد تعمیل ارشاد میں دو تین ماہ خواجہ صاحب کی صحبت میں رہے اور اس قلیل مدت میں آپ سے وہ کچھ سیکھا جو دوسروں کو برسوں کی صحبت سے بھی نہیں ملتا۔ رسالہ ''مبداء و معاد'' میں حضرت مجدد لکھتے ہیں کہ

Marfat.com

''ایں درویش دراواخر ربیع الآخر (۱۰۰۸ھ) بخدمت عزیزے (خواجہ باقی باللہ) کہ از خلفائے ایں خانوادہ بزرگ بودند مشرف گشت و طریقہ ایں بزرگواراں را اخذ نمود در منتصف شہر رجب ہماں سال بحضور نقشبندیہ مستعد گشت و بعد از دہ سال کامل و چند ماہ در نصف اول ماہ ذی قعدہ (۱۰۱۸ھ) حقیقت کار ایں جا منکشف شد۔''

اور اس فیضان صحبت کا حضرت مجدد کو شروع ہی میں اندازہ ہو گیا تھا چنانچہ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے حضرت مجدد کو یہ کہتے سنا:

''جس روز سے فقیر نے اپنے حضرت خواجہ قدس سرہ کی خدمت عالیہ میں تعلیم طریقت حاصل کرنی شروع کی اسی روز سے یہ یقین ہو گیا تھا کہ اللہ سبحانہ عنقریب مجھ کو اپنے کرم سے اس راہ کی معراج تک پہنچائے گا۔ ہر چند اپنے احوال و اعمال پر نظر جاتی تو اس یقین کی نفی کرتا مگر چین نہیں آتا اور اکثر زبان پر یہ شعر آتا۔

ازیں نورے کہ از تو برتنم تافت
یقین دانم کہ آخر خواہمت یافت

اے محبوب! میرے دل پر جو تیرا نور چمکا ہے یقیناً اس کی چمک میں تجھ کو پالوں گا۔

یہ ارشاد فرمانے کے بعد انکساری و نیاز مندی کے باعث حضرت مجدد کی آنکھیں پُرنم ہو جاتیں' اور زبان مبارک پر کلمہ تحمید جاری ہو جاتا۔

حضرت مجدد نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمتہ کے صاحب زادگان خواجہ عبید اللہ (م۔۱۰۷۴ھ) اور خواجہ عبداللہ (م۔۱۰۷۵ھ) کے نام ایک مکتوب میں اپنے استفادہ باطنی کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

یہ فقیر از سرتا قدم آپ کے والد بزرگوار کے احسانات میں غرق ہے۔ اس راہ کی الف' بے کا سبق انہیں سے لیا ہے اور اس راہ کے حروف تہجی انہی سے سیکھے ہیں اور ابتداء میں انتہا کے مدارج حاصل ہونے کی دولت انہی کی صحبت کی برکت سے حاصل کی ہے اور سفر در وطن کی سعادت انہیں کی خدمت کے صدقے میں پائی ہے۔ ان کی توجہ شریفہ نے ڈھائی ماہ میں اس ناقابل کو نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور اکابر نقشبندیہ کا حضور خاص عطا کیا اور اس قلیل مدت میں جو تجلیات' ظہورات' انوارات اور بے رنگیاں و بے کیفیاں حاصل ہوئیں ان کی شرح کس طرح کی جائے۔''[۴۸]

طالب و مطلوب دونوں ایک سے ایک بڑھ کر طالب ہو تو ایسا ہو اور مطلوب ہو تو ایسا ہو کہ آن واحد میں طالب کے کمالات باطنی کا اندازہ لگائے۔ خواجہ باقی باللہ دربار اکبری کے کسی امیر کے نام ایک مکتوب میں آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

''شیخ احمد سرہند کے رہنے والے بڑے عابد و زاہد شخص ہیں۔ فقیر نے چند روز ان کے ساتھ نشست و برخاست کی اور بہت سی عجیب باتیں مشاہدہ کیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر وہ ایک ایسا چراغ بنیں گے جس سے دنیا روشن ہوگی۔ الحمد للہ ان کے احوال کامل کو دیکھ کر مجھے اس بات کا یقین ہوگیا ہے۔ شیخ مذکور کے بھائی اور رشتہ دار بھی ہیں اور سب کے سب نیک و صالح ہیں اور طبقہ علماء میں سے ہیں۔ ان میں سے چند سے اس دعا گو نے بھی ملاقات کی ہے۔ جواہر عالیہ ہیں اور عجیب صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ شیخ مذکور کے صاحبزادگان جو ابھی بچے ہیں' اسرار الٰہی ہیں' ایک پاک درخت ہیں جس کو اللہ نے بڑھایا اور خوب چڑھایا۔'' [۴۹]

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمتہ کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان تشریف لانے سے پہلے ہی آپ کو حضرت مجدد کے بارے میں خواب میں اشارہ مل گیا تھا۔ آپ اس اشارے کی تکمیل کے منتظر تھے سو بحمد اللہ وہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمتہ نے اس واقعہ کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

''جب فقیر کے شیخ طریقت خواجہ امکنگی علیہ الرحمتہ (م۔ ۱۰۰۸ھ) نے فقیر کو ہندوستان جانے کا حکم دیا تو اپنے کو اس سفر کے قابل نہ پا کر تواضعاً کچھ پس و پیش کیا۔ آپ نے فرمایا استخارہ کر لو۔ جب استخارہ کیا گیا' خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شاخ پر طوطا بیٹھا ہے۔ دل میں یہ خیال آیا کہ اگر یہ طوطا شاخ سے اڑ کر ہاتھ پر آ بیٹھے تو اس سفر میں کچھ سہولت ہو جائے۔ معاًوہ طوطا اڑ کر فقیر کے ہاتھ پر آ بیٹھا۔ فقیر نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اس نے فقیر کے منہ میں شکر ڈالی۔ دوسرے روز جب یہ خواب حضرت خواجہ امکنگی سے عرض کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ طوطا ہندی جانور ہے۔ ہندوستان میں تمہارے دامن سے ایک ایسا عزیز وجود میں آئے گا، جس سے عالم منور ہوگا اور تم بھی اس سے مستفیض ہوگے۔'' [۵۰]

حضرت خواجہ باقی باللہ مرشد طریقت کی ہدایت کے بموجب کابل سے ہندوستان روانہ ہوئے' لاہور ٹھہرے پھر وہاں سے دہلی روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر سرہند شریف سے گزر ہوا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمتہ سرہند شریف میں موجود تھے مگر دونوں حضرات ایک دوسرے سے باخبر نہ تھے۔ جب خواجہ صاحب سرہند پہنچے تو ایک واقعہ پیش آیا جس کا آپ نے حضرت مجدد سے اپنے الفاظ میں خود ذکر فرمایا:

''جب فقیر تمہارے شہر سرہند پہنچا تو عالم واقعہ میں دکھایا گیا کہ تو قطب کے جوار میں اترا ہے۔ اس قطب کے حلیے سے بھی آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ دوسرے روز اس شہر کے درویشوں اور گوشہ نشینوں کی تلاش میں نکلا۔ مگر کسی کو بھی اس حلیے کے مطابق نہ پایا اور کسی پر آثار قطبیت مشاہدہ نہیں کیے۔ ناچار یہی سمجھا کہ شاید اہل شہر میں آئندہ کوئی اس قابل ہوگا۔ جوں ہی فقیر نے تم کو دیکھا تمہارا حلیہ اس حلیے کے عین مطابق پایا اور اس قابلیت کے آثار بھی تم میں مشاہدہ کیے۔'' [۵۱]

Marfat.com

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمتہ نے ایک اور واقعہ کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

''فقیر نے دیکھا کہ ایک بڑا چراغ روشن کیا گیا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روشنی بڑھتی گئی، لوگ اس سے ہزاروں چراغ روشن کر رہے ہیں حتیٰ کہ سرہند میں اس کے قریب پہنچا تو وہاں کے دشت و در کو چراغوں سے منور پایا۔ یہ اشارہ بھی تمہاری ہی کی طرف تھا۔''[۵۲]

بہرکیف حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمتہ نے حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کو فیوض و برکات لامتناہی سے بہرہ مند فرما کر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں خرقہ خلافت اور اجازت عطا فرمائی اور اپنے چند طالبان طریقت کو آپ کی صحبت کیمیا اثر میں مامور فرما کر سرہند رخصت فرمایا۔ جب حضرت مجدد علیہ الرحمتہ سرہند پہنچے تو آپ نے بصد نازش وافتخار فرمایا:

باز آمدیم باصد ہزار خلعت و فتوح [۵۳]

کچھ عرصہ سرہند شریف میں گزار کر پھر دہلی تشریف لے گئے اور ایک عرصہ حضرت خواجہ کی صحبت میں رہے۔ دونوں میں وہ مودت و محبت اور یگانگت و یکجہتی پیدا ہوگئی کہ کم دیکھنے میں آئی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کا اس طرح احترام کرتے کہ کبھی کسی نے پیرو مرید کے درمیان یہ احترام نہ دیکھا ہوگا۔ صاحب ''مرأۃ الجنان'' اور صاحب ''مرأۃ العالم'' نے اس باہمی عزت و احترام کو عجائبات زمانہ میں شمار کیا ہے۔ آپ کے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے بھی اس والہانہ باہمی تعلق کے بارے میں فرمایا ہے:

''پیرو مرید کے درمیان جو راہ رسم تھی اور جس قسم کا تعلق تھا وہ شاید ہی کسی نے کبھی سنا ہو۔ یہ تو عجائب روزگار میں سے ایک عجوبہ تھا جو اولی الابصار کے لئے بھی موجب حیرت ہے۔''[۵۴]

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمتہ کے خلیفہ میر محمد نعمان (م۔۱۰۵۸ھ) کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب حضرت مجدد کا کتنا احترام کرتے تھے لیکن یہ حضرت خواجہ کا تواضع و انکسار تھا۔ اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ حضرت مجدد شیخ طریقت سے کمالات روحانی میں سبقت لے گئے تھے۔ جیسا کہ بعض حضرات نے لکھا ہے۔ بہرکیف میر محمد نعمان موصوف فرماتے ہیں:

''ایک روز حضرت مجدد علیہ الرحمتہ حجرہ شریف میں تخت پر آرام فرما رہے تھے کہ خواجہ صاحب تن تنہا دوسرے درویشوں کی طرح آپ کو بھی دیکھنے آئے۔ جب آپ حجرے کے دروازے پر پہنچے تو خادم نے حضرت مجدد کو اٹھانا چاہا مگر آپ نے سختی سے منع فرمایا اور نیاز و آداب کے ساتھ باہر آستانے کے نزدیک حضرت کے جاگنے کے منتظر رہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت کی آنکھ کھل گئی باہر آہٹ سن کر آواز دی۔ ''باہر کون ہے؟''

حضرت خواجہ نے بڑے ادب کے ساتھ فرمایا ''فقیر محمد باقی۔''

حضرت آواز سنتے ہی تخت سے مضطربانہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور باہر آ کر نہایت عجز و انکساری کے ساتھ حضرت خواجہ کے سامنے مؤدب بیٹھ گئے۔''[۵۵]

Marfat.com

بہر کیف خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی صحبت کیمیا اثر نے حضرت مجدد کی روحانی ترقی میں چار چاند لگا دیئے۔ کچھ روز دہلی میں قیام کے بعد سرہند تشریف لائے اور طالبان طریقت کی تربیت کی طرف متوجہ ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں میں اپنی توجہات عالیہ سے مخلوق خدا کو مستفیض فرمایا۔ بکثرت لوگ آپ کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے۔ حضرت مجدد کے کمالات باطنی کو دیکھتے ہوئے خواجہ باقی باللہ نے تمام طالبوں کو اس طرف متوجہ کیا اور خود مشیخت کی تمام ذمہ داریاں ترک کر کے گوشہ نشین ہو گئے۔ جو آتا حضرت مجدد کے پاس بھیج دیا جاتا۔ حضرت مجدد نے خود ان حقائق کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

''ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ طالبان طریقت کی تربیت میں اس وقت تک سرگرم رہے جب تک کہ ہمارا معاملہ انتہا کو نہیں پہنچ گیا۔ لیکن جب ہماری تربیت سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ آپ نے مشیخت کی تمام ذمہ داریاں ترک کر کے طالبان طریقت کو ہمارے حوالے کر دیا ہے اور فرمایا کہ ''بخارا اور سمرقند'' سے ہم اس بیج کو لائے تھے اور ہم نے ہندوستان کی اس متبرک زمین میں اس کو بو دیا ہے۔''[۵۶]

حضرت امیر صالح نیشاپوری خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے حضرت مجدد کے پاس بھیج دیا اور تحریر فرمایا:

''جناب سیادت مآب امیر صالح نیشاپوری سلمہ اللہ تعالیٰ نے طلب ظاہر کی تھی چونکہ تقاضائے وقت نہ تھا اس لئے ان کی تضیع اوقات کو مسلمانی کے منافی سمجھا۔ اس لئے تمہارے پاس بھیجا گیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اپنی استعداد کے مطابق وہ بہرہ مند ہوں گے اور کامل توجہ اور لطف خاص سے ان کو نوازا جائے گا۔''[۵۷]

حضرت مجدد نے خواجہ باقی باللہ کے انتقال (۱۰۱۲ھ) سے کچھ قبل دہلی کا تیسرا اور مرشد طریقت کی حیات میں آخری سفر کیا۔ اس سفر میں خواجہ صاحب نے اپنے دونو مولود صاحب زادگان خواجہ عبید اللہ اور خواجہ عبداللہ علیہما الرحمۃ پر توجہ ڈالنے کے لئے فرمایا۔ یہ توجہ بھی دی گئی۔ پھر ان بچوں کی والدات پر غائبانہ توجہ ڈالنے کے لئے فرمایا۔ ان پر بھی توجہ دی گئی۔ چنانچہ صاحبزادگان موصوف کے نام ایک مکتوب میں ان واقعات کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

''اس فقیر کو تین مرتبہ حضرت کی عتبہ بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ جب آخری مرتبہ زیارت ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ضعف بدن غالب آ گیا ہے۔ امید حیات کم ہے۔ تم بچوں کے احوال سے باخبر رہنا۔ پھر آپ کو اپنے سامنے طلب فرمایا۔ اس وقت آپ شیر خوار بچے تھے۔ اس فقیر کو حکم دیا کہ ان پر توجہ دو' حضرت کے حکم سے ان کی موجودگی میں توجہ دی۔ یہاں تک کہ اس کا اثر بھی ظاہر ہوا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا ''والدات پر غائبانہ توجہ دو۔'' چنانچہ ان کو بھی غائبانہ توجہ دی گئی۔ امید ہے کہ حضرت کی موجودگی کی برکت سے اس توجہ کے بھی اچھے نتائج ظاہر ہوئے ہوں۔''[۵۸]

Marfat.com

جیسا کہ عرض کیا گیا' خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمتہ کی حیات طیبہ میں حضرت مجدد کا یہ آخری سفر تھا۔ اس کے بعد دو مرتبہ دہلی تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ ۱۰۱۲ھ میں جب کہ آپ کو لاہور میں حضرت خواجہ کی خبر وصال ملی اور دوسری مرتبہ ۱۰۱۶ھ میں حضرت خواجہ کے عرس میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد سرہند شریف ہی میں رہے۔ آخر میں ۱۰۲۸ھ میں حضرت خواجہ کے عرس میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد سرہند شریف ہی میں رہے۔ آخر میں ۱۰۲۸ھ سے ۱۰۲۹ھ تک ایک سال قلعہ گوالیار میں رہے۔ اس کے بعد لشکر شاہی کے ساتھ ساتھ مختلف شہروں میں تشریف لے گئے۔ ۱۰۳۳ھ کے شروع میں سرہند شریف آ کر گوشہ نشین ہو گئے (اس گوشہ نشینی کی تفصیل مکتوب نمبر ۱۲۰ دفتر سوم میں ملتی ہے) اور سہ شنبہ ۲۹/صفر ۱۰۳۴ھ یکم دسمبر ۱۶۲۴ء کو یہیں وصال فرمایا[59]۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اولاد امجاد

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء میں پنجاب کے علاقے میں طاعون کی وبا پھیلی اور بہت اموات واقع ہوئیں۔ مکتوب ۱/ ۲۹۹ میں اس وبا کا ذکر ہے۔ حضرت مجدد نے مکتوب ۱/ ۳۰۶ میں اپنے تین فرزند (۱) محمد صادق (۲) محمد فرخ (۳) محمد عیسیٰ کی وفات کا ذکر کیا ہے جو اسی وبا میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ پہلے دفتر کے آخر میں محمد صادق کے تین مکتوبات بھی شامل کر دیئے ہیں۔

مکتوب ۲/ ۱۶ میں طاعون اور قحط کا ذکر ہے اور محمد صادق کے انتقال کا ذکر بھی ہے۔ مکتوب ۲/ ۱۷ میں مرزا حسام الدین احمد کو حضرت مجدد نے (صاحبزادوں کی وفات پر) تعزیت نامہ کا جواب لکھا ہے۔ مکتوب ۲/ ۲۲ میں بھی وبا کے سلسلے میں محمد صادق پر انعام الٰہی کا ذکر ہے۔ ۲/ ۳۲ میں قلیج اللہ کو تعزیت نامے کا جواب دیا ہے۔ (وبا پھر آئی ہو گی کیونکہ مکتوب ۲/ ۶۵ میں دوبارہ وبا کے آنے کا ذکر ہے)

(۱)...... محمد صادقؒ م۔ ۱۰۲۵ھ (مکتوب ۱۵۵۔ ۱۸۱۔ ۲۰۸۔ ۲۳۶۔ ۲۴۶۔ ۲۶۰۔ ۲۶۷۔ ۳۰۶۔ ۲/ ۱۶۔ ۱۷۔ ۲۳)

(۲)...... محمد سعیدؒ م۔ ۱۰۷۰ھ (۲۳۶۔ ۲۵۹۔ ۳۱۱۔ ۲/ ۳۔ ۷۱۔ ۹۱۔ ۹۸۔ ۳/ ۲۔ ۴۳۔ ۴۶۔ ۴۸۔ ۶۱۔ ۶۴۔ ۷۳۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۸۲۔ ۸۸۔ ۹۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۶۔)

(۳)...... محمد معصومؒ م۔ ۱۰۷۹ھ (۱/ ۲۳۶۔ ۳۰۰۔ ۳۰۲۔ ۲/ ۶۔ ۱۱۔ ۷۲۔ ۹۸۔ ۳/ ۲۔ ۴۳۔ ۴۵۔ ۵۳۔ ۶۲۔ ۶۴۔ ۷۶۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۲۔ ۸۵۔ ۹۴۔ ۱۰۴۔ ۱۰۶۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔)

(۴)...... محمد فرخؒ م۔ ۱۰۲۵ھ

(۵)...... محمد عیسیٰؒ م۔ ۱۰۲۵ھ (مکتوب ۱/ ۳۰۶)

(۶)...... محمد اشرف

(۷)...... محمد یحییٰؒ م۔ ۱۰۹۶ھ (شیر خوارگی میں فوت ہوئے)

صاحبزادیوں میں

(۱)...... بی بی رقیہ شیر خوارگی میں اللہ کو پیاری ہوئیں

(۲)...... ام کلثوم۔ ۱۰۲۵ھ کو وبا میں چل بسیں

(۳)...... بی بی خدیجہ صاحب اولاد ہوئیں

تصانیف:

آپ کی حسب ذیل تصانیف زیادہ مشہور ہیں۔

(۱)...... اثبات النبوۃ

یہ رسالہ عربی میں ہے اور اس کے مقدمے میں اکبری عہد کے ''فتنہ ہائے امت'' (۹۸۷ھ) کا ذکر (۶۔۷) اور ابوالفضل سے بحث و مباحثے سے متعلق اشارہ ہے۔ علمائے حق کے قتل یا انخلاء کا ذکر بھی ہے جو بقول بدایونی ۹۹۰ھ ہی میں ہوا تھا۔ یہ رسالہ ''تحقیق النبوۃ'' کے نام سے جیسا کہ اس کی پہلی بحث کا عنوان ہے' بھی مشہور ہوا لیکن ''اثبات النبوۃ'' (۹۹۸ھ) تاریخی نام ہوگا۔ جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے پہلی بار مع اردو ترجمہ ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں کراچی سے شائع کیا اور اس کی ترتیب کے لئے خانقاہ مظہریہ (دہلی) خانقاہ سراجیہ (کندیاں میانوالی اور ٹنڈو سائیں داد' سندھ) کے نسخوں سے مدد لی' لیکن افسوس کہ اس رسالے کا دوسرا مقالہ جو رد فلاسفہ میں ہوگا جیسا کہ اس کے آخر میں صرف عنوان ہے) افغانستان' ہندوستان' پاکستان اور حجاز وغیرہ میں باوجود تلاش کے نہیں مل سکا۔

(۲)...... رسالہ ردِّ روافض

یہ رسالہ فارسی میں ہے۔ عبدالمومن بن عبداللہ ازبک' والی توران (م۔ ۱۰۰۶ھ) نے ۱۰۰۱ھ میں جب محاصرہ مشہد کیا تو وہاں کے شیعوں نے ماوراء النہر کے علماء کے ایک رسالے کا جواب سخت طعن و تشنیع کے ساتھ لکھا۔ اس جواب کو دیکھ کر کہ حضرت مجدد نے غالباً ۱۰۰۱ھ ہی کے بعد یہ رسالہ فضائل صحابہ میں لکھا۔ پہلے یہ رسالہ مکتوبات کے آخر میں نول کشور پریس نے شائع کیا تھا' لیکن وہ بہت غلط تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان نے تصحیح کر کے اردو ترجمہ کے ساتھ رام پور سے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا تھا اور اس کا تاریخی نام ''رسالہ در کوائف شیعہ'' ۱۰۰۲ھ بنا دیا تھا۔ پھر انہوں نے مزید اضافہ کے ساتھ ۱۹۷۴ء میں...... شائع کیا ہے۔

(۳)...... رسالہ تہلیلیہ

یہ رسالہ بھی عربی میں ہے۔ کلمہ طیبہ سے متعلق بحث ہے۔ توحید کے مراتب' وجود باری تعالیٰ اور وجود ممکنات پر بھی بحث ہے۔ نبوت رسالت اور کمالات کے لیے دلائل ذکر کیے ہیں۔ یہ رسالہ ۱۰۰۷ھ کے بعد لکھا گیا ہوگا' کیونکہ اس میں رسالہ ''اثبات النبوۃ'' (صفحہ ۳۸) کا ذکر ہے۔ اور حضرت مجدد نے اپنے والد خواجہ عبدالاحدؒ (م۔ ۱۰۰۷ھ) کے رسالہ ''کنز الحقائق'' کا اقتباس (صفحہ ۲۸) دیتے ہوئے انہیں ''قدس سرہ العزیز'' کہا ہے۔ جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب نے یہ رسالہ مختلف نسخوں کی تطبیق اور پروفیسر رشید احمد ارشد صاحب کے اردو ترجمہ کے ساتھ کراچی سے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا اور اس کا تاریخی نام ''معارف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' (۱۰۱۰ھ) بنا دیا۔

(۴)......رسالہ مبداء و معاد

فارسی میں ہے پہلے یہ رسالہ متفرق مسودات کی شکل میں تھا۔ بعد میں خواجہ محمد صدیق بدخشی الکشمی (المتخلص بہ ہدایت) نے ۱۰۱۹ھ میں اسے کتابی شکل میں مرتب کیا۔ اس کے آخر میں تاریخ کے لیے دو رباعیاں ہیں۔ ایک اس طرح ہے:

ایں نسخہ کہ مبداء و معاداست بنام
زانفاس نفیس حضرت فخر کرام
چوں کرد ہدایت انعقاد از سر صدق
درسال ہزار و نوزدہ گشت تمام

کراچی سے بھی ۱۹۶۸ء میں یہ رسالہ (مع اردو ترجمہ) شائع ہوا ہے اور اس رباعی کے تیسرے مصرعے میں ''انعقاد'' کے بجائے ''اقتباس'' لکھا ہے جو صحیح نہیں۔ ''سرصدق'' یعنی ۹۰ کے اعداد اس فقرے کے اعداد (۹۲۹) میں جمع کیے جائیں تو ۱۰۱۹ھ بن جاتا ہے۔

اس رسالے میں ''منہا'' کے عنوان سے ۶۱ موضوعات ہیں۔ منہا نمبر ۴ میں حضرت مجدد نے خود ہی فرمایا کہ ربیع الآخر ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اخذ طریقہ فرمایا۔ پھر رجب ۱۰۰۸ھ میں نسبت نقشبندیہ کا ظہور ہوا اور دس سال بعد اس کی حقیقت کا انکشاف تام حال ہوا۔ (اس طرح ۱۰۱۹ھ خود ہی پورا ہو جاتا ہے)۔ اغلب ہے کہ یہی محمد صدیق ہدایت ''حیات باقیہ'' کے بھی مصنف تھے جیسا کہ ''حضرات القدس'' (۱/۲۱۸۔۲۹۸) سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۵)......رسالہ معارف لُدنیّہ

علوم الٰہیہ فارسی میں ہے۔ معارف خاصہ اور سلوک و طریقت سے متعلق ۴۱ معارف ہیں اور ذیلی معارف بھی ہیں۔ مکتوبات شریف کے دفتر دوم کے ۴۲ تا ۴۵ مکتوبات کے مضامین بھی اس رسالے کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں۔ بلکہ ۲/۴۴ میں فرمایا بھی ہے کہ یہ مضامین میں نے اپنے مکتوبات اور رسائل میں بیان کر دیے ہیں۔ یہ رسالہ بارہا شائع ہوا تھا۔ اب کراچی سے ۱۹۶۸ء میں مع اردو ترجمہ شائع ہوا۔

(۶)......تعلیقات برشرح رباعیات خواجہ باقی باللہ

خواجہ باقی باللہ کی دو رباعیوں کی فارسی شرح اور ان پر تعلیقات ہیں۔ وجود واجب تعالیٰ اور وجود ممکنات ان کا موضوع ہے۔ حضرت مجدد نے اپنے معارف خاصہ کی روشنی میں فارسی میں اس موضوع کی تحقیق فرما دی ہے اور جو شکوک و شبہات اس مسئلے میں پیدا ہو سکتے تھے ان کو رفع فرما دیا ہے۔ یہ رسالہ کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ اب ۱۹۶۸ء میں کراچی سے مع اردو ترجمہ شائع ہوا ہے۔

(۷)......مکاشفات عینیہ (مجددیہ)

یہ فارسی رسالہ پہلے مسودات کی شکل میں تھا (دفتر سوم مکتوب ۸۲) بعد میں غالباً ۱۰۵۳ھ میں خواجہ محمد ہاشم

Marfat.com

کشمی برہان پوری نے اسے کتابی شکل میں مرتب کیا۔اس کے بعض مقامات عربی میں بھی ہیں اوراس کے بعض مضامین حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کے مکتوبات اور رسائل میں بھی آ چکے ہیں۔

جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے پہلی بار متن مع اردو ترجمہ ۱۹۶۵ء میں کراچی سے شائع کیا۔ اس رسالہ کا نام اکثر کتابوں میں ''مکاشفات غیبیہ'' آتا ہے' لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس خیال سے محمد ہاشم کشمی تاریخی نام دیا کرتے تھے' اس رسالے کا نام ''مکاشفات عینیہ'' (مجددیہ) بنا دیا' جس کے اعداد سے ۱۰۵۳ھ برآمد ہوتا ہے۔

اب حضرت مجدد کی سب سے اہم تصنیف مکتوبات (۳ دفتر) کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۸)...... پہلا دفتر درالمعرفت[۶۰]

کے تاریخی نام سے ۱۰۲۵ھ میں مولانا یار محمد الجدید بدخشی طالقانی نے (۳۱۳ مکتوبات پر مشتمل) مرتب کیا تھا۔۳۱۳ کا یہ عدد دراصل پیغمبران مرسل علیہم السلام اور اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق ہے۔

(۹)......دوسرا دفتر نورالخلائق

کے تاریخ نام سے ۱۰۲۸ھ میں مولانا عبدالحیٔ ابن خواجہ چاکر حصاری نے (۹۹ مکتوبات پر مشتمل) مرتب کیا تھا۔۹۹ کا یہ عدد اللہ پاک اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء الحسنٰی کی تعداد کے مطابق ہے۔

(۱۰)......تیسرا دفتر کاس الراسخین / معرفتہ الحقائق

کے تاریخی نام سے ۱۰۳۳ھ میں مولانا محمد ہاشم کشمی برہان پوری نے حضرت مجدد کی حیات ہی میں (۱۱۴ مکتوبات) مرتب کر لیا تھا۔اس کا عدد ۱۱۴ قرآن پاک کی سورتوں کی تعداد کے مطابق تھا۔

لیکن بعد میں مزید دس مکتوبات شامل کر کے ''معرفتہ الحقائق'' کے تاریخی نام (۱۰۴۰ھ) سے شائع کیا۔

مکتوبات شریف کے یہ تینوں دفتر کئی مرتبہ شائع ہوئے ہیں لیکن نہایت عمدہ تصحیح اور حواشی کے ساتھ مولانا نور احمد امرتسری نے ۱۳۲۹ھ میں شائع کیا تھا۔اب جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے ان کا عکس لے کر ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں نہایت عمدہ کاغذ پر شائع کیا ہے۔

حواشی:

۱۔ قرآن کریم' سورہ رعد آیت ۷

۲۔ سنن ابوداؤد مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی' جلد دوم' ص۔۲۱۲

نوٹ: محمد ہاشم کشمی نے ''زبدۃ المقامات'' (لکھنؤ ۱۸۹۰ء' ص۔۱۸۱) میں علامہ سیوطی کی ''جمع الجوامع'' کی اس حدیث کو حضرت مجدد پر منطبق کیا ہے۔یکون فی امتی یقال لہ صلۃ یدخل الجنۃ بشفاعتہ کذاو کذا (میری امت میں ایک ایسا شخص ہوگا جسے صلہ کہا جائے گا۔اس کی شفاعت سے بکثرت لوگ جنت میں داخل ہوں

Marfat.com

گے)۔مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۶ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے رسالہ ''الرحیم'' (حیدر آباد، ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۶۷ء) میں ایک نادر مخطوطہ مع اردو ترجمہ شائع کیا ہے، جس میں ''تجدید'' سے متعلق متعدد شواہد ہیں...... بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مخطوطہ حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت عرف شاہ گل (م۔ ۱۱۲۶ھ) کی تصنیف ہے، کیونکہ اس میں انہوں نے اپنی کتاب ''جنات الثمانیہ'' کا حوالہ بھی دیا ہے۔ حضرت مجدد کی ولادت باسعادت سرہند شریف ۹۷۱ھ بمطابق ۱۵۶۴ء میں ہوئی یعنی عہد اکبری میں اور عہد جہانگیری (۱۰۳۴ھ) میں آپ نے وفات پائی۔

۳۔۴ مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب نمبر ۴۷

نوٹ: ملا عبدالقادر بدایوانی نے عہد اکبری کے پوست کندہ حالات اپنی مشہور تصنیف ''منتخب التواریخ'' میں بیان کیے ہیں۔ شیخ محمد اکرام صاحب نے ''رود کوثر'' میں، مولانا زوار حسین صاحب نے اپنی کتاب ''حضرت مجدد الف ثانی'' میں اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے ''اثبات النبوۃ'' کے مقدمہ میں اکبری عہد کے کافرانہ حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

۵۔ مکتوبات امام ربانی دفتر دو، مکتوب نمبر ۹۲، ص۔ ۲۳۲

۶۔ ایضاً

۷۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے اور جیسا کہ ''مکتوبات معصومی'' اور ''عالمگیر نامہ'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ معصوم نے اپنے صاحبزادے خواجہ سیف الدین علیہ الرحمۃ کو اورنگ زیب کی دلی خواہش کے تحت قلعہ معلیٰ بھیجا تھا، جہاں اورنگ زیب نے کمال عقیدت ومحبت کے ساتھ تزکیہء نفس کے منازل طے کئے اور روحانی فیض حاصل کیا اور وہ کمال حاصل کیا کہ باید وشاید۔

۸۔ ارشاد الطالبین مطبوعہ لاہور ۱۲۷۱ھ، ص۔ ۶۳

۹۔ خواجہ احمد حسین نے شیخ عبدالحیٔ بن شیخ حبیب اللہ لکھا ہے۔ اس طرح ایک واسطہ حذف کر دیا ہے۔ (جواہر مجددیہ مطبوعہ لاہور ۱۹۴۶ء، ص۔ ۲)

۱۰۔ محمد احسان اللہ عباسی نے ''جواہر معصومیہ'' کے حوالے سے یہاں سے شجرہ نسب اس طرح لکھا ہے ''شیخ عبداللہ بن شیخ عمر بن شیخ حفص بن شیخ عاصم بن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم'' (مجدد الف ثانی۔ مطبوعہ رام پور ۱۹۴۶ء ص۔ ۴۶) ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' (الفصل ۱۶) میں ہے کہ حضرت امام حسن بن حضرت علی کی ایک صاحبزادی حضرت عبداللہ بن حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عقد میں تھیں اور مولانا بحر الدین مجددی (سرفراز کالونی حیدر آباد) کی ایک قلمی بیاض میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن حضرت عمر کے دوسرے فرزند ناصر انہی صاحبزادی کے بطن سے تھے لیکن مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے مقامات خیر (دہلی ۱۳۹۲ھ، ص۔ ۳۱) میں اس طرح لکھا ہے:

''ناصر بن عبداللہ بن عمر بن حفص بن عبداللہ بن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم''

۱۱۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی زبدۃ المقامات مطبوعہ کانپور ۱۸۹۰ء، ص۔ ۸۹، ۸۸

۱۲۔۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ محمد فضل اللہ: عمدۃ المقامات، مطبوعہ لاہور ۱۳۵۵ھ، ۱۹۴۹ء، ص۔ ۹۹

۱۵۔ زبدۃ المقامات' ص۔۸۹'۹۰

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ سرہند شریف کو پہلے سہرند کہا جاتا تھا جس کے معنی ''بیشہ شیر'' یا ''شیروں کا مسکن' یا ''کچھار'' کے ہیں۔ رفتہ رفتہ کثرت استعمال سے سہرند سے سرہند ہو گیا۔ حضرت امام رفیع الدین نے جو قلعہ تعمیر کرایا تھا، قدیم زمانے میں شہر کے باہر کافی فاصلے پر واقع تھا، لیکن کثرت آبادی کی وجہ سے قلعہ دسویں صدئی ہجری کے اواخر میں شہر کے اندر آ گیا تھا۔ (زبدۃ المقامات' ص۔۹۰)

۱۹۔ مکتوبات امام ربانی دفتر دوم' مکتوب نمبر۲۲

۲۰۔ ایضاً، دفتر اول مکتوب نمبر ۱۹۵' ص۔ ۱۹۵

۲۱۔ زبدۃ المقامات' ص۔۹۱'۹۲

۲۲۔ خواجہ احمد حسین۔ جواہر مجددیہ مطبوعہ لاہور ۱۹۴۹ء' ص۔۶

۲۳۔ ایضاً، مکتوبات (۳/۸۷) میں حضرت مجدد نے خود بھی اپنے سلاسل کے واسطوں کا ذکر کیا ہے۔

۲۴۔ زبدۃ المقامات' ص۔۹۲' تا ۹۴

۲۵۔ حضرت مجدد نے ''کنز الحقائق'' کا ذکر اپنے ''رسالہ تہلیلیہ'' میں بھی کیا ہے۔ ''رسالہ تہلیلیہ'' مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء' ص۔۲۸

۲۶۔ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات مطبوعہ کانپور ۱۸۹۰ء' ص۔۱۲۷

۲۷۔ ایضاً' ص۔۱۲۶'۱۲۷

۲۸۔ ایضاً' ص۔۱۲۸

۲۹۔ ایضاً، ص۔۱۲۸

۳۰۔ مکتوبات ۲/۴۳

۳۱۔ زبدۃ المقامات' ص۔۱۲۸

۳۲۔ ایضاً' ص۔۱۳۰

۳۳۔ ایضاً' ص۔۱۲۸

۳۴۔ ایضاً' ص۔۱۳۱

نوٹ...... آج کل بعض حضرات فیضی اور ابوالفضل کو دین دار اور تصوف پسند ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ بیشک وہ کبھی ایسے ہی تھے لیکن ضرورت اس تحقیق کی ہے کہ وہ لوگ کب سے کب تک ایسے تھے۔

۳۵۔ ایضاً' ص۔۱۳۲

۳۶۔ ہاشمی فرید آبادی: تاریخ مسلمانان پاکستان (بھارت) مطبوعہ کراچی' ص۔۴۸۴'۴۸۸

۳۷۔ زبدۃ المقامات' ص۔۱۳۲

۳۸۔ تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی مرتبہ محمد منظور نعمانی لکھنؤ' ۱۹۶۰ء' ص۔۹۴'۹۵ (سید مناظر احسن گیلانی: مجدد الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ)

Marfat.com

۳۹۔ ایضاً،ص۔۹۴'۹۵

۴۰۔ کمال الدین۔روضۃ القیومیہ۔مطبوعہ لاہور،ص۔۶۷'۶۸

۴۱۔ حضرت مجدد: مکتوبات شریف جلد سوم مکتوب نمبر ۸۷

۴۲۔ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات مطبوعہ کانپور ۱۳۰۷ھ،ص۔۱۳۳

۴۳۔ ایضاً،ص۔۱۳۴

۴۴۔ ایضاً،ص۔۱۳۵

۴۵۔ ایضاً،ص۔۱۳۵

۴۶۔ زبدۃ المقامات،ص۔۱۳۹

نوٹ......ممکن ہے کہ یہ حج نفلی کی نیت ہو اور اگر فرض تھا تو راستے میں امن کا ظن غالب ہو تو فرض ہے ورنہ نہیں۔حضرت مجدد کے اس مسلک کو مکتوب ۱/۲۵۰ میں دیکھیں۔مکتوب ۱/۲۳۳ میں بھی آپ نے حج پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔

۴۷۔ ایضاً،ص۔۱۳۹

۴۸۔ مکتوبات شریف جلد اول مکتوب نمبر ۲۶۶

۴۹۔ زبدۃ المقامات،ص۔۱۴۵

۵۰۔ ایضاً، ص۔۱۴۰'۱۴۱

۵۱۔ ایضاً،ص۔۱۴۱

۵۲۔ ایضاً،ص۔۱۴۱

۵۳۔ ایضاً،ص۔۱۴۶

۵۴۔ زبدۃ المقامات،ص۔۱۵۵

۵۵۔ ایضاً،ص۔۱۵۳'۱۵۴

۵۶۔ ایضاً،ص۔۱۵۶

۵۷۔ ایضاً،ص۔۱۵۴

۵۸۔ مکتوبات شریف جلد اول، مکتوب نمبر ۲۶۶

۵۹۔ وصال احمدی،ص۔۲۰

نوٹ: حضرت خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات (دفتر اول مکتوب ۱۹۳) میں لکھا ہے کہ "ہمارے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو مرض وفات سے پیشتر بخار اور کھانسی کی شکایت ہو گئی تھی۔چند روز کے بعد اس مرض سے صحت ہو گئی۔چنانچہ اصلی حالت پر آ گئے اور بے تکلف مسجد میں حاضر ہوتے تھے۔کم و بیش ایک ماہ کے بعد ایک ایسا بخار عارض ہوا کہ چھٹے روز اس دنیا سے دارالسرور کی طرف رحلت فرما گئے۔" خواجہ محمد معصوم نے اپنے مکتوبات (۱/۸۶) میں حضرت مجدد کے وصال کی تاریخ ۲۸ صفر لکھی ہے۔

۶۰۔ "در المعرفت" تاریخی نام محمد ہاشم کشمی نے برہان پور کے قیام کے زمانے میں بنایا تھا۔حضرت مجدد نے اسی کو پسند فرمایا۔دیکھیں زبدۃ المقامات،ص۔۲۳۱

☆......☆......☆

Marfat.com

نسیم احمد فریدی فاروقی امروہی

تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانیؒ

نقشبندیہ عجب قافلہ سا لارانند | کہ برندازہ پنہاں بحرم قافلہ را
ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند | روبہ از حیلہ چساں بگسلد این سلسلہ را

(مولانا جامی)

(ادارہ الفرقان نے جس وقت مجدد الف ثانی نمبر نکالنے کی تجویز طے کی اور یہ ارادہ عزم کے درجے میں آیا' اس وقت حسن اتفاق سے میں بریلی آچکا تھا اور اس نمبر کی تیاری تک میرا قیام دفتر ''الفرقان'' ہی میں رہا۔ مدیر الفرقان مدظلہ العالی نے مجھ کو بھی اس ''بزم مسعود'' میں شرکت کی دعوت دی...... اہل اللہ اور خاص کر حضرت امام ربانی عارف باللہ کا تذکرہ یقیناً بڑی سعادت ہے۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور بسلسلہ تعمیل حکم غور کرنے لگا کہ حضرت ممدوح کے کس شعبہ حیات پر لکھوں۔ دل میں یہ آیا کہ براہ راست حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کے متعلق تو دیگر حضرات اہل قلم روشنی ڈالیں گے ہی، میں آپ کے خلفائے باصفا کا کچھ تذکرہ سپرد قلم کروں کہ بالواسطہ وہ بھی حضرتؒ ہی کا تذکرہ ہے۔

جس طرح پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے اسی طرح شاگرد سے استاذ اور مرید سے شیخ کے حالات وکمالات کا صحیح صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر شاگرد و مرید اپنے استاد و پیر کے آئینے ہوتے ہیں جن میں ان کے خط وخال صاف صاف نظر آ جاتے ہیں۔ اسی اصول پر قرآن مجید نے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وصداقت کے ثبوت میں آپ کے تلامذہ ومسترشدین یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احوال واعمال کو بھی بطور شاہد کے پیش کیا ہے۔

محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم في وجوههم من اثر السجود (الآیہ)

بہرحال دل نے یہی فیصلہ کیا کہ حضرت شیخ سرہندیؒ کے خلفاء کے متعلق کچھ لکھوں تاکہ تعلیم وتربیت اور قوت تاثیر کی راہ سے بھی حضرت شیخ کے کمال کا کچھ اندازہ ہو سکے اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جس انسان کے ذریعے اتنے نفوس کے اندر ایمان وعمل کی اتنی جگمگاہٹ اور نور عرفان کی ایسی چمک پیدا ہوگئی وہ خود کس قدر پُر نور وباکمال ہوگا۔

چونکہ مجھے صرف ایک ''مجلاتی'' مضمون لکھنا تھا اور صفحات محدود دیئے گئے تھے اور پھر حضرت کے تمام خلفاء مشہورین کے متعلق کچھ کچھ لکھنا ضروری تھا' اس لئے اختصار میرے لئے ناگزیر تھا' ورنہ خلفائے مجددیہ میں سے

ہر ایک کے متعلق ایک مستقل کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔
میرے مضمون کا زیادہ حصہ "زبدۃ المقامات" سے ماخوذ ہے۔ کہیں کہیں دوسری کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور وہاں حوالہ دے دیا گیا ہے۔)

خواجہ محمد صادق

آپ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ۱۰۰۰ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے صدق وصفا کے آثار نمایاں تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی ۔ مے تافت ستارۂ بلندی

آپ کے جد امجد شیخ عبدالاحد نے آپ کو اپنی تعلیم وتربیت میں رکھا۔ حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا یہ لڑکا مجھ سے حقائق ومعارف کی ایسی ایسی عجیب باتیں دریافت کرتا ہے کہ ان کا جواب مشکل سے بن پڑتا ہے۔ جب حضرت ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی خدمت میں پہنچے تو یہ صاحبزادے بھی ہمراہ تھے اور یہ بھی حضرت خواجہؒ کی نظر قبولیت میں آ کر ذکر، مراقبہ اور جذبہ ونسبت سے مشرف ہو گئے۔ آپ کو باوجود صغرسنی کے وہ کمالات نصیب ہوئے کہ حضرت خواجہؒ آپ کو دیرینہ سال سالکوں کے مقابلے میں پیش فرماتے تھے اور اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ یہ ہفت سالہ بچہ جس نے تھوڑے ہی عرصہ سے راہ سلوک میں قدم رکھا ہے، بہت آگے نکل چکا ہے۔ اتنی سی عمر میں استغراق کا حد درجہ غلبہ تھا حتیٰ کہ حضرت خواجہؒ نے تخفیف کی غرض سے آپ کو بازار کا کھانا کھلایا تاکہ اس کے اثر سے یہ زیادتی رفع ہو چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> "(خواجہ محمد صادق) آٹھ سال کی عمر میں اس قدر مغلوب حال ہو گئے تھے کہ ہمارے حضرت خواجہ صاحبؒ یہ کیفیت زائل کرنے کے لئے بازار کا کھانا جو کہ مشکوک ومشتبہ ہوتا ہے، دیا کرتے تھے۔"

حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ "جس قدر مجھ کو محمد صادق سے محبت ہے اور کسی سے نہیں اور انہیں بھی جتنی مجھ سے محبت ہے کسی سے نہیں۔"

اسی عمر میں کشف قبور کا یہ عالم تھا کہ حضرت خواجہ ان کے کشف پر اعتماد فرماتے تھے اور ان کو مقبروں میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

حضرت خواجہ نے جس جماعت کو تربیت باطنی کے لئے حضرت مجددؒ کے سپرد فرمایا تھا اس میں یہ مخدوم زادہ بھی تھے اور تمام جماعت میں بہتر تھے۔ بعدہ اپنے والد ماجد کے فیض تربیت سے مرتبہ کمال واکمال کو پہنچے اور الولد سر لابیہ کے پورے پورے مصداق ثابت ہوئے۔ سب سے زیادہ تعجب انگیز یہ چیز ہے کہ صغرسنی سے ہی اس غلبہ کے باوجود دینی تعلیم سے بھی فراغت حاصل کی اور علوم نقلیہ وعقلیہ میں ماہر ہوئے۔ بعد حصول علم، تعلیم وتدریس میں بھی مشغول رہے۔

افسوس کہ عمر بہت کم پائی یعنی ۲۴ سال کی عمر میں عالم فانی سے رحلت فرما گئے، ان کی وفات کے بعد حضرت

Marfat.com

ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

''فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادق) اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی اور رحمت تھے' چوبیس سال کی عمر میں وہ کچھ پایا کہ بہت کم لوگوں نے پایا ہوگا۔ علوم نقلیہ وعقلیہ کے درس و تدریس کو بے حد کمال پہنچا دیا تھا حتیٰ کہ اس کے شاگرد بیضاوی وشرح مواقف اور اسی قسم کی انتہائی کتابیں پڑھاتے ہیں۔''

عقلی و نقلی مسائل علمیہ میں آپ کی قوۃ مدرکہ کا یہ حال تھا کہ شیراز کے ایک زبردست معقولی فاضل سے اپنے ذہن خداداد کا لوہا منوالیا تھا۔ فنا کے آثار اور عیش دنیا سے عدم تعلق کا اظہار آپ کے چہرہ سے ہوتا تھا بلکہ اس کیفیت کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا تھا۔ چنانچہ بعض رؤسا آپ کی مجلس میں پہنچنے کے بعد کہا کرتے تھے کہ جیسے ہی ہم اس جوان کو دیکھتے ہیں ہمارا دل دنیا سے سرد ہو جاتا ہے۔ ایک درویش کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن اپنے ایک ہمسایہ کے متعلق صاحبزادہ مذکور کے سامنے زبان شکایت کھولی اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو تنبیہ فرما دیں تو اچھا ہو' مخدوم زادہ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ ''اے شخص! اگر ہم بھی دشمنی کا راستہ اختیار کریں تو ہم میں اور اہل رسم میں کیا فرق رہے گا'' ان درویش کا بیان ہے کہ یہ بات زبان مبارک سے کچھ اس تاثیر کے ساتھ ادا فرمائی کہ میں اس گزارش وشکایت پر پشیمان و نادم ہوا اور ہمسایوں کی طرف سے دل میں جو کینہ تھا وہ جاتا رہا۔

حضرت نے مکتوبات شریفہ میں آپ کی مدح میں بہت سے کلمات تحریر فرمائے ہیں۔ ایک جگہ اپنے ''معارف کا مجموعہ'' تحریر فرمایا ہے۔ ایک مقام پر نسخہ مقامات جذبہ وسلوک قرار دیا ہے۔ مکتوب نمبر ۳۱۱ دفتر اول میں آپ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے

''......اس فقیر (خود حضرت مجددؒ) نے ولایت موسوی سے جو کچھ استفادہ کیا ہے وہ اجمالی ہے اور میرے بڑے لڑکے (خواجہ محمد صادق) کا استفادہ تفصیلی ہے' یوں سمجھو کہ فقیر ولایت موسوی سے مومن آل فرعون (جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے) کی طرح مستفید ہے اور فرزند علیہ الرحمہ ولایت موسوی سے ساحرین فرعون کی مانند مستفید ہے جو ایمان لے آئے تھے (اور جن کا مشاہدہ مومن آل فرعون کے مقابلہ میں تفصیلی تھا)۔''

حضرت مخدوم زادہ کا وصال سرہند شریف ہی میں بعارضہ طاعون بتاریخ نو ربیع الاول ۱۰۲۵ھ بروز دوشنبہ واقع ہوا۔ ''دوشنبہ نہم ربیع الاول ۱۰۲۵ھ'' ان الفاظ سے بھی تاریخ وفات نکل آتی ہے۔

خواجہ محمد سعید

آپ ماہ شعبان ۱۰۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح بچپن ہی سے صلاح وتقویٰ کا پیکر تھے۔ خود حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ محمد سعید چار پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہوئے۔ غلبہ ضعف کے عالم میں ان سے دریافت کیا کہ بیٹا کیا چاہتے ہو؟ بے اختیار جواب دیا حضرت خواجہ (محمد باقی باللہ) کو چاہتا ہوں۔ میں نے ان کے یہ کلمات حضرت خواجہ کو لکھ بھیجے۔ حضرت قدس سرہ نے جواب دیا کہ تمہارے محمد سعید نے ہماری نسبت غائبانہ طور پر اچک

Marfat.com

لی حضرت خواجہؒ نے حضرتؒ کے صاحبزادوں کے متعلق اپنے ایک مرید کو یہ کلمات تحریر فرمائے ہیں:

''فرزندان ایشاں کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند استعداد ہائے عجب دارند بالجملہ شجرہ طیبہ اند انبتھا اللہ نباتا حسنا''
(ان کے (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے تمام فرزند اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں اور عجیب استعداد رکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ شجرہ طیبہ ہیں' اللہ تعالیٰ پروان چڑھائے۔)

آپ جب سن تمیز کو پہنچے علوم ظاہریہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ کچھ تعلیم اپنے والد بزرگوار سے کچھ اپنے بڑے بھائی سے اور کچھ شیخ طاہر لاہوری سے حاصل کی حتیٰ کہ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل کر لی اور تحصیل علم کے زمانے میں ہی حضرتؒ کی توجہ سے طائفہ علیہ نقشبندیہ کی نسبت سے مشرف ہوئے۔ ۱۷۔۱۸ سال کی عمر سے درس دینا شروع کیا اور معقول ومنقول کی مشکل کتابیں پوری قابلیت سے پڑھائیں اور بعض کتابوں پر حواشی بھی لکھے۔ انہیں میں سے تعلیقات مشکوٰۃ المصابیح بھی ہے۔ فقہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اور مشکل سے مشکل مسائل کو معمولی توجہ سے حل فرماتے تھے۔ ایک موقع پر سجدہ تحیہ کے جواز وعدم جواز پر مناظرہ میں ایک طرف اس زمانہ کے بہت سے مولوی صاحبان تھے اور دوسری طرف آپ اور آپ کے چھوٹے بھائی خواجہ محمد معصومؒ دونوں بھائیوں نے اپنی قوت علمیہ کے وہ جوہر دکھلائے کہ اہل علم متحیر اور حاضرین مجلس ششدر رہ گئے۔ صاحب ''زبدۃ المقامات'' فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرتؒ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب محمد صادق علیہ الرحمتہ کا انتقال ہو گیا تو مجھے رنج تھا کہ ایسا جامع ظاہر و باطن فرزند جدا ہو گیا۔

الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے یہ دونوں بھائی اپنے بڑے بھائی کے قائم مقام کر دیئے' ان دونوں بھائیوں پر حضرتؒ کی خاص نظر عنایت تھی اور حق تعالیٰ نے ان کو نسبت ہائے بلند اور احوال ارجمند سے نوازا تھا اور یہ دونوں حضرت کے علوم ومعارف کے حامل اور اسرار ورموز کے وارث تھے۔ صاحب ''زبدۃ المقامات'' لکھتے ہیں کہ ایک سفر میں یہ دونوں مخدوم زادے حضرت کے ساتھ نہیں تھے اور کسی ضرورت سے سرہند میں رہ گئے تھے۔ میں حضرت کے ساتھ تھا' میں دیکھتا تھا کہ جب کوئی معرفت حضرت کے قلب پر وارد ہوتی تھی اس وقت حضرت دونوں فرزندوں کو بشوق تمام یاد فرماتے تھے۔

آپ کی وفات ۲۷ جمادی الاخری ۱۰۷۰ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک سرہند میں ہے۔

عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ

آپ حضرت کے فرزند ثالث ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ میں ہوئی۔ اسی سال حضرتؒ کو حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی خدمت میں پہنچنے کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ ''محمد معصوم کی ولادت ہمارے لئے بہت مبارک ثابت ہوئی کہ اس کی ولادت کے چند مہینے بعد حضرت خواجہؒ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا اور وہاں جو کچھ دیکھا وہ دیکھا''

حضرت نے ایک مقام پر آپ کو ''محمدی المشرب'' تحریر فرمایا ہے اور ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

''از فرزندے محمد معصوم چہ نویسید کہ وے بالذات قابل ایں دولت است یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ۔''

(اپنے فرزند محمد معصوم کے متعلق کیا لکھوں۔ وہ تو بالذات اس دولت یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی استعداد رکھتے ہیں۔)

استعداد کی بلندی بچپن ہی سے آشکارا ہو چلی تھی۔

خود حضرتؒ نے بچپن میں ان کی اس استعداد کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا کہ ''اس راستے میں فیضان الٰہی کے لحاظ سے بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے مساوی ہیں''۔ ذالک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم۔

اسی استعداد کی وجہ سے حضرت کی نظر عنایت خاص طور پر ان کی شامل حال رہتی تھی اور آپ ظہور کمالات کے منتظر تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ علم مبدءِ حال ہے اس لئے اس کے حاصل کئے بغیر چارہ نہیں۔ اسی وجہ سے علم معقول ومنقول کو حاصل کرنے کی تاکید اور کتب دقیقہ علمیہ کا صفحہ صفحہ اور ورق ورق پڑھنے کا حکم فرما کر ارشاد فرمایا کرتے تھے:

''بابا! زود از تحصیل این علوم فارغ شوید کہ مارا باشما کارہائے عظیم است۔''

(بیٹا! ان علوم کی تحصیل سے جلد فارغ ہو جاؤ ہم کو تم سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔)

چنانچہ توجہ مبارک کے اثر سے آپ بھی اپنے بڑے بھائیوں کی طرح ۱۶ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے۔ اگرچہ تعلیم کے زمانے میں بھی باطن کی طرف توجہ رکھتے تھے لیکن فراغت تعلیم کے بعد ہمہ تن ادھر ہی متوجہ ہو گئے۔ ایک دفعہ حضرت نے آپ کو ایک خواب کی تعبیر کے سلسلے میں یہ بشارت دی:

''تو قطب وقت میشوی وایں سخن را از من یاد دار۔''

(تم اپنے وقت کے قطب ہو گے اور یہ میری بات یاد رکھو۔)

صاحب ''زبدۃ المقامات'' فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرتؒ کو زبان مبارک سے یہ فرماتے سنا ہے:

''اقتباس محمد معصوم نسبتہائے مارا یوماً فیوماً بصاحب شرح وقایہ می ماند در حفظ تعلیم وقایہ از جد بزرگوارش۔''

(محمد معصوم کا ہماری نسبتوں کو یوماً فیوماً اقتباس کرنا ایسا ہے جیسا کہ صاحب وقایہ کا اپنے دادا سے تعلیم وقایہ کا حفظ کرنا (جیسا کہ کتاب مذکور کے دیباچے سے واضح ہے)۔)

آپ کو اپنے پدر بزرگوار کے اسرار ومعارف سے بہت زیادہ آگاہی حاصل تھی۔ آپ کے ان مکاتیب کے مطالعہ سے جو آپ نے وقتاً فوقتاً حضرت کی خدمت میں ارسال کئے ہیں آپ کے کمالات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو آپ نے وصال فرمایا۔ مزار مبارک سرہند ہی میں ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان

Marfat.com

جاناں کا سلسلہ دو واسطوں سے آپ تک پہنچتا ہے اور آج کرہ ارضی پر بسنے والے لاکھوں نفوس فقط آپ کے واسطے سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ سے فیض باطن حاصل کر رہے ہیں' دیگر خلفاء کے مستفیضین کا تو شمار ہی کون کر سکتا ہے۔

میر محمد نعمان کشمی

آپ کے والد کا اسم مبارک سید شمس الدین یحیٰی تھا۔ میر بزرگ کے نام سے مشہور تھے اور مشاہیر بدخشاں و ماوراء النہر میں شمار کئے جاتے تھے۔ جفر و تکسیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مولد مسکن اور مدفن کشم ہے (جو کہ بدخشاں کے مضافات میں سے ہے)......۹۹۴ھ میں وفات پائی۔

میر بزرگ کے والد ماجد امیر جلال الدین اور ان کے والد سید حمید الدین بھی صاحب صلاح و تقویٰ بزرگ اور مشہور و معروف عالم تھے۔ میر محمد نعمان کی ولادت باسعادت سمر قند کے اندر ۹۷۷ھ میں ہوئی۔ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؓ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ تمہارے ایک فرزند سعادت مند پیدا ہو گا اس کا نام ہمارے نام پر نعمان رکھنا۔ چنانچہ آپ کا یہی نام رکھا گیا' آپ میں بچپن ہی سے درویشی کے آثار نمایاں تھے' فقراء و مشائخ کی خدمت میں جا کر ان کے مراقبات سے آگاہی حاصل کرتے تھے' آغاز شباب میں عارف آگاہ امیر عبید اللہ بلخی عشقی کے پاس بلخ پہنچے' بعدہ ہندوستان تشریف لائے اور یہاں پر بھی وفور شوق میں بعض درویشوں سے اذکار کی تعلیم حاصل کی حتیٰ کہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندیؒ کی خدمت میں دہلی آئے اور ان کے الطاف بے پایاں کو دیکھ کر طریقہ نقشبندیہ میں منسلک اور اس نعمت سے مشرف ہوئے۔ آپ کے ہمراہ فرزندوں اور رشتہ داروں کی ایک کثیر تعداد تھی اور ان کے ساتھ فقر و فاقہ میں بسر کرتے تھے اور باینہمہ حصول دولت سرمدی کی امید میں خوش دل اور مسرور رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مخلص امیر نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضور کی خانقاہ کے فقراء تنگی سے بسر کرتے ہیں۔ اگر حکم ہو تو ہر ایک درویش کا یومیہ مقرر کر کے سعادت اندوز ہونے کا شرف حاصل کروں۔ حضرت خواجہؒ نے اپنے چند مریدوں کے نام اس کار خیر کے لئے تجویز فرمائے' ایک شخص نے عرض کیا کہ میر محمد نعمان بھی مفلس اور کثیر العیال ہیں۔ ان کا بھی یومیہ مقرر ہو جائے۔ حضرت خواجہؒ ان کے لئے راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ لوگ ہمارے جزو بدن ہیں۔ ہم اپنے جزو بدن کو اس چیز سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ میر صاحب نے یہ بات سنی تو باوجود فاقوں میں مبتلا ہونے کے ان پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور بہت سی امیدیں زندہ ہو گئیں۔

میر صاحبؒ کو حضرت خواجہ صاحبؒ کے مرض الموت میں ایک رات خدمت گاری کا پورا موقع ملا۔ اس رات حضرت خواجہ نے ان پر ایک نظر ڈالی۔ اس نگاہ خاص کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد جو کام بھی آپ کرتے تھے اس کے متعلق یہ سوچتے تھے کہ آیا اس میں رضائے خداوندی ہے یا نہیں؟ حتیٰ کہ قدم بھی اٹھاتے تو دل میں کہتے تھے کہ یہ قدم حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق تھا یا نہیں؟

حضرت خواجہؒ نے جب حضرت مجدد الف ثانی کی بیعت و ارشاد کی اجازت دی اور اپنی حیات ہی میں اپنے تمام اصحاب کو آپ کے سپرد کیا اور ان سب کی تربیت کا آپ کو متکفل بنایا۔ اس وقت اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے

تھے کہ ان کے سامنے ہماری تعظیم نہ کیا کرو بلکہ توجہ بھی ہماری جانب نہ کرو۔ چنانچہ میر محمد نعمان سے بھی فرمایا کہ ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھنا۔ انہوں نے ادب سے عرض کیا کہ ہمارا قبلہ توجہ تو حضور ہی کی درگاہ ہے۔ بزرگ وہ بھی ہوں گے اس سے انکار نہیں......

حضرت خواجہؒ نے یہ سنا تو غصہ ہو کر فرمایا:

''میاں شیخ احمد آفتابے اند کہ مثل ما ہزاراں ستارگان در ضمن ایشاں گم است و از کمل اولیاء متقدمین خال خال مثل ایشاں گوشہ باشند۔''

(میاں شیخ احمد ایک ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے اندر گم ہیں۔ اولیائے متقدمین و کاملین میں سے بہت کم ان جیسے گزرے ہوں گے۔)

اس کے بعد میر صاحب نے اپنا اعتقاد درست کیا اور نیاز مندی کے ساتھ حضرت مجدد کی خدمت میں پہنچے اور عنایت کے طالب ہوئے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ تم ہمارے ہی ہو لیکن کچھ دنوں ہمارے پیر و مرشد کی خدمت میں اور رہو۔ حضرت خواجہؒ کے انتقال کے بعد جب حضرتؒ دہلی تشریف لائے تو میر صاحب نے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس میں اپنی شکستہ دلی، بے نصیبی اور بے استعدادی کا ذکر تھا۔ اس میں بھی لکھا تھا کہ میرے پاس آپ کے حضور میں بجز اس کے اور کوئی وسیلہ نہیں ہے کہ میں حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوں۔ حضرتؒ پر اس عریضہ کے مطالعہ سے رقت طاری ہوئی اور فرمایا کہ میر! گھبراؤ نہیں...... الغرض میر موصوف کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر کے سرہند لے گئے اور یہ سالہا سال حضرتؒ کے آستانے پر مقیم رہے اور مقامات عالیہ سے سرفراز ہوئے۔ ایک دفعہ حضرتؒ کو ضعف عارض ہوا، اس خیال سے کہ شاید مرض الموت ہو آپ نے امانت خواجگان نقشبندیہ کسی اہل کے سپرد کرنی چاہی اور قصد کیا کہ اس نسبت عالیہ کو کسی مخلص کے قلب میں القاء فرمائیں۔ اس وقت اس بار کا متحمل سوائے اپنے بڑے صاحبزادے شیخ محمد صادق علیہ الرحمہ اور میر محمد نعمانؒ کے کسی کو نہیں پایا تھا۔

حضرتؒ نے میر صاحب کو اجازت نامہ مرحمت فرما کر طلبائے معرفت کی ہدایت کے لئے برہانپور روانہ فرمایا۔ میر صاحب دو دفعہ شہر برہانپور سے بعض وجوہ کی بناء پر چلے گئے، حضرتؒ نے تیسری مرتبہ پھر برہانپور ہی کے لئے مامور فرمایا۔ اس دفعہ جب آپ برہانپور تشریف لائے تو رنگ ہی دوسرا نظر آیا۔ آپ کی مجلس میں عجیب کیفیات کا ظہور ہوا۔ اگر کسی جماعت نے دور سے بھی آپ کی مجالس کا نظارہ کر لیا تو اس پر جذب و کیف طاری ہو گیا اور ہر ہر فرد مرغ بسمل کی طرح خاک پر تڑپنے لگا۔ المختصر ع

در میان شہر در ہر گوشہ غوغائے اوست

کا سماں بندھ گیا۔ بہت سے لوگ داخل سلسلہ عالیہ ہوئے اور کتنے ہی بدکار اشخاص صلاح و تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہو گئے۔ صاحب ''زبدۃ المقامات'' مولانا محمد ہاشم کشمی نے آپ ہی کی ہدایت سے حضرتؒ سے شرف بیعت حاصل کیا۔

آپ نے اگرچہ علوم ظاہر کی تحصیل کم کی تھی لیکن ادراک حقائق صوفیہ خصوصاً حضرت کے علوم و معارف سمجھنے

Marfat.com

کی اپنے اندر خاص اہلیت رکھتے تھے۔ خود حضرتؒ نے آپ کے فہم خداداد کی تعریف فرمائی ہے۔ مکتوبات شریف میں بہت سے مکاتیب آپ کے نام ہیں۔ ایک مکتوب کا خلاصہ (جس میں سلسلہ نقشبندیہ کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں) حسب ذیل ہے:

''اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ اس نے ہم کو صحیح العقیدہ بموافق مسلک اہل السنّت والجماعۃ بنا کر طریقہ نقشبندیہ میں منسلک فرمایا......

کمالات نبوۃ بطریق تبعیت وراثت اس طریقہ میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس سلسلے کے منتہی کمالات خاصہ حاصل کرتے ہیں اور مبتدیوں و متوسطوں کے متعلق بھی منتہیوں کی محبت کے باعث المرء مع من احب کی بشارت کے موافق ایسی ہی امیدیں ہیں۔

بدنصیب و نامراد وہ شخص ہے جو اس سلسلہ میں داخل ہو کر اس کی رعایت نہ کرے اور بدعات کو اس طریقہ میں ایجاد کرے اور اپنی خوابوں اور احوال پر اعتماد کر کے اس طریقے کے خلاف قدم اٹھائے۔ اس صورت میں (اگر وہ فیضیاب نہ ہو تو) طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا کیا قصور ہے۔''

آپ کی وفات ۱۸ صفر ۱۰۵۸ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ علیہ

مولانا محمد ہاشم کشمی

آپ کشم کے رہنے والے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد چونکہ سلسلہ کبرویہ سے منسلک تھے اس لئے ایام طفولیت میں آپ کو اس خانوادے کے خلفاء کی خدمت میں پہنچنے کا اتفاق ہوا لیکن فطری مناسبت کی وجہ سے غیر معلوم طور پر سلسلہ نقشبندیہ سے دلی لگاؤ تھا مگر اس سلسلہ کے کسی مرشد و رہبر کی تعیین نہیں کر سکے تھے۔ اسی کشاکش کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ یہاں پر مشائخ قدیم کے حالات عجیبہ و تصرفات غریبہ کا ایک محفل میں تذکرہ سن کے دل میں کہنے لگے (اور شاید زبان سے بھی فرمایا) کہ یہ حقیقت شناس گروہ ایام گزشتہ ہی میں ہوتا ہوگا۔ موجودہ صورتحال کے لحاظ سے خزانہ ایام یا تو ان جواہر سے خالی ہے یا ایسا ہے کہ حقیقت میں ایسے بزرگ موجود ہیں لیکن ہمارے دیدہ ادراک کی کوتاہی کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہیں۔

خاطر خوباں بعید اہل دل مائل نماند   یا بشہر عشقبازاں مرد صاحبدل نماند

اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب دل تشریف لائے اور آپ کو اپنے ہمراہ لے جا کر ایک بزرگ کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ بزرگ مکان کے چبوترے پر عالم مراقبہ میں سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پیش ہوتے ہی اپنا سر اٹھایا اور ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ پڑھ بسم اللہ الرحمن الرحیم اذا جاء نصر اللہ والفتح (آخر سورہ تک) آپ اس سورہ کو پڑھتے جاتے اور زار و قطار روتے جاتے تھے۔ آنکھ کھلی تو سورہ کے مضمون پر غور کر کے یقین کی دنیا جگمگا اٹھی......اور منزل مقصود نظر آنے لگی۔ اس خواب کو ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ آپ شہر برہانپور آئے اور حضرت میر محمد نعمانؒ خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے ذکر و

Marfat.com

مراقبہ کی تعلیم حاصل کی۔ دربار نعمانی میں ان صاحب دل بزرگ کی بھی زیارت ہوئی جن کی وساطت سے خواب میں یہاں رسائی ہوئی تھی۔ غرضیکہ اس رویائے صادقہ کی تعبیر اپنی آنکھ سے دیکھ کر ۱۰۳۱ھ تک برہانپور رہے اور اس وقت سے لے کر حضرت کے وصال ۱۰۳۴ھ تک تقریباً دو سال سفر و حضر میں حضرتؒ ہی کے ساتھ رہے۔ اسرار و معارف سنے اور الطاف و عنایات کا مورد بنے رہے۔ حضرتؒ کی زندگی ہی میں صاحبزادوں کی فرمائش پر ان فوائد و معارف کو لکھنا شروع کیا جن کو خلوت و جلوت میں زبان گوہر فشان سے سنا تھا۔ نیز حضرت اور ان کے مرشد کامل کے اطوار' انوار' برکات اور خوارق عادات لکھنے کا قصد کیا۔ چند ورق سے زیادہ نہیں لکھ پائے تھے کہ حضرت رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔

وصال مرشد کے بعد آپ کی توجہ اس کام کی طرف زیادہ ہوئی کیونکہ دل مہجور کو تسلی دینے کے لئے اس سے بہتر اور مشغلہ ہی کیا ہو سکتا تھا کہ اپنے پیر باکمال کے اقوال و احوال کو لکھیں اور گزری ہوئی صحبتوں کو یاد کر کے قلب و روح کو یک گونہ تسکین دیتے رہیں۔

ماہی کاں گشت محروم از فرات　　　　از کف آبے ہے جوید حیات!

چنانچہ آپ نے حضرتؒ کے حالات کے علاوہ حضرتؒ کے پیر و مرشد' خلفاء اور صاحبزادگان وغیرہم کے حالات کا نہایت جامع اور مستند مجموعہ لکھا جس کا نام ''برکات الاحمدیۃ الباقیہ'' رکھا۔ اس کا تاریخی نام ہے، ہو''زبدۃ المقامات'' قرار پایا چنانچہ یہ کتاب ''زبدۃ المقامات'' ہی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں ''نشاط روح'' کا نہایت کافی سامان موجود ہے۔ حضرت کے حالات میں اس سے زیادہ مستند اور قدیم کتاب غالباً اور کوئی نہ ہو گی۔ حضرت کے احوال و اقوال کو نہایت عمدگی و خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ بے جا مبالغہ سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے اور مجالس مجددیہ کی ایسی مکمل تصاویر کھینچی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے گویا ناظر کتاب دربار فیض آثار میں بیٹھا ہوا حضرتؒ کو دیکھ رہا ہے۔ حضرت کے ملفوظات سن رہا ہے اور دریائے معارف کو اپنے دامن میں بھر رہا ہے۔ مکتوبات شریف کی آخری جلد کو بھی آپ ہی نے ترتیب دیا ہے۔

خواجہ سید آدمؒ بنوری حسینی

آپ کا اصلی وطن قصبہ مودہ تھا مگر سکونت بنور میں اختیار کر لی تھی۔ ابتدائی تعلیم سلوک حاجی خضرؒ سے پائی۔ بعد ازاں با جازت حاجی صاحب حضرتؒ کی خدمت میں آ گئے اور درجات عالیہ پر فائز ہوئے۔ آپ محض اُمّی تھے۔ فیض روح القدس کی مدد سے قرآن شریف حفظ کیا اور علوم ظاہریہ کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اتباع سنت و دفع بدعت آپ کا خاص شیوہ تھا۔ ہزاروں طالبان خدا کو خدا رسیدہ کیا' آپ کی خانقاہ میں ہزار سے زائد طلبائے معرفت روزانہ جمع رہتے تھے اور ان کو لنگر سے کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ آپ کے خلفاءؒ کی تعداد ایک سو اور مریدین کی تعداد ایک لاکھ بتلائی جاتی ہے۔ حج کے لئے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور ۱۳ شوال ۱۰۵۳ھ کو اسی مقدس سرزمین میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک جنت البقیع میں حضرت عثمان ذوالنورین کے مزار پاک کے قریب ہے۔

شیخ طاہر لاہوری

حضرت کے ارادت مندوں میں آپ کا پایہ بھی نہایت بلند ہے۔ صاحب ریاضات و کرامات بزرگ تھے' علوم ظاہری میں کمال حاصل تھا اور حافظ قرآن بھی تھے' علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سلوک کا شوق غالب ہوا اور حضرتؒ کے آستان مبارک پر پہنچے۔ آپ کو ایسے مرشد کی تلاش تھی جو علم و عمل میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا متبع ہو اور یہ بات سب پر ہویدا تھی کہ اس زمانے میں ایسی جامع شخصیت حضرت ہی کی تھی چنانچہ آپ نے سالہا سال اس شیخ کامل کی خدمت کی اور انکسار اور افتقار کے ساتھ حضرتؒ کے فیض کدہ پر مقیم رہے۔ آپ حضرتؒ کے صاحبزادوں کی تعلیم و تدریس کا کام بھی نہایت کوشش و سعی بلیغ سے انجام دیتے تھے چنانچہ صاحبزادے فرمایا کرتے تھے کہ ''ہم پر حضرت شیخ طاہر کے احسانات اس سے بہت زیادہ ہیں کہ شکریہ سے عہدہ برآ ہوسکیں۔''

حضرتؒ نے ایک دفعہ اپنے چھوٹے صاحبزادہ شاہ محمد یحییٰؒ کے متعلق فرمایا کہ ''اس کو شیخ طاہر کے سپرد کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ بھی ان کی برکت سے اپنے بڑے بھائیوں کی طرح عالم باعمل ہوجائے'' لیکن چونکہ اس وقت درویشی کا رنگ غالب اور ظاہری علم مغلوب ہو چلا ہوگا اس لئے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ''اب شیخ طاہر کا وہ دماغ کہاں رہا'' (جو پہلے تھا) باوجود جید عالم ہونے کے آداب شیخ کا انتہائی لحاظ تھا اور حضرتؒ کی اس قدر ہیبت غالب تھی کہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ ایک دن حضرتؒ نے آپ کو امامت کا حکم فرمایا فوراً رنگ زرد پڑ گیا اور لرزہ براندام ہوگئے اور رعب کی وجہ سے حافظ قرآن اور عالم کامل ہوتے ہوئے قرأت گلے میں رک رک جاتی تھی۔ اسی ادب و انکسار اور شیخ کی نظر کیمیا اثر نے آپ کو انتہائی نقطہ کمال پر پہنچا دیا تھا۔ بالآخر حضرتؒ نے خلافت سے سرفراز فرما کر بلدہ لاہور کے طالبان معرفت کی رہنمائی کے لئے لاہور روانہ فرمایا اور طریقہ قادریہ میں بھی اجازت مرحمت فرمائی' آپ نے وہاں پہنچ کر طالبان حق کی تربیت فرمائی اور اپنے برکات و افاضات سے مخلوق خدا کو بہرہ ور کیا' خود ایک مکتوب میں حضرت کو لکھتے ہیں:

> ''میں چلتے وقت سخت متردد تھا کہ شیخ کامل کو چھوڑ کر کہاں جارہا ہوں لیکن غیب سے کوئی شخص کہتا تھا کہ جلا چل حتیٰ کہ کشاں کشاں لاہور آ گیا اور ایک مسجد کے گوشہ میں حیران و پریشان بیٹھ گیا۔ ناگاہ حضرات خواجہ بزرگؒ کی روحانیت جلوہ گر ہوئی اور اس نے اس کام پر ثابت قدم رکھا۔ اسی درمیان میں ایک جوان بلند استعداد آیا۔ اس کو تعلیم باطن دینے ہی یہ اثر ظاہر ہوا کہ اس کے تمام بدن میں نسبت سرایت کر گئی اور وہ سراپا آگاہ و عارف ہوگیا۔ اسی طرح دوسرے طالبوں کو بھی جمعیت نصیب ہوئی۔''

حضور نے مقامات کے بارے میں خصوصاً مقام سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں اپنے مکتوب میں جو کچھ لکھا ہے اس کو بعض حاسدوں نے درمیان میں لانا شروع کر دیا اور اس میں اپنی طرف سے جھوٹی سچی باتیں ملا کر مکروہ پروپیگنڈا کیا اور طعنہ زنی کرنے لگے۔ مولانا حامد اس مکتوب کو علامتہ الانام مولانا عبدالسلام کے پاس لے گئے۔ انہوں نے اس کا مطالعہ کیا اور فرمایا کہ اس کے مضمون میں تو کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا اور ساتھ ہی ساتھ حسن ظن کا بھی اظہار کیا۔

تب کہیں حاسدوں کی زبانیں بند ہوئیں۔

آپ برابر اپنے پیرو مرشد کو اپنے احوال و مکاشفات سے مطلع کرتے رہتے تھے۔ حلقہ ارشاد وسیع تر ہوتا چلا جاتا تھا اور خلق خدا کثرت سے متوجہ ہو رہی تھی کہ ناگاہ اسی گرمی ہدایت کے زمانے میں شیخ نے بر بنائے انکساری و آزاد مزاجی ایسا شیوہ اختیار کر لیا جس سے رجوع خلق میں فرق آئے۔ جب حضرتؒ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ کے نام ایک مکتوب لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

> ''خداوند کریم نے تم کو منصب جلیل عطا فرمایا ہے لہٰذا اس کا شکریہ ادا کرو اور اس بات کا خیال رکھو کہ تم سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو جو باعث نفرت خلق ہو' خلق کو متنفر کرنا فرقہ ملامتیہ کا شیوہ ہے' دعوت و ارشاد سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ مشیخت کے رتبہ پر پہنچ کر ملامت کی آرزو کرتے ہو یہ صریح ظلم ہے...... مریدوں کے ساتھ زیادہ خلط ملط نہ رکھا کرو کہ اس میں ہلکا پن پایا جاتا ہے اور یہ چیز بھی افادہ و استفادہ کے منافی ہے۔ حدود شرعیہ کی محافظت کرو جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کرنے کی تجویز نہ کرو کہ یہ اس سلسلہ کے اصول کے منافی نیز اتباع سنت کے دعوے کے خلاف ہے۔''

یہی ہدایت نامہ آپ کے لئے کافی ہوا اور اس کے جواب میں آپ نے لکھا۔ ''اب میرے سامنے سوائے شریعت سنت کے اور کچھ نہیں ہے۔''

پھر تو آپ نے تشرع و اتباع اور فقر و قناعت میں اپنی نظیر قائم کر دی تھی۔ اہل دنیا کی داد و دہش کو قبول نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے قوت بازو سے حلال روزی بہم پہنچاتے تھے البتہ کوئی دیندار شخص اگر ہدیتاً کوئی چیز پیش کرتا تھا تو اسے قبول فرما لیا کرتے تھے۔

ہر سال چند بار پیادہ پا درویشوں کی جماعت کے ساتھ بے زاد و توشہ لاہور سے سرہند آیا کرتے اور چند روز کوچہ معرفت میں رہ کر رخصت ہو جاتے تھے۔ آپؒ نے محرم ۱۰۴۱ھ کو بروز پنج شنبہ وفات پائی۔ مزار مبارک لاہور میں ہے۔

شیخ بدیع الدین سہارنپوری

آپ شروع میں حضرتؒ کے پاس توضیح تلویح پڑھتے تھے لیکن درویشوں سے عقیدت نہ تھی بلکہ حالت یہ تھی کہ نماز تک کے بھی پابند نہ تھے۔ جس زمانہ میں آپ حضرتؒ کے پاس پڑھتے تھے اسی زمانہ میں آپ کو ایک حسین و خوشرو جوان سے عشق ہو گیا۔ تا نوبت بانیجا رسید کہ درمیان سبق میں بھی آپ کو بے چینی رہتی تھی کہ کب سبق ختم ہو اور کب میں کوچہ محبوب میں جا کر اس کے نظارہ سے آنکھیں ٹھنڈی کروں۔

ایک دن حضرتؒ نے آپ سے فرمایا کہ تم نماز پڑھا کرو اور شرعی محرمات سے بچو کیونکہ معاصی کے ارتکاب سے علم ظاہر میں بھی بے برکتی ہوتی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس قسم کی نصیحتیں تو میں نے بہت سے لوگوں سے سنی ہیں حضرت اگر کوئی خاص توجہ فرمائیں تو شاید میری حالت کچھ سدھر سکے۔ حضرتؒ نے تھوڑے تامل کے بعد فرمایا۔ اچھا کل

Marfat.com

اسی ارادہ سے میرے پاس آؤ اور دیکھو خدا کیا کرتا ہے۔ اتفاقاً اگلے دن ان کا محبوب نوجوان ان کے گھر آ گیا' ان کا دل نہ چاہا کہ ہم نشینی محبوب ترک کر کے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ دو تین دن کے بعد جب حاضر ہوئے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ تم نے خلاف وعدہ کیا اچھا نہیں کیا' خیر اس وقت کا آنا بھی مبارک ہے۔ جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرو اور میرے پاس آؤ۔ انہوں نے ارشاد کی تعمیل کی۔ اس کے بعد آپ ان کو خلوت میں لے گئے اور ذکر قلب کی تعلیم دی اور توجہ فرمائی۔ اس توجہ کا پڑنا تھا کہ فوراً کایا پلٹ گئی' مست و بے خود ہو گئے اور اسی عالم بے خودی میں زمین پر گر پڑے' دوسروں نے اٹھا کر آپ کو مکان تک پہنچایا۔ ایک دن کے بعد افاقہ ہوا' اس دن کے بعد سے تعلقات دنیا سے دل سرد ہو گیا اور اپنے آپ کو اپنے سے دور اور عالم غیب سے نزدیک دیکھنے لگے۔

نخستین بادہ کارند زجام کردند ز چشم "مست ساقی" دام کردند (عراقی)

اس کے بعد مدتوں تک آستانہ عالیہ پر رہے اور فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوتے رہے یہاں تک کہ حضرت کو ان پر کامل اعتماد ہو گیا اور تعلیم طریقت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ بعد حصول اجازت آپ اپنے وطن مالوف سہارنپور تشریف لے آئے اور طالبان معرفت کی اصلاح و تربیت میں مشغول ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت نے آپ کو آگرہ جانے کا حکم دیا۔ یہ شہر دارالسلطنت ہونے کی حیثیت سے خاص مرکزیت رکھتا تھا لیکن ابھی تک اس سلسلہ کے خلفاء سے خالی تھا۔

حضرتؒ نے ان کو تاکید فرما دی تھی۔ آگرہ میں پوری استقامت کے ساتھ رہنا اور ہمارے حکم کے بغیر وہاں سے نہ جانا۔ یہ وہاں پہنچے حق تعالیٰ نے مقبولیت عامہ عطا فرمائی۔ امراء و غرباء غرض ہر طبقہ اور درجہ کے لوگ آپ کے فیوض و برکات سے متمتع ہوئے لیکن آپ سے ایک لغزش یہ ہو گئی کہ حضرت مرشد کے اذن کے بغیر آپ وہاں سے اپنے وطن چلے آئے۔ یہ چیز حضرتؒ کو سخت ناگوار گزری۔ جب آپ کو اس ناراضگی کا حال معلوم ہوا تو دوبارہ آگرہ کا قصد کیا اور حضرت کو اس ارادہ سے اطلاع دی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ وہاں کا صحیح وقت وہی تھا اب اگر تم جاتے ہو تو تم جانو تمہیں اختیار ہے۔ شیخ بحالت اضطراب اس امید میں کہ شاید حضرتؒ کی ناراضگی دور ہو جائے دوبارہ آگرہ چلے گئے۔ اس دفعہ بھی شروع شروع میں خلق خدا کو بہت فیض پہنچا لیکن سوء اتفاق کہ ایک دن وہاں کی چھاؤنی کے چند اجڈ فوجیوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی۔ آپ نے ان کی ذہنیت و صلاحیت کا لحاظ کئے بغیر ان کو سختی کے ساتھ بعض منکرات پر تنبیہ و نصیحت فرمائی جس کی وجہ سے ان میں سے بعض بدطینت آپ کے دشمن ہو گئے۔ اس کے علاوہ عام طور پر اپنے بلند احوال و انکشافات لوگوں کے سامنے بیان کئے جو منکرین و معاندین کے کانوں میں پہنچ کر فتنہ کا سبب بن گئے چنانچہ اہل عناد نے اپنی رنگ آمیزیوں اور حاشیہ آرائیوں سے کام لے کر ایک زبردست فتنہ آپ کے خلاف برپا کر دیا' اس فتنہ کا اثر حضرتؒ تک بھی متعدی ہوا اور اسی ابتداء کی انتہا یہ ہوئی کہ سلطان وقت (جہانگیر بادشاہ) نے جو اس وقت تک طائفہ فقراء سے کوئی انس و مناسبت نہ رکھتا تھا' حضرتؒ کو طلب کر کے ایذا پہنچائی اور قید خانہ میں محبوس کر دیا۔ (اگرچہ بعد کو بادشاہ اپنے اس فعل پر نادم و پشیمان ہوا اور اس نے معافی بھی چاہی)۔

اس المناک واقعہ کے بعد شیخ بدیع الدینؒ آگرہ سے اپنے وطن سہارنپور واپس چلے آئے اور وہیں پر گوشہ گزیں ہو کر ذکر و مراقبہ اور انس و الفت میں بسر کی۔ پچاس سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور تمام عمر طالبان علوم

Marfat.com

دینی و یقینی کے افادہ میں مشغول رہے۔

شیخ نور محمد پٹنی

آپ علوم رسمیہ کی تحصیل کے بعد سلوک کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہندوستان کے بہت سے درویشوں کے پاس گئے۔ کہیں تسکین روح کا سامان بہم نہ پہنچا۔ آخر کار حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے مقامات طے کئے اور حیرت انگیز ترقی کی۔ چنانچہ اس زمانے میں حضرتؒ نے اپنے پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ کو جو خط لکھا ہے۔ اس میں شیخ نور محمد کی ترقیات کا بھی مفصل ذکر فرمایا ہے۔

آپ عرصہ تک حضرتؒ کی خانقاہ میں رہے اور حالات میں برابر ترقی ہوتی رہی۔ تکمیل کے بعد حضرتؒ نے اجازت مرحمت فرما کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا۔ آپ حسب الامر وہاں پہنچے لیکن خلوت پسندی کے غلبہ کی بناء پر اکثر آبادی سے باہر رہتے تھے اور لوگوں سے اجتناب کرتے تھے۔ جب حضرتؒ کو اس کی اطلاع ہوئی تو ایک مکتوب شریف کے ذریعہ آپ کو اس عادت کے ترک کرنے کی تلقین فرمائی اور تحریر فرمایا۔

جس طرح انسان کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی تعمیل لازمی ہے اسی طرح خلق خدا کے حقوق کی رعایت اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی ضروری ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کر کے دوسرے کو نظر انداز کر دینا نادرست ہے۔ خلق خدا کی اذیتوں کا تحمل اور ان سے حسن معاشرت سلوک کے لوازمات میں سے ہے۔ تلقین کے ضمن میں یہ شعر بھی تحریر فرمایا۔

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنیں عالم است　　نازکی کے راست آید باری باید کشید

آپ نے حضرت کے ارشاد کی تعمیل کی اور شہر پٹنہ کے ایک طرف دریائے گنگا کے کنارے ایک جھونپڑا بنایا اور وہیں ایک چھوٹی سی خام مسجد تیار کی اور مع اہل و عیال کے اسی جھونپڑے میں رہنے لگے، اکثر وقت مسجد ہی میں گزرتا تھا۔ نماز کے علاوہ ارشاد و ہدایت اور افادہ علوم دینیہ کا مرکز بھی اسی مسجد کو بنا رکھا تھا۔

شیخ حمید بنگالی

آپ تحصیل علوم دینی کے لئے لاہور تشریف لائے تھے۔ بعد فراغت وطن مالوف جاتے ہوئے آگرہ میں بھی قیام کیا اور خواجہ عبدالرحمٰن صاحب مفتی کابلی کے قریب اقامت گزیں ہوئے۔ مفتی صاحب نے آپ کو علوم میں ماہر و متبحر پا کر آپ سے عہد لیا کہ جب تک آگرہ میں قیام رہے میرے ہی پاس رہیں۔ اثنائے قیام میں ایک دن تصوف اور مشائخ تصوف کا ذکر آ گیا تو مفتی صاحب کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ مولانا حمید صوفیائے کرام کے عموماً اور حضرت مجددؒ کے خصوصاً منکر ہیں۔ اس صحبت کو دو ہی تین دن گزرے تھے کہ اتفاق سے حضرت سرہند سے آگرہ تشریف لائے اور مولانا حمید سے مفتی صاحب کے مکان ہی پر ملاقات ہوگئی۔ حضرتؒ نے ان کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا ''ہائے شیخ حمید اینجا بودہ اند۔'' ایک دو دفعہ خاص انداز سے ان پر نظر ڈالی اور فوراً مراقبہ میں مستغرق ہوگئے۔ اس

Marfat.com

کے بعد یکا یک وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر چند عرض کیا گیا کہ حضرت تھوڑی دیر اور تشریف رکھیں اور یہیں ماحضر تناول فرمائیں، قبول نہیں فرمایا گیا، مفتی صاحب پہنچانے کے لئے دروازہ تک آئے۔

ان کا خیال تھا کہ مولانا حمید "بداعتقادی" کی وجہ سے جگہ سے بھی نہ ہلیں گے مگر دیکھا گیا کہ پیچھے پیچھے چلے آرہے ہیں۔ مفتی صاحب تو دروازہ تک آ کر واپس چلے گئے لیکن مولانا حمید بس حضرتؒ کے پیچھے ہو لئے، اس وقت حضرت ان کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ قیام گاہ پہنچ گئے۔ مولانا حمید دروازہ پر گریاں و حیراں کھڑے رہے۔ بعدازاں حاضری کی اجازت دی گئی اور بیعت سے مشرف کرنے کے ساتھ تعلیم طریقت و جذبہ نسبت سے نوازا گیا۔ اب تو "مولانا حمید" ہوگئے اور یہ کیفیت ہوگئی کہ اپنی کتابوں اور دوستوں کی بھی خبر نہ رہی۔

چندروز کے بعد حضرتؒ آگرہ سے سرہند روانہ ہوئے تو یہ بھی پیادہ پا حضرتؒ کی خدمت میں چلے۔ شیخ حمیدؒ کا یہ واقعہ دیکھ کر مفتی صاحب خود بھی حضرتؒ کے حلقہ بگوش ہوگئے، مفتی صاحب کے ایک دولت مند دوست نے پوچھا کہ آپ لوگ تو عالم و عاقل ہیں۔ شیخ احمد میں کیا کرامت دیکھی جوان کے مرید ہوگئے۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ ہم اہل علم کوئی کرامت اس سے بہتر نہیں سمجھتے کہ شیخ عالم باعمل اور متبع سنت ہو، علم کے ساتھ ساتھ اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ و اہتمام جیسا حضرت شیخ سرہندیؒ میں دیکھا، اپنے زمانے میں کسی دوسری جگہ دیکھا نہ سنا، بس یہی ہمارے نزدیک سب سے بڑی کرامت اور حاصل ولایت ہے۔

شیخ حمیدؒ نے قریباً دوسال آستانہ عالیہ پر رہ کر منازل سلوک طے کئے اور احوال عجیبہ و مقامات غریبہ سے نوازے گئے۔ اس کے بعد حضرتؒ نے تعلیم طریقت کی اجازت دے کر ان کو وطن روانہ فرمایا، اجازت نامہ "زبدۃ المقامات" میں درج ہے۔ تبرکاً و تیمناً ہم بھی اس مبارک تحریر کو اس جگہ نقل کرتے ہیں۔

اما بعد الحمد والصلوٰۃ فیقول العبد المفتقر الیٰ رحمۃ اللہ الملک الولی احمد بن الشیخ عبدالاحد الفاروقی النقشبندی رحمھما اللہ سبحانہ رحمۃ واسعۃً ان الاخ العالم والصدیق الصالح جامع علوم الشریعۃ والطریقۃ الشیخ حمید ن البنگالی وفقد اللہ سبحانہ لما لحیبہ ویرضاہ لما قطع منازل السلوک و عرج معارج الجذبۃ و وصل الیٰ درجۃ الولایۃ بعد ان حصل لہ اندراج النھایتہ فی البدایۃ اجرت لہ لتعلیم طریقۃ المشائخ النقشبندیۃ قدس اللہ اسرارھم للطالبین المسترشدین والمریدین المخلصین بعد استخارۃ وحصول الا ذن من اللہ سبحانہ والمسئول من اللہ سبحانہ ان یعصمہ عمالا ینبغی ویحفظہ عمالا ینبغی وان یثبتہ علیٰ متابعتہ سید المرسلین علیہ وعلیھم الصلوٰۃ والتسلیمات.

مشائخ طریقت کا طریقہ تھا کہ خلافت کے وقت خرقہ بھی دیا جاتا تھا۔ شیخ حمیدؒ نے عرض کیا کہ مجھ کو بجائے خرقہ کے حضرت کے پاؤں کا جوتا کافی ہے۔ حضرتؒ نے ان کی اس درخواست کو بھی قبول فرمایا اور ایک پاؤں کی جوتی عنایت فرمادی۔ شیخ نے اس "کفش مبارک" میں جو کچھ دولت پائی وہ قیصر و کسریٰ کو کہاں نصیب ہوئی۔

اگر خاکے ازیں کو برسرآید مرا بہتر زچندیں افسر آید

چونکہ آپ کا وطن صوبہ بنگال میں تھا اس لئے بوجہ بُعد مسافت دوبارہ آستان مجددیؒ پر حاضری کا موقع نہ مل سکا۔ اس نواح کی مخلوق نے آپ ہی سے مجددی فیوض و برکات کے خزانے حاصل کئے اور طالبین حق نے آپ ہی کی رہنمائی میں معرفت و یقین کی شاہراہ پر چل کر منزل مقصود کا پتہ لگایا' منگل کوٹ ضلع بردوان میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

زبنگالہ چہ برگویم کہ مولانا حمید او! بپا پوش جنابش آمدہ مقبول ربانی
زہے پاپوش پاک اوکہ چوں خاک شفا کردہ شفائے ظاہر و باطن بخلق اللہ ارزانی
بہ منگل کوٹ او بنگر کہ گلزار ارم بودہ در و دیوار اواکنوں نہادہ سربو یرانی
بلے کس گنج زر نیہاں نیا بد جز بو یرانی بلے کس آب حیواں راندیدہ جز بظلمانی
(رشیدی شہزادپوری)

شیخ مزمل

آپ حضرتؒ کے قدیم اور مقبول ترین مریدوں میں سے ہیں۔ سفر وحضر میں اکثر حضرتؒ کے ساتھ رہتے۔ حسن اخلاق و مکارم اوصاف میں یگانہ اور انکسار وایثار میں منفرد تھے۔ حضرتؒ کی تربیت سے ان کو جو کمالات حاصل ہوئے ان کا تذکرہ حضرتؒ نے اپنے بعض ان مکاتیب میں کیا ہے جو اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں روانہ کئے ہیں۔ سالہا سال فیض محبت سے مستفیض ہونے کے بعد تعلیم طریقت کے مجاز ہوئے۔ آپ کی رفعت مرتبہ کا اندازہ حضرتؒ کے اس مکتوب سے بھی ہوتا ہے جو ایک مخلص کے نام بھیجا گیا ہے اور جس میں تحریر فرمایا گیا ہے:

''صحبت میاں مزمل شمارا مغتنم است وامثال ایں عزیز الوجود اعز من کبریت الاحمر۔''

(میاں مزمل کی صحبت کو غنیمت سمجھو۔ اس قسم کے لوگ کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر و نایاب ہیں۔)

آپ نے ۱۰۲۶ھ میں اپنے مرشد کی حیات ہی میں سفر آخرت اختیار کیا۔ حضرت کو آپ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا اور ان کی روح کو دعائے مغفرت وایصال ثواب سے شادکام فرمایا۔

شیخ طاہر بدخشی

آپ شروع میں فوج میں ملازم تھے۔ ایک دفعہ فوج کسی قلعہ کو فتح کرنے کے لئے گئی۔ آپ اس میں موجود تھے۔ اثنائے سفر میں ایک رات آپ پیغمبر خدا ﷺ کی زیارت منامی سے مشرف ہوئے اور دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر و دیگر خلفاء واصحاب رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور آپ ؐ شیخ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اس سفر کے ختم ہونے کے بعد تو ان لوگوں (فوجیوں) سے الگ ہو جا اور فقر و تجرید کی زندگی اختیار کر۔

Marfat.com

اسی عالم خواب میں آپ نے دیکھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرتﷺ کے ایماء سے ان کو خرقہ پہنایا۔ جب اس مبارک خواب سے بیدار ہوئے تو ارشاد نبویﷺ کی تعمیل کے لئے اپنے آپ کو بے قرار پایا۔ چنانچہ بعد مراجعت فوج اثنائے راہ ہی میں ایک مقام پر اپنی سواری سے اتر پڑے اور ایسے غائب ہوئے کہ ساتھیوں نے ہر چند تلاش کیا مگر نہ ملے۔ وہاں سے غائب ہو کر آپ ایک دہقان سے ملے اور اس سے اپنے لباس کے عوض میں ایک ٹاٹ لے کر پہن لیا اور اطراف و جوانب کے مشائخ کی صحبتوں سے فیضیاب ہوتے رہے۔ چونکہ آپ نے اپنے گھر والوں کو اپنے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی تھی اور کسی کو خبر نہ تھی کہ آپ کس حال میں ہیں اس لئے آپ نے مناسب سمجھا کہ ایک بار گھر ہو آئیں اور متعلقین کو صورتحال کی اطلاع دیں تا کہ ان کو تشویش نہ رہے چنانچہ آپ گھر آئے اور اپنے عزائم کا صاف اظہار کر دیا...... بیوی سے بھی کہہ دیا کہ میں فقر کی زندگی اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچے میں اس کے لئے بالکل تیار ہوں کہ تم مجھ سے آزادی حاصل کر لو۔ نیک بخت بیوی نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی آپ سے وابستہ کر چکی ہوں۔ جو زندگی کا طریقہ آپ کو پسند ہے وہی مجھے پسند ہے' چنانچہ وہ بالکل بے سروسامانی کی حالت میں شوہر کے ساتھ ہو لیں۔

اس کے بعد آپ مرشد کامل کی تلاش میں گھومتے رہے۔ ایک شیخ وقت کی خدمت میں پہنچے انہوں نے فرمایا کہ تم نقشبندی معلوم ہوتے ہو اور دہلی و لاہور کی طرف اشارہ کیا۔

چنانچہ آپ ہندوستان کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ اس زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا عام شہرہ تھا اس لئے دہلی کا قصد کر لیا لیکن سوء اتفاق کہ ان کے دہلی پہنچنے کے چند دن پہلے حضرت خواجہ صاحبؒ وصال فرما چکے تھے۔ ہادی توفیق نے آپ کو حضرت خواجہ کے جانشین حقیقی (حضرت مجددؒ) کی خدمت میں پہنچا دیا۔ چنانچہ آپ حضرتؒ سے بیعت ہوئے اور کافی عرصہ خانقاہ سرہند میں قیام کر کے فیوض و برکات حاصل کئے۔ آپ کے خصائص عظمیٰ میں سے یہ ہے کہ ایک مدت تک خلوت و جلوت میں حضور سرور کائنات ﷺ کی زیارت و مشاہدہ سے مشرف ہوتے رہے گویا کہ آپ کو یک گونہ حضوری کا درجہ حاصل تھا...... مولانا طاہرؒ چونکہ ترک اور سادہ مزاج بزرگ تھے اس لئے اپنے احوال و مکاشفات کو اس انداز میں بیان فرماتے تھے کہ حضرت کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ جاتی تھی...... کبھی ایسا ہوتا تھا کہ حضرتؒ معارف بیان فرما رہے ہیں اور یہ ان کو سن کر آرے اور بلے کہتے جاتے ہیں اور سر ہلاتے جاتے ہیں۔ حضرتؒ خوش طبعی کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اسرار و معارف مولانا طاہر پر وارد ہوئے ہیں اور میں ان کا ترجمان ہوں۔"

حضرتؒ نے ان کو تعلیم طریقت کی اجازت دینے کے بعد جونپور روانہ کیا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے خدا معلوم کن احوال کے ماتحت گفتگو اور نشست و برخاست میں ایسا طریقہ اختیار کیا جس کی وجہ سے لوگوں کی رجوعات کم ہو گئیں۔ جس زمانے میں حضرتؒ اجمیر شریف تھے آپ نے ایک مکتوب حضرت کی خدمت میں تحریر کیا جس میں یہ بھی مرقوم تھا کہ طالبین میری طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ حضرت نے اس کو پڑھ کر فرمایا:

"عجب مردے سادہ دل است ملاک امر محافظۃ احوال و فکر کا رغم ایمان و مآل خود است دریں

Marfat.com

ضمن ہر کرا حق سبحانہ برساند و بتعلیم تربیت او مامور گرداند حسب الامر خالصاً لوجہ اللہ بداں باید پرداخت و نیز برائے انجذاب دلہائے طلاب وضع کہ ملامت را آنجا راہ نبود اختیار باید نمود۔''

(یہ عجب سیدھے آدمی ہیں۔ یہ خبر نہیں کہ اصل کام احوال کی محافظت' اپنے کام کی نگہداشت' ایمان کی فکر اور انجام کا خیال کرنا ہے۔ اس ضمن میں جس کسی شخص کو بھی خداوند کریم پہنچا دے اور اس کی تعلیم و تربیت پر مامور کر دے خالصاً لوجہ اللہ اس میں مشغول رہے۔ نیز اہل طلب کے دلوں کی کشش کے لئے ایسی وضع جس میں ملامتیہ کے طرز کو کچھ بھی دخل ہو اختیار نہ کرنی چاہئے۔)

مولانا یوسف سمرقندی

آپ بھی اولاً حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مریدین میں سے تھے اور ان سے بہرہ وافر حاصل کیا تھا۔ خلیق اور بے تکلفانہ زندگی بسر کرنے والے بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ کے وصال کے بعد سرہند آ گئے اور حضرتؒ کے آستانے پر رہنے لگے۔ کچھ عرصے وہاں رہ کر برکات نفوس مجددیہ سے مستفیض ہوئے اور روحانی ترقی حاصل کی لیکن بقضائے الٰہی درمیان سلوک ہی میں پیک اجل سے ہم آغوش ہو گئے۔ بوقت نزع حضرتؒ ان کے سرہانے تشریف لائے۔ آپ نے بہزار حسرت عرض کیا حضرت!

ع دم واپسیں بر سر راہ ہے

اب کوئی ایسی نظر و توجہ فرما دیجئے جس کی برکت سے مقصد اعلیٰ حاصل ہو جائے۔

دم اخیر ہے ''حضرت'' ذرا نگاہ ملے کچھ اس غریب مسافر کو زاد راہ ملے

حضرت ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد اپنا سر اٹھایا اور فرمایا ''ہاں مولانا یوسف کہو کیا حال ہے؟'' عرض کیا الحمد للہ دل جس چیز کا طالب تھا وہ حضرت کی توجہ سے آشکار ہو گئی۔ اس کے بعد آخری ہچکی لے کر جان بحق تسلیم ہو گئے۔

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

مولانا احمد برکی

آپ برک کے رہنے والے اور وہاں کے علماء میں سے تھے۔ مولانا کا ایک ہم وطن دوست تاجر ہندوستان سے اپنے وطن واپس آیا' وہ ہندوستان میں حضرت سے بھی شرف ملاقات حاصل کر چکا تھا اور آپؒ کے مکاتیب کا کچھ حصہ بھی اپنے ہمراہ لیتا گیا تھا۔ مولانا نے جب ان مکتوبات کا مطالعہ کیا اور ان سے حضرتؒ کے کمالات باطنی کا اندازہ لگایا تو جذبہ دل نے سرہند چلنے پر آمادہ کیا۔ وہاں پہنچ کر حضرتؒ کی عنایات سے سرفراز ہوئے اور اخلاص و آداب کے

Marfat.com

ساتھ شیخ کی خدمت میں رہے۔ عنایات خداوندی اور حضرت کی برکت سے ایک ہی ہفتہ میں درجہ کمال و اکمال پر پہنچ گئے اور تعلیم طریقت میں مجاز ہو کر وطن جانے کی اجازت حاصل کی۔ وطن پہنچ کر حسب الحکم کار طریقت میں مشغول ہوئے۔ اپنے مریدوں کے احوال بذریعہ مکاتیب خدمت عالی میں پہنچا کر جواب و خطاب سے سرفراز ہوتے رہتے تھے۔ ایک مکتوب میں حضرت نے آپ کو تحریر فرمایا:

''روزے توجہے بحال شما نمودہ آمدید کہ مردم آن نواحے بجانب شمای دوند و التجا بشمامی آرند معلوم شد کہ شما را مدار آن زمین ساختہ اند و مردم آن حدود را بشما مربوط۔ داشتہ للہ الحمد والمنتہ علیٰ ذلک۔''

(ایک دن تمہاری طرف توجہ کی۔ دیکھا کہ اس طرف کے آدمی تمہاری طرف دوڑتے ہیں اور تمہارے سامنے التماس (فیض) کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تم کو اس علاقہ کا قطب بنایا گیا ہے اور اس حدود کے لوگوں کو تم سے متعلق کیا گیا ہے' خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔)

حضرت نے ایک مکتوب مولانا شیخ یوسف برکی کو لکھا ہے۔ اس میں بھی آپ کی تعریف فرمائی ہے۔ آپ نے ۱۰۲۶ ہجری میں وفات پائی۔ حضرت ؒ نے دعائے مغفرت سے آپ کی روح کو شاد کیا' دیکھا گیا کہ جب کبھی آپ کا تذکرہ مجلس مبارک میں ہوتا تھا حضرت ان کی تعریف فرماتے تھے اور لطف وعنایت کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے۔ نیز مولانا کے مریدین کو بھی تحریر فرماتے تھے کہ مولانا کے لئے مغفرت کی دعا کرو' مولانا کا وجود فی زمانہ مسلمانوں کے لئے آیات حق میں سے ایک آیت (نشانی) اور تمہارے خداوندی میں سے ایک رحمت تھا۔

Marfat.com

مولانا محمد صالح کولابی

آپ حضرت کے قدیم الایام مریدین میں سے تھے۔ منکسر المزاج اور خاموش طبع تھے۔ اپنی روحانی سرگزشت اپنی ہی زبانی اس طرح بیان فرماتے ہیں'' میرے اندر جب طلب معرفت کا جذبہ پیدا ہوا میں اس زمانے کے اکثر مشائخ کی (جو قریب قریب مقامات پر رہتے تھے) خدمت میں رہا لیکن کسی سے کوئی کیفیت حاصل نہیں ہوئی۔ حسن اتفاق سے ایک جمعہ کو آگرہ کی جامع مسجد میں حضرت کو دیکھا۔ دیکھتے ہی میرا دل حضرت کی طرف کھنچنے لگا۔

آن دل کہ رم نمودہ از خوب رو جوانان　　　دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

جامع مسجد سے حضرت ؒ کی قیام گاہ پر پہنچ کر تعلیم ذکر کی درخواست کی۔ وہ قبول ہوئی۔ اس کے بعد سالہا سال خدمت اقدس میں رہا لیکن پستی استعداد کے باعث کوئی کامیابی محسوس نہیں کرتا تھا۔ اپنے پیر بھائیوں کو دیکھتا تھا کہ وہ منازل ترقی پر گامزن ہیں۔

اپنی اس بدنصیبی پر حیران و گریاں رہتا تھا یہاں تک کہ رمضان کا مبارک مہینہ اپنی مقدس ساعتیں لے کر آ گیا۔ جب حضرت ؒ معتکف ہوئے تو اس اعتکاف میں طشت و آفتابہ کی خدمت میرے سپرد ہوئی۔ ایک رات حضرت ؒ

نے اپنے متبرک ہاتھ کو دھویا۔ میں اس تمام دھون کو پی گیا' اس کا پانی پینا تھا اور حالات کا وارد ہونا تھا۔

مولانا جب حضرتؒ کی توجہ سے درجہ کمال کو پہنچ گئے تو اجازت تعلیم سے ممتاز ہوئے اور طالبان معرفت کی ایک جماعت کو آپ کا روحانی فیض پہنچا۔ حضرتؒ کو بارہا آپ کی تعریف فرماتے سنا گیا ہے۔ ایک دن حضرتؒ نے آپ کے متعلق فرمایا۔

''مولاناؒ از سیر صفات وتجلیات صفاتیہ بہرہ تمام گرفتہ۔''

(مولانا محمد صالح نے سیر صفات وتجلیات صفاتیہ سے پورا حصہ حاصل کرلیا ہے۔)

آپ نے مخدوم زادوں کی فرمائش پر ایک رسالہ لکھا تھا جس میں حضرتؒ کے دن اور رات کے معمولات کو جمع کیا۔ اس میں لکھتے ہیں کہ جب میں نے حضرتؒ سے معمولات کے جمع کرنے کی اجازت طلب کی تو ارشاد فرمایا کہ پیروی کے قابل تو آنحضرت ﷺ کا ہی عمل ہے۔ کتب حدیث کی طرف رجوع کرو اور وہاں سے معمولات مسنونہ اخذ کرو' عرض کیا گیا کہ حضرتؒ کا عمل بھی تو سرکار مدینہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہے۔ اس پر یہ ارشاد فرمایا:

''چناں کنند امانیک نیک ملاحظہ نمایند کہ ہر چہ موافق سنت باشد قولے وفعلے آنرا در عمل آرید ہر چہ نہ چنانست موقوف دارید''

(اچھا جمع کرو لیکن اس بات کا اچھی طرح لحاظ رکھنا کہ میرا جو قول و فعل موافق سنت ہو اس پر عمل کرنا اور جو ایسا نہ ہو اس کو موقوف رکھنا۔)

۱۰۳۸ھ میں مولانا کا وصال ہوا۔

مولانا محمد صدیق کشمی

آپ کشم (علاقہ بدخشاں) کے رہنے والے ہیں۔ ایام جوانی میں ہندوستان تشریف لائے۔ چونکہ شعر و شاعری میں دستگاہ رکھتے تھے اس لئے محبّ الفقراء والشعراء عبدالرحیم خان خاناں کی صحبت اختیار کی۔ اسی عرصے میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز سے بیعت ہو کر سلسلہ نقشبندیہ میں منسلک ہو گئے لیکن جوش جوانی کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کے مشغلے نے آپ کو حضرت خواجہؒ کی زندگی میں ترقی روحانی کا موقع نہیں دیا۔ حضرتؒ خواجہ کے وصال کے بعد آپ حضرتؒ کی خدمت میں آئے اور کامیاب ہوئے۔ خود حضرتؒ ایک مکتوب مبارک میں مولانا محمد صالح کولابی کو آپ کے ترقی یافتہ احوال کی اطلاع دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''مولانا محمد صدیق دریں ایام بعنایت اللہ سبحانہ بولایت خاصہ مشرف گشتند...... واللہ یختص برحمتہ من یشاء

(مولانا محمد صدیق ان دنوں اللہ سبحانہ کی عنایت سے ولایت خاصہ سے مشرف ہو گئے۔ اللہ جس

Marfat.com

کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیتا ہے۔)

مولانا ۱۰۳۲ھ میں اپنے متعلقین کی ایک جماعت کے ساتھ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ واپسی میں دہلی آئے۔اس سفر میں چونکہ وابستگان کثیر تعداد میں تھے اور زاد راہ تھوڑا تھا اس لئے فقر و فاقہ کی بڑی بڑی مشقتیں جھیلیں۔آپ ہی نے ''مبداء و معاد'' کو حضرتؒ کی بیاض خاص سے نقل فرما کر جمع کیا ہے۔مکتوبات شریف آپ کے نام بھی کثیر تعداد میں ہیں۔آپ کو حضرتؒ سے بہت کچھ اخلاص و عشق تھا۔جس زمانے میں آپ حجاز میں تھے حضرتؒ نے مولانا محمد ہاشم کشمی سے فرمایا کہ اس وقت میں بعض قدیم مریدین کے احوال کی طرف متوجہ تھا۔مولانا محمد صدیق نظر کشفی میں کامل محبت و اخلاص کے ساتھ ہماری طرف متوجہ معلوم ہوئے۔آپ کے حضرت کو علوم و معارف سے کافی مناسبت تھی......آپ نے مثنوی مولانا رومیؒ کے وزن پر ایک مثنوی لکھی ہے جس میں ماچین کے شیشہ گر کی حکایت نظم کی ہے اور وہ حق الیقین کی بہترین تعلیم ہے۔ایک دوسری مثنوی ''بوزن خسرو شیریں'' لکھی ہے۔

شیخ عبدالحئی

آپ حصار شادماں (علاقہ اصفہان) کے باشندے مسکین طبع اور خموشی پسند بزرگ تھے۔سالہا سال تک آستانہ مجددی پر دریائے فیوض سے دامن مراد کو بھرا اور توجہ مرشد کی برکت سے ترقیات سے ہم آغوش ہوئے۔بہت سے اسرار و معارف کو زبان فیض ترجمان سے سنا تھا بلکہ ان احوال سے بھی کچھ وافر حصہ مبدء فیض سے پایا تھا جن کی ترجمانی حضرتؒ نے مکتوبات کی صورت میں فرمائی ہے۔

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم نقشبندی کی فرمائش پر مکتوبات کا دفتر ثانی آپ ہی نے جمع فرمایا ہے۔حضرت کے بہت سے مکتوبات آپ کے نام بھی ہیں......حضرتؒ نے آپ کو تعلیم و طریقت کی اجازت دے کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا۔شہر کے کنارے شیخ نور محمد (جن کا ذکر کیا جا چکا ہے) طالبان حق کے افاضہ میں مشغول تھے اور شہر کے درمیان میں شیخ عبدالحئی تشنگان طریقت کی پیاس بجھا رہے تھے' حضرتؒ ایک مخلص کو تحریر فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''وجود این دو عزیز (یعنی مولائے مذکور و شیخ نور محمد) در آں یک شہر چون قران السعدین است۔''

(مولانا عبدالحئی اور شیخ نور محمد کے وجود ایک شہر (پٹنہ) میں قران السعدین کی مانند ہیں۔)

حضرت نے براہ راست شیخ نور محمد کو ایک مکتوب پٹنہ بھیجا اور اس میں شیخ عبدالحئی کے مقام و حال کی اطلاع ان الفاظ میں فرمائی ہے:

''شیخ عبدالحئی ہم شہری شما است و بجوار شما آمدہ است نسخہ علوم و معارف غریبہ است و چیز ہائے ضروریہ این راہ نزد او مودع است ملاقات او یاران دور افتادہ را مغتنم است کہ نو آمدہ است و چیز ہائے نو آوردہ است الخ''

(شیخ عبدالحئی تمہارے ہم شہری ہیں اور تمہارے پڑوس میں آئے ہیں۔یہ علوم و معارف کی

''کتاب ناطق'' ہیں اور راہ سلوک کی ضروری چیزیں ان کو سونپی گئی ہیں' ان کی ملاقات دور افتادہ مخلصین کے لئے بسا غنیمت ہے کیونکہ یہ نئے نئے آئے ہیں اور تازہ تازہ معارف لائے ہیں۔

آپؒ نے ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔)

مولانا یار محمد القدیم الطالقانیؒ

آپ حضرتؒ کے قدیم خادم ہیں۔ قائم اللیل وصائم النہار' کثیر السکوت والمراقبہ تھے' بزرگان نقشبند کی بعض خصوصیات آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھیں' خوش سیرتی کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی تھے۔ صاحب ''زبدۃ المقامات'' تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ میں اپنی خوبصورتی اور اس داڑھی کا بہت شکر گزار ہوں کہ جب کبھی بازار وغیرہ سے گزرتا ہوں تو مجھ کو دیکھ کر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے لگتے ہیں۔

آپ نے فقر و فاقہ کی حالت میں بیت الحرام و روضۂ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لئے حجاز کا سفر اختیار کیا اور اپنی روح کو جذب و کیف اور نشاط و انبساط کی دعوت دی۔

مولانا قاسم علی

آپ بھی حضرت خواجہ صاحبؒ کے ان اصحاب میں سے ہیں جن کی تربیت حضرتؒ کے حوالے ہوئی تھی' آپ خانقاہ مجددی میں رہ کر دریائے معرفت سے گوہر مقصود حاصل کرتے رہے' خود حضرتؒ نے حضرت خواجہؒ صاحب کو آپ کی روحانی ترقیات کی اطلاع ایک مکتوب کے ذریعہ کی ہے اور مزید ترقی کی امید ظاہر فرمائی ہے۔ اس سے زیادہ حالات دریافت نہ ہو سکے۔

شیخ حسن برکی

آپ مولانا احمد برکیؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت کی بارگاہ میں پہنچ کر ذکر و مراقبہ سے مشرف ہوئے اور عنایات خاصہ سے بہرہ وافر حاصل کر کے وطن مالوف واپس ہو گئے' وہاں مولانا احمدؒ کی صحبت میں رہنے لگے۔ حضرتؒ نے مولانا احمدؒ کے نام ایک مکتوب لکھا اور اس میں تحریر فرمایا:

''شیخ حسن از ارکان دولت شما است اگر فرضا شما را میل سفرے شود نائب مناب شما اوست الخ۔''

(شیخ حسن تمہارے رکن اور مدد معاون ہیں۔ تم کو بالفرض اگر کسی سفر پر جانا ہو تو یہ تمہارے صحیح قائم مقام ہیں۔)

اتفاق ایسا ہوا کہ مکتوب پہنچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد مولانا احمد نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ جب یہ خبر حضرت کو پہنچی تو آپ نے مولانا کے مریدوں کو یہ ہدایت تحریر فرمائی۔ ''مرحوم کے طور و طریقہ کا خیال رکھا جائے اور ذکر و

Marfat.com

حلقہ کی مشغولیت میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔ میں نے اس سے پہلے بر سبیل اتفاق لکھا تھا کہ اگر مولانا کوئی سفر اختیار کریں تو شیخ حسن ان کے قائم مقام ہیں' قضا (را وہ سفر سفر آخرت ہوگیا...... اب مکرر توجہ دلاتا ہوں کہ شیخ حسن کی متابعت مولانا (احمد) کے کسی مرید پر گراں نہ ہو...... (بہرحال) اطاعت لازمی ہے' ویسے بھی شیخ حسن کا طریقہ مولانا (احمد) کے طریقہ سے بہت کچھ مناسبت رکھتا ہے' مولانا (احمد) نے آر میں جونسبت اس طرف سے حاصل کی تھی' شیخ حسن اس نسبت میں شریک ہیں۔ مولانا کے دوسرے مریدین کو (ہر چند کہ وہ صاحب کشف وشہود ہوں) اس نسبت سے بہت کم حصہ ملا ہے۔"

"......آخر کار مولانا احمد کے مریدوں کی سرحلقگی شیخ حسن کے لئے تجویز ہوگئی اور آپ افادہ وافاضہ میں مشغول ہوئے۔ آپ نے اپنے شیخ (حضرت مجددؒ) اور اپنے استاد (مولانا احمد) کا شیوہ اختیار کیا اور مراقبہ' مجاہدہ اور رفع بدعت میں مضبوطی سے کام لیا' اور کامیاب وفلاح یاب ہوئے۔ حضرتؒ کے پاس آپ کے جو خطوط آئے تھے ان سے آپ کے حالات کا پتہ چلتا ہے...... ایک عریضہ میں بعض اصطلاحات صوفیہ پر کچھ اعتراضات وارد کئے تھے اور آخر میں لکھا تھا کہ وہ معارف جو اس "بے بضاعت" کو تسکین دیتے ہیں معارف شرعیہ ہیں اور شریعت کا ہر حکم ایک ایسے دروازہ کی حیثیت رکھتا ہے جس سے ہو کر "شہر مقصود تک" پہنچ سکتے ہیں...... حضرت کو اس مکتوب کے اس حصہ پر جس میں اصطلاحات صوفیہ پر اعتراضات تھے سخت ناگواری ہوئی اور اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "خبردار بے سمجھی سے ایسی باتیں آئندہ نہ کرنا اور غیرت خداوندی سے ڈرتے رہنا شاید تم کو نقلی وجعلی صوفیوں نے "برانگیختہ" کردیا ہوگا...... مگر بزرگوں کا خیال بھی تو رکھنا چاہئے...... مدعیان طریقت کی بدعات پر نکتہ چینی کرو تو اس کی گنجائش ہے اور وہ بالکل ٹھیک ہے لیکن جو چیزیں صوفیا میں مقرر اور ضروری ہیں اُن پر کلام کرنا سخت نامناسب بات ہے۔"

آخر میں معارف شرعیہ کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اس کو مطالعہ فرما کر حضرت خوش ہوئے اور اس کے متعلق اسی مکتوب میں یہ تحریر فرمایا:

> "این را برفنا بسیار اصل است وبسیار عالی وامیدواری بحسن مطالعہ این معرفت محظوظ ساخت و ناملائمت اول مکتوب را زائل گردانید حق سبحانہ ازیں راہ بمقصود رسانند۔"

> (یہ چیز اصل اور عالی ہے۔ اس معرفت کے حسن مطالعہ کی امید نے بہت مسرور کیا اور مکتوب کے ابتدائی حصہ کی نامناسب تحریر کے اثر کو زائل کردیا حق تعالیٰ اسی راستے سے مقصود تک پہنچائے۔)

...

مولانا شیخ عبدالہادی فاروقی بدایونی

آپ بدایوں کے فاروقی النسب بزرگ تھے۔ بعض کتب میں آپ کا اسم مبارک شیخ عبدالہادی منکن ؒ لکھا ہوا ملا۔ آپ بھی حضرت خواجہ صاحبؒ کے ان مریدین میں سے ہیں جن کی تربیت باطنی حضرتؒ سے متعلق ہوئی

تھی۔ آپ نے بھی حضرت کی خدمت کر کے نظر عنایت عالیہ سے بہرہ وافر حاصل کیا۔ انکسار وافتقار آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ حضرتؒ نے جو مکاتیب اپنے پیر بزرگوار کو تحریر فرمائے ہیں ان میں منجملہ دیگر مسترشدین کی ترقیات کے آپ کی ترقی کا ذکر بھی فرمایا ہے...... مدت تک خدمت بابرکت سے مستفیض ہونے اور ترقیات وکمالات کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد آپ تعلیم طریقت کی اجازت سے ممتاز ومشرف ہوئے۔ آپ کا مزار شریف ''مدینۃ الاولیاء'' بدایوں میں ہے۔ ''تذکرۃ الواصلین'' کے مصنف نے بدایوں کے شہداء واولیاء کے بہت کچھ حالات بہم پہنچائے ہیں لیکن ان کے حالات کو اجمالی طریقہ سے لکھا ہے حتیٰ کہ تاریخ وفات بھی نہیں لکھی۔ انہوں نے آپ کے مختصر تذکرہ کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔

مزار شریف آپ کا راقم کو معلوم نہیں کہ بدایوں میں کس مقام پر مدفون ہیں لیکن میاں اکرام اللہ محشر بدایونی ''روضہ صفا'' میں لکھتے ہیں کہ قبر شریف بدایوں میں جانب مشرق ہے۔ (تذکرۃ الواصلین۔ ص ۱۷۸)

شیخ یوسف برکی

اولاً آپ کو ایک درویش کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور مشرب ''توحید خیالی'' اختیار کیا۔ ایک رات عالم رویا میں آستان مجددی کی طرف دلالت ہوئی' چنانچہ ایک شخص کے ہاتھ اپنے تمام حالات لکھ کر حضرتؒ کی خدمت میں روانہ کئے' حضرتؒ نے ایک مکتوب میں جواباً تحریر فرمایا کہ اس قسم کے احوال شروع شروع میں مبتدیوں پر طاری ہوجایا کرتے ہیں۔ ان کا کچھ اعتبار نہ کرو بلکہ ان کو دور کرنے کی کوشش کرو' اس مکتوب میں وصل کی حقیقت اور دیگر حقائق بھی بیان فرمائے اور ہمت بلند کی ترغیب دی۔ اس کے بعد خوبی تقدیر سے دربار فیض آثار میں حاضری کا موقع ملا اور بیعت ہوئے۔ کچھ عرصہ سرہند رہنے کے بعد اجازت تعلیم پا کر جالندھر میں سکونت اختیار فرمائی۔ تھوڑے تھوڑے عرصے کے وقفے سے سرہند تشریف لاتے رہتے تھے اور جدائی کے زمانے میں زبان قلم سے عرض احوال کرتے رہتے اور جوابات سے سرفراز ہوتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرتؒ کی خدمت میں حسب دستور پہنچے۔ وداع کے وقت دیکھا گیا کہ زارو قطار رو رہے ہیں اور زبان حال سے بتغیر قلیل عرفی کا یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ ''گریاں'' رفتم ‏ ‏ ‏ ازدر دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم

حضرتؒ نے ایک مکتوب میں آپ کو ''مستعد'' اور ''صادق الاعتقاد'' تحریر فرمایا ہے۔

سید محب اللہ مانکپوری

آپ علوم دینیہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ آغاز سلوک میں قدوۃ المشائخ شیخ محمد بن فضل برہانپوری قدس سرہ کی خدمت کی اور ایک مدت وہاں رہ کر اجازت وخلافت حاصل کی۔ اس کے بعد برہانپور میں ہی میر محمد نعمانؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے سلسلہ نقشبندیہ کا طریقہ ذکر سیکھا' چونکہ میر صاحب کی مجلس میں ہمیشہ حضرتؒ کی تعریف و توصیف ہوتی تھی اور مکتوبات شریفہ کا مذاکرہ ہوتا تھا اس لئے آپ کو حضرتؒ کی خدمت ورویت کا شوق غالب ہوا چنانچہ

Marfat.com

بارگاہ مجددی پر پہنچے اور وہاں مدتوں خوشہ چینی فیوض کرتے رہے۔ بالآخر حضرت نے خلافت سے معزز فرما کر مانکپور روانہ فرمایا' حضرت نے ان کے متعلق ایک مکتوب میں جو میر صاحب مذکور کے نام ہے یہ کلمات طیبات تحریر فرمائے ہیں:

''سید محب اللہ بہ نسیان ماسوئ و بعض مقامات فنا رسید اور اجازت گونہ دادہ بہ مانک پور فرستادیم۔''

(سید محبّ اللہ نسیان ماسوئ اور بعض درجات فنا پر پہنچ گئے ہیں اور ہم نے ان کو اجازت دے کر مانک پور روانہ کر دیا ہے۔)

مانکپور کچھ عرصہ رہنے کے بعد آپ نے اپنے اہل وطن کی شکایت لکھی کہ وہ اذیت پہنچاتے ہیں۔ حضرتؒ نے ایک بار جواب میں صبر و تحمل کی تلقین فرمائی اور یہ شعر بھی تحریر فرمایا۔

ہر کہ عاشق گد اگرچہ نازنیں عالم است   نازکی کہ راست آید بارمی باید کشید

لیکن جب آپ نے مانکپور سے منتقل ہونے کے لئے منت و سماجت کے ساتھ اجازت چاہی تو حضرتؒ نے تحریر فرمایا کہ ''آج کی رات ہم نے عالم کشف میں دیکھا کہ تمہارا سامان مانکپور سے الہ آباد منتقل کیا گیا ہے' اب تم الہ آباد میں کوئی یکسوئی کی جگہ اختیار کرلو اور اپنے اوقات ذکر الٰہی جل سلطانہ میں بسر کرو۔'' کچھ طریقہ ذکر کے متعلق تحریر فرما کر آخر میں یہ نصیحت فرمائی:

''تا توانید راہ تقلید را از دست ندہید کہ تقلید شیخ طریقت ثمرات دارد و در خلاف طریق او خطرہا است۔''

(جہاں تک ہو سکے تقلید کو ترک نہ کرنا کیونکہ شیخ طریقت کی تقلید ثمرات رکھتی ہے اور اس کے خلاف کرنے میں بہت سے خطرے درپیش ہوتے ہیں۔)

حاجی خضر افغان

آپ حضرتؒ کے مخصوص مرید و خلیفہ مجاز تھے۔ کثیر التعداد مخلوق نے آپ سے فیض صمدی حاصل کیا' آپ اکثر راتیں گریہ وزاری میں کاٹتے تھے اور میر تقی میر کے اس شعر کے مصداق تھے۔

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد سا دل میں ہوتا ہے
میں راتوں اٹھ اٹھ روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے

آپ کے اوقات اذکار و نوافل اور اشغال سے معمور تھے' سرہند کے قریب ایک موضع میں سکونت اختیار کرلی تھی اور تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد سرہند آتے جاتے رہتے تھے۔ آپ کے مرتبے کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ حضرتؒ نے ایک دفعہ اپنے بعض مریدین سے فرمایا کہ ''میں نے ایک دن ابلیس لعین کو دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ میرے مریدین میں سے وہ کون شخص ہے جس پر تیری دسترس کمتر ہے۔ ابلیس نے کہا حاجی خضر۔ آپ نے

حضرتؒ سے ایک سال بعد غالباً ۱۰۳۵ھ میں دنیا کو خیر باد کہا۔

شیخ احمد دیو بندیؒ

آپ دیو بند ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ شروع شروع میں حضرتؒ کے حلقہ درس میں بھی ایک مدت تک رہ کر شرف تلمذ حاصل کر چکے تھے۔ اس کے بعد برہانپور چلے گئے اور وہاں پر شیخ محمد بن فضل اللہ قدس سرہ العزیز سے بیعت ہوئے اور مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر خلافت حاصل کی اور آگرہ آئے۔ حضرتؒ اس وقت آگرہ میں مقیم تھے۔ اس زریں موقع کو غنیمت جان کر صحبت اقدس سے سعادت اندوز ہوئے اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ اختیار کیا اور حضرتؒ کی خدمت بابرکت میں رہے۔ جب حضرتؒ نے میر محمد نعمانؒ کو خلافت دے کر برہانپور رخصت کیا تو آپ کی روحانی تربیت بھی میر صاحبؒ کے سپرد فرمائی' میر صاحب کی صحبت میں حضور ونسبت خواجگان نقشبندیہ کی دولت سے سرفراز ہوئے اور ایک خاص لذت محسوس کی چنانچہ اسی طریقہ کے ذکر کا التزام کر لیا۔

ایک دفعہ مرشد سابق سے ملاقات ہوئی' انہوں نے آپ سے دریافت فرمایا ہم نے تم کو جو ذکر تعلیم کیا ہے اس میں اشتغال رکھتے ہو یا نہیں؟ آپ نے جواباً عرض کیا کہ میں نے میر محمد نعمانؒ سے طریقہ خواجگان نقشبندیہ کا ذکر حاصل کر لیا ہے' اس میں لذت پاتا ہوں اور اسی میں مشغول ہوں۔ شیخ سابق چونکہ منصف مزاج اور حقانیت پسند تھے اس لئے تھوڑے سے تاثر کے بعد فرمایا کچھ مضائقہ نہیں مقصد تو فائدہ کا حاصل کرنا ہے۔ حضوری کی دولت جس جگہ سے بھی بہم پہنچے اس کو لازم پکڑو۔ میر صاحب کے یہاں کچھ عرصہ رہنے کے بعد حضرت کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اور لطف بے پایاں سے نوازے گئے اور اجازت کی خلعت عنایت ہوئی...... آپ کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب بعد حصول اجازت دو طالبوں کو ذکر طریقت کی تعلیم دی وہ دونوں متاثر ہوئے اور ان سے احوال کا ظہور ہوا۔ یہ کرشمہ دیکھ کر آپ خود محو حیرت ہو گئے اور حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا اور اس میں لکھا کہ باوجود یکہ میں اپنے اندر کوئی حال محسوس نہیں کرتا لیکن یہ کیا بات کہ میں نے دو طالبوں کو تعلیم ذکر کی اور ان سے احوال ظاہر ہوئے؟ اسی کے ساتھ ذہول اور دوام آگاہی کے متعلق بھی دریافت کیا۔ حضرتؒ نے دونوں باتوں کا جواب عنایت فرمایا۔ پہلے جز کے متعلق جواب دیتے ہوئے ان دونوں طالبوں کے احوال کو مولانا کے احوال کا عکس قرار دیا ہے جو کہ ان دونوں کے آئینہ استعداد میں ظاہر ہو گیا۔ رہا اپنے احوال کا علم اس کے متعلق تحریر فرمایا کہ ''مقصود حصول احوال ہے نہ کہ علم احوال' علم احوال ایک اور دولت ہے کسی جماعت کو علم احوال منجانب اللہ دیا جاتا ہے اور کسی کو نہیں بھی دیا جاتا۔''

دوسرے جز کے متعلق یہ ارقام فرمایا کہ ''آگاہی سے مراد حضور باطنی ہے جو کہ علم حضوری سے مشابہ ہے' تم نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ کوئی شخص کسی وقت اپنے نفس سے غافل ہو گیا ہو اور اسے اپنی نسبت ذہول رونما ہو' غفلت و ذہول تو علم حصولی میں ممکن ہے۔''

Marfat.com

آپ مدت تک آگرہ میں طالبین معرفت کے افادہ میں مشغول رہے۔آپ کے ان دونوں مریدوں کے چہرہ سے اکابر سلسلہ کی خصوصیات ہویدا اور جذبہ و بے خودی کی شان آشکارا تھی' ایک رئیس اعظم جو کہ آپ سے اخلاص سندی کا تعلق رکھتے تھے' آپ کو بنگالہ[1] لے گئے۔آپ نے اس علاقہ میں قبولیت عظیمہ حاصل کی اور طالبین معرفت کو خمخانہ توحید کے کیف آور و روح پرور جام پلائے اور سرمستان مے الست نے جھوم جھوم کر عرض کیا۔

ساقیایاں لگ رہا ہے چل چلاؤ جب تلک ساغر چلے ساغر چلے (میر درد)

شیخ کریم الدین باباحسن ابدالی

آپ باباحسن بادالی (جو کہ کابل کے علاقہ میں ایک مقام ہے) کے رہنے والے اور حضرت کے قدیم مرید تھے۔شروع شروع طلب حق میں سیاحی کی اور اسی سلسلے میں سرہند آئے۔حضرتؒ کے پاس پہنچتے ہی آپ کا حال دگرگوں ہوگیا۔عنایت خاص سے مشرف اور تعلیم ذکر و مراقبہ سے سرفراز کئے گئے۔تھوڑے ہی عرصہ میں کمال کو پہنچ کر اجازت تعلیم طریقت سے نوازے گئے اور اپنے وطن چلے گئے۔اس علاقہ کے لوگ کثرت سے آپ کے دست حق پرست پر تائب ہو کر داخل سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ ہوئے...... حضرتؒ کے یہاں آپ کو بہت رسوخ حاصل تھا۔جس زمانے میں حضرت تنہائی اختیار فرماتے تھے کسی کی مجال نہیں تھی کہ خلوت گاہ میں پہنچے لیکن یہ آپ ہی کی خصوصیت تھی کہ حضرتؒ نے فرما دیا تھا کہ شیخ اپنے مریدوں سمیت خلوت گاہ میں آئیں اور انہیں کوئی نہ روکے۔جس زمانے میں حضرت لاہور میں تھے آپ اپنے مریدین کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور الطاف مرشد سے سرفراز ہو کر وطن واپس گئے' شیخ اسحاق نامی ایک فاضل نے جو کہ سندھ کے مقتداؤں میں سے تھے آپ سے بیعت کی اور اکیس روز متواتر حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت منامی سے مشرف ہو کر رحمتہ اللعالمین کے الطاف گوناگوں سے شادکام ہوئے۔

مولانا عبدالواحد لاہوری

آپ کو بھی حضرت خواجہ قدس سرہ ہی نے تربیت باطنی کی غرض سے حضرتؒ کے سپرد فرمایا تھا۔آپ کثیر المراقبہ اور کثیر العبادۃ تھے۔صاحب ''زبدۃ المقامات'' (مولانا محمد ہاشم کشمی) فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ مجھ سے دریافت فرمانے لگے کیا جنت میں نماز ہوگی؟ میں نے کہا نہیں' جنت میں نماز کہاں ہوگی۔جنت تو جزائے اعمال کا محل ہے نہ کہ دار العمل۔آپ نے یہ جواب سن کر ایک آہ سرد بھری اور رونے لگے اور حسرت آمیز لہجے میں فرمایا آہ! بے نماز کے جنت میں کیونکر بسر ہوگی...... صاحب ''زبدۃ المقامات'' نے آپ کے تذکرہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ایک دن آپ حضرتؒ کو ایک عریضہ تحریر کر رہے تھے۔اتفاق سے اس پر میری نظر پڑی تو اس میں یہ لکھا ہوا پایا...... کبھی کبھی نماز کے اندر حالت سجدہ میں ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ سجدے سے سر اٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔

Marfat.com

مولانا امان اللہ لاہوری

آپ بھی حضرتؒ کے مریدان اجازت یافتہ میں سے ہیں۔۱۰۱۳ھ میں حج بیت اللہ کا شوق غالب ہوا' پیادہ پا بغیر توشہ و زادراہ سفر حجاز کو چل کھڑے ہوئے' راستے میں حضرتؒ کے اور خود آپ کے متوسلین واحیاء نے چاہا کہ ان سے زادراہ قبول کرلیں لیکن انہوں نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور آسی بے سروسامانی کے ساتھ حجاز کو گئے۔

ان مذکورہ خلفاء کے علاوہ دیگر حضرات جو خلافت واجازت یافتہ اور ارباب ذوق واصحاب فضل تھے' ان کے اسماء مبارکہ حسب ذیل ہیں:

مولانا امان اللہ فقیہ' شیخ محمد حری' شیخ داد سامی' شیخ سلیم بنوری' شیخ نور محمد بہاری' شیخ حامد بہاری' صوفی قربان (قدیم) مولانا صادق کابلی' مولانا محمد ہاشم خادم' شیخ زین العابدین تبریزی ثم الملکی الشافعی' مولانا غازی گجراتی' صوفی قربان (جدید)' سید باقر سارنگپوری' شیخ عبدالعزیز نجومی مغربی مالکی' شیخ احمد استنبولی حنفی' مولانا فرخ حسین' مولانا صغیر احمد' مولانا بدر الدین[۱۲] سرہندی' مولانا حمید احمدی' حاجی حسین' و شیخ عبدالرحیم برکی' مولانا عبدالمومن لاہوری' مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (المتوفی ۱۰۶۸ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت کے مخلصین میں بعض وہ بھی تھے جو بظاہر اہل سپاہ لیکن بباطن اصحاب خانقاہ تھے اور

درویش صفت باش وکلاہ تتری دار

کے مصداق صحیح...... جیسے خواجہ محمد اشرف کابلی' مولانا حاجی خرکتی' مولانا عبدالغفور سمرقندی' حافظ محمود گجراتی' سلیم خاں لشکری۔ مکتوبات شریفہ کے مطالعہ سے ان حضرات کے بھی کمال ذوق وشوق کا حال معلوم ہوتا ہے۔ بعض تجار بھی حضرت سے مستفیض ہوئے اور اور وہ آیۃ ''رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ''[۱۳] کے آئینہ دار تھے...... یہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ان چند خلفاء کا اجمالی تذکرہ ہے جن کے ناموں سے اہل سیر واقف ہیں۔ ان کے علاوہ بھی خدا معلوم کس قدر خلفاء ہوں گے جن کے حالات تو کیا اسماء بھی معلوم نہیں' جس مجسمہ روحانیت و پیکر ہدایت اور ''رگ فاروقیت'' رکھنے والے بزرگ نے ہندوستان' افغانستان' بلخ و بخارا غرضیکہ عالم اسلامی کے بلا مبالغہ لاکھوں نفوس کو اپنی بے پناہ جدوجہد سے کلمہ حق اور ذکر خدا کا سبق پڑھایا تھا اس کے خلفاء کی فہرست اتنی مختصر نہیں ہوسکتی کہ ان کے اسماء و حالات چند اوراق میں سما سکیں۔ لامحالہ ان مذکورہ حضرات کے علاوہ دیگر ارباب جذب وکیف بھی خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے ہوں گے۔ میرے اس قول کی تائید ''زبدۃ القامات'' کے اس جملہ سے بھی ہوتی ہے۔

''وجمعے دیگر از اصحاب مقبل صاحبدل آنحضرت بفقر وانزوا وخمولی چناں بودہ اند کہ اکثر خادمان آستان ہم از کار وبار ایشاں آگاہ نیند۔''

(ان خلفاء کے علاوہ بھی حضرت کے بہت سے صاحب دل خلفاء ایسے ہیں جو زاویہ فقر اور گوشہ گمنامی میں بسر کرتے ہیں اور ان سے اکثر خادمان آستان عالی بھی واقف وآگاہ نہیں ہیں۔)

Marfat.com

میں نے سعادت اندوزی کا شرف حاصل کرنے کے لئے بزرگان دین کی اس محبت کے ساتھ جو بحمد اللہ میرے دل میں موجزن ہے، اس مختصر (لیکن ایک حد تک کافی) تذکرہ کو مرتب کیا ہے۔ مجھ سے اس میں بہت سی علمی و تحقیقی فروگذاشتیں ہوئی ہوں گی مگر ان سب کو ناظرین کے دامن عفو کے حوالے کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان بزرگوں نیز دیگر سلاسل کے اکابر کی محبت و متابعت نصیب کرے اور انہیں کے زمرے میں محشور فرمائے (آمین)

احب الصلحین ولست منہم   لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم۔

حواشی

۱۔ ان تین صاحبزادوں کے علاوہ حضرت کے چار صاحبزادے شیخ محمد فرخ، شیخ محمد عیسیٰ، شیخ محمد اشرف اور شاہ محمد یحییٰ اور تھے جن میں اول الذکر دو بچپن میں اور محمد اشرف حالت شیر خوارگی میں فوت ہو گئے اور آخر الذکر (شاہ محمد یحییٰ) حضرت کی وفات کے وقت کم سن تھے اس لیے خلفاء کے تذکرہ میں تین ہی صاحبزادوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ صاحبزادوں کے علاوہ حضرت کی تین صاحبزادیاں تھیں۔

۲۔ تذکرۃ العابدین ص ۱۲۳ مؤلفہ حاجی محمد نذیر احمد دیوبندی

۳۔ ان کا تذکرہ ''تذکرۃ العابدین'' ص ۱۲۴ سے ماخوذ ہے۔

۴۔ آپ کے خلیفہ اعظم حافظ سید عبداللہ اکبرآبادی تھے جن کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم فاروقی اور ان کے بعد ان کے خلیفہ ان کے صاحبزادے مجدد وقت حضرت شاہ ولی اللہ فاروقی محدث دہلوی ہوئے جن کے ظاہری و باطنی فیوض نہ صرف ہندوستان میں بلکہ عالم اسلامی پر محیط ہیں اور اس واسطے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے جو فیوض آج عالم میں نظر آ رہے ہیں وہ بالواسطہ حضرت مجددؒ ہی کے ہیں۔

یک چراغیست دریں بزم کہ از پر توآں   ہر کجا بے نگری انجمنے ساختہ اند

۵۔ تذکرۃ العابدین۔ ص ۳۳

۶۔ ایضاً ص ۱۲۳

۷۔ آپ کے بعد آپ کے ایک اور ہم نام (یار محمد) جامع مکاتیب دفتر اول حضرتؒ کی خدمت میں آئے اس لیے ثانی الذکر کو جدید اور آپ کو قدیم کہتے ہیں۔

۸۔ بدایوں کے شیوخ فاروقی دو فرقوں میں منقسم تھے۔ ایک منکن کے نام سے اور دوسرا برپتی کے نام سے موسوم تھا۔ شیخ عبدالہادیؒ فرقہ اول سے تعلق رکھتے تھے۔ تذکرۃ الواصلین ص ۱۷۸ مولفہ مولوی شیخ رضی الدین صاحب بسمل صدیقی فرشوری بدایونی۔

۹۔ آثار اولیائے شہر بدایوں۔ ص ۴۶، مولفہ سید منظور علی منظور بدایونی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ تاریخ وصال ۹ شعبان المعظم ۱۰۴۱ھ ہے اور مزار مبارک خرم شاہ کے تکیہ میں ہے۔

۱۰۔ ''زبدۃ المقامات'' میں آپ کے تذکرہ کا عنوان ''شیخ احمد دیبنی'' ہے۔ اس کے بعد یہ عبارت ہے۔ ''دبین موضع است

از مضافات سہار نپور میان دو آب'' الخ۔ ''زبدۃ المقامات'' کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مجددی نقشبندی دیوبند کے زیر مطالعہ رہ چکا ہے اس میں منجملہ دیگر مفید حواشی کے لفظ ''دیبن پر یہ حاشیہ بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے قلم سے تحریر ہے۔ ''اکنون نام آں قصبہ دیوبند مشہور است کہ بہ برکات و توجہات حضرت ایشاں دار العلم گشتہ واست و فخر ہندوستان دریں صدی سیزدہم و چہاردہم مثل آن دار العلمے سموع و مشہور نگشت واللہ تعالیٰ اعلم۔''

۱۱۔ آپ کے سن وفات اور مزید حالات نہ معلوم ہو سکے۔ میں نے اپنے محترم جناب مولوی سید محبوب الحسن صاحب رضوی دیوبندی کو اس طرف توجہ دلائی ہے وہ ''مشاہیر دیوبند'' کے سلسلہ میں جو تحقیق فرما رہے ہیں ان کے تذکرے بھی شاید مفصل لکھیں۔

۱۲۔ آپ نے بھی اپنے پیر و مرشد کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''حضرات القدس'' ہے۔

۱۳۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارۃ اور خرید و فروخت ذکر الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔

☆......☆......☆

Marfat.com

مطالعاتِ عمومی

سید مناظر احسن گیلانی

ہزارۂ دوم یا الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ

[ناظرین کو اس مقالہ کے مطالعہ کے وقت یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ ۱۹۳۸ء میں اس وقت لکھا گیا تھا جب ہندوستان میں انگریزی اقتدار اپنے آخری دور میں تھا اور انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت جنرل الیکشن ہونے کے بعد تمام صوبوں میں نیم آزاد حکومتیں قائم ہو چکی تھیں جن میں سے سات صوبوں میں کانگریس کی حکومت تھی جن کے طرزِ عمل سے پہلی دفعہ یہ بات کھل کر سامنے آئی تھی کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو کن مسائل کا سامنا ہوگا۔ مرتب رسالہ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ و کفیٰ والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

وحدتِ وجود اور وحدت شہود کی فنی نکتہ نوازیوں، یا شریعت و طریقت کی ملایانہ و صوفیانہ معرکہ آرائیوں کے ہنگاموں میں حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ کے واقعی اور حقیقی تجدیدی کارنامے کچھ اس طرح رل مل گئے کہ آج حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کو مجدد الف ثانی کہنا بجز ایک روایتی خوش اعتقادی کے بظاہر اور کسی امر مہم پر مبنی نہیں معلوم ہوتا۔ مشہور کر دیا گیا ہے کہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے حضرت کو اس خطاب سے کسی خاص وقت میں مخاطب کیا تھا اور اسی خاص خطاب نے رفتہ رفتہ عام لقب کی صورت اختیار کر لی لیکن کیا حضرت کا مجدد الف ثانی ہونا محض ملا عبدالحکیم کے ایک خاص خطاب و تلقیب ہی کا نتیجہ ہے اور ملا صاحب نے بھی آپ کو اس خطاب سے محض اس لئے مخاطب کیا تھا کہ گزشتہ بالا دو مسئلوں کے متعلق آپ نے ایسی تعبیریں پیش کیں جو قرآن و سنت سے زیادہ قریب تھیں۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ ان مسائل میں حضرت مجدد صاحب نے کسی خاص تعبیر کو نہیں پیش فرمایا ہے اور نہ اس سے انکار ہے کہ ان مسائل کے متعلق بعض جاہلانہ غلط فہمیاں جن کے عوام شکار ہو گئے تھے، ان سے نجات نہیں ہوئی اور ان اصلاحی کوششوں

Marfat.com

سے جن کا تعلق علمی و عملی دونوں شعبوں سے ہے' صرف ہندوستان ہی کے مسلمان متاثر نہیں ہوئے بلکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ مختلف اسباب و ذرائع ایسے مہیا ہوئے کہ ان کا اثر قریب قریب تمام اسلامی ممالک پر پڑا جس کا سب سے کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ سلسلہ مجددیہ کی ایک بڑی شاخ خالدیہ سلسلہ کے نام سے عراق و شام عرب خصوصاً ترکی ممالک میں بہت زیادہ مقبول ہوئی اور ہے۔ نیز آپ کے ''مکاتیب طیبہ'' خود براہ راست ان ممالک میں بکثرت پڑھے گئے اور پڑھے جاتے ہیں' جہاں کے باشندے فارسی زبان سمجھتے ہیں اور جو اس زبان سے ناواقف ہیں ان تک آپ کے مکتوبات عربی اور اردو زبانوں میں پہنچائے گئے۔ غالباً روس کے رہنے والے ملا مراد جو مہاجر ہو کر بالآخر مکہ معظمہ میں رہ پڑے تھے' انہوں نے مکاتیب کا ترجمہ عربی میں کیا اور مصری ٹائپ میں چھپ کر سارے عربی ممالک میں پھیل گیا۔ یہ خداداد بات تھی کہ اس کے بعد حدیث و تفسیر میں جتنی اچھی کتابیں لکھی گئیں ان میں ایسی معتدبہ کتابیں مل سکتی ہیں جن میں ''مکتوبات'' کے مضامین نقل کئے گئے ہیں۔ خصوصاً عصر جدید کی مشہور تفسیر ''روح المعانی'' جو سلطان عبدالحمید خاں مرحوم خلیفہ ترکی کے عہد میں لکھی گئی' اس میں علامہ شہاب محمود آلوسیؒ نے گویا اس کا التزام کر رکھا ہے کہ جہاں بھی ذکر کا موقع میسر آئے وہاں قال المجدد الفاروقیؒ کے نام سے وہ آپ کے خاص خاص نظریات اور جدید تعبیرات کو پیش کرتے ہیں اور بڑے افتخار و ناز سے پیش کرتے ہیں اہم مسائل کے تصفیہ میں سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

بلاشبہ یہ بڑے امتیازات ہیں جو کم از کم ایک ہندوستانی عالم و صوفی کے لئے سرمایہ ناز بن سکتے ہیں لیکن کیا آپ کی ''مجددیت'' صرف ان ہی چند باتوں تک محدود ہے؟ شاید غور نہیں کیا گیا' خصوصا ہمارے علماء اور صوفیا نے حضرت مجدد صاحبؒ کو جب دیکھنا چاہا تو اس ماحول سے جدا کر کے دیکھا جس میں آپ کا وجود مسعود قدرت کی جانب سے سرزمین ہند کو عطا کیا گیا تھا۔ کچھ سنی سنائی باتیں' افواہی قصے بھی مشہور چلے آتے ہیں کہ جہانگیر بادشاہ نے اس جرم میں کہ آپ نے اس کے آگے سجدہ تعظیمی سے انکار کیا تھا' کچھ دن کے لئے قید و زنداں کی سزا دی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اس زمانہ کی حکومت سے آپ کے تعلق کا اظہار اسی واقعہ سے کیا جاتا ہے اور اسی پر ختم کر دیا جاتا ہے گویا حضرت مجدد صاحبؒ کا حکومت سے تعلق اس سے زیادہ کچھ اور نہ تھا۔ یاللعجب! احسان فراموشی ہوگی' اگر میں اس کا اظہار نہ کروں کہ سب سے پہلے اس مسئلہ کی طرف جس کا میں آج ذکر کرنا چاہتا ہوں' نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی مدظلہ العالی سابق صدر الصدور ممالک محروسہ آصفیہ نے توجہ دلائی تھی۔ آپ نے اپنی ایک تقریر میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ کیا وجہ تھی کہ مغل حکومت کے تخت پر چار بادشاہ مسلسل ایسے بیٹھے کہ ان میں دو پچھلوں کو دو پہلوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نواب علامہ کا اشارہ اس طرف تھا کہ شاہجہاں اور عالمگیر ان دو پچھلوں کو جہانگیر اور اکبر سے مقابلہ کر کے دیکھئے۔ دونوں میں کوئی مناسبت ہے؟ ابھی اس سے بحث نہیں کہ ان چاروں میں کون سے دو آسمان تھے اور کون زمین۔ لیکن نسبت دونوں طبقوں میں یقیناً وہی تھی جو آسمان و زمین میں ہو سکتی ہے۔ آخر بجائے گندم کے ''گندم'' سے ''جو'' کی روئیدگی کس طرح ہوگئی۔ وہی دریا جو شاہنشاہی قوتوں کے ساتھ ایک سمت بہہ رہا تھا' یکایک پلٹ کر اس کا بہاؤ بالکل مخالف رخ کی طرف کن اسباب کے تحت ہوگیا۔

نواب علامہ کا یہ سوال جو فلسفہ تاریخ سے تعلق رکھتا ہے' یقیناً ایک عجیب سوال تھا اور میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ سب سے پہلے اس اہم سوال کے جواب کا علم مجھے آپ ہی کی زبان مبارک سے ہوا اور دراصل میں اسی مجمل

Marfat.com

جواب کی آج کچھ تفصیل اس حد تک کرنا چاہتا ہوں جس حد تک کسی مجلاتی مقالہ میں گنجائش ہوسکتی ہے۔

بہرحال کمپنی بہادر کے عہد میں غالباً سب سے پہلے ہندوستان کی تاریخ فارسی زبان میں جو مرتب ہوئی وہ بہار جو بنگال کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا اجارائی محروسہ ہے' اسی بہار کے ایک طباطبائی سید صاحب کے قلم سے یہ فقرہ ان کی کتاب ''سیر المتاخرین'' میں درج ہوا:

''مذہب الٰہی کہ آسائش غیر متناہی خلق درآں بود تا عہد جہانگیر رواج داشت باز از عہد شاہجہاں تعصب شروع شدہ در عہد عالمگیر شدت پذیرفت۔'' (سیر المتاخرین۔ص ۱۴۴ ج ۱)

(مذہب الٰہی جس میں خلق اللہ کے بیشمار فائدے تھے۔ جہانگیر کے زمانہ تک اس کا چرچا اور رواج رہا۔ پھر شاہجہاں کے زمانہ سے تعصب شروع ہوا اور عالمگیر کے عہد میں تو اس نے شدت اختیار کرلی۔)

پھر اس متن کی شرح نوازیوں و حاشیہ آرائیوں کے سلسلہ میں جو بلند و بالا عمارتیں تیار ہوئیں' ان کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ شاہجہاں تو کم لیکن ''شدت پذیرفت'' کے ساتھ جو بیچارا متہم کیا گیا آج اسی مشاغبہ (پروپیگنڈا) کا نتیجہ ہے کہ عالمگیر اور مذہبی تعصب تقریباً دو مترادف الفاظ بن گئے ہیں۔ مشکل ہی سے اب کوئی تعصب کے لفظ کا تخیل اس طرح کرسکتا ہے کہ بے ساختہ اس کے ساتھ عالمگیر کی صورت بھی دماغ میں نہ کھنچ جائے۔ یہ سب کچھ کیا گیا اور اس اجمال کی تفصیل میں معلومات کے دریا بہا دیئے گئے۔ مجلدات شائع کئے گئے اور کئے جارہے ہیں لیکن عجیب بات ہے۔ بایں ہمہ ذوق بسط و تفصیل دعویٰ کے دو پہلوؤں سے ایسی لاپرواہی برتی گئی کہ آج جب ''ہسٹری کے شگوفوں'' میں رگ گل پر بھی نشتر زنی سے نہیں چوکا جاتا۔ یہ دونوں پہلو غنچہ دہن بستہ کی شکل میں چھوٹ گئے۔ یا قصداً چھوڑ دیئے گئے۔ تاریخی حوادث و واقعات کی توجیہ و تعلیل کے سلسلہ میں اگرچہ واقعہ تو وہی ہے جو مرحوم واقعہ نویس نے۔

توحید کا مسئلہ ہے اصلی باقی ہیں شگوفے ہسٹری کے

کے ذریعے ظاہر کیا ہے لیکن آج جب چیونٹی کی آنکھوں کے پردے گنے جاتے ہیں اور مکڑی کے جال کے تانوں کی بھی رپورٹ مرتب کی جاتی ہے' سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ایک ہی دعویٰ کے ایک پہلو کو تو اتنا روشن کیا جاتا ہے اور اس زور سے اس کا نرسنگھا پھونکا جاتا ہے کہ آنکھیں چیخ اٹھتی ہیں اور کان انگلیوں کے لئے بے تاب ہوجاتے ہیں لیکن اسی دعویٰ کے دوسرے اجزاء کو اتنی کسمپرسی میں ڈال دیا جاتا ہے کہ گویا علم و تحقیق کے وہ سزاوار ہی نہ تھے۔

میری مراد یہ ہے کہ ''سیر المتاخرین'' کے مذکورہ بالا بیان کا یہ جز کہ مذہبی تعصب نے عالمگیر کے عہد میں انتہائی شدت کی صورت اختیار کرلی تھی' آج تحقیق و تنقیح' تعلیل و توجیہ کا کیوں تختہ مشق بنا ہوا ہے لیکن ہمیشہ اس دعویٰ کے حسب ذیل اجزاء

(۱) اکبر نے ''الٰہی مذہب'' قائم کیا تھا۔

(۲) اس مذہب کی وجہ سے ''خلق درآسائش بود۔''

(۳) لیکن شاہجہاں سے رخ بدل گیا۔ یعنی مذہبی تعصب شروع ہوا۔

کیا یہ تینوں جز بھی قابل بحث نہ تھے۔ پوری تفصیل کے ساتھ بتانا چاہیے تھا کہ ''الٰہی مذہب'' کی حقیقت کیا تھی؟ ''خلق'' جو آسائش میں تھی تاریخی حیثیت سے اس کی تحقیق کرنی چاہیے کہ اس خلق کے تحت میں کون کون سی جماعتیں داخل تھیں؟ ان کی آسائش کی نوعیت کیا تھی اور آخر میں سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاہجہاں کے عہد سے اس میں کیوں تبدیلی ہوئی اور کن موثرات کے زیراثر عالمگیر تک پہنچ کر اس نے ''شدت'' کی شکل اختیار کی؟ میری غرض یہ نہیں ہے کہ مؤرخین نے بالکلیہ ان اجزاء سے بحث نہیں کی ہے بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان میں بعض جز تو ایسے ہی ہیں مثلاً آخری سوال اس کو تو آج تک کسی کتاب میں اٹھانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اسی طرح ''خلق در آسائش بود'' کو بھی ہمیشہ مجمل ہی رکھا گیا۔ کسی نے نہیں بتایا کہ اس سے مراد خدا کی کونسی مخلوق ہے۔ البتہ ''الٰہی مذہب'' کا تھوڑا بہت ذکر ان کتابوں میں ضرور کیا جاتا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ جس رنگ میں کیا جاتا ہے اس سے بجائے ''علم'' کے شاید جہالت ہی میں زیادہ اضافہ ہوسکتا ہے۔ آخر دین اکبری کے متعلق جو کچھ مشہور کیا گیا ہے اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ ایک ''صلح کل'' مسلک تھا۔ اس میں تمام ادیان و مذاہب کو ایک نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کسی مذہب والے کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں دی جاتی تھی لیکن کیا یہی واقعہ ہے؟ جب واقعہ کا ذکر کیا جائے گا اس وقت معلوم ہوگا کہ واقعہ کیا تھا؟ اور اس کو کس رنگ میں پیش کیا گیا۔ اس سے انشاء اللہ ''الف ثانی'' کے کلمہ کی حقیقت بھی معلوم ہوگی کہ اس کا تعلق دراصل کس واقعہ سے ہے۔

عجیب بات ہے کہ آج بھی ہندوستان میں پھر ایک ''مذہب'' پیش کیا جارہا ہے۔ اکبر کے زمانہ میں چونکہ ''الٰہ'' کے وجود کا انکار نہیں کیا گیا اس لئے اس کا نام ''الٰہی مذہب'' تھا۔ اس زمانہ میں ''الٰہ'' کی جگہ قوم نے لی ہے۔ اس لئے اس کا نام بھی ''قومی مذہب'' رکھا گیا ہے۔ آسمان گھومتا رہتا ہے۔ تاریخ دہراتی رہتی ہے۔ اس مثل سائر کی تصدیق ہوتی ہے جب اس وقت بھی جو کچھ سنایا جارہا ہے اس کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو دکھایا جارہا ہے یا جس کے دکھانے کا منصوبہ پکایا جارہا ہے اور زیادہ تر اس موضوع پر قلم اٹھانے کی وقتی وجہ شاید یہی تماشا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جو چونکنا چاہتے ہوں ان کو اپنے چونک میں اس سے کچھ مدد ملے۔

''الٰہی مذہب''

یا

ہندوستان کا فتنہ کبریٰ

یہ مت' کہو یا مذہب۔ کیوں پیدا ہوا؟ اور کن مؤثرات کے تحت پیدا ہوا' میرے سامنے سردست یہ سوالات نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ آخر میں کچھ اس کی طرف بھی اشارہ کردیا جائے لیکن اس وقت جو کچھ بھی پیش نظر ہے وہ صرف سادہ لفظوں میں معتبر تاریخی وثائق کی روشنی میں صرف یہ دکھانا ہے کہ یہ مذہب تھا کیا؟ عہد کمپنی سے پیشتر کی کتابوں

Marfat.com

میں بھی اگر ڈھونڈا جائے تو اس مسلک کے مختلف عناصر اور اجزاء کا سراغ مل سکتا ہے لیکن بنظر احتیاط میں نے صرف یہ ارادہ کیا ہے کہ اکبری دربار کے سب سے زیادہ ثقہ راوی ملا عبدالقادر بدایونی کی مشہور کتاب ''منتخب التواریخ'' پر ہی کفایت کروں۔ کیونکہ یہی ایک ایسا بیان ہمارے سامنے ہے جو حلفی شہادت کے بعد ادا کیا گیا ہے۔ دوسروں کو اس پر اعتبار ہو یا نہ ہو لیکن ملا صاحب جیسے راست باز بزرگ کے حلف کے بعد ہمارے لئے عدم اعتماد کی پھر مشکل ہی سے گنجائش پیدا ہوسکتی ہے بلکہ کلی طور پر ان کے جزئی بیانات کی تصدیق میں خود حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہادت بھی انشاء اللہ تعالیٰ پیش کی جائے گی۔ کیا اس کے بعد بھی شک کے لئے کوئی راہ پیدا ہوسکتی ہے؟

بہرحال ملا صاحب نے اپنی تاریخ میں واقعات کو منتشر صورت میں پیش کرنے کے بعد ایک موقع پر یہ لکھا ہے۔

> ''دلیری برنوشتن آں قصایا کہ از وادی حرم و احتیاط بغایت دور بود کردم و خدائے عزوجل گواہ است و کفیٰ باللہ شہیدا کہ مقصود ازیں نوشتن غیر از درد دیں و دل سوزی بر ملت مرحومہ اسلام کہ عنقاء دار روے غربت کشیدہ وسایہ بالی ہما خود از خاک نشینان حضیض گیتی باز گرفتہ چیزے دیگر نہ بوذ و از تعنت و حقد و حسد و تعصب بخدا پناہ می جوئم۔'' (ص ۲۶۴)

اور اسی کو میں ان کا حلف نامہ قرار دیتا ہوں۔ بہرحال اب واقعات کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔

اجتہاد کا دعویٰ

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں جو چیز شروع شروع میں ہمارے سامنے آتی ہے' وہ عہد اکبری کا مشہور محضر نامہ ہے جسے بجنسہٖ ملا صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کردیا ہے۔ یہ وہی محضر نامہ ہے جسے ملا مبارک ناگوری پدر ابو الفضل و فیضی نے مرتب کیا اور بعضوں سے طوعاً بعضوں سے کرہاً علمائے وقت کے اس پر دستخط کرائے گئے۔

اصل محضر نامہ

> ''مقصود از تشئید ایں مبانی و تمہید این معانی آں کہ چون ہندوستان صینت عن الحدثان بہ میامن معدلت سلطانی و تربیت جہاں بانی مرکز امن و امان و دائرہ عدل و احسان شدہ و طوائف انام از خواص و عوام خصوصاً علمائے عرفاں شعار و فضلائے دقائق آثار کہ ہادیان بادیہ نجات و سالکان مسالک اوتوا العلم درجات' انداز عرب و عجم رو بدیں دیار نہادہ توطن اختیار نمودہ اند جمہور علمائے فحول کہ جامع فروع و اصول و حاوی معقول و منقول اند بدین و دیانت و صیانت اتصاف دارند بعد از تدبر وافی و تامل کافی در غواض معانی اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم و احادیث صحیح ان احب الناس الی اللہ یوم القیمتہ۔ امام عادل من یطع الامیر فقد اطاعنی و من یعص الامیر فقد عصانی و غیر ذالک من الشواھد العقلیہ و الد

Marfat.com

لائل النقلیہ قرار دادہ حکم نمودند کہ مرتبہ سلطان عادل عنداللہ زیادہ از مرتبہ مجتہد است و حضرت...... جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی...... عدل و اعقل و اعلم باللہ اند بنا بریں۔

اگر در مسائل دین کہ بین المجتہدین مختلف فیہا است۔ بذہن ثاقب و فکر صائب خود یک جانب را۔ از اختلاف بہ جہت تسہیل معیشت بنی آدم و مصلحت انتظام عالم اختیار نمودہ باں جانب حکم فرمایند متفق علیہ شود و اتباع آں بر عموم برایا لازم و متحتم است اگر بموجب رائے صواب نمائے خود حکمے را از احکام قرار دہند کہ مخالف نصے نہ باشد و سبب ترفیہ عالمیاں بودہ باشد عمل براں نمودن بر ہمہ کس لازم و متحتم است و مخالفت آں موجب سخط اخروی و خسران دینی و دنیوی است۔"
(انتہی بلفظہ ص ۲۷۲ ج ۲ مطبوعہ کلکتہ۔)

ترجمہ (بطور حاصل)

(مطلب ان امور کے درج کرنے سے یہ ہے کہ بادشاہی عدل و انصاف اور سرپرستی کے بدولت ہندوستان آج کل امن و امان کا مرکز بنا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے عوام و خواص خصوصاً ان صاحب علم و فضل علماء کا یہاں ان دنوں اجتماع ہوگیا ہے جو نجات کی راہوں کے رہنما ہیں اور "اوتوا العلم درجات" قرآنی آیت کے مصداق یہ لوگ عرب و عجم سے اس ملک میں تشریف لائے اور اسی کو اپنا وطن بنالیا ہے۔ اب جمہور علماء جو ہر قسم کے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور عقلی و نقلی فنون کے ماہر ہیں اور ایمانداری اور انتہائی دیانت و راستبازی کے ساتھ موصوف ہیں قرآن کی آیت اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (یعنی اطاعت کرو اللہ کی۔ اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحبان امر ہیں) اور صحیح حدیثیں مثلاً یہ کہ خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے زیادہ محبوب وہ امیر ہوگا جو عادل ہے۔ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ ان کے سوا اور دوسرے دلائل عقلی و نقلی کی بنیاد یہ قرار دیتے ہیں اور فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ "خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے۔)

اور بادشاہ جلال الدین محمد اکبر غازی چونکہ سب سے زیادہ عدل والے عقل والے اور علم والے ہیں اس بنیاد پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ (یعنی اکبر بادشاہ) اپنے ذہن ثاقب اور صائب رائے کی روشنی میں بنی آدم کی معاشی سہولتوں اور دنیاوی انتظام کی آسانیوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو مسلک قرار دیں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ "فیصلہ" اتفاقی سمجھا جائے گا اور عام مخلوق رعایا و برایا کے لئے اس کی پابندی لازمی و لابدی ہوگی۔ (اسی طرح) اگر کوئی ایسی بات جو قطعی النصوص کے مخالف نہ ہو اور دنیا

والوں کو اس سے مدد ملتی ہو۔ بادشاہ اگر اس کے متعلق کوئی حکم صادر فرمائیں تو اس کا ماننا اور اس پر بھی عمل کرنا ہر شخص کے لئے ضروری اور لازم ہوگا اور اس کی مخالفت دینی اور دنیوی بربادی اور اخروی مواخذہ کی مستوجب ہوگی۔)

غالباً اسی کے بعد وہ لطیفہ پیش آیا کہ بحیثیت مجتہد و امام عادل ہونے کے جمعہ میں خطبہ پڑھنے کا اکبر کو خیال آیا۔ فیضی نے فارسی اشعار میں خطبہ تیار کیا لیکن میدان جنگ میں جس کی تلوار سروں کو اڑاتی تھی، وہ تھرانے لگا اور صرف دو شعر پڑھ کر ممبر سے اتر گیا۔

یہ تھی وہ پہلی منزل جہاں تقلید سے کنارہ کش ہو کر اکبر کو اجتہاد کے درجہ پر پہنچایا گیا لیکن اس کے بعد پھر کیا ہوا۔ وہی جو ہمیشہ اس کے بعد ہوا ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد علانیہ ائمہ و مجتہدین کی توہین و تحقیر ہونے لگی۔ دین کا بھرم اٹھ گیا۔ ملا صاحب اپنے کانوں سنی بیان فرماتے ہیں کہ ابوالفضل کی جرأت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ

''اگر در حین بحث سخن مجتہدین رامی آوردندمی گفت فلاں حلوائی و فلاں کفش دوز، و فلاں چرم گر بر ما حجت می آرید و نفی ہمہ علماء بدو ساز دار آمد۔'' (ص ۲۰۰)

(اگر کسی بحث و مباحثہ کے درمیان ائمہ مجتہدین کی بات پیش کی جاتی تو ابوالفضل اس کے جواب میں کہتا۔ فلاں حلوائی اور فلاں کفش دوز اور فلاں چمڑے والے کے قول سے تم مجھ پر حجت قائم کرتے ہو۔ ابوالفضل کو تمام علماء کا یہ انکار بہت موافق ثابت ہوا۔)

لیکن معاملہ ابھی صرف ائمہ و مجتہدین تک پہنچا تھا۔ بدقسمتی سے ہمایوں کو چونکہ ایرانیوں کی امداد سے دوبارہ تخت و تاج میسر آیا تھا۔ اس لئے بتقاضائے منت شناسی عراق عجم اور ایران کے علماء و شعراء کو خود اس نے اپنے عہد میں اعزاز و اکرام سے سرفراز کیا اور یہ دستور اکبر کے دربار میں بھی جاری رہا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہمایوں کے بعد ہندوستان کی طرف ایک سیلاب تھا جو مسلسل انقراض دولت مغلیہ تک ان ممالک سے ہندوستان میں آتا رہا۔ یہ سیلاب کس قسم کا تھا۔ اس زمانے کے کسی شاعر نے اس کو خوب ادا کیا ہے۔

نفاق آمدہ در ہند از بلاد عراق — عراق قافیہ میدان برگزار نفاق

یہ ٹڈیوں کا بھوکا دل تھا جو ہندوستان کی کشت زاروں کی طرف بے تحاشا اڑا چلا آ رہا تھا اور ہر ادنیٰ ہندوستان پہنچ کر اس درجہ عالی ہو جاتا تھا کہ بالآخر لوگوں کو کہنا پڑا

پار بودم قطبک و امسال قطب الدین شدم — گر بیابم سال دیگر قطب دیں "حیدر شوم

بہرحال یہ وہ گروہ تھا جو ائمہ و مجتہدین سے آگے بڑھ کر بے محابا شرف صحبت کے سعادت یافتوں پر بھی حملہ کرنے میں قطعاً بے باک تھا۔ اکبر کو تاریخی واقعات کے سننے کا بے حد شوق تھا۔ حریفوں نے خصوصیت کے ساتھ اس کے سامنے ان ہی کتابوں کو اور کتابوں کے بھی خاص ان حصوں کو پیش کرنا شروع کیا جن کا تعلق مشاجرات صحابہ سے تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں:

Marfat.com

''وانچہ درحق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم دروقت خواندن کتب سیر مذکوری ساختند خصوصاً در خلافت خلفائے ثلثہ وقضیہ فدک و جنگ صفین وغیرآں کہ گوش از استماع آں کہ باوخود بزباں نتواں آورد'' (ص ۳۰۸)

(صحابہؓ کی شان میں سیر کی کتابوں کے پڑھنے میں جو الفاظ بادشاہ کی زبان سے نکلتے تھے خصوصاً خلفائے ثلثہ فدک جنگ صفین وغیرہ کے ذکر کے وقت جو کچھ کہا جاتا تھا' کان اگر ان کے سننے سے بہرے ہوتے تو بہتر تھا۔ میں اپنی زبان سے ان کو ادا بھی نہیں کرسکتا۔)

مجتہدین اور ائمہ پہلے وار میں ختم ہوئے اور اس دوسری ضرب نے تو اسلام کی رہی سہی ساکھ بھی ختم کردی جیسا کہ اس کے بعد ہونا چاہیے اور یہ ہوا کہ اکبری دربار میں:

''ملت اسلام ہمہ نامعقول وحادث واضع آن فقراء عرباں بودند کہ جملہ مفسدان وقطاع الطریق اوزماں دوبیت شاہنامہ کہ فردوسی طوسی بہ طریق نقل آوردہ متمسک می ساختند

زشیر شتر خوردن و سوسمار
عرب راجای رسیدست کار
کہ ملک عجم راکند آرزو
بہ تفو با و برچرخ گرداں تفو (ص ۳۰۷)

(ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث و بدعقلی کا مجموعہ ٹھہرایا گیا اور اس کے بنانے والے (العیاذ باللہ) عرب کے وہ چند مفلس بدو قرار پائے جن میں سب کے سب مفسد اور بٹ مار اور راہزن تھے۔ اور شاہنامہ فردوسی کے دو مشہور شعروں سے سند پکڑی گئی۔)

''شجرہ طیبہ نبوت'' علی صاحبہا الف سلام وتحیہ کے ان ثمرہائے رسیدہ تک جس کی زبان پہنچ چکی تھی' وہ آخر کب تک پھلوں سے خود درخت تک نہ پہنچتا۔ العیاذ باللہ۔ آخر وہ منحوس دن بھی سامنے آہی گیا کہ

''در ہر رکنے از ارکان دین و ہر عقیدہ از عقیدہ اسلامیہ چہ در اصول وچہ در فروع مثل نبوت وکلام ورؤیت وتکلیف وتکوین' وحشر ونشر شبہات گوناگوں بہ تمسخر واستہزاء آوردہ'' (ص ۳۰۷)

(ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت' مسئلہ کلام' دیدار الٰہی' انسان کا مکلف ہونا' عالم کی تکوین' حشر ونشر وغیرہ کے متعلق تمسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کئے جانے لگے۔)

یہی نہیں کہ بادشاہ ہی صرف شک میں مبتلا ہوگیا تھا بلکہ اہل دربار سے بھی ان مسائل کے متعلق بحث کرتا اور سب کو اپنی ذہنی کیفیت کے قریب لانے کی کوشش کرتا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ بادشاہ

Marfat.com

''خلق را بخلق قرآن وتوغل در استحالہ وحی تشکیک در نبوت و امامت امتحان کردند وبود جن وملک وسائر مغیبات ومعجزات وکرامات راانکارصریح آوردندوتواتر قرآن وثبوت کلامیت آن وبقائے روح بعدازاضمحلال بدن وثواب وعقاب را(غیراز تناسخ) محال می شمردند۔'' (ص ۳۷۲)

(عام مخلوق کوخلق قرآن کے مسئلہ کی تبلیغ کرتا اور روحی کے محال ہونے پر اصرار وغلو سے کام لیتا اور نبوت و امامت کے مسئلوں میں لوگوں کا امتحان لیتا اور جن فرشتے اسی طرح ساری غیبی ہستیوں نیز معجزات اور کرامتوں کا کھلے لفظوں میں انکار کرتا۔ قرآن کے تواتر اور اس کے کلام خدا ہونے اور بدن کے فنا ہونے کے بعد ثواب وعذاب کے لئے روح کے باقی رہنے کو محال سمجھتا تھا۔ البتہ تناسخ کے طور پر ثواب وعذاب کا قائل تھا۔)

اپنی اس تبلیغ میں غلو کی آخری حد یہ تھی کہ کبھی کبھی بھرے دربار میں اکبر سے خلاف وقار شاہی بعض مذبوحی حرکتیں بھی سرزد ہو جاتی تھیں۔ مثلاً بیٹھے بیٹھے یکا یک ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جاتا اور اس کے بعد حسب ذیل تقریر کرتا:

''دیں معنی راعقل چہ گونہ قبول کند کہ شخصے دریک لحظہ باگرانی جسم ازخواب بآسماں رود ونود ہزار سخن گومگوئے باخدائے تعالیٰ کند وبسترش ہنوز گرم باشد مردم بآں دعویٰ بگروند وہم چنیں شق القمر وامثال آں۔''

(آخراس بات کو عقل کس طرح مان سکتی ہے کہ ایک شخص بھاری جسم رکھنے کے باوجود یکا یک نیند سے آسمانوں پر چلا جاتا ہے اور نوے ہزار...... بات؟ خدا سے کرتا ہے لیکن اس کا بستر اس وقت تک گرم ہی رہتا ہے اور لوگ اس دعویٰ کو مان لیتے ہیں اور اسی طرح شق القمر وغیرہ جیسی باتوں کو بھی مان لیتے ہیں۔)

پھر اپنی اٹھی ہوئی ٹانگ کی طرف حاضرین کو مخاطب کر کے سوال کرتا:

''ممکن نیست کہ تاپائے دیگر برجا ماند استادہ توانیم ایں چہ حکایتہاست'' (ص ۳۱۷)

(ناممکن ہے کہ جب تک دوسرا پاؤں زمین سے نکلا نہ ہو میں کھڑا نہیں رہ سکتا۔ آخر یہ ہیں کیا قصے؟)

گویا خلاف عادت کے ناممکن ہونے کو اپنی اُٹھی ہوئی ٹانگ سے ثابت کیا جاتا تھا۔ یہی رنگ تھا جو بالآخر گہرا ہوا اور خوب گہرا ہوا تا اینکہ نوبت بایں جارسید کہ اب اس کی زبان سے (عیاذاًباللہ) یہ باتیں بھی نبوت کبریٰ کی شان میں نکلنے لگیں:

''زن قافلہ قریش در اوائل ہجرت و چہار دہ زن خواستن وتحریم شہد کردن برائے خوشنودی زنان۔'' (ص ۲۰۸)

(یعنی اوائل ہجرت میں قریش کے قافلہ کا لوٹنا' چودہ عورتوں سے نکاح کرنا اور بیویوں کی

Marfat.com

رضامندی کے لئے شہد کو حرام کرنا (ان سے نبوت پر اعتراض کرتا تھا۔)

آج یورپ کے کمان سے جن تیروں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اب برس رہے ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ آج سے تین سو برس پیشتر بھی ہو چکا تھا۔ آخری کیفیت اکبر کے نفس کی یہ ہوئی کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ملا صاحب کا بیان ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ابتداً میں بات کتنی ہوتی ہے لیکن آخر کہاں جا کر ختم ہوتی ہے:

''نام احمد و محمد و مصطفیٰ و امثال آں بہ جہت کافران بیرونی و زنان اندرونی گراں می آمد تا بمرور ایام اسامی چندرا از مقربان کہ بایں نام مسمی بودند تغیر دادہ مثلاً یار محمد محمد خاں را رحمت می خواندند و می نوشتند۔'' (ص ۲۱۵ ج ۲)

(احمد و محمد و مصطفیٰ وغیرہ نام بیرونی کافروں کے خاطر سے اور اندرونی عورتوں کی وجہ سے اس شخص پر گراں گزرنے لگے۔ آخر کچھ دن کے بعد اپنے چند خاص لوگوں کے نام اس نے بدل بھی ڈالے مثلاً یار محمد اور محمد خاں کو وہ رحمت ہی کے نام سے پکارتا بھی تھا اور لکھنے کے وقت بھی ان کو اسی نام سے موسوم کرتا ہے۔)

اور غالباً یہی وجہ ہے جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے کہ اکبری عہد کے مصنفین خطبہ کتاب میں آنحضرت ﷺ کی نعت لکھنے سے گریز کرنے لگے:

''علماء سوء در تصنیفات از خطبہ تبرامی آوردند واکتفا بہ توحید کردند والقاب پادشاہی می نوشتند ومجال نہ بود کہ نام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی رغم المکذبین بہ برند۔'' (ص ۲۶۹)

(علمائے سوء اپنی اپنی تصنیفوں میں خطبہ لکھنے سے بچنے لگے۔ صرف توحید اور بادشاہی القاب کے ذکر پر قناعت کرتے تھے۔ ان کی مجال نہ تھی کہ بے ایمان جھٹلانے والوں کے علی الرغم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک زبان وقلم پر لاتے۔)

یہاں تک کہ خود ملا صاحب کو جب مہابھارت کے ترجمہ کے شروع میں خطبہ لکھنے کی فرمائش بادشاہ نے کی تو محض اس وجہ سے انہوں نے اعتراض کیا کہ بغیر نعت کے وہ خطبہ لکھنا نہیں چاہتے تھے۔ ان ہی باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ بادشاہ تو بادشاہ ہر عامی کی جرأت بھی حد سے متجاوز ہونے لگی۔ ملا صاحب فرماتے ہیں کہ

''بدبختے چند از ہندواں و مسلماناں ہندو مزاج قدح صریح بر نبوت می کردند۔''

(چند ہندو اور چند ہندو مزاج مسلمان، یہ بدنصیب آں حضرت ﷺ کی نبوت پر صراحۃً اعتراضات کرتے تھے۔)

لیکن ان کا کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔ حد تو یہ ہوگئی کہ جب اکبر کے دربار میں عیسائی مشنری کا وفد پہنچا ہے تو ان لوگوں نے جہاں اور باتیں دربار میں کہیں تھیں، ان میں العیاذ باللہ یہ بھی تھا:

Marfat.com

''درتعریف دجال ملعون ایں ملاعین واوصاف اورادرباب حضرت خیرالنبیین صلی اللہ علیہ وسلم علی رغم الدجالین فرودآوردند۔''

(ان ملعونوں نے دجال کے صفات بیان کر کے (استغفراللہ) ان کو...... پر ڈھالتے تھے۔)

اللہ اکبر! اتنی بدبختانہ بیہودگی کو سن کر بھی اکبر کی پیشانی پر بل تو کیا پڑتا' نہایت خندہ جبینی سے ان کا استقبال کرتا ہے اور خاص اپنے شاہزادہ مراد کو حکم دیتا ہے کہ

''سبقے چند تیمناً ازاں بخواند۔''

(چند اسباق ان پادریوں سے پڑھ لو۔)

عقائد میں جس شخص کا یہ حال ہو چکا تھا اس کے اعمال کے متعلق سوال ہی فضول ہے۔ وہی نماز جس کے متعلق کبھی یہ حال تھا:

''ہر پنج وقت برائے خاطر جماعت دردرباری گفتند۔'' (ص ۳۱۵)

(پانچوں وقت (نماز تو نماز) جمعات کے لئے بھرے دربار میں فرمایا کرتے تھے۔)

اب ان ہی ملا صاحب کا بیان ہے کہ

''دردیوان خانہ ہیچکس رایارائے آں نہ داشت کہ علانیہ ادائے صلوۃ کند۔'' (ص ۳۱۵)

(دیوان خانہ میں کسی کو مجال نہ تھی کہ علانیہ نماز ادا کر سکے۔)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''نماز روزہ وحج پیش ازاں ساقط شدہ بود۔'' (ص ۲۵۱)

(نماز روزہ اور حج تو اس سے پہلے ہی ساقط ہو چکے تھے۔)

اور معاملہ صرف سقوط واسقاط تک ہی ختم نہیں ہوا تھا۔ بے دینوں نے شاہی اشارہ پا کر پھر اس کے بعد جو کچھ کیا اس کے ذکر سے بھی دل ڈرتا ہے۔ غیر اسلامی خاندان کے آدمی نے نہیں بلکہ ایک مشہور ملا کے بیٹے نے جیسا کہ بدایونی کا بیان ہے:

''پسر ملا مبارک شاگرد ابوالفضل رسائل درباب قدح وتمسخر ایں عبادات بدلائل نوشتہ ومقبول افتادہ باعث تربیت گشت۔''

(ملا مبارک کے ایک بیٹے نے جو ابوالفضل کا شاگرد تھا' اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور مسخرگی کے پیرایہ میں چند رسالے تصنیف کئے (شاہی جناب) میں اس کے ان رسالوں نے

Marfat.com

بڑی مقبولیت حاصل کی اور اس کی سرپرستی کا ذریعہ یہی رسالے بن گئے۔)

دینی شعائر کی ہجو میں اشعار بنائے گئے اور کوچہ و بازار میں وہی گائے جاتے تھے جن میں کے بعض اشعار ملا صاحب نے بھی نقل کئے ہیں' یہ دکھانے کے لئے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں ''دین کی غربت'' کا نوحہ جن دردناک پیرایوں میں کرتے ہیں' اس کے اسباب کیا تھے۔ ہم بھی چند بطور ''نقل کفر'' کے نقل کرتے ہیں۔ مثلاً غالباً یہ فیضی کی فیاضی کفر تھی۔

از حقیقت بدست کورے چند　　مصحفے ماند کہنہ گورے چند
گور باکس سخن نمی گوید　　سر قرآں کسے نمی جوید

ایک مستزاد اس پر مستزاد ہے۔

عید آمد و کارہا نکو خواہد شد　　چوں روئے عروس
ساقی مے تاب در سبو خواہد کرد　　چوں خون خروس

(العیاذ باللہ)

افشار نماز پوز بند روزہ　　یک بار دگرہا
از گردن ایں خراں فرو زاہد کرد　　افسوس افسوس

اور ان جزئیات کی کہاں تک تفصیل کیجئے۔ جب اس اصل سے وہ ٹوٹ چکا تھا تو آخر شاخوں سے کب تک لپٹا رہتا۔

لیکن اس وقت تک جو کچھ ہوا تھا اس کی حیثیت ''تخریب'' کی تھی۔ ظاہر ہے کہ ہر تخریب کے بعد تعمیر کا خیال پیدا ہونا قدرتی بات ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ جن لوگوں نے یہ سارے فتنے کھڑے کئے تھے ان کی نیت کیا تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الف ثانی کا نظریہ اور ''دین الٰہی'' کی تدوین

عجیب بات ہے کہ تاریخوں میں اس نظریہ کا ذکر کنائے اشارے میں نہیں بلکہ کھلے کھلے لفظوں میں بکثرت کیا گیا تھا لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ پچھلے مورخین نے اس کے ذکر میں تساہل سے کیوں کام لیا حالانکہ ہمارے حضرت مجددؒ کی تجدید کی جو اضافت ''الف ثانی'' یعنی ''اسلام'' کی مدت عمر کے دوسرے ہزار سال کی طرف ہے جہاں تک میرا خیال ہے اور انشاء اللہ اس کی تفصیل آئندہ آتی ہے اس کا زیادہ تر تعلق اکبر کے اسی نظریہ سے معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال میں واقعات درج کرتا ہوں۔ نتیجہ تک ہر شخص خود بآسانی پہنچ سکتا ہے۔ چونکہ التزاماً اس سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھ رہا ہوں' ملا عبدالقادر ہی کی کتاب سے لکھ رہا ہوں' اس لئے اس مسئلہ میں بھی میرا مواد ان ہی کی تاریخ تک محدود رہے گا۔

ملا صاحب فرماتے ہیں:

Marfat.com

''چوں در زعم خویش مقرر ساختند کہ ہزار سال از زمان بعثت پیغمبر اسلام علیہ السلام کہ مدت بقائے ایں دین بود تمام شد و ہیچ مانعے برائے اظہار و دواعی خفیہ کہ در دل داشتند نماند و بساط از مشائخ و علماء کہ صلابت و مہابت داشتند و ملاحظہ تمام از آنہا با کسے نمود خالی ماند بفراغ بال در صدد۔ ابطال احکام و ارکان اسلام و بندوبست ضوابط و قواعد نو مہمل و مختل و ترویج بازار فساد اعتقاد در آمد۔'' (ص ۳۰۱)

(بادشاہ نے یہ خیال پکایا کہ آں حضرت ﷺ کے دین کی مدت عمر کل ایک ہزار سال تھی جو پوری ہوگئی۔ بادشاہ کے دل میں اس کے بعد ان منصوبوں کے اظہار و اعلان میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی جو اپنے دل میں انہوں نے گانٹھا تھا۔ ادھر ایسے علماء جن کا کچھ رعب و داب تھا ان سے بھی بساط خالی ہو چکی تھی۔ پھر کیا تھا اس کے بعد تو بادشاہ خوب کھل کھیلے اور اسلامی احکام اور ارکان کے ہدم و بربادی ان کی جگہ نت نئے اپنے ساختہ پرداختہ قوانین کی ترویج میں مشغول ہوئے جس کے بعد عقائد کی بربادی کا بازار گرم ہوا۔)

یہ تھا وہ ''نظریہ'' جس کا نام میں نے ''نظریہ الف ثانی'' رکھا ہے اور صرف نظریہ پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ اس کے اعلان عام کا ذریعہ یہ اختیار کیا گیا کہ سکہ کا نام ''سکہ الفی'' رکھا گیا اور اس پر ''الف'' ہی کی تاریخ ثبت کی گئی۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ گزشتہ بالا تجویز کے بعد

''اول حکمے کہ فرمودند ایں بود کہ در سکہ تاریخ الف تویسند۔'' (ص ۳۰۱)

(پہلا حکم جو دیا گیا یہ تھا کہ سکہ میں الف (ہزار) کی تاریخ لکھی جائے۔)

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ودر تنکہا و مہرہا تاریخ الف نوستند کہ بایں اعتبار شعر باشد از انقراض دین مبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ بیش از ہزار سال نخواہد بود۔'' (ص ۳۰۶)

(تنکوں اور اشرفیوں میں الف کی تاریخ لکھوائی گئی اور اس سے اشارہ ادھر کرنا مقصود تھا کہ محمد ﷺ کے دین مبین کی عمر جو ہزار سال تھی، وہ پوری ہوگئی۔)

ظاہر ہے کہ سکہ ہی ایسی چیز ہوتی ہے جس کی ہر خاص و عام تک رسائی ناگزیر ہے۔ کتابوں، اخباروں، رسالوں سب سے زیادہ کارگر تدبیر اشتہار کی اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی تھی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ پہلے سلاطین کے جتنے سکے اور خود اپنے زمانہ کے دوسرے سکوں کو سخت ترین احکام و فرامین کے ذریعہ سے اکبر نے گلوا دیا تھا۔ صرف ایک ہی سکہ باقی رکھا تھا لیکن بات اسی پر ختم نہیں کی گئی۔ بلکہ ایک کتاب بھی ''تاریخ الفی'' کے نام سے اکبر نے تالیف کرائی جس کی تدوین و ترتیب کا کام چند علماء کے سپرد ہوا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں:

Marfat.com

''ودریں سال حکم شد کہ چوں ہزار سال از ہجرت تمام شد و ہمہ جا تاریخ ہجری می نویسند حالا می بائد کہ تاریخ تالیف بائد کرد کہ جامع جمع احوال بادشاہان اسلام تا امروز کہ در معنے ناسخ تاریخہائے دیگر باشد و نام او الفی نہند و در ذکر سنوات بائے ہجرت لفظ رحلت نویسند۔''

(اسی سال یہ حکم ہوا کہ ہجرت سے چونکہ ہزار سال پورے ہوگئے اور لوگ ہر جگہ ہجری تاریخ لکھتے ہیں' اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی تاریخ مرتب کی جائے جو ان تمام سلاطین کے حالات پر حاوی ہو جو ابتدا سے اب تک اسلام میں گزرے ہیں جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ ایسی تاریخ لکھوائی جائے جو دوسری تمام تاریخوں کی ناسخ ہو۔ اس تاریخ کا بادشاہ نے الفی نام رکھا اور یہ بھی حکم دیا کہ سنوں کے ذکر میں بجائے ہجرت کے رحلت کا ذکر کیا جائے۔)

مطلب یہ تھا کہ اپنے زمانہ کی حد تک تو ''سکہ'' کا طریقہ اشتہار کے لئے مفید تھا لیکن اس کے بعد پھر اس کی یاددہانی کا ذریعہ کوئی اور ہونا چاہیے اور اس کے لئے ''تاریخ الفی'' کا ذریعہ اختیار کیا گیا۔

اکبر تک یہ نظریہ کس طرح پہنچا؟ خود اس کے اپنے دماغ نے یہ ایجاد کی یا اس کے پیچھے جو ''قرناء'' لگائے گئے تھے' یہ ان ہی کی تسویل و تزویر تھی۔ صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چلا لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریہ کی تائید میں دلائل کا ایک انبار جمع کر دیا گیا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں:

''دریں سال اسافل و اراذل عالم نمائے جاہل تعاضد دلائل باطل نمودہ بریں آوردند کہ حالا صاحب زمانے کہ رافع خلاف و اختلاف و ہفتاد و ملت از مسلم و ہندو باشد حضرت اند۔'' (ص ۲۷۹)

(اسی سال چند رذیل ادنیٰ درجہ کے لوگ جو عالم نما جاہل ہیں انہوں نے دلیلوں کا پشتہ اس دعویٰ کے متعلق باندھ دیا کہ وقت اس صاحب زمان کا آ گیا ہے جو ہندو اور مسلمانوں کے بہتر فرقوں کے اختلاف کا مٹانے والا ہوگا اور اس صاحب زماں کی ذات خود حضرت بادشاہ کی ہے۔)

اس عبارت سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ دین الٰہی کی بنیاد کیا تھی۔ آج جس ''نظریہ'' کو ''قومیت'' کے نام سے روشناس کیا جا رہا ہے' عمل کو نہ دیکھئے' الفاظ کی حد تک کیا اس کی تعبیر اس سے زیادہ الفاظ میں کی جاسکتی ہے۔ اس ''نظریہ'' نے بالآخر جو رنگ اختیار کیا...... قدرت نے غالبًا...... ہماری عبرت کے لئے اس کا نقشہ ہماری نگاہوں کے سامنے گزار بھی دیا' لیکن کون ہے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے روضہ پاک پر اس آواز کو پہنچائے کہ آپ جس فتنہ کو دیکھ دیکھ کر واویلاہ یا مصیبتاہ کے ساتھ عمر بھر چیختے رہے' آج ہندوستان کے مسلمانوں کو پھر وہی دھوکا دیا جا رہا ہے اور ستم یہ ہے کہ وہ دھوکہ کھا رہے ہیں۔ حضرت مجددؒ نے آج سے تین سو سال پیشتر ہندی قومیت کے ان ہی علمبرداروں کے باطنی ارادوں اور پوشیدہ نیتوں کا اعلان ان لفظوں میں کیا تھا۔

''کار ایں نابکاراں استہزاء و سخریہ است بہ اسلام و اہل آں منتظر اند کہ اگر قابو بیابند مارا از اسلام

برآرند یا ہمہ را بقتل رسانند یا بہ کفر باز گردانند۔''

(ان لوگوں کا ہر کام صرف اسلام کے ساتھ مذاق اور ٹھٹھا اڑانا ہے۔ یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ ان کو قابو حاصل ہو جائے تو ہم (مسلمانوں کو) یا اسلام سے جدا کر لیں یا سب کو قتل کر ڈالیں یا سب کو پھر کفر کی طرف پلٹائیں۔)

یہ ہے پوشیدہ مقاصد کی تین صد سالہ تاریخ۔ ان فی ذالک لعبرۃ

آج جبکہ مغربی قومیت کی تیز آندھیوں نے ان دبی چھپی چنگاریوں کو ہوا دے کر مختلف تدبیروں سے شعلہائے جہنم بنا دیا ہے لیکن معصوموں کا ایک گروہ ہے جو باوجود ''قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر'' یہی سمجھ رہا ہے کہ یہ معاملہ اصغر بھی نہیں بلکہ ''صفر'' ہے۔ چند ہوا پرستوں کی صرف بدگمانیاں یا بدنفسیاں ہیں۔ بہرحال اس نظریہ کی تائید میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں' آج تک ان کو صرف عقلی رنگ سے رنگا جاتا ہے لیکن اس وقت علاوہ عقلیت کے اس میں ''الہام'' اور'' پیشگوئی'' کی قوت بھی بھری جاتی تھی۔ ملا صاحب کا بیان ہے کہ:

''برہمناں...... شعر ہائے ہندی را از زبان دانایان سابق نقل کردہ می گذرانید ند بایں مضمون کہ پادشاہ عالمگیرے در ہند پیدا شود کہ برہمنان را احترام کندہ محافظت گاؤ نماید وگیتی را بعدل نگاہبانی کند ودر کاغذ ہائے کہنہ آں خرافات را نوشتہ می نمودند وہمہ باور می افتاد۔'' (ص ۳۳۶ ج ۲)

(ہندوستان کے قدیم دانش مندوں کے نام سے (اس زمانہ) میں برہمن ہندی اشعار نقل کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے جن کا مضمون یہ ہوتا تھا کہ جہاں کا فتح کرنے والا ایک بادشاہ ہندوستان میں پیدا ہوگا جو برہمنوں کی بڑی عزت کرے گا اور گائے کی حفاظت کرے گا اور عالم کی نگرانی انصاف کے ساتھ کرے گا۔)

(ملا صاحب لکھتے ہیں کہ) پرانے کاغذات پر ان خرافاتوں کو لکھ کر بادشاہ کو دکھایا کرتے تھے اور بادشاہ ان کو صحیح خیال کرتا تھا۔

سنا جاتا ہے کہ آج بھی برہمنوں کی ایک بڑی جماعت پرانے کاغذات اور تانبے کے پتروں میں حسب مطلب مضامین لکھ لکھ کر زمین میں دفن کرتی ہے اور پھر کچھ دن کے بعد ''ڈیسکوری'' کے نام سے آسمان و زمین کو سر پر اٹھا لیا جاتا ہے اور ان ہی وثیقوں سے آج ہندوستان کی تاریخ مرتب ہو رہی ہے۔ ایک معتبر راوی نے مجھ سے حال ہی میں بیان کیا کہ ''پونہ'' کے علمی حلقوں میں اس نوعیت کے تحقیقی کاموں کا زیادہ زور ہے۔ خیال گزرتا تھا کہ شاید یہ وہاں کے برہمنوں کی کوئی ''نئی اُپج'' ہے' مگر ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا پرانا دستور ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس قدامت پرست قوم کے پاس کوئی نئی چیز آخر کس طرح پیدا ہو سکتی ہے۔

بہرحال ''ہندو مسلم'' کے رفع خلاف کے لئے ایک طرف اندرونی طور پر یہ کارروائی ہو رہی تھی اور کیا کہوں'

Marfat.com

مگر بے کہے رہا بھی نہیں جاتا کہ ٹھیک جس طرح اسی ''ہندو مسلم اختلاف'' کے رفع کے لئے یا ''ہندی قومیت'' کے لئے غیر تو جو کچھ کر رہے ہیں کر ہی رہے ہیں لیکن اپنوں کی بھی ایک جماعت ہے جو پوری قوت سے اس کی تائید و اثبات کے لئے آستین چڑھائے ہوئے ہے۔ اسی طرح اس وقت بھی ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا' جس میں بدقسمتی سے زیادہ تر اسی جماعت کے افراد شریک تھے جو آج بھی اس نظریہ کے قبول کرنے میں عام مسلمانوں سے دس قدم آگے نظر آ رہے ہیں۔ ملّا صاحب کا بیان ہے کہ کوئی صاحب حاجی ابراہیم صاحب سرہندی تھے جن کا ذکر اس کتاب میں مختلف مواقع پر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی آدمی تھے۔ اکبر کے زمانہ میں صوبہ گجرات کی صدارت پر سرفراز تھے۔ آپ نے گجرات سے جو تحفے بادشاہ کے پاس بھیجے تھے ان میں ایک تحفہ یہ بھی تھا:

> ''عبارت جعلی از شیخ ابن عربی قدس سرہ در کتابے کہنہ کرم خوردہ بخط مجہول نوشت کہ ''صاحب زمان'' زنان بسیار خواہد داشت وریش تراش خواہد بود وصفتے چند کہ ''در خلیفۃ الزمان'' بود درج کرد۔'' (ص ۲۸۸ ج ۲)

> (ایک جعلی عبارت حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہ کی ایک پرانی کرم خوردہ کتاب سے نامانوس حروف میں نقل کر کے بھیجی' جس کا مطلب یہ تھا کہ ''صاحب زمان'' کے پاس بہت سی عورتیں ہوں گی اور ڈاڑھ منڈا ہوگا۔ اسی طرح کے چند صفات جو ''خلیفۃ الزمان'' میں تھے' اس میں درج تھے۔)

اگرچہ برہمنوں کی طرح ان کی بات نبھ نہ سکی اور یہ حادثہ اس گروہ کے ساتھ اکثر پیش آتا ہے۔ ملّا صاحب لکھتے ہیں کہ

''آں جعل ولباس ظاہر شد''

ایک اور ''مولانا صاحب'' تھے جن کا ذکر ملّا صاحب نے مولانائے خواجہ شیرازی کے لقب سے کیا ہے۔ ان مولانا صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ

> ''از مکہ معظمہ رسالہ از شرفاء آوردہ کہ در احادیث صحاح ہفت ہزار سال کہ مدت ایام دنیا ست سپری شدہ حالات وقت ظہور مہدی موعود است و خود ہم رسالہ ترتیب دادہ گذرانید۔'' (ص ۲۸۷)

> (شرفاء کے پاس سے یہ مکہ معظمہ سے ایک رسالہ لائے کہ صحیح حدیثوں میں دنیا کی پوری مدت عمر سات ہزار سال ہے اور یہ مدت پوری ہو چکی۔ پس یہی وقت اس مہدی کے ظہور کا ہے جن کا وعدہ کیا گیا ہے۔ خود ان مولانائے خواجہ شیرازی صاحب نے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ مرتب فرمایا تھا۔)

ملّا صاحب لکھتے ہیں کہ اس تحریک کی تائید میں صرف سنّی علماء ہی کے افراد شریک نہیں ہو گئے تھے بلکہ شیعی

علماء کے بعض افراد بھی۔ "از امیر المومنین نقل کردہ" (ص ۲۸۷)۔

اکبر کے عہد کے ایک شیعی عالم ملا شریف آملی بھی تھے۔ صاحب تالیف و تصنیف تھے۔ ملا صاحب نے ان کا ایک طویل تذکرہ درج کیا ہے۔ انہوں نے محمود بسخوانی جو تیموری عہد کا ایک مشہور سطح نویس مصنف گزرا ہے' اس کی کتاب سے بھی یہ مضمون نکالا۔

"درسال نہ صد و نود بر دارندہ باطل شخصے خواہد بود و ہمہ تعبیر از "صاحب دین حق" تشخیص کردہ بہ حساب جمل نہ صد و نود ست۔" (ص ۲۷۸)

(نوسونوے (ہجری) میں باطل کا مٹانے والا ایک شخص پیدا ہوگا۔ "صاحب دین حق" سے اس کی تعبیر کی گئی اور جمل کے قاعدہ سے وہی نوسونوے کے عدد نکالے گئے۔)

ان سب کے علاوہ ناصر خسرو کی دو رباعیاں بھی اسی "نظریہ الف ثانی" کی تائید میں پیش کی جاتی تھیں۔ پہلی رباعی یہ ہے۔

درنہ صد و ہشتاد نہ از حکم قضاء آیند کواکب از جوانب یک جا
در سال اسد ماہ اسدٔ روز اسد از پردہ بردل خرامد آں شیر خدا

اور "آں شیر خدا" سے مراد اکبر کی ذات تھی۔ دوسری رباعی یہ ہے۔

درنہ صد و تسعین دو قراں می بینم وز مہدی و دجال نشاں می بینم
یا ملک بدل گردد یا گردد دیں سرّے کہ نہاں ست عیاں می بینم

بہر کیف اکبر کے زمانہ میں اتفاقاً اسلام کی عمر کے ہزار سال کا گزرنا ایک ایسا واقعہ بنالیا گیا جس پر الف ثانی کے نظریہ کی یاروں نے بڑی بڑی تعمیریں کھڑی کردیں اور مستقل طور پر طے کردیا گیا کہ "محمدی اسلام" عمر پوری ہوگئی بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ کردیا گیا کہ بالفرض اگر نہ بھی پوری ہوئی (جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے جب بھی)

"دریں سال شیخ مبارک در خلوت بحضور پادشاہ بیر بر گفت کہ چنانچہ در کتب شما تحریفات است دردین ما نیز تحریفات بسیار رفتہ و اعتماد نے نماند۔" (ص ۳۱۲)

(ملا مبارک نے بیربر سے بادشاہ کے سامنے خلوت میں مخاطب کر کے کہا کہ جس طرح تمہارے دین میں تحریفیں ہوئی ہیں اس طرح ہمارے مذہب میں بکثرت تحریفیں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے اب اس مذہب پر بھی اعتماد باقی نہ رہا۔)

ایک مقدمہ یہ ہوا اور دوسرا اسی کے بعد۔

"مدت ہزار سال از ہجرت نما شدہ۔"

اور ہجرت سے اس وقت تک ایک ہزار سال کی مدت پوری ہو چکی ہے۔

Marfat.com

نتیجہ ظاہر ہے کہ اب کسی جدید آئین کی ضرورت ہے لیکن جدید آئین کی بنیاد کیا ہونی چاہیے۔ گزر چکا کہ ''ہندو مسلم'' اختلاف کو رفع کرنا۔ اب سنیے کہ اس پر جدید حاشیہ آرائی کیا ہوئی۔

''عقلا در ہمہ ادیان موجود مہیا اندو ارباب ریاضات و کشف و کرامات در کل طوائف انام پیدا و حق ہمہ جا دائر پس انحصار آں در یک دین و یک ملت کہ نو پیدا شدہ و ہزار سال بر و نگذشتہ باشد چہ لازم و اثبات یکے و نفی دیگرے ترجیح بلا مرجح از کجا؟'' (ص ۲۵۶)

(تمام مذاہب میں عقل مند موجود ہیں اور پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ریاضت و مجاہدہ کشف و کرامات والے بھی دنیا کے تمام لوگوں میں پائے جاتے ہیں اور حق تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ پھر ایک ہی دین و ملت میں حق کو کیوں منحصر خیال کیا جاتا ہے اور وہ بھی ایسے دین میں جو نومولود ہے۔ اس پر ابھی ہزار سال بھی نہیں گزرے ہیں۔ آخر ایسے دین میں حق کو منحصر کر دینا کیوں ضروری ہے۔ یقیناً ایک مذہب کو صحیح خیال کرنا اور دوسرے کو غلط ٹھہرانا یہ ترجیح بلا مرجح ہے یعنی بلا وجہ کی ترجیح ہے۔)

''ہندی قومیت'' کی تعمیر کا شاید یہی وہ مقدمہ ہے جو اس کی جدید تحریک اور ''نشاۃ ثانیہ'' کی تائید میں اسی جماعت کے ایک فرد فرید نے چند دن ہوئے کہ بعض آیات قرآنیہ کی جدید تفسیر کے ذریعہ سے اسی دعویٰ کو دہرا دیا ہے اور تحریک کے بانیوں کی جانب سے انہیں کافی داد ملی۔ حتیٰ کہ بعض ''دیسی'' زبانوں میں اس کا ترجمہ کر کے بھی شائع کرایا گیا۔ خیر مجھے اس سے کیا بحث۔ میں تو صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اسلام کو جس آتش گیر مادہ نے گھیر لیا ہے اور ناتوانوں کو خطرہ پیدا ہو رہا ہے کہ ''خدانخواستہ'' محمد رسول اللہ ﷺ اور اصحاب و اتباع باحسان کے فراہم کردہ خرمن کو (لا فعلہ اللہ) یہ شعلے بھڑک کر بھسم نہ کر دیں۔ یہ خیال اس قرآن کے متعلق جو ''محفوظ'' لوح میں انا لہ لحافظون کے دست قدرت سے ثبت کیا گیا ہے۔ اس کو برباد کرنا تو بڑی چیز ہے۔ انشاء اللہ ناپاکوں کے ناپاک ہاتھ اس کو چھو بھی نہیں سکتے۔ وہ خود اپنی اندرونی لازوالی قوتوں سے اس قسم کی اطفائی کوششوں کا ہمیشہ ردعمل کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ خواہ جھٹلانے والوں کی یہ جماعت فرعون و ثمود کے جنود ہی کیوں نہ ہوں۔

بہرحال آخر یہ طے کر لیا گیا کہ ''جدید ملت'' کی بنیاد رکھ دی جائے۔ ظاہر ہے کہ اکبر کی تکذیبی رفتار اس وقت تک صرف دامان نبوت تک پہنچی تھی۔ الحاد کی آخری منزل تک نہیں پہنچا تھا اس کے دماغ میں ابھی ''الہ'' کا عقیدہ باقی تھا اور اسی لئے اس جدید دین کا نام ''الٰہی مذہب'' رکھا گیا تھا۔ الٰہی مذہب کے لئے عموماً الہام و وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر کیا اکبر نے اس کا بھی کوئی سامان کیا تھا اور کتابوں میں تو شاید اس کا بھی کچھ سراغ ملتا ہے لیکن ملا صاحب باوجودیکہ ایک موقع پر لکھ گئے ہیں:

''ایں ہمہ باعث دعویٰ نبوت شد امانہ بہ لفظ نبوت بلکہ بعبارت آخر'' (ص ۲۸۷)

(یہی باتیں دعویٰ نبوت کی سبب ہوئیں لیکن نبوت کے لفظ کے ساتھ نہیں دوسرے لفظوں میں۔)

اور ملا شیری نے بھی اپنے مشہور قصیدہ میں اکبر کی ان بیہودہ کوششوں کا اس ایک شعر میں جواب دے کر کہ۔

شورش مغز است اگر در خاطر آرد جاہلے کز خلائق مہر پیغمبر جدا خواہد شدن

آخر میں انہوں نے بھی کچھ ''نبوت'' ہی کے جانب ظریفانہ اشارہ کیا ہے۔

بادشاہ امسال دعوائے نبوت کردہ است گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

لیکن بجز ایک واقعہ کے جس کا ذکر بدایونی نے بھی کیا ہے کہ نندانہ (پنجاب) سے لوٹتے ہوئے اکبر کو سیر و شکار کا شوق ہوا اور قمرغہ (ہانکنے) کا فرمان دے کر شکار میں مصروف ہوا۔ چار دن تک مسلسل شکار کھیلتا رہا۔ شکاروں کا انبار لگ گیا کہ اچانک ایک درخت کے نیچے۔

''ناگاہ بہ یک بار حالتے عجیب و جذبہ عظیم بر شاہنشاہی وارد گشت و تغیر فاحش در وضع ظاہر شد بمشابہ کہ تعبیر ازاں ممکن نہ بود ہر کدام ہر چیزے حمل می کردند۔'' (ص ۲۵۳)

(اچانک بادشاہ پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی اور عظیم جذبہ وارد ہوا۔ حالت میں غیر معمولی انقلاب سا پیدا ہو گیا اور ایک ایسی کیفیت تھی جس کی تعبیر ناممکن ہے۔ ہر شخص اپنے خیال کے مطابق ایک رائے قائم کرتا تھا۔)

اکبر پر یہ کسی قسم کا حال طاری ہوا تھا۔ ملا صاحب تو ''الغیب عنداللہ'' کہہ کر نکل گئے لیکن آگے چل کر خود ہی لکھتے ہیں:

''ایں خبر در شرق رو بہ ہند شہرت یافتہ ازاجیف عجیب و اکاذیب غریب در افواہ عوام افتاد۔''

(ہندوستان کے مشرقی علاقوں میں بادشاہ کی اس کیفیت کے متعلق طرح طرح کی گپیں اور بیہودہ باتیں مشہور ہو گئیں۔)

بظاہر وحی اور کتاب کے متعلق جو بعض خبریں مشہور ہیں وہ ان ہی ''اراجیف'' و ''اکاذیب'' پر مبنی ہیں۔ اتنا تو ثابت ہے کہ اس درخت کو ''مقدس'' قرار دیا گیا اور ''طرح عمارت عالی و باغ وسیع در آنجا انداختند'' ''وزر بسیار بفقراء و مساکین دادہ'' اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ''موئے سر را قصر کردند۔'' کون کہہ سکتا ہے کہ یہ گیا کے ''ہولی ٹری'' کی نقل نہ تھی۔ کیا اکبر کو پیپل کے اس درخت کی خبر نہ تھی، جس کے نیچے ہندوستان کے مشہور بانی مذہب ''بدھا'' کے ساتھ کچھ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تھا؟ لیکن باوجود ''عمارت عالی و باغ وسیع'' کے اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ ملا شیری نے سچ کہا تھا۔

شورش مغز است اگر در خاطر آرد جاہلے کز خلائق مہر پیغمبر جدا خواہد شدن

بہر حال جہاں تک میرے محدود معلومات کا تعلق ہے اکبر نے نبوت کا صریح اور صاف دعویٰ کبھی نہیں کیا جس کی شہادت ملا صاحب بھی دیتے ہیں لیکن ایک کوئی تاج العارفین تھے وہ

''انسان کامل را عبارت از خلیفۃ الزماں داشتہ و تعبیر آں بذات اقدس نمودہ اکثر عین واجب ولا

Marfat.com

اقل عکس ان فہمایندہ۔''

(انسان کامل خلیفۃ الزمان کو قرار دیتے تھے اور اکبر کی ذات کو اس کا مصداق ٹھہرا کر اس کو بجنسہ خدا یا کم از کم خدا کا عکس ہونا سمجھاتے تھے۔)

لیکن پھر بھی جو بات ''نبی'' بننے میں حاصل ہو سکتی تھی' عین واجب بننے میں وہ لطف نہ تھا۔
تاج العارفین کا جس طبقہ سے تعلق تھا اس میں ''بادشاہ'' تو خیر ایک چیز بھی ہے' ہر فقیر گداگر ''انا الحق'' کا نعرہ لگا سکتا تھا اور اسی لئے اس کو کوئی اہمیت بھی نہیں دی گئی۔

القصہ اس سلسلہ میں دوسروں کے بیان سے نہیں بلکہ خود ملا صاحب ہی کی دوسری عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''الف ثانی'' اور ''تحریف اسلام'' ''مساوات ادیان'' ان تینوں نظریات کو طے کرنے کے بعد۔

''نماز و روزہ و جمیع نبوات را تقلیدات۔ نام نہادند یعنی غیر معقول و مدار دین بر عقل گزاشتند نہ نقل۔'' (ص ۲۱۱)

(نماز و روزہ اور وہ ساری چیزیں جن کا ثبوت سے تعلق ہے' ان کا نام ''تقلیدات'' رکھا گیا۔ یعنی سب بدعقلی کی باتیں ٹھہرائی گئیں اور مذہب کی بنیاد ''عقل'' پر رکھی گئی' نہ نقل پر۔)

ایک اور موقع پر نقل کرتے ہیں کہ جب کسی شرعی مسئلہ کا ذکر ہوتا تو اس وقت بادشاہ یہ کہا کرتے تھے:

''ایں را از ملایاں بہ پرسید و چیزے کہ تعلق بہ عقل و حکمت دارد از من۔'' (ص ۳۰۸)

(اس کو ملاؤں سے پوچھو' البتہ ایسی چیز جس کا تعلق عقل و حکمت سے ہو' وہ مجھ سے دریافت کرو۔)

لیکن عقل کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس ''جدید دین'' کے تمام اصول و فروع سب براہ راست عقل سے پیدا کئے جاتے تھے۔ بلکہ صورت یہ اختیار کی گئی کہ پہلے تو ''مساوات ادیان'' کا دعویٰ کیا گیا۔ گویا کسی دین کو کسی دوسرے دین پر ترجیح نہ دی جائے۔ ''لیکن مذاہب میں جو تضاد و تناقص ہے' نظریہ مساوات پر اس کا نباہنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال تھا' اس لئے ترجیح کے لئے ''عقل'' میزان ٹھہرائی گئی اور ممکنہ حد تک تمام مذاہب کے علماء و ماہرین جمع کرنے کی کوشش کی گئی اور ہر ایک سے اس کے مذہب کے معلومات حاصل کئے جاتے تھے۔ مسلمان اور ہندو تو دربار میں موجود ہی تھے۔ ان دو کے علاوہ اس وقت تک اس ملک میں یورپین صلیبیوں کی بھی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ جیسا کہ ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ عموماً یہ لوگ ساحلی علاقوں میں بحری قزاقوں کی حیثیت سے منڈلاتے رہتے تھے اور اندرون ملک میں ان کا داخلہ غالباً اس وقت بحیثیت بازیگروں کے ہوتا تھا کیونکہ ملا صاحب نے ان کا اپنی کتاب میں جہاں کہیں تذکرہ کیا ہے اس میں زیادہ تر یہی ہے کہ جشن نوروز میں فرنگیوں کی بھی ایک ٹولی شریک ہوئی۔ اس نے ارغنوں نامی باجہ بجا کر لوگوں کو متحیر کیا۔ غالباً پیانو یا ہارمونیم تھا۔ کبھی بیلون اڑا کر تماشے دکھاتے تھے۔ الغرض اکبری عہد تک ان کی حیثیت بظاہر بازی گروں ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ بعد کو انہوں نے سوداگروں کا بھیس بدلا اور آخر میں جو کچھ

Marfat.com

ہو کر رہا وہ تو سب کے سامنے ہی ہے۔ تـوتـی الـمـلـک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء کی حقیقی تفسیریں کتابوں میں نہیں بلکہ صحیفہ فطرت کے اوراق میں ہمیشہ یوں ہی لکھی جاتی ہیں۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ قصہ یہ ہو رہا تھا کہ اکبری دربار میں مختلف ارباب مذاہب کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے دھمکنے لگیں۔ ہر ایک اپنے مذہب کو دربار میں پیش کرتا جن میں ایک۔

''دانایان مرتاض ملک افرنجہ کہ ایشاں را پادھری و مجتہد ایشاں را...... پاپامی گویند انجیل اور ''برثالث دلائل گذرانیدہ وحقیقت نصرانیت اثبات کردہ۔''

(ملک فرنگ کے مرتاض دانشمندوں کا بھی گروہ تھا۔ ان لوگوں کو پادھری کہتے ہیں اور ان کے بڑے مجتہد کا نام پاپا ہے۔ ان لوگوں نے انجیل پیش کی اور '' ثالث ثلثہ'' کے متعلق دلائل پیش کئے اور نصرانیت کو حق ثابت کیا۔)

ابوالفضل کو حکم دیا گیا کہ انجیل کا ترجمہ ان پادریوں سے پوچھ پوچھ کر کریں۔ یہی ترجمہ تھا جس کا بجائے بسم اللہ کے ای نام تو ژژو کرستو سے آغاز کیا گیا تھا۔

اسی طرح

''آتش پرستان کہ از شہر نوساری ولایت گجرات آمدہ بودند دین زردشت راحق نمودند و تعظیم آتش را عبادت عظیم می گفتند و بجانب خود کشیدہ از اصطلاح وراہ کیایاں واقف ساختند۔''

(ولایت گجرات کے شہر نوساری سے آتش پرست بھی آئے۔ انہوں نے زردشت کے دین کی حقیقت ثابت کی۔ یہ لوگ آگ کی تعظیم کو بڑی عبادت خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے بادشاہ کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کی اور کیانی بادشاہوں کے رسم ورواج سے واقف کیا۔)

ان کے متعلق بھی ابوالفضل ہی کو حکم دیا گیا کہ

''آتش بہ اہتمام شیخ ابوالفضل بروش ملوک عجم کہ آتش ایشان ہمہ برپائے بود دائم الاوقات وچہ در شب وچہ درروز درمحل نگاہ می داشتہ باشند۔''

(شیخ ابوالفضل کی نگرانی میں حکم دیا گیا ہے کہ ہمیشہ دن رات شاہی محل میں آگ کے روشن رکھنے کا انتظام کیا جائے۔)

ان کے سوا اور جو تاریکیاں تھیں وہ تو چراغ ہی کے نیچے تھیں۔ ہندو مذہب کے تمام فرقے اور اسلام کے بھی مختلف العقائد گروہ دربار میں موجود تھے۔ ابتداءً سب سے پوچھا جاتا تھا اور ہر مذہب والے کی رائے دریافت کی جاتی تھی۔ جیسا کہ ملا صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے

Marfat.com

''اصناف دانایان از ہر دیار وارباب ادیان و مذاہب بدر بار جمع شدہ بشرف ہمزبانی مخصوص بودند بعداز تحقیق و تفتیش کہ شب وروز شیوہ و پیشہ غیر ازاں نداشتند۔'' (ص ۲۵۶)

(ہر ملک سے ہر قسم کے دانشمند اور مختلف مذاہب وادیان کے لوگ دربار میں جمع ہوکر بادشاہ کی ہم کلامی سے شرف یاب ہوتے تھے۔ تحقیق و تلاش جس کے سوا بادشاہ کا رات دن میں کوئی مشغلہ نہ تھا' اس میں مشغول رہتے۔)

لیکن یہ ساری تعمیر جو ہو رہی تھی ظاہر ہے کہ ایک مستقل مذہبی نظام کی تخریب و تکذیب کے بعد ہو رہی تھی۔ ممکن ہے کہ ابتداءً اس عمارت منہدمہ کی چیزوں سے بھی اس جدید عمارت کی تیاری میں کام لیا جاتا ہو لیکن حالات نے بتدریج کروٹ لینا شروع کیا اور نوبت آخر میں یہاں تک پہنچی کہ

''برغم اسلام ہر حکمے کہ ارباب ادیان دیگر بیاں می کردنداں رانص قاطع شمردند بخلاف دین ملت (اسلام) کہ ہمہ ان نامعقول وحادث و واضع ان فقرائے عرباں۔''

(اسلام کی ضد اور اس کے توڑ پر ہر وہ حکم جو کسی دوسرے مذہب کا ہوتا اس کو بادشاہ نص قاطع اور قطعی دلیل خیال کرتے تھے۔ بخلاف اسلامی ملت کے کہ اس کی ساری باتیں مہمل اور نامعقول نو پیدا' عرب کے مفلسوں کی گڑھی ہوئی چیزیں خیال کی جاتیں۔)

اس لئے اب سلسلہ تحقیقات میں ''اسلام'' کا نام تختہ سے کاٹ دیا گیا اور آخری طریقہ کار یہ رہ گیا۔

''ہر چہ خوش می آیند از ہر کس غیر از مسلمانان التقاط و انتخاب نمودہ از انچہ نامرضی طبع و خلاف خواہش بود احتراز و اجتناب لازم می دانستند۔'' (ص ۲۵۶)

(مسلمانوں کے سوا جس شخص کی جو بات پسند آجاتی تھی اس کا انتخاب کرلیا جاتا تھا اور جو باتیں ناپسندیدہ اور بادشاہ کی خواہش کے خلاف ہوتی تھیں' ان سے احتراز اور پرہیز کو ضروری خیال کرتے تھے۔)

اس معاملہ میں اکبر کی رفتار جس نقطہ پر پہنچ کر رہی ملا صاحب ہی اس کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:

''بعد از پنج وشش سال اثرے از اسلام نماند وقضیہ منعکس شد۔'' (ص ۲۵۵)

(پانچ چھ سال کے بعد اسلام کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور بات بالکل الٹ گئی۔)

اور یوں ''مساوات مذاہب'' ''ترجیح بلا مرجح'' ''رواداری انصاف کا سارا دعویٰ انتہائی تعصب کی شکل میں بدل گیا اور جب کبھی جس ملک اور قوم میں اس قسم کے دعاوی کا اعلان کیا گیا ہے اس کا آخری انجام یہی ہوا ہے۔ ملا صاحب کی عینی شہادت ہے کہ روادار اکبر، ''صلح کل'' والے اکبر کی ذہنیت کا آخری حال یہ تھا:

''ہر کرانہ بروفق اعتقاد خویش می یافتند کشتنی و مردود و مطرود ابدی می دانستند و نام وے فقیہہ مانند۔''
(ص ۳۳۹)

(جس کسی کو اپنے اعتقاد کے موافق نہ پاتے تھے وہ بادشاہ کے نزدیک کشتنی اور پھٹکارا ہوا شمار ہوتا تھا اور اس کا نام ''فقیہ'' رکھ دیا جاتا تھا۔)

اور ملا صاحب کے سامنے

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز ۔۔۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

حالانکہ اس میں کوئی بوالعجبی نہیں ہے۔ ہمیشہ ارتداد و الحاد کی بنیاد ''رواداری'' کے نرم و دل کش دعویٰ پر قائم کی جاتی ہے لیکن اس مسلک کے سلوک کی آخری منزل وہی ہے جہاں بالآخر اکبر پہنچ گیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ اب یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا کہ اسلام کے سوا تمام دوسرے مذاہب کے اصول و فروع کا مطالعہ کیا جائے اور ترجیح و عمل کا ذریعہ عقل کے فیصلہ کو ٹھہرایا گیا جیسا کہ ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوا کہ خود اکبر شب و روز اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہتا تھا' لیکن اکیلے کہاں تک خود کام کر سکتا تھا اور متفرق طور پر مختلف لوگوں کی کوششوں سے بھی کسی مستقل ''نظام'' کی تکوین ناممکن تھی اور وہی کمیٹی و انجمن جس کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ یورپ کے عہد تجدید کا نتیجہ ہے' لیکن ملا صاحب فرماتے ہیں کہ اکبر مذہب کو بھی ریزولیشن کے خراد پر چڑھا کر رہا۔ چالیس آدمیوں کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی اور

''حکم کردند کہ از مقربان چہل کس بعدو چہل تن بہ نشینند و ہر کس ہر چہ داند بگوید و ہر چہ خواہد پرسد۔''
(ص ۳۰۸)

(بادشاہ نے حکم صادر کیا کہ چہل تن کے حساب سے خاص خاص لوگوں میں سے جن کو بادشاہ سے قرب حاصل تھا' چالیس آدمی ایک جگہ بیٹھا کریں اور اس مجلس میں جو شخص جو کچھ جانتا ہو اس کا اظہار کرے اور جس قسم کے سوالات کرنا چاہتا ہو کرے۔)

چہل تن کی اس مجلس میں مسائل پیش ہوتے تھے اور پھر عقل سے اس کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ البتہ اس کمیٹی کی یہ ایک خصوصیت بھی تھی کہ اسلامی عقائد و اعمال کے متعلق:

''شبہات گوناگوں بہ تمسخر و استہزاء آوردہ اگر کسے درمعرض جواب مے شد جواب ہمہ منع بود۔''
(ص ۳۰۷)

(طرح طرح کے شبہات ہنسی مذاق کی شکل میں کیے جاتے اور اگر کوئی بیچارہ جواب دینے کا ارادہ کرتا تو جواب سے روک دیا جاتا۔)

آزاد کمیٹیوں کا یہ عارضہ گویا نیا عارضہ نہیں ہے۔ سب کچھ بول سکتے ہو اور کچھ نہیں بول سکتے۔ اس تناقض کا

Marfat.com

کتنا اچھا ثبوت آج بھی قومی اور حکومتی مجلسوں میں ملتا رہتا ہے۔ یہ تھی اکبر دی گریٹ کی مسلمہ رواداری اور بیچارے اکبر کو کیا کہا جائے آج بھی مسلک ''صلح کل'' رواداری کے مدعیوں کا جو تجربہ ہو رہا ہے کیا اس سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی لیکن سب کچھ سننے اور سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی جو سننا نہ چاہتے ہوں اور دیکھنے سے آنکھیں میچتے ہوں ان سے کیا کہیے کہ بہت جلد ہی خود ان کو

لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر

اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔

کہنا ہی پڑے گا۔ بہرحال یوں ''اسلام'' کے سوا دیگر ادیان و مذاہب کے عناصر کا انتخاب کیا جاتا ہے اور اس ذریعہ سے ''دین الہٰی'' کی تعمیر ہو رہی تھی۔ اس ذیل میں یہ واقعہ ہے کہ پیش شدہ مذاہب میں سے سب ہی سے کچھ نہ کچھ لیا جاتا تھا۔ مثلاً عیسائیوں سے بقول ملا صاحب

''نواختن ناقوس نصاریٰ و تماشائے صورت ثالث ثلثہ و بلبلان کہ خوش گاہ ایشان ست و سائر لہو ولعب وظیفہ شد۔'' (ص ۳۰۴)

(نصاریٰ سے گھنٹہ بجانے اور ''ثالث ثلاثہ'' (باپ بیٹا روح القدس) کی صورت دیکھنا اور بلبلان جوان لوگوں کی (خوش گاہ کا نام ہے) اور ایسی ہی دوسری کھیل کود کی باتیں بادشاہ کے وظیفہ میں داخل ہوگئیں۔)

واللہ اعلم بالصواب ''بلبلان'' کیا چیز ہے؟ ''خوش گاہ ایشان ست'' سے جو تفسیر کی گئی ہے بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''بال گھر'' وغیرہ کا یہ کوئی بگڑا ہوا تلفظ ہے۔ اسی طرح ملا صاحب نے جہاں یہ لکھا ہے کہ ''مدار دین بر عقل گذاشتند'' اسی کے بعد ان کا یہ فقرہ ہے کہ

''آمد و رفت فرنگیان نیز شد و بعضے اعتقادیات عقلی ایشاں را فرا گرفتند۔'' (ص ۳۱۲)

(فرنگیوں کی آمد و رفت بھی شروع ہوگئی تھی اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے ان سے حاصل کئے۔)

اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس ''عقلیت'' کی آندھی کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ مغربی تسلط کے بعد ہندوستان میں آئی دراصل وہ اس سے دو صدی پیش تر دھمک چکی تھی۔ شاید وحی و نبوت معجزات کرامات وغیرہ کے انکار کی بنیاد ''آمد و رفت فرنگیاں'' پر ہی مبنی ہو۔ گویا ریشنلزم (عقلیت) جسے خود اب یورپ کے ایگناسٹک (ارتیابی) سراسر بدعقلی قرار دے چکے ہیں ہندوستان کے لئے یورپ کا یہ تحفہ کوئی جدید تحفہ نہیں ہے۔ ''مغربی فلسفہ'' کی تاریخ پڑھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہی زمانہ تھا کہ جب کیتھولک مظالم سے تنگ آکر کمزور اعصاب والوں کا غضبناک گروہ یورپ میں پیدا ہو کر سرے سے ''مذہبی بنیادوں'' پر جا و بیجا طریقہ سے پیہم حملے کر رہا تھا اور نادانی سے اس عہد کے لوگوں نے منافرت کی اس پیداوار کا نام فلسفہ رکھ دیا تھا۔

Marfat.com

اسی طرح پارسیوں کی بھی بعض باتیں قبول کی گئی تھیں اور جیسا کہ گزر چکا شاہی محل میں انہیں کے مشورہ سے ایک ''دوامی آتشکدہ'' بھی علامی ابوالفضل کی نگرانی میں قائم کردیا گیا تھا۔ ملا صاحب نے لکھا ہے کہ آگ ''آ یتے ست از آیات خداو نوریست از انوار وے'' قرار دی گئی تھی اور ''ھون'' کی رسم جو پارسیوں سے پہلے بھی شاہی محل میں دختران راجہائے ہند کی وجہ سے انجام دی جاتی تھی' اس میں اس آتشکدہ کے قیام سے اور اضافہ ہوگیا۔ خود بادشاہ علانیہ آتش پرستی کرتا تھا اور

''مقرمان نیز در وقت افروختن شمع و چراغ قیام لازم می ساختند۔''

(اور بادشاہ کے مقربین بھی شمع اور چراغ کے روشن ہونے کے وقت قیام کرنا اپنے لئے فرض قرار دیئے ہوئے تھے۔)

یہ تھے وہ اجزاء جو نصرانیوں اور مجوسیوں کے دین سے اس ''جدید مذہب'' میں شریک کئے گئے تھے لیکن سچ یہ ہے کہ سب سے زیادہ ''اس دین'' پر جس مذہب کا اثر پڑا تھا وہ وہی مذہب تھا جس کو ''ہندی قومیت'' کی تعمیر کے سلسلہ میں سب سے زیادہ اثر انداز ہونا قدرتی طور پر ضروری تھا۔ یوں تو اس مذہب کے علماء اور پیروؤں سے دربار بھرا ہوا تھا اور جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے کہ بادشاہ کو

''از صغرسن باز بطوائف مختلف از براہمہ و بادفروشان و سائر اصناف ہندواں ربطے خاص والتفاتے تمام است۔'' (ص ۱۶۱)

(بادشاہ کو بچپن ہی سے ہندوستان کی مختلف قوموں مثلاً برہمنوں سے بھاٹوں سے اور ازیں قبیل دوسری ہندی جماعتوں سے خاص ربط اور ان کی طرف فطری میلان تھا۔)

ماسوا اس کے

''دختران راجہائے عظیم ہند کہ خیلے بہ تصرف آوردہ بودند تصرف در مزاج کردہ۔''

(ہندوستان کے بڑے راجواڑوں کی لڑکیاں جنہیں بادشاہ اپنے تصرف میں لا چکا تھا' ان عورتوں کو بھی بادشاہ کے مزاج میں خاصہ دخل ہوگیا تھا۔)

اور اسی کے ساتھ کالپی کا ایک برہمن جس کا نام برہمداس تھا اور جس کو پہلے ''کب رائے'' یعنی ''ملک الشعراء'' کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا اور بعد کو وہی بیربر (بہادر) کے نام سے مشہور ہوا۔ بادشاہ کے مزاج میں یہ بہت دخیل ہوگیا تھا۔ اکبر و بیربر کے تعلقات اس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ آج تک ان کے چرچوں سے ہندوستان کے گلی کوچے معمور ہیں۔

ملا صاحب نے اگر اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ بادشاہ سے اس کا تعلق ''لحمک لحمی و دمک دمی'' کا سا ہوگیا تھا تو اس میں کیا تعجب ہے اور آخر میں اسی بیربر کی سفارش سے ایک بڑا فلسفی برہمن جس کا نام دیوی تھا' بادشاہ کے قرب

Marfat.com

سے معزز ہوا۔ بتدریج اس برہمن کا اثر اکبر پر یہاں تک پڑا کہ رات کو بھی جب شاہی خوابگاہ میں چلا جاتا تھا' دیو
برہمن سے ملنے کے لئے بے چین رہتا تھا۔ معلوم نہیں کہ خاص اسی برہمن کے لئے یا کسی اور وجہ سے اکبر نے ایک لف
(جھولا) تیار کیا تھا جس پر بیٹھنے والا بیٹھ جاتا اور اوپر کھینچ لیا جاتا تھا' جہاں وہ خاص شاہی خوابگاہ میں پہنچ جاتا تھا
ملا صاحب لکھتے ہیں:

"چند گاہے دیوی برہمن کہ از معبران مہا بھارت بوذ بر چارپائی نشانده و بالا کشیده نزدیک بقصرے کہ آں راخواب گاہ ساختہ بودند معلق داشتہ از وے اسرار وافسانہائے ہندی وطریق عبادت اصنام وآتش وآفتاب وتعظیم کواکب واحترام اساطین کفرہ از برمہا دمہا دیو وبشن وکشن و مہامائی...... شنیده بآں جانب گرائیدند۔" (ص ۲۵۸)

(ایک زمانہ تک دیوی برہمن جو مہا بھارت کی کتھا کہنے والا تھا' اس کو چارپائی پر اوپر کھینچ لیا جاتا تھا جو اس قصر کے پاس تھا جس کو بادشاہ نے اپنی خوابگاہ میں بنایا تھا اور اس سے ہندوستانی قصے اور اس کے اسرار نیز بتوں کے آفتاب کے آگ کے پوجنے کے طریقے' ستاروں کی تعظیم کے آداب' کافروں کے جو بڑے لوگ گزرے ہیں مثلاً برہما' مہادیو' بشن' کشن' مہامائی وغیرہ کے احترام کی صورتیں سنتا اور پھر ان کی جانب مائل ہوتا۔ ان کو قبول کرتا۔)

اسی طرح پر کوتھم نامی برہمن بھی بادشاہ سے بہت زیادہ ہل مل گیا تھا۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ تر "د
اکبری" میں ان ہی لوگوں کے عقائد واعمال رسوم وطریقوں کو جگہ ملی۔

دین الٰہی کے عناصر

اگر چہ ایک "مستقل نظام مذہبی" کا تفصیلی تذکرہ اس مختصر سے مضمون میں ناممکن ہے لیکن بطور نمونہ کے بع
نمایاں اجزاء کا ذکر بھی آئندہ "مقصد" کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔

یہ تو معلوم ہو چکا کہ سلبی طور پر اسلامی عقائد وعبادات واعمال ورسوم کا بتدریج خاتمہ ہو چکا تھا' لیکن ان
جگہ جو چیزیں اس جدید دین میں بھری گئیں' ان میں ممتاز چیزیں یہ ہیں۔

عبادت میں بجائے توحید کے شرک صریح

کسی تاویل وتوجیہ کی پناہ میں نہیں بلکہ علانیہ اس باب میں اکبر کا جو مسلک تھا' ملا صاحب ہی سے اس کو سننا چا

"عبادت آفتاب راروزے چہار وقت کہ سحر وشام نیم روز ونیم شب باشد لازم گرفتند' و ہزار

ویک نام ہندی آفتاب را وظیفہ ساختہ نیم روز متوجہ آں شدہ بحضور دل مے خواندند و ہر دو گوش گرفتہ و چرخے زدہ مشتہا بر بنا گوش کوفتہ حرکاتے دیگر نیز ازیں قبیل بسیار بوؤ قشقہ کشیدند و نوبت ونقارہ یکے در نیم شب ویکے در وقت طلوع یافت۔'' (ص۳۲۲)

(آفتاب کی عبادت دن میں چار وقت یعنی صبح و شام دو پہر آدھی رات میں لازمی طور پر کرتے تھے اور ایک ہزار ایک آفتاب کے ہندی ناموں کو اپنا وظیفہ بنایا تھا' ٹھیک دو پہر کو آفتاب کی طرف متوجہ ہو کر حضور قلب کے ساتھ ان ناموں کو پڑھا کرتے تھے اور اپنے دونوں کانوں کو پکڑ کر بادشاہ ایک چرخ کھاتا اور کانوں کے لو پر مکے لگاتا اور اسی قسم کی دوسری حرکات بہت سی بادشاہ سے صادر ہوتی تھیں۔ وہ قشقہ بھی لگاتے تھے اور آدھی رات کو ایک دفعہ پھر طلوع آفتاب کے وقت دوسری دفعہ روزانہ نوبت ونقارہ بھی مقرر تھا۔)

یہ قاعدہ مقرر تھا کہ جب آفتاب کا ذکر کیا جائے (العیاذ باللہ) اس وقت جلت قدرتہ کہا جائے اور ایک بیچارہ آفتاب ہی کیا۔

''ہم چنیں آتش و آب و سنگ و درخت و سائر مظاہر روزگار تا گاؤ و سرگیں آں نیز وقشقہ وزنار راجلوہ داد و دعا' تسخیر آفتاب کہ ہندو آں تعلیم دادہ بودند بہ طریق ورد در نیم شب و وقت طلوع خواندن گرفتند۔'' (ص۲۶۱)

(اسی طرح آگ' پانی' درخت اور تمام مظاہر فطرت حتیٰ کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجتا تھا اور قشقہ جنیو سے اپنے بدن کو آراستہ کرتا اور آفتاب کے مسخر کرنے کی دعا جس کی تعلیم ہندوؤں نے دی تھی ''ورد'' کے طور پر آدھی رات کو اور طلوع آفتاب کے وقت پڑھا کرتا تھا۔)

اور صرف عبادت ہی نہیں کی جاتی تھی بلکہ ربوبیت میں بھی اس کو شریک ٹھہرایا گیا تھا کہ

''آفتاب نیر اعظم وعطیہ بخش تمام عالم و مربی بادشاہان و پادشاہان مروج اوایند۔''

(آفتاب نیر اعظم ہے اور سارے عالم کو وہ داد و دہش کرتا ہے' بادشاہوں کا مربی و سرپرست سورج ہی ہے اور سلاطین اس کو رواج دلانے والے ہیں۔)

کواکب پرستی میں غلو اس قدر بڑھ گیا تھا کہ

''لباس را موافق رنگ از سبع سیارہ کہ ہر روزے بکوکبے منسوب است ساختند۔''

(بادشاہ اپنے لباس کا رنگ سات ستاروں کے رنگ کے مطابق رکھتے تھے چونکہ ہر دن کسی سیارہ کے ساتھ منسوب ہے اس لئے ہر دن کے لباس کا رنگ جداگانہ مطابق رنگ سیارہ ہوتا۔)

مور کے متعلق بھی ہندوؤں نے باور کرایا تھا کہ

''خوک از اں دہ مظہرست کہ حق تعالیٰ دراں حلول کردہ۔'' (العیاذ باللہ)

''مبداء و معاد'' جن پر مذاہب کی بنیاد قائم ہے' اس میں مبدء کے متعلق تو یہ عقیدہ قرار دیا گیا' اب رہا معاد یعنی ''بعد مردن'' کے متعلق جدید دین میں۔

''در مذہب تناسخیہ رسوخ قدم حاصل شدہ۔'' (ص ۲۵۸)

(تناسخ کے عقیدہ میں بڑی پختگی پیدا ہوگئی تھی۔)

اعظم خاں گورنر بنگال جب دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا

''مادلائل قطعی بر حقیقت تناسخ یافتہ ایم شیخ ابوالفضل خاطر نشاں شما خواہد کرد۔'' (ص ۳۰۰)

اس مسئلہ کے متعلق خوش اعتقادی یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ برہمنوں کے مشورہ سے بادشاہ صرف سر کے بیچ کے بال منڈوایا کرتے تھے اور چاروں طرف کناروں کے بال چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ عقیدہ یہ تھا کہ چونکہ بادشاہ کی روح کامل ہو چکی ہے اور

''روح کامل مکملاں از راراء ہامہ کہ منفد دہم ست خروج میکند دراں وقت آوازے مثل صاعقہ میکند و آں دلیل سعادت و نجات میت است از گناہان و علامت حلول روح است بمذہب تناسخ در بدن بادشاہے ذی شوکتے صاحب اقتدارے نافذ الامرے۔'' (ص ۳۲۵)

(اور کامل و مکمل لوگوں کی روح کھوپڑی (تالو) کی راہ سے نکلا کرتی ہے جو دس سوراخوں (یعنی بدن کے) سوراخوں میں سے دسواں سوراخ ہے۔ جس وقت کاملوں کی روح کھوپڑی سے نکلتی ہے اس وقت ایک کڑاکے کی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ آواز روح کی سعادت و نجات کی دلیل ہوتی ہے اور یہ کہ مردہ کو گناہوں سے نجات ہوگئی (شاید جلنے کے وقت آخر میں جو مردوں کی کھوپڑی پھٹتی ہے اور اس وقت ایک سخت آواز قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہے برہمنوں نے اس کو نجات کی دلیل بنالیا ہوگا) بہرحال' اس آواز کو یہ لوگ اس کی دلیل بھی قرار دیتے تھے کہ ایسے آدمی کی روح کسی صاحب شوکت باقتدار مطلق العنان بادشاہ کے بدن میں جنم لیتی ہے۔)

گویا اس طریقہ سے بادشاہ کو یقین تھا کہ مرنے کے بعد پھر کسی دوسرے تخت پر اسی شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر ہوں گے' اگرچہ بعض برہمنوں نے تو یہ بھی باور کرادیا تھا کہ اکبری عہد (الف ثانی) سے چونکہ بجائے قمر کے زحل کا عمل و دخل شروع ہوگیا ہے اس لئے عمر کی کمی جو دورہ قمر کا نتیجہ تھی اب نہ ہوگی۔ دورہ زحل کے متعلق خیال تھا کہ ''مجدد اطوار ادوار و مورث ملول اعمار است'' الغرض پہلے تو موت ہی کے خیال کو ایک دور دراز زمانہ تک ملتوی کردیا گیا اور اس

کے بعد بھی یقین دلایا گیا کہ آئندہ بھی بادشاہ کی روح کسی ایسے ہی بادشاہ کے جون میں حلول کرے گی جیسا کہ وہ خود تھا۔ ان باتوں نے تناسخ پر اس کے قدم کو راسخ کر دیا تھا۔ ملا عبدالقادر لکھتے ہیں کہ

ایک دفعہ مہا بھارت کے ترجمہ میں بے ساختہ ایک قصہ کے ذکر میں میرے قلم سے یہ مصرعہ نکل گیا تھا ع

ہر عمل اجرے و ہر کردہ جزائے دارد

بادشاہ نے جس وقت یہ مصرعہ سنا بگڑ گیا کہ میرے اس مصرعہ کو

''این معنی را عمل بر سوال منکر نکیر و حشر و نشر و حساب و میزان وغیر آں نمودہ مخالف قرار داد خویش کہ بغیر تناسخ بہ ہیچ چیز قائل نیستند۔'' (ص ۴۰۰)

(بادشاہ نے منکر نکیر کے سوال، حشر و نشر، حساب و میزان وغیرہ کی طرف اشارہ خیال کیا اور ان ہی پر اس مصرعہ کو محلول کیا اور اس کو اپنے اس تناسخ کے عقیدے کے مخالف قرار دیا جس کے سوا وہ کسی چیز کا قائل نہ تھا۔)

ملا بیچارے کی خیر نہیں تھی، بارے ترجمہ کے حیلے سے رہائی ملی، عقائد کے یہی دو اہم جزء تھے اور اکبر کا اس میں یہ حال تھا۔

یہ عقائد و عبادات تھے جو بادشاہ کرتا تھا۔
اور ستم ظریفی یہ تھی کہ باایں ہمہ شرک اس مذہب کا نام

''بہ توحید الٰہی موسوم ساختند۔'' (ص ۳۲۵)

(''توحید الٰہی'' کے نام سے اس مذہب کو موسوم کیا گیا تھا۔)

مریدوں سے باضابطہ اس دین میں داخل ہونے کے متعلق بیعت لی جاتی تھی۔ سب سے پہلے جو کلمہ پڑھایا جاتا تھا وہ جیسا کہ ملا صاحب لکھتے ہیں:

''قرار دادند کہ بہ کلمہ لا الہ الا اللہ'' اکبر خلیفۃ اللہ'' علانیہ تکلیف نمایند۔'' (ص ۲۷۳)

(حکم تھا کہ ''لا الہ الا اللہ'' کے ساتھ ''اکبر خلیفۃ اللہ'' کہنے پر لوگوں کے ساتھ اصرار کیا جائے اور اس کا ان کو مکلف ٹھہرایا جائے۔)

بلکہ اس قول سے تو معلوم ہوتا ہے کہ محض مریدوں ہی تک یہ بات محدود نہ تھی بلکہ عام رعایا کو بھی اس کے کہنے پر قانونی حیثیت سے مجبور کیا جاتا تھا۔

بہرحال جو لوگ اس دین میں باضابطہ داخل ہوتے تھے ان کو گزشتہ بالا کلمہ کے ساتھ حسب ذیل معاہدہ نامہ کا اقرار کرنا پڑتا تھا۔ ملا صاحب نے اس معاہدہ نامہ کو بجنسہٖ نقل کر دیا ہے۔

Marfat.com

''منکہ فلاں بن فلاں ہاشم بہ طوع ورغبت وشوق قلبی ازیں اسلام مجازی وتقلیدی کہ از پدران دیدہ وشنیدہ بودم ابراء وتبرا نمودم دور دین الٰہی اکبرشاہی درآمدم ومراتب چہارگانہ اخلاص کہ ترک مال وترک جان وناموس ودین باشد قبول کردم۔''

(منکہ فلاں بن فلاں ہوں' اپنی خواہش ورغبت اور دلی شوق کے ساتھ دین اسلام مجازی اور تقلیدی جو باپ دادوں سے سنا اور دیکھا تھا' اس سے علیحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں اور اکبر شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں اور اس دین کے اخلاص کے چاروں مرتبوں یعنی ترک مال' ترک جان' ترک ناموس وعزت' ترک دین کو قبول کرتا ہوں۔)

جو لوگ اس دین میں داخل ہوئے تھے ان کو ''موافق اصطلاح جوگیاں چیلہ نامیدند۔'' (ص ۳۲۵) اور خود یہ لوگ '' جماعۃ را کہ مریدے گرفتند الہیان مشہور بودند'' (ص ۲۹۹) ان لوگوں کے لئے یہ دستور ٹھہرایا گیا تھا کہ

''اللہ اکبر عنوان نامہائے قرار یافت۔'' (ص ۳۲۱)

(اپنے خطوط کے سرناموں میں ''اللہ اکبر'' لکھا کریں۔)

نیز بجائے اسلام کے

''مریدان چوں ہمدگر ملاقات بہ گرند یکے ''اللہ اکبر'' دیگرے جل جلالہ گوید۔'' (ص ۳۵۶)

(مرید جب باہم ملتے جلتے تو ان میں ایک اللہ اکبر اور دوسرا جل جلالہ کہتا۔)

مرید کرنے کا طریقہ یہ تھا۔

''ہر دوازدہ نفر نوبت بہ نوبت وشل بہ شل مرید شدہ موافقت در مشرب مذہب مے نمودند۔''

(بارہ بارہ آدمیوں کی ٹولی ٹولی نوبت بہ نوبت بادشاہ سے مرید ہوتی اور مشرب و مذہب میں یہ لوگ موافقت اختیار کرتے۔)

ان کو ''شجرہ'' بھی دیا جاتا تھا لیکن وہ ''شجرہ'' کیا ہوتا تھا' ''حامیان تجدد'' کے لئے باعث رشک ہے ہائے۔

حریفاں بادہا خوردند و رفتند تہی خم خانہ ہا کردندو رفتند

''بجائے شجرہ شبیہے دادہ آں را علامت اخلاص ومقدمہ رشد ودولت مے دانستند ودر غلاف مرصع پیچیدہ بالائے دستار مے گذاشتند۔'' (ص ۳۴۱)

(''شجرہ'' کی جگہ بادشاہ کی ایک ''شبیہہ'' (تصویر) مریدوں کو دی جاتی تھی۔ اس تصویر کو

Marfat.com

اخلاص کی علامت پختگی اور دولت واقبال کا مقدمہ خیال کیا جاتا تھا۔ ایک مرصع جواہر نگار غلاف میں اس تصویر کو رکھ کر یہ لوگ اپنی اپنی دستاروں پر لگاتے تھے۔)

علاوہ ان معبودوں کے جنہیں پیر پوجتا تھا مریدوں کے لئے خود ''بادشاہ'' کی عبادت بھی ''دین جدید'' کے اہم ارکان میں شمار کی جاتی تھی۔ اس عبادت کا خاص طریقہ تھا' ملا صاحب لکھتے ہیں:

''ہر صباح در وقت عبادت شمس بجھروکہ تا طلعت مبارک نمے دیدند' مسواک وطعام وآب بر ایشاں حرام بود ودر ہر شے صاحب حاجتے ونیاز مندے از ہندو مسلم وانواع طوائف مرد وزن صحیح وسقیم را آنجا بار عام بود کاروبارے طرفہ وہنگامہ گرمی واز دحامے عظیمے وہمیں کہ از تسبیح ہزار و یک نام نیر اعظم فارغ شدہ از حجاب برے آمدند ایں جماعۃ در سجودے افتادند۔'' (ص ۳۲۶)

(ہر صبح میں اس وقت جس وقت بادشاہ جھروکہ میں آفتاب کی پوجا کرتا تھا ان مریدوں کی جب تک بادشاہ کے مبارک چہرہ پر نظر نہ پڑتی تھی نہ تو یہ دتون کرتے تھے اور کھانا پانی ان پر اس وقت تک حرام تھا (رات ہی کے وقت سے) ہر شب میں حاجت وضرورت والے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان عورتوں مردوں میں سے اچھے بیمار سب ہی طرح کے لوگوں کو اس جگہ آنے کی عام اجازت تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک بڑا ہنگامہ' ایک بڑا میلہ روز لگ جاتا تھا۔ بادشاہ جوں ہی آفتاب کے ایک ہزار ایک نام کے وظیفے سے فارغ ہو کر پردہ سے باہر آتا سب کے سب ایک دفعہ سجدہ میں گر جاتے۔)

الغرض بادشاہ تو ذرہ سے لے کر آفتاب تک ہر اس چیز کا پجاری بن گیا تھا جس میں نفع وضرر کا پہلو کچھ بھی نمایاں ہوتا اور بادشاہ کے مرید علاوہ ان معبودوں کے خود اپنے پیر کو بھی پوجتے تھے۔ اسی سجدہ کا نام ''زمیں بوس'' رکھا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں تاج العارفین صاحب کا صوفیانہ اغواء بھی شریک تھا۔ یہ مولانا زکریا اجودھنی کے صاحبزادے تھے اور ''نزہتہ الارواح'' جو تصوف کی مشہور کتاب ہے' اس پر شرح بھی لکھی تھی۔ آپ ہی نے بادشاہ کو ''عین واجب'' لا اقل عکس واجب قرار دے کر۔

''سجدہ برائے او تجویز کردہ آں راز میں بوس نامیدند ورعایت ادب پادشاہ را فرض عین شمردہ روے اورا کعبہ مرادات وقبلہ حاجات دانایندند وبعضے روایات مرجوحہ وعمل مریداں بعضے مشائخ ہندرا دریں باب بہ تمسک آوردند۔'' (ص ۲۵۹)

(بادشاہ کے لئے سجدہ کو جائز قرار دیا اور اس کا نام ''زمین بوس'' رکھا گیا تھا اور بادشاہ کے ادب کا خیال فرض ٹھہرایا گیا اور بادشاہ کو مقاصد ومرادوں کا کعبہ اور اس کے چہرہ کو قبلہ حاجات مقرر کیا گیا اور بعض کمزور روایتوں اور ہندوستان کے بعض صوفیوں کے طرز عمل سے اس دعوے کو ثابت کیا جاتا تھا۔)

Marfat.com

''زمیں بوس'' کا یہی طریقہ تھا جو بعد میں بھی جاری رہا۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے دل کا زخم اسی مسئلہ کے منہ سے بالآخر پھوٹ پڑا تھا جیسا کہ آئندہ ذکر آتا ہے۔ اکبری عہد میں عوام ہی نہیں بلکہ خواص علماء بھی اس مشرکانہ فعل کے مرتکب ہوتے تھے۔ ملا صاحب نے ایک عالم کی تصویر زمیں بوس کے وقت کی کھینچی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ مولوی دربار میں جس وقت حاضر ہوا تو

''گردن کثر کورنش کردہ تادیرے دست بستہ چشم پوشیدہ ایستادہ ماند بعد از مدتے چوں حکم نشستن فرمودند سجدہ بجا آوردہ و مانند اشتر لوک نشست۔'' (ص ۲۴۷)

(گردن ٹیڑھی کر کے کورنش بجالایا اور دیر تک ہاتھ جوڑے اور آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔ دیر کے بعد جب اس کو بیٹھنے کا حکم ملا تو فوراً سجدہ میں چلا گیا اور بے کینڈے اونٹ کی مانند بیٹھ گیا۔)

یہ حال عقائد و عبادات کا تھا۔ ان کے ماسوا اور جو باتیں اس ''دین'' کے رسوم و عادات میں سے تھیں' ان کا افسانہ طویل ہے' اہم خروار سے ایک ''مشت'' ہی پر کفایت کی جاتی ہے۔

سود اور جوئے کی حلت

ملا صاحب لکھتے ہیں:

''ربوٰ و قمار حلال شد و دیگر محرمات بر ایں قیاس باید کرد و قمار خانہ در دربار بنا کردہ زرے بسود بمقامراں از خزانے مے داوند۔''

(سود اور جوا حلال کر دیا گیا تھا' اسی پر دوسری حرام چیزوں کو قیاس کر لینا چاہیے۔ ایک ''جوا گھر'' خاص دربار میں بنایا گیا اور جواریوں کو شاہی خزانہ سے سودی قرض دیا جاتا تھا۔)

شراب کی حلت

فتویٰ دیا گیا کہ

''شراب اگر بحیثیت رفاہیت بدنی بطریق اہل حکمت بخورند دفتنہ و فسادے ازاں نزائد مباح باشد بخلاف مستی مفرط و اجتماع وغوغاء کہ اگر ایں چنیں یا فتند سیاست بلیغ نمودند۔''

(شراب بدن کی اصلاح کے لئے طبی طور پر استعمال کی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس کے پینے سے کوئی فتنہ فساد نہ پیدا ہو۔ اس طرح شراب پینا جائز ہے۔ البتہ حد سے گزرا ہوا نشہ اور اس کی وجہ سے لوگوں کا جمع ہو کر شور وغوغا مچانا بادشاہ کو اگر اس کی خبر ہو جاتی تھی تو سخت دار و گیر کرتے تھے۔)

Marfat.com

اور جس طرح جوئے اور سود کی عملی شکل اختیار کی گئی تھی بادشاہ نے خود ہی

''دوکان شراب فروشی بر دربار باہتمام خاتون دربان کہ از نسل خمار است برپا کردہ نرخے معین نہادند۔''

(ایک دکان شراب فروشی کی بھی دربار ہی کے پاس دربان عورت جو شراب فروشوں کی نسل سے تھی اس کے اہتمام میں قائم کی تھی اور اس کے نرخ بھی خود ہی مقرر کیے تھے۔)

گویا محکمہ ''آبکاری'' کی ہندوستان میں یہ پہلی بنیاد تھی۔ شراب کے مسئلہ میں بادشاہ کو جس قدر غلو تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ

''در مجالس نوروزی اکثرے علماء و صلحاء بلکہ قاضی و مفتی را نیز دردادی...... قدح نوشی آورد۔''

(کہ نوروز کی مجلسوں میں اکثر علماء و صلحاء بلکہ قاضی و مفتی تک شراب نوشی کے میدان میں اتارے جاتے تھے۔)

''نشاط'' کی اس مجلس میں مختلف لوگوں کے نام سے جام تجویز کیے جاتے ہیں۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ

''ملک الشعراء (فیضی) مے گفتند کہ ایں پیالہ بکوری فقہاے خوریم۔''

(ملک الشعراء فرمایا کرتے کہ یہ پیالہ میں فقہا کے ''اندھاپن'' کے نام سے پیتا ہوں۔)

داڑھی کی درگت

شراب کی حلت کے بعد دین الٰہی میں سب سے زیادہ زور جس چیز پر دیا جاتا تھا' وہ ''ریش تراشی'' کا مسئلہ تھا۔ ملا صاحب کا بیان ہے کہ ابتداءً داڑھی منڈانے کا خیال'' دختران راجہائے عظیم'' کی بدولت پیدا ہوا۔ اس کے بعد پھر کیا تھا اس خیال کی تائید میں عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل کا دریا بہا دیا گیا۔ عقلی دلائل میں دلچسپ دلیل تو یہ تھی کہ

''ریش از خصیتین آب مے خورد لہٰذا ہیچ خواجہ سرائے ریش ندارد در نگاہداشتن او چہ ثواب۔''

(داڑھی کے بال کی سیرابی چونکہ خصیتین سے ہوتی ہے اور ان ہی سے داڑھی پانی لیتی ہے' پھر اس کے رکھنے سے کیا ثواب ہوسکتا ہے۔)

اور نقلی دلائل جو اس سلسلے میں پیش کیے گئے' ان میں بعض سننے کے قابل ہیں۔ ان ہی سے دوسری دلیلوں کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے۔ فقہ کی کسی کتاب میں لکھا ہوا تھا کہ داڑھی کو اس طرح نہیں ترشوانا چاہیے جس طرح عراق کے بعض اوباش کرتے ہیں۔ اوباش کا ترجمہ عربی میں عصاۃ سے کیا گیا تھا۔ ہندو مسلمانوں کی صورت کو واحد نقطہ پر جمع کرنے کی

Marfat.com

کوشش میں ایک مولوی صاحب نے عین کو قاف بنا دیا اور شاہی دربار میں انہوں نے عبارت اس شکل میں پیش کی۔

کمایقعله قضاة العراق

جس طرح عراق کے قاضی منڈایا کرتے ہیں۔

دلیل یہ تھی کہ جب عراق کے قاضی داڑھی منڈاتے تھے تو ہندوستان کے کیوں نہ منڈائیں۔ ملا ابوسعید پانی پتی جو ملا امان کے بھتیجے تھے، ان کے پرانے مسودوں سے ایک حدیث بھی بارگاہ شاہی میں گزرائی گئی تھی جس کا ترجمہ ملا صاحب نے درج کیا ہے۔

''پسر صحابی سرّش درنظران حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمد فرمودند کہ اہل بہشت بایں ہیئت خواہند بود۔'' (ص ۲۷۸)

(ایک صحابی کے صاحبزادے داڑھی منڈائے ہوئے آنحضرت ﷺ کے سامنے سے گزرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بہشت والوں کی یہی صورت ہوگی۔)

آخر میں ''ریش تراشی'' کے معاملہ میں اکبر کا جنون اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ ''ریش تراشی بہ کلاش میکردند۔'' بیچارے ملا صاحب نے اس کی تاریخ بھی لکھی۔

بہ گفتہ ریشہا برباد دادد و مفسدے چند

دربار اکبری کے بڑے بڑے فضلا و علماء روزمرہ اپنی اپنی داڑھیاں بادشاہ کے قدموں پر نثار کرتے تھے۔

غسل جنابت

ایک مسئلہ اس ''دین جدید'' کا یہ بھی تھا۔

''فرضیت غسل جنابت مطلقاً ساقط شد کہ تخم آفرینش نیکان است بلکہ مناسب آن ست کہ اول غسل کنند بعد ازاں جماع۔''

(ناپاکی کی وجہ سے غسل کے فرض ہونے کا مسئلہ منسوخ کر دیا گیا اس لئے (منی) نیک لوگوں کی پیدائش کا تخم ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ پہلے آدمی غسل کرے بعد اس کے ہم بستر ہو۔)

قانون نکاح اور ساردا ایکٹ

نکاح کے متعلق چند جدید قوانین نافذ کئے گئے۔ ایک تو یہ کہ ''دختر و خال را نکاح نکنند کہ میل کم شود'' اور اسی

Marfat.com

کے ساتھ یہ بھی قانون بنایا گیا کہ

''پسر را بیشتر از شانزدہ سالگی و دختر را از چہاردہ سالگی نکاح روانہ باشد کہ فرزند ضعیف مے شود۔''

(سولہ سال سے پہلے لڑکوں کا اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح جائز نہ ہوگا اس لئے کہ بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں۔)

گویا ساردا ایکٹ کا نفاذ بھی اسی زمانہ میں ہو گیا تھا۔ ملاّ صاحب نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے اس وقت حضرت صدیقہؓ کے نکاح کو عذر میں پیش کیا تھا' غنیمت ہے کہ اکبر نے صرف واقعہ کے انکار پر قناعت کی جیسا کہ لکھتے ہیں:

''قصہ زفاف صلی اللہ علیہ وسلم با صدیقہ را مطلق منکر بودند۔''

(آنحضرت ﷺ اور حضرت صدیقہؓ کی رخصتی کے بالکلیہ منکر تھے (یعنی عمر کی مشہور مدت غلط ہے)۔)

نکاح ہی کے سلسلہ کا ایک قانون یہ بھی تھا کہ ''بیشتر از یک زن نکاح نہ کنند۔''

گویا تعدادِ ازدواج کا قصہ اسی وقت اٹھ چکا تھا دلیل میں کہا جاتا کہ ''خدا یکے و زن یکے۔''

یہ بھی حکم تھا کہ آلہ عورت (جس کے ایام بند ہوں) نکاح نہیں کر سکتی' اسی طرح ایسی عورت جو مرد سے بارہ سال بڑی ہو' مرد اس کے ساتھ ہم بستری نہیں کر سکتا۔ ساردا ایکٹ کی پیچیدگیاں ابھی سامنے نہیں ہیں۔ چونکہ اس دور میں ابھی اس پر پورا عمل نہیں ہوا ہے ورنہ اکبر کے عہد میں اس کا جو انجام ہوا تھا' ملاّ صاحب بیان کرتے ہیں کہ حکم چونکہ یہ تھا کہ جب تک لڑکا اور لڑکی کا کوتوالی میں معائنہ کرا لیا جائے اور عمر کا صداقت نامہ نہ حاصل کر لیا جائے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا۔

''بایں تقریب خیلے منافع و فوائد بعہدہ داران خصوصاً کسان کوتوال و خانوے کلال و سائر عوانان ارذال بیروں از وہم و خیال عائد گردید۔'' (ص ۳۹۱)

(اس ذریعہ سے عہدیداروں کو کمانے کا خوب موقع ملا خصوصاً کوتوال اور خانوے کلال کے آدمیوں اور ان کے دوسرے مددگاروں' ماتحتوں کو جو عموماً کمینے ہوتے ہیں۔ ان کو اس قانون سے جو نفع پہنچا اس کا اندازہ حد وہم و خیال سے باہر ہے۔)

پردہ

ملاّ صاحب کی اس عبارت سے ''زنے جوانے کہ در کوچہ و بازار مے گردیدہ باشد دران حال یار و نپوشد یا روئے کشادہ گردد۔'' (ص ۳۹۱)

(جوان عورتیں جو کوچہ بازار میں نکلتی ہیں' باہر نکلنے کے وقت میں چاہیے کہ چہرہ کو یا کھلا رکھیں یا چہرہ کو کھول دیا کریں (اگر برقعہ وغیرہ ہو)۔)

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ شاید قانوناً پردہ بھی اٹھا دیا گیا تھا۔ گویا وہ ساری روشن خیالیاں اور جدت طرازیاں جن پر ''عہد جدید'' کو ناز ہے' نہایت افسوسناک سانحہ ہے کہ تقریباً ان میں سے اکثر روشنی جدید نہیں بلکہ قدیم ہے۔ کاش! اس کی کہنگی اور قدامت ہی ان لوگوں کے چونکنے کا ذریعہ بن جائے۔

زنا کی تعظیم

نکاح کے قوانین میں ان ترمیموں کے سوا عہد اکبری میں بعض علماء نے فقہ حنفی کی رو سے ''جواز متعہ'' کا بھی فتویٰ صادر کیا تھا جس کا قصہ طویل ہے۔ بعضوں نے تو اکبر کے ''الحاد'' کا نقطہ آغاز اسی مسئلہ کو قرار دیا ہے۔ بعض مولویوں نے بجائے چار کے اکبر کے کانوں تک یہ بھی پہنچایا تھا کہ بعض مجتہدین نو اور بعض اس سے زیادہ بھی بیویوں کے قائل ہیں لیکن یہ باتیں اس وقت کی ہیں جب تک ان مولویوں کو ''فقیہ کور'' کا خطاب نہ ملا تھا'' دین الٰہی'' کی تدوین کے بعد تو آپ دیکھ چکے کہ ایک سے زائد تک کی حرمت کا قانون بن گیا تھا' البتہ بانجھ ہونے کی صورت میں دوسری بیوی کی اجازت تھی۔ ایک طرف تو یہ حال تھا دوسری طرف بغیر نکاح و متعہ کے بھی اس فعل کی اجازت ہوگئی تھی' گویا قانوناً زنا حرام نہ تھا۔ صرف اس کو منظم کرنے کے لئے ایک دستور بنایا گیا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں:

> ''از شہر بیروں آباداں ساختند وآں را' شیطان پورہ نامیدند وآنجا نیز محافظے ومشرفے وداروغہ نصب کردند تا ہر کہ باآں جماعت صحبت دارد یا بخانہ ببرد اول نام نسب خود بنویساند آں گاہ باتفاق تمغاچیاں جماع ہر چہ خواہد کند۔''

> (شہر سے باہر آبادی بنائی گئی اور اس کا نام ''شیطانپورہ'' رکھا گیا۔ وہاں باضابطہ محافظ' نگران' داروغہ مقرر تھے تاکہ جوان سے...... یا گھر لے جانا چاہے اپنا نام ونسب لکھوائے اور ان ملازموں کے اتفاق سے...... جو چاہے کرے۔)

اس سے بھی زیادہ پُر لطف قانون کا یہ حصہ تھا ''اگر کسی خواہد کہ بکارت آنہا بہ برد اگر خواستگار راز مقربان نامی ست داروغہ بعرض رسانیدہ رخصت از درگاہ بگیر والانہ۔'' بادشاہ کو اس مسئلہ سے اتنی دلچسپی تھی کہ ''پنہانی تحقیق مے نمودند کہ بکارت انہا کہ بردہ باشد۔'' بیربر کے متعلق اس سلسلہ میں بادشاہ تک یہ خبر پہنچائی گئی کہ ''از نیات ہم نمی گذشت'' مگر شدت محبت سے بادشاہ نے اس کے قصور کو معاف کر دیا۔

رسم ختنہ

حالانکہ دین جدید سے پہلے اکبر نے اپنے شاہزادوں کا خود ختنہ کرایا تھا۔ ملا صاحب نے اس کو بھی نقل کیا

ہے لیکن ''ہندو مسلم'' کے رفع خلاف کا جب شوق پیدا ہوا تو اسلام کے ایسے اہم ''شعار'' کے متعلق یہ قانون نافذ کیا گیا کہ

''ختنہ پیش از دوازدہ سالگی نہ کنند بعد ازاں اختیار دادہ خواہ کند یا نکند۔'' (ص ۳۷۲)

(کہ بارہ سال سے پیشتر لڑکوں کا ختنہ نہ کرایا جائے' بارہ سال کی عمر کے بعد لڑکے کو اختیار ہوگا چاہے کرے چاہے نہ کرے۔)

ظاہر ہے کہ بارہ سال کی عمر کے بعد مشکل ہی سے کوئی اس اذیت کے برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہوسکتا تھا خصوصاً جب سلطنت کی جانب سے اس کی ہمت شکنی بھی ہوتی ہو' گویا ''سنت ختنہ'' کے مٹانے کی ایک مخفی تدبیر تھی۔

میّت

دین الٰہی میں داخل ہونے والوں کے لئے مرنے کے بعد یہ حکم دیا گیا:

''کہ پارہ از غلہ خام بخشت پختہ بر گرنش بستہ درآب سرد شدو بجائے کہ آب نباشد بسوزند یا بطور خطائیاں بر درختے بر بندند۔''

(خام غلہ اور پکی اینٹیں مردہ کی گردن میں باندھ کر اس کو پانی میں ڈال دیا جائے۔ اگر پانی نہ ہو' تو اس کو جلا دیا جائے یا چینیوں کی طرح کسی درخت سے مردہ کو باندھ دیا جائے۔)

شاید ڈبونے یا جلانے لٹکانے کا حکم بعد کو ہوا' ورنہ اس سے پہلے جو حکم تھا اس میں دفن کی مخالفت نہیں کی گئی تھی' البتہ اتنی ترمیم اس میں بھی تھی کہ

''سر مردہ بجانب مشرق و پائے آن بجانب مغرب دفن کنند۔'' (ص ۳۵۷)

(مردہ کا سر مشرق کی جانب اور پاؤں مغرب کی جانب رکھ کر اس کو دفن کیا جائے۔)

سلطان خواجہ کہ ''از جملہ مریدان خاص الخاص بود' جب مرا ہے تو اکبر نے علاوہ مذکورہ بالا سمت کے ایک حرکت یہ بھی کی تھی کہ اس کی قبر میں ایک کھڑکی بنادی گئی تھی۔ ''مقابل نیر اعظم گذاشتند تا فروغ آں پاک کنندہ گناہاں است وہر صباح بروئش افتد۔'' ملا صاحب لکھتے ہیں کہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ ''بر دہانش زبانہ آتش نیز رسانیدہ بودند۔'' یہ تھا وہ دین جس میں ہندوستان کے باشندوں کا تعلق بیرون ہند سے توڑ لیا گیا تھا اور ٹھیک جس سمت کعبہ ہے مردہ کی ٹانگ اسی جانب رکھی جاتی تھی۔ ضد کی یہ حد تھی کہ

''خواب رفتن خود را نیز بہ ہمیں ہیأت قرار دادند۔'' (ص ۳۵۷)

(سونے کے وقت بادشاہ اسی ہیئت کے ساتھ سوتے تھے' یعنی ٹھیک بجانب قبلہ پاؤں کرتا تھا)۔

Marfat.com

کہاں تک لکھا جائے۔ ایک جز ہو' دو جز ہو اس نے تو ابتدائے زندگی سے آخر زندگی تک کے سارے قوانین کو الٹ پلٹ دیا تھا۔ ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ گزشتہ بالا چیزوں کے ریشم' سونے کو مردوں کے لئے نہ صرف حلال بلکہ قریب قریب وجوب کی حد تک پہنچا دیا گیا تھا۔ عموماً اس زمانہ کے وہی علماء جنہوں نے اس ''ہندی دین'' کو قبول کر لیا تھا یا اس کے حامی تھے' وہ ریشمیں کپڑے پہنتے تھے اور خدا کے ایک باغی کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ آج بھی کتنے ہیں جنہیں الٰہی احکام کی اتنی قطعاً پرواہ نہیں ہے جتنی کہ خدا کے بعض دشمنوں کی ہے۔ اسی طرح سور' کتے کو پاک قرار دیا گیا تھا۔ نہ صرف پاک بلکہ

''بر رغم اسلام خنزیر و کلب از نجس بودن باز ماندن درون حرم و زیر قصر نگاہداشتہ ہر صباح نظر بر اں عبادت می شمردندہ۔''

(بلکہ اسلام کے توڑ پر سور اور کتے کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ قرار دیا گیا اور شاہی محل کے نیچے یہ دونوں (ناپاک) جانور رکھے جاتے تھے' صبح سویرے اس کے دیکھنے کو بادشاہ عبادت خیال کرتا تھا۔)

اس سلسلہ میں اکبری عہد کے ایک عالم (فیضی) کا قصہ تو ملا صاحب نے یہاں تک نقل کیا ہے کہ

''چند سگ را در سفر ہمراہ گرفتہ طعام با نہا مے خورند' و بعضے شعراء زبان سگان در دہان می گرفتند۔''

(چند کتوں کو سفر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ان ہی کتوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ بعض شاعر تو کتوں کی زبان بھی اپنے منہ میں لیتے تھے۔)

یہ تھا اس دین کا ایک ''اجمالی نقشہ'' جس میں سارے مذاہب کو ایک نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کس قدر عجب ہے کہ اسلام اور اسلامی احکام کے سوا اور کسی مذہب کے کسی جز کو ان لوگوں کی عقل نہ رد کرتی تھی' نہ اس میں خرابی نظر آتی تھی' حالانکہ اسلام کے ساتھ جہاں ان کا یہ برتاؤ تھا اسی کے ساتھ دوسرے مذاہب اور ان کے رسوم کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت یہ نہ تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آخر ان باتوں کو ان کی عقلیں کس طرح تسلیم کر لیتی تھیں۔ مثلاً یہی عقلی بادشاہ تھا جو اپنے ہاتھ میں راکھی کے نام سے بخوشی لتہ باندھتا تھا۔ نیز

''در روز عید ہشتم سنبلہ بر رسم اہل ہند قشقہ کشیدہ بر در دولت خانہ بر آمدند و ریسمانے جواہر دراں کشیدہ از دست براہمہ بہ تبرک گرفتہ بر دست بستند۔''

(سنبلہ کو جو تیوہار پڑتا تھا' اہل ہند کے رسم کے مطابق بادشاہ قشقہ لگا کر بر آمدہ پر بیٹھے تھے اور ایک ڈوری جس میں جواہرات پر دیئے ہوتے' اس کو برہمنوں کے ہاتھ سے لے کر بطور تبرک کے اپنے ہاتھ پر باندھتے تھے۔)

دوسروں کے متعلق حسن ظنی کا یہ حال تھا کہ شیوراتری میں رات رات بھر جوگیوں کے ساتھ جاگا جاتا تھا کہ

Marfat.com

''سہ چہار بار از عمر طبیعی زیادہ باشد۔''

لیکن اسلام کا کوئی جز قابل انتخاب و پسندیدگی نہ تھا۔ ایک طرف شیر اور بھیڑیے کے گوشت کی حلت کا فتویٰ دیا جاتا تھا کہ اس سے بہادری پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف حکم

''تحریک گوشت گاؤ وگاؤ' میش واسپ ومیش وشتر بود۔'' اسی کے ساتھ یہ بھی ایک قانون تھا کہ

''اگر کسے با شخصے کہ ذبح جانور پیشہ او شدہ باشد طعام بخورد دست او بہ برند و اگر اہل خانہ او بود انگشت اکل قطع نمائند۔'' (ص ۳۷۶)

(جو آدمی اس شخص کے ساتھ کھانا کھائے جس کا پیشہ ذبح کرنے کا ہے تو اس کھانے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے حتیٰ کہ اگر اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ کھائے تو کھانے کی انگلیاں اس کی بھی تراش لی جائیں۔)

جس کے دوسرے معنی یہی تھے کہ ہندوستان سے ''لحمی غذاؤں'' کو ہمیشہ کے لئے معدوم کر دینے کا ارادہ کر لیا گیا تھا اور کون جانتا ہے کہ جب قدیم ''ہندی قومیت'' کی تعمیر اس نقطہ پر آ کر ختم ہوئی تھی حالانکہ اس کی تعمیر میں ایک ایسے شخص کا ہاتھ تھا جو اگر کچھ نہیں تو پشتینی مسلمان ضرور تھا' مسلمان ماں اور باپ سے پیدا ہوا تھا لیکن کیا حال ہوگا ''اس قومیت کا'' جس کی تحریک ان ہاتھوں سے شروع ہوئی ہے جو صدیوں سے اپنے سینوں کو انتقامی جذبات کی بھٹی بنائے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ اس وقت بھی کہا یہی جاتا تھا کہ کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح نہ ہوگی لیکن کیا جو کچھ جاتا تھا وہ آپ دیکھ چکے۔ حد تو یہ ہے کہ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ منجملہ ''دین جدید'' کے قانونوں کے ایک قانون یہ بھی تھا۔

''زن ہندو اگر بر مسلمانے فریفتہ شدہ در دین مسلماناں درآید جبراً و قہراً گرفتہ با اہل او سپارند۔''
(ص ۳۹۳)

(کوئی ہندو عورت اگر کسی مسلمان مرد پر فریفتہ ہو کر مسلمانوں کا مذہب اختیار کرے تو اس عورت کو جبراً و قہراً اس کے گھر کے لوگوں کو سپرد کر دیا جائے۔)

خیر یہ تو ملا صاحب کی شہادت ہے لیکن کیا کوئی اس شہادت کو بھی جھٹلا سکتا ہے؟

''کفار ہند بے تحاشا ہدم مساجد مے نمایند و آنجا تعمیر معبد ہائے خود مے سازند' و نیز کفار برملا مراسم کفر بجا مے آرند و مسلمانان در اجرائے اکثر احکام اسلام عاجز اند۔''
(مکتوبات مجدد الف ثانی۔ ص ۱۶۲ ج ۲۲۰)

(ہندوستان کے کفار بے تحاشا مسجدوں کو ڈھاتے ہیں اور ان کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں' اسی طرح کفار علانیہ کفر کے رسوم انجام دیتے ہیں لیکن مسلمان اسلام کے اکثر احکام کے بجا لانے سے مجبور ہیں۔)

یہ اکبری نہیں بلکہ جہانگیری عہد کے ابتداء کے زمانہ کی رپورٹ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمائی ہے اور یہ باتیں تو وہ تھیں جن کا براہ راست تعلق مذہب سے ہے۔

''الف دوم'' میں تجدد کا جو علم ہندوستان میں لہرایا گیا اس میں مسلمانوں کے تمدنی و تہذیبی اجزاء کی حیثیت کیا باقی رہی تھی؟

مضمون کو ختم کرتے جی چاہتا ہے کہ درد کے ان پھپھولوں کو بھی پھوڑ لیا جائے۔ دعویٰ کیا گیا تھا کہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھا جائے گا لیکن کیا کیا گیا؟ یا کرایا گیا؟

ملاّ صاحب اکبر کی زبانی نقل فرماتے ہیں۔ ایک دن اس نے مجمع کو مخاطب کر کے اپنی رائے ظاہر کی:

''اکنون کتابہائے ہندی را کہ دانایان مرتاض عابد نوشتہ اند و ہمہ صحیح و نص قاطع است و مدار دین و اعتقادیات و عبادات ایں طائفہ برانست ترجمہ از ہندی بزبان فارسی فرمودہ چرا بنام خود نہ سازیم کہ غیر مکرر و تازہ است و ہمہ مثمر سعادات دنیوی و دینی و منتج حشمت و شوکت بے زوال و مستوجب کثرت اموال و اولادست۔'' (ص ۳۲۰)

(اب ہندی زبان کی کتابیں جو ہندوستان کے مرتاض و عابد دانشمندوں کی تصنیفات ہیں، یہ سب صحیح اور بالکل یقینی علوم پر حاوی ہیں۔ اس گروہ (ہندوؤں کے) اعتقادات و عبادات کا سارا دارومدار انہی کتابوں پر ہے۔ میں کیوں نہیں ان کتابوں کے ترجمے ہندی سے فارسی زبان میں اپنے نام سے کراؤں کہ یہ ایسی کتابیں ہوں گی جو فارسی میں مکرر مضمون والی نہ ہوں گی بلکہ تازہ معلومات ہوں گے اور ان سے دنیوی و دینی سعادت فتح و شوکت حشمت و بے زوال کے نتائج حاصل ہوں گے اور کثرت مال و اولاد کے یہ ذریعہ ہوں گی۔)

اس کے بعد دفتر قائم کر دیا گیا۔ علماء مقرر ہوئے جو ان کتابوں کی اشاعت کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے فارسی زبان میں ان کو منتقل کر رہے تھے لیکن ٹھیک اسی کے مقابلہ میں

''عربی خواندن و دانستن آں عیب شد و فقہ و تفسیر حدیث و خوانندہ آن مطعون و مردود۔''

(عربی پڑھنا، عربی جاننا، عیب قرار دیا گیا اور فقہ و تفسیر و حدیث کے پڑھنے والے مردود و مطعون ٹھہرائے گئے۔)

اور ان علوم کی جگہ ''نجوم و حکمت و طب و حساب و شعر و تاریخ افسانہ رائج و مفروض'' گویا مذہبی علوم اور دینیات کی سرپرستی جو اب تک حکومت کا شیوہ تھا، یہ سرپرستی اٹھالی گئی اور اکبری دور کے مدارس میں مضامین فنون و سائنس کی حوصلہ افزائی کی گئی لیکن یہ بھی چند دنوں کی بات تھی، آخری فرمان وہی تھا جس کی توقع اس کے بعد ہونی چاہیے۔ ملاّ صاحب لکھتے ہیں:

''دریں سال حکم شد کہ ہر قوم ترک علوم عربیہ نمودہ غیر از علوم غریبہ از نجوم و حساب و طب و فلسفہ

نخوانند۔" (ص ۳۶۳)

(اسی سال فرمان صادر ہوا کہ ہر قوم عربی علوم کو چھوڑ کر صرف "علوم نادرہ وغریبہ" یعنی نجوم حساب طب' فلسفہ پڑھا کریں۔)

پھر اس کے بعد کیا ہوا' ملا صاحب بیچارے اسلامی علوم کے اس مقتل کو دیکھتے ہیں اور روتے ہیں:

"مدارس و مساجد مندرس علماء اکثرے جلاوطن شدند و اولاد نا قابل ایشاں کہ بماند بمرور بہ پاجی گیری نام برآوردند۔" (ص ۲۷۴)

(مدرسے اور مسجد سب ویران ہیں۔ اکثر اہل علم جلا وطن ہو گئے۔ ان کی اولاد نا قابل۔ جو اس ملک میں رہ گئی ہے "پاجی گیری" میں نام پیدا کر رہی ہے۔)

آخر میں ان دو شعروں پر ان کا نوحہ ختم ہوتا ہے ؎

مدارس از علماء آن چناں بود خالی
برند تختہ لوح ادیب از پے نرد
کہ ماہ روزہ زے خوار خانہ خمار
کنند مصحف قاری گرد بوجہ قمار

اور معاملہ اسی پر بس نہیں ہوتا ہے۔ یہ تو غنیمت ہے کہ اس وقت تک ہندوستان کی زبان سے عربی الفاظ کی جلاوطنی کی تحریک کا آغاز نہیں ہوا تھا اگر چہ اکبر کا رجحان طبع ادھر معلوم ہوتا ہے۔ عموماً چیزوں کے نام رکھنے میں وہ ہندی ترکیبوں کو زیادہ پسند کیا کرتا تھا۔ مثلاً "انوپ تلاؤ" "نتھ پول" چین نگر" "پیر پرشاد" ہاتھی کا نام وغیرہ اس کے رجحانات کا پتہ دیتے ہیں لیکن کھل کر ابھی دماغ میں اس کے یہ تجویز نہیں آئی تھی تاہم اسی کے قریب قریب ایک "چیز" اس کے زمانہ میں بھی پائی جاتی ہے یعنی روزمرہ کی بولی کے بجائے عربی الفاظ کے نکالنے کے وہ عربی حروف کو ہندوستان کی عام زبان سے نکالنا چاہتا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں:

"وحروف خاصہ زبان عرب مثل ثاء حاء عین' صاد ضاد طاوظا' از تلفظ برطرف ساختند۔" (ص ۳۰۷)

(ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص ہیں' مثلاً ث ح ع ص ض ط ظ کو بول چال سے بادشاہ نے باہر کر دیا۔)

اور اس پر عمل کرنے کی صورت یہ نکالی گئی تھی کہ

"عبداللہ را ابداللہ' واحدی را اہدی' وامثال آن' گر میگفتند خوش مے داشتند۔"

(عبداللہ کو ابداللہ' احدی کو اہدی اور از یں قبیل (الفاظ کو بگاڑ کر) کوئی بولتا تو بادشاہ بہت خوش ہوتے تھے۔)

Marfat.com

لیکن یہ خدا کی غیبی تائید تھی کہ اس کوشش کا دائرہ صرف بول چال ہی تک محدود رہا' ورنہ خدانخواستہ اگر لکھنے پڑھنے میں بھی اس طریقہ کو داخل کر دیا جاتا تو آج اسلاف کی محنتوں تک کیا ہماری رسائی ہو سکتی تھی اور وہ کوشش جو اردو' ہندی کے نام سے آج جاری ہے' اس کا مقصد اس کے سوا اور بھی کچھ ہے؟ کہ قرآن پڑھنے والی امت کو قرآنی الفاظ و حروف سے جتنی دور تک دھکیلا جا سکتا ہو دھکیل دیا جائے۔

اسلامی علوم کی بربادی کا ایک سامان تو یہ تھا' اسی کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ اس دور میں علماء و مشائخ' ائمہ و خطباء کے نام کی جو جاگیریں صدیوں سے چلی آتی تھیں' ان پر دست اندازی کی گئی۔

اور جیسا کہ ملا صاحب لکھتے ہیں:

''مدرس ہدایہ و کتب منتھیا نہ مثلاً نہائتش تا صد بیگھہ کم و بیش بود۔''

(کہ ہدایہ جیسی انتہائی کتابوں کے پڑھانے والوں کو کم و بیش سو بیگہ کی جاگیر آخری حد تھی۔)

اور یہ تو ابتدائی زمانہ میں ملا عبدالنبی کے ہاتھ عمل میں آیا۔ آخر میں تو جیسا کہ خود حضرت مجددؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

''از جملہ شعائر اسلام تعین قضاۃ است در بلاد اسلام کہ در قرن سابق محو شدہ بود۔''

(مکتوب نمبر ۱۹۵ ج ۱)

(اسلام کے منجملہ دوسرے شعائروں کے اسلامی آبادیوں میں قاضیوں کا تقرر کرنا ہے جو قرن سابق (عہد اکبری) میں مٹا دیا گیا تھا۔)

یہ تھی اس ''صلح کل'' مشرب کی حقیقت جس کا ڈھنڈورا اس زور سے پیٹا جا رہا ہے۔ ''خلق در آسائش بود'' طباطبائی کے اس جملہ کا مطلب اب کھلتا ہے۔ واقعہ ہے کہ اس انقلاب کے بعد بقول حضرت مجددؒ:

''غربت اسلام نزدیک بہ یک قرن نہجے قرار یافتہ است کہ اہل کفر بہ مجرد اجرائے احکام کفر برملا در بلاد اسلام راضی نمے شوند۔ مے خواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلیہ زائل گردند' و اثرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نشود' کار تا بآں سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانے از شعائر اسلام اظہار نماید بہ قتل مے رسد۔'' (ص ۱۰۶)

(ایک قرن میں اسلام کی غربت اس درجہ کو پہنچی کہ اہل کفر صرف اس پر راضی نہیں ہیں کہ محض کفر کے احکام کا علانیہ اسلامی بلاد میں اجراء ہو جائے۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دیئے جائیں اور اسلام و مسلمانی کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ بات یہاں تک پہنچائی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا ہے تو اس کو قتل کے انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔)

یہ تھا اسلام کا حال جہانگیر کے ابتدائی عہد میں' پھر اکبر کے زمانہ میں جو کچھ ہوگا ظاہر ہے اس کے بعد اند

ہوسکتا ہے کہ اکبرو جہانگیر کے بعد واقعی عدل اور حقیقی رواداری کے ساتھ جن مسلمان بادشاہوں نے حکومت کی' ان پر تعصب اور شدید تعصب کا الزام کیوں لگایا جارہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں ایسی یک طرفہ خواہش عمل کر رہی ہو اگر اس ملک میں کسی غیر کے ساتھ کچھ بھی اچھا سلوک کیا جائے گا' اس کا نام تعصب ہی رکھا جاسکتا ہے ورنہ شاجہاں اور عالمگیر کی ایام حکومت میں کیا اکبری عہد کے ان قوانین کے مقابلہ میں کوئی ایک قانون بھی ایسا پیش کرسکتا ہے جس کا اثر ملک کے دوسرے طبقوں پر وہی پڑتا ہو جو اکبر کی کرتوتوں سے سنّی مسلمانوں پر پڑ رہا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ ''الف ثانی'' کی فرضی تحریک کی باگ جن پوشیدہ ہاتھوں میں تھی' ان میں ایک بڑا طبقہ ان لوگوں کا تھا جو مسلمانوں کے سوائے ہندوستان کے عام باشندوں کے ساتھ بھی رواداری کرنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر اکبر سے مسلمانوں کے علوم کے انسداد کے بعد جو یہ فرمان نکلوایا گیا تھا کہ

''اراذل را از خواندن علم در شہر ہا مانع آیند کہ فساد ہا ازیں قوم مے خیزد۔'' (ص ۳۵۶)

(کمینہ قوم کے لوگوں کو علم کے پڑھنے سے شہروں میں روکا جائے کہ اس قوم سے فساد پیدا ہوتا ہے۔)

بجز ان شودروں کے اس کا اور کون نشانہ تھا جن کے کان میں علم سننے کے گناہ میں سیسہ پلوایا جاتا تھا اور خدا ہی جانتا ہے کہ ہندوستان کی کون کون سی ''ملکش'' قومیں ارذل کے تحت میں داخل تھیں۔

بہرحال بات بہت طویل ہوگئی اور ''حرف مدعاء'' سے پھر بھی میں اب تک دور ہوں لیکن کیا کیا جائے روشنی کو وہی پہچان سکتا ہے جس نے اندھیرے کو دیکھا ہو۔ ان تفصیلات کی بڑی ضرورت تو یہی تھی۔ اس کے سوا مدعیان تنور و تجدد کو بھی تھوڑی دیر کے لئے ایک تماشا دکھانا تھا' شاید کہ ان کو عبرت ہو اور وہ یہ سمجھیں کہ ان کا دماغ ممکن ہے کہ نیا ہو۔ ان کا دل بھی نیا ہو لیکن اپنے مشن سے جوان کو اپنا معمول و مسخر بناتا ہے' وہ بہت پرانا ہے۔ پیغمبروں (علیہم الصلوٰۃ والتسلیم) کے مقابلہ میں اس کے یہ حربے بہت پرانے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جدت پرستی کے ذوق میں شاید ان فرسودہ و پارینہ وسوسوں سے ان میں کچھ گھن پیدا ہو۔

اسی کے ساتھ مایوسوں کے سامنے امید کی ایک روشنی ہے۔ آج جس خطرہ سے ایمانیوں کے دل تھرا رہے ہیں ان کو دیکھنا چاہیے کہ کل کا خطرہ کیا اس سے کم تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت جو کچھ ہوسکتا تھا اب تو عقلی راہوں سے بھی اس کا ہونا بہت بعید ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کا درتا بندہ پر وردہ ''آغوش موج'' ہے نہ طوفانوں سے کبھی وہ گھبرایا اور نہ سیلاب اس کی رفتار کو دھیما کرسکے۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

لیکن افسوس کے ساتھ ایک تلخ حقیقت کا بھی مجھے آخر میں اعتراف کرنا ہے کہ ''غریب اکبر'' دراصل ابتداء سے ''اکبر'' نہ تھا۔ یہی ملا عبدالقادر جن کے حوالے سے میں نے سب کچھ نقل کیا ہے' لکھتے ہیں:

''بادشاہ ہے کہ جوہر نفیس وطالب حق بوذ اما عامی محض'' (ص ۲۵۵)

اس کی زندگی کے ابتدائی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شدت کے ساتھ اسلامی عبادات کا پابند تھا۔ نماز تو بڑی چیز ہے' سفر و حضر میں جماعت بھی ترک نہیں ہوتی تھی۔ سات عالم امامت کے لئے مقرر تھے جن میں سے ایک

Marfat.com

ہمارے ملا عبدالقادر بدایونی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ

''ہر پنج وقت برائے خاطر جماعت دردربار میگفتند۔'' (ص ۳۱۵)

(ہر پانچ وقت برسر دربار جماعت کے متعلق فرماتے تھے۔)

سفر میں ایک خاص خیمہ نماز کا ہوتا تھا جس میں بادشاہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا تھا۔ علم دین اور علمائے دین کا احترام جس حد تک کرتا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ شیخ عبدالنبی جو اکبر کے ابتدائی عہد حکومت میں ''صدر جہاں'' تھے' ان کے ساتھ

''بادشاہ از غایت تعظیم و احترام گاہے بہ جہت استماع علم حدیث بخانہ شیخ مے رفتند و یک دو مرتبہ کفش پیش پائے او ہم مے ماندند۔''

(انتہائی احترام و تعظیم کی وجہ سے بادشاہ کبھی کبھی علم حدیث سننے کے لئے ان کے گھر جاتا اور ایک دو دفعہ تو جوتیاں بھی (شیخ) کے آگے بادشاہ نے رکھیں۔)

علماء و صلحاء کی صحبت اس قدر مرغوب تھی کہ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے پڑوس میں رہنے کی غرض سے اس نے فتحپور کو دارالسلطنت بنالیا اور مدتوں پیادہ پا اجمیر شریف حضرت خواجہؒ کی زیارت کو جایا کرتا تھا۔ فتحپور میں اس نے (انوپ تلاؤ) کے نام سے تالاب بنوایا تھا اور اس کے اردگرد عمارتیں بنائی گئی تھیں جن کا نام عبادت خانہ رکھا گیا تھا۔ ملا عبدالقادر کا بیان ہے کہ جہاں پر یہ عمارت بنائی گئی' بادشاہ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں اسی مقام پر ایک پرانے حجرہ کے پتھر پر بیٹھ کر کہ

''از آبادی یک سو افتادہ نشستہ بمراقبہ مشغول می شدند و فیض سحرے ربودند۔''

(آبادی سے دور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے اور صبح کے فیض کو حاصل کرتے تھے۔)

نماز جمعہ کے بعد اسی عمارت میں علماء کا اجتماع ہوتا تھا۔ بعد کو یہ ذوق اتنا بڑھا کہ جمعہ کی پوری رات ان ہی علماء و مشائخ کی صحبت میں گزرتی تھی۔ خوشبوئیں جلائی جاتی تھیں۔

''پیوستہ کار تحقیق مسائل دین بود چہ اصول چہ فروغ۔''

(اور دینی مسائل خواہ اصول سے متعلق ہوں یا فروع سے ہمیشہ ان ہی کی تحقیق سے سروکار تھا۔)

بادشاہ اس مجلس میں حسب استعداد ہر ایک کی معقول خدمت بھی کرتا تھا' اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وسائل تلاش کر کر کے علماء و مشائخ کی ایک کافی جماعت یہاں اکٹھی ہونے لگی۔ ملا صاحب کا اندازہ ہے کہ

''جماعت مباحثین و مناظرین چہ محقق چہ مقلد از صد نفر متجاوز بودند۔'' (ص ۱۸۸)

(بحث و مباحثہ و مناظرہ کرنے والے علماء خواہ محقق ہوں یا مقلد' ان کی تعداد سو آدمیوں سے متجاوز تھی۔)

Marfat.com

بھلا جہاں مولویوں کی اتنی تعداد جمع ہو جائے اور وہ بھی ان دینی اغراض کے تحت جو ان لوگوں کو یہاں تک کھینچ کر لائی تھیں' انجام اس کا وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ شروع شروع میں پہلا جھگڑا نشست گاہوں پر چلا۔ ہر ایک بادشاہ سے قریب ہونا چاہتا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ

''بدنفسیہا ازیں جماعت ظاہر شد۔''

(پہلی بدنفسی تھی جو اس گروہ سے ظاہر ہوئی۔)

اگرچہ اکبر نے اس دفعہ اغماض سے کام لیا لیکن دل میں غیر شعوری طور پر ان کا وزن کم ہو رہا تھا۔ آخر ایک دن جبکہ ''چشم بد دور'' دین کے ان ستونوں کا یہ حال تھا۔

''کہ با یک دیگر تیغ زباں کشیدہ در مقام منافی و تقابل بودند اختلاف بجائے رسید کہ تکفیر و تضلیل ہمدگرے نمودند۔''

(باہم ایک دوسرے پر زبان کی تلواریں نکالے ایک دوسرے کی نفی و تردید اور مقابلہ میں مصروف تھے کہ ان کے اختلافات اس حد کو پہنچے کہ ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگا اور ایک دوسرے کو گمراہ کہنے لگا۔)

اور شاہی دربار میں

''رگ گردن علمائے زماں برآمدہ آوازہائے بلند و دمدمہ بسیار ظاہر شد۔''

(ان مولویوں کی گردن کی رگیں پھول آئیں اور شور ہونے لگا' سخت ہلڑ مچ گیا۔)

بادشاہ کے متاثر قلب پر ان کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ ''بر خاطر اشرف گراں آمد۔''

اس کے بعد ملا عبدالقادر کو حکم دیا گیا کہ آئندہ سے جو ان میں نامعقول ہوں ان کو مجلس میں نہ آنے دینا۔ یہ پہلی خفت تھی جو اس جماعت کو نصیب ہوئی اور گو ان کی آمد و رفت باقی رہی لیکن ایک ایسے بادشاہ کے دربار میں جو ان کی ہر گفتگو سے بجائے ایمانی قوت کے سوءظنی میں روز بروز ترقی کر رہا تھا۔ آخر ایک کے فتویٰ حلال اور دوسرے کے حرام نے بادشاہ کو مطلق دین ہی کے متعلق

''در شک انداختہ حیرت بر حیرت افزود و مقصود از میان رفت۔''

(شک میں ڈال دیا اور اس کی حیرت پر حیرت میں اضافہ ہوتا رہا تا اینکہ جو مقصود تھا وہی سامنے سے جاتا رہا۔)

اکبر کے دربار میں کس قسم کے علماء جمع تھے' اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ان میں ملا عبداللہ سلطانپوری تھے جن کا عہدہ مخدوم الملک کا تھا۔ محض اس لئے کہ حج نہ کرنا پڑے' فریضہ حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا۔ زکوٰۃ کے متعلق بھی

Marfat.com

مشہور ہے کہ ششماہی تقسیم والے حیلہ سے کام لیا کرتے تھے اور آخر میں جب ہزار ہا ذلت وخواری کے بعد انتقال ہوا تو بادشاہی حکم سے ان کے مکان کا جو لاہور میں تھا' جائزہ لیا گیا۔

''چنداں خزائن ودفائن او پدید گشت کہ قفل آں را بہ کلید وہم نہ تواں کشاد ازاں جملہ چند صندوق طلاء از گورخانہ مخدوم الملک کہ بہ بہانہ اموات دفن کردہ بود ظاہر شد۔(ص ۳۱۱)

(اتنے خزانے اور دفینے ظاہر ہوئے کہ ان خزانوں کے تالوں کو وہم کی کنجیوں سے بھی کھولنا ناممکن ہے۔ منجملہ ان کے سونے سے بھرے ہوئے چند صندوق مخدوم الملک کے ''گورخانہ'' سے برآمد ہوئے جنہیں مردوں کے بہانہ سے اس نے دفن کیا تھا۔)

ادھر حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پوتے مولانا عبدالنبی تھے جو عہد اکبری کے سب سے بڑے محدث خیال کئے جاتے تھے۔ ان ہی کی بادشاہ نے جوتیاں سیدھی کی تھیں اور سارے ہندوستان کے ائمہ وخطباء وغیرہ کی جاگیروں کا اختیار ان کو دیا گیا تھا لیکن علم کا یہ حال تھا کہ مشہور حدیث الحزم سوء الظن کو آپ ہمیشہ بجائے زائے مجمعہ کے رائے مہملہ سے تلفظ فرماتے تھے اور جب صدارت کے اختیارات ملے تو پھر کسی کو آنکھ ہی نہیں لگاتے تھے۔ سارے ہندوستان کے مذہبی جاگیرداروں کو دوڑانا شروع کیا۔ آخر میں یہ حالت ہوئی

''کہ سائر وکلائے شیخ وفراشاں ودرباناں وسائساں وحلال خوراں نیز رشوتہائے کلی دادے وگلیم ازاں ورطہ بدر بردے۔''

(کہ لوگ شیخ کے وکیلوں' ان کے فراشوں اور دربانوں' سائیسوں' حلال خوروں (مہتروں) تک کو رشوتیں دے دے کر اپنے اپنے کمل اس گرداب سے باہر نکالتے۔)

مخدوم الملک اور ملا عبدالنبی دونوں میں رقیبانہ کشمکش جاری تھی۔ ہر ایک نے دوسرے کے متعلق رسالے لکھے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کی بواسیر ہے' اس لئے اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ تو اپنے باپ کا چونکہ عاق شدہ بیٹا ہے اس لئے تیرے پیچھے بھی نماز جائز نہیں۔ الغرض صبح وشام شاہی کیمپ علماء کے ان دینی ہنگاموں سے گونجتا رہتا تھا اور بقول ملا عبدالقادر ایک بڑی مصیبت یہ بھی تھی کہ جاہل اکبر

''علماء عہد خویش را بہتر از غزالی ورازی تصور نمودہ بود ندر کا کہائے ایشاں را دیدہ قیاس غائب بر شاہد کردہ سلف را نیز منکر شدند۔''

(اپنے زمانہ کے علماء کو غزالی ورازی سے بھی بہتر خیال کرتا تھا۔ پھر ان کے چھچھورے پن کو جب بادشاہ نے دیکھا تو سامنے والوں پر غائبوں کا قیاس کر کے سلف کا بھی منکر ہوگیا۔)

آخر اس عہد کا رازی جب حزم کو خرم پڑھتا ہو اور اس زمانہ کے غزالی کے گھر سے طلائی اینٹوں کی قبریں برآمد ہوتی ہوں تو گزشتہ زمانے کے رازیوں اور غزالیوں کے متعلق کیا خیال کیا جاسکتا ہے۔ ازیں قبیل طرح طرح کے

Marfat.com

مشائخ بھی آتے اور اکبر کے سامنے جھوٹے دعوے کرتے۔ کبھی کہتے کہ آپ کی فلاں حاملہ حرم کے لڑکا ہوگا' بد قسمتی سے لڑکی ہو جاتی۔ ایک بڑے باکرامت بزرگ لاہور سے تشریف لائے۔ جب اکبر نے تنہائی میں امتحان لیا اور کچھ پیش نہ چلی تو ''پیٹ'' کا حیلہ ظاہر کر کے دم بخود ہو گئے۔ یقیناً علماء کا یہ فتنہ بھی بڑا فتنہ تھا اور بقول بدایونی

''اختلاف علماء کہ یکے فعلے را حرام می گفت و دیگرے بحیلہ ہماں را حلال می ساخت وجہ انکار گشت۔''

(علماء کا یہ اختلاف کہ ایک ان میں ایک ہی فعل کو حرام کہتا تھا۔ دوسرا کسی حیلہ سے اس کو حلال ثابت کرتا تھا۔ بادشاہ کے انکار کا سبب بن گیا۔)

لیکن اس سلسلہ کا سب سے زیادہ ''سیاہ حلقہ'' وہ ہے جو اگرچہ علماء ہی کا فتنہ تھا لیکن شدت تاثیر نے اکبری الحاد کا اس کو سب سے بڑا ذریعہ بنا دیا۔

میری مراد ملا مبارک ناگوری اور ان کے شہرہ آفاق صاحبزادوں سے ہے۔ ملا صاحب جیسا کہ ان کی سوانحِ حیات سے معلوم ہوتا ہے' بڑے پایہ کے عالم تھے' علوم متداولہ سے ان کو ہر فن کا ایک مستقل متن زبانی یاد تھا۔ جب تک ناگور میں رہے زیادہ تر معقولات اور فقہ واصول ان کا علمی سرمایہ تھا۔ پھر یہ احمد آباد پہنچے ہیں۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے ساحلی شہروں میں بجائے عقلیات کے دینی علوم کا زیادہ چرچا تھا۔ ملا مبارک کو احمد آباد میں اپنے دینی تبحر کا موقع ہاتھ آیا لیکن دماغ میں فطرتاً شورش تھی۔ مذاہب اربعہ اور اس کے اختلافات سے واقف ہونے کے بعد یہ غیر مقلد ہو گئے جیسا کہ خود ابوالفضل لکھتا ہے کہ

''وبہ تگا پوئے سخت پایہ اجتہاد رونمود اگرچہ بہ اقتضائے نیاکان بزرگ روش ابو حنیفہ انتساب داشتند ...... واز تقلید برکنارہ بندگی دلیل کردے۔'' (آئین اکبری)

(سخت دوڑ دھوپ کے بعد اجتہاد کے درجہ تک ان کی رسائی ہوگئی۔ اگرچہ بزرگان سلف کی پیروی میں ابو حنیفہؒ کی طریقہ کی جانب اپنے کو منسوب کرتے تھے......لیکن تقلید سے کنارہ ہو کر دلیل کی غلامی کرتے تھے۔)

اس غیر مقلدی کے سونے پر سہاگا یہ ہوا کہ شیراز کے ایک فلسفی ابوالفضل گازرونی کے حلقہ میں بھی شریک ہو گئے اور

''بسیارے غوامض شفا و اشارات و تذکرہ و مجسطی را تذکار فرسودند۔''

(اور شفا اشارات تذکرہ مجسطی کے بہتیرے مشکلات کو ان سے حاصل کیا۔)

اس پر طرہ یہ تھا کہ ملا صاحب کو تصوف کا بھی شوق ہوا اور

''اسالیب تصوف واشراق برخواندند و فراواں کتاب نظر و تالہ دیدہ شد۔''

(تصوف واشراق کے مختلف طریقوں کا بھی مطالعہ کیا اور نظر و فکر اور خداشناسی کی کتابیں بھی نظر سے گزریں۔)

ظاہر ہے کہ شوریدہ مغزوں میں جب یہ ساری کراماتیں جمع ہو جاتی ہیں تو پھر ان سے بے محابا ایسی باتیں صادر ہوتی ہیں جن سے جمہور میں برہمی پیدا ہوتی ہے۔ اگر چہ ملاّ صاحب پر مہدویت کا کبھی شیعیت کا الزام لگایا گیا لیکن ابوالفضل کو اس سے انکار ہے۔ بہر حال عام علماء کو ان کے طرز وروش سے ضرور شکایت تھی اور ان پر مولویوں نے چند سخت حملے بھی کئے۔ اس کا آسان جواب تو یہی ہو سکتا تھا کہ یہ بھی جواب دیتے لیکن علم کے غرور نے ملاّ صاحب کو ایک خطرناک اقدام پر آمادہ کیا۔ خلاف عادت اپنے زاویہ درس وارشاد سے نکل کر بیٹوں کی معیت میں یہ ملک کی سیاسیات میں داخل ہو گئے۔ علم کا گھرانا تھا' اوپر ہوتے ہوئے زیادہ دیر نہیں لگی' چند ہی دنوں میں دیکھا جاتا ہے کہ وہی ملاّ مبارک جن کے متعلق ابوالفضل لکھتا ہے کہ

''شیر خاں وسلیم خاں ودیگر بزرگان در مقام آں شدند کہ از وجوہ سلطانی چیزے برگیرند۔''

(شیر خاں (شیر شاہ) وسلیم خاں (پسر شیر شاہ) اور دوسرے بزرگوں نے اصرار کیا کہ ''سلطانی وجوہ'' سے کچھ قبول کریں۔)

لیکن ''از انجا کہ ہمت بلند بود ونظر عالی سرباز زد'' یہی ملاّؒ مبارک یکا یک اکبر کے بارگاہ جلال میں اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ جلوہ فرما ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ مولویوں نے ان کو اور ان کے خاندان کو ضرور ستایا تھا اور ملاّ صاحب کو ان کی وجہ سے کچھ دنوں پورے خاندان کے ساتھ دربدر نارا مارا پھرنا پڑا لیکن کیا اس کا شریفانہ جواب یہ تھا کہ ''بانسری'' کے بجنے کو روکنے کے لئے دنیا سے بانس[1] کے جنگل ہی نابود کر دیئے جائیں اور بالفرض انتقام کے غصہ میں اگر یہی کرنا چاہتے تھے تو پھر جو چوٹ انہوں نے پہاڑ سے کھائی تھی اس کا بدلا یہ گھر کی ''سل'' سے کیوں لینے لگے۔

بہر حال تینوں باپ بیٹوں نے اپنے شخصی انتقام کا نشانہ ہندوستان کے اہل سنت کے مولویوں ہی کو نہیں بلکہ اسلام ہی کو بنالیا۔ مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد جس وقت ''اسلام'' کا ایوان اپنے سارے متوسلین کے ساتھ چل رہا تھا اس وقت ملاّ عبدالقادر کا بیان ہے کہ ابوالفضل کے زبان پر ہر تھوڑی دیر کے بعد حسب ذیل اشعار جاری ہو جاتے تھے۔

آتش بدو دست خویش در خرمن خویش   چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش   اے وائے من و دست امن و دامن خویش

الغرض اکبری دربار میں ابوالفضل وفیضی کا فتنہ بھی سچ پوچھو تو یہ علمائے سوء ہی کا فتنہ تھا۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ شخصی اغراض نے بہ تدریج کیسی سخت قومی اور مذہبی خطرہ کی صورت اختیار کر لی تھی اور آج بھی جو کچھ ہو رہا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ کن اثرا کے تحت ہو رہا ہے۔ ان فی ذالک لعبرۃ

کیسا دردناک نظارہ ہے کہ خود دین کے معماروں کے ہاتھوں دین کی بنیاد کھد رہی تھی اور کسی کو اس کا خیال بھی نہیں آتا تھا کہ آخر اس کا انجام کیا ہوگا۔ علماء ومشائخ کی عام حالت تو یہی تھی لیکن اللہ کے بندوں سے زمانہ کا کوئی حصہ خالی نہیں ہوتا۔ اسی ہنگامہ میں کبھی کبھی ایسے نفوس بھی نظر آجاتے ہیں جن کے سامنے دنیا سے زیادہ ''آخرۃ'' اور ''نقد'' سے زیادہ ''نسیئہ'' عزیز ہوتا ہے۔ حضرت سلیم چشتیؒ کے صاحبزادے مولانا بدرالدین کا کارنامہ اس سلسلہ میں

Marfat.com

سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ خاندانی حیثیت سے ان کا حکومت اور بادشاہ پر جو اثر تھا ظاہر ہے لیکن جونہی بادشاہ کے طرز عمل میں یہ تغیرات شروع ہوئے' شاہی نوکری سے مستعفی ہو کر گھر بیٹھ گئے۔ اکبر نے چند بار خود ایوان خاص میں بلا کر سمجھایا' لیکن ہر ملاقات میں ناگواری بڑھتی رہی۔ انہوں نے قطعی طور پر "زمیں بوس" وغیرہ رسوم کا شدت سے انکار کیا' حکومت نے ان کے ساتھ سختیاں شروع کیں' آخر تنگ آ کر چپ چاپ

"جریدہ در غرابے نشستہ بشرف حج مشرف شد۔"

(اکیلے ایک کشتی میں بیٹھ کر "حج" کے شرف سے مشرف ہوئے۔)

اور کعبہ کی دیوار کے نیچے کعبہ والے کی امانت بغیر کسی خیانت کے سپرد کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ فاللھم ارحمہ

درباری امراء میں ایک صاحب قطب الدین خاں تھے۔ اکبر اپنے دین جدید کی ان کو بھی تبلیغ کرتا تھا۔ خاں صاحب نے ایک دن فرمایا۔

"بادشاہان ولائت چوں اخوند کار روم وغیرہ ایشاں کہ ایں سخناں شنوند چہ گویند ہمہ ہمیں دین دارند خواہ تقلیدی باشد خواہ نہ۔"

(دوسرے ممالک کے سلاطین مثلاً روم کے اخوند کار (سلطان ترکی) وغیرہ اگر ان باتوں کو سنیں گے تو کیا کہیں گے' آخر وہ لوگ تو سب ہی دین رکھتے ہیں خواہ تقلیدی ہو یا نہ۔)

اکبر ان کے اس فقرہ پر بگڑ گیا اور غریب پر یہ الزام لگایا کہ تم "اخوند کار روم" کے دربار میں رسوخ حاصل کرنا چاہتے ہو۔ خوب خوب برسا۔ ایک اور امیر شہباز خاں تھے۔ بھرے دربار میں اللہ کے اس بندہ سے رہا نہ گیا۔ جب بیربر کو بھی اس نے اسلامی ارکان پر تمسخر کرتے ہوئے دیکھا' بے ساختہ ان کی زبان سے "اے کافر ملعون تو ہم ایں چنیں سخناں می گوئی" نکل پڑا۔ خاں صاحب کی ان گالیوں کو سن کر اکبر آپے سے باہر ہو گیا اور کہنے لگا کہ "ایسے لوگوں کے منہ پر نجاست بھری ہوئی جوتیاں لگواتا ہوں۔"

بہرحال زیادہ تو نہیں لیکن اکے' دکے اس قماش کے بھی لوگ کبھی کبھی نظر آ جاتے ہیں۔ خود مولانا عبدالنبی جن کو اکبر نے زبردستی مکہ معظمہ جلا وطن کرا دیا تھا' جب دوبارہ ہندوستان واپس ہوئے ہیں اس وقت حمیت و غیرت کی دبی دبائی چنگاریاں پھر چمک اٹھی تھیں۔ ایک دن برسر گفتگو زبان سے چند سخت الفاظ بادشاہ کے روبرو نکل پڑے۔ وہی اکبر جس نے کبھی ان کی جوتیاں سیدھی کی تھیں' ملا عبدالقادر لکھتے ہیں کہ

"مشتے مضبوط بہ نفس خود برروئے او زد گفت چرا بکارد نمی زنی۔" (ص ۳۱۱)

(ایک سخت مکہ بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے (شیخ عبدالنبی) کے منہ پر مارا۔ شیخ صاحب نے کہا کہ چھری سے کیوں نہیں مار ڈالتے ہو۔)

Marfat.com

لیکن بدتمیزی کے اس طوفان کا مقابلہ بھلا ان تنکوں سے کیا ہو سکتا تھا؟ قدرت ہمیشہ ایسے موقع پر کسی ایسی "عظیم ہستی"، کو برسر کار لاتی ہے جو وہبی کمالات اور غیبی قوتوں سے سرفراز ہوتا ہے اور دراصل یہ ساری تمہید اسی بزرگ ہستی اور اس کے محیر العقول کارنامے، آہنی عزائم وارادے کی تفصیل ہی کے لئے تھی لیکن تمہید بھی اتنی طویل ہو چکی ہے کہ اب اس کے لئے کسی دوسرے مستقل باب یا "مقالہ" کی ضرورت ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مذکورہ بالا واقعات ہائلہ کے دیکھنے کے بعد اب اندازہ ہو سکتا ہے کہ مغلئی تخت پر اکبر کے نام سے جو بادشاہ پچاس سال تک بیٹھا رہا وہ کیا تھا اور پھر اچانک عہد جہانگیری میں دریا کا رخ بدلتا ہے تا آنکہ شاہجہاں کے عہد تک پورا بدل جاتا ہے اور عالمگیری دور میں تو وہ اسی سمت فراٹے بھرنے لگتا ہے۔ صرف اتنی سی بات حضرت مجددؒ کے پہچاننے کے لئے اس وقت کافی ہو سکتی ہے۔ جب یہ بتا دیا جائے کہ یہ جو کچھ ہوا حق تعالیٰ نے اس کا ذریعہ حضرت مجددؒ کی ہستی گرامی کو بنایا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ واقعہ کے اس رخ کو بھی تفصیل کے ساتھ لکھوں لیکن میں جانتا تھا کہ اکبری فتنہ جس کا دوسرا نام الف ثانی کا فتنہ ہے، عوام تو عوام خواص بھی بجز چند مشہور باتوں کے واقف نہیں ہیں یا ان کو ناواقف رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ضرورت تھی کہ اس پہلو کو خوب اچھی طرح واضح کیا جائے، خدا کا شکر ہے کہ اس پر ایک سیر حاصل بحث کرنے کا مجھے موقع مل گیا، اگرچہ جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اس کے مقابلہ میں بہت کم ہے، جو واقع ہوا تھا اور جس کا مواد تاریخ کے منتشر اوراق میں بکھرا ہوا ہے۔ خود ملا عبدالقادر جن کی کتاب سے میں نے ان واقعات کا انتخاب کیا ہے، بندہ خدا نے نہ جانے کس مصلحت سے ان کو تقریباً چار سو صفحات میں انتہائی بے ترتیبی کے ساتھ پراگندہ صورت میں قلم بند کیا ہے۔ ترتیب میں مجھے کافی وقت اٹھانی پڑی، تاہم ایک کام ہو گیا۔ اب رہا دوسرا پہلو یعنی حضرت مجددؒ کے تجدیدی کارنامے اس وقت چند کلی واقعات کا ذکر کر کے میں اس اپنے مضمون کو سردست ختم کرتا ہوں۔

اکبر کی تخت نشینی کے آٹھویں سال ۹۷۱ ہجری میں حضرت مجددؒ کی ولادت باسعادت بمقام سرہند ہوئی۔ کم و بیش چالیس سال کا زمانہ آپ نے دور اکبری میں گزارا۔ حضرت کی عمر کا یہ حصہ زیادہ تر علوم ظاہری و باطنی اور کمالات باطنی کے حصول میں صرف ہوا۔ جوانی کے ایام میں آپ اکبر آباد (آگرہ) بھی تشریف لائے تھے جہاں دربار کے ان دونوں عالموں ابوالفضل وفیضی سے آپ کی خوب خوب ملاقاتیں رہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس ارادہ کا ظہور بعد کو ہوا اس کا تخم ان ہی ملاقاتوں کے سلسلہ میں پیدا ہوا۔ ابوالفضل وفیضی آپ کی غیر معمولی قابلیت ذہن و ذکاوت سے بہت متاثر تھے بلکہ مشہور تو یہاں تک ہے کہ "سواطع الالہام" جو فیضی کی مشہور بے نقط تفسیر ہے، اس میں حضرت کی بھی امداد شریک تھی۔ فیضی کو حیرت ہوگئی جب ایک دن اس صنعت میں جس کا وہ ملتزم تھا، مضمون گرفت میں نہیں آرہا تھا۔ اس نے حضرت سے ذکر کیا۔ کہا جاتا ہے برداشتہ قلم آپ نے اسی صنعت بے نقط میں پوری عبارت لکھ دی۔ ان ہی دنوں کا ایک مشہور واقعہ یہ بھی ہے کہ عید کے چاند میں اختلاف ہو رہا تھا۔ شرعی ثبوت سے پہلے ہی اکبر نے عید کا اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیئے۔ اسی دن حضرت بھی ابوالفضل سے ملنے آئے۔ پوچھنے پر ابوالفضل کو معلوم ہوا کہ حضرت تو روزے سے ہیں۔ اس نے وجہ دریافت کی، آپ نے فرمایا کہ چاند کے متعلق اب تک شرعی شہادت فراہم نہیں ہوئی ہے۔ ابوالفضل نے کہا کہ بادشاہ نے تو حکم دے دیا ہے اب کیا عذر ہے، بے ساختہ آپ کے منہ سے اس وقت یہ جملہ نکلا۔

Marfat.com

''بادشاہ بے دین ست اعتبارے ندارد۔''

ابوالفضل خفیف سا ہو کر رہ گیا' پھر بھی اس نے پانی کا پیالہ اٹھا کر آپ کے منہ سے لگایا' لیکن آپ نے ہاتھ جھٹک دیا اور اسی وقت غصہ میں گھر چلے آئے۔ کہلا بھیجا کہ اہل علم سے ملنے جلنے کا شوق ہے تو ان سے ملنے کے طریقے سیکھو۔ ابوالفضل نے معافی مانگ لی اور پھر آمدورفت شروع ہو گئی۔ اس کے بعد آپ پھر والد کے اصرار سے سرہند واپس لوٹ گئے اور زندگی کا بقیہ حصہ اسی قصبہ میں گزرا۔ حج کے ارادہ سے ایک دفعہ دہلی آئے۔ میاں حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ بعض غیبی اشاروں کے تحت ماوراء النہر سے دہلی پہنچ کر کسی کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں

آمد آں یارے کہ ما مے خواستم

دونوں میں ملاقات ہوئی۔ پھر کیا طے ہوا خدا ہی جانتا ہے۔ اس کے بعد دیکھا گیا کہ حضرت دوبارہ سرہند کی طرف لوٹ گئے اور وہیں اپنے مرشد کی زیر نگرانی سلوک کے مقامات طے کرتے رہے۔ ابوالفضل اور فیضی کی صحبت آگرہ میں آپ کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ ان لوگوں سے آپ کو ''فتنہ'' کے اسباب اور ان مؤثرات کے سمجھنے کا خوب موقع ملا جس نے بادشاہ اور اس کی حکومت کو اس نقطہ تک پہنچا دیا تھا اور غالباً وہیں آپ نے ان حربوں کا پتہ چلا لیا جن کی راہوں سے یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر رہے تھے۔ بتدریج آپ نے ان حربوں سے اپنے آپ کو بھی مسلح کیا۔

خلاصہ یہ کہ اکبر کا زمانہ حضرت مجددؒ کے لئے تیاری کا زمانہ تھا۔ ادھر اس کا انتقال ہوا اور جہانگیر تخت پر بیٹھا کہ آپ میدان میں اتر پڑے۔ بہرحال مکتوبات شریف سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہانگیر کے تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی آپ نے اپنا کام شروع کر دیا۔ قریب قریب اس وقت آپ کی عمر کے چالیس سال پورے ہو چکے تھے۔ بہرحال یہ ہو سکتا تھا کہ آپ بھی ملک کی سیاسیات میں شریک ہو کر حکومت کا کوئی عہدہ اپنے ہاتھ میں لے کر کام کرتے اور جس قسم کے وسائل آپ کو میسر تھے یہ چنداں دشوار بھی نہ تھا لیکن آپ نے بظاہر اپنے کو سلطنت سے بالکل الگ تھلگ رکھا لیکن مکاتیب اٹھا کر دیکھو جہانگیر کے دربار کا شاید ہی کوئی ممتاز رکن ہو گا جس کے نام سے آپ کے خطوط نہیں ہیں۔ خان اعظم' خان جہاں' خان خاناں' مرزا داراب' قلیج خاں' خواجہ جہاں اور سب سے زیادہ نواب سید فرید صاحب وغیرہم کے نام خطوط ہیں۔ ان تمام خطوط کا قدر مشترک صرف ایک ہی مقصد ہے کہ جس طرح ممکن ہو اس نقصان کی تلافی ہونی چاہیے' جو اسلام کو اکبری عہد میں پہنچ گیا ہے۔ یہ بات کہ آپ نے جہانگیر کے تخت نشینی کے ساتھ یہ کاروبار شروع کر دیا تھا اس کا پتہ خود آپ کے خطوط سے چلتا ہے۔ لالا بیگ جہانگیری دربار کے ایک امیر ہیں۔ ان کے نام والے مکتوب میں فرماتے ہیں۔

''درابتداء پادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت و مسلمانان اعتبار پیدا کردند فبہا واگر عیاذاً باللہ سبحانہ درتوقف افتد کار بر مسلمانان بسیار شکل خواہد شد الغیاث ثم الغیاث الغیاث۔''

(بادشاہت کے شروع ہی میں اگر مسلمانی کا رواج ہو گیا اور مسلمانوں کا کھویا ہوا اعتبار حاصل ہو گیا' تو کیا کہیے لیکن العیاذ باللہ اگر اس میں کچھ رکاوٹ یا تاخیر ہوئی تو مسلمانوں کا کام سخت

Marfat.com

دشواری میں پڑ جائے گا۔ الغیاث‘ الغیاث‘ الغیاث ۔یعنی فریاد، فریاد، فریاد۔)

آخر میں فرماتے ہیں اور کتنے خروش و جوش کے ساتھ فرماتے ہیں۔

''تا کدام صاحب دولت بایں سعادت مستعد گردد و کدام شاہ باز بایں دولت دست بر د نمائد‘ ذلک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم۔''

(دیکھیں کون ایسا صاحب دولت ہے جو اس سعادت سے فیض یاب ہوتا ہے اور کس شاہ باز کی رسائی یہاں تک ہوتی ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے دے اور خدا بڑے فضل والا ہے۔)

ایک دوسرے مکتوب میں ''خان جہاں'' کو اسی مقصد کی طرف متوجہ فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''ہمیں خدمت کہ درپیش دارند اگر آں را بتیال شریعت علی مصدر ہا الصلوٰۃ والسلام جمع سازند کار انبیاء کردہ باشند و دین متین را منور ساختہ و معمور گردانیدہ‘ فقیراں اگر سالہا جاں بکنیم دریں عمل بہ گرد شما شاہ بازاں نرسیم۔''

(یہی نوکری جو تم کرتے ہو اگر اس کو آنحضرت ﷺ کی شریعت کے زندہ کرنے کا ذریعہ بناؤ تو تم نے گویا پیغمبروں کا کام کیا‘ دین متین کو روشن کرو گے اور آباد کرو گے۔ ہم فقیر لوگ اگر اپنی جان بھی لگا دیں جب بھی آپ جیسے شاہ بازوں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔)

''گوے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند کس بمیراں درنمی آئد سواراں راچہ شد۔''

(سعادت اور توفیق کی گیند میدان میں پھینکی گئی ہے‘ میدان میں کوئی نہیں اتر رہا ہے آخر سواروں کو کیا ہو گیا ہے؟)

اور مکتوبات شریف میں تو اس قسم کے مضامین کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے دربار کے ان امراء پر آخر کس طرح قابو حاصل کیا‘ حالانکہ کوئی زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا۔ یہ جتنے تھے اکبر ہی کی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ ابوالفضل وفیضی کے فیض یافتہ تھے۔ ان اسباب کا احاطہ اور استقصاء اور وہ بھی اس مقالہ میں مشکل ہے لیکن سرسری طور پر اس عہد کے علماء اتنا تو اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرتؒ نے اپنے لکھنے لکھانے میں کیا وہ رنگ اختیار نہیں کیا تھا جو اس عہد کے بڑے سے بڑے انشا پردازوں کا تھا۔ ایک طرف آپ ابوالفضل کی سحر نگاریوں کو رکھیے اور دوسری طرف حضرت مجددؒ کے زور قلم کو رکھئے‘ پھر اندازہ کیجئے کہ انشاء کا زور کس میں ہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے ''دینی حقائق'' کی تعبیر میں بھی اپنے زمانے کا ساتھ دیا۔ کہتے وہی تھے جو تیرہ سو سال پیشتر سے کہا جاتا تھا لیکن کہنے کا ڈھب وہ اختیار کیا کہ سننے والے کو محسوس ہوتا تھا کہ شاید کوئی نئی باتیں سن رہا ہے۔ ایک نیا فلسفہ‘ نئے نظریات‘ جدید نظام اس کے سامنے پیش ہو رہا ہے۔ یہ ہمیں مجددانہ ہاتھوں کی چابکدستیاں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے زمانہ کے عامی

Marfat.com

دماغوں پر قابو حاصل کرتے ہیں اور قابو پالینے کے بعد تو پھر اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ اس راہ سے آپ مخاطب کے دل میں جو چاہے ڈالیے۔ جن منشیانہ اور فلسفیانہ تعبیروں سے الحاد پیدا کیا گیا تھا' شیخ فاروقیؒ کے خطوط میں دیکھو ٹھیک ان ہی تعبیروں سے وہ براہ راست قرآنی تعلیمات اور پیغمبرانہ سنن کی عظمت قلوب میں اتارتے چلے جاتے ہیں۔

کیا اس زمانہ کے علماء کے لئے اس میں کوئی عبرت ہے؟ یاد رکھنا چاہیے کہ عوام سے مراد کبھی وہ جماعت نہیں ہوتی جن کا شمار ان پڑھے جاہلوں میں ہے بلکہ ہر قوم کا یہ طبقہ ان لوگوں کے زیر اثر رہتا ہے جو دنیاوی حیثیت سے مناصب وجاہ کے مالک ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحبؒ کا قلم اسی طبقہ کے شکار میں بڑا ماہر تھا۔ آج بھی عوام پر ان ہی لوگوں کا اثر ہے جو انگریزی تعلیم پا کر حکومت میں کسی عہدہ یا وقار کے مالک ہیں۔ عام مسلمانوں کو قابو میں لانے کے لئے ضرورت اس کی تھی کہ علماء اس طبقہ کو اپنے دائرہ عقیدت سے نکلنے نہ دیتے لیکن اس بدبختی کا کیا علاج ہے کہ یہ صف مقابل کی ایک جماعت ٹھہرائی گئی ہے۔ علماء صرف ان لوگوں پر قناعت کئے ہوئے ہیں جو ابھی حکومت سے دور ہیں یا دوسرے لفظوں میں جن پر جدید تعلیم کا اثر نہیں پڑا ہے لیکن بکری کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ خصوصاً لازمی تعلیم کے بعد کیا آپ امید کرتے ہیں کہ آپ کی قوم میں پھر کوئی ایسی جماعت بھی رہ جائے گی جس کو موجودہ تعلیم کی ہوا نہ لگی ہو۔ اگرچہ قیمتی اوقات کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو چکا ہے لیکن پھر بھی کامل مایوسی کی حد تک بات نہیں پہنچی ہے۔

لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ چیزیں بھی اسی وقت کارگر ہو سکتی ہیں' جب ان سے بھی پہلے کام کرنے والا اپنے اندر اس ''یقین'' کو پیدا کر چکا ہو جو بے چین کر کے اس کو کام کرنے کے لئے مضطرب اور بے کل کر دے' وہ کام کو نہ اٹھائے بلکہ کام ہی اس کو اٹھائے ورنہ مذبذب ٹھنڈے دلوں سے آپ اس گرمی کو کہاں سے پیدا کر سکتے ہیں' جس کے شعلے حضرت مجددؒ کے لفظ لفظ سے پھوٹے پڑتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی علماء کے چند افراد میں ''یقین'' کا یہ ذخیرہ باقی ہے۔ وہ اس کو دوسروں تک منتقل کر سکتے ہیں لیکن صرف اس کی ضرورت ہے کہ جن کو یہ ''یقین'' سپرد کیا جائے ان کو عصری اسلحہ اور آلات سے بھی تھوڑا بہت مسلح ہو جانے کا سامان کر لیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اسی ''گرد'' سے کوئی ''سوار'' آج نہیں تو کل نکل پڑے۔

خیر یہ ایک ضمنی بات تھی' میں اپنے اس مضمون کو محض ان چند باتوں کے ذکر کے بعد ختم کرتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ درباری امراء کو قابو میں لانے کے بعد حضرت مجددؒ کو ابتداء میں بعض دشواریاں بھی اٹھانی پڑیں۔ بعض اہل علم جو آپ کو اور آپ کے نصب العین کو نہ سمجھ سکے کچھ اپنی جیسی تنگ نظریوں سے حضرت کو بھی انہوں نے متہم خیال کیا اور معاصرانہ رشک وحسد کے سلسلہ میں حسب دستور وہی چند پینترے جو اس جماعت کی طرف سے ہمیشہ ارباب حق کے مقابلے میں نکالے جاتے ہیں' آپ کے ساتھ بھی نکالے گئے۔ آپ پر بعضوں نے کفر کا فتویٰ بعضوں نے فسق کا فتویٰ صادر کیا۔ بادشاہ کو بھی بدگمان کرنے کی کوشش کی گئی۔ ''یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے۔'' علمائے سوء نے احبار یہود کی پیروی میں بادشاہ کے کان میں اس کی بھی بھنک ڈالی۔ امراء وقت حکام عصر کی آپ کی ذات کے ساتھ گرویدگی اس یہودیانہ اتہام کی مد ثابت ہوئی۔ آخر آپ کو کچھ دن کے لئے اس منزل سے بھی گزرنا پڑا' جس سے ہمیشہ اس راہ کے چلنے والوں کو گزرنا پڑا ہے۔ آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کیا گیا۔ زنداں کے یہ دن حضرت مجددؒ کے بڑے پُر لطف گزرے۔ مکتوبات میں اس کی طرف مختلف مقامات میں اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

Marfat.com

کمالا یخفی علی من طالعھا۔

لیکن ''حق'' کا آفتاب کب تک چھپا رہتا' صبح ہوئی اور اس کا دمکتا ہوا ''چہرہ'' لوگوں کے سامنے تھا۔ انشاء اللہ جب کبھی اس حصہ کی تکمیل کا موقع آیا اس وقت اس کی پوری تفصیل کی جائے گی۔ بالفعل صرف حضرت کے اس مکتوب گرامی کو آپنے مضمون کا خاتمہ بناتا ہوں جو اپنے صاحبزادوں حضرت خواجہ محمد سعیدؒ وخواجہ محمد معصوم کے نام آپ نے دہلی سے اس وقت لکھا جب ''زندان بلا'' سے رہائی کے بعد آپ جہانگیر کے دربار میں بصد عزت واحترام حق تعالیٰ کی طرف سے شریک کئے جاتے ہیں اور روزانہ بعد مغرب بادشاہ سے خاص صحبت رہتی ہے۔ یہ تیسری جلد کا (۴۳) مکتوب ہے۔

''الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذی اصطفٰی احوال واوضاع این حدود مستوجب حمد است صحبت ہائے عجیب وغریب مے گزارند بعنایت اللہ سرموئے دریں گفتگو ہائے امور دینیہ واصول اسلامیہ مساہلہ ومداہنۃ راہ نمی یابد وہمان عبارات کہ در خلوات و در مجالس خاصہ بیان میگردد دریں معرکہ ہا بتوفیق اللہ سبحانہ بیان می نماید اگر یک مجلس رانویسد دفترے باید خصوصاً امشب کہ شب ہفتدہم رمضان بود' آنقدر راز بعثت انبیاء علیہ ما الصلوات والتسلیمات واز عدم استقلال عقل واز ایمان بآخرت وعذاب وثواب دراں واز اثبات رؤیت راز خاتمیت نبوت خاتم الرسل' واز مجدد ہر ماتہ و از اقتداء بخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سنۃ تراویح واز بطلان تناسخ واز احوال جن و جنسیان واز عذاب وثواب ایشاں وامثال آنہا بسیار مذکور شد بحسن استماع مسموع گردید وہم چنیں دریں ضمن اشیائے دیگر از احوال اقطاب وابدال واوتار وبیان خصوصیات ایشان کذاو کذا مذکور گشت الحمد للہ سبحانہ کہ بجائے مانند وتغیرے ظاہر نمی شود دریں واقعات وملاقات شاید حق را سبحانہ وتعالیٰ مصلحتہا وسرہا مکنون بود الحمدلله الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لتھتدی لو لا ان ھدانا لله لقد جاء ت رسل ربنا بالحق۔

دیگر ختم قرآن را تا سورہ عنکبوت رسانیدہ ام شب کہ ازاں مجلس برگشتہ مے آئم بہ تراویح اشغال مے یابم این دولت عظمیٰ حفظ دریں فترات کہ عین جمیت بود حاصل گشت الحمد للہ اولا وآخراً۔''

(اس طرف کے حالات بہت اچھے ہیں۔ موقع شکر کا ہے۔ عجیب وغریب صحبتیں گزاری جارہی ہیں۔ اللہ کی عنایت سے اپنی ان ساری گفتگوؤں میں دینی امور اور اسلامی اصول کے متعلق بال برابر کسی قسم کی نرمی یا سستی کا اظہار نہیں ہوا۔ وہی باتیں جو خاص مجلسوں اور خلوت میں بیان کی جاتی تھیں' ان معرکوں میں بھی حق تعالیٰ کی توفیق سے وہی بیان ہو رہی ہیں۔ اگر میں کسی ایک مجلس کا بھی حال لکھوں تو اس کے لئے ایک دفتر چاہیے خصوصاً آج کی رات جو رمضان کی ۱۷ تاریخ ہے پیغمبروں کی بعثت' اور یہ کہ ''عقل'' (زندگی کے تمام مسائل کے لئے) مستقل اور کافی نہیں ہے اور آخرت عذاب وثواب پر ایمان لانے' حق تعالیٰ کے دیدار اور

Marfat.com

خاتم الرسل (ﷺ) کی ختم نبوت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین کی پیروی (رضی اللہ عنہم) اور تراویح کا مسنون ہونا' تناسخ کا باطل ہونا' جن اور جنیوں کا ذکر ان کے عذاب و ثواب کا مسئلہ اور اسی قسم کی بہت سی باتوں کا ذکر رہا۔ (بادشاہ) نے خوبی وحسن کے ساتھ سنا' اسی سلسلہ میں اقطاب وابدال واوتار اور ان کی خصوصیتیں مثلاً یہ یہ ہیں۔ ان باتوں کا بھی ذکر آیا۔ خداوند تعالیٰ کا ذکر ہے کہ (بادشاہ) ایک حال میں رہے اور کسی قسم کا کوئی تغیر (جو برہمی پر دلالت کرے) اس کا اظہار نہ ہوا' شاید ان ملاقاتوں میں حق تعالیٰ کی مصلحتیں ہوں اور ان کے اسرار ان میں پوشیدہ ہوں۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بات کی طرف رہنمائی فرمائی۔ ہم اس راہ کو پا نہیں سکتے اگر حق تعالیٰ راہ نہ دکھاتے بلاشبہ ہمارے رب کے پیغمبر ''حق'' کے ساتھ آئے۔

دوسری بات ختم قرآن سورہ عنکبوت تک پہنچا چکا ہوں۔ رات کو جب اس مجلس (شاہی مجلس) سے واپس آتا ہوں تب تراویح میں مشغول ہوتا ہوں اور حفظ کی دولت جوان پریشانیوں میں (جوعین جمعیت تھی) حاصل ہوئی۔ الحمد للہ اولا و آخراً.

غور سے بار بار اس مکتوب کے ہر لفظ پر غور کرنا چاہیے جس تفصیل کا میں نے اپنے دوسرے مقالے میں وعدہ کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے اس کا اجمال سب اس میں موجود ہے۔

خصوصاً اس مکتوب میں آپ نے ان مضامین کی ایک اجمالی فہرست دے دی ہے جن پر آپ ''الف ثانی'' کے فتنۂ اکبری کے ردعمل کے لئے گفتگو فرماتے رہتے تھے۔ کلیات تقریباً سب ہی آ گئے ہیں۔

بہرحال حضرتؒ کے ساتھ اس کے بعد جہاں گیر کی گرویدگی اتنی بڑھی کہ برابر اپنے ساتھ آپ کو شاہی کیمپ میں رکھتا تھا اور آخر میں اپنے ولی عہد شاہزادہ خرم (شاہجہاں) کو آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کا حکم دیا اور یوں مغل امپائر کو خدا کے ایک فقیر نے بے داموں خرید لیا۔ چاہتا تو اس سے وہ اپنی بادشاہی کا کام لے سکتا تھا لیکن وہ اس کے بعد بھی فقیر ہی رہا۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ کتنوں بادشاہوں کو بادشاہی کے ساتھ بھی فقیر ہی بنائے رکھا۔ والقصة بطولها و انشاء الله سانزل اليها نزلة اخرى.

الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ

(۲)

تصوف وصوفیہ

حضرت مجدد امام سرہندی قدس سرہ العزیز کے متعلق اب تک جو کچھ لکھا گیا تھا زیادہ تر اس کا تعلق حضرت ہی

Marfat.com

کے فقرہ

''درسلطنت پیشین عناد بدین مصطفوی مفہوم می شد۔'' (مکتوب نمبر ۶۵ دفتر اول)

(پچھلی حکمت میں دین مصطفوی سے دشمنی اور عناد مفہوم ہوتا تھا۔)

کی شرح سے تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی (پیش امام دربار اکبری) کی حلفی شہادت کی روشنی میں اسی مرقع کو بے نقاب کیا گیا تھا اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ ملا صاحب نے جو کچھ لکھا ہے خود حضرت مجددؒ کے مختلف مکتوبات میں بھی اجمالاً اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مثلاً مکتوب ۴۷ ج ۱ میں فرماتے ہیں:

''درقرن ماضی (عہد اکبری) برسر اہل اسلام چہا گزشتہ زبونی اسلام باوجود کمال غربت درقرون سابقہ ازیں نگزشتہ بود کہ مسلمانان بردین خود باشند و کفار برکیش خود کریمہ لکم دینکم ولی دین بیان این معنی است درقرن ماضی کفار برملا بطریق استیلا اجراء احکام کفر در بلاد اسلام می کردند و مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند اگر میکردند بہ قتل رسیدند۔'' (ص ۶۵)

(مسلمانوں پر پچھلے دور میں کیا کچھ گزر گیا' اسلام کی زبوں حالی پہلے زمانے میں اس سے آگے نہ گئی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کفار اپنے دین پر۔ لکم[1] دینکم ولی دین کی آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے لیکن گزشتہ دور (اکبری) میں کھلے بندوں اسلامی سلطنت میں کفر کے قوانین غالب اور نافذ تھے بحالیکہ مسلمان اسلامی قوانین کے اظہار سے عاجز تھے۔ اگر ظاہر کرتے تو قتل کیے جاتے۔)

کیا غریب ملا کی شہادتیں اس سے بھی زیادہ تیز وتند ہیں اور یہ تو عہد اکبری کا حال تھا' خود حضرت مجددؒ اپنے زمانہ کی عینی شہادت ان الفاظ میں قلم بند فرماتے ہیں:

''اسلام ضعیف گشتہ کفار ہند بے تحاشا ہدم مساجد می نمایند و در آنجا تعمیر معبد ہائے خود می سازند۔''
(مکتوبات امام ربانی۔ (ص ۱۶۳ ج ۱)

(اسلام اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ ہندوستان کے کفار بے کھٹکے مسجدوں کو گرا رہے ہیں اور ان کی جگہ اپنے مندر بنا رہے ہیں۔)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی نیستاں میں جو آگ لگی تھی اس کی شعلہ فشانیاں کس حد کو پہنچی ہوئی تھیں۔ مکتوب ۹۲ ج ۲ میں خود اپنے جوار کے ایک جزئی حادثہ کی خبر ان الفاظ میں دیتے ہیں:

''درتھانیسر دروں حوض کرکھیت مسجدے بود و مقبرہ عزیزے آں را ہدم کردہ بجائے آں دیہرہ کلاں ساختہ اند۔'' (مکتوبات ص ۱۶۲)

Marfat.com

(تھانیسر میں کرکھیت (غالباً کورک شتر) کے تالاب کے اندر ایک مسجد اور ایک معزز آدمی کی قبر تھی۔ ان کو ڈھا کر بجائے اس کے ''دیہرہ کلاں''''مندر'' بنایا گیا ہے۔)

مکتوب نمبر ۶۸ ج ۲ میں ایک اور واقعہ کی خبر ان دردناک لفظوں میں درج فرماتے ہیں:

''در نواحی نگرکوٹ بر مسلمانان در بلاد اسلام چہ ستمہا نمودند چہ اہانتہا رسانیدند۔'' (ص ۱۳۸۔ ج ۲)

(نگرکوٹ کے پاس مسلمانوں پر اسلامی حکومت کے اندر ان کافروں نے کیسے کچھ مظالم ڈھائے ہیں اور مسلمانوں کی کیسی کیسی توہین و تذلیل کی ہے۔)

حضرت مجددؒ جیسے ''ثقہ'' و ''حجت'' کی ان کھلی کھلی شہادتوں کے بعد بھی ملا عبدالقادر کے بیانات میں کون شک کر سکتا ہے اگر اس کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی قسمت کے متعلق یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا۔

''اہل کفر بہ مجرد اجراء احکام کفر برملا در بلاد اسلام راضی نمی شوند' می خواہند کہ احکام اسلامیہ رابالکلیہ زائل گردانند تا اثرے از مسلمانی و مسلمانان پیدا نشود۔'' (مکتوبات شریفہ ص ۸۶ ج ۱)

(کفر والے صرف اس پر راضی نہیں ہیں کہ اسلامی حکومت میں کھلے بندوں ان کے کافرانہ قوانین نافذ ہو جائیں بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام اور قوانین سرے سے ناپید اور نابود کر دیئے جائیں۔ ان کو اتنا مٹا دیا جائے کہ مسلمانی اور مسلمان کا کوئی اثر اور نشان یہاں باقی نہ رہے۔)

تو اس پر تعجب کیوں کیا جائے اور آج دیکھو کہ اسی خونی فیصلہ کی ننگی تلوار مسلمانوں کے سروں پر لٹک رہی ہے۔ ان کا اب باقی ہی کیا تھا۔ زبان میں چند الفاظ تھے اور معاشرت میں کچھ رسوم تھے جن سے آئندہ مؤرخ شاید یہ استدلال کر سکتا تھا کہ کسی زمانہ میں مسلمان نامی قوم بھی اس سرزمین پر آباد تھی لیکن ان الفاظ کو بھی مٹایا جا رہا ہے اور ان رسوم کے محو کرنے کا بالجزم عزم کر لیا گیا ہے۔ فانا اللہ وانا الیہ راجعون۔

دولت' علم' جاہ' زر' زمین کی قوتوں سے محروم ہونے والی قوم کاش! اب بھی اتنا سمجھ لیتی کہ ایک طاقت اب بھی (قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے) اس کے قبضہ میں اور صرف اس کے قبضہ میں باقی ہے جس کے بعد قدرت اور اس کے سارے قانون کی حمایت اس قوم کے لئے واجب ہو جاتی ہے۔ یہ ''صوفیوں'' کا عمل سوز اور ''مولویوں'' کا ادعاء افروز دعویٰ نہیں' بلکہ اس کتاب کا فقرہ

كان حقاً علينا نصر المومنين

ایمان والوں کی نصرت و اعانت ہم پر واجب ہے۔

جس کے کسی لفظ کا انکار ہی نہیں بلکہ اس کے متعلق صرف شک کا احساس ہمیشہ کے لئے اسلام سے محروم کر کے آدمی کو مرتد بنا دیتا ہے' کیسی عجیب نصرت' کیسی حیرت انگیز پشت پناہی اور قوت جس کے لئے نہ ایم اے کی ڈگریوں کی حاجت اور نہ دیوبند کی سند تکمیل کی حاجت نہ چندوں کے لئے دوسروں کے سینہ کے بوجھ بننے کی حقارت برداشت کرنے کی

Marfat.com

مشق و ممارست۔ نہ صحافی و مجلسی شور و شغب (پروپیگنڈہ) کے فقدان پر دست تاسف و حسرت ملنے کی حاجت صرف ایک ذہنی تبدیلی ایک فکری انقلاب، تذبذب اور تشکیک کی دماغی کیفیت کو فقط ایک قلبی یقین کی شکل میں بدل دینے کے ساتھ خدا کی قسم آسمانوں سے

انتم الاعلون
تم ہی اونچے ہو۔

کی ملکوتی شاباشیوں کا شور بلند ہو جاتا ہے۔ جس امت کے عام افراد میں حصول قوت کی اس مفت ترین تدبیر کے سمجھنے اور سمجھنے سے زیادہ عمل کرنے کی بھی صلاحیت مفقود ہو چکی ہے اب اس سے کیا کہا جائے اور کس طرح کہا جائے۔ عہد سابق کے ان عملی تجربات بینہ سے قطع نظر بھی کر لیا جائے جو اس نسخہ کے استعمال کے متعلق تواتر کی روشن میں جگمگا رہے ہیں جس کی داستانوں سے روم و ایران کا گوشتہ گوشہ پٹا ہوا ہے، تھوڑی دیر کے لئے ان سے اعتماد اٹھا بھی لیا جائے اور بجائے اس قرآنی قوت کے مغربی مؤرخین کے ستم ظریفانہ اختراعی اسباب ہی میں ان کامیابیوں کے راز کو پوشیدہ فرض کر لیا جائے جو ان کمزوروں کو ان زور آوروں کے مقابلہ میں حاصل ہوئی تھی جن سے ہندوستان کے مسلمان یقیناً زیادہ کمزور نہیں ہیں اور نہ ان کے سامنے اتنی ہیکڑی والے ہیں جتنے منہ زوروں سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی تھی، شامل کر لیا جائے۔ پارینہ افسانوں ہی میں ان قصوں کو شامل کر دیا جائے لیکن اس میں کیا مضائقہ تھا کہ جس کے لئے دنیا کی دشمنی انہوں نے خریدی ہے ایک دفعہ اس کا خود ہی تجربہ کر لیتے۔ معیار پر محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ نظریہ (خاکم بدہن) اگر کسی کو کھوٹا نظر آتا تو طے کر کے اس الزام سے العیاذ باللہ اپنی آخری برأت کر لی جاتی۔

کتنے اچنبھے کی بات ہے قومیں اس لئے ہم پر غراتی ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ تلواریں اس لئے ہم پر اٹھتی ہیں کہ ہم اہل ایمان ہیں لیکن کوئی ہوتا کہ جس الزام کی فرد جرم ہم پر لگائی جا رہی ہے آہ! کہ حقیقی معنوں میں ہم اس کے مرتکب ہی نہیں ہیں لیکن حماقت سے اس کا انتساب اپنی طرف کر رہے ہیں یا کرا رہے ہیں۔ کاش! ہم اس جرم کے مرتکب ہوتے اور میری آخری تمنا یہی ہے کہ ہم پر جو الزام تھوپا جا رہا ہے جس کو تھوپ کر ہمارے سر کچلنے کا سامان اندر اور باہر کیا جا رہا ہے، یہ الزام واقعہ میں بھی ہم پر تھپ جاتا...... خون ہوگا آہ! اور یہ کیسا ناحق خون ہوگا کہ جس الزام میں اس قوم کا خون بہایا جائے گا واحسرتا! کہ اس سے اس کا دامن پاک تھا۔

اس گنہ میں مجھے مارا کہ گنہ گار نہ تھا

کیسا بدبخت ہے وہ جو غازی بن کر اگر زندہ نہ رہ سکتا تھا تو اسے شہید بن کر بھی مزا نصیب نہ ہوا۔ ولئن متم او قتلتھم الا الی اللہ تحشرون (مگر وہ ایمان کی حالت میں مرتے یا مارے جاتے تو اپنے اللہ کے قدموں پر اٹھتے) کیا کہا گیا تھا؟ مخلوقات، ہر قسم کے مخلوقات ہر طبقہ کی مخلوقات سے عبادت و دعاء کا، استعانت و استمداد کا تعلق توڑ کر اسی نسبت کو صرف الرحمٰن الرحیم کے ساتھ جوڑ دو۔

ایاک نعبدو ایاک نستعین
ہم تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھی سے اعانت چاہتے ہیں۔

Marfat.com

کی چٹان پر قدم جماؤ' اس طرح جماؤ کہ جان قالب سے اکھڑ جائے لیکن پاؤں اس چٹان سے نہ اکھڑے۔ عبادت و استعانت کی یہی یکروئی یک سوئی تو پہلا کلمہ طیب لا الہ الا اللہ کا ترجمہ تھا' جس کے ساتھ یہ دونوں تعلق ہوں۔ اسی کو تو اللہ کے رسول (ﷺ) نے تمہارا ''الہٰ'' بنا کر تمہارے سپرد کیا تھا۔ وصیت کر کے گئے تھے تمہارے ان باپ دادوں کو جنہوں نے اللہ کے اس ہاتھ پر بیعت کی تھی کہ اپنی ہر ضرورت کو اپنے اسی الہٰ سے مانگنا' نمک بھی جب گھٹ جائے اور چپل کی گٹھائی بھی جب وہ ٹوٹ جائے لیکن جو کچھ بھی اپنے نفس کے بصیر ہیں معاذیر کے پردوں کو چاک کریں اور دیکھیں کہ تمہارا پہلا طیب کلمہ تک بھی کیا واقعی تمہارے لئے طیب اور پاک رہ گیا ہے۔ جو جمادات وحیوانات سے آزاد ہیں وہ جنوں اور ملائکہ کے ساتھ الجھے ہوئے ہیں اور جنہوں نے ان سے گلوخلاصی کی وہ مردہ جسموں کی زندہ روحوں سے کیا اپنے کو لگائے نہیں بیٹھے ہیں؟

زندہ روحوں کے جسد جس خاک میں مدفون تھے جس نے اس کے آگے ماتھا ٹیکا' کہا گیا کہ اس نے اللہ کے ساتھ ایک اور الہٰ کو شریک کیا لیکن جو زندہ روحوں کے زندہ جسد کے آگے جھکا اسی سے اپنی امید بھی قائم کی اور اسی کے ضرر سے وہ ڈرتا بھی ہے تو تم نے کیسے کہا کہ اس کا الہٰ تو اب بھی اللہ ہی ہے۔ پھر اس گروہ کو میں کیا کہوں۔ جو اپنے باپ دادوں کے اس طریقہ پر اس لئے قہقہہ لگاتا ہے کہ جو ''الہٰ'' نہیں تھا۔ اس کو انہوں نے اپنا ''الہٰ'' بنا رکھا تھا لیکن شیطان کے اس ٹھٹھے کی آواز کون سنتا ہے۔ جب وہ اپنی تالیوں کو پیٹ کر چلایا کہ جو ''الہٰ'' نہیں تھا تمہارے اگلوں نے اس کو الہٰ بنایا لیکن جو واقعی سچا الہٰ تھا کیا ان کے پچھلوں نے اس کو اپنا الہٰ بنانے سے انکار نہیں کیا؟ اگلوں کا لا الہٰ غلط تھا تو پچھلوں کے الا اللہ کو میں نے کب صحیح رہنے دیا۔ پدر جن کے آذر تھے پھر کیا ان کے پسر میں کوئی ابراہیم باقی ہے؟ اوپر سے نیچے تک بھانت بھانت کی بولیوں والے جو تم میں بول رہے ہیں خدارا بتاؤ' جو فہرست اوپر پیش کی گئی ہے کیا اس کے کسی نہ کسی خانہ میں اس قوم کے افراد بیٹھے نظر نہیں آتے ہیں۔ ان ہی خانوں میں سے کسی ایک میں جس میں گھسنے سے ان کا پہلا کلمہ ان کو روک رہا تھا الا ماشاء اللہ وقلیل ماھم۔

جب عذاب کا سوط اور خداوند خدا کے جلال کا کوڑا اکثروا فیھا الفساد (بگاڑ کو جب انہوں نے بڑھا دیا) کی پیٹھ پر برسنے لگتا ہے تو اگر تمہارے چند کا لا الہ الا اللہ درست بھی رہا' وہ اس کوڑے کو کیسے روک سکتا ہے جس کی بارش فساد کی اکثریت پر مبنی ہے۔ لوگ باہر میں ارحم الراحمین کے رحم کو ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اس کا چشمہ اندر سے پھوٹتا ہے۔ باہر میں عذاب کے ٹلنے کی دعا سے زیادہ اپنے دلوں کے بدلنے کی دعا کرو' تم کنگروں کو رو رہے ہو۔ حالانکہ تمہارے قصر کی پہلی بنیادی اینٹ خدا کی قسم ہل چکی ہے اور وہ اوپر سے نہیں اندر سے بیٹھتی ہے۔ مجلسوں اور انجمنوں میں نہیں بلکہ اندھیری رات کی تاریک گھڑیوں میں کچھ طے کیا جاتا ہے اور طے ہی کرنے کا نام تو ایمان ہے۔

میں کیا لکھنا چاہتا تھا اور کیا بڑھا نکلنے لگا' پھوٹا ہوا زخم بہتا ہے بہنے دیا گیا۔ اللہ کے بندو! زخم پر رحم کرو' روتا ہے تو اسے رونے دو۔ بہر حال یہ کہہ رہا تھا کہ ملا عبدالقادر نے سچ پوچھیے تو وہی کچھ بیان کیا ہے جو حضرت مجددؒ نے لکھا ہے۔ فرق صرف تفصیل واجمال کا ہے بلکہ مجھے افسوس ہے کہ گذشتہ نمبر کے لکھنے کے وقت میری نظر ابوالفضل کی ان روایتوں پر نہیں پڑی تھی' جن سے ملا عبدالقادر کے لفظ لفظ کی توثیق ہوتی ہے۔ خیال ہے کہ کسی دوسری اشاعت یا مستقل نمبر میں ''دشمن عبدالقادر'' کی شہادتوں کے ساتھ ''دوست ابوالفضل'' کی دو روایتوں کا بھی اضافہ کردوں لیکن اب وہ مضمون کافی

طویل ہو چکا ہے۔ مجھے اب حضرت مجدد امام کے دوسرے تجدیدی شعبوں کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے۔

غالباً مجدد نمبر والے مضمون میں عہد اکبری کے ''اس فتنہ'' کے چند در چند اسباب میں سے زیادہ تر میں نے زور صرف دو سببوں پر دیا تھا یعنی (۱) حکومت (۲) علمائے سوء لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر تحلیل و تجزیہ سے کام لیا جائے تو اس فتنہ کے ابھارنے پھولنے پھلنے میں علاوہ ان دو سببوں کے یہ دو اہم اسباب اور بھی تھے۔

(۱) دربار رسالت پناہ ﷺ کے باریافتوں اور شرف صحبت کے سعادتمندوں کی تحقیر کرنے والی جماعت

(۲) دوسرا وہ گروہ جن کی تعبیر مجدد امام کے الفاظ میں ''صوفیہ خام'' ہے۔ ہمارے دوست مولانا نعمانی غالباً ''الفرقان'' میں سبب ثالث کے متعلق کافی بحث فرما چکے ہیں اور ضمنی طور پر خاکسار نے بھی اپنے گزشتہ مضمون میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس وقت میرے سامنے صرف چوتھی چیز ہے۔ حضرت مجددؒ کے کارناموں کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ''عمل تجدید'' سے پہلے ہندوستان میں ''صوفیائے خام'' کے ہاتھوں اسلام پر جو مصیبت ٹوٹ پڑی تھی اس کو نہ بیان کیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ خود حضرت مجددؒ کے کلام سے اس عہد کے ان خام کاروں کی تصویر مرتب کروں۔ اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ان غلط فہمیوں کا پردہ چاک کیا جائے گا جن کی گرد اچھال کر حضرت مجددؒ کے زمانہ میں تو بہت زیادہ اور ایک حد تک اب تک یہ غوغا کیا جا رہا ہے کہ حضرت مجددؒ نے گزشتہ ارباب معرفت و سلوک کے اہم مسلمات کا انکار فرمایا ہے۔ واللہ المستعان

بہر حال ہندوستان میں جس وقت الف ثانی کی تجدید کا کام شروع ہوا ہے اس وقت ''اسلامی شریعت'' یا محمد رسول اللہ ﷺ نے نسل آدم کے لئے جو آئین حیات خدا کے حکم سے پیش فرمایا تھا خود اس کی تبلیغ کے مدعیوں بلکہ اسی کے نام کی روٹی کھانے والوں کے ایک طبقہ کا یہ حال تھا۔

> ''اکثر ابنائے ایں وقت بعضے بہ تقلید بعضے بہ مجرد علم بعضے دیگر بعلم ممتزج بذوق ولو فی الجملہ و بعضے بالحاد و زندقہ دست بدامن ایں توحید وجودی زدہ اند و ہمہ را از حق می دانند بلکہ حق می دانند۔''

> (اس زمانہ کے بعض نہیں بلکہ اکثر لوگ جن میں کچھ تو بطور تقلید کے اور کچھ محض علم کے زور سے اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کے علم میں کچھ ''ذوقی کیفیات'' بھی شریک ہیں خواہ جس قدر بھی شریک ہوں اور کچھ لوگوں نے محض الحاد و زندقہ کے طور پر ''توحید وجودی'' کے دامن کو پکڑ لیا ہے۔ (نتیجہ یہ نکالا ہے) کہ سب کو حق سے جانتے ہیں بلکہ سب کو خدا سمجھتے ہیں۔)

اور اس ''توحید'' کا نتیجہ صرف ارباب الحاد و زندقہ ہی نہیں بلکہ ان سب نے جن کا تذکرہ کیا گیا' یہ نکالا تھا۔

> ''گردنہائے خود را از ربقہ تکلیف شرعی بالحیلہ می کشانند و مداہنات در احکام شرعیہ می نمایند۔''

> (اپنی گردنوں کو شرعی قوانین کی پابندی سے اس حیلہ کے ذریعہ سے آزاد قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں اور شرعی احکام کے متعلق مداہنت و اغماض سے کام لیتے ہیں۔)

Marfat.com

بیچارہ فاسق، اعمال شرعی کا تارک اپنی جگہ نادم ہوتا ہے لیکن دین کے ان پیشواؤں کا ضمیر اتنا زندہ ہو چکا تھا کہ

''بایں معاملہ خوش وقت وخورسند اند۔''

(اور اپنے اس رویہ وشیوہ سے خوش وقت ومسرور ہیں۔)

کیا تماشا تھا، بیٹھے تھے اس گدی پر جسے وہ رسول اللہ ﷺ کی اور آپ کے خلفاء کی گدی قرار دیتے تھے، اس لئے بیٹھے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو مسلمانوں اور نامسلمانوں تک پہنچائیں گے لیکن یہ کیسا شیطانی چرخ تھا کہ حضرت مجددؒ کو کھلے الفاظ میں اعلان کرنا پڑا۔

''متصوفان خام وملحدان بے سرانجام درصدد آنند کہ گردن از ربقہ شریعت برآرند واحکام شرعیہ را مخصوص بعوام دارند خیال میکنند کہ خواص مکلّف بہ معرفت اند وبس۔''

(یہ کچے صوفی اور بے انجام ملحد اس کے درپے ہیں کہ شریعت کے طوق کو گلے سے نکال پھینکیں، شرعی احکام کی پابندیوں کو صرف عوام کے ساتھ مخصوص خیال کرتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ خواص امت صرف ''معرفت'' اور جان لینے کے مکلّف وذمہ دار ہیں۔ اس کے آگے کچھ نہیں۔)

اور اگر بات خود اپنی جماعت تک محدود رکھتے تو شاید وہ ''مصیبت عظمیٰ'' پیدا نہ ہوتی۔ جو ہوئی جسے دیکھ دیکھ کر حضرت مجددؒ کا سینہ پھٹتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ ان ''متصوفان خام'' نے

''از جہل امراء وسلاطین رابتجیز عدل وانصاف مکلّف نمی دانند می گویند کہ مقصود از اتیان شریعت حصول معرفت ست چون معرفت میسر شد تکلیفات شرعیہ ساقط گشت۔'' (مکتوب نمبر ۴۷)

(اپنی جہالت سے انہوں نے بادشاہوں اور امیروں کو یہ باور کرا رکھا ہے کہ یہ لوگ بھی عدل و انصاف کے جاری کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ شریعت کے آنے سے مطلب صرف یہ تھا کہ معرفت حاصل ہو جائے۔ جب معرفت حاصل ہوگئی تو شرعی قوانین کی پابندی سے آزادی حاصل ہوگئی۔)

حضرت مجددؒ جیسے مخبر صادق کی اس ذاتی شہادت کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ بیچارے اکبر سے جو کچھ سرزد ہوا اور پھر اس کی بے راہ روی نے اسلام کو ہندوستان میں جس نازک نقطہ تک پہنچا دیا تھا، اس میں ان ''صوفیان خام'' کو دخل نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے سینتالیسویں مکتوب میں عہد اکبری میں اسلام کی زبوں حالی کی داستان دہرا کر ''واویلاہ، وامصیبتاہ، واحسرتا، واحزنا'' فرماتے ہوئے۔ جہاں گیری دربار کے ایک امیر کو مخاطب فرماتے ہوئے حضرتؒ ارقام فرماتے ہیں۔

''اکثر جہلاء صوفی نما ایں زمانہ حکم علماء سوء دارند فساد اینہا متعدی است۔'' (ص ۶۶)

(اس زمانہ کے اکثر صوفی نما جاہل بھی ''علمائے سوء'' کے حکم میں داخل ہیں کہ ان جاہل صوفیوں

کا بگاڑ بھی متعدی ہے۔)

اور یہ تو کلی بیانات ہیں' ورنہ مکاتیب کے مختلف مواقع پر اس گروہ کے کچھ جزئی اعتقادی و عملی حالات بھی درج فرمائے ہیں مثلاً فلسفہ "بدایت" کے اصول "فنا فی الاصل" کے متعلق اپنے مکتوب نمبر ۲۹۳ میں ان خام کاروں کا یہ عقیدہ نقل فرماتے ہیں۔

"جمعے از ناقصان ایں راہ ازاں الفاظ موہمہ محو و اضمحلال عینی دانستہ اند و بزندقہ رسیدہ اند کہ از عذاب و ثواب آخروی انکار نمودہ اند و خیال کردہ اند کہ ہمچنانکہ از وحدت بکثرت آمدہ اند مرتبہ دیگر ہمیں طور از کثرت بوحدت خواہند رفت و ایں کثرت دراں وحدت مضمحل خواہد شد جمعے ازیں زنادقہ آن محو شدن را "قیامت کبریٰ" خیال کردہ اند و از حشر و نشر و حساب و صراط و میزان انکار نمودہ۔" اند ضلوا فاضلوا

(ناقصوں اور کوتاہ بینوں کا ایک گروہ ہے جو "محو و اضمحلال" کے موہم الفاظ سے یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ واقعی آدمی خدا میں گم ہو جاتا ہے (جیسے قطرہ دریا میں) اور اسی قول کی وجہ سے ان کی اعتقادی حالت زندقہ کی قریب پہنچ گئی ہے۔ یہ لوگ اخروی عذاب و ثواب کا انکار کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس طرح وحدت سے نکل کر کثرت میں آئے تھے' پھر دوبارہ اسی طرح کثرت سے وحدت میں گم ہو جائیں گے اور ان کی یہ کثرت پھر خدا کی وحدت میں گم ہو جائے گی۔ ان ہی بے دینوں کا ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ اسی "محو ہونے" کا نام "قیامت کبریٰ" ہے۔ یہ حشر و نشر' حساب' صراط' میزان سب کے منکر ہیں آہ! خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔)

یہ تھا ہندوستان میں قرآن کی جنت' دوزخ' قیامت اور حشر و نشر کا انجام۔ لطف یہ ہے کہ ان ہی صوفیوں میں کسی مشہور مشائخ کے متعلق حضرت مجدد کا ذاتی بیان مکتوب نمبر ۸۵ میں یہ ہے۔

"بعضے از ملاحدہ کہ بہ باطل مسند شیخی گرفت حکم جواز تناسخ می نمایند و می انکارند کہ نفس تا زمانہ کہ بحد کمال رسید از تقلب ابدان اور اجارہ نبودمی گویند چوں بحد کمال رسید از تقلب ابدان بلکہ از تعلق بدن فارغ گشت۔"

(ان بے دینوں میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے زبردستی شیخی کی سند پر قبضہ جمالیا ہے۔ یہ تناسخ (اواگون) کے قائل ہیں۔ خیال کرتے ہیں جب تک آدمی کی روح اپنے کمال کو حاصل نہیں کرتی ایک بدن سے دوسرے بدن میں چکر کاٹتی رہتی ہے اور جب کمال کے آخری نقطہ تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے تو اس وقت اس چکر بلکہ سرے سے بدن ہی سے بے تعلق ہو جاتی ہے۔)

یہ چند مثالیں اعتقادی تماشوں کی تھیں۔ اس طبقہ کی عملی حالت کے متعلق حضرت مجدد ہی کی زبانی سنئے۔

Marfat.com

"اقیموا لصلوٰۃ" و "ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً مرقوتاً" کے قرآنی فرمان کا ترجمہ گنگا کے کنارہ یہ ہوگیا تھا کہ

"گروہے از ینہا نماز را دوراز کار دانستہ مبنائی آں را بر غیر و غیرت داشتند۔" (مکتوب ۲۶۱ ج ۱)

(ان لوگوں میں ایک گروہ وہ بھی ہے جو نماز کو دوراز کار خیال کرتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ نماز کی بنیاد تو اس پر ہے کہ (آدمی اور خدا دو جداگانہ چیزیں ہیں) یعنی غیر و غیریت پر مبنی ہے۔)

جمعہ و جماعات کے متعلق فرماتے ہیں:

"صوفیہ خام ذکر و فکر را از اہم مہام دانستہ وراتیاں فرائض و سنن مساہلات می نمائند و وار بعینیات و ریاضات اختیار نمودہ ترک جمعہ و جماعت می کنند۔" (ص ۲۹۷ تا ۳۵۶)

(کچے صوفی ذکر و فکر کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور فرائض و سنتوں کے متعلق سہل انگاری برتتے ہیں۔ چلّے اور مختلف ریاضتیں انہوں نے خود اپنے لئے اختیار کی ہیں جن کی وجہ سے جمعہ اور جماعت کو ترک کر بیٹھتے ہیں۔)

اور یہ حال صرف "مست قلندروں" "بازاری بھنگڑوں" کا ہی نہیں تھا۔ حضرت مجددؒ کے معاصر ایک مشہور بزرگ حضرت نظام تھانیسری ہیں۔ ان ہی کے نام مکاتیب شریفہ میں ایک مکتوب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت اپنے مریدوں کے ساتھ عشاء کی نماز تہجد کے وقت تک مؤخر فرماتے تھے اور اپنے وضو کا خسالہ مریدوں کو بطور تبرک پلاتے تھے اور حد یہ ہوگئی تھی کہ حضرت کو لکھنا پڑا:

"از مردم معتمد نقل کردہ اند کہ بعضے از خلفاء شما را مرید آن ایشاں سجدہ می کنند۔" (ص ۳۷)

(مجھے معتبر آدمی سے یہ معلوم ہوا ہے کہ تمہارے خلفاء میں سے کوئی صاحب ہیں جنہوں نے اپنے مریدوں کو حکم دیا ہے کہ ان کو وہ سجدہ کیا کریں۔)

اسلامی معتقدات واعمال کی جس طبقہ میں یہ گت بن رہی ہو اگر حضرت مجددؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

"پیران ایں وقت از خود بے خبر ند ایماں ما از کفر جدا نمی توانند کرد۔"

(اس زمانے کے پیر خود اپنے حال سے بے خبر ہیں، وہ ایمان کو کفر سے بھی جدا نہیں کر سکتے۔)

تو اس پر کیوں تعجب کیا جائے۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ نت نئے دعوے نت نئی دلیلوں کی روشنی میں پیش کئے جاتے تھے۔ ان لطائف میں لطیف تر وہ لطیفہ ہے جس کا ذکر حضرت نے اپنے مکتوب نمبر ۲۴۵ میں فرمایا ہے۔ صوفیوں کی عام مجلسوں میں یہ لطیفہ مشہور تھا (غالباً مسکین اکبر کے لئے تراشا گیا تھا) کہ ایک دن حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ عارف اسلام نے ابن سینا فلسفی سے دریافت کیا کہ مقصود تک پہنچنے کی کیا راہ ہے؟ فلسفی نے جواب میں لکھا۔

Marfat.com

''در آئی در کفر حقیقی و برآئی از اسلام مجازی۔''

(کفر حقیقی اختیار کرو اور اسلام مجازی سے باہر نکل آؤ۔)

سعدی نے ''زلیخا'' میں یہ تو جو کچھ لکھا تھا وہ بجائے خود تھا لیکن اس کا دوسرا مصرعہ اس سے زیادہ چست ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نے عین القضاۃ ہمدانی کو لکھا اگر ''لکھے سال عبادت می کردم آنچہ ازیں کلمہ ابن سینا حاصل شداز نمی شد۔'' عین القضاۃ نے جواب میں لکھا ''اگر می فہمید ند مثل ایں بیچارہ مطعون و ملام گرامی شدند'' (یعنی اگر ابن سینا کا یہ قول تمہاری سمجھ میں آ جاتا تو اسی طرح تم بھی رسوا و بدنام ہوتے)۔ حضرتؒ اس لطیفہ کو نقل فرما کر جو اکبری دربار کے ایک امیر کی جانب سے پوچھا گیا تھا۔ ارقام فرماتے ہیں:

''شیخ ابوسعید عین القضاۃ بسیار مقدم است باو چہ نویسد۔''

اسی قسم کے خرافاتی لطائف کا نام علم تھا اور یہی ہوائی باتیں بجائے تنزیلی آیات و نبوی روایات کے مسلمانوں کی زندگی کی تعظیم کرتی تھیں، ہر بوالہوس اپنی ہولنا کیوں کے جواز کے لئے کوئی سند بنالیتا تھا۔ نقل کرتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن ان پیشوایان دین متین کی اخلاقی بلندی جس حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس کا کچھ اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مکتوب نمبر ۲۳۲ میں ارقام فرماتے ہیں:

> بعضے از صوفیہ بہ مظاہر جمیلہ و نغمات مستحسنہ گرفتار اند بہ تخیل آنکہ ایں جمال و حسن مستعار از کمالات حضرت واجب الوجود است تعالیٰ و تقدس کہ دریں مظاہر ظہور فرمودہ است و ایں گرفتاری را نیک و مستحسن انکارند بلکہ راہ وصول تصوری نمایند۔''

> (صوفیوں میں کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جو حسین وجمیل صورتوں اور دلکش گانوں میں گرفتار ہیں۔ یہ خیال کر کے کہ یہ حسن و جمال تو حضرت واجب الوجود سے مستعار ہے اور وہی ان صورتوں اور پیکروں میں نمایاں ہوا ہے اور اپنی اس گرفتاری کو اچھا و پسندیدہ خیال کرتے ہیں بلکہ اسی کو رسائی حق کی راہ سمجھتے ہیں۔)

پھر ''جمال پرستی'' کے اس آڑ میں جو کچھ ہوتا تھا، اس گھناؤنے منظر کے تصور سے بھی دل کانپتا ہے۔ خدا پرستی اور خدارسی کی کتنی مقدس اور پاک راہیں تھیں، قہر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے ساتھ گستاخی کرنے والوں کی یہ جماعت محمد (ﷺ) کے ساتھ بھی ''ہوشیار'' نہ رہنا چاہتی تھی۔ جھوٹ کرتی تھی اور جھوٹ بولتی تھی۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ اپنے کمینہ فعل اور ارتکاب فحشاء کے جواز میں (العیاذ باللہ)

''مطلب خود ایں قول را سندمی آرند کہ گفتہ ''ایا کم والمرد فان فیھم لون کلون اللہ.''

(اپنے مقصد کے اثبات میں مند یہ پیش کرتے تھے کہ روایت کی جاتی ہے۔ سادہ رخوں (بے ریشوں) سے ہوشیار رہنا کیونکہ ان میں ایک رنگ ہے اللہ کے رنگ جیسا۔)

Marfat.com

مشہور عارفانہ نظریہ ''المجاز قنطرۃ الحقیقۃ'' کا مطلب یہ لیا گیا تھا جیسا کہ حضرت اپنے مکتوب (ج ۳/۶۶) میں ارقام فرماتے ہیں:

''ابلہان صوفیہ خام معنی ایں عبارت را فہمیدہ و گرفتار یہا بصورت جمیلہ پیدا کنند و بعشوہ و دلال اینہا فریفتہ گردند بطمع آں کہ آنرا وصول بحقیقت سازند معراج حصول مطلوب نمائند۔''

(بیوقوف کچے صوفیوں نے اس فقرہ کا صحیح مطلب تو سمجھا نہیں اور اچھی صورتوں کی چاہ میں گرفتار ہو گئے اور ان حسینوں کے ناز نخروں، عشوہ و غمزہ پر فریفتہ ہیں۔ یہ خیال کرتے ہیں کہ اپنے اس مجازی عشق کو حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنائیں گے اور اپنے مقصد تک اسی ذریعہ سے پہنچیں گے۔)

حسینوں کی بھری محفل میں سبحہ و دستار، سُبحہ و سجادہ والے چلبلے دل بقول حضرت مجددؒ

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہرست
درحیرتم کہ وعدۂ فردا از برائے چیست

کہتے ہوئے اپنے اپنے قنطروں کے قدموں پر سر ڈال دیئے۔ اُدھار جنت کے مقابلہ ان کی نقد بہشت یہی تھی گویا ''قل للمومنین یغضوا من ابصارھم'' کے فرمان الٰہی کا ان سے تعلق ہی نہ تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے عملی نظام کا نام ''شریعت'' رکھ دیا گیا تھا اور پھر اس شریعت کے متعلق یہ ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا کہ

''شریعت پوست حقیقت ست و حقیقت مغز شریعت''

شریعت حقیقت کا چھلکا ہے اور حقیقت شریعت کا گودا ہے۔

بھلا جس کی رسائی مغز تک ہو چکی ہو، اب اسے چھلکے کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ حضرت مجددؒ ارقام فرماتے ہیں کہ ان میں بعض لوگ بہ ظاہر نماز و روزہ کی جو پابندی بھی کرتے تھے، تو اس کی وجہ یہ قرار دیتے تھے کہ

مبتدیان و پس روان ایشان بآن اقتداء کنند نہ آنکہ عارفان محتاج بہ عبادت اند۔ (مکتوب ۲۷۶، ج ۱، ص ۳۵۸)

(تاکہ مبتدی اور ان کے پیرو اُن کی اقتدا کریں۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ عارفوں کا گروہ بھی ان عبادتوں کا مکلف ہے۔)

خذلھم اللہ (خدا انہیں رسوا کرے) فرما کر حضرت فرماتے ہیں کہ ان کا قول تھا کہ ہم ظاہر شریعت کی پابندی محض ریا کارانہ طور پر کرتے ہیں، ان کا اعلانیہ نظریہ تھا۔

''تا پیر منافق و مرائی نہ باشد مرید از وے منتفع نہ گردد۔'' (ج ۱، ص ۳۵۸)
(جب تک پیر منافق اور ریا کار نہ ہو اس سے مرید نفع نہیں اُٹھا سکتے۔)

Marfat.com

ریا اور نفاق جس طبقہ کے فرائض میں داخل ہو گئے تھے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس جذبہ کے زیر اثر وہ کن "ناکردنیوں" کو "کردنی" بناتے ہوں گے۔ خصوصاً جب یہ معلوم ہے کہ اس زمانہ میں پیری و مریدی کا مقصد بہ قول حضرت مجددؒ یہ تھا:

"آنکہ مریدان ہر چہ دانند کنند، ہر چہ خواہند خورند و پیران سپر اینجا گردند داز عذاب نگاہ دارند۔"
(ص ۷۵، مکتوب ۴۱، ج ۳)

کہ مرید جو کچھ چاہے جانے، جو کچھ چاہے کرے جو کچھ چاہے کھائے۔ پیران لوگوں کی ڈھال بن جائے گا اور اخروی عذاب سے ان کو بچالے گا۔)

اسی کے ساتھ "سلب نسبت" کا نظریہ پیدا کیا گیا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ مرید کے تمام دینی و دنیوی منافع اب صرف پیر کی توجہ کے ساتھ وابستہ ہیں، دنیا ہی نہیں بلکہ مشہور تھا کہ پیر چاہے تو مرید کو دین سے بھی محروم کر کے جہنم کا ابدی کندہ بنادے۔ اور اس کے متعلق طرح طرح کے قصّے مشہور کئے گئے تھے۔ حضرت مجددؒ نے مکتوب ۲۸، ج ۲ میں کسی صاحب کا خط نقل فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بزرگ حضرت علاء الدین نامی اپنے مرید مولانا نظام الدین سے گراں خاطر ہوئے "واز ایشاں سلب نسبت کردند" لیکن مولانا نظام الدین نے فوراً حضرت رسالت پناہی کی روحانیت میں پناہ ڈھونڈھی۔ حضرت پیر علاء الدین کو حکم دربار رسالت سے ملا۔ "نظام الدینؒ از آنِ ماست کسے رابروے مجال تصرف نہ باشد" لیکن یہی بیچارے نظام الدین جب بوڑھے ہوئے تو خواجہ عبیداللہ احرار سے کسی بات میں شکر رنجی ہوئی، باوجودیکہ نظام الدین آنحضرت ﷺ کی پناہ میں آ چکے تھے، لیکن پھر بھی "خواجہ احرار از مولانا سلب نسبت نمودند۔" اس عمل پر حضرت نظام الدین مسلوب سے یہ لطیفہ نقل کیا جاتا تھا کہ

"خواجہ مارا پیر یافتند ہر چہ دانستم بروند در آخر کار مفلس گردانیدند۔"
(ہمارے خواجہ (عبیداللہ احرار) نے مجھے بوڑھا پایا۔ جو کچھ میرے پاس تھا سب چھین لیا اور انجام کار مجھے بالکل مفلس بنا کر چھوڑ دیا۔)

حضرت مجددؒ نے سارے واقعات کو نقل فرما کر لکھا ہے۔

"حضرت خواجہ ما قدس سرہ می فرمودند کہ مفلس ساختن دلالت بر سلب ایمان دارد اعاذنا اللہ سبحانہ۔"
(ہمارے خواجہ (حضرت باقی باللہؒ) فرماتے تھے کہ مفلس بنا دینے کے تو یہ معنے ہوئے کہ ان کا ایمان بھی چھین لیا گیا، پناہ میں رکھے اس سے اللہ۔)

اس کے بعد آخر میں اس "سلب نسبت" کے لطیفہ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں۔

"این معنے تجویز نمودن بسیار مشکل"
(اس بات کو جائز قرار دینا نہایت دشوار ہے۔)

اور اپنا خیال اس واقعہ کے متعلق ان الفاظ میں اثبات فرمایا

''ہر دو قول پیش نیامدہ''

(کہ ان دونوں قصوں میں سے کوئی قصہ بھی پیش نہیں آیا)

''برہمن کدہ'' ہند میں آزاد اسلام ان زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، محمد ﷺ کی اُمت مرحومہ اس آہنی جال میں پھڑ پھڑا رہی تھی، زیادہ تر ان تدبیروں سے غالباً وہی مسئلہ حل کیا جاتا تھا، جسے عہد دجالی میں بجائے مسئلہ موت کے اسی کو انسانیت کا سب سے اہم ترین مسئلہ ٹھہرایا جاتا ہے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اس بڑے لفافہ کا آخری ورق وہی ''روٹی'' نہیں تھی، جو پرانے برہمنوں کا کنایتاً اور نئے پنڈتوں کا صراحتاً سب سے بڑا نصب العین ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک خلیفہ مجاز کو رجوع کرنے والے مریدوں کے متعلق جو اتنی شدت اور کرخت لہجہ میں یہ حکم دیتے ہیں کہ

''نیک تاکید نمایند کہ طمعے در مال مرید و توقع در منافع دنیاوی او پیدا نشود۔ (۱۷۵/۱۷۰، ج۱)

(خوب اچھی طرح سے اس کو سمجھو کہ مرید کے مال کے طمع اور دنیاوی منافع کی اس سے توقع کسی طرح دل میں نہ پیدا ہو۔)

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں ''پیری مریدی'' کا چرخ کس محور پر گھوم رہا تھا، مرض نہ تھا تو علاج کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تھی وہ چند مثالیں جن سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ''اسلامی دائرہ'' کا یہ ممتاز طبقہ کس حال میں مبتلا تھا۔ میں نے بجائے کسی غیر معتبر مورخ کے قصداً اپنے بیان کی تائید کے لیے حضرت مجددؒ کو اپنا گواہ بنایا ہے اور یہ سارے اجزاء ان ہی کے مکاتیب طیبہ سے فراہم کئے گئے ہیں۔

سوچا جاسکتا ہے کہ جس عہد میں ہندوستانی اسلام کے امراء و سلاطین علماء و صوفیا، شور بختی کے اس مقام تک تنزل کر چکے تھے تو پھر اس ملک کے عام مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۔ حضرت مجددؒ ہی کی زبانی اس کا فسانہ بھی کچھ سُن لیجئے۔ خان اعظم کو خط لکھتے ہیں اس میں زیادہ زور اسی پر ہے:

''احکامِ کثیرہ اہل کفر در اہل اسلام شوخی پیدا کردہ است۔'' (مکتوب ۱/۵۶)

(اہلِ کفر کے بہت سے احکام و رسوم اہل اسلام میں نمایاں ہورہے ہیں۔)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: (مکتوب ج۱، ص ۲۶۶)

''مسلمانانے باوجود ایمان رسوم اہلِ کفری نمایند و تعظیم ایام ایشاں می کنند۔'' (ص ۳۲۷)

(مسلمان باوجود ایمان کے اہل کفر کی رسموں کو بجالاتے ہیں اور ان کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں۔)

Marfat.com

پھر جلد ثالث کے مکتوب چہل میں اس کی شہادت ادا کرتے ہیں۔

''استمداد از اصنام و طاغوت در دفع امراض و اسقام در جہلہ اہل اسلام شائع گشتہ است۔'' (ص ۶۹)

(ان کے دیوتاؤں اور بھوتوں سے بیماریوں کے ازالہ میں اہل اسلام کے جاہل لوگوں کا مدد طلب کرنا عام طور سے پھیلا ہوا ہے۔)

خصوصاً عورتوں کے متعلق حضرتؒ کا بیان یہ ہے کہ:

''اکثر زنان بواسطہ کمال جہل کہ دارند بایں استمداد ممنوع مبتلا اند۔''

(اپنے انتہائی جہل کی وجہ سے اکثر عورتیں اس حرام وممنوع استمداد میں مبتلا ہیں۔)

''وطلب دفعیہ بلیہ ازیں اسماء بے مسمیٰ می نمایند و باداۓ مراسم شرک واہل شرک گرفتار اند۔''

(اور ان وہمی دیوتاؤں سے (جن کا نام تو ہے لیکن مسمی نہیں ہے) بلاؤں کے ٹلانے کی درخواست کرتی ہیں اور شرک واہل شرک کی رسموں کو بجالاتی ہیں۔)

چیچک کی بیماری میں ہندوستان کے عام اسلامی گھرانوں میں جو کچھ ہوتا تھا اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

''در وقت عروض مرض جدری کہ در زبان ہند بہ سیتلہ معروف است مشہود ومحسوس است کم زنے باشد کہ از دقائق ایں شرک خالی بود و برسمے از رسوم آں در آنجا اقدام نہ نماید۔''

(چیچک کی بیماری جس کا نام ہندی میں سیتلہ ہے، اس کے متعلق یہ بات مشاہدہ میں آ رہی ہے کہ کم کوئی ایسی عورت ہوتی ہے جس کا دل اس قسم کے شرک کی باریکیوں سے پاک ہو اور اس کے متعلق جو رسوم ہیں ان میں سے کسی نہ کسی رسم کے انجام دینے کی طرف سبقت نہ کرتی ہو۔)

غیر اسلامی تہواروں کے متعلق مسلمانوں کا طرزِ عمل کیا ہو گیا تھا، دلّی کے دربار میں جو کچھ ہوتا تھا، اس کا اثر سارے ہندوستان پر پھیل گیا تھا۔ فرماتے ہیں۔

''در ایام دِوالی کفار جہلہ اہل اسلام علی الخصوص زنان ایشان رسوم اہل کفر را بجامی آرند و عید خود میسازند و ہدایا شبیہ بھدایاۓ اہل کفر بخانہاۓ دختران وخواہران در رنگ اہل شرک می فرستند و ظرفہاۓ خود را در رنگ کفار دران موسم رنگ می کنند بہ برنج سرخ آن را پر کردہ می فرستند۔''

(اہل اسلام کے جہلاء دوالی کے دنوں میں خصوصاً عورتیں اہل کفر کی رسمیں کرتی ہیں اور اس کو اپنا تہوار بنا کر مناتی ہیں اور اس دن میں تحفے تحائف اہل کفر کے مانند اپنی لڑکیوں اور بہنوں کے

Marfat.com

گھر بھیجتی ہیں۔ اپنے برتنوں کو ان ہی رنگوں سے رنگتی ہیں جن سے اہلِ کفر اس خاص موسم میں رنگتے ہیں اور سرخ چاولوں کو ان برتنوں میں بھر کر بھیجتی ہیں۔)

عام مسلمانوں کے یہ تعلقات تو غیر اسلامی دیوتاؤں اور غیر اسلامی تہواروں کے ساتھ تھے، خود اس ملک میں اکثر مسلمانوں نے اپنا بھی ایک مستقل مشرکانہ نظام قائم کر لیا تھا۔ حضرت فرماتے ہیں:

''حیوانات را نذر مشائخ می کنندہ بر سر قبر ہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح می نمایند۔''

(بزرگوں پر جانور چڑھاتے ہیں اور ان کی قبروں پر پہنچ کر اُن جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔)

اور معاملہ صرف اس منت و نذر لغیر اللہ تک محدود نہ تھا، نماز و روزہ جو صرف اللہ کے لیے تھا، ہندوستان کے مسلمانوں نے اس میں بھی دوسروں کو ساجھی بنا لیا تھا۔ حضرت کا بیان ہے خصوصاً عورتوں کے متعلق

''صیامِ نساء بہ نیت پیراں و بی بیاں نگاہ دارند و اکثر نامہائے ایشاں را از نزد خود تراشیدہ روزہائے خود را بنام آنہا نیت کنند۔''

(عورتیں روزے پیروں اور پیرنوں کی نیت سے رکھتی ہیں، ان پیروں کے نام بھی یہ خود گڑھ لیتی ہیں اور انہی فرضی ناموں سے روزے رکھتی ہیں۔)

لطف یہ تھا کہ ان عجیب و غریب روزوں کے رکھنے کا دستور بھی عجیب تھا، یعنی ہر روزہ کی کھلائی کے لیے خاص خاص طریقے اور کھانے مقرر تھے۔ حضرت والا ہی ارشاد فرماتے ہیں:

''واز برائے ہر روزہ خاص بوضع مخصوص تعین می نمائند۔''

(اور ہر روزہ کے خاص خاص طریقے انہوں نے مقرر کر رکھے تھے۔)

ان روزوں کا مقصود کیا ہوتا تھا، حضرت ہی فرماتے ہیں:

''مطالب و مقاصد خود را بایں روزہا مربوط می سازند بہ توسل ایں روزہ از ینہا حوائج می خواہند و روائے حاجت خود را از آنہا می دانند۔''

(اپنے مقاصد اور حاجتوں کو ان روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں اور ان روزوں کے وسیلہ سے اپنی حاجتیں طلب کرتی ہیں۔ سمجھتی ہیں کہ ان کی حاجت براری ہی روزوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔)

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان خاص روزوں کی کُھلائی کس طریقہ اور کن کھانوں سے ہوتی تھی کہ حضرت کو لکھنا پڑا:

''بساست کہ در وقت افطار ارتکاب محرمات نمایند و افطار بامر حرام کنند۔''

(بسا اوقات ان روزوں کے کھولنے کے وقت ایسے کاموں کی مرتکب ہوتی ہیں جو شرعاً حرام ہیں۔)

Marfat.com

شائدان روزوں میں سے بعض روزوں کے لیے یہ شرط تھی کہ بھیک مانگ کر اسی بھیک کے ٹکڑے سے روزہ کشائی کی جائے، جیسا کہ حضرت ہی فرماتے ہیں:

”بے حاجت سوال و گدائی کنند و بآں افطار نمایند و قضائے حاجت خود را مخصوص باین محرم می دانند۔“

(بغیر ضرورت کے بھیک مانگتی ہیں اور اسی بھیک کے ذریعہ سے روزہ افطار کرتی ہیں، سمجھتی ہیں کہ ان کی حاجت اسی حرام کے ساتھ افطار کرنے پر موقوف ہو۔)

اور یہ حال تو ”عوام کا لانعام“ کا تھا، اچھے پڑھے لکھے لوگ جن کا شمار دینداروں میں تھا، حضرت مجددؒ کی گواہیاں ان کے متعلق بھی قابلِ عبرت ہیں۔ اور تو اور خود حضرت مجدد الف ثانیؒ جس زمانہ میں صرف ”میاں[3] شیخ احمد سرہندی سلمہ اللہ تعالیٰ“ تھے، باوجودیکہ اپنے والد مرحوم اور دوسرے علماء کبار سے علوم دینیہ کی باضابطہ تکمیل کی تھی، قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم سبقاً سبقاً حاصل کی تھی، گویا ”سند یافتہ عالم“ تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی و رسالت سے جو انسانی زندگی کا ”دستور محکم“ تیار ہوا تھا، اور جس کا عام نام شریعت تھا، خود حضرت بھی اس شریعت کے متعلق زمانہ کے اثر سے یہ خیال رکھتے تھے، جسے ایک نظم کی صورت دے کر جھوم جھوم کر پڑھتے۔

”اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائی است
ملت ما کافری و ملت ترسائی ست
کفر و ایماں زلف و روی آں پری زیبائیست
کفر و ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است“

(مکتوب ۳۱، جلد اول، ص ۴۱)

(افسوس! یہ شریعت اندھوں کی ملت ہے۔ میرا دین دین کافری، اور عیسائیوں کا دین ہے۔ اس زیبا پری کے زلف اور چہرہ کو کفر و ایمان کہتے ہیں۔ اس یگانہ و یکتا کی راہ میں کفر و ایمان دونوں ہیں۔)

اللہ اکبر یہ تھا اُن مجدد صاحب کا حال جو تغیر حال کے بعد خانخاناں عبدالرحیم کے نام عربی میں ایک خط لکھتے ہیں اور اس میں ڈانٹ کر خانخاناں کو تنبیہہ فرماتے ہیں:

كل العجب ان الاخ الصادق قد نقل ان من حلبائهم من الشعراء الفضلاء من يلقب فى الشعر بالكفرى والحال انه من اهل السادات العظام والنقباء الكرام فياليت شعرى ماحمله على هذا الاسم الشنيع البين شناعته والمسلم ينبغى ان يفرمن هذا الاسم زيادة مايفرمن الاسد المهلك ويكرهه كل الكراهة ان هذاالاسم ومسماه مبغوضان الله سبحانه و تعالىٰ ورسولهٗ عليه الصلوٰة والسلام

Marfat.com

فالتحاشی عن مثل ھٰذا الاسم القبیح واجب...... فالتمسوہ من قبلی ان یغیر ھٰذا الاسم ویبدلہٗ باسم خیر منہ ویلقب بالاسلامی. (ب۳۲،ج۱)

''کس قدر تعجب ہے کہ ایک سچے بھائی نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ کے ہم نشینوں میں ایک شخص ہے جن کا شمار فاضل شاعروں میں ہے۔ انہوں نے اپنا تخلص کفری رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ ان کا تعلق سادات عظام اور فقہاء کرام سے ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر اس تخلص کے اختیار کرنے پر ان کو کس چیز نے آمادہ کیا۔ جو نہایت بُرا ہے اور ایسا ہے کہ مسلمان کو اس سے اسی طرح بھاگنا چاہیے، جیسے شیر سے آدمی بھاگتا ہے اور اس کو ناپسند کرنا چاہیے کیونکہ خود یہ نام اور اس کا مسمّٰی دونوں اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک قابلِ نفرت ہیں۔ ایسے بُرے ناموں سے علیحدگی واجب ہے۔ آپ ان سے میری جانب سے التماس کیجئے کہ اس نام کو بدل کر اپنا تخلص ''اسلامی'' رکھ لیں۔''

اس زمانہ کے دینداروں کا حال ان الفاظ میں قلم بند فرماتے ہیں:

''باید دانست کہ اکثر مردم از خواص وعوام دریں زمان در ادائے نوافل اہتمام دارند و در مکتوبات مساہلات می نمایند و مراعات سنن و مستحبات را آں ہا کمتری کنند و نوافل را عزیز می دارند و فرائض را ذلیل وخوار، کم ست کہ فرائض را در اوقات مستحبہ ادا نمایند، و در تکبیر جماعت مسنونہ بلکہ در نفس جماعت تقیدے ندارند بہ تکاسل وتساہل ادائے فرائض راغنیمت می شمارند۔''

(مکتوب ۲۸۸/۳۹۳،ج۱)

(معلوم ہونا چاہیے خواص وعوام میں آج کل بکثرت ایسے لوگ ہیں جو نوافل کے ادا کرنے میں تو بہت اہتمام کرتے ہیں، لیکن فرائض میں سہل انگاری برتتے ہیں اور سنتوں اور مستحب امور کی بہت کم رعایت ونگرانی کرتے ہیں۔ یہ لوگ نوافل کو بہت قیمتی خیال کرتے ہیں، مگر فرائض کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت وعزت نہیں بلکہ ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان میں کم ہیں جو فرائض کو مستحب اوقات میں ادا کرتے ہوں۔ وہ جماعت مسنونہ کی تکبیر اولیٰ بلکہ سرے سے جماعت کی پابندی نہیں کرتے اور بس کاہلی وسستی سے فرائض ادا کرنے ہی کو وہ غنیمت خیال کرتے ہیں۔)

اللہ اور رسول (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) کی بنائی ہوئی راہوں کے ساتھ اُن کا یہ معاملہ تھا، لیکن انہوں نے خود اپنا جو دین گھڑ لیا تھا، اس کی پابندی کو فرائض سے بھی زیادہ اہم خیال کرتے تھے۔ حضرت نے بطور مثال کے ارقام فرمایا ہے:

''روز عاشورا، وشب برات، وبست وہفتم ماہ رجب واول شب جمعہ ماہ مذکور کہ آں راللیلۃ

Marfat.com

الرغائب نام نہادہ اند کمال وتمام مرعی داشتہ بجمعیت تمام نوافل بجماعت می گزارند وآن را نیک و مستحسن می پندارند۔"

(یکم محرم، شب برات، ۲۷ رجب اور اس ماہ کے پہلے جمعہ میں جس کا نام "لیلۃ الرغائب" رکھا گیا ہے، بڑے اہتمام اور دل کی پوری یکسوئی کے ساتھ جماعت سے نفل نمازیں ادا کرتے ہیں اور اپنے اس فعل کو شرعاً بہت اچھا خیال کرتے ہیں۔)

حد یہ ہوگئی تھی کہ نقشبندیہ طبقہ کے صوفیا و مشائخ جن کا سارا مجاہدہ اور ساری ریاضت صرف اتباع شریعت کے ساتھ محدود تھی، ان کے متعلق بھی حضرت کو لکھنا پڑا کہ

"بعضے از اہل سلسلہ بواسطہ تصور نظر دریں طریقہ علیہ نیز بدعتہا اختیار نمودہ اند و دلہائے مردم را بعلاقہ ارتکاب بدعت بجانب خود کشیدہ و ایں عمل را بزعم خود تکمیل ایں طریقہ علیہ گمان بردہ۔"
(مکتوب ۶۲، ج ۲)

(اپنی کوتاہ نظری سے اس سلسلہ (نقشبندیہ) کے بعض لوگوں نے بھی اس "طریقہ علیہ" میں بدعتوں کو اختیار کرلیا ہے۔ اس بدعت کے ارتکاب سے چاہتے ہیں کہ عام لوگوں کے قلوب کو اپنی طرف مائل کریں اور اپنے اس فعل کو وہ اپنے خیال میں اس طریقہ کی تکمیل کا ذریعہ گمان کرتے ہیں۔)

مکتوب نمبر ۱۳۱ میں اپنے زمانہ کی بعض اُن بدعات کا ذکر کرتے ہوئے جو بعض مشائخ نقشبندیہ میں داخل ہو گئی تھیں، کتنے دردناک لہجہ میں فرماتے ہیں:

"افسوس ہزار افسوس بعضے از بدعتہا کہ در سلاسل دیگر اصلا موجود نیست دریں طریقہ علیہ احداث نمودہ اند و تہجد را بجماعت می گزارند و از اطراف و جوانب دراں وقت مردم از برائے تہجد جمع می گردند۔"

(افسوس ہزار افسوس کہ ایسی چند بدعتیں جو دوسرے طریقوں میں بھی قطعاً نہیں ہیں ان لوگوں نے اس طریقہ علیہ میں ان کو داخل کرلیا ہے مثلاً تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اردگرد سے اس باجماعت نماز تہجد کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔)

کیسی عجیب بات ہے کہ "طریقہ نقشبندیہ" کے لانے والے ہندوستان میں حضرت مجددؒ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ تھے، جن کا حال حضرتؒ نے یہ لکھا ہے:

"یکے از مخلصان حضرت خواجہ ما بود در وقت افتتاح طعام در حضور ایشاں اسم اللہ را بلند گفت ایشاں را ناخوش آمد بحدیکہ زجر بلیغ فرمودند کہ او را منع کنند کہ در مجلس طعام ما حضر نشود۔"
(ص ۳۴۳، مکتوب، ص ۲۶۶)

(ہمارے حضرت (باقی باللہؒ) کے مخلصوں میں ایک آدمی تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے شروع میں اللہ کے اسم پاک کو بلند آواز سے کہا۔ حضرت کو ان کی یہ بات بہت ناپسند ہوئی اتنی ناپسند کہ سخت ڈانٹ بتائی اور حکم دیا کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں آئندہ پھر یہ شخص حاضر نہ ہوا کرے۔)

لیکن ہندوستان کی جو حالت ہو رہی تھی، جیسا کہ حضرت ہی کا بیان ہے۔

''اہل ایں سلسلہ علیہ دریں دیار غریب افتادہ اند و اہل ایں دیار را بواسطہ شیوع بدعت بطریقہ ایں اکابر ملتزم سنت قلت مناسبت است۔'' (مکتوب ۶۲، ج ۲۔)

(اس سلسلہ علیہ کے لوگ اس ملک میں اجنبیوں کی طرح ہیں۔ بدعات کے رواج کی وجہ سے اس ملک کے لوگوں کو اس طریقہ کے بزرگوں سے جو سنت کے سخت پابند ہیں، بہت کم مناسبت ہے۔)

اس ''کان بدعت'' میں اس طریقہ کا بھی انجام یہ ہوتا ہے کہ حضرت باقی باللہ کے صاحبزادگان کرام یعنی اپنے مخدوم زادوں کو مخاطب کر کے حضرت مجدد کو لکھنا پڑا:

''شنیدہ می شود کہ مخدوم زادہا میل بسرود دارند و مجلس سرود و قصیدہ خوانی در شبہائے جمعہ منعقد می سازند و اکثر یاران دریں امر موافقت می نمایند عجب ہزار عجب مریدان سلاسل دیگر عمل پیران خود بہانہ ساختہ ارتکاب ایں امر می نمائند و حرمت شرعی بعمل پیراں دفع می کنند اگر چہ فی الحقیقت دریں محق نباشند یاران دریں ارتکاب چہ معذرت خواہند فرمود حرمت شرعی یک طرف، و مخالفت طریقت پیران خود یک طرف۔'' (مکتوب نمبر ۲۶۶)

(ایسا سنا جاتا ہے کہ مخدوم زادوں کا میلان گانے کی طرف ہو گیا ہے۔ گانے اور قصیدہ خوانی کی مجلسیں جمعہ کی شب میں قائم کی جاتی ہیں اور اکثر یارانِ طریقت نے بھی آپ لوگوں کی اس باب میں موافقت کی ہے۔ تعجب ہزار تعجب ہے کہ دوسرے سلسلوں کے لوگ تو اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس طریقہ سے شرعی حرمت کو اپنے پیروں کے عمل سے توڑتے ہیں، اگر چہ اس میں وہ بر نہیں ہیں لیکن ہمارے پیر بھائیوں کو کیا ہوا ہے، وہ اس فعل کے ارتکاب میں کیا عذر پیش کر سکتے ہیں۔ شرعی حرمت ایک طرف اور اپنے طریقہ کے پیروں کی مخالفت دوسری طرف۔)

ان چند اجمالی نمونوں سے غالباً اس نقشہ کی صحیح تصویر نگاہوں کے سامنے اپنے واضح خط و خال کے ساتھ ان شاء اللہ بے نقاب ہو چکی ہوگی، جو ''عہد تجدید'' سے پہلے ہندوستان کے اسلام اور مسلمانوں کا تھا۔ اس وقت بحث کو اسی نقطہ تک پہنچا کر اب ہم دوسری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ جس قوم کے ولاۃ و حکام، سلاطین و امراء علماء و مشائخ اور ان کے ماتحت زندگی بسر کرنے والوں کا جب یہ حال ہو، اندازہ ہو سکتا ہے ایسے مہیب منظر کی طرف اگر کسی کی بصیرت و احساس کی آنکھیں اچانک کھول دی جائیں، سوچا جا سکتا ہے اس پر کیا قیامت کا سماں گزر جائے گا، ایسے نازک وقت میں جن سے کچھ اُمید ہو سکتی تھی، وہ علماء اور مشائخ ہی تھے، لیکن سُن چکے کہ مشائخ کا ایک بڑا طبقہ شریعت سے اپنی گردنوں کو آزاد کرانے کی فکر میں لگا ہوا تھا، جس کے دوسرے معنیٰ اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ وہ ایک راہ سے ارتداد پر آمادہ تھا اور ان میں کتنے تھے جو آمادگی کے حدود سے نکل کر عملی میدان میں پھاند چکے تھے۔ علماء زبان سے کچھ ہی کہتے ہوں، لیکن جو حالات تھے، ان کو پیش نظر رکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ بھی عملی بغاوت میں مبتلا نہ ہو چکے تھے بلکہ سچ یہ ہے جیسا کہ حضرت مجددؒ کا بیان ہے کہ

''در قرن سابق اختلافات علماء عالم را در بلا انداخت و ہمان صحبت در پیش است ترویج چہ گنجائش دارد باعث تخریب دین خواہد شد۔'' (ب ۵۳، ج ا)

(پچھلے دور میں علماء کے اختلافات نے دنیا کو ایک مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا، اب پھر وہی بات سامنے ہے...... دین کا رواج کیا ہوگا، اس کی بھلا کیا گنجائش ہے، بلکہ دین کی بربادی ضرور ہوگی۔)

بھلا جس عہد کے علماء کو دیکھ کر حضرت مجدد کو لکھنا پڑا:

''عزیزے ابلیس لعین را دید فارغ و بے کار نشستہ است مراں را پرسید گفت علماء ایں وقت کار ما می کنند و در اغوا، و اضلال کافی اند۔'' (ب ۵۳، ج ا)

(ایک صاحب نے ملعون ابلیس کو دیکھا کہ فارغ اور بیکار بیٹھا ہوا ہے۔ پوچھا کہ آخر کیا ماجرا ہے۔ ابلیس بولا کہ اس زمانہ کے علماء میرا کام انجام دے رہے ہیں، راہ مارنے بھٹکانے کے لیے اب وہی کافی ہے۔)

اُن سے کیا خاک توقع ہو سکتی تھی، ہندوستان کے مسلمانوں میں وہ ان سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے جو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی گئیں۔ وہ ان مسلمانوں کی زبانی سے وہ سب کچھ سُن رہے تھے، جو اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ کی مبارک زبان سے کبھی نہیں سُنا گیا، لیکن بجز ان چند کے جن کی سب سے بڑی اُولوالعزمی یہ تھی کہ منکر کو دیکھ کر چپ ہو جائیں، بڑا گروہ ان کا تھا جو مسلمانوں کو وہی سناتے تھے، جو وہ سُننا چاہتے تھے، وہی دکھاتے تھے اور قرآن کھول کھول کر حدیثوں کے اوراق اُلٹ اُلٹ کر وہی دکھاتے تھے جو وہ دیکھنا چاہتے تھے۔

کیسی کٹھن گھڑی ہو گی جب دوستوں نے دشمنی کے لیے کمر باندھی ہو اور اللہ کی فوج شیطان کی صف میں شریک ہو کر ایمان و اسلام کی برجیوں پر دھاوا بول دے۔ یہی رنگ تھا جسے دیکھ کر حضرت مجدد فرماتے ہیں:

''عالم در دریائے بدعت غرق است و بظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند و باحیائے سنت لب کشائد اکثر علماء ایں وقت رواج دہند ہائے بدعت اند و محو کنند ہائے سنت۔'' (ب ۵۴، ج ۲)

(دنیا بدعت کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعت کی تاریکیوں میں مطمئن ہے۔ کسی کی مجال ہے کہ کسی بدعت کے اُٹھانے کے لیے آمادہ ہو اور کسی سنت کے زندہ کرنے کے لیے لب کشائی کرے۔ اس زمانہ کے اکثر علماء خود ہی بدعت کے رواج دینے والوں اور سنت کے مٹانے والوں میں ہیں۔)

اللہ اکبر! جو مدرسہ سے اس لیے نکلا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے دور ہونے والوں کو آپ سے قریب کرے گا۔ اسلام کا ایک مجدد ان ہی کے متعلق یہ شبہات ادا کرتا ہے کہ یہ علماء دین

''مردم را بر بدعت دلالت می نمائند و بجواز بلکہ باستحسان او فتوی می دہند۔''

(آدمیوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، بلکہ اسی کو شرعاً مستحسن قرار دے کر فتویٰ دیتے ہیں۔)

شائد ایسا ہی وقت ہوتا ہے، جب ہر طرف سے مایوس ہو کر چیخنے والا جنون و سرمستی میں

اِس راز کو پھر فاش کر اے روحِ محمدؐ
اِس عہد میں اب تیرا مسلماں کدھر جائے

چیخنے لگتا ہے اور جب راستبازی وسچائی، نیاز و اخلاص میں ڈوب کر چیختا ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر وہ راز ''فاش'' کیا جاتا ہے، جس کے بعد تجدید کا کام شروع ہو جاتا ہے۔

یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ حضرت مجددؒ سے جو کام بعد کو بن پڑا، وہ کسی غیر مرتب، مذہبی جوش و خروش کا ایک غیر شعوری نتیجہ تھا۔

یہ سچ ہے کہ کسی کی نظر انتخاب یقیناً حضرت مجددؒ کے قلب مبارک کو ازل ہی میں تاک چکی تھی اور جو ایسا ہوتا ہے، ارجمندی و اقبال کا ستارہ اس کی پیشانی کو اسی وقت چوم لیتا ہے، جس وقت وہ اِس خاک دان میں قدم رکھتا ہے۔ آئندہ کے نیک سالوں کا پتہ اس کی زندگی کی ابتدائی بہاروں سے چلنے لگتا ہے۔ ماہ رمضان میں ہلال کے مسئلہ میں ابوالفضل کا پیالہ جو اس کے منہ پر مارا گیا تھا، وہ ان ہی بہاروں کا ایک ہلکا جھونکا تھا جس کا تذکرہ میں پہلے کر چکا ہوں۔

لیکن اس اویسی پر جب روح محمد (ﷺ) نے ''راز'' فاش کیا تو اس کے بعد یقیناً اس کا جو قدم بھی اس راہ میں اُٹھا سو چکرا اُٹھا، سمجھ کر اُٹھا، دماغ نے عمل کا ایک ''لائحہ'' مرتب کیا، اور ''دل'' نے اس ''لائحہ'' کو ہاتھ میں دے کر

دل افگندیم بسم اللہ مجریہا ومرسہا

کہتے ہوئے، جو کچھ اس کے پاس تھا، سب کو لے کر ایک دفعہ ان موج افزاء طوفانوں اور بے پایاں سمندروں میں دھکیل دیا جس کا ڈوبنے والا پھر کبھی نہیں ابھرا۔ حضرت مجددؒ کے اس ''سانحہ'' کا تصور جب سامنے آتا ہے تو بے اختیار اس وقت اپنے مخدوم حضرت مجذوب (خواجہ عزیز الحسن ڈپٹی انسپکٹر صوبہ جات متحدہ و خلیفہ خاص حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی کا وہ شعر جو کسی ''خاص وقت'' میں انہوں نے سنایا تھا یاد آ جاتا ہے جھوم کر ''دیوانے'' نے

گرچہ ہے بحرِ محبت پُر خطر
کشتیٔ دل اس میں ڈالی جائے گی

Marfat.com

الاپا۔ ''ڈالی جائے گی'' پر کس بلا کا روحانی زور پہنچایا گیا تھا کہ اب تک اس کی کیفیت جب یاد آتی ہے تو

ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

ہائے! کاش! ''چل پڑتا'' لیکن بازو ہی نہیں بلکہ شائد زور قلب سے بھی وہ سعادت میسر نہیں آسکتی جو محض بخشندہ کی بخشش ہی پر موقوف ہے۔ وعسی اللہ ان یحدث بعد ذالک امرا

بہرحال یہ بات کہ حضرت مجددؒ کے سامنے ایک ''مستقل طے شدہ منصوبہ'' تھا، اس کا ثبوت خود آپ کی تحریروں سے ملتا ہے۔ شیخ فرید (سید مرتضٰی بخاری) جو جہانگیری دربار کے ممتاز ترین رئیس بلکہ سچ پوچھو تو ''سلیم'' کو جو اپنے ہی بیٹے اور مار آستیں (خسرہ) کا ''سلیم'' (مارگزیدہ) تھا، ٹھیک جس وقت اکبر کی موت کے بعد اس سانپ کا کامیاب حملہ ہوا، تو یہی بخاری سید تھے، جن کی عمل و تدبیر سے مرنے والا ''سلیم'' جہاں گیر بن گیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا تفصیلی ذکر آئندہ آئے گا۔ ان ہی سید صاحب کو حضرت مجددؒ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ یہ خط کیا ہے، اسلام اور مسلمانوں کا نوحہ اور مرثیہ ہے۔ سابق حکومت کے معاندانہ سلوک پر واویلا کرتے ہیں۔ علماء سوء کی چیرہ دستیوں پر نالہ کرتے اور شیخ فرید کو آمادہ کرتے ہیں کہ اس ''فتنہ'' کے مقابلہ کے لیے تم خود تیار ہو جاؤ اور ہو سکے تو بادشاہ کو بھی کسی نہ کسی تدبیر سے اس راہ پر لگاؤ۔ آخر میں ارقام فرماتے ہیں:

''بناء علیٰ ذالک این حقیر قلیل البضاعت نیز خواہد کہ خود را در جرگہ مدداں دولت اسلام اندازد و درین باب دست و پائے زند۔'' (ب ۴۷، ج ۱)

(اس بنا پر یہ حقیر ''ٹٹ پونجیا'' بھی اپنے کو ''دولت اسلام'' کے مددگاروں کے جرگہ میں داخل کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس راہ میں ہاتھ پاؤں مارے۔)

کچھ نہیں ہے، بے برگی و بے سامانی کی آخری حد پر کھڑے ہیں، لیکن باایں ہمہ اس ''بلند منصوبہ'' کے لیے اپنا عزم پیش کرتے ہیں..... کتنے سینہ شگاف لہجہ میں سرہند کا ایک فقیر ''مغل امپائر'' کے ایک ''رکن رکین'' کے بغل میں کھڑا ہو کر کہتا ہے۔

''بحکم من کثر سواد القوم فھو منھم یحتمل کہ ایں بے استطاعت را داخل آن جماعہ کرام سازند مثل خود را آن زال می انکارد کہ ریسماں تیندہ خود را در سلک خریداراں حضرت یوسف علیہ السلام ساختہ بود۔''

(اس ''ارشاد'' کے مطابق کہ کسی قوم کا سواد جس سے بڑھتا ہو، وہ ان ہی میں شمار کیا جاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس بے استطاعت کو بھی بزرگوں کے اس گروہ میں داخل کر لیا جائے۔ اپنے کو میں اس بڑھیا کے مانند خیال کرتا ہوں جس نے تاگا کات کر اپنے کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداروں میں شریک کر لیا تھا۔)

بہرکیف میرا یہ خیال ہے کہ حضرتؒ کے سامنے ایک مفصل ''منصوبہ'' اور ایک متعین ''نصب العین'' تھا، اگرچہ ظاہر ہے کہ نہ وہ ''پروگرام'' کا زمانہ تھا اور نہ ''اسکیم'' کی دنیا تھی اور اس وقت کیا، اخلاص و صداقت کا ''جہاد'' ہمیشہ

Marfat.com

اس قسم کے پروگراموں سے بے نیاز رہا ہے جو صرف پروگرام ہی کے لیے بنالیا جاتا ہے، اس لیے یہ توقع تو بے جا ہوگی کہ میں ان تجویزوں کی جو حضرتؒ کی پیش نظر تھیں، کوئی واقعی نقل پیش کروں گا بلکہ حضرت کے مکاتیب طیبہ کے مطالعہ و مقایسہ سے آپ کے ''تجدیدی کارناموں'' کی مختلف و متفرق کڑیوں کو مربوط کرنے کی کوشش کروں گا، واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم واحکم۔

لیکن قبل اس کے کہ میں آپ کے اس مرتب ''منصوبہ'' کو پیش کروں، ایک خاص امر کی جانب اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس عہد میں ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالیاں اس نوبت تک پہنچ چکی تھیں، وہ بگڑ چکے تھے، ان کے بڑے چھوٹے سب بگڑ چکے تھے، آوے کا کوئی برتن سالم نہیں رہا تھا اور ''تن'' کا کوئی حصہ داغ سے خالی نہ تھا، تو پھر ان بے جان لاشوں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر چمن محمدی ﷺ کے ان ''خانہ براندازوں'' باغ اسلامی کے اُجاڑنے والوں کے لیے آخر حضرت مجدد کے دل میں یہ ہُوک کیوں پیدا ہوئی، ایسوں کے لیے وہ کیوں تڑپے، کیوں کراہے، کس نے اس ٹیس کو پیدا کیا، جس کے دُکھ اور کوفت سے بے چین ہو ہو کر وہ

اُنچہ من گم کردہ ام گر از سلیمان گم شدے
ہم سلیمان ہم پری ہم اہرمن بہ گریستے (مکتوب ۶۲، ج۱)

جیتے جی تلملا تلملا کر وہ

صبت علےؑ مصائب لوانہا
صبت علے الایام مرن لیا لیا
(مکتوبؒ، ج۱)

کے ساتھ کیوں چیختے رہے۔ جانتے تھے، جیسا کہ ان ہی کی گواہیوں سے دکھا چکا ہوں کہ اس صنم کدہ ہند کے عام جاہل مسلمان کافروں کے دیوتاؤں کی دہائی دیتے تھے۔ ان کے آگے صحت و تندرستی کے لیے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتے تھے، ان کی عورتیں ہندوؤں کی وہمی دیویوں کی پوجا کرتی تھیں، سیتلہ مائی کی منت مانتی تھیں، اللہ کے باغیوں رسول کے دشمنوں کے تہواروں کو اپنی اسلامی عیدوں کی طرح منایا جاتا تھا، بیبیوں اور دیبیوں کے نام سے مسلمان خواتین روزے رکھتی تھیں، قبروں پر بکرے چڑھائے جاتے تھے، یہ عامیوں اور جاہلوں کا حال تھا جو دین کی پابندی کے مدعی تھے، وہ اس میں اپنے کو مختار ٹھہراتے تھے کہ فرض کو نفل کا اور نفل کو فرض کا درجہ عطا کریں، اہم کو غیر اہم بنانا، اللہ اور اس کے رسول کا نہیں، بلکہ ان ''دینداروں'' کا کام تھا...... رہے مشائخ اور علماء سوء آپ دیکھ چکے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ان کے نزدیک اس ''مغز'' کا چھلکا تھی، جو اُن کے ''بھیجے'' کے بخارات سے تیار ہوا تھا۔ جس قانون کی پابندی پیغمبر ﷺ نے اپنی آخری سانس تک کی تھی، باوجود پیغمبر نہ ہونے کے اس کی پابندی ان کے لیے غیر ضروری تھی۔ جمال کی تلاش میں شیطان نے جس ''جال'' میں ان کو پھانسا تھا، یہی گندہ وبال اُن کا انتہائی وصال تھا اور ''علماء'' نے تو ''علمی و دینی'' کاروبار سے شیطان کے لیے ہولی ڈے (تعطیل) کا موقعہ ہی بہم پہنچایا تھا، اور صرف یہی نہیں میں نے شاید پہلے ذکر نہیں کیا، اس زمانہ میں بھی پڑھے لکھوں یا تعلیم یافتوں کی ایک جماعت تھی جو باوجود خواندہ و اہل کتاب ہونے کے

Marfat.com

''علماء'' کے لفظ سے موسوم نہ تھی، حضرت مجددؒ نے ان کا بھی ذکر کیا ہے، اپنے علم وفضل، فکر وغور نے ان میں بھی وہی چیز پیدا کردی تھی جس کی بنیاد پر اپنی ''آوارہ دماغی'' کی تعبیر وہ آزاد خیالی سے کیا کرتے تھے، حضرت مجددؒ نے ان کے مسلک کی تعبیر ایک مفصل بیان کے ذیل میں فرمائی ہے، جس کا خلاصہ ان الفاظ میں درج فرمایا ہے:

''جمیع احکام شرعیہ را معقول خود سازد و بادلہ عقل برابر نمائند۔'' (ب ۲۱۴، ج ۱)

(تمام شرعی احکام وقوانین کو اپنی عقل کے مطابق بنائے اور عقلی دلیلوں کے معیار پر وہ پورے اُتریں۔)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''ہر چہ عقول شاں قبول کند و تواند دریافت قبول می نمائند و ہر چہ در درک عقول شان نہ در آئد قبول نمی نمائند۔'' (مکتوب ۴۴، ج ۳)

(ان کی عقلیں جن باتوں کو مان لیں، یا جن کو دریافت کرسکتی ہوں ان ہی کو یہ مانتے ہیں، اور جو باتیں (شریعت) کی اُن کی عقل میں نہیں آتی، انہیں یہ نہیں مانتے ہیں۔)

مسلمانوں کا یہ گروہ فلسفہ وحکمت (سائنس) کا گرویدہ تھا اور قرآنی بیانات، حدیثی روایات کو انہی تحقیقات کا تابع قرار دیتا تھا۔ حضرت نے ایک موقعہ پر ان ہی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

''در زمرہ اہل اسلام خود را داخل ساختہ اند وہمچنان بر اصول فلسفی خود راسخ اند بقدم سماوات و کواکب و امثال ایں ہا قائل اند بعدم ہلاک و فنا اینہا حاکم اند قوت ایشاں تکذیب نصوص قرآنی، و رزق شان انکار ضروریات دین۔''

(اہل اسلام کے زمرہ میں اپنے کو یہ داخل کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے اپنے فلسفیانہ خیالات و نظریات پر پوری قوت کے ساتھ جمے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ آسمانوں، ستاروں اور اسی قسم کی چیزوں کی قدامت کے قائل ہیں، ان کے فنا وہلاک برباد وتباہ ہونے کے منکر ہیں، ان کی غذا صرف قرآنی نصوص کی تکذیب اور ان کی روزی محض ضروریاتِ دین کا انکار ہے۔)

یہ سب کچھ لکھ کر آخر میں عجب انداز میں فرماتے ہیں:

''عجب مومن اند بخدا و رسول ایمان آرند واما آنچہ خدا و رسول او فرمودہ است قبول ندارند مفاہمت از یں نمی گذرد۔'' (ب ۲۳، ج ۳)

(اچھے مسلمان اور مومن ہیں، اللہ اور رسول پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور جو کچھ اللہ و رسول نے فرمایا ہے اسے مانتے بھی نہیں، حماقت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے؟)

Marfat.com

حضرتؒ نے اپنے عہد کے ان آزاد خیال (فری تھنکر) تعلیم یافتوں کا نام ''طالب علمانِ بے باک'' رکھا ہے، فرماتے ہیں۔

''طالب علمان بے باک'' از ہر فرقہ کہ باشند ''نصوص''⁵ دین اند اجتناب از صحبت اینہا نیز از ضروریات دین است۔'' (ج ا،۲۱۳)

(علم کے طالبوں میں جو ''بیباک'' یعنی آزاد خیال ہیں، جس فرقہ کے بھی ہوں، یہ دین کے چور ہیں، ان کی صحبت سے پرہیز کرنا بھی ''ضروریاتِ دین'' میں ہے۔)

''طالب علموں'' یا ''تعلیم یافتوں'' کی اسی جماعت کے چند خاص افراد کا ذکر ایک اور موقعہ پر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''بعضے از طلبہ علوم بشومی طمع کہ ناشی از خبث باطن ست بامراء وسلاطین تقرب جستہ براہ خوشامد درآمدند ودر دین متین تشکیکات نمودند وشبہات پیدا کردند وسادہ لوحاں راازراہ بردند۔''

(مکتوب ۶۷، ج ۲)

(ان ہی طلباء علوم میں سے بعض لوگوں نے حرص کی بدبختی میں بتلا ہو کر جو محض ان کے باطن کے خبث کا نتیجہ ہے، بادشاہوں اور امیروں کا تقرب حاصل کر کے خوشامد کا طریقہ اختیار کیا ہے اور دین متین میں اس کے بعد شکوک وشبہات پیدا کر کے یہ بیوقوفوں اور سادہ لوحوں کی راہ مار رہے ہیں۔)

بہ ظاہر یہ اشارہ ادب وانشاء فلسفہ وتاریخ کے ان ہی شہسواروں کی طرف ہے جن میں ایک اپنے زمانہ میں۔

امروز نہ شاعر و حکیم دانندہ حادث و قدیم

کا نعرہ بلند کرتا تھا اور دوسرا اس وقت تک کتنے تعلیم یافتوں کا اگر معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا ہوا ہے۔ میری مراد ابوالفضل وفیضی سے ہے کہ اکبر کی سوء دماغی میں بہت بڑا دخل ان ہی دو ''تعلیم یافتہ'' بھائوں کا تھا۔

بہر حال میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ جب مسلمانوں کی یہ حالت ہو چکی تھی اور دین سے وہ اس درجہ منقطع اور دور ہو چکے تھے، پھر باوجود اس کے کہ حضرت مجددؒ کی اس شوریدگی وہنگامہ آرائی کی آخر وجہ کیا ہوئی، کیوں نہیں ان کو بھی وہی خیال گذرا جیسا کہ سُنا جاتا ہے کہ اسلام کے بعض دلدادوں، علم وفضل کے صدر نشینوں نے اس عہد کے ہندی مسلمانوں کے متعلق گندہ لاش ہونے کا فتویٰ صادر فرماتے ہوئے اعلان فرمایا کہ بہشتی وہ ہے جو ان کے دفن میں کوشش کرے گا یا اس ملک کے سیاہ وسپید درندوں کی ان مردوں کے نگلنے میں مدد کرے گا۔

اور یہ تو میں نے اکثر پاکانِ عصمت مآب کو خود دیکھا کہ ان کی زبانوں پر غریب مسلمانوں کی لعنت کے سوا اب کچھ باقی نہیں رہا ہے، وہ مسلمانوں کو اس طرح گالیاں دیتے ہیں کہ گویا ان مسلمانوں میں یہ خود شریک نہیں ہیں۔ وہ

Marfat.com

ان کو اسی طرح سراپتے ہیں کہ گویا اس سراپ اور بددعاء کے مستحقوں میں وہ خود نہیں ہیں لیکن شاید یہ ہوشیاروں اور فرزانوں کی باتیں ہیں، پر وہ جو دیوانہ ہے عقل و ہوش سے بے گانہ ہے، سنتے ہو، وہ سب کچھ دیکھتا ہے، سب کچھ سنتا ہے لیکن با ینہمہ

''واویلاہ وامصیبتاہ واحسرتاہ واحزناہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رب العلمین است مصدقان او ذلیل وخوار، ومنکران او بعزت واعتبار۔'' (مکتوب ۴۷، ج ا)

(واویلاہ وامصیبتاہ، واحسرتاہ واحزناہ محمد رسول اللہ جو رب العالمین کے محبوب ہیں، ان کو سچا یقین کرنے والے تو ذلیل وخوار ہوں اور ان کے منکر عزت واعتبار میں ہوں۔)

کے ساتھ چلاّتا ہے، چلاّتا ہے اور اتنا چلاّتا ہے کہ آسمانوں کو لرزا دیتا ہے، زمین کانپ اُٹھتی ہے، دنیا اُلٹ جاتی ہے اور جو سوچا نہیں جاسکتا، آخر وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مرتا ہے، رحمۃ اللہ وطاب ثراہ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سچ ہے کہ ہندوستان میں اس عہد کے مسلمان وہ سب کچھ ہو چکے تھے، جو ہو سکتے تھے، لیکن ایک چیز ان میں پھر بھی باقی تھی کہ ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العلمین ست'' ان کے مصدقوں سے اور ان کے نام لیووں سے انہوں نے اپنے کو اب تک نہیں نکالا تھا، ہوسکتا ہے کہ لغوی طور پر ان کے اعمال وافعال کے لحاظ سے مصدقوں کا لفظ ان پر صادق نہ آتا ہو، لیکن انصاف شرط ہے۔ کیا واقعی وہ اور ان کے باپ دادے جس پیغمبر کی رسالت پر ایمان لائے تھے، کیا اس کی رسالت کو وہ اسی طرح جھٹلا چکے تھے، جس طرح وہ جھٹلاتے ہیں جو اس لیے نہیں کہ مشرقی ہیں، اس لیے نہیں کہ ایشیائی ہیں، اس لیے نہیں کہ عربی یا ایرانی ہیں، اس لیے نہیں کہ ان کی کھال کا کوئی خاص رنگ ہے، اس لیے نہیں کہ ان کی کوئی خاص بولی ہے، بلکہ اس لیے اور صرف اس لیے مسلمانوں کو دنیا سے مٹانا چاہتے ہیں کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو کیوں سچا سمجھتے ہیں۔ ہائے! اگر ان کا عمل ان کے اس تصدیق کی تکذیب کرتا ہے تو آخر ان کے ساتھ کیوں بے انصافی کی جاتی ہے، جب اس کا الزام بجائے ان کے اس جماعت پر نہیں لگایا جاتا جس کے متعلق حضرت مجددؒ کا قول ہے:

''درقرن ماضی ہر بلائے کہ بر سر آمد از شومی ایں جماعت بود، بادشاہاں را ایشان از راہ می برند ہفتاد و وملت کہ راہ ضلالت ست اختیار کردہ اند، اینہا علماء سوء بودند غیر از علماء ہر کہ بضلالت رفت کم است کہ ضلالت او تعدی بدیگرے دارد، واکثر جہلاء صوفی نما ایں زمانہ حکم علماء سوء دارند فساد اینہا نیز فساد متعدی ست۔''

(گذشتہ دور میں سروں پر جو بلائیں بھی آئیں اسی جماعت کی بدبختی اور نحوست کی راہ سے آئیں، بادشاہوں کو یہی لوگ راہ سے ہٹا کر گمراہ کرتے ہیں، بہتر طریقے جو گمراہی کے طریقے ہیں ان کو جو لوگوں نے بھی اختیار کیا، وہ انہی علماء سوء ہی کے بدولت اختیار کیا، علماء کے سوا کم

لوگ ہیں جو اتنے گمراہ ہوں جس سے دوسرے بھی متاثر ہوتے ہیں، اسی طرح اس زمانہ کے صوفی نما جہلا بھی علماء سوء کے حکم میں داخل ہیں کہ ان کا فساد بھی متعدی ہے۔)

آخر جس امت کے پیشواؤں کے متعلق یہ واقعہ ہو کہ

''اکثر علماء این وقت رواج دہند ہائے بدعت اند و محو کنند ہائے سنت مردم را بہ بدعت دلالت می نمائند۔''

(اس زمانہ کے اکثر علماء بدعت کے رواج دینے والے ہیں اور سنت کے مٹانے والے ہیں لوگوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔)

تو پھر اربابِ انصاف کو کیا ہو گیا ہے کہ بجائے ان پیشواؤں کے ان کے پس رووں کو وہ کوستے ہیں، وہ اگر بگڑے ہیں تو اس لیے نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی انہوں نے تکذیب کی ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ ان کو جو کچھ بگاڑا گیا ہے وہ اسی بنیاد پر بگاڑا گیا ہے

محمد رسول اللہ ﷺ کہ محبوب رب العلمین ست

ان کی اور ان کی رسالت کی انہوں نے تصدیق کی ہے، کیا ''علم محمدی'' کے جاننے کے مدعیوں نے ان کو جب کبھی بگاڑا جہاں کہیں بگاڑا حتیٰ کہ اِس وقت بھی جو بگاڑ رہے ہیں، تو کیا یہی کہہ کر نہیں بگاڑ رہی ہیں کہ

''محمدؐ اور محمدؐ کا رب اب تم سے یہ کہتا ہے۔'' (صلی اللہ علیہ وسلم)

''فاعتبروا یا اولی الابصار''

میں نے بہت تلاش کیا لیکن مجددی قلب کے طوفان تلاطم اور بے پناہ ہیجانوں کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہ ملا کہ جو رب العلمین کے محبوب ﷺ کی طرف منسوب تھے، ان کی خواری و ذلت کے نظارہ کی تاب اس سرمست بادہ الست کا دل دیوانہ نہ لا سکا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ دوسرے جو کچھ چاہیں سوچیں، جس بات سے چاہیں متاثر ہوں، جس چیز کو چاہیں اہم قرار دیں، لیکن سر باختوں، مجنونوں کے لیے تو

خراباتیاں می پرستی کنید　　محمدؐ بگوئید و مستی کنید

کے سوا نہ تو کوئی سرمایہء شادی ہے اور نہ باعث غم۔ سچ کہا جس نے کہا (رحمہ اللہ)۔

لی حبیبٌ مدنی قرشی　　کہ بود در دلش مایہ شادی و خوشی

(تتبعھا الرادفہ)

(افسوس! مولانا گیلانی مرحوم اس کے بعد اس سلسلہ کی کوئی قسط نہ لکھ سکے، مستقل سوانح مجددی لکھنے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن اس کے لیے وقت نہیں نکال سکے یہاں تک کہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔)

Marfat.com

حواشی

۱۔ تمہارے لیے تمہارا دین، میرے لیے میرا دین۔

۲۔ نظام الدین میری ملکیت میں داخل ہو چکا ہے اب کسی دوسرے کو اس پر تصرف کرنے کی مجال نہیں۔

۳۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو آپ کے ہم قرن و ہم پیر تھے، اِن ہی الفاظ سے آپ کو اپنی کتابوں میں یاد کرتے ہیں۔

۴۔ جو مصیبتیں مجھ پر ٹوٹی ہیں، اگر دن پر نازل ہوتیں تو دن رات ہو جاتا۔

۵۔ نصوص 'نص' کی جمع ہے جس کے معنی چور کے ہیں۔ یہ عجیب لفظ ہے گویا ''دین'' اور ''علم دین'' کے صرف جاننے سے آدمی اس کا مالک نہیں ہوتا۔ دین کا مالک وہی ہے جو اس پر عامل ہے، ورنہ جو دین کے دائرہ میں صرف علم کے لیے داخل ہوتے ہیں، یہ چور ہیں۔ محض اس لیے دینی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں کہ جن سے وہ کوئی دنیاوی نفع اُٹھا سکتے ہوں، یا اپنے وسوسوں کی توثیق جن اجزاء کے ذریعہ سے کر سکتے ہوں انہیں چرالیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان چوروں کی ایک خاصی تعداد ہر زمانہ میں رہی ہے۔ اعاذنالله من شرور هم۔

محمد منظور نعمانی

حدیثِ تجدید کی شرح اور مجددیت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر جو گوناگوں احسانات فرمائے ہیں' ان میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی ہدایت کے لئے اور اپنے قرب و رضا اور جنت کا ان کو مستحق بنانے کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ انسانی دنیا کے آغاز سے لے کر حضرت محمد ﷺ کی بعثت تک یہ سلسلہ اس طرح جاری رہا کہ جب اور جس خطہ زمین میں انسانوں پر گمراہی کا غلبہ ہوا اور انہیں آسمانی ہدایت کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنا کوئی نبی ان میں بھیج کر ان کی رہنمائی اور دستگیری فرمائی۔ اس طرح ہزاروں سال یہ سلسلہ جاری رہا اور انسانوں کی روحانی استعداد فطری طور پر بھی اور انبیاء علیہم السلام کی مسلسل تعلیم و تربیت کے ذریعہ بھی برابر ترقی کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اب سے کوئی چودہ سو برس پہلے جب انسانیت روحانی استعداد کے لحاظ سے گویا بالغ ہوگئی اور دنیا کے مختلف حصوں کے درمیان اسی زمانہ میں روابط اور تعلقات بھی قائم ہونے کی صورتیں پیدا ہوگئیں اور آمد و رفت کے وہ وسائل پیدا ہونے لگے جن کی وجہ سے ایک طرف کے علوم و افکار دوسری طرف منتقل ہونا ممکن ہوگیا اور مختلف حصوں میں بٹی ہوئی دنیا جب اس طرح ایک دنیا بن گئی تو حکمت الٰہی نے فیصلہ کیا کہ اب ایک ایسی کامل ہدایت اور ایسا مکمل دین پوری انسانی دنیا کو عطا فرما دیا جائے جو سب قوموں کے حسب حال ہو اور جس میں آئندہ کبھی کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہ ہو اور ایک ایسے نبی و رسول کے ذریعے اس ہدایت اور اس دین کو بھیجا جائے جو سب ملکوں اور سب قوموں کا نبی ہو اور پھر اسی نبی پر نبوت کے اس سلسلے کو ختم کر دیا جائے۔

حکمت خداوندی نے اس فیصلہ کے مطابق حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعے بھیجے ہوئے مقدس صحیفہ قرآن مجید میں ختم نبوت اور تکمیل دین کا اعلان بھی فرما دیا۔

پھر سیدنا حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ جس وسیع اور عالمگیر پیمانہ پر اس دین حق کی تبلیغ اشاعت ہوئی اور آپ کی دعوت و تعلیم کے نتیجہ میں جو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی انقلاب دنیا میں برپا ہوا اور پوری انسانی دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت و ہدایت کا جیسا دروازہ کھلا اور آپ کا اتباع کر کے دنیا کی مختلف قوموں میں جتنے لوگ حق آگاہ اور خدا رسیدہ بنے اور دنیا میں تہذیبوں اور تمدنوں کے ہزاروں انقلابوں کے باوجود انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام شعبوں میں رہنمائی کے لئے آپ کا لایا ہوا دین قریباً ڈیڑھ ہزار سال سے آج تک جیسا کافی ثابت ہو رہا ہے' یہ سب باتیں ہر سلیم

Marfat.com

الفطرت انسان کے لئے ہر حسی معجزہ سے بڑھ کر اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ بیشک ساری انسانی دنیا کے لئے آپ نبی برحق اور خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کا لایا ہوا دین کامل و مکمل اور آخری دین ہے۔

پھر جس حکمت خداوندی نے ختم نبوت اور تکمیل دین کا یہ فیصلہ کیا اسی کا فیصلہ یہ بھی تھا کہ دوسرے عام نبیوں کی طرح خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو بھی عمر طبعی ہی دی جائے گی' چنانچہ بعثت کے ۲۳ سال بعد ۶۳ سال کی عمر میں آپ کو اس دنیا سے اٹھا لیا گیا اور آپ کے بعد قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کا ذمہ خود لے کر اس کا ایک ظاہری انتظام اس عالم تکوین میں یہ تجویز کیا کہ ہر زمانہ اور ہر دور کی ضرورت کے مطابق ایسے لوگ آپ کی امت میں پیدا ہوتے رہیں جو اس دین کی حفاظت و خدمت ہی کو اپنا وظیفہ حیات بنائیں۔ چنانچہ ماضی کی تاریخ اور حال کا مشاہدہ گواہ ہے کہ ہر دور میں اس امت میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی رہی ہے جنہوں نے دین کے تعلم و تعلیم اور حفاظت و خدمت ہی کو اپنا خاص مشغلہ اور وظیفہ بنایا یہاں تک کہ آج بھی جبکہ مادہ پرستی اور دنیا طلبی پوری انسانی دنیا پر گویا چھائی ہوئی ہے' امت محمدی میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے افراد موجود ہیں جو دین کے تعلم و تعلیم اور اس کی حفاظت و خدمت ہی کے کسی کام کو اپنی زندگی اور اپنی توانائیوں کا مصرف بنائے ہوئے ہیں......

یہ دراصل اللہ تعالیٰ کے تجویز کئے ہوئے اسی انتظام اور اس کی مشیت کے اسی فیصلہ کا ظہور ہے جس کا ذکر اوپر کی سطروں میں کیا گیا ہے اور چونکہ یہ دین قیامت تک کے لئے اور دنیا کی ساری قوموں کے لئے تھا اور مختلف انقلابات سے اس کو گزرنا اور دنیا کی ساری قوموں اور ملتوں اور ان کی تہذیبوں سے اس کا واسطہ پڑنا تھا اور ہر مزاج و قماش کے لوگوں کو اس میں آنا تھا اس لئے قدرتی طور پر ناگزیر تھا کہ جس طرح پہلے نبیوں کے ذریعہ آئی ہوئی آسمانی تعلیم و ہدایت میں طرح طرح کی تحریفیں اور آمیزشیں ہوئیں اور عقائد و اعمال کی بدعتوں نے ان میں جگہ پائی' اسی طرح خدا کی نازل کی ہوئی اس آخری ہدایت و تعلیم میں بھی تحریف و تبدیلی کی کوششیں کی جائیں اور فاسد مزاج عناصر اس کو اپنے غلط خیالات اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کے لئے حقائق دینیہ کی غلط تاویلیں کریں اور سادہ لوح عوام ان کے جل و تلبیس کا شکار ہوں اور اس طرح یہ امت بھی عقائد و اعمال کی بدعات میں مبتلا ہو جائے اس لئے سلسلہ نبوت ختم ہو جانے کے بعد اس دین حق کی حفاظت کے لئے ایک خاص انتظام یہ بھی ضروری تھا کہ ہر دور میں کچھ ایسے بندگان خدا پیدا ہوتے رہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی خاص فہم و بصیرت عطا ہو جس کی وجہ سے وہ اسلام اور غیر اسلام اور سنت و بدعت کے درمیان امتیاز کی لکیر کھینچ سکیں اور اسی کے ساتھ دین کی حفاظت کا خاص داعیہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈالا جائے اور اس راہ میں ایسی عزیمت بھی ان کو عطا فرمائی جائے کہ ناموافق سے ناموافق حالات میں بھی وہ اس قسم کے ہر فتنہ کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جائیں اور دین حق کے چشمہ صافی میں الحاد و بدعت کی کوئی آمیزش نہ ہونے دیں اور امت کے عقائد یا اعمال میں جب کوئی زیغ یا فساد پیدا ہو یا غفلت اور بے دینی کا غلبہ ہو تو خاتم الانبیاء ﷺ کے ایک وفادار لشکری کی طرح وہ اس کی بیخ کنی کے لئے اپنی پوری طاقت کے ساتھ جدوجہد کریں اور کوئی لالچ اور کوئی خوف ان کے قدم نہ روک سکے...... اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اس ضرورت کا بھی تکفل فرمایا اور اس کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ نے مختلف موقعوں پر حکمت الٰہی کے اس فیصلہ کا اعلان فرمایا کہ......

اللہ تعالیٰ میری امت میں قیامت تک ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو دین کی امانت کے حامل و امین اور محافظ ہوں گے' وہ

Marfat.com

اہل افراط وتفریط کی تحریفات' اہل زیغ وہلویٰ کی تراشی ہوئی بدعات اور حق ناآشنا مدعیوں کی تاویلات سے دین کو محفوظ رکھیں گے اور اس کو اس کی بالکل اصلی شکل میں (جس میں کہ وہ ابتداء میں خود نبی ﷺ کے ذریعہ آیا تھا) امت کے سامنے پیش کرتے رہیں گے اور اس میں نئی روح پھونکتے رہیں گے...... اسی کام کا اصطلاحی عنوان تجدید دین ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں سے یہ کام لے' وہی مجددین ہیں۔

بعض لوگوں کی باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ مجددیت کے بارے میں ان کا تصور کچھ ایسا ہے کہ گویا وہ نبوت سے چھوٹے درجہ کا کوئی خاص منصب ہے اور ہر صدی میں اللہ تعالیٰ اپنے بس کسی ایک خاص بندے کو اس منصب پر فائز کرتا ہے اور اس صدی کے مسلمانوں کی فلاح وسعادت اور دینی وروحانی کمالات کا حصول اس پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ اپنی صدی کے اس مجدد کو پہچانیں اور اس کا اتباع کریں۔

اس عاجز کو کافی تلاش اور مطالعہ کے بعد مجددیت کے اس تصور کی کتاب وسنت میں کوئی اصل بنیاد نہیں مل سکی۔ سنن ابی داؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ کی وہ مشہور حدیث جو اس مسئلہ تجدید کی گویا تنہا اساس و بنیاد ہے' اس کا مطلب ومفاد جو اس کے الفاظ سے سمجھا جاسکتا ہے وہ بس اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ (جو اپنے اعلان ومنشور "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون" کے مطابق دین کی حفاظت کا ذمہ لے چکا ہے) ہر دور میں ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو آمیزشوں اور آلائشوں سے دین کو صاف کرتے اور نکھارتے رہیں گے اور اس کی رگوں میں اپنی جدوجہد سے تازہ خون دوڑاتے رہیں گے...... حدیث کے الفاظ (جو چند صفحے پہلے بھی درج ہو چکے ہیں) یہ ہیں:

ان الله عزوجل' يبعث لهذه الامة على راس كل مائة سنة من يجدد لها دينها."

اس میں جو "من" کا لفظ ہے وہ جس طرح واحد اور فرد کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح جمع اور جماعت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے' بلکہ شارحین حدیث نے خاص اسی حدیث کی شرح میں بھی اس کی تصریح کی ہے (ملاحظہ ہو "مرقاۃ الصعود" از علامہ سیوطی اور "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" از علامہ علی قاری مکی) اسی طرح جن حضرات نے اس حدیث کے لفظ "راس" کی وجہ سے کسی کے مجدد ہونے کے لئے بطور شرط کے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اس کا تجدیدی کام صدی کے سرے پر (یعنی صدی کے شروع میں یا آخر میں) جاری ہونا چاہیے اور صدی سے انہوں نے یہی معروف ہجری صدی مراد لی ہے۔ (اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے) ان سے یقیناً لغزش ہوئی ہے۔ سنہ ہجری کا یہ نظام تو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے قائم ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تو یہ نظام تھا ہی نہیں اور یہ اصطلاح اس وقت تک وضع ہی نہیں ہوئی تھی اس لئے اس حدیث کے لفظ "كل مائة سنة" سے ہجری صدی مراد لینا صحیح نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا مطلب بس "کل قرن" ہوگا اور پھر راس کی قید کو اتفاقی ہی ماننا پڑے گا[1] اور اس بناء پر حدیث کا مطلب بس یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر قرن اور ہر دور میں اس امت مسلمہ میں ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس امت کے لئے دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔ یعنی ماحول اور زمانہ کی آلائشوں اور آمیزشوں سے اس کو صاف کرتے اور نکھارتے رہیں گے اور اس کی رگوں میں تازہ خون دوڑاتے رہیں گے۔

اور اس امت کی تاریخ گواہ ہے کہ ایسے بندے ہر دور میں برابر پیدا ہوتے رہے ہیں اور دین کی تجدید کا یہ

Marfat.com

سلسلہ مسلسل جاری رہا ہے اور ہماری دینی تاریخ ہی اس کی بھی شاہد اور مصدق ہے کہ تجدید کا یہ کام کبھی اور کسی ملک میں ہجری صدی کی ابتداء میں ہوا ہے کبھی اور کہیں وسط میں اور کبھی اور کہیں اواخر میں......نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے ''حجج الکرامہ'' میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ

> ''مراد برأس ہدایت مائۃ نیست بلکہ مقصود بعثت مجدد در ہر مائۃ است خواہ در اول مبعوث باشد یا در وسط یا در آخر و قید رأس اتفاقی است و غرض آنست کہ ہیچ مائۃ از وجود کدام مجدد دین خالی نہ باشد و وجود مجددین در ہر مائۃ از اوائل و اواسط و اواخر موید تصحیح ایں احتمال است۔'' (حجج الکرامہ ص ۱۳۴)

> (راس مائۃ سے مراد خاص صدی کا آغاز نہیں ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں مجدد کھڑے کرے گا' خواہ شروع میں خواہ درمیان میں خواہ آخر میں اور راس کی قید محض اتفاقی ہے اور غرض حدیث کی صرف یہ ہے کہ کوئی صدی کسی مجدد کے وجود سے خالی نہ رہے گی اور ہر صدی کے اوائل اور اواسط اور اواخر میں مجددین کا ہونا اس احتمال کے صحیح ہونے کی تائید کرتا ہے۔)

اس حدیث تجدید کی شرح کے سلسلہ میں ایک یہ بات بھی سوچنے اور سمجھنے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا اصل منشا اور اس سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ بعض حضرات کی تحریروں اور ان کے طرز عمل سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس ارشاد سے آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ امت حق و ناحق میں تمیز کرنے کے لئے اور دین میں صحیح رہنمائی حاصل کرنے کے لئے صدی کے مجدد کو تلاش کیا کرے اور پہچانا کرے اور جب کسی کے بارہ میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو اس کا اتباع کیا کرے' حقیقی فلاح و سعادت بس اسی کے اتباع سے نصیب ہو گی۔

اس ناچیز کے نزدیک ایسا سمجھنا غلط اور بہت غلط ہے۔ اس صورت میں تو یہ حدیث امت میں سخت اختلاف و تفرق اور فتنہ کی بنیاد بنے گی۔ ہر طبقہ اپنے علم و اندازہ اور اپنی عقیدت مندی کے لحاظ سے کسی کو مجدد کہے گا اور اصرار کرے گا کہ فلاح و سعادت بس اسی کے اتباع سے وابستہ ہے اور جو لوگ اس کے دامن سے وابستہ نہیں ہیں وہ فلاح و سعادت سے محروم ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ امت میں نئے نئے اختلافات پیدا ہوتے رہیں گے اور امت ان اختلافات کی وجہ سے مختلف گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہوتی رہے گی۔ اس لئے اس حدیث کا یہ مقصد و منشا تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔

دراصل رسول اللہ ﷺ کا مقصد اس ارشاد سے امت کو یہ اطمینان دلانا ہے کہ یہ دین کبھی محرف نہیں ہو سکے گا اور نہ مرور زمانہ سے یہ بوسیدہ ہو گا اور نہ زمانہ کے انقلابات اس کی حقیقت کو بدل سکیں گے' بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی بقاء اور حفاظت اور تجدید کا انتظام برابر کرتا رہے گا اور ہر دور اور ہر قرن میں ایسے بندے پیدا ہوتے رہیں گے جو دین پر سے اس گرد و غبار کو برابر جھاڑتے رہیں گے جو زمانہ کی ہواؤں سے اس پر پڑے گا اور اس کی کہنگی دور کرنے کے لئے اس کی رگوں میں تازہ خون اپنی جدوجہد سے دوڑاتے رہیں گے۔ اس تشریح کی بناء پر یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے محکم وعدے ''انا

Marfat.com

لہ لحفظون" کے سلسلہ کے ایک الٰہی انتظام کا بیان ہوگی اوران دوسری حدیثوں کے ہم معنی ہوگی جن میں رسول اللہ ﷺ نے اسی حقیقت کو دوسرے الفاظ میں اور دوسرے عنوانوں سے بیان فرمایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں "ابواب الاعتصام بالکتاب والسنۃ" کے زیرعنوان اس حدیث کی جو تشریح کی ہے اوراپنے خاص انداز میں اس کے مقصد ومنشا اوراس کی حقیقت پر جو روشنی ڈالی ہے اس کا حاصل یہی ہے جواس عاجز نے عرض کیا...... کم ازکم اس کی ابتدائی چند سطریں یہاں بھی پڑھ لی جائیں۔فرماتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم ' لا تجتمع هذه الامة على الضلالة وقوله صلى الله عليه وسلم يبعث الله لهذه الامة على راس كل مائة سنة من يجدد لها دينها" تفسيره فى حديث اخر يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين و تاويل الجاهلين

یعنی رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ "میری یہ امت کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔" اور آپ کا یہ ارشاد کہ "اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہرصدی کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کو تازہ کرتے اور نکھارتے رہیں گے۔

آپ کے ان ارشادات کی وضاحت اور تشریح آپ کی اس حدیث سے ہوتی ہے (جو کتب حدیث) میں مروی ہے کہ میرے لائے ہوئے اس علم یعنی دین کی امانت کو ہرزمانے کے اچھے اور نیک بندے سنبھالیں گے اور اس کی خدمت وحفاظت کا حق ادا کریں گے۔ وہ غلو اور افراط والوں کی تحریفوں سے اور کھوٹے سکے چلانے والوں کی ملمع کاریوں سے اور جاہلوں کی فاسد تاویلوں سے اس دین کی حفاظت کریں گے۔"

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے اپنے خاص حکیمانہ اور عارفانہ انداز میں اس پر روشنی ڈالی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی حفاظت وتجدید کے اس نظام اور فیصلہ کا اصل سرّ اور راز کیا ہے لیکن ہم نے جس مقصد کے لئے شاہ صاحبؒ کا حوالہ دیا تھا وہ ان کی اتنی ہی عبارت سے پورا ہو جاتا ہے۔

جو ہم نے اوپر نقل کی ہے...... منقولہ عبارت میں جن تین حدیثوں کا ذکر ہے' شاہ صاحبؒ کے نزدیک ان سب کا مقصد ومنشا ایک ہی ہے اور وہ یہی ہے کہ امت مطمئن رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی آپ کا لایا ہوا دین محفوظ رہے گا اور آپ کا روشن کیا ہوا چراغ ہدایت ہمیشہ یوں ہی روشن رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس امت ہی میں سے ایسے بندے ہر دور میں کھڑے کرتا رہے گا جو اللہ ورسول کی اس امانت کی حفاظت کریں گے اور اس کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرتے رہیں گے اور اس طرح آپ کی لائی ہوئی ہدایت انسانی نسل کی آپ کے بعد بھی ہمیشہ ہمیشہ رہنمائی کرتی رہے گی اور اللہ کے بندے اس کی روشنی میں سعادت کی راہ پر چلتے رہیں گے اور اس دین کی حقیقت تحریفوں اور تاویلوں کے پردوں میں کبھی اس طرح گم نہ ہوسکے گی جس طرح پہلے نبیوں کے ذریعے آئی ہوئی ہدایتیں دنیا سے گم ہوگئیں۔

بس یہی ہے اس حدیث تجدید کی اور اس مضمون کی سب حدیثوں کی روح اور مراد اور اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ اس کار تجدید میں ہر دور کے ان سب بندگان خدا کا حصہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کی اس قسم کی خدمات لیں۔اس طرح امت میں مجددین کی تعداد صرف ۱۳۔۱۴ ہی نہ ہوگی (جن کی تعیین میں اختلافات ہوں اور ہر حلقہ اپنے ہی کسی بزرگ کے مجدد ہونے پر اصرار اور دوسروں سے تکرار کرے) بلکہ اللہ کے ہزاروں وہ بندے جن سے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے دین کی ایسی خدمتیں مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں لی ہیں، سب ہی اس کار تجدید میں حصہ دار ہوں گے اور سب ہی مجدد دین میں ہوں گے۔

ہاں! ایسا بیشک ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی زمانہ میں اپنے کسی بندے سے کوئی بہت بڑا تجدیدی کام لیا ہے اور اس کے ذریعہ دین کے بہت سے شعبوں کی تجدید کرائی ہے اور کبھی کسی سے اس سے کم درجہ کا اور دین کے کسی خاص شعبہ میں تجدیدی کام لیا ہے اور یہ فرق ایسا ہے جو نبیوں، رسولوں کے کاموں اور ان کے درجوں میں بھی رہا ہے۔ ''تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض '' چنانچہ اس امت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں سے تجدیدی نوع کی خدمات لیں ان میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا کارنامہ بہت ممتاز ہے۔ اسی طرح اس خیر دور میں (جس کا آغاز ہزارہ دوم (الف ثانی) کے آغاز سے یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات پر ایک ہزار سال گزرنے کے بعد سے ہوتا ہے) امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ سے دین کی تجدید و حفاظت اور احیائے شریعت کا جو عظیم کام ہمارے اس ملک ہی میں لیا، وہ بھی اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا لقب مجدد الف ثانی ایسا مشہور ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے صرف مجدد الف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں۔

حاشیہ

۱۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ حدیث کے لفظ ''کل مائۃ سنۃ'' سے صدی کا کوئی متعین نظام مراد ہو ہی نہیں سکتا۔..... ہجری کی اصطلاح تو اس وقت وضع ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ولادت نبوت یا بعثت نبوی یا وفات نبوی کے حساب سے صدی کا نظام متعین کرنے کا بھی کوئی قرینہ حدیث میں نہیں ہے۔ اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ حدیث کے لفظ ''کل مائۃ سنۃ'' کا مطلب بس ''کل قرن'' سمجھا جائے اور ظاہر ہے کہ جب اس لفظ سے صدی کا کوئی متعین نظام مراد نہیں رہا تو پھر ''راس'' کے لفظ کو قید اتفاقی بلفظ دیگر مقحم ہی ماننا پڑے گا جیسے کہ ''عربی میں ''علی رؤس الاشہاد'' میں رؤس کا لفظ مقحم ہے اور فارسی یا اردو میں ''برسرِ منبر'' اور ''برسرِ مجلس'' میں سر کا لفظ مقحم ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

Marfat.com

مولانا محمد عبدالشکور صاحب فاروقی مجددی

امام ربّانی

محبی المکرم جناب مولوی محمد منظور صاحب مدیر ''الفرقان'' بریلی سلمہ اللہ تعالیٰ واکرمہ کے اصرار سے اس اہم اور مقدس کام کا داعیہ دل میں پیدا ہوا۔ گو طبیعت کی نادرستی اور ضعف وافسردگی سے قطع نظر کر کے کسی طرح اس کام کی اہلیت اپنے میں نہیں پاتا کہاں۔ نائب شفیع یوم نشور (ﷺ) اور کہاں ایک بندہ بہزار گناہ شرمندہ سرتاپا خطا وقصور۔ این الثریا من الثریٰ واین الخذف من السھیٰ این الظلمة من النور واین الظل من الحرور

با این ہمہ نااہلی محض اسی کی مدد پر بھروسہ کر کے جس نے یہ داعیہ دل میں ڈالا' قلم ہاتھ میں لیا ہے۔

از سر شوق ے کنم سخنے　　　ورنہ مدحش چہ حد ہم چومنے

ہیچو اوئے سرّ و معرف او　　　در جہاں لیک ہیچو اوئے کو

قرنہا دور آسماں گردد　　　تاچو او اخترے عیاں گردد

عمرہا ابر مکرمت بارد　　　تاچو او گوہرے پدید آرد

اللہ تعالیٰ بہ طفیل حضرت ممدوح کے اپنے فضل وکرم سے اس بضاعت مزجاۃ کو قبول فرمائے تو زہے سعادت وما ذلک علی اللہ بعزیزہ۔

واضح ہو کہ حضرت امام ربانی مجدد ومنور الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ (وعن اشیاخہ واتباعہ وارضاہم) کے تذکرہ میں بہت سی مفرد اور بے نظیر کتابیں تالیف ہو چکی ہیں جن کے مولفین بڑے بڑے علماء ہیں جن میں اکثر خود حضرت امام کے خلفا یا خلفا کے خلفا ہیں۔ مثلاً آپ کے خلیفہ اعظم حضرت آدم بنوری نے ایک کتاب تالیف فرمائی۔ حضرت آدم موصوف خود ایک سلسلہ کے امام ہیں جس کا نام سلسلہ آدمیہ ہے اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسا امام منسلک ہے۔ یہ سلسلہ بخارا کی طرف بہت ہے اور ایک خاندان ڈیرہ اسماعیل خاں میں بھی معلوم ہوا ہے اور مثلاً مولانا بدرالدین سرہندی نے کہ وہ بھی حضرت ممدوح کے خلیفہ ہیں' ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں تالیف فرمائی جس کا نام ''حضرات القدس'' ہے اور مثلاً مولانا محمد ہاشم کشمی نے کہ وہ بھی آپ کے خلیفہ ہیں ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام ''برکات احمدیہ'' ہے اور مثلاً مولانا محمد احسان خلیفہ حضرت خواجہ محمد زبیر نے ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام ''روضۃ القیومیہ'' ہے وغیرہ ذالک مما بطول ذکرہا۔

Marfat.com

فارسی زبان کے علاوہ عربی اور ترکی زبان میں بھی آپ کے مناقب کی کتابیں ہیں جن میں سے بعض مصرو بیروت وغیرہ کی طرف طبع ہوگئی ہیں۔

وعلی تفتن واصفیہ بوصفہ ۔ یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف

اس حقیر نے کتب مذکورہ سے صرف انہیں چند حالات کو لیا ہے جن کا ذکر خود حضرت امام ربانی کے مکتوبات میں ہے اور ان میں بھی اس قدر اختصار کا لحاظ کیا ہے کہ جو نسبت قطرہ کو سمندر سے ہے وہ بھی نہ رہی۔

اس سلسلہ میں حضرت ممدوح کے مکتوبات قدسیہ کی کچھ عبارات بھی مسلمانوں کے کان تک پہنچا دینے کا ایک ذریعہ ہاتھ آ گیا۔ کچھ عجب نہیں کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے کسی سعادت مند کا کام بن جائے کیونکہ وہ نسبت عالیہ جو کبریت احمر سے بھی زیادہ عزیز الوجود ہے' مکتوبات قدسیہ کے ہر ہر کلمہ میں اس طرح جلوہ گر ہے جیسے گلاب کی خوشبو اس کے پھول کی ہر ہر پتی میں ہے۔

در سخن پنہاں شدم مانند بود برگ گل
ہر کہ دار آرزو یم در سخن بیند مرا

بس اب اصل مقصد شروع کیا جاتا ہے۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل' ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نام ونسب

نام مبارک آپ کا احمد' آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عبدالاحد' نسب شریف آپ کا اٹھائیس واسطہ سے امیر المؤمنین فاروق اعظم عمر بن خطابؓ تک پہنچتا ہے۔ اس نسب اقدس پر خود حضرت کو بھی ناز تھا۔ مکتوب نمبر ۱۰۰ دفتر اول حصہ دوم میں ملا حسن کشمیری کے اس سوال کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب کہنے سے فلاں بزرگ نے منع کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے فرماتے ہیں:

"نوشتہ بودند کہ شیخ عبدالکبیر یمنی گفتہ است کہ حق سبحانہ وتعالیٰ عالم الغیب نیست۔ مخدوما فقیر راتاب استماع امثال ایں سخنان نیست بے اختیار رگ فاروقیم درحرکت مے آید وفرصت تاویل وتوجیہ نمے دہد قائل ایں سخنان شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار است نہ کلام محی الدین عربی وصدر الدین قونیوی وعبدالرزاق کاشی' مارا بہ نص کار است نہ بفص فتوحات مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است۔"

(آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔ میرے مخدوم فقیر کو ایسی باتیں سننے کی تاب وطاقت نہیں ہے۔ اس قسم کی باتوں سے میری رگ فاروقی بے اختیار پھڑک اٹھتی ہے اور ان کی تاویل وتوجیہہ کی بھی مہلت نہیں دیتی۔ ان باتوں

Marfat.com

کے کہنے والے شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی' کلام محمد عربی درکار ہے نہ کہ کلام محی الدین عربی وصدرالدین قونیوی وعبدالرزاق کاشی' ہم کونص شرعی سے کام ہے نہ کہ فص سے' فتوحات مدینہ نے ہم کوفتوحات مکیہ سے بے نیاز بنا دیا ہے۔)

اور مکتوب نمبر ۱۵ حصہ ششم دفتر دوم میں یہ خبرسن کر قصبہ سامانہ ضلع لدھیانہ میں خطیب نے خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین کا ذکر عمداً ترک کردیا۔ فرماتے ہیں:

"چوں استماع ایں خبر وحشت انگیز وشورش آورد ورگ فاروقیم واحرکت داد بچند کلمہ اقدام نمود۔"

(چونکہ اس خبر وحشت انگیز نے طبیعت میں ایک شورش پیدا کردی اور میری رگ فاروقی بھڑکا دی اس لئے یہ چند کلمے تحریر کردیئے۔)

آپ کے آبائے کرام میں بڑے بڑے علماء کاملین اور فقرائے واصلین گزرے ہیں خصوصاً آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد بہت بڑے عالم اور سلسلہ چشتیہ میں بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلفاء میں سے تھے اور طریقہ قادریہ میں بھی صاحب اجازت تھے۔ تمام کتب درسیہ منقولات اور معقولات کا درس دیتے تھے اور مریدوں کو فیوض باطنی سے سیراب فرمایا کرتے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

وطن اور ولادت سراپا بشارت

وطن قدیم آپ کے آبائے کرام کا بعد مدینہ طیبہ کے شہر کابل تھا مگر کوئی بزرگ ہندوستان تشریف لائے اور مقام سرہندان کو پسند آیا۔ وہیں سکونت پذیر ہوگئے اور وہیں آپ کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی اور وہیں آپ کے اولاد واحفاد کا مدت دراز تک قیام رہا۔

سرہند اس وقت ایک بڑا شہر تھا لیکن اب صوبہ پنجاب ریاست پٹیالہ میں ایک قصبہ ہے۔ حضرت نے اپنے مکتوبات میں جابجا اس شہر مبارک کی عظمت اور برکت کا بیان فرمایا ہے چنانچہ مکتوب نمبر ۱۹۵ حصہ سوم دفتر اول میں فرماتے ہیں:

"سرہند کہ اعظم بلاد اسلام است چند سال ست کہ قاضی ندارد۔"

(سرہند میں جو ایک بڑا اسلامی شہر ہے' کئی سال سے قاضی نہیں ہے۔)

اور مکتوب نمبر ۲۲ حصہ ششم دفتر دوم میں فرماتے ہیں۔

"بلدہ سرہند گویا زمیں احیائے من است کہ برائے من چاہ عمیق تاریک راپر کردہ صفہ بلند ساختہ اند وبر اکثر بلاد وبقاع آن را ارتفاع دادہ ونورے دراں زمین وودیعت گشتہ کہ مقتبس ازنور بے

Marfat.com

صفتی و بے کیفی ست در رنگ نورے کہ از زمین مقدسہ بیت اللہ ساطع ولامع است (پھر بفاصلہ چند سطور) و بعد از مدتے ظاہر شد کہ آں نور مودع لمعہ ایست از انوار قلبیہ ایں فقیر از یں جا اقتباس نمودہ دراں زمین افروختہ اندر رنگ آنکہ چراغ از مشعلہ برافروزند قل کل من عند اللہ اللہ نور السمٰوٰت والارض. سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین."

(شہر سرہند کو میرے زندہ ہونے کی جگہ سمجھنا چاہیے جیسے ایک گہرے اور تاریک کنویں کو پاٹ کر ایک ایسا چبوترہ بنایا گیا ہے جس کو اکثر شہروں اور مقاموں پر بلندی بخشی گئی ہے اور اس میں بے صفتی و بے کیفی کا نور ودیعت رکھا گیا ہے جو سرزمین بیت اللہ شریف میں ظاہر ہونے والے نور کی مانند ہے۔ (چند سطروں کے بعد) ایک مدت کے بعد یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ یہ نور اس فقیر کے انوار قلبیہ کا ایک حصہ ہے۔ یہیں سے حاصل کر کے اس سرزمین میں روشن کیا گیا ہے جس طرح شعلہ سے چراغ روشن کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اللہ ہی کا نور ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ تیرا رب جو عزت والا رب ہے' ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں اور صلوٰۃ والسلام ہے خدا کے رسولوں پر اور تمام تعریفیں ہیں اس اللہ کی جو کل جہانوں کا رب ہے۔)

ولادت سراپا بشارت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ نوسو اکہتر یوم جمعہ بوقت نصف شب ہوئی۔ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ تمام جہان میں ظلمت پھیلی ہوئی ہے۔ سور اور بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یکا یک میرے سینہ سے ایک نور نکلا اور اس میں ایک تخت ظاہر ہوا۔ اس تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے تمام ظالموں اور زندیقوں اور ملحدوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے اور کوئی شخص بلند آواز سے کہہ رہا ہے۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

صبح کو حضرت مخدوم نے اس خواب کی تعبیر حضرت شاہ کمال سے دریافت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہارے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اس سے الحاد و بدعت کی ظلمت دور ہوگی۔ سبحان اللہ! کیسا سچا خواب تھا اور کیسی صحیح تعبیر تھی۔

تحصیل علم

حفظ قرآن سے فارغ ہونے کے بعد جس میں آپ کا بہت کم وقت صرف ہوا' تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔ اکثر کتب درسیہ اپنے والد بزرگوار سے اور کچھ سرہند کے دوسرے علماء سے پڑھیں۔ تصوف کی کتابیں بھی مثل ''تعرف'' اور ''عوارف المعارف'' اور ''فصوص الحکم'' وغیرہ کے اپنے والد ہی سے پڑھیں۔ ان اطراف میں مولانا کمال کشمیری معقولات کے پڑھانے میں مشہور تھے۔ ان سے معقولات کی بعض کتابیں پڑھیں۔

کتب حدیث کی سند حضرت شیخ یعقوب کشمیری سے حاصل کی اور اس زمانہ میں ایک مقدس عالم حضرت قاضی

Marfat.com

بہلول بدخشانی تھے۔ ان سے حسب ذیل کتب کا درس لیا اور سند حاصل کی۔ امام واحدی کی تفسیر بسیط اور تفسیر وسیط اور اسباب النزول اور قاضی بیضاوی کی تفسیر اور دوسری تصنیفات مثل منہاج الوصول اور الغایۃ القصویٰ وغیرہ کے اور امام بخاری کی صحیح اور دوسری تالیفات مثل ثلاثیات اور ادب المفرد اور افعال العباد اور تاریخ کے اور مشکوٰۃ المصابیح اور شمائل ترمذی اور جامع صغیر للسیوطی اور قصیدہ بردہ۔ غرضیکہ ہر علم وفن کو اس کے مشہور اور مستند اساتذہ سے حاصل کیا اور سند لی۔

تحصیل طریقت

ابتداءً آپ نے طریقہ چشتیہ میں اپنے والد بزرگوار سے بیعت کی اور اس کا سلوک تمام کیا۔ پھر طریقہ قادریہ بھی اخذ کیا۔ بیعت اور تعلیم طریقہ قادریہ کی اپنے والد سے پائی اور خرقہ خلافت حضرت شاہ سکندر۔ نبیرہ حضرت شاہ کمال کیتھلی سے حاصل ہوا۔ المختصر سترہ برس کی عمر میں آپ جامع کمالات ظاہری و باطنی بن کر اپنے والد کے سامنے ہی کتب درسیہ کی تعلیم اور طریقہ کی تلقین فرمانے لگے۔

ان ایام میں سلسلہ کبرویہ کے ایک مشہور ولی اللہ حضرت مولانا یعقوب صرفی تھے۔ ان سے آپ نے طریقہ کبرویہ بھی حاصل کیا۔

بایں ہمہ کمالات طریقہ نقشبندیہ کی طلب آپ کے قلب اطہر میں موجزن ہوئی اور یہ طلب بڑھتے بڑھتے عشق کی حد تک پہنچ گئی اور یہ عشق اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا یہاں تک کہ ۱۰۰۷ھ میں جبکہ آپ کے والد بزرگوار نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور آپ بارادہ حج بیت اللہ اپنے وطن مبارک سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے تو ملا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی جن سے غالباً پہلے کی شناسائی تھی۔ انہوں نے بر سبیل تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی احراری رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر کیا۔ اس ذکر کو سن کر حضرت امام ربانی کا عجیب حال ہوا۔ سرود بہ مستاں یاد دہانیدن ایک مشہور مثل ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ آپ خواجہ سے ملنے گئے۔ بیعت کرنا چہ معنی دہلی میں قیام کرنے کا اس وقت خیال بھی نہ تھا۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری پائیں

حضرت خواجہؒ کی طبیعت بہت دیر آشنا تھی مگر خلاف عادت حضرت امام سے پہلی ہی ملاقات میں بہت بشاشت ومحبت سے ملے اور حج کا ارادہ سن کر فرمایا کہ حج تو موجب سعادت دارین ہے لیکن کوئی مانع نہ ہو تو کم سے کم ایک مہینہ یا ایک ہفتہ یہاں ہماری صحبت میں قیام کرو۔ حضرت امام نے بلا عذر قبول فرمالیا۔

حضرت خواجہ کی صحبت نے اس قدر تیزی کے ساتھ اثر کیا کہ دو ہی دن کے بعد آپ نے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ نے خلاف معمول بلا استخارہ فوراً آپ کو داخل سلسلہ کرلیا اور ذکر کی تلقین فرما کر قلب پر توجہ کی۔ قلب اسی وقت ذکر میں مشغول ہوگیا اور یوماً فیوماً نہیں بلکہ لحظہ بہ لحظہ حالات باطنی میں ترقی شروع ہوئی اور انتہا میں پہنچ کر جو حالات پیش آئے وہ تو مالا عین رات ولا اذن سمعت کا مصداق ہیں۔

حضرت امام ربانی نے ڈھائی مہینہ دہلی میں قیام فرمایا۔ اس قلیل مدت میں نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل

Marfat.com

ہوگئی۔ نسبت نقشبندیہ نام ہے ''دوام حضور و آ گاہی'' کا جس کے ساتھ غیبت بالکل نہ ہو۔ اسی چیز کو حدیث نبوی میں کانک تراہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

اس کے بعد حضرت امام دو مرتبہ اور سرہند سے دہلی اپنے مرشد کامل کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ کل تین صحبتیں اپنے شیخ کی آپ کے لئے کافی ہوگئیں۔

پہلی مرتبہ حضرت خواجہ نے خوشخبری سنائی کہ تم کو نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہوگئی اور تقرب الٰہی کے یوماً فیوماً ترقی کرنے کی امید ہے۔ دوسری مرتبہ خلعت خلافت عطا فرمائی اور طالبان خدا کو تعلیم طریقت اور ارشاد و ہدایت کی اجازت دی اور اپنے مخصوص ترین اصحاب کو تعلیم طریقت کے لئے آپ کے سپرد کیا۔ تیسری مرتبہ حضرت خواجہ بقدر دو پرتاب تیر کے پیشوائی کے لئے آئے اور بڑی بڑی عظیم الشان بشارتیں عطا فرمائیں اور اپنے حلقہ توجہ میں آپ کو سر حلقہ بنا کر بٹھایا اور مریدوں سے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہ ہوا کرے۔ رخصت کرتے وقت فرمایا کہ اب ضعف بہت معلوم ہوتا ہے۔ امید حیات بہت کم ہے اور اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت خواجہ عبید اللہ و حضرت خواجہ عبداللہ کو کہ اس وقت شیر خوار تھے' اپنے سامنے حضرت امام ربانی سے توجہ دلائی اور فرمایا کہ ان کی ماؤں کو بھی غائبانہ توجہ دیجئے چنانچہ آپ نے توجہ دی اور توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہوا۔

مکتوبات قدسیہ میں یہ واقعات جستہ جستہ مذکور ہیں چنانچہ مکتوب نمبر ۲۶۶ دفتر اول حصہ چہارم میں اپنے پیرزادوں یعنی خواجہ عبید اللہ و خواجہ عبداللہ کو لکھتے ہیں:

''ایں فقیر از سرتا قدم غرق احسانہا والد بزرگوار شما ست دریں طریق سبق الف بے از ایشاں گرفتہ است و تہجی حروف ایں راہ از ایشاں آموختہ و دولت اندراج النہایۃ فی البدایہ ببرکت صحبت ایشاں حاصل کردہ و سعادت سفر در وطن را بصدقہ خدمت ایشاں یافتہ توجہ شریف ایشاں در دو نیم ماہ ایں ناقابل را بہ نسبت نقشبندیہ رسانیدہ و حضور خاص ایں اکابر را عطا فرمودہ و دریں مدت قلیل آنچہ از تجلیات و ظہورات و انوار والوان و بے رنگیہا و بے کیفہا کہ بہ طفیل ایشاں روداده چہ شرح دہد و چہ بیان تفصیل آن نماید بیمن توجہ شریف ایشاں کم دقیقہ ماندہ باشد در معارف توحید و اتحاد و قرب و معیت و احاطہ و سریاں کہ بریں فقیر نکشادند و از حقیقت آں اطلاع نہ دادند' شہود وحدت در کثرت شاہد و کثرت در وحدت از مقدمات و مبادی ایں معارف ست۔ بالجملہ آنجا کہ نسبت نقشبندیہ ست و حضور خاص ایں اکابر نام ایں معارف بر زبان آوردن و نشان ایں مشہود و مشاہدہ را بیان نمودن از کوتہ نظری ست۔ کارخانہ ایں اکابر بلندست بہر زراقے و رقاصے نسبت ندارند و ہرگاہ ایں طور دولتے رفیع القدر از حضرت ایشاں بایں فقیر رسیدہ باشد اگر مدت عمر سر خود را پائمال اقدام خدمہء عتبہ عالیہ شما کردہ باشد ہیچ نکردہ باشد۔ از تقصیرات خود چہ عرض نماید و از شرمندگیہائے خود چہ اظہار نماید۔ اما معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد را حضرت حق سبحانہ از ما جزای خیر دہاد کہ مؤنت ما مقصران را بر خود التزام نمودہ کمر ہمت را در خدمت عتبہ علیہ بستہ اند و ما و در افتادگان را فارغ ساختہ گر بر تن من زباں شود ہر موے یک شکر وی از ہزار نتوانم کرد۔

Marfat.com

سہ مرتبہ ایں فقیر بدولت عتبہ بوسی حضرت ایشاں مشرف گشت' مرتبہ اخیر فقیر را فرمودند کہ ضعف بدن برمن غالب آمدہ است امید حیات کم ماندہ از احوال طفلان خبردار خواہی ماند و در حضور خود شما راطلبید ندو شما در حجو رمرضعات بودید و بفقیر امر کردند کہ بایشان توجہ کن بامر ایشاں در حضور ایشاں بشما توجہ کردہ بحدیکہ اثر آں توجہ نیز ظاہر شدہ بعد ازاں فرمودند کہ حضرات والدات ایشاں رانیز غائبانہ توجہ نمودہ آمد امید ست کہ ببرکت حضور ایشاں آں توجہ ثمر نتائج باشد۔''

(یہ فقیر از سرتا قدم آپ کے والد بزرگوار کے احسانوں میں غرق ہے۔ اس راہ میں الف بے کا سبق انہی سے لیا ہے اور اس راہ کے حروف تہجی انہی سے سیکھے ہیں' اور ابتداء میں انتہا کے مدارج حاصل ہونے کی دولت انہی کی صحبت کی برکت سے حاصل کی ہے اور ''سفر در وطن'' کی سعادت انہی کی خدمت کے صدقہ میں پائی ہے۔ ان کی توجہ شریف نے ڈھائی ماہ میں اس نا قابل کو نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور اکابر نقشبندیہ کا حضور خاص عطا فرمایا۔ اس قلیل مدت میں جو تجلیات' ظہورات' انوار' الوان اور بے رنگینیاں اور بے کیفیاں حاصل ہوئیں ان کی شرح و تفصیل کیا بیان کی جائے۔ حضرت کی توجہ شریف کی برکت سے' معارف توحید و اتحاد' قرب و معیت اور احاطہ و سریان میں سے شاید ہی کوئی دقیقہ ایسا ہو جو اس فقیر پر واضح نہ ہوا ہو اور اس کی حقیقت کی اطلاع نہ دی گئی ہو۔ کثرت میں وحدت کا معائنہ اور وحدت میں کثرت کا مشاہدہ تو ان معارف کی ابتدائی باتیں ہیں بہرحال جس جگہ نسبت نقشبندیہ اور اس کے اکابر کا حضور خاص موجود ہو ان معارف کا نام زبان پر لانا اور اس شہود مشاہدہ کی نشاندہی کرنا کوتاہ نظری ہے۔ ان اکابر کا کارخانہ بلند ہے جو کسی حیلہ گر رقاص کے کاروبار سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جب اس فقیر کو ایسی بلند مرتبہ دولت آپ کے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی تو اگر یہ فقیر عمر بھر آپ کے دربار عالی کے خدام کے قدموں میں سر پامال کرے تب بھی اس نے کوئی حق ادا نہ کیا۔ یہ فقیر اپنی کوتاہیوں کو کیا بیان کرے اور اپنی شرمندگی کو کیا ظاہر کرے۔ معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے ہم تقصیر کرنے والوں کا بار خود اٹھایا اور خدام دربار عالی کی خدمت کے لئے کمر ہمت باندھی اور ہم دور افتادہ لوگوں کو اس سے سبکدوش کیا۔ اگر میرے جسم کا ہر رویاں زبان بن کر شکر ادا کرے تو ان کے ہزار شکروں میں سے ایک شکر بھی ادا نہ ہو سکے۔ اس فقیر کو تین مرتبہ حضرت کے در دولت کی عتبہ بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ جب آخری مرتبہ زیارت ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ضعف بدن غالب آ گیا ہے۔ (اب) امید حیات کم رہ گئی ہے۔ تم بچوں کے احوال سے باخبر رہنا' پھر آپ کو اپنے سامنے طلب فرمایا اس وقت آپ دودھ پیتے بچے تھے۔ اس فقیر کو حکم دیا کہ ان پر توجہ دو۔ حضرت کے

Marfat.com

حکم سے ان کی موجودگی میں میں نے آپ کو توجہ دی یہاں تک کہ اس کا اثر بھی ظاہر ہوا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ صاحبزادوں کی والدات کو بھی غائبانہ توجہ دو چنانچہ ان کو بھی غائبانہ توجہ دی گئی۔ امید ہے کہ حضرت کی موجودگی کی برکت سے اس توجہ کے بھی اچھے نتائج ظاہر ہوئے ہوں۔)

(یہ مکتوب ابھی بہت باقی ہے۔ آگے چل کر صاحبزادوں کو شریعت وطریقت کے متعلق بہت باتیں تعلیم فرمائی ہیں اور ضمناً علم کلام کے بڑے اہم مسائل آ گئے ہیں)۔

مکتوب نمبر ۸۷ دفتر سوم حصہ میں فرماتے ہیں:

''ارادت من بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسائط کثیرہ ست در طریقہ نقشبندیہ بیست ویک واسطہ درمیان است و در طریقہ قادریہ بیست وپنج و در طریقہ چشتیہ بیست و ہفت (پھر بہ فاصلہ چند سطور) سلسلہ من سلسلہ رحمانی است کہ من عبدالرحمٰن ام چہ رب من رحمٰن ست ومربی من ارحم الراحمین وطریقہ من طریقہ سبحانی ست کہ ازراہ تنزیہ رفتہ ام واز اسم وصفت جز ذات اقدس تعالیٰ نخواستہ۔''

(حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے میری ارادت بہت سے واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس واسطے درمیان میں ہیں۔ طریقہ قادریہ میں پچیس واسطے اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس واسطے میرا سلسلہ رحمانی ہے کیونکہ میں رحمٰن کا بندہ ہوں۔ میرا رب رحمٰن ہے اور میرا مربی ارحم الراحمین۔ میرا طریقہ سبحانی ہے کیونکہ میں تنزیہ کی راہ سے پہنچا ہوں۔ اسم وصفت سے مقصود سوائے ذات حق کے کچھ نہیں ہے۔)

مکتوب نمبر ۲۱ دفتر اول حصہ اول میں فرماتے ہیں:

''تا آنکہ حق سبحانہ وتعالیٰ بہ محض کرم خویش بخدمت ارشاد پناہی حقائق ومعارف آگاہی مؤید الدین الرضی شیخنا ومولانا وقبلتنا محمد الباقی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ رسانید وایشاں بہ فقیر طریقہ علیہ نقشبندیہ تعلیم فرمودند وتوجہ بلیغ بحال ایں مسکین مرعی داشتند۔''

(یہاں تک کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے کرم سے اس فقیر کو ارشاد پناہ، حقائق ومعارف آگاہ، مؤید الدین، الرضی شیخنا ومولانا وقبلتنا محمد الباقی قدس اللہ سرہ کی خدمت اقدس میں پہنچایا اور انہوں نے اس فقیر کو طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم دی اور اس مسکین کے حال پر توجہ بلیغ فرمائی)۔

مکتوب نمبر ۲۹۰ دفتر اول حصہ پنجم میں اپنے مرید مولانا محمد ہاشم کو لکھتے ہیں:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین والہ واصحابہ الطیبین

Marfat.com

الطاهرین۔ بدانکه طریقے که اقرب است و اسبق و اوفق و اوثق و اسلم و احکم و اصدق و اول و اعلیٰ و اجل و ارفع و اکمل طریقه علیه نقشبندیه است قدس اللہ تعالیٰ ارواح اہالیہا و اسرار سوالیہا ایں ہمه بزرگی ایں طریق و علوشان این بزرگواران بواسطه التزام متابعت سنت سنیه است علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ واجتناب از بدعت نامرضیه (پھر بفاصلہ چند سطور) اے برادر! راشدک اللہ تعالیٰ الی سواء الصراط این درویش راچوں ہوس ایں راہ پیدا شد عنایت خداوندی جل وعلا ہادی کار او گشتہ بخدمت ولایت پناہ حقیقت آگاہ ہادی طریق اندراج النہایہ فی البدایہ والی السبیل الموصل الی درجات الولایه موید الدین الرضی شیخنا ومولانا وامامنا الشیخ محمد الباقی قدس اللہ تعالیٰ سرہ که یکے از خلفائے کبار خانوادہ حضرات اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم بودہ اند رسانید وایشاں ایں درویش راذکر اسم ذات جل سلطانہ تعلیم فرمودند و بطریق معہود توجہ نمودند تا التذاذ تمام دریں پیدا شد واز کمال شوق گریہ دست داد و بعد از یک روز کیفیت بیخودی که نزد ایں اکابر معتبرست و مسمی ست بہ غیبت رونمود و دوران بیخودی یک دریائے محیط میدیدم واشکال عالم را در رنگ سایہ دراں دریاے یافتم وایں بیخودی رفتہ رفتہ استیلائے پیدا کرد و با متداد کشید گاہے تا یک پہر روزے مےکشیدہ گاہے تا دو پہر و در بعضے اوقات استیعاب شب مےنمود و چوں ایں قضیہ را بہ حضرت ایشاں رسانیدم فرمودند نحوے از فنا حاصل شدہ ست واز ذکر گفتن منع فرمودند و بہ نگاہ داشت آن آگاہی امر نمودند و بعد از دو روز مرا فنائے مصطلح حاصل شدہ بعرض رسانیدم فرمودند کہ بکار خود مشغول باش۔"

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی المرسلین وآلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین۔ خوب جان لو کہ جو طریقہ سب طریقوں میں اقرب اور سب سے سابق' سب سے زیادہ (کتاب وسنت کے) موافق' سب سے زیادہ قابل اعتماد' سب سے زیادہ محفوظ' سب سے زیادہ مضبوط' سب سے زیادہ سچا' سب سے زیادہ راہ بتانے والا' سب سے برتر' سب سے بزرگ' سب سے بلند اور سب سے کامل ہے وہ طریقہ نقشبندیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طریقہ پر چلنے والوں کی ارواح کو مقدس اور اس سے محبت رکھنے والوں کے اسرار کو پاکیزہ بنائے۔ اس طریقہ کی یہ تمام بزرگی اور اس کے بزرگوں کی یہ سب علوشان (محض دو وجہوں سے ہے ایک) اتباع سنت نبویہ کے التزام علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام (دوسرے) بدعت نامرضیہ سے اجتناب (چند سطروں کے بعد) اے برادر! خدا تجھ کو صراط مستقیم پر چلنا نصیب کرے۔ جب اس فقیر کو اس راہ کا شوق پیدا ہوا تو عنایت خداوندی نے اس کی رہنمائی فرمائی اور اس کو ولایت پناہ' حقیقت آگاہ' ہادی طریق اندراج النہایہ فی البدایۃ' رہبر درجات ولایت' مؤید الدین الرضی شیخنا ومولانا وامامنا شیخ محمد الباقی قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں پہنچایا جو اکابر نقشبندیہ کے خاندان کے خلفائے کبار میں سے تھے۔ حضرت والا نے اس درویش کو ذکر اسم ذات کی تعلیم دی اور اس

Marfat.com

طریقہ کے بزرگوں کے موافق توجہ دی یہاں تک کہ اس ذکر میں مجھ کو پوری لذت ملنے لگی اور کمال شوق میں گریہ وزاری کی کیفیت پیدا ہوئی۔ پھر ایک روز کے بعد وہ بے خودی کی کیفیت پیدا ہوئی جو ان بزرگوں کے نزدیک نہیں ہے اور جس کا نام ان کی اصطلاح میں غیبت ہے۔ اس بے خودی کے عالم میں مجھ کو ایک دریائے محیط نظر آ رہا تھا اور اس میں دنیا کی شکلیں اور صورتیں سایہ کی طرح معلوم ہو رہی تھیں۔ رفتہ رفتہ مجھ پر اس بے خودی کا غلبہ ہوا اور دیر تک یہ کیفیت رہنے لگی۔ کبھی ایک پہر دن تک یہی کیفیت رہتی اور کبھی دو پہر دن تک اور بعض اوقات تمام رات یہی حالت رہتی۔ جب میں نے حضرت والا سے اپنا حال عرض کیا تو حضرت نے فرمایا کہ تم کو ایک قسم کی فنا حاصل ہوئی ہے اور ذکر سے منع فرمایا اور اس آگاہی کی نگاہ داشت کا حکم دیا دو روز کے بعد فنائے اصطلاحی حاصل ہوئی۔ جب میں نے حضرت والا سے عرض کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اپنے کام میں لگے رہو۔)

یہ خط سولہ صفحہ کا ہے۔ آگے چل کر معارف سلوک بیان فرمائے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اے برادر! چوں حضرت خواجہ مرا کامل دانستہ اجازت تعلیم طریقہ فرمودند و جمع از طالبان را حوالہ من نمودند۔ مرا دراں وقت در کمال و تکمیل خود تردد بود فرمودند جائے تردد نیست مشائخ عظام ایں مقامات را مقام کمال و تکمیل فرمودہ اند اگر تردد در یں مقام پیدا شود تردد در کمالیت آن مشائخ لازم آید حسب الامر شروع در تعلیم طریقت نمودم و توجہات در کار طالبان مرعی ساختم در مسترشدان اثر ہائے عظام محسوس شد حتی کہ کار سنین بہ ساعات قرار یافت۔ (پھر بفاصلہ چند سطور) بداں کہ حاصل طریقہ حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اعتقاد اہل سنت و جماعت ست و اتباع سنت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ واسلام والتحیہ واجتناب است از بدعت و ہوائے نفسانیہ و عمل بہ عزیمت امور مہا امکن واحتراز از عمل بہ رخصت و استہلاک و اضمحلال است اولاً جہت جذبہ وایں استہلاک را بہ عدم تعبیر کردہ اند و بقائے کہ دریں جہت پیدا شود بعد از تحقق ایں استہلاک معبر بوجود عدم است۔"

(اے برادر! جب حضرت خواجہ نے مجھ کو کامل و مکمل سمجھ کر تعلیم طریقہ کی اجازت دی اور طالبان راہ کی ایک جماعت میرے سپرد فرمائی تو اس وقت مجھ کو اپنے کمال و تکمیل میں تردد تھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ تردد کی بات نہیں ہے کیونکہ مشائخ عظام نے ان مقامات کو کمال و تکمیل کا مقام فرمایا ہے۔ اگر اس مقام کے مقام کمال و تکمیل ہونے میں تردد کیا جائے تو ان مشائخ کے کمال میں تردد لازم آتا ہے۔ حضرت کے حکم کے مطابق طریقہ کی تعلیم شروع کی اور طالبان راہ کو توجہ دینے لگا۔ پھر ان طالبان راہ میں بڑے اثرات محسوس ہوئے حتیٰ کہ سالوں کا کام ساعتوں میں پورا ہوا۔ (چند سطروں کے بعد) حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے طریقہ کا

Marfat.com

حاصل یہ ہے کہ عقائد اہل سنت و جماعت کا معتقد ہو اور حضرت سرور عالم ﷺ کی سنتوں کا متبع اور بدعت و ہوائے نفسانی سے مجتنب' تاحد امکان عزیمت پر کاربند اور رخصت سے محترز' نیستی اور فنا کی کیفیت پیدا کرے۔ اولاً جذبات کی فنا (پھر فنائے کال) اس نیستی اور فنا کو حضرات نقشبندیہ عدم کہتے ہیں اور اس فنا کے بعد جو بقا حاصل ہوتی ہے اس کو یہ حضرات وجود عدم کہتے ہیں۔)

حضرت امام ربانی جب تیسری بار حضرت خواجہ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جب میں نے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا تو استخارہ کیا۔ استخارہ کے بعد معلوم ہوا کہ ایک خوبصورت طوطی جو بہت میٹھی باتیں کرتا ہے' میرے ہاتھ پر آ کر بیٹھ گیا اور میں اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال رہا ہوں اور وہ اپنے منقار سے شکر میرے منہ میں دے رہا ہے۔ میں نے اپنے پیرو مرشد حضرت، خواجہ امکنکی سے یہ واقعہ بیان کیا تو حضرت پیر مرشد نے فرمایا کہ طوطی ہندوستان کا جانور ہے۔ ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص ظاہر ہوگا جس سے ایک عالم منور ہو جائے گا اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔ حضرت خواجہ نے اس تعبیر کا مصداق امام ربانی کو فرمایا۔ نیز حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جب میں ہندوستان آتے ہوئے شہر سرہند پہنچا تو واقعہ[9] میں یہ معلوم ہوا کہ میں ایک قطب کے پڑوس میں اترا ہوں اور اس قطب کا حلیہ بھی مجھے بتایا گیا۔ صبح کو جس قدر درویش اور گوشہ نشین لوگ سرہند میں تھے میں سب سے ملا لیکن نہ وہ حلیہ کسی کا تھا نہ قطبیت کی کوئی صفت کسی میں پائی۔ خیال ہوا کہ شاید اس شہر کے لوگوں میں آئندہ کوئی ایسا شخص ظاہر ہو جب تم کو دیکھا تو تمہارا حلیہ وہی پایا اور تم میں اس منصب کی قابلیت بھی محسوس ہوئی۔ نیز حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے (واقعہ میں) دیکھا کہ ایک بڑی مشعل آفتاب کے مثل میں نے سرہند میں روشن کی ہے اور یہ محسوس ہوا کہ اس کی روشنی لحظہ بہ لحظہ ترقی کر رہی ہے اور لوگ اس سے چراغ روشن کر رہے ہیں۔ یہ اشارہ بھی تمہارے ہی معاملہ کی طرف ہے۔

مرید تو اپنے پیر کی تعریف کیا ہی کرتے ہیں حتیٰ کہ بطور ضرب المثل کے یہ مقولہ دنیا میں رائج ہے کہ

''پیران نمے پرند مریدان مے پرانند''

مگر ایسا کم ہوا ہے کہ پیر اپنے مرید کی تعریف کرے اور تعریف بھی ایسی جیسی کہ حضرت امام ربانی کی ان کے پیر نے کی جو آئندہ صفحات میں انشاء اللہ تعالیٰ منقول ہوگی۔ بلاشبہ یہ چیز حضرت امام کے خصائص میں سے ہے۔

حضرت کے بعض ظاہری کمالات

حضرت امام ربانی کو حق تعالیٰ نے ظاہری و باطنی صوری و معنوی ہر قسم کے کمالات کا مجموعہ بنایا تھا۔ چند باتیں بطور مثال کے زیب رقم کی جاتی ہیں۔

ا۔ احسن الخالقین نے آپ کی ظاہری شکل وصورت بھی ایسی محبوب بنائی تھی کہ جو دیکھ لیتا بے اختیار اس کا دل کہتا کہ تبارک اللہ احسن الخالقین۔

راقم الحروف نے مقام بہرائچ میں سلسلہ مجددیہ کے ایک بزرگ کے یہاں حضرت امام کی مستعمل جوتیوں کی

زیارت کی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قد مبارک متوسط تھا۔ چہرہ انور کا رنگ گندم گوں مائل بسفیدی بیان کیا گیا ہے۔ پیشانی کشادہ تھی۔ داڑھی گھنی تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ صورت اقدس پر انوار ولایت نمایاں تھے۔ ملاحت کے ساتھ ساتھ رعب و دبدبہ بہت تھا۔

۲۔ طلب معاش کی فکر کبھی آپ کے قریب نہیں آئی۔ باوجودیکہ بادشاہ ہندوستان جو اس وقت دنیا میں عظیم الشان بادشاہ تھا آخر میں آپ کا غلام بن چکا تھا مگر کوئی مستقل ذریعہ آمدنی کا اخیر تک آپ کے یہاں نہیں رہا۔ اپنے مخصوص خدام میں کسی کو فکر معاش میں پریشان دیکھتے تو اس کو نصیحت فرماتے۔ چنانچہ مکتوب نمبر ۶۵ دفتر دوم حصہ ہفتم میں مولانا محمد ہاشم کو لکھا کہ

''امور دنیا امور لاطائل ست' دنیا و مافیہا کرای آن نے کند کہ تذکرا حوال آخرت را گذاشتہ کسے بہ حشویات اشتغال نماید' ہر چند نیت شما بخیر خواہد بود اما حسنات الابرار سیئات المقربین شنیدہ باشند۔ بہرحال متوجہ احوال باطن باشند و طفیلی را ضروری دانند والضرورۃ تقدر بقدر ہا۔ للہ سبحانہ الحمد والمنہ کہ فقرای ایں جای ہر چند رزق معلوم نہ دارند اما بے سعی و بے کوشش بفراغت و وسعت میگزرانند زیادہ از قدر کفاف میرسد روز نو و روزی نو نقد وقت ماست۔''

(امور دنیا' امور بے فائدہ ہیں' دنیا و مافیہا اس لائق نہیں ہے کہ انسان احوال آخرت کی یاد ترک کر کے ان فضول باتوں میں مشغول ہو۔ اگرچہ تمہاری نیت بخیر ہوگی لیکن تم نے حسنات الابرار سئیات المقربین کا مقولہ سنا ہوگا۔ بہرحال احوال باطن میں متوجہ رہیں۔ طفیلی (امور دنیا) کو بس ایک امر ضروری سمجھیں اور قاعدہ ہے کہ ضرورت بقدر ضرورت ہوتی ہے (اس سے زیادہ نہیں) اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ یہاں کے فقراء باوجودیکہ رزق معین نہیں رکھتے ہیں لیکن پھر بھی بغیر سعی و کوشش کے فراغت و وسعت سے زندگی گزارتے ہیں۔ کافی سے زیادہ ان کو روزی پہنچتی ہے' نیا روز نئی روزی کی دولت ہم کو ہر وقت حاصل ہے۔)

۳۔ آپ کے علم و عمل دونوں کی تعریف آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ نے جن بلند کلمات میں فرمائی ہے وہ انشاء اللہ آئندہ منقول ہوں گے۔ باوجود اس علم کامل کے آپ مقلد تھے' حنفی تھے' تقلید کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے علم و اجتہاد کی رفعت اور ان کے ورع اور عبادت کی عظمت جابجا اپنے مکتوبات میں زیب رقم فرماتے ہیں۔ مکتوب نمبر ۲۷۲ دفتر اول حصہ پنجم میں فرماتے ہیں:

''قیاس و اجتہاد اصلی ست از اصول شرعیہ کہ ما بہ تقلید آن ماموریم بخلاف کشف و الہام کہ ما را بہ تقلید آن امر نہ فرمودند الہام بر غیر حجت نیست و اجتہاد بر مقلد حجت ست پس تقلید علمای مجتہدین باید کرد۔''

(قیاس شرعی اور اجتہاد' اصول شرعیہ میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔

Marfat.com

برخلاف کشف والہام کہ ان کی تقلید کا ہم کو حکم نہیں دیا گیا' ایک کا الہام دوسرے پر حجت نہیں لیکن مجتہد کا اجتہاد مقلد کے لئے حجت ہے لہٰذا علمائے مجتہدین کی تقلید کرنا چاہیے۔ (نہ کہ کشف والہام کی۔)

مکتوب نمبر ۲۶۷ دفتر اول حصہ چہارم ص ۱۶۳ میں ہے:

''عمل صوفیہ درحل وحرمت سند نیست ہمیں بس نیست کہ ما ایشان را معذور درداریم وملامت نکنیم و امر ایشان را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم' اینجا قول امام ابی حنیفہ وامام ابو یوسف وامام محمد معتبر است نہ عمل ابی بکر شبلی وابی حسن نوری۔''

(کسی شے کی حلت وحرمت میں صوفیہ کا عمل سند نہیں ہے' کیا یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کردیں۔ ان باتوں میں (حلت وحرمت میں) امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوحسن نوری کا عمل۔)

مکتوب نمبر ۵۵ دفتر دوم حصہ ہفتم ص ۱۴ میں ہے:

''مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی ست رحمۃ اللہ علیہ کہ ببرکت ورع وتقویٰ و بدولت متابعت سنت درجہ علیا در اجتہاد واستنباط یافتہ است کہ دیگران درفہم آن عاجز وقاصر اند (پھر بفاصلہ چند سطور) وفراست امام شافعی بہ کرشمہ از دقت فقاہت او علیہ الرضوان دریافت کہ گفت "الفقہاء کلهم عیال ابی حنیفه" (پھر بفاصلہ چند سطور) بے شائبہ تکلف وتعصب گفتہ مے شود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر کشفی دررنگ دریائے عظیم مے نماید وسائر مذاہب دررنگ حیاض وجداول بنظر مے آیند (پھر بفاصلہ چند سطور) عجب معاملہ ست امام ابوحنیفہ در تقلید سنت از ہمہ پیش قدم ست واحادیث مرسل را دررنگ احادیث مسند شایان متابعت مے داند و بر رائے خود مقدم مے دارد وہمچنیں قول صحابی را بواسطہ شرف صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات بر رائے خود مقدم میدارد ودیگران نہ چنیں اند (پھر بفاصلہ چند سطور) بانی فقہ ابوحنیفہ ست وسہ حصہ از فقہ اور امسلم داشتہ اند ودرربع باقی ہمہ شرکت دارند وے صاحب خانہ اوست و دیگران ہمہ عیال وے اند' باوجود التزام ایں مذہب مرابا امام شافعی گویا محبت ذاتی ست و بزرگ میدانم لہٰذا دربعضے اعمال نافلہ تقلید مذہب او مے نمایم اما چہ کنم کہ دیگراں را باوجود وفور علم وکمال تقویٰ درجنب امام ابی حنیفہ دررنگ طفلاں مے یابم ولا مر الی الله سبحانه۔''

(امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جیسی ہے کہ ان کو ورع وتقویٰ کی برکت اور اتباع سنت کی دولت سے اجتہاد واستنباط میں وہ درجہ علیا حاصل ہوا کہ دوسرے اس

Marfat.com

کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ (چند سطروں کے بعد) امام شافعیؒ کی فراست نے ان کی دقت نقاہت کو سمجھا اس لئے فرمایا کہ تمام فقہا ابوحنیفہ کے عیال ہیں (چند سطروں کے بعد) بغیر کسی تکلف و تعصب کے عرض کیا جاتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت نظر کشف میں دریائے عظیم کے مانند نظر آتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور تھالوں کے مانند نظر آتے ہیں (چند سطروں کے بعد) عجب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ تقلید سنت میں سب سے آگے ہیں۔ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح لائق اتباع سمجھتے ہیں اور ان کو اپنے اجتہاد پر مقدم کرتے ہیں۔ اسی طرح قول صحابی کو آنحضرت ﷺ کے شرف محبت کی وجہ سے اپنے اجتہاد پر مقدم رکھتے ہیں۔ دوسرے مجتہدین کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ (چند سطروں کے بعد) فقہ کے بانی ابوحنیفہ ہیں۔ فقہ کے تین حصے انہی کے لئے تسلیم کئے گئے ہیں۔ باقی چوتھائی میں سب شریک ہیں۔ وہ صاحب خانہ ہیں۔ دوسرے ان کے عیال ہیں۔ باوجود مذہب حنفی کے التزام کے امام شافعی سے گویا مجھ کو محبت ذاتی ہے میں ان کو بزرگ جانتا ہوں اس لئے بعض اعمال نافلہ میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسروں کو باوجود فراوانی علم اور کمال تقویٰ کے امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں بچوں کے مانند پاتا ہوں۔)

۴۔ پابندی شریعت کا بے نہایت اہتمام‘ پیروی سنت کا بے اندازہ حرص‘ بدعات سے بے حد نفرت اور بے انتہا احتراز آپ کے خصائص حمیدہ میں سے تھا۔ ہمیشہ عزیمت پر عمل کرنا‘ رخصت کے قریب نہ جانا آپ کا نمایاں شعار تھا اور موافق آیہ کریمہ و جعلها کلمته باقیته فی عقبه یہ چیزیں آپ نے اپنے خلفاء ومتوسلین کے لئے میراث چھوڑیں۔

عادات میں اور ذرا ذرا سی باتوں میں اتباع سنت کا اس قدر اہتمام فرماتے کہ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے غرض کسی چیز میں کوئی فعل ان کا خلاف سنت کسی منکر اور معاند نے بھی نقل نہیں کیا۔

ایک مرتبہ کسی خادم سے فرمایا کہ فلاں مقام پر لونگیں رکھی ہیں کچھ دانے لے آؤ۔ وہ چھ دانے لے آیا۔ اتنی ذرا سی بات میں ترک سنت آپ کو ناگوار ہوا اور ناخوشی کے لہجہ میں فرمایا کہ ہمارے صوفی کو اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ عدد طاق کی رعایت سنت ہے۔ اللہ وتر یحب الوتر۔ فرمایا کہ میں تو وضو میں منہ دھوتے وقت یہ خیال رکھتا ہوں کہ پہلے داہنے رخسار پر پانی پڑے کیونکہ تیامن بھی سنت ہے۔

مکتوب نمبر ۳۱۳ دفتر اول حصہ پنجم ص ۱۷۲ مولانا محمد ہاشم کو اس سوال کے جواب میں کہ کرتے کا چاک گریباں سامنے سینہ پر ہونا مسنون ہے یا شانوں پر‘ لکھتے ہیں:

”بدانند کہ ما ہم دریں باب تردد داریم اہل عرب پیراہن پیش چاک مے پوشند و آنرا سنت مے دانند واز بعضے کتب حنفیہ مفہوم مے شود کہ پیراہن پیش چاک مرداں را نباید پوشید کہ لباس زناں ست۔“

(آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کو بھی اس باب میں تردد ہے۔ اہل عرب سامنے کے چاک

Marfat.com

گریباں کا کُرتا پہنتے ہیں اور اس کو سنت سمجھتے ہیں اور بعض کتب حنفیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سامنے کے چاک گریبان کا کُرتا مردوں کو نہ پہننا چاہیے کیونکہ یہ عورتوں کا لباس ہے۔)

اس کے بعد کتب فقیہ کی عبارتیں نقل کی ہیں اور اپنی تحقیق یہ بیان فرمائی ہے کہ چاک گریبان کے لئے کوئی خاص ہیات مسنون نہیں ہے اور احادیث صحیحہ میں عورتوں کے مشابہ لباس پہننے سے منع فرمایا گیا ہے لہٰذا جن مقامات میں عورتوں کے کُرتے میں چاک گریبان سامنے رہتا ہو وہاں مردوں کو شانوں پر چاک رکھنا چاہیے جیسا کہ علمائے ماوراء النہر اور علمائے ہند کی وضع ہے۔ چنانچہ حضرت کے کُرتے کا چاک بھی دونوں شانوں پر رہتا تھا۔

عمامہ بھی بطریق مسنون باندھتے تھے اور جمعہ کے دن نیز عیدین میں عمدہ لباس استعمال فرماتے تھے۔

مکتوب نمبر ۵۴ دفتر دوم حصہ ہفتم ص ۵ میں اتباع سنت کے سات درجے بیان فرمائے ہیں۔ حضرت سے پہلے شاید اس قدر غور و خوض اس مسئلے میں کسی نے نہ کیا ہو۔ اس مکتوب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اتباع سنت کی کیسی عظیم الشان اہمیت آپ کی نظر میں تھی اور نظر آپ کی کس قدر عمیق تھی۔

مکتوب مذکور میں اتباع کے تیسرے درجہ کو بیان کر کے لکھتے ہیں کہ یہ درجہ بغیر اس کے نہیں حاصل ہو سکتا کہ بدعت کے نام سے بھی پرہیز کریں حتیٰ کہ جن چیزوں کو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے ان سے بھی دور رہیں۔ پھر ساتوں درجے بیان کر کے خاتمہ مکتوب میں لکھتے ہیں:

''بالجملہ ہر دولتے کہ آمدہ ست از برای انبیاء آمدہ ست علیہم الصلوٰۃ والتحیات سعادت امتان ست کہ بہ طفیل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ازاں دولت بہرہ یا بند دانے بش ایشان تناول نمایند

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

متابع کامل کسے ست کہ بایں ہفت درجہ متابعت متحلی شود و آنکہ بعضے از درجات متابعت دارد و بعضے ندارد تابع فی الجملہ ست علیٰ تفاوت الدرجات' علمای ظواہر بدرجہ اولیٰ خرسند ند کاش آں درجہ راہم سرانجام بدہند متابعت رامقصور برصورت شریعت داشتہ اند ورای آن امرے دیگر نہ انگاشتہ طریقہ صوفیہ مدا کہ وسیلہ حصول درجات متابعت ست بیکار تصور محمودہ اند و اکثر شان پیر و مقتدیٰ خود راغیر از ہدایہ و بزدوی نہ دانستہ اندے

چو آن کرمے کہ در سنگے نہاں ست
زمین و آسمان و ہمان ست''

(حاصل کلام یہ کہ جو دولت بھی آئی ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے آئی ہے۔ یہ امتوں کی سعادت ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں اس دولت سے بہرہ ور ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ جس قافلہ میں وہ ہیں اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ دور سے ان کے جرس کی آواز مجھ تک پہنچتی رہے۔ متبع کامل وہ ہے جو اتباع سنت کے ان ساتوں درجوں

Marfat.com

سے آراستہ ہو اور جو شخص ان میں سے بعض میں متابعت رکھتا ہو اور بعض میں متابعت نہ رکھتا ہو وہ فرق مراتب کے ساتھ فی الجملہ تابع ہے۔ علمائے ظواہر پہلے ہی درجے کی متابعت میں خوش ہیں۔ کاش وہ اسی کو پوری طرح انجام دیتے۔ انہوں نے تو تابع داری و پیروی کو صورت شریعت کی پیروی تک محدود کر دیا ہے۔ اس سے آگے ان کے خیال میں کچھ نہیں ہے۔ صوفیہ کے طریقہ کو جو تمام درجات متابعت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہی بیکار سمجھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اپنا پیر و مقتدا سوائے ہدایہ اور بزدوی کے کسی کو نہیں جانتے۔ اس کیڑے کے مانند جو کسی پتھر میں پوشیدہ ہو کہ بس وہی اس کا زمین و آسمان ہے۔)

۵۔ آپ کی کثرت عبادت بھی ایک غیر معمولی شان رکھتی تھی جس کی تعریف آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ فرمایا کرتے تھے جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ معلوم ہوگا۔

نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد اشراق چاشت فیئی الزوال نوافل بعد مغرب جن کو عام طور پر لوگ اوابین کہتے ہیں' ان سب نمازوں کی پابندی فرماتے تھے۔ شروع شروع میں ان نفل نمازوں میں سورہ یاسین پڑھتے تھے جس کی تعداد اسّی تک پہنچتی تھی مگر آخر میں ختم قرآن کا معمول ہو گیا تھا۔

سنت عصر اور سنت قبل عشا بہت کم ترک فرماتے تھے۔ جو دعائیں خاص اوقات کے لئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں مثلاً صبح شام کے وقت سونے اور بیدار ہونے کے وقت وغیرہ وغیرہ ان دعاؤں کا ایسا التزام تھا جیسے کسی سے طبعی فعل بے قصد و بے ارادہ صادر ہو جائے۔

تہجد کے لئے نصف شب سے اٹھنے کا معمول تھا اور ہر دو رکعت کے بعد توبہ و استغفار اور درود شریف اور دعاؤں کے بعد مراقبہ فرماتے تھے۔ یہ سلسلہ فجر تک قائم رہتا تھا فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کے بعد اشراق تک اپنے اصحاب کے ساتھ مراقبہ میں بیٹھتے تھے۔

قرآن مجید کی تلاوت خارج نماز میں خود بھی کرتے تھے اور حلقہ کے وقت کسی حافظ سے بھی سننے کا معمول تھا اور یوں جب کوئی قاری اچھا پڑھنے والا آ جاتا تو اس سے بھی پڑھواتے تھے۔ قرآن مجید کے ساتھ آپ کے شغف کا حال پڑھ کر مولانا جامیؒ کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

مصلحت نیست مراسیری ازاں آب حیات
ضاعف اللہ بہ کل زمان عطشی

نماز چاشت کے بعد جو فقراء حاضر خانقاہ ہوتے ان کو کھانا تقسیم ہوتا اور خود بھی اسی وقت قلیل مقدار میں کچھ کھا کر قیلولہ فرماتے۔

ہر روز تقریباً ایک سو علماء وصلحاء وحفاظ کو آپ کے باورچی خانہ سے کھانا ملتا تھا۔ رمضان مبارک کے روزے کا بڑا اہتمام فرماتے تھے اور پورے مہینہ میں تراویح پڑھتے تھے اور کم از کم ایک ختم قرآن تراویح میں ضرور ہوتا تھا۔ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ کبھی رمضان کا مہینہ حالت سفر میں آ جاتا تو بھی معمولات میں ذرا کمی نہ ہوتی۔ ادائے زکوۃ میں سال گزرنے کا انتظار نہ فرماتے جس وقت آپ کے ہاتھ میں کچھ روپیہ آ جاتا اس کا چالیسواں حصہ نکال کر رکھ لیتے

Marfat.com

اور مستحقین زکوٰۃ کو وقتاً فوقتاً دیتے رہتے۔

حج کا ارادہ ہر وقت آپ کے دل میں رہتا تھا مگر کبھی تو روپیہ نہ ہوتا تھا اور کبھی دوسرے لے جاتے۔ جنازوں میں شرکت فرماتے۔

اہل وعیال کی خبر گیری' صاحبزادوں کی اور مریدوں کی تعلیم وتربیت' علوم شریعہ کا زبانی اور کتابی درس' پھر اپنے نفس مبارک کے حقوق' ان سب کاموں کو روزانہ باحسن وجوہ انجام دیتے۔

ف: اولیاء اللہ کے اوقات میں اللہ تعالیٰ ایسی برکت عطا فرماتا ہے کہ ان کے روزانہ کے مشاغل سن کر عقل حیران ہو جاتی ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ دن رات کے چوبیس گھنٹے ان تمام کاموں کے لئے کس طرح کفایت کر سکتے ہیں۔ خصوصاً وہ لوگ جن کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا یعلمون ظاهر امن الحيوٰة الدنيا ذلك مبلغهم من العلم۔ ان بیانات کو مبالغہ پر محمول کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

بلاشبہ اوقات کی برکت عظیم الشان خرق عادت اور عظیم الشان کرامت ہے' جن لوگوں نے ایسا کوئی مقدس نمونہ دیکھا ہے ان کو تو کوئی تردد نہیں ہوسکتا اور جنہوں نے نہیں دیکھا ان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کو اپنے اوپر قیاس نہ کریں۔

بارے ار نیست ترا وجد انے معتقد باش و بیار ایمانے

۶۔ امر معروف ونہی منکر میں آپ ایک مامور من اللہ کی سی شان رکھتے تھے۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ڈر' کسی ایذا کا خوف' کوئی بڑے سے بڑا خطرہ آپ کو اس فریضہ کے ادا کرنے سے روک نہیں سکا۔

حضرت امام کے زمانے میں ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت تھی اور سلطنت اپنے پورے جاہ وجلال پر تھی۔ آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ جلال الدین اکبر کے عہد سلطنت میں گزرا۔ اس کے بعد نورالدین جہانگیر کا زمانہ آپ نے پایا۔ پہلی سلطنت گولا مذہبیت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی مگر ہندو مذہب کے ساتھ صلح وآشتی رکھتی تھی۔ جو کچھ عناد یا مخالفت تھی وہ دین اسلام کے ساتھ تھی۔ آج بھی مسلمانوں میں جو لوگ لامذہب ہیں وہ اور مذاہب کے ساتھ تو بڑی رواداری برتتے ہیں مگر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اچھی خاصی دشمنی کا برتاؤ کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو آزاد خیال اور غیر متعصب سمجھیں۔ دوسری سلطنت کو نفس اسلام کے ساتھ کوئی عناد نہ تھا مگر سلطنت وبادشاہت کا نشہ بہت بڑھ گیا تھا اور نئے بادشاہ پر الشباب شعبته من الجنون کا جن بھی سوار تھا حتیٰ کہ شاہی دربار کی تعظیم یہ تھی کہ لوگ بادشاہ کو سجدہ کریں' سجدہ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ بھی بزور سلطنت حاصل کرلیا گیا تھا۔

ان سب باتوں پر طرہ یہ تھا کہ بادشاہ کی محبوبہ ملکہ نور جہاں بیگم جس کے ہاتھ میں بادشاہ نے سلطنت کی باگ دے رکھی تھی' نہایت غالی شیعہ تھی جس کا ادنیٰ کرشمہ یہ تھا کہ نوراللہ شوستری جیسا دریدہ دہن سلطنت کا قاضی القضاۃ بنایا گیا تھا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں سلطنتوں کے اثر سے عام مسلمانوں کی کیا حالت ہوگی' عوام تو عوام پیشہ ور علماء اور دکاندار صوفیہ جن کی کثرت خیر القرون کے بعد یوماً فیوماً ترقی پر ہے' کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہوں گے۔ الناس علیٰ دین ملوکهم۔

حالت یہ تھی کہ ایک طرف شرک اور بت پرستی کی رسمیں مسلمانوں میں رائج ہورہی تھیں اور دوسری طرف

Marfat.com

بدعتوں کے بادل سروں پر منڈلا رہے تھے اور تیسری طرف سے یہ آوازیں آ رہی تھیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز۔

مذہب عشق از ہمہ مذہب جداست　　　　عاشقاں را مذہب و ملت خدا است

اور چوتھی طرف رفض کی گرم بازاری ترقی کر رہی تھی۔ تفضیلیت تو برملا شائع تھی اور...... خفیہ خفیہ صحابہ کرام کی بدگوئی بھی ہوتی تھی۔ خصوصاً ان صحابہ کرام کی جنؓ سے حضرت علیؓ کے محاربات و مشاجرات واقع ہوئے تھے بلکہ حضرت عثمانؓ کی بدگوئی تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ غرضکہ ہندوستان کے مسلمان خصوصاً اور ساری دنیا کے مسلمان عموماً بڑے عظیم الشان مصائب میں مبتلا تھے۔ چاروں طرف سے ابلیس کی فوجوں نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ دو چار حقانی علماء یا کوئی ربانی درویش اگر تھے بھی تو ان کو ہمت نہ ہوتی تھی کہ ایسے پُرفتن وقت میں لب کشائی کریں اور حق بات زبان یا قلم سے نکال کر اپنے کو ظلم اور ملامت کا نشانہ بنائیں۔ دنیا میں جب کبھی اس قدر ظلمت طاری ہوئی تو حق تعالیٰ کی رحمت نے کسی نبی کو بھیجا لہٰذا اس وقت بھی کسی نبی کو مبعوث ہونا چاہیے تھا مگر نبوت حضرت سید الانبیاء ﷺ پر ختم ہو چکی تھی اس لئے آپ کی امت میں ایک شخص الف ثانی کا مجدد بنایا گیا اور اس نے وہی کام کیا جو ایک مامور من اللہ نبی کرتے اور اسی ہمت واستقلال سے کیا اور حق تعالیٰ نے نتیجہ آپ کی مساعی جمیلہ کا ایسا ظاہر فرمایا کہ باید و شاید۔ علماء کی بھی اصلاح ہوئی اور صوفیہ کی بھی، بادشاہ اور ارا کین سلطنت بھی خواب غفلت سے بیدار ہو گئے۔

آج ہندوستان میں خدمات دینیہ کی جو صورتیں بھی نظر آ رہی ہیں یہ سب حضرت ہی کی سعی مشکور کا نتیجہ ہیں۔ فجز الا اللہ تعالیٰ عن الاسلام واھلہ خیر الجزاء

مکتوبات قدسیہ کے مطالعہ سے اس زمانے کی حالت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور آپ کی مساعی مشکورہ کا بھی۔

مکتوب نمبر ۳۳ دفتر اول ص ۹۳ میں لکھتے ہیں:

”عزیزے شیطان لعین را دید کہ فارغ نشستہ است واز تضلیل واغوا خاطر جمع ساختہ آن عزیز سر آں را پرسید لعین گفت کہ علمائے سوء ایں وقت دریں وقت بامن خود مدد عظیم کردند و مرا ازیں مہم فارغ ساختند والحق دریں زمان ہرسستی و مداہنتے کہ در امور شرعیہ واقع شدہ ست و ہر فتورے کہ در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ ست ہمہ از شومی علمائے سوء ست و فساد نیات ایشان۔“

(ایک عزیز نے شیطان لعین کو دیکھا کہ فارغ بیٹھا ہے اور لوگوں کو بہکانے اور بے راہ بنانے کے کام سے مطمئن ہے۔ اس عزیز نے شیطان سے پوچھا کہ اس میں کیا راز ہے؟ شیطان نے جواب دیا کہ اس زمانہ کے علمائے سوء نے اس وقت میری بڑی مدد کی اور مجھ کو اس مہم سے سبکدوش کر دیا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں امور شریعہ میں جو سستی و مداہنت دیکھنے میں آ رہی ہے اور جو نقصان دین وملت کی اشاعت میں پیدا ہو گیا ہے، وہ سب انہی علمائے سوء کی بدبختی اور ان کی فساد نیت کا نتیجہ ہے۔)

مکتوب نمبر ۴۷ دفتر اول حصہ دوم ص ۱۸ میں شیخ فرید کو جو بادشاہ کے بڑے مقرب و مصاحب خاص تھے، لکھتے ہیں:

Marfat.com

''صلاح بادشاہ صلاح عالم است وفساد او فساد عالم۔ میدانند کہ در قرن ماضی (یعنی عہد اکبری) برسر اہل اسلام جہا نگذشتہ ست زبونی اہل اسلام باوجود کمال غربت در قرون سابقہ ازیں نگذشتہ بود کہ مسلمانان بردین خود باشند وکفار برکیش خود کریمہ لکم دینکم ولی دین بیان ایں معنی ست ودر قرن ماضی کفار برملا بطریق استیلا اجرای احکام کفر در دار السلام مے کردند ومسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند واگر میکردند تقبل مے رسیدند (پھر بفاصلہ چند سطور) علمای دنیا کہ ہمت ایشاں دنیای دینہ ست صحبت ایشاں زہر قاتل ست وفساد ایشاں فساد متعدی ۔

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم ست کرا رہبری کند

درقرن ماضی ہر بلائے کہ برسر آمد از شومی ایں جماعہ بود بادشاہان را ایشاں ازراہ مے برند' ہفتاد و دوملت کہ راہ ضلالت اختیار کردہ اند مقتدایان اینہا علمائے سوء بودند۔ غیر از علماء ہر کہ بضلالت رفت کم ست کہ ضلالت او بدیگرے تعدی کند واکثر جہلائی صوفی نمائے ایں زمانہ حکم علمائے سوء دارند فساد اینہا نیز فساد متعدی ست ۔''

(بادشاہ کی درستگی سے عالم کی درستگی ہے اور بادشاہ کے فساد سے عالم کا فساد۔ آپ جانتے ہیں کہ زمانہ ماضی (یعنی اکبر کے عہد) میں اہل اسلام پر کیا کچھ نہیں گزرا۔ زمانہ ماسبق میں جبکہ اسلام کی غربت حد کو پہنچی ہوئی تھی۔ اہل اسلام کی بدحالی اس سے آگے نہیں بڑھی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کافر اپنے طریقہ پر جیسا کہ آیت کریمہ لکم دینکم ولی دین سے ظاہر ہے لیکن زمانہ ماضی (یعنی عہد اکبری) میں تو یہ حال ہوا کہ کفار تو برملا پورے غلبہ کے ساتھ دارالاسلام میں احکام کفر جاری کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام ظاہر کرنے سے بھی عاجز و قاصر تھے اور اگر ظاہر کرتے تھے تو قتل کیے جاتے تھے (چند سطروں کے بعد) دنیا دار علماء جن کا مطمح نظر صرف یہ حقیر و ذلیل دنیا ہے' ان کی صحبت زہر قاتل اور ان کا فساد فساد تعدی ہے۔ جو عالم صرف اپنی دنیوی کامیابی و تن پروری میں مشغول رہتا ہو وہ خود گمراہ ہے دوسرے کی رہبری کیا کرے گا۔ اس زمانہ میں (یعنی عہد اکبری میں) جو مصیبت بھی مسلمانوں پر آئی وہ اسی جماعت کی بدبختی کا نتیجہ تھی۔ یہی لوگ بادشاہ کو راہ راست سے ہٹاتے ہیں۔ وہ بہتر فرقے جو گمراہ ہوئے۔ ان کے پیشوا یہی علمائے سوء تھے۔ جب کوئی غیر عالم گمراہ ہوتا ہے تو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اس کی گمراہی سے دوسرے بھی گمراہ ہوں (لیکن ایک عالم کی گمراہی بہتوں کو گمراہ کرتی ہے) اس زمانہ کے صوفی نما جاہلوں کا معاملہ بھی علمائے سوء جیسا ہے۔ ان کا فساد بھی متعدی ہے۔)

مکتوب نمبر ۵۳ دفتر اول حصہ دوم میں انہیں شیخ فرید کو (یہ سن کر کہ بادشاہ اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ علماء

Marfat.com

ان کی صحبت میں رہیں اور انہیں شیخ فرید کو حکم شاہی ملا ہے کہ چار عالم منتخب کرو) لکھتے ہیں:

''علمائے دین دار خود اقل قلیل اند کہ از حب جاہ و ریاست گزشتہ باشند و مطلبے غیر از ترویج شریعت و تائید ملت نداشتہ باشند بر تقدیر حب جاہ ہر کدام از یں علماء طرفے خواہد گرفت و اظہار فضیلت خود خواہد نمود و سخنان اختلافی درمیان خواہد آورد و آن را توسل قربت بادشاہ خواہد ساخت ناچار مہم دین ابتر خواہد شد در قرن سابق اختلافات علماء عالم را در بلا انداخت و ہمان صحبت درپیش ست ترویج چہ گنجائش دارد کہ باعث تخریب دین خواہد شد والعیاذ باللہ سبحانہ من ذالک ومن فتنہ العلما السوء۔ اگر یک عالم را از برای این غرض انتخاب نمایند بہتر مے نماید اگر از علمای آخرت پیدا شود چہ سعادت کہ صحبت او کبریت احمر ست و اگر پیدا نہ شود بعد از تامل صحیح بہترین این جنس را اختیار کنند۔''

(ایسے دیندار علماء بہت ہی کم ہیں جو حب جاہ وطلب ریاست سے بالاتر ہوں اور سوائے ترویج شریعت اور تائید ملت کے اور کوئی غرض نہ رکھتے ہوں۔ اگر ان میں حب جاہ ہے تو ان میں سے جس عالم کو بھی اس میں سے کچھ حصہ ملے گا اور وہ دوسروں پر اپنی فضیلت ظاہر کرے گا اور اختلافی باتیں زیر بحث لائے گا اور انہی کو بادشاہ سے قربت حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے گا لامحالہ ترویج دین کا کام ابتر ہوگا۔ گزشتہ دور میں (بادشاہوں سے تقرب حاصل کرنے کے لئے) علماء کے اختلاف نے ایک عالم کو مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ وہی بادشاہوں کی صحبت اس وقت بھی درپیش ہے۔ ایسی حالت میں ترویج دین کی کہاں گنجائش ہوگی بلکہ یہ صحبت تو دین کی بربادی کا باعث ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھے اور علمائے سوء کے فتنہ سے بچائے۔ لہٰذا اگر کسی ایک عالم کو اس مقصد کے لئے منتخب کیا جائے تو بہتر ہوگا اگر کوئی عالم طالب آخرت مل جائے تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کیونکہ اس کی صحبت تو کبریت احمر ہے اور اگر ایسا عالم دستیاب نہ ہو تو خوب غور وفکر کے بعد ان میں سے جو بہتر معلوم ہو اس کو منتخب کرلیں۔)

مکتوب نمبر ۶۵ دفتر اول حصہ دوم ص ۴۵ میں خان اعظم کو جو رکن سلطنت تھے اور بادشاہ ان کی بات بہت مانتے تھے، لکھتے ہیں:

''غربت اسلام تا بحدے رسیدہ ست کہ کفار برملا طعن اسلام و زم مسلمانان مے نمایند و بے تحاشی اجرای احکام کفر و مداحی اہل آن در کوچہ و بازار مے کنند و مسلمانان از اجرای احکام اسلام ممنوع دوراتیان شرائع مذموم و مطعون (پھر بفاصلہ چند سطور) امروز آن روز ست کہ عمل قلیل را باجر جزیل باعتنائے تمام قبول مے فرمایند از اصحاب کہف غیر از ہجرت عملے دیگر نمایاں نیست کہ این ہمہ اعتبار پیدا کردہ ست سپاہیاں در وقت غلبہ اعداد اگر اندک تردد مے کنند اعتبار بسیار پیدا مے کنند بخلاف در وقت امن و تسکین اعداد و این جہاد قولی کہ امروز شمارا میسر شدہ ست جہاد اکبر

ست مغتنم دانید و ہل من مزید بگوئید و ایں جہاد گفتن را بہ از جہاد کشتن دانید (پھر بعد دو سطر)
حضرت خواجہ احرار قدس سرہ میفر مودند کہ اگر من شیخی کنم ہیچ شیخے در عالم مرید نیابد اما مرا کار دیگر
فرسودہ اند و آن ترویج شریعت و تائید ملت ست لا جرم بصحبت سلاطین مے رفتند و بتصرف خود
ایشاں را منقاد مے ساختند و بتوسل ایشان ترویج شریعت مے فرمودند ملتمس آن ست کہ چون حق
سبحانہ ببرکت محبت شما با کابر ایں خانوادہ بزرگ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم سخن شمارا تاثیر مے بخشیدہ
ست وعظمت مسلمانی شما در نظر اقران ظاہر گشتہ سعی فرمایند کہ لا اقل احکام کبیرہ اہل کفر کہ در اہل
اسلام شیوع پیدا کردہ اند منہدم و مندرس گردند و اہل اسلام ازاں منکرات محفوظ مانند جزاکم اللہ
سبحانہ عنا د من جمیع المسلمین خیر الجزاء۔ در سلطنت پیشین عنادے بدین مصطفوی علیہ الصلوٰۃ
والسلام مفہوم مے شد و درین سلطنت ظاہراً آن عناد نیست اگر ہست از عدم علم ست۔ ترس آن
ست کہ مبادا ایں جا ہم کار بعناد انجامد و بر مسلمانان معاملہ تنگ تر افتد۔ ع

چو بید بر سر ایمان خویش مے لرزم۔''

(اب اسلام کی غربت اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام اور اہل اسلام پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور بغیر کسی جھجک کے کوچہ و بازار میں احکام کفر جاری کرتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کی مداحی کرتے ہیں اور مسلمانوں کا یہ حال کہ احکام اسلام جاری کرنے سے رو کے جاتے ہیں اور ان کی بجا آوری پر مطعون و بدنام کئے جاتے ہیں (چند سطروں کے بعد) آج کا دن وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ تھوڑا سا عمل بھی بڑے اجر و ثواب کے ساتھ پوری عنایت و مہربانی سے قبول فرماتا ہے۔ دیکھئے اصحاب کہف سے سوائے ہجرت کے اور کوئی عمل خاص ظاہر نہیں ہوا لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں اتنا بڑا درجہ حاصل کیا۔ سپاہی دشمنوں کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑی سی کوشش کرتے ہیں تو ان کا بہت لحاظ کیا جاتا ہے لیکن امن و سکون کے زمانہ میں یہ بات نہیں ہوتی۔ جہاد قولی کی دولت جو آج آپ کو حاصل ہے' یہ جہاد اکبر ہے۔ اس کو غنیمت سمجھیں اور ھل من مزید کہیں۔ اس جہاد زبانی کو جہاد سنانی سے بہتر خیال کریں (دو سطروں کے بعد) حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فرماتے تھے کہ اگر میں شیخ بن کر بیٹھوں تو دنیا میں کسی شیخ کو مرید نہ ملے لیکن مجھ کو دوسرا کام سپرد کیا گیا ہے۔ وہ ہے شریعت کو رائج کرنا اور ملت کو مضبوط کرنا۔ اس ضرورت سے بادشاہوں کی صحبت میں جاتے تھے اور اپنے تصرف سے ان کو مطیع بناتے تھے۔ پھر ان کے ذریعہ سے ترویج شریعت کرتے تھے۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس بزرگ خاندان نقشبندیہ کے اکابر کے ساتھ محبت رکھنے کی برکت سے آپ کے کلام میں تاثیر بخشی ہے اور آپ کی دینی عظمت آپ کے ہم جنسوں کی نگاہ میں ظاہر ہوگئی ہے تو آپ کوشش کریں کہ کم سے کم کافروں کے خاص شعائر و مراسم جو مسلمانوں میں شائع ہوگئے ہیں'

Marfat.com

مفقود و معدوم ہو جائیں اور مسلمان ان منکرات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ پہلی سلطنت تو دین مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک قسم کا عناد معلوم ہوتا تھا لیکن اس سلطنت کو بظاہر وہ عناد نہیں ہے اگر ہے تو عدم علم کی بنا پر ہے۔ خوف اس کا ہے کہ کہیں انجام کار یہاں بھی وہی عناد نہ پیدا ہو جائے اور معاملہ مسلمانوں کے لئے زیادہ تنگ ہو جائے۔

ع میں اپنے ایمان کے لئے بید کی طرح لرزتا ہوں۔)

مکتوب نمبر ۵۴ دفتر دوم حصہ ہفتم ص ۸ میں لکھتے ہیں:۔

''تا از بدعت حسنہ در رنگ بدت سیئہ احتراز نہ نماید بوئے ازیں دولت بہ مشام جان او نرسد و ایں معنی امروز متعسر ست کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ ست و بہ ظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند و باحیای سنت لب کشاید اکثر علمای اینوقت رواج دہند ہای بدعت اند و محو کنند ہای سنت بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آن فتوی مے دہند و مردم را بدعت ذلالت مے نمایند۔ چہ میگویند اگر ضلالت شیوع پیدا کند و باطل متعارف شود و تعامل گردد۔ مگر نمے دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست تعاملے کہ معتبر ست ہمان ست کہ از صدر اول آمدہ ست یا با جماع جمیع مردم حاصل گشتہ۔''

(جب تک انسان بدعت حسنہ سے بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کرے گا دولت ایمان کی بو اس کے مشام جان تک نہ پہنچے گی اور یہ بات اس زمانہ میں بہت دشوار ہے کیونکہ دنیا بدعت میں غرق ہے اور بدعات کی تاریکیوں میں آرام کر رہی ہے۔ کس کی مجال ہے جو بدعت کے مٹانے کا دم مارے اور احیائے سنت میں لب کشائی کرے۔ اس زمانہ کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دینے والے اور سنتوں کو مٹانے والے ہیں۔ جن بدعتوں کا دائرہ وسیع ہے ان کو لوگوں کا تعامل سمجھ کر ان کے جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں' اس طرح بدعت کی رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ وہ کیا کہتے ہیں؟ اگر گمراہی عام ہو جائے اور باطل متعارف ہو جائے تو وہ تعامل ہو جاتا ہے۔ شاید ان کو یہ نہیں معلوم کہ محض تعامل مستحسن ہونے کی دلیل نہیں۔ جو تعامل شرعاً معتبر ہے وہی تعامل ہے' جو صدر اول سے ہو یا اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو۔)

مکتوب نمبر ۲۹ دفتر اول حصہ اول ص ۵۷ میں حضرت شیخ نظام تھانیسری کو جو اس وقت اکابر صوفیہ میں سے تھے' لکھتے ہیں۔

''مقربات اعمال یا فرائض اند یا نوافل' نوافل را در جنب فرائض ہیچ اعتبار نیست ادای فرضے از فرائض در وقتے از اوقات بہ ازادی نوافل ہزار سالہ ست اگر چہ بہ نیت خالص ادا شود۔ ہر نفلے

Marfat.com

کہ باشد از صلوٰۃ زکوۃ وصوم وذکر وفکر وامثال اینہا (الی ان قال) پس رعایت ادبے واجتناب از مکروہے اگرچہ تنزیہی باشد فکیف کہ تحریمی بمراتب از ذکر وفکر ومراقبہ وتوجہ بہتر باشد (الی ان قال) پس نماز خفتن رادر نصف اخیر از شب گزاروں وآں تاخیر را وسیلہ تاکید قیام لیل ساختن بے مستنکر باشد چہ نزد حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ادائے نماز خفتن دراں وقت مکروہ ست ظاہر ازیں کراہت کراہت تحریمہ ارادہ دارند زیوا کہ ادائے نماز خفتن را تا نصف لیل سباح واشتہ اندواز نصف آن طرف کردہ گفتہ اندپس مکروہے کہ مقابل مباح ست مکروہ تحریمی ست' ونزد شافعیہ ادائے نماز خفتن دراں وقت جائز نیست (الی ان قال) پس ایں عمل باید نمود وصلوٰت گزشتہ راقضا باید کرد (الی ان قال) وایضاً آب مستعمل کہ ازالہ حدث نمودہ باشد یا بہ نیت قربت استعمالش کردہ باشند در وضو تجویز نکنند کہ مردم آن آب را بخورند کہ آن آب نزد امام اعظم نجس مغلظ ست وفقہا منع خردن آں آب کردہ اند وخوردن آں را مکروہ داشتہ اند (پھر بفاصلہ چند سطورص ۷۷) وایضاً مردم معتمد نقل کردہ اند کہ بعضے از خلفائے شمار مریدان ایشاں سجدہ مے کنند بہ زمین بوس ہم کفایت نے کنند شفاعت ایں فعل اظہر من الشمس ست منع شان بکنید وتاکید درمنع نمائید اجتناب ایں قسم افعال از ہمہ کس مطلوب سب علی الخصوص شخصے کہ باقتدائے خلق خود را برآوردہ باشد اجتناب ایں قسم افعال اور را از اشد ضروریات ست کہ مقلدان باعمال او اقتدا خواہند کردو در بلا خواہند افتاد (پھر بفاصلہ چند سطور) پس باید ہمچنان کہ در مجلس شریف از کتب تصوف مذکور مے شود از کتب فقہیہ نیز مذکور شود وکتب فقہیہ بہ عبارات فارسی بسیار اند مثل مجموعہ خانی وعمدۃ الاسلام وکنز فارسی بلکہ از کتب تصوف اگر مذکور نہ شود باک نیست کہ آن با حوال تعلق دارددر قال در نے آید واز کتب فقہی مذکور ناشدن احتمال ضرر دارد۔ زیادہ چہ اطناب نماید القلیل یدل علی الکثیر ۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیارست''

(خدا سے قریب کرنے والے اعمال یا فرائض ہیں یا نوافل فرائض کے مقابلہ میں نوافل کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اپنے وقت پر کسی فرض کا بجالانا ہزار سال نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ خلوص نیت سے ادا کیے جائیں۔ خواہ وہ کوئی نفل ہو نماز زکوٰۃ روزہ ہو یا ذکر وفکر وغیرہ ہوں۔ (آگے فرماتے ہیں) لہٰذا (فرائض میں) کسی ادب کی رعایت کرنا اور مکروہ سے اجتناب اگرچہ مکروہ تنزیہی ہو چہ جائیکہ تحریمی ذکر وفکر مراقبہ وتوجہ سے بدرجہا بہتر ہوگا (پھر آگے تحریر فرماتے ہیں) پس نماز عشاء نصف شب کے بعد ادا کرنا اور اس کو قیام لیل کی تاکید کا وسیلہ بنانا بہت برا ہوگا اس لئے کہ حنفیہؒ کے نزدیک نصف شب کے بعد نماز عشاء ادا کرنا مکروہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس مکروہ سے ان کی مراد مکروہ تحریمی ہے کیونکہ نصف شب تک تو وہ نماز عشاء ادا کرنے کو

Marfat.com

مباح کہتے ہیں اور نصف شب کے بعد مکروہ کہتے ہیں لہٰذا جو مکروہ مباح کے مقابل ہے وہ مکروہ تحریمی ہے۔ شافعیہ کے نزدیک تو نصف شب کے بعد نماز عشاء جائز نہیں ہے (پھر آگے چل کر فرماتے ہیں) لہٰذا یہ عمل کرنا چاہیے اور گزشتہ نمازوں کی قضا پڑھنا چاہئے (اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اسی طرح جس پانی سے ازالہ حدث کیا گیا ہو یا اس کو وضو میں بہ نیت قربت استعمال کیا گیا ہو لوگوں کو اس کے پینے کی اجازت نہ دیں کیونکہ یہ پانی امام اعظم کے نزدیک نجس ہے اور فقہا نے اس کے پینے سے منع کیا ہے اور اس کا پینا مکروہ بتایا ہے (چند سطروں کے بعد) اور یہ بات بھی معتمد لوگوں کی زبانی معلوم ہوئی ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کو ان کے مریدین سجدہ کرتے ہیں، زمین بوسی پر بھی اکتفا نہیں کرتے۔ اس فعل کی برائی تو آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے۔ لہٰذا ان کو منع کیجئے اور تاکید سے منع کیجئے۔ اس قسم کی باتوں سے بچنا تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے مگر اس شخص کے لئے تو خصوصیت سے نہایت ضروری ہے جو مقتدائے خلق بنے کیونکہ اس کے مقلدان اعمال میں اس کی پیروی کریں گے اور مصیبت میں پڑیں گے۔ (چند سطروں کے بعد) اس لئے چاہیے کہ جس طرح آپ کی مجلس شریف میں کتب تصوف پڑھی جاتی ہیں، کتب فقہیہ بھی پڑھی جائیں۔ کتب فقہیہ فارسی زبان میں بھی بہت ہیں مثلاً مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام، کنز فارسی بلکہ اگر کتب تصوف نہ پڑھی جائیں تو کوئی نقصان نہیں کیونکہ تصوف کا تعلق احوال سے ہے زبان سے بیان کرنے کی چیز نہیں ہے لیکن کتب فقہیہ نہ پڑھے جانے میں نقصان کا احتمال ہے۔ زیادہ کیا طول دیا جائے۔ یہ تھوڑی باتیں بہت سی باتوں کی رہنمائی کرتی ہیں۔ میں نے اپنا تھوڑا سا غم دل آپ کے سامنے بیان کیا اور اس سے ڈرا کہ آپ دل آزردہ ہوں گے ورنہ کہنے کی باتیں بہت ہیں۔)

پھر انہیں حضرت شیخ نظام تھانیسری مکتوب دفتر اول حصہ اول میں معارف وحقائق الٰہیہ بیان فرمانے کے بعد ص ۸۱ میں لکھتے ہیں:

''علامت درستی علوم لدنیہ مطابقت ست با صریح علوم شرعیہ۔ اگر سر موتجاوزست از سکرست والحق ماحققہ العلماء من اہل السنتہ والجماعتہ وماسوی ذلک اما زندقۃ والحاد او سکر وقت وغلبہ حال۔ وایں تمام مطابقت در مقام عبدیت میسر ست اور ماورائے ایں نحوے از سکر متحقق ست۔

گر بگویم شرح ایں بے حد شود

شخصے از خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سوال کرد کہ مقصود از سلوک چیست فرمودند تا معرفت اجمالی تفصیلی گردد واستدلال کشفی شود۔ نہ فرمودند تا معرفت نمائد بر معارف شرعیہ حاصل کند! اگر چہ درراہ امور زائدہ پیدا مے شوند ما اگر بہ نہایت کار رسانند آں زوائد ہبا، منشور میگردند و ہمان معارف شرعیہ بر وجہ تفصیل معلوم مے گردند واز ضیق استدلال بفضای اطلاق کشف مے آیند۔''

(علوم لدنیہ کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ صریح علوم شرعیہ کے مطابق ہوں۔ اگر بال برابر بھی اس سے تجاویز ہے تو یہ سکر ہے۔ حق وہ ہے جس کو علمائے اہل سنت و جماعت نے حق سمجھا ہے۔ اس کے ماسوا جو باتیں ہیں وہ یا تو زندقہ والحاد ہیں یا سکر وقت اور غلبہ حال۔ یہ مطابقت مقام عبدیت میں نصیب ہوتی ہے۔ اس کے ماورا ہیں۔ کچھ نہ کچھ سکر ضرور ہوتا ہے۔ اگر اس کی شرح کروں تو وہ بے حد ہو۔ کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ الاقدس سے سوال کیا کہ سلوک کا مقصد کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا تاکہ جن چیزوں کو اجمالاً جانتا ہے۔ ان کو تفصیلاً جان لے اور جن باتوں کو نظر و استدلال سے سمجھتا ہے ان کو کشف سے سمجھ لے۔ حضرت خواجہ نے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ سلوک کی غرض یہ ہے کہ معارف شرعیہ سے زائد معرفت حاصل ہو۔ اگرچہ اس راہ میں زائد باتیں بھی ظاہر ہوتی ہیں لیکن جب انتہا کو پہنچتا ہے تو یہ زوائد ہباءً منثورا ہو جاتے ہیں اور وہی معارف شرعیہ تفصیلی طریقہ پر معلوم ہوتے ہیں اور سالک استدلال کی تنگی سے نکل کر کشف کی کشادگی میں پہنچ جاتا ہے۔)

ابتدا ابتدا میں آپ کو بڑے بڑے مصائب اٹھانا پڑے اور آپ نے آیہ کریمہ یا نبی اقم الصلوٰۃ وامر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علیٰ ما اصابک پر بڑی اولوالعزمی سے عمل کر کے ایک بہترین نمونہ دنیا کے لئے چھوڑا۔

حالت یہ ہوئی کہ جاہل متصوفین اور دنیادار علماء کو اپنی کساد بازاری کے خطرہ نے مخالفت پر آمادہ کیا اور روافض کو نور جہاں بیگم کی وجہ سے جو امیدیں اپنے مذہب کی اشاعت اور دین اسلام کے فنا کرنے کی قائم ہوگئی تھیں اور یہاں تک کہ وہ کامیاب ہو چکے تھے کہ صوفی اور تفضیلی دو مترادف لفظیں سمجھی جانے لگی تھیں۔ حضرت امام ربانی کی ذات اقدس ان کو سد راہ نظر آئی۔ ان سب نے مل کر ایک ایسی منظم اور مکمل سازش کی اور حضرت امام ربانی کے خلاف ایسا زبردست پروپیگنڈا کیا جو کامل مصداق وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال کا تھا۔

اس پروپیگنڈے کے اثر سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسا متبحر اور دیندار عالم نہ بچ سکا تو پھر بادشاہ اور شاہی دربار کے اراکین کا متاثر ہو جانا کیا بڑی بات تھی۔ بادشاہ کا متاثر ہونا تھا کہ تمام ہندوستان میں آگ لگ گئی۔

بادشاہ (جہانگیر) کو چند مکتوبات قدسیہ کے حوالے قطع و برید کے ساتھ سنائے گئے اور ان کا غلط مطلب سمجھا کر سخت برہم کیا گیا۔ از انجملہ ایک بات یہ سمجھائی گئی کہ شیخ احمد اپنے کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے افضل کہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام ربانی کو ان کے متوسلین وقتاً فوقتاً ان ناپاک سازشوں کی اطلاع دیتے تھے تو آپ ان کو لکھ بھیجتے تھے کہ ان باتوں کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیے۔ تم لوگ اپنے کام میں (یعنی یادالٰہی میں) مشغول رہو جو جیسا کرے گا اس کا نتیجہ پائے گا۔ کبھی کبھی اپنے مخلصین کو ان بے جا الزامات کا جواب لکھ بھیجتے تھے جو آپ پر لگائے جاتے تھے۔

یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ بادشاہ نے آپ کو طلب کیا۔ آپ تشریف لے گئے اور بادشاہ کو

Marfat.com

اصل حقیقت سمجھا کر کامل طور پر مطمئن کر دیا۔ مفسدوں نے جب دیکھا کہ ہمارا کیا دھرا سب خاک میں ملا جاتا ہے تو فوراً ایک دوسرا کرتب کیا' بادشاہ کو سمجھایا کہ حضور یہ شخص بڑا خطرناک ہے۔ سلطنت کا باغی ہے۔ دیکھئے تمام علمائے کرام سجدہ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ دے چکے ہیں مگر یہ شخص اپنے مکتوبات میں اس شرعی فتوے کی برابر مخالفت کرتا رہا۔ اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ اس شخص کو حکم دیا جائے کہ حضور کو سجدہ کرے۔ یہ کبھی اس حکم پر عمل نہ کرے گا۔ یہ بات بادشاہ کے دل میں اتر گئی اور بادشاہ نے آپ کو اپنے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ حضرت امام ربانی نے اس حکم پر عمل کرنے سے قطعی انکار کر دیا اور فرمایا کہ سجدہ از روئے نص قرآنی خالق کے لئے مخصوص ہے۔ اس سے بڑھ کر حماقت اور بطالت کیا ہوگی کہ ایک مخلوق اپنی ہی جیسی عاجز و محتاج مخلوق کو سجدہ کرے۔ یہ سن کر جہانگیر کی وہی حالت ہوئی جو بہترین انبیاء ﷺ کا فرمان عالی شان سن کر خسرو پرویز بادشاہ ایران کی ہوئی تھی۔

زتیری گشت ہر مویش سنانے نہ گرمی ہر رگش آتش فشانے

اسی غیظ و غضب کی حالت میں حضرت امام ربانی کے قتل کا حکم صادر ہوا مگر پھر کچھ سوچ سمجھ کر قتل کی بجائے غیر محدود وقت کے لئے قید کا حکم سنایا گیا اور اجین ریاست گوالیار کا قید خانہ آپ کے قدوم سے رشک جنت بنا۔

بلے ہر جا رسد حورا سرشتے اگر دوزخ بود گردد بہشتے!

قید سے رہائی کا واقعہ بھی آپ کی روشن کرامت ہے۔ بادشاہ جہانگیر نے خواب دیکھا۔ خواب کیا قسمت جاگ اٹھی دیکھا کہ سید الخلق اشرف الانبیاء ﷺ بطور تاسف کے اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر! "تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا۔"

اس خواب کے بعد فوراً آپ کی رہائی عمل میں آئی۔ مگر دشمنوں نے پھر کچھ سن کر بادشاہ سے یہ حکم دلوا دیا کہ چند روز آپ ہمارے ساتھ لشکر میں رہیں۔ گو یہ چیز حضرت کے لئے قید سے کم تکلیف دہ نہ تھی لیکن کام جو بنا وہ اسی سے بنا۔ بادشاہ کو آپ کی صحبت نصیب ہوئی اور اس صحبت نے اس کے باطن کو مزکیٰ کر دیا۔ پھر تو وہ آپ کا غلام تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی۔ شراب و کباب اور دوسرے منہیات سے ایسی کامل بے تعلقی اختیار کی کہ باید و شاید۔

وہی بادشاہ جس کے غرور اور بدمستی کی یہ حالت تھی کہ اپنے لئے سجدہ کراتا تھا۔ سجدۂ تعظیمی کے جواز کے فتوے علماء سے لئے تھے۔ وہی بادشاہ آخر عمر میں کہتا ہے کہ "میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک روز مجھ سے شیخ احمد سرہندی نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے۔"

حضرت امام ربانی ہی کی برکت تھی کہ جہانگیر کے صلب سے شاہجہان جیسا دیندار بادشاہ اور شاہجہان کے بعد اورنگ زیب جیسا جامع کمالات صوری و معنوی پیدا ہوا۔ جہانگیر کے اقبال نے یہاں تک ترقی کی کہ سرہند میں حضرت امام ربانی کا مہمان بننے اور آپ کے باورچی خانہ کا کھانا کھانے کا شرف حاصل کیا۔ کھانا اگرچہ بالکل سادہ تھا مگر بادشاہ نے کہا کہ میں نے ایسا لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مخالفت ایک لحاظ سے بادشاہ کی مخالفت سے زیادہ اذیت رساں تھی۔ انہوں نے

Marfat.com

ایک رسالہ بھی حضرت امام ربانی کے خلاف تصنیف فرمایا۔ ناواقفوں اور غیروں کے پتھر کی وہ چوٹ نہیں لگتی جو اپنوں کے پھول کی لگتی ہے۔

شیخ ممدوح حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مخلصین و مستفیدین میں سے تھے۔ حضرت امام ربانی کے مکتوبات قدسیہ میں کئی جگہ حضرت شیخ کا تذکرہ فرمایا ہے اور دو ایک مکتوب بھی ان کے نام ہیں۔ حضرت شیخ کی مخالفت چونکہ بدنیتی کے ساتھ نہ تھی لہٰذا حق تعالیٰ نے ان کو بہت جلد تنبہ عطا فرمایا اور مخالفت سے رجوع کی توفیق دی۔ بالآخر وہ بھی حضرت امام ربانی کے غایت درجہ معتقد ہو گئے جس کا ذکر انہوں نے اپنے مکاتیب میں کیا ہے۔ المختصر یہ مصائب اس طرح ختم ہو گئے اور آخری نتیجہ یہ رہا کہ حق کی فتح ہوئی اور دشمن ذلیل و خوار ہوئے اور حضرت امام کے اثرات طیبات روز افزوں ترقی کرتے گئے۔ حضرت ممدوح نے جو خطوط اپنے مخلصین کو ان مصائب میں مبتلا ہونے کی حالت میں لکھے ہیں' ان کو دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔

مکتوب نمبر ۲۰۴ دفتر اول حصہ سوم ص ۹۶ میں اپنے مرید خاص حضرت میر محمد نعمان بدخشی کو ان کی اس خبر وہی کے جواب میں کہ حضرت والا کے لئے یہ یہ سازشیں ہو رہی ہیں' لکھتے ہیں:

''خدمت میر محمد نعمان از سخناں پریشان ارباب خسراں محنت نکشند کل یعمل علیٰ شاکلتہ لائق آنکہ بمکافات و مجازات متعرض نشوند دروغے را فروغے نیست باعث کسادت بازار آنہا کلمات متناقضہ آنہا خواہد بود من لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور' شغلیکہ درپیش دارند در ہماں کوشند واز غیر آں چشم بہ پوشند قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔''

(میر محمد نعمان! آپ خسارہ میں رہنے والے لوگوں کی پریشان باتوں سے رنجیدہ و غمزدہ نہ ہوں۔ ہر شخص اپنے طریقہ کے موافق عمل کرتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ انتقام اور بدلے کے درپے نہ ہوں۔ جھوٹ کو فروغ نہیں ہے' ان کی متضاد باتیں ہی ان کی کساد بازاری کا باعث ہوں گی۔ جس کے لئے خدا کی طرف سے روشنی نہیں ہے اس کے لئے پھر کوئی روشنی نہیں۔ جس کام میں آپ مشغول ہیں (یعنی یاد الٰہی) اسی میں کوشش کرتے رہیں۔ دوسری باتوں سے آنکھ بند کرلیں۔ آپ فرما دیجئے کہ (یہ کتاب) اللہ نے اتاری۔ پھر ان کو چھوڑ دیجئے کہ وہ اپنی بکواس میں کھیلتے رہیں۔)

مکتوب نمبر ۱۱۸ دفتر اول حصہ دوم ص ۱۲۱ میں اپنے متعلق معاندین کی ریشہ دوانی سن کر لکھتے ہیں:

''کتابتے کہ صحبت آثاری مولانا قاسم علی فرستادہ بودند رسید مضمون بوضوح پیوست قال اللہ تعالیٰ من عمل صالحاً فلنفسہ ومن اساء فعلیھا خواجہ عبداللہ انصاری مے فرمایند الٰہی ہر کرا خواہی براندازی باما درانداز ی' بیت

ترسم آں قوم کہ بردرد کشاں مے خندند

برسر کار خرابات کنند ایمان را

Marfat.com

حق سبحانہ وتعالیٰ کافہ اہل اسلام را از انکار فقرا و طعن وایشاں نگاہ دارد بحرمتہ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات۔ والسلام۔''

(جو مکتوب صحبت آثار مولانا قاسم علی نے بھیجا تھا پہنچا۔ مضمون مکتوب واضح ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو اچھا کام کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اور جو برائی کرے گا اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ خواجہ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ خداوندا! جس کو تو گرانا چاہتا ہے اس کو ہم سے بھڑا دے۔ میں ان لوگوں کے بارے میں جو شراب محبت کا تلچھٹ پینے والوں پر خندہ زنی کرتے ہیں' یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ وہ شراب خانہ ہی میں اپنا ایمان ضائع کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو فقراء کے انکار اور ان پر طعنہ زنی کرنے سے محفوظ رکھے۔ بطفیل حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات والسلام۔)

مکتوب نمبر ۵ دفتر سوم حصہ ہشتم ص ۱۲ میں قید خانہ سے حضرت میر محمد نعمان کو لکھتے ہیں:

''مخفی نماند کہ تا زمانے کہ بعنایت اللہ سبحانہ کہ آن عنایت بصورت جلال وغضب او تعالیٰ تجلی فرمودہ بود محبوس قفس زندان نگشتم از تنگنائے ایمان شہودی بالکلیہ نرستم واز پس کو چہائے ظلال خیال ومثال بتمام نہ برآمدم ودر شاہراہ ایمان بغیب مطلق العنان تبختر نمودم واز حضور بہ غیب واز عین بہ علم واز شہود باستدلال بروجہ کمال نہ پیوستم و ہنر دیگراں راعیب وعیب دیگراں راہنر بذوق کامل ووجدان بالغ نیافتم وشربتہائے خوشگوار بے ننگی و بے ناموسی ومربا ہائے مزہ دار خواری و رسوائی رانہ چشیدم واز جمال طعن وملامت خلق حظ نگرفتم واز حسن بلا دجفائے مردم محظوظ نشدم و کاملیت بین یدی الغسال گشتہ بالکلیہ ترک ارادہ واختیار نکردم ورشتہ ہائے تعلق آفاق وانفس رابہ تمام وکمال نگستم وحقیقت تضرع والتجاوانابت واستغفار وذل وانکسار رابدست نیا وردم وقسطاس رفیع المنزلت استغنائے حق سبحانہ را کہ محفوف بہ سراوقات عظمت وکبریائی ست مشاہدہ نمودم وخود رابندہ خوار وزار وذلیل وبے اعتبار وبے ہنر وبے اقتدار وباکمال احتیاج وافتقار معلوم نساختم وما ابرئ نفسی ان النفس لا مارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی لغفور رحیم اگر بمحض فضل تواتر فیوض وواردات الٰہی جل سلطانہ وتوالی عطیات وانعامات نا متناہی اوسبحانہ درین محنت کدہ شامل حال این شکستہ حال نمے شد نزدیک بود کہ معاملہ بہ یاس رسد ورشتہ امید گستہ گردد والحمدللہ الذی عافانی فی عین البلاد اکرمنی فی نفس الجفا' واحسن بی فی حالتہ الغناء' دوفقنی علی الشکر فی السرا' والضراء' وجعلنی من متابعی الانبیاء ومن مقتضی آثار الاولیاء ومن محبی العلماء' والصلحاء' صلوات اللہ سبحانہ و تسلیماتہ علی الانبیاء اولاد علی متابعیھم ثانیاً۔''

(مخفی نہ رہے کہ جب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت سے جو اس کے جلال وغضب کے رنگ

میں ظاہر ہوئی ہے۔ قفس زنداں میں محبوس نہیں ہوا تھا۔ ایمان شہودی کی راہ تنگ سے بالکلیہ آزاد نہیں ہوا تھا اور سایہ ہائے خیال ومثال کے کوچوں سے پوری طرح باہر نہیں نکلا تھا اور قادر مطلق کے غیب پر ایمان رکھنے کی شاہراہ پر چلنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی اور حضور سے غیب میں عین سے علم میں اور مشہود سے استدلال میں پوری طرح داخل نہیں ہوا تھا۔ دوسروں کے ہنر کو عیب اور ان کے عیب کو ہنر' کمال ذوق اور وجدان صحیح کے ساتھ نہ سمجھ پایا تھا۔ اور بے ننگی و بے ناموسی کا خوشگوار شربت اور خواری و رسوائی کا خوشذائقہ مربہ نہ چکھا تھا اور خلق خدا کی ملامت وطعنہ زنی کے جمال سے لطف اندوز اور لوگوں کی جفا و بلا کے حسن سے محفوظ نہ ہوا تھا اور مردہ بدست زندہ بن کر اپنے ارادہ واختیار سے بالکلیہ دستبردار نہ ہوا تھا اور آفاق وانفس سے تعلق کے رشتے بتمام وکمال نہ ٹوٹے تھے اور تضرع والتجاء' انابت واستغفار' ذلت وانکسار کی حقیقت معلوم نہ ہوئی تھی۔ استغنائے حق سبحانہ وتعالیٰ کی میزان بلند رتبہ جو عظمت وکبریائی کی قناتوں سے گھری ہوئی ہے مشاہدہ میں نہ آئی تھی اور اپنے کو ایک بندہ خوار وزار' ذلیل وبے اعتبار' بے ہنر وبے اقتدار اور سراپا احتیاج وافتقار معلوم نہ کر سکا تھا۔ وما ابری نفسی الخ۔ میں اپنے نفس کی برأت نہیں کرتا۔ یقیناً نفس برائی پر بہت آمادہ کرنے والا ہے۔ سوائے اس کے کہ میرا رب مجھ پر رحم کرے اس میں شبہ نہیں کہ میرا رب بہت مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔ اگر محض فضل خداوندی سے فیوض وواردات الٰہی کا تسلسل اور اس کے غیر متناہی انعامات وعطیات کا پے در پے ظہور اس محنت کدے میں مجھ جیسے شکستہ پر کے شامل حال نہ ہوتا تو قریب تھا کہ معاملہ یاس وناامیدی کی حد کو پہنچ جاتا اور رشتہ امید شکستہ ہو جاتا۔ حمد ہے اس خداوند کی جس نے مجھ کو عین بلا میں عافیت عطا فرمائی اور ظلم وجفا میں عزت بخشی اور مشقت وتکلیف میں مجھ پر احسان کیا اور راحت ومصیبت میں شکر کی توفیق دی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے والوں' اولیائے کرام کے نقش قدم پر چلنے والوں' علماء وصلحا سے محبت رکھنے والوں میں داخل فرمایا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں انبیاء کرام پر اولاً اور ان کے متبعین پر ثانیاً۔)

مکتوب نمبر ۶ دفتر سوم حصہ ہشتم ص ۱۱۵ اپنے مخلص حق گزیں شیخ بدیع الدین کو قید خانہ سے لکھتے ہیں:

"الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی صحیفہ شریفہ کہ مصحوب شیخ فتح اللہ ارسال داشتہ بودند رسید از جفا وملامت خلق نوشتہ بودند آں خود جمال ایں طائفہ است وصیقل زنگار ایشان ست باعث قبض وکدورت چرا باشد واوائل حال کہ فقیر بایں قلعہ رسید محسوس مے شد کہ انوار ملامت خلق از بلاد وقریٰ در رنگ سحابہای نورانی پے در پے میرسند وکار را از حضیض باوج مے برند سالہا بہ تربیت جمالی قطع مراحل مے نمودند الحال بہ تربیت جلالی قطع مسافت نمایند ودر مقام صبر بلکہ در مقام رضا باشند وجمال وجلال را مساوی دانند' نوشتہ بودند کہ از وقت ظہور فتنہ نہ ذوق ماندہ است

Marfat.com

ونہ حال۔ باید کہ ذوق وحال مضاعف باشد کہ جفائے محبوب از وفائے او بیشتر لذت بخش ست چہ بلا شد کہ در رنگ عوام سخن کردہ اید و دور از محبت ذاتیہ رفتہ اید' برخلاف گزشتہ جلال را بیش وایلام را زیادہ از انعام تصور نمایند زیرا کہ در جمال وانعام مراد محبوب مشوب بمراد خودست ودر جلال و ایلام خالص مراد محبوب ست وخلاف مراد خودست اینجا وقت وحال ورای وقت وحال سابق ست شتان ما بینہما از زیارت حرمین شریفین نوشتہ بودند چہ مانع ست' حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔''

(الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ آپ کا صحیفہ شریفہ جو شیخ فتح اللہ کے ہمراہ بھیجا تھا' پہنچا۔ آپ نے جفا وملامت خلق کے بارے میں تحریر فرمایا تھا۔ یہ تو اس گروہ سالکین کا حسن اوران کے رنگ کے لئے صیقل ہے لہٰذا باعث دل تنگی وکدورت کیوں ہو۔ جب یہ فقیر اس قلعہ میں پہنچا تو اوائل حال ہی میں محسوس ہوتا تھا کہ ملامت خلق کے انوار شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے پہنچ رہے ہیں اور میرے معاملہ کو پستی سے بلندی کی طرف لئے جا رہے ہیں۔ برسوں تربیت جمالی سے میری منزلیں طے کرائی گئیں۔ اب تربیت جلالی سے قطع مسافت کرائی جا رہی ہے۔ لہٰذا آپ مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہیں اور جمال وجلال کو مساوی جانیں۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ جس وقت سے اس فتنہ کا ظہور ہوا ہے نہ ذوق باقی رہا ہے نہ حال حالانکہ ذوق وحال مضاعف ہونا چاہئے اس لئے کہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہے۔ یہ کیا مصیبت آئی کہ آپ نے عوام کے رنگ میں کلام کیا ہے اور محبت ذاتیہ سے دور چلے گئے ہیں۔ لہٰذا اب گزشتہ بات کے برخلاف جلال وایلام کو انعام سے زیادہ اور برتر تصور کریں اس لئے کہ جمال وانعام میں مراد محبوب کے ساتھ اپنی مراد کا بھی شائبہ ہوتا ہے اور جلال وایلام (تکلیف) میں اپنی مراد کے برخلاف صرف مراد محبوب ہوتی ہے۔ اس وقت جو کیف وحال ہے وہ پہلے کیف وحال سے ماوراء ہے۔ آپ نے زیارت حرمین شریفین کے بارے میں لکھا تھا تو اس میں کیا مانع ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔)

مکتوب نمبر ۷۵ دفتر دوم حصہ ہفتم ص ۷۱ میں اپنے خادم رفیع المکان میرزا مظفر خان کو لکھتے ہیں:

''درد ومحن وبلیات دنیویہ مردوستان را کفارت ست مرزلات ایشاں را ر بہ تضرع وزاری و بالتجا وانکسار عفو وعافیت از جناب قدس او تعالیٰ باید طلبید تا زمانے کہ اثر اجابت مفہوم شود و تسکین فتن معلوم گردد۔ ہر چند دوستان وخیر اندیشاں درہمیں کارند اما صاحب معاملہ احق بایں کابت دارد خوردن و پرہیز نمودن کار صاحب مرض ست' دیگران بیش از اعوان او نیستند در ازالہ مرض حقیقت معاملہ آن ست کہ ہر چہ از محبوب حقیقی برسد باکشادگی جبین وبا فراخی سینہ اورا بمنت قبول باید کرد بلکہ بآن متلذذ باید گشت رسوائی وبے ناموسی کہ مراد محبوب ست نزد محب بہتر از ناموس وننگ ونام ست کہ مراد نفس اوست۔ اگر ایں معنی در محب حاصل نگردد در

Marfat.com

محب ناقص ست بلکہ کاذب ۔

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں"

(درد و محن اور مصائب دنیویہ دوستوں کے لئے ان کی لغزشوں کا کفارہ ہیں۔ تضرع وزاری اور التجا و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں عفو و عافیت طلب کرنا چاہئے یہاں تک کہ قبولیت کے آثار پیدا ہوں اور فتنوں کی تسکین معلوم ہو اگرچہ میرے دوست اور خیر اندیش اسی کام میں مشغول ہیں لیکن صاحب معاملہ پر اس کام کا حق زیادہ ہے۔ دوا پینا اور پرہیز کرنا بیمار کا کام ہے۔ دوسرے لوگ ازالہ مرض میں اس کے مددگار ہونے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ حقیقت معاملہ یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی طرف سے جو (تکلیف) بھی پہنچے اس کو کشادہ روئی اور فراخ دلی کے ساتھ احسان مند ہو کر قبول کرنا چاہیے بلکہ اس سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ جو رسوائی و بے ناموسی محبوب کو مطلوب ہو وہ محبّ کے نزدیک اس ناموس اور ننگ و نام سے بہتر ہے جو اس کے نفس کو مطلوب ہو۔ اگر محبّ میں یہ بات پیدا نہ ہو تو وہ محبت میں ناقص بلکہ کاذب ہے۔ اگر سلطان دین مجھ سے طمع کا طالب ہے تو پھر قناعت کے سر پر خاک ہے۔)

مکتوب نمبر ۱۵ دفتر سوم حصہ ہشتم ص ۲۴ حضرت میر محمد نعمان کو قید خانہ سے لکھتے ہیں:

"سیادت پناہ اخوی میر محمد نعمان را معلوم بودہ باشد کہ مفہوم شد کہ ہر چند یاران خیر اندیش در تشبث اسباب خلاصی کوشیدند سودمند نیاء الخیر فیما صنع اللہ سبحانہ پارہ ازیں امر بمقتضای بشریت حزنے پیدا شد و در سینہ تنگی ظاہر گشت بعد از زمانے بفضل حق جل سلطانہ آن ہمہ حزن و تنگی سینہ بہ فرح و شرح صدر مبدل گشت و بہ یقین خاص دانست کہ اگر مراد ایں جماعت کہ در صدد آزارند موافق مراد حق ست جل سلطانہ پس کرہ و تنگی سینہ بے معنی ست و منافی دعوے محبت ست چہ ایلام محبوب در رنگ انعام او نیز محبوب و مرغوب محبّ ست۔ محبّ چنانکہ از انعام محبوب لذت میگیرد از ایلام او نیز ملتذ مے گردد بلکہ در ایلام او لذت بیشتر مے یابد کہ از شائبہ حظ نفس و مراد او مبراست و چون حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کہ جمیل مطلق ست آزار این کس خواستہ باشد ہر آئینہ این ارادہ و تعالیٰ نیز در نظر ایں کس لعنایت او سبحانہ و تعالیٰ جمیل ست بلکہ سبب التذاذ ست و چون مراد این جماعت موافق مراد حق ست سبحانہ و این مراد دریچہ ظہور آن مراد ست ہر آئینہ مراد اینہا نیز بنظر مستحسن و موجب التذاذ ست فعل شخصے کہ مظہر فعل محبوب بود فعل آن شخص نیز در رنگ فعل محبوب محبوب ست و آن شخص فاعل بعلاقہ این نظر نیز در نظر محبّ محبوب مے در آید عجب معاملہ است ہر چند جفا ازیں شخص بیشتر متصور بود در نظر محبّ زیباتر مے آید کہ نمائندگی صورت غضب محبوب بیشتر وارد۔ کار دیوانگان این راہ واژگونہ است۔ پس بدی آن

Marfat.com

شخص خواستن دبوی بد بودن منافی محبت محبوب بود کہ آن شخص بیش از مرآت فعل محبوب ہیچ نیست۔ جمعے کہ متصدی آزارند درنظر محبوب مے بود کہا یند نسبت بسائر خلائق۔ بیاران بگویند کہ تنگیہائے سینہ رادور سازند وبہ جماعتے کہ درصدر آزارند بدنباشند بلکہ ازفعل آنہا لذت گیرند۔ آرے چون بہ دعایا موریم وحضرت حق سبحانہ ورادعاء والتجا وتصرع وزاری خوش مے آید دعای دفع بلیہ مے نمایند وسوال عفودعافیت کنند وآن کہ مرآت صورت غضب گفتہ شدہ زیرا کہ حقیقت غضب نصیب اعداست بادوستان بصورت غضب ست وبحقیقت عین رحمت ست دردین صورت غضب چناں منافع محبت وودیعت نہادہ اندکہ چہ شرح دہد۔ ونیز درصورت غضب کہ بدوستان عطاے فرمایند خرابی جماعت منکران ست وباعث ابتلائے اینہا۔ ومعنی عبارات شیخ محی الدین عربی قدس سرہ معلوم نمودہ باشند کہ گفتہ ست عارف راہمت نیست یعنی ہمتے کہ قصد دفع بلیہ شوداز عارف مسلوب ست زیراکہ چون بلاہیہ راعارف ازمحبوب دارندومراد محبوب تصور نماید بدفع آن چہ نوع ہمت بندد ورفع آن چگونہ خواہد اگرچہ بصورت دعائے دفع برزبان آرواز جہت اثمتال امردعا امافی الحقیقت ہیچ نے خواہد دبانچہ میرسد مشذ ست والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔"

(سیادت پناہ اخوی میر محمد نعمان کو معلوم ہوا ہوگا کہ میرے خیر اندیش دوستوں نے ہر چند میری رہائی کے اسباب پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ جو کچھ خدا نے کیا وہی بہتر ہے۔ بمقتضائے بشریت مجھ کو بھی اس سے کچھ رنج ہوا اور دل میں کچھ تنگی ظاہر ہوئی لیکن تھوڑے ہی زمانے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ رنج اور دل تنگی فرحت وشرح صدر سے بدل گئی اور یقین خاص سے معلوم ہوا کہ اگر اس جماعت کی مراد جو میرے درپے آزار ہیں' اللہ جل سلطانہ کی مراد کے موافق ہے تو پھر اس پر ناپسندیدگی اور دل تنگی بے معنی اور دعویٰ محبت کے منافی ہے کیونکہ ایلام محبوب اس کے انعام ہی کی طرح محب کو محبوب ومرغوب ہوتا ہے۔ محبّ جس طرح محبوب کے انعام میں لذت پاتا ہے اس کے ایلام میں بھی مزہ پاتا ہے بلکہ اس کے ایلام میں زیادہ لذت پاتا ہے کیونکہ یہ صورت حظ نفس کے شائبہ سے خالی اور مراد نفس سے پاک ہوتی ہے اور جب حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ جو جمیل مطلق ہے اس شخص کو تکلیف ہی میں رکھنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی بعنایت الٰہی اس شخص کی نظر میں جمیل ہے بلکہ لطف اندوز ہونے کا سبب ہے اور چونکہ اس جماعت کی مراد حق سبحانہ کی مراد کے موافق ہے بلکہ ان کی مراد اللہ تعالیٰ کی مراد ظاہر ہونے کا دروازہ ہے اس لئے اس جماعت کی مراد بھی یقیناً اس کی نظر میں مستحسن اور باعث لذت ہے۔ جس شخص کا فعل محبوب کے فعل کا مظہر ہو تو اس شخص کا فعل بھی محبوب ہی کے فعل کی طرح محبوب ہوتا ہے اور اس فعل کا کرنے والا بھی اس علاقہ کی وجہ سے محبت کی نظر میں محبوب ہوتا ہے۔ اس شخص سے جس قدر جفا زیادہ ہوتی ہے' اسی قدر محبّ کی نظر میں حسین معلوم ہوتا ہے

Marfat.com

کیونکہ غضب محبوب کی صورت میں نمائندگی اس میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس راہ کے دیوانوں کا معاملہ ہی جداگانہ ہے۔ لہٰذا اس شخص کی برائی چاہنا اور اس سے بددل ہونا محبت محبوب کے منافی ہے کیونکہ یہ شخص صرف محبوبؔ کے فعل کا آئینہ ہے اور بس اس لئے جو لوگ درپے آزار ہیں وہ دوسروں سے زیادہ محبوب نظر آنا چاہئیں۔ آپ دوستوں سے کہہ دیں کہ وہ دل کی تنگی دور کریں اور جو لوگ درپے آزار ہیں ان کی طرف سے بددل نہ ہوں بلکہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں۔ ہاں چونکہ ہم کو دعا کرنے کا حکم ہے اور حضرت حق سبحانہ کو دعاؤ التجا اور تضرع وزاری پسند ہے اس لئے رفع مصائب کی دعا کریں اور عفو و عافیت کی درخواست کریں اور جو میں نے (جور و جفا کو) صورت غضب کا آئینہ کہا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ حقیقت غضب دشمنوں کا حصہ ہے۔ دوستوں کے لئے صورتاً غضب ہے اور حقیقتاً عین رحمت۔ اس صورت غضب میں محبّ کے لئے اتنے منافع ودیعت رکھے گئے ہیں کہ اس کی شرح کیا بیان کی جائے۔ نیز صورت غضب میں جو دوستوں کو عطا ہوتی ہے منکروں کی بربادی ہے اور وہ ان کی ابتلاء کا باعث ہے اور شیخ محی الدین عربی قدس سرہ کی عبارت کا مطلب آپ کو معلوم ہوگا کہ عارف میں ہمت نہیں ہوتی یعنی وہ ہمت جو مصیبت دفع کرنے کا قصد کرے' عارف سے مسلوب ہے کیونکہ جب عارف مصیبت کو محبوب کی طرف سے سمجھے گا اور مراد محبوب تصور کرے گا تو اس کو دفع کرنے کی کس طرح ہمت باندھے گا اور اس کو دور کرنے کی کس طرح خواہش کرے گا اگرچہ صورتاً اس کے دور ہونے کی دعا زبان سے کرے گا محض حکم دعا کی تعمیل کے لئے لیکن حقیقتاً وہ کچھ نہیں چاہتا۔ جو مصیبت اس کو پہنچتی ہے اس سے لذت حاصل کرتا ہے والسلام علی من ابتع الھدیٰ۔

ان مکتوبات قدسیہ کو دیکھو حق تعالیٰ کے ساتھ کیسا صحیح تعلق تھا اور کیسی بے مثال محبت تھی کہ ایسی تکالیف میں بھی اس کی طرف سے نظر نہ ہٹی اور چونکہ وہ تکالیف محبوب کی طرف سے تھیں لہٰذا ان میں کیسی لذت مل رہی ہے۔ کیوں نہ ہو نص قرآنی ہے۔ والذین اٰمنوا اشد حباً للہ۔

اس آخری خط میں جواب ہے ان جذبات کا جو حضرت امیر محمد نعمان اور دوسرے خدام عالی مقام کے دل میں پیدا ہو رہے تھے کہ ہمت باطنی کے ساتھ بددعا کر کے موذیوں کو برباد کر دیا جائے اور یہ چیز ان حضرات کے لئے کچھ مشکل نہ تھی جن کے حق میں ارشاد نبوی ہے کہ لو اقسم علی اللہ لا برہ وہ چاہتے تو سلطنت تہ و بالا ہو جاتی۔ ونعم ماقال العارف الشیرازی فی امثالھم۔

گرو ہے عملدار غزلت نشین! قدمہائے خاکی دم آتشیں
بیک نالہ ملکے بہم برکنند بیک نعرہ کوہے زجا برکنند
قوی بازو دانند کوتاہ دست خرد مند دیوانہ ہشیار مست

حضرت امام ربانی نے ان جذبات کو ٹھنڈا کر دیا اور بجائے ان انتقامی جذبات کے ان موذیوں کے لئے

Marfat.com

دعائے خیر کے جذبات دلوں میں بھر دیئے۔

آن کشتہ ہیچ حق محبت ادا نکرد　　کز بہر دست و باوئے قاتل دعا نکرد

مکتوب نمبر ۲۹ دفتر دوم حصہ ششم ص ۶۷ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو قید خانے سے لکھتے ہیں:

''الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ مخدوما مکرما در ورود مصائب ہر چند تحمل اذی است اما امید کرامتہا است بہترین امتعہ این نشاۃ حزن و اندوہ ست و گوارا ترین نعم ایں مائدہ الم و مصیبت ایں شکر پارہا را ہداروی تلخ غلاف رقیق فرمودہ اند وبایں حیلہ راہ ابتلاء انمودہ۔ سعادتمندان نظر بر حلاوت آنہا انداختہ آن تلخی را در رنگ شکرے خایند و مرارت را بر عکس صفرای شیریں مے یابند۔ چرا شیریں نیابند کہ افعال محبوب ہمہ شیریں اند علتی مگر آں را تلخ یابد کہ بما سوی گرفتار ست۔ دولتمندان در ایلام محبوب آں قدر حلاوت و لذت مے یابند کہ در انعام او متصور نباشد ہر چند کہ ہر دو از محبوب اند لیکن در ایلام نفس محبؔ را مد خلے نیست و در انعام قیام بمراد نفس ست۔ ع

هنيئاً لارباب النّعيم نعيمها

اللهم لا تحرمنا اجرهم ولا تفتنا بعدهم

وجود شریف ایشان دریں غربت اسلام اہل اسلام را مغتنم ست۔ سلمکم اللہ سبحانہ وابقاکم۔ والسلام۔''

(الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ تمام تعریفیں ہیں اللہ کے لئے اور صلوٰۃ وسلام ہے خدا کے برگزیدہ بندوں پر مخدوما مکرما! تکلیف ومصیبت میں اگرچہ مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں لیکن خدا کی عنایتوں اور مہربانیوں کی امید ہوتی ہے۔ اس دنیا کا بہترین ساز وسامان رنج وغم ہے اور اس دستر خوان کی بہترین نعمت تکلیف ومصیبت ہے۔ ان شکر پاروں پر تلخ دوا کا رقیق غلاف لپیٹ دیا گیا ہے اور اس تدبیر سے امتحان وآزمائش کا راستہ کھولا گیا ہے۔ جو لوگ سعادت مند ہیں وہ اس کی شیرینی پر نظر رکھتے ہیں اور اس تلخی کو شیرینی کی طرح تناول کرتے ہیں اور ان کو صفراوی کے برعکس یہ تلخ شیریں معلوم ہوتا ہے اور شیریں کیوں نہ معلوم ہو جبکہ محبوب کا ہر فعل شیریں ہوتا ہے۔ ہاں بیمار کو وہ تلخ معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ ماسوا اللہ کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ قسمت والوں کو ایلام میں جو حلاوت ولذت ملتی ہے انعام میں اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ دونوں ہی محبوب کی جانب سے ہیں لیکن ایلام میں محبؔ کی خواہش نفس کا کچھ دخل نہیں ہوتا مگر انعام میں خواہش نفس کا بھی دخل ہے اس لئے نعمتیں اصحاب نعمت ہی کو مبارک ہوں۔ اے اللہ! تو ہم کو اپنے چاہنے والوں کے اجر سے محروم نہ کرنا اور ان کے بعد ہم کو آزمائش میں نہ ڈالنا۔ جناب کا وجود مبارک اس غربت اسلام کے زمانہ میں مسلمانوں کے لئے مغتنمات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت وباقی رکھے۔ والسلام۔)

Marfat.com

غالباً شیخ نے اس مصیبت میں ہمدردی کا خط بھیجا ہوگا۔ یہ اسی کا جواب ہے۔

مکتوب نمبر ۲ دفتر سوم حصہ ہشتم نمرے صاحبزدگان عالی شان حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم کو قید خانہ سے لکھتے ہیں:

"الحمد لله رب العالمين في السراء والضراء وفي اليسر والعسر وفي النعمته والنقمته وفي الرحمته والرحمته وفي الشدة والرخاء وفي العطيته والبلاء والصلوٰة والسلام على من ماأوذي نبي مثل ايذائه وما ابتلي رسول نحو ابتلائه لهٰذا صار رحمته اللعالمين و سيد الاولين والاٰخرين ۔ فرزندان گرامی وقت ابتلاء ہر چند تلخ و بے مزہ ست اما اگر فرصت و ہند مغتنم ست۔ درین وقت چون شمارا فرصت دادہ اند حمد خدا جل شانہ بجا آوردہ متوجہ کار خود باشند و یک لحہ ولحظہ فراغت برخود تجویز نکنند و یکے از سہ چیز باید کہ خالی ازاں نباشند تلاوت قرآن مجید وادائے نماز بطول قرأت وتکرار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ باید کہ بکلمہ لانفی الہ ہوائے نفس خود نمایند و دفع مقاصد و مرادات خویش کنند۔ مراد خود طلبیدن دعویٰ الوہیت خود کردن ست باید کہ ہیچ مرادے را در ساخت سینہ گنجائش نبود و ہیچ ہوسے در متخیلہ نماند تا حقیقت بندگی محقق شود مراد خود خواستن مستلزم دفع مراد مولای خود است و معارضہ کردن ست بصاحب خود ایں معنی مستلزم نفی مولائی خدا است و اثبات مولویت خود۔ قبح ایں امر رانیک دریافتہ نفی دعویٰ الوہیت خود نمایند تا زمانے کہ از ہواہا و ہوسہا بتمام پاک نگردند و جز مراد مولی مرادے نداشتہ باشند۔ این معنی بعنایتہ اللہ سبحانہ امید ست کہ در ایام بلا در اوقات ابتلا بسہولت میسر گردد و در غیر این ایام این ہواہا و ہوسہا سدہای سکندریہ ست در گوشہ ہا خزیدہ بایں امر مشتغل باشند کہ فرصت مغتنم ست دور زمان فتن اندک را بہ بسیار قبول می نمایند و در غیر زمان فتن ریاضات و مجاہدات شاقہ درکارست خبر شرط ست ملاقات واقع شود یا نہ۔ نصیحت ہمیں ست کہ مرادے و ہوسے نماند۔ والدہ خود را نیز بایں معنی مطلع سازند و دلالت نمایند باقی احوال ایں نشاۃ چوں گزرندہ ست چہ در معرض بیان آرد۔ برخوردان شفقت داریدبخو اندن ترغیب نمائید و اہل حقوق رانا توانید از ماراضی سازید و بدعای سلامتی ایمان ممد و معاون باشید مکرر و موکد نوشتہ ے شود این وقت را باموری لاطائل صرف نکنند و بغیر ذکر الٰہی جل شانہ باید کہ بہ ہیچ چیز نہ پردازند اگرچہ مطالعہ کتب و تکرار طلبہ بود۔ وقت ذکر است۔ ہواہای نفسانی را کہ آلہہ باطلہ اند در تحت لا آرند تا تمام منتفی شوند و ہیچ مرادے و مقصودے در سینہ نماند حتیٰ کہ خلاصی من کہ بالفعل از اہم مقاصد شما است نیز باید کہ مراد شما نباشد و بہ تقدیر و فعل و ارادہ او تعالیٰ راضی باشند و در جانب اثبات کلمہ طیبہ غیر از غیب ہویت کہ ورای و ورای معلومات و متخیلات ست ہیچ نباشد، غم حویلی و سرا و چاہ و باغ و کتب و اشیای دیگر خود سہل است باید کہ ہیچ چیز مزاحم وقت شما نشود و غیر از مرضیات حق جل و علا مراد

ومرضی شما ئیا شد اگر ما ے مردیم ایں ہمہ اشیاء میرفت گودر حیات مارفتہ باشد ہیچ فکر نکنند۔ اولیاء ایں امور را باختیار خود گزاشتہ اند باختیار او تعالیٰ ایں امور را بگزاریم وشکر بجا آریم وامیدست کہ از مخلصان باشیم بفتح لام جائیکہ نشستہ اند ہمان راوطن انکار مذحیات چندروزہ ہر جا کہ گذرد باید کہ بیاد حق جل شانہ گزر و معاملہ دنیا سہل است متوجہ آخرت باشند والدہ خود را تسلی بدہند و ترغیب آخرت نمایند۔ ماند ملاقات یکدیگر اگر حق سبحانہ وتعالیٰ خواستہ باشد میسر خواہد شد والا بتقدیر او تعالیٰ راضی باشند و دعا کنند کہ در دارالسلام جمع گردیم وتلافی ملاقات دنیا را بکرم او تعالیٰ در آخرت حوالہ نمائیم الحمدللہ علیٰ کل حال۔''

(حمد ہے اللہ تعالیٰ کی جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے' راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی' فراخی میں بھی اور تنگی میں بھی' آرام میں بھی اور تکلیف میں بھی' رحم میں بھی اور زحمت میں بھی' سختی میں بھی اور نرمی میں بھی' عافیت میں بھی اور آزمائش میں بھی اور صلوٰۃ وسلام ہے اس ذات مقدس پر جس کے برابر کسی نبی کو ایذا نہیں پہنچائی گئی اور جس کے مثل کسی رسول کی آزمائش نہیں ہوئی اس لئے وہ ذات مبارک رحمتہ اللعالمین اور سید الاولین والآخرین ہوئی۔ فرزندان گرامی! ابتلا وآزمائش اگرچہ تلخ و بے مزہ ہے لیکن اگر خدا کی طرف سے اس کا موقع ملے تو بہت غنیمت ہے۔ اس وقت چونکہ خدا نے تم کو فرصت دی ہے اس لئے اس کا شکر بجا لاؤ اور اپنے کام میں متوجہ رہو اور ایک لمحہ ولحظہ اپنے لئے فراغت جائز نہ سمجھو اور تین باتوں سے خالی نہ رہو۔ قرآن مجید کی تلاوت' طول قرات کے ساتھ نماز اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی تکرار۔ حرف لا سے ہوائے نفس کے معبودوں کی نفی کرنا چاہئے اور اپنے مقاصد ومطالب کو رفع کرنا چاہیے۔ اپنی مراد کا طلب کرنا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے۔ سینے میں اپنی کسی مراد کی گنجائش نہ رہنا چاہیے اور قوت خیالیہ میں کوئی ہوس باقی نہ رہنا چاہیے تاکہ بندگی کی حقیقت حاصل ہو۔ اپنی مراد طلب کرنا اپنے مولا کی مراد دفع کرنا ہے اور اپنے مالک سے معاوضہ ومقابلہ کرنا جس کا مطلب خدا کی آقائی کی نفی اور اپنے آقا ومولا ہونے کا اثبات ہے' اس بات کی قباحت کو اچھی طرح سمجھ کر اپنے دعویٰ الوہیت کی نفی کرو اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھو جب تک ہر قسم کی ہوا وہوس سے بالکل پاک نہ ہو جاؤ اور سوائے مراد مولا کے کوئی مراد باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے امید ہے کہ یہ بات ایام مصائب اور اوقات آزمائش میں بآسانی حاصل ہوگی۔ دوسرے زمانہ میں یہ ہوا وہوس سد سکندری ہے (جس کو عبور کرنا دشوار ہے) لہٰذا گوشہ نشین ہو کر اس کام میں مشغول ہو جاؤ کیونکہ یہ فرصت کا موقع غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ فتنہ کے وقت زیادہ عمل کی جگہ تھوڑا عمل قبول فرماتا ہے۔ فتنہ کا زمانہ نہ ہو تو سخت ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ حقیقت سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ ملاقات ہو یا نہ ہو' نصیحت یہی ہے کہ کوئی مراد اور کوئی خواہش باقی نہ

Marfat.com

رہے۔ اپنی والدہ کو بھی اس بات سے آگاہ و باخبر کردیں۔ باقی اس زندگانی کے احوال چونکہ گزر جانے والے ہیں' اس لئے کیا بیان کیے جائیں۔ چھوٹوں پر شفقت رکھنا اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دیتے رہنا۔ جن لوگوں کے حقوق مجھ پر ہیں جہاں تک ہو سکے ان کو میری جانب سے راضی رکھنا اور سلامتی ایمان کی دعا میں میرے مددگار و معاون رہنا۔ بتاکید' مکرر تحریر کیا جاتا ہے کہ یہ وقت لاحاصل باتوں میں ضائع نہ کرنا اور سوائے ذکر الٰہی کے اور کسی بات میں مشغول نہ ہونا چاہیے وہ کتابوں کا مطالعہ اور طلبہ سے مذاکرہ ہی کیوں نہ ہو' یہ وقت ذکر کا ہے۔ خواہشات نفسانی کو جو معبودان باطل ہیں' لا کے تحت لاؤ تاکہ سب منتفی ہو جائیں اور دل میں کوئی مقصود اور کوئی مراد باقی نہ رہے حتیٰ کہ میری رہائی جو اس وقت تمہارا مقصد اہم ہے وہ بھی تمہاری مراد نہ رہے اور اللہ کی تقدیر اور اس کے فعل و ارادہ پر راضی رہو اور کلمہ طیبہ کے جزو اثباتی میں سوائے ذات غیب الغیب کے جو تمام معلومات و خیالات سے وراء الوراء ہے۔ تمہارا کچھ مقصود نہ ہو۔ حویلی اور سرائے' چاہ اور باغ' کتابوں اور اشیائے دیگر کی فکر تو سہل ہے۔ ان میں سے کوئی چیز تمہارے وقت عزیز میں مزاحم نہ ہو اور بجز مرضیات حق کے تمہاری کوئی مراد و مرضی نہ ہو۔ اگر ہم مرجاتے تو یہ چیزیں بھی نہ رہتیں اس لئے اگر ہماری زندگی ہی میں نہ رہیں تو تم فکر نہ کرو۔ اولیاء اللہ نے ان چیزوں کو اپنے اختیار و ارادہ سے ترک کیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اختیار سے ترک کردیں۔ امید ہے کہ پھر ہم مخلصین میں سے ہوں گے۔ جس جگہ بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن سمجھو۔ چند روزہ زندگی جہاں گزرے یاد حق میں گزرے' دنیا کا معاملہ آسان ہے آخرت کی طرف متوجہ ہو۔ اپنی والدہ کو تسلی دیتے رہو اور ان کو بھی آخرت کی طرف متوجہ رکھو۔ باقی رہی ملاقات تو اگر خدا کو منظور ہے تو ایک دوسرے کی ملاقات ہوگی۔ ورنہ تقدیر الٰہی پر راضی رہو اور دعا کرو کہ دارالسلام (جنت) میں اکٹھا ہوں۔ ملاقات دنیا کی تلافی اللہ تعالیٰ کے کرم سے ملاقات آخرت کے حوالے کرتے ہیں۔ الحمدللہ علی کل حال۔)

مکتوب نمبر ۸۳ دفتر سوم حصہ نہم ص ۲۲ میں صاحبزادگان عالی شان کو لشکر شاہی سے بحال نظر بندی لکھتے ہیں:

''فرزندان گرامی: بہ جمعیت باشند مردم ہمہ وقت محنت ہائے ما را در نظرے دارند و مخلصے ازیں مضیق مے طلبند۔ نمید انند کہ در نامرادی و بے اختیاری و ناکامی چہ بلا حسن و جمال ست و کدام نعمت برابر آن ست کہ این کس را بے اختیار از اختیار او برآرند و باختیار خود اورا زندگانی دہند و امور اختیاری او را نیز تابع آن بے اختیاری او ساختہ او را از دائرہ اختیار او برآرند و کاملیت بین یدی الغسال سازند در ایام حبس گاہے کہ مطالعہ ناکامی و بے اختیاری خود مے نمودم عجب حظ میگرفتم و طرفہ ذوق مے یافتم۔ بلے ارباب فراغت ذوق ارباب بلا را چہ دریابند و از جمال بلائے او چہ درک نمایند۔ طفلان را حظ منحصر او را شیرینی ست و آنکہ از تلخی حظ فرا گرفتہ ست شیرینی را بجوئے

Marfat.com

نے خرد ؏ مرغ آتش خوارہ کے لذت شناسد دانہ را

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔"

(فرزندان گرامی! خاطر جمع رہو۔ لوگ ہر قت ہماری تکلیفوں پر نظر رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی چاہتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ "نامرادی" بے اختیاری اور ناکامی میں کس غضب کا حسن و جمال ہے۔ اس کے برابر کون سی نعمت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو بے اختیار کر کے خود اس کے ارادے اور اختیار سے باہر نکال لے اور اپنے ارادے کے مطابق زندگی بخشے حتیٰ کہ اس کے امور اختیاریہ کو بھی اس بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کو اپنے ارادے اور اختیار سے بالکل دستبردار کر دیا جائے اور اس کو مردہ بدستِ زندہ بنا دیا جائے۔ قید کے زمانہ میں جب اپنی ناکامی و بے اختیاری کو دیکھتا تھا تو عجب لطف اٹھاتا تھا اور انوکھا مزہ پاتا تھا لیکن فراغت والے مصیبت والوں کی لذت کیا جانیں اور اس کی مصیبتوں کے حسن کا کیا اندازہ کریں۔ بچوں کو تو صرف شیرینی میں مزہ ملتا ہے لیکن جس کو تلخی میں لذت ملی وہ شیرینی کو ایک جو میں بھی نہیں خریدتا۔ مرغ آتش خور دانہ کی لذت کیا جانیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ۔)

یہ تو حضرت امام کے ظاہری حالات و کمالات کا ناتمام بیان تھا۔ اب آپ کے باطنی اور اصلی کمالات کے متعلق چند کلمات عرض کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ اس چیز کو کماحقہ ارباب بصر بھی بیان نہیں کر سکتے چہ جائیکہ ایک بے بصر و بے بصیرت ۔

سراپا ظاہر ہرش نورست و جان است ۔ مپرس از باطنش کان بے نشان ست

حضرت کے کچھ باطنی کمالات

بہت دیر تک قلم ہاتھ سے رکھ کر سوچتا رہا کہ اس عنوان کے تحت میں کیا لکھوں مگر سمجھ میں نہ آیا۔ اگر حضرت کے مکاشفات (کونیہ نہیں بلکہ مکاشفات الٰہیہ) بیان کئے جائیں یا آپ کے خوارق عادات یعنی کرامات کا ذکر کیا جائے تو گو ان چیزوں کی کمی نہیں مگر حضرت امام ان چیزوں کو کمالات اصلیہ میں نہیں سمجھتے۔ اگر آپ کے تصرفات اور کثرت ارشاد کو لکھا جائے تو بھی حضرت امام کے نزدیک وہ اصلی کمال سے بہت نیچے کی چیز ہے۔

مکتوب نمبر ۶ دفتر دوم حصہ ششم ص ۲۲ میں اپنے فرزند رشید اور خلیفہ راشد عروۃ الوثقیٰ مجدد الدین خواجہ محمد معصوم کو لکھتے ہیں:

"انگارم کہ مقصود از آفرینش من آن ست کہ ولایت محمدی بولایت ابراہیمی علیہما الصلوٰۃ والتحیات منصبغ گردد حسن ملاحت ایں ولایت باجمال صباحت آن ولایت ممتزج شود ورد فی الحدیث "اخی یوسف اصبح وانا املح" بایں انصباغ وامتزاج مقام محبوبیت محمدیہ بدرجہ علیا رسد مانا کہ مقصود

از امر باتباع ملت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام محصول ایں دولت عظمیٰ بودہ ست وطلب صلوٰۃ و برکات مماثل صلوٰت [17] وبرکات حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام از برائے ایں غرض بودہ (پھر بفاصلہ چند سطور) وانچہ مقصود در آفرینش خود مے دانستم معلوم شد کہ بحصول پیوست ومسئول ہزار سالہ باجابت قرین گشت الحمدللہ الذی جعلنی [18] صلتۃ بین البحرین ومصلحاً بین الفقیتن اکمل الحمد علیٰ کل حال والصلوٰۃ والسلام علےٰ خیر الانام وعلیٰ اخوانہ الکرام من الانبیاء والملائکتہ العظام (پھر بفاصلہ چند سطور) اے فرزند! باوجود این معاملہ کی بخلقت من مربوط بودہ ست کارخانہ دیگر عظیم بمن فرمودہ اند۔ برائے پیری ومریدی مرانیاوردہ اند ومقصود از خلقت من تکمیل وارشاد خلق نیست معاملہ دیگرست وکارخانہ دیگر دریں ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض خواہد گرفت والا لا۔ معاملہ تکمیل وارشاد نسبت بآن کارخانہ امرے ست ہمچوں مطروح فے الطریق' دعوت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نسبت بمعاملات باطنیہ ایشان ہمیں حکم دارد۔ ہر چند منصب نبوت ختم یافتہ ست اما از کمالات نبوت وخصائص آن بطریق تبعیت ووراثت کمل تابعان انبیاء رانصیب ست۔"

(میں خیال کرتا ہوں کہ میری پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ولایت محمدی ولایت ابراہیمی کے رنگ میں رنگین ہو اور ولایت محمدی کا حسن ملاحت ولایت ابراہیمی کے حسن صباحت سے آمیز ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ "میرے بھائی یوسف میں صباحت زیادہ ہے اور مجھ میں ملاحت زیادہ ہے۔" اس رنگینی و آمیختگی سے محبوبیت محمدیہ کا مقام اپنے درجہ علیا تک پہنچ جائے۔ شاید ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم اسی نعمت عظمیٰ کو حاصل کرنے کے لئے دیا گیا ہو اور (درود شریف میں) آنحضرت ﷺ کے لئے ان صلوات و برکات کی درخواست جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ و برکات کے مانند ہوں' اسی غرض سے ہو (چند سطروں کے بعد) میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھتا تھا معلوم ہوا کہ وہ حاصل ہو گیا اور ہزار سالہ درخواست قبول ہو گئی۔ کامل ترین تعریفیں ہیں اللہ کے لئے ہر حال میں جس نے مجھ کو دو سمندروں کا ملانے والا بنایا اور دو جماعتوں میں صلح کرانے والا۔ اور صلوٰۃ وسلام ہو بہترین خلائق پر اور ان کے اخوان کرام یعنی انبیاء ملائکہ عظام پر (چند سطروں کے بعد) فرزند من! باوجود اس بات کے جو میری پیدائش سے مربوط ہے ایک دوسرا عظیم الشان کارخانہ میرے حوالے کیا گیا ہے۔ مجھ کو پیری و مریدی کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ میری پیدائش کا مقصد تکمیل وارشاد خلق نہیں ہے بلکہ دوسرا معاملہ اور دوسرا کارخانہ ہے۔ اس ضمن میں جس شخص کو مناسبت ہو گی فیض حاصل ہو گا۔ ورنہ نہیں۔ اس کارخانہ عظیم کے مقابلہ میں تکمیل وارشاد کا معاملہ راہ کی گری پڑی چیزوں کے مانند ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت ان کے معاملات باطنی کے مقابلہ میں یہی حکم رکھتی ہے۔ ہر چند

Marfat.com

کہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن انبیاء کے متبعین کاملین کو بطور تبعیت و وراثت کمالات و خصائص نبوت سے حصہ ملتا ہے۔)

ان حالات کے ہوتے ہوئے کس کی ہمت ہے کہ لب کشائی کی جرأت کرے۔ لہٰذا سوا اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ حضرت امام ربانی کے مرشد کامل حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ نے اور ان کے بعد دوسرے اکابر نے جو کچھ آپ کے شان میں فرمایا ہے اس کے نقل کر دینے پر قناعت کی جائے:

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مکتوبات کتاب ''کلمات طیبات'' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی میں درج ہیں۔ جس زمانے میں حضرت امام ربانی ان کی خدمت میں داخل سلسلہ ہوئے اپنے ایک مخلص کو لکھتے ہیں:

''شیخ احمد نام مردے ست از سرہند کثیر العلم قوی العمل روزے چند با فقیر نشست و برخاست کردہ بسیار عجائب از روزگار واقعات او مشاہدہ نمود بآن مانند کہ چراغ شود کہ عالمہا از ان روشن گردد والحمدللہ۔ احوال کاملہ او مرا بہ یقین پیوستہ و ایں شیخ مشار الیہ برادران و اقربا دارد ہمہ مردم صالح و از طبقہ علماء اند چندے را دعاء گو ملازمت کردہ از جواہر علویہ دانستہ استعداد ہای عجیب دارند فرزندان آن شیخ کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند بالجملہ شجرہ طیبہ اند انبتھا اللہ نباتا حسنا وفقرائے باب اللہ اند۔''

(شیخ احمد نام کے ایک شخص ہیں جو سرہند کے رہنے والے ہیں۔ کثیر العلم وقوی العمل چند روز اس فقیر کی صحبت میں رہے اور ان میں عجیب حالات و کمالات مشاہدہ ہوئے جیسے ایک چراغ ہے جس سے سارا عالم روشن ہو گیا۔ الحمدللہ ان کے حالات کاملہ پر مجھ کو یقین ہے۔ شخص مذکورہ کے کئی بھائی اور رشتہ دار ہیں۔ سب مردان صالح اور طبقہ علماء سے ہیں۔ ان لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو میں نے اپنی صحبت میں رکھا تو ان کو جواہرات علویہ پایا۔ یہ لوگ عجیب استعداد رکھتے ہیں۔ شیخ مذکور کے صاحبزادے جو ابھی کمسن بچے ہیں اسرار خداوندی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ شجرہ طیبہ ہیں جس کو اللہ نے پیدا کیا اور بہترین روئیدگی عطا فرمائی۔ یہ لوگ خدا کے در کے فقرا ہیں۔)

نیز حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے:

''شیخ احمد آفتابے ست کہ مثل ما ہزاراں ستارہا در سایہ او گم اند مثل ایشاں دریں وقت زیر فلک نیست و مثل ایشاں چند کس دریں امت گزشتہ اند و ایشان دریں وقت از کمل محبوبان اند۔''

(شیخ احمد وہ آفتاب ہیں جس کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔ اس وقت ان جیسا اس آسمان کے نیچے کوئی نہیں اور اس امت میں ان جیسے لوگ بہت کم گزرے ہیں۔ وہ اس زمانہ میں کاملین محبوب الٰہی میں سے ہیں۔)

مجدد مأۃ ثالث عشر حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے مکاتیب شریفہ مطبوعہ مدراس کے ص ۱۴۱ میں ہے:

Marfat.com

''امام ربانی مجدد الف ثانی صاحب الطریقۃ حضرت شیخ احمد فاروقی رضی اللہ عنہ طریقہ چشتیہ از پدر بزرگوار خود گرفتہ اند و از ارواح طیبہ ایں سلسلہ علیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم فیضہا و اجازت و خلافت یافتہ و در خوردی بار منظور نظر عنایت حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہ بودند و خرقہ متبرک حضرت شاہ کمال از دست شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہما حضرت شاہ کمال بالباس آن ایشان را تاکیدات فرمودہ پوشیند ند و از ارواح مقدسہ اکابر خاندان قادریہ و روح پرفتوح حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ فیوض و برکات و اجازت و خلافت فائز شدہ و اجازت طریقہ کبرویہ از مولانا یعقوب صرفی کہ در خطہ کشمیر کمالات ایشاں مشہور است دارند۔ اما نسبت حضرات خواجگان نقشبندی قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کہ از خواجہ آفاق حضرت خواجہ باقی باللہ یافتہ اند۔ حضرت ایشاں غالب ست و ذکر و شغل و وضع و آداب ہمیں طریقہ معمول دارند پس تحریر چار شجرہ ضرورست برائے تبرک و تیمن تا موجب برکت متوسلان این سلسلہ شود و باوجود اخذ و کسب فیوض ہر چہار خاندان عالی شان از جناب الٰہی بمواہب جلیلہ و عطایائے نبیلہ سرفراز شدہ اند کہ عقل در ادراک آن کمالات و حالات حیران است۔ حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ در بارۂ حضرت ایشان فرمودہ اند کہ ہم چوں ایشان زیر فلک نیست و درین است مثل ایشان چند کس معلوم مے شود و معلومات و مکشوفات ایشان ہمہ صحیح و قابل ان ست کہ بنظر انبیا علیہم الصلوٰات والتسلیمات در اید و از مکاتیب شریفہ حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ العزیز کمال حضرت ایشان معلوم مے شود ملا بدرالدین در حضرات القدس و محمد ہاشم کشمی در برکات احمدیہ و محمد احسان در روضہ القیومیہ و دیگر عزیزان مقامات و طاعات و عبادات حضرت ایشاں مفصل تحریر نمودہ اند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بعد تحریر مناقب حضرت ایشان نوشتہ اند لایحبہ الا مومن تقی و لا یبغضہ الامنافق شقی۔''

(صاحب الطریقہ' امام ربانی' مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقیؒ نے طریقہ چشتیہ اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا اور اس سلسلہ عالیہ کی بزرگوں کی ارواح طیبہ سے فیوض حاصل کئے اور اجازت وخلافت پائی۔ بچپن ہی میں حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہ کی ان پر نظر عنایت تھی چنانچہ انہوں نے حضرت شاہ کمال قادری کا خرقہ تبرک حضرت شاہ سکندرؒ کے دست مبارک سے پہنا جس کے پہنانے کی تاکید حضرت شاہ کمال نے شاہ سکندر کو فرمائی تھی۔ حضرت امام ربانی کو اکابر خاندان قادریہ کی ارواح طیبہ اور حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح مبارک سے فیوض و برکات اور اجازت وخلافت حاصل ہوئی اور طریقہ کبرویہ کی اجازت مولانا یعقوب علی صرفی سے حاصل ہوئی جن کے کمالات خطہ کشمیر میں مشہور ہیں لیکن حضرت امام ربانی پر خواجگان نقشبندیہ کی نسبت' جو ان کو خواجہ آفاق حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے حاصل ہوئی تھی' تمام نسبتوں سے زیادہ غالب ہے اور اسی طریقہ کے مطابق ذکر و شغل' آداب و وضع آپ کا معمول

تھا اس لئے آپ کے سلسلہ تبرک اور تیمن کے لئے چاروں شجروں کا تحریر کرنا ضروری ہے تا کہ اس سلسلہ (مجددیہ) کے متوسلین کے لئے باعث برکت ہو۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے باوجودیکہ چاروں سلسلوں سے کسب فیض کیا ہے لیکن بارگاہ الٰہی سے (بلاواسطہ) وہ عظیم الشان نعمتیں اور جلیل القدر برکتیں عطا ہوئیں کہ عقل ان کمالات وحالات کے ادراک میں متحیر ہے۔ حضرت خواجہؒ باقی باللہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان جیسا بزرگ (اس زمانہ میں) زیر آسمان نہیں ہے اور اس امت میں ان کے جیسے لوگ کم معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے معلومات و مکشوفات سب صحیح ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ حق بین کے لائق ہیں۔ حضرت امام ربانیؒ کے کمالات کا حال حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ العزیز کے مکاتیب شریفہ سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت کے مقامات، طاعات اور عبادات کو ملا بدر الدین نے "حضرات القدس" میں، محمد ہاشم کشمی نے "برکات احمدیہ" میں، محمد احسان نے "روضۃ القیومیہ" میں نیز دوسرے لوگوں نے مفصل تحریر کیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان کے مناقب تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان سے وہی محبت رکھے گا جو مومن تقی ہو اور وہی بغض رکھے گا جو منافق شقی ہو۔)

حضرتؒ کی مجددیت

حضرت کا مجدد الف ہونا بھی ایک بڑی چیز ہے آپ سے پہلے صدی کے مجدد ہوا کرتے تھے۔ الف کا مجدد کوئی نہیں ہوا۔ الف ثانی کا آغاز ہی نہ ہوا تھا اور الف اوّل میں خود ذات اقدس واطہر سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود تھی۔

آپ سے پہلے جس قدر مجدد صدیوں کے گزرے ہیں کوئی مجدد دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد مجدد نظر آتے ہیں۔ کوئی علم حدیث کا کوئی فقہ کا۔ پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجدد ہے کوئی فقہ شافعی کا۔ کوئی علم کلام کا مجدد ہے اور کوئی سلوک واحسان کا، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے لئے مخصوص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدد ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ سے پہلے کے مجددین کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت خاص خاص چیزوں میں حاصل تھی اور آپ کو تمام چیزوں میں نیابت تامہ حاصل ہے۔ وشتان ما بینھما۔

آپ سے پہلے کے مجددین کی خدمات کا اثر صرف ایک صدی کے لئے ہوتا تھا اور آپ کی مجددیت ایک ہزار سال کے لئے ہے۔

آپ کے سوا دوسرے مجددین نہ معلوم امت کے کتنے لوگوں کے علم میں نہ آئی اور نہ معلوم کتنوں کی مختلف فیہ رہی۔ جو اختلاف کہ معاندانہ یا معاصرانہ ہو وہ تو قطعاً قابل لحاظ نہیں مگر جو اختلاف کہ شرائط مجددیت کے پائے جانے یا نہ پائے جانے کی وجہ سے ہو وہ بیشک قابل لحاظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کی مجددیت کو ان چیزوں سے بھی

Marfat.com

محفوظ رکھا۔ آپ کی مجددیت کا تمام امت کو دنیا کے ہر گوشہ میں علم ہوا اور جو لوگ اس معاملہ میں اہل حل وعقد ہو سکتے ہیں ان سب نے آپ کی مجددیت کو تسلیم کر لیا۔ بلکہ جو لوگ بدعات کی محبت یا اپنے سرد بازاری کے خیال سے آپ سے دل میں عناد رکھتے تھے' وہ بھی مجبور ہوئے کہ زبان سے آپ کے مجدد ہونے کا اقرار کریں۔ جس طرح مذہب شیعہ کی بنیاد قرآن مجید کی عداوت پر ہے کوئی شیعہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کے دل میں قرآن مجید سے دشمنی اور نفرت نہ ہو مگر قرآن مجید کا رعب ہے کہ اپنے کو مسلمان کہنے کے بعد قرآن مجید سے دشمنی کا اظہار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی بلکہ ضمیر کے خلاف زبان سے اقرار کئے بغیر مفر نہیں قریب قریب بفضلہ تعالیٰ وانعامہ یہی حالت حضرت امام ربانی کی ہے۔

آپ کی مجددیت کے بیان میں ایک مستقل اور بے نظیر کتاب تالیف ہو چکی ہے جس کا نام "شواہد التجدید" ہے جس کا ایک قلمی نسخہ بھوپال کی خانقاہ عالی جاہ مجددیہ میں موجود ہے۔

مجدد کے لئے یہ کچھ ضروری نہیں کہ اس کو اپنے مجدد ہونے کا علم ہو مگر حضرت امام ربانیؒ کو اپنے مجدد ہونے کا علم علی وجہ الکمال تھا۔

مکتوب نمبر ۴ دفتر دوم حصہ ششم ص ۲۰ میں کچھ معارف خاصہ بیان فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

"ایں معارف از حیطہ ولایت خارج است ارباب ولایت دررنگ علمائے ظواہر درادراک آں عاجز اند و در درک آں قاصر ایں علوم مقتبس از مشکوٰۃ انوار نبوت اند علی اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کہ بعد از تجدید الف ثانی بہ تبعیت و وراثت تازہ گشتہ اند و بطراوت ظہور یافتہ صاحب ایں علوم و معارف مجدد ایں الف ست کما لا یخفیٰ علی الناظرین فی علومہ و معارفتہ التی تتعلق بالذات والصفات والافعال و تتلبس بالاحوال والمواجید والتجلیات و الظہورات فیعلمون ان ہولاء المعارف وراء علوم العلماء وراء معارف الاولیاء بل علوم ہولاء بالنسبۃ الی تلک العلوم قشرو تلک المعارف لب ذلک القشرو اللہ سبحانہ الہادی و بداند کہ برسر ہر ماتہ مجددے گشتہ است اما مجدد ماتہ دیگرست و مجدد الف دیگر چنانچہ درمیان ماتہ والف فرق ست درمیان مجددین اینہا نیز ہماں قدر فرق ست بلکہ زیادہ ازاں و مجدد آن ست کہ ہر چہ دراں مدت از فیوض بامتان برسد بتوسط او برسد اگر چہ اقطاب و اوتاد آں وقت بوند و ابدال و نجبا' باشند ع

خاص کند بندہ مصلحت عام را"

(یہ معارف دائرہ ولایت سے بالاتر ہیں۔ ان کے ادراک سے اصحاب ولایت بھی علمائے ظاہر کی طرح عاجز و قاصر ہیں۔ یہ علوم درحقیقت انوار نبوت کے مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں جن کی اس الف ثانی کے آغاز میں نیابتۂ و وراثتۂ تجدید ہوئی ہے اور ان کو تر و تازگی ملی ہے۔ جس شخص پر اللہ تعالیٰ نے یہ علوم و معارف ظاہر فرمائے وہ اس الف (دوسرے ہزارہ) کا مجدد ہے جیسا کہ ان لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے جنہوں نے اس کے ان علوم و معارف کا مطالعہ کیا ہے جو

ذات وصفات اور افعال باری تعالیٰ سے متعلق ہیں یا جو احوال و جذبات اور تجلیات وظہورات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ معارف علماء کے علوم اور اولیاء اللہ کے معارف سے ماوراء ہیں بلکہ علماء واولیاء کے علوم ان علوم ومعارف کے مقابلہ میں پوست کی حیثیت رکھتے ہیں، جس کا مغز یہی معارف مذکورہ ہیں۔ اللہ سبحانہ کی ذات ہی ہدایت کرنے والی ہے۔ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد گزرا ہے لیکن صدی کا مجدد اور ہے اور الف کا مجدد کچھ اور۔ جو فرق سو اور ہزار میں ہے وہی فرق ان کے مجددوں میں بھی ہے بلکہ اس سے زیادہ مجدد وہ شخص ہے کہ اس کے زمانہ میں امتوں کو جو فیض پہنچے اسی کے واسطہ سے پہنچے اگرچہ وہ اس زمانہ کے اقطاب واوتاد اور ابدال ونجبا ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ بعض وقت اپنے کسی بندہ کو مصلحت عامہ کے لئے مخصوص کر لیتا ہے (اور اسی کے ذریعہ سے فائدہ پہنچاتا ہے۔)

مجدد کی سب سے بڑی پہچان اس کے کارنامے ہیں۔ حمایت دین اور اقامت سنت اور ازالہ بدعت میں اس کی خاص شان ہوتی ہے۔ غیر معمولی کوشش اس سے ظہور میں آتی ہے اور اس کی کوشش کا غیر معمولی نتیجہ یعنی توقع سے بہت زائد نکلتا ہے۔

حضرت امام ربانی نے کیسی کیسی کوششیں مذکورہ بالا دینی خدمات کے لئے کیں اور کیسا انہماک اور کیسا شغف آپ کو اس میں تھا، مکتوبات قدسیہ کے دیکھنے سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے پھر ان کوششوں پر کیسے غیر معمولی ثمرات توقعات سے بدر جہا زائد مرتب ہوئے، اس پر عالم اسلامی کی تاریخ ماضی وحال شاہد عادل ہے۔

حضرت کی وفات حسرت آیات

۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ ایک ہزار چونتیس میں بعمر ۶۳ سال مطابق عمر شریف نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اپنے وطن مبارک سرہند میں آپ نے وفات پائی۔ قبر شریف آپ کی زیارت گاہ عالم ہے۔

وفات سے چند ماہ پہلے آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی عمر تریسٹھ برس کی معلوم ہوتی ہے۔ اتباع سنت میں جس کو اتنا شغف ہو بے اختیاری چیزوں میں منجاب اللہ سنت کی مطابقت اس کو عطا ہوتی ہے۔

اپنی عمر کے آخری شعبان میں حسب معمول پندرہویں شب کو عبادت کے لئے خلوت خانہ میں تشریف لے گئے۔ صبح کو جب گھر میں تشریف لے گئے تو بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ معلوم نہیں آج کس کس کا نام دفتر ہستی سے کاٹا گیا۔ یہ سن کر حضرتؒ امام نے فرمایا کہ تم تو بطور رشک کے کہہ رہی ہو۔ کیا حال ہوگا اس شخص کا جس نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہو کہ اس کا نام دفتر ہستی سے محو کیا گیا۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد و ہدایت کا سب کام صاحبزادوں کے سپرد کر دیا اور اپنا تمام وقت قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار واشغال طریقت میں صرف فرمانے لگے۔ سوا نماز کے خلوت سے باہر تشریف نہ لاتے تھے۔ نفل روزوں کی اور صدقات وخیرات کی بھی اس زمانہ میں بہت کثرت فرمائی۔

وسط ذی الحج میں حضرت کو ضیق النفس کی بیماری لاحق ہوئی اور تپ محرقہ شروع ہوئی جو یوماً فیوماً ترقی کرتی گئی۔ انہیں ایام میں ایک روز فرمایا کہ حضرت پیران پیر کو میں نے دیکھا۔ بڑی مہربانی مجھ پر فرمائی۔

۱۲ محرم کو فرمایا کہ بس اب چالیس پچاس دن کے اندر اندر مجھ کو اس عالم فانی سے سفر کرنا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بتاریخ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ ہجری تریسٹھ برس کی عمر میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

جس رات کی صبح کو آپ دنیا سے جانے والے تھے حسب معمول تہجد کی نماز کے لئے اٹھے اور بڑے اطمینان سے وضو کر کے نماز پڑھی اور خدام سے فرمایا کہ تم لوگوں نے تیمارداری کی بہت تکلیف اٹھائی۔ اب آج یہ تکلیف ختم ہے۔ اخیر وقت میں ذکر اسم ذات کا بہت غلبہ تھا۔ ذکر کرتے کرتے روح مبارک رفیق اعلیٰ سے مل گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ حضرت کے فرزند ثانی حضرت خواجہ محمد سعیدؒ نے پڑھائی اور اپنے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد صادقؒ کی قبر مبارک کے سامنے خاص شہر سرہند میں مدفون ہوئے۔ یہی وہ جگہ ہے جس کے متعلق آپ نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے کہ میرے لب کے انوار وہاں چمکتے ہیں۔

روضہ مبارک کی تعریف میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلوی مہاجر مدنی نے چند اشعار نظم فرمائے ہیں جو تبرکاً درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

ای خاک پاک روضہ عبیری و عنبری
ساقی نشاند برتو خوش آبے کہ اہل دہر
سرے زخاک خلد تو داری کہ اہل ارض
نے نے تراز تربت یثرب سرشتہ اند
این خاک احمدی ست بذات احد۔ نگر
اہلاً و مرحباً پے زو ار تو بے
یارب کمن خلاص ازیں خاک در مرا
شیرے[۲۵] بخواب ناز بہ پہلوی دو شبل
کااہل جہاں زبوی تو مدہوش گشتہ اند
عاقل بہ پشت آمدہ مخمور رفتہ اند
یک نفحہ از تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند
پنہاں زروم و شام بہ سرہند ہشتہ اند
نے یک کہ صد ہزار ازیں خاک جستہ اند
اقفال بعد بررخ اعدات لستہ اند
بدحال آن کساں کہ ازین خاک رستہ اند
یا رب چہ راز ہاست کہ ایجا نہفتہ اند

Marfat.com

تنہا غنی نہ نغمہ مدح تو ساز کرد
کرد بیان عرش ہمیں گونہ گفتہ اند

حضرت کے باقیات صالحات

حضرت امام ربانی تو دنیا سے تشریف لے گئے مگر باقیات صالحات کا ایک ایسا سلسلہ چھوڑ گئے جو انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قائم رہنے والا ہے اور جس قدر فیوض و برکات اس سلسلہ سے امت مرحومہ کو پہنچے اور پہنچ رہے ہیں، سب کا ثواب آپ ہی کے اعمالنامہ میں ہے۔

باقیات صالحات کے سلسلہ میں صرف دو چیزوں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے وہ بھی بالاختصار۔

اول آپ کے ذریات طیبات اور آپ کے خلفاء۔ دوم آپ کے مکتوبات قدسیہ۔ ان دونوں چیزوں کے متعلق اگر مفصل حالات درج کئے جائیں تو ایک بڑا دفتر تیار ہو جائے۔

آپ کی ذریات طیبات کا یہ حال ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے پہلی ہی نظر میں ان کو پہچان لیا تھا اور ان کو جواہر علویہ فرمایا تھا اور لکھا تھا کہ ''استعداد ہائے عجیب دارند' اسرار الٰہی اند' شجرہ طیبہ اند' فقرائے باب اللہ اند' دلہای عجیب دارند۔'' حضرت خواجہ کے یہ ارشادات اوپر منقول ہو چکے ہیں۔

حق تعالیٰ نے آپ کے چار فرزندوں کو عمر عطا فرمائی اور یہ چاروں ولی کامل و مکمل تھے۔

فرزند اول حضرت خواجہ محمد صادق جو حضرت امام ربانی کے سامنے ہی درجہ کمال پر پہنچ کر وفات پا گئے۔ آپ کی وفات کا بڑا صدمہ حضرت کو ہوا۔ مکتوبات قدسیہ میں اس صدمہ کا اور آپ کے کمالات کا ذکر موجود ہے۔ ولادت آپ کی ۱۰۰۰ھ وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ۔

فرزند دوم حضرت خواجہ محمد سعید ملقب بخازن الرحمہ۔ ولادت آپ کی ۱۰۰۵ھ اور وفات ۲۷' جمادی الآخرۃ ۱۰۷۰ھ۔

فرزند سوم حضرت خواجہ محمد معصوم ملقب بہ عروۃ الوثقیٰ۔ طریقہ کی اشاعت آپ سے بہت زیادہ ہوئی۔ دہلی کی مشہور عالم خانقاہ جو مرجع عرب وعجم تھی' آپ ہی کے سلسلہ کی ہے۔ ولادت باسعادت ۱۰۰۷ھ اور وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ۔

فرزند چہارم حضرت خواجہ شاہ محمد یحییٰ۔ حضرت امام ربانی کی وفات کے وقت آپ کی عمر نو سال کی تھی۔ تحصیل علوم اور تکمیل طریقت اپنے بھائیوں سے کی۔ وفات ۱۰۹۶ھ۔

خدا کی رحمت کہ ان صاحبزادوں کو جس قدر اولاد حق تعالیٰ نے عطا فرمائی' وہ بھی سب اولیاء اللہ اور اب اس وقت ہندوستان کے اکثر مقامات میں اور حرمین شریفین میں آپ کی ذریت طیبہ کا سلسلہ موجود ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ ان میں صاحبان نسبت بھی ہیں۔

اب رہا سلسلہ آپ کے خلفاء کا تو حقیقت حال یہ ہے کہ جو حضرات بلاواسطہ آپ کے خلفاء ہیں ان کا صحیح شمار نہیں ہو سکا چہ جائیکہ بالواسطہ خلفا بھی ان میں شامل کر لئے جائیں۔ بلاشبہ دنیا کے جس جس گوشہ میں مسلمان آباد

Marfat.com

تھے آپ کا سلسلہ بھی وہاں پہنچا اور پھلا اور پھولا۔

دہلی کے عروج کے آخری دور میں آپ کے سلسلہ کے ایک عظیم الشان خلیفہ مجدد مأتہ ثالث عشر حضرت مولانا شیخ عبداللہ المشتہر بہ غلام علی تھے۔ انہیں کے نام سے دہلی کی خانقاہ مجددیہ آباد ہے۔ آپ کے اور حضرت امام ربانی کے درمیان میں چار واسطے ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات سے تو اس قدر فیض ہوا کہ بقول حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی شاید اگلے مشائخ میں کسی سے اس قدر فیض ہوا ہو۔

ہندوستان میں شاید ہی کوئی شہر ہو جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہ ہو۔ صرف ایک شہر انبالہ میں پچاس خلفاء آپ کے تھے۔

آپ ہی کے ایک خلیفہ حضرت مولانا خالد کردی تھے جن کے مناقب میں مذہب حنفی کے فتوؤں کی بنیاد ہے' ایک مستقل رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام سل الحسام الهندی لنصرة مولينا خالد النقشبندی ہے۔ یہ رسالہ مصر میں چھپ گیا ہے۔

علامہ شامیؒ نے رسالہ مذکورہ میں حضرت مولانا خالد کے علمی و عملی کمالات خوب تفصیل سے بیان فرمائے اور ۱۲۲۴ھ میں ان کا براہ ایران پورے ایک سال سفر کے بعد دہلی پہنچنا اور حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا اور ان کے دریائے فیض سے سیراب ہو کر اور قطب ارشاد بن کر اپنے وطن واپس ہونا اور وہاں مرجع خواص و عوام ہونا مفصل ذکر کیا ہے۔ چند سطور ملاحظہ ہوں:

"وليلة دخوله بلدة جهان آباد (دهلی) انشا قصيدته العربيته الطنانة من لبحرا الكامل بذكر فيها وقائع السفر وتخلص الى مدح شيخه مطلعها ۔

كملت مسافته كعبته الامال
حمد المن قدمن بالا كمال
وهی طويلته وله غيرها من المقاطيع العربيه
وفی الفارسيته قصائد [۲۶] ومقاطيم كثيرة السيه

منها قصيدة غراء فی مدح شيخه قدس سره ايضاً و بعد وصوله تجرد ثانيا اعما عنده من حوائج السفر وانفقه كله على المستحقين ممن حضر فاخذ الطريقة العليته النقشبنديهة بعمومها وخصوصها ومفهومها ومنصوصها على شيخ مشائخ الديار الهنديه وارث المعارف و اسرار المجدديه سباح بحار التوحيد سياح قفار التجريد قطب الطرائق غوث الخلائق معدن الحقائق منبع الحكم والاحسان والايقان والدقائق العالم النحرير الفاضل والعلم المفرد الكامل المتجرد عما سوى مولاه حضرت الشيخ عبدالله الدهلوی. پھر خاتمہ میں لکھتے ہیں۔ ومن اراد الزيادة علىٰ ذلک من اوصاف هذا الامام فليرجع الى الكتاب

الـذی الـفه فیه الامام الهمام خاتمته البلغاء ونادرة النبغاء الا وحد السند الشیخ عثـمـان السـنـد الـذی سـماة اصفے' المواردفی ترجمة حضرة سیدنا خالد فانه کتاب لم یحک بنیان البیان علی سواله ولم تنظر عین الی مثاله."

(جس رات وہ شہر جہان آباد (دہلی) میں داخل ہوئے انہوں نے بحر کامل میں ایک مترنم عربی قصیدہ کہا جس میں واقعات سفر بیان کرنے کے بعد انہوں نے اپنے شیخ کی مدح کی طرف گریز کیا ہے۔ اس قصیدے کا مطلع یہ ہے کما کت الخ یعنی کعبہ آرزو تک پہنچنے کی مسافت طے ہوگئی۔ شکر ہے اس ذات مقدس کا جس نے اس سفر کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر احسان فرمایا۔ یہ قصیدہ خاصا طویل ہے۔ علاوہ اس قصیدے کے ان کے عربی میں اور بھی اشعار ہیں۔ فارسی زبان کے میں بھی ان کے بہت سے اشعار وقصائد ہیں جو اس وقت مجھ کو یاد نہیں ہیں۔ منجملہ ان کے اپنے شیخ کی مدح میں ان کا ایک بڑا زوردار قصیدہ ہے۔ جب وہ اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے دوبارہ تجرد اختیار کیا اور ضروریات سفر میں سے جو سامان ونقدان کے پاس باقی بچا تھا' سب حاضرین مستحقین میں تقسیم کر دیا اور ملک ہند کے شیخ المشائخ' رموز ومعارف مجددیہ کے وارث' بحار توحید کے شناور' میدان درویشی و تجرد کے سیاح' قطب طرائق' غوث خلائق' معدن حقائق......منبع حکم واحسان' سرچشمہ اسرار وایقان' عالم متبحر فاضل یگانہ ماسوا اللہ سے بیگانہ حضرت شیخ عبداللہ دہلوی سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ مع اپنے جملہ عموم وخصوص' مفہوم ومنصوص کے حاصل کیا (پھر خاتمہ میں لکھتے ہیں) جو شخص اس امام عالیشان کے اوصاف اس سے زیادہ جاننا چاہتا ہو وہ کتاب "اصفی الموارد فی ترجمۃ سیدنا خالد" کا مطالعہ کرے جو امام ہمام شیخ عثمان السند نے تالیف فرمائی ہے کیونکہ یہ کتاب اپنے موضوع میں بے مثل وبے مثال ہے۔)

علامہ شامی اسی رسالہ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا انعام اہل شام کو دیا کہ اس امام ہمام کا محل ومقام ملک شام کو قرار دیا اور عوام وخواص علماء وفضلا اور امراو حکام وارکان سلطنت کا مرجع وملجا آپ کی چوکھٹ کو بنایا۔ حتیٰ کہ ۱۲۴۲ھ میں سخت طاعون واقع ہوا جس میں آپ کے دو جوان فرزند راہی ملک بقاء ہوئے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں کہ میں بغرض تعزیت حاضر خدمت ہوا تو میں نے ان کو خوش اور مسکراتا ہوا پایا اور مجھ سے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ میرے قلب میں حمد اور رضا بہ نسبت استرجاع کے زیادہ ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ دو دن ہوئے میں نے ایک خواب دیکھا کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی وفات ہوگئی اور میں ان کے جنازہ کی نماز میں شریک ہوں۔ یہ خواب سن کر فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کی اولاد میں ہوں گویا اس خواب کی تعبیر انہوں نے اپنے متعلق لی۔ چنانچہ اس دن بعد نماز عشاء انہوں نے اپنے مریدوں کو کچھ نصیحتیں کیں اور اپنا جانشین مقرر کیا۔ پھر گھر میں تشریف لے گئے۔ اسی شب کو طاعون میں مبتلا ہو کر شہادت پائی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی مہاجر مدنی اپنے رسالے تذکرہ حضرت شاہ غلام علی صاحب میں ان

Marfat.com

کے خلفاء کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا خالد شہرزوری کردی رحمتہ اللہ علیہ عالم نامدار بودند در ہر فن استعداد عجیب داشتند پنجاہ کتاب حدیث سند داشتند در علمای ہندوستان فی الجملہ مدح حضرت شاہ عبدالعزیز[۲۸] مے نمودند۔ اشعار فارسی وعربی شان در سلالۃ نظم گوئی سبقت از فردوسی وفرزدق بردہ بود حضرت ایشان اشعار ایشاں بعارف جامی مناسبت مے فرمودند قصائد عربی وفارسی کہ درمدح حضرت ایشاں نظم نمودند کم از منظومات خسرو وجامی کہ درمدح سلطان المشائخ وخواجہ احرار نظم کردہ اند نتواں گفت (پھر بفاصلہ چند سطور) حضرت بوقت رخصت بشارت قطبیت ان دیار عنایت فرمودہ بودند وقتیکہ آنجا رفتند ریاضتہائے بسیار کشیدند ہجوم خلق چنداں شد کہ گویا سلطنت آں دیار بایشاں تعلق یافت خلفای ایشاں وخلفای خلفائے ایشاں ہزار ہا کس شدہ باشند (پھر حضرت مولانا خالد کا ایک خط اپنے والد ماجد حضرت شاہ ابوسعید صاحب کے نام نقل فرمایا ہے۔ وھو ہذا) مرکز دائرۂ غربت ومہجوری خالد کردی شہرزوری بعرض مقدس عالی مخدومی جناب ابوسعید مجددی معصومی میرساند۔ اگرچہ بہ یمن ہمت حضرت قبلہ عالم، وحی فداہ فیوض خاندان عالیہ آباؤ اجداد کرام آن مخدوم عالی مقام کہ باین مقصر گمنام رسیدہ ست بردن از حیز تحریر دخارج از حوصلہ تقریر ست امام بفحوای مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ بمقام شکر گزاری برآمدہ عرض ضورے نماید کہ یک قلم تمامی مملکت روم وعربستان ودیار حجاز وبعضے از ممالک قلمرو عجم وجمیع کردستان از جذبات وتاثیرات طریقہ علیا سرشار وذکر محامد حضرت امام ربانی مجدد ومنور الف ثانی قدس اللہ بسرۃ السامی اناء اللیل والنہار در محافل ومجالس ومساجد ومدارس زبان زد صغار وکبار ست بنحوے کہ در ہیچ قرنے از قرون وہیچ اقلیمے از اقالیم مظنہ نیست کہ گوش زمانہ نظیر ایں زمزمہ راشنیدہ بادیدہ فلک دوار ایں رغبت واجتماع رادیدہ باشد۔ ازانجا کہ شدت رغبت حضرت صاحب قبلہ وآن قبلہ معلوم خاطر حزیں ایں مہجور مسکیں بود بمقام گستاخی برآمدہ فرح افزائے خاطر آں جناب وسائر احباب شد ہر چند اظہار ایں گونہ امور صورت گستاخی وخود بینی دارد این فقیر را شرمندہ مے دارند۔ امارعایت جانب دوستاں رامقدم داشتہ بمقام بے ادبی آمدہ وگرنہ نوشتن ایں امور ازیں نالائق محض دور بود۔ واز جوانبکہ مشافہۃً یا مراسلۃً چنانکہ مقتضای شیمہ کریمہ ست از ذکر جمیل این مسکین ذلیل در حضور حضرت بافر سعادت حضرت صاحب قبلہ کونین کوتاہی نہ فرمایند وبای تقریب کان مارا دراں آستان کہ موقف بختیاران وراستان ست یاد نمایند وخود نیز گاہ گاہے بہ نیم نگاہے زنگ قساوت را از دل ما بے نوایان دور نمایند، وگرچہ نوسید در پناہ مہیمن معنام در ضمن ہمت پیران کرام باشند بمنہ انتہی۔''

(حضرت مولانا خالد شہرزوری کردیؒ نامور عالم تھے۔ ان کو ہر فن میں عجیب وغریب استعداد تھی

Marfat.com

اور حدیث کی پچاس کتابوں کی سند حاصل تھی۔ ہندوستان کے علماء میں صرف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی فی الجملہ تعریف کرتے تھے۔ان کا فارسی وعربی کلام سلاست وروانی میں فردوسی وفرزدق سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ان کے پیر طریقت حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ ان کے اشعار کو عارف جامی کے ہم پلہ فرماتے تھے۔عربی وفارسی میں جو قصیدے انہوں نے اپنے پیر طریقت کی شان میں ارشاد فرمائے ہیں' وہ خسرو اور جامی کے ان قصیدوں سے کم نہیں ہیں جو انہوں نے (اپنے پیران طریقت) حضرت سلطان المشائخ اور حضرت خواجہ احرارؒ کی مدح میں فرمائے ہیں (چند سطروں کے بعد) ان کے شیخ طریقت نے روانگی کے وقت ان کو ملک شام کی قطبیت کی بشارت دی۔ جب حضرت مولانا موصوف اپنے وطن واپس پہنچے تو انہوں نے بڑی ریاضتیں کیں۔مخلوق خدا کا ان کی طرف اس قدر رجوع ہوا کہ معلوم ہوتا تھا ان ممالک میں انہیں کی سلطنت ہے۔ ان کے خلفاء اور ان کے خلفاء کے خلفاء کی تعداد ہزاروں ہوگی (اردو عبارت کے بعد) دائرہ' غربت ومہجوری کا مرکز خالد کردی' جناب مخدومی ابوسعید مجددی معصومی کی خدمت عالی ومقدس میں عرض پرداز ہے کہ جناب مخدوم عالی مقام کے آبائے کرام کے خاندان عالی شان سے جو فیوض وبرکات حضرت قبلہ عالم کی ہمت وتوجہ کی برکت سے اس عاجز و قاصر کو پہنچے ہیں' وہ اگرچہ احاطہ تحریر سے بالاتر اور حوصلہ بیان سے برتر ہیں لیکن اس مثل کے مطابق کہ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ بطور شکرگزاری اتنا عرض کرتا ہے کہ تمام مملکت روم وعرب اور حجاز وعراق اور بعض ممالک عجم اور سارا کردستان طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تاثیرات و جذبات سے سرشار ہے اور شب وروز تمام محافل ومجالس میں مساجد ومدارس میں حضرت امام ربانی مجدد ومنور الف ثانی کے محاسن ومحامد کا ذکر اس طرح ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ہے کہ اس کا گمان نہیں ہوسکتا کہ کبھی کسی ملک میں اور کسی وقت میں گوش زمانہ نے ایسا زمزمہ سنا ہو یا چشم فلک نے ایسی رغبت اور ایسا اجتماع دیکھا ہو۔ چونکہ اس مہجور ومسکین کو حضرت صاحب قبلہ اور آنجناب کی بے انتہا خواہش معلوم تھی اس لئے ایک گونہ گستاخی کر کے وہ حقیقت حال جو آپ کے لئے اور تمام احباب کے لئے موجب فرحت ہے' تحریر کردی۔ اگرچہ اس قسم کی باتوں کا اظہار ایک طرح کی گستاخی وخود بینی ہے۔ یہ فقیر اس پر شرمندہ ہے۔ محض دوستوں کے حق کو مقدم جان کر اس بے ادبی کی جرأت کی ورنہ ایسی باتیں تحریر کرنا اس نالائق سے بہت دور ہے۔ مجھے امید ہے کہ جناب اپنی عادت کریمہ کے مطابق حضرت صاحب قبلہ کے حضور میں بالمشافہ یا خط کے ذریعے سے اس مسکین وذلیل کا ذکر خیر کرنے سے کوتاہی نہ فرمائیں گے اور جس طریقہ سے ممکن ہوگا مجھ کو اس دربار میں جو سعادتمندوں اور سچوں کا مرکز ہے یاد فرمائیں گے اور خود بھی کبھی کبھی اپنی نیم نگاہی سے ہم بے نواؤں کے دل سے زنگ قساوت دور فرمائیں گے۔ اس کے سوا کیا لکھوں۔ پیران کرام کی توجہ باطنی نے آپ اس بڑے انعام کرنے والے اور حفاظت

Marfat.com

کرنے والے کی پناہ میں رہیں۔

یہ تو آپ کی ذریت اور آپ کے خلفا کا حال تھا۔ اب آپ کے مکتوبات قدسیہ کے متعلق کیا لکھا جائے۔ جس نے مطالعہ کیا وہ جانتا ہے کہ کس قدر خدمت دین پاک کی گئی ہے اور ان مکتوباتِ قدسیہ کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے کس قدر ضروری ہے۔

یہ تو آپ کی کھلی ہوئی کرامت ہے کہ ہر وقت کے مناسب ہدایات ان مکتوبات سے حاصل ہوتی ہیں۔ آج کل بدعت کا رواج زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ بدعت کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں ایک بدعت حسنہ دوسرے بدعت سیئہ۔ مکتوبات قدسیہ میں متعدد مکتوب اس کے متعلق ہیں جن میں آپ نے بڑی تحقیق سے اس کو بیان فرمایا ہے کہ بدعت ہرگز حسنہ نہیں ہوسکتی ہے۔

روافض کا آپ کے زمانہ میں کچھ زور ہو رہا تھا لہٰذا متعدد مکتوبات رد رفض میں موجود ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے یہ بحث نکلی کہ حضرت علی مرتضیٰ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے افضل کہنے والا بھی سنی ہوسکتا ہے کہ نہیں۔ اس کے متعلق بھی آپ کا فیصلہ موجود ہے۔ دفتر اول حصہ سوم ص ۹۴ مکتوب نمبر ۲۲۹ میں فرماتے ہیں:

''کسیکہ حضرت امیر را افضل از حضرت صدیق گوید از جرگہ اہل سنت مے برآید۔''

(جو شخص حضرت امیر کو حضرت صدیقؓ سے افضل کہتا ہے، وہ اہل سنت سے خارج ہے۔)

ایک زمانہ میں نماز تہجد کی جماعت کا جھگڑا نکلا۔ اس کے متعلق بھی آپ کی مکتوبات میں ہدایت موجود ملی۔ دفتر اول حصہ سوم ص ۵۳ مکتوب نمبر ۱۶۸ میں اپنے پیر کے پیرزادوں کو لکھتے ہیں کہ

''نماز تہجد را بہ جمعیت تمام ادا مے نمایند و ایں بدعت را در رنگ سنت تراویح در مساجد رواج و رونق مے بخشند و ایں عمل را نیک مے دانند و مردم را بران ترغیب مے کنند۔''

((کچھ لوگ) نماز تہجد جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس بدعت کو سنت تراویح کی طرح مساجد میں رونق و رواج دیتے ہیں اور اس کو ایک اچھا کام سمجھتے ہیں اور دوسروں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں (حالانکہ یہ بدعت ہے۔))

کچھ دن ہوئے سجدہ تعظیمی کا غیر اللہ کے لئے جواز بڑے شد و مد سے شروع ہوا۔ اس کا فیصلہ بھی آپ کے مکتوبات میں ہے کہ سجدہ ہرگز غیر اللہ کے لئے جائز نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے مسجود الیہ فرشتوں کا بنایا تھا نہ مسجود لہ۔

جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ شریعت پوست ہے اور طریقت مغز ہے۔ اس کا رد بھی کماینبغی آپ کے مکتوبات میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عجیب کمال مکتوبات قدسیہ میں ہے کہ ہر ضرورت اور ہر ظلمت میں ان کی روشنی مشعل راہ بنتی ہے اور حقائق و معارف الٰہیہ کے لئے تو ان کا

Marfat.com

بے نظیر ہونا گویا مسلم الکل ہے۔

آپ کے مکتوبات قدسیہ کی طرف تمام دنیا کے مسلمان متوجہ ہوئے اور علمائے دین نے خوب خوب خدمتیں انجام دیں۔ چنانچہ علامہ محمد مراد مکی نے تمام مکتوبات کا ترجمہ عربی زبان میں کیا جو دمشق میں طبع ہوا اور ایک عالم نے مکتوبات شریفہ کے روایات کی تخریج کی جس کا نام ''تشید المبانی'' ہے۔

ارادہ تھا کہ اس موقع پر چند مکتوبات شریفہ کے اقتباسات درج کئے جائیں اور انہیں کو خاتمہ کلام بنایا جائے مگر مضمون طویل ہوگیا اس لئے قلم کو روک لیا گیا۔

عمر بگذشت و حدیث درد ما آخر نشد!
شب بآخر شد کنوں کہ تہ کنم افسانہ را

هذا اٰخر الكلام فی هذا المقام واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰه رب العٰلمين وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا محمد وعلى اٰله وصحبه اجمعين.

☆......☆......☆

Marfat.com

مولانا احمد علی

حضرت مجدد الف ثانی کی زندگی میں ہمارے لئے سبق

حفاظتِ قرآن کا وعدہ

خدائے قدوس وحدہ لاشریک لہٗ نے قرآن حکیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون۔ ترجمہ: ہم نے اس قرآن کو نازل فرمایا ہے۔ ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

انواعِ حفاظت

اس حفاظت کی ذمہ داری میں ہر طرح کی حفاظت شمار کی جائے گی۔ مثلاً حفاظت نقوش۔ حفاظت تلفظ۔ حفاظت معانی۔ حفاظت مطالب۔ حفاظت مصالح وحکم۔ حفاظت علم۔ حفاظت عمل۔ حفاظت قال۔ حفاظت حال۔

اقسامِ محافظین

اللہ تعالیٰ کے ہاں انسانوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اس لئے اس نے قرآن حکیم کی خدمت کے لئے علیحدہ علیحدہ اپنے بندے تجویز کئے ہوئے ہیں۔ مثلاً کاتب اس کے نقوش کی حفاظت کرتا ہے اور حفاظ مکاتب اس کے تلفظ کی حفاظت کرتے ہیں اور علمائے کرام معانی مطالب' مصالح اور حکم کے محافظ نظر آتے ہیں اور صوفیائے عظام اس پاک کلام کے عمل اور حال کے علمبردار ہیں۔

اصحابِ جامعیۃ

عموماً انسان ایک ہی فن میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ مگر بعض اوقات اللہ تعالیٰ بعض مقربین کو جامع صفات ہونے کا شرف بھی عطا فرماتے ہیں۔ مثلاً بعض کو محض عالم اور بعض کو محض مزکی (صوفی) کے عہدے سے

Marfat.com

ممتاز فرماتے ہیں اور بعض خوش نصیب ہستیوں کو ظاہر اور باطن قال اور حال دونوں میں امام اور رہنما بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ قطب العارفین شیخ الاسلام والمسلمین الشیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ ونور اللہ مرقدہ انہی مقربین الٰہی میں سے ہیں جن سے دونوں قسم کی خدمات بدرجہ اتم واکمل خدا تعالیٰ نے لیں۔ آج کی صحبت میں اس مایہ ناز ہستی کے کچھ حالات اور نتائج اعمال ذکر کیے جاتے ہیں' تا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سے بھی حفاظت قرآنؑ کی کوئی خدمت لے۔ وما ذالک علی اللہ بعسیر. وھو علیٰ ما یشاء قدیر۔

سن ولادت ووفات مجدد الف ثانی

۹۷۱ھ میں یہ وجود مسعود منصۂ شہود میں جلوہ گر ہوا اور ۱۰۳۴ھ میں دارالبقاء کی طرف انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نقشبندی

آپ کو حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بہاء الحقؒ کی طرف منسوب ہونے کے باعث نقشبندی کہا جاتا ہے۔ صاحب ممدوح سلسلہ نقشبندیہ کے امام اور مقتدائے اعظم ہیں۔ ویسے خرقہ خلافت حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ سے حاصل ہے اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے آپ بانی ہیں۔

حضرت شیخ کا علم وفضل

مجدد الف ثانی اپنے وقت میں قطب وقت امام زماں اور مقتدائے دوراں تھے۔ آپ ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے کمالات سے آراستہ تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں جامعیت کا شرف حاصل تھا۔ جس نے آپ کے مکتوبات کا مطالعہ کیا ہو وہ آپ کے فضل وکمال کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ تحقیقات علمیہ میں اللہ تعالیٰ نے کس اعلیٰ مرتبے کا شرف عطا فرمایا ہوا ہے۔

مکتوبات کی پہلی جلد ایک حد تک آسان ہے مگر جوں جوں مکتوبات کے مطالعہ میں انسان آگے بڑھتا ہے اسی قدر معلومات علمیہ کی گہرائیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ پھر مجدد صاحبؒ اپنی باریک بین نگاہ سے جہاں پہنچتے ہیں اور دقت نظر سے جن غوامض پر ان کی نگاہ پڑتی ہے' وہاں اچھا خاصہ ذی علم مگر اس حد تک نہ پہنچنے والا محو حیرت اور مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔

اتباعِ حق میں مصائب

ابوالانس حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے انسان کا بدترین دشمن اور فاسد یعنی شیطان چلا آ رہا ہے۔ اسی

بناء پر جب کسی انسان کو اللہ تعالیٰ نے کوئی شرف عطا فرمایا تو ذریۃ الشیطان کے دل میں حسد اور بغض کی آگ بھڑکی' چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی قبولیت عامہ' شہرت آفاق' متبعین حلقہ کی وسعت سے حاسدوں کے دل کباب ہو رہے تھے۔ حاسدوں نے اپنے حسد کی آگ کی گرمی مجدد صاحبؒ کو اس طرح پہنچائی کہ مجدد صاحبؒ کے خلاف شاہ وقت جہانگیر بادشاہ کو بہت کچھ بھڑکایا۔ چنانچہ ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ بادشاہ کے حکم سے آپ دربار میں بلائے گئے۔ دربارشاہی میں اور بہت سے علماء کا مجمع بھی تھا۔ مختلف مسائل پر بحث شروع ہوئی۔ بادشاہ خود بھی اس بحث میں حصہ لے رہے تھے۔ دوران بحث میں تلخ کلامی تک نوبت جا پہنچی۔ جہانگیر کو غصہ آیا اور آپ کو قید کر دیا۔ معاندین نے اسے اپنی کامیابی اور فتح تصور کیا اور حق پرستوں کے گھر صف ماتم بچھ گئی۔ دو سال تک آپ قید رہے۔ اس اثناء میں بادشاہ نے اپنی غلطی کو محسوس کیا۔

غلبہء حق

اس کی تلافی فقط یہی نہیں کی کہ انہیں قید سے آزاد کر دیا بلکہ پاس بلا کر معافی کا خواستگار رہا اور نہایت عزت اور احترام سے اپنے محل میں ٹھہرایا اور بارہا دست بستہ مؤدب ہو کر کھڑا رہتا تھا۔ بادشاہ سلامت کا حسن عقیدت کا جذبہ اس قدر بڑھا کہ شہزادہ خرم (شاہجہاں) کو مجدد صاحبؒ کا مرید کرا دیا۔ بادشاہ کے اس رجحان اور شہزادہ کے حلقہ مریدین میں داخل ہونے کا یہ اثر ہوا کہ وزراء اور امراء سلطنت بھی حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے۔

جیل خانہ کے چوروں اور ڈاکوؤں پر مجدد صاحبؒ کے تقدس کا اثر

مجدد صاحبؒ جس طرح فاضل اجل اور عالم بے بدل تھے' اسی طرح معرفت الٰہی کے عارف کامل بلکہ عارفین کے امام و مقتدا بھی تھے۔ عارف کی نظر اکسیر اثر ہوتی ہے۔ جیل خانہ میں جا کر آپ نے انقلاب کر دیا اور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ فرمان معرض ظہور میں آیا۔ خیار عباد الله اذا راو ذکر الله۔ ترجمہ: خدا کے برگزیدہ بندے وہ ہیں جنہیں دیکھا جائے تو خدا یاد آئے۔

سب قیدیوں پر آپ کی صلاحیت اور سعادت کا اثر ہونے لگا۔ وہ جیل خانہ جو چوروں اور ڈاکوؤں کا مسکن تھا وہ خدا پرست' شب بیدار' نیکوکار اور پرہیزگار انسانوں کا مجمع نظر آنے لگا۔ تمام گنہگار اپنے اپنے گناہوں سے تائب ہو کر مجدد صاحبؒ کے حلقہ ارادت مندوں میں داخل ہو گئے۔ مسلمان قیدیوں کے علاوہ ہندو اور سکھ وغیرہ قیدی بھی اسلام کے محاسن اور خوبیوں سے واقف ہو کر کفر سے تائب ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور تعجب ہے کہ ایک قیدی بھی غیر مسلموں میں ایسا نہیں بچا جو مسلمان نہ ہوا ہو۔ جیل خانہ میں پانچ وقت باقاعدہ نماز ہوتی ہے۔ رات کو دیر تک ذکر و شغل کی مجلس گرم رہتی تھی۔ قیدیوں کے علاوہ ملازمین جیل بھی آپ کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے تھے۔

ضروری عرضداشت

برادران ملت! مجدد صاحبؒ کا فیض صحبت جو مذکور الصدر سطور میں عرض کیا گیا ہے' وہ فقط بحیثیت عالم ہونے

Marfat.com

کے نہیں تھا بلکہ بحیثیت ایک کامل' عارف اور امام التزکیہ ہونے کے تھا۔ افسوس صد افسوس کہ موجودہ وقت کے مسلمانوں کو اپنے تزکیہ نفس کی طرف بہت ہی کم توجہ ہوتی ہے۔ بالخصوص حضرات علمائے کرام کی بے توجہی تو اور زیادہ تکلیف دہ' خطرناک اور مہلک رہی۔

برادران اسلام!

احکامِ اسلام کی تعلیم آپ علمائے کرام سے پائیں لیکن اس علم کو عمل میں لانے اور اپنے اوپر اسلام کا رنگ چڑھانے اور تمام دنیا سے بڑھ کر خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب بنانے کے لئے اس کے بغیر اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ آپ ایسے بزرگان دین کی صحبت میں جائیں جن میں مذکور الصدر چیزیں نظر آئیں۔ ان کی صحبت میں اپنے آپ کو بٹھائیں تا کہ حسب مصرعہ بلے میوہ زمیوہ رنگ گیرد۔ آپ ان کی صحبت سے غافل سے ذاکر' مردود سے مقبول' مبغوض سے محبوب ہو جائیں۔ اللھم و فقناء ماتجب و ترضی۔ آمین۔

طلبہ علوم دینیہ سے خطاب!

اے مدارس عربیہ کے طلبہ کرام' مدارس عربیہ آپ کے لئے تعلیم گاہ ہیں تربیت گاہ نہیں ہیں اور تعلیم بغیر تربیت کے کوئی معتدبہ فائدہ نہیں رکھتی بلکہ ممکن ہے کہ نتائج کے لحاظ سے بجائے نفع کے نقصان پہنچائے۔ مثلاً نماز روزے حج اور زکوٰۃ کا محض علم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا' جب تک کہ عمل اس کے ساتھ شامل حال نہ ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جس طرح ایک جاہل مطلق احکام الٰہی کی تعمیل نہ کرنے والا جہنم کا ایندھن ہوگا اسی طرح ایک عالم بے عمل بھی یقیناً خدا تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوگا۔

اے معزز طلبہ! جس طرح علم' علم کے کامل ہی سے اخذ کیا جا سکتا ہے اسی طرح عمل بھی عمل کے کاملین ہی سے سیکھا جا سکتا ہے اور اس فن کے امام صوفیائے عظام کے مبارک لقب سے ملقب ہیں۔ ایسے ہی بزرگان دین کی صحبت میں نہ بیٹھنے اور ان سے تربیت نہ کرانے کا نتیجہ ہے کہ آج کل کے نوجوان فارغ التحصیل علماء میں وہ عملی کمزوریاں اور عیوب پائے جاتے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر غیر مسلم اقوام اسلام سے متنفر ہو جاتی ہیں کیونکہ بدعمل علماء سناتے کچھ اور اور کرتے کچھ اور ہیں۔ اس لیے لوگ ان سے کیا بلکہ اسلام سے بدظن ہو جاتے ہیں۔

میرے طالب علم بھائیو! تعلیم اسلام تو اسلامی تعلیم گاہوں سے حاصل کیجئے۔ اس کے بعد اس تعلیم کو عمل میں لانے اور اپنا حال بنانے کے لئے اہل اللہ کی خدمت میں جایئے۔ جب تک آپ ان کی صحبت میں نہیں جائیں گے آپ کی تکمیل ہرگز نہیں ہو سکتی۔ آپ نے دیکھا' حضرت مجدد صاحبؒ بھی ایک متجر عالم ہی تھے اور آپ نے غور کیا کہ ان کے جیلخانہ جانے سے سارے جیل کی فضا میں انقلاب آ گیا تھا۔ وہ محض علمی دلائل کی بناء پر نہیں تھا بلکہ ان کی صفائی باطن' انوار سعادت اور صلاحیت عمل کے نتائج تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا جامع عالم باعمل بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ یا الٰہ العٰلمین۔

(''الفرقان'' (بریلی)' مجدد الف ثانی نمبر' ص ۲۵۔۲۸)

Marfat.com

مولانا محمد طیب

مجدد الف ثانی

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ' حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی سوانح و مقامات کا بیان کرنا نہ ہم جیسوں کے بس ہی میں ہے اور نہ اس وقت اس کا قصد ہی کیا گیا ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ ''الفرقان'' نے اس ذات گرامی کے مبارک تذکرہ کا بیڑا اٹھا کر جن برکات عامہ کا دروازہ کھولنا چاہا ہے' میں بھی چند سطور کے ذریعہ ان سے متمتع ہوسکوں اور رسالہ کے کسی صفحہ کے کونہ میں یہ چند سطریں بھی جگہ پالیں۔

حضرت مجدد صاحبؒ کی تاریخی حیثیت سے کتنی ہی طویل و عریض سوانح لکھ لی جائے لیکن ساری سوانح حیات کی وہ روح جس سے ان کی ذات گرامی دنیا میں آفتاب بن کر چمکی اور آج بھی اپنے اندر وہی جذب مقناطیسی کا اثر رکھتی ہے' صرف ایک ہی صفت جمیلہ ہے جو ان کے اس لقب مجدد سے نمایاں ہے۔ کسی ذات کا مجدد مان لینا اس کے غیر معمولی کمالات علمیہ وعملیہ کا اقرار کر لینا ہے۔ کیونکہ تجدید دین کا منصب اصلی تو انبیائے علیہم السلام کا ہے اور پھر اس میدان کے مردوہ ہیں جو نبوت کے ترکہ کے وارث بن کر اس سے کوئی غیر معمولی حصہ پائیں۔ پس جس طرح کسی ذات کو نبی مان لینے سے اس کے لئے تمام بشری کمالات کا اقرار خود بخود لازم ہو جاتا ہے' اسی طرح کسی کو مجدد تسلیم کر لئے جانے سے اس میں وراثت نبوت کے غیر معمولی حظوظ کا اعتراف بھی خود بخود ہی لازم ہو جاتا ہے۔

منصب نبوت سے عہدہ مجددیت کی اس نسبت ہی کا یہ اثر ہے کہ جس طرح انبیائے علیہم السلام کو یہ منصب جلیل کسی اپنی شخصی جدوجہد یا کسی اجتماعی اور جماعتی تجویز سے نہیں ملتا' اسی طرح مجددوں کو بھی عہدہ تجدید نہ ان کی اپنی ذاتی جانفشانی ومحنت سے ہاتھ لگتا ہے نہ کسی جماعت کے من سمجھوتہ سے بلکہ یہ محض من اللہ ایک موہبتہ عظمیٰ ہوتی ہے جس کے لئے غیبی انتخاب سے افراد چن لئے جاتے ہیں اور مخلوق کے دلوں میں ان کی مقبولیت خود بخود قائم کر دی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم نے انبیائے کرام کے لئے بعثت من اللہ کا لفظ استعمال کیا ہے جیسے

ھو[1] الذی بعث فی الامین رسولاً منھم یا جیسے حتی نبعث رسولاً یا جیسے بعثنا[2] الیھم رسلاً وغیرہ

ٹھیک اسی طرح حدیث نبوی نے مجددوں کے لئے بھی یہی بعثت من اللہ کا کلمہ اختیار کیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

ان اللہ یبعث ھذہ الامۃ علےٰ راس کل مائۃ سنۃ من یحد دلھا دینھا (مشکوٰۃ)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آغاز پر اس امت میں ایسے لوگوں کو مبعوث کرتا ہے جو امت کے لئے دین کی تجدید کر دیں۔

Marfat.com

اور جیسے قرآن نے نبی کا انتخاب من اللہ بتلایا ہے: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

ایسے ہی اس حدیث میں مجدد کی نسبت بھی "ان اللہ یبعث" فرمایا گیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان دونوں منصبوں کا انتخاب منجانب اللہ ہی ہوتا ہے۔

فرق اگر ہے تو یہ کہ نبوت اصل ہے اور تجدید اس کا ظل ہے۔ وہاں الہام قطعی ہے جس کو وحی کہتے ہیں' یہاں ظنی ہے۔ اس کا منکر خارج از اسلام ہے' اس کا منکر خارج از صلاح و تقویٰ ہے۔ بہرصورت مجددیت نبوت کا ایک نہایت ہی روشن اور درخشاں پرتو ہے اس لئے مجدد علم و عمل کے لحاظ سے نبی کا سایہ اور اخلاق و ملکات کے لحاظ سے نبی کا نمونہ ہوتا ہے۔ پس مجدد کہہ لینے کے بعد کسی اور منقبت کا درجہ ہی باقی نہیں رہتا کہ اس کے ذریعہ مجدد کی تعریف کی جائے اور اگر کی جائے گی تو وہ اسی وصف تجدید کی ایک تفصیل ہوگی جس کا متن لفظ مجدد ہوگا۔ پس اگر حضرت مجدد صاحبؒ مسلمہ مجدد ہیں اور ضرور ہیں تو ان کی ہمہ منقبت یہی ہے کہ وہ مجدد ہیں اور "الف ثانی کے مجدد" ہیں تاہم الف ثانی کی تجدیدی خصوصیات کا سراغ لگانے کے لئے یہ نکتہ بطور معیار ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے کہ چونکہ منصب تجدید' منصب نبوت کا پورا پورا ظل اور اس کے قد و قامت کا سایہء اصلی ہے اس لئے شئون تجدید بھی بہت کچھ شئون نبوت سے ملتی جلتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام باوجود جامع کمالات ہونے کے کمال غالب وہی لے کر آتے ہیں جس کی اس دور کو ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے تمام اصلاحی پروگرام میں غلبہ اور زور اسی اصلاحی نقطہ کا زیادہ ہوتا ہے جو اس زمانہ کے مخصوص مفاسد کے مٹانے میں مؤثر ہو۔

قوم عاد تمدن کی گہرائیوں میں پھنس کر اُونچی اُونچی بلڈنگیں اور عظیم الشان سنگین عمارتیں تیار کرنے میں ہمہ تن لگ کر دین و دیانت کو خیر باد کہہ چکی تھی۔ اس لئے حضرت ہود علیہ السلام نے بھی تقویٰ وغیرہ کے عام اصلاحی خطاب کے ساتھ خصوصیت سے جو خطاب کیا ہے وہ وہی تھا جو اس تمدنی غلو و افراط کے استحصال کے لئے تھا' چنانچہ فرمایا:

اتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون' و تتخدون مصانع لعلکم تخلدون' واذا بطشتم بطشتم جبارین

کیا تم ہر اُونچے مکان پر ایک یادگار کے طور پر بے ضرورت عمارت بناتے ہو اور بڑے بڑے محل تیار کرتے ہو جیسے تم کو دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر دارو گیر کرتے ہو تو بالکل جابر اور ظالم بن کر دارو گیر کرتے ہو۔

قوم ثمود نے اپنے اوقات' دنیا کی سرسبزیوں' چمن بندی کے نظر فریب مناظر اور پہاڑی بلڈنگوں کی دلکش سینریاں مہیا کرنے میں صرف کر رکھے تھے جس سے وہ خدا اور رسول کے قانون سے بیگانہ محض بن گئے تھے اس لئے حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے پروگرام میں غایت حصہ انہی امور پر نکتہ چینی کرنے اور انہیں کی اصلاح کا رکھا۔ فرمایا:

اتترکون فیما ھٰھنا اٰمنین' فی جنّٰت وعیون' وزروع ونخل طلعھا ھضیم' و تنحتون من الجبال بیوتا فٰرھین

کیا تم کو اسی دنیا کی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا۔ یعنی باغوں اور چشموں میں اور کھیتوں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہیں اور کیا تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے ہوئے مکان بناتے رہو گے۔

Marfat.com

قوم لوط میں لواطت اور اغلام کے جراثیم پھیلے ہوئے تھے تو انہوں نے عام اصلاح کے ساتھ خصوصی اصلاح اس مرض کی فرمائی اور اسی پر قوم کو زیادہ لتاڑا۔ فرمایا:

اتاتون الذکر ان من العلمین' وتذرون ما خلق لکم ربکم من ازواجکم بل انتم قوم عادون

کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم یہ حرکت کرتے ہو کہ مردوں سے بدفعل کرتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو بیویاں پیدا کی ہیں ان کو نظر انداز کیے رہتے ہو۔ اصل یہ ہے کہ تم حد انسانیت سے نکل جانے والے ہو۔

اصحٰب الایکہ ناپ تول کی خیانت میں مبتلا تھے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اس کی اصلاح کو اپنا غالب پروگرام قرار دیا اور خصوصیت سے فرمایا:

ولا تنفصو المکیال والمیزان انی اراکم بخیر وانی اخاف علیکم عذاب یوم محیط

اور تم ناپ تول میں کمی مت کرو میں تو تم کو فراغت کی حالت میں دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو تم پر ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو مصائب کا جامع ہوگا۔

قوم نوح نے خدائی طاقتیں پتھر کی مورتیوں اور مٹی کے ڈھیروں میں مان رکھی تھی تو حضرت نوح علیہ السلام نے زیادہ تر حصہ انہی معبودان باطل کی کمزوریوں کے اظہار و اثبات میں صرف فرمایا اور کہا کہ

یقوم ان کان کبر علیکم مقامی وتذکیری بآیات اللہ فعلی اللہ توکلت فاجمعوا امرکم وشرکاء کم ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ ثم اقضوا الی ولا تنظرون

اے میری قوم! اگر میرا تم میں رہنا اور تم کو نصیحت کرنا گراں معلوم ہوتا ہے تو میرا تو اللہ پر بھروسہ ہے تم اپنا کام پوری قوت سے کرو. اور اپنے شرکاء کو بھی بلا لو اور جو کرنا ہو دل کھول کے کر و اور میرے حق میں جو کرنا ہو کر گزرو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔

بہر حال قوموں میں جن روحانی مفاسد اور باطنی امراض کا غلبہ رہا ہے' اسی قسم کے خصوصی معالجات لے کر انبیائے علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں۔ پھر یہی وجہ ہے کہ ہر ایک نبی نے اپنی قوم کو اسی کی ذہنیت کے مناسب اپنے اعجازی دلائل بھی دکھلائے ہیں۔ قبطیان مصر میں سحر و ساحری کا زور تھا جو سانپ بچھو بنا کر لوگوں پر اپنا رعب قائم کیا کرتے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ عصا دکھلایا جس نے اژدہا بن کر سارے ہی مصنوعی سانپوں کا خاتمہ کر دیا۔ قبیل میلاد عیسوی بنی اسرائیل کی '' بھیڑ بکریوں '' میں طب اور علاج کی اعجوبہ سازیوں کا زور و شور تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دم مسیحائی حتیٰ کہ احیاء موتی لے کر تشریف لائے جو سارے علاجوں کی انتہائی غایت (صحت) سے بھی آگے کی چیز ہے۔

قوم ثمود میں کوہ تراشی پہاڑوں کو تراش کر عمارات بنانے اور گویا پتھروں کو موم کی طرح توڑ پھوڑ کر رکھ دینے کی استعداد بہت زیادہ تھی تو حضرت صالح علیہ السلام نے ناقہ' ثمود کو بھی نمایاں کیا تو پتھروں کی چٹانوں سے جو بغیر نر و مادہ کے پتھر پھوڑ کر اک دم نمایاں ہوگئی' عرب جاہلیہ میں فصاحت و بلاغت کا زور شور تھا تو حضرت خاتم النبیین ﷺ کو بڑا معجزہ ہی علمی دیا گیا جس نے سارے عالم کی فصاحت و بلاغت کو مات دے دی اور فصیحوں کو تھکا کر عاجز کر دیا۔

Marfat.com

غرض نبی وقت قوم کی ذہنیت ہی کے مناسب خوارق بھی لاتا ہے اور اسی کے امراض باطن کے مناسب اصلاحی پروگرام بھی پیش کرتا ہے۔

چونکہ مجددیت نبوت کا اصلی ظل ہے اس لئے امت محمدیہ ﷺ کے مجددوں کو بھی وہی شان دی گئی ہے جو انبیائے سابقین کو عطا ہوئی تھی۔ امت میں قرون و دہور کے گزرتے رہنے سے جس جس قسم کے فتن ظہور کرتے رہے اسی قسم کے اصلاحی عُرق لے کر مجددین امتؒ بھی مبعوث ہوتے رہے۔ اگر کسی وقت امت میں دیانت کی کمی ہوئی تو مجدد دیانت آئے جنہوں نے شعائر دیانت برپا کیے' اگر دیانت ہوتے ہوئے نظام ملت کبھی زیادہ پراگندہ ہوگیا تو ایسے ہی مجدد آئے جنہوں نے اخلاق کا تزکیہ کر کے نفوس کو مجلّٰی اور مصفّا کر دیا۔ اگر امت کبھی ریاضت کشوں کے خوارق پر مفتون ہوئی تو ایسے ہی مجدد آئے جنہوں نے اپنے خوارق وکرامات سے ہر شعبدہ باز کے کرشموں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا۔[۲۱] غرض یوں سمجھنا چاہیے کہ انبیائے سابقین میں نبوت کی جس جس رنگ کی نسبتیں تھیں' اتنی ہی اور اسی رنگ میں ولایت کی نسبتیں امت کے مجددوں کو عطا فرمائی گئیں تا کہ امت کے ہر طبقہ کی اصلاح اس کے مناسب طُرق سے ہو۔

الف ثانی کا آغاز امت کے حق میں تمام اگلے اور پچھلے فتنوں کا فتح باب تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے امت کی خیریت ختم ہوجانے کے متعلق دو مدتوں کی اطلاع دی تھی۔ ایک یہ کہ میری امت کی عمر پانچ سو سال ہے یا پانچ سو سے کم نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ امت کی عمر ہزار سال ہے جیسا کہ ذخیرہ روایات میں دونوں حدیثیں موجود ہیں۔ پانچ صدی گزرنے پر فتنہ تتار کا ظہور ہوا جس نے حقیقتاً امت کی خیریت ہی نہیں سرے سے امت ہی کو ختم کر دیا تھا اور گویا عالم سے مسلمانوں کا اور ان کی شوکت وقوت کا استحصال ہو چکا تھا مگر حافظ حقیقی نے انجام کار خود تاتاریوں ہی کے قلوب کو اسلام قبول کرنے پر جھکا دیا جنہوں نے خلافت عثمانیہ (ترکی) کی بنیاد رکھ کر خود اسلام کی وکالت شروع کر دی اور اس کے معین ومددگار بن گئے۔ اقبال نے خوب کہا تھا ؎

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے — پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

یہ درحقیقت قصر خلافت ہی نہیں بلکہ قصر امت کا ایک نیا سنگ بنیاد تھا۔ پس حضور پر فتنہ تتار منکشف ہوا جو پانچ صدی گزرنے پر ظاہر ہوا اس لئے پہلی حدیث میں آپ نے امت کی عمر پانچ سو سال ارشاد فرمائی۔ چھٹی صدی سے گویا امت کی نئی تعمیر ہوئی اور اس کے علوم وکمالات کے نشر واشاعت کا ایک جدید اور بہترین دور شروع ہوا۔ عراق وخراسان خصوصاً اور عموماً محروسہ ہائے اسلامی میں لاکھوں کی تعداد میں یکتائے روزگار فضلاء' فقہاء' علماء' صوفیا اور اکابر امت اُٹھے اور دین کو از سر نو زندہ کر کے پاکیزہ پاکیزہ لباسوں میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ علوم وکمال کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا اور دشمنانِ حق کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگا۔ مصر' شام' خراسان' عراق اور ہر دوسرے عجمی ممالک اسلامی شوکتوں سے مالا مال تھے۔ کسی غیر کی مجال نہ تھی کہ اسلام کے رعب افزا چہرہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے کہ یہ پانچ صدی کا دوسرا دور ختم ہوا اور پہلی پانچ صدی کے خاتمہ جیسے خاتمہ کی خبر لے کر آیا۔ امت میں انحطاط کا دوسرا دور شروع ہوا۔ ابتداءً دینی اور معنوی شوکتوں میں فتور آنا شروع ہوا اور انجام کار ظاہری قوت ورعب اور شوکتوں کے اضمحلال کا وقت بھی آپہنچا۔

الف اوّل کے اختتام اور الف ثانی کے آغاز ہی سے اسلامی ملت کے خلاف غیر مسلم اقوام کی منظم ریشہ

Marfat.com

دوانیاں شروع رہتی ہیں۔ یوں تو ابتدا ہی سے ان اقوام کا ایک مستقل موضوع عمل مسلمانوں میں انتشار پیدا کر کے ان کی قوتوں کو ضعیف کرنا رہا ہے۔ چنانچہ منافقین یہود نے آغاز اسلام ہی سے ایسے مفسدانہ اقدامات شروع کر دیئے تھے اور انہی کی ناپاک مساعی سے ملتہ اسلامیہ میں شیعیتہ و خارجیتہ وغیرہ کے فتنوں کی بنیاد پڑی جن کی بدولت مسلمانوں کے لاکھوں نفس قتل و غارت کی نذر ہوئے' لاکھوں بے وطن ہوئے' خلافت کی بنیادوں میں تزلزل آیا' بعد کی کتنی ہی خلافتیں اور سلطنتیں تہ و بالا ہوگئیں۔ پھر مذہبی رنگ میں کتنے ہی فرقے پیدا ہو گئے جس سے امت کی طوفانی ترقی بھی اک دم رُک گئی اور امت کا زوال بھی ممکن ہوتا گیا لیکن ہزار سال کے بعد ان مفسدانہ مساعی نے منظم صورت اختیار کر لی اور عیسائی اقوام نے اسلامی ممالک کو سامنے رکھ کر تدریجاً ایک تخریبی پروگرام مرتب کیا جو بالآخر ہندوستان' سپین' عراق' شام' مصر' ریاست ہائے ٹرکی وغیرہ کی تخریب میں مؤثر اور کامیاب ثابت ہوا۔

بہر حال ہزار سال کے اس دورہ کے بعد اِدھر تو اغیار نے تخریب امت کا عزم مصمم کیا اور اُدھر خود امت میں دینی بے پرواہی اور قلت دیانت نے نفوذ کرنا شروع کر دیا۔ بدعات و منکرات نے عزائم دین کی صورت اختیار کر لی اور رسوم شرکیہ اور محدثات شنیعہ نے اندر ہی اندر پرورش پا کر اسلام کے اصلی رنگ و روپ کو متغیر کر دیا۔ اس لئے گیارہویں صدی گویا امت کے لئے اندرونی اور بیرونی مذہبی اور سیاسی فتن و آفات کا ایک پیش خیمہ تھی اور گویا کوئی ظاہری و باطنی مرض ایسا نہ تھا جس کی تخم ریزی امت کے قلوب میں پہنچ چکی ہو۔

اس لئے اس صدی کے مجدد کے متعلق ان صد انواع فتن کو دیکھ کر خود ہی رائے قائم کر لینی چاہیے کہ اس کی روحانیت کس قدر بلند پایہ اور اس کا طرز تعلیم و تلقین کس درجہ مؤثر اور ہمہ گیر ہوگا جو ان فتن میں امت کے ایمانوں کی نگہبانی کرے اور ان ظاہری و باطنی آفات کے تھپیڑوں میں کشتی اسلام کو کھیتا ہوا کنارہ آ لگائے۔ وہی الف ثانی کے مجدد حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ ہیں جن کے علوم و معارف نے ابنائے کفر و ضلال میں تہلکہ مچا دیا اور جن کی نور پاش ہدایتوں نے تاریک سینوں کو منور کر دیا۔ حضرت مجدد صاحب کی تعلیمات کو دیکھو اور سب گوشے سامنے نہ آ سکیں تو ایک مکتوبات ہی پر نظر ڈال لو کہ علوم ظاہر و باطن کا ایک سمندر ہے جس کی تہ کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ اگر ایک طرف قلب و روح کے مخفی مقامات کا پردہ فاش ہو رہا ہے تو دوسری طرف حقائق شرعیہ اور اسرار فقہیہ منصۂ شہود پر آتے جا رہے ہیں۔ اگر ایک طرف کتاب روح کے غیر محسوس اوراق الٹ رہے ہیں تو دوسری طرف ہدایہ و توضیح کے علمی مقامات کھل رہے ہیں۔ اگر رجال غیب سے سابقہ کھل رہا ہے تو علماء و طلباء کی محبت کے جذبات بھی انہیں مکتوبات سے ہویدا ہو رہے ہیں۔ جہاں علم کی موجیں اُٹھ رہی ہیں وہیں خوارق و کرامات کا سمندر بھی اُمنڈ رہا ہے۔

غرض ایک ایسے دورہ کے لئے جو ظاہری و باطنی آفات کا محور ہو جیسے جامع کمالات اور عارج عرش مجدد کی ضرورت تھی' حق تعالیٰ نے ویسا ہی مجدد بنا کر حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو بھیجا جن کی بصیرت افروز تعلیمات نے کتنے ہی گمرہان بادیۂ ضلالت کو راہ مستقیم پر لگایا اور کتنے ہی تلون پذیر قلوب کو تمکن و استقامت پر جما دیا۔ کتنے ہی وہ علوم و معارف جو بارگاہ نبوت سے چلے تھے لیکن راستہ کی ناہمواریوں نے انہیں راستہ میں روک دیا تھا' حضرت مجدد صاحب کی بدولت منصۂ شہود پر آ گئے اور علوم نبوت کے کتنے ہی بند شدہ دروازے از سر نو کھل گئے۔

Marfat.com

پھر چونکہ اس زمانہ کا سب سے گہرا اور بنیادی مرض ابتداع اور بدعت پسندی تھا جس نے عمل واعتقاد دونوں کو کھوکھلا اور بے مغز کر دیا تھا۔[۵] پس حضرت مجدد صاحب کے بے انتہا مناقب میں سے صرف دو جملہ ہی ادائے مناقب کے لئے بس کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مجدد ہیں' جس کی حقیقت ظلیۃ نبوت ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ الف ثانی کے مجدد ہیں جو بنص حدیث شیوع فتن کے لحاظ سے خطرناک صدی تھی اور جس کا طبعی مقتضا یہ تھا کہ اس کے سرے پر کوئی معمولی مجدد نہیں بلکہ ایک رئیس المجددین فرد بھیجا جائے جو ایسے عظیم مہالک وفتن کی مدافعت کر سکے۔ پس میرا یہ مضمون درحقیقت صرف انہی دولفظوں مجدد اور الف ثانی پر دائر ہے اور میرے خیال میں مجددی مناقب کا بڑے سے بڑا دفتر انہیں دو جملوں کی شرح ہوگا کیونکہ ایک لفظ سے فتن وآفات کی کثرت وقوت واضح ہے اور دوسرے سے ان فتن کی زبردست مدافعت نمایاں ہے اور ظاہر ہے کہ خیر کی قوت شر ہی کے فروغ سے کھل سکتی ہے۔ پس جبکہ بنص حدیث اس صدی میں شرور وآفات کی برسات کی خبر دے گئی ہے تو اس سے اس صدد کے مجدد کی روحانی قوتوں' علمی برکتوں اور عملی ہمتوں کی لگاتار جھڑیوں کا اندازہ کر لینا چاہیے جس نے فتنوں کی کیچڑ اور گندگی کو دھو کرامت کے جسم کو صاف کر دیا تھا اور عرب وعجم میں اپنی برکات کی تری وتازگی پھیلا دی تھی۔

اپنے بعض بزرگ (مثل حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ کی روایت سے اس موقع پر یہ واقعہ نقل کر دینا بھی دلچسپی اور اظہار حقائق سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ دیوبند سے گزرتے ہوئے جب اس زمین پر پہنچے جہاں آج دارالعلوم کی عمارت کھڑی ہے تو ٹھٹک کر فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی بو آتی ہے۔ (بعینہ یہی مقولہ اپنے بزرگوں سے حضرت سید احمد صاحب رائے بریلویؒ کی نسبت بھی سنا ہے جبکہ انہوں نے جہاد پر جاتے ہوئے دیوبند میں قیام فرمایا تھا)۔

اور سب جانتے ہیں کہ یہ دارالعلوم مشرق ومغرب کے مسلمانوں کے لئے کتاب وسنت اور ان سے متعلق علوم کی ایک عدیم النظیر درس گاہ ہے جو اس دور تجدید میں بھی اسلاف کی ایک امانت کو سنبھالے ہوئے ہے۔ میں نے اپنے متعدد بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ درسگاہ بحیثیت مجموعی خود ایک مجدد کی شان رکھتی ہے جس کا غالب شعار آج کے دور الحاد وبدعت میں اتباع سنت کی تلقین اور حقیقی مسالک صحابہ کی ترویج ہے اور وہ بحمد اللہ ان تعلیمات کے لحاظ سے ایک ایسی ثابت وراسخ شمع ہے جس کی روشنی مسلسل اور غیر منقطع ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم کا یہ اتباع سنت کا شعار جبکہ وہ حضرت مجدد کی پیشین گوئی کا ظہور ہے۔ درحقیقت حضرت مجدد علیہ الرحمہ ہی کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک سنہرا کارنامہ ہے اور انہیں کے قلب روشن کی ہمت کا ایک مظاہرہ ہے جو اس چہار دیواری کی صورت میں اتباع سنت کا نور پھیلا رہا ہے۔

اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت مجدد صاحب کی تجدید محض وقتی تھی بلکہ ان کے مجددانہ علوم وکمالات ان کے وارثین وتیران کی تعلیمات اور ان کے پیغام کے حامل اس دارالعلوم کے ذریعہ آج تک بھی دین متین کی تجدید کر رہے ہیں اور جب تک منظور الٰہی ہے کرتے رہیں گے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

حواشی:

۱۔ وہی اللہ ہے جس نے بھیجا اُمیوں میں ایک رسول انہیں میں کا۔

۲۔ ہم نے بھیجے ان کی طرف بہت سے رسول۔

۳۔ اللہ خوب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی رسالت۔

۴۔ پھر نفسیاتی فتنوں کے ساتھ آفاقی فتنے بھی جس نوع کے آئے' مجددین وقت کو اسی کے استیصال کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت و استعداد دے کر بھیجا گیا۔ کسی مجدد نے فتنۂ شیعیت کو ختم کیا' کسی نے فتنۂ باطنیت کو' کسی نے ادعائے نبوۃ کے فتنوں کا تار و پود بکھیرا اور کسی نے عیسائیت کی وسوسہ اندازیوں کا استیصال کیا' کسی نے شرک کا تانا بانا اُدھیڑ دیا' کسی نے وثنیت کے ستون ڈھائے اور کسی نے ثنویت کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ دیا۔

۵۔ اسی لیے حضرت مجدد صاحبؒ کی تعلیمات میں بھی غالب رنگ اتباعِ سنت اور بدعت سے اظہارِ نفرت ہے۔ غرض ظاہر و باطن کی بے راہ روی اور آزادی سے بچا کر اُس اتباع کی راہ چلانا حضرت کی تعلیم کا ممتاز شعار ہے۔

(الفرقان (بریلی)۔ مجدد الف ثانی نمبر' ص ۹۷۔۱۰۳)

☆......☆......☆

ابوعبدالرحمٰن چشتی مچھلی شہری

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا جہاد تجدید

قالؐ علیہ وعلیٰ الہ الصلوت والتسلیمات' الاسلام بدء غریباً ویعود کمابدٔ فطوبیٰ للغرباء" وشروع آخریت ایں امت از بدایت الف ثانی است از ارتحال آں سرور عالم وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام زیرا کہ مُنیٰ الف راخاصیتے است عظیم درتغیر سورہ تاثیر یست قوی در تبدیل اشیاء' وچوں دریں است نسخ وتبدیل بنود ناچار نسبت سابقان بہمان طراوت رنضارت درستا دران جلوہ گرگشتہ است وتائید شریعت وتجدیدست در الف ثانی فرمودہ (ارشاد امام ربانی درمکتوب نمبر ۲۶۳ دفتر اول)

مقدس اسلام پر جب پورے ایک ہزار برس گزرے اور اس نے الف ثانی (ہزارہ دوم) میں قدم رکھا' اس وقت خاص کر ہندوستان میں عرب کے اس مسافر پر ہر چہار طرف سے فتنوں کی یورش تھی......ایک طرف سلطنت کا الحاد اور اس کی ہندونوازی بلکہ ہندویت پرستی اس کو پامال کر رہی تھی۔ دوسری طرف علمائے سوء کی سیسہ کاریاں اس میں رخنے ڈال رہی تھیں اور تیسری طرف "متصوفہ باطنیہ" کی ہوائی پرستیاں اس کی روح کو مسخ کر رہی تھیں اور لاوارث اسلام اس طرح اس "تثلیث" سے مغلوب کیا جا رہا تھا اس کا ضعف واضمحلال' اس کی غربت وکسمپرسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

خود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے (جن کو قدرت نے ان فتنوں کے مقابلہ اور استیصال ہی کے لئے کھڑا کیا تھا) جو کچھ اپنے تاثرات اس عہد کے متعلق لکھے ہیں' انہیں سے ایک صاحب بصیرت حقیقت حال کا پورا پورا اندازہ کر سکتا ہے...... چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"غربت اسلام تابہ حدے رسیدہ است کہ کفار برملا طعن اسلام وذم مسلمانان مے نمایند و بے تحاشا اجراء احکام کفر ومداحی اہل آن در کوچہ بازار میکنند ومسلمانان از اجراء احکام اسلام ممنوع اندو راتیان شرائع مذموم ومطعون۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز!
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

Marfat.com

سبحان اللہ وبجمۃ الشرع تحت السیف گفتہ اند و رونق شرع شریف را بسلاطین وابستہ اند قضیہ منعکس گشتہ است ومعاملہ انقلاب پیدا کردہ است واحسرتا واندامتا' واویلا۔''

(تمام تراجم بطور خلاصہ)

(اسلام کی کسمپرسی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے دھڑک کوچہ و بازار میں مراسم کفر ادا کرتے اور اہل کفر کی تعریفیں کرتے ہیں اور اس کے برعکس مسلمانوں کو احکام اسلام کی ادائیگی سے منع کیا جاتا ہے اور اس پر اعتراض ہوتا ہے۔

''پری منہ چھپائے ہوئے ہے اور دیو دندناتا پھرتا ہے۔ عقل حیران ہے کہ یہ کیا ابوالعجبی ہے۔''

خدا کی شان! مشہور تو یہ ہے کہ شریعت تلوار کے سایہ میں ہے اور دین کی رونق سلاطین سے وابستہ ہے لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹا ہو گیا ہے۔ کتنی حسرت وندامت اور کیسے افسوس کا مقام ہے۔)

(مکتوب نمبر ۶۵ دفتر اول نمبر ۸۲)

ایک دوسرے مکتوب میں اسی ''انقلاب'' پر اس طرح نوحہ کرتے ہیں:

''در قرن ماضی کفار برملا و بطریق استیلا اجرائے احکام کفر در دار اسلام میکردند و مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند و اگر میکردند قتل میرسیدند' واویلا وامصیبتا واحسرتا واحزنا' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کہ محبوب رب العالمین است مصدقان اور ذلیل وخوار بودند ومنکران او بعزت و اعتبار مسلمانان بادلہائے ریش در تعزیت اسلام بودند و معاندان بسخریہ و استہزاء بر جراحتہائے ایشان نمک پاشیدند آفتاب ہدایت در تتق ضلالت مستور شدہ بود ونور حق در حجب باطل منزوی۔''

(مکتوب نمبر ۴۷ ص ۶۵ ج ۱)

(پچھلے دنوں کفار برملا سینہ زوری سے احکام کفر اس دار السلام میں ادا کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کی اعلانیہ ادائیگی سے عاجز تھے اور اگر وہ ایسا کرتے تھے تو قتل کیے جاتے تھے۔ ہائے افسوس! اور ہائے ہماری بربادی! پروردگار عالم کے محبوب ﷺ کے ماننے والے ذلیل و خوار تھے اور ان کے منکروں کی عزت کی جاتی تھی۔ مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی تعزیت میں مصروف تھے اور دشمن مذاق اور تمسخر سے ان کے زخمی دلوں پر نمک چھڑکتے تھے۔ ہدایت کا آفتاب پردوں میں مستور تھا اور نور حق باطل کے حجابوں میں چھپا ہوا۔)

ایک اور موقع پر ارقام فرماتے ہیں:

''کفار ہند بے تحاشی ہدم مساجد مے نمایند و در آنجا تعمیر معبد ہائے خود میسازند...... ونیز کفار برملا

Marfat.com

مراسم کفر بجاے آرند مسلمانان در اجرائے اکثر احکام اسلام عاجز اند روزے کا وشی ہنود کہ ترک اکل وشرب مے نمایند اہتمام دارند کہ دراں روز در بلاد اسلام ہیچ مسلمانے در روز نان نہ پزد و نفروشد در ماہ مبارک رمضان برملا نان وطعام مے پزند و مے فروشند ہیچکس از زبونی اسلام منع آں نمے تواند نمود افسوس صد ہزار افسوس۔" (مکتوب نمبر ۹۲ دفتر دوم ص ۱۲۲)

(ہندوستان کے کفار بلا دھڑک مسجدوں کو گرا کر ان کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں......اور برملا وہ مراسم کفر ادا کرتے ہیں اور غریب مسلمان اکثر احکام اسلامی کے ادا کرنے سے عاجز ہیں۔ ہندوؤں کے برت کے دنوں میں یہ اہتمام ہوتا ہے کہ دن میں کوئی مسلمان روٹی نہ پکائے اور نہ فروخت کرے اور اس کے برعکس ماہ رمضان مبارک میں وہ برملا روٹی کھانا بیچتے ہیں اور اسلام کی کسمپرسی کی وجہ سے کوئی ان کو نہیں روک سکتا۔ افسوس صد ہزار افسوس۔)

حکومت کی بے راہ روی اور ہندو نوازی کی وجہ سے اسلام اور فرزندان اسلام پر اس وقت جو کچھ گزر رہی تھی اور ہندوستان کی زمین باوجود اس کی وسعت کے ان کے حق میں جس قدر تنگ کر دی گئی تھی' اس کا اندازہ حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کے انہی اجمالی بیانات سے ہو سکتا ہے...... یہ تو بیرونی بلا تھی جو بدقسمتی سے حکومت اور آہ کہ "اپنی حکومت" کے ہاتھوں سے مسلط ہو رہی تھی......اس کے علاوہ اندرونی رخنوں نے کیا حال کر رکھا تھا؟ اس کو بھی خود حضرت مجدد ہی کی زبان حق ترجمان سے سنئے۔

الف ثانی اور کفر و بدعت کی ظلمت

"بعد از ہزار سال ظلمات کفر و بدعت مستولی گشتہ است و نور اسلام وسنت نقصان پیدا کردہ۔"

(مکتوب نمبر ۹۶ دفتر سوم ص ۱۷۴)

(ہزار سال کے بعد کفر و بدعت کی تاریکیاں مسلط ہوگئی ہیں اور اسلام وسنت کا نور گھٹ رہا ہے۔)

ایک دوسرے مکتوب گرامی میں ارقام فرماتے ہیں:

"دریں وقت عالم بواسطہ کثرت ظہور بدعت در رنگ دریائے ظلمات بہ نظرے در آید۔"

(اس وقت بدعات کے عام شیوع کی وجہ سے سارا عالم تاریکیوں کے دریا کی طرح نظر آتا ہے۔)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں اور کس قدر دلسوزی سے فرماتے ہیں:

"عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است وبظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال امت کہ دم از رفع بدعت زند و باحیاء سنت لب کشاید اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند ومحو کنند ہائے

Marfat.com

سنت۔'' (مکتوب نمبر ۵۴ دفتر دوم ص ۱۰۳)

(ساری دنیا دریائے بدعت میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعات کی تاریکیوں نے سارے عالم کو آغوش میں لے لیا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت اور سنت کی حمایت میں زبان کھولے۔ اس وقت کے اکثر مولوی بدعتوں کے رواج دینے والے اور سنتوں کے مٹانے والے ہیں۔)

یہ تھے وہ حالات جن کے درمیان حضرت مجددؒ کو کھڑا کیا گیا اور جن کی اصلاح وتبدیل کا عظیم الشان کام آپ کے سپرد کیا گیا۔ اس کی طرف خود حضرت مجدد قدس سرہ نے بھی اپنے مکاتیب میں متعدد جگہ اشارے فرمائے ہیں۔ ایک موقع ملاحظہ فرمائیے:

اپنے صاحبزادہ' اسرار و معارف مجددیہ کے وارث حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو یہ لکھنے کے بعد کہ......''میں مقام محبوبیت اور قام خلت کو باہم دگر جوڑ دینے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں''......ارقام فرماتے ہیں:

''اے فرزند باوجود ایں معاملہ کہ بخلقت من مربوط بودہ است کارخانہ عظیم دیگر بمن حوالہ فرمودہ اند و برائے پیری مریدی مرا نیاوردہ اند و مقصود دانا خلقت من تکمیل وارشاد خلق نیست معاملہ دیگر است و کارخانہ دیگر دریں ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض خواہد گرفت والا لا معاملہ تکمیل وارشاد و نسبت بآں کارخانہ امریست ہیچوں مطروح فی الطریق۔'' (مکتوب نمبر ۶ دفتر دوم ص ۱۷)

(فرزند من! باوجود اس معاملہ کے جو میری آفرینش سے وابستہ ہے' ایک اور بہت بڑا کام میرے سپرد کیا گیا ہے۔ مجھے پیری مریدی کے لئے اس دنیا میں نہیں لایا گیا اور نہ میرے وجود سے ارشاد وتربیت مقصود ہے۔ معاملہ کچھ اور ہی ہے اور قدرت کو مجھ سے کچھ اور ہی کام لینا ہے' ہاں اس ضمن میں جس کو مناسبت ہو وہ یہ فیض بھی حاصل کرلے۔ جو کام قدرت کو مجھ سے لینا ہے اس کے مقابلہ میں یہ اصلاح وارشاد کا کام بالکل ہیچ ہے۔)

یہ ''کارخانہ عظیم'' اور ''معاملہ دیگر'' کہ جس کے سامنے تکمیل وارشاد کی بھی کوئی حقیقت نہیں بجز ''احیاء ملت'' اور ''اقامت دین'' کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ فی الحقیقت آپ کا اصل کام یہی تھا کہ اسلامی دنیا کی کایا پلٹ دیں اور حق جو باطل کے پردوں میں مستور ہوگیا تھا اس کو اصلی صورت اور اس کی اصلی شان میں دنیا کے سامنے رکھ دیں' کلمہ الٰہی پھر غالب ہو اور کفر و بدعت کے غلیظ بادل اسلام کے افق سے یکسر چھانٹ دیئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہزاراں ہزار رحمتیں نازل ہوں آپ کی روح پاک پر کہ آپ نے مجددانہ عزیمت اور مجاہدانہ جدوجہد کے ساتھ اس کام کو انجام تک پہنچایا اور دیکھنے والوں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جس کی اس وقت کوئی امید نہ کی جاسکتی تھی۔

اس مضمون میں آج ہم کو صرف یہ بتلانا ہے کہ اس مجدد دین وملت نے کس طرح ان حد سے زیادہ بگڑے

ہوئے حالات کو سنبھالا اور بلا کسی مادی طاقت اور حکومتی اقتدار کے کن تدابیر سے پورے ملک کی فضا کو بدل کے رکھ دیا اور حتیٰ کہ خود حکومت میں بھی آپ سے آپ وہ انقلاب ہو گیا جو بظاہر صرف انقلابی ذرائع سے ہی ہو سکتا تھا بلکہ بسا اوقات زبردست ''انقلابی تحریکوں'' سے بھی ایسا انقلاب رونما نہیں ہوتا۔

☆......☆......☆

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے ان فتنوں کے سرچشموں کو دریافت کیا تو دیکھا کہ اصولی طور پر صرف تین راستے ہیں جن سے گمراہیوں اور تباہیوں کے یہ سیلاب آ رہے ہیں۔

ایک اربابِ حکومت، جن کو حالات و اتفاقات کی ایک خاص رفتار اور ''سیاسی مفاد'' کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے ''اسلامیت'' سے بیگانہ اور لامذہبیت بلکہ ہندویت سے آشنا بنا دیا ہے۔

دوسرے وہ علماء جن کا مطمح نظر صرف اچھی طرح دنیا کمانا، ارباب اقتدار اور امراء وقت کی خوشنودی اور رضا جوئی میں ساعی رہنا اور ان کی خاطر ہر منکر کو معروف بنا دینا اور اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کے لئے اسلام میں گنجائش پیدا کرنا ہوتا ہے۔

تیسرے وہ گمراہ اور برخود غلط صوفی جو شریعت کو ''ظاہر پرستوں'' کا کھلونا سمجھتے ہیں اور ''طریقت و حقیقت'' کے مقدس ناموں سے انہوں نے اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی ہے جس میں آدمی خدا بھی بن سکتا ہے اور خدا کا بیٹا بھی اور جس میں ''عارف''، ''کامل'' بننے کے باوجود ہر گناہ اور لذت نفس کے ہر طریقے کے لئے پوری گنجائش ہے...... یہ تھے فتنوں کے تین چشمے جن میں سے ہر ایک کا دوسرے سے اتصال تھا۔

حضرت مجدد (قدس سرہ) نے بس انہی کو قابو میں لانے اور ان کا رخ صحیح کرنے کے لئے اپنی پوری حکمت اور قوت صرف فرما دی۔

افسوس ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اس جدوجہد کی کوئی مکمل بلکہ غیر مکمل تاریخ بھی موجود نہیں جس سے اس سلسلہ کے واقعات کی پوری ترتیب معلوم ہو سکے۔ خود حضرت ہی کے مکتوبات سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اپنے بہت سے ارکان سلطنت اور عمائد حکومت سے خاص ربط پیدا کیا، بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں ان کو اپنا گرویدہ بلکہ غلام بنا لیا لیکن یہ کیونکر ہوا؟ اور ایک فقیر بے نوا نے کس طرح اس میں کامیابی حاصل کی، اس کی تفصیلات افسوس ہے کہ بالکل نہیں ملتیں۔

بہرکیف جو صورت بھی اختیار کی گئی ہو حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کے لئے حق تعالیٰ نے یہ راستہ پیدا کر دیا اور آپ کی عظمت و جلالت اور مودت و محبت کچھ ایسے قلوب میں ڈال دی جن کے ہاتھوں میں سلطنت کا کاروبار تھا اور جن کو حکومت میں کافی رسوخ حاصل تھا...... آپ نے ایک طرف تو خود ان کی تعلیم و تربیت فرمائی اور ان کے خیالات کو درست کر کے اسلامی زندگی کا اصلی نصب العین ان کے سامنے رکھا اور دوسری طرف ان کے ذریعہ حکومت کی مشنری کے رخ کو صحیح کیا۔ یہ ارکان سلطنت جن کے ذریعہ سے حضرت علیہ الرحمتہ اپنا یہ انقلابی پروگرام چلا رہے تھے، ان میں سے بعض دارالسلطنت آگرہ ہی میں اور بعض دیگر مختلف صوبوں میں تھے اور حضرت ہر ایک کو برابر ہدایات دیتے تھے۔

حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت جبکہ رسل و رسائل کے ذرائع بہت ہی محدود تھے جبکہ تار برقی کا یہ جال اور ریلوں کا موجود الوقت نظام پھیلا ہوا نہ تھا' اس وقت یہ ''فقیر'' کس طرح سرہند کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر یہ سب کچھ کر رہا تھا۔

آپ کی اس ٹھوس اور خاموش انقلابی کوشش کا کچھ دھندلا سا نقشہ جن مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے' ان میں سے چند کے اقتباسات ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

اسلام کی غربت اور کسمپرسی اور حکومت وقت کی اس کے ساتھ بے مہری کا ذکر کرنے کے بعد حکومت وقت کے خاص رکن خان اعظم خاں کو لکھتے ہیں:

''امروز وجود شریف شمارا مغتنم مے شمریم و مبارز دریں معرکہ ضعیف و شکست خوردہ جز شمارا نمے دانیم حق سبحانہ و تعالیٰ موید و ناصر شما باد بحرمتہ النبی و آلہ الا مجاد علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات والتحیات والبرکات ''لن یومن احد کم حتی یقال انہ مجنون'' دریں وقت آں جنوں کہ بنائے آں فرط غیرت اسلام است در نہاد شما محسوس است الحمد اللہ سبحانہ علیٰ ذالک امروز آں روز است کہ عمل قلیل را با جرے جزیل باعتنائے تمام قبول مے فرمایند ایں جہاد قولی کہ امروز شمارا میسر شدہ است جہاد اکبر است مغتنم دانید و ہل من مزید بگویند و ایں جہاد گفتن را بہ از جہاد کشتن دانید مثال ما مردم فقراء بے دست و پا ازیں دولت محروم ۔

دادیم ترا از گنج مقصود نشاں
گرما نرسیدیم تو شاید برسی''

(مکتوب نمبر ۶۵ ص ۸۲ دفتر اول)

(اس نازک وقت میں جبکہ ہمارا پلہ کمزور ہے اور ہم بازی ہار چکے ہیں' آپ کے وجود کو ہم غنیمت سمجھتے ہیں اور سوائے تمہارے کوئی ''مرد میدان'' اس میدان میں ہم کو نظر نہیں آتا' حق تعالیٰ بطفیل اپنے نبی اور ان کے اہل بیت کے (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) آپ کا ناصر و مددگار رہو۔ حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ ''تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کو دیوانہ نہ کہا جائے۔'' اس وقت وہ ''دیوانگی'' جس کی بنیاد اسلامی غیرت اور حمیت پر ہوتی ہے' آپ ہی کی فطرت میں نظر آتی ہے والحمد للہ علیٰ ذالک۔ آج وہ وقت ہے کہ تھوڑے عمل کو بڑے ثواب کے بدلے میں بڑی مہربانی سے قبول فرماتے ہیں...... یہ جہاد قولی جو آج تم کو میسر ہے جہاد اکبر ہے۔ اس کو غنیمت جانو اور مزید کے طالب رہو۔ یہ جہاد باللسان جہاد بالسیف سے افضل ہے۔ ہم جیسے بے دست و پا فقراء (جن کی دربار شاہی تک رسائی نہیں) اس نعمت سے محروم ہیں۔ ہم نے تم کو خزانہ کا پتہ دے دیا ہے۔ اگر ہمارا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکا ہے تو شاید تم ہی اس کو پالو۔)

نیز اسلام کی کمزوری' مسلمانوں کی ذلت و خواری اور بے اعتباری اور کفار کی چیرہ دستیوں کا حال لکھنے کے

Marfat.com

بعد لالا بیگ[2] کو خدمت دین اور اعلائے حق کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''از ابتداء بادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت و مسلمانان اعتبار پیدا کردند فبہا و اگر عیاذاً باللہ سبحانہ در توقف افتد کار بر مسلمانان بسیار مشکل خواہد شد' الغیاث' الغیاث ثم الغیاث الغیاث تا کدام صاحب دولت بایں سعادت مستعد گردد و کدام شاہباز بایں دولت دست برد نماید ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم' ثبتنا اللہ وایاکم علی متابعۃ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰۃ افضلھا ومن التسلیمات اکملھا. والسلام۔ (مکتوب نمبر ۸۱ ص ۱۰۶ ج ۱)

(اگر اس وقت کہ حکومت کا آغاز ہے' اسلامیت نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے اپنا وقار قائم کرلیا تو فبہا ورنہ اگر معاذ اللہ کچھ توقف ہوگیا تو مسلمانوں پر معاملہ بہت مشکل ہو جائے گا' الغیاث' الغیاث' ثم الغیاث' الغیاث۔ دیکھئے یہ سعادت کس خوش نصیب کے ہاتھ آتی ہے اور کون شاہباز اس نعمت کو اُچکتا ہے۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے بخشے' اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔)

صدر جہاں[3] کو کچھ دعائیں دینے اور عہد اکبری کی دینی بربادی کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اکنون کہ انقلاب دول بظہور پیوستہ و وصورت عناد اہل ملل' برہم شکستہ برائمہ اسلام از صدر اسلام و علماء کرام لازم است کہ تمام ہمت خود را مصروف رواج شریعت عزاء ساختہ در بدایت امر ارکان اسلام منہدمہ را بر پا سازند کہ در تسویف خیریت ظاہر نے شود دلہائے غریباں ازیں تاخیر در اضطراب شد تہا است...... ہرگاہ بادشاہاں را گرمی ترویج سنت سنیہ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ نباشد و مقربان ایشان نیز دریں باب خود را معاف دارند وحیات چند روزہ را عزیز شمرند کار بر فقرائے اہل اسلام بسیار تنگ و تیرہ خواہد بود' انا للہ وانا الیہ راجعون

آنچہ از من گم شدہ گر از سلیماں گم شدہ
ہم سلیمان ہم پری ہم اہرمن نگریستے!''

(مکتوب نمبر ۱۹۵ دفتر اول)

(اب جبکہ سلطنت میں انقلاب رونما ہوگیا ہے اور اہل مذاہب کے عناد کی تیزی ختم ہو بگڑ چکی ہے عظماء اسلام' وزراء اور علماء کرام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی پوری توجہ احکام شرعیہ کی ترویج پر لگا دیں اور اولین فرصت میں اسلام کے ان ارکان کو قائم کریں جو عہد ماضی میں منہدم کر دیئے گئے تھے۔ ہم غریبوں کو اس بارہ میں تاخیر و توقف سے سخت بے چینی ہے جبکہ بادشاہان اسلام ہی میں سنن نبویہ کی ترویج کا جذبہ نہ ہو اور ان کے مقربین بھی اس بارہ میں کچھ نہ کریں تو

فقراء اہل اسلام کے لئے کام بڑا تنگ و تاریک ہو جائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیا بتائیں! کہ اس دینی بربادی کی وجہ سے ہمارا کیا حال ہے۔ آہ! جو دولت ہم سے چھینی ہے اگر وہ جناب سلیمانؑ کے ہاتھ سے گئی ہوتی تو وہ خود اور ان کے ساتھ دیو پری سب خون کے آنسو روتے۔)

خان جہاں جو سلطان وقت کے مقربین خاص میں سے تھے اور جہانگیر جن کی بات کو سنتا اور مانتا تھا' ان کی اصلاح کی طرف حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو خاص توجہ تھی مکتوبات کے تینوں دفتروں میں آپ کے نام بہت سے مکاتیب ہیں۔ دفتر دوم میں ایک طویل مکتوب گرامی ہے جس میں آپ نے دین کے تمام مہمات' تمام ضروری عقائد اور ارکان اسلام کو بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے جمع فرما دیا ہے اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک شخص کو دین اسلام اور طریقہ اہل سنت و جماعت سے واقف کرانے کے لئے یہی مکتوب گرامی کافی ہے۔

اس میں دین کے متعلق تمام ضروری باتیں لکھنے کے بعد ''حرف مطلب'' کو اس طرح ادا فرماتے ہیں:

''دولتے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ شمارا باآں ممتاز ساختہ است و مردم ازاں دولت غافل اند بلکہ نزدیک است کہ شما ہم آنرا در نیابید آن است کہ بادشاہ وقت...... ہرگاہ سخن شمارا بحسن استماع میفرمایدو بقبول تلقی مے نماید چہ دولت است کہ بصریح یا باشدت کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام کہ موافق معتقدات اہل سنت و جماعت است شکر اللہ سعیہم گوش زد ایشاں نمایند و ہر قدر کہ گنجائش دانند سخن اہل حق را عرضہ دارند بلکہ ہموارہ مترصد و منتظر باشند کہ تقریبے پیدا شود و سخن مذہب وملت درمیان آید تا اظہار حقیقت اسلام نمودہ آید و بیان کفر و کافری کردہ شود۔''

(حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو جس دولت عظمیٰ سے ممتاز کر رکھا ہے کہ عام آدمی اس سے ناواقف ہیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ خود تم کو بھی اس کا احساس نہ ہوئیہ ہے کہ جبکہ بادشاہ وقت آپ کی بات سنتا اور مانتا ہے تو کتنا اچھا موقع اور کیسی نعمت ہے کہ صراحتاً یا اشارتاً جب جیسا موقع سمجھا جائے کلمہ حق یعنی حضرات اہلسنت و جماعت کے معتقدات کے موافق اسلامی تعلیمات ان کے کان میں ڈالی جائیں اور اہل حق کی باتیں واں تک پہنچائی جائیں بلکہ ہمہ وقت اس کے متلاشی اور منتظر رہیں کہ کوئی موقع مذہبی اور دینی گفتگو کا آئے تا کہ اسلام کی حقانیت اور کفر اور اہل کفر کی خرابیاں بیان کی جا سکیں۔)

پھر ہندی بت پرستوں اور شیعوں کے عقائد باطلہ پر ایک مختصر تبصرہ فرمانے کے بعد (کہ حکومت کو اس وقت یہی دو گھن لگے ہوئے تھے) آخر مکتوب میں پھر اپنے مطلب پر آ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

براصل سخن رویم گویم کہ معلوم ایشاں است کہ سلطان کالروح است و سائر انسان کالجسد اگر روح صالح است بدن صالح و اگر روح فاسد است بدن فاسد پس در صلاح سلطان کوشیدن در صلاح

Marfat.com

جمیع نبی آدم کوشیدن است و اصلاح در اظہار اسلام است بہر روش کہ گنجائش وقت باشد واز گذشت کلمہ اسلام از معتقدات اہل سنت و جماعت نیز گاہ و بے گاہ گوش زد باید ساخت ورد مذہب مخالفت باید نمود واگر ایں دولت میسر گردد وراثت عظمیٰ از انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات بدست آید شمارا ایں دولت مفت بدست آمدہ است قدر آں بدانند"

(مکتوب نمبر ۶۷ دفتر دوم ص ۱۳۵)

(اب میں اصلی بات پر آتا ہوں اور کہتا ہوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ مثل روح کے ہے اور باقی انسان بمنزلہ جسم کے۔ اگر روح ٹھیک ہوتی ہے تو جسم بھی صحیح سالم رہتا ہے اور جب روح میں کوئی خرابی آجاتی ہے تو جسم بھی خراب ہو جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح کی کوشش کرنا دراصل تمام انسانوں کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے اور یہ اصلاح اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب موقع ملے اور جب کوئی گنجائش نظر آئے صحیح اسلامی تعلیمات ان کے کان میں ڈالی جائیں اور مخالفین کے مذاہب باطلہ کا رد کیا جائے۔ اگر یہ دولت آپ نے حاصل کی تو سمجھئے کہ آپ کو انبیاء علیہم السلام کی وراثت مل گئی۔ بڑی سعادت ہے کہ آپ کو یہ دولت مفت مل رہی ہے اس کی قدر جاننی چاہیے۔)

انہی خان جہاں کو ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

"ہمیں خدمت کہ درپیش ارند اگر آنرا بانیان شریعت مصطفیٰ علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ جمع سازند کار انبیاء کردہ باشند علیہم الصلوٰت والتسلیمات و دین متین را منور ساختہ و معمور گردانیدہ ما فقیراں اگر سالہا جاں بکنیم دریں عمل بگرد شما شاہبازاں ترسیم ۔

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بہ میداں درنمے آید سوار انراچہ شد
اللھم وقتنا لما تحب و ترضیٰ"

(مکتوب نمبر ۴۷ دفتر سوم ص ۶۲)

(یہی خدمت اور یہی منصب جس پر آپ ہیں اگر اس سے شریعت مصطفوی کی تائید و ترویج کا پورا کام لیں اور اس کے لئے اپنی امکانی قوت اور پورے اختیارات صرف کریں تو گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام کریں گے اور دین مقدس کو منور اور آباد کردیں گے۔ ہم فقیر لوگ اگر اپنی جان بھی ختم کردیں گے جب بھی اس کام میں آپ جیسے شاہبازوں کی گرد نہیں پاسکتے' بس توفیق و سعادت کی گیند سامنے ڈال دی گئی ہے لیکن وئی خوش بخت میدان میں نہیں اترتا۔ نہ معلوم سواروں کو کیا ہوگیا۔ اے اللہ اپنی مرضیات کی توفیق دے۔)

Marfat.com

بارگاہ سلطانی کے ممتاز مقربین میں ایک شیخ فریدؒ بھی تھے۔ ان کے نام بھی حضرت کے بہت سے مکاتیب ہیں۔ ایک مکتوب میں دعائیں دینے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

"بادشاہ نسبت بعالم در رنگ دل است نسبت بہ بدن کہ اگر دل صالح است بدن صالح است و اگر فاسد است فاسد، بصلاح پادشاہ صلاح عالم است و بفساد فساد عالم......

امروز کہ زوال مانع دولت اسلام و بشارت جلوس بادشاہ اسلام بگوش خاص و عام رسید اہل اسلام برخود لازم دانستند کہ مدد و معاون پادشاہ باشند و بر ترویج شریعت و تقویت ملت دلالت نمایند این امداد و تقویت خواہ بزبان میسر شود و خواہ بدست سابق ترین دولت مددہا تبیین مسائل شرعیہ است و اظہار عقائد کلامیہ بر طبق کتاب و سنت و اجماع امت تا مبتدع رضالے در میان آمد و از راہ نبرد و کار بفساد نہ انجام...... متوقع از جناب شریف ایشان آنست کہ چوں استطاعت و قرب بادشاہ بروجہ اتم ایشاں راحق سبحانہ وتعالیٰ میسر ساختہ است در خلاء ملا در ترویج شریعت محمدی علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کوشند و مسلمانان را از غربت برآرند۔"

(مکتوب نمبر ۴۷ دفتر اول ص ٦٦)

(بادشاہ کو دنیا سے وہی نسبت ہے جو دل کو تمام بدن سے کہ اگر دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح اور اگر دل میں خرابی آئی تو بدن بھی خراب ہوگا۔ بہر حال بادشاہ کی صلاح و فساد سے دنیا کا صاح و فساد وابستہ ہے...... آج کہ دولت اسلام کی ترقی اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی خوشخبری عام و خاص کو پہنچی اہل الام نے بادشاہ کی امداد و اعانت اور ترویج شریعت اور تقویت ملت کے بارہ میں اس کی رہنمائی اور اس راہ میں ہر قسم کا تعاون لازم و ضروری جانا اور اولین امداد یہی ہے کہ مسائل شرعیہ اور کتاب و سنت و اجماع امت کے مطابق عقائد اسلامیہ سے ان کو باخبر کیا جائے تاکہ کوئی مبتدع اور کوئی گمراہ غلط راہ پر لے جا کر کام خراب نہ کر دے...... جناب والا سے توقع یہ کہ جب خدا نے آپ کو بادشاہ کا قرب اور پھر کلمہ حق کہنے کی استطاعت اور قدرت دی ہے تو خلوت اور جلوت میں شریعت کی ترویج کے لئے ضرور کوشش فرمائیں گے اور مسلمانوں کو اس کسمپرسی کے عالم سے ضرور نکالیں گے۔)

پھر اس سے اگلے مکتوب میں کہ وہ بھی انہی شیخ فرید کے نام ہے، ارقام فرماتے ہیں:

"مقصود از بعثت ایں اکابر تبلیغ شرائع است پس بزرگ ترین خیرات سعی در ترویج شریعت است و احیائے حکم از احکام آن علی الخصوص در زمانے کہ شعائر اسلام منہدم شدہ باشند کرورہا در راہ خدا عزوجل و علا خرچ کردن برابر آں نیست کہ مسئلہ از مسائل شرعیہ را رواج دادن چہ دریں فعل اقتدا بانبیا است کہ بزرگترین مخلوقات اند علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات و مشارکت است بآں اکابر۔"

(مکتوب نمبر ۴۸ دفتر اول ص ٦٧)

Marfat.com

(ان (اکابر انبیاء و رسل) کی بعثت سے غرض شریعت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ بس سب سے بڑی نیکی یہی ہے کہ شریعت کی ترویج اور احکام الٰہیہ کے اجراء کے لئے کوشش کی جائے بالخصوص اس زمانہ میں کہ اسلامی شعائر منہدم ہوگئے ہیں۔ اللہ کی راہ میں کروڑ ہا روپیہ خرچ کرنا اس کے برابر نہیں ہے کہ احکام شریعہ میں سے ایک حکم کو رواج دے دیا جائے کیونکہ اس کام میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰت والسلام کی اقتدا اور ایک گونہ ان کے ساتھ مشارکت ہے۔)

پھر اس سے بعد والے مکتوب میں کہ وہ بھی انہی شیخ فرید کے نام ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''از حق سبحانہ وتعالیٰ خواستہ مے آید کہ بتوسل وجود شریف آں سلالہ عظام ارکان شریعت غراو احکام ملت زہرا۔ قوت گیرند و رواج پذیرند

کار این است غیر ایں ہمہ ہیچ

امروز غرباء اہل اسلام را دریں طور گرداب ضلالت امید نجات ہم از سفینہ اہل بیت خیر البشر است علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا قال علیہ الصلوٰۃ والسلام مثل اهل بیتی کسفینته نوح من رکبها نجار من تخلف عنها هلک ۔ ہمت علیا را بتمام برآن گمارند کہ ایں سعادت عظمیٰ را بدست آرند بعنایت اللہ سبحانہ از قسم جاہ وجلال وعظمت و شوکت ہمہ میسر است باوجود شرف ذاتی اگر ایں علاوہ بآں منضم شود گوئے سبقت بچوگاں سعادت از ہمہ بہ پیش بردہ باشند ایں حقیر بارادہ اظہار مثال ایں سخناں در تائید و ترویج شریعت حصہ متوجہ خدمت ایشان است۔''

(حق سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ بزرگان اہل بیت نبوی کی اولادؓ ہی کے ذریعے سے شریعت کے ارکان اور ملت کے احکام رواج پذیر ہوں۔ ''بس یہی اصل کام ہے اس کے سوا سب ہیچ ہے۔'' گمراہی کے اس طوفان میں غرباء، اہل اسلام کو نجات کی امید آج بھی اہل بیت نبوی ہی کی کشتی سے ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جو الگ رہا وہ ہلاک ہوا۔ بس اپنی بلند ہمت کو بہ تمام و کمال اسی پر لگا دیں کہ (احیاء ملت اور ترویج شریعت) کی یہ سعادت حاصل ہو۔ خدا کے فضل سے عظمت و جاہ اور شوکت و جلال سب ہی میسر ہے۔ باوجود اس شرف کے اگر یہ دولت بھی میسر آ گئی تو پھر تو سعادت کے میدان میں سب ہی سے بازی لے گئے۔ یہ حقیر تائید ملت اور ترویج شریعت کے متعلق اسی قسم کی باتیں پیش خدمت کرنے کے لئے حاضری کا قصد کر رہا ہے۔)

نیز انہی شیخ فرید کو ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

''سیادت پناہا! مکرما! امروز اسلام بسیار غریب است اجتبل کہ مزدور در تقویت آن صرف مے

کندیکر ور ہا متحیر ند' تا کدام شاہباز بایں دولت عظمیٰ' شرف سازند ترویج دین وتقویت ملت در ہماں وقت از ہرکس کہ بوقوع آید زیبا است و رعنا واما دریں وقت کہ غربت اسلام است از امثال شما جوانمردان اہل اہل بیت زیباتر ورعنا تر است کہ ایں دولت خانہ زاد خاندان بزرگ شما است از شما ذاتی است واز دیگران عرضی' حقیقت وراثت نبوی علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰت افضلہا ومن التحیات اکملہا درتحصیل ایں امرعظیم القدر است۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیدان درنمی آید سواراں راچہ شد

بقایائے رسوم کفر کہ درقرن سابق پیدا شدہ بود دریں وقت کہ بادشاہ اسلام را آں توجہ باہل کفر نماندہ است بردلہائے مسلماناں بسیار گراں است برمسلمانان لازم است کہ بادشاہ اسلام را از زشتی رسوم آن بدکیشان اطلاع بخشند ودر رفع آں کوشند شاید بقایائے اینہا متبنی باشد برعدم علم بادشاہ بزشتی آنہا...... بہرحال از حقیقت مسائل شرعیہ اطلاع دادن ضروری است تا ایں واقع نشود عہدہ برذمہ علماء ومقربان حضرت بادشاہ است' چہ سعادت کہ دریں گفتگوئے ہا آزار رسند انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتحیات درتبلیغ احکام شرعیہ چہ آزارہا نہ کشیدہ اندوچہ محنتہا ندیدہ بہترین ایشان علیہم من الصلوۃ افضلہا ومن التحیات اکملہا فرمودہ

"ما اوزی نبی مثل ما او ذیت"

عمر بگذشت و حدیث درد ما آخر نشد
شب بآخر شد کنوں کو تہ کنم افسانہ را"

(مکتوب نمبر۱۹۴)

(میرے سیادت پناہ! مکرم آج اسلام بڑی کسمپرسی کی حالت میں ہے۔اس وقت اگر ایک مزدور اس کی امداد وتقویت کے لئے دمڑی کی کوڑی بھی خرچ کرے تو مولا تعالیٰ اس کو کروڑوں میں خریدتے ہیں۔دیکھیں کس بہادر کو اس دولت (احیاء ملت وترویج شریعت) سے مشرف فرماتے ہیں اور کس سے یہ مہم سر کراتے ہیں...... یوں تو دین کی تقویت جس وقت بھی جس سے وقوع میں آئے اچھا ہی ہے لیکن اسلام کی اس کسمپرسی کے زمانہ میں آپ جیسے جواں مردان اہل بیت سے زیباتر اور خوب تر ہے کیونکہ یہ دولت اصلاً آپ ہی کے محترم خاندان کی خانہ زاد ہے۔اس کا تعلق آپ حضرات سے بالذات ہے اور دوسروں سے بالعرض اور بالواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور حقیقی وراثت اسی کام کے کرنے میں ہے۔

بڑا میدان میں ہے گیند توفیق و سعادت کا
ہوا کیا ہے سواروں کو کوئی آگے نہیں بڑھتا

Marfat.com

کفر کی جو باتیں پچھلے دور میں پیدا ہو گئی تھیں اب اس وقت جبکہ بادشاہ اسلام کو اہل کفر کے ساتھ وہ توجہ نہیں رہی ہے' ان کا کچھ بھی باقی رہنا مسلمانوں کے دلوں پر سخت گراں ہے۔ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ بادشاہ کو ان بدکیشوں کی رسومات کی قباحت پر مطلع کریں اور ان کے مٹانے کی پوری کوشش کریں۔ جو کچھ ان میں سے باقی رہ گئی ہیں ان کا بقا شاید اسی وجہ سے ہو کہ بادشاہ کو ان کی خراب کا علم نہ ہو...... بہرحال شرعی مسائل سے بادشاہ کو مطلع کرتے رہنا نہایت ضروری ہے جب تک یہ نہ ہوگا بادشاہ کے مقربین اور علماء اسلام پر اس کا بار رہے گا۔ اگر اس سلسلہ میں کسی جماعت پر عتاب ہو جائے اور کوئی تکلیف پہنچے تو بڑی سعادت ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے احکام شرعیہ کی تبلیغ میں کیا کیا تکلیفیں نہیں اٹھائیں اور کیا کیا مشقتیں برداشت نہیں کیں سارے نبیوں کے سردار آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''کسی پیغمبر کو اتنی تکلیف نہیں دی گئیں جس قدر کہ مجھے دی گئیں۔''

عمر گزری پر نہ قصہ درد کا پورا ہوا　　رات آخر ہوگئی اب چھوڑتا ہوں ماجرا)

اس قسم کے مکاتیب، جو حضرت نے مقربان سلطانی کو وقتاً فوقتاً لکھے ہیں' دفاتر مکتوبات میں پچاسوں موجود ہیں' پھر ان میں صرف یہی نہیں ہے کہ بادشاہ تک کلمہ حق پہنچانے اور اس کو راہ راست پر لانے کی طرف ہی ان کو توجہ اور ترغیب دلائی ہو' بلکہ اکثر مکاتیب میں تو ان مسائل کو بھی خود ہی وضاحت اور تفصیل سے نہایت دلنشین طریقہ پر لکھ دیا ہے۔ کفر و شرک اور رسوم کفار کی تردید و تقبیح اور اسلام و شعائر اسلام و تعلیمات اسلام کی تائید و توضیح اس طرح کی ہے کہ ایک صاحب فہم اور منصف مزاج کی اصلاح اور درست خیالات کے لئے بالکل کافی ہے۔ ان مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نے بادشاہ کے ان ہم نشینوں اور مقربوں پر اچھی طرح قبضہ کر لیا تھا اور گویا ان کو اپنا ریکارڈ بنا لیا تھا کہ جو بات اور اصلاح کی جو آواز آپ بادشاہ تک پہنچانا چاہتے تھے بس ان میں بھر دیتے تھے اور پھر وہ ان کے ذریعہ بادشاہ وقت کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی۔

اس تدبیر سے آپ نے اتنی کامیابی حاصل کی کہ چند ہی دنوں میں بادشاہ کے رجحانات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی اور ''غریب'' اسلام کی طرف بھی توجہ کی جانے لگی اور نوبت با ینجا رسید کہ ایک دن شیخ فرید ہی کو سلطانی حکم ملا کہ

''دربار کے لئے چار دیندار عالم مہیا کئے جائیں جو مسائل شرعیہ بتلایا کریں تا کہ کوئی کام خلاف شرع واقع نہ ہووے۔''

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو جب یہ خبر پہنچی تو بے حد مسرت ہوئی لیکن آپ کی مجددانہ فطرت نے اس باریک تر خطرہ کو بھی فوراً ہی محسوس کر لیا جو اس سراپا خیر تجویز میں مضمر تھا۔ آپ کے حافظہ میں واقعات کی پوری روداد موجود تھی اور یہ حقیقت آپ کے سامنے تھی کہ اکبر کو اسلام سے برگشتہ کر کے 'اکفر' بعض نفس پرست اور جاہ پسند علمائے سوء ہی نے بنایا تھا۔ اگر خدانکردہ اسی ٹائپ کے ''مولوی'' پھر دربار میں جمع ہو گئے تو کہیں یہ کی کرائی محنت بھی برباد نہ ہو جائے...... آپ نے فوراً شیخ فرید کے نام ایک مکتوب گرامی لکھا۔ اس میں شیخ موصوف کو دعائیں دینے اور اس خبر فرحت اثر پر مسرت د

Marfat.com

شادمانی کا اظہار کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

''الحمدللہ سبحانہ علی ذالک مسلمانان را بازیں چہ بشارت و ماتم زدگاں را بازیں چہ نوید' لیکن چوں حقیر بواسطہ ہمیں غرض متوجہ خدمت علیا است چنانکہ مکرر اظہار آن نمودہ بضرورت دریں باب از گفتن ونوشتن معاف نخواہد داشت' امید است کہ معذور خواہند فرمود' صاحب الغرض مجنون...... معروض میگرداند کہ علماء دیندارانہ خود اقل قلیل از کہ از حب جاہ و ریاست گزشتہ باشند و مطلبے غیر از ترویج شریعت و تائید ملت نہ داشتہ باشند بر تقدیر حب جاہ ہر کدام ازیں علماء طرفے خواہند گرفت و اظہار فضیلت خود خواہند نمود...... وسخنان اختلافی درمیان خواہند آورد' وآنرا توسل قربت بادشاہ خواہند ساخت ناچار مہم دریں امر خواہد شد در قرن سابق اختلافات علماء عالم را در بلا انداخت و ہمان صحبت درپیش است ترویج چہ گنجایش دارد کہ باعث تخریب دین خواہد شد والعیاذ باللہ سبحانہ من ذالک ومن فتنۃ العلماء السوء۔ اگر یک را برائے ایں غرض انتخاب کنند بہتر مے نماید' اگر از علماء آخرت پیدا شد چہ سعادت کہ صحبت او کبریت احمر است واگر پیدا نشود بعد از تامل صحیح بہترین این جنس را اختیار کنند...... ہم چناں کہ خلاصی خلق بوجود علماء است خسران عالم نیز بایشان مربوط است بہترین علماء بہترین عالم است و بدترین ایشان بدترین خلائق ہدایت و اضلال را بایشان مربوط ساختہ اند' عزیزے ابلیس لعین را دید کہ فارغ و بیکار نشستہ است سر آنرا پرسید گفت علماء اینوقت کار ما میکنند و در اغوا و اضلال کافی اند۔

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او ریشتن گم است کرا رہبری کند

غرضیکہ دریں باب فکر صحیح و تامل صادق مرعی داشتہ اقدام خواند نمود چوں کار از دست بر دعلاجے نمے پزیرد۔'' (مکتوب نمبر ۵۳ ص ۷۱ دفتر اول)

(الحمدللہ! مسلمانوں کو اس سے بڑھ کر کونسی خوشی ہوگی اور ماتم زدوں کو اس سے زیادہ کیا خوشخبری' لیکن چونکہ فقیر اسی غرض کے لئے آپ کی طرف متوجہ ہے اس لئے اس معاملہ میں ضروری باتیں کہنے اور لکھنے سے معاف نہیں رکھ سکتا۔ مجھے معذور سمجھیں معلوم ہے کہ غرض والا تو دیوانہ ہوتا ہے...... عرض کرنا یہ ہے کہ ایسے دیندار علماء جن کو جاہ مال کی چاہت بالکل نہ ہو اور جن کے سامنے ترویج شریعت اور احیاء ملت کے سوا کوئی نصب العین نہ ہو' بہت ہی کم بلکہ کم سے کم ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ علماء میں اگر منصب اور عزت کی خواہش ہوئی تو ہر ایک اپنی طرف کھینچنا چاہے گا اور اپنی بڑائی جتانے کی کوشش کرے گا اور پھر ان میں اختلافات ہوں گے اور انہی کو یہ تقرب بادشاہی کا ذریعہ بنائیں گے۔ لامحالہ پھر معاملہ بگڑ جائے گا۔ دور سابق میں علمائے سوء کے اختلافات ہی نے دنیا کو بلا میں ڈالا تھا۔ اب وہی چیز پھر درپیش ہے دین کی ترویج کجا کہیں پھر

Marfat.com

تخریب نہ ہو (والعیاذ باللہ) اگر بجائے چار کے ایک ہی عالم کو اس کے لئے انتخاب کریں تو بہتر ہے۔ اگر علماء ربانی میں سے مل جائیں تو کیا کہنا۔ ان کی صحبت تو کبریت احمر ہے اور اگر کوئی خالص اللہ والا میسر نہ ہو تو پھر خوب غور وفکر سے جس کو بہتر سمجھیں اس کو اختیار کریں......جس طرح مخلوق کی نجات علماء کے وجود سے ہے اسی طرح لوگوں کا خسران بھی انہی سے وابستہ ہے۔ بہترین علماء بہترین خلائق ہیں اور بدترین علماء بدترین خلائق۔ ہدایت اور گمراہی انہی سے وابستہ ہے۔ ایک بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ بیکار اور نچنت بیٹھا ہے۔ اس سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ اس زمانہ کے علماء میرا کام انجام دے رہے ہیں اور دنیا کو گمراہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

کام جس عالم کا ہوگا غفلت و تن پروری
اور کی وہ کس طرح پھر کر سکے گا رہبری

میرا مقصد یہ ہے کہ اس معاملہ میں اچھی طرح غور وفکر کر کے کوئی قدم اٹھائیں۔ جب بات ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو پھر کوئی علاج نہیں ہوسکتا ہے۔)

اس سلسلہ میں ایک گرامی نامہ آپ نے صدر جہاں کو بھی لکھا ہے۔ اس میں حق تعالیٰ کی حمد وثناء اور دعوات صالحہ کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

''شنیدہ شد کہ بادشاہ اسلام از حسن استعداد اسلامی خواہاں علما اند الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذالک۔ معلوم شریف است کہ در قرن سابق ہر فسادے کہ پیدا شد از شومیٔ علماء سوء بظہور آمد درین باب تتبع تمام مرعی داشتہ از علماء دیندار انتخاب نمودہ اقدام خواہند فرمود علماء سوء نصوص دین اند مطلب ایشاں حب جاہ و ریاست و منزلت نزد خلق است والعیاذ باللہ سبحانہ من فتنتہم آرے بہترین ایشاں بہترین اند ایشانند کہ فردائے قیامت سیاہی ایشانرا بخون شہدائے فی سبیل اللہ وزن خواہند کرد و پلہ ایں سیاہی خواہد چربید شر الناس شرار العلماء وخیر الناس خیار العلماء۔''

(مکتوب نمبر ۱۹۵ ص ۱۹۵ ج ۱)

(سنا گیا ہے کہ بادشاہ اب اسلامی رجحانات کی وجہ سے کچھ علماء چاہتے ہیں (الحمد للہ علی ذالک) آپ کو تو معلوم ہے کہ پچھلے دور میں جو فساد آیا وہ علمائے سوء ہی کی کمبختی سے پیدا ہوا تھا لہٰذا اس بارے میں خوب تحقیق وتلاش کر کے دیندار علماء کا انتخاب فرمایا جائے۔ علمائے سوء دین کے چور ہیں اور ان کا مطمح نظر صرف منصب اور پیسہ اور لوگوں کے نزدیک ذی عزت ہوتا ہے (خدا ان کے فتنے سے محفوظ رکھے) ہاں ان میں جو اچھے ہیں وہ افضل ترین خلق ہیں۔ وہی وہ ہیں کہ روز قیامت ان کی روشنائی شہداء کے خون کے ساتھ تولی جائے گی اور اس روشنائی کا پلہ بھاری رہے گا۔ لوگوں میں سب سے بدتر برے علماء ہیں اور سب سے اچھے، اچھے علماء ہیں۔)

Marfat.com

ان چیزوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مجددؒ نے کس قدر خوش تدبیری اور کتنی دور اندیشی کے ساتھ حکومت کا رخ کفر سے اسلام کی طرف پھیرا...... بہت سے ارکان حکومت اور عمائد سلطنت پر تو آپ پہلے ہی براہ راست قبضہ کر چکے اور ان کو اندر اور باہر سے کامل مسلمان بنا چکے تھے' پھر انہی میں سے بعض کے ذریعہ خود بادشاہ وقت کو بھی بدل ڈالا۔

ہاں اس سلسلہ میں یہ چیز ذکر سے رہ گئی کہ قید سے رہائی کے بعد جو کچھ دنوں آپ بادشاہ کے ساتھ ایک شاہی نظر بند یا شاہی مہمان کی حیثیت سے رہے یا رکھے گئے تھے' اس موقع سے بھی آپ نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا جیسا کہ حضرت کے بعض مکاتیب ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

بہرحال حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی یہ مخلصانہ اور مجددانہ مساعی بہت جلد بارآور ہوئیں اور پھر کمال یہ کہ یہ سب کچھ اتنی خاموشی سے ہوا کہ آج مبصرین کے لئے سلطنت مغلیہ کا یہ چپ چاپ انقلاب ایک ناقابل حل معمہ بنا ہوا ہے۔

حکومت کے مورچہ کو تو حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس طرح فتح کیا اب رہ گئے علمائے سوء اور نفس پرست گمراہ کن صوفی۔ ان کی قوت بھی آپ کے اسی ایک وار سے بہت کچھ ختم ہوگئی کیونکہ ان کا فتنہ صرف اسی لیے روبہ ترقی تھا کہ حکومت کی رفتار اس کے مناسب مزاج تھی۔ جب حکومت ہی کا رخ بدل گیا تو باطل کی یہ دونوں قوتیں بھی کمزور پڑ گئیں...... بایں ہمہ ان کی گمراہیوں کے خلاف بھی آپ نے مستقل جنگ کی۔

علمائے سوء نے گمراہی کے دو بڑے دروازے کھول رکھے تھے۔

(۱) ایک باوجود نااہلیت اور ناخدا ترسی کے ادعائے' اجتہاد اور نصوص کتاب وسنت میں تحریف معنوی کر کے نت نئے عقائد وخیالات کا اختراع اور پھر خدا اور رسول اور قرآن وحدیث کے مقدس ناموں سے ان کی ترویج واشاعت (ابوالفضل وغیرہ نے اکبر کو سب سے پہلے اسی راہ پر ڈالا تھا اور خود ان کی گمراہی کا پہلا زینہ بھی یہی تھا)۔

(۲) دوسرے "بدعت حسنہ" کے نام سے دین میں نئی نئی ایجادیں...... اکثر وہ بلائیں جو علمائے سوء کی طرف سے دین پر نازل ہوتی تھیں' انہیں دو دروازوں سے آتی تھیں' اس لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے ان دونوں تباہ کن اصولوں کے خلاف بھی بڑی قوت سے جنگ کی۔

مکتوبات شریف میں ان دونوں چیزوں کے خلاف جس قدر مواد موجود ہے اگر اس سب کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ یہاں صرف بطور" نمونہ از خروارے" چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں۔

"سعادت آثارا آنچہ بر ماوشما لازم است تصحیح عقائد است بمقتضائے کتاب وسنت بر نہجیکہ علماء اہل حق شکر اللہ سعیہم از کتاب وسنت آن عقائد را فہمیدہ اند واز آنجا اخذ کردہ چہ فہمیدن ماوشما از خیز اعتبار ساقط است اگر موافق افہام ایں بزرگواراں نباشد زیرا کہ ہر مبتدع وضال احکام باطلہ خود را از کتاب وسنت مے فہمد واز آنجا اخذ می نماید والحال انہ لایغنی من الحق شیئا۔"

(مکتوب نمبر ۱۵۸ دفتر اول)

(اے سعادت مند! ہم پر اور تم پر ضروری ہے کہ اپنے عقائد کو کتاب و سنت کے مطابق اس طور پر کہ علمائے اہل حق نے کتاب و سنت سے سمجھا اور اخذ کیا ہے صحیح کریں' کیونکہ ہمارا تمہارا سمجھنا اگر ان حضرات کی رائے کے مطابق نہ ہو تو قابل اعتبار نہیں اس لئے کہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل خیالات کی بنیاد قرآن و حدیث ہی پر رکھتا ہے اور وہیں سے ان کو اخذ کرتا ہے حالانکہ ان سے کوئی یقینی حاصل نہیں ہوتا۔)

ایک دوسری جگہ ارقام فرماتے ہیں:

''نخستین ضروریات بر ارباب تکلیف تصحیح عقائد است بروفق آرائے علماء اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کہ نجات اخروی وابستہ باتباع آرائے صواب نمائے ایں بزرگواران است دفرقہ ناجیہ ہم ایشان و اتباع ایشاں وایشا نند کہ برطریق آں سرور و اصحاب آں سرور اند (صلوٰت اللہ وتسلیماتہ علیہ وعلیہم اجمعین) واز علومیکہ از کتاب و سنت مستفاد اند ہمان معتبر اند کہ ایں بزرگواراں از کتاب و سنت اخذ کردہ اند وفہمیدہ زیرا کہ ہر مبتدع وضال عقائد فاسدہ ود از کتاب و سنت اخذ کند پس ہر معنی از معانی مفہومہ از ینہا معتبر نباشد۔''

(مکتوب نمبر ۱۹۳ص ۱۹۲دفتر اول)

(مکلفین پر اوّلین فرض ہے کہ وہ حضرات اہل سنت و جماعت کی رائے کے مطابق اپنے عقائد درست کریں کیونکہ نجات اخروی انہی کے اتباع سے وابستہ ہے اور فرقہ ء ناجیہ وہی ہیں اور ان کے پیرو کیونکہ وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے طریقہ پر ہیں اور کتاب و سنت سے جو علوم مستفاد ہیں ان میں سے وہی معتبر ہیں جن کو ان بزرگوں نے وہاں سے سمجھا اور اخذ کیا ہے ورنہ ہر بدعتی اور ہر گمراہ اپنے عقائد فاسدہ کی بنیاد کتاب و سنت ہی پر کھتا ہے۔ پس قرآن و حدیث سے جو شخص جو معنی سمجھے وہ سب معتبر ہی نہیں ہیں۔)

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں:

''بداں ارشدک اللہ تعالیٰ والہمک سواء لصراط کہ از جملہ ضروریات اعتقاد صحیح است کہ علماء اہلسنت آنرا از کتاب و سنت و آثار سلف استنباط فرمودہ اند...... وکتاب و سنت را محمول داشتن برمعانی کہ جمہور علماء اہل حق یعنی علماء اہل سنت و جماعت آں معنی را از کتاب و سنت فہمیدہ اند نیز ضروری است و اگر بالفرض خلاف آں معانی مفہومہ بکشف والہام امرے ظاہر شود آنرا اعتبار نباید کرد واز اں استعاذہ باید نمود...... چہ معانی کہ خلاف معانی مفہومہ ایشاں است از حیز اعتبار ساقط است زیرا کہ ہر مبتدع وضال معتقدات خود را از کتاب و سنت میداند و باندازہ افہام رکیکہ خود ازاں معانی غیر مطابقہ مے فہمد یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیراً وآن کہ گفتم کہ

Marfat.com

معانی مفہومہ علماء اہل حق معتبر است وخلاف آں معتبر نیست بناء برآں است کہ آں معانی را از منبع آثار صحابہ وسلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اخذ کردہ اند واز انوار نجوم ہدایت ایشاں اقتباس فرمودہ اند لہٰذا نجات ابدی مخصوص بایشاں گشت وفلاح سرمدی نصیب شاں آمد اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ هم المصلحون۔" (مکتوب نمبر ۲۸۶ دفتر اول ص ۲۷۳)

(خدا تم کو نیک ہدایت دے اور صراط مستقیم پر چلائے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ضروریات طریق میں سے ایک اعتقاد صحیح بھی ہے جس کو علماء اہل سنت نے کتاب وسنت اور آثار سلف سے سمجھا ہو نیز قرآن وحدیث کو انہی معانی پر محمول کرنا جو علماء واہلسنت نے سمجھے ہوں نیز ضروریات میں سے ہے اور اگر بالفرض کشف والہام سے جمہور علماء کے خلاف کسی نص کے معنی معلوم ہوں تو اس کا اعتبار نہیں بلکہ اس سے پناہ مانگنا چاہئے کیونکہ جمہور علماء کے آراء کے خلاف جو معانی سمجھے جائیں وہ مقام اعتبار سے قطعاً ساقط ہیں اس لئے کہ ہر مبتدع اور ہر گمراہ اپنے معتقدات کو بزعم خود قرآن وحدیث ہی سے نکالتا ہے۔ قرآن کی تو شان ہے۔ یضل به کثیراً ویهدی به کثیرا اور یہ جو میں نے دعویٰ کیا کہ علماء اہل حق ہی کے سمجھے ہوئے معانی معتبر ہیں اور ان کے خلاف کسی اور کے سمجھے ہوئے معتبر نہیں تو یہ اس واسطے کہ علماء اہل حق نے ان معانی کو صحابہ کرام اور سلف صالحین کے چشمہ فیض سے حاصل کیا ہے اور انہی کے انوار سے اقتباس فرمایا ہے لہٰذا نجات ابدی اور فلاح سرمدی انہی سے وابستہ ہے۔ وہی خدائی گروہ ہے اور خدائی گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔)

جیسا کہ عرض کیا جاچکا دفاتر مکتوبات میں اس موضوع پر بہت سے مجمل اور مفصل مکاتیب موجود ہیں جن میں گمراہی کے اس چشمہ پر بند لگانے کی کوشش کی گئی ہے...... ذرا غور وفکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج بھی جو نئی نئی خطرناک گمراہیاں امت میں پیدا ہو رہی ہیں' ان کی اصل و بنیاد یہی ہے کہ ہر "بوالہوس" اپنے کو "ابوحنیفہ کوفی" ابوسفیان ثوری' ابوالحسن اشعری اور ابومنصور ماتریدی' ابن تیمیہ حرانی اور امام غزالی کے ہمسر سمجھتا ہے اور بلا ادنیٰ تامل و تردد کے کتاب وسنت ہی کا نام لے کر نئے نئے فتنے برپا کرتا ہے۔ نیچریت' مرزائیت' چکڑالویت اور مشرقیت کیا یہ سب اسی گمراہی (تقلید سلف سے آزادی) کے کرشمے نہیں؟

☆......☆......☆

"بدعت حسنہ" کا نظریہ بھی جس کے پردہ میں اس عہد کے علمائے سوء نے اپنی خواہشات نفس کو جزو دین بنا رکھا تھا' حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی نظر میں سخت خطرناک تھا' اس لئے آپ نے اس نظریے ہی کے خلاف جنگ کی اور بلا خوف لومۃ لائم بالکل مجددانہ انداز میں کسی بدعت کے حسنہ ہونے ہی سے انکار فرمایا۔

خواجہ مفتی عبدالرحمن کابلی کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"از حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ بہ تضرع وزاری مسئلت مے نماید کہ ہر چہ در دین محدث شدہ است

Marfat.com

ومبتدع گشتہ کہ درزمان خیر البشر وخلفاء راشدین اونبودہ علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات اگرچہ آن چیز در روشنی مثل فلق صبح بود این ضعیف رابا جمعے کہ باوہستند گرفتارآں عمل محدث نہ گرداناد...... گفتہ اند کہ بدعت بردونوع است حسنہ وسیئہ...... این فقیر درہیچ بدعت ازیں بدعتہا حسن ونورانیت مشاہدہ نمے کند و جز ظلمت و کدورت احساس نمے نماید...... سید البشر مے فرمایند علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ارد چیزے کہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام......ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثتہ بدعتہ و کل بدعتہ ضلالتہ ہرگاہ ہرمحدث بدعت باشد وہر بدعت ضلالت پس معنی حسن در بدعت چہ بود۔''

(مکتوب نمبر۱۸۶دفتر اول)

(یہ فقیر حق سبحانہ وتعالیٰ سے نہایت عاجزی اور زاری کے ساتھ دعا کرتا ہے کہ دین میں جونئی باتیں پیدا کی گئی ہیں اور جو بدعتیں ایجاد کی گئی ہیں جو آنحضرتؐ اور آپ کے خلفاء کے زمانے میں موجود نہ تھیں اگرچہ وہ روشنی میں سفیدی صبح کی طرح ہوں پھر بھی اس ناتواں کو ان سے محفوظ رکھے اور ان میں مبتلا نہ کرے...... کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں حسنہ وسیئہ...... یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں بھی حسن ونورانیت نہیں دیکھتا اور بجز ظلمت و کدورت کے ان میں کچھ نہیں محسوس کرتا...... سرکار بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو ہمارے دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ چیز مردود ہے۔ پس جو شے مردود ہوگئی اس میں حسن کیسا۔ نیز آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے ''تم بچو نو ایجاد باتوں سے کیونکہ ہرنو ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔'' پس جب ہرنو ایجاد بدعت ہوئی اور ہر بدعت گمراہی پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی۔)

ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

''نور سنت سنیہ راعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ ظلمات بدعتہا مستور ساختہ اندو رونق ملت مصطفویہ راعلی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کدورات امور محدثہ ضائع گردانیدہ عجب تر آنکہ جمع آن محدثات را امور مستحسنہ میدانند وآں بدعتہا راحسنات مے انکارند و تکمیل دین و تتمیم ملت ازاں حسنات مے جویند ودراتیان آں امور ترغیب مے نمایند ہداہم اللہ سبحانہ سواء الصراط' مگر نمے دانند کہ دین پیش ازیں محدثات کامل شدہ بود ونعمت تمام گشتہ ورضا' حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ بحصول پیوستہ کما قال اللہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم لاسلام دینا پس کمال دین ازیں محدثات جتن فی الحقیقت انکار نمودن است بمقتضائے آیۃ کریمہ۔''

(مکتوب نمبر۲۶۱ دفتر اول ص۳۰۳)

Marfat.com

(رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے نور کو بدعات کی اندھیریوں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفویؐ کی رونق کو ان نو ایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے اور ان کو نیکیاں سمجھتی ہے اور ان کے ذریعے سے دین و ملت کی تکمیل کرنا چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے کامل و مکمل ہو چکا ہے؟ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

''آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی یہ نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا''

پس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا درحقیقت اس آیت کریمہ کے مضمون سے انکار کرنا ہے۔)

ایک اور موقع پر ارقام فرماتے ہیں:

''ہمہ وقت خصوصاً دریں اوان ضعف اسلام اقامت مراسم اسلام منوط بہ ترویج سنت است و تخریب بدعت گذشتگان در بدعت حسنے دیدہ باشند کہ بعض افراد آنرا مستحسن داشتہ اند اما ایں فقیر دریں مسئلہ بایشاں موافقت ندارد و ہیچ فرد بدعت۔ احسنہ نمید اند و جز ظلمت و کدورت دراں احساس نمی نماید قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ''کل بدعتہ ضلالتہ'' دمے یابد کہ دریں غربت وضعف اسلام سلامتی منوط باتیان سنت است وخرابی مربوط بہ تحصیل بدعت ہر بدعت کہ باشد بدعت را در انگ کلند میداند کہ ہدم بنیاد اسلام مے نماید وسنت را در رنگ کوکب درخشاں مے نماید کہ در شب دیجور ضلالت ہدایت میفر ماید علماء وقت را حق سبحانہ وتعالیٰ توفیق دہاد کہ بحسن ہیچ بدعت لب نکشایند و باتیان ہیچ بدعت فتوئی ندہند اگرچہ آن بدعت در نظر شان در رنگ فلق صبح روشن در آید چہ تسویلات شیطان را در ماورائے سنت سلطان عظیم است...... دریں وقت عالم بواسطہ کثرت ظہور بدعت در رنگ دریائے ظلمات بہ نظر مے آید ونور سنت باغربت وندرت دراں دریائے ظلمانی در رنگ کرمکہائے شب افروز محسوس میگردد وعمل بدعت از دیاد آن ظلمت مے نماید و تقلیل انور ست می سازد وعمل سنت باعث تقلیل آن ظلمت است ومکثر آن نور فمن شاء فلیکثر ظلمتہ البدعتہ ومن شاء فلیکثر نور السنتہ ومن شاء فلیکثر حزب الشیطان ومن شاء فلکثر حزب اللہ الا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون ولا ان حزب اللہ ھم المصلحون۔'' (مکتوب نمبر ۲۳ص ۳۹ دفتر دوم)

(ہر زمانے میں عموماً اور غربت اسلام کے اس دور میں خصوصاً دین کا بقاء و قیام سنتوں کی ترویج اور بدعتوں کی تخریب سے وابستہ ہے۔ بعض اگلوں نے بدعات میں کوئی حسن دیکھا ہوگا کہ اس کے بعض افراد کو انہوں نے مستحسن قرار دیا۔ اس فقیر کو ان سے اس مسئلے میں اتفاق نہیں۔ میں کسی فرد بدعت کو ''حسنہ'' نہیں سمجھتا اور سوائے ''ظلمت و کدورت'' کے مجھے ان میں کچھ نہیں محسوس

Marfat.com

ہوتا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کل بدعۃ ضلالۃ (ہر بدعت گمراہی ہے) فقیر کے نزدیک اسلام کی اس غربت کے زمانے میں سلامتی سنت سے اور خرابی و بربادی بدعت سے وابستہ ہے۔ خواہ کوئی بدعت ہو۔ بدعت اس فقیر کو کدال کی صورت میں نظر آتی ہے کہ جو اسلام کی بنیاد کو ڈھا رہی ہے اور سنت ایک درخشاں ستارے کے رنگ میں دکھائی دیتی ہے جو گمراہی کی شب تاریک میں رہنمائی کرتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کے حسنہ ہونے کے متعلق زبان نہ کھولیں اور کسی بدعت کے کرنے کا فتوئی نہ دیں۔ اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں ''فلق صبح'' کی طرح روشن ہو کیونکہ شیطانی مکر کو ماورائے سنت میں بڑا فساد ہے۔ سارا عالم کثرت بدعات کی وجہ سے تاریکیوں کے ایک سمندر کی طرح نظر آتا ہے اور نور سنت اپنی غربت اور قلت کے باوجود اس دریائے ظلمت میں رات میں چمکنے والے جگنو کی طرح محسوس ہوتا ہے۔ پھر بدعات کے عمل کی وجہ سے اس اندھیری میں اضافہ اور روشنی میں کمی ہوتی ہے اور اس کے برعکس سنتوں سے اس ظلمت میں کمی اور نوریت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اب جس کا جی چاہے وہ بدعت کی تاریکیوں کو بڑھائے اور جس کی سمجھ میں آئے وہ انوار سنت میں اضافہ کرے' جس کا جی چاہے شیطان کے لشکر کو بڑھائے اور جو چاہے خدا کی فوج کو ترقی دے مگر معلوم ہونا چاہئے کہ شیطانی لشکر والے ٹوٹے میں ہیں اور خدائی جماعت ہی کامیاب ہونے والی ہے۔)

اس موضوع پر بھی دفاتر مکتوبات میں بیسیوں بلکہ پچاسوں مکاتیب ہیں۔ یہاں صرف تین ہی مکتوبوں کے ان اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس کو تو ارباب نظر ہی کچھ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی نے بدعت حسنہ کا انکار کر کے کتنی گمراہیوں کا دروازہ بند کر دیا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام وعن المسلمین جزاءً حسناً۔

☆......☆......☆

دینی رخنوں اور مذہبی فتنوں کا تیسرا سرچشمہ ''بطال صوفیوں'' کا گروہ تھا۔ اس نے اسلام کو جس قدر مسخ کیا تھا اس کا اندازہ کچھ وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کے سامنے اس ''غیر اسلامی تصوف'' کی پوری تاریخ ہو۔ اس طبقے کی گمراہیوں کی اصلاح کے لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے جو کچھ عملی' لسانی اور قلمی کوششیں فرمائیں اگر ان سب کو لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ یہاں ہم اس باب کی بھی صرف چند ہی جزئیات پیش کر سکتے ہیں۔

ان لوگوں کی سب سے بڑی گمراہی ''اتحاد وحلول'' کا وہ عقیدہ تھا جس کی بنیاد ''وحدۃ الوجود'' کے نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ بعض معتقدمین اکابر طریق سے غلبۂ حال اور سکر کی حالت میں کچھ ایسے کلمات سرزد ہوئے ہیں جن میں ''وحدت'' کی جھلک پائی جاتی ہے۔

پھر بعض حضرات (شیخ اکبر ابن عربیؒ وغیرہ) نے اس نظریہ (ہمہ اوست) کو علمی رنگ میں بھی لکھا۔ ان حضرات کی جو مراد تھی اس کو تو قاصرین کیا سمجھتے' بس ہر ''مدعی'' نے ''حلول واتحاد'' کا دعویٰ شروع کر دیا اور پھر اس ایک اصل سے نہ معلوم گمراہیوں کی کتنی شاخیں نکلیں۔ بہت سے مدعیان بیخبر نے کہا' عالم میں جو کچھ ہے بس خدا ہی ہے۔

Marfat.com

زمین بھی خدا ہے‘ آسمان بھی خدا ہے‘ شجر و حجر‘ نباتات و جمادات‘ عناصر بسیطہ اور ان کے مرکبات غرض سب خدا ہی خدا ہیں (معاذ اللہ) ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

واحسرتا! کس قدر دردناک ہے یہ منظر کہ خدا کے سارے پیغمبر یہی بتلانے آئے کہ عالم میں جو کچھ ہے وہ غیر اللہ ہے اور اللہ ان سب سے وراء الوراء ہے‘ جو وحدہ لاشریک ہے لیکن شیطان نے انہی کے امتیوں‘ نہیں نہیں بلکہ ارشاد و ہدایت اور تکمیل نفوس میں ان کی نیابت و جانشینی کے مدعیوں سے کہلوایا کہ ”عالم میں جو کچھ ہے سب خدا ہی ہے۔“

حضرت مجدد علیہ الرحمتہ نے اس گمراہی کے خلاف بھی سخت جنگ کی اور بلا خوف لومہ لائم اس کو الحاد اور زندقہ قرار دیا۔ دفتر دوم کے پہلے مکتوب میں فرماتے ہیں:

”ممکن را عین واجب گفتن تعالیٰ شانہ وصفات وافعال او را عین صفات وافعال او تعالیٰ ساختن سو۔ ادب است والحاد است در اسماء وصفات او تعالیٰ۔“

(ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کے افعال وصفات کو بعینہا حق تعالیٰ کے افعال وصفات قرار دینا سخت بے ادبی بلکہ اللہ عزوجل کے اسماء وصفات میں الحاد ہے۔)

پھر اصل مسئلہ (وحدت الوجود) کی تنقیح اور اس میں شیخ اکبر وغیرہ کے اور اپنے نظریہ کے اختلاف کی توضیح فرمانے کے بعد مکتوب گرامی کو ان الفاظ پر ختم فرماتے ہیں:

”پس با عالم او را بہیچ وجہ مناسبت نہ باشد ”ان اللہ لغنی‘ عن العلمین“ او را سبحانہ با عالم عین ومتحد ساختن بلکہ نسبت دادن بریں فقیر بسیار گران است ؏ آن ایشانند ومن چنیم یارب

سبحان ربک رب العزة عما یصفون“

(پس حق تعالیٰ کو اس دنیا سے کوئی مناسبت نہیں (چہ جائیکہ اتحاد وعینیت) اللہ پاک تو تمام عالم سے بے نیاز اور وراء الوراء ہے۔ اس کو عالم کے عین اور متحد کہنا بلکہ کوئی نسبت بھی اس سے دینا اس فقیر پر سخت گراں ہے مگر کیا کیا جائے؟ خداوندا! وہ اسی خیال کے ہیں اور میں اس نقطہ پر ہوں۔

”بیشک اللہ رب العزت پاک اور بری ہے اس سے جو وہ لگاتے ہیں۔)

ایک اور موقع پر ارقام فرماتے ہیں:

”زنہار تبرہات صوفیہ مفتون نگردی وغیر حق را جل سلطانہ حق ندانی۔“ (مکتوب نمبر ۲۷۲ ص ۳۴۷ ج ۱)

(خبردار ہرگز ”صوفیوں“ کی ان بیہودہ باتوں پر فریفتہ نہ ہو اور غیر خدا کو خدا نہ سمجھو۔)

ایک طرف تو حضرت نے اس گمراہی کی قباحتوں کو ظاہر فرمایا اور اس کو الحاد و زندقہ قرار دیا اور دوسری طرف ان اکابر کی مراد ظاہر کی جو وحدة الوجود اور ”ہمہ اوست“ کے قائل ہوئے ہیں اور بتلایا کہ ان کا مقصد اس قسم کے کلمات

Marfat.com

سے یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ہے سب اس کی قدرت کا ظہور ہے یا یوں کہئے کہ بس اس کا وجود حقیقی اور اصلی ہے اور باقی تمام موجودات کا وجود محض ظلی ہے جو قابل اعتبار و لائق شمار نہیں' چنانچہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''از صوفیہ علیہ ہر کہ بوحدت وجود قائل است و اشیاء را عین حق مے بیند تعالیٰ و حکم بہمہ اوست میکند مرادش ایں نیست کہ اشیاء حق جل و علا متحدہ اند و تنزیہہ تنزل نمودہ تشبیہہ گشتہ است و واجب ممکن شدہ بیچون بچوں آمدہ کہ ایں ہمہ کفر و الحاد است و ضلالت و زندقہ...... بلکہ معنی ہمہ اوست آنست کہ ایشاں نیستند و موجود اوست تعالیٰ و تقدس۔'' (مکتوب نمبر ۴۴ دفتر دوم ص ۸۱)

(محترم صوفیائے کرام میں سے جو لوگ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اور ہمہ اوست کہنے والے ہیں اس سے ان کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اشیاء حق تعالیٰ جل و علاء کے ساتھ بالکل متحد ہیں اور معاذ اللہ وہ مرتبہ تنزیہہ سے اتر کر دائرہ تشبیہہ میں آ گیا ہے اور جو واجب تھا وہ ممکن بن گیا ہے کہ یہ سب کچھ کفر و الحاد ہے اور گمراہی و زندقہ ہے بلکہ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ اور سب نیست ہیں اور صرف وہی موجود ہے۔) (تعالیٰ و تقدس)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

''صوفیہ کہ قائل اند بکلام ہمہ اوست عالم را با حق جل و علا متحد نمید انند و حلول و سریان اثبات نمیکنند و حملے کہ مے نمایند باعتبار ظہور ظلیت است نہ باعتبار وجود و تحقق و ہر چند از ظاہر عبارات شاں اتحاد وجودی متوہم شود اما حاشا کہ مراد شاں آں بود کہ کفر و الحاد است و چوں حمل یکے بر دیگرے باعتبار ظہور گشت نہ باعتبار وجود معنی ''ہمہ اوست'' ہمہ از وست و ہر چند در غلبہ حال ہمہ اوست گویند اما فی الحقیقت مراد شاں از اں عبارت ہمہ از وست باشدہ۔''

(جو صوفیائے کرام ہمہ اوست کے قائل ہیں وہ عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و سریان ثابت نہیں کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں ظلیت کے اعتبار سے کہتے ہیں نہ کہ وجود و تحقق کے لحاظ سے اگرچہ ان کی عبارات کے ظاہر سے اتحاد وجودی کا شبہ ہوتا ہے مگر حاشا کہ ان کی وہ مراد ہو کہ وہ تو کفر و الحاد ہے اور چونکہ ان کا یہ کہنا ظہور کے لحاظ سے تھا' نہ کہ نفس وجود کے لحاظ سے اس لئے ہمہ اوست کے معنی ہمہ از وست ہی میں اگرچہ غلبہ حال میں وہ ہمہ اوست کہہ جاتے ہیں لیکن ان کلمات سے ان کی مراد غالباً ہم از وست ہوتا۔

(مکتوب نمبر ۸۹ دفتر سوم ص ۲۵۷)

ارباب وحدۃ الوجود کے اس قسم کے کلمات کی آپ نے اور بھی لطیف توجیہات کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ

Marfat.com

''بعضے دیگر را منشائے ایں احکام غلبہ محبت است کہ بواسطہ استیلائے حب محبوب غیر محبوب از نظر محب می خیزد دوحز محبوب ہیچ نمے بیند نہ آنکہ در نفس الامر غیر محبوب ہیچ نیست کہ آں مخالف حس عقل وشرح است۔'' (مکتوب نمبر ۳۱ دفتر اول)

(بعض دوسروں سے یہ باتیں غلبہ محبت کی وجہ سے سرزد ہوئی ہیں کیونکہ محبت کا استیلاء محبؔ کی نظر سے ماسوائے محبوب کو غائب کردیتا ہے اور اسے محبوب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ کہ فی الواقع سوائے محبوب کے اور کچھ ہوتا ہی نہیں کیونکہ یہ تو عقل وشرع دونوں کے خلاف ہے۔)

الغرض ایک طرف تو آپ نے ان اکابر کے کلمات کا مقصد اور منشاء بیان کیا جو'' وحدۃ الوجود'' اور'' ہمہ اوست'' کے قائل ہوئے ہیں اور دوسری طرف'' وحدۃ الموجود'' کے اس گمراہانہ بلکہ زندیقانہ نظریہ کو صریح الفاظ میں الحاد اور کفر بتلایا جس کو زمانہ مابعد کے'' مدعیان بے خبر'' حضرات اکابر کے کلمات سے سند پکڑ کر عوام تک میں پھیلا رہے تھے اور کائنات کی ہر چیز کو بے دھڑک خدا بنا رہے تھے۔

اسی ٹائپ کے بعض'' صوفی'' ہر چیز کو تو خدا نہیں کہتے تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ'' فقیر'' جب'' کامل'' ہو جاتا ہے تو بس وہ خدا سے متحد ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی گویا خدا کی ہستی میں تحلیل ہو جاتی ہے اور اس کی سند بھی بعض عرفاء کے کلمات سے پکڑی جاتی تھی۔ حضرت مجددؒ نے اس کا بھی رد فرمایا اور اس کو بھی کفر و زندقہ قرار دیا۔ ارشاد فرماتے ہیں:

''او تعالیٰ ہیچ چیز متحد نشود وہم چنیں ہیچ چیز باو سبحانہ متحد نمے گردد وآنچہ از بعضے عبارات صوفیہ اتحاد مفہوم میشود خلاف مراد ایشان است زیرا کہ مراد ایشاں ازیں کلام کہ موہم اتحاد است (اذا تم الفقر فہو اللہ) آن است کہ چوں فقر تمام شود ونیستی محض حاصل آید باقی نمے ماند مگر اللہ تعالیٰ نہ کہ آن فقیر بخدا متحد شود کہ آن کفر و زندقہ است تعالیٰ سبحانہ عما یتوہم الظالمون علوا کبیراً۔''
(مکتوب نمبر ۲۶۶ دفتر اول ص ۳۱۴)

(حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہے اور بعض صوفیہ کی بعض عبارات سے بظاہر جو اتحاد سا مفہوم ہوتا ہے وہ ان کی مراد اور منشا کے خلاف ہے۔ ان کا مطلب اس کلام (اذا تم الفقر فهو الله) سے یہ ہے کہ جب فقر کامل ہو جاتا ہے اور فنائے محض حاصل ہو جاتا ہے تو بس اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سالک کی نظر میں گم ہو جاتا ہے کہ وہ تو خالص کفر اور کھلی زندیقیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس سے بہت بالا اور برتر ہے جو یہ ظالم گمان کرتے ہیں۔)

بعض عرفاء کے کلام میں'' محو'' و'' اضمحلال'' کے الفاظ آئے ہیں' ان گمراہیوں نے اس کو بھی اپنی سند بنایا اور سمجھے کہ اس سے'' محو و اضمحلال'' عینی مراد ہے یعنی عارف کا خدا کی ہستی میں تحلیل ہو کر'' من تو شدم تو من شدی'' کا مصداق ہو جانا...... اس کے متعلق حضرت مجدد قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں:

Marfat.com

''در عبارت بعضے از مشائخ قدس اللہ اسرارہم کہ لفظ محو اضمحلال واقع میشود' مراد ازاں' محو نظری است نہ محو عینی یعنی تعین سالک از نظر او مرتفع میگردد نہ آنکہ در نفس الامر محو میشود کہ آں الحاد و زندقہ است جمعے از ناقصان ایں راہ ازیں الفاظ موہمہ محو و اضمحلال عینی دانستہ اندو بہ زندقہ رسیدہ اندکہ از عذاب وثواب اخروی انکار نمودہ اند وخیال کردہ اند کہ ہمچناں کہ از وحدت بکثرت آمدہ اند مرتبہ دیگر ہمیں طور از کثرت بوحدت خواہند رفت' وایں کثرت دراں وحدت مضمحل خواہد شد' و جمعے ازیں زنادقہ آن محو شدن را قیامت کبریٰ خیال کردہ اند واز حشر ونشر وحساب وصراط و میزان انکار نمودہ' ضلوا و فاضلوا کثیرا من الناس مگر کورند نمے بینند کہ از ہیچ کاملے عجز و نقص واحتیاج زائل نشدہ است پس رجوع وجودی بوحدت چہ باشد' واگر رجوع بوحدت بعداز موت خیال کردہ اند کافر زندیق اند کہ از عذاب اخروی انکار دارند وابطال دعوت انبیاء مے نمایند علیہم اصلوٰت واتسلیمات اتمہا واکملہا۔'' (مکتوب نمبر ۲۹۴ دفتر اول ص ۴۲۳)

(بعض مشائخ کرام کی عبارات میں جو ''محو و اضمحلال'' کے لفظ آئے ہیں تو اس سے ان کی مراد صرف محو نظری ہے نہ کہ محو حقیقی اور ذاتی اور اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ سالک کی نظر سے اپنا وجود شخصی اوجھل ہو جاتا ہے نہ یہ کہ فی الواقع وہ باقی نہیں رہتا کہ ایسا خیال کرنا تو الحاد و زندقہ ہے۔ اس راہ کے بعض ناقصین اس قسم کے شبہ میں ڈالنے والے کلمات سے محو و اضمحلال ذاتی سمجھ بیٹھے ہیں اور اس کی بناء پر عذاب وثواب اخروی سے منکر ہو گئے ہیں۔ ان کا خیال ہو گیا ہے کہ جس طرح آغاز میں ''وحدت'' سے ''کثرت'' میں آئے ہیں اسی طرح انجام کار کثرت سے وحدت میں چلے جائیں گے اور پھر یہ ''کثرت'' اس ''وحدت'' میں گم ہو جائے گی۔...... اور ان زندیقوں میں سے ایک جماعت اس گم ہو جانے ہی کو قیامت کبریٰ خیال کر بیٹھی ہے اور اس طرح حشر ونشر' حساب کتاب' پل صراط اور میزان اعمال وغیرہ سے منکر ہو گئی ہے۔ آہ! کہ یہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور بہت سوں کو گمراہ کر دیا...... کیسے اندھے ہیں' نہیں دیکھتے کہ کسی ''کامل'' سے عاجزی و بیچارگی' نقص و حاجتمندی کبھی زائل نہیں ہوتی' پھر خدا کی ہستی میں گھل مل جانے اور اس کے ساتھ متحد ہو جانے کے کیا معنی؟...... اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں نہیں بلکہ مرنے کے بعد وہ خدا سے متحد ہو جاتے ہیں تو پھر لا ریب وہ کافر زندیق ہیں کہ عذاب اخروی سے منکر ہیں اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو تعلیم دی اس کو غلط سمجھتے اور ان کی دعوت کو باطل جانتے ہیں۔)

یہ تو ان زندیقوں کا رد ہوا جو ساری کائنات یا کم از کم عرفائے کاملین کے خدا یا خدا سے متحد ہونے کے قائل ہیں لیکن اسی قبیل کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام یا خاص کر حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ متحد سمجھا جائے جیسا کہ آج بھی ہمارے کان کبھی کبھی اس قسم کی صدائیں سن لیتے ہیں۔

Marfat.com

وہی جو مستویٰ عرش تھا خدا ہو کر ‏ ‏ ‏ اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

ایک اور صاحب فرماتے ہیں۔

شریعت کا ڈر ہے نہیں صاف کہہ دوں ‏ ‏ ‏ خدا خود رسول خدا بن کے آیا

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس گمراہانہ اور مشرکانہ عقیدہ کو بھی بیخ وبُن سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''محمدؐ بندہ ایست محدود ومتناہی واوتعالیٰ وتقدس غیر محدود است ونا متناہی۔''
(مکتوب نمبر ۹۵ دفتر اول ۲۴)

(حضرت محمد (ﷺ) بندے ہیں محدود ومتناہی اور حق تعالیٰ وتقدس لامحدود ہے اور نا متناہی (پھر ان میں کیسی عینیت اور کیا نسبت؟))

ایک اور موقع پر ارقام فرماتے ہیں:

''اے برادر! محمد رسول اللہ ﷺ با آں علو شاں بستر بود وبداغ حدوث وامکان متسم۔''
(مکتوب نمبر ۱۷۳ دفتر اول ص ۱۷۷)

(اے برادر! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس قدر بلندی مرتبہ کے بشر تھے اور حدوث و امکان کے داغ سے داغدار۔)

☆......☆......☆

ان گمراہ متصوفین کا ایک باطل عقیدہ یہ بھی تھا کہ خدا کی عبادت بس اس وقت تک ضروری ہے جب تک کہ معرفت حاصل نہ ہو۔ حصول معرفت کے بعد عبادت کی حاجت نہیں۔ اس کے متعلق حضرت مجدد علیہ الرحمتہ بڑے غضبناک ہو کر لکھتے ہیں:

'متصوفان خام وملحدان بے سرانجام ...... خیال مے کنند کہ خواص مکلف بمعرفت اند وبس...... و میگویند کہ مقصود از اتیان وشریعت حصول معرفت است و چون معرفت میسر شد تکلیفات شرعیہ ساقط گشت واین کریمہ واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین بمستشہد مے آرند یعنی انتہائے عبادت تا حصول معرفت حق تعالیٰ است...... خذلھم اللہ سبحانہ ما اجملھم آن قدر احتیاج کہ عارفاں رابعبادت است عشر آں مر مبتدیان را از اں احتیاج حاصل نیست۔''
(مکتوب نمبر ۲۷۶ دفتر اول ص ۳۵۸)

(بہت سے کچے متصوفہ اور بے سروسامان ملحدوں کا خیال ہے کہ خواص صرف معرفت الٰہی کے مکلّف ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے سے مقصود تو حصول معرفت ہے پس جب معرفت حاصل ہوگئی تو احکام شرعیہ ساقط ہوگئے اور آیت کریمہ واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین کو شہادت میں پیش کرتے ہیں اور نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ عبادت کی انتہا حصول معرفت پر ہے...... اللہ ان کو رسوا کرے کس قدر جاہل ہیں' عبادت کی جس قدر ضرورت عارفوں کو ہے مبتدیوں کو اس کا دسواں حصہ بھی حاجت نہیں۔)

اسی طرح ان بطالوں کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ صرف ''باطن'' درست ہونا چاہئے' اعمال ظاہر (نماز اور روزہ وغیرہ) کی اللہ والوں کو کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

''سلامتی قلب از التفات بما سوائے او تعالیٰ و اعمال صالحہ کہ بہ بدن تعلق دارند و شریعت با تیان آن امر فرمودہ ہر دو در کار ست' دعوائے سلامت قلب بے اتیان اعمال صالحہ بدینہ باطل است ہمچنان کہ روح دریں نشاء بے بدن غیر متصور است بسیارے از ملحدان ایں وقت ایں قسم دعوائے می نمایند نجانا اللہ سبحانہ عن معتقد اتھم السئو بصدقتہ حبیبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔'' (مکتوب نمبر ۳۹ دفتر اول ص ۵۳)

(دل کا ماسوائے حق سے خالی ہونا اور وہ اعمال صالحہ بدنیہ کہ شریعت نے جن کا حکم دیا ہے' ان کا کرنا یہ دونوں ہی چیزیں ضروری ہیں۔ بغیر ان اعمال صالحہ کے سلامتی قلب کا دعویٰ محض باطل ہے۔ جس طرح کہ اس دنیا میں روح کا بنا بدن کے ہونا ناممکن اور غیر متصور ہے...... آج کل کے بہت سے ملحد اس قسم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ خدا ہم کو بطفیل اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے برے عقیدوں سے محفوظ رکھے۔)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

''ہر کہ بہ باطن پرداز دو از ظاہر در ماند ملحد است و احوال باطن استدراج او بند علامت صحت حال باطن اہتمام تحلی ظاہر است باحکام شرعیہ۔'' (مکتوب نمبر ۷۸ دفتر دوم ص ۱۵۷)

(جو شخص صرف باطن کو درست کرنا چاہتا ہے اور ظاہر کو یونہی چھوڑے ہوئے ہے وہ ملحد ہے اور اگر اس کو کچھ باطنی احوال حاصل ہوں تو وہ اس کے حق میں استدراج (مہربانی نما قہر) ہے۔ احوال باطنی کی صحت و مقبولیت کی علامت ظاہر کا احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا ہے۔)

☆......☆......☆

Marfat.com

ارباب تصوف کی ایک عام غلط فہمی یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مشائخ طریق کے مکاشفات اور معارف کو اصل سمجھتے تھے اور اپنے اعمال کی بنیاد انہی پر رکھتے تھے خواہ وہ ظاہر شریعت سے متصادم ہی کیوں نہ ہوں' حضرت مجدد قدس سرہ نے اس کے خلاف بھی مجددانہ جرأت و عزیمت سے لکھا:

''معتبر اثبات احکام شرعیہ کتاب وسنت است وقیاس واجماع امت نیز بہ حقیقت مثبت احکام است بعد ازیں چہار ادلہ شرعیہ' ہیچ دلیلے مثبت احکام شرعیہ نے تواند شد الہام مثبت حل وحرمت نبود وکشف ارباب باطن اثبات فرض وسنت نہ نمایند ارباب ولایت خاصہ با عامۂ مومنان در تقلید مجتہدان برابر اند...... وذوالنون' وبسطامی وجنید وشبلی بازید وعمرو وبکر وخالد کہ از عوام مومنان اند در تقلید مجتہدان در احکام اجتہادیہ مساوی اند آرے مزیت ایں بزرگواراں در امور دیگر است۔''
(مکتوب نمبر ۵۵ دفتر دوم ص ۱۰۸)

(احکام شرعیہ کے اثرات میں بس کتاب وسنت کا اعتبار ہے اور قیاس و اجماع امت بھی مثبت احکام ہیں۔ ان چار ادلہ شرعیہ کے بعد کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے احکام ثابت ہو سکیں۔ اولیائے کرام کے الہام سے کسی چیز کی حلت یا حرمت ثابت نہیں ہو سکتی اور ارباب باطن کا کشف کسی چیز کو فرض یا سنت ثابت نہیں کر سکتا۔ مجتہدین عظام کی تقلید کے بارہ میں ارباب ولایت خاصہ عام مومنین کے برابر ہیں اور ذوالنون مصری و بایزید بسطامی و جنید وشبلی اس باب میں عوام مسلمین زید وعمرو وبکر وخالد کے ہم مرتبہ ہیں۔ ہاں ان بزرگوں کو دوسری حیثیت سے بڑی فضیلت حاصل ہے۔)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

''علامت درستی علوم لدنیہ مطابقت است با صریح علوم شرعیہ اگر سر مو تجاوز است از سکر است' والحق وما حققہ العلماء من اھل السنتہ والجماعتہ وما سویٰ ذالک اما زندقتہ والحادو اما سکر وقت و غلبتہ حال (مکتوب نمبر ۳۰ دفتر اول ص ۴۰)

(علوم لدنیہ کی صحت ومقبولیت کی علامت' صریح علوم شرعیہ کے ساتھ ان کی مطابقت ہے۔ اگر بال برابر بھی تجاوز ہوا تو سمجھ لو کہ اس کا منشا سکر ہے اور حق وہی ہے جو علماء اہل سنت و جماعت کی تحقیق ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے یا الحاد و بے دینی ہے یا سکر اور غلبہ حال ہے۔)

بہت سے جاہل صوفی طریقہ سنت وشریعت سے ہٹ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے تھے اور اس کو وصول الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے تھے اور آج بھی یہ ہو رہا ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

''ریاضات ومجاہدات کہ بماورائے تقلید وسنت اختیار کنند معتبر نیست کہ جوگیہ و براہمہ ہنود وفلاسفہ

Marfat.com

یونان دریں امر شرکت دارند و آں ریاضات درحق ایشاں جز ضلالت نمے افزاید و بغیر خسارت راہ نمے نماید۔'' (مکتوب نمبر ۲۲۱ دفتر اول ص ۳۳۶)

(طریقہ سنت سے ہٹ کر جو ریاضتیں اور مجاہدے لوگ کرتے ہیں ان کا کچھ وزن و اعتبار نہیں۔ ایسی ریاضتیں یونان کے فلسفی اور ہندوستان کے برہمن اور جوگی بھی کرتے ہیں لیکن سوائے گمراہی اور خسارہ کے ان کو ان سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔)

نیز حضرت قدس سرہ نے متعدد مکاتیب میں یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ ان غیر شرعی ریاضات و مجاہدات یا اسی قسم کے دوسرے نامشروع ذریعوں سے جو مکاشفات و تجلیات اور جو احوال و مواجید حاصل ہوں' وہ خدا کا انعام نہیں ہیں بلکہ وہ استدراجات ہیں اور خدا کے دشمنوں (جوگیوں سادھوؤں وغیرہ) کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں...... چنانچہ ایک موقع پر فرماتے ہیں:

''احوال و مواجید کہ بر اسباب نامشروعہ مترتب شوند نزد فقیر از قبیل استدراجات است چہ اہل استدراج' را نیز احوال و اذواق دست مید ہد...... حکماء یونان و جوگیہ و براہمہ ہند دریں معنی شریک اند علامت صدق احوال موافقت علوم شرعیہ است با جتناب از ارتکاب امور محرمہ و مشتبہہ۔''

(نامشروع طریقوں پر جو احوال و کیفیات مترتب ہوں وہ فقیر کے نزدیک استدراج کے قبیلہ سے ہیں کیونکہ اہل استدراج کو بھی احوال و کیفیات ہاتھ آتے ہیں...... حکمائے یونان اور ہندوستان کے سادھو اور جوگی اس معاملہ میں شریک ہیں۔ احوال و کیفیات کی سچائی اور مقبولیت کی علامت حرام اور مشتبہ امور سے مکمل پرہیز کے ساتھ ساتھ علوم شرعیہ سے ان احوال کی موافقت اور مطابقت ہے۔)

پھر اسی سلسلہ میں سماع و رقص اور نغمہ و سرود کے متعلق (جو اس طبقہ میں بلائے عام کی حیثیت رکھتا ہے) فرماتے ہیں:

''سماع و رقص فی الحقیقت داخل لہو و لعب است...... و آیات و احادیث و روایات فقہیہ در حرمت غنا بسیار است مجدے کہ احصائے آں متعذر است...... فقیہے در ہیچ وقتے و زمانے فتویٰ باباحت سرود نہ دادہ است و رقص و پاکوبی را مجوز نداشتہ...... و عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشانرا معذور داریم و ملامت نکنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم اینجا قول امام ابی حنیفہ و امام ابی یوسف و امام محمد معتبر است نہ عمل ابو بکر شبلی و ابی حسن نوری' صوفیان خام این وقت عمل پیران خود را بہانہ ساختہ سرود و رقص را دین و ملت خو گرفتہ اند و طاعت و عبادت ساختہ اولئک الذین اتخذوا دینھم لھواً و لعباً۔'' (مکتوب نمبر ۲۶۶ دفتر اول ص ۳۳۵)

Marfat.com

(سماع ورقص فی الحقیقت ''لہو ولعب'' میں داخل ہے...... اور اس کی حرمت کے بارے میں آیتیں، حدیثیں اور فقہی روایات اس کثرت سے ہیں کہ اس کا شمار بھی مشکل ہے...... کسی زمانہ میں بھی کسی فقیہہ نے سرود ورقص کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے...... اور صوفیوں کا عمل حلت و حرمت میں کوئی سند نہیں۔ یہی بہت ہے کہ ہم ان کو معذور رکھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کریں...... یہاں تو امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد (رحمہم اللہ) کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی، ابوحسن نوری کا عمل۔ اس زمانہ کے کچے صوفی اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ کر کے سرود ورقص کو اپنا دین و مذہب بنائے ہوئے ہیں اور اس کو طاعت وعبادت سمجھے ہوئے ہیں۔ آہ...... یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا دین لہو ولعب بنالیا ہے۔)

انہی صوفیان خام، پرستاران سرود ونغمہ کی کوتاہ نصیبی پر دوسری جگہ اس طرح نوحہ فرماتے ہیں:

''جم غفیر از یں طائفہ تسکین اضطراب خود را در پردہائے نغمہ دو جد تو اجد جستند و مطلوب خود را در پردہائے نغمہ مطالعہ نمودند لا جرم رقص ورقاصی را دیدن خود گرفتند با آنکہ شنیدہ باشند ما جعل اللہ فی الحرام شفاء ...... اگر شمہ از حقیقت صلوٰتیہ برایشاں منکشف شدے ہرگز دم از سماع و نغمہ نزدندے...... چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زوند

اے برادر! ہر قدر کہ فرق درمیان نماز ونغمہ است ہماں قدر فرق درمیاں کمالات کہ منشائے آں نماز است وکمالاتیکہ منشائے آں نغمہ است بداں العاقل تکفیہ الاشارہ۔''

(مکتوب نمبر ۲۶۱ دفتر اول ص ۳۰۴)

(افسوس اس طائفہ صوفیہ میں بہت سے ایسے ہیں جو اپنی بے چینی کا علاج سماع ونغمہ اور وجد و تواجد میں ڈھونڈتے ہیں اور اپنے محبوب کو نغموں کے پردوں میں دیکھنا چاہتے ہیں اور اس لئے رقص ورقاصی کو انہوں نے اپنا طریقہ بنالیا ہے حالانکہ انہوں نے یہ حدیث سنی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حرام چیز میں شفا نہیں رکھی...... کاش ان پر نماز کی حقیقت کا ایک شمہ بھی منکشف ہو جاتا تو ہرگز وہ سماع ونغمہ کا دم نہ بھرتے...... ''جب حقیقت کا راستہ ان کو نہیں ملا تو غلط راستہ پر پڑ لئے۔'' برادر عزیز! جتنا فرق نماز اور نغمہ میں ہے اسی قدر فرق نماز سے حاصل ہونے والے کمالات اور نغمہ سے پیدا ہونے والے احوال میں سمجھو۔ بس عاقل کو اشارہ کافی ہے۔)

دراصل ان متصوفہ کی ان تمام غلط فہمیوں اور گمراہیوں کی اصل واساس ایک ہی تھی کہ یہ شریعت وطریقت کو الگ الگ سمجھتے تھے اور ارباب معرفت وسالکین راہ طریقت کے لئے ظاہر شریعت کا اتباع ضروری نہیں جانتے تھے، اس لئے حضرت مجدد قدس سرہ نے اس بنیادی گمراہی کے خلاف بہت زیادہ زور قلم صرف فرمایا۔ آپ کے مکتوبات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو جتنی بحث اس مسئلہ پر نکلے گی غالباً اتنی کسی موضوع پر نہ ہوگی۔ یہاں صرف بطور نمونہ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

''وصول باین نعمت عظمیٰ وابستہ اتباع سید اولین و آخرین است علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰت افضلہا ومن التحیات اکملہا تا تمام خودرا در شریعت گم نسازد و باتمثال اوامر وانتہا از نواہی متحلّی نگردد بوے ازیں دولت بمشام جاں او نرسد۔'' (مکتوب نمبر ۸۷ دفتر اول ص ۱۰۰)

(اس نعمت عظمیٰ کا حاصل ہونا سردار اولین و آخرین خاتم انبیاء و مرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے وابستہ ہے۔ سالک جب تک کہ اپنے کو شریعت میں بالکل گم نہ کردے اور اپنی زندگی کو بالکل شریعت کے مطابق نہ بنالے اس نعمت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتا۔)

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:

''اے فرزند! انچہ فرد ابکار خواہد آمد متابعت صاحب شریعت است علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ احوال و مواجید وعلوم و معارف واشارات و رموز اگر باآن متابعت جمع شوند فبہا ونعمت والا جز خرابی واستدراج ہیچ نیست۔'' (مکتوب نمبر ۱۸۴ دفتر اول ص ۱۸۵)

(اے فرزند جو چیز کل کام آنے والی ہے وہ صرف صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے' باقی احوال و کیفیات اور علوم و معارف اور اشارات اگر اس پیروی کے ساتھ ہوں تو خیر اور خوب' ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں۔)

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''فضیلت منوحا بمتابعت سنت اوست و مزیت مربوط باتیان شریعت او علیہ الصلوٰۃ والسلام مثلاً خواب نیم روزے کہ ازروئے ایں متابعت واقع شود از کرور کرور احیاء لیالی کہ غیر از متابعت است اولیٰ وافضل است۔'' (مکتوب نمبر ۱۱۴ جلد اول ص ۱۳۵)

(ہر فضیلت آنحضرت ﷺ کی سنت کی پیروی سے اور ہر کمال آپ کی شریعت کے اتباع سے وابستہ ہے مثلاً سنت نبوی کے اتباع کے طور پر دوپہر کا سونا کروڑوں رات جاگنے سے بہتر اور افضل ہے جبکہ یہ شب بیداری شریعت کی پیروی کے بغیر ہو۔)

الغرض حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے تصوف کے متعلق یہ اور ان کے علاوہ اور بہت سی اصلاحیں فرمائیں اور حق یہ ہے کہ سیکڑوں برس سے جو آلائشیں اس میں باہر سے داخل ہوگئی تھیں' ان سب کو چھانٹ کر نہایت صاف اور ستھرا اسلامی تصوف دنیا کے سامنے پیش کردیا۔

☆......☆......☆

Marfat.com

فتنہ رفض و تفضیلیت کے خلاف حضرت مجدد الف ثانیؒ کا جہاد

اس سے پہلے بعض مضامین کے ضمن میں ان اسباب کی طرف اشارات گزر چکے ہیں جن کی وجہ سے دورِ اکبری میں شیعوں کو مغلیہ حکومت کے اندر عمل دخل کا موقع ملا اور عہد جہانگیری میں ''نور جہاں'' کے طفیل حکومت کی باگ ہی شیعوں کے ہاتھ میں چلی گئی بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ جہانگیر کے نام سے ''نور جہاں'' کا شیعی گھرانہ ہی اس وقت ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا۔ جہانگیر کا اعتراف ہے۔

''در دولت پادشاہی من حالا در دست ایں سلسلہ است' پدر دیوان کل' پسر وکیل مطلق دختر ہمراز و مصاحب۔'' (تزک جہانگیری)

(اب میری ساری بادشاہی اسی سلسلہ (نور جہاں اور اس کے گھر والوں) کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا باپ دیوان کل ہے اور بیٹا (نور جہاں کا بھائی آصف خاں) وکیل مطلق ہے اور بیٹی (خود نور جاں) ہمراز و ہم صحبت۔)

جبکہ تاج و تخت پر اس طرح شیعیت کا قبضہ تھا تو کوئی وجہ نہ تھی' الناس علیٰ دین ملوکھم کے فطری اور طبعی اصول پر عوام میں رفض کے جراثیم نہ پھیلتے۔ چنانچہ شیعی خیالات عوام سنیوں میں بھی سرایت کرنے لگے...... حضرت علی مرتضیٰؓ کی افضلیت مطلقہ کا عقیدہ اور جن صحابہ کرام کے آپ سے اختلافات ہوئے ان کی طرف سے بغض و عداوت اور اس قسم کے شیعیت کے دوسرے مبادی بھی وبائے عام کی طرح سنیوں میں پھیلنے لگے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ چونکہ کھڑے ہی اس لئے کئے گئے تھے کہ اس قسم کے تمام فتنوں اور ساری گمراہیوں کا قلع قمع کر کے دین کو پھر سے تر و تازہ اور ملت کو از سر نو زندہ کریں اس لئے اس فتنہ تشیع کے استیصال کی طرف بھی آپ نے خاص توجہ مبذول فرمائی۔ اس سلسلہ میں آپ کی کوششیں تین طرح ظہور پذیر ہوئیں۔

۱۔ شیعی علماء سے آپ نے عام و خاص مجلسوں میں بالمشافہ مناظرے اور مباحثے کئے جن میں ان کو فاش شکستیں دیں اور حق یہ ہے کہ آپ کے اسی اقدام نے شیعیت کی ترقی کو بڑی حد تک روک دیا اور اسی ایک ضرب نے اس کی کمر توڑ دی۔

۲۔ شہر کے بعض شیعی علماء نے ماوراء النہر کے سنی علماء کے ایک رسالہ کے جواب میں ایک نہایت پُر فریب اور سراپا تزویر رسالہ لکھا جس کا حاصل خود حضرت مجدد کے لفظوں میں حضرات خلفاء ثلاثہؓ کی تکفیر اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مذمت و تشنیع تھی۔'' اس رسالہ کو ہندوستان کے شیعوں نے خوب پھیلایا اور خصوصاً امراء و حکام اور ارکان سلطنت کی مجالس میں اس کو خوب شہرت دی گئی یہاں تک کہ ہر طرف اور ہر جگہ اسی کا چرچا ہونے لگا...... حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے پہلے تو خاص مجلسوں اور عام مجمعوں میں اس کا رد بیان کرنا شروع کیا اور اس کی مغالطہ آفرینیوں اور ابلہ فریبیوں کا پردہ خوب خوب چاک کیا...... پھر اس کے بعد ایک مستقل رسالہ اس کے

Marfat.com

جواب میں لکھ کر شائع کیا۔ اس رسالہ کی اہمیت کا اندازہ بس اسی سے ہوسکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسے جلیل القدر امام نے اس کی شرح لکھی ہے۔

۳۔ اپنے سینکڑوں مکاتیب میں حضرت مجددؒ نے شیعی اصول و خیالات کی نہایت مدلل اور محققانہ تردید کی اور شیعوں کے بے پناہ پروپیگنڈے کی وجہ سے جو غلط خیالات خود سنیوں میں پیدا ہورہے تھے، نہایت حکمت کے ساتھ کتاب و سنتؐ اور عقل سلیم کی روشنی میں ان کی اصلاح فرمائی۔

اور معلوم ہے کہ آپ کے مکاتیب اگرچہ کسی خاص ہی شخص کے نام لکھے جاتے تھے اور بظاہر ان کی حیثیت نجی خطوط ہی کی ہوتی تھی لیکن ان کی اشاعت و تداول اور نقل در نقل کا ایسا اہتمام تھا کہ گویا اس ''غیر اخباری'' زمانہ میں آپ کے یہاں سے ''مجدد گزٹ'' نکلتا تھا۔ آپ کے خلفاء تمام اطراف ملک میں بلکہ ہندوستان سے باہر ماوراء النہر بدخشاں، خراسان، توران اور طالقان وغیرہ وغیرہ میں بھی پھیلے ہوئے تھے یا یوں کہیے کہ ایک خاص نظام اور نقشہ کے مطابق آپ نے ان کو مختلف مرکزوں میں بٹھا دیا تھا اور یہ سب ہی مختلف ذرائع سے مکتوبات شریف کی نقلیں حاصل کرتے رہتے تھے اس لئے آپ کے مکاتیب کی حیثیت فی الحقیقت نجی نہ تھی بلکہ درحقیقت وتبلیغ واشاعت کا ایک نہایت منظم اور مؤثر سلسلہ تھا...... بہرکیف اس سلسلہ کے ذریعہ سے بھی آپ نے فتنہ رفض کی بڑی روک تھام کی اور اس وقت کے حالات کو پیش نظر رکھ کر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر حضرت مجددؒ اس طرف متوجہ نہ ہوتے تو اکبری الحاد سے جو مسلمان بچے تھے ان میں سے اکثر شیعیت کے جال میں پھنس چکے ہوتے۔

اس سلسلے میں حضرتؒ نے متفرق طور پر جو کچھ ارقام فرمایا ہے اگر اس سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے۔ یہاں چند عنوانات کے ماتحت آپ کے مکتوبات گرامی کے چند ہی اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

فی زماننا ان مجددی ارشادات کی اشاعت اس لئے بھی ضروری ہے کہ آج کل بعض تجارت پیشہ مدعیان فقر و تصوف اپنی تجارت کی گرم بازاری کے لئے اور بعض ''موروثی پیر'' اپنی جہالت و بے خبری اور ہویٰ پرستی کے باعث ادعاء ''سنیت و حنفیت'' کے ساتھ ساتھ انہی عقائد و خیالات کے حامل بلکہ مبلغ بنے ہوئے ہیں جو دور اکبری اور عہد جہانگیری میں بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے شیعوں نے سنیوں میں پھیلائے تھے بلکہ اب تو پوری بلند آہنگی کے ساتھ یہ دعوے بھی کئے جارہے ہیں کہ ہمیشہ سے اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کا یہی مشرب رہا ہے۔ حضرت مجددؒ کے ان ارشادات کے مطالعہ سے ناظرین کرام کو معلوم ہو جائے گا کہ اہل اللہ اور عرفائے امت کے نزدیک اس باب میں مسلک صحیح اور صراط مستقیم کیا ہے اور اس مقدس گروہ کی نظر میں یہ خیالات (جن کو آج بعض حلقوں میں لازمہ تصوف سمجھا جانے لگا ہے) کس درجہ گمراہانہ اور صحیح اسلامیت سے دور ہیں واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

افضلیت شیخین (رضی اللہ عنہما)

شیعیت کی پہلی سیڑھی حضرت علی مرتضیٰؓ کی افضلیت مطلقہ کا اعتقاد ہے اور چالاک روافض عوام سنیوں کو سب سے پہلے اسی عقیدے پر جمانے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے حضرت علیؓ کی قرابت قریبہ اور بعض

دوسری وجوہ سے وہ اس ابلہ فریبی میں کسی قدر آسانی سے کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر جب ایک شخص اتنی بات کو مان لیتا ہے کہ حضرت علیؓ بلا استثناء اتمام صحابہ کرام میں افضل تھے تو لازمی طور پر وہ اس نتیجہ پر بھی پہنچ جاتا ہے کہ صحابہ کرام نے خلافت کے انتخاب میں ان کے ساتھ بے انصافی کی یا کم از کم یہ کہ صحیح انتخاب نہیں کیا اور جمہور صحابہ سے بدظنی اور بغض وعداوت ہی شیعی مذہب کا سنگ بنیاد ہے۔ بہرحال شیعیت کا پہلا دروازہ یہی عقیدہ ''تفضیل'' ہے۔ حضرت مجددؒ نے بلا مبالغہ پچاسوں جگہ اپنے مکتوبات میں اس پر روشنی ڈالی ہے جن میں سے صرف چند اقتباسات ملاحظہ ہوں......

دفتر دوم کے پندرہویں مکتوب گرامی میں جو حکام بلدہ سامانہ کے نام لکھا گیا ہے، ارقام فرماتے ہیں:

''افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ وتابعین ثابت شدہ است چنانچہ نقل کردہ آنرا جماعت از اکابر ائمہ کہ یکے از ایشاں امام شافعی است قال الشیخ الامام ابو الحسن الاشعری ان تفضیل ابی بکر ثم عمر علی بقیة الامة قطعی. وقد تواتر عن علی رضی الله عنہ فی خلافة و کرسی مملکة وبین الجم الغفیر من شیعة ان ابا بکر و عمرؓ افضل الامته.'' (دفتر دوم ص ۲۸)

(حضرات شیخین (سیدنا ابوبکرؓ وسیدنا عمرؓ) کی افضلیت صحابہ وتابعین کے اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ اکابر ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی بھی ہیں اور امام ابوالحسن اشعری نے فرمایا ہے کہ حضرت صدیقؓ و فاروقؓ کی افضلیت باقی تمام امت پر قطعی (غیر مشتبہ اور یقینی) ہے اور حضرت علی مرتضیٰؓ سے تواتر کے طور پر ثابت ہے کہ آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں خاص اپنے دارالخلافت میں اور اپنے متبعین کی کثیر جماعت کے سامنے اعلان فرمایا کہ ابوبکرؓ وعمرؓ بزرگ ترین امت ہیں۔)

اسی دفتر میں ایک طویل مکتوب آپ نے رکن سلطنت خان جہاں کو لکھا ہے جس میں آپ نے تمام ضروری عقائد تحریر فرما دیے ہیں بلکہ اس لحاظ سے اگر اس کو ''مجددی عقائد نامہ'' کہا جائے تو بجا ہوگا۔ اس میں خلافت راشدہ اور خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے متعلق فرماتے ہیں۔

''امام برحق وخلیفہ مطلق بعد از حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات حضرت ابوبکر صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عمر فاروق است رضی اللہ عنہ بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت علی بن ابی طالب است رضوان اللہ تعالیٰ علیہ وافضلیت ایشاں بترتیب خلافت است افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ وتابعین ثابت شدہ است...... حضرت...... امیر کرم اللہ وجہہ میفرماید کسیکہ مرا ابی بکرؓ وعمرؓ فضل بدہد مفتری است واورا تازیانہ زنم چنانکہ مفتری رابزنند۔'' (مکتوب نمبر ۶۷ دفتر دوم ص ۱۳۰)

(حضرت خاتم الانبیاء (علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات) کے بعد خلیفہ مطلق اور امام برحق

حضرت ابوبکر صدیق ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان حضرات کی افضلیت بھی اسی ترتیب سے ہے۔ یعنی سب سے بڑا درجہ حضرت صدیق اکبرؓ کا ہے ان کے بعد فاروق اعظمؓ کا ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کا بعد ازاں حضرت علی مرتضیٰ کا (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور شیخین کی فضیلت صحابہ و تابعین کے اجماع و اتفاق سے ثابت ہے۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہ' فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ پر فضیلت دے گا، وہ مفتری ہے اور میں اس کو کوڑوں کی سزا دلواؤں گا جس طرح افترا کرنے والوں کو دی جاتی ہے۔)

بعض ''الہامی معارف''

افضلیت شیخین اور حضرات خلفاء اربعہؓ کے باہمی فرق مراتب کے متعلق کہیں کہیں آپ نے ''رسمی علوم'' اور ''اصلاحی دلائل'' سے گزر کر ''اسرار و لطائف'' کے رنگ میں بھی کلام کیا ہے۔ منجملہ ان کے دفتر اول کے ایک مکتوب میں تو اسی رنگ میں اتنا لکھا ہے کہ گویا ''الہامی معارف'' کا چشمہ ہی پھوٹ پڑا ہے۔ یہ مکتوب حضرت خواجہ محمد اشرف کابلیؒ کے نام ہے۔ اس کے بعض حصے تو عام افہام بلکہ متوسطین کی عقول سے بھی بالاتر ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جن کو اوساط ناس بھی سمجھ سکتے ہیں۔ یہاں اسی حصہ کا اقتباس درج کیا جاتا ہے (ترجمہ بطور حاصل مطلب عرض کیا جائے گا):

''بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات معلوم اخوی ارشدی خواجہ محمد اشرف باد بعضے از علوم غریبہ و اسرار عجیبہ' و مواہب لطیفہ و معارف شریفہ کہ اکثر انہا تعلق بفضائل و کمالات حضرات شیخین و ذی النورین و حیدر کرارؓ داشتہ بکسب فہم قاصر خود مینویسد بگوش ہوش استماع فرمایند...... کہ حضرت صدیق و فاروق باوجد حصول کمالات محمدی و وصول بدرجات ولایت مصطفوی علیہ و علیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام درمیان انبیاء ما تقدم در طرف ولایت مناسبت بحضرت ابراہیم صلوٰت اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیٰ نبینا و علیہ دارند' و در طرف دعوت کہ مناسب مقام نبوّت است مناسبت بحضرت موسیٰ دارند صلوٰت اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیٰ نبینا و علیہ و حضرت ذوالنورین در ہر دو طرف مناسبت بحضرت نوح دارند صلوٰت اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیٰ نبینا و علیہٗ و حضرت امیر در ہر دو طرف مناسبت بحضرت عیسیٰ دارند صلوٰت اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیٰ نبینا و علیہ' و چوں حضرت عیسیٰ روح اللہ است و کلمہ اولا جرم طرف ولایت در ایشاں غالب است از جانب نبوت اور حضرت امیر نیز بواسطہ آں مناسبت طرف ولایت غالب است۔''

(حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد برادر باسعادت خواجہ محمد اشرف کو معلوم ہو کہ حضرات خلفاء اربعہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے فضائل و کمالات کے متعلق بعض خاص علوم و معارف اور حق تعالیٰ کے بخشے ہوئے عجیب و غریب اسرار و لطائف حوالہ قلم کرتا ہوں' توجہ سے سنیں...... حضرت

Marfat.com

صدیق اکبر و حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ عنہما) کو اگرچہ کمالات محمدی حاصل ہیں اور یہ حضرات ولایت مصطفوی کے درجات اگرچہ طے کر چکے ہیں تاہم انبیاء سابقین میں ان کو بلحاظ ولایت حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے اور باعتبار دعوت (جو مقام نبوت سے متعلق ہے) حضرت موسیٰ سے مناسبت اور مشابہت حاصل ہے۔ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو "ولایت" و "دعوت" دونوں میں حضرت نوح علیہ السلام سے مناسبت خاصہ ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کو نبوت و دعوت دونوں کے اعتبار سے حضرت عیسیٰؑ سے خاص مناسبت ہے اور چونکہ حضرت عیسیٰؑ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اس لئے بہ نسبت جہت نبوت کے ان میں ولایت کی جہت غالب ہے اور اسی مناسبت سے حضرت علی مرتضیٰ میں بھی ولایت کی جہت غالب ہے۔)

پھر ایک دقیق تحقیق کے بعد فرماتے ہیں:

"حضرت صدیقؓ و فاروق حامل بار نبوت محمدی اند علی اختلاف المراتب و حضرت امیر بواسطہ مناسبت حضرت عیسیٰ و غلبہ جانب ولایت حامل بار ولایت محمدی اند و حضرت ذوالنورین باعتبار برزخیت حمل بار ہر دو طرف فرمودہ اند و تواند بود کہ بایں اعتبار نیز ایشاں را ذوالنورین گویند۔"

(حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ علیٰ فرق مراتب نبوت محمدی کے بار کے حامل ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ مناسبت عیسوی اور غلبہ جانب ولایت کی وجہ سے ولایت محمدی کے بارے کے حامل ہیں اور حضرت عثمان ذوالنورین اپنی "درمیانی حیثیت" کی وجہ سے نبوت محمدی اور ولایت محمدی دونوں نسبتوں کے حامل ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس لحاظ سے بھی ان کو ذوالنورین کہیں۔)

پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

"وچوں امیر حامل بار ولایت محمدی بودہ اند اکثر سلاسل اولیاء بایشاں منتسب گشت و کمالات حضرت امیر بیش از کمالات حضرت شیخین بر اکثر اولیاء عزلت کہ بکمالات ولایت مخصوص اند ظاہر شد اگر نہ اجماع اہلسنت بر افضلیت شیخین بودے کشف اکثر اولیاء عزت بافضلیت حضرت امیر حکم کردے زیرا کہ کمالات حضرات شیخین شبیہہ کمالات انبیاء است علیہم الصلوٰت والتسلیمات دست ارباب ولایت از دامان آن کمالات کوتاہ است و کشف ارباب کشوف بواسطہ علو درجات آنہا در راہ کمالات ولایت در جنب آن کمالات کالمطروح فی الطریق اند' کمالات ولایت زینہا انداز برائے عروج بر کمالات نبوت' پس مقدمات را از مقاصد چہ خبر بود و مبادی را از مطالب چہ شعور' امروز ایں سخن بواسطہ بُعد عہد نبوت بر اکثرے گرانست و از قبول دور لیکن چہ تواں کرد۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاذ ازل گفت ہمہ میگویم

Marfat.com

اما الحمد للہ سبحانہ والمنتہ کہ دریں گفتگو بعلمائے اہلسنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم موافقم وبہ اجماع ایشاں متفق استدلالی ایشاں رابرمن کشفے ساختہ اند واجمالی راتفصیلی۔ ایں فقیر را تازمانیکہ بکمالات مقام نبوت بمتابعت پیغمبر خود نرسانید ندوازاں کمالات بہرہ تام ندادند برفضائل شیخین بطریق کشف اطلاع۔ نہ بخشید ندوغیر از تقلید راہے نہ نمودند الحمد لله الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لولا ان هدانا الله لقد جاء ف رسل بنا بالحق۔

روزے شخصے نقل کرد کہ نوشتہ اند کہ نام حضرت امیر بردر بہشت ثبت کردہ اند بخاطر رسید کہ حضرات شیخین را خصائص آں موطن چہ باشد بعد از توجہ تام ظاہر شد کہ دخول ایں امت در بہشت باستصواب وتجویز ایں دوا کابر خوابد بود گوئیا حضرت صدیق بردر بہشت ایستادہ اند تجویز وخول مردم ے فرمودند حضرت فاروق دست گرفتہ بدرون ے برند ومشہودمیگردد کہ گوئیاں تمام بہشت بنور حضرت صدیق مملواست درنظر ایں حقیر حضرات شیخین را درمیان جمیع صحابہ شان علیحدہ است درجہ منفردہ گوئیا بہ ہیچ احدے مشارکت ندارند۔ حضرت صدیقؓ یا حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰت والتسلیمات گوئیا ہمخانہ است اگر تفاوت است بعلو وسفل است' وحضرت فاروقؓ نیز بطفیل حضرت صدیقؓ باین دولت مشرف اند وسائر صحابہ کرام باآں سرور علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات نسبت ہمسرائے اودارند یا ہم شہرے باولیاء' امت خوچہ رسد۔ع

این بسکہ رسد زدور بانگ جرسم
پس اینہا از کمالات شیخین چہ دریا بند"

(اور چونکہ حضرت علی مرتضیٰ پر ولایت محمدی کی نسبت کا اثر غالب ہے' اس لئے اولیاء اللہ کے اکثر سلسلے انہی سے نسبت رکھتے ہیں اور بہت سے گوشہ گیر اولیاء پر جن کو صرف کمالات ولایت ہی سے حصہ ملا ہے (اور کمالات نبوت سے ان کو مناسبت نہیں ہے) حضرت امیرؓ کے کمالات' حضرات شیخین سے زیادہ ظاہر ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر شیخین کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو ان اکثر اولیاء کا کشف حضرت علی مرتضیٰ ہی کی افضلیت کا فیصلہ کرتا کیونکہ حضرات شیخین کے کمالات انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے مشابہ ہیں اور ان ارباب ولایت کی دسترس وہاں تک نہیں ہے اور نیز ان کشف والوں کے کشف کی پرواز بھی ان پیغمبرانہ کمالات کی بلندی سے نیچے ہی نیچے ہے۔ ہاں! ہاں! کمالات ولایت ان کمالات نبوت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ اور پیش پا افتادہ ہیں۔ کمالات ولایت تو کمالات نبوت کی بلندیوں تک پہنچنے کے لئے زینے ہیں اور ان دونوں میں مقدمات اور مقاصد یا مبادی اور مطالب کی نسبت ہے۔ نبوت کی روشنی سے دوری کے باعث بہت ممکن ہے کہ آج یہ بات بہت سوں پر گراں ہو اور وہ اس کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں لیکن میں کیا کروں اور کیا کر سکتا ہوں۔ میری مثال تو طوطی کی سی ہے سکھانے والے

Marfat.com

نے جو اس کو سکھا دیا ہے وہی اس نے بول دیا۔ بہر حال اللہ کا شکر اور اس کا احسان ہے کہ میں اس بارہ میں حضرات علمائے اہلسنت کی رائے کے موافق ہوں اور ان کے اجماع سے متفق۔ ہاں ان کو جو چیز استدلال سے معلوم ہوئی تھی مجھ پر اس کو منکشف کر دیا گیا ہے اور جو بات ان کو بالا جمال دریافت ہوئی تھی وہ مجھ پر بالتفصیل ظاہر کر دی گئی ہے۔ اس فقیر کو تو جب تک رسول اللہ ﷺ کی تبعیت اور آپ کے طفیل میں کمالات مقام نبوت تک پہنچا نہیں دیا گیا اور ان سے کافی حصہ عنایت نہیں فرما دیا گیا۔ کشفی طور پر فضائل شیخین کی اطلاع ہی نہیں دی گئی اور اس بارے میں سوائے تقلید کے کوئی راہ ہی نہیں دکھلائی گئی۔ پس حمد ہے اس خدا کو جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ رہنمائی نہ فرماتا تو ہم راہ یاب نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے نقل کیا کہ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کا نام نامی جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ پھر اس جگہ حضرات شیخین کو کیا خصوصیت حاصل ہوگی؟ توجہ سے معلوم ہوا کہ جنت میں اس امت کا داخلہ انہی ہر دو بزرگوں کی تجویز اور صوابدید سے ہوگا' گویا صدیق اکبر جنت کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور لوگوں کا داخلہ تجویز کرتے اور حضرت فاروق گویا ہاتھ پکڑ پکڑ کے اندر لے جاتے ہیں اور یہ نظر آتا ہے کہ گویا ساری جنت حضرت صدیق اکبر کے نور سے منور ہے۔ اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین کی شان تمام صحابہ میں سب سے الگ اور بالکل نرالی ہے جس میں کسی کی کوئی شرکت نہیں۔

حضرت صدیقؓ اکبر تو گویا رسول اللہ ﷺ کے ہمخانہ ہیں اور فرق ہے تو صرف نیچے اور اوپر کا یعنی حضور سرور عالم ﷺ بالائی منزل میں ہیں اور حضرت صدیق اسی محل کی تحتانی منزل میں اور حضرت فاروق بھی بطفیل حضرت صدیق اس دولت سے مشرف ہیں اور باقی تمام صحابہ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف ہمسرائی یا ہم شہر ہونے کی نسبت حاصل ہے۔ پھر اولیائے امت کی وہاں کیا رسائی۔ ہے یہی کافی کہ آئے دور سے بانگ جرس۔ پس یہ ارباب ولایت جبکہ شیخین کی منزل سے اتنے دور ہیں تو ان کے کمالات کا کیا ادراک کر سکتے ہیں۔)

پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

''شیخین بعد از موت نیز از حضرت پیغمبر جدا نشدند و حشر نیز درمیان ایشاں خواہد' بود چنانچہ فرمودہ' پس افضلیت بواسطہ قربیت ایشانرا بود...... ایں قلیل البضاعت از کمالات ایشاں چہ گوید و از فضائل ایشاں چہ بیان نماید' ذرہ راچہ یارا کہ سخن از آفتاب گوید و قطرہ را چہ مجال کہ حدیث بحر عمال بر زباں آرد اولیاء کہ برائے دعوت خلق مرجوع اندو از ہر دو طرف ولایت و دعوت بہرہ دارند' وعلماء مجتہدین ادتابعین وتبع تابعین بنور کشف صحیح وفراست صادقہ واخبار متتابعہ فی الجملہ کمالات شیخین راہ ریافتہ اند' وشمہ از فضائل ایشاں شناختہ ناچار حکم بافضیلت شان نمودہ اند و برایں معنی اجماع

Marfat.com

فرمودہ اندؤ کشفے کہ برخلاف ایں اجماع ظاہر شدہ بر عدم صحت عمل نمودہ اعتبار نکردہ اند کیف وقد صح فی الصدر الاول افضلیتھما کماروی النجاری عن ابن عمر قال کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیو وسلم لا نعدل بابی بکرؓ احداً ثم عمرؓ ثم عثمانؓ ثم نترک اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل بینم...... وفی روایة لا بی داؤد قال کنانقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جی افضل امة النبتی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابو بکرؓ ثم عمرؓ ثم عثمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنھم."

(مکتوب نمبر ۲۵۱ ص ۲۶۹۔۲۷۱)

(حضرات شیخین تو وفات کے بعد بھی آنحضرت ﷺ سے جدا نہیں ہوئے اور حضور قبر مبارک سے اس حال میں اٹھیں گے کہ ایک جانب حضرت صدیقؓ ہوں گے اور دوسری طرف حضرت فاروقؓ جیسا کہ خود آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں اس کی خبر دی ہے۔ پس اس نزدیکی اور دائمی حضوری کی وجہ سے افضلیت انہی کو ہے۔ یہ ناچیز حضرات شیخین کے فضائل کے متعلق کیا بیان کرے اور کیونکر لب کشائی کرے۔ ذرہ کو کہاں طاقت کہ آفتاب کی باتیں کرے اور قطرہ کی کیا ہستی کہ عمان کے زخار سمندر کے متعلق زبان کھولے۔ وہ اولیائے کرام جن کو" دعوت خلق" کا کام سپرد ہے اور جنہیں" ولایت ودعوت" دونوں چیزوں سے حصہ وافر ملا ہے' انہوں نے کشف صحیح کی روشنی میں اور تابعین و تبع تابعین میں سے ائمہ مجتہدین نے اپنی فراست صادقہ اور احادیث وآثار متواترہ سے حضرات شیخین کے کمالات دریافت کئے ہیں اور ان کے فضائل میں سے بہت تھوڑا سا حصہ ان کے علم میں آیا ہے۔ ناچار انہوں نے حضرات شیخین کی افضلیت کا حکم لگایا اور اس پر اجماع کیا اور طے کر دیا کہ اگر کسی کو اپنے کشف سے اس کے خلاف ظاہر ہو تو وہ غیر صحیح اور نامعتبر ہے...... اور بھلا افضلیت شیخین کے خلاف کسی کا کشف کیونکر معتبر ہو سکتا ہے حالانکہ صدر اول (عہد نبوی) میں ان کی افضلیت مسلم ہو چکی تھی جیسا کہ امام بخاریؒ نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم عہد نبوت میں ابو بکرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے...... پھر عمرؓ کو پھر عثمانؓ کو' ان کے بعد تمام صحابہؓ کو چھوڑ دیتے تھے اور ان میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے اور ابوداؤد کی روایت میں اس طرح ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان اس دنیا میں رونق افروز تھے تو ہم کہا کرتے تھے کہ اس امت میں افضل ترین ابو بکرؓ ہیں پھر عمرؓ پھر عثمانؓ (رضی اللہ عنہم اجمعین۔))

افضلیت شیخین کے مسئلہ پر بعض اور مکاتیب میں بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس قسم کے معارف ارقام فرمائے ہیں لیکن ہم بقصد اختصار یہاں انہیں اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس آخری مکتوب کے اقتباسات سے

دوسرے نادر فوائد اور عجیب وغریب اسرار ولطائف کے علاوہ ناظرین کرام کو اس سوال کا جواب بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ اکثر سلاسل اولیاء اللہ کا انتساب حضرت علی مرتضیٰؓ سے کیوں ہے؟ اور عام ارباب ولایت کو جناب مرتضوی ہی سے زیادہ مناسبت کی وجہ کیا ہے؟ اور نیز اس مکتوب شریف سے یہ عقیدہ بھی حل ہوگیا کہ بعض ارباب ولایت پر حضرت علیؓ کے فضائل وکمالات بہ نسبت حضرات شیخین کے جو زیادہ منکشف ہوتے ہیں تو اس کا سبب اور منشا کیا ہے؟

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تحقیق (صرف غور وفکر والی تحقیق نہیں بلکہ الہامی تحقیق اور ربانی تلقین) کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرات شیخین کو چونکہ مقام نبوت سے زیادہ قرب ہے اور نسبتاً کمالات نبوت کا زیادہ غلبہ ہے اس لئے ان کے کمالات خاصہ تک ان عام ارباب ولایت کی رسائی ہی نہیں ہوتی جن کی پرواز صرف مقام ولایت تک ہے اور چونکہ حضرت علیؓ میں ولایت کی جہت ہی غالب ہے اور ان پر کمالات ولایت ہی کا غلبہ ہے اس لئے عام ارباب ولایت ان کے کمالات وفضائل کا ادراک خوب کرسکتے ہیں، اسی واسطے حضرت امیرؓ کے فضائل وکمالات بہ نسبت حضرات شیخین کے ان پر زیادہ منکشف ہوتے ہیں اور اسی قرب ومناسبت کا یہ اثر ہے کہ اولیاء اللہ کے اکثر سلاسل حضرت علی مرتضیٰؓ سے نسبت رکھتے ہیں۔

حق تعالیٰ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مرقد پاک کو منور فرمائے، اس تحقیق انیق نے کتنی الجھنیں صاف کردیں اور کتنی تاریکیوں کو روشنی سے بدل دیا...... روح مجدد شاد باد!

حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے متعدد مکاتیب میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ "افضلیت شیخین" کا عقیدہ اہل سنت کے "ضروریات" اور اجماعیات میں سے ہے اور اس سے اختلاف کرنے والا اہلسنت سے خارج ہے، چنانچہ دفتر اول کے مکتوب نمبر ۲۲۹ میں ارقام فرماتے ہیں:

"کسیکہ حضرت امیرؓ را افضل از حضرت صدیقؓ گوید از جرگہ اہلسنت مے برآید"

(جو کوئی حضرت علیؓ مرتضیٰ کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل کہے، وہ گروہ اہل سنت سے خارج ہے۔)

حضرت عثمانؓ کی افضلیت

معلوم ہو چکا ہے کہ جمہور اہلسنت کے نزدیک حضرات خلفاء اربعہ کی فضیلت کی ترتیب بھی وہی ہے جو خلافت کی ترتیب ہے، یعنی جس طرح شیخین کے بعد خلافت کے اعتبار سے حضرت عثمانؓ ذوالنورین کا نمبر ہے اسی طرح فضیلت کے لحاظ سے بھی ان کا تیسرا مرتبہ ہے اور حضرت علی مرتضیٰؓ چوتھے نمبر پر ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین) لیکن بعض حضرات اہل علم سے حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے بارہ میں تردد اور توقف بھی ظاہر ہوا ہے۔ بظاہر تو یہ ایک غیر اہم سی بات ہے لیکن درحقیقت اس کا نتیجہ بھی جلیل القدر صحابہ کرام کا تخطیہ ہے کیونکہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہوتے ہوئے خلافت (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل نیابت و جانشینی) کے لئے حضرت عثمانؓ کا انتخاب جلیل القدر صحابہ کرام کی ایک مجلس شوریٰ ہی نے کیا تھا اگرچہ اس مجلس شوریٰ نے (جس میں خود حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ بھی شامل تھے) آخر کار انتخاب کے پورے اختیارات عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو دے دیئے تھے لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ نے تنہا

اپنی رائے سے فیصلہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اس وقت مدینہ طیبہ میں ان کی نظر میں جو...... صاحب الرائے اور قابل مشورہ حضرات تھے خفیہ طور پر ان سب سے فرداً فرداً انہوں نے رائے حاصل کی۔ ان کا بیان ہے کہ ''مجھے دو شخص بھی ایسے نہ ملے جو حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر ترجیح دیتے ہوں''...... اور اس لئے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو ہی منصب خلافت تفویض کر دیا۔

بہر حال حضرت عثمانؓ کی افضلیت اور بہ نسبت حضرت علی مرتضیٰؓ کے ان کی فوقیت بھی گویا جمہور صحابہ کرام کی متفقہ رائے ہے۔ پس اس سے اختلاف کرنا گویا تمام صحابہ کرام کو خاطی قرار دینا ہے اور بلاشبہ شیعی خیالات کے دل میں گھسنے کے لئے یہ پہلا چور دروازہ ہے۔ اس لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس کا انسداد بھی ضروری سمجھا اور صاف ارقام فرمایا:

''اکثر علماء اہلسنت برآنند کہ افضل بعد از شیخین عثمانؓ است' پس علیؓ و مذہب' ائمہ اربعہ مجتہدین نیز ہمیں است و توقفے کہ در فضیلت عثمان از امام مالک نقل کردہ اند قاضی عیاض گفتہ کہ او رجوع کردہ است از توقف بسوئے تفضیل عثمان و قرطبی گفتہ است ہوالاصح انشاء اللہ تعالیٰ۔''

(اکثر علمائے اہلسنت اس مسلک پر ہیں کہ حضرات شیخینؓ کے بعد افضل ترین امت حضرت عثمانؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت علیؓ اور ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے اور بعض لوگوں نے جو امام مالکؒ سے افضلیت عثمان کے بارہ میں توقف نقل کیا ہے' اس کے متعلق امام قاضی عیاض مالکی کا بیان ہے کہ امام مالک نے اس سے رجوع فرمالیا اور آخر الامر افضلیت عثمان کے قائل ہو گئے تھے اور علامہ قرطبی نے بھی اس کی تصدیق اور تصحیح کی ہے۔)

[یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ اس بارے میں حافظ علامہ ابن تیمیہ نے ''منہاج السنۃ'' میں اس کے متعلق حضرت امام کا جو ایک مقولہ نقل کیا ہے اس کے بعد تو سکوت یا توقف کا احتمال باقی ہی نہیں رہا۔ ''منہاج'' میں امام مالک کا ارشاد حضرت عثمان و حضرت علی کے باہمی تفاضل کے باب میں یہ منقول ہے۔ ''لا اجعل من خاض فی دماء المسلمین کمن لم یخض فیھا''۔]

اس کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ایک ارشاد سے پیدا ہونے والے ایک شبہ کا جواب دیا ہے' اس شبہ اور اس کے جواب کا حاصل یہ ہے:

''کہ حضرت امام اعظمؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اہل سنت و جماعت کی علامات میں سے شیخین کی افضلیت کا اعتقاد اور ختنین (حضرت عثمان و حضرت علی) سے محبت رکھنا بھی ہے۔''

بادی النظر میں اس سے شبہ ہوتا ہے کہ (حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) کے مراتب میں شاید کوئی فرق نہیں...... اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''کہ جن لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے انہوں نے حضرت امام کے اس ارشاد کی روح اور اس کے محل

Marfat.com

کونہیں سمجھا۔ اصل بات یہ ہے کہ اختلافات اور فتنے سوء اتفاق سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ہی کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے بعض لوگوں کو ان بزرگوں کی طرف سے بدظنی اور کدورت پیدا ہو سکتی ہے۔ حضرت امام نے اس صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ختنین (حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) کی صرف محبت و مودت کو شعائر اہل سنت میں سے قرار دیا ہے اور اس جگہ ان ہر دو بزرگوں کے باہمی فرق مراتب سے نفیاً یا اثباتاً کوئی بحث بلکہ اس کا کوئی لحاظ بھی نہیں ہے۔''

آخر میں حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

''کیف و کتب الحنفیة مشحونة بان افضلیتھم علی ترتیب خلافتھم
یعنی اور بھلا حضرت امام اعظم کے متعلق توقف یا عدم تفاضل مابین حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کا خیال کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ کتب حنفیہ اس تصریح سے بھری پڑی ہیں کہ ان کی افضلیت علیٰ ترتیب خلافت ہے۔''

بایں ہمہ حضرت مجددؒ کو اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہے کہ حضرت عثمان کی افضلیت حضرت علیؓ وغیرہ دیگر صحابہ کرام پر اس درجہ یقینی اور قطعی نہیں ہے جس درجہ کہ حضرات شیخین کی افضلیت جمیع صحابہ کرام پر' چنانچہ اسی مکتوب میں فرماتے ہیں۔:

''بالجملہ افضلیت شیخین یقینی است و افضلیت حضرت عثمان دون اوست اما احوط آن است کہ منکر افضلیت حضرت عثمان را بلکہ افضلیت شیخین را نیز حکم بکفر نکنیم و مبتدع و ضال دانیم۔''

(الحاصل' حضرات شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمانؓ کی افضلیت اس سے کم درجہ کی' تاہم زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ افضلیت حضرت عثمان کے منکر (بلکہ حضرات شیخین کی افضلیت کے بھی منکر) کو کافر نہ کہا جائے۔ ہاں ہم اس کو صاحب بدعت اور گمراہ جانیں گے۔)

بعض ''صلح کل'' اور ''رواداری'' و ''وسیع الخیالی'' کے مدعی کہا کرتے ہیں کہ یہ تفضیل کی بحث ہی فضول اور لغو ہے۔ ہم تمام صحابہؓ کو برابر سمجھتے ہیں۔ آج کل اس قسم کے ''وسیع الخیالوں'' کی بڑی کثرت ہے۔ حضرت مجددؒ ایسوں کے متعلق اسی مکتوب شریف میں فرماتے ہیں:

''وآنکہ ہمہ را برابر داند و فضل یکے بر دیگرے فضولی انکار و بوالفضول است عجب' بوالفضولی کہ اجماع اہل حق را فضولی داند۔'' (مکتوب نمبر ۲۶۶ ص ۳۳۱ ج ۱)

(اور جو شخص کہ سب کو برابر جانے اور ان کے باہمی تفاضل اور فرق مراتب کو فضول سمجھے وہ خود احمق اور بوالفضول ہے اور عجیب احمق کہ تمام اہل حق کے اجماعی مسئلہ کو ''فضول'' کہتا ہے۔)

Marfat.com

مشاجرات صحابہ اور محاربین علی (رضی اللہ عنہم)

شیعہ صاحبان جن پہلوؤں سے عوام سنیوں کو ورغلایا کرتے ہیں' ان میں سے ایک مسئلہ صحابہ کرام کے ان نزاعات اور محاربات کا ہے جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے عہد خلافت میں واقع ہوئے۔ حضرت علیؓ کا رسول اللہ ﷺ سے قرب اور دوہری قرابت پھر ان کے فضائل و کمالات اور آن کی اسلامی خدمات' ان چیزوں کی وجہ سے ہر مسلمان کو جناب مرتضوی سے جو عقیدت و محبت ہو سکتی ہے' ظاہر ہے۔ چالاک شیعہ اسی راہ سے ناواقف اور عوام سنیوں کے دلوں میں اترتے ہیں اور صحابہ کرام کے اجتہادی اختلافات و نزاعات اور مشاجرات و محاربات کو اپنی حاشیہ آرائی کے ساتھ ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ابتداءً ان کے سادہ ذہن میں بس یہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہ میں گویا دو ''پارٹیاں'' تھیں۔ ایک ''پارٹی'' حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی دوسری ''پارٹی'' ان کے مخالفین کی اور یہ دوسری پارٹی حضرت علیؓ سے بس خلافت چھیننا چاہتی تھی اور جمل و صفین کی لڑائیاں اور دوسرے اختلافات سب اسی سلسلہ کے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام جو تفصیلی واقعات اور اصل حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ ان کو حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ سچی محبت اور پختہ عقیدت ہوتی ہے' وہ حضرت علیؓ سے اختلاف کرنے والے صحابہ کرام یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت معاویہؓ وغیرہ سینکڑوں اصحاب رسول ﷺ سے بدظن ہو جاتے ہیں اور کبھی یہ بدظنی بغض و بدگوئی تک پہنچ جاتی ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس اصولی گمراہی کے انسداد کے لئے بھی پورا زور قلم صرف کیا ہے اور بلا مبالغہ بیسیوں پچاسوں مکتوبات میں ان مشاجرات و محاربات کی صحیح نوعیت پر روشنی ڈالی ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

مکتوبات کے دوسرے دفتر میں حضرت کا ایک طویل مکتوب (جو چودہ صفحہ پر ہے اور اس میں مسائل شیعہ اور شبہات شیعہ ہی پر بحث ہے) خواجہ محمد تقی کے نام ہے (یہ حکومت وقت کے اعلیٰ عہدیدار تھے جیسا کہ خود مکتوب کے ابتدائی حصہ سے معلوم ہوتا ہے) اس مکتوب میں صحابہ کرامؓ کے ان نزاعات اور مشاجرات کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

> ''اہلسنت شکر اللہ سعیہم مشاجرات و منازعات اصحاب خیر البشر را بر محامل نیک محمول میدارند و از ہوا و تعصب دور میدانند زیرا کہ نفوس ایشاں در صحبت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتحیات مزکی شدہ بود و سینہائے ایشاں از عداوت و کینہ پاک گشتہ غایت مافی الباب چوں بہر کدام رارائے و اجتہاد بودہ و ہر مجتہد راعمل بموافق رائے خود واجب بضرورت در بعض امور بسبب مخالفت آراء و مخالفت و مشاجرت لازم گشت و ہر یکے راتقلید رائے خود صواب آمد پس مخالفت شان در رنگ موافقت برائے حق بودہ نہ برائے ہوا و ہوس نفس امارہ۔'' (مکتوب نمبر ۳۶ دفتر دوم ص ۵۸)

(اہلسنت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزاعات و اختلافات کو اچھے محامل پر محمول کرتے ہیں اور خواہش نفسانی و تعصب وغیرہ سے دور سمجھتے ہیں کیونکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے اثر سے ان کے نفوس صاف ہو گئے تھے اور سینے عداوتوں اور کینوں سے قطعی پاک۔

Marfat.com

بیش ازیں نیست کہ ان میں سے ہر ایک کی ایک رائے تھی اور اپنا اپنا اجتہاد اور معلوم ہے کہ ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد اور صوابدید کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ پس اختلاف آرا کی وجہ سے یہ مخالفت اور منازعت ناگزیر ہوئی اور ہر ایک نے اپنی رائے کے مطابق عمل کرنا ضروری سمجھا لہٰذا ان کی یہ مخالفت رائے حق کی موافقت کے رنگ میں تھی نہ کہ نفس امارہ کی خواہش سے۔)

پھر چند سطر کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

''محاربان جم غفیر انداز اہل اسلام واز اجلہ اصحاب اند وبعضے از ایشاں مبشر بہ جنت' تکفیر وتشنیع ایشاں امر آساں نیست کبرت کلمتہ تخرج من افواھھم

قریباً نصف دین وشریعت رانزدیک است کہ ایشاں تبلیغ کردہ باشند اگر ایشاں مطعون باشند اعتماد از شطر دین مے خیزد۔''

(جن لوگوں کے حضرت علیؓ سے نزاعات ہوئے اور جنگ وقتال تک نوبت پہنچی وہ اہل اسلام کی بہت کثیر جماعت ہے اور ان میں سے بہت سے جلیل القدر صحابی ہیں اور ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کو دنیا ہی میں زبان نبوت سے جنت کی بشارت مل چکی ہے۔ ان کی تکفیر اور علیٰ ہذا ان کو برا بھلا کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ دین وشریعت کا قریباً نصف حصہ ایسا ہوگا جو انہی کی وساطت سے امت کو پہنچا ہے۔ اگر وہ بھی مجروح ومطعون ہو جائیں تو آدھا دین بے اعتبار ہو جائے۔)

پھر اسی مکتوب میں چند سطر بعد فرماتے ہیں:

باید دانست لازم نیست کہ امیر در جمیع امور خلافیہ محق باشند ومخالف ایشاں بر خطا ہر چند در امر محاربہ حق بجانب امیر بودہ زیرا کہ بسا است کہ در احکام خلافیہ صدر اول علماء تابعین دائمہ مجتہدین مذہب غیر امیر را اختیار کردہ اند وحکم بآں مذہب کردہ اگر حق بجانب امیر متعین بودے بخلاف آں حکم نہ کردے...... پس بر مخالفت امیر گنجائش اعتراض نباشد ومخالفان مطعون وملام نباشند۔''

(معلوم ہونا چاہیے یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام اختلافی امور میں حضرت علیؓ ہی برسر حق ہوں اور ان سے اختلاف کرنے والے ناحق پر' اگرچہ یہ مسلم ہے کہ ان جنگوں میں حق حضرت علیؓ ہی کی طرف تھا لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر اختلافی معاملہ میں وہی برسر حق تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی جگہ قرن اول کے اختلافی مسائل ہیں۔ علماء تابعین وائمہ مجتہدین نے حضرت علیؓ کے مسلک کو چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کیا ہے اور اس کے مطابق حکم دیا ہے۔ حالانکہ اگر حق انہی کی جانب متعین ہوتا تو یہ حضرات ایسا نہ کرتے...... پس صرف حضرت علیؓ سے اختلاف کرنے کی بنا پر اعتراض کی گنجائش نہیں ہے اور ان اختلاف کرنے والوں پر طعن وملامت کرنا روا نہیں ہو سکتا۔)

Marfat.com

اسی دفتر کے مکتوب نمبر ٦٧ میں جو حضرتؒ نے خان جہاں کو لکھا ہے اور جو تمام ضروری عقائد اہل سنت پر حاوی ہے، فرماتے ہیں:

محاربات و منازعات کہ درمیان اصحاب کرام علیہم الرضوان واقع شدہ اند مثل محاربہ جمل و صفین بر محامل نیک صرف باید نمود و از ہوا و تعصب دور باید داشت چہ نفوس این بزرگواران در صحبت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوٰت والتسلیمات از ہوا و ہوس مزکی شدہ بودند و از حرص و کینہ پاک گشتند اگر مصالحت دارند برائے حق دارند و اگر منازعت و مشاجرت است برائے حق است ہر گروہے۔ بہ مقتضائے اجتہاد خود عمل نمودہ اند و مخالف را بے شائبہ تعصب...... از خود دفع کردہ اند ہر کہ در اجتہاد خود مصیب است دو درجہ و بہ قولے دہ درجہ ثواب دارد و آن کہ مخطی یک درجہ ثواب اورا نقد وقت است پس مخطی در رنگ مصیب از ملامت دور است بلکہ امید درجہ از درجات ثواب دارد علماء فرمودہ اند کہ دواں محاربات حق بجانب امیر بودہ است کرم اللہ تعالیٰ وجہہ و اجتہاد مخالفان از صواب دور بودہ مع ذالک موارد طعن نیستند و گنجائش ملامت ندارند چہ جائے آن کہ نسبت کفر یا فسق کردہ شود، امیر کرم اللہ وجہہٗ فرمودہ است برادران ما بما باغی گشتند ایشان نہ کافر آنند نہ فاسق۔

زیرا کہ ایشاں را تاویل است کہ منع کفر و فسق می نماید...... حضرت پیغمبرؐ ما فرمودراست علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ایاکم وما شجر بین اصحابی پس جمیع اصحاب پیغمبر را علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات بزرگی باید داشت و ہمہ را بہ نیکی یاد باید کرد و در حق ہیچ یکے ازیں بزرگواران بد بناید بود و گمان بد بناید کرد...... و منازعت ایشانرا بہ از مصالحت دیگراں باید داشت طریق فلاح و نجات ایں است چہ دوستی اصحاب کرام بہ واسطہ دوستی پیغمبر است علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ بزرگے فرمایدما امن بر سول اللہ من لم یوترا صحابہ۔"

(اور صحابہ کرام رضیہم اللہ اجمعین کے درمیان جو باہمی جنگیں ہوئیں مثلاً جنگ جمل اور جنگ صفین ان سب کو اچھے محامل پر محمول کرنا اور خود غرضیوں اور تعصبات سے دور رکھنا چاہیے۔ یہ اکابر رسول اللہ ﷺ کی صحبت کی تاثیر سے ہوا و ہوس اور کینہ و حرص سے پاک صاف ہو گئے تھے۔ یہ اگر کسی سے مصالحت رکھتے تھے تو صرف حق کے لئے اور اگر کسی سے لڑتے جھگڑتے تھے تو صرف اللہ کے واسطے۔ بلاشبہ ان میں سے ہر گروہ نے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا اور بغیر کسی تعصب اور خود غرضانہ جذبہ کے دوسروں کو اپنے سے دفع کیا۔ پس ان کا حال یہ ہے کہ جس کا اجتہاد ان میں سے ٹھیک تھا اس کو دو درجے اور ایک قول کے مطابق دس درجہ ثواب ملے گا اور جس سے اجتہاد میں غلطی ہوئی ایک درجہ ثواب سے وہ بھی خالی نہیں رہے گا۔ غرض ن لوگوں سے اجتہاد میں غلطی ہوئی، وہ اسی طرح طعن و ملامت سے دور ہیں جس طرح کہ فریق ثانی بلکہ

Marfat.com

جیسا بتلایا گیا وہ بھی کم از کم ایک درجہ ثواب کے مستحق ہیں...... ہاں علماء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ ان جنگوں میں حق حضرت علیؓ ہی کی طرف تھا اور آپ کے مخالفین سے اجتہاد میں غلطی ہوئی...... بایں ہمہ ان پر طعن نہیں کیا جاسکتا اور نہ کسی ملامت ہی کی گنجائش ہے۔ کجا یہ کہ کفر یا فسق کی ان کی طرف نسبت کی جائے۔ خود حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان کے حق میں فرمایا ہے۔ یہ ہمارے بھائی ہیں ہم سے باغی ہوگئے ہیں نہ وہ کافر ہیں نہ فاسق کیونکہ ان کا یہ اختلاف تاویل پر مبنی ہے جو کفر و فسق کے لئے مانع ہے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم بچو میرے صحابہ کے اختلافات میں دخل دینے سے۔ پس ہم کو تمام اصحاب کرام کی تعظیم کرنا اور سب کو اچھے لفظوں سے یاد کرنا چاہئے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگوئی اور بدگمانی نہ کرنی چاہیے۔ بلکہ ان کے ان اختلافات کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر سمجھنا چاہیے۔ نجات اور کامیابی کی یہی راہ ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت' رسول اللہ ﷺ ہی کے واسطہ سے ہے۔ ایک بزرگ (حضرت شیخ شبلیؒ) فرماتے ہیں کہ جس نے اصحاب رسول (ﷺ) کی توقیر و تعظیم نہیں کی وہ گویا حضور پر ایمان ہی نہیں لایا۔ والعیاذ باللہ۔)

صحابہ کرام کے مشاجرات کے متعلق اس قسم کے مضامین مکتوبات شریف میں بکثرت ہیں۔ یہاں بقصد اختصار ان ہی چند اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ہاں اسی کے ساتھ یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے صرف اس اصولی بحث ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ جن صحابہ کرام کے حضرت علی مرتضیٰؓ سے نزاعات اور محاربات ہوئے ہیں' ان کے فضائل و مناقب بھی آپ نے اپنے مکتوبات شریف میں بڑے اہتمام سے لکھے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کوئی صحیح الایمان ان بزرگوں کی طرف سے کبھی بدگمان نہیں ہوسکتا۔ ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا)

حضرت علیؓ مرتضیٰ کے محاربین میں ایک حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ہیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ ان محاربات ہی پر کلام کرتے ہوئے ایک موقع پر ارقام فرماتے ہیں:

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ حبیبہ حبیب رب العالمین بودہ است و تا لب گور مقبولہ و منظورہ او علیہ الصلوٰۃ والسلام بودہ و حضرت پیغمبرؐ مرض موت را بہ حجرہ او بسر بردہ و در کنارا وجان دادہ و در حجرہ مطہرہ او مدفون گشتہ' مع ذلک الشرف حضرت صدیقہ عالمہ و مجتہدہ بودہ است و پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بیان شطر دین را باو حوالہ داشتہ و اصحاب کرام در مشکلات احکام رجوع بوے می نمودند و حل تعلقات از وے در یافتند۔ ایں چنیں صدیقہ مجتہدہ را بواسطہ مخالفت حضرت امیر مطعون ساختن و اشیائے ناشایستہ وا بوے منتسب نمودن بسیار نامناسب است و دور از ایمان بہ پیغمبر است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام امیر اگر داماد حضرت پیغمبر است و پسر عم

Marfat.com

است حضرت صدیقہ زوجہ مطہرہ اوست علیہ وعلی جمیع اہل بیتہ الصلوٰت والسلام وحبیبہ مقبولہ او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والسلام پیش ازیں بچند سال واب فقیر آں بودہ کہ اگر طعام مے پخت مخصوص بروحانیات مطہرہ اہل عبا می ساخت وبآن سرور حضرت امیرؓ وحضرت فاطمہؓ وحضرات امامینؓ را ضم میکرد علیہم الصلوٰت والتسلیمات شبے در خواب می بیند کہ آں سرور حاضر است علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فقیر بہ ایشاں عرض سلام میکند متوجہ فقری نمی شوند و رو بجانب دیگر دارند دریں اثناء بفقیر فرمودند کہ من طعام در خانہ عائشہؓ می خورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہؓ فرستد ایں زماں فقیر دریافت سبب عدم توجہ شریف ایشان آن بودہ کہ فقیر حضرت صدیقہؓ را دران طعام شریک نمی ساخت بعد ازاں حضرت صدیقہ را بلکہ سائر ازواج مطہرات را کہ ہماں اہل بیت اند شریک می ساخت وبجمیع اہل بیت توسل می نمود پس آزار و ایذا کہ بحضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ والصلوٰۃ والسلام از راہ حضرت صدیقہ برسد زیادہ ازاں آزاد وایذا است کہ از راہ حضرت امیرؓ برسد بر عقلائے صاحب انصاف ایں معنی مخفی نیست۔'' (مکتوب نمبر ۳۶ دفتر دوم ص ۵۹۔۶۰)

(حضرت عائشہ صدیقہؓ جو محبوب رب العالمین حضرت خاتم النبیین ﷺ کی محبوبہ اور اخیر لحہ حیات تک حضور کی منظورہ نظر رہیں اور جن کے حجرہ مبارکہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری دن گزارے اور آخر کار جن کے آغوش میں حضرت ﷺ نے ملاء اعلیٰ کو رحلت فرمائی اور انہی کے حجرہ مقدسہ میں آپ آج تک آرام فرما ہیں اور پھر علاوہ ان تمام چند در چند فضائل وخصائص کے علم واجتہاد میں بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا اور حضرت رسالت مآب ﷺ نے نصف دین کی تبلیغ واشاعت ان کے سپرد کی تھی اور صحابہ کرام مشکل معاملات اور اہم مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور انہی سے ناقابل حل گتھیاں حل کراتے تھے...... پس ایسی صدیقہ مطہرہ کو صرف حضرت علی مرتضیٰؓ سے اختلاف کرنے کی وجہ سے مطعون کرنا اور ناسزا باتیں ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب اور ایمان سے دور ہے ۔

ہرگزم باور نمی آید زروئے اعتقاد
ایں ہمہ ہا کردن و دین پیمبر داشتن

حضرت علیؓ اگر رسول اللہ ﷺ کے داماد اور آپ کے چچا زاد بھائی ہیں تو حضرت صدیقہؓ آپ کی زوجہ مطہرہ اور محبوب ترین شریک زندگی ہیں۔ اب سے چند سال سے پہلے فقیر کا یہ طریقہ تھا کہ اگر حضرت رسالتماب صلعم کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی جگر گوشہ حضرت فاطمہؓ زہرا اور حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ کو شامل کیا کرتا تھا۔ ایک دن رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں۔ میں سلام عرض کرتا ہوں۔ اور آپ فقیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور رخ مبارک دوسری طرف کیے ہوئے ہیں پھر

اسی اثناء میں فقیر سے فرمایا کہ میں عائشہ کے گھر کھانا کھاتا ہوں جو مجھے کھلانا چاہے وہ عائشہؓ کے گھر بھیجے (اللہ اکبر)۔ اس وقت فقیر کو معلوم ہوا کہ حضرت کی عدم توجہی کا باعث یہ ہے کہ میں حضرت صدیقہؓ کو ایصال ثواب میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد سے تو میں نہ صرف صدیقہ طاہرہ بلکہ باقی تمام ازواج مطہرات کو بھی کہ سب ہی اہل بیت ہیں' شریک کرنے لگا اور سب سے توسل کرنے گا...... الحاصل حضرت پیغمبر ﷺ کو جو تکلیف حضرت علی مرتضیٰؓ کی شان میں گستاخی سے پہنچتی ہے' اس سے کہیں زیادہ اذیت حضرت صدیقہؓ طاہرہ کے متعلق بیہودہ گوئی سے ہوتی ہے اور ہر صاحب عقل وانصاف اس فرق کو سمجھ سکتا ہے۔)

حضرت طلحہ وزبیر (رضی اللہ عنہما)

جن صحابہ کرام سے حضرت علی مرتضیٰؓ کے محاربات ہوئے ان میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ ان دونوں حضرات کے متعلق حضرت مجدد علیہ الرحمہ اسی مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

''طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما از کبار اصحاب اند و در عشرہ مبشرہ بحث طعن و تشنیع ایشاں نامناسب است ولعن وطرز ایشاں عاید بہ لاعن و طارد ہماں طلحہؓ و زبیرؓ اند کہ حضرت فاروق خلافت را بعد از خود درمیان شش نفر شوریٰ گذاشت وطلحہؓ و دبیر را داخل آنہا ساخت و برترجیح یکے بر دیگرے دلیل واضح نیافت وطلحہؓ و زبیرؓ باختیار خود نصیب خلافت را گذاشتند و ہر یکی ترکت حظی گفتہ و ہماں طلحہ است کہ پدر خود را بواسطہ سوء ادب کہ نسبت بآں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام از وے بوجود آمدہ بود کشتہ است و سرادر اور ملازمت آن سرور آوردہ بود و در قرآن مجید ثنائی او بریں فعل آمدہ و ہماں زبیر کہ مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام قاتل اور او عید بہ دوزخ فرمودہ۔ حیث قال علیہ و علیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام قاتل زبیر فی النار. طاعن ولا عن زبیر از قاتل او ہیچ کمی ندارد فالحذر الحذر ثم الحذر الحذر ثم الحذر الحذر عن طعن اکابر الدین و ذم کبراء الا نام الذین بذلواجہدہم فی اعلاء کلمۃ الاسلام ونصرۃ سید الانام وانفقوا اموالہم لتائید الدین باللیل والنھار وفی السرو الجہاد وترکو الحب الرسول عشائر ہم وقبائلہم واولادہم وازواجہم واوطانہم ومساکنہم وعیونہم وزروعہم واشجارہم وانہارہم واثر و انفس الرسول علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام علیٰ انفسہم واختارو امحبۃ علی مجتہم و محیت ' اموالہم و ذریاتہم وہم الذین قالواشرف الصحبۃ ونازوافی صحبۃ ببرکات النبوۃ و شاہدوا الوحی و شرفوابحضور الملک و راوالخوارق والمعجزات حتی صارغیبہم شہادۃ وعلمہم عینا واعطوا من الیقین مالا یعطی

Marfat.com

لاحد من بعد هم حتی لا یبلغ انفاق غیر هم مثل احد ذهباً مبلغ انفاق مد شعیر هم ولا نصیفة وهم الذین اثنی الله تعالیٰ علیهم فی القراٰن المجید و رضی عنهم ورضوا عنه ذالک مثلهم فی التوراة ومثلهم فی الانجیل کزرع اخرج شطاء فاٰزره فاستغلظ فاستوی علیٰ سوقه یعجب الزراع لیغیظ بهم الکفار سمی الله تعالیٰ غایظهم کفارا فلیحذرعن غیظهم کما یحذرعن الکفر والله سبحانه الموفق۔

جماعت کہ ایں چنیں نسبت را باآں سرور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات درست کردہ باشند ومقبول و منظور او علیہ وعلیہم الصلوٰت والتحیات گشتہ اگر در بعض امور با یکدیگر مخالفت کنند ومشاجرت نمایند و بہ رائے واجتہاد خود عمل فرمایند مجال طعن واعتراض نیست بلکہ حق وصواب درآں موطن اختلاف است وعدم تقلید رائے غیر خود است۔‘‘

(حضرت طلحہ وزبیر جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔ ان پر کسی قسم کا طعن روا نہیں اور اگر کوئی بدنصیب ان بزرگ ہستیوں پر لعنت و ملامت کرے تو اس کی یہ لعنت و ملامت خود اس پر لوٹے گی۔ یہ وہی طلحہؓ اور زبیرؓ ہیں کہ جن کو حضرت فاروق اعظمؓ نے ان چھ آدمیوں میں داخل کیا تھا جن کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ اپنے میں سے کسی ایک کو میرے بعد خلیفہ منتخب کرلیں۔ ان دونوں حضرات نے باختیار خود اپنے نام واپس لے لئے اور صاف کر دیا۔ ’’ترکت حظی‘‘، یعنی ہم خلافت نہیں چاہتے اور یہ وہی تو طلحہؓ ہیں جنہوں نے اپنے سگے باپ کو حضور ﷺ کی شان میں بے ادبی کی وجہ سے قتل کر دیا تھا اور اس کا سر حضور کے قدموں میں لا کر ڈال دیا اور قرآن مجید میں ان کے اس فعل پر تحسین وآفرین کی آیت نازل ہوئی...... اور یہ زبیرؓ وہی زبیرؓ ہیں کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے قاتل کے دوزخی ہونے کی وعید سنائی تھی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ’’قاتل زبیر فی النار.‘‘ یعنی زبیر کا قاتل جہنم میں جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت زبیر پر لعن طعن کرنے والے بھی اس کے قاتل سے کم نہیں ہیں (اور ان کے لئے بھی عذاب نار مقرر ہے)۔ پس خبردار ان خبردار! بچو بچو! ان حضرات اکابر دین اور اسلام کے پہلوٹے مایہ ناز فرزندوں کی بدگوئی سے بچو‘ جنہوں نے اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے اپنی کوششیں ختم کر دیں اور حضرت سید عالم ﷺ کی نصرت وحفاظت اور دین الٰہی کی تائید وحمایت کے لئے اپنی جان و مال کی بازی لگا دی اور رات دن خفیہ وعلانیہ اسی مقصد کے لئے سرگرم عمل اور ساعی رہے اور انہوں نے صرف رسول اللہ ﷺ کی محبت کی خاطر اپنے کنبوں قبیلوں‘ اپنے دل کے ٹکڑوں‘ لڑکوں اور لڑکیوں‘ بیویوں اور دوسرے رشتہ داروں کو چھوڑ دیا اور اپنے وطنوں اور گھروں اور اپنے چشموں اور کھیتوں اور نہروں اور باغوں کو خیرباد کہہ دیا اور سخت اور خطرناک

Marfat.com

موقعوں پر رسول اللہ ﷺ کی جان کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز سمجھا اور اپنی محبت' اپنے مال و اولاد کی محبت کے مقابلہ میں حضور کی محبت کو ترجیح دی۔ وہ وہ ہیں کہ ان کو صحبت نبوی کا شرف حاصل ہوا اور برکات نبوت ان کے حصہ میں آئے۔ انہوں نے وحی کو آتے دیکھا۔ فرشتوں کی حاضری سے وہ مشرف ہوئے۔ اپنی آنکھوں سے انہوں نے حضور کے معجزات اور آپ کی روشن نشانیاں دیکھیں حتیٰ کہ جو غیب تھا وہ ان کے لئے شہادت ہوگیا اور جو علم الیقین تھا وہ عین الیقین سے بدل گیا اور ان کو ایمان وایقان کا وہ درجہ حاصل ہوا جو ان کے بعد کسی کو نہیں حاصل ہوسکتا حتیٰ کہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر آئندہ آنے والا کوئی مسلمان احد پہاڑ کے برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کردے تو وہ میرے صحابہ کے ایک سیر بلکہ آدھ سیر جو کے برابر بھی نہیں۔ اور ہاں یہ قدوسیوں کی وہی جماعت ہے جن کی تعریف حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل کی اور اعلان کردیا کہ میں ان سے راضی ہوں اور وہ مجھ سے راضی ہیں اور دوسرے موقع پر فرمایا کہ یہ ان کا حال لکھا جاچکا ہے توراۃ میں اور ان کی مثال انجیل میں یہ ہے کہ وہ کھیتی کی طرح ہیں کہ نکلا اس کا اکھوا' پھر اس میں طاقت آئی' پھر وہ موٹی ہوگئی یہاں تک کہ وہ اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوگئی جس کو دیکھ کر کاشتکاروں کو خوشی ہوتی ہے۔ یہ اس لئے کہ جلیں ان کی وجہ سے کفار۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے جلن اور عداوت رکھنے والوں کو کافر قرار دیا ہے لہٰذا ان کے بغض و عداوت سے ایسا ہی پرہیز کرنا چاہیے جیسا کہ کفر سے کیا جاتا ہے۔ جو جماعت اس مرتبہ کی ہو اور اس کو رسول اللہ ﷺ سے یہ نسبت حاصل ہو اگر بعض معاملات میں اس کے افراد میں اجتہادی اختلاف ہوجائے اور نوبت نزاع تک پہنچے اور ہر ایک اپنی رائے اور اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے تو اس میں کسی کو طعن واعتراض کی گنجائش نہیں بلکہ حق وصواب اس موقع پر اختلاف ہی ہے کیونکہ صاحب اجتہاد دوسرے کے اجتہاد پر عمل نہیں کرسکتا۔)

حضرت امیر معاویہ

جن صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے حضرت علیؓ مرتضیٰ سے اختلافات ہوئے اور جنگ وقتال کی نوبت آئی' ان میں سے ایک حضرت معاویہؓ بھی ہیں اور چونکہ حضرت علیؓ مرتضیٰ سے ان کی جنگ دیر تک رہی اور خلافت و امارت ان کے خاندان میں بہت دنوں تک رہی اس لئے ان کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ حضرت عائشہ وحضرت طلحہؓ و زبیرؓ کی بہ نسبت بہت زیادہ کیا گیا۔ اسی کا اثر ہے کہ بہت سے اپنے کو سنّی کہنے اور سمجھنے والے بھی اگرچہ حضرت صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ سے کسی قسم کا سوء ظن نہیں رکھتے لیکن حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے بدگمانی رکھتے ہیں اور ان کی شان میں بے ادبی کی جرأت کرجاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی رفض کا ایک شعبہ ہے' اس لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے حضرت معاویہ کے فضائل ومناقب کی نشر واشاعت اور ان کی پوزیشن صاف کرنے کی طرف بھی خاص توجہ مبذول

Marfat.com

فرمائی ہے۔ چند اقتباس ملاحظہ ہوں۔ دفتر اول کا مکتوب نمبری ۲۵۱ جو خواجہ محمد اشرفؒ کے نام ہے جو اسی قسم کے مباحث سے بھرا ہوا ہے اور جس کے بعض اقتباسات تفضیل شیخین کے عنوان کے ذیل میں گزر بھی چکے ہیں۔ اسی میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

''شیخ ابوشکور سلمی در تمہید تصریح کردہ کہ اہل سنت و جماعت برآنند کہ معاویہؓ باجمعے از اصحاب کہ ہمراہ او بودند برخطا بودند و خطائے ایشاں اجتہادی بود' و شیخ ابن حجر در صواعق گفتہ کہ منازعت معاویہؓ با امیرؓ از روئے اجتہاد بودہ وایں قول را از معتقدات اہلسنت فرمودہ۔''

(شیخ ابوشکور سلمی نے اپنی کتاب ''تمہید'' میں تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہؓ اور صحابہ کرامؓ میں سے ان کے دو رفقاء جو جنگ میں ان کے ساتھ تھے' اگرچہ خطا پر تھے لیکن ان کی یہ خطا اجتہادی تھی اور ابن حجرؒ نے ''صواعق محرقہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ سے حضرت معاویہؓ کا نزاع اجتہاد پر مبنی تھا اور اس کو انہوں نے اہلسنت کے عقائد میں شمار کیا ہے۔)

اس کے بعد شارح ''مواقف'' کی ایک ''موہم'' عبارت پر تنبیہ اور ان کی غلطی کی اصلاح فرمانے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

''قد صح انه كان اماماً عادلاً فی حقوق الله سبحانه و فی حقوق المسلمین.''

(یہ بات صحت کے ساتھ معلوم ہے اور پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت معاویہ حقوق اللہ اور حقوق المسلمین دونوں کے پورا کرنے میں خلیفہ عادل تھے۔)

پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں:

''ودر احادیث نبوی باسناد ثقات آمدہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام در حق معاویہ دعاء کردہ اند اللهم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب۔ وجائے دیگر در دعاء فرمودہ اند اللهم اجعله هادياً مهدياً ودعائے آنحضرت صلعم مقبول۔''

(اور احادیث نبویہ میں ثقہ راویوں کی سند سے وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جناب معاویہؓ کے حق میں دعا فرمائی کہ ''اے اللہ! اس کو کتاب وحساب کا علم دے اور عذاب سے بچا'' اور ایک اور موقع پر حضرت نے انہیں کے لئے دعا فرمائی کہ ''خداوندا! اس کو ہادی مہدی بنا'' اور حضور کی دعاء بلاریب مقبول ہے۔)

پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں:

''وامام مالکؒ کہ از تابعین است...... واعلم علماء مدینہ' شاتم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمرو بن

Marfat.com

العاص والقتل حکم کردہ است...... وایضاً شتم اورا در رنگ شتم ابی بکر وعمر وعثمان ساختہ است......
اے برادر معاویہ تنہا دریں معاملہ نیست نصفے از اصحاب کرام دریں معاملہ بادے شریک اند پس محاربان امیر اگر کفرہ یا فسقہ باشند اعتماد از شطر دین می خیزد کہ از راہ تبلیغ ایشاں بمارسیدہ است و تجویز نکند ایں معنی را مگر زندیقے کہ مقصودش ابطال دین است۔"

(اور امام مالک جو تابعین میں سے ہیں اور اپنے زمانہ میں مدینہ کے سب سے بڑے عالم تھے ان کا فتویٰ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفیق عمرو بن العاص کو گالی دینے والا واجب القتل ہے اور نیز امام مالک نے حضرت معاویہ کی گالی کو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر و حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی گالی کے حکم میں قرار دیا ہے (یعنی ان کے نزدیک ان دونوں جرموں کی سزا قتل ہے)...... اے بھائی! یہ معاملہ تنہا امیر معاویہؓ کا نہیں ہے۔ قریباً نصف صحابہ کرام ان کے ساتھ اس معاملہ میں شریک ہیں۔ پس اگر حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والوں کو کافر یا فاسق کہا جائے تو آدھے دین سے ہاتھ دھونا پڑے گا جو انہی حضرات کی نقل و روایت سے ہم تک پہنچا ہے اور اس انجام سے کوئی ایسا زندیق اور ملحد ہی راضی ہو سکتا ہے جس کا مقصد ہی دین کو برباد کرنا ہو۔)

پھر چند سطر کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

"امام غزالیؒ تصریح کردہ کہ آن منازعت برامر خلافت ہودہ بلکہ دراستیفاء قصاص در بدر خلافت حضرت امیرؓ بود شیخ ابن حجرؒ نیز ایں معنی را از معتقدات اہلسنت گفتہ است"

(امام غزالیؒ نے تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وہ جنگ خلافت کے بارے میں نہیں تھی بلکہ اس کا تعلق بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص ہی سے تھا اور شیخ ابن حجرؒ نے بھی اس کو اہلسنت کے عقائد سے لکھا ہے۔)

پھر چند سطر بعد فرماتے ہیں:

"اے برادر! طریق اسلم دریں موطن سکوت از ذکر مشاجرات اصحاب پیغمبر است علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات واعراض از تذکرہ منازعات ایشاں پیغمبر فرمودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایاکم وما شجر بین اصحابی نیز فرمودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذو هم غرضاً" (مکتوب نمبر ۲۵۱ ص ۲۷۲۔۳۷۔۴۷ دفتر اول)

(اے برادر! اس بارہ میں سلامتی کی راہ اور نجات کا راستہ یہی ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات ومحاربات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے اور زبان کھولی ہی نہ جائے۔ رسول اللہ

Marfat.com

صلعم کا ارشاد ہے ''میرے صحابہ میں جو نزاعات ہوں ان سے الگ تھلگ رہو۔ نیز حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ''میرے اصحاب کے بارے میں خدا کا خوف کرو۔ اس کے مواخذہ سے ڈرو اور ان کو اپنی تیز کلامی اور بدگوئی کا نشانہ نہ بناؤ۔)

شرفِ صحبت

شیعہ اور اہلسنت کے نقطہ ہائے نظر میں ایک اصولی اختلاف یہ بھی ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک ''صحبت رسول'' کی کوئی خاص اہمیت نہیں' جمہور صحابہؓ کو معاذ اللہ وہ مومن ہی تسلیم نہیں کرتے اور جن تین چار حضرات (حضرت مقدادؓ، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، زید بن ارقمؓ) کے ایمان کے وہ قائل ہیں اور ان کی جو تعظیم و توقیر وہ کرتے ہیں تو وہ بھی اس لحاظ سے نہیں کہ وہ ''اصحاب رسول'' ہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ وہ ان کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰؓ کی پارٹی میں شامل اور ان کے ناصر و مددگار تھے۔ بہرحال نفس صحبت رسول کی ان کے نزدیک کوئی خاص وقعت نہیں اور یہ حقیقت کہ صحبت رسالت کی حقیقی عظمت اگر کسی کے دل میں قائم ہو جائے اور اس کے واقعی فضل و شرف کو وہ سمجھ لے تو کبھی تشیع کا شکار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے مکتوبات میں اس اصول پر بھی بہت زیادہ زور قلم صرف کیا ہے۔ دفتر اول کے مکتوب نمبر ۲۵۱ میں فرماتے ہیں:

''بدانند کہ اصحاب پیغمبر علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہمہ بزرگ اند و ہمہ رابہ بزرگی یاد باید کرد خطیب از انس روایت کند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمودہ۔ ان اللہ اختارنی واختار لی اصحاباً و اختارلی منھم اصھاراً و انصاراً فمن حفظی فیھم حفظہ اللہ ومن اذانی فیھما اذاہ اللہ وطبرانی از ابن عباس روایت کند رسول فرمودہ علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام من سبت اصحابی فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین

وابن عدی از عائشہؓ روایت کند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ رسول فرمود علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ان شرار امتی اجرا ھم علی اصحابی۔''

(جاننا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام واجب التعظیم ہیں اور ہم کو چاہئے کہ ان سب کو عزت و عظمت کے ساتھ یاد کریں۔ خطیب حضرت انسؓ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں سے مجھے چنا اور پھر میرے لئے اصحاب منتخب کئے اور ان میں سے میرے رشتہ داروں اور مددگاروں کا انتخاب کیا۔ پس جس نے ان کے بارے میں میرے حق کی رعایت کی اس کی اللہ تعالیٰ رعایت کرے گا اور جس نے ان کے بارے میں میرا دل دکھایا اللہ اس کو ایذا پہنچائے گا...... اور طبرانی ابن عباس سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور

Marfat.com

سارے آدمیوں کی لعنت اور ابن عدی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں بدترین وہ ہیں جو میرے اصحاب کے بارے میں زیادہ بے باک ہیں۔")

نیز اسی دفتر کے مکتوب نمبر ۵۹ میں ارقام فرماتے ہیں:

"وفضيلة الصحبة فوق جميع الفضائل والكمالات ولهٰذا لم يبلغ اويس القرنی الذی هو خير التابعين مرتبة ادنی من صحبه عليه الصلوٰة والسلام فلا تعدل بفضيلة الصحبة شيئا كائناً ما كان فان ايمانهم ببركة الصحبة ونزول الوحی يصير شهوديا." (دفتر اول ص ۷۵)

(اور صحبت نبوی کی فضیلت تمام دوسرے فضائل و کمالات سے اعلیٰ و بالا ہے اور اسی واسطے وہ اویس قرنی جو بلاشبہ تابعین میں افضل ترین ہیں' کسی ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکے۔ پس کسی چیز کو بھی صحابیت کی فضیلت کے ہم پلہ نہ ٹھہراؤ کیونکہ ان کا ایمان تو صحبت نبوی کی برکت اور نزول وحی کے مشاہدہ کی وجہ سے شہودی ہو گیا ہے۔)

اور اس سے پہلے مکتوب میں فرمایا:

"سئل عبدالله بن المبارک رضی الله تعالیٰ عنه ايهما افضل معاوية او عمر بن عبدالعزيز فقال الغبار الذی دخل الف فرس معاوية مع رسول الله صلى الله عليه وسلم خير من عمر بن عبدالعزيز كذامرة." (ص ۷۴ ج ۱)

(حضرت عبداللہ بن المبارکؒ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز میں سے کون افضل ہے؟ ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں معاویہ جس گھوڑے پر سوار ہوئے اس کی ناک میں جو غبار پہنچا' وہ بھی عمر بن عبدالعزیز سے بدرجہا بہتر ہے۔)

نیز اسی دفتر کے مکتوب نمبر ۱۲۰ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"لا تعدل بالصحبة شيئاً اياما كان الا ترى ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم و بارک فضلو ابا الصحبة على من عداهم سوا الانبياء عليهم السلام وان كان اويساً قرنياً و عمرا مروانيا مع بلوغ مما نهاية الدرجات و وصولهما غايته الكمالات سوى الصحبة فلاجرم صارخطاء معادية خيراً من صوالبهما ببركة الصحبة وسهو عمرو بن العاص افضل من صوا بهما لما ان ايمان هٰؤلاء الكبراء صارحا لصحبة شهودياً برويةالرسول و حضور الملک و

Marfat.com

شهود الوحی و معاینة المعجزات و ما اتفق لمن عداهم هذا لکمالات التی هی اصول سائر الکمالات کلها ولو علم او بس فضیلة الصحبة لهٰذه الخامیة لم یمنعه مصان من الصحبة ومآثر شیئاً من الاشیاء علیٰ هٰذه الفضیلة والله مختص برحمة. من یشاء والله ذوالفضل العظیم

سکندرؔ را نمے بخشند آبے　　　بزور وزر میسر نیست این کار

اللهم وان لم تخلقنا فی هذه النشاة فی قرن هٰؤلاء الا کابرنا جعلنا فی النشاءة الآخرة محشورین فی زمرتهم لجرمة سید المرسلین علیه وعلیهم الصلوٰت والتحیات والتسلیمات۔''

(دفتر اول ص ۱۳۸)

(صحبت کے برابر کسی بھی چیز کو نہ ٹھہراؤ۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام صحبت ہی کی وجہ سے ماسواء انبیاء کے اور سب پر فوقیت لے گئے اور اویس قرنی اور عمر بن عبدالعزیز مروانی جیسے جلیل القدر حضرات سے بھی افضل ٹھہرے۔ حتیٰ کہ صحبت نبوی ہی کی برکت سے امیر معاویہ کی غلط رائے اور عمرو بن العاص کی بھول چوک اویس قرنی اور عمر مروانی کی صوابدید اور صحیح رائے سے افضل ہوئی کیونکہ ان بزرگوں کا ایمان، شرف صحبت و دیدار حضرت رسالت اور معائنہ وحی و ملائک اور مشاہدہ معجزات وخوارق کی وجہ سے شہودی ہو گیا اور بعد والوں نے جس کو صرف سنا اس کو انہوں نے گویا اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بھلا دوسروں کو یہ چیزیں جو تمام فضائل وکمالات کی اصل و بنیاد ہیں، کہاں نصیب ہوئیں اور اگر حضرت اویس قرنی کو صحبت کی فضیلت ان خواص و برکات کے ساتھ معلوم ہو جاتی تو وہ اس کے مقابلہ میں کسی چیز کو بھی ترجیح نہ دیتے اور پھر ان کو کوئی ضرورت بھی حاضری بارگاہ نبوت سے نہ روک سکتی لیکن ...... اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے اور وہ بڑے فضل وکرم والا ہے۔

سکندر کو نہیں دیتے ہیں پانی　　　نہیں ملتی بزور و زر یہ دولت

اے اللہ! اگرچہ تو نے ہم کو اس مقدس عہد میں پیدا نہیں کیا، مگر آخرت میں ان کی جماعت اور ان کے گروہ میں ہمارا حشر ضرور فرما! بطفیل اپنے حبیب سید المرسلین ﷺ کے۔)

صحبت نبوی کی فضیلت واہمیت کے متعلق اس قسم کے ایمان افروز مضامین مکتوبات شریف میں بکثرت ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کوئی شخص رفض کی گمراہی کا شکار انشاء اللہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہاں ہم حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کی

Marfat.com

مذکورہ بالا دعاء پر آمین کہتے ہوئے بقصد اختصار انہی چند اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔

سارے مطاعن کا ایک اصولی جواب

شیعوں کے پاس گمراہ کرنے کا سب سے بڑا حربہ ''مطاعن'' ہیں اور مکالمات و مباحثات میں بھی دیکھا گیا کہ وہ جب کسی بحث میں عاجز آتے اور میدان کلام کو اپنے لئے تنگ پاتے ہیں تو فوراً مطاعن صحابہ پر آ جاتے ہیں اور اسی مبحث کو وہ اپنا سب سے بڑا ہتھیار سمجھتے ہیں۔ صحابہ کرام کی طرف سے بدگمانی اور ان سے بغض و عداوت رفض کی اصل و اساس ہے اور اس گمراہی میں دوسروں کو بھی شریک کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ''مطاعن'' کی اشاعت ہے اس لئے مطاعن کے جوابات کی طرف بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے خاص توجہ مبذول فرمائی اور شیعوں کے ان مشہور ''مطاعن'' کے مفصل جوابات جن کو شیعہ بہت زیادہ اچھالتے ہیں' آپ نے اپنے رسالہ ''ردِ روافض'' کے علاوہ متعدد مکاتیب میں بھی سپرد قلم فرمائے ہیں۔ ان تفصیلی جوابات کے علاوہ آپ نے تمام مطاعن کا ایک اصولی جواب بھی دیا ہے جس کو ملحوظ رکھنے کے بعد اس سلسلہ کی ساری بحثیں کافور ہو جاتی ہیں اور یقین واثق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مصنفین شیعہ نے اس باب میں جو دفتر کے دفتر سیاہ کئے ہیں' حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا یہی ایک اصولی جواب ان سب کو خاکستر کر دینے کے لئے کافی ہے۔

دفتر دوم کے مکتوب نمبر ۹۶ میں واقعہ قرطاس پر کلام کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''بداں ارشدک اللہ تعالیٰ و ہداک سواء الصراط ایں شبہ و امثال ایں شبہ را کہ جمعے بر حضرات خلفاء ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و بر ساء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ...... ایراد مے نمایند و بایں تشکیکات رد ایشاں میخواہند اگر بر سر انصاف بیانید و شرف صحبت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام قبول نمایند و بدانند کہ نفوس ایشاں در صحبت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام از ہوا و ہوس مزکی شدہ بودند و سینہ ہائے ایشاں از عداوت و کینہ پاک گشتہ و دانند کہ ایشاں اند اکابر دین و کبرائے اسلام کہ بذل نمودہ اند طاقتہائے خود را در اعلاء کلمۂ اسلام از برائے تائید دین متین در لیل و نہار و در سر و جہار و گذاشتہ اند عشائر و قبائل خود را و اولاد و ازواج خود را و اوطان و ساکن خود را و عیون و زودے خود را و اشجار و انہار خود را از جہت محبت رسول علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات ایثار نمودہ اند نفس رسول را بر نفوس خویش' اختیار کردہ اند محبت رسول را بر محبت خویش و بر محبت ذریات و اموال خویش' و ایشانند مشاہدان وحی و ملک' ببیند ہائے معجزات و خارق تا آنکہ غیب ایشاں شہادت گشتہ است و علم شان عین شدہ ہم الذین اثنی اللہ علیہم فی القرآن المجید رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ' ذالک مثلہم فی التوراۃ و مثلہم فی الانجیل'' ہرگاہ جمیع اصحاب کرام دریں کرامات شریک باشند از اکابر صحابہ کہ خلفائے راشدین باشند از بزرگہائے

Marfat.com

ایشاں چہ وانماید۔"

(حق تعالیٰ تم کو ہدایت دے اور سیدھے راستہ پر چلائے۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ شبہ اور اس جیسے اور شبہات جن کو فرقہ شیعہ کے لوگ حضرات خلفاء ثلاثہ اور دیگر تمام صحابہ کرامؓ پر وارد کرتے ہیں اور ان شکوک و اعتراضات سے انؓ کو مجروح و مطعون کرنا چاہتے ہیں' اگر یہ کچھ انصاف سے کام لیں اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی فضیلت و اہمیت کو قبول کر لیں اور جان لیں کہ حضور کی صحبت میں رہ کر ان کے نفوس ہوا و ہوس سے صاف اور ان کے سینے کینوں اور کدورتوں سے پاک ہوگئے تھے اور سمجھ لیں کہ یہ وہ بزرگان دین اور عظمائے اسلام ہیں جنہوں نے دن اور رات' خفیہ اور علانیہ غرض ہر وقت اور ہر طرح دین متین کی تائید و حمایت اور اعلائے کلمتہ اسلام کے لئے اپنی تمام کوششیں اور طاقتیں صرف کر دیں اور حضور رسول مقبول ﷺ کی محبت کی وجہ سے اپنے کنبے' قبیلوں' اپنے بال بچوں' اپنی چہیتی بیبیوں کو چھوڑ دیا' اپنے عزیز وطنوں اپنے آباد گھروں کو' اپنے چشموں اور کھیتوں کو اپنے درختوں اور اپنی نہروں کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مقدس کو اپنے نفوس پر ترجیح دی اور حضور کی محبت کو اپنی اور اپنے اموال و اولاد کی محبت پر مقدم رکھا۔ انہوں نے وحی کو اترتے اور رشتوں کو آتے دیکھا۔ حضور کے معجزات اور آپ کی روشن نشانیوں کا انہوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا یہاں تک کہ "غیب" ان کے حق میں "شہادت" بن گیا اور ان کا علم الیقین عین الیقین سے بدل گیا۔ وہی وہ خوش نصیب ہیں جن کی مدح و ثناء حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرمائی اور اعلان فرمایا کہ "اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں" اور دوسری جگہ فرمایا کہ یہ حال مسطور ہے ان کا توراۃ میں اور انجیل میں الخ' پھر جبکہ تمام صحابہ کرام ان خصائص و فضائل سے مشرف ہیں تو پھر خاص اکابر صحابہ یعنی حضرات خلفائے راشدین کے متعلق کیا کہا جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔)

پھر چند سطور کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

"بعد از حصول نظر انصاف و بعد از قبول شرف صحبت خیر البشر علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰت والتحیات و بعد از دانستن بزرگیہا و علو درجات اصحاب کرام علیہ الرضوان آن جماعت اعتراض کنندگان و تشکیک پیدا آرندگان نزدیک است کہ ایں شبہات را در رنگ مغالطہائے و سفسطہائے زراندود در تصور نمایند داز درجہ اعتبار ساقط کنند اگر چہ مادہ غلط را در شبہا تشخیص نکنند و محل سفسطہ را تعین نہ نمایند لا اقل مجملاً ایں قدر شاید دانند کہ مودائے این تشکیکات و حاصل ایں شبہات بے ما حصل است بلکہ مصادم بداہت و ضرورت اسلامیہ است و مردود و مطرود بکتاب و سنت است۔"

Marfat.com

(اگر ان اعتراض کرنے والوں کی نظر میں کچھ انصاف ہو اور یہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی عظمت کو مان لیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بزرگی اور عالی مرتبی کو جان لیں تو زیادہ بعید نہیں کہ یہ خود ہی اپنے ان شبہات کو ملمع شدہ مغالطوں اور مفسطوں کے رنگ میں دیکھنے لگیں اور ان کو درجہ اعتبار و اعتماد سے ساقط کردیں۔ اگرچہ غلط فہمی کے منشا کی تعیین نہ کرسکیں اور فریب وسفسطہ کے محل کو انگلی رکھ کر نہ بتاسکیں لیکن کم ازکم اجمالاً اس قدر ضرور سمجھ لیں گے یہ شکوک وشبہات لاحاصل ہیں بلکہ بہت سی بدیہی اور کھلی ہوئی حقیقتوں کے خلاف اور کتاب و سنت سے مردود و مطرود ہیں۔) (دفتر دوم مکتوب نمبر ۹۶)

اس تمہید کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے واقعہ قرطاس پر چند مقدمات قائم کرکے مفصل کلام فرمایا ہے اور اس سے متعلق شیعوں کے مشہور اعتراض کا تفصیلی جواب دیا ہے اور گویا اس کے مقدمات کی تحلیل کرکے انگلی رکھ رکھ کے بھی بتلا دیا ہے کہ کہاں کہاں اس میں فریب دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر اسی اصولی رنگ میں فرماتے ہیں:

"این قسم شبہات وتشکیکات نزد فقیر در رنگ آنست کہ شخصے ذی فنون نزد جماعت ابلہاں بیاید و سنگے را کہ محسوس ایشاں است بدلائل ومقدمات زراندودہ بر ایشاں اثبات نماید کہ آن ذہب است واین بیچارگان چون در دفع آن مقدمات موہومہ عاجز اند و در تعیین مواد آں دلائل قاصر ناچار، در اشتباہ مے افتد بلکہ یقین بذہبیت آن سنگ می نمایند وحس خود را فراموش مے سازند بلکہ متہم میدارند زیرکی باید کہ اعتماد بر ضرورت حس نماید ومقدمات موہومہ را متہم سازد در ما نحن فیہ نیز بزرگی وعلو درجات خلفاء ثلثہ' بلکہ بزرگی جمیع اصحاب کرام علیہ وعلیہم الصلوٰت والتحیات بمقتضائے کتاب وسنت محسوس ومشاہد است قادح وطاعن ایں بزرگواراں بدلائل زراندودہ قدح وطعن در ایشاں نماید آں طعن در ایشاں در رنگ قدح آن سنگ است کہ در وجود آن نمایند واز راہ بہ برند"

(فقیر کے نزدیک ان شکوک وشبہات کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کوئی چالاک اور پُرفن شخص بے وقوفوں کی کسی جماعت کے پاس پہنچے اور ایک پتھر کو جس کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اپنے پُرفریب دلائل اور ملمع شدہ مقدمات سے سونا ثابت کرے اور یہ بے چارے اس کے پُرتزویر "دلائل" کے جواب سے عاجز ہونے اور تعین وتشخیص کے ساتھ اس کی غلطی نہ پکڑ سکنے کی وجہ سے خود شبہ میں پڑ جائیں بلکہ اپنے مشاہدہ کے خلاف اس کو سونا یقین کرنے لگیں اور اپنے احساس وادراک کو ناقابل اعتماد سمجھ کر پس پشت ڈال دیں لیکن عقلمند اور ہوشیار آدمی کا کام یہ ہے کہ ایسے موقع پر اپنی حس اور اپنے ادراک کی ہدایت پر اعتماد کرے اور ان ملمع شدہ وہمی مقدمات کو ناقابل اعتناء سمجھے۔ بالکل یہی حال مسئلہ زیر بحث کا ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کی بزرگی اور عالی مرتبی قرآن وحدیث کی رو سے جانی بوجھی بلکہ گویا آنکھوں دیکھی

Marfat.com

حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں لیکن یہ ناحق کوش جماعت اپنے طبع شدہ دلائل سے ان پر طعن وقدح کرتی ہے۔ پس ان کی وہ جرح وقدح بالکل ایسی ہی ہے جیسے کہ کوئی عیار اپنے ہاتھ کے پتھر کے ٹکڑے کو سونا ثابت کرنے کی کوشش کرے اور اپنے ''منطقی'' دلائل سے سیدھے لوگوں کو بے وقوف بنائیں۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد از هديتنا وهب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب

اے رب ہمارے! ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو کجی اور گمراہی سے محفوظ رکھ اور ہم کو اپنی رحمت سے نواز۔ تو ہی ہر نعمت کا بخشنے والا ہے۔)

درحقیقت شیعوں کے تمام مطاعن کی حقیقت یہی اور صرف یہی ہے اور اس کے جان لینے کے بعد تشیع کا سارا طلسم ٹوٹ جانا اور ان کی ابلہ فریبیوں کا پردہ تار تار ہو جاتا ہے۔

☆......☆......☆

حضرت مجدد قدس سرہ العزیز نے فتنہ رفض اور اس کے مختلف شعبوں کے خلاف اپنے مستقل رسالہ ''ردِّ روافض'' کے علاوہ مکتوبات شریف میں بھی جو کچھ متفرق طور پر لکھا ہے' اگر اس سب کو جمع کیا جائے تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ اس مختصر مقالہ میں ہم نے جو اقتباسات پیش کئے ہیں درحقیقت ان کو سمندر سے صرف کوزہ بلکہ قطرہ کی نسبت ہے۔

اس ''ایرانی فتنہ'' کے خلاف اس قلمی جہاد کے علاوہ آپ نے جنگ بھی بڑی پامردی سے کی اور اگرچہ یہ فتنہ حکومت وقت کے آغوش پر تربیت پا رہا تھا اور گویا ''شاہی محل'' ہی اس کا سرچشمہ بنا ہوا تھا پھر بھی آپ نے بارہا علیٰ رؤس الاشہاد عام معرکوں اور خاص محفلوں میں مناظروں اور تقریروں میں اس کی تار و پود بکھیرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ہی کو ان مجددانہ مساعی اور مجاہدانہ سرگرمیوں نے عام مسلمانوں کو اس سیلاب میں بہنے سے بچا لیا' ورنہ آج ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں میں اعداء ابوبکرؓ وعمرؓ کی تعداد صرف پچاس ساٹھ لاکھ ہی نہ ہوتی۔

اللهم نور مرقده وبرد مضجعه واحشر نامعه

حواشی:

ا۔ (خلاصہ) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''اسلام کس مپرسی ہی کی حالت میں دنیا میں آیا اور آخر میں بھی اس کی یہی حالت ہو جائے گی اور اس امت کا آخری دور حضور کی وفات شریف سے ہزار سال بعد سے شروع ہوتا ہے کیونکہ علامات کی تبدیلی اور تغیر میں ہزار سال کو خاص دخل حاصل ہے اور چونکہ اس امت میں نسخ وتبدیلی کا دروازہ بند ہے اس لیے سبقین ہی کی نسبت اپنی تازگی وشادابی کے ساتھ بعد والوں میں جلوہ گر ہوگئی ہے اور شریعت کی تائید اور ملت کی

Marfat.com

تجدید وہی کر رہی ہے۔

۲۔ یہ لالہ بیگ جہانگیر کے بہت معتمد تھے اور اس نے صوبہ بہار کا تمام نظم ونسق انہی کے سپرد کر دیا تھا۔ گویا یہ بہار کے گورنر تھے۔ (تزک جہانگیری)

۳۔ جہانگیر صدر جہاں کو بہت مانتا تھا۔ یہ بچپن میں اس کے نگران تعلیم بھی رہے تھے، عہد اکبری میں ان کا منصب بہت معمولی تھا اور قاعدہ کے لحاظ سے اس میں معمولی ہی ترقی دی جاسکتی تھی لیکن جہانگیر نے ضابطہ قاعدہ کی رعایت نہ کرتے ہوئے ان کو ایک دم چار ہزاری منصب پر سرفراز کر دیا تھا۔ (تزک جہانگیری)

۴۔ تزک جہانگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے دل میں ان کی بہت عزت اور عظمت تھی۔ پنج ہزاری منصب پر فائز تھے۔

۵۔ شیخ فرید سادات میں سے ہیں۔

۶۔ اس آیت میں یقین کے معنی موت کے ہیں اور بعض اور آیات میں بھی یقین موت کے معنی میں مستعمل ہوا ہے مثلاً (حتی اتانا الیقین' بہرحال عربی زبان میں یقین کے ایک مشہور معنی موت کے بھی ہیں' لیکن جو لوگ اس سے ناواقف ہیں اور یقین کے معنی ''علم یقین'' ہی جانتے ہیں انہوں نے اس آیت میں بھی وہی معنی سمجھے اور نتیجہ یہ نکالا کہ عبادت بس اس وقت تک ضروری ہے کہ معرفت کاملہ حاصل ہو جائے، حالانکہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ عبادت مرتے دم تک کرنی چاہیے۔

☆......☆......☆

Marfat.com

نظام الدین مجددی توکلی

تعلیماتِ مجددؒ

توحید

چاہیے کہ پہلے باطل خداؤں کی نفی کر کے معبود برحق جل شانہ کا اثبات کرے اور جو کچھ چونی و چندی کے داغ سے موسوم ہو اس کو لا کے نیچے داخل کر کے خدائے بیچوں کے ساتھ ایمان لائے۔ سب سے بڑھ کر عبادت کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی نفی و اثبات میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ اگر میرے سوا سات آسمانوں اور سات زمینوں کو ایک پلہ میں اور کلمہ لا الہ الا اللہ کو دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو کلمہ والا پلہ بھاری ہو گا۔ کیونکہ افضل و راجح نہ ہو۔ جب کہ اس کا ایک کلمہ تمام ماسوائے حق یعنی آسمانوں' زمینوں اور عرش و کرسی و لوح و قلم و آدم کی نفی کرتا ہے اور دوسرا کلمہ معبود برحق کا اثبات کرتا ہے' جو زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ انفس و آفاق میں ہے' سب چونی اور چندی کے داغ سے لتھڑا ہوا ہے پس جو کچھ انفس و آفاق کے آئینوں میں جلوہ گر ہوا۔ بطریق اولیٰ چند و چوں ہو گا' جو نفی کے لائق ہے۔

حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں "اتعبدون ماتنحتون واللہ خلقکم و ما تعملون" (کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا ہے۔)

ہمارا اپنا تراشا ہوا اور بنایا خواہ ہاتھ کے ذریعے ہو خواہ عقل و وہم کے ساتھ' سب حق تعالیٰ کی مخلوق ہے اور عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق وہی خدا بیچون و بیچگون ہے' جس کے دامن ادراک سے ہماری عقل و وہم کا ہاتھ کوتاہ ہے اور ہماری کشف و شہود کی آنکھ اس کی عظمت و جلال کے مشاہدہ سے خیرہ اور تباہ ہے۔ ایسے خدائے بیچون و بیچگون کے ساتھ غیب کے طریق کے سوا ایمان میسر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایمان شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں ہے' بلکہ اپنی تراشیدہ اور بنائی ہوئی چیز کے ساتھ ہے کہ وہ بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہے گویا ایمان شہود غیر کے ایمان کو حق تعالیٰ کے میان کے ساتھ شریک کرنا ہے۔ بلکہ صرف بغیر ہے۔ اعاذنا اللہ سبحانہ عن ذالک۔ (مکتوب ۹۔ جلد ثانی)

ردِّ شرک

حق تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنایا جائے۔ نہ ہی وجوب وجود میں اور نہ ہی عبادت کے استحقاق میں۔ جس شخص کے اعمال ریا وسمعہ سے پاک نہ ہوں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اجر طلب کرنے کے فتنہ سے صاف نہ ہوں۔ اگرچہ وہ طلب قول اور ذکر جمیل سے ہو وہ شخص دائرہ شرک سے باہر نہیں ہے اور نہ ہی وہ موحد مخلص ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''شرک میری امت میں اس چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جو سیاہ رات میں سیاہ پتھر پر چلتی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شرک اصغر سے بچو۔ یاروں نے عرض کیا کہ شرک اصغر کیا؟ فرمایا کہ ''ریا۔ شرک وکفر کی رسموں کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل اور رسوخ ہے اور شرک کی تصدیق اور اظہار کرنے والا اہل شرک میں سے ہے اور اسلام وکفر کے مجموعہ احکام پر عمل کرنے والا ہے۔ کفر سے بیزار ہونا اسلام کی شرط ہے اور شرک سے پاک ہونا توحید کا نشان۔ دکھ درد اور بیماریوں کے دور کرنے کے لئے اصنام اور طاغوت یعنی بتوں اور شیطانوں سے مدد مانگنا جو جاہل مسلمانوں میں شائع ہے' عین شرک وگمراہی ہے اور تراشیدہ اور ناتراشیدہ پتھروں سے حاجتوں کا طلب کرنا۔ یہ واجب الوجود جل شانہ کا محض کفر وانکار ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض گمراہوں کے حال کی شکایت بیان فرماتا ہے۔

یریدون ان یتحا کمو آ الی الطا غوت و قدامروا ان یکفر وابہ ویرید الشیطان ان یضلھم ضلا لا بعیدًا (یہ لوگ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف اپنا فیصلہ لے جائیں۔ حالانکہ ان کو حکم ہے کہ اس کا انکار کریں لیکن شیطان چاہتا ہے کہ ان کو سخت گمراہ کرے) اکثر عورتیں کمال جہالت کے باعث اس قسم کی ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمی اسموں سے بلیہ ومصیبت کا دفع ہونا طلب کرتی ہیں اور شرک اور اہل شرک کی رسموں کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں۔ خاص کر مرض چیچک کے وقت نیک و بد عورتوں سے یہ بات مشہور ومحسوس ہوتی ہے۔ شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس شرک سے خالی ہو اور شرک کی کسی نہ کسی رسم میں مبتلا نہ ہو (مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے) ہندوؤں کے بڑے دن کی تعظیم کرتی اور ان کی مشہور رسموں کو بجالاتی ہیں اور اپنی عید مناتی ہیں اور کافروں اور مشرکوں کی طرح ہدیہ اور تحفہ اپنی بیٹیوں بہنوں کو بھیجتی ہیں اور اس موسم میں اپنے برتنوں کو رنگ کر کے ان کو سرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا اعتبار اور شان بناتی ہیں۔ سب شرک اور دین اسلام کا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما یو من اکثر ھمۡ الا و ھم مشر کون

ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے بلکہ شرک کرتے ہیں۔

اور حیوانات کو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ذبح کرتے ہیں۔ روایات فقہیہ میں اس کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس بارہ میں بہت مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو جنات کے ذبیحوں کی قسم سے خیال کیا ہے۔ جو ممنوع شرعی

Marfat.com

ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔ اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہئے کہ اس میں بھی شرک کی بو پائی جاتی ہے۔ نذر اور منت کے وجوہ اور بہت ہیں۔ کیا حاجت ہے کہ حیوان کے ذبح کی منت و نذر مانیں اور جن کے ذبیحوں سے ملائیں اور جن کے پوجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں' اسی طرح وہ روزے جو عورتیں پیروں اور بیبیوں کی نیت پر رکھتی ہیں اور اکثر ان کے ناموں کو اپنے پاس سے گھڑ کر ان کے ناموں پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں اور ہر روزہ کے افطار کے لیے خاص اہتمام کرتی ہیں اور خاص طور پر افطار کرتی ہیں اور روزوں کے لئے دونوں کا یقین بھی کرتی ہیں اور اپنے مطلبوں اور مقصدوں کو ان روزوں پر موصوف کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان سے حاجتیں طلب کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتی ہیں۔ یہ سب عبادت میں شرک ہے اور غیر کی عبادت کے ذریعے اس غیر سے اپنی کا طلب کرنا ہے۔'' (مکتوب ۴۱ جلد ۳)

اتباعِ سنت

وظائف بندگی کو ادا کرنا اور حضرت جل مجدہ کی جانب ہمیشہ اور ہر وقت متوجہ رہنا پیدائش انسان کا مقصود ہے۔ یہ بات صرف اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے کہ سنت سید الاولین و لا آخرین ﷺ کی ظاہراً و باطناً ہر طرح سے پوری پوری اتباع کی جائے۔ (مکتوب ۴۱ جلد ۳)

اُخروی نجات اور ابدی فلاح سید الاولین ﷺ کی اتباع سے وابستہ ہے۔ اس لئے ایک مسلمان حضور انور ﷺ کی متابعت سے ہی درجۂ محبوبیت پر فائز ہوتا ہے اور آپ کی متابعت کے ذریعہ سے ہی مرتبہ عبدیت پر مشرف ہوسکتا ہے جو تمام مراتب کمال سے بالا ہے اور مقام محبوبیت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

جو حضرات رسول اللہ ﷺ کی متابعت میں کامل تر ہوتے ہیں ان کو انبیاء بنی اسرائیل علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی۔ الوالعزم انبیاء مرسلین بھی اتباع خاتم النبیین ﷺ کی تمنا کرتے رہے ہیں۔ بلاشبہ اگر حضور ﷺ کے عہد مبارک میں موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی رسول ﷺ کی اتباع کرنی پڑتی۔

آپ کی اتباع و افضلیت کے باعث ہی آپ کی امت تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہے۔ اسی سبب سے تمام امتوں میں سب سے زیادہ اور سب سے پہلے یہ امت داخل جنت ہوگی اور خداوند عالم کی اعلیٰ ترین نعمتوں سے بہرہ انداز ہوگی۔ (مکتوب ۲۴۹ جلد اول)

سرور دو جہاں ﷺ کے عمل دو قسم پر ہوتے تھے۔ ایک بطریق عبادت' دوم بر سبیل عادت' رسول اللہ ﷺ کے جو عمل عبادت کے طور پر ہوتے تھے ان کے مخالف عمل کو بدعت منکر سمجھتا ہوں اور اس کی ممانعت اور بندش میں بہت زیادہ جدوجہد کرتا ہوں کیونکہ دین میں ایجاد یہی ہے جو مردود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے جو افعال بر سبیل عرف و عادت ہوتے تھے ان کے مخالف عمل کو بدعت منکر نہیں سمجھتا اور نہ ان کی ممانعت اور بندش میں ضرورت سے زیادہ جدوجہد کرتا ہوں کیونکہ یہ عمل دین سے متعلق نہیں۔ ان کا وجود عدم عرف کے سبب سے تھا۔ دین اور ملت کے سبب سے نہیں۔

Marfat.com

اورعرف و رواج ایک شہر کا دوسرے شہر کے عرف و رواج سے مختلف ہوا کرتا ہے اور ایک شہر میں بھی زمانوں کے تفاوت سے عرف و عادات میں تفاوت واقع ہو جایا کرتا ہے مگر اس کے باوجود اس قسم کی سنت کی پاسداری اور ایسی سنتوں پر عمل بھی بہترین نتیجہ پیدا کرتا ہے اور منبع سعادات ہے۔ (مکتوب نمبر ۲۳۱ جلد اول)

فرزند! قیامت کو کام آنے والی چیز اتباع رسول اللہ ﷺ ہے۔ صوفیہ کے حال' وجد' علوم' معارف' رموز اور اشارات اگر اس متابعت اور اتباع کے مطابق ہوں تو بہت بہتر ورنہ سراسر خسارہ دین اور عتاب ربانی کا سرمایہ ہیں۔ سید الطائفہ حضرت جنید علیہ الرحمہ کو کسی نے خواب میں دیکھا' ان کی حالت دریافت کی تو حضرت جنید علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ

> ''سارے رموز و ارشادات ختم ہو گئے۔ جملہ علوم و معارف ہیچ ثابت ہوئے۔ صرف ان چند رکعتوں نے کام دیا جو درمیان شب میں پڑھ لیا کرتا تھا۔''

لہٰذا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلنے کو ضروری سمجھو کیونکہ برکت اور سراسر برکت ہے اور شریعت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے پوری پوری احتیاط برتو۔ نہ قولاً مخالفت اور نہ عملاً' نہ اعتقاداً' کیونکہ ہر مخالفت سراسر نحوست اور بربادی ہے۔ (مکتوب ۱۸۹ جلد اول)

اس مبارک اور پسندیدہ متابعت کا ایک ذرہ دنیا کی تمام لذتوں اور آخرت کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ صرف رسول اللہ ﷺ کی متابعت سے فضیلت حاصل ہو سکتی ہے اور ہر ایک عظمت کی صرف یہی صورت ہے۔ قیلولہ (دوپہر کو آرام کرنا) جو متابعت رسول اللہ ﷺ کی نیت سے ہو' ان کروڑوں شب بیداریوں سے افضل ہے جو متابعت رسول اللہ ﷺ سے محروم ہوں۔ عید الفطر کا افطار جس کا شریعت نے حکم دیا ہے' ابدالآباد روزے رکھنے سے افضل ہے۔ اہل ریاضت بہت کچھ مجاہدے کرتے ہیں لیکن اگر وہ شریعت مطہرہ کے مطابق نہ ہوں تو بیکار اور بے سود۔ اگر ان اعمال شاقہ پر کوئی اجر مرتب بھی ہونا ہے تو وہ صرف دنیاوی۔ (مکتوب ۱۱۴ جلد اول)

انبیائے علیہم السلام کی بعثت اور تکلیفات شرعی کا مقصود اور حکمت نفس امارہ کی تعجیز و تخریب ہے۔ خواہشات نفسانی کو مٹانے اور دفع کرنے کے لئے احکام شرع وارد ہوئے ہیں۔ تقاضائے شریعت پر جس قدر عمل کیا جائے اسی قدر خواہش نفسانی میں زوال ہوتا ہے لہٰذا خواہش نفس کے ازالہ میں کسی ایک حکم شرعی پر عمل کرنا ان ہزار سالہ مجاہدوں اور ریاضتوں سے بہتر ہے جو اپنی رائے سے ہوں۔ بلکہ یہ تمام مجاہدے اور ریاضتیں جو شریعت غرا کے بموجب نہ ہوں۔ خواہش نفسانی کے لئے مؤید و مقوی ہیں۔ (مکتوب ۵۲ جلد اول)

درستی عقیدہ

حکما اور اطبا کے نزدیک مسلم ہے کہ جب تک مریض کا مرض زائل نہ ہو کوئی غذا مفید نہیں بلکہ مقوی مرض ہے چنانچہ سب سے پہلے مرض کا ازالہ کرتے ہیں اس کے بعد رفتہ رفتہ مناسب غذا دیتے ہیں۔ اسی طرح جب تک کوئی شخص قلبی امراض میں مبتلا ہے کوئی عبادت یا کوئی اطاعت نفع نہیں دے سکتی بلکہ مضر ہے۔ (مکتوب ۱۰۵ جلد اول)

قرآن پاک اور احادیث رسول اللہ ﷺ کے بموجب جس طرح علمائے اہل حق نے عقائد کو سمجھا ہے۔ اسی کے بموجب اپنے عقائد کو صحیح کرنا ہمارے اوپر لازم ہے۔ ہماری اور آپ کی سمجھ درجہ اعتبار سے ساقط ہے' جب تک ان بزرگوں کی توضیح اور تفسیر کے بموجب نہ ہو۔ ہر بدعتی اور ہر گمراہ اپنے عقائد باطلہ کے لئے کتاب اور سنت ہی کی آڑ لیا کرتا ہے۔ حالانکہ قطعاً بے سود اور بے معنی۔ لہٰذا سب سے پہلے عقائد کو صحیح کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد حلال' حرام' فرض' واجب وغیرہ شرعی احکام کا علم' پھر اس کے بموجب عمل' اس کے بعد تزکیہ اور تصفیہ کا نمبر ہے۔ جب تک عقائد صحیح نہ ہوں احکام شریعت کی واقفیت فائدہ مند نہیں اور جب تک یہ دونوں نہ ہوں صفائی قلب ناممکن۔
(مکتوب نمبر ۳۵ جلد اول)

ختم نبوت

تمام انبیاء علیہم السلام کے خاتم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ کا دین گزشتہ دینوں کا ناسخ ہے اور آپ کی کتاب تمام گزشتہ کتابوں سے بہتر ہے۔ آپ کی شریعت منسوخ نہ ہوگی بلکہ قیامت تک باقی رہے گی۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام نزول فرما کر آپ کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ کے امتی ہو کر رہیں گے۔
(مکتوب نمبر ۶۷ جلد ثانی)

شفاعت برحق ہے

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و صالحین کی شفاعت برحق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اذن سے اول پیغمبر گناہ گار مومنوں کی شفاعت کریں گے۔ پھر صالحین رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی۔ (مکتوب نمبر ۶۷ جلد ثانی)

فضائل صحابہ و حُبِّ اہل بیتؓ

حضرات شیخینؓ کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو ائمہ بزرگواران کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے' جن میں سے ایک امام شافعیؒ ہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری جو اہل سنت کا رئیس ہے' فرماتا ہے کہ شیخینؓ کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے۔ سوائے جاہل یا متعصب کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔
(مکتوب نمبر ۶۷ جلد ثانی)

شیخینؓ کی فضیلت اور حسنین کریمینؓ کی محبت کے ساتھ جمع ہو جائے تو یہ امر اہل سنت و جماعت کے خاصوں میں سے ہے۔ شیخینؓ کی فضیلت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو ائمہ نے نقل کیا ہے۔ عبدالرزاق نے جو اکابر شیعہ میں سے ہے' جب انکار کی مجال نہ دیکھی تو بے اختیار شیخینؓ کی فضیلت کا قائل

ہو گیا اور کہنے لگا کہ جب حضرت علیؓ کے ارشاد کے بموجب شیخینؓ کو حضرت پر فضیلت دیتا ہوں۔ اگر وہ فضیلت نہ دیتے تو میں بھی نہ دیتا۔ یہ بڑا گناہ ہے کہ حضرت علیؓ کی محبت کا دعویٰ کروں اور پھر ان کی مخالفت کروں۔ چونکہ حضرات حسنینؓ کریمین کی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے درمیان بہت فتنہ اور فساد ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں کدورت پیدا ہو گئی تھی اور مسلمانوں کے دلوں میں عداوت اور کینہ غالب آ گیا تھا۔ اس لئے حسنینؓ کی محبت کو بھی اہل سنت و جماعت کی شرائط میں سے شمار کیا گیا تا کہ کوئی جاہل اس سبب سے حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب پر بدظنی نہ کرے اور آپ ﷺ کے جانشینوں کے ساتھ بغض و عداوت حاصل نہ کرے۔ پس حضرت امیر المومنینؓ کی محبت اہل سنت و جماعت کی شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا وہ اہل سنت سے خارج ہے۔ اس کا نام خارجی ہے اور جس نے حضرت امیر المومنینؓ کی محبت میں افراط کی طرف کو اختیار کیا اور جس قدر مناسب ہے۔ اس سے زیادہ اس سے وقوع میں آتی ہے اور محبت میں غلو کرتا ہے اور حضرت خیر البشر ﷺ کے اصحاب کو سب یا طعن کرتا ہے اور صحابہؓ تابعین اور سلف صالحینؒ کے طریق کے برخلاف چلتا ہے وہ رافضی ہے۔ پس حضرت امیر المومنینؓ کی محبت میں افراط و تفریط کے درمیان جن کو روافض اور خوارج نے اختیار کیا ہے' اہل سنت و جماعت متوسط ہیں اور شک نہیں کہ حق وسط میں ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔

چنانچہ حضرت امام احمد حنبلؒ نے حضرت امیر المومنینؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المومنینؓ نے کہا کہ حضرت پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اے علیؓ! تجھ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے جس کو یہودیوں نے یہاں تک دشمن سمجھا کہ ان کی ماں پر بہتان لگایا اور عیسائیوں نے یہاں تک درست رکھا کہ ان کو اس مرتبہ تک لے گئے جس کے وہ لائق نہیں تھے۔ یعنی خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

پس خارجیوں کا حال یہودیوں کے حال کے موافق ہے اور رافضیوں کا حال نصاریٰ کے مطابق کہ دونوں حق وسط سے بطرف جا پڑے ہیں۔ وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو اہل سنت و جماعت کو حضرت امیر المومنینؓ کے محبوں سے نہیں جانتا اور حضرت امیر المومنینؓ کی محبت کو رافضیوں کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ حضرت امیر المومنینؓ کی محبت رفض نہیں ہے بلکہ خلفائے ثلاثہ سے تبریٰ اور بیزاری رفض ہے اور اصحاب کرام سے بیزار ہونا مذموم اور ملامت کے لائق ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آل محمدؐ کی محبت رفض ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا اہل سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جاتا ہے جبکہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک ایمان کا جزو ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے۔

تقلید و مناقب امام اعظمؒ

بلا تکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی مانند نظر آتے ہیں اور ظاہر میں بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہل اسلام کا سواد اعظم یعنی بہت سے لوگ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تابعدار ہیں۔ یہ مذہب باوجود بہت سے تابعداروں کے

اصول وفروع میں تمام مذہبوں سے الگ ہے اور استنباط میں اس کا طریقہ علیحدہ ہے اور یہ معنی حقیقت کا پتہ بتاتے ہیں۔
(مکتوب نمبر ۵۵ جلد ثانی)

ہم مقلدوں کو حق نہیں کہ ظاہر احادیث پر عمل کرتے ہوئے اشارہ کی جرأت کریں۔
(مکتوب نمبر ۳۱۲ جلد اول در مسئلہ رفع سبابہ)

رام اور رحمٰن

خوب سمجھ کر کہ نہ صرف ہمارا اور تمہارا بلکہ ساری ارضی وسماوی کائنات کا رب ایک ایسا خداوند ہے جو سب سے نرالا ہے، جہاں توالد وتناسل، کفاوت وتماثل کو کبھی رسائی نہیں ہو سکتی اور موجودات علم کا کوئی شعبہ نہ تو اس کے ساتھ کیفیت اتحاد پیدا کر سکتا ہے اور نہ اسے اپنے اندر جذب کر سکتا ہے۔

بارگاہ قدس اس سے کہیں بلند وبرتر ہے کہ کائنات کا کوئی فرد شان صمدیت کو اپنے وجود میں پنہاں کر لے۔ یا کوئی ہستی بعینہٖ ذات احدیت کا ظہور ذاتی ہو۔ زمان ومکاں کی تقیدات سے قطعاً بے نیاز ہے، اس لئے کہ یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں۔ ہستی ازلی کی نہ کوئی ابتدا اور بقائے ابدی کی نہ کوئی انتہا ہے۔ پس پرستش کا حقدار وہی اور صرف وہی ہے۔

ہندو جس رام وکرشن کی پرستش کرتے ہیں، یہ تو ماں باپ کے ذریعہ پیدا ہوئے ہیں۔ رام جسرت کا بیٹا، لچھمن کا بھائی اور سیتا کا خاوند ہے۔ رام جب سیتا کو بچا نہ سکا تو پھر کسی اور کی کیا امداد کرے گا۔ درحقیقت اس تمام لغزش کا ذمہ دار تقلید محض ہے۔

پس یہ کہنا کہ رام ورحمٰن ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں کسی طرح ٹھیک نہیں۔ ایک شے خود ہی خالق اور خود ہی مخلوق ہے جو جسمی مشابہت سے واحد نہ ہو پھر وہ بے شبہ وبے مثال کس طرح ہو سکے۔ رام وکرشن کی پیدائش تک خدائے قدوس کو کسی نے رام وکرشن نہ کہا۔ ان کے پیدا ہونے کے بعد ذات احدیت پر رام وکرشن کا اطلاق کیا۔ اس دعویٰ کی روشن دلیل نہیں کہ ان ناموں کے پردے میں اللہ تعالیٰ کے عوض رام وکرشن کی پرستش کی جاتی ہے۔ (ماتعبدون من دون الخ) اللہ کے ماسوا جس کی پرستش کرتے ہو یہ تو ایسے نام نہیں جو تم اور تمہارے باپ دادا نے از خود رکھ لئے۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہ فرمائی۔

اللہ کے سچے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جو قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار میں مبعوث ہوئے، یہ سب خلقت کو عبادت خالق کی ہدایت فرماتے رہے۔ انہوں نے لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا اور خود ایک با نیاز بندے کی طرح عظمت وجلال کے بے نیاز سے لرزہ براندازم رہے اور ہندوؤں کے اوتار مخلوق خدا کو اپنی پرستش کی ترغیب دلاتے رہے اور یہ بات اور بھی عجیب ہے کہ پروردگار عالم کا وجود تسلیم کر لینے کے باوجود ساتھ ساتھ اس اعتقاد پر بھی قائم ہیں کہ احدیت مطلقہ ہمارے جسم میں نزول فرما کر مقید ہو کر رہ گئی ہے اور ان کی یہ رقیق ذہنی اختراع ان کے استحقاق عبادت کا جائز ذریعہ بنی رہی اور اسی بنا پر کہ معبودیت والوہیت کا دائرہ تصرف محدود نہیں ہے۔ ان کے کردار میں

Marfat.com

محرمات کو بھی حلت کا درجہ حاصل ہے۔

اس کے برعکس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جن کا کردار ان کے گفتار کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے جس چیز کو اوروں کے لئے ناجائز کہا اس سے وہ خود پوری پابندی سے مجتنب رہے اور ترکیب بشریت کو اپنے اور اپنے ماسوا سب لوگوں کے لئے مساویانہ درجہ کی شے قرار دیا۔ (مکتوب نمبر ۶۷ جلد اول)

خدا کے دشمنوں سے دوستی کا نتیجہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو فرمایا ہے۔ "یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین و اغلظ علیھم" پس اپنے پیغمبر کو جو خلق عظیم سے موصوف ہیں' کفار سے جہاد اور ان پر شدت کا حکم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ غلظت خلق عظیم میں داخل ہے۔ (کفار کے ساتھ خلق عظیم جیسا کہ ابنائے زمان گمان کرتے ہیں کہ ملاطفت اور شیریں زبانی مروت اور اخلاق حسنہ کا تقاضا ہے) اہل اسلام کی عزت کفر اور اہل کفر کی ذلت میں ہے۔ جو شخص کافروں کو عزیز رکھتا ہے' اس نے اہل اسلام کو ذلیل کیا۔ کفار کو عزیز رکھنا صرف یہی نہیں کہ ان کی تعظیم کرنا' صدر نشین بنانا بلکہ اپنی مجالس میں جگہ دینا اور ان سے مصاحبت وہمزبانی بھی اعزاز میں داخل ہے۔ انہیں دور ہی رکھنا چاہئے۔ اگر کوئی دنیوی غرض ان کے ساتھ مربوط ہو جو ان کے بغیر حاصل نہ ہو سکے' تو شیوۂ بے اعتباری کی رعایت رکھتے ہوئے بقدر ضرورت ان سے مشغول ہو اور کمال اسلام یہ ہے کہ اس دنیوی غرض کو چھوڑ دیا جائے جو کفار کے ساتھ وابستہ ہے۔

خدا کے دشمنوں کے ساتھ دوستی خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ دشمنی کی طرف کھینچتی ہے۔ کفار کا کام اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑانا ہے اور وہ اس بات کے منتظر ہوتے ہیں کہ قابو پانے پر مسلمان کو قتل کر ڈالیں۔ یا کافر بنا لیں۔ پس اہل اسلام کو بھی شرم چاہئے۔ الحیاء من الایمان۔

اہل کفار سے جزیہ ہندوستان سے اٹھایا گیا ہے۔ یہ صرف اہل کفار کے یہاں کے سلاطین کا مقرب ہونے کی وجہ سے ہے۔ جزیہ کا مقصود کفار کی ذلت ہے کہ یہ جزیہ کے خوف سے صاحب تجمل نہ ہوں گے۔ بادشاہ کو کیا حق ہے کہ ان سے جزیہ معاف کرے جو خداوند کریم نے ان کی خواری کے لئے وضع کیا اور انہیں نجس فرمایا۔ مسلمانوں کی نظروں میں اہل کفار نجس و پلید ہونے چاہئیں اور جب مسلمان انہیں اس طرح محسوس کر لیں گے تو لازمی طور پر ان کی مصاحبت سے پرہیز کریں گے۔ کفار سے پوچھ کر ان کی مرضی کے مطابق عمل کرنا' ان کی کمال عزت کرنا ہے جس نے ان کی امداد طلب کی یا ان کے توسط سے دعا چاہی اس نے کیا چاہا۔ جب کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما دعاء الکفرین الا فی ضلال۔

کفار کی دعا باطل ولا حاصل ہے۔ اس کی قبولیت کا کیا احتمال ہے۔ ہاں اس طریق سے کفار کی عزت افزائی ہوتی ہے۔ یہ تو اگر دعا بھی کریں تو اپنے بتوں کو وسیلہ ٹھہراتے ہیں۔ ایک عزیز نے فرمایا کہ جب تک تم میں سے کوئی دیوانہ نہ ہوگا' مسلمانی کو نہ پہنچے گا۔ دیوانہ ہونا اس مقصود میں ہے کہ اسلام کی بقا کی خاطر اپنے نفع وضرر سے درگزر کیا جائے۔ (مکتوب نمبر ۱۶۳ جلد اول)

Marfat.com

ذبیحہ گاؤ

ہندوستان میں ذبیحہ گاؤ اسلام کا ایک بہت بڑا شعار ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کفار ہند جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں مگر گائے ذبح کرانے پر ہرگز ہرگز راضی نہیں ہو سکتے۔ (مکتوب نمبر ۸۱ جلد اول)

حقوق اللہ و حقوق العباد

اگر گناہ اس قسم کے ہیں کہ جن کا تعلق اللہ کے حقوق کے ساتھ ہے جیسے کہ زنا اور شراب پینا اور سرود اور ملاہی کا سننا اور غیر محرم کی طرف بنظر شہوت دیکھنا اور بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا اور بدعت پر اعتقاد رکھنا وغیرہ وغیرہ تو ان کی توبہ ندامت اور استغفار اور حسرت و افسوس اور بارگاہ الٰہی میں عذر خواہی کرنے سے ہے اور اگر فرائض میں سے کوئی فرض ترک ہو گیا تو توبہ میں اس کا ادا کرنا ضروری ہے اور اگر گناہ اس قسم کے ہیں جو بندوں پر مظالم اور ان کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں تو ان سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ بندوں کے حقوق اور مظالم ادا کئے جائیں اور ان سے معافی مانگیں اور ان پر احسان کریں اور ان کے حق میں دعا کریں اور اگر مال و اسباب والا شخص مر گیا تو اس کے لئے استغفار کریں اور اس کا مال اس کے وارثوں اور اولاد کو دے دیں اور اگر اس کا وارث معلوم نہ ہو تو مال و جنایت کے برابر صاحب مال اور اس شخص کی نیت کر کے جس کو ناحق ایذا دی ہو فقراء و مساکین پر صدقہ خیرات کر دیں۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ

''جو شخص صبح و شام توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔''

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ

''حرام کے ایک پیسے کا پھیر دینا سو پیسوں کے صدقہ کرنے سے افضل ہے۔''

بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ

''ایک رتی چاندی کا پھیر دینا' اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سو حج مقبول سے افضل ہے۔''

بعض علماء ربانی فرماتے ہیں کہ

جب انسان دس چیزوں کو اپنے اوپر فرض نہ کرے' کامل ورع حاصل نہیں ہوتا۔

(۱) زبان کو غیبت سے بچائے (۲) بدظنی سے بچائے (۳) مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرے۔ (۴) حرام سے آنکھ بند کرے (۵) سچ بولے (۶) ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کا احسان جانے تاکہ اس کا نفس مغرور نہ ہو (۷) اپنا مال راہ حق میں خرچ کرے اور راہ باطل میں خرچ کرنے سے بچے (۸) اپنے نفس کے لئے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے (۹) نماز کی محافظت کرے (۱۰) اہل سنت والجماعت پر استقامت اختیار کرے۔ (مکتوب نمبر ۶۶ جلد ثانی)

Marfat.com

ولایت کا نشان اتباعِ شریعت ہے

علامت جس سے اس گروہ کا سچا یا جھوٹا جدا ہو سکے یہ ہے کہ جو شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو اور اس کی مجلس میں دل کو حق تعالیٰ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہو جائے اور ماسوا کی طرف سے دل سرد ہو جائے وہ شخص سچا ہے اور درجات کے اختلاف کے بموجب اولیاء کے شمار میں ہے مگر یہ بھی ان لوگوں کے لئے ہے جو اس گروہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور جن کو اس گروہ کے ساتھ مناسبت نہیں' وہ محروم مطلق ہیں۔ (مکتوب نمبر ۹۲ جلد ثانی)

حق تعالیٰ کی طرف پہنچانے کے دو راستے

وہ راہ جو جناب قدس جل شانہ کی طرف لے جانے والے ہیں' دو ہیں۔ ایک وہ راستہ ہے جو قرب نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور اصل الاصل تک پہنچانے والا ہے۔ اس راستے کے پہنچنے والے بالاصالت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب ہیں اور امتوں میں سے بھی جس کو چاہیں اس دولت سے سرفراز کرتے ہیں۔

مگر یہ لوگ قلیل بلکہ اقل ہیں۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ نہیں۔ ان واصلوں میں سے جو کوئی فیض حاصل کرتا ہے کسی کے واسطہ کے بغیر حاصل کرتا ہے اور کوئی ایک دوسرے کا حائل نہیں ہوتا۔

دوسرا وہ راستہ ہے جو قرب و ولایت سے تعلق رکھتا ہے۔ تمام قطب اور اوتاد اور ابدال و نجیب اور عالم اولیاء اللہ سب اسی راستے سے واصل ہوئے ہیں۔ راہ سلوک اسی راہ سے مراد ہے بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ ثابت ہے۔ اس راہ کے واصلوں کے پیشوا اور ان کے گروہ اور ان بزرگواروں کے فیض کا سرچشمہ حضرت علی کرم اللہ وجہ' ہیں اور یہ عظیم الشان مرتبہ انہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام میں گویا آنحضرت ﷺ کے دونوں مبارک قدم حضرت علی المرتضیٰؓ کے سر مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنینؓ بھی اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں اور اس راہ سے جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا ہے' انہی کے وسیلہ سے پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس راہ کا آخری نقطہ یہی ہیں اور اس مقام کا مرکز انہی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب حضرت امیر المومنینؓ کا دورہ تمام ہوا۔ یہ عظیم الشان مرتبہ ترتیب وار حضرات حسنینؓ کے سپرد ہوا اور ان کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب و تفصیل وار قرار پایا۔ ان بزرگوں کے زمانہ میں اور ایسے ہی ان کے انتقال فرما چکنے کے بعد جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا رہا' انہی بزرگوں کے واسطہ اور حیلولہ سے ہی پہنچتا رہا۔ گو اپنے زمانہ کے اقطاب و نجباء ہی ہوئے لیکن سب کا ملجاء و ماویٰ یہی بزرگوار ہوئے ہیں کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملحق ہونے سے چارہ نہیں۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی نوبت آ پہنچی اور منصب مذکورہ اس بزرگ قدس سرہ کے درمیان کوئی شخص اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا۔ اس راستہ میں تمام اقطاب و نجباء کو فیوض و برکات کا پہنچنا شیخ قدس سرہٗ کے وسیلہ شریف سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز شیخ قدس سرہ کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔ (مکتوب نمبر ۱۲۳ جلد ثالث)

Marfat.com

باطن کی صفائی بھی ضروری ہے

غرض ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تا کہ غفلت کے ساتھ آلودہ نہ رہے کیونکہ باطن کی امداد کے بغیر احکام شرعی سے آراستہ ہونا مشکل ہے۔ علماء فتویٰ دیتے ہیں اور اہل اللہ باطن کا کام کرتے ہیں۔ باطن میں کوشش کرنا ظاہر کی کوشش کو مستلزم ہے اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پرواہ نہ کرے وہ ملحد ہے اور اس کا وہ باطنی احوال استدراج ہیں۔ باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے۔ استقامت کا طریق یہی ہے۔ (مکتوب نمبر ۸۷ جلد ثانی)

اتباع شریعت ہی کرامت ہے

جب خوارق کا ظاہر ہونا ولایت میں شرط نہیں۔ ولی اور غیر ولی میں امتیاز کس طرح ہوگا اور حق باطل سے کس طرح جدا ہوگا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ گو تمیز نہ ہو اور گو حق اور باطل ملا جلا رہے۔ حق و باطل کا ملا جلا رہنا اس دنیا میں لازم ہے اور ولی کی ولایت کا علم کچھ ضروری نہیں۔ بہت سے اولیا اللہ ایسے ہیں کہ ان کو خود اپنی ولایت کا علم نہیں۔ پس دوسرے کو ان کی ولایت کا علم کس طرح ضروری ہوسکتا ہے۔ نبی میں خوارق کا ظہور ضروری ہے تا کہ نبی اور غیر نبی میں امتیاز ہو جائے کیونکہ نبی کی نبوت کا علم واجب ہے اور ولی چونکہ لوگوں کو اپنے نبی کی شریعت کی دعوت دیتا ہے۔ نبی کا معجزہ اس کے لئے کافی ہے۔ اگر ولی اپنے نبی کی شریعت کے سوا کی دعوت دیتا تو اس کے لئے خارق کی ضرورت ہے۔ علمائے ظاہر شریعت کی دعوت دیتے ہیں اور اولیائے ظاہر شریعت اور باطن شریعت کی بھی۔ وہ پہلے مریدوں اور طالبان خدا کو توبہ وانابت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور احکام شریعت کی بجا آوری کی ترغیب دیتے ہیں۔ پھر ذکر حق سبحانہ کی راہ دکھاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ اپنے تمام اوقات کو ذکر حق سبحانہ سے ایسا معمور رکھے کہ ذکر غلبہ پائے اور مذکور کے سوا کسی چیز کو دل میں نہ رہنے دے۔ یہاں تک کہ مذکورہ کے سوا تمام سے ایسی فراموشی حاصل ہو جائے کہ اگر تکلف سے اشیاء کو یاد کرے تو یاد نہ آئیں۔ یقینی امر ہے کہ ولی کے لئے اس دعوت کے واسطے کہ جس کا تعلق ظاہر شریعت اور باطن شریعت سے ہے، خوارق کی ضرورت نہیں۔ پیری و مریدی سے مراد یہی دعوت ہے، جو خارق سے سروکار اور کرامت سے تعلق نہیں رکھتی باوجود اس کے ہم کہتے ہیں کہ مرید رشید اور طالب مستعد لوگ کے طریق میں ہر گھڑی اپنے پیر کے خوارق وکرامات کا احساس کرتا ہے اور معاملہ غیبی میں ہر وقت اس سے مدد مانگتا اور پاتا ہے اور دوسروں کے لئے ظہور خوارق ضروری نہیں، مگر مریدوں کے لئے خوارق پر خوارق اور کرامات پر کرامات ہیں۔ مرید اپنے پیر کے خوارق کا احساس کس طرح نہ کرے کہ پیر نے مرید کے مردہ دل کو زندہ کیا ہے اور مشاہدہ مکاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک ایک مردہ جسم کا زندہ کرنا بڑی بات ہے اور خواص کے نزدیک قلب وروح کا زندہ کرنا بڑی قاطع دلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ "رسالہ قدسیہ" میں لکھتے ہیں کہ چونکہ مردہ جسم کا زندہ کرنا، اکثر لوگوں کے نزدیک بڑا اچھا کام سمجھا جاتا تھا۔ اہل اللہ ایسے زندہ کرنے سے منہ پھیر کر روح کے زندہ کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں اور طالب کے مردہ

Marfat.com

دل کو زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ حقیقت میں مردہ جسم کا زندہ کرنا قلب کے زندہ کرنے کے مقابلہ میں اس چیز کی مثل ہے جو راستے میں پھینک دی گئی ہو کیونکہ جسم کا زندہ کرنا چند روزہ ہی زندگی کا سبب ہے اور قلب کا زندہ کرنا ہمیشہ کی زندگی کا وسیلہ ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اہل اللہ کا وجود حقیقت میں کرامات میں سے ایک کرامت ہے اور لوگوں کو حق سبحانہ کی طرف ان کی دعوت حق تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دلوں کا زندہ کرنا بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اہل اللہ زمین والوں کے لئے امان اور زمانہ کے لئے غنیمت ہیں۔ ان کی شان میں ہے کہ "ان کے طفیل سے لوگوں کے لئے بارش ہوتی ہے اور ان ہی کے طفیل سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔" ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفا ہے۔ "وہ اللہ کے ہم نشین ہیں اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین بد بخت نہیں رہتا اور ان کا محب زیاں کار نہیں ہوتا۔" وہ علامت کہ جس سے اس گروہ کا محق مبطل سے ممتاز ہو جائے' یہ ہے کہ اگر ایسا شخص ہو جو شریعت پر ثابت قدم ہو اور اس کی صحبت میں دل کو حق سبحانہ' کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہوتی ہو اور ماسوائے حق سے بے توجہی مفہوم ہوتی ہو۔ وہ شخص حق بجانب ہے اور حسب تفاوت درجات اولیاء کے شمار میں ہے۔ یہ علامت امتیاز بھی مناسبت والوں کے لئے ہے۔ جو شخص محض بے مناسبت ہو' وہ بالکل محروم ہے۔ (مکتوب ۹۲ جلد ثانی)

ایک زبردست غلط فہمی کا ازالہ

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے جس بزرگ نے شطحیات زبان سے نکالی ہیں اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کہی ہیں' وہ سب کفر طریقت کے مقام میں ہوا ہے' جو مستی و بے تمیزی کا مقام ہے۔ جو بزرگ اسلام کی حقیقی دولت سے مشرف ہوئے ہیں' وہ اس قسم کی باتوں سے پاک و بری ہیں اور ظاہر و باطن میں پیغمبروں کا اقتدا کرتے ہیں اور ان کے تابع ہیں علیہم الصلوٰۃ التسلیمات۔ پس جو شخص حق شطحیات بولتا ہے اور سب سے مقام صلح میں ہے اور سب کو راہ راست پر سمجھتا ہے اور خالق و مخلوق میں تمیز ثابت نہیں کرتا اور دوئی کے وجود کا قائل نہیں۔ اگر ایسا شخص مقام جمع میں پہنچا ہوا ہے اور کفر طریقت سے متصف ہو گیا ہے اور ماسوا کو بھول گیا ہے تو مقبول ہے اور اس کی باتیں مستی سے پیدا ہوتی ہیں اور ظاہر معنی سے مصروف ہیں اور اگر اس حال کے حاصل ہونے کے بغیر اور درجہ اولیٰ پر پہنچنے کے بغیر ایسی شطحیات زبان پر لاتا ہے تو وہ بے دین و ملحدوں سے ہے جس کا مقصود شریعت کا ابطال ہے اور اس کا مطلوب دعوت انبیاء کا اٹھا دینا ہے جو جہانوں کے لئے رحمت ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والتحیات۔ پس یہ کلمات محق سے بھی صادر ہوتے ہیں اور مبطل سے بھی۔ محق کے لئے آب حیات ہیں اور مبطل کے لئے زہر قاتل مثل آب نیل کے جو بنی اسرائیل کے لئے خوش گوار اور قبطی کے لئے خون ناگوار تھا۔ یہ قدموں کے لغزشوں کی جگہ ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کثیرہ اکابر ارباب سکر کی باتوں کی تقلید سے سیدھے راستے سے منحرف ہو کر گمراہی اور زیاں کاری کے کوچوں کے پیچھے گری ہوئی ہے اور اپنے دین کو برباد کرتی ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ ایسی باتوں کا قبول کرنا شرطوں کے ساتھ مشروط ہے جو ارباب سکر میں موجود اور ان میں مفقود ہیں۔ ان شرطوں میں سے بڑی شرط ماسوائے حق سبحانہ کی فراموشی ہے جو اس قبول کی دہلیز ہے اور محق و مبطل میں امتیاز کی علامت شریعت پر استقامت اور عدم استقامت ہے۔ جو محق ہے وہ باوجود مستی اور بے تمیزی کے بال برابر

Marfat.com

خلاف شریعت کا مرتکب نہ ہوگا۔ منصور باوجود انا الحق کہنے کے ہر رات قید خانہ میں بھاری زنجیر کے ساتھ پانسو رکعت نماز ادا کرتا تھا اور ظالموں کے ہاتھ سے جو کھانا اسے ملتا تھا اگرچہ وجہ حلال سے تھا مگر وہ نہ کھاتا تھا اور جو شخص مبطل ہے احکام شرعیہ کی بجا آوری پر کوہ قاف کی طرح گراں ہے۔ آیہ کریمہ

کبر علی المشرکین ماتدعوھم الیہ

دشوار ہے مشرکوں پر وہ کہ جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے۔

ان کے حال پر صادق آتی ہے۔

ربنآ اتنآ لدنک رحمۃ وھیء لنا من امر نارشدا و السلام علی من اتبع الھدی (جلد ثانی مکتوب ۹۵)

پیر کی ایذا کیا ہے؟

جاننا چاہئے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق والوں کے حقوق سے زیادہ ہیں۔ بلکہ پیر کے حقوق حق سبحانہ کے انعامات اور اس کے رسول علیہ و آلہ الصلوٰۃ و التسلیمات کے احسانات کے بعد دوسروں کے حقوق سے نسبت نہیں رکھتے۔ بلکہ سب کے پیر حقیقی رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اگرچہ ظاہری ولادت والدین سے ہے مگر ولادت معنوی پیر کے ساتھ مخصوص ہے۔ ظاہری ولادت کی زندگی چندروزہ ہے اور ولادت معنوی کی زندگی ابدی ہے۔ پیر ہے جو مرید کی نجاسات معنویہ کو اپنے قلب و روح سے صاف کرتا ہے اور اس کے معدہ کو پاک کرتا ہے تو ان توجہات میں جو بعض طالبوں کی نسبت وقوع میں آتی ہیں' محسوس ہوتا ہے کہ ان کی باطنی نجاستوں کے پاک کرنے میں صاحب توجہ کو بھی کچھ آلودگی پہنچتی ہے اور کچھ دیر تک مکدر رکھتی ہے۔ پیر ہے کہ جس کے وسیلہ سے خدائے عزوجل تک پہنچتے ہیں جو دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔ پیر ہے کہ جس کے وسیلہ سے نفس امارہ جو بذات خود خبیث ہے' پاک ہو جاتا ہے اور امارگی سے اطمینان تک پہنچتا ہے اور کفر ذاتی سے اسلام حقیقی میں آ جاتا ہے۔ مصرعہ

گر بگویم شرح ایں بیحد شود

پس اپنی سعادت کو پیر کے قبول کرنے میں جاننا چاہئے اور اپنی بدبختی کو پیر کے رد کرنے میں۔ العیاذ باللہ۔ حق سبحانہ کی رضا کو پیر کی رضا کے پردے کے پیچھے رکھا ہے۔ جب تک مرید اپنے تئیں اپنے پیر کی پسندیدہ چیزوں میں گم نہ کرے' حق سبحانہ کی مرضیات میں نہیں پہنچتا۔ مرید کی آفت پیر کی ایذا میں ہے۔ اس کے سوا جو لغزش ہو اس کا علاج ممکن ہے لیکن ایذائے پیر کا علاج کسی چیز سے نہیں کر سکتے کیونکہ مرید کے لئے آزار پیر بدبختی کی جڑ ہے۔ العیاذ باللہ۔ اعتقادات اسلامیہ میں خلل اور احکام شرعیہ کی بجا آوری میں سستی آزار پیر کے نتائج و ثمرات میں سے ہے۔ احوال و مواجید کہ جن کا تعلق باطن سے ہے' ان میں جس قدر خلل اور سستی واقع ہوتی ہے اسے کیا ذکر کروں۔ اگر باوجود آزار پیر کے احوال میں کچھ اثر باقی رہے اسے استدراج سمجھنا چاہئے کیونکہ انجام خراب ہوگا اور سوائے ضرر کے اور نتیجہ نہ ہوگا۔ والسلام علی من اتبع الھدی (رسالہ مبدأ و معاد)

Marfat.com

بیعت کا مقصد

نور محمد انبالوی کو تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے جو دریافت کیا ہے کہ اگر کوئی طالب اپنے پیر کی زندگی میں دوسرے شیخ کے پاس جائے اور طلب خدا کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔ سو معلوم رہے کہ مقصود حق سبحانہ اور پیر وصول الی اللہ کا وسیلہ ہے۔ اگر طالب اپنا رشد دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اس کی صحبت میں خدا تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں بغیر اجازت کے اس کے پاس جائے اور اس سے طلب رشد کرے لیکن اسے چاہئے کہ پہلے پیر سے انکار نہ کرے اور اسے بجز نیکی یاد نہ کرے خصوصاً آج کل کی پیری مریدی جو صرف رسم و عادت رہ گئی ہے اگر اس وقت کے پیر جو اپنے آپ سے بے خبر ہیں اور ایمان و کفر میں تمیز نہیں کر سکتے' وہ خدا جل شانہ کی کیا خبر دیں گے اور مرید کو کون سا راہ دکھائیں گے۔

آگہ از خویشتن چونیست جنیں
کے خبر دارد از چناں و چنیں

افسوس اس مرید پر ہے کہ جو اس طرح کے پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ رہے اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے اور خدا جل شانہ کا راستہ معلوم نہ کرے۔ یہ خطرات شیطانی ہیں' جو پیر ناقص کی حیات کے سبب سے طالب حق سبحانہ سے روکتے ہیں۔ اسے چاہئے کہ جس جگہ رشد و جمعیت دل پائے بغیر توقف کے رجوع کرے اور وساوس شیطانی سے پناہ ڈھونڈے۔ (مکتوب نمبر ۱۶۳ جلد ثانی)

دنیوی کاروبار بھی ذکر الٰہی ہیں

جاننا چاہئے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے جس طرح کہ ہو سکے نہ یہ کہ ذکر کلمہ نفی و اثبات کے تکرار یا اسم ذات کے تکرار میں منحصر ہے جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے۔ پس اوامر شرعیہ کی بجا آوری اور نواہی شرعیہ سے باز رہنا سب ذکر میں داخل ہے۔ خرید و فروخت حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ اسی طرح نکاح و طلاق اسی رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ کیونکہ رعایت مذکورہ کے ساتھ ان کاموں کے کرنے کے وقت امر کرنے والا اور منع کرنے والا (اللہ جل شانہ) ان کے کرنے والے کے مدنظر ہوتا ہے۔ پس غفلت کی گنجائش نہیں لیکن وہ ذکر جو مذکور (یعنی حق سبحانہ) کے اسم و صفت کے ساتھ واقع ہو' جلدی اثر کرنے والا اور مذکور کی محبت بخشنے والا اور مذکور تک جلدی پہنچانے والا ہے۔ بخلاف اس ذکر کے جو اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے باز رہنے کے ساتھ واقع ہو' وہ ان اوصاف سے چنداں بہرہ ور نہیں۔ اگرچہ بعض افراد میں کہ جن کا ذکر اوامر کی بجا آوری اور نہی سے باز رہنے کے ساتھ ہوتا ہے' یہ اوصاف کمی کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا بنیادی قدس سرہ' علم کی راہ سے خدا تعالیٰ تک پہنچے ہیں اور نیز وہ ذکر جو اسم اور صفت کے ساتھ واقع ہو وسیلہ ہے۔ اس ذکر کا جو حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حاصل ہو

کیونکہ سب کاموں میں احکام شرعیہ کی رعایت کرنی صاحب شرح کی محبت کیے بغیر میسر نہیں اور یہ کامل محبت اللہ تعالیٰ کے اسم وصفت کے ذکر سے وابستہ ہے لیکن پہلے وہ ذکر چاہئے تاکہ اس ذکر کی دولت سے مشرف ہو جائے۔" (مکتوب ۴۶ جلد ثانی)

خلافِ شرع کشف

جاننا چاہئے کہ صوفیوں کے اعتقادات آخر کار یعنی منازل سلوک کے پورا ہونے اور ولایت کے درجنوں کی نہایت کو پہنچنے کے بعد وہی ہیں جو علمائے اہل حق کے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ علماء کو نقل یا استدلال سے حاصل ہوئے ہیں اور صوفیوں کو کشف یا الہام سے' اگرچہ صوفیہ میں سے بعض کو اثنائے راہ میں سکر و غلبہ حال کے سبب سے ان اعتقادات کے خلاف امور ظاہر ہوتے ہیں لیکن اگر اس کو ان مقامات سے گزار کر نہایت کار کو پہنچا دیں تو وہ امور نیست و نابود ہو جاتے ہیں ورنہ وہ اسی مخالفت پر باقی رہتے ہیں۔ پس سالک کو چاہئے کہ حقیقت کار پہنچنے سے پہلے باوجود اپنے کشف والہام کی مخالفت کے علماء اہل حق کی تقلید کو لازم جانے اور علماء کو حق بجانب اور اپنے تئیں خطا کرنے والا خیال کرے کیونکہ علماء کی دلیل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید ہے جو قطعی وحی کے ساتھ مؤید اور خطا اور غلط سے معصوم ہیں اور سالک کا کشف والہام جو وحی کے ساتھ ثابت شدہ احکام کا مخالف ہو' خطا اور غلط ہے۔ پس اپنے کشف کو علماء کے قول پر مقدم رکھنا حقیقت میں احکام قطعیہ منزلہ پر مقدم رکھنا ہے اور یہ عین گمراہی اور محض خسارہ ہے اور نیز جس طرح کتاب وسنت کے بموجب اعتقاد ضروری ہے اسی طرح ان کے مقتضاء پر عمل کرنا اس طریق پر کہ مجتہدین نے کتاب و سنت سے استنباط کیا ہے اور ان سے احکام نکالے ہیں' یعنی حلال و فرض و واجب وسنت ومستحب ومکروہ مشتبہ اور ان احکام کا جاننا بھی ضروری ہے۔ مقلد کے لئے جائز نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب وسنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے۔ اسے چاہئے کہ عمل میں اس مجتہد کے مذہب سے کہ جس کا یہ مقلد ہے' قول مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے بچ کر عزیمت پر عمل کرے۔ (مبدأ ومعاد)

پیر کا ادب

اور اگر خدا جل شانہ کی عنایت سے کسی طالب کو اس طرح کے پیر کامل کی طرف رہنمائی کر دیں تو چاہئے کہ اس کے وجود شریف کو غنیمت سمجھے اور اپنے تئیں بالکلیہ اس کے حوالہ کر دے اور اپنی سعادت کو اس کی مرضیات میں جانے اور اپنی بدبختی کو اس کی مرضیات کے خلاف میں سمجھے۔ حاصل کلام یہ کہ اپنی نفسانی خواہش کو اس کی رضا کے تابع کر دے۔ حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ تم میں سے کوئی ایمان نہیں لاتا یہاں تک کہ اس کی نفسانی خواہش میرے دین و شریعت کے تابع ہو اور جان لے کہ آداب صحبت کی رعایت اس راہ کی ضروریات سے ہے۔ تاکہ فائدہ اٹھانے اور فائدہ پہنچانے کا راستہ کھل جائے اور بغیر ان کی محبت کے کوئی نتیجہ نہیں اور نہ مجلس کا کوئی ثمرہ ہے۔ آداب وشرائط سے بعض بیان کئے جاتے ہیں۔ گوش ہوش سے سننے چاہئیں۔

Marfat.com

جان لے کہ طالب کو چاہئے کہ اپنے دل کی توجہ تمام طرفوں سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف کر لے اور پیر کے حضور اس کی اجازت کے بغیر نوافل واذکار میں مشغول نہ ہووے اور اس کے حضور میں سوائے نماز فرض وسنت کے نہ پڑھے اور جہاں تک ہو سکے مرید ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا پیر کے سایہ پر پڑے اور پیر کے مصلا پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کی جگہ میں وضو نہ کرے اور اس کے برتنوں کو استعمال نہ کرے اور اس کے سامنے پانی نہ پیئے اور کھانا نہ کھائے اور کسی کے ساتھ بات نہ کرے' بلکہ کسی اور کی توجہ نہ کرے اور پیر کی غیر حاضری میں جس طرح کہ وہ ہو اس طرح پاؤں دراز نہ کرے اور لعاب دہن اس جگہ نہ پھینکے اور جو کچھ پیر سے صادر ہوا سے درست سمجھے' خواہ ظاہر میں درست معلوم نہ دے۔ پیر جو کچھ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور باذن الٰہی کرتا ہے۔ اس صورت میں اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اگر بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا واقع ہو جائے تو یہ الہامی خطا مثل خطا اجتہادی کے ہے۔ اس پر ملامت واعتراض کرنا جائز نہیں اور نیز چونکہ مرید کو پیر سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ محبّ کی نظر میں محبوب سے جو کچھ صادر ہوتا ہے محبوب معلوم ہوتا ہے۔ پس اعتراض کی گنجائش نہیں اور کُلّی و جزئی امور کھانے پینے اور سونے اور طاعت کرنے میں پیر کی پیروی کرے۔ پیر کی طرز پر نماز کو ادا کرنا چاہئے اور فقہ کو اس کے عمل سے سیکھنا چاہئے۔

پیر کی حرکات وسکنات میں کسی اعتراض کو دخل نہ دے۔ خواہ وہ اعتراض رائی کے دانے کی مقدار ہو کیونکہ اعتراض کا نتیجہ سوائے محرومی کے نہیں ہے اور تمام مخلوقات میں سب سے بدبخت اس طائفہ عالیہ کا عیب بیّن ہے۔ حق سبحانہ ہم کو اس بڑی بلا سے نجات دے اور اپنے پیر سے خوارق وکرامات طلب نہ کرے اگرچہ وہ طلب بطریق خطرہ و وسوسہ دل میں آئے۔ کیا تو نے کبھی سنا ہے کہ مومن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہو۔ کفار ومنکر ہی معجزے کے طالب ہوا کرتے ہیں۔

اگر دل میں شبہ پیدا ہو تو بغیر توقف کے عرض کرے۔ اگر حل نہ ہو تو اپنا قصور سمجھے اور کوئی نقصان پیر کی طرف عائد نہ کرے اور جو واقعہ پیش آئے پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اسی سے طلب کرے اور جو تعبیر کہ طالب پر ظاہر ہوا سے بھی عرض کر دے اور ثواب وخطا کو اس سے دریافت کرے اور اپنے مکاشفات پر ہرگز اعتماد نہ کرے کیونکہ اس دنیا میں حق و باطل اور ثواب وخطا ملے جلے ہیں اور بغیر ضرورت اور اذن کے پیر سے جدا نہ ہووے کیونکہ غیر کو اس پر اختیار کرنا ارادت کے خلاف ہے اور اپنی آواز کو اس کی آواز پر بلند نہ کرے اور بلند آواز سے اس سے بات نہ کرے کیونکہ یہ بے ادبی ہے اور جو فیوض وفتوحات حاصل ہوں ان کو پیر کی وساطت سے تصور کرے اور اگر واقعہ میں دیکھے کو کوئی فیض دوسرے مشائخ سے پہنچا ہے تو اس کو بھی پیر ہی سے سمجھے اور جان لے کہ چونکہ پیر کمالات و فیوض کا جامع ہے' وہ خاص فیض پیر سے مرید کی خاص استعداد کے مناسب مشائخ میں سے ایک شیخ کے کمال کے موافق کہ جس سے ظاہراً افاضہ ظہور میں آیا ہے' مرید کو پہنچا ہے اور پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے لیکن مرید نے بسبب ابتلاء کے اس لطیفہ کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض کو اس کی طرف سے سمجھا ہے۔ یہ بڑی غلطی کھانے کی جگہ ہے۔ حق سبحانہ قدم کی لغزش سے بچائے اور پیر کے اعتقاد ومحبت پر قائم رکھے۔ بحرمت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات حاصل کلام ''الطریق کلہ ادب'' مثل مشہور ہے کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچتا اور اگر مرید وآداب میں سے بعض کی رعایت میں اپنے تئیں کوتاہ جانے اور اسے کماحقہ ادا نہ کر سکے

Marfat.com

اگر کوشش سے بھی اسے پورا نہ کر سکے تو معاف ہے لیکن کوتاہی کا اقرار ضروری ہے اگر پناہ بخدا آداب کی رعایت نہ کرے اور اپنے تئیں کوتاہ بھی نہ جانے تو ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم ہے۔ (مکتوب ۲۹۲ جلد اول)

ردِّ فلاسفہ

ایک روز ابوالفضل نے فلاسفہ اور فلسفہ کی ایسی تعریف کرنی شروع کی جس سے علمائے اسلام کی توہین پائی جاتی تھی۔ حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے جوش اسلام میں آ کر فرمایا کہ:

''امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ جن علوم کے فلاسفہ اپنے تئیں واضع بتلاتے ہیں وہ دراصل علوم انبیاء سے مسروقہ ہیں اور جو علوم انہوں نے مثل ریاضی وغیرہ ایجاد کئے ہیں وہ دین میں مفید نہیں۔''

اس بات سے ابوالفضل سخت متحیر ہوا اور کہنے لگا کہ غزالی نے نامعقول کہا ہے۔ حضرت اس بات سے بہت خفا ہوئے اور اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اگر اہل علم کا شوق ہے تو یہ باتیں منہ سے مت نکالا کر اور اسی وقت وہاں سے مراجعت فرمائی۔ پھر چند روز تشریف نہ لے گئے۔ جب دو تین دن کے بعد اسؒ نے کمال معذرت کی تب پھر جانا شروع کیا۔

فاسق بادشاہ کی گواہی

ایک دفعہ عید الفطر کے روز حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ ابوالفضل کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس سال عید کا چاند انتیس کا ہوا تھا لیکن بباعث کدورت آسمان سوائے بادشاہ کے اور کسی نے نہیں دیکھا تھا مگر سلطان کی رؤیت پر سب نے عید کر لی تھی مگر حضرت نے عید نہیں کی تھی۔ ابوالفضل نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ چہرہ مبارک پر روزے کے نشان پائے جاتے ہیں کیا روزہ ہے؟ حضرت نے جواب دیا کہ ہاں میرا تو روزہ ہے۔ ابوالفضل نے کہا کہ تمام جہاں میں عید اور آپ کا روزہ اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ تعجب ہے سوائے بادشاہ کے اور کسی کو چاند دکھائی نہ دے۔ اس معاملہ میں دو تین آدمیوں کی گواہی کا بھی اعتبار نہیں۔ جب تک جم غفیر آ کر شہادت نہ دے اور دوسرے یہ کہ گواہی سلطان تو بالکل ناقابل اعتبار ہے کہ دین سے منحرف ہے۔ ابوالفضل نے کہا یہ باتیں جانے دیجئے اور روزہ افطار کریئے۔ یہ کہہ کر پانی منگوایا اور چونکہ دعویٰ اخلاص تھا خود کٹورہ لے کر حضرت کے دہن مبارک سے لگا دیا۔ حضرت نے کٹورہ پر ایسا ہاتھ مارا کہ تمام پانی گر پڑا۔ یہ بات اس کو ناگوار گزری مگر کچھ ظاہر نہ کیا۔ اتنے میں ایک گروہ نے آ کر چاند دیکھنے کی شہادت دی۔ یہ سن کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور خود پانی لے کر روزہ افطار کیا۔

کمال تقویٰ

ایک مرتبہ حضرت امام ربانیؒ بادشاہ کے ہمراہ تھے اور لشکر سلطانی گنگا پر خیمہ زن ہوا۔ حضرت نے جمیع تابعین

Marfat.com

سے منع کر دیا کہ اس دریا کا کوئی پانی نہ پیئے کہ ہندوؤں کا معبد ہے۔ وہاں سے دور ایک کنواں تھا' وہاں سے پانی منگایا اور ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کسی جگہ تشریف لے گئے۔ وہاں کنواں عمدہ پانی کا نہ تھا۔ کسی مخلص نے دریائے جمنا کا پانی کہ وہاں سے تین چار کوس پر تھا' آپ کے استعمال کے واسطے منگایا۔ جب آپ کو معلوم ہوا فرمایا کہ جمنا کا پانی پینے میں اس کی تعظیم پائی جاتی ہے۔ اس سے فقط استنجا کریں۔

ادب قرآن

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک حافظ فرش پر بیٹھا ہوا قرآن مجید پڑھتا تھا۔ حضرت نے خیال کیا تو اپنے نیچے فرش زیادہ پایا جیسا کہ صدر نشین کے نیچے ہوتا ہے۔ فی الفور وہ فرش زیادہ اپنے نیچے سے نکال دیا اور اس حافظ کے ہم فرش ہو گئے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب وہاں بیٹھے تو دیکھا کہ ناخن پر سیاہی کا نقطہ لگا ہے۔ دل میں خیال گزرا کہ یہ نقطہ اسباب کتابت حروف قرآن سے ہے۔ مع اس کے اس جگہ بیٹھنا خلاف ادب ہے۔ یہ سوچ کر فی الفور باہر نکل اور ہاتھ دھو کر پھر استنجے کو تشریف لے گئے۔

رعایت مستحب

ایک روز حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے خادم سے فرمایا کہ فلاں جگہ لونگ رکھی ہیں۔ ان میں سے تھوڑی سی لے آؤ۔ خادم نے چھ دانہ لا کر سامنے رکھے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے صوفی کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ ''اللہ وتر ویحب الوتر۔'' پھر فرمایا کہ رعایت وتر مستحبات ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ عمل کے عوض تمام دنیا و آخرت بھی دے دیں تو بھی سمجھ کہ کچھ نہیں دیا۔

(احوال مجدد الف ثانی از نظام الدین مجددی توکلی' لاہور ۲۰۰۳ء، ص ۴۴۔۴۷)

☆......☆......☆

Marfat.com

ترجمہ و تلخیص: الحاج محمد یونس باڑی مظہری

افغانستان میں سلسلۂ نقشبندیہ

(چشم دید بزمانۂ انقلاب ۱۹۷۸ء)

(یہ انگریزی مقالہ ایک غیر مسلم Bo Utas نے ۱۹۷۸ء میں قلم بند کیا تھا۔ اس میں تصوف اور سلاسل قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، مولویہ وغیرہ سے متعلق معلومات کا سرسری جائزہ لیا ہے۔)

میں نے تصوف کو اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا..... جن کتابوں کو پڑھا وہ پانچ سو سال کے روحانی دور سے متعلق تھیں۔ ابتدائی دور کے لکھنے والوں میں ہرات کے خواجہ عبداللہ انصاری علیہ الرحمۃ بھی شامل ہیں جو زبانی روایات اور حکایات مشہور ہیں، ان کا اثر کتابوں میں محسوس ہو۔ دل میں تشویش پیدا ہوئی اور حقائق کی جستجو میں یہ منکشف ہوا کہ پیروں کے خانوادے اور ان کی خانقاہیں طریقت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔ تحقیق کے لئے پیروں سے ملاقاتیں اور خانقاہوں میں مشاہدات ضروری ہوئے۔ چنانچہ ۷۸-۱۹۷۷ء میں یہ کام کرتا رہا۔

افغانستان میں بارہ سرگرم عمل خانقاہوں کا انتخاب کیا۔ جن میں سات کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے تھا اور تین کا مسلک قادریہ سے تھا اور دو درگاہیں چشتیہ تھیں۔ یہ انتخاب اس ملک میں طریقت اور خانقاہوں سلسلہ نقشبندیہ کے موجودہ حالات اور ۱۹۷۰ء میں افغانستان میں مشاہدات میں نے کئے، ان تفصیلات میں جانے سے پہلے یہ زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے کہ نقشبندیہ (جن کو وسط ایشیا میں خواجگان کہا جاتا ہے) کی ابتدائی تاریخ اور اس میں جو پیش رفت ہوتی رہی، اس پر ایک نگاہ ڈال لی جائے۔

ابتدائی تاریخ تو مغربی دانشوروں (جن میں مری جان مولے Marijan Mole اور حامد الگر مشہور ہیں) نے مختصراً لکھ دی۔ تفصیلات کے لئے قدیم فارسی ذرائع مثلاً ''رشحات عین الحیات'' مصنفہ علی بن حسین واعظ کاشفی (فخر الدین صافی) اور ''قدسیہ'' مصنفہ حضرت خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمہ اور نقشبندیہ کے شجرے (یا تذکرے) وغیرہ مشہور ہیں۔ سلسلۂ خواجگان کے بانی حضرت شیخ عبدالخالق غجدوانی علیہ الرحمۃ ہیں جو مشہور زمانہ خواجہ ابو یعقوب یوسف ہمدانی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک بار حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی علیہ الرحمۃ قرآن کریم کی آیت شریفہ

(۵۵سورہ ۷)ادعوا ربکم تضرعاً و خفیة (خدا کو عاجزی سے اور خفیہ طور پر یاد کرو) پر غور فرما رہے تھے کہ آپ کو کشف ہوا اور (زندہ جاوید نبی) حضرت خضر علیہ السلام نے ذکر خفی کرنے کا مشورہ دیا۔ اسی کو......... ذکر ذکر خفیہ خفی یا ذکر قلب کہتے ہیں .... یہی ان آٹھ ضابطوں کی بنیاد ہے جو ان مقدس کلمات پر مشتمل ہے جن کو حضرت شیخ عبدالخالق غجدوانی کے کلمات قدسیہ کہتے ہیں۔

ذکر خفی کو سلسلۂ خواجگان میں بنیادی اہمیت حاصل ہے لیکن ''رشحات عین الحیات'' مصنفہ علی بن واعظ کاشفی کے مطابق خواجہ عبدالخالق غجدوانی کے دوسرے خلیفہ محمود انجیر فغنوی (۱۲۷۲ء) نے پھر ذکر بالجہر کا طریقہ رائج کر دیا۔ شاید یہ تجویز ہو کہ ذکر جہری عوام میں جذبہ پیدا کرنے میں مفید ہے اور مخصوص طریقہ پر ذکر خفی ہر ایک کے لئے مفید نہ ہو۔ لیکن حضرت محمد بہاء الدین جو شاہ نقشبند کہلاتے ہیں (ان ہی کے نام پر سلسلہ کا نام نقشبندی مشہور ہوا ہے) انہوں نے پھر ذکر خفی جاری فرما دیا۔ ایسا لگتا ہے انہیں روحانی طور پر حضرت عبدالخالق غجدوانی سے ہدایت ملی ہو۔

حضرت شاہ نقشبند کا وصال ۱۳۸۹ء میں ہوا۔ ان کے آبائی گاؤں قصر ہندواں (جس کا نام بعد میں قصر عارفاں ہو گیا) میں بخارا کے نواح میں ہے' دفن کیا گیا۔ ان کے خلفاء سے ان کا سلسلہ مشرق وسطیٰ' خراسان اور شمال میں موجودہ افغانستان میں پھیلنا شروع ہو گیا۔

حضرت کے دوسرے خلیفہ ایشاں ناصر الدین عبید اللہ الشاشی المعروف بہ خواجہ احرار علیہ الرحمۃ اور آپ کے خانوادے میں ایک خاص طریقہ رائج ہو گیا' جو بعد میں افغانستان کے نقشبندیوں میں مرکزی حیثیت اختیار کر گیا۔ منصب راہبری و پیشوائی میں وراثت یعنی بیٹا اپنے والد کے بعد پیر ہو گا۔ تمام معاملات میں اور خانقاہی امور میں سربراہ ہو گا اور والد کی گدی پر بیٹھے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی رحمتیں اور برکتیں بھی ورثہ میں بٹنے لگیں۔ چہ جائیکہ ان کو جنت وعبادات اور روحانی مشقتوں اور علم اور خدا کے فضل سے حاصل کیا جاتا۔ شاید یہی سبب ہے کہ اکثر پیروں کے علم و عمل میں انحطاط ہونے لگا۔ ۱۹۷۸ء میں نقشبندیہ کی جن ۷ شاخوں یا ۷ خانقاہوں کا میں نے معائنہ کیا وہ طویل عرصہ سے کسی بزرگ سے منسلک تھے' یہ وراثت کا سلسلہ صرف پیروں تک محدود نہ تھا بلکہ کچھ خاندان اور رشتہ دار بھی منسلک ہو گئے تھے۔ صحیح معنوں میں صوفیوں کے خاندان میں آپس میں رشتہ داریاں قائم ہو گئی تھیں۔ مگر میں ان تفصیلات کو پوری طرح جمع نہ کر سکا اور ترتیب نہ دے سکا۔

یہ تو واضح ہے کہ پیروں کے جن گھرانوں کا تعلق وسطی ایشیا کی خانقاہوں سے ہے اور ان میں اور جن کا تعلق مجددیہ خاندان سے ہے' ان میں جداگانہ طریقہ رائج ہے۔ باوجودیکہ (حضرت خواجہ) محمد باقی باللہ اور ان کے جانشین (حضرت شیخ) احمد فاروقی المعروف بہ مجدد الف ثانی کا تعلق بھی اسی علاقہ سے ہے جو اب افغانستان کہلاتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ نقشبندیہ کی شاخ ''مجددیہ'' نسبتاً کافی دیر سے افغانستان پہنچی۔ مجددی خاندان کے ایک خاندان نے اس صدی کے آغاز میں کابل میں قدم جما لئے۔ غالباً یہ برطانوی حکومت کے مفاد میں تھا۔ ان مجددی پیر صاحب کا نام قیوم جان آغا تھا۔ یہ حضرت شیخ احمد (مجدد الف ثانی) سرہندی علیہ الرحمۃ کی ساتویں پشت میں تھے اور کابل میں ''حضرت صاحب شور بازار'' کے نام سے مشہور تھے۔ اصل خانقاہ کے قیام کے بعد ان کے صاحبزادے شمس المشائخ فضل محمد عرف شاہ آغا (حضرت صاحب سے) جانشین کہلائے لیکن ۱۹۲۴ء میں ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے

Marfat.com

بھائی نور المشائخ شیر آغا فضل عمر نے یہ منصب سنبھالا۔ شیر آغا نادر شاہ کے دور میں بہت بااثر سیاستدان تھے اور ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۲ء تک وزیر انصاف رہے تھے۔

۱۹۳۶ء میں نور المشائخ فضل عمر کو کابل کے باہر قلعہ جواد کے علاقے میں زمین دی گئی جس پر انہوں نے ایک بڑی خانقاہ بنوائی جو مجددیہ کی اس شاخ کا صدر مقام بن گئی۔ میں ۱۹۷۸ء میں دو مرتبہ قلعہ جواد گیا۔ ان دنوں ضیاء المشائخ محمد ابراہیم شیر پاشا وہاں حضرت صاحب تھے۔ ۱۹۵۶ء میں وہ اپنے والد فضل عمر کے جانشین بنے تھے۔ ان کے صاحبزادے محمد اسماعیل بھی وہاں موجود تھے۔ یہ انقلاب ۱۹۷۸ء سے چند دن پہلے کی بات ہے۔ اس وقت ماحول خاصا کشیدہ تھا۔ علاقہ بچے ہوئے لوگوں کے اثر میں تھا۔ وعظ اور مساجد میں احتجاج جاری تھا۔

حضرت صاحب کو مجھ جیسے غیر ملکیوں کے بارے میں زیادہ معلومات دستیاب نہ تھیں۔ انہوں نے مجھ کو عام لفظوں میں وجودیہ پر شہودیہ کی فضیلت کے بارے میں سمجھایا۔ افغانستان کے مجددیوں کے بارے میں مجموعی طور پر میں ان سے کچھ زیادہ نہ سیکھ سکا۔ بعد کی اطلاعات کے مطابق اس خاندان کے سارے لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا اور غالباً ۱۹۷۹ء میں سب کو پھانسی دے دی گئی۔

محمد اسماعیل کے چچا زاد بھائی صبغۃ اللہ مجددی (جو ایک دلچسپ شخصیت تھے) سے خاندان کے لئے سفارشات میسر آ گئیں۔ صبغۃ اللہ مجددی ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک عالم اور فقیہ تھے۔ کابل میں فقہ اسلامی پڑھاتے تھے۔ ''اخوانی'' ہونے کے الزام میں وہ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۴ء تک جیل میں رہے۔ ۱۹۶۸/۷۰ء میں وہ امریکہ میں رہے۔ پھر وطن واپس آ گئے۔ یہاں اسلامی مذہبی سیاست میں سرگرم رہے۔ ۱۹۷۴/۷۸ء میں کوپن ہیگن میں اسلامی سینٹر کے سربراہ رہے۔ میں نے ۱۹۷۸ء میں وہاں ان سے ملاقات کی تو انہوں نے خود کو صوفیانہ عقائد اور اطوار سے دور کر لیا تھا۔ میں نے قلعہ جواد میں خانقاہ کے حوالے سے بتایا کہ ان کے رشتہ داران کے بارے میں گفتگو کرنے پر تیار نہیں تھے۔ انقلاب کے بعد انہوں نے قومی آزادی کی ایک تنظیم بنائی اور اس کی رہنمائی کرتے رہے، جس سے مجددی تنظیم کو نقصان پہنچا البتہ وہ نجیب کے بعد وقتی حکومت میں صدر بھی بنا دیے گئے۔

۱۹۷۰ء کی دہائی میں افغانستان میں مجددی خاندان کی دوسری شاخیں سرگرم عمل تھیں۔ حضرت صاحب شور بازار کے علاوہ ان میں سب سے زیادہ بااثر ہرات کی خانقاہ جاغرتان کے حضرت صاحب تھے۔ ۱۹۷۸ء میں قیام ہرات کے درمیان سیاسی معاملات کی وجہ سے میری ملاقات ممکن نہ ہو سکی۔ اس وقت کے حضرت صاحب عبدالباقی جان بڑے بااثر باپ حضرت فضل احمد کے صاحبزادے تھے جو نادر شاہ کے زمانے میں وزیر انصاف رہے تھے (۱۹۳۳)۔ اور صاحبزادہ عمر جان کے پوتے تھے جنھوں نے میوند کی جنگ میں غازیوں کی رہنمائی کی تھی۔ عبدالباقی جان خود پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔ بنیادی طور پر یہ لوگ سرہندی کہلاتے تھے۔ ان کی سرگرمیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مجددی خاندان کی شاخیں افغانستان کی سیاست میں کتنی گہری ملوث تھیں۔ یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ ۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۹ء میں امیر امان اللہ خاں کے خلاف بغاوت میں یہی لیڈر تھے۔

۱۹۷۰ء کے عشرہ میں ہرات میں صوفیہ کافی متحرک تھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد میں باقاعدگی سے قادری طریق پر ذکر کا اہتمام ہوتا تھا۔ موسم سرما میں صحن میں اور گرمیوں میں جنوبی تہہ خانہ میں حلقہ منعقد ہوتا تھا۔ مجھے

Marfat.com

دوبار شرکت کا موقع ملا اور ٹیپ کرنے کی اجازت بھی نقشبندیہ خانقاہوں میں حوز کارباز اور نوین کی خانقاہوں میں (جو شہر کے نواح میں ہیں) حاضر ہوا۔ خاص معاملہ آقا صاحب خانقاہ کاربازان کا تھا۔ آقا صاحب کا نام سید عبدالعلی شاہ تھا اور آقائے دیوانہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ نام ان کو اپنے والد میر شمس الدین آقا سے بطور ورثہ ملا تھا۔ یہ گھرانہ نوین کے نقشبندی خلیفہ صاحب سے تعلق رکھتا تھا لیکن آقا صاحب قادری مسلک کی پیروی کرتے تھے۔ ان کے جہری ذکر کو جون بیلی نے موسیقی کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ مجھے بھی ایسے کئی مواقع ملے جب آقا صاحب نے پڑھ کر دم کیا' میں نے بغور دیکھا۔

ہرات کی دو خاص خانقاہیں دیکھیں جو عمل میں کمزور تھیں۔ بہر حال میں نے خلیفہ صاحب حوز کارباز سے ملاقات۔ ان کا نام میر فرید الدین ولد عماد الدین تھا۔ ۱۹۷۳ء میں والد (میر عماد الدین) کا انتقال ہو گیا۔ نوعمر خلیفہ صاحب نے ایک عمر رسیدہ شخص مولوی ابوبکر کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ خاندان کے لوگوں کے علاوہ بھی یہ خانقاہ بالکل ویران ہو کر رہ گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ نوعمر خلیفہ صاحب اپنے والد کے مقام کو نبھانے کے اہل نہ تھے اور اہل خاندان اور متوسلین پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ کیفیت یہ ہے کہ یہ شیرازہ اس قدر بکھر جائے گا کہ روایتی مقامی بھائی چارہ بھی نہ رہے گا۔ آج مجھے بتایا گیا کہ ہرات کا یہ حصہ بالکل تباہ ہو گیا۔

لگتا ہے کہ نوین کی خانقاہ زیادہ سرگرم عمل ہے۔ میں ۱۹۷۷ء میں بھی گیا اور ۱۹۸۷ء میں بھی۔ ان دنوں وہاں میر محمد صدیق پیر تھے۔ یہ اپنے والد سید عبدالرحمٰن خلیفہ صاحب (۱۹۷۰ء) نوین کے سجادہ نشین تھے۔ ان کا تعلق غور کے اصل سادات سے تھا۔ خانقاہ میں پیر صاحب کی رہائش گاہ کے علاوہ خانقاہ کے احاطہ میں جامع مسجد' مدرسہ' کئی مقابر مہمان خانہ بھی تھا۔ یہاں ذکر خفی ہوتا تھا۔

ہرات سے چالیس کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع خانقاہ ''کارخ'' انصاری کے خاص مرید کی جائے پیدائش کی وجہ سے مشہور تھی۔ حضرت صاحب کارخ کا نام سید محمد مکرم تھا' جو شیخ الاسلام' صوفی اسلام کے جانشین تھے۔ شیخ الاسلام میمنہ اور بخارا کے ازبک تھے۔ انہوں نے اٹھارویں صدی کے آخر میں وہاں اپنا خاندان بسا دیا۔ وہ ۱۸۰۷ء میں قاچار کی جنگ میں شہید ہو گئے اور خانقاہ میں دفن ہوئے۔ اس خانقاہ میں رہائشی گھر مہمان خانہ کے علاوہ مسجد اور زیارتیں بھی ہیں۔ یہ سیدھے طویل درختوں کی قطاروں میں ہیں۔ وہاں متبرک مچھلیوں کا ایک تالاب بھی ہے۔ مدرسہ تعلیم القرآن کے لئے ایک فاضل غلام محمد نجیبی کو مدرسہ کا انچارج بنا دیا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد مثنوی رومی پڑھی جاتی تھی۔ ذکر جہر بھی ہوتا اور خفی بھی اور حلقہ بھی ہوتا ہے۔ پیر صاحب کے خلفاء اور نائبین بھی ہیں جو مختلف مقامات اور قبائل میں مقرر کئے جاتے ہیں' خاص طور پر شمالی افغانستان میں شیخ ثمر الدین لب نہر مزار شریف پر اور قرب و جوار کے خانہ بدوش میں مریدین و معتقدین سال میں دوبار یا جب ان کا سیزن ہوتا' پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بیعت کے رشتہ کو مضبوط کرتے تھے۔ مجموعی طور پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ خانقاہ روایتی طور پر پوری طرح کام کر رہی ہے لیکن یکسانیت اور جمود کی کیفیت آتی جا رہی ہے۔ ۱۹۷۷ء۔ ۱۹۷۸ء میں جب میں خانقاہ میں گیا تو پیر صاحب کو موجود نہ پایا اور کچھ لوگوں نے ناپسندیدہ انداز میں بتایا کہ وہ اپنے مریدین وغیرہ سے ٹیکس وصول کرنے کے لئے اکثر سفر میں رہتے ہیں۔ شاید ان کے منصب کے لئے یہ خوش آئند نہ تھا۔

جن دنوں میں وہاں تھا ہرات کے مشرق میں پہاڑوں میں ایوبا کے مقام پر ایک خانقاہ ''بند بنفش'' دیکھی۔

Marfat.com

یہ نقشبندی خانقاہ نہایت بارونق تھی۔ وہاں کے سربراہ شیخ ایوما حاجی محی الدین اخوندزادہ تھے۔ ساٹھ پینسٹھ سالہ آقا صاحب بارعب شخصیت تھے۔ ان کے دادا قندھار سے آئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ماضی میں ان کا خاندانی سلسلہ حضرت شیخ احمد سرہندی سے ملتا ہے۔ یہ مجددی کہلاتے ہیں۔ خانقاہ ''کارخ'' کی طرح اس کا بھی مکمل احاطہ ہے' جس میں پیر صاحب کی رہائش کے علاوہ مسجد' زیارتیں' مہمان خانہ وغیرہ' پائن کے درختوں کے جھنڈ میں بہت حسین منظر پیش کرتے ہیں۔ مدرسہ میں تقریباً پندرہ طالب علم ہوں گے۔ کچھ ابتدائی درجے کے کچھ بڑی جماعتوں کے دوسرے مشائخ جن سے ابتداء میں ملاقاتیں ہوئیں۔ ان کے مقابلہ میں حاجی محی الدین کی علمی قابلیت نے مجھے زیادہ متاثر کیا۔ واقعی یہ خانقاہ بڑی فعال تھی' بے شمار طالب آتے اور جاتے۔ عمر رسیدہ' سفید ڈاڑھی والے دوسرے علاقوں کے خلفاء پختون اور مہمانوں میں مستورات بھی شامل تھیں۔ یہ فوراً اندرونی حصوں میں منتقل ہو جاتیں...... خانقاہ میں ایک لائبریری بھی تھی جن میں بعض قلمی نسخے بھی تھے۔ ایک مخطوطہ جو خواجہ محمد پارسا سے منسوب ہے (سولھویں صدی میں بخارا میں نقل کیا گیا تھا) ابن عربی کی ''فصوص الحکم'' کی تشریح ہے۔ اتفاقاً شیخ نے فرمایا کہ ان کا میلان وجودیہ کی طرف ہے ذکر انفرادی ہو' خفی ہو.......... جہری ذکر حلقہ میں' کارخ' کی خانقاہ میں ہوا' یہ ایک نیا کام (بدعت) ہے جو صوفی اسلام بخارا سے لائے تھے۔ چلہ کبھی نہ رائج ہوا۔ ہاں کبھی دس دن کا تخلیہ ہوا جس کو ڈہا کہتے ہیں۔

شمالی افغانستان کی سب سے مشہور خانقاہ ''دہ دادی'' ہے جو مزار شریف کے جنوبی حصہ میں واقع ہے۔ اس زمانہ میں وہاں کے پیر سید محمد داؤد اقبال تھے جو داؤد آقا کہلاتے تھے۔ یہ سید اقبال خان کے صاحبزادے تھے اور سید احمد بلخی کے پوتے تھے۔ یہ ۷۰ سال کے تھے لیکن زندہ دل اور خوشگوار شخصیت تھے۔ خانقاہ کی خصوصی رسوم پر توجہ نہ تھی اور سادہ روش پر زندگی گزارتے تھے۔ ایک چھوٹی سی مسجد تھی جو سید داؤد فخریہ سنبھالتے تھے۔ یہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے بنائی تھی لیکن زیارات...... خاندانی بزرگوں کی قبریں...... رہائش سے کچھ فاصلہ پر مسجد جامی کے گرد بنائی تھیں۔ یہ مسجد بہت عمدگی سے سجائی گئی تھی۔ اس میں مدرسہ بھی تھا۔ مدرسہ میں پانچ یا دس طالب علم تھے جن کو ایک خاص مولوی صاحب پڑھاتے تھے جو شاید خانقاہ سے متعلق نہیں تھے۔ پہلی بار میں شیخ سے مزار شریف کی کتابوں کے بازار میں ملا تھا۔ ہم نے بہت نفیس اور دلچسپ گفتگو کی۔ پھر جب میں خانقاہ میں گیا تو بدقسمتی سے وزارت ثقافتی امور کا وفد وہاں آیا ہوا تھا۔ اس وقت قابل اعتماد اور محتاط سوال و جواب ہوئے اور مشکل نظریات پر گفتگو ہوئی۔ یہ انقلاب ۱۹۷۸ء کے چھ ہفتہ بعد کا واقعہ ہے جبکہ ٹینشن بڑھی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے شیخ ان لوگوں کی موجودگی میں پریشان تھے (اس موقع کے ہاتھ سے جانے پر) مجھے بہت ملال ہوا کیونکہ شیخ بہت دلچسپ آدمی تھے۔ وسیع نظریات تھے اور غیر ملکیوں سے گفتگو کرنے کے عادی تھے۔ چونکہ موقع ہی ایسا تھا میں کچھ معلومات حاصل نہ کر سکا۔ البتہ یہ بتایا گیا کہ ذکر جہر و خفی دونوں کیے جاتے ہیں۔ جہری تو موسیقی کے انداز میں جسے سماع کہتے ہیں بانسری پر' شاید فرقہ مولویہ (مولانا رومی) کا اثر ہوگا۔ میرے وہاں جانے سے چند سال پہلے کی بات ہے کہ اس خانقاہ میں بآواز ذکر جہر کی ریکارڈ بھی کی گئی تھی۔ اس وقت حضرت مولانا جلال الدین (رومی) کی تقریبات (عرس) منائی گئیں۔ دوسروں کے علاوہ اینی ماری شمل' کرسٹوفر بیورگل اور رواں فرہادی بھی موجود تھے۔ یہ بات کافی دلچسپ ہے کہ شیخ نے فرمایا کہ چلہ اب بھی ہوتا ہے۔ بہت عام ہے اور مجھے چلہ خانے دکھائے گئے جو مسجد جامی میں تھے۔ دوسری دلچسپ بات یہ تھی کہ (شیخ کے) گھر میں ایک لائبریری بھی تھی جس

میں قدیم رسم الخط میں قلمی مخطوطات تھے۔ بدقسمتی سے مجھے قریب سے دیکھنے اور مطالعہ کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

مزار شریف کے جنوب مشرق کے نواح میں ایک خانقاہ ''لب نہر'' واقع ہے۔ شیخ ثمر الدین ولد شیخ شہاب الدین ۵۳ سال کے ایک طویل قامت باتونی شخص تھے اور جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ وہ حضرت صاحب خانقاہ' کارخ' کے خلیفہ تھے۔ ان کی خانقاہ میں بھی مسجد' بزرگوں کے مزارات اور بوسیدہ مدرسہ صوفیا تھا۔ ذکر جہر ہوتا تھا۔ جمعرات کو عشاء کے بعد (شب جمعہ) شرکاء کی تعداد گھٹ رہی تھی۔ ۱۵ رہ گئی تھی۔ نقشبندیوں میں چلہ کیا جاتا تھا۔ وہ حلقہ (ذکر) جہر بھی کرتے تھے مگر اب یہ نہیں ہوتا۔ آخر شیخ نے فرمایا کہ دم درود کے لئے ان کی بڑی طلب ہے۔

۱۹۷۷ء اور ۱۹۷۸ء میں سیاحت سے جو نوٹس بنائے ہوئے تھے' یہ ان معلومات کا خلاصہ ہے...... جن خانقاہوں کا بیان میں نے کیا یہ عام طور پر یکساں ہیں۔ ایک ہی ڈھانچہ ہے۔ بنیادی طور پر یہ پیروں اور ان کے خاندان والوں کی رہائش کی جگہ ہے۔ اس میں مسجد بھی ہوتی ہے۔ مدرسہ بھی' بزرگوں کے مزارات اور مہمان خانہ بھی' بایں ہمہ زوال یا کمی کے نشانات نظر آ رہے ہیں البتہ خانقاہ بنفش اور ہرات میں خانقاہ حوز کارباز میں ابھی قوت ہے۔

خانہ جنگی کے آثار افق پر چھا رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے روایتی ادارے اور صوفیانہ ماحول ختم ہو جائے گا۔ مشائخ کے بعض خاندانوں نے مخالف دھڑوں میں شرکت کر لی یا ان کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ اپنے روحانی اثرات متوسلین پر ڈال رہے ہیں۔ کچھ جلاوطن ہو گئے' باہر جا کر خانقاہوں میں جمے جمائے کے مقابلہ میں تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ بہرحال پرانا تانا بانا ٹوٹ رہا ہے اور نئے ماحول میں بدل رہا ہے۔

میں اپنی اس نگارش کا انتساب ان پیروں سے کرتا ہوں جن میں بعض بڑی خوبیوں والے تھے۔ شاید وہ سب اب دنیا سے رخصت ہو چکے۔

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر غلام سرورؒ*

حضرت مجدد الف ثانی
حضرت خواجہ باقی باللہ کی نظر میں

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ ملقب بہ مجدد الف ثانی کا روحانی مقام جس قدر ارفع و اعلیٰ ہے، وہ اظہر من الشمس ہے اور کسی تشریح و تفصیل کا محتاج نہیں۔ ان کو اپنے روحانی مقام کی بنا پر نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں شہرت نصیب ہوئی بلکہ ان کے نیک نفس اور نیک دل خلفاء نے جن کے دل میں ان کی روحانیت کے نور سے منور تھے، برصغیر پاک و ہند کے باہر دوسرے ممالک میں بھی جا کر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی تبلیغ کی جو ان کے وصال کے بعد بھی جاری رہی اور آج بھی ان کے ہزاروں معتقدین سرہند شریف پہنچ کر ان کے مزار پر حاضری دیتے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

البتہ دیکھنا یہ ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی کو یہ روحانی بزرگی کون سی بزرگ ہستی کی نسبت اور ارادت سے حاصل ہوئی اور وہ روحانیت کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہو کر مجدد الف ثانی کے لاثانی لقب سے ملقب ہوئے اور انہوں نے اپنی تمام عمر دین مبین اسلام کی خدمت میں صرف کی۔

ظاہر ہے کہ وہ بزرگ ہستی حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی ہے کہ خود جن کا روحانی مقام ارفع و اعلیٰ تھا اور جس خوش نصیب نے بھی ان سے ارادت کے بعد ان کی صحبت فیض اثر سے کسب فیض کیا، وہ بھی روحانیت کے بلند درجے پر پہنچ گیا۔

لیکن شیخ احمد سرہندی کو جو روحانی فیض حضرت خواجہ باقی باللہ کی صحبت سے نصیب ہوا وہ اپنے درجے اور مقام کے لحاظ سے منفرد اور بے مثال ہے۔ یہ حضرت خواجہ باقی باللہ ہی کی صحبت بابرکت کا فیض تھا جس کے اثر سے حضرت مجدد الف ثانی اپنے زمانہ ارشاد ہدایت میں آسمان روحانیت پر خورشید بن کر چمکے اور ان کی روحانیت کے نور سے ہزاروں دلوں نے روشنی پائی اور یہی نہیں بلکہ آج بھی ان کے خورشید روحانیت کے نور سے سلسلۂ عالیہ نقشبندی سے منسلک ہونے والوں کے دل روشن ہیں اور یقین واثق ہے کہ آئندہ بھی جو کوئی روحانیت کے اس خورشید درخشاں سے کسب نور کا خواہاں ہوگا، اس کا قلب اس نور سے ضرور منور ہوگا۔

اور اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کون تھے اور کیا تھے کہ جن کے فیض عام کے چشمہ شیریں سے ہزاروں تشنہ لبوں نے سیرابی حاصل کی۔

Marfat.com

حضرت خواجہ باقی باللہ بن قاضی عبدالسلام سمرقندی ۱۵۶۳ء میں کابل میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان تو علمی تھا لیکن مقام تعجب ہے کہ وہ خود ظاہری تعلیم کی تکمیل نہ کر سکے۔ انہوں نے کچھ عرصہ ملا صادق حلوائی سے تعلیم حاصل کی اور جب کچھ عرصے کے بعد ملا صادق حلوائی کابل سے ماوراء النہر میں اپنی ظاہری تعلیم جاری نہ رکھ سکے جس کا اصلی سبب ان کا وہ باطنی جذبہ تھا' جس کی بناء پر وہ کسی ایسے مرشد کی تلاش میں نکل پڑے جو روحانی تربیت میں ان کی رہنمائی کرے اور ان کو روحانی تسکین بہم پہنچانے کا سبب بنے۔

چنانچہ کچھ عرصہ وہ ماوراء النہر میں عبادت میں مشغول رہے لیکن اطمینان کُلی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے برصغیر پاک و ہند کا سفر اختیار کیا۔ وہ لاہور پہنچے اور کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد کشمیر گئے جہاں انہوں نے بابا والی کی صحبت میں رہ کر طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم حاصل کی۔

بابا والی ۱۵۹۲ء میں واصل بحق ہوئے تو حضرت خواجہ باقی باللہ کشمیر سے دہلی چلے گئے اور وہاں شیخ عبدالعزیز کی خانقاہ میں عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثناء میں شیخ قطب عالم بن شیخ عبدالعزیز نے ایک خواب کی بناء پر انہیں فرمایا:

"مشائخ بخارا آپ کو بلا رہے ہیں وہاں جائیے۔"

چنانچہ خواجہ باقی باللہ شیخ قطب عالم بن شیخ عبدالعزیز کے اس بیان پر اسی وقت بخارا کے لئے روانہ ہو گئے اور اس طویل سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے بخارا پہنچے اور وہاں سے موضع امکنہ گئے جہاں انہوں نے حضرت مولانا خواجگی امکنگی کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم مکمل کی؛ جس کے بعد حضرت مولانا خواجگی امکنگی نے ان سے فرمایا:

"طریقہ نقشبندیہ میں تمہاری تعلیم تکمیل کو پہنچی۔ اب تمہیں ہندوستان واپس جانا چاہئے کہ وہاں اس سلسلۂ عالیہ کو رونق حاصل ہو گی اور بہت سے لوگ تمہاری تربیت اور ہدایت سے فیض یاب ہوں گے۔"

یہ فرما کر حضرت مولانا خواجگی امکنگی نے حضرت خواجہ باقی باللہ کو خرقۂ خلافت اور اجازت ارشاد فرمائی اور انہیں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

یہاں پر اس امر کا ذکر بھی مناسب ہو گا کہ حضرت مولانا خواجگی امکنگی نے اپنی قوت روحانیت سے برصغیر پاک و ہند میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی کوششوں سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پھیلنے اور ہزاروں لوگوں کے حضرت خواجہ باقی باللہ کی روحانی مجلس سے فیض یاب ہونے کی ان کو جو بشارت دی تھی اور اس سلسلے میں جو پیش گوئی کی تھی وہ کہاں تک پوری ہوئی' اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے وصال کے بعد حضرت شیخ احمد سرہندی ملقب بہ مجدد الف ثانیؒ نے جو ان کے پُرجوش خلیفہ اور جانشین تھے' اس سلسلۂ عالیہ کو جو وسعت دی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سلسلۂ عالیہ کے معتقدین آج بھی پورے جوش اور اخلاص کے ساتھ اس کے بنیادی نظریات کے پابند ہیں

Marfat.com

اور ہزاروں لوگ اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کی روحانی صحبتوں سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

اب آپ اصل موضوع کی طرف توجہ فرمائیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ ۱۵۹۷ء میں لاہور پہنچے۔ یہ ان کا لاہور کا دوسرا سفر تھا۔ اس مرتبہ وہ ایک سال تک لاہور میں مقیم رہے اور ۱۵۹۸ء میں دہلی چلے گئے۔ یہ ان کا دہلی کا دوسرا اور آخری سفر تھا اس لئے وہ پھر اپنی زندگی کے آخری ایام تک دہلی سے باہر نہیں گئے۔

اس مرتبہ وہ شہر دہلی سے باہر قلعہ فیروزی میں اقامت پذیر ہوئے۔ یہ قلعہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے تعمیر کرایا تھا جس کا دور حکومت ۱۳۵۱ء سے ۱۳۸۸ء تک تھا۔

صاحب ''زبدۃ المقامات'' نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے قلعہ فیروزی میں اقامت اختیار کرنے کے متعلق کہا ہے:

> ''انہوں نے قلعہ فیروزی میں اقامت اختیار کی' جو ایک نہایت دل کش مقام ہے جہاں سے دریائے جمنا کا نظارہ کیا جاسکتا ہے اور جس میں ایک عظیم الشان پُر برکت اور پُر صفا مسجد ہے اور وہ اس دار ملال سے دار بقا کے لئے سفر کرنے (۱۶۰۳ء) تک یہاں سے کسی دوسرے مقام پر منتقل نہیں ہوئے۔''

حضرت خواجہ باقی باللہ نے قلعہ فیروزی میں اپنی اقامت گاہ میں طالبان طریقت کے لئے ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی اور طریقہ نقشبندی میں رشد و ہدایت کے فرائض کی انجام دہی کا آغاز فرمایا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں ان کی روحانی زندگی کی شہرت اطراف میں پھیل گئی اور طالبان طریقت نے ان کی خانقاہ میں پہنچ کر اور ان کی مجلس میں حاضر ہو کر ان سے روحانی فیض حاصل کرنا شروع کیا۔

یہاں حضرت خواجہ باقی باللہ کی سوانح حیات کی تفصیل مطلوب نہیں' بلکہ ان کی روحانی بزرگی اور ان کے روحانی فیض کا ذکر مطلوب ہے اور اس سلسلے میں حسب ذیل حضرات کے بیانات ملاحظہ ہوں جو حضرت خواجہ کی دہلی میں روحانی زندگی کے عمیق اثرات سے آشنا تھے۔

۱۔ ملفوظات حضرت خواجہ کے مرتب کا بیان

درحقیقت وہ فوائد جو حضرت خواجہ باقی باللہ سے ان دو تین سالوں میں لوگوں کو پہنچے' وہ اس سے پہلے کے زمانوں میں برسوں میں بھی کسی بزرگ سے دوسروں کو نہیں پہنچے۔

۲۔ صاحب ''زبدۃ المقامات'' کا بیان ہے:

حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرتبے کی بلندی کی یہی شہادت کافی ہے کہ دو تین سال کی قلیل مدت میں کتنے لوگوں نے ان سے کسب فیض کیا اور ان کی روحانی بزرگی کی بدولت سلسلہ عالیہ نقشبندی کو کہاں تک وسعت نصیب ہوئی۔

۳۔ صاحب ''سنوات الاتقیا'' کا بیان ہے

Marfat.com

حضرت خواجہ باقی باللہ قطب وقت تھے۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا علماء اور فضلا بھی آپ کی خانقاہ میں تشریف لاتے اور اس شمع روحانیت پر پروانہ وار نثار ہوتے۔

اس سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام لیا جا سکتا ہے جن کا شمار اپنے دور کے بڑے علماء اور ماہر محدثین میں ہوتا تھا۔ وہ بھی باوجود اپنے علمی مرتبے کی بلندی کے حضرت خواجہ باقی باللہ کی روحانی بزرگی کی شہرت سن کر ان کی خانقاہ میں حاضر ہوئے اور ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر ان سے کسب فیض کیا۔ وہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی روحانی بزرگی کے متعلق اپنے عقیدے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ:

''اس نسبت کے داعی اور طالبین (طریقت) کے مرشد ہمارے شہر (دہلی) میں تھے۔ عارف کامل شیخ خدائے بزرگ کے بھید اور نور مکمل سیدنا و مولانا خواجہ محمد الباقی قدس سرہٗ الاصفی اور وہ اس طریقہ (نقشبندیہ) میں ہمارے مشائخ میں سے ہیں۔ خداوند تعالیٰ ان کو نیکی دے۔''

اور یہی وہ دور ہے جب ۱۵۹۹ء میں حضرت شیخ احمد سرہندی حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے سرہند شریف سے روانہ ہو گئے اور دہلی پہنچ کر قیام فرمایا۔

اب حضرت شیخ احمد سرہندی کے وہ حالات مختصر پیش کئے جاتے ہیں، جن کا تعلق ۱۵۹۹ء سے پہلے کے دور سے ہے۔

حضرت شیخ احمد بن شیخ عبدالاحد مئی ۱۵۶۴ء میں سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار کا سلسلۂ نسب امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ وہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید تھے لیکن انہیں خرقۂ خلافت اور اجازت ارشاد شیخ حضرت رکن الدین بن حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے حاصل ہوئی۔ انہوں نے حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ سے بھی فیض پایا۔ وہ ایک عرصے تک سرہند شریف میں تدریس کے کام میں مشغول رہے اور ۱۵۹۸ء میں سرہند شریف میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی نے پہلے قرآن حکیم حفظ کیا اور چند درسی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں۔ انہوں نے معقولات کی تعلیم سیالکوٹ میں مولانا کمال کشمیری سے حاصل کی۔ حدیث شریف کا درس مولانا یعقوب کشمیری اور تفسیر کا درس قاضی بہلول بدخشانی سے لیا۔ انہوں نے سترہ سال کی عمر میں اپنے دور کے متداول علوم کی تکمیل کی جس کے بعد وہ تدریس کے کام میں مشغول ہو گئے۔

وہ ۱۵۸۵ء میں اکبر آباد جو اکبر بادشاہ (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) کا دارالحکومت اور اس دور کے علماء اور فضلاء کا مرکز تھا۔ انہوں نے وہاں کی علمی مجالس میں شرکت کی اور چھ سال تک وہاں مقیم رہے۔ ۱۵۹۱ء میں ان کے والد بزرگوار اکبر آباد گئے اور ان کو ساتھ لے کر سرہند شریف کے لئے روانہ ہوئے۔

راستے میں ان کا گزر قصبہ تھانیسر سے ہوا اور ان کی ملاقات حاجی سلطان تھانیسری سے ہوئی۔ حاکم تھانیسر حاجی سلطان ان کی روحانی بزرگی سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ ان دونوں کو اپنے گھر لے گیا اور اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت شیخ احمد سرہندی سے کر دیا جس کے بعد حضرت شیخ عبدالاحد اپنے صاحبزادے اور بہو کو ساتھ لے کر سرہند

Marfat.com

شریف پہنچ گئے۔

سرہند شریف پہنچ کر حضرت شیخ احمد سرہندی کی توجہ علوم باطنی کے حصول کی طرف منعطف ہوئی اور انہوں نے وادی عرفان وتصوف کی منزلیں اپنے بزرگوار کی رہنمائی میں طے کیں۔

صاحب ''زبدۃ المقامات'' کا بیان ہے ''حضرت شیخ احمد'' سرہندی نے حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت اقدس میں حاضری سے پہلے باطنی علوم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیے اور ان ہی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

انہی ایام میں حضرت شیخ احمد سرہندی کے دل میں حج بیت اللہ کی سعادت کے حصول کی آرزو پیدا ہوئی لیکن وہ اپنے والد بزرگوار کی خدمت کی وجہ سے حجاز مقدس کا سفر نہ اختیار کر سکے۔

اتفاق یہ ہوا کہ ان کے والد شیخ عبدالاحد ۱۵۹۸ء میں فوت ہو گئے اور حضرت شیخ احمد سرہندی اس کے ایک سال بعد یعنی ۱۵۹۹ء میں حج بیت اللہ کی سعادت کے حصول کے ارادے سے سرہند شریف سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے اور یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ وہاں ان کی ملاقات مولانا حسن کشمیری سے ہوئی۔ وہ ان کے توسط سے قلعہ فیروزی میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سفر حج بیت اللہ کے ارادے کا ذکر کیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نے ارشاد فرمایا:

''اگر چہ آپ کا ارادہ حج بیت اللہ کے مبارک سفر کا ہے لیکن کیا حرج ہے اگر آپ چند روز فقیروں کی صحبت میں رہیں۔''

حضرت شیخ احمد سرہندی نے حضرت خواجہ باقی باللہ کا یہ ارشاد قبول کیا اور ان کی خانقاہ میں مقیم ہوئے۔

بظاہر تو یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے لیکن حقیقت میں یہ واقعہ معمولی نہ تھا' اس لئے کہ اس کے نتائج غیر معمولی نکلے اور اس کے بعد حضرت شیخ احمد سرہندی کو جو واقعات پیش آئے' ان کے زیر اثر ان کی طبیعت میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوا اور اس کے چند ہی سال بعد وہ روحانی بزرگی کے بلند ترین منصب پر فائز ہو کر ''مجدد الف ثانی'' کے لقب سے ملقب ہوئے اور ان کی روحانی بزرگی کی شہرت برصغیر پاک و ہند اور ہمسایہ ممالک میں پہنچ گئی۔

اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت شیخ احمد سرہندی حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ باقی باللہ نے اپنی روحانی قوت سے پہلی ہی نظر میں ان کی جبین مبارک پر روحانی بزرگی کے آثار دیکھ لئے۔ ان کے روشن روحانی مستقبل پر یقین کرتے ہوئے ان پر خاص توجہ فرمائی اور ان کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر کے طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم دی۔

حضرت شیخ احمد سرہندی نے حضرت خواجہ باقی باللہ کی خاص رہنمائی میں طریقہ نقشبندیہ میں روحانی سفر کا آغاز کیا اور اس سفر میں وہ جن مقامات ومنازل سے گزرے' اُن کا ذکر اختصار کے ساتھ انہوں نے خود بھی کیا ہے اور وہ ذکر مؤلف ''زبدۃ المقامات'' نے اپنی تصنیف میں درج کیا ہے۔

لیکن اس روحانی سفر کے دوران وہ جن مقامات اور منازل سے گزرے اور جو کیفیت ان پر طاری ہوئیں

Marfat.com

وہ ہم جیسے عامی اشخاص کے فہم و ادراک سے ماورا ہیں۔ اس نوع کی کیفیات کا صحیح علم تو انہیں حضرات کو ہوا جنہوں نے یہ روحانی سفر طے کیا اور یہاں پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کیفیات کا صحیح علم پہلے تو حضرت خواجہ باقی باللہ کو ہوا اور ان کے بعد حضرت شیخ احمد سرہندی کو ہوا کہ جن پر وہ کیفیات ان کے روحانی سفر کے دوران ان پر طاری ہوئیں۔

جب حضرت شیخ احمد سرہندی کا روحانی سفر حضرت خواجہ باقی باللہ کی رہنمائی میں ختم ہوا اور طریقہ نقشبندیہ میں ان کی روحانی تربیت تکمیل کو پہنچی تو حضرت خواجہ باقی باللہ نے ان کو سرہند شریف واپس جانے کی اجازت دے دی اور وہ حضرت خواجہ سے وداع ہو کر سرہند شریف چلے گئے۔

یہاں پر یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اس روحانی تربیت کی تکمیل سے حضرت شیخ احمد سرہندی کی طبیعت میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوا کہ حج بیت اللہ کے سفر کا خیال ان کے دل سے نکل گیا اور اس کے بعد وہ اپنی زندگی میں حج بیت اللہ کے ارادے کے باوجود حجاز مقدس کا سفر اختیار نہ کر سکے جیسا کہ صاحب ''حضرات القدس'' نے بیان کیا ہے۔

''انہوں نے کئی مرتبہ حج کا پکا ارادہ کیا لیکن انہیں (حج بیت اللہ) میسر نہ ہوا۔ انہیں ہمیشہ اس کا شوق رہا اور وہ اسی میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔''

حضرت شیخ احمد سرہندی حضرت خواجہ باقی باللہ کی اجازت سے سرہند شریف واپس گئے اور جب کچھ عرصے تک حضرت خواجہ باقی باللہ کو ان کے حالات کی اطلاع نہ ملی تو انہوں نے اپنے ایک مخلص کو خط لکھا جس میں انہوں نے حضرت شیخ احمد سرہندی کی روحانی بزرگی کے متعلق اس طرح اظہار خیال فرمایا۔

''سرہند میں شیخ احمد نامی ایک صاحب ہیں جن کا علم زیادہ اور عمل قوی ہے۔ چند روز یہ فقیر ان کے ساتھ رہا اور ان دنوں میں ان کے متعلق بہت سے عجائبات کا مشاہدہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا چراغ ہوگا جس سے تمام عالم (کائنات) روشن ہوگا۔''

کچھ عرصے کے بعد حضرت شیخ احمد سرہندی اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کے دیدار کے لئے دہلی گئے اور جونہی حضرت خواجہ باقی باللہ کو ان کے دہلی پہنچنے کی اطلاع ملی تو حضرت باقی باللہ نے اپنے مریدوں کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو اپنی خانقاہ میں لائے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی نے چند روز حضرت خواجہ باقی باللہ کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں اپنے مرشد بزرگوار سے اور زیادہ فیض پایا جس کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ نے ان کو خرقہ خلافت اور اجازت ارشاد مرحمت فرمائی اور سرہند شریف واپس جانے کی اجازت دی۔

اس موقع پر حضرت خواجہ باقی باللہ نے طالبان طریقت کی ایک جماعت کو حضرت شیخ احمد سرہندی کے حوالے کیا اور ان کے ساتھ سرہند شریف جانے کی اجازت دی اور فرمایا۔

''ہم نے (طریقہ نقشبندیہ کا) یہ بیج بخارا اور سمرقند سے لا کر ہندوستان کی بابرکت زمین میں بویا اور روحانی تربیت حاصل کرنے والوں کے سلسلے میں ہماری عملی سرگرمی اسی وقت تھی کہ جب تک

Marfat.com

حضرت شیخ احمد سرہندی کی روحانی تربیت تکمیل کو نہیں پہنچی تھی۔ جب ہم ان کی روحانی تربیت سے فارغ ہو گئے تو طالبان طریقت کو ان کے حوالے کر دیا۔"

یہ واقعہ ۱۶۰۱ء کا ہے۔ حضرت شیخ احمد سرہند شریف واپس آئے اور مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے تو فرمایا۔
ہم (حضرت خواجہ سے) لاکھوں خلعتیں لے کر واپس آئے ہیں۔

حضرت شیخ احمد سرہندی دو سال طالبان طریقت کے لئے رشد و ہدایت کے فرائض کی انجام دہی میں مشغول رہے اور ان کے دل میں اپنے مرشد بزرگوار کے دیدار کا جذبہ پھر موجزن ہوا اور وہ سرہند شریف سے دہلی کے لئے روانہ ہو گئے اور حضرت خواجہ باقی باللہ کی زندگی میں حضرت شیخ احمد سرہندی کا دہلی کا یہ آخری سفر تھا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کو جب حضرت شیخ احمد سرہندی کے دہلی پہنچنے کی اطلاع ملی تو وہ اپنے اصحاب اور مریدوں کے ہمراہ قلعہ فیروزی سے پیادہ روانہ ہو کر دہلی کے کابل دروازے پر پہنچے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی کا استقبال کیا اور ان کو خاص اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنی خانقاہ میں لائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت خواجہ باقی باللہ کو اپنی روحانی قوت سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان کی زندگی کے دن کم رہ گئے ہیں اس لئے انہوں نے حضرت شیخ احمد سرہندی کو فرمایا:

"جسمانی کمزوری مجھ پر غالب آ گئی ہے اور زندگی کی امید کم رہ گئی ہے۔
میرے بیٹوں کے حالات سے باخبر رہیں۔"

حضرت شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

"اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلا کر مجھ سے فرمایا کہ ان پر توجہ کریں۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر میں نے ان کے صاحبزادوں پر توجہ کی جس کے آثار ظاہر ہوئے۔"

حضرت خواجہ باقی باللہ کے ملفوظات کے مرتب کا بیان ہے:

"وفات سے کچھ عرصہ پہلے حضرت خواجہ باقی باللہ نے فرمایا کہ ایسا دیکھا گیا ہے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا کوئی بزرگ اس دنیا سے رحلت فرمائے گا اور اس سے زیادہ واضح صورت میں انہوں نے جو کچھ خواب میں دیکھا، اسے یوں بیان فرمایا:

جس مقصد کے لئے تم لائے گئے تھے وہ پورا ہو گیا۔ اب سفر (آخرت) اختیار کرنا چاہئے۔"

حضرت خواجہ باقی باللہ کو اپنی روحانی قوت سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اپنے محبوب مرید اور خلیفہ حضرت شیخ احمد سرہندی سے ان کی یہ آخری ملاقات ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنے اصحاب اور مریدوں کے سامنے حضرت شیخ احمد سرہندی کی روحانی بزرگی کے متعلق اپنے پاکیزہ خیالات کا اظہار اس طرح سے کیا:

ا...... "یہ اللہ تعالیٰ کے کامل ترین اشخاص اور اس کے محبوبین میں سے ہیں۔"

۲...... ''آج اس آسمان کے نیچے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں ان جیسا کوئی بزرگ نہیں۔''

۳...... ''صحابہ کرام اور کامل ترین تابعین اور مجتہدین کے بعد ان کے جیسے صرف چند نہایت ہی خاص اصحاب دیکھے جاتے ہیں۔''

۴...... ''ہم نے ان تین چار برسوں میں پیری اور مرشدی کے فرائض انجام نہیں دیئے بلکہ یہ تو ایک کھیل تھا جو ہم چند روز کھیلتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور یہ اس کا احسان ہے کہ ہمارا یہ کھیل اور پیری اور مرشدی کی یہ تجارت ضائع نہیں ہوئی کہ اس کے نتیجے میں ان جیسا کامل مرشد ظاہر ہوا۔''

۵...... ''یہ ایک آفتاب ہیں جن کے اندر ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔''

۶...... ''کامل ترین قدیم اولیاء اللہ میں سے خال خال ہی ان جیسے گزرے ہوں گے۔''

صاحب ''زبدۃ المقامات'' کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ ہمیشہ اپنے اصحاب کو فرماتے تھے کہ:

''حضرت شیخ احمد سرہندی کی موجودگی میں ہماری تعظیم نہ کرو' بلکہ ہماری طرف توجہ بھی نہ کرو۔''

(آخری موقع پر) حضرت خواجہ باقی باللہ نے اپنے تمام اصحاب کو حضرت شیخ احمد سرہندی کے حوالے کیا اور پیری اور مرشدی کا سارا معاملہ ان کے سپرد کیا۔

صاحب ''حضرات القدس'' کا اسی سلسلے میں ایک اور بیان ہے:

''حضرت خواجہ باقی باللہ فرماتے تھے کہ یہ پیری اور مرشدی جس کے فرائض ہم نے انجام دیے ہیں' اس کا اصل مقصد شیخ احمد سرہندی کا ظہور تھا اور اس سلسلے کے بعد اسی بنا پر حضرت خواجہ باقی باللہ نے پیری اور مرشدی کا سلسلہ ختم کر دیا۔''

مذکورہ متعدد بیانات سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی کی روحانی بزرگی کا احترام خواجہ باقی باللہ کی نظر میں کس درجہ بلند تھا اور ان کی روحانی بزرگی کے وہ کس حد تک معترف تھے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی حضرت خواجہ باقی باللہ سے اس آخری ملاقات کے بعد ان کی اجازت سے سرہند شریف واپس گئے اور کچھ عرصے کے بعد اپنے مرشد بزرگوار کے حکم سے لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں پر انہوں نے طالبان طریقت کے لئے یہ سلسلۂ ارشاد وہدایت کا آغاز کیا اور بہت سے لوگوں نے ان کی صحبت بابرکت سے روحانی فیض پایا۔

حضرت شیخ احمد سرہندی ابھی لاہور ہی میں اپنے روحانی فرائض کی انجام دہی میں مشغول تھے کہ نومبر ۱۶۰۳ء میں ان کو اپنے مرشد بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ کے وصال کی اندوہناک خبر ملی۔ وہ اس حادثہ جانکاہ کی خبر سن کر لاہور سے سیدھے دہلی روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر اپنے مرشد بزرگوار کے مزار کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت شیخ احمد سرہندی چند روز اپنے مرشد بزرگوار کی خانقاہ میں مقیم رہے اور پھر سرہند شریف واپس آ کر طالبان طریقت کی روحانی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ ان کی روحانی بزرگی کی شہرت دور دراز علاقوں میں پھیل گئی اور ہزاروں طالبان طریقت سرہند شریف پہنچ کر ان کی صحبت بابرکت سے فیض پانے لگے۔

Marfat.com

اس مقالے کا اصل موضوع تو یہاں اختتام کو پہنچا لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی ''مجدد الف ثانی'' کے لقب سے کب ملقب ہوئے۔

حضرت شیخ احمد کے روحانی فیض کا سلسلہ جاری تھا کہ ۱۶۱۳ء میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جو اپنے زمانے کے نامور عالم تھے، سرہند شریف پہنچے اور حضرت شیخ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ وہ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے حضرت شیخ کو ''مجدد الف ثانی'' کے لقب سے ملقب فرمایا اور مسئلہ تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ ''دلائل التجدید'' کے نام سے تصنیف کیا۔

اس کے بعد حضرت شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اب ہم اس مقالے کو صرف اس بیان پر ختم کرتے ہیں کہ

حضرت مجدد الف ثانی نومبر ۱۶۲۴ء میں بیمار ہوئے اور جب بیماری نے زور پکڑا تو ایک دن آپ نے فرمایا:

آج ملاوا کنت سون سکھی سب جگ دیواں ہار

آج دوست کا روز وصال ہے۔ اے محبوب! میں تمام دنیا کو (اس نعمت کی خوشی پر) قربان کرتا ہوں۔

حضرت کا وصال ۳۰ نومبر ۱۶۲۴ء کو سرہند شریف میں ہوا اور آپ اسی بابرکت زمین میں مدفون ہوئے۔

☆......☆......☆

مفتی مہدی حسن شاہجہانپوری

حضرت مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی نظر میں

(شیعوں کے رد میں امام ربانی کا ایک رسالہ ''ردِّ روافض'' (جو مکتوبات کی آخری جلد کے ساتھ چھپا ہوا ہے) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس رسالہ کی شرح لکھی ہے جس کا کچھ حصہ قلمی جناب مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہان پوری (حال صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) کے پاس راقم سطور نے دیکھا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس شرح کے شروع میں بڑے عقیدت مندانہ انداز میں امام ربانی کا کچھ تعارف بھی کرایا ہے اور اس سلسلہ میں آپ کی تجدیدی خدمات اور مسلمانان ہند پر آپ کے احسانات کا بھی کچھ ذکر فرمایا ہے۔ ''الفرقان'' کے مجدد الف ثانی نمبر (۱۳۵۷ھ) میں جو مقالہ مفتی صاحب ممدوح کا شائع ہوا تھا' اس میں شاہ صاحبؒ کی شرح رسالہ کے کچھ اقتباسات بھی درج کیے گئے تھے جو اس مقالہ کا اہم حصہ تھا۔ ذیل میں اس مقالہ کا وہ حصہ بلفظہٖ نقل کیا جاتا ہے۔ اس میں چند سطریں شاہ صاحبؒ کی شرح رسالہ سے زائد بھی ہیں لیکن وہ متمیز ہیں۔ بہرحال ہم اس مقالہ کے اس حصہ کو بلفظہٖ درج کرتے ہیں جس میں شرح رسالہ کے کے اقتباسات ہیں۔)

حضرت شاہ ولی اللہؒ شرح رسالہ میں فرماتے ہیں:

وتولی السلطنته بعده ولده اکبر فتز ندق وارتفعت رایة الجھل والضلال و ثاب من کل اوب اھل الملل المختلفة و المذاھب الباطلة و عظمت الفتنة وتولی بعده ولده جھانگیر و کان ماجنامد منا للخمر فرفعت الھنود رؤسھا و بضت الروافض رؤ سھاو لمضت الروافض رؤسھا وضیعت الدیانات

ہمایوں کے بعد جب اکبر تخت سلطنت پر بیٹھا تو زندیقیت اختیار کی اور جہالت وگمراہی کے پھریرے اُڑنے

Marfat.com

لگے۔ ہر طرف سے مختلف ملتوں اور باطل مذہبوں کے لوگ دوڑ پڑے اور عظیم فتنے پیدا ہو گئے۔ درباری آداب سجدہ تھا۔ درباریوں کی زبان پر ''جل جلالہ اکبر شانہ'' کے نغمے تھے۔ ہندوگردی' روافض کا زور' مسجدیں ویران' الٰہی مذہب' کا رواج تھا اور ہندو مذہب کی رعایت اتنی کہ ابوالفضل جو بادشاہ کا وزیر ہے' ایک کتاب بادشاہ کے پاس لے کر آتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کے عمل کے لئے فرشتہ ابھی آسمان سے لے کر اترا ہے جس میں ایک ٹکڑا یہ بھی تھا:

یاایھا البشر لا تذبح البقر وان تذبح البقر فما واک البقرا

''دبستان مذاہب'' میں الٰہی مذہب کی پوری تفصیل موجود ہے۔ شیخ عبدالنبی گنگوہیؒ نے علی الاعلان اکبر کا خلاف کیا جس کے صلہ میں اکبر نے ان کو قتل کر دیا۔ وہ اکبر کو اکفر بھی فرماتے تھے۔

منھم الشیخ عبدالنبی الذی جاھر اکبر بالا نکار فقتلہ و ھو مصنف سنن الھدی (شرح رسالہ)

جہانگیر شرابی تھا۔ دیانتیں ضائع کر دی گئیں۔ ہندوؤں اور رافضیوں نے سر اُٹھایا اور ہیبت ناک فتنے پیدا ہو گئے۔

ایسے زمانہ میں احکام اسلامیہ کی کیا قدر و منزلت اور ان پر کس طرح عمل ہوتا ہوگا۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے۔ انفرادی اور شخصی طاقتیں بادشاہی اور قہرمانی قوتوں کے سامنے عاجز تھیں۔ ہندوستان کو اس وقت خدائی نصرت و امداد کی سخت ضرورت تھی۔ بجز غیبی امداد کے اور کوئی شے اس وقت نافع نہ تھی۔ دنیا کو ایک ایسے مجدد دین کی ضرورت تھی جو سلطنت و حکومت کے الحاد و زندقہ کو شکست فاش دے کر قانون ربانی اور احکام شرعیہ کی حکومت قائم کر دے اور دنیا کی کایا پلٹ دے۔ جس کے دل میں اسلامی درد تھا۔ اس کی تڑپ تھی۔ وہ ایسے ہی باخدا اور جرأت و ہمت والے کا منتظر اور اس کے لئے چشم براہ تھا۔ آخر غیرت خداوندی نے بتاریخ ۱۴ شوال المکرم ۹۷۱ھ جمعہ کے دن اس شخص کو شہر سرہند میں پیدا کر دیا جس سے آگے چل کر تجدید اسلام کا کام لینا تھا' جن کا نام نامی امام ربانی مجدد الف ثانی بدر الدین ابوالبرکات شیخ احمد بن عبدالاحد عمری فاروقی سرہندی ہے۔

قدرت کے کرشموں کے علل و حکم کی تہ تک کسی کو رسائی نہیں ہو سکتی اور اس کے رموز کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ اتفاق وقت کیسا عجیب ہے کہ جس طرح اکبری و جہانگیری دور میں مصائب و فتن مظلمہ کا جوش و خروش تھا' الحاد و زندقہ کی گرم بازاری تھی۔ مشرکین اور روافض کے رسوم و بدعات کا دور دورہ تھا جس کا عشر عشیر بھی زمانہ سابقہ میں نہ تھا۔ اسی طرح دونوں عہدوں میں اولیائے کرام اور علمائے ربانی کا اجتماع بھی ایسا تھا کہ اس سے قبل اس کی نظیر نہیں ملتی۔ شاہ صاحب نے شرح رسالہ میں اس کی تفصیل کی ہے۔ خاص دہلی میں اس وقت سید عبدالوہاب بخاری' شاہ محمد خیالی صاحب ''الریاضات العجیبہ''، شیخ عبدالعزیز چشتی' خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی' شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہم موجود تھے۔ ہر ایک ان میں کا صاحب کرامت اور صاحب تصانیف تھا اور اپنے اپنے فن کا امام۔

گنگوہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی اولاد موجود تھی رحم اللہ تعالیٰ کہ ہر ایک ان میں کا یکتائے روزگار تھا۔ انہیں میں سے شیخ عبدالنبی گنگوہی تھے جن کو اکبر نے قتل کیا تھا۔ مولانا سید رفیع الدین اکبر آباد میں تھے جو اپنے زمانہ میں صالحین اور اہل علم کے ماوا اور ملجاء تھے۔ یہ وہی شیخ الحدیث ہیں کہ حافظ سخاوی نے ان سے حدیث کی پچاس کتابوں کی سند اجازت حاصل کی۔

Marfat.com

اسی طرح امیر ابوالعلی علوی رحمہ اللہ بھی اکبر آباد میں موجود تھے جو طریقہ علویہ نقشبندیہ کے زبردست شیخ تھے۔ گوالیار میں شاہ محمد غوث گوالیاری، نارنول میں شیخ نظام نارنولی اور سرہند میں مجدد الف ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ تھے۔ یہ حال تو دہلی اور اس کے اطراف کا ہے کہ یہ حضرات اکابر جمع تھے۔ ان کے علاوہ اطراف گجرات اور دکن میں اور علماء و اولیاء بڑے بڑے پائے کے حضرات موجود تھے۔ شرح رسالہ میں شاہ صاحبؒ کے الفاظ یہ ہیں۔

ومن عجیب صنع اللہ انہ کما ترا کم فی عھد ھذین من الفتن الدھماء مالم یرولا معشار لا فی عھد القدماء و کذلک لم یرمثل عھد ھما فی اجتماع الاولیاء اصحاب الایات الظاھرۃ و الکرامات الباھرۃ و العلماء اصحاب التصانیف المقیدۃ و التوالیف المجیدۃ کالسید عبدالوھاب البخاری

یہ وہ حضرات جن کے ناموں سے برکت حاصل کی جاتی ہے اور جن کے ذکر سے رحمت خداوندی کے نزول کی امید کی جاتی ہے۔

ھولاء و غیر ھم ممن یتبرک باسمہ ویر جی نزول الرحمۃ بذکرہ و ھولاء من نواحی دھلی خامۃ فضلا عمن کان فی گجرات و دکھن و غیر ھما (شرح رسالہ)

مجدد صاحب کا نسب ستائیس واسطوں سے خلیفۂ ثانی حضرت فاروق اعظم بن الخطابؓ سے جا ملتا ہے۔ چونکہ نسباً آپ فاروقی ہیں اس لئے آپ کی تجدید اور آپ کے ارشاد و تلقین کا دور دورہ اسی جاہ و جلال کے ساتھ تھا جو خلیفۂ ثانی فاروق اعظمؓ کی شان تھی۔ مجدد صاحب کا خاندان آبائی علم و فضل اور ارشاد و تلقین کے منصب پر فائز تھا۔

''جواہر مجددیہ'' مولفہ احمد حسین خان امروہی ثم حیدر آبادی میں اس کی پوری تفصیل ہے۔ اس کو یہاں نقل کرنا طول عمل ہے۔ اسی رسالہ میں ہے کہ اکبر بادشاہ نے ایک خواب دیکھا تھا۔ جس کی تعبیر مخبروں نے یہ دی تھی کہ ایک صالح بزرگ کے ظہور سے آپ کے آئین سلطنت میں تزلزل پیدا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سترہ سال کی عمر میں آپ تمام علوم وفنون اور حفظ قرآن وغیرہ سے فارغ ہو کر مسند درس و تدریس پر متمکن ہو گئے۔ نقشبندیہ خاندان میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خلیفہ قرار پائے۔ تمام خاندانوں سے آپ کو اجازت بیعت حاصل ہے بڑے بڑے اولیاء و اکابر علماء آپ کے حلقہ بگوش تھے۔ تمام عمر اتباع کتاب وسنت اور اس کی تبلیغ اور اجتناب بدعت اور اس کے مٹانے میں گزاری جس پر مکتوبات کے تین دفتر شاہد عادل ہیں اور حضرت شاہ صاحب کا قول کافی جو شرح رسالہ میں ہے اسی رسالہ ہی کے بارہ میں فرماتے ہیں:

الرسالۃ التی انشاھا اوحدزمانہ و فرید آوانہ الجھبذ الراسخ فی الشریعۃ والطریقۃ والطود الشامخ فی المعرفۃ والحقیقۃ ناصر السنۃ قامع البدعۃ سراج اللہ الموضوع یستضی بہ من شاء من عبادہ المومنیں و سیف اللہ المسلول علی اعدائہ من الکفرۃ و المبتدعین الامام العارف

العالم الالمعی مولانا الشیخ احمد فاروقی الماتر یدی الحنفی النقشبندی السرهندی جزاه الله سبحانه عن المسلمین خیر الجزاء واحله بجبوحة الخلد وبواه حظیرهة الرضا (شرح رسالہ)

اوحد زماں، فرید آواں، جہبذ، شریعت وطریقت میں راسخ' معرفت وحقیقت کے کوہ بلند' ناصر سنت' قامع بدعت' اللہ کا روشن چراغ جو عالم میں اس لئے رکھا گیا ہے کہ مومن بندوں میں سے جو چاہے اس سے روشنی حاصل کرے۔ اللہ کے دشمنوں پر سیف مسلول' امام عارف' عالم المعی' مولانا شیخ احمد فاروقی ماتریدی حنفی' نقشبندی سرہندی نے یہ رسالہ تصنیف کیا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ ان کو جزاء خیر عطاء فرمائے اور وسط جنت خلد اور حظیرہ رضا مندی میں ان کو جگہ دے۔

ایسے شخص کو قدرت نے مذکورہ بادشاہوں کی سلطنت میں مجدد مقرر کیا تاکہ حکومت کی کایا پلٹ دے۔ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ حضرت شیخ کو جہانگیر بادشاہ نے گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا تھا اور پھر آخر خود ہی پشیمان ہو کر رہائی کا حکم کیا۔ تیسرے دفتر کے بعض مکتوبات میں اس قید کی طرف مجمل اشارات ہیں۔ قید خانہ میں رہ کر ارشاد وتلقین کا سلسلہ جاری رہا اور تمام قیدیوں کو با خدا بنا کر نکلے۔ جہانگیر کے دربار سے سجدہ تعظیمی کو موقوف کرایا۔ خلاف شریعت قوانین منسوخ کرائے۔ ذبیحہ گاؤ کو علی الاعلان جاری کرایا۔ کفار پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ ویران اور منہدم مسجدیں آباد کرائیں اور قوانین شریعت کا نفاذ کرایا۔ بالآخر جہانگیر نے توبہ کی اور مرید ہوا۔ شاہ صاحبؒ شرح رسالہ میں فرماتے ہیں۔

لله درالشیخ له مع ما اولاء الله فی نفسه من الصفات الحمیدة من الشهامة و النجابة و کثرة العلم و توقدا لذهن و استقامة العمل و الغیرة فی الله و رسوله والکرامات الجلیلة و المقامات الجزیلة ایادی فی رقاب اهل الهند و من لم یشکر الناس لم یشکر الله

شہامت' نجابت' کثرت علم' توقد ذہن' استقامت عمل' اللہ ورسول کے بارے میں دینی غیرت' کرامات جلیلہ اور مقامات کثیرہ وغیرہ صفات محمودہ کے علاوہ جو اس شیخ کے نفس قدسی صفت میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہیں۔ اس کے بہت سے احسان اہل ہند کی گردنوں پر ہیں جن کا شکریہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ جو شخص کہ لوگوں کا شکر ادا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہ ہوگا۔ پھر شاہ صاحب نے احسانات شمار کرائے ہیں۔

(۱) مجدد صاحبؒ ہی نے اطراف ہند میں نقشبندی طریقہ کو پھیلایا اور خود آپ کے اور آپ کے اصحاب کے ذریعہ ایک خلق خدا مہذب ہو گئی۔

(۲) صوفیوں اور فقہا کے درمیان جو اختلاف تھا اس میں ایک مستقل فیصلہ کیا' جس سے اختلاف مٹ گیا اور یہ اس لئے کہ خود شیخ فقیہہ حنفی ماتریدی ہیں۔ اس کے ساتھ طریقۂ نقشبندیہ کے لب لباب اور خلاصہ کو بھی ملا لیا اور ان کی رسوم وعادات کو ترک کر دیا اور فریقین کے مقصود کا جامع باب کھول دیا اور توحید شہودی اور وجودی کے ایسے معنی بیان کئے جن پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا اور نہ اس میں کسی قسم کا اجمال باقی رہتا ہے اور لوگوں پر ظاہر کر دیا کہ سالکوں کو جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام اجزائے عالم میں واحد سرایت کئے ہوئے ہے۔ یہ

Marfat.com

حقیقت سلوک کا شیخ اور سلوک کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ ہے۔ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مغلق اور مشکل باتوں کو حل کر دیا۔

(۳) امراء کو عقائد باطلہ سے منع کرتے تھے۔ان کو لکھا کرتے تھے کہ اپنی مجالس میں کسی رافضی یا ذمی کو نہ آنے دیں۔عبادات وصدقات کی ان کو ترغیب دیتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے مجدد صاحب کے ذریعہ ان امراء و حکام کو نفع پہنچایا اور ان حکام کے ذریعہ عام لوگوں کی اصلاح ہوگئی۔قاعدہ ہے لوگ اپنے بادشاہوں کے طریق پر ہوتے ہیں۔

(۴) جب روافض کی بدعت ظاہر ہوئی۔شیخ نے ان سے مناظرے کرنے شروع کر دیے اور ہمیشہ ان کو ساکت و صامت کر دیتے تھے۔تا ایں کہ ان کا فساد مٹ گیا۔

(۵) مسلمانوں میں سے وہ ضعیف الاعتقاد جن کی طبیعتیں کتب فلاسفہ کے مطالعہ یا ہندوؤں کی صحبت سے فاسد ہو چکی تھیں' نئے نئے قول انہوں نے ایجاد کیے اور کہنے لگے کہ ہم کو نبی کی حاجت نہیں' بندوں کو حرام و حلال کا مکلف کرنے میں کوئی فائدہ نہیں' اعتماد کے قابل ملکات نہیں' اعمال نہیں' وغیرہ ذلک۔شیخ نے اس کے متعلق رسالہ لکھا اور ان کا رد کیا اور مختلف مجلسوں میں ان لوگوں سے مناظرے' مباحثے کیے حتیٰ کہ ان کے اس الحاد کے فتنے کو مٹا دیا۔

ان امور کی وجہ سے پھر تو شیخ کی یہ حالت ہوگئی کہ بجز مومن متقی کے اور کوئی ان سے محبت نہیں کرتا اور بجز فاجر شقی کے اور کوئی ان سے بغض و عداوت نہیں رکھتا تھا۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب کا خراج عقیدت

(نواب صاحب مرحوم باوجود یہ کہ مسلکاً ''اہل حدیث'' ہیں اور اپنے مسلک میں بڑے راسخ اور اس کے پُر جوش داعی اور حضرات امام ربانیؒ ایک راسخ حنفی ہیں اور فقہ حنفی پر بڑا گہرا اعتماد و یقین رکھنے والے ایک صوفی لیکن نواب صاحب مرحوم نے حضرت امام ربانی کے بارہ میں عقیدت کے جن جذبات کا اظہار کیا ہے' ان کا حق ہے کہ ان کو بھی اس ''تذکرہ'' کا جز بنا دیا جائے۔اپنی کتاب ''تقصار جنود الاحرار'' میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے متعلق نواب صاحب لکھتے ہیں۔)

''عالم عارف کامل مکمل بودٗ طریقہ نقشبندیہ را امام عہد ست۔ وبرائے صوفیہ در مسالک سلوک مجدد مکتوباتش درسہ مجلدست دلیل واضح اند بر علو علم و کمال تبحر اور ادر معرفت وبلوغ غایت مقامات ترجمہ شریفہ اور اسالہا ساختہ اند ایں موضع مختصر ذکر اں ہمہ کمالات رانمی تواند گنجید حریص بود۔ بر اتباع سنت و ترک بدعت وجود امثال شاہ ولی اللہ و میرزا مظہر جان جاناں در اصحاب طریقہ او کفایت است از برائے دریافت قدر و منزلت وے رضی اللہ عنہ و بالجملہ امام اہلسنت بود در عہد خود۔ و طریقہ علیہ وے رحمہ اللہ مبنی بر اتباع کتاب وسنت در ظاہر و باطن و نہ پذیرفتن

Marfat.com

چیزے کہ مخالف ایں ہر دو اصل محکم باشد دایں مکتوبات اصول عظیمہ است از برائے وصول بمنازل معرفت وقبول طالب صادق وسالک راغب رادر ہیچ وقت از اوقات از مطالعہ آں بے نیازی حاصل نیست ۔'' (ص ۲۱۱۔۲۱۲)

ایک اور جگہ دوسری کتاب میں شیخ کے حالات میں نواب صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

''علوم مرتبہ کشفہائے مجدد الف ثانی دریافت باید کرد کہ از سر چشمۂ صحو سرزدہ وگاہے مخالف شرح نیفتادہ بلکہ بیشتر را شرع موید است وبعضے چناں است کہ شرع ازاں ساکت است ومرتبہ اور در اولیاء مثل مرتبۂ الوالعزم است در انبیاء۔'' (ریاض المرتاض ۱۲۱۔۱۲۲)

یعنی عالم عارف کامل، مکمل تھے۔ اپنے زمانہ میں طریقہ نقشبندیہ کے امام تھے۔ صوفیوں کے لئے سلوک کے راستوں میں مجدد، معرفت خداوندی اور مقامات کی انتہا پر پہنچنے میں جو ان کو علو علم اور کمال تبحر حاصل تھا، اس پر یہ مکتوبات شاہد اور دلیل روشن ہیں۔ اتباعِ سنت اور ترکِ بدعت پر حریص تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہما جیسے حضرات کا ان کے سلسلۂ طریق میں داخل ہونا ان کی قدر و منزلت معلوم کرنے کے لئے کافی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اپنے زمانہ میں اہل سنت والجماعت کے امام تھے۔ ظاہر و باطن میں ان کا طریقۂ عالیہ کتاب و سنت پر مبنی ہے اور جو چیز ان دونوں محکم اصول کے مخالف ہو وہ ان کے طریقہ میں مقبول نہیں۔ معرفت و قبول کی منزلوں پر پہنچنے کے لئے یہ مکتوبات اصول عظیمہ ہیں۔ طالب صادق اور سالک راغب کو کسی وقت مکتوبات کے مطالعہ سے بے نیازی حاصل نہیں۔

مجدد الف ثانی کشف کے مرتبۂ بلند کو اس سے معلوم کرنا چاہئے کہ سب کشف چشمۂ ہوش سے سرزد ہوئے اور کبھی کوئی کشف شریعت کے مخالف نہ ہوا بلکہ اکثر کی تو شریعت موئد ہے اور بعض ایسے کشف ہیں کہ شریعت ان سے ساکت ہے۔ اولیائے کرام میں ان کا مرتبہ ایسا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں الوالعزم نبیوں کا مرتبہ۔

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

دوقومی نظریہ اور حضرت مجدد کے کارنامے

لفظ ''قوم'' کے مخصوص معنی تو بعد میں مقرر ہوئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دوقومی نظریہ ازل سے قائم ہے۔قرآن پاک میں صرف دو جماعتیں بتائی گئی ہیں۔سورۃ التغابن (آیت۲) میں ارشاد ہے۔

هوالذی خلقکم فمنکم کافرومنکم مومن و الله بما تعملون بصیر

وہ اللہ ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا۔پھر تم میں کوئی کافر ہے اور کوئی مومن ہے اور اللہ خوب دیکھتا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہیں۔

یعنی عمل ہی سے کافر اور مومن کی تفریق ہوتی ہے۔پھر سورۃ المجادلہ (آیت۲۲) میں ارشاد ہے:

لا تجد قوماً یؤمنون باللہ والیوم الاٰ خریو آدون من حاد اللہ ورسولہ ' ولو کانوا اباۂھم او ابناء ھم او اخو انھم او عشیرتھم اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان و ایدھم بروح منه ویدخلھم جنّٰت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا رضی اللہ عنھم و رضواعنه اولٰئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون.

جو قوم اللہ اور آخر کے دن پر ایمان رکھتی ہے تم اس کو ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ محبت کرے ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی یا ان کے رشتہ دار ہوں۔یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کردیا اور اپنی روح سے ان کی تائید فرمائی ہے۔وہ ان کو باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے'اللہ ان سے اور وہ اس سے راضی۔یہ حزب اللہ (اللہ کی جماعت) ہے۔یادرکھ' اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے۔

اس حزب اللہ کے خلاف حزب الشیطان ہی ایک جماعت ہے جس کا ذکر سورۃ المجادلہ (آیت۱۹) میں اس طرح آتا ہے۔

استحوذ علیھم الشیطٰن فانسٰھم ذکر اللہ اولٰئک حزب الشیطٰن الا ان حزب الشیطٰن ھم الخٰسرون.

ترجمہ: شیطان نے ان پر قابو پالیا ہے۔پس اس نے ان کو اللہ کی یاد سے غافل کردیا ہے۔یہ حزب الشیطان (شیطان کی جماعت) ہے۔یادرکھو شیطان کی جماعت ہی گھاٹے میں آنے والی ہے۔

گویا قرآن میں حق و باطل کی جماعتوں کا نام حزب آیا ہے۔ورنہ قوم کا لفظ یوسف علیہ اسلام کے گیارہ

Marfat.com

بھائیوں کے لئے بھی استعمال ہوا۔ سورۃ یوسف (۹) میں ہے:

اقتلوا یوسف او اطر حوہ ارضاً یخل لکم وجہ ابیکم وتکونوا من بعدہ قوماً صٰلحین
یوسف (علیہ السلام) کو قتل کر دو یا کہیں زمین میں پھینک آؤ (آبادیوں سے دور) تا کہ تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہی رہے اور اس کے بعد تم صالح قوم ہو جانا۔

یعنی گیارہ آدمیوں کی چھوٹی جماعت بھی قوم کہلائی گئی اور بہت بڑی جماعت کو بھی قوم کہا گیا ہے۔ اس قوم میں امت بھی تھی جیسا کہ سورۃ الاعراف (آیت ۱۵۹) میں فرمایا گیا:

ومن قوم موسیٰ امۃ یھدون بالحق و بہ یعدلون
اور موسیٰ کی قوم میں امت (گورہ) ہے جو حق کی راہ بتاتی ہے اور اس سے انصاف کرتی ہے۔

پھر مسلمانوں میں سے بھی ایک جماعت کو قوم کہا گیا ہے جیسا کہ سورۃ النساء (آیت ۹۲) میں ہے:

فان کان من قوم عدو لکم و ھو مومن
پھر وہ اگر اس قوم میں سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ مسلمان ہے۔

یعنی قوم وہ جماعت بھی ہو سکتی ہے جو مسلمان تو ہو لیکن تمہاری دشمن ہو۔ اس تمہید کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن پاک میں چھوٹی بڑی جماعت کو بھی قوم کہا گیا ہے۔ خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا نہ ہو۔ پھر یہ لفظ امتداد زمانہ سے ہم خیال لوگوں کی جماعت کے لئے بھی استعمال ہونے لگا اور علاقائی یا جغرافیائی تعلق والوں کے لئے بھی رائج ہو گیا۔ لیکن برصغیر میں حق و باطل کے جو معرکے ہوئے ہیں، ان کی وجہ سے حزب اللہ اور حزب الشیطان کی دو جماعتوں کو دو قوموں کا نام دیا گیا اور اس طرح دو قومی نظریہ وجود میں آیا۔ برصغیر پاک و ہند میں سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں سیستان فتح ہو گیا تھا۔ لیکن یہاں کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ (صحابی) نبرد آزما ہوئے اور ان تمام علاقوں کو مسخر کر لیا جو آج کل مکران اور سیستان میں شامل ہیں۔ ۸۶ھ میں دمشق کے تخت پر ولید اموی متمکن ہوا اور اس کی طرف سے مذکورہ بالا علاقوں میں نگرانی کرنے کے لئے حجاج کو مقرر کیا گیا۔ اسی زمانے میں لنکا میں کچھ عرب تاجر فوت ہوئے تو وہاں کے راجہ نے ان عربوں کی عورتوں اور بچوں کو ایک جہاز میں سوار کر کے عراق روانہ کیا۔ راستے میں دیبل کے قریب کچھ ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کیا تو حجاج نے راجہ داہر (حاکم سندھ) کو لکھا کہ ان سب کو میرے پاس بحفاظت بھیج دو۔ راجہ نے معذرت کی کہ ان ڈاکوؤں پر میرا بس نہیں ہے لیکن اسی زمانے میں اس نے مکران کے کچھ باغی عربوں کو پناہ دی تھی۔ اس لئے ان کی سرکوبی کے لئے حجاج نے اپنے نوعمر بھتیجے محمد بن قاسم کو روانہ کیا۔ انہوں نے ۹۳ھ میں سندھ پر حملہ کیا اور تین سال کے عرصے میں ملتان سے کچھ اور وہاں سے مالوہ کی سرحد پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ۹۶ھ میں جب ولید کی جگہ سلیمان تخت نشین ہوا تو اس نے محض ذاتی عناد کی وجہ سے محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا اور آخر قتل کرا دیا۔

Marfat.com

بہر حال فتح سندھ دراصل فتح اسلام ہے کیونکہ اسی زمانے سے اسلام باقاعدہ برصغیر میں داخل ہوا لیکن اس کے بعد پھر تقریباً تین سو سال تک باہر سے کوئی ایسی تحریک نہیں اٹھی جو اسلام کی شمع کو روشن کرتی۔

تیسری صدی ہجری کے آخر میں جب خلافت عباسیہ میں زوال آیا تو (ایشیائی) ترکستان میں سامانی خاندان کی ترک سلطنت قائم ہوئی' جس کے ایک غلام الپ تگین نے چوتھی صدی ہجری میں غزنین میں اپنی حکومت قائم کی۔ پھر جب ۳۶۶ھ میں سبک تگین نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو اس وقت کابل اور پشاور کا علاقہ پنجاب کے راجہ جے پال کے قبضے میں تھا۔ اس نے ارمغان اور غزنین کے درمیان ۳۶۹ھ میں سبک تگین پر حملہ کیا لیکن ہار گیا تو پھر اس نے شمالی ہندوستان کے تمام ہندو راجاؤں کو متحد کر کے پشاور میں سبک تگین سے مقابلہ کیا لیکن تمام ہندو راجاؤں کو بری طرح شکست ہوئی۔ پھر پہلی بار ایک مسلمان امیر ۳۷۰ھ میں پشاور میں متعین ہوا۔ اس کے بعد محمود کا زمانہ آتا ہے جس نے غزنین سے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے ہندوستان پر متعدد حملے کئے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس نے کبھی ظلم و تشدد کو روا نہیں رکھا۔ بلکہ سومنات میں بھی بت شکنی کے علاوہ کہیں کشت و خون (جنگ کے علاوہ) نہیں ہے۔ راجاؤں کے فتنے کے علاوہ قرامطہ کا فتنہ بھی محمود کے ہاتھوں فرو ہوا جن کا ورود ۲۷۰ھ سے ملتان اور سندھ میں ہو چکا تھا اور ملتان کے قرامطہ نے محمود کے خلاف ان ہندو راجاؤں کی مدد بھی کی تھی۔ محمود نے ان سب کو مار بھگایا اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے حملوں کی وجہ سے باطل کے بہت سے فتنے ایک مدت تک کے لئے سر نہ اٹھا سکے اور اسی زمانے سے بہت سے بزرگان دین نے اس ملک میں تبلیغ شروع کی۔ شیخ اسماعیلؒ، شیخ صفی الدین گازرونیؒ، شیخ فخر الدین زنجانیؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ وغیرہ محمود کے حملوں کے بعد اشاعت اسلام کے لئے برصغیر میں تشریف لائے۔

محمود غزنوی نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کا کوئی مستحکم انتظام نہیں کیا تھا۔ اس لئے اس کے جانے کے بعد باطل نے پھر سر اٹھایا اور ۵۸۸ھ میں معز الدین غوری کے مقابلے میں ترائن (تراوڑی) کی جنگ میں پرتھوی راج کے ساتھ ایک سو پچاس ہندو راجاؤں نے شرکت کی۔ لیکن یہ سب بری طرح ہار گئے اور مسلمانوں کی حکومت دہلی سے اجمیر تک قائم ہوگئی۔ پھر محمد غوری تو واپس غزنین چلا گیا لیکن اس نے اپنے قائم مقام قطب الدین ایبک کو ہندوستان میں متعین کیا' جس نے جلد ہی گجرات' گوالیار اور بیانہ وغیرہ کو بھی فتح کر کے اسلامی حکومت کو وسیع کر لیا۔

اسی زمانے میں کھوکھر قوم کا فتنہ بھی سر اٹھائے ہوئے تھا۔ یہ لوگ نیلاب (سندھ) اور سوالک کی پہاڑیوں کے درمیان رہتے تھے۔ مسلمانوں کو قتل کرنا ان کا شیوہ تھا۔ دختر کشی ان کے یہاں عام تھی۔ بہت سی بیہودہ رسموں میں وہ بھی مبتلا تھے۔ ۶۰۲ھ میں محمد غوری نے ان کا زور توڑا تھا لیکن وہ وطن جا رہا تھا تو کھوکھروں کے ایک رفیق اسماعیلی فدائی نے دریائے جہلم کے قریب اس کو شہید کر دیا۔

پرتھوی راج ہی کے زمانے میں سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ (۶۳۳ھ) کا ورود مسعود اجمیر میں ہوا۔ وہ آپ کے خلاف تھا اور آپ کے ایک عقیدت مند کو اس نے ایذا پہنچائی تھی۔

حضرت کی زبان مبارک سے نکلا ''پتھورا زندہ گرفتیم ودادیم۔'' اسی موقع پر پتھورا (پرتھوی راج) مارا گیا اور غلبہ ختم ہوا۔ حضرت سلطان الہندؒ ایک ایسی روشن شمع ہیں جس سے ایک عالم مستفید ہوا اور آپ ہی کی بدولت ہندوستان کے طول و عرض میں اسلام کو فروغ ہوا۔ پھر قطب الدین ایبک (م۔ ۶۰۷ھ) کی بیٹی کے رضیہ کے زمانے میں قرامطہ

Marfat.com

نے پھر سر اٹھایا لیکن دہلی میں ان کی بری طرح سرکوبی ہوئی۔ دس سال تک حکومت کرنے کے بعد رضیہ کی جگہ ایک خدا ترس بادشاہ یعنی ناصر الدین محمود تخت نشین ہوا جس کا وزیر غیاث الدین بلبن تھا اور اصل حکومت وہی چلاتا تھا۔ ناصر الدین محمود کے انتقال (۶۶۴ھ) کے بعد بلبن ہی تخت نشین ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس نے میواتیوں کا فتنہ بھی ختم کیا اور فتنہ مغول کو بھی روکنے کے لئے بڑے سلیقے سے کام لیا۔ تاہم بلبن میں ''عجمی اور ایرانی اکاسرہ'' والی شان تھی اور اولیائے کرام کی موجودگی کے باوجود عوام کا رجحان عیش و طرب کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ پھر علاء الدین خلجی (م۔۷۱۶ھ) بادشاہ ہوا تو وہ بھی اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ وہ نماز پنجگانہ سے بھی محروم تھا بلکہ نماز جمعہ بھی اسے نصیب نہ تھی۔ البتہ اس کے بعد جب محمد تغلق (م۔۷۵۲ھ) تخت نشین ہوا تو اس نے شعائر اسلام پر زور دیا' نماز کے معاملے میں سخت گیر ہوا اور تمام غیر شرعی محصول منسوخ کر دیئے۔ اس کے بعد فیروز شاہ تغلق (۷۹۰ھ) بادشاہ ہوا۔ اس زمانے کے واقعات ''فتوحات فیروز شاہ'' (الیٹ۔ جلد سوم) میں ملتے ہیں کہ زندیقوں کا ایک گروہ مستقل طور پر زندقہ اور الحاد کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ شراب ان کے یہاں عام تھی جس کے دور چلتے تھے تو پھر ماں بیٹی اور بیوی کی تمیز اٹھ جاتی تھی۔ ایک شخص گجرات میں خود کو باقی اور غیر فانی کہلاتا تھا۔ الوہیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ عورتوں میں قبر پرستی زیادہ تھی۔ امامیہ فرقہ تبرا کرتا تھا۔ ایک احمد بہاری الوہیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ ایک شخص رکن الدین مہدویت کا داعی تھا'' بادشاہ نے ان تمام خرافات کی بیخ کنی کی' ناجائز محصول ختم کئے اور زکوٰۃ اور عشر کو قائم کیا۔

پھر سکندر لودھی (م۔۹۲۳ھ) کا زمانہ آتا ہے۔ اس نے اسلام کے لئے جوش سے زیادہ اور ہوش سے کم کام لیا اور یہ انداز امیر تیمور (م۔۸۰۷ھ) کا بھی تھا۔

اس کے بعد اس کی اولاد میں بابر (م۔۹۳۷ھ) کا زمانہ آتا ہے۔ تاریخ میں اس نے رانا سانگا اور ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کی مجموعی قوت کا ۹۳۳ھ میں مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دینے کے بعد شراب ترک کر دی۔

بچپن میں بابر نے خواجہ عبید اللہ احرارؒ (م۔۸۹۵ھ) کے خلیفہ قاضی عبداللہ (عرف خواجہ مولانا) کی خدمت میں تربیت پائی تھی اس لئے اس کا تعلق دین سے تھا اور اس کا بیٹا ہمایوں (م۔۹۶۳ھ) عجمی اثرات کے باوجود دین سے ذاتی طور پر تعلق رکھتا تھا لیکن اس کا بیٹا اکبر بالکل جاہل اور ان پڑھ تھا۔ اسی لئے (مفاد پرست) علمائے سوء نے اسے غلط راستے پر ڈال دیا۔ مزید یہ کہ اس نے ہندو رانیوں سے شادیاں کیں۔ اس وجہ سے اسے غلط ہندو دھرم اور ہندو معاشرے سے زیادہ محبت ہو گئی۔ حتیٰ کہ اس نے حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا مقبرہ بنایا اور فتح پور سیکری کی مسجد بنوائی تو وہ بھی (بقول مستشرقین کے) ہندوانہ طرز کی ہے۔ اکبر کی خوشامد میں ملا مبارک ناگوری (فیضی اور ابوالفضل کے باپ) نے ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا جس میں یہ فقرے تھے:

''بادشاہ ظل اللہ ہے' امام عادل ہے' مجتہد العصر ہے اور کسی کا پابند نہیں۔''

ملا عبدالقادر بدایونی نے اس زمانے کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ بعض لوگ اکبر کے خاص مشیروں یعنی فیضی اور ابوالفضل کی حمایت میں بدایونی کی ہر بات کی تردید کرنا چاہتے ہیں اور محض اس مقصد کی وجہ سے وہ آنکھیں بند

Marfat.com

کر کے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ (م۔۱۰۳۴ھ) کی دینی خدمات کو بھی پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں۔

حضرت مجددؒ نے اس دور کے کئی فتنوں کے خلاف نبرد آزمائی کی۔ وہ لوگ جو خلفائے ثلاثہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بغض رکھتے ہیں اور قرآن پاک میں ان کے مقامات عالیہ کی صراحت کے باوجود ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور اسی گستاخی کو اپنا دین لکھتے ہیں۔ حضرت مجددؒ نے ایسے لوگوں کے خلاف لکھا اور ابوالفضل نے جو نبوت کے منافی اثرات اکبر پر ڈال رکھے تھے' اس کے خلاف ایک عربی رسالہ ''اثبات النبوۃ'' لکھا جس میں اس دور کے ایسے فتنوں کا ذکر بھی ہے۔ رسالے کے شروع میں آپ فرماتے ہیں:

> ''جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت کے متعلق فتور دیکھا۔ پھر ایک شخص معین (اکبر) کی نبوت کے ثبوت تحقیق میں (زور) اور نبوت کے مشروع کردہ امور میں (فتور دیکھا) اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہو گیا۔ یہاں تک کہ شرائع کی پیروی اور رسولوں پر یقین کی پختگی کی وجہ سے ہمارے زمانے کے بعض جابروں نے بہت سے علماء کو مختلف سختیاں اور ایذائیں پہنچائیں جن کا ذکر مناسب نہیں۔ بہت سے علمائے اسلام قتل کر دیئے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس مجلس میں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی تصریح ترک کر دی گئی اور جس کا یہ اسم شریف تھا' اسے بدل کر دوسرا نام رکھا گیا۔ گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا' حالانکہ یہ ہندوستان میں بڑے شعائر اسلام میں سے ہے۔ مساجد اور مسلمانوں کے مقابر ویران کر دیئے گئے۔ کفار کی عبادت گاہوں اور ان کے رسوم عبادات کے دنوں کی تعظیم کی گئی۔ مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اس کی علامتیں باطل قرار دی گئیں اور کفار کے رسوم اور ان کے ادیان باطلہ رائج کیے گئے۔ حتیٰ کہ کفار ہند کے احکام ظاہر کیے گئے اور انہیں ان کی زبان سے فارسی میں منتقل کیا گیا۔ تاکہ اسلام کے سارے آثار مٹا دیں۔ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے۔ خود اطباء (یعنی علمائے سوء) بیمار ہو چلے ہیں اور اللہ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے ایک کے عقائد کو ٹٹولا اور ان سے ان کے شبہات دریافت کیے۔ انؔ کے دلی خیالات اور اعتقادات کی جانچ پڑتال کی تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس ساری خرابی کی وجہ یہ ہے کہ یہ زمانہ حضور انور ﷺ کے عہد مبارک سے دور جا پڑا ہے اور حکمائے ہند اور فلسفہ کی کتابوں سے شغف بڑھ گیا ہے۔ میں نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا جنہوں نے فلسفہ اور کافروں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور جن کو فضل کی فضیلت کا دعویٰ بھی ہے۔ (یعنی ابوالفضل) ان لوگوں نے خلق خدا کو گمراہ کیا ہے اور تحقیق اصل نبوت اور شخص معین (اکبر) کے لئے اس کے ثبوت کے سلسلے میں خود بھی بھٹکتے ہیں اور دوسروں کو بھی بھٹکایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حکمت و مصلحت اور مخلوق کی ظاہری حالت کو سنوارنا اور ان کو لڑائی جھگڑے اور خواہشات نفسانی کے انہماک سے روکنا ہی حاصل نبوت ہے۔''

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانی کے رسالے کے اس اقتباس سے حسب ذیل باتیں واضح ہیں:

۱...... اصلی نبوت پر شک و شبہ پیدا کر کے اکبر کی نبوت کے لئے کوشش کی گئی۔

۲...... شرائع کی پیروی کرنے والوں اور رسولوں پر یقین رکھنے والوں کو سخت ایذائیں دی گئیں اور بہت سے علماء کو قتل کیا گیا۔

۳...... اکبر کی مجلس میں حضور انور ﷺ کے نام پاک کی تصریح ترک کر دی گئی۔ (اہل قلم لوگ اپنی کتابوں سے نعت کو خارج کرنے لگے)۔

۴...... جس شخص کا نام حضور ﷺ کے نام پاک پر رکھا گیا تھا وہ بدل دیا گیا۔

۵...... گائے کا ذبح کرنا قانوناً ممنوع قرار دیا گیا۔

۶...... مسجدوں کو منہدم اور ویران کیا گیا۔

۷...... مقبروں کو توڑا گیا۔

۸...... کافروں کی عبادت گاہوں اور ان کی عبادت کے طریقوں کی تعظیم کی گئی (ان کے تہواروں کی تعظیم کی گئی)۔

۹...... کفار کی دینی کتابوں کو فارسی میں منتقل کیا گیا تا کہ اسلام کے آثار مٹا دیئے جائیں۔

۱۰...... لوگوں کے عقائد کی جانچ پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ حکمائے ہند اور کتب فلسفہ کی طرف شغف بڑھ گیا ہے اور دین اسلام کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔

۱۱...... ابوالفضل سے حضرت مجددؒ نے مناظرہ بھی کیا۔ کیونکہ وہ اکبر کو نبوت کے درجے پر فائز کر رہا تھا۔

۱۲...... ابوالفضل کا خیال تھا کہ حکمت و مصلحت اور مخلوق کی ظاہری حالت کو سنوارنا' نیز ان کے لڑائی جھگڑے ختم کرانا اور خواہشات نفسانی کے انہاک کو روکنا حاصل نبوت ہے۔ یعنی اکبر یہ تمام کام کر رہا ہے اس لئے نبوت کا اہل اسی کو قرار دینا چاہئے۔

حضرت مجددؒ نے اپنے اس مختصر سے عربی رسالے میں ان تمام واقعات کا اجمال پیش کیا ہے جس کی تفصیل ملا عبدالقادر بدایونی کی تاریخ میں ملتی ہے۔ بدایونی کی تردید اور اس کے بیانات میں موشگافی کرنا آج کل کے بعض اہل قلم لوگوں کا شیوہ بن گیا ہے۔ لیکن حضرت مجددؒ کے قول کو ہم صحیح اور مستند سمجھتے ہیں جس میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں۔ حضرت مجددؒ نے فیضی کے متعلق کچھ نہیں لکھا لیکن ان کے پیر بھائی حضرت عبدالحق محدث دہلوی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت' زبان دانی اور انشا پردازی میں یکتائے روزگار تھا لیکن وائے بدبختی کہ اس نے اپنے کو کفر ضلالت کے گڑھے میں ڈال کر اپنی پیشانی پر رسوائی کا ایسا داغ لگایا کہ رسول ﷺ کے امتیوں کے لئے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینا بھی درست نہیں۔''

حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ کا یہ بیان فیضی کے مرنے کے بعد کا ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کفر

اور ضلالت ہی میں آخر وقت تک رہا اور اس کے متعلق بدایونی نے جو لکھا ہے وہ بھی صحیح ہوگا۔

حضرت مجددؒ نے بعض مکتوبات میں بھی اس زمانے کے حالات تحریر فرمائے ہیں۔ مثلاً دفتر اول کے مکتوب ۸۱ میں آپ لالہ بیگ کو لکھتے ہیں:

''تقریباً ایک قرن سے اسلام پر ایسی غربت چھا گئی ہے کہ کفار اسلامی علاقوں میں بھی کفر کے احکام جاری کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کوشش میں ہیں کہ اسلامی احکام پوری طرح ختم ہو جائیں' اسلام اور مسلمان کا نام تک باقی نہ رہے۔ اگر کوئی مسلمان اسلامی شعار کو ظاہر کرتا ہے تو اسے قتل کرا دیا جاتا ہے۔''

اسی طرح دوسرے مکتوبات میں بھی اسلام کی غربت کا ذکر آتا ہے اور عوام کی بے راہ روی کی تفصیل بھی آتی ہے۔

اکبری دور کے حالات کا ذکر دفتر اول کے مکتوب ۴۷ میں بھی شیخ فرید بخاری کو لکھتے ہیں:

''پچھلے دور میں (یعنی اکبری دور میں) اہل کفر برملا اسلامی احکام کے اظہار سے عاجز تھے اور اظہار کرتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے...........''

اسی مکتوب میں مکتوب الیہ کو اسلام کے جاری کرنے پر زور دیتے ہیں۔ پھر میر صدر جہاں کو (دفتر اول مکتوب ۱۹۵) لکھتے ہیں:

''اب جبکہ حکومت پلٹ گئی اور اہل ملل کے عناد کا زور ٹوٹ گیا ہے تو تمام مقتدایان اسلام کو' چاہے وہ وزرائے عظام ہوں یا علمائے کرام' یہ لازم آتا ہے کہ اپنی تمام کوشش شریعت کی ترویج پر لگا دیں اور اسلام کے منہدم ارکان کو قائم کریں۔ تغافل میں فائدہ نہیں۔ مسلمانوں کے دل ملول ہیں۔ ان کو پچھلے دور کی مصیبتیں یاد ہیں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ تلافی مافات کی صورت ہاتھ سے نکل جائے اور اسلام کی غربت میں مزید اضافہ ہو۔ بادشاہوں کو طریقۂ نبویہ کی اشاعت کا خیال نہ ہو اور بادشاہ کے مقربین اپنے کو اس کام سے دور رکھیں اور چند روز حیات کی فکر میں اہل اسلام کا معاملہ کیوں خراب نہ ہو۔''

دیکھیئے کس طرح سے مجددؒ نے ارکان سلطنت کو خبردار کیا ہے اور کافرانہ' مشرکانہ اور ہندوانہ طور طریقوں اور برائیوں کے خلاف جہاد کیا ہے۔ حزب الشیطان کے خلاف حزب اللہ کی یہ جنگ بہت سی فتوحات کا پیش خیمہ بنی۔ جہانگیر جو دین سے بے نیاز تھا دین کی بات سننے اور اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ شاہجہان اور اورنگزیب دین کے خادم بنے' جہانگیر کے زمانے سے سجدۂ تعظیمی موقوف ہوا' گائے کا ذبیحہ پھر شروع ہوا۔ جو مسجدیں منہدم کرا دی گئی تھیں وہ دوبارہ تعمیر ہوئیں۔ خلاف شرع قوانین بھی منسوخ کئے گئے۔ فن مصوری جو عہد جہانگیری میں بام عروج کو پہنچا ہوا تھا وہ فن تعمیر اور فن خطاطی کی طرف منتقل ہوا۔ اورنگزیب کے زمانے میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب ''فتاویٰ عالمگیری'' مرتب ہوئی۔ دربار میں علماء اور فضلاء کو جگہ ملی۔ پھر حضرت مجددؒ کے سلسلے میں شاہ ولی اللہؒ، مظہر جان جاناںؒ

Marfat.com

شاہ غلام علیؒ' قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ' خالد رومیؒ صاحب ''فتاویٰ شامی'' اور شاہ عبدالغنی مجددیؒ جیسے اکابر کی وجہ سے دین کی شمع آج بھی روشن ہے اور ان شاء اللہ ان بزرگوں کے فیض و برکات قیامت تک جاری وساری رہیں گے۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

فقراء کی اغنیاء سے ملاقات میں قابلِ اعتراض پہلو

''مخدوما! فقراء را با غنیاء آشنائی کردن دریں زمان بسیار متعسر است اگر فقراء بگفتن یا نوشتن راہ تواضع وحسنِ خلق کہ از لوازم فقر است پیش می گیرند کوتہ اندیشاں از سوء ظن خودمی انگارند کہ طامع ومحتاج اندلاجرم دریں ظن خسر الدنیا والآخرۃ می گردند واز کمالات این بزرگواراں محروم می مانند واگر فقراء باستغنا کہ از لوازم فقر است حرف می زنند قاصر نظران از بدخلقی خود قیاس می کنند کہ متکبر و بدخلق اندنمی دانند کہ استغنا نیز از لوازم فقر است کہ جمع ضدین از ینجا از استحالہ برآمدہ است ابوسعید خرازی فرماید عرفت ربی بجمع الاضداد ہر چند ارباب نظر ایں مقدمہ را قبول نمی کنند و محال انگارند لیکن غم نیست طور ولایت ورای طور نظر عقل است باقی احوال را میر و مولانا بہ تفصیل معروض خواہند داشت والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔''

(دفتر اول مکتوب نمبر ۱۹۸ صفحہ نمبر ۸۷ حصہ سوم)

ترجمہ: میرے مخدوم! فقیروں کو دولت مندوں کے ساتھ واقفیت پیدا کرنا اس زمانہ میں بہت مشکل ہے کیونکہ اگر فقراء کچھ کہنے یا لکھنے میں تواضع اور حسن خلق جو فقر کے لوازم میں سے ہے' ظاہر کرتے ہیں تو کوتاہ اندیش لوگ اپنی بدظنی سے خیال کرتے ہیں کہ طامع اور محتاج ہیں۔ اس لئے بدظنی سے دنیا و آخرت کا خسارہ حاصل کرتے ہیں اور ان کے کمالات سے محروم رہتے ہیں۔ اگر فقراء استغنا اور لاپرواہی سے کہ یہ بھی لوازم فقر سے ہے' کوئی بات کریں تو کوتاہ نظر اپنی بدخلقی سے قیاس کرتے ہیں کہ متکبر اور بدخلق ہیں اور نہیں جانتے کہ استغناء بھی لوازم فقر میں سے ہے کیونکہ جمع ضدین اس جگہ محال نہیں ہے۔ حضرت ابوسعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے اپنے رب کو ضدوں کے جمع ہونے سے پہچانا'' اگرچہ اہل نظر اس مقدمہ کو قبول نہیں کرتے اور انکار کرتے ہیں اور محال جانتے ہیں۔

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر سراج احمد خاں

حضرت مجدد الف ثانی اور وحدۃ الشہود

مکتوب ۱/۱۳ میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کو لکھتے ہیں:

جب اصل حقیقت معلوم ہوئی تو تردد ہوا اور ہمہ از اوست والا پلہ ہمہ اوست کے مقولے سے غالب معلوم ہوا اور ہمہ از اوست میں کمال زائد یہ دیکھا گیا کہ تمام کشفی علوم شریعت ظاہری سے مطابق ہو گئے۔

بعض صوفیہ جو کشفوں کو شریعت ظاہری کے مخالف بیان کرتے ہیں تو یہ بیان ان کا سہو یا سکر کی وجہ سے ہے۔ عالم باطن کا حقیقی منتہی عالم باطن کو شریعت ظاہر کے موافق پاتا ہے۔ علمائے شریعت ظاہری اور منتہیان علم باطن میں یہ فرق ہے کہ وہ دلیل اور علم سے جانتے ہیں اور یہ از روئے کشف و ذوق معلوم کرتے ہیں۔

مکتوب ۱/۳۱ میں شیخ صوفی کو لکھتے ہیں:

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے مجھ فقیر کو طریقۂ عالیہ نقشبندیہ تعلیم فرمایا اور شیخ محی الدین ابن عربی کے دقائق معارف کو کماحقہٗ ظاہر فرمایا۔ میں تجلی ذاتی سے بھی مشرف ہوا۔ سکر وقت اور غلبۂ حال نے اس توحید میں مجھے اس درجے تک پہنچا دیا کہ بعض عریضوں میں جو حضرت خواجہ قدس سرہ کی خدمت میں مَیں نے بھیجے تھے' یہ دو بیتیں بھی جو سراسر سکر ہے' لکھی تھیں:

اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائی است
ملت ما کافری و ملت ترسائی است
کفر و ایمان زلف و روئے آں پری زیبائی است
کفر و ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

یہ حال بہت مدت تک رہا۔ ناگاہ دریچۂ غیب سے اللہ تعالیٰ کی عنایت بے غایت کا ظہور ہوا اور بے چونی و بے چگونی کے چہرے کے چھپانے والے پردہ کو دور کر دیا۔ تو پہلے وہ علوم جو اتحاد وحدت وجود کی خبر دیتے تھے' زائل ہونے لگے اور یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں۔ خدا' خدا ہے اور عالم' عالم ہے۔ حق تعالیٰ بیچون و بے چگوں ہے اور عالم سراسر چونی اور چگونی ہے اور چگونی کے داغ سے داغدار ہے۔ بے چون کو چوں کا عین نہیں کہہ سکتے۔ واجب ممکن کا عین اور قدیم حادث کا عین ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بہتر وہی ہے جو علمائے اہل سنت و جماعت نے بیان

Marfat.com

کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عالم گو صفاتی کمالات کا آئینہ ہے اور اسمائے ظہورات کی جلوہ گاہ ہے لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں ہے' جیسا کہ توحید وجودی والوں کا مذہب ہے۔ غرض کہ خطائے کشفی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے اور خطائے اجتہادی پر ملامت اور عتاب نہیں ہوتا بلکہ ثواب کے درجوں میں سے ایک درجہ اس کے حق میں ثابت ہے۔ البتہ اس قدر فرق ہے کہ مجتہد کے مقلد مجتہد کا حکم رکھتے ہیں اور خطا کرنے پر بھی ثواب کا ایک درجہ پا لیتے ہیں لیکن اہل کشف کی حالت اس کے خلاف ہے کہ وہ بحالت خطا درجۂ ثواب سے محروم ہیں کیونکہ الہام اور کشف غیر پر حجت نہیں ہے اور مجتہد کا قول غیر پر حجت ہے۔

میں نے وحدت وجود کو جو قبول کیا تھا وہ کشف سے تھا۔ از روئے تقلید نہیں تھا۔ اب انکار ہے تو الہام کے سبب سے ہے۔ الہام میں انکار کی گنجائش نہیں اگرچہ غیر پر الہام بھی حجت نہیں ہے۔

مکتوب ۱/۴۳ میں شیخ فرید کو فرماتے ہیں کہ طریقت عین شریعت اور شریعت عین طریقت ہے۔ بال برابر بھی ان میں فرق نہیں ہے۔ فرق صرف اجمال و تفصیل اور استدلال و کشف کا ہے۔ شریعت کا جو مخالف ہے وہ مردود ہے۔ ہمارے قبلہ گاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ' کچھ دنوں تک توحید وجودی والوں کا مسلک رکھتے تھے اور اپنے رسالوں اور خطوں میں ایسا ہی ظاہر فرماتے تھے' لیکن آخر کار حق تعالیٰ نے اپنے کمال عنایت سے انہیں ترقی عطا کر کے شاہ راہ پر ڈال دیا اور اس معرفت کی راہ تنگ سے خلاصی بخشی۔ میاں عبدالحق جو حضرت قدس سرہ کے مخلصین میں سے ہیں' بیان کرتے ہیں کہ مرض موت سے ایک ہفتہ پہلے حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے عین الیقین سے معلوم ہو گیا ہے کہ توحیدی وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہ راہ اور ہے۔ اس سے پہلے بھی جانتا تھا مگر اب ایک قسم کا یقین حاصل ہوا ہے۔

مکتوب ۱/۱۲۶ میں میر محمد نیشاپوری کو لکھتے ہیں کہ علمائے اہل سنت و جماعت واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات پر زائد جانتے ہیں۔ وجود کو عین ذات کہنا اور وجود کے سوا دوسرا امر ثابت نہ کرنا قصور نظر ہے۔ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے درجات حاصل نہ ہوں تو یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ ممکن واجب ہو گیا۔ (یہی بات مکتوب ۲/۲ میں بھی ہے کہ "حق سبحانہ بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ۔ بلالحاظ اس کے کہ وہ وجود عین ہو یا زائد ہو اور صفات حق تعالیٰ ذات حق کے ساتھ نہ وجود کے ساتھ موجود ہیں۔ کیونکہ اس مقام میں وجود کی گنجائش نہیں"۔)

مکتوب ۲/۱ میں شیخ عزیز جونپوری کو لکھتے ہیں کہ وجود ہر جز و کمال کا مبداء ہے اور عدم ہر نقص و شرارت کا منشاء ہے۔ وجود واجب جل شانہ کے لئے اور عدم ممکن کے لئے ہے۔ تاکہ تمام جز و کمال حق تعالیٰ کی طرف عائد ہوا اور تمام شر و نقص ممکن کی طرف راجع ہو۔ ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات و افعال کو حق تعالیٰ کے صفات و افعال کا عین ٹھہرانا بڑی بے ادبی ہے اور داخل الحاد و شرک ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ اسماء و صفات ہیں جو مرتبۂ علم میں ایک دوسرے سے متمیز ہیں اور اس فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقائق و عدمات ہیں جو اسماء و صفات کی نقیضیں ہیں۔ مع اسماء و صفات کے ان عکسوں کے جو خانہ علم میں ان عدمات کے آئینوں میں ظاہر ہوئے ہیں اور باہم ایک دوسرے میں مل گئے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک شے کا ظل شے کا عین نہیں بلکہ اس کا شبہ و مثال ہے۔ اس فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہیں ہو سکتا اور نہ ممکن کا واجب پر عمل کرنا درست ہے کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے۔ وہ عکس جو اسماء و صفات سے اس عدم میں منعکس ہوا ہے' ان اسماء و صفات کا شبہ و مثال ہے نہ کہ ان کا عین اس

Marfat.com

لئے ہمہ اوست کہنا نادرست ہے اور ہمہ از اوست کہنا درست ہے۔

مکتوب نمبر۲/۴۵ میں میرزا حسام الدین احمد سے فرماتے ہیں کہ

عالم اسماء وصفات کا مظہر ہے۔ ممکن میں حیات آئینہ ہے۔ واجب تعالیٰ کی حیات کا علم آئینہ ہے۔ اسی کے علم کا اور قدرت آئینہ ہے اسی کے قدرت کا لیکن عالم میں اس کی ذات کا نہ کوئی آئینہ ہے اور نہ مظہر بلکہ اس کی ذات کو عالم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں کیونکہ کسی چیز میں وہ شریک نہیں ہے۔ نہ مناسبت اسم میں ہے نہ مشارکت صورت میں

مکتوب نمبر۳/۸۹ میں قاضی اسماعیل کو لکھتے ہیں کہ متقدمین صوفیہ سے ہمہ اوست نہیں سنا گیا لیکن انا الحق، سبحانی اور لیس فی جبتی سواہ وغیرہ الفاظ سنے ہیں جو متاخرین کے الفاظ ہمہ اوست کے ہم معنی ہیں۔ فقیر کے نزدیک ہمہ اوست کے یہ معنی ہیں کہ تمام متفرق جزئیات حادث ہیں۔ ایک ہی ذات تعالیٰ کا ظہور ہیں۔ اگر زید کی صورت متعدد آئینوں میں منعکس ہو کر ظہور پیدا کرے اور ان صورتوں کو ہمہ اوست کہیں تو اس میں جزئیت' اتحاد' حلول اور تلون کی گنجائش نہیں۔ جہاں زید کی ذات ہے وہاں ان صورتوں کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ جس مرتبہ میں حق تعالیٰ ہے وہاں عالم کی گنجائش نہ ظہور کے قبل تھی اور نہ ظہور کے بعد ہے۔ صاحب ''عوارف'' کی رائے ہے کہ منصور کا انا الحق کہنا اور بایزید کا سبحانی کہنا حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے طور پر تھا۔ محی الدین ابن عربیؒ نے اس مسئلہ دقیق کی تشریح کی' پھر بھی بعض نے محی الدین ابن عربی کی مراد نہ سمجھ کر ان پر طعن وملامت کی۔ اس عبارت کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ سب نیست ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں تو بندگان دین بھلا ایسا کیوں سمجھیں گے۔ ان لوگوں کے سامنے غلبہ محبت میں ماسویٰ اللہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ ہمہ اوست کہتے ہیں۔ یعنی جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ سراسر وہم وخیال ہے اور موجود صرف حق تعالیٰ ہے۔ لیکن یہ فقیر اس قسم کی عبارتیں پسند نہیں کرتا۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کے مرتبہ تقدس وتنزہ کے خلاف ہیں۔ اشیاء کی یہ مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مظہر ہوسکیں۔ وہ مظہر ہیں تو اللہ تعالیٰ کے بعض کمالات ظلال کی مظہر ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات تک ہزار ظلال درمیان میں ہیں۔ ان للّٰہ سبعین الف حجاب من نور و ظلمة (اللہ تعالیٰ کے لئے نور وظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں) حق تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو بے تحاشا حق تعالیٰ پر محمول کرنا بڑی بے ادبی اور دلیری ہے۔ لیکن غلبہ سکر وحال میں چنداں مذموم نہیں۔'' (اسی مسئلے کو مکتوب ۱/۲/۲۷۲'۲/۹۵ اور مکتوب ۲/۹۹ وغیرہ میں بھی واضح فرمایا ہے)

مکتبہ برہان اردو بازار دہلی نے الجمعیۃ پریس دہلی سے ۱۹۶۲ء میں پروفیسر خلیق انجم کے ترجمہ وترتیب کے ساتھ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ (م ۱۱۹۵ھ) کے خطوط اور ان کی بعض نثری تحریریں ضروری حواشی وتعلیقات کے ساتھ پیش کی تھیں۔ ذیل میں حضرت کی بعض ان تحریروں کے ترجمے پیش کئے جا رہے ہیں جو مسئلہ وحدت وجود ووحدت الشہود سے متعلق ہیں اور بڑی حد تک حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نظریہ کی وضاحت کرتے ہیں۔

شہودی صوفیہ کے نزدیک (توحیدی وجود حقیقی کی) تفصیل یہ ہے کہ ممکنات کے حقائق علم والٰہی کے مرتبہ میں عدم اور وجود سے مرکب ہیں اس طرح کے عدم اضافیہ ہیں مثلاً عدم العلم جو جہل سے عبارت ہے اور عدم القدرت جسے عجز کہا جائے گا' وغیرہ الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں اور ان سے مرتبہ الٰہی کا ثبوت پیدا ہوتا ہے اور صفات حقیقیہ کے آئینے ان عدمات کے مقابل ہیں۔ ان صفات کے عکس ان آئینوں میں منعکس ہوتے ہیں۔ یہ مخلوط تعینات عالم کے مبادی

ہیں۔ پس ان (شہودی صوفیہ) کے نزدیک اعیان ثابتہ فی العلم اعداد اضافیہ اور صفات حقیقیہ کے پرتو سے مرکب ہیں اور خارج ظلی کے آئینوں میں جو خارج حقیقی کا ظل ہے' آثار خارجیہ کے مصدر بن گئے ہیں۔ پس ان کے نزدیک اعیان خارجیہ وجود ظلی میں موجود ہیں نہ کہ وجود حقیقی میں اور خارج ظلی میں متحقق ہیں جو وجود حقیقی کے تحقق کی منزل ہے۔ دنیا میں جو کچھ موجود ہے اور اس کے توابع سب ظلاً یا انعکاساً خدا کی ذات سے مستفاد ہیں کیونکہ وجود حقیقی کے ساتھ خارج حقیقی میں سوائے خدا کے کوئی شے موجود نہیں ہے۔ فھذا ھو التوحید (پس یہی توحید ہے۔)

عدم' شر و نقص کے پیدا ہونے کا مقام ہے اور وجود' مبدأ خیر و کمال ہے اور دنیا عدم و وجود دونوں سے مرکب ہے۔ بلکہ اس کا عدم ذاتی ہے اور وجود عاریتی اور وجود حق بسیط' خیر محض اور حسن محض ہے وہ عین عالم نہیں ہوسکتا۔ ناچار دنیا حسن و قبح کا مجموعہ ہوگی' لیکن تمام وجود حسن خدا کی ذات سے مستفاد ہیں اور برائی کے پہلو عدم کی طرف سے آئے ہیں۔ پس جب سالک اپنے استعداد کی قوت سے اور جذب مشائخ سے جو جذبۂ الٰہی کا پرتو ہے' سیر علمی کے ذریعے امکان کی پستی سے وجوب کی بلندی کی طرف سفر کرتا ہے' جو ان ظلماتی اور نورانی حجابوں کے دور ہو جانے سے عبارت ہے جو' حدیث کے مطابق خدا اور مخلوق کے درمیان حائل ہیں تو اس نسبت محاذات کے فیض و برکات جو ظاہر اور مظہر کے درمیان متحقق تھے وہ ان پردوں کے ہٹ جانے سے جو سالک کے آئینہ وجود میں انوار شمس حقیقی کے منعکس ہونے میں مانع تھے' دور ہو جاتے ہیں اور ان انوار کا غلبہ آئینہ کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اس حالت کو ''نسبت فنا'' سے تعبیر کرتے ہیں اور فنا کے بعد یہ لازم ہے کہ خدا کی طرف سے ہر مقام کے مطابق وجود وہبی عطا ہو جس سے سالک بشریت کے کارخانے (کار استحکام) اور شریعت کے احکام کا قیام کر سکے۔ اسی کو نسبت بقائی کہتے ہیں۔ پس اگر سالک تمام ظلماتی اور نورانی حجابات دور کر کے صفات اور شیونات کی تجلیات سے گزر کر تجلی ذات احد سے مشرف ہو جائے اور زمانۂ نبوت باقی ہو تو (اللہ تعالیٰ کی عطا سے) نبی ہو جاتا ہے اور عصمت کے درجے میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں صدور شر کا احتمال بھی باقی نہیں رہتا۔ ورنہ امکان سے وجوب کی طرف جتنی مسافت طے کی ہے۔ اس کے مطابق عدم سے جو ''شر محض'' ہے دور ہو جاتا ہے اور چونکہ ظلمات عدم انوار کے غلبہ سے مضمحل ہو جاتی ہے۔ اس لیے (سالک) مصدر خیر بن جاتا ہے لیکن چونکہ احیاناً وقوع شر کا احتمال باقی ہے ولی یا نائب نبی ہو جاتا ہے اور بنی نوع انسان کی تربیت اور اصلاح کرتا ہے۔ یہی بات ہے جسے یوں کہا گیا ہے کہ انبیاء معصوم اور اولیاء محفوظ ہیں اور یہی ظہور نسبت کے معنی ہیں جو اس قوم (صوفیہ) کی اصطلاح ہے اور مختصراً صوفیہ شہودیہ مجددیہ کا یہ مشرب ہے۔[1] رحمھم اللہ (اللہ ان پر رحم کرے)۔

وہ معارف جو نامانوس ہیں جب ظاہر ہوتے ہیں تو رشک کا سبب بنتے ہیں اور مادہ رشک ان معارف کے غیر متعارف ہونے کی بناء پر ہے جو آپ سے قرون اولیٰ میں شیوع پذیر ہوئے۔ شہود بالخیر قرون ثلاثہ کے بعد پردہ کمون میں چلا گیا تھا اور ان کی (حضرت مجدد رحمہ اللہ کی) طینت مطہرہ کی خصوصیت سے ظاہر ہوا کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کی طینت مطہرہ کا بقیہ تھا۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ پہلے ان مقالات کے فاعل کی طرف نظر کی جائے۔ اگر وہ کتاب اور سنت کا تابع ہے اور اس کے اکثر اعمال و اقوال میزان شریعت پر موزوں ہیں تو اس کے کلام کے متشابہات کی تاویل اس کے کلام کے محکمات کے موافق کی جائے یا اسے ڈھکی چھپی باتوں کے جاننے والے یعنی خدا پر چھوڑ دیا جائے اور اسے معذور سمجھا جائے کیونکہ اس قوم (صوفیہ) کو بہت سے عذر ہوتے ہیں۔ کبھی ان کی عبادات

Marfat.com

حال کے غلبہ میں ان کی مرادات کی مساعدت نہیں کرتیں اور کبھی معلومات کشفی میں وہم اور خیال کے مخلوط ہو جانے سے غلطی ہو جاتی ہے اور اس خطا میں وہ اجتہادی خطا کی طرح معذور ہیں اور کبھی ان کی اصلاح کی اطلاع بہتر نہیں ہوتی۔ پس ان امور کے پیش نظر اعتراض ترک کرنا لازم ہے۔ خاص طور پر حضرت مجدد کے کلام کرامت انتظام پر اعتراض کرنا بالکل فضول ہے کیونکہ ان کے طریقہ کی بنیاد اتباع سنت پر ہے اور ان کی تصنیفات بھی ایسی ہی نصیحتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اس فتنہ کے ہیجان کا بڑا سبب توحید وجودی سے منکر ہونا اور توحید شہودی کا ماننا۔ کیونکہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے زمانے سے لے کر آپ کے دور مبارک تک لوگوں کے ذہنوں پر وحدت الوجود کا مسئلہ چھایا ہوا ہے۔ حضرت مجدد کا توحید وجودی سے انکار کرنا علمائے ظاہر کے انکار کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ جس مقام سے وحدۃ الوجود کے ماننے والے بات کرتے ہیں' آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اسے تسلیم کرتے ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ وہ اصلی مقام کو اس سے زیادہ بلند بتاتے ہیں اور غیریت کو جو خدا اور مخلوق کے درمیان ہے' اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ وہ وجود حقیقی (جو خارج حقیقی میں متحقق ہے) کی وحدت میں مخل نہ ہو۔ وحدت الوجود کے ماننے والوں کے برخلاف جو خلق اور خالق کے درمیان عینیت ثابت کرتے ہیں' وحدت وجود و شہود کا مسئلہ اور خطوط میں علیحدہ لکھا گیا والسلام۔[1]

یہ سب (واردات غریبہ اور احوال عجیبہ) لطیفۂ قلب کے آثار ہیں اور یہ مقام تمکین ہے۔ اس لطیفہ کی انتہا یہ ہے کہ یہ تنگنائے امکان سے باہر آ جاتا ہے اور مقدمہ وجوب کی وسعت میں آ کر دائرۂ ظلال اسماء وصفات کی سیر کرتا ہے جو تعینات عالم کے مبادی ہیں اور ظل خاص میں جو تعین امر کا مبداء ہے' خالی ہو جاتا ہے اور اسی ظل سے بقاء حاصل ہوتی ہے۔ اس قوم (صوفیہ) کی اصطلاح میں اس کا مطلب فنائے قلب اور ولایت صغریٰ ہے جو اولیاء کی ولایت ہے اور ولایت ظلی سے جو محل سکر ہے' وحدت وجود کے معارف پیدا ہوتے ہیں۔ قلب کے ضمن میں اس مقام پر نفس کو فنا کی ہمرنگی حاصل ہوتی ہے۔ اس ولایت کے حصول کا اثر خدا کی ایسی دائمی حضوری ہے جس میں کبھی غفلت نہیں آتی۔ کسی اور سے تعلق باقی نہیں رہتا۔ اس مقام سے اوپر ایک اور مقام ہے جس میں سالک کی سیر اس ظلال کے اصول میں ہوتی ہے جس کا نام اسماء وصفات ہے اور معاملہ لطیفۂ نفس پر آ پڑتا ہے۔ جو عالم خلق سے ہے جیسا کہ پچھلے مقام میں قلب اور چاروں لطائف سے کام آ پڑا تھا جو عالم امر میں ہیں اور جن کا عروج مرکز ظلال تک ہے۔ یہاں نفس کو حقیقت فنا مل جاتی ہے اور نفس امارہ نفس مطمئنہ میں بدل جاتا ہے اور مخالف دشمن موافق دوست بن جاتا ہے اور دعوت وارشاد کا حق مل جاتا ہے کیونکہ یہ مقام بعد الجمع کی چوٹی ہے۔ اس لیے یہاں پر تمیز حاصل کر کے وحدت شہودی کا راز (جو خلق سے غیریت حق کی خبر دیتا ہے) معلوم ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر ان چیزوں کی طرف راغب ہوتا ہے جنہیں خدا پسند کرتا ہے اور ان سے گریز کرتا ہے جس سے خدا کو نفرت ہے۔[2]

برخوردار! تمہارے التماس کے مطابق وحدت وجود کا مسئلہ لکھا جاتا ہے۔ جاننا چاہیئے مراتب ستیہ کی شرح میں لکھا ہے کہ خدا اپنے علم قدیم میں حقائق کلیہ وجزئیہ جانتا ہے۔ کسی شے کے علم سے اس شے کا وجود علم میں لانا لازم آتا ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ تمام موجودہ چیزیں علمی ازلی میں موجود ہوں۔ اسی وجہ سے صوفیہ قائل ہیں کہ ہر چیز کا وجود علم میں ثابت ہے۔ اس مرتبہ علم میں جس کا نام اس قوم (صوفیہ) کی اصطلاح میں باطن وجود ہے' وجودات اشیاء کو زمانے کے اعتبار سے تقدیم وتاخیر حاصل نہیں۔ اس کے برخلاف وجود خارجی میں تقدیم وتاخیر بدیہی ہے کیونکہ وجود علمی

Marfat.com

وجود خارجی سے الگ چیز ہے اور چاہئے کہ اس سے مقدم رہے جیسا کہ اصل کو فرع پر اور ظل والی چیز کو ظل پر تقدم حاصل ہوتا ہے۔ وجود علمی سے خارجی اشیاء کے وجود میں آنے کی کیفیت یہ ہے کہ جب خدا چاہتا ہے کہ کسی ایسی صورت کو صور علمیہ سے وجود میں لائے جسے وجود منبسط کہتے ہیں اور جسے اس قوم کی اصطلاح میں ظاہر وجود کہتے ہیں اور اس صورت کے آثار مطلوبہ کو اس صورت سے ظاہر کرے تو اس صورت اور اس وجود کے نور کے درمیان ایسا رشتہ پیدا کر دیتا ہے جو ذہن میں تو معلوم ہوتا ہے لیکن از روئے کیفیت نہیں معلوم ہوتا اور وجود منبسط کا آئینہ اس صورت کے عکس سے منقش کرتا ہے اور اس طرح کرتا ہے کہ نقش اطلاق وجود برہم نہ ہو۔ وللہ المثل الاعلی (اللہ کے لئے بڑی مثال ہے) جیسا کہ دیکھنے والے کا عکس آئینہ کے سامنے آ کر آئینہ میں پیدا ہوتا ہے اور اس سے آئینہ کا نور زائل نہیں ہو جاتا۔ عقل سلیم رکھنے والا تھوڑے سے غور کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ صورت مرئیہ آئینہ میں یا آئینہ پر ہے کیونکہ وہاں نہ دخول ہے نہ ارتسام اگرچہ بظاہر اور عوام کی سمجھ کے مطابق صورت مرئیہ اور وصف مرئی ایک ظرف میں ہے جو مرات ہوتا ہے اور حقیقت کے مطابق صورت اور مرات آئینہ میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ ہیں یعنی شکل ولون صورت مرات سے پیدا ہوتی ہے اور تقعر وتحدب آئینہ صورت سے ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا جامی مراتب ستہ میں فرماتے ہیں کہ اگر وجود کو مرات سمجھیں تو اس میں بظاہر صور علمیہ کے آثار واحکام پائے جاتے ہیں۔ (الا ان الاعیان ثابتة فی العلم ماشممت رائحة الوجود فی الخارج) (آگاہ باشید چیزیں علم میں ثابت ہیں اور میں نے خارج میں وجود کی بو نہیں سونگھی) اور اگر صور علمیہ کو مرات قرار دیں تو اس میں اسماء صفات کی تجلیات اور حضرت وجود کے شیونات ہیں نہ کہ وجود بعینہ۔ چنانچہ شان مرات خزانۂ علم کی طرح ہے جو منقوش صفحے کی طرح ہے اور وجود منبسط صیقل کئے ہوئے آئینہ کی جگہ اس کے مقابلہ میں ہے۔ اس صفحہ میں سے نہ کوئی نقش باہر آتا ہے اور نہ کوئی صورت مرات وجود میں آتی ہے کیونکہ مرتبہ علم میں سے صورۃ علمیہ کا خروج مستلزم جہل ہے اور مرات وجود میں دخول صورت سے قیام حادث قدیم ہوتا ہے اور یہ دونوں مشکل ہیں۔ اس لئے باطن وجود اور ظاہر وجود کے درمیان طرفین کے آثار واحکام کے عکس سے ایک طلسم ہے جو اس قوم کی اصطلاح میں مرتبہ وہم اور دائرہ امکان کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں پانچ مشہور تنزلات میں سے تین تنزلات امکانیہ پائے جاتے ہیں یعنی تنزل روحی' مثالی اور جسدی' چنانچہ مرتبہ علم واجبی میں دو تنزل وجوبی ہیں یعنی وحدت و واحدیت جو مرتبۂ علم میں خدا کے شیونات صفات کو اجمالاً اور تفصیلاً ملاحظہ کرنے سے عبارت ہے اور کہتے ہیں کہ خارج میں وجود واحد کے علاوہ کسی شے کی تحقیق اور اس کا ثبوت نہیں اور کثرت مرئیہ مرتبہ وہم میں ہے۔ حکمت بالغہ نے اس اوہم کو تقویت دی ہے اور اس پر آثار ابدی کی بنیاد رکھی ہے نہ کہ اس وہم پر جو رفع وہم کے بعد اٹھ جاتا ہے۔ اس مرتبہ پر اطلاق وہم سے اس قوم کی مراد یہ ہے کہ اس کثرت کی کوئی دوسری حقیقت نہیں۔ تمام وجود واحد اس مرات وجود منبسط میں تجلیات بن گیا ہے اور اس کثرت تجلیات شیونات سے پیدا ہوتے ہیں جو حضرت وجود میں موجود ہیں اور مرتبہ علم میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے بیج سے کوئی پودا اگتا ہے۔ اس طرح حقائق ممکنات بن جاتے ہیں اور ان حقائق کا عکس مرات وجود منبسط ہو کر عالم کہلاتا ہے اور چونکہ وہی اشیاء کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ وہ وجود علمی کا عکس ہے اور نفس امر میں تمام وجود علمی کے ساتھ موجود ہے' مرتبہ علم سے نہیں نکلی ہیں۔ جیسا کہ ذکر کر دیا گیا ہے اور علم حقیقی خدا کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ وجود یہ صوفیوں کے خیال میں

Marfat.com

صفات عین ذات ہے۔ اس لئے اس تقریر کے بموجب اشیاء کا وجود عین وجود حق ہے۔ حضرت مجدد نے فرمایا ہے: ان شئت قلت حق و ان شئت قلت خلق (جس چیز کو میں نے چاہا حق کہہ دیا اور جس چیز کو چاہا خلق کہہ دیا) اور ثابت ہو گیا کہ خارج میں وجود واحد کے سوا کچھ اور نہیں۔ یہی وحدت وجود کے معنی ہیں اور یہی ان حضرات کا مکشوف اور شہود ہے۔[۴]

سر کردہ علمائے فحول اور جامع معقول و منقول سید غلام یحیٰی (اللہ ان کی تمناؤں کو پورا کرے) نسبت اخوت طریقت اس ہیچ مداں یعنی جانجاناں سے رکھتے ہیں۔ (انہوں نے) میرے ایماء پر مسئلہ وحدت وجود و وحدت شہود کے بیان میں ایک مختصر رسالہ لکھ کر مجھے دکھایا۔

حق بات یہ ہے کہ اختصار کے باوجود انہوں نے پورے موضوع کا احاطہ کر لیا ہے۔ جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء (خدا انہیں جزائے خیر دے) لیکن مسئلہ تطبیق سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ مکشوفین کے درمیان تطبیق کا مسئلہ تکلف سے خالی نہیں ہے لیکن اس سے ایک اچھی مصلحت وابستہ ہے۔ ھی الاصلاح بین الفئتین العظیمتین (اس سے دونوں عظیم فرقوں کے درمیان مصالحت ہو جائے گی۔) رحم اللہ عبداً انصف ولم یتعسف (اللہ رحم کرے اس بندے پر جس نے انصاف کیا اور بے انصافی کو روکا) والسلام (دیباچہ بر حاشیہ رسالہ مولوی غلام یحیٰی)۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ (۱۱۱۱ھ تا ۱۱۹۵ھ) کے مشہور خلیفہ مولانا سید محمد نعیم اللہ (علوی نسباً حنفی مذہباً مجددی مشرباً و بہرائچی موطناً م ۱۲۱۸ھ) نے حضرت کی تعلیمات اور خانقاہ شمسیہ مظہریہ کے متعلق ایک رسالہ "معمولات مظہریہ" (مطبعہ نظامی کانپور ۱۲۸۴ھ تصحیح نسخہ از شیخ ابوالحسن خلیفہ حضرت مولوی مراد اللہ خلیفہ حضرت مولوی محمد نعیم اللہ مذکور) ترتیب فرمایا تھا۔ اسی رسالہ کے صفحات ۱۰۲ تا ۱۰۵ پر مسئلہ وجود وحدت شہود سے متعلق جو بحث ہے ذیل میں اسی کا فارسی سے اردو میں ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

مسئلہ توحید وجودی و توحید شہودی کی اعتقادی کیفیت

حضرت مولوی غلام یحیٰیؒ رسالہ "کلمات الحق" میں فرماتے ہیں جو انہوں نے حضرت والا (حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ) کے ایماء اور آپ کی بشارت پر تحریر فرمایا کہ وحدت وجود اور وحدت شہود کا مسئلہ دین کے ان ضروری عقائد کے مسائل سے نہیں ہے جن پر ایمان و اسلام کا مدار ہو۔ اس لیے یہ دونوں مسائل حادث (یعنی خلق) کی قدیم (یعنی خالق) کے ساتھ ربط کی کیفیت سے متعلق ہیں اور جو کچھ اس بارے میں قرآن و حدیث سے ثابت ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ یہ تمام عالم حادث ہے اور مصنوع اور حق تعالیٰ شانہ صانع ہیں اور قدیم۔ رہی یہ بات کہ ان ہر دو صانع و مصنوع کے درمیان علاقہ عینیت ہے یا غیریت محض، تو شریعت یہاں خاموش ہے اگر چہ رموز و اشارات کے طور پر ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے کلام شارع سے استنباط کیا جا سکتا ہے، لیکن اس استنباط سے اس درجہ ثبوت نہیں بہم پہنچتا کہ ان دونوں مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ پر اعتقاد کرنا واجب ہو جائے اور وہ دین کے ضروری مسائل میں سے شمار کیا جانے لگے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ صرف حضرات اولیاء اللہ کے مکشوفات سے متعلق ہے۔ ان میں سے بعض کو

دوران سیر وسلوک وحدت وجودی مکشوف ہوئی اور بعض کو وحدت شہودی۔ واضح (حضرات) صحابہ تابعین وتبع تابعین اور اسی طرح وہ متقدمین صوفیہ جو اہل صحو وافاقہ ہوئے ہیں' ان میں سے ان ہر دو مسائل میں کسی کے متعلق صراحت کے ساتھ کچھ ثابت نہیں ہے۔ مگر تلمیحاً واشارۃً توحیدی وجودی حضرت شیخ اکبر (محی الدین ابن عربی) اور ان کے معاصرین وتبعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور سے کچھ اس طرح اشاعت پذیر ہوئی۔ اس مسئلہ کے مبادی ومقاصد کی تحقیق میں کچھ اتنی زیادہ کتابیں اور رسالے لکھے گئے اور اس دور میں اس کا رواج کچھ اس قدر بڑھ گیا کہ نادانوں کا ایک گروہ زمرۂ صوفیہ میں داخل ہو گیا ہے جو صرف اس مسئلہ پر اعتقاد رکھنے کو ہی دین کا کمال تصور کرتا ہے اور ظاہر شریعت کو ناقابل اعتنا اور ظاہری رسمیں قرار دیتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) شریعت کا اتباع تو امت محمدیہ کا سب سے بڑا کمال ہے اور سعادت سرمدی کی کامیابی اسی سے ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ

> (ترجمہ) ''کمال سعادت تو اتباع شریعت ہی میں منحصر ہے ظاہراً وباطناً۔ پس جو کوئی دنیا و آخرت میں سعید ونیک بننا چاہئے اسے لازم ہے کہ اپنے باطن کے لئے حقائق حقہ کو اور ظاہر کے لئے تقویٰ کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کرے۔ نفس کو خواہشات کی اتباع سے روکے اور اپنے امور و معاملات میں اپنے پروردگار کی پسند و مرضی کے مطابق مخلص ہو۔ جب ایسا ہو گا تو حقیقت معارف ربانی اور اسرار خفی اس کے لئے کھول دیئے جائیں گے جو صرف ذوق سے پہچانے جا سکتے ہیں۔''

توحید شہودی ابتداءً حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی اور بعدہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمائی۔ پس طالب حق کو چاہئے کہ اگر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے تو ایسے شیخ کامل ومکمل کی صحبت کو اکسیر اعظم جانے جس کا ظاہر قرآن وحدیث کے موافق اور جس کا باطن مؤثر ہو اور اس کے فیض صحبت سے جو کچھ اس پر واضح ہو' اسے ہی اپنے لئے پسند کرے اور اس سے پیشتر حضرات اولیاء اللہ کے ساتھ حسن ظن کے پیش نظر حق کو دونوں مسئلوں (وحدت وجودی و وحدت شہودی) کے درمیان دائر جانے اور اگر اپنے مشائخ کے ساتھ کمال حسن ظن کی بناء پر اسے ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کا پختہ یقین بھی حاصل ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اسے چاہئے کہ دوسری جانب کے خلاف طعن وتشنیع کی زبان دراز نہ کرے اور اپنے مشائخ کے خلاف ان کی اقتداء و پیروی کرنے پر کہ جن پر ان دو مسئلوں میں سے کسی ایک کی حقیقت کشفاً ظاہر ہوئی ہے' ردو انکار اور اظہار ناپسندیدگی نہ کرے اس لئے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں' مشاہدہ سے کہتے ہیں۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

(قلندر جو کچھ کہتا ہے مشاہدہ سے کہتا ہے۔)

پس خود وہ اولیاء اللہ تو اپنے کشف ومشاہدہ کے خلاف کسی شے کو رد کر دینے میں معذور ہیں نہ کہ ان کے تبعین بھی اس لیے کہ یہ ظاہری بات ہے کہ جو چیز نہ ظاہر شریعت کے خلاف ہو اور نہ بداہت عقل سے متصادم یعنی عقل سلیم اسے جائز رکھتی ہو اور مخالف مسئلہ کو حقیقی عقلی مسائل سے نہ سمجھتی ہو اس پر ردو انکار اور اظہار ناپسندیدگی میں جلدی

کرنا معقول نہیں ہے اور نہ ان دونوں مسائل (وحدت وجودی و وحدت شہودی) میں ہر ایک کی جیسا کہ واضح ہو چکا ہے یہی نوعیت ہے کہ وہ مخالف شرع ہے نہ متصادم عقل۔

بعض احباب نے اپنے بعض رسائل میں وحدت وجود پر جو عقلی دلیل قائم کی اور اسے برہان قطعی سمجھا ہے تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) جو عقلی دلیل قائم کی اور اسے برہان قطعی سمجھا ہے تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) جو فن معقول میں مہارت رکھتا ہے اس پر واضح ہے کہ وہ خود کوئی چیز نہیں ہے۔ انصاف سے دیکھا جائے تو وہ درجہ خطابیہ کو نہیں پہنچتی' چہ جائیکہ اس سے قطعیت (استحکام) حاصل ہو سکے اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں جہاں حال (کشف و مشاہدہ) کا اعتبار ہو نہ کہ قال (دلیل و برہان) کا خود ان دلائل و براہین کے متعلق سوچنا' ایک بے مقصد کام میں عمر عزیز ضائع کرنا اور قیمتی وقت کا بیجا صرف کرنا ہے۔ حضرت مولانا جامیؒ ''نقد النصوص'' کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ مسئلہ توحید میں عمیق غور و فکر کے دوران اس پر نیند غالب آ گئی۔ خواب میں اس نے ایک کتاب دیکھی جس کے حاشیہ پر تحریر شدہ چند سطور کا مضمون یہ تھا کہ

> ''دریافت سرّ توحید جز بزوال تعینات وفنا از رسوم و عادات دست ندہد وتصرف کردن دراں بنظر عقل محل خوف سوء خاتمہ است۔''

> توحید کا راز معلوم کرنا تعینات (ممکنات) کے زوال اور رسوم و عادات سے فنا کے بغیر ممکن نہیں۔ اس میں عقلی طور پر سوچنے اور تصرف کرنے سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

> حق تعالیٰ سبحانہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

> اسی طرح حضرت شیخ اوحد الدین کرمانیؒ فرماتے ہیں:

> ''بر طالب خیر پوشیدہ ن ماند کہ بمجرد حفظ مقالات ارباب توحید وتخیل معانی آں اکتفا کردن و آں را مرتبہ از مراتب کمال شمردن غایت خسران ونہایت حرماں است۔''

> طالب خیر سے یہ پوشیدہ نہ رہے کہ ارباب توحید کے مقالات کو محض حفظ کر لینا ان کے معانی کے تخیل پر اکتفا کرنا اور اسی کو کمالات کے مرتبوں میں سے ایک مرتبہ شمار کر لینا حد درجہ خسران (خسارہ و نقصان) اور انتہائی محرومی ہے۔

اسی بناء پر حضرت والا (حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ) فرماتے ہیں کہ محض تقلید کی بنا پر ان مسائل کے متعلق گفتگو کرنا اور ان کتابوں میں مشغول رہنا نہ چاہئے اس لئے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ فائدہ نہیں ہے بلکہ بعض کے لئے ضرر اور نقصان ہے۔ اس کے درس کے مقابلے میں تفسیر و حدیث کے ساتھ مشغول رہنا زیادہ بہتر ہے اور سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضور ﷺ کی اتباع کا التزام کیا۔ نیز آپ نے (حضرت مظہر جان جاناں نے) فرمایا کہ ایک فاضل مولوی عبدالباعث نے جو وحدت وجود کے مشرب سے تعلق رکھتے ہیں' اپنے والد کا قصہ بیان کیا ہے کہ ایک دن انہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ ایک بڑا کشادہ سا میدان ہے اور آپ علماء

اور صوفیہ کی ایک جماعت کے ساتھ رونق افروز ہیں لیکن علماء کی جماعت آپ کے دائیں جانب ہے اور صوفیہ کی بائیں جانب اور علماء کی جماعت پوری دلیری سے صوفیہ کی جماعت کی طرف اشارہ کر کے حضور رسالت پناہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کی بارگاہ میں شکایت کر رہی ہے کہ انہوں نے (صوفیہ نے) شریعت کو بے رونق کر دیا ہے۔ بدعات کو رواج دیا اور وحدت وجود کے دعویٰ کی لب کشائی سے دنیا کو گمراہ کیا ہے اور صوفیہ (کی کیفیت یہ ہے کہ) شرم کے باعث گردن نیچی کئے ہیں اور دم نہیں مار رہے ہیں اور حضور ﷺ ان کے (صوفیہ کے) بارے میں فرط حیاء کے باعث ان کی تقصیرات کے باوجود ان سے کچھ نہیں فرما رہے ہیں۔ علماء کا یہ جوش اصالت وحقانیت کے باعث حضور ﷺ کی حمایت کے اعتماد کی بنا پر ہے اور حضور ﷺ کی حمایت کے اعتماد کی بناء پر ہے اور حضور ﷺ کا سکوت صوفیہ سے عشق و محبت کے باعث لیکن وہ علماء صوفیہ جو حضور ﷺ کے ظاہر و باطن کے وارث ہیں' دنیا کی بہترین مخلوق ہیں۔

حواشی

۱۔ پروفیسر خلیق انجم: مکاتیب مرزا مظہر جان جاناں۔ دہلی ۱۹۶۲ء مکتوب نمبر ۳
۲۔ ایضاً' مکتوب نمبر ۵
۳۔ ایضاً' مکتوب نمبر ۲۲
۴۔ ایضاً' مکتوب نمبر ۲۳

☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر ساجد الرحمٰن

امام ربانی کی تعلیماتِ تصوف

جب کسی چیز کو غیر معمولی شہرت حاصل ہو جائے تو اس کے متعلق اتنی راہیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اتنے افسانے گھڑ لئے جاتے ہیں کہ پھر اس کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنا بسا اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

کچھ اسی طرح کا معاملہ تصوف کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ ہر چند کہ ''تصوف'' کے الفاظ ہر کس و ناکس کی زبان پر ہیں مگر اس کی حقیقت سے عوام تو کیا اکثر خواص بھی ناآشنا ہیں۔ دور حاضر میں جو لوگ تصوف کی حقیقت سے بے خبر ہیں ان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو محض ناواقفیت کی وجہ سے تصوف کا منکر ہے۔ یہ گروہ تصوف کو بدعت اور ایک مہلک ٹیکہ گردانتا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ لوگ کہتے ہیں کہ تصوف کا مآل و انجام گمراہی و ضلالت ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو کہ تصوف کا علمبردار ہے لیکن اس نے بھی تصوف کی حقیقت کو جاننے میں کوتاہی کی۔ ان کے خیال میں تصوف شریعت کے تابع نہیں۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ شریعت اور تصوف یا طریقت دو جدا جدا راستے ہیں۔ ان دونوں گروہوں میں یہ نظریہ قدر مشترکہ ہے کہ تصوف شریعت اسلامیہ کے علاوہ خدارسی کا کوئی مستقل بالذات طریقہ ہے۔ مؤخر الذکر گروہ اکبری و جہانگیری دور میں بہت تقویت حاصل کر چکا تھا اور اس دور میں اسلامی عقائد کی بیخ کنی میں جہاں اور بہت سے عناصر سرگرم تھے وہاں اس گروہ نے بھی تصوف کے نام پر مسلمانوں کو ٹھوس عقائد میں کجی پیدا کرنے کی کوشش کی جس میں انہیں خاص کامیابی حاصل ہوئی۔ حضرت مجدد نے جنہیں اصلاح امت کی توفیق سے بہرہ مند کیا گیا تھا' جہاں دین کو بدعات سے پاک و صاف کرنے کی مہم کا آغاز فرمایا وہاں تصوف کی حقیقت کو بھی انتہائی شرح بسط کے ساتھ بیان فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ غلط نظریات کا دلائل و براہین کے ساتھ رد فرمایا۔ ذیل میں تصوف کی حقیقت کو مکتوبات مجدد کی روشنی میں پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے:

(۱)

دور جہانگیری میں عقیدہ وحدت الوجود کو بہت شہرت حاصل ہوئی ہے۔ اس نظریہ کے حاملین ''وجودی''

Marfat.com

کہلاتے تھے۔ان کا نظریہ یہ تھا کہ وجود ایک ہے اور وہی خدا ہے۔وجود سے ان کی مراد کل کائنات ہے۔مع ان اشیاء کے جو اس میں موجود ہیں' خواہ ان کا علم ہمیں ہو یا نہ ہو' وہ ہم کو نظر آتی ہوں یا نہ آتی ہوں' وہ ہمارے حواس ظاہری اور عقل سے معلوم و متحقق ہو سکتی ہوں یا نہ ہو سکتی ہوں۔[1] ابن عربی نے اس نظریہ ہمہ اوست کو علمی اور فلسفیانہ انداز میں تحریر کیا جس سے مسئلہ سلجھنے کے بجائے اور اُلجھ گیا۔درحقیقت یہ منازل سلوک کی واردات ہیں جن کو اگر فلسفیانہ انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ گتھی سلجھائی نہیں جا سکتی۔امام ربانی مجدد الف ثانی نے اس نظریے کی سختی سے تردید فرمائی۔آپ لکھتے ہیں:

''ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کے افعال کو بعینہٖ حق تعالیٰ کے افعال و صفات قرار دینا سخت بے ادبی بلکہ عزوجل کے اسماء و صفات میں الحاد ہے۔''[2]

۲۔ ایک اور مکتوب گرامی میں آپ مزید تشریح و توضیح کے ساتھ اس عقیدے کا ذکر فرماتے ہیں:

''وجود ہر خیال و کمال کا مبداء اور عدم ہر نقص و شرارت کا منشاء ہے' جل شانہ کے لئے ثابت ہے اور عدم ممکن کے نصیب ہے۔تمام خیر و کمال کو عدم کی طرف راجع کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ملک و ملک میں اس کو شریک بنانا ہے۔اسی طرح ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات و افعال کو حق تعالیٰ کے صفات و افعال کا عین بنانا بڑی بے ادبی اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات میں الحاد و شرک ہے۔''[3]

(۲)

تصوف کے حلقوں میں یہ بات بھی عموماً بیان کی جاتی ہے کہ ظاہر اور ہے اور باطن اور ہے۔اس اصول کی بنیاد پر اپنے آپ کو شرع کی پابندی سے آزاد کر لیا جاتا ہے۔حضرت امام ربانی اس خیال فاسد کا ردّ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''شریعت ظاہری اعمال کا نام ہے اور یہ معاملہ اس جہاز میں باطن سے تعلق رکھتا ہے' ظاہر ہمیشہ شریعت کے ساتھ مکلف ہے اور باطن اس معاملے میں گرفتار ہے۔چونکہ یہ جہان دار عمل ہے' باطن کو ظاہری اعمال سے بڑی مدد ملتی ہے اور باطن کی ترقیات شریعت کے بجا لانے پر جو ظاہر سے تعلق رکھتی ہیں' منحصر اور موقوف ہیں۔پس اس جہان میں ہر وقت ظاہر و باطن کے لئے شریعت کا ہونا ضروری ہے۔ظاہر کا کام شریعت پر عمل کرنا ہے اور اس کے نتائج و ثمرات باطن کے نصیب ہیں۔''[4]

Marfat.com

(۳)

شروع سے صوفیہ کا ایک گروہ منازل سلوک طے کرنے کے لئے ترک دنیا کو ضروری خیال کرتا ہے۔ چنانچہ صوفیہ کے اکثر تذکروں میں ''ترک دنیا'' کی اصطلاح کا استعمال ہوا ہے حالانکہ اسلام ''لا رھبانیة فی الا سلام'' کا درس دیتا ہے اور سرور کائنات ﷺ کی حیات طیبہ کا عملی نمونہ بھی سامنے موجود ہے۔ البتہ جلوت کی دوستی کے لئے کچھ عرصہ کے لئے خلوت کا اختیار کرنا درست ہوسکتا ہے اور اس کے لئے حضور سرور عالم ﷺ کی ''حرانشینی'' کو بطور سند پیش کیا جاسکتا ہے۔ مگر مستقل طور پر دنیا والوں سے تعلق منقطع کر لینا اسلام کے مزاج اور فطرت کے اصولوں کے سراسر خلاف ہے۔ خداوند کائنات نے امت مسلمہ کو ''خیر امتہ'' کا لقب اسی لئے عنایت فرمایا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو سرانجام دیتی ہے۔ جب دنیا سے ہی لاتعلقی کر لی تو دنیا والوں کی اصلاح کا موقع کیسے نصیب ہو گا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا:

طریقت بجز خدمت خلق نیست
ز تسبیح و سجادہ و دلق نیست

حضرت مجدد الف ثانی رقمطراز ہیں:

> ''آدمی کو جس طرح حق تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے بجالانے سے چارہ نہیں ویسے ہی خلق کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ غمخواری کرنے سے بھی چارہ نہیں۔ ''التعظیم لا مر اللہ و الشفقة علیٰ خلق اللہ''۔ اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت کرنا انہی دو حقوق کے ادا کرنے کا بیان فرماتا ہے اور دونوں طرف کو مدنظر رکھنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ پس ان دونوں میں سے صرف ایک ہی پر اقتصار کرنا سراسر قصور ہے اور کل کو چھوڑ کر جزو پر کفایت کرنا کمالیت سے دور ہے۔ پس خلق کے حقوق کو ادا کرنا اور ان کی ایذا کو برداشت کرنا ضروری ہے۔''[۵]

(۴)

اکثر لوگ کرامات کو ولایت کا معیار سمجھتے ہیں۔ حالانکہ روحانی کرشمے دلیل صداقت نہیں اور اس کے لئے ولایت کا ہونا تو درکنار ایمان کا وجود بھی ضروری نہیں۔ دنیا میں بے شمار عامل ایسے ہیں جو نہ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور نہ رسالت ہی پر ایمان رکھتے ہیں مگر محیر العقول خوارق عادات چیزوں کو ظہور میں لے آتے ہیں۔ حدیث میں روایت ہے کہ دجال بڑے بڑے کرشمے دکھائے گا اور قرآن میں ساحرین فرعون کا ذکر بھی موجود ہے۔ الغرض ولایت کے لئے کرامات کا ظہور ضروری نہیں اور نہ کرامات ہی کا ظہور مقتضیات ولایت میں سے ہے۔ ولایت کے لئے تو استقامت علی الدین بنیادی شرط ہے۔ کسی مستقیم الاحوال صوفی شاعر نے خواب کہا۔

Marfat.com

ما برائے استقامت آمدیم
نے برائے کشف و کرامت آمدیم

حضرت امام ربانی کشف وکرامات کے متعلق اپنے ذاتی نظریہ کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''نامشروع طریقوں پر جو احوال و کیفیات مترتب ہوں وہ فقیر کے نزدیک استدراج کے قبیل سے ہیں کیونکہ اہل استدراج کو بھی احوال و کیفیات ہاتھ آتے ہیں ...... حکمائے یونان اور ہندوستان کے جوگی سادھو اس معاملے میں شریک ہیں' احوال و کیفیات کی سچائی اور مقبولیت کی علامت مشتبہ امور سے مکمل پرہیز کے ساتھ ساتھ علوم شرعیہ سے ان احوال کی موافقت اور مطابقت ہے۔''[6]

ایک اور مکتوب گرامی میں جو آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے نام ہے آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اے فرزند! جو بات کل قیامت کے دن کام آئے گی وہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے' احوال علوم ومعارف اور اشارات ورموز اگر اس متابعت کے ساتھ جمع ہو جائیں تو بہتر اور زہے قسمت' ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں۔''[7]

اس ضمن میں ایک اور مکتوب ملاحظہ ہو جس سے کشف وکرامت کے متعلق مسلک امام ربانی صاف واضح ہو جاتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''خوارق وکرامات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں' جس طرح علماء خوارق کے حاصل کرنے کے لئے مکلّف نہیں اسی طرح اولیاء بھی خوارق کے ظہور پر مکلّف نہیں کیونکہ ولایت سے مراد قرب الٰہی ہے جو ماسوا کے نسیان کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ بعض کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع نہیں دیتے۔ بعض کو یہ قرب بھی دیتے ہیں۔ غائبانہ حالات پر اطلاع بھی بخشتے ہیں اور بعض کو قرب کچھ نہیں دیتے لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع دے دیتے ہیں۔ یہ تیسری قسم کے لوگ اہل استدراج ہیں۔ نفس کی صفائی نے ان کو غائبانہ کشف میں مبتلا کر کے گمراہی میں ڈالا ہے۔ ویحسبون انھم علیٰ شی الاانھم ھم الکذبون o استحوذ علیھم الشیطٰن فانسھم ذکر اللہ اولئک حزب الشیطٰن الا ا ان حزب الشیطٰن ھم الخسرون۔''[8]

(۵)

حضرت مجدد الف ثانی ہر حال میں تصوف کو سنت رسول ﷺ کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ولی کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ اس کی زندگی کا ہر عمل رسول خدا ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ بعض صوفیہ نے

Marfat.com

غلبہ سکر وحال کی وجہ سے بعض کلمات ایسے کہہ ڈالے جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

حضرت مجدد تلقین فرماتے ہیں کہ صوفی کا ایسا قول جو شرع کے مطابق نہ ہو قطعاً قبول نہ کیا جائے۔ آپ لکھتے ہیں:

"اگر صوفیہ کا کلام احکام شرعی کے مطابق نہیں ہے تو اس کا ہرگز اعتبار نہیں ہے اور نہ حجت اور تقلید ہی کے لائق ہے۔ کیونکہ حجت اور تقلید کے لائق علمائے اہل سنت و جماعت کے اقوال میں پس صوفیہ کا جو کلام ان علماء کے اقوال کے موافق ہے وہ معقول ہے اور جو مخالف ہے وہ مردود ہے۔ مستقیم الاحوال صوفیہ احوال و اقوال' اعمال اور علوم و معارف میں ہرگز شریعت سے تجاوز نہیں کرتے۔ اگر کسی کا حال سکر کے وقت شریعت کے مخالف ہو تو معذور ہے اور اس کا کشف غیر صحیح ہے۔ اس کی تقلید ناجائز اور نادرست ہے۔ اس کی تاویل کرنی چاہیے۔"[۹]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے "کل حقیقه ردته الشریعة فهو زندقة"[۱۰] فرما کر تصوف میں بدعت کے داخل ہونے کے تمام راستوں کو مسدود کر دیا ہے۔

(۶)

حضرت امام ربانی تصوف میں رائج غیر مشروع ریاضتوں اور مجاہدوں کے سخت خلاف ہیں۔ یہ ریاضتیں اور مجاہدے نفس امارہ کی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ نفسانی خواہشات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے شریعت مطہرہ پر عمل کرنے سے بہتر کوئی تریاق نہیں۔ اسلام طہارت' پاکیزگی اور ستر پوشی کی تعلیم دیتا ہے مگر ہمارے عقیدے کی پختگی کی یہ حالت ہے کہ جب کسی مخبوط الحواس کو ننگا اور بے ربط باتوں میں مصروف پاتے ہیں تو اسے ولی کمال سمجھ لیتے ہیں' اس سے مرادیں مانگتے ہیں اور اگر کوئی جرأت کر کے منع کرے تو جواب یوں ملتا ہے کہ یہ فقیر کے رموز ہیں جنہیں سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ ایسا فقر جو شرع پیغمبر کے سراسر خلاف ہو' اس سے الامان والحفیظ۔ حضرت امام ربانی تحریر فرماتے ہیں:

"جاننا چاہئے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہ کی طرف رہنمائی کرے۔ یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح تر ہے کیونکہ پیر تعلیم شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما بھی۔ برخلاف پیر خرقہ کے پس پیر کو تعلیم کے آداب کی زیادہ رعایت کرنی چاہئے۔ پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی طریقہ ہے اور اس طریق میں نفس امارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجاہدے احکام شرعی کے بجالانے اور سنت عالیہ علی صاحبہا الصلوٰة والسلام کی متابعت کو لازم پکڑنے میں ہے کیونکہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے مقصود نفس امارہ کی خواہشات کو دور کرنا ہے جو کہ اپنے مولیٰ جل شانہ کی دشمنی کے ساتھ قائم ہوا ہے۔ پس نفسانی خواہشات کو دور کرنا احکام شرعیہ کو بجالانے سے وابستہ ہے۔ جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا۔ اسی

Marfat.com

قدر خواہشات نفسانی سے دور ہوگا۔ پس نفس امارہ پر شریعت کے اوامر ونواہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں اور صاحب شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے۔ وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کئے جائیں۔ معتبر نہیں کیونکہ جوگی ہندو برہمن اور یونان کے فلسفی اس امر میں شریک ہیں اور وہ ریاضتیں ان کے حق میں گمراہی کے سوا اور کچھ زیادہ نہیں کرتیں اور خسارے کے سوا اور کچھ رہنمائی نہیں کرتیں۔''[11]

(۷)

صوفیہ کے ایک مخصوص طبقہ میں سماع (چنگ ومزامیر) کو روح کی غذا سمجھا جاتا رہا ہے اور آج بھی باہتمام محفل سماع کا انعقاد جاری ہے۔ مجھے جتنے بھی صوفیہ عظام (خواہ وہ کسی بھی سلسلہ تصوف سے منسلک تھے) کی زندگیوں کے مطالعہ کا موقع ملا ہے کسی کی تعلیمات میں بھی مروجہ محفل سماع کا جواز نظر نہیں گزرا۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی ''فوائد الفواد'' ہو یا حضرت داتا گنج بخشؒ کی ''کشف المحجوب'' سب اس بات پر شاہد ہیں کہ مروجہ ''محفل سماع'' ان کے نقطہ نظر کے مطابق درست نہیں ہے کیونکہ ان کی مقررہ شرائط کی کہیں بھی پابندی نہیں کی جاتی۔ حضرت امام ربانی سماع کو روح کی غذا نہیں بلکہ فنا خیال کرتے اور سختی سے اس کی ممانعت فرماتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''جو رقص وسرود آج کل متعارف ہے اور جو مجلس واجتماع آج کل مشہور ومعروف ہیں ان کے مضر محض اور منافی شرع ہونے میں کچھ شک نہیں۔ عروج وہاں بے معنی ہے۔ سماع سے مدد واستعانت مفقود ہے اور اس کی مضرت ونقصان موجود ہے۔''[12]

درج ذیل مکتوب گرامی میں جو آپ کے صاحبزادوں کے نام ہے' آپ بالدلائل سماع کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہیں:

''سماع ورقص درحقیقت لہو ولعب میں داخل ہے۔ آیہ کریمہ: ومن الناس من یشتری لھو الحدیث سرود کے منع ہونے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ مجاہد نے جو ابن عباس کا شاگرد ہے' اسے سرود کے لئے یہ قرار دیا ہے۔ نیز ابن مسعود اور ابن عباس نے بھی یہی تصریح کی ہے۔ آیات واحادیث اور فقہی روایات غناء اور سرود کی حرمت میں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے' اگر کوئی شخص منسوخ حدیث یا روایت شاذ کو سرود کے مباح ہونے پر دلیل کے طور پر پیش کرے تو یہ امر قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ کسی فقیہ نے کسی عہد میں سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا اور نہ رقص وپاکوبی کو جائز قرار دیا ہے اور صوفیہ کا عمل حل وحرمت میں سند نہیں ہے۔ صرف یہی کافی ہے کہ ہم انہیں معذور سمجھیں اور انہیں ملامت نہ کریں۔ یہاں تو امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی' ابی حسن نوری کا عمل۔ اس زمانے

Marfat.com

کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ کر کے سرود ورقص کو اپنا دین بنالیا ہے اور اس کو اطاعت وعبادت سمجھ لیا ہے۔ اللہ کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس امر میں مبتلا نہیں ہوئے اور ہم تابعداروں کو ایسے امور کی تقلید سے چھڑا دیا ہے۔'' [۱۳]

(۸)

حضرت امام ربانی نے تصوف کے متعدد طرق میں سے طریقہ نقشبندیہ کو پسند فرمایا ہے اور اس سلسلے سے وابستگی کی تلقین فرمائی ہے۔ طریقہ نقشبندیہ کے ساتھ حضرت مجدد کے لگاؤ کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں بدعات کی قطعاً گنجائش نہیں اور اس سلسلے میں مراتب سلوک کے حصول کا واحد ذریعہ سنت رسول کی متابعت ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اور طرق صوفیہ میں سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا مناسب اور بہتر ہے کیونکہ ان بزرگواروں نے سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو اور احوال کچھ بھی نہ ہوں تو خوش ہیں اور اگر احوال کے با متابعت میں فتور جانیں تو احوال کو پسند نہیں کرتے اس لئے ان بزرگوں نے سماع و رقص کو جائز نہیں رکھا اور ان احوال کا جوان پر مرتب ہوں کچھ اعتبار نہیں کرتے بلکہ ذکر جہر سے بھی اسے بدعت سمجھ کر منع کیا ہے اور جو فوائد اور ثمرات اس پر مرتب ہوتے ہیں ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ہے۔'' [۱۴]

الغرض حضرت شیخ مجدد کا تصوف قرآن وسنت پر عمل کرنے کا نام ہے۔ وہ اس تصوف کی تعلیم دیتے ہیں جو خلفائے کبار کا تصوف تھا۔ ایسا تصوف تھا' جو یونانی فلسفہ کے امتزاج سے پیدا ہوا اور بدعات کا مجموعہ بن کر رہ گیا اور جس کے حاملین کو دیکھ کر ہندو جوگیوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ حضرت امام ربانی کو اس قسم کے تصوف سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ مضمون کا اختتام عبدالماجد دریا بادی کی اس عبارت پر کرتا ہوں جو انہوں نے حضرت مجدد کی تعلیمات تصوف کے متعلق زیب قرطاس فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

''عہد نبوت سے تقریباً ایک ہزار سال گزرنے پر شیخ احمد سرہندی پیدا ہوئے جنہوں نے نہ صرف سلسلہ نقشبندیہ بلکہ تمام سلاسل تصوف میں تجدید واصلاح کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ اس کی صدائے بازگشت آج تک دنیائے اسلام کے در و دیوار سے آ رہی ہے۔ شیخ موصوف کے مکتوبات کے ضخیم دفتر ملک میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں شروع سے آخر تک مختلف اسلوبوں اور پیرایوں میں صرف ایک ہی دعویٰ کی تکرار' صرف ایک ہی دعوت کا اعادہ ہے اور وہ یہی ہے کہ صوفیہ کو عقائد واعمال ہر شے میں کتاب وسنت ہی کو اپنا دلیل راہ بنانا چاہئے۔'' [۱۵]

Marfat.com

حواشی

۱۔ حقیقت وحدۃ الوجود' مصنفہ خواجہ عبدالحکیم انصاری' ص۔۴۰
۲۔ مکتوبات' دفتر اول' مکتوب نمبر ۲۷۲
۳۔ مکتوبات' دفتر دوم' مکتوب نمبر ۱۱
۴۔ مکتوبات' دفتر دوم' مکتوب نمبر ۴۶
۵۔ مکتوبات' دفتر اول' مکتوب نمبر ۱۷۰
۶۔ مکتوبات' دفتر اول' مکتوب نمبر ۲۶۶
۷۔ تذکرہ مجدد الف ثانی' مصنفہ سید زوار حسین شاہ' ص۔۴۳۰
۸۔ مکتوبات' دفتر دوم' مکتوب نمبر ۹۶
۹۔ مکتوبات' دفتر دوم' مکتوب نمبر ۲۸۹
۱۰۔ مکتوبات' دفتر اول' مکتوب نمبر ۴۳
۱۱۔ مکتوبات' دفتر اول' مکتوب نمبر ۲۲۱
۱۲۔ مکتوبات' دفتر اول مکتوب' نمبر ۳۸۵
۱۳۔ مکتوبات' دفتر اول' مکتوب نمبر ۲۶۶
۱۴۔ مکتوبات' دفتر اول' مکتوب نمبر ۶۶
۱۵۔ تصوف اسلام' مرتبہ' مولانا عبدالماجد دریابادی' ص۔۷

Marfat.com

مولانا اشہد رفیق ندوی

شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی کارنامے

علمائے عصر جدید کی نظر میں

شیخ احمد بن عبدالاحد زین العابدین فاروقی سرہندیؒ (۹۷۱۔۱۰۳۴ھ مطابق ۱۵۶۴۔۱۶۲۴ء) مجدد الف ثانی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہ دراصل ان کا خطاب ہے جو اتنا مشہور ہو گیا کہ اصل نام تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں بہت ڈھونڈنے کے بعد ملتا ہے۔

حضرت شیخ سرہندیؒ کو یہ خطاب عہد اکبری و عالم گیری میں ان کے انقلابی و تجدیدی کارناموں کی وجہ سے حاصل ہوا۔ اس خطاب کے پس منظر میں سنن ابی داؤد کی ایک مشہور روایت ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بند پیدا کرے گا جو اس کے لئے اس دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے۔"[1] سنت الٰہی کے مطابق ہر زمانہ اور صدی میں مصلحین و مجددین پیدا ہوتے رہے اور دین کو نیا اور تازہ کرتے رہے ہیں، مگر اسلام کی تقریباً چودہ سو سال کی تاریخ میں یہ خطاب صرف حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو حاصل ہوا اور خطاب کے لاحقہ الف ثانی کا یہ مطلب سمجھا جاتا ہے کہ یہ پورے دوسرے ہزاریہ کے لئے مجدد بنائے گئے۔

شیخ سرہندیؒ کی ذات اور کارنامے اتنے عظیم ہیں کہ ہر دور کے علماء و محققین انہیں موضوع بحث بناتے رہے ہیں۔ عصر جدید کے متعدد جلیل القدر علمائے کرام نے بھی ان کے افکار و خیالات اور تجدیدی کارناموں کا گہرا مطالعہ کیا اور انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ان میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، علامہ اقبال، مولانا منظور نعمانی، مولانا محمد عبدالشکور فاروقی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ پیش نظر مقالہ میں انہی علماء و محققین کی تحقیقات و نگارشات کے حوالہ سے حضرت شیخ سرہندیؒ کے مقام و مرتبہ کا تعین اور اس مقام بلند تک پہنچنے کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

معاصر محقق ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری نے حضرت شیخ کے ایک مکتوب کے حوالہ سے اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ "حضرت خود کو ایک ولی سے بڑھ کر ایک مجدد سمجھتے تھے جو الف ثانی میں کار تجدید کے لئے اٹھائے گئے ہیں"[2]

مولانا محمد عبدالشکور فاروقی کو اس دعویٰ پر مکمل شرح صدر ہے، چناں چہ وہ لکھتے ہیں: "حضرت کا مجدد الف ہونا

بھی ایک بڑی چیز ہے' آپ سے پہلے صدی کے مجدد ہوا کرتے تھے' الف کا مجدد کوئی نہیں ہوا۔ الف ثانی کا آغاز ہی نہ ہوا تھا اور الف اول میں خود ذات اقدس واطہر سید البشر ﷺ کی موجود تھی۔ آپ سے پہلے جس قدر مجدد صدیوں کے گزرے ہیں کوئی مجدد دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا' بلکہ خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد مجدد نظر آتے ہیں۔ کوئی علم حدیث کا' کوئی فقہ کا' پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجددؒ ہے' کوئی فقہ شافعی کا' کوئی علم کلام کا مجدد ہے اور کوئی سلوک و احسان کا' لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے لئے مخصوص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدد ہیں' جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ سے پہلے کے مجددین کو سید الانبیاء ﷺ کی نیابت خاص خاص چیزوں میں حاصل تھی اور آپ کو تمام چیزوں میں نیابت نامہ حاصل ہے۔ آپ سے پہلے کے مجددوں کی خدمات کا اثر صرف ایک صدی کے لئے ہوتا تھا اور آپ کی مجددیت ایک ہزار سال کے لئے ہے''۔[3]

مولانا ابوالکلام آزاد بھی شیخ سے بے حد متاثر ہیں۔ وہ ان کے تجدیدی کارناموں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہاں گیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء و مشائخ حق سے بالکل خالی ہو گیا تھا! کیسے کیسے اکابر موجود تھے' لیکن مفاسد وقت کی اصلاح و تجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا' صرف مجدد الف ثانی شیخ سرہندیؒ کا وجود گرامی ہی تن تنہا اس کاروبار کا کفیل ہوا۔''[4]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس سے بھی زیادہ بلند آہنگ میں ان کے تجدیدی کارناموں کو سراہا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''ہندوستان کے مختلف گوشوں میں اس وقت بھی بہت سے حق پرست علماء اور سچے صوفیا موجود تھے' مگر ان کے درمیان وہ ایک اکیلا شخص تھا جو وقت کے ان فتنوں کی اصلاح اور شریعت محمدیؐ کی حمایت کے لئے اٹھا اور جس نے شاہی قوت کے مقابلہ میں یکہ و تنہا احیائے دین کی جدوجہد کی''۔[5]

مولانا محمد منظور نعمانی نے نسبتاً محتاط الفاظ میں یہی باتیں اس طرح کہی ہیں:

> ''امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ سے دین کی تجدید و حفاظت اور احیائے شریعت کا جو عظیم کام ہمارے اس ملک میں لیا وہ بھی اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا لقب مجدد الف ثانی ایسا مشہور ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے' صرف مجدد الف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں۔''[6]

کارِ تجدید کیا ہے؟

حضرت شیخ سرہندیؒ کے تجدیدی کارناموں کی تفصیلات بے شمار مقدمات پر ملتی ہیں مگر خود کارِ تجدید کیا ہے اور تجدیدی کارناموں کے پرکھنے کا معیار کیا ہے؟ اس موضوع پر مآخذ بالعموم خاموش ہیں۔ مولانا منظور نعمانی نے اس سلسلے میں مختصراً اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بہت شرح و بسط کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے۔ مولانا نے اپنی کتاب ''تجدید

Marfat.com

احیائے دین' میں خاص طور پر اسی عقدہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ کارِ تجدید کی تعریف وہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''دراصل تجدید کا کام یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت کے تمام اجزاء سے چھانٹ کر الگ کیا جائے' کسی نہ کسی حد تک اس کو اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔''

تجدیدی کارناموں اور مجدد کے معیار کو پرکھنے کے لئے انہوں نے کچھ اصول اور میدان کار متعین کیے ہیں اور انہیں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

۱...... اپنے ماحول کی تشخیص: یعنی حالات کا پورا جائزہ لے کر یہ سمجھنا کہ جاہلیت کہاں کہاں کس حد تک سرایت کر گئی ہے؟ کن کن راستوں سے آئی ہے؟ اس کی جڑیں کہاں کہاں اور کتنی پھیلی ہوئی ہیں؟ اور اسلام اس وقت ٹھیک کس حالت میں ہے؟

۲...... اصلاح کی تجویزیں: یعنی یہ تعین کرنا کہ اس وقت کہاں ضرب لگائی جائے کہ جاہلیت کی گرفت ٹوٹے اور اسلام کو پھر اجتماعی زندگی پر گرفت کا موقع ملے؟

۳...... خود اپنے حدود کا تعین: یعنی اپنے کو تول کر صحیح اندازہ لگانا کہ میں کتنی قوت رکھتا ہوں اور کس راستے سے اصلاح کرنے پر قادر ہوں؟

۴...... ذہنی انقلاب کی کوشش: یعنی لوگوں کے خیالات کو بدلنا' عقائد و افکار اور اخلاقی نقطۂ نظر کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا' نظامِ تعلیم و تربیت کی اصلاح اور علوم اسلامی کا احیاء کرنا اور فی الجملہ اسلامی ذہنیت کو ازسرنو تازہ کر دینا۔

۵...... عملی اصلاح کی کوشش: یعنی جاہلی رسوم کو مٹانا' اخلاق کا تزکیہ کرنا' اتباع شریعت کے جوش سے پھر لوگوں کو سرشار کر دینا اور ایسے افراد تیار کرنا جو اسلامی طرز کے لیڈر بن سکیں۔

۶...... اجتہاد فی الدین: یعنی دین کے اصول کلیہ کو سمجھنا' اپنے وقت کے تمدنی حالات اور ارتقائے تمدن کی سمت کا اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح اندازہ لگانا اور یہ تعین کرنا کہ اصول شرع کے ماتحت تمدن کے پرانے متوارث نقشے میں کس طرح ردوبدل کیا جائے جس سے شریعت کی روح برقرار رہے۔ اس کے مقاصد پورے ہوں اور تمدن کے صحیح ارتقاء میں اسلام دنیا کی امامت کر سکے۔

۷...... دفاعی جدوجہد: یعنی اسلام کو مٹانے اور دبانے والی سیاسی طاقت کا مقابلہ کرنا اور اس کے زور کو توڑ کر اسلام کے ابھرنے کا راستہ پیدا کرنا۔

۸...... احیائے نظامِ اسلامی: یعنی جاہلیت کے ہاتھ سے اقتدار کی کنجی چھین لینا اور ازسرنو حکومت کو عملاً اس نظام پر قائم کر دینا جسے صاحب شریعت علیہ السلام نے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

۹...... عالم گیر انقلاب کی کوشش: یعنی صرف ایک ملک یا ان ممالک میں جہاں مسلمان پہلے سے موجود ہوں' اسلامی نظام کے قیام پر اکتفا نہ کرنا' بلکہ ایک ایسی طاقت اور عالمی تحریک برپا کرنا جس سے اسلام کی اصلاحی و انقلابی دعوت عام انسانوں میں پھیل جائے' وہی تمام دنیا کی غالب تہذیب بنے' ساری دنیا کے نظامِ تمدن میں اسلامی طرز کا انقلاب برپا ہو اور عالم انسانی کی اخلاقی' فکری اور سیاسی امامت و ریاست اسلام کے ہاتھ میں آ جائے۔

ان شعبوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تین مدات تو ایسی ہیں جو ہر اس شخص کے لئے ناگزیر

Marfat.com

ہیں جو تجدید کی خدمت انجام دے۔لیکن باقی چھ مدیں ایسی ہیں جن کا جامع ہونا مجدد کے لئے شرط نہیں ہے۔ بلکہ جس نے ایک' دو' تین یا چار شعبوں میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا وہ بھی مجدد قرار دیا جا سکتا ہے۔البتہ اس قسم کا مجدد جزوی ہوگا' کامل مجدد نہ ہوگا۔کامل مجدد صرف وہ شخص ہوسکتا ہے جو ان تمام شعبوں میں پورا کام انجام دے کر وراثت کا حق ادا کرے۔[8]

شیخ سرہندی کے تجدیدکارنامے

ان علماء و محققین نے شیخ کی خدمات جلیلہ کو صرف خراج عقیدت ہی نہیں پیش کیا ہے' بلکہ ان کا گہرائی سے تجزیہ بھی کیا ہے۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے شیخ کی تجدیدی خدمات کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے:

''۱۔انہوں نے ہندوستان میں حکومت کو بالکل ہی کفر کی گود میں جانے سے روکا اور اس فتنۂ عظیم کے سیلاب کا منہ پھیرا جو اب سے تین چار سو برس پہلے ہی اسلام کا نام ونشان مٹا دیتا۔

۲۔تصوف کے چشمۂ صافی کو ان آلائشوں سے' جو فلسفیانہ اور راہبانہ گم راہیوں کے سبب اس میں سرایت کر گئی تھی' پاک کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا۔

۳۔ان تمام رسوم جاہلیت کی شدید مخالفت کی جو اس وقت عوام میں پھیلی ہوئی تھیں اور سلسلۂ بیعت وارشاد کے ذریعہ سے اتباع شریعت کی ایک ایسی تحریک پھیلائی جس کے ہزار ہا تربیت یافتہ کارکنوں نے نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں میں' بلکہ وسط ایشیا تک پہنچ کر عوام کے اخلاق وعقائد کی اصلاح کی کوشش کی۔''[9]

مولانا محمد منظور نعمانی نے بھی شیخ سرہندی کے تجدیدی جہاد کے تین میدان متعین کئے ہیں۔لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے ان فتنوں کے سرچشموں کو دریافت کیا تو دیکھا کہ اصولی طور پر صرف تین راستے ہیں جن سے گم راہیوں اور تباہیوں کے یہ سیلاب آ رہے ہیں۔ایک ارباب حکومت' جن کو حالات و اتفاقات کی ایک خالص رفتار اور سیاسی مفاد کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے ''اسلامیات'' سے بے گانہ اور لامذہبیت بلکہ ہندویت سے آشنا بنا دیا۔دوسرے وہ علمائے سوء جن کا مطمح نظر صرف اچھی طرح دنیا کمانا' ارباب اقتدار اور امرائے وقت کی خوش نودی اور رضا جوئی میں ساعی رہنا اور ان کی خاطر ہر منکر کو معروف بنا دینا اور اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کے لئے اسلام میں گنجائش پیدا کرنا ہے۔تیسرے وہ گم راہ اور برخود غلط صوفی' جو شریعت کو ظاہر پرستوں کا کھلونا سمجھتے ہیں اور طریقت وحقیقت کے مقدس ناموں سے انہوں نے اپنی الگ دنیا بنا رکھی ہے۔یہ تھے فتنوں کے تین چشمے۔حضرت مجددؒ نے بس انہی کو قابو میں لانے اور ان کا رخ صحیح کرنے کے لئے اپنی پوری حکمت وقوت صرف فرما دی۔''[10]

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس بحث کو ایک نئی جہت دی ہے۔انہوں نے اپنے پیش رو علماء و محققین کا گہرائی سے تجزیہ کیا۔ان کا خیال ہے کہ حضرت کے تجدیدی کارناموں کا تجزیہ کرنے والوں نے ان کے اصل تجدیدی کارنامے کی تعین میں مختلف رائیں پیش کی ہیں۔مختصراً انہیں تین خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اس لئے مجدد الف ثانی کہلانے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کو اسلام کے

Marfat.com

لئے دوبارہ بازیاب کیا اور اس کو برہمنیت یا وحدت ادیان کی گود میں جانے سے بچا کر دوبارہ محمد عربی ﷺ اور دین حجازی کی تولیت ونگرانی میں دیا۔

دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا اصلی تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے طریقت پر شریعت کی فوقیت و بالادستی کو ایسے پُر اعتماد مبصرانہ وتجربہ کارانہ اور اس قوت و وضاحت کے ساتھ بیان کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا اور اس سے طریقت کا شریعت کے تابع بلکہ خادم ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ سمجھتا ہے کہ انہوں نے وحدۃ الوجود کے عقیدہ ونظریہ پر وہ کاری ضرب لگائی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لگائی تھی اور پھر اس کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔"[11]

ان گروہوں کا تجزیہ کرنے کے بعد مولانا ندوی نے ان کے تمام تجدیدی کارناموں کا ایک مرکزی نکتہ تلاش کیا ہے اور اسی کے اندر تمام کارناموں کو سمو دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"حقیقت میں ان کا اصل کارنامہ جس کے جلو میں ان کے سارے تجدیدی کارنامے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور ان کی تجدید کا اصل سرچشمہ جس سے ان کے تمام انقلابی واصلاحی کاموں کے چشمے پھوٹتے ہیں اور دریا بن کر سارے عالم اسلام میں رواں دواں ہو جاتے ہیں' وہ نبوت محمدی اور اس کی ابدیت وضرورت پر امت کا اعتماد بحال کرنے اور مستحکم کرنے کا وہ تجدیدی وانقلابی کارنامہ ہے جو ان سے پہلے اس تفصیل و وضاحت وقوت کے ساتھ ہمارے علم میں کسی مجدد نے انجام نہیں دیا۔

اس تجدیدی اقدام سے ان تمام فتنوں کا سدباب ہوتا ہے جو اس وقت عالم اسلام میں منہ پھیلائے ہوئے اسلام کے شجرۂ طیبہ اور اس کے پورے اعتقادی' فکری اور روحانی نظام کو نگل لینے کے لئے تیار تھے۔ ان میں ایران کی وہ نقطوی تحریک اور اس کے پیرو بھی شامل ہیں جنہوں نے نبوت محمدی اور اس کے بقا و دوام کے خلاف کھلے طریقہ پر علم بغاوت بلند کیا تھا۔ ان فتنوں میں اکبر کا دین الٰہی اور آئین جدید بھی شامل ہے جو ہندوستان میں نبوت وشریعت محمدی کی جگہ لینے اور اس کا بدل بننے کا مدعی تھا۔ اس سلسلے میں وحدۃ الوجود کا فلسفہ بھی آتا ہے جو اپنے داعیوں اور علم برداروں کے بقول کشفی حقائق پر مبنی تھا۔ اس ضمن میں فرقۂ امامیہ کا گروہ بھی آتا ہے جس کے اساسی عقائد میں امامت کا عقیدہ بھی ہے۔

اسی طرح انہوں نے نبوت محمدی پر ایمان واعتماد کی تجدید کی شاہ کلید سے وہ سارے بھاری پیچیدہ قفل کھول دیئے جو یونانی اور ایرانی فلسفہ اور مصری وہندوستانی اشراقیت نے ایجاد کئے تھے۔ ایک تیر سے ان سب فتنوں کا شکار کیا جن کا مسلمانوں کا ذہین طبقہ نشانہ بنا ہوا تھا"۔[12]

طریقۂ تجدید

ہر مجدد نے اپنے عہد کے حالات اور ضرورت کے لحاظ سے اپنا الگ طریقۂ کار متعین کیا اور کارہائے تجدید و انقلاب انجام دیئے۔ حضرت شیخ سرہندیؒ نے بادشاہ وقت' امرائے پُر جلال' بڑے بڑے علماء وصوفیا کے ذہن وفکر کا رخ موڑ دیا اور اس کے لئے نہ کوئی تنظیم بنائی' نہ جہاد کا اعلان کیا' نہ کوئی عوامی مہم ہی چلائی' بلکہ نہایت خاموشی کے ساتھ

Marfat.com

ایمان واخلاص کے بل بوتے پر مومنانہ حکمت وفراست سے مختلف محاذوں پر انقلابی تدابیر کرتے رہے اور مختصر عرصہ میں کایا پلٹ دی۔

حضرت مجددؒ کی جدوجہد تین مختلف محاذوں پر تین مختلف طریقوں سے جاری تھی۔

۱۔ خطوط نویسی ۲۔ تصنیف وتالیف ۳۔ حلقۂ ارشاد وتربیت

۱۔ خطوط نویسی

اس عظیم انقلابی مہم کو سر کرنے کے لئے حضرت مجددؒ نے جو سب سے اہم وسیلہ اختیار کیا وہ خطوط نویسی ہے۔ انہوں نے امراء وارا کین سلطنت، علماء وصوفیا اور اپنے ارادت مندان کو انفرادی خطوط کے ذریعے توجہ دلائی اور بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی:

''صفحۂ قرطاس پر اپنے دل کے ٹکڑے اتار کر رکھ دیئے۔ یہ خطوط اپنے درد واخلاص، جوش وتاثر، زور قلم اور قوت انشا کے لحاظ سے ان خطوط ومکاتب کے ذخیرے میں جو دنیا کی کسی زبان میں اور کسی دینی واصلاحی تحریک کی تاریخ میں سپرد قلم کئے گئے ہیں، خاص امتیاز رکھتے ہیں اور سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد آج بھی ان میں اثر ودل آویزی پائی جاتی ہے۔ حقیقت میں یہی خطوط مجدد صاحب کی دعوت وتبلیغ کے قاصد، ان کے زخمی دل کے صحیح ترجمان، ان کے قطرات اشک اور لخت ہائے جگر ہیں اور دسویں صدی میں ہندوستان کی عظیم سلطنت مغلیہ میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا، اس میں ان کا بنیادی حصہ اور سب سے بڑا دخل ہے۔''[13]

ان بابرکت خطوط نے بہت کم عرصہ میں بڑے بڑے امراء اور صوفیا کے قلوب کو مسخر کر لیا جو شاید ہزاروں تلواریں ٹوٹنے کے بعد بھی رام نہ ہوتے۔

۲۔ علمی وتحقیقی رسائل

حضرت شیخ سرہندیؒ نے مختلف اہم موضوعات پر کتابیں اور رسالے بھی تصنیف فرمائے جو ان کی اس تجدیدی مہم میں نسخۂ کیمیا ثابت ہوئے۔ ان کی یہ تحریریں بے حد مقبول ہوئیں اور ان کی سینکڑوں نقلیں تیار کی گئیں۔ پریس آ جانے کے بعد ان کتابوں کے متعدد زبانوں میں ترجمے ہوئے اور شروح وحواشی لکھے گئے۔

ان کتابوں اور رسائل نے بھی ان کی انقلابی کاوشوں میں چار چاند لگائے، خاص طور سے رسالہ ''اثبات النبوۃ''[14] رسالہ ''ردِ روافض''[15] اور ''المبداء والمعاد''[16] نے شیخ کی آراء کو مدلل کرنے اور مخاطب کو قائل کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔[17]

۳۔ شاگردان وعقیدت مندان اور خلفائے کبار

انفرادی خطوط ورسائل ایک طرف بڑے بڑے سلاطین، امراء اور علماء کے قلوب فتح کرتے رہے تو دوسری طرف شاگردان وارادت مندان بھی جوق در جوق آپ کے حلقہ میں شامل ہو کر اس کار خیر کو آگے بڑھانا چاہتے تھے

Marfat.com

چناں چہ ان کی اس خاموش جدو جہد میں دنیا کے مختلف علاقوں کے ہزاروں افراد نے آپ سے تربیت لی اور ان کے ذریعے اس مشن کو آگے بڑھایا۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ حضرت مولانا علی میاں ندوی کے بقول ''ان کے ناموں اور کارناموں کا استقصاء دشوار ہی نہیں' تقریباً ناممکن ہے۔ ان کی تعداد کئی ہزار بتائی جاتی ہے اور وہ تمام دنیا میں منتشر اور سرگرم عمل رہے۔''[۱۸] تاہم اس بات پر تمام مورخین و محققین متفق ہیں کہ حضرت شیخ سرہندیؒ کے کارنامے ان ہی خلفاء و اصحاب کی کاوشوں کی وجہ سے ساری دنیا میں پھیلے اور دیرپا ثابت ہو سکے۔

کارِ تجدید کی تعریف اور حضرت شیخ سرہندی کے تجدیدی کارناموں کا تذکرہ اوپر تفصیل سے آیا ہے۔ اگر مولانا مودودی کے مقرر کردہ معیار کو کسوٹی مان لیا جائے اور اس پر حضرت شیخ احمد سرہندی کے ان تجدیدی و انقلابی کارناموں کو پرکھا جائے تو ان کی خدمات کی تمام تر عظمتوں کے اعتراف کے باوجود ان کے سلسلے میں علماء کا یہ خیال مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجدد کامل تھے' انہیں آنحضور ﷺ کی نیابت تامہ حاصل تھی' وہ پورے دوسرے ہزاریہ کے لئے مجدد بنائے گئے تھے۔ الحمدللہ اسلام کی روشن تاریخ کے ہر دور میں ایسی متعدد جلیل القدر ہستیاں وجود میں آتی رہی ہیں جنہوں نے اپنے دور کے حالات و ضرورت کے لحاظ سے اس سے بھی زیادہ عظیم کارنامے انجام دیے ہیں۔ امام ابن تیمیہ' امام غزالی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ نے بھی بے شمار انقلابی و تجدیدی کارنامے انجام دیئے' مگر انہیں مجدد کامل تو دور کی بات' مجدد کا بھی خطاب حاصل نہ ہو سکا۔ اس طرح کے مبالغہ آمیز خیالات سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ دعوت و تبلیغ اور کارِ تجدید کے لئے جو کاوشیں حضرت شیخ سرہندیؒ کے ذریعہ ہوئیں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئیں اور ان کے اثرات ایک ہزار برس تک رہیں گے' اس لئے مزید کدو کاوش کی ضرورت نہیں۔ حضرت شیخ سرہندیؒ کی خدمات ہی عالم اسلام پر بیسیویں صدی ہجری تک اثر پذیر ہوں گی۔

اسی طرح مولانا فاروقی' مولانا آزاد' علامہ اقبال اور مولانا مودودی وغیرہ کے یہ بیانات بھی تحقیق طلب ہیں کہ ''ان کے تمام معاصر علماء و صوفیاء ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے[۱۹] اور حضرت شیخ سرہندیؒ نے یکہ و تنہا الحاد اکبری کا قلع قمع کیا۔ وہ ہند میں سرمایہ ملت کے اکیلے نگہبان تھے۔'' ان کے معاصرین میں متعدد جلیل القدر علماء و محدثین موجود تھے جو انہی کی طرح اصلاح و تجدید کے مشن میں لگے ہوئے تھے اور ان کے بعد بھی متعدد جلیل القدر ہستیاں وجود میں آئیں۔ اس طرح کے بیانات سے ممدوح کی اہمیت تو کچھ ضرور بڑھ جاتی ہے مگر ساتھ ہی معاصرین کے کارناموں کی تنقیص لازم آتی ہے۔ اسی لئے شیخ محمد اکرام نے ایسے عقیدت مندوں کو سخت تنبیہ کی ہے اور معاصرین کے کارناموں کو اجاگر کیا ہے اور ان کی قدر پہچاننے کی تلقین کی ہے۔[۲۰]

حواشی

۱۔ حدیث کیا الفاظ یہ ہیں: ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل ماۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ سنن ابی داؤد' کتاب الملاحم' باب ما یذکر فی قرن المائۃ

۲۔ محمد عبدالحق انصاری' تصوف اور شریعت' مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی' ۲۰۰۱ء ص ۳۹

Marfat.com

۳۔ محمد منظور نعمانی، تذکرہ مجدد الف ثانی، مقالہ مولانا محمد عبدالشکور فاروقی بعنوان ''امام ربانی'' ناشر الفرقان بک ڈپو لکھنؤ، طبع ہشتم، ۱۹۹۸ء ص ۲۸۲

۴۔ مولانا ابوالکلام آزاد، تذکرہ (مرتبہ فضل الدین احمد مرزا) لاہور بدون تاریخ، ص ۲۶۴

۵۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تجدید و احیائے دین، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۲۰۰۲ء، ص ۸۱

۶۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۲۳

۷۔ تجدید و احیائے دین، ص ۴۳

۸۔ حوالہ مذکورہ، ص ۴۵۔۴۶

۹۔ حوالہ مذکورہ، ص ۸۱، ۸۲

۱۰۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۱۴۳

۱۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ، بار اول ۱۹۸۰ء، ۴/ ۱۸۷۔۱۸۸

۱۲۔ حوالہ مذکور، ۴/ ۱۹۰۔۱۹۲ (ملخصاً)

۱۳۔ حوالہ مذکور، ۴/ ۳۰۳

۱۴۔ شیخ احمد سرہندی، اثبات النبوۃ، اردو ترجمہ غلام مصطفیٰ خاں، ادارۂ مجددیہ کراچی، ۱۹۶۳ء

۱۵۔ شیخ احمد سرہندی، رسالہ رد روافض، ادارہ سیدیہ مجددیہ، لاہور ۱۹۶۴ء

۱۶۔ شیخ احمد سرہندی، المبداء والمعاد، مطبع انصاری، دہلی، ۱۸۸۹ء

۱۷۔ شیخ سرہندی کی تصانیف، خطوط اور ان کے بارے میں مختلف زبانوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی تفصیلات جاننے کے لئے رجوع کیجئے۔

A selected bibliography on Shaikh Ahmad Sirhindi, Kabir Ahmad Khan, (Muslim World Book Review, U.K. Vol.12, No, 2. Winter 1992, pp. 65-70)

۱۸۔ تاریخ دعوت و عزیمت، ۴/ ۳۵۵

۱۹۔ تجدید و احیائے دین، ص ۴۶

۲۰۔ رود کوثر، ص ۲۳۸

(در: تحقیقات اسلامی، بابت جون ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۶۔۱۱۷)

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی

شیخ احمد سرہندیؒ اور اہل حکومت میں شریعت کی ترویج

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (۱۵۶۴-۱۶۲۴ء) عہد اسلامی کے ہندوستان کی ان نادر شخصیات میں سے ہیں، جنہوں نے اسلامی فکر کی اشاعت اور شریعت کی ترویج کو اپنا مشن بنایا اور اسی کام کے لئے اپنی ساری توجہات مرکوز کیں۔ اس زمانہ کے علماء میں شیخ سرہندیؒ کو اس لحاظ سے امتیازی مقام حاصل ہے کہ انہوں نے ایک وسیع پیمانہ پر اپنا اصلاحی مشن جاری کیا اور مسلم معاشرہ کے تینوں اہم طبقوں (علماء، صوفیا و اہل حکومت) کو اپنا مخاطب بنایا، انہیں شرعی اصول وضوابط کا پابند بنانے کی کوشش کی اور خود ان میں اس بات کی تحریک پیدا کی کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں شریعت کو رواج دیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنے عہد کے حالات کے گہرے مطالعہ اور تجزیہ کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے تھے کہ مسلمانوں میں جو دینی وسماجی خرابیاں در آئی ہیں اور ان کی زندگی میں جو بگاڑ آ گیا ہے، اس کے تین اہم ذرائع ہیں۔ علمائے سوء یا دنیا دار علماء، صوفیائے خام اور اہل حکومت (بادشاہ وامراء) اگر ان کی اصلاح ہوگئی اور ان کی زندگی کا رُخ صحیح ہوگیا تو عام لوگوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔ حضرت مجدد الف ثانی نے تیسرے طبقہ کے لوگوں میں ترویج شریعت اور ان کی اصلاح کے لئے جو کوششیں کیں اور اس کے لئے جو طریق کار اختیار کیا، پیش نظر مقالہ میں مکتوبات امام ربانی کے حوالے سے اس کا مطالعہ مقصود ہے۔

شیخ احمد سرہندیؒ کے خطوط کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے حکمران طبقہ کی اصلاح کو بہت زیادہ اہمیت دی اور اس کی وجہ بھی انہوں نے بیان کی ہے کہ عام لوگوں کے مقابلہ میں ان کی حیثیت وہی ہے جو جسم کے لئے دل یا روح کی ہے۔ اگر وہ درست ہے تو جسم کے تمام اعضاء ٹھیک ٹھیک طور پر کام کرتے ہیں۔ اگر اس میں خرابی آ گئی تو پورے جسم کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کی درستی مقدم ہے۔ عہد جہانگیری کے ایک اہم منصب دار خواجہ جہاں کے نام خط میں اسلامی عقائد وعبادات کی تفصیل سے وضاحت کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

> ''آپ کو معلوم ہے کہ سلطان کی حیثیت روح کی ہے اور تمام لوگ مانند جسم کے ہوتے ہیں۔ اگر روح صالح ہے تو جسم وبدن بھی صالح ہے۔ اگر روح فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہے۔ پس اصلاح سلطان کی کوشش کرنا تمام بنی آدم کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے اور اصلاح کلمہ اسلام کے اظہار میں مضمر ہے۔''[1]

Marfat.com

اسی خیال کے پیش نظر انہوں نے بادشاہ اور اہل حکومت کی اصلاح پر خصوصی توجہ دی اور اس کے لیے انہوں نے جو لائحہ عمل تیار کیا اس میں خود حکومت کے متعلقین کو کلیدی حیثیت دی' بالفاظ دیگر انہوں نے اہل سیاست وحکومت کی اصلاح یا ان میں شرعی قوانین کی ترویج کے لئے خود ان لوگوں کو استعمال کرنا زیادہ مناسب ومفید سمجھا جو بادشاہ سے بہت قریب تھے یا خود حکومت کا جز تھے۔ یہ حسن اتفاق ہے یا شیخ سرہندی کی منصوبہ بندی کا حصہ تھا کہ امراء یا مغلیہ سلطنت کے بڑے عہدہ داروں میں متعدد شیخ کے معتقدین یا مریدین تھے۔ بعض مصنفین کی رائے میں شیخ مجددؒ نے خود ان سے رابطہ قائم کیا اور جب وہ ان سے قریب ہوئے تو ان کی عظمت ومحبت ان کے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ وہ ان کے گرویدہ ہوگئے اور پھر شیخ نے ان کی تربیت فرما کر انہیں اس لائق بنا دیا کہ وہ ان کی اصلاحی مشنری بن گئے۔[2] یہ بات بخوبی معروف ہے کہ امراء سے رابطہ اور ان تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے شیخ نے مکتوب نگاری کا وسیلہ اختیار کیا جو اس عہد کے مزاج کے اعتبار سے ایک اہم ومؤثر ذریعہ ابلاغ تھا' خاص بات یہ کہ امراء کے نام خطوط میں مخاطب کی رعایت کی گئی ہے اور اس مقصد کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے' جس کے تحت یہ خطوط لکھے گئے۔ ان میں نسبتاً علمی اصطلاحیں کم ہیں اور زبان وبیان کے اعتبار سے بھی کچھ آسان ہیں۔ ان مکاتیب سے اصل مقصود امراء یا اہل حکومت کو دینی عقائد' شریعت کے ضروری احکام اور اسلام کی عام تعلیمات سے روشناس کرانا' ان میں شریعت کی ترویج وتنفیذ کی تحریک پیدا کرنا اور خاص طور سے بادشاہ کو دین کی ضروری باتوں سے باخبر کرتے رہنے پر آمادہ کرنا تھا' دوسرے امراء سے مراسلت کے ذریعہ شیخ احمد سرہندیؒ شاہی دربار کے حالات' بادشاہ کے رویہ اور اہم اقدامات سے آگاہی بھی چاہتے تھے۔ ان مقاصد کی تکمیل میں امراء بہت اہم کردار ادا کر سکتے تھے۔ اس لئے انہیں ان کاموں کی ترغیب دلانے کی خاطر مختلف طریقے اپناتے تھے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اہم عہدہ داروں کے نام خطوط میں بادشاہ سے ان کی قربت' دربار میں ان کے اثر ورسوخ اور ان کی سیاسی حیثیت کا ذکر کر کے وہ ان کی تعریف وتحسین فرماتے تھے۔

شیخ فرید بخاریؒ کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''اپنی تمام بلند ہمت اسی بات پر لگائیں تا کہ یہ بڑی بھاری سعادت حاصل ہو جائے' خدا کے فضل سے جاہ وجلال اور عظمت وشوکت سب کچھ حاصل ہے۔ ذاتی شرف وعزت کے ساتھ اگر یہ بات بھی شامل ہو جائے تو سبقت کا گیند سعادت کے چوگان کے ساتھ سب سے آگے لے جاویں گے یعنی بڑی سعادت حاصل کریں گے''۔[3]

دوسرے اہم افسر حکومت اور بادشاہ کے معتمد خان جہاں کو اس سے واضح الفاظ میں خطاب کرتے ہیں:

> ''حق تعالیٰ سبحانہ نے آپ کو جس دولت عظمیٰ سے ممتاز کر رکھا ہے عام آدمی اس سے ناواقف ہیں۔ ممکن ہے خود آپ کو بھی اس کا احساس نہ ہو جبکہ بادشاہ وقت آپ کی بات سنتا اور مانتا ہے تو کتنا اچھا موقع ہے اور کیسی نعمت ہے کہ صراحتاً یا اشارتاً جب جیسا موقع مل جائے حق یعنی حضرات اہل سنت وجماعت کے معتقدات کے موافق اسلامی تعلیمات ان کے کان میں ڈالی جائیں اور اہل حق کی باتیں وہاں تک پہنچائی جائیں بلکہ ہمہ وقت اس کے متلاشی ومنتظر رہیں کہ

Marfat.com

کوئی موقع مذہبی و دینی گفتگو کا ہاتھ آئے تا کہ اسلام کی حقانیت اور کفر و اہل کفر کی خرابیاں بیان کی جا سکیں۔''[4]

اہم بات یہ ہے کہ حکومت کے حلقہ میں ترویج شریعت اور بادشاہ کی اصلاح کے لئے بعض اوقات شیخ مجددؒ امراء کو دعوت مسابقت دیتے تھے۔ لالہ بیگ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب جہانگیر کی سلطنت کا آغاز ہے۔ اگر ابتدائے بادشاہ میں مسلمانی رواج پا گئی اور مسلمانوں نے کوئی حیثیت پیدا کر لی تو فبہا ورنہ توقف کی صورت میں مسلمانوں کا مسئلہ بڑا مشکل ہو جائے گا۔ دیکھنا چاہئے کہ کون نصیبہ ور اس سعادت سے سعادت مند ہوتا ہے اور کون سا شہباز اس دولت کو حاصل کرتا ہے۔''[5]

امراء کے نام ان کے مکاتیب کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے توسط سے انہیں جو پیغام دیا ہے' اسلام کی جو تعلیمات واضح کی ہیں یا شریعت کے جو مسائل بیان کئے ہیں' بہت سے مقامات پر انہیں قرآن و حدیث کے حوالہ سے مستحکم کیا ہے۔ دوسرے ان کا انداز پوری طرح ناصحانہ و خیر خواہانہ ہے اور بعض مقامات پر سنت کی پیروی اور شریعت کی پابندی کے لئے ایسی دردمندانہ اپیل کی ہے کہ دل کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ مرزا عزیز کوکا خان اعظم کے نام خط میں مسلمانوں کی حکومت کے باوجود ان کی زبوں حالی' اسلام کی ''غربت'' اور اسلامی احکام پر عمل میں موانع کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ آپ کی تائید کرے اور احکام اسلامیہ کے اونچا کرنے میں اعدائے اسلام کے مقابلہ میں آپ کی مدد فرمائے۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الاسلام بدء غریباً و سیعود کما بدا فطوبیٰ للغرباء (اسلام اپنے آغاز میں اجنبیت کی حالت میں رہا اور جس طرح اس کا آغاز ہو رہا تھا عنقریب وہ پھر اسی طرح ہو جائے گا' پس خوشخبری ہے غرباء کو یعنی ایسے لوگوں کو جو ایسی حالت میں اسلام سے وابستگی رکھنے کی بناء پر اس کے شریک حال ہوں) غربت اسلام اس حد کو پہنچی ہے کہ کفار برملا طعن اسلام اور ''ذم مسلمانان'' کر رہے ہیں اور بے محابا احکام کفر کا اجراء اور اہل کفر کی مداحی کوچہ و بازار میں ہو رہی ہے۔ مسلمان اجرائے احکام سے روک دیے گئے ہیں اور شریعت کی انجام دہی میں مطعون ہیں...... رونق شرع شریف سلاطین کے ساتھ وابستہ بتلائی گئی ہے۔ مگر اب قضیہ بالکل الٹا ہے اور معاملہ برعکس ہے۔ واحسرتا' وا ندامتا' وا ویلا۔ ہم اس دور میں آپ کے وجود کو غنیمت سمجھتے ہیں اور اس ''معرکہ ضعیف و شکست خوردہ'' میں آپ ہی کو ایک ایسا جرنیل سمجھتے ہیں جو خم ٹھونک کر میدان مقابلہ میں آ جائے۔ حق تعالیٰ آپ کا ناصر و مؤید ہے''۔[6]

حقیقت یہ کہ اہل حکومت میں شریعت کی ترویج اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لئے شیخ احمد سرہندیؒ نے

مختلف تدابیر اختیار کیں اور اس کام کے لئے خود امراء کو مختلف طریقہ سے رغبت دلائی۔

اس دینی خدمت کے لئے انہوں نے جن امراء سے کام لیا' وہ ان سے گہری عقیدت اور قربت رکھتے تھے اور عہد جہانگیری میں مغل حکومت کے ممتاز و نامور ارکان بھی تھے اور وہ یہ ہیں:

نواب فرید مرتضٰی خاں بخاری۔

عہد اکبری و جہانگیری کے اہم اراکین سلطنت میں سے' اکبر کے دور میں میر بخشی' جہانگیر کے عہد میں صوبہ گجرات و پنجاب کے گورنر' مرتضٰی خاں کے لقب اور صاحب السیف والقلم کے خطاب سے سرفراز۔ شجاعت وسخاوت' علم دوستی' علمی ذوق اور رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے کافی معروف۔

عبدالرحیم خانخاناں

جہانگیر کے اتالیق' عہد اکبری میں گجرات' سندھ و دکن کی فتح کے دوران فوجی سربراہ' ممتاز و اہم ترین رکن سلطنت' امیر الامراء کے لقب سے سرفراز' علم و فن کے شائق' مختلف زبانوں کے ماہر اور اہل علم وفن کی قدردانی و سرپرستی کے لیے مشہور۔

مرزا عزیز کوکا خان اعظم

اکبر کے رضاعی بھائی' بہترین فوجی جنرل' شاہی دربار سے خان اعظم کے خطاب سے مشرف' گجرات کے گورنر' مرکزی حکومت میں کچھ عرصہ وکالت کے عہدہ پر سرفراز اور عہد جہانگیری کے نامور بااثر امراء میں سے۔

میران صدر جہاں

عہد اکبری و جہانگیری میں ممالک محروسہ کے صدر (مذہبی امور کے ذمہ دار) وشعبہ افتاء کے سربراہ' بچپن میں جہانگیر کے اتالیق' تخت نشینی کے بعد ان کے بہت ہی قریبی ومعتمد' شریعت کے سخت پابند' صاحب علم وفضل اور حسن اخلاق سے مزین۔

محمد قلیج خاں

شہزادہ دانیال کے اتالیق' عہد اکبری میں مرکز میں وزیر اور گجرات' لاہور' کابل' آگرہ' مالوہ و پنجاب کے یکے بعد دیگرے گورنر' جہانگیر کے دور میں بھی گجرات' پنجاب و کابل کے گورنر' ماہر منقولات ومعقولات اور اسلامیات میں خصوصی دلچسپی کے مالک اور درس تدریس کے شائق۔

Marfat.com

مرزا داراب خاں ابن عبدالرحیم خانخاناں

عہد جہانگیری کے امرائے عظام میں سے' برار اور احمد نگر کے گورنر۔ بعد میں شہزادہ خرم (شاہجہاں) کی بغاوت میں شرکت کی وجہ سے معتوب و مقتول۔

خواجہ دوست محمد کابلی (خواجہ جہاں)

ایام شہزادگی میں جہانگیر کے دیوان (افسر مالیات)' تخت نشینی کے بعد ان کے منصب و عہدہ میں اضافہ' خواجہ جہاں کے لقب سے مشرف' بادشاہ کے خاص و معتمد امراء میں سے اور کچھ عرصہ کے لئے آگرہ کے حاکم۔

خان جہاں لودی

عہد اکبری و جہانگیری کے مشہور و تجربہ کار فوجی جنرل۔ دکن میں شہزادہ پرویز کی ماتحتی میں فوجی کمانڈر۔

لالہ بیگ (جہانگیر قلی خاں)

عہد جہانگیری کے امرائے عظام میں سے' پہلے باز بہادر اور بعد میں جہانگیر قلی خاں کے خطاب سے مشرف' پٹنہ و بہار کے گورنر' قرآن کریم سننے کے عاشق اور حفاظ کرام کے قریبی مصاحب۔ ؎

قلیج اللہ خاں: گورنر پنجاب و کابل (محمد قلیج خاں کے صاحبزادے)

ان کے علاوہ دیگر متعدد امراء کے نام شیخ سرہندی کے خطوط دستیاب ہیں' لیکن ان کے بارے میں تفصیلی معلومات نہ مل سکیں۔ مذکورہ بالا امراء میں نواب فرید بخاری اور عبدالرحیم خانخاناں کے نام ان کے خطوط تعداد و مشتملات دونوں اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ خان جہاں کے نام ان کا ایک مکتوب (حصہ دوم' مکتوب نمبر ۶۷) اس لحاظ سے خاص امتیاز رکھتا ہے کہ تقریباً تیرہ صفحات پر مشتمل اس خط میں اسلامی عقائد و عبادات کی مفصل تشریح و توضیح کی گئی ہے اور شریعت کے خاص خاص احکام کی جامع تعبیر پیش کی گئی ہے۔ مزید برآں اس میں شریعت کی اہمیت اور اہل حکومت میں اس کی ترویج کی ضرورت و افادیت کی جانب مؤثر انداز میں توجہ دلائی گئی ہے۔

حکومت اور شریعت کی ترویج سے متعلق شیخ احمد سرہندیؒ کا واضح نقطہ نظر یہ تھا کہ حکومت اور اس کے ذمہ داروں سے بھی شریعت کی ترویج و تنفیذ وابستہ ہے اور یہ اہم کام بہت کچھ حکمران وقت کی دلچسپی اور حسن اہتمام پر موقوف ہے۔ اصلاً علماء و صوفیہ دعوت دین و ترویج شریعت کا کام انجام دیتے ہیں اور بادشاہان وقت اپنے تعاون سے انہیں تقویت پہنچاتے ہیں۔ اس طرح وہ بھی شریعت کی ترویج کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

''شریعت کا رواج سلاطین کے حسن اہتمام کے ساتھ (بھی) وابستہ ہے۔ اس اہتمام نے کچھ عرصہ سے ضعف پیدا کر لیا ہے۔ ناچار اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ بادشاہوں کے اعزاز و اکرام سے بھی اسلام کو رونق ہوئی ہے۔ علماء وصوفیاء معزز و محترم تھے اور شاہان وقت کی تقویت سے وہ ترویج شریعت میں کوشش کرتے رہتے ہیں۔''[۸]

واقعہ یہ ہے کہ شریعت کی ترویج میں سلطنت سے جو مدد ملتی ہے اور سلطان کے دینی رجحان سے اس کام کو جو تقویت نصیب ہوتی ہے، عہد وسطی کے ہندوستان میں بالخصوص قطب الدین ایبک، غیاث الدین تغلق، فیروز شاہ تغلق، سکندر لودی، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگزیب کے دور میں اس کے متعدد مظاہر سامنے آئے۔ ان کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے۔

''امراء و اہل حکومت کو شریعت کی ترغیت دیتے ہوئے شیخ مجددؒ نے سب سے پہلے اس کام کی قدر و قیمت واضح کی اور اسے کار نبوت سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام جو کہ بہترین کائنات ہیں۔ انہوں نے شرائع کی دعوت دی ہے اور مدار نجات اس پر ہے۔ درحقیقت انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی تبلیغ شرائع ہے۔ پس سب سے بڑی نیکی ترویج شریعت میں سعی کرنا اور اس کے احکام میں سے کسی کو زندہ کرنا ہے۔ بالخصوص ایسے زمانہ میں کہ شعائر اسلام منہدم ہو گئے ہوں۔''[۹]

شریعت کی اہمیت جاگزیں کرنے کے لیے شیخ سرہندیؒ یہ بھی فرماتے تھے:

''اللہ کی راہ میں کروڑوں روپے خرچ کرنا کسی ایک شرعی مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہو سکتا اس لیے کہ شرعی مسئلہ رواج دینے میں انبیاء کی پیروی اور ان کے کار تبلیغ میں مشارکت ہے اور کروڑوں روپیہ خرچ کرنا تو انبیاء کے علاوہ دوسروں کو بھی میسر ہو سکتا ہے۔''[۱۰]

مجدد الف ثانی کی نظر میں اس کام کی اہمیت اس زمانہ میں اور بڑھ جاتی ہے جب اسلامی احکام کی خلاف ورزی اور دینی شعائر کی بے حرمتی کے واقعات کی کثرت ہو جائے اور اسلامی تعلیمات اجنبی بن کر رہ جائیں۔ عہد اکبری کے حوالہ سے شیخ فرید کو اس جانب متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ترویج دین و تقویت ملت جس وقت اور جس سے بھی وقوع میں آئے اچھی ہے لیکن اس وقت میں جبکہ اسلام کی غربت کا زمانہ ہے آپ جیسے سیادت مآب جواں مردوں کے لئے بہت ہی زیادہ زیبا اور مناسب ہے...... حقیقی وراثت نبوی اس ترویج و اشاعت دین میں مضمر ہے۔''[۱۱]

اس مہتمم بالشان کام کی طرف اہل حکومت کو راغب کرتے ہوئے شیخ مجددؒ نے یہ حقیقت بھی ان کے گوش گزار کی کہ اگر اس راہ میں کچھ پریشانیاں آئیں اور دشواریوں کا سامنا ہو تو زہے قسمت۔ انہیں بہر صورت گوارا کرنا

چاہیے اس لئے کہ یہ تو انبیاء کی سنت رہی ہے۔ انہوں نے دین کی تبلیغ کی راہ میں کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں اور افضل الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے دوچار ہوئے بلکہ اس راہ میں آپ نے سب سے زیادہ تکلیفیں اٹھائیں جیسا کہ حدیث مبارک سے واضح ہوتا ہے۔[۱۲]

مزید برآں وہ اس پہلو سے بھی امراء کو ترویج شریعت پر اُبھارتے تھے کہ یہ بڑی سعادت مندی کا کام ہے۔ حکومت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوتے ہوئے جس کو یہ توفیق نصیب ہو جائے اس سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہو سکتا ہے۔ وہ امراء جو حکومت کی ذمہ داریاں انجام دیتے ہوئے شریعت پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور بادشاہ سے قربت کو ترویج شریعت کے لئے استعمال کرتے ہیں، فقراء یا صوفیاء سالہا سال سر کھپائیں تو اس عمل میں ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔[۱۳]

شیخ احمد سرہندیؒ نے ترویج شریعت کی راہ سے اہل حکومت کی اصلاح کے لئے جو مشن جاری کیا اس میں علم شریعت کو خاص اہمیت دی۔ ظاہر ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اسلامی قوانین کو نافذ کرنے سے قبل ان سے واقفیت ضروری ہے۔ درحقیقت ہر مسلمان کے لئے اس علم کی جو اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ شیخ مجددؒ کے بقول "شریعت کے تین جزو ہیں (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت محقق نہ ہوگی۔ شریعت متحقق ہوگی تو رضائے حق سبحانہ حاصل ہوگی اور یہ رضائے باری ہی تمام سعادات دنیویہ و اخرویہ سے بلند و بالا ہے۔ و رضوان من اللہ اکبر۔"[۱۴] وہ اہل حکومت پر بھی زور دیتے تھے کہ وہ شریعت کے ضروری مسائل سے واقفیت حاصل کریں اور دوسروں کو بھی ان سے روشناس کرائیں۔ حکومت کے ایک افسر کے نام خط میں اس ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "جو چیز ضروری ہے وہ یہ کہ اول عقائد کی تصحیح مطابق اہل سنت و جماعت۔ ثانیاً فرائض، سنن، واجبات و مستحبات، حلال و حرام، مکروہ و مشتبہ کا علم حاصل کیا جائے۔ پھر احکام فقہیہ کے بموجب اعمال ادا کیے جائیں۔"[۱۵]

وہ بادشاہ کے قریبی و معتمد امراء سے یہ توقع رکھتے تھے اور انہیں اس جانب متوجہ بھی کرتے تھے کہ وہ بادشاہ کو دین کی ضروری باتوں سے آگاہ کرتے رہیں گے اور جب بھی ان سے ملاقات کا موقع نصیب ہو اسے غنیمت جانتے ہوئے بادشاہ کو احکام شریعت سے مطلع کریں گے۔ بادشاہ کو یہ علم بہم پہنچانا وہ اس لیے بھی ضروری سمجھتے تھے کہ ان کو یہ احساس تھا کہ دربار میں جو غیر اسلامی رسوم و روایات جاری ہیں یا حکومت کے حلقہ میں جو غیر شرعی اعمال رواج پا رہے ہیں اس کی ایک وجہ شرعی اصول و ضوابط سے عدم واقفیت یا قلت معلومات ہے۔ جہانگیر کے بہت ہی قریبی امیر شیخ فرید بخاریؒ کے نام مکتوب میں ان کے یہ احساسات ملاحظہ فرمائیں:

> "مسلمانوں پر ضروری ہے کہ بادشاہ کو ان بدکیشوں کی رسومات کی قباحت پر مطلع کریں اور ان کے مٹانے کی پوری کوشش کریں۔ جو کچھ ان میں سے باقی رہ گئی ہیں ان کا بقا شائد اس وجہ سے ہو کہ بادشاہ کو ان کی خرابی کا علم نہ ہو، بہرحال شرعی مسائل سے بادشاہ کو مطلع کرتے رہنا نہایت ضروری ہے۔ جب تک یہ نہ ہوگا بادشاہ کے مقربین اور علماء پر اس کا بار رہے گا۔"[۱۶]

Marfat.com

رہا یہ مسئلہ کہ شریعت کا علم کن سے حاصل کیا جائے یا شاہی دربار میں احکام شریعت سے واقف کرانے کے لئے کون سے حضرات مقرر کیے جائیں، اس باب میں شیخ سرہندیؒ نے واضح طور پر فرمایا کہ دنیا دار و جاہ پرست علماء سے احتراز کیا جائے اور علوم شریعت کے حصول کی خاطر ایسے علماء سے رجوع کیا جائے جو علم میں مہارت کے ساتھ تقویٰ و خلوص کے لئے بھی معروف ہوں۔ ایسے علماء کو انہوں نے علمائے آخرت سے تعبیر کیا ہے۔ گورنر پنجاب محمد قلیج کے صاحبزادے قلیج اللہ خاں کو نصیحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''احکام شریعت کو علمائے آخرت سے دریافت کرنا چاہیے۔ ان کی بات میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ شائد ان کے انفاس کی برکت سے عمل کی توفیق ہو جائے۔ علمائے دنیا سے جنہوں نے علم کو وسیلہ مال و جاہ بنا رکھا ہے، دور رہنا چاہیے۔ البتہ اگر تقویٰ شعار علماء نہ مل سکیں تو پھر مجبوراً ان علمائے دنیا سے معلوم کر لیا جائے وہاں (لاہور میں) حاجی محمد اترہ علمائے دیندار میں سے ہیں اور میاں شیخ علی اترہ خود تم سے واقف ہیں۔ غرض یہ دونوں بزرگ اس علاقہ میں غنیمت ہیں۔ مسائل شرعیہ کی تفتیش میں ان کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے''۔[۱۷]

اس اقتباس سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ کی نظر میں علمائے آخرت ہی اس لائق ہیں کہ ان سے استفادہ کیا جائے اور شریعت کے باب میں ان سے رہنمائی حاصل کی جائے، وہیں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ مختلف علاقوں کے علماء پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ ان کے احوال و خصائص سے بخوبی واقف تھے۔ یہاں یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ شاہی دربار میں تذکیر و اصلاح اور احکام شریعت سے واقف کرانے کے لئے بھی علماء کے انتخاب میں شیخ سرہندیؒ نے بڑی احتیاط اور چھان بین پر زور دیا جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ جہانگیر نے جب شاہی دربار میں شرعی مسائل کے باب میں رہنمائی کے لئے چار علماء مقرر کرنے کا پروگرام بنایا اور اپنے قریبی امراء سے ان کے انتخاب کے سلسلہ میں فرمائش کی تو شیخ مجددؒ کو اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی لیکن ساتھ ہی شیخ فریدؒ اور صدر جہاں کو متنبہ کیا کہ علماء کے انتخاب میں بڑی تحقیق و احتیاط کی ضرورت ہے۔ ایسے علماء اس کام کے لئے نہ منتخب کیے جائیں جو جاہ و منصب کے طالب اور مال و دولت کے حریص ہوں۔ اس لیے کہ سابق دور میں حکومت کے ذریعہ جو خرابیاں معاشرہ میں در آئیں یا بادشاہ نے جو بے دینی و گمرہی پھیلائی وہ زیادہ تر علمائے سوء کے فتنوں کا نتیجہ تھیں۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ جس طرح بہترین علماء بہترین خلائق ہیں اسی طرح بدترین علماء بدترین خلائق ہیں۔ اس لیے ان کے معاملات میں بڑی احتیاط و غور و فکر سے کام لینا چاہیے۔ صدر جہاں کو متنبہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سنا گیا ہے کہ بادشاہ اب اسلامی رجحانات کی وجہ سے کچھ علماء کا تقرر چاہتے ہیں الحمد للہ علی ذلک' آپ کو تو معلوم ہے کہ پچھلے دور میں جو فساد آیا وہ علمائے سوء ہی کی کم بختی سے پیدا ہوا تھا۔ اس باب میں خوب تحقیق و تلاش کر کے دین دار علماء کا انتخاب فرمایا جائے۔ علمائے سوء دین کے چور ہیں اور ان کا مطمح نظر صرف منصب اور پیسہ اور لوگوں کے نزدیک عزت ہوتا ہے۔ خدا ان کے فتنے سے محفوظ رکھے۔ ہاں ان میں جو اچھے ہیں وہ افضل ترین خلق ہیں''۔[۱۸]

Marfat.com

یہاں یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے مذہبی رجحانات اور دینی تعلیمات کی اشاعت میں ان کی کچھ دلچسپی دیکھتے ہوئے شیخ مجددؒ نے ۱۶۱۹ء میں اپنے ایک معتمد و مرید شیخ بدیع الدین کو آگرہ کے شاہی لشکر میں رشد و ہدایت کا کام انجام دینے اور اپنے سلسلہ تصوف کو فروغ دینے کے لیے مامور کیا تھا۔[۱۹] اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ ان کی علمی و دینی حیثیت سے مطمئن تھے اور انہیں علمائے آخرت میں شمار کرتے تھے۔

امراء کے نام خطوط میں شیخ سرہندیؒ نے علم شریعت کے حصول اور اجتماعی طور پر اسے فروغ دینے کی اہمیت اور اس کے طور و طریق واضح کرنے کے ساتھ اس بات کی بار بار تلقین کی کہ روزمرہ زندگی میں قوانین شریعت کی پیروی کی جائے۔ درحقیقت یہی وہ نکتہ ہے جس پر مکتوبات امام ربانی میں سب سے زیادہ زور ملتا ہے اور یہی وہ پیغام ہے جو علماء، صوفیاء اور حکمران طبقہ کے نام خطوط میں بطور مشترک عنصر پایا جاتا ہے۔ ایک جانب انہوں نے علماء کو اتباع شریعت کی نصیحت کی اور ترجمانی شریعت کی حیثیت سے ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں۔ دوسری جانب حکماء و فلاسفہ کو یہ سبق سکھایا کہ وہ فلسفی جس نے اپنی بصیرت کی آنکھوں میں صاحب شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کا سرمہ نہیں لگایا، عالم امر کی حقیقت سے اندھا ہے۔ تیسری جانب اہل تصوف کو تلقین کی کہ طریقت و حقیقت شریعت کے خادم ہیں نہ کہ اس سے ماوراء و برتر۔ حاجی محمد لاہوری کے نام ایک خط میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''پس شریعت دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی ایسا مطلب باقی نہیں جس کے حاصل کرنے کے لیے شریعت کے سوا کسی اور چیز کی حاجت پڑے۔ طریقت و حقیقت جن سے صوفیاء ممتاز ہیں، تیسرے جزء یعنی اخلاص (ان کے مطابق شریعت کے پہلے دو جزء علم و عمل ہیں) کے کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں۔ پس ان دونوں کی تکمیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کوئی اور امر شریعت کے سوا۔''[۲۱]

بہرحال علماء ہوں یا صوفیہ، اہل حکومت ہوں یا عوام سب کو شیخ مجددؒ اتباع شریعت کی تلقین کرتے تھے اور ان کے ذہن میں یہ حقیقت جاگزیں کرتے تھے کہ ان کی نجات کا دارومدار اسی پر ہے۔ عہد اکبری و جہانگیری کے نامور رکن سلطنت عبدالرحیم خانخاناں کو اتباع شریعت کی نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''زندگانی چندروزہ صاحب شریعت کی اتباع میں بسر کرنی چاہیے اس لیے کہ عذاب اخروی سے چھٹکارا اور تنعمات سرمدی تک پہنچانا اتباع شریعت کی سعادت ہی سے وابستہ ہے۔''[۲۲]

شیخ سرہندیؒ کے معتقدین میں جب مریز خاں افغان شاہی دربار سے منسلک ہوئے اور انہیں دنیوی آسائش و فراخی نصیب ہوئی تو ان کو اس طور پر شریعت پر کاربند رہنے کی تلقین کی:

> ''اب جبکہ تم اس حالت میں مبتلا ہو گئے ہو تو اس امر کی کوشش کرو کہ طریق استقامت اور التزام شریعت کا دامن تمہارے ہاتھ سے نہ چھوٹے اور شغل باطن میں بھی کوئی خلل واقع نہ ہو''۔[۲۳]

یہاں یہ واضح رہے کہ حکومت کے جن عہدہ داروں سے شیخ کی مراسلات ہوئی، ان میں بہت سے ان کے

سلسلہ تصوف سے منسلک تھے۔ ان کے نام خطوط میں وہ اپنے صوفیانہ افکار کی تبلیغ کرتے تھے اور انہوں اصلاح باطن کی نصیحت کرتے ہوئے یہ فرماتے تھے کہ یہ راہ شریعت مطہرہ سے ہو کر گزرتی ہے۔ اس پر چلے بغیر تصوف کی منزل تک پہنچنا مشکل ہے۔ فتح خان افغان کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''باطن کے اہتمام کے ساتھ لازم ہے کہ ظاہر کا اہتمام بھی ہو۔ جو شخص صرف باطن میں مشغول ہو اور ظاہر کے درست کرنے سے باز رہے' وہ ملحد ہے۔ اس کے احوال باطن استدراج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حال باطن کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ ظاہر احکام شرعیہ سے آراستہ ہو۔ طریقت' استقامت یہی ہے اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔''[24]

مزید برآں گورنر پنجاب کے صاحبزادے قلیج اللہ خاں کو انتہائی مخلصانہ انداز میں نصیحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اے فرزند! جو چیز فردا قیامت میں کام آئے گی' وہ اتباع صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ احوال و مواجید' علوم و معارف' اشارات و رموز اگر اتباع رسول کے ساتھ جمع ہو جائیں تو بہت اچھا ہے اور اگر اتباع رسول کے ساتھ نہیں تو سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں ہے۔ متابعت شریعت سراپا برکت ہے اور مخالفت شریعت سراسر ہلاکت' اس بات کو خوب ذہن نشین کر لینا۔''[25]

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں شیخ فرید بخاری کو متنبہ کرتے ہیں:

''قیامت میں شریعت کے متعلق سوال کیا جائے گا تصوف کے متعلق نہیں۔ جنت کا داخلہ اور آتش دوزخ سے نجات شریعت ہی کی پابندی سے وابستہ ہے۔''[26]

اہل حکومت کو عمومی انداز میں شریعت کی پیروی کی تلقین و تاکید کرنے کے علاوہ شیخ مجددؒ شریعت کے متعینہ احکام کے حوالہ سے ان کی بجا آوری پر زور دیتے رہے اور خاص طور پر فرائض کی ادائیگی کے لیے انہیں بار بار متوجہ کرتے رہے۔ اس باب میں اصولی طور پر انہوں نے جو باتیں پیش کیں وہ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اوّل انہوں نے یہ حقیقت واضح کی کہ دین اسلام میں بڑی آسانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو عبادات فرض کی ہیں اور روزمرہ زندگی کے لیے جو احکام وضع کیے ہیں' ان میں انسان کی بشری کمزوریوں اور طبعی ضرورتوں کی پوری پوری رعایت ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے خاص طور سے نماز' زکوٰۃ' حج اور کھانے پینے ولباس سے متعلق شریعت کے احکام سے ''الدین یسر'' کی تشریح فرمائی۔ اس کی اردو ترجمانی ملاحظہ فرمائیں:

''اللہ جل سلطانہ کی کمال عنایت ہے کہ تمام تکلیفات شرعیہ اور ماموراتِ دینیہ میں اس نے انتہائی سہولت کو ملحوظ رکھا ہے۔ مثلاً آٹھ پہر (دن رات) میں سترہ رکعات (فرض) پر اکتفا کیا گیا کہ جس کی ادائیگی میں کل وقت ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں لگتا۔ ساتھ ہی ساتھ نماز میں قرأت

Marfat.com

کو بھی اتنا ہی رکھا گیا ہے جتنی آسان ہو۔ اگر کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھی جا سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا اور بیٹھنا بھی مشکل ہو تو کروٹ کے بل نماز پڑھنے کے لیے فرمایا گیا اور جب رکوع و سجود بھی مشکل ہو تو اشارہ سے نماز پڑھنے کی سہولت عطا فرمائی۔ طہارت میں اگر پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمّم کی اجازت دے دی۔ زکوٰۃ میں (صرف) چالیسواں حصہ فقراء و مساکین کے لیے مقرر فرمایا۔ تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کو فرض کیا گیا اور ساتھ ہی زادِ وراہ اور راستہ کے امن کے ساتھ مشروط فرمایا۔ کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں میں اکثر کو مباح کر دیا اور تھوڑی سی چیزیں حرام قرار دیں اور وہ بھی بندوں کی مصلحتوں کا لحاظ رکھ کر۔'' [۲۷]

دوسرے شیخ سرہندیؒ نے یہ واضح کیا کہ احکام شریعت کی مختلف قسمیں ہیں اور عبادات کی الگ الگ نوعیتیں ہیں اور اس بنیادی نکتہ پر خاص زور دیا کہ اسلامی شریعت میں فرض کا اپنا مقام ہے اور نفل کی اپنی حیثیت ہے۔ نفل کسی بھی صورت میں فرض کے برابر نہیں ہو سکتا۔ ان کا یہ نقطہ نظر ایک مکتوب کے اس حصہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے:

''اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے اعمال یا فرائض ہیں یا نوافل مگر نوافل کا فرائض کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں۔ اپنے وقت میں کسی فرض کا ادا کرنا ہزار سالہ نوافل سے بہتر ہے اگرچہ وہ نوافل بہ نیت خالص ادا کیے جائیں...... ایک دانگ (چھ رتی وزن کے برابر) زکوٰۃ کا حساب کر کے نکالنا نفلی طریقہ پر سونے کے بڑے بڑے پہاڑ خیرات کر دینے سے کہیں زیادہ افضل ہے۔'' [۲۸]

یہاں اس جانب اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فرائض کا مقام پہچاننے اور اسے برتنے کی ہدایت صوفیہ، علماء و اہل حکومت سب کے نام خطوط میں ملتی ہے اور اہل تصوف کے نام خطوط میں اس پر کچھ زیادہ ہی زور نظر آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صوفیائے وقت نفل عبادت کے اہتمام پر خاص توجہ دیتے تھے اور مشائخ اپنے مریدین و معتقدین کو بھی اس کی نصیحت کرتے رہتے تھے۔ غالباً اس ماحول میں نوافل کی کثرت کی وجہ سے فرائض کو وہ مقام نہیں مل پا رہا تھا جن کے وہ مستحق ہیں۔ عبادت کے باب میں اس عدم توازن کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے شیخ سرہندیؒ فرائض کا مقام و مرتبہ ملحوظ رکھنے کی طرف بار بار لوگوں کو متوجہ کرتے رہے۔

امراء و اہل مناصب کے نام شیخ سرہندیؒ کے خطوط میں جن فرائض کی ادائیگی کی سب سے زیادہ تاکید ملتی ہے وہ نماز اور زکوٰۃ ہیں۔ ان کی عظمت و اہمیت محتاج بیان نہیں، مرزا فتح اللہ حکیم کے نام ایک خط کا ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو:

''آدمی کو جس طرح درستگی اعتقاد کے بغیر چارہ نہیں، اعمال صالحہ کی ادائیگی کے بغیر بھی چارہ نہیں۔ جامع ترین عبادت اور مقرب ترین اطاعت نماز کا ادا کرنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (الصلوٰۃ عماد الدین فمن اقامها فقد اقام الدین و من ترکها فقد هدم الدین) (نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے نماز قائم کی اس نے دین قائم کیا اور جس نے نماز کو چھوڑا اس نے دین کو ڈھایا) جس کسی کو نماز کی پابندی نصیب ہوتی ہے اس کو فحشاء و

Marfat.com

منکر سے بھی محفوظ رکھا جاتا ہے۔ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ یہ آیت میری بات کی تائید کر رہی ہے۔ اگر نماز بے حیائی و برائی سے نہیں بچا رہی ہے تو سمجھو کہ صورت نماز ہے حقیقت نماز نہیں ہے۔ مگر جس وقت تک یہ حقیقت حاصل نہ ہو جائے تو صورت کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے...... پس تم پر لازم ہے کہ جماعت کے ساتھ اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز کو ادا کرو اس لیے کہ یہ نماز سبب نجات وفلاح ہے''۔ [۲۹]

مذکورہ عبارت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ شیخ مجددؒ صرف نماز کی نہیں بلکہ با جماعت نماز کے اہتمام کی تاکید فرماتے تھے۔اس کا مزید ثبوت بعض دیگر خطوط سے بھی ملتا ہے جن میں جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کی نصیحت کی گئی ہے۔سکندر خاں لودی کے نام خط میں ان کی ہدایت یہ ہے کہ جماعت سے نماز پنج گانہ کی بجا آوری اور سنن موکدہ کی ادائیگی کے بعد باقی اوقات ذکر الٰہی میں صرف کرنا چاہیے۔ [۳۰]

بعض امراء کے نام خطوط میں شیخ سرہندیؒ نے روزہ کی اہمیت' اس کے فضائل اور اصول وآداب واضح کیے ہیں۔ [۳۱] لیکن ان کے خطوط میں اس سے زیادہ تفصیل اور بار بار تاکید زکوٰۃ کے باب میں ملتی ہے۔اس سلسلہ میں انہوں نے اہل حکومت کے ذہنوں میں یہ حقیقت جاگزیں کرنے کی کوشش کی کہ بے حساب داد و دہش سے بہتر و ضروری یہ ہے کہ اپنے اموال کا باقاعدہ حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے۔ شیخ مجددؒ کی اس ہدایت کی معنویت اس پس منظر میں سمجھی جاسکتی ہے کہ بادشاہ وامراء کے یہاں داد و دہش کی روایت بہت مستحکم تھی' خاص طور سے کسی خوشی' فتح یا تہوار کے موقع پر وہ خواص وعوام کو انعام وعطایا سے نوازتے تھے۔ ان فیض یافتگان میں فقراء و مساکین بھی شامل ہوتے تھے۔ بسا اوقات یہ داد و دہش محض نام ونمود کے لیے ہوتی تھی لیکن اموال کی باضابطہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں وہ کوتاہ تھے۔ اس صورتحال کی عکاسی شیخ کے ایک خط میں بھی ملتی ہے۔فرائض کی بجا آوری کی نصیحت کرتے ہوئے وہ تحریر فرماتے ہیں:

''بہت سے آدمی اس زمانہ میں اشاعت نوافل اور تخریب فرائض میں مشغول ہیں۔نفلی عبادتوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اور فرائض کو خوار و بے اعتبار قرار دے رکھا ہے۔ بہت سا روپیہ موقع بے موقع مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں' لیکن ایک جیتل (ایک معمولی سکہ) زکوٰۃ کی ادائیگی میں ان کو دینا مشکل ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک جیتل زکوٰۃ میں دینا لاکھوں روپیہ صدقہ نافلہ میں دینے سے بہتر ہے۔ ادائیگی زکوٰۃ میں محض حکم خداوندی پورا کیا جاتا ہے اور صدقہ نافلہ کا منشاء اکثر و بیشتر ہوائے نفسانی ہے۔اسی لیے فرض میں ریاکاری کی گنجائش نہیں اور نفل میں ریاکاری کے لیے بڑا میدان ہے''۔ [۳۲]

یہی وجہ ہے کہ شیخ مجددؒ نے اہل حکومت کو فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کا پابند بنانے کی کوشش کی اور اس کے لیے وہ انہیں مختلف طریقہ سے ترغیب دیتے رہے۔ قلیج اللہ خاں کو نماز وزکوٰۃ کی ادائیگی کی تاکید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''پانچ وقت کی نماز پڑھو' اگر تہجد میسر ہو جائے تو زہے سعادت' ادائے زکوٰۃ بھی ارکان اسلام میں سے ہے۔ زکوٰۃ بھی نکالو۔ وہ طریقہ جس سے زکوٰۃ کی ادائیگی بسہولت ہو جاتی ہے۔ یہ ہے کہ اپنے مال میں جو حق فقراء کا ہے اس کو سالانہ جدا کر لیا جائے اور اس کو زکوٰۃ کی نیت سے

محفوظ رکھ کر سال بھر تک مصارف زکوٰۃ میں صرف کیا جائے۔ اس صورت میں ہر مرتبہ ادائے زکوٰۃ کی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ایک مرتبہ نیت زکوٰۃ سے مال کا جدا کرنا کافی ہوگا۔ ویسے تو فقراء مستحقین پر بہتیرا خرچ کرتے ہوں گے لیکن چونکہ نیت زکوٰۃ نہیں ہوتی اس لیے زکوٰۃ میں وہ رقم محسوب نہ ہوگی۔'' [۳۳]

مذکورہ بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ سرہندیؒ نے نہ صرف زکوٰۃ ادا کرنے کی ہدایت دی بلکہ امراء کو اس کی ادائیگی کا ایک آسان طریقہ بھی بتایا کہ زکوٰۃ ادا ہوتی رہے اور ان کی داد و دہش بھی جاری رہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے باب میں اہل حکومت کی کوتاہی اور اس کے تئیں شیخ مجددؒ کی فکر مندی اس سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ متعدد ارکان سلطنت کے نام خطوط میں اس کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ ان میں نامور امراء عبدالرحیم خانخاناں اور شیخ فرید بخاری بھی شامل ہیں۔ اول الذکر کو نصیحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''پس مال نامی اور جنگل میں چرنے والے چوپایوں کی پوری پوری زکوٰۃ ادا کرنا اور اس امر کو اموال و چہار پاگاں میں نہ پھنسنے کا وسیلہ بنانا چاہیے۔ لذیذ کھانوں اور نفیس کپڑوں میں حظ نفس کو ملحوظ نہ رکھا جائے بلکہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں سوائے اس کے کہ ادائے عبادت پر قوت حاصل ہوگی اور کوئی نیت نہ کی جائے۔'' [۳۴]

اس سے قبل شیخ فرید اور بعض دوسرے امراء کے نام خط کے حوالہ سے حضرت مجددؒ کی یہ اصولی بات بیان کی جا چکی ہے کہ زکوٰۃ میں مقررہ شرح کے مطابق معمولی رقم خرچ کرنا نفلی صدقات میں بے تحاشا مال و دولت لٹانے سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔ مزید برآں تصوف سے تعلق رکھنے والے امراء کو اس طور پر بھی اس فریضہ کی بجا آوری کی ترغیب دیتے تھے کہ نفس کی پامالی اور تزکیہ نفس کے لیے شریعت کے ضابطہ کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا بہت زیادہ مفید ہے۔ [۳۵] اس کے علاوہ زکوٰۃ میں جو آسانی کا پہلو ہے' اسے یاد دلا کر بھی اس کی ادائیگی پر لوگوں کو ابھارتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ چالیس میں سے ایک حصہ یا اپنے اموال کا ڈھائی فی صد زکوٰۃ کے طور پر نکال دینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ ایک خط میں اسی نکتہ پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نصاب کی موجودگی میں زکوٰۃ ادا کرنا بھی ضروریات اسلام میں سے ہے' اس کو بھی رغبت بلکہ جذبہ احسان مندی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے تمام دن رات میں صرف پانچ وقت ادائے عبادت کے لیے مقرر فرمائے ہیں اور مال نامی اور جنگل میں چرنے والے جانوروں میں سے چالیسواں حصہ (تحقیقی یا تقریری طور پر) فقراء کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ بڑی ناانصافی کی بات ہوگی کہ رات دن کی ساٹھ گھڑیوں میں سے دو گھڑی بھی عبادت الٰہی میں مصروف نہ ہوں اور چالیس میں سے ایک حصہ بھی فقراء کو نہ دیا جائے۔'' [۳۶]

بعض امراء کے نام خطوط میں فرائض اسلام میں نماز' روزہ و زکوٰۃ کے ساتھ حج کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس کی

ادائیگی کی جانب بھی توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔[۳۷] اگرچہ اس باب میں وہ ترغیبات و تاکیدات شیخ سرہندیؒ کے خطوط میں نہیں پائی جاتیں جو نماز و زکوٰۃ کے ضمن میں ملتی ہیں۔

اہل حکومت کے نام شیخ سرہندیؒ کے خطوط میں فرائض کی بجا آوری کے علاوہ جن باتوں کی طرف خاص طور سے ان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے، وہ ہیں: حلال و حرام کی تمیز، فضول خرچی سے اجتناب، حقوق العباد کی نگہداشت، خورد و نوش اور لباس میں اسلامی ضوابط کی پابندی، لوگوں سے برتاؤ میں تواضع و انکساری، اہل بدعت و علماء سوء سے دوری اور متقی علماء و صلحاء کی صحبت و قربت۔ ظاہر ہے کہ ان سب کا تعلق روزمرہ زندگی سے ہے اور مسلمانوں کی زندگی کا ہر پہلو شریعت سے منضبط ہوتا ہے۔ اہم بات یہ کہ ان خطوط میں شیخ احمد سرہندیؒ نے بادشاہ حکومت کے عہدہ داروں کو جن باتوں کی زیادہ تاکید کی ہے وہ مال کے حصول و استعمال میں حلال و حرام کا خیال اور دوسروں کے مالی حقوق کی دیانتدارانہ ادائیگی ہے۔ اس زمانہ کے بادشاہوں اور اہل مناصب کے بارے میں یہ معروف ہے کہ مالی معاملات میں عام طور پر ان کے یہاں بہت سی بے ضابطگیاں پائی جاتی تھی۔ شریعت کے متعینہ محاصل کے علاوہ دیگر محاصل عائد کرنا، محاصل کی مقرر مقدار سے زائد وصول کرنا، عیش و عشرت و تفریحات پر بے تحاشا مال و دولت خرچ کرنا، ریاست کی آمدنی کو ناجائز طور پر اپنے اور اہل و عیال کے فائدہ کے لیے خرچ کرنا، محکمہ مالیات (بالخصوص شعبہ محاصل) کے افسران کا رشوت ستانی و مالی بددیانتی میں ملوث ہونا انہیں بے ضابطگیوں کا حصہ تھا۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ عہد وسطیٰ کے بعض ہندوستانی علماء بادشاہوں کے ہدایا و انعامات قبول کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے اور اس کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ ان کے ذرائع آمدنی میں حرام مال کی آمیزش ہوتی تھی۔[۳۸] اس سیاق میں حرام و مشتبہ مال سے اجتناب، فضول خرچی سے احتراز اور مالی واجبات کی ادائیگی کے سلسلہ میں امراء کو شیخ سرہندیؒ کی ہدایات بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ محمد مراد بخشی کے نام خط میں بہت ساری نصیحتوں کے بعد آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''ایک اور نصیحت یہ کرنی ہے کہ کھانے میں لقمہ حلال کا خاص خیال رکھا جائے، یہ کیا ضروری ہے کہ کوئی شخص جو کچھ کسی جگہ سے پائے اس کو کھائے اور حلال و حرام شرعی کا لحاظ نہ کرے۔ یہ شخص خود مختار نہیں ہے کہ جو چاہے کرے بلکہ اپنا ایک آقائے حقیقی رکھتا ہے کہ جس نے امر و نہی کی تکلیف دی ہے اور بذریعہ انبیاء علیہم السلام اس نے اپنی رضا و عدم رضا کو بیان فرمایا ہے۔ وہ بندہ بڑا بے سعادت ہے جو اپنے مولیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی خواہش رکھتا ہو اور مولیٰ کی اجازت کے بغیر اس کے مُلک و مِلک میں تصرف کرے''۔[۳۹]

اسی طرح عبدالرحیم خانخاناں کو رجوع الی اللہ، توبہ و انابت اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے مالی معاملات میں دیانت داری کی نصیحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ ایک کوڑی جو حرام طریقہ پر حاصل کی تھی اس کا واپس کرنا اس سے سوگنا صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک درہم کا چھٹا حصہ (جو غلط طریقہ سے حاصل ہوا ہے) واپس کر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سو مقبول حجوں سے بہتر ہے۔''[۴۰]

Marfat.com

ایک دوسرے سرکاری افسر کو دنیا کی ترغیبات وتحریصات سے متنبہ کرتے ہوئے حرام ومشتبہ چیزوں سے اجتناب کی نصیحت بڑے دردمندانہ انداز میں کرتے ہیں:

''مجھے ڈر ہے کہ کہیں دوستان نیک انجام دنیا کی آرائشوں میں پھنس کر بچوں کی طرح اس کے فریفتہ ہوجائیں اور دشمن لعین (شیطان) کی رہنمائی میں مباح سے مشتبہ کی طرف اور مشتبہ سے حرام کی طرف رغبت نہ کرنے لگیں' ایسا ہوا تو مولائے حقیقی کے سامنے خجل وشرمندہ ہونا پڑے گا۔توبہ اور رجوع الی اللہ میں قدم راسخ رکھنا اور منہیات شرعیہ کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے۔''[۴۱]

شیخ احمد سرہندیؒ کی ان ہدایت ونصائح سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کس طرح مالی معاملات میں صحیح رخ پر اہل حکومت کی ذہن سازی کی کوشش کی اور وہ مسلسل انہیں محرمات ومشتبہات سے دور رہنے کی مخلصانہ نصیحت کرتے رہے۔

ایک امر لائق توجہ ہے کہ امراء کے نام خطوط میں اکبری دور میں اسلامی شعائر کی بے حرمتی' قوانین شریعت کی خلاف ورزی اور اسلامی روایات کی پامالی کی جانب متوجہ کرتے ہوئے شیخ احمد سرہندیؒ نے بادشاہ کی اصلاح' شریعت کی اتباع اور اسلامی تعلیمات پر عمل آوری کی بار بار نصیحت کی لیکن ان خطوط میں واضح طور پر یہ ہدایات نہیں ملتیں کہ حکومت کی ذمہ داریاں شریعت کے مطابق انجام دینی چاہئیں۔حکومت کی آمدنی کے ذرائع ومصارف میں شرعی اصول وضوابط کی پابندی ہونی چاہیے۔عدلیہ کے شعبہ میں اسلام کے اصول عدل وانصاف پر کاربند رہنا چاہیے۔دربار کے غیر اسلامی رسوم وروایات کو ختم کردینا چاہیے اور عوام کے ساتھ برتاؤ میں قرآن وحدیث کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔مزید برآں مکتوبات امام ربانی میں جہانگیر بادشاہ کے نام بھی ایک خط ہے اور صاحبزادوں کے نام ایک خط میں بادشاہ کی ایک مجلس میں حاضری اور وعظ وتذکیر کا حوالہ ملتا ہے لیکن ان خطوط میں بھی مذکورہ بالا امور کی جانب واضح لفظوں میں توجہ نہیں دلائی گئی ہے۔بادشاہ کے نام مکتوب میں اس کی سلطنت کی بقا اور لشکر شاہی کی فتح ونصرت کے لیے دعا کی گئی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ جہاد سے سلطنت کو تقویت ملتی ہے اور سلطنت کی مضبوطی سے شریعت کی ترویج واشاعت بھی وابستہ ہے۔دوسری جانب یہ کام لشکر دعا سے بھی متعلق ہے جو ''ارباب فقراء اور اصحاب مصیبت وبلا'' کا لشکر ہے اور اس کی دعاؤں کی بدولت حقیقی معنوں میں فتح ونصرت نصیب ہوتی ہے اور لشکر غزا کے لیے لشکر دعا کی حیثیت روح کی ہے۔پس فوجی لشکر کو لشکر دعا کے بغیر چارہ نہیں۔[۴۲]

دوسرے خط میں بادشاہ کی جس مجلس کا تذکرہ ہے وہ رمضان المبارک کی ایک مجلس تھی۔اس میں جو موضوعات بادشاہ واہل دربار کے سامنے زیر بحث آئے' وہ یہ تھے: بعثت انبیاء' ختم نبوت' آخرت پر ایمان' اعمال صالحہ پر آخرت میں ثواب' دیدار الٰہی بروز قیامت' خلفائے راشدین کی اتباع' سنت تراویح' عقیدہ تناسخ کا بطلان اور ہر صدی میں مجدد کا ظہور۔شیخ سرہندیؒ کے بقول بادشاہ نے ان موضوعات پر ان کی گفتگو کو بہت توجہ سے سنا۔[۴۳]

بہرحال ان باتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیخ مجددؒ بادشاہ وامراء کی سیاسی زندگی یا حکومت کے نظم ونسق میں شریعت کے مطابق اصلاح نہیں چاہتے تھے۔اصل بات یہ ہے کہ وہ علماء' صوفیہ' حکمراں وعوام ہر طبقہ کے لوگوں کی

Marfat.com

زندگی کی اصلاح مجموعی طور پر چاہتے تھے اور روزمرہ زندگی میں انہیں سنت نبویؐ کا پیروکار اور شریعت کا متبع بنانا چاہتے تھے۔ غالباً ان کو یہ احساس تھا کہ وہ (خواہ اہل حکومت ہوں یا کوئی اور) عام زندگی میں شریعت کے پابند ہو جائیں گے تو اپنی مخصوص مصروفیات یا اپنے خاص دائرہ کار میں ان کے لیے شریعت پر چلنا آسان ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مکتوبات ربانی میں ان تینوں طبقوں کے نام مکاتیب میں مضامین کا کچھ اختلاف پایا جاتا ہے لیکن ان میں جو باتیں کم و بیش مشترک نظر آتی ہیں وہ ہیں اللہ و رسول کی اطاعت، شریعت کی پیروی اور نقشبندی صوفیاء کے طریقہ پر تزکیہ واحسان کا حصول۔ درحقیقت شیخ مجددؒ کے اصلاحی مشن کے تین ارکان تھے۔ تصحیح عقائد، شریعت پر عمل آوری اور تزکیہ نفس۔ تیسرا رکن خود انہی کی وضاحت کے مطابق اول دونوں کا تکملہ اور ان کے تابع تھا۔ وہ اسی نہج پر لوگوں کی ذہن سازی واصلاح چاہتے تھے اور اپنے خطوط میں بار بار انہی نکات پر زور دیتے رہے۔[44] ان کا خیال تھا کہ اس طور پر اگر کسی کی زندگی سدھر جائے گی تو ہر معاملہ میں شریعت کی اتباع اس کی اوّلین ترجیح بن جائے گی اور یہی اصلاً ہر مومن سے مقصود ہے۔ وہ علماء وصوفیہ، اہل حکومت وعوام سب سے اس کے لیے دردمندانہ اپیل کرتے تھے۔ اس باب میں تساہلی ونرم رویہ کو سخت ناپسند کرتے تھے اور بادشاہ کی مجلسوں میں بھی اسلامی اصول وضوابط کی ترجمانی میں کسی تکلف سے کام نہیں لیتے تھے۔[45] مزید برآں وہ ان علماء وصوفیہ پر برملا نقد کرتے تھے جو رخصت کا بہانہ لے کر خلاف شریعت امور کو مباح قرار دیتے تھے، جیسا کہ ذیل کی تفصیلات سے واضح ہوتا ہے۔

اس زمانہ میں شاہی دربار میں حاضری پر بادشاہ کی تعظیم وتکریم میں اس کے سامنے سجدہ کرنے کا رواج تھا بلکہ یہ دربار کے آداب میں شامل تھا اور اس کی خلاف ورزی جرم سمجھی جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ سراسر غیر اسلامی روایت اور ایک ناجائز عمل تھا، لیکن بعض علماء اسے سجدہ تعظیمی قرار دیتے ہوئے اس کی اباحت کے قائل تھے۔ شیخ احمد سرہندیؒ کسی بھی صورت میں غیر اللہ کے سامنے سجدہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ شاہی دربار میں طلبی پر اس روایت کی خلاف ورزی کی وجہ سے انہیں بادشاہ کی ناراضگی مول لینی پڑی جس کی وجہ سے وہ قید وبند کی آزمائش سے بھی دوچار ہوئے۔ اسی دوران شہزادہ خرم (جو شیخ کے بڑے معتقد تھے) نے بعض علماء کے توسط سے سجدہ تعظیمی کی اباحت کے حوالہ سے انہیں اس کے لیے راضی کرنا چاہا تاکہ وہ قید وبند کی پریشانیوں سے بچ جائیں تو شیخ نے یہ کہہ کر اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ نہ کیا جائے۔[46] اس واقعہ سے بادشاہ کے سامنے سجدہ کرنے کے مسئلہ پر ان کا موقف بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت ایک مرید (میر محمد نعمان اکبرآبادی) کے استفتاء پر ان کے اس جواب میں ملتی ہے:

> ”اے برادر! سجدہ جو پیشانی کو زمین پر رکھنے کو کہتے ہیں انتہائی تذلل و شکستگی کو متضمن ہے اور اس میں کمال تواضع وفروتنی پائی جاتی ہے۔ اس وجہ سے اس قسم کی تواضع وفروتنی کو صرف واجب الوجود جل سلطانہ کی عبادت کے ساتھ مخصوص رکھا گیا ہے۔ اس کے غیر کے لیے سجدہ جائز نہیں رکھا گیا ہے...... بعض علماء نے سلاطین کے لیے سجدہ تعظیمی کو جائز قرار دیا ہے لیکن سلاطین عظام کے لائق حال یہ ہے کہ وہ اس معاملہ میں حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے تواضع وفروتنی کا

Marfat.com

مظاہرہ کریں اور اس انتہائی تذلل وانکسار (سجدہ) کو غیر اللہ کے لیے جائز نہ قرار دیں۔ حضرت حق جل مجدہ نے ایک عالم کو بادشاہوں کا مسخر اور ان کا محتاج کر دیا ہے' اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کریں اور ایسی تواضع کو جو کمال عجز وانکساری کی اطلاع دیتی ہے فقط جناب قدس کے لیے ہی مسلم رکھیں۔ اس معاملہ میں کسی کی اس کے ساتھ شرکت نہ ڈھونڈیں' ہر چند کچھ عالم اس سجدہ تعظیمی کو ان کے لیے جائز قرار دیں لیکن بادشاہوں کے حسن تواضع کا یہ تقاضا ہے کہ وہ خود اس کو جائز نہ سمجھیں۔''[۴۷]

زیر بحث مسئلہ کی وضاحت کے ساتھ اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ اور شاہی دربار سے متعلق مسائل پر امراء کے علاوہ دوسروں کے نام مکاتیب میں بھی اظہار خیال فرماتے تھے۔ یہاں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ بعض صوفیاء (بالخصوص چشتی سلسلہ سے تعلق رکھنے والوں) کے حلقہ میں شیخ کے روبرو سجدہ تعظیمی کا رواج تھا اور وہ اسے مباح سمجھتے تھے۔ شیخ سرہندی نے سختی سے اس کی بھی مخالفت کی اور جس طرح انہوں نے اس کو جائز تصور کرنے والے علماء پر نکیر ظاہر کی اس طرح ایسے صوفیاء کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا اور اہل تصوف کو اس غیر شرعی عمل سے اجتناب کی ہدایت دی۔ شیخ نظام الدین فاروقی تھانیسری کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بھی معتبر لوگوں نے نقل کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کے مرید ان کو سجدہ تعظیمی کرتے ہیں۔ فقط زمین بوسی ہی پر اکتفا نہیں کرتے۔ اس فعل کی خرابی اظہر من الشمس ہے۔ ان کو سختی سے منع کیجئے۔ اس قسم کے افعال سے ہر ایک کو اجتناب کرنا چاہیے۔ علی الخصوص وہ شخص جو مخلوق کا مقتدیٰ بنے اس کو تو اس قسم کے افعال سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے ورنہ اس کے پیرو اس اعمال کی اقتدا کریں گے اور وبال میں گرفتار ہوں گے۔''[۴۸]

ان بیانات سے یہ اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندیؒ کو شریعت کے باب میں کسی کی بھی جانب سے مداہنت گوارا نہ تھی اور یہ کہ شریعت سے انحراف کرنے والوں کو وہ بلا تکلیف متنبہ کرتے تھے اور واضح لفظوں میں اس سے باز آجانے کی انہیں ہدایت دیتے تھے۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندیؒ نے اہل حکومت میں شریعت کی ترویج پر خصوصی توجہ دی۔ ایک مسلمان کے لیے اتباع شریعت کی اہمیت کے اثبات کے ساتھ انہوں نے ان کے ذہنوں میں یہ حقیقت جاگزیں کرنے کی کوشش کی کہ ترویج شریعت بہت عظیم کام ہے جسے بہترین خلائق یعنی انبیاء علیہم السلام انجام دیتے رہے ہیں اور اس کی اہمیت اس زمانہ میں اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب دینی بے راہ روی اور گمراہی کا دور دورہ ہو جائے۔ دوسرے حکومت کے حلقوں میں شریعت کو رواج دینا اس وجہ سے اور اہم ہے کہ بادشاہ حکمراں طبقہ اپنے قول وعمل سے عوام پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس طبقہ کے لوگوں کی اصلاح سے کافی حد تک عوام کی اصلاح منسلک ہے۔ شیخ مجددؒ نے خطوط کے ذریعہ امراء یا حکومت کے اہم عہدہ داروں کو مختلف طریقہ سے اس بات کے لیے راغب کیا کہ روزمرہ زندگی میں شریعت کو رہنما بنائیں اور بادشاہ کو بھی اس کی پیروی کے لیے آمادہ کریں اور جب بھی موقع ملے اسے دین کی

Marfat.com

ضروری باتوں اور شریعت کے احکام سے باخبر کرتے رہیں۔

مذکرہ بالا مباحث سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اہل حکومت کو عمومی انداز میں اتباع شریعت کی تاکید کے ساتھ شیخ مجددؒ انہیں فرائض کی بجا آوری اور سماجی و معاشی زندگی سے متعلق احکام پر عمل آوری کی تلقین مسلسل کرتے رہے اور محرمات سے اجتناب پر خاص زور دیتے رہے۔ اصلاح احوال پر اُبھارتے ہوئے سب سے زیادہ دو باتوں کی جانب انہیں متوجہ کیا۔ اوّل عقائد کی درستگی اور دوسرے ہر معاملہ میں شریعت کی پیروی۔ وہ بار بار یہ حقیقت ان کے گوش گزار کرتے رہے کہ لوگوں کی نجات کا مدار اس پر ہے خواہ وہ اصحاب منصب ہوں یا عوام علماء ہوں یا صوفیاء۔ مزید برآں امراء کے نام خطوط میں شیخ مجددؒ نے بڑے ہی مؤثر انداز میں یہ نکتہ واضح کیا کہ ہر مسلمان کے لیے علم شریعت کا اکتساب بھی ضروری ہے لیکن یہ اکتساب اسی وقت بارآور ہوگا جب اس علم کو عملی روپ دیا جائے۔ یہ امر بدیہی ہے کہ وہ بیمار جو اپنے مرض کی دوا کا علم رکھتا ہے صحت اسی وقت پائے گا جب وہ اسے استعمال کرے۔ فقط دوا کا علم اس کے لیے صحت بخش نہ ہوگا۔ انہوں نے اس طور پر بھی اتباع شریعت کی رغبت دلائی کہ شریعت کے مطابق تھوڑا سا عمل بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث بنتا ہے جب کہ اسی کے بالمقابل خلاف شریعت کام اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے اور پھر اس پر اجر و ثواب کا سوال ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عمل موافق شریعت ہوتا ہے وہ پسندیدہ حق تعالیٰ ہوتا ہے اور خلاف شریعت عمل ناپسندیدہ حق ہے۔ اس پر ثواب کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ بلکہ اس پر سزا کا ڈر رہتا ہے۔ بڑے ہی دردمندانہ لہجہ میں شیخ نے یہ تکلیف دہ صورتحال بیان کی کہ آقائے مجازی کی رضامندی کا خیال تو رکھا جاتا ہے اور اس کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے لیکن مولائے حقیقی کو جو باتیں ناپسند ہیں اور جن سے وہ منع فرماتا ہے ان پر توجہ نہیں کی جاتی۔ یہ کتنے بڑے شرم کی بات ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اہل حکومت میں شریعت کی ترویج کے لیے شیخ مجددؒ نے جو کچھ کوشش کی اور خود ان میں اس کے لیے جو تحریک پیدا کی وہ اس زمانہ کے سیاسی، سماجی و مذہبی حالات کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ عبد اکبری میں دینی شعائر، اسلامی تعلیمات و احکام شریعت کے تئیں سرکاری طور پر جو رویہ اپنایا گیا اس کا انہوں نے بخوبی مشاہدہ کیا تھا۔ اس صورتحال سے وہ بہت آزردہ خاطر تھے اور اس کی تبدیلی کے لیے وہ متفکر و کوشاں ہوئے۔ اسی لیے نئے بادشاہ (جہانگیر) کے تخت نشیں ہوتے ہی وہ اس کوشش میں لگ گئے کہ بادشاہ کی توجہات کو صحیح رخ پر موڑ دیا جائے تا کہ عہد سابق کی خرابیوں کا ازالہ ہو سکے اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت و اسلامی قوانین کی ترویج و تنفیذ کے لیے فضا ہموار ہو جائے۔ اس کام کے لیے انہوں نے امراء یا بادشاہ کے قریبی مصاحبین و عہدہ داروں کو اپنا معاون خاص بنایا۔ ایک جانب تو انہوں نے شریعت کی روشنی میں حکومت کے ان کل پرزوں کو درست کرنے پر توجہ دی، دوسری جانب بادشاہ تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ان مقربین بارگاہ کو وسیلہ بنایا اور ان کے توسط سے بادشاہ کی اصلاح کی بھی کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ اس اہم کام کے لیے علماء کا تعاون بھی درکار تھا۔ ان سے بھی شیخ مجددؒ نے مراسلت جاری کی اور بالخصوص بادشاہ سے قربت رکھنے والے علماء کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور نئے بادشاہ کے حوصلہ افزا رجحانات کے حوالے سے ان سے اپیل کی کہ بدلے ہوئے حالات میں ترویج شریعت کے کام میں تاخیر مناسب نہ ہوگی ورنہ تلافی مافات مشکل ہو جائے گی اور یہ ان کے لیے بڑے اضطراب و بے چینی کا باعث ہوگی۔ صدر جہاں کے نام ایک خط میں ان کے یہ

Marfat.com

احساسات ملاحظہ فرمائیں:

''ائمہ اسلام پر خواہ وہ صدر الصدور ہوں یا علمائے کرام لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو ترویج شریعت میں مشغول اور آغاز کار ہی میں اسلام کے منہدم ارکان کو قائم و برپا کردیں کیونکہ دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔ تاخیر کے باعث غریبوں کے دل اضطراب میں ہیں۔ قرن سابق کی سختیاں مسلمانوں کے دلوں پر نقش ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تلافی نہ ہو اور اسلام کی کسمپرسی طول کھینچ جائے جبکہ بادشاہ ترویج سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرگرم نہ ہوں۔ نیز ان کے مقربین بھی اس معاملہ میں ڈھیلے پڑ جائیں اور حیات چند روزہ ہی کو عزیز سمجھیں تو فقراء اہل اسلام پر کام بہت تنگ و تاریک ہو جائے گا۔''[۴۹]

رہا یہ مسئلہ کہ شیخ مجددؒ کی ان ساری کوششوں کے کیا اثرات مترتب ہوئے۔ ان کی اصلاحی تحریک حکومت وقت کے مزاج و آہنگ میں کس حد تک تبدیلی پیدا کرسکی یہ ایک الگ موضوع بحث ہے جس کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں ہے لیکن اس جانب اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قریبی عہد میں یا بعد کے زمانہ میں ہندوستان میں جتنی اصلاحی تحریکیں برپا ہوئیں ان سب میں تحریک مجددیؒ کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ انہی کی اس دعا پر اس مقالہ کو ختم کیا جاتا ہے کہ

''اللہ آپ کو اور ہم کو متابعت شریعت مصطفویہ کی توفیق عطا فرمائے۔''

حواشی و مراجع

۱۔ نسیم احمد فریدی امروہی، تجلیات ربانی۔ ترجمہ و تلخیص مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ ۱۹۷۸ء ۲/۶۳ (مکتوب نمبر ۶۷)۔ یہاں یہ واضح رہے کہ قاضی عالم الدین نے مکتوبات امام ربانی کا اردو میں مکمل ترجمہ کیا ہے جو تین جلدوں میں اللجنۃ العلمیۃ حیدر آباد سے شائع ہوا ہے۔ مجھے مولانا نسیم احمد فریدی کا ترجمہ زیادہ سلیس و عام فہم نظر آیا اس لیے اس مضمون میں زیادہ تر ''تجلیات ربانی'' کا حوالہ دیا ہے۔ طوالت کے اندیشہ سے فارسی عبارت نقل کرنے سے احتراز کیا گیا۔

۲۔ محمد منظور نعمانی، تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ، کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ، ۱۹۷۰ء، ص ۱۴۴

۳۔ ایضاً، ۱/۶۸ (مکتوب نمبر ۵۱)

۴۔ ایضاً، ۲/۶۱ (مکتوب نمبر ۶۷)

۵۔ ایضاً، ۱/۱۰۵ (مکتوب نمبر ۸۱)

۶۔ ایضاً، ۱/۸۲، ۸۳ (مکتوب نمبر ۶۵)

۷۔ مذکورہ امراء کے بارے میں تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں شاہنواز خاں: مآثر الامراء (انگریزی ترجمہ: ایس بیوریج) جانکی پرکاش، پٹنہ ۱۹۷۹ء، ۱/۶۰۔۶۵، ۳۱۹۔۳۴۴، ۴۵۰۔۴۵۳، ۵۱۲۔۵۲۷، ۵۳۰۔۵۳۴، ۷۲۷۔۷۲۹۔

۸۔ تجلیات ربانی، ۲/۷۷ (مکتوب نمبر ۹۲)
۹۔ ایضاً، ۱/۶۷ (مکتوب نمبر ۴۸)
۱۰۔ حوالہ مذکور
۱۱۔ ایضاً، ۱۱/۱۵۹ (مکتوب نمبر ۱۹۳)
۱۲۔ ایضاً، ۱/۱۶۰ (مکتوب نمبر ۱۹۳)
۱۳۔ ایضاً، ۲/۱۶۴ (مکتوب نمبر ۵۴)
۱۴۔ ایضاً، ۱/۵۳ (مکتوب نمبر ۳۶)
۱۵۔ ایضاً، ۱/۱۰۸ (مکتوب نمبر ۹۴)
۱۶۔ ایضاً، ۱/۱۵۹ (مکتوب نمبر ۱۹۳)
۱۷۔ ایضاً، ۱/۹۵ (مکتوب نمبر ۷۳)
۱۸۔ ایضاً، ۱/۱۶۱ (مکتوب نمبر ۱۹۴) نیز دیکھئے ۱/۷۱ (مکتوب نمبر ۹۳)
۱۹۔ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، نول کشور، کانپور (ب۔ت) ص ۳۴۷۔۳۴۸، سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس تحقیقات ونشریات، لکھنؤ ۲۰۰۰ء ۔ ۴/۱۶۱
۲۰۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (اردو ترجمہ از قاضی عالم الدین)، اللجنۃ العلمیہ، حیدر آباد (بدون تاریخ)، ۱/۱۵۰۔۱۵۱ (مکتوب نمبر ۳۴)
۲۱۔ حوالہ مذکور، ۱/۱۵۴ (مکتوب نمبر ۳۷)، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۱۵۱ نیز دیکھئے بدر الدین سرہندی، حضرات القدس۔
۲۲۔ تجلیات ربانی، ۱/۸۷ (مکتوب نمبر ۷۰)
۲۳۔ ایضاً، ۲/۱۶۵ (مکتوب نمبر ۵۵)
۲۴۔ ایضاً، ۲/۷۲ (مکتوب نمبر ۸۷)
۲۵۔ ایضاً، ۱/۱۵۲۔۱۵۳ (مکتوب نمبر ۱۸۲)
۲۶۔ ایضاً، ۱/۶۷ (مکتوب نمبر ۴۸)
۲۷۔ ایضاً، ۱/۱۵۶۔۱۵۷ (مکتوب نمبر ۱۹۱)
۲۸۔ ایضاً، ۱۰/۴۶ (مکتوب نمبر ۲۹)
۲۹۔ ایضاً، ۱/۱۰۵۔۱۰۶ (مکتوب نمبر ۸۵)
۳۰۔ ایضاً، ۱/۱۰۷ (مکتوب نمبر ۹۳) نیز دیکھئے ۱/۱۵۵ (مکتوب نمبر ۱۸۹)
۳۱۔ ایضاً، ۱/۶۰ (مکتوب نمبر ۴۵)
۳۲۔ ایضاً، ۱/۷۰ (مکتوب نمبر ۸۲)
۳۳۔ ایضاً، ۱/۹۴ (مکتوب نمبر ۷۳)
۳۴۔ ایضاً، ۱/۸۷ (مکتوب نمبر ۵۲)
۳۵۔ ایضاً، ۱/۷۰ (مکتوب نمبر ۵۲)
۳۶۔ ایضاً، ۱/۱۰۸۔۱۰۹ (مکتوب نمبر ۹۶)
۳۷۔ ایضاً، ۲/۶۰ (مکتوب نمبر ۶۷)

Marfat.com

۳۸۔ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۸۱ء، ص ۴۱۶۔۴۱۷

۳۹۔ تجلیات ربانی، ۲/۶۶ (مکتوب نمبر ۶۹)

۴۰۔ ایضاً، ۲/۵۱۔۵۲ (مکتوب نمبر ۵۲) نیز دیکھئے ۲/۷۱ (مکتوب نمبر ۸۷)

۴۱۔ ایضاً، ۲/۶۸۔۶۹ (مکتوب نمبر ۸۱)

۴۲۔ ایضاً، ۲/۱۶۱ (مکتوب نمبر ۴۷)

۴۳۔ ایضاً، ۲/۱۵۵۔۱۵۶ (مکتوب نمبر ۴۳)

۴۴۔ ایضاً، ۱/۸۸، ۱۰۸، ۱۵۶ (مکاتیب نمبر ۷۱، ۹۴، ۱۹۱) ۲/۵۲۔۵۳ (مکتوب نمبر ۶۷)

۴۵۔ ایضاً، ۲/۱۵۵۔۱۵۶ (مکتوب نمبر ۴۳)

۴۶۔ حضرات القدس، محولہ بالا، ص ۱۱۶

۴۷۔ تجلیات ربانی، ۲/۷۸۔۷۹ (مکتوب نمبر ۹۲)

۴۸۔ ایضاً، ۱/۴۷ (مکتوب نمبر ۲۹)

۴۹۔ ایضاً، ۱/۱۶۲ (مکتوب نمبر ۱۹۵)

(در: فکر ونظر (اسلام آباد)، بابت جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء، ص ۳۔۲۷)

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

حضرت مجدد الف ثانی پر حرف گیری کا جائزہ

(قارئین کرام ایک بات ذرا عجیب سی محسوس کریں گے کہ اس مضمون میں جو اعتراضات نقل کئے گئے ہیں ان کے صفحات کا حوالہ موجود ہے مگر خود کتاب اور مصنف کا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔ جن حضرات کی نظر دور حاضر کے لٹریچر پر ہے وہ بہ آسانی پہچان لیں گے کہ آج سے چند برس قبل جس ''رود'' میں ایک طوفان علامہ شبلی کے خلاف اٹھا تھا' اسی ''رود'' سے یہ نیا طوفان حضرت مجدد قدس سرہٗ کے خلاف برپا ہوا ہے۔ ہم فاضل مضمون نگار کی ہدایت سے مجبور ہیں کہ معروض مصنف کے نام اور کتاب کا اظہار برملا نہیں کر سکتے۔ جو حضرات اس پہیلی کو نہ بوجھ سکیں' ان کے لئے یہ بات کافی ہے کہ حضرت مجدد صاحب پر امکانی اعتراضات کا مدلل اور مستند جواب فراہم ہو رہا ہے۔)

(۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی بعض تصانیف ہنوز شائع نہیں ہوئیں۔ ان کا عربی رسالہ ''اثبات النبوۃ''[۱] بھی ابھی تک شائع نہیں ہوا اور اس کے نسخے بھی کم یاب ہیں۔ یہاں اسی رسالہ کا تعارف مقصود ہے لیکن اس تعارف سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک فاضل کے بعض بیانات کا جائزہ لیا جائے جو ان کی ایک کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں ابھی چند روز ہوئے بالکل اتفاق سے نظر آئے ہیں۔ فاضل مصنف نے اکبر بادشاہ (۹۶۳ھ-۱۰۱۴ھ) اور اس کے ہم نشین فیضی (م ۱۰۰۴ھ) اور ابوالفضل (م ۱۰۱۱ھ) کو ''مصلحت پسندی'' اور ''ترک شعائر اسلام'' (جس کا نام ''تقلید سے بیزاری'' اور ''عقل سے نزدیکی'' قرار دیا گیا تھا) کی وجہ سے سراہا ہے اور اس کے برعکس حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اور ان کے ہم خیال اور ''جلالی رنگ'' والے حضرت کی تنقید یا تنقیص میں بڑا زور صرف کیا ہے۔

فاضل مصنف کی یہ تنقید عبدالقادر بدایونی کے حالات سے شروع ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں ''بدایونی نے کہا کہ اگر ایک مالکی قاضی اس (متعہ) کے حق میں اصول کی رو سے فتویٰ دے دے تو ایک حنفی کے لئے بھی (تقلیداً) متعہ جائز ہے۔'' (ص ۸۵) گویا ایک ہائی کورٹ کا فیصلہ دوسرے ہائی کورٹ کے لئے جواز کی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کا اظہار خیال اکبر کی متعدد غیر مسلم بیویوں کے جواز کے لئے کیا گیا تھا اور اس کی ذمہ داری بدایونی پر نیز

Marfat.com

دوسرے[2] علماء اور فضلاء پر بھی عائد ہوتی ہے جو خاموش تھے۔ یا اکبر اور سلیم کے لئے دعائیں کر رہے تھے۔ یہ واقعہ ۹۸۴ھ کا ہے۔ پھر ملا یزدی نے ''بادشاہ سے خلوت کی ملاقاتوں میں پہلے تین خلفاءؓ بعض دوسرے صحابہؓ اولیائے کبار فرقہ اہل سنت والجماعت اور سنی علماء کو برا بھلا کہا اور سب کے جہنمی ہونے کا فتویٰ دیا۔'' (صفحہ ۸۵) پھر تاج الدین ولد شیخ زکریا اجودھنی کا ذکر آتا ہے کہ ''انہوں نے وحدت الوجود کا راگ الاپا۔ ابن العربی کی تصانیف سے کئی ایسی چیزیں لائے جن سے آزادی اور آزاد خیالی کا سبق ملتا تھا۔ آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کی ایسی تاویل اور ترجمانی کی کہ بادشاہ حیران رہ گیا۔ انہوں نے خلیفۃ الزمان کو انسان کامل کہا اور پھر بادشاہ کو اس لقب کا مستحق قرار دیا اور بادشاہ کے لئے سجدہ تجویز کیا'' (صفحہ ۸۷) بادشاہ 'بقول بدایونی' جوہری نفیس و طالب حق لیکن عامی محض تھا.......... ابوالفضل کہتا ہے کہ بادشاہ فرماتے تھے کہ اس سے پہلے میں جب ظاہر بینوں کا ہم خیال تھا' میں سمجھتا تھا کہ ظاہر آرائی اور بغیر دلی قبول کے مسلمانی کا دعویٰ کرنا فائدہ مند ہے۔ چنانچہ میں کئی ہندوؤں کو ڈرا دھمکا کر اپنے بزرگوں کے دین پر لایا لیکن اب کہ شہرستان باطن کی حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی ہے' میں سمجھتا ہوں کہ آشوب گاہ اختلاف میں عقل اور سمجھ کا راستہ اختیار کرنا چاہئے اور نہیب سلطانی سے زبان پر کلمۂ شہادت نکالنا' ختنہ کرانا اور ظاہری قسم سے سجدہ کرنا خدا طلبی نہیں...... چنانچہ بادشاہ نے ہر ایک کی قابلیت اور اصلیت پہچان لی۔ بعض عقل و خرد والے جو گوشۂ تنہائی میں تھے' بام بلندی پر جا پہنچے اور جو لوگ متعصب اور تقلید کے غلام تھے اور چرب زبانی اور نقل آرائی کے زور پر اپنے آپ کو دانشمند اور حکیم سمجھے بیٹھے تھے' ان کی اصلیت بے نقاب ہوگئی (صفحات ۸۷۔۸۸) گویا نماز روزہ اور دیگر شعائر اسلام کو برا بھلا کہہ کر ان سے چھٹی کرا دی لیکن ابوالفضل ہی سے اس بے راہ روی کے لئے شہادت مہیا کرا دی۔

پھر مخدوم الملک اور عبدالنبی کا ذکر ہے کہ ان دونوں نے اپنے عقائد کی خاطر کتنے لوگوں پر سختیاں کیں لیکن چونکہ ابوالکلام آزاد نے اپنے ''تذکرہ'' میں دور اکبری کی مذہبی خرابیوں کی ذمہ داری انہی دونوں پر رکھی ہے اور انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ[3] کی رائے ''علمائے سوء'' کے متعلق نقل کر دی ہے۔ اس لئے فاضل مصنف نے اس بات کو صحیح نہیں سمجھا اور اس کے برعکس انہوں نے مخدوم الملک کی محتابہ کی کوششوں کو سراہا ہے۔ (ص ۹۳) پھر یہ بھی فرما دیا کہ جن سیاسی اصولوں پر اکبر اپنی سلطنت کی تنظیم کرنا چاہتا تھا' وہ مخدوم الملک کے طریقۂ کار سے بالکل مختلف تھے...... علماء اور اکبر کے درمیان جو بڑی وجہ مخاصمت تھی اسے خود اکبر نے (ابوالفضل کے قلم سے) عبداللہ ازبک کے نام ایک خط میں واضح کر دیا ہے کہ ''می خواہند کہ در فرماں روائی و کارگزاری شریک بادشاہی باشند'' (ص ۹۴)[4] اس قسم کی توجیہ (علماء کو ختم کرنے کے لئے) اکثر کی کی جاتی ہے۔۔ بہرحال ملا مبارک ناگوری نے ۱۹۸۷ء میں ایک محضرنامہ تیار کیا جس کی رو سے اکبر کو درجۂ اجتہاد پر فائز کیا گیا۔ مخدوم الملک' شیخ عبدالغنی' قاضی جلال الدین' قاضی خان بدخشی وغیرہ نے اس محضرنامہ پر دستخط کئے۔ شیخ مبارک کے بھی دستخط تھے لیکن ابوالفضل نے اس محضرنامہ کا ذکر جب ''اکبرنامہ'' میں کیا تو اپنے والد کا نام صاف اڑا دیا (تاکہ باہر کے مسلمان حکمرانوں میں اس کے والد کی بدنامی نہ ہو) ابوالفضل کی اس ''دیانت'' کی توجیہ ہمارے فاضل مصنف نے بڑی خوبی سے کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ''اس کی وجہ یہ تو نہ تھی کہ ''محضر اجتہاد'' پر جس طرح عمل کیا گیا اسے دیکھتے ہوئے ابوالفضل اس سے اپنے باپ کا انتساب نہ چاہتا تھا'' (ص ۹۸ حاشیہ) اگر ابوالفضل کی یہی نیت تھی تو ''اکبرنامہ'' جیسی طویل کتاب میں ایسے ایک جملہ کے لئے بہت گنجائش نکل سکتی

تھی پھر یہ بھی سوال ہوسکتا ہے کہ اس محضر اجتہاد پر کیا اسی طرح یا اس سے زیادہ عمل نہیں کیا گیا جیسا کہ اس کا مقصد تھا۔

علماء اور ''صلحاء'' کے قتل کے سلسلے میں فاضل مصنف کو مجبوراً لکھنا پڑا کہ ''اکبر نے کئی بزرگوں کو مکاری اور حیلہ سازی سے کسی مقدمے یا داد فریاد کے بغیر شہید کروا دیا' لیکن جن مشکلوں سے اس کا سابقہ پڑا وہ ملک میں بہت تھیں' اس کے عقائد کے خلاف عام شورش ہوگئی تھی (ص ۱۰۵)'' یعنی فاضل مصنف کو اکبر کے عقائد اور ان عقائد کے خلاف شورش کا اعتراف ہے۔ گویا وہ بھی بدایونی کے بیان کردہ ''فتنہائے امت'' (۹۸۷ھ) کے کم وبیش قائل ہیں' پھر جن بزرگوں کو (بقول ان کے) مکاری اور حیلہ سازی سے شہید کرا دیا تھا ان کے سلسلے میں اکبر نے کسی وزیر با تدبیر کی رائے بھی لی تھی یا نہیں؟ ایسا سوال ان کے قارئین کر سکتے ہیں۔

پھر عہد اکبری کے مذہبی مؤرخین کا ذکر آیا ہے' جن میں بدایونی (بقول فاضل مصنف کے) قابل اعتبار نہیں' کیونکہ وہ ''توڑ مروڑ کر'' واقعات پیش کرتے ہیں۔ فاضل مصنف نے اپنی فاضلانہ کاوش سے (یعنی توڑ مروڑ کر نہیں) یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ''اکبر کے مذہبی آئین واحکام کی نسبت معتبر معلومات تو ''آئین اکبری'' میں ملیں گی (کیونکہ وہ سیاسی اغراض) کے لئے لکھی گئی تھی اور ابوالفضل کی ''دیانت'' کا ذکر بھی اوپر آ چکا ہے' نیز وہ خوشامد سے کوسوں دور تھا۔ ان کے علاوہ جو کچھ بدایونی کی تاریخ یا پرتگیزی پادریوں کی تحریروں میں ملتا ہے وہ یا تو غلط بازاری افواہوں پر مبنی ہے یا ان نیم پختہ تجاویز کا رنگ آمیز بیان ہے جو بادشاہ یا اس کے معتمد درباریوں کے سامنے پیش ہوئیں لیکن آئین واحکام کا درجہ نہ حاصل کر سکیں (حالانکہ ان عقائد کے خلاف عام شورش پیدا ہو جانے کا اعتراف کیا جا چکا ہے) (ص ۱۱۹)۔ عجیب استدلال ہے۔ بدایونی کو بھی درباری قرب حاصل تھا اور اس نے جو کچھ لکھا ہے ایک ''جابر'' اور علماء کو ''مکاری'' سے قتل کروانے والے بادشاہ کے پاس رہ کر لکھا ہے' خوشامد نہیں کی ہے (ان باتوں کے متعلق آگے عرض کیا جائے گا) لیکن محترم صرف ابوالفضل کے قائل ہو رہے ہیں اور بدایونی یا پرتگیزیوں کی بات وہیں مانیں گے جہاں ان کے مفروضے کو تقویت ملے گی۔ مثلاً صفحہ ۱۳۵' ۲۳۸ میں انہی پرتگیزیوں کے قول کو سند قرار دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اکبر کا ''کفر والحاد'' اس کے مرنے سے بہت پہلے ختم ہو چکا تھا (حالانکہ ایسا نہیں ہے) بہر حال ہمیں بھی اصرار نہیں کہ پرتگیزوں کی ہر بات پر یقین کیا جائے لیکن جہاں کہیں پرتگیزوں اور بدایونی کے اقوال میں مطابقت پائی جاتی ہے' وہاں تردید کیوں کر ہوسکتی ہے؟ البتہ محترم نے اکبری عہد کے ایک گروہ کے شکوے کا ضرور ذکر کیا ہے جو ''اہل تقلید'' تھے اور جو نماز روزہ جیسی چیزوں پر عمل کرنا چاہتے تھے یعنی ''صلح کل'' نہیں چاہتے تھے اور اکبر کا خیال تھا کہ ہندوستان کے مختلف الاقوام ملک میں بادشاہ ایسا ہونا چاہئے کہ (بیویوں کی طرف سے ''نسب نامہ'' درست کر لینے کے بعد) ہندو اسے ہندو سمجھیں' مسلمان اسے مسلمان خیال کریں اور پارسی' جین' عیسائی سب اپنا اپنا ہم عقیدہ تصور کریں (صفحہ ۱۲۹)۔ یہی ''صلح کل'' اور ''روشن خیالی'' ہے۔ یعنی مسلمانوں کے دین میں خواہ مخواہ اس چیز کو ''منافقت'' کہا جاتا ہے! یہ تو بقول فاضل مصنف کے ایک ''روحانی نظام'' تھا (صفحہ ۱۲۰)۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عبدالقادر بدایونی کے ساتھ نہ صرف غیروں نے بلکہ اپنوں نے بھی ظلم کیا ہے اور ان کو متعصب اور غلط بیان تک لکھ مارا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ عبدالقادر غالباً واحد مؤرخ ہیں جو اپنے مخالفوں کی خوبیاں اور خود اپنی کمزوریاں ظاہر کرنے میں تامل نہیں کرتے۔ فاضل محترم نے بغیر کسی دلیل کے ان کو ٹھکرا دیا ہے اور

Marfat.com

ان کے متعلق محمد حسین آزاد کی رائے کو پیش کر کے استدلال کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدس مجتہد زادے کے بعض اقوال ''دربار اکبری'' سے بھی نقل کر دیئے جائیں۔ فرماتے ہیں ''ہمایوں کے عہد میں بہت سے ایرانی ہندوستانی میں آ گئے تھے مگر تقیہ کے پردے میں تھے' مذہب ظاہر نہ کرتے تھے اور اکثر ان میں صاحب اقتدار بھی ہو گئے تھے۔ یہ بھی طبعی امر ہے کہ جب ہمارے دشمن کا کوئی حریف با اقبال ہوتا ہے تو اسے اپنی کامیابی سمجھتے ہیں اور فائدہ بے فائدہ اس سے مل کر دل خوش ہوتا ہے۔'' (صفحہ ۳۲۷)۔ ''دمبدم کی قربت ملا صاحب سے دیکھی نہ جاتی تھی اسے لئے بگڑتے اور تڑپتے تھے...... تفسیر اکبری پیش کرنے کا حال اپنی کتاب میں لکھا بھی تو شوشہ لگا دیا کہ لوگ کہتے ہیں اس کے باپ کی تصنیف ہے۔ اچھا یہی ہے تو اس کے باپ کا مال ہے آپ کے باپ کا نہیں' اس کا باپ ایسا تھا تمہارا تو باپ بھی ایسا نہ تھا۔'' (صفحہ ۴۹۲)

''ملا صاحب نے گول مول فقرے میں لکھا ہے' نہیں کھلتا کہ فرمائش کرنے والا کون تھا...... یہ بھی عجب نہیں کہ ابوالفضل ہی نے فرمائش کر دی ہو۔ وہ بھی ثقہ ظریف تھے۔ کہا ہو گا کہ باتیں تو بہت بناتے ہیں' کچھ کر کے بھی تو دکھائیں' گھڑی دو گھڑی دل لگی رہے۔ ہاں خلیفہ ہم بھی دیکھیں پہلوانی آپ کی'' (صفحہ ۴۹۸) محمد حسین آزاد ''حقیقت نگار'' قلم سے ایک اور عبارت ملاحظہ فرمایئے: ''ابوالفضل' فیضی' خان خاناں' حکیم ابوالفتح' حکیم ہمام' میر فتح اللہ شیرازی وغیرہ ضرور مختلف اوقات میں ایک دوسرے کے گھر پر جمع ہوتے ہوں گے۔ فیضی اور ابوالفضل کا ایک مذہب تھا اور جو کچھ تھا سو معلوم ہے۔ باقی سب دل کے شیعہ' نام کے سنت جماعت' مگر در حقیقت ایسے تو گویا سب مذہب انہیں کے تھے۔ اس لئے سب آپس میں رفیق اور معاون رہتے ہوں گے۔ ہاں جو یک پہلو مذہب رکھتے ہوں گے وہ ان سے ضرور کھٹک رہے ہوں گے۔'' (صفحہ ۵۹۶)

فاضل مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''محضر (ملا مبارک کا تیار کیا ہوا۔ ۹۸۷ھ) کے واقعے اور زیارت اجمیر کے بعد ملا نظام الدین کا بیان ہے کہ واپسی پر بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک طولانی خیمہ (بارگاہ) مسجد کے نام سے دولت خانے کے پاس کھڑا کیا جائے اور اس میں وہ پانچ وقت با جماعت نماز ادا کرتے تھے۔'' (صفحہ ۱۱۴)۔ محترم نے یہ اردو ترجمہ درج کیا ہے۔ فارسی میں بھی یہی عبارت ہے...... ''شکار کناں بمستقر سریر خلافت مراجعت نمودہ فرمودند کہ بارگاہ طولانی کہ محرا بہا داشت ترتیب دادہ مسجد نام کردہ در یک طرف دولت خانہ برپا می کردند و پنج وقت نماز را با جماعت می فرمودند۔''[۵] بالکل ٹھیک ہے لیکن یہ کون سا سنہ تھا؟ وہی ۹۸۷ھ جبکہ محضر نامہ کی تیاری کے بعد فیضی کے اشعار والا خطبہ اکبر نے پڑھا تھا اور پڑھتے وقت جو کیفیت گزری تھی وہ مؤرخ جانیں لیکن یہ وقت ''مجتہد'' کے منصب پر سرفراز ہونے کا تھا۔ اس وقت نماز پڑھنا تو کیا' پڑھانے کا ارادہ بھی کیا ہو تو بعید نہیں۔

پھر محضر (تذکرہ بقول نظام الدین) کے سات سال بعد یعنی ۹۹۴ھ کے واقعات میں نظام الدین کے حوالے سے محترم نے لکھا ہے کہ اکبر دہلی گیا اور اپنے والد ہمایوں کے مزار کی زیارت کی' فقراء اور صالحین کو انعام دیا اور عید کا چاند نظر آ جانے پر ''لوازم عید بجا آورده از دہلی کوچ فرمودند''.......... یہ لوازم عید کیا تھے؟ یہاں نماز کا ذکر تو نہیں ہے' اگر مان لیا جائے کہ نماز پڑھ ڈالی تو بقول محترم کے وہ تو یہی چاہتا تھا کہ ''ہندو اسے ہندو سمجھیں اور مسلمان اسے مسلمان خیال کریں۔'' (صفحہ ۱۲۰)

Marfat.com

محترم نے یہ بھی لکھا ہے (صفحہ ۱۱۷) کہ ۹۸۹ھ تک (بقول ملا بدایونی کے) گاؤ کشی بند ہو چکی تھی۔ ریش تراشی عام تھی، خوشامدی لوگ ''دین اسلام مجاز وتقلیدی'' کو ترک کرنے کے عہد نام لکھ رہے تھے اور عوام میں مشہور ہو گیا تھا کہ بادشاہ نبوت ۶ بلکہ الوہیت کا دعوے دار ہے۔ اس وقت (یعنی ۹۸۹ھ) ''دریں ایام بہ جماعت نماز واذان ہر پنج وقت برائے خاطر جماعت در درباری گفتند برطرف شد'' یہ تمام قول بدایونی سے ماخوذ ہے اور اس سے محترم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ''کم از کم اس زمانے تک دربار میں پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرتا تھا' اور اب اس نے بھی ترک کردی تھی'' نیز وہ خوشامدی لوگ جو اسلام کو ترک کرنے کے عہد نامے لکھ رہے تھے اس کی تردید اب بھی نہ ہو سکی۔ پھر محترم نے اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ اواخر حکومت میں اکبر دیر تک لاہور میں رہا تو وہاں دیوان عام کے سامنے ایک مختصر سی مسجد بنوادی تاکہ جو لوگ کار ضروری میں مشغول ہوں انہیں نماز کے لئے دور نہ جانا پڑے' اس پر حکیم مصری نے ازراہ تمسخر کہا:

شاہ ما کرد مسجدے بنیاد ایہا المومنیں مبارک باد
واندریں نیز مصلحت دارد تا نمازاں گزار بشمارد

محترم نے جب حکیم مصری کو بھی بدایونی جیسا پایا تو مجبوراً یوں قلم اٹھایا ''ملا صاحب اور حکیم صاحب جو چاہیں حاشیے چڑھائیں لیکن آخر ان کے اس بیان سے اس بات کا پتہ لگ گیا کہ اس زمانے میں جبکہ عیسائی مؤرخین کہتے تھے کہ شہر لاہور میں (یعنی دیوان عام میں نہیں) کوئی مسجد نہیں رہی اور سب مسجدیں ہاتھی گھوڑوں کے اصطبل بنا دیئے گئے۔ اس وقت خود اکبر نے قصر شاہی میں ایک نئی مسجد (مختصر سی) تعمیر کرائی تھی (تاکہ لوگوں کو دور نہ جانا پڑے)...... مسجد ''غیر خوشامدی'' لوگوں کے لئے بنانی پڑی تاکہ وہ لوگ دور نہ جائیں (ورنہ کام میں ہرج ہوگا)۔

پھر محترم نے اکبر کی آفتاب پرستی کی تاویلیں کی ہیں اور لکھا ہے کہ جس طرح وہ ہندوؤں کی تالیف قلب کے لئے گاؤ کشی بند کر رہا تھا اسی طرح دوسرے مذاہب کی باتیں بھی ان سب کی تالیف قلب کے لئے اختیار کی تھیں' البتہ مسلمانوں کی تالیف قلب کے لئے کبھی کبھی ''لوازم عید'' بجالانے یا مختصر سی مسجد بنا دینے کے واقعات بھی درج کرنے میں محترم نے دریغ نہیں فرمایا۔ اس کے بعد صفحہ ۱۳۰ میں بدایونی کے حوالے سے مرزا جانی خاں حاکم ٹھٹھہ کی تحریر نقل کی ہے۔ اس میں ''دین الٰہی اکبر شاہی'' کا ذکر ہے لیکن خیال نہ رہنے کی وجہ سے دوسرے صفحے پر یوں لکھتے ہیں کہ ''دین الٰہی کی ترکیب پہلی مرتبہ ''دبستان المذاہب'' میں اکبر کی وفات کے کوئی ساٹھ ستر سال بعد استعمال ہوئی۔'' پھر اسی صفحے میں ملا کمین پر بھی یہ ذمہ داری عائد کر دی ہے کہ اس نے بھی سہواً عیاری سے اس ''طریقے'' یا روش'' کو دین الٰہی کہہ دیا ہے۔ محترم کا دعویٰ ہے کہ وہ کوئی مذہب نہیں تھا بلکہ ارادت وعقیدت کا ایک سلسلہ تھا۔ یہ اور بات ہے کہ شعائر اسلام کی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ پھر محترم نے یہ بھی اعتراف کر لیا ہے کہ ''مریدان شاہی بالخصوص درشنیوں کا تھوڑا بہت سلسلہ اکبر کے بعد بھی جاری رہا اور یہ فی الحقیقت جلال ملوکیت کا ایک کرشمہ تھا (صفحہ ۱۳۲)۔'' ایسا کہنے کے باوجود محترم نے آگے چل کر یوں بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اکبری کفر والحاد کا قلع قمع اکبر کے مرنے سے پہلے ہو چکا تھا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا!

پھر محترم نے فیضی اور ابوالفضل کو مخلص مسلمان (صفحہ ۱۷۱) بھی کہا ہے اور اس اخلاص اسلام کی تعریف یہ کی ہے کہ ملک کی غالب آبادی یعنی غیر مسلموں کی دلجوئی اور بہبودی کے لئے ان کے مذہب کے طریقے اختیار کرنا

Marfat.com

''مصلحت''، تھی (جو شاید مخلص مسلمان کی پہچان ہے) چنانچہ ابن مفروضے کے تحت بغیر دلیل کے بدایونی کے اس قول کو غلط سمجھ لیا کہ ''مثنوی نل ودمن'' میں ''نزدیک بہ موت بمبالغہ والحاح بعضے آشنایان بیتے چند در لغت ومعراج حضرت نبوی ﷺ نوشتہ درج کرد) صفحہ ۱۵۶)۔'' محترم کو چاہئے تھا کہ وہ فیضی کی دوسری تصانیف سے بھی نعتیہ اشعار پیش کر کے بدایونی کے اس قول کی تردید کر دیتے لیکن ایسا کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ فیضی جو حالت مستی و جنابت میں اپنی تفسیر لکھتا تھا اور کتے اسے پائمال کرتے تھے تو اس کی تردید بھی محترم نہ کر سکے۔ بدایونی تو یہ بھی لکھتا ہے کہ ''ملک الشعراء فیضی نے جو چھ مہینے سخت بیمار تھا اور ضیق النفس' استسقا اور ہاتھ پاؤں کا ورم اور خون کی قے اور طرح طرح کے امراض متضادہ اس کو لاحق ہو گئے تھے' دسویں صفر (۱۰۰۴ھ) کو انتقال کیا اور چونکہ اس کو مسلمانوں کی ضد پر رات دن کتوں سے بہت ربط تھا' حالت نزع میں اس کے منہ سے بعینہ ایسی آواز نکلتی تھی جس طرح کتے بھونکتے ہیں اور دین اسلام سے اس کو ایسا انکار تھا کہ مرتے وقت بھی ایک عالم متشرع سے اس لئے وہی الحاد کی بہت سی گفتگو کی جس پر وہ پہلے سے جما ہوا تھا...... حالت نزع میں اکبر بھی اس کی عیادت کو گیا تھا۔ اس کو اٹھا کر کئی مرتبہ اس نے کہا کہ شیخ جیو' حکیم علی کو ہم ساتھ لائے ہیں' کچھ بولتے نہیں' جب اس سے کچھ نہ بولا گیا تو اکبر نے بیتاب ہو کر اپنی پگڑی زمین پر پھینک دی اور ابوالفضل کی کچھ تسلی کر کے چلا آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خبر آئی کہ وہ مر گیا۔[8]

ایک اور بدایونی لکھتا ہے کہ فیضی کا خاتمہ بہت بری حالت میں ہوا۔ اکبر نزع کے وقت اس کی عیادت کو گیا تھا۔ وہ اس کی طرف کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ چنانچہ اس حکایت کو اکبر خود سر دربار نقل کیا کرتے تھے اور اس کے منہ پر آ گیا تھا اور لب سیاہ ہو گئے تھے چنانچہ اکبر نے ابوالفضل سے پوچھا کہ ہونٹوں پر اتنی سیاہی کیوں ہے؟ کیا شیخ نے مسّی ملی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ خون کی قے کا اثر ہے......[9] پھر بدایونی نے مختلف لوگوں کے قطعات تاریخ بھی نقل کئے ہیں جو فیضی کی موت پر لکھے گئے تھے مثلاً:

فیضی بے دین چو مردہ سال و فاتش فصیح — گفت ''سگے از جہاں رفتہ بحال قبیح''

سال تاریخ فیضی مردار — شد مقرر بچار مذہب نار

فیضی نحس دشمن نبویؐ — رفت با خویش داغ لعنت برد

سلکے بودٔ دوزخی زاں باشد — سال فوتش ''چہ سگ پرستے مرد''

قاعدۂ الحاد شکست۔ ''فیضی ملحدی''

چوں بنا چار رفت' شد نا چار — سال تاریخ خالداً فی النار[10]

یہ سب شعراء آخر ایسی جماعت سے ضرور تعلق رکھتے ہوں گے جنہیں فیضی کے کفر والحاد پر یقین ہو گا اور جنہیں بدایونی نے کسی خاص پروپیگنڈے کے تحت اپنا ہم خیال نہ بنایا ہو گا۔ کہیے تو بدایونی کی طرح ہم ان لوگوں کو بھی غلط بیان فرض کر لیں۔ فرض ہی تو کرنا ہے۔ بدایونی نے فیضی کی شاعری کے متعلق بھی لکھا ہے کہ وہ چالیس برس تک شعر گوئی میں مصروف رہا مگر اس کا کوئی شعر ٹھیک نہ ہوتا تھا' بندشیں اچھی ہوتی تھیں مگر مزا نہ تھا۔ فخریات (بلکہ کفریات) خوب لکھتا تھا مگر ذوق عشق اور معرفت سے خالی۔ اس کے دیوان اور مثنوی میں شعر سے زیادہ ہیں مگر ایک شعر درد آمیز نہیں اگرچہ وہ بہت سا روپیہ کاتبوں کو دے کر اپنے مصنفات لکھوا کر ہر جگہ لوگوں کو بھیجا کرتا تھا مگر کوئی اس کے شعر کو

پوچھتا نہ تھا۔[11]

فیضی کے متعلق جس طرح مختلف شعراء نے مذمت آمیز قطعات لکھے تھے۔ ابوالفضل کے لئے بھی خان اعظم نے یہ تاریخ لکھی تھی ۔

''تیغ اعجاز رسول اللہ سر باغی برید''[12]

(باغی کا سر کاٹ دینے سے ۱۰۱۱ھ برآمد ہوتا ہے۔) یہ مصرع بھی ابوالفضل کے عقائد کی صراحت کرتا ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ وہ جو بدایونی نے لکھا ہے کہ ''چند ہندوؤں اور بے ایمان مسلمانوں نے نبوت پر صریح اعتراضات شروع کر دیئے تھے۔ اسی لئے تمام بے دین مصنفین نے اپنی تصانیف میں سے نعت موقوف کر دی اور ہر کتاب کے خطبے میں حمد کے القاب بادشاہی درج ہوتا تھا۔ اس کی تمام جہان میں بدنامی ہوئی۔''[13] کیا بدایونی نے یہ بات صحیح لکھی ہے؟ ابوالفضل نے ۹۹۶ھ میں ''عیار دانش'' مکمل کی' اس میں حمد کے بعد مجھے تو نعت نظر نہیں آتی' اسی طرح ''اکبر نامہ'' (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۷ء) کے شروع میں اللہ اکبر کے بعد حمد اور پھر بادشاہ کا ذکر ہے۔ نعت نہیں ہے۔

فیضی کی مثنوی ''مرکز ادوار'' (مرتبہ ۹۹۳ھ) کا حال بھی سن لیجئے۔ اس مثنوی کے دو نسخے (قلمی) علی گڑھ میں ہیں' ایک لٹن لائبریری میں دوسرا حبیب گنج کے خزینہ میں۔ اس میں حمد کے بعد کئی مناجاتیں ہیں۔ پھر اکبر کی مدح ہے اور اس کے بعد ''پیرایۂ آغاز'' ہے۔ نعت مطلق نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے فیضی کی مثنویوں میں صرف ''نل ودمن'' شائع ہوئی ہے' اور صرف ''نل ودمن'' اور ''مرکز ادوار'' تکمیل کو پہنچی ہیں۔ بقیہ تین مثنویوں (خمسہ میں سے) کے صرف چند اشعار ہی ملتے ہیں' ان میں بھی مناجات کا انداز ہے۔ نعت نہیں ہے۔ بدایونی کے قول کو اب ہم کیوں کر رد کر سکیں گے؟

حمد میں فیضی کے اشعار اس کے دیوان میں بھی ملتے ہیں۔ لیکن نعت میں ایک ہی رباعی نظر آتی ہے جو معلوم نہیں کب لکھی تھی۔

سلطان رسل' ماہ عجم' شاہ عرب
سنگ در او قبلہ گہہ اہل عرب[14]
از تابش قہر او کہ دشمن سوز است
گر سنگ شود موم' عجب نیست عجب

اس رباعی میں رحمتہ للعالمین ﷺ کے صرف ''قہر'' کی تعریف کی گئی ہے۔ معلوم نہیں کہ صرف اسی ''خوبی'' میں کیا خصوصیت نظر آئی۔ محترم نے اس رباعی کو پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''نعت میں پراثر رباعیاں ہیں'' اور یہ بھی فرمایا ہے'' اس طرح کی کئی رباعیاں نعت میں ہیں۔'' (۱۵۶) خدا جانے وہ رباعیات کون سی درج مکنون میں ہوں گی[15] ہم کو تو نظر نہیں آئیں۔ پھر محترم نے فیضی کی حمایت میں بڑی ذہانت سے کام لیا ہے اور آخر میں اس طرح فرمایا ہے کہ ''جو شخص اسلام کے مروجہ عقائد سے کسی مسئلے میں (نبوت کے مسئلے میں) اختلاف کرے، ضروری نہیں کہ وہ منافق اور خبیث ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ذہنی الجھنوں کی وجہ سے وہ راہ سے آوارہ ہو گیا ہو لیکن صحیح راہ پانے کی مسلسل کوشش کر رہا ہو اور شاید خدا کی راہ میں یہ مخلصانہ کوششیں مروجہ عقائد پر صد اور ہر مخالف کی تدلیل سے زیادہ قبول ہوں (کاش ایسی

Marfat.com

گنجائش سب کے لئے نکل آئے) (صفحہ ۱۵۷)۔'' بہرحال اوپر کی تصانیف میں ''نعت'' نہ ہونے کا ثبوت پیش ہو چکا ہے جس سے بدایونی کی حق گوئی ظاہر ہے۔ ''شہود حق'' کے لئے حضور انور ﷺ کی وساطت سے انکار نہ تو ''عقل'' کے مطابق ہے اور ''نہ تقلید'' اسے گوارا ہو سکتی ہے لیکن فاضل محترم کو آخر حمایت تو کرنی ہی ہے۔

فاضل محترم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''واقعہ یہ ہے کہ فیضی میں تحقیق و تدقیق کا مادہ بہت تھا اور تقلید کی قید بھی طبع آزاد کو ناگوار تھی (صفحہ ۱۵۷)۔ یہ تقلید کس کی تقلید ہوا کرتی ہے؟ اور کیا ایسی ''تقلید والے'' تحقیق و تدقیق سے تعلق نہیں رکھتے؟ پھر یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ فیضی نے ''تحقیق و تدقیق'' کے کون سے جوہر پیش کئے ہیں۔ کیا یہی ''تحقیق'' ہے کہ اللہ کو بغیر رسول ﷺ کے کوئی پہچان لے۔ بہرحال اگر ''مثنوی نل و دمن'' کے نعتیہ اشعار کے سلسلے میں بدایونی کے اس قول کی تردید مقصود تھی کہ فیضی نے لوگوں کے کہنے سننے سے ایسے اشعار شامل کئے ہیں تو فاضل محترم یہ بات کرتے کہ فیضی نے اپنی دوسری مثنویوں میں ہی نعت شامل کی ہے اور ابوالفضل نے بھی ایسا کیا ہے۔ فاضل معترض نے کبھی کبھی کسی ''مصلحت'' کی بناء پر حضرت مجددؒ کی تعریف بھی کر دی ہے لیکن تنقیص کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جب ایک مرتبہ حضرت پر وحدت الوجود کا رنگ غالب تھا تو ایک رباعی (اسی رنگ کی) لکھی تو ''مرشد نے فوراً نہیں ٹوکا اور ایک خط میں سختی سے سرزنش کی'' (صفحہ ۲۱۶)۔ یہ ''سرزنش'' اگر مرشد نے کی تو ہمارے خوش ہونے کا مقام تو نہیں ہے۔ راہ سلوک میں ایسے بہت سے واقعات ہوتے ہیں اور مرشد اسی طرح اصلاح کیا کرتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ ''جب حضرت مجددؒ نے ایک خط (مکتوب ہفتم) میں اپنے مقامات عروج کا ذکر کیا تو حضرت خواجہ (باقی باللہ) نے ایک طویل خط (رقعۂ ہفتم) میں ان کی نسبت شبہ ظاہر کیا (صفحہ ۲۱۶)۔'' معترض صاحب نے دراصل حضرت خواجہؒ کے رقعات کا اردو ترجمہ (مطبوعہ اللہ والے کی قومی دکان' لاہور) مطالعہ فرمایا جس میں دو شبہوں کا ذکر ہے لیکن وہ کیا باتیں ہیں جو ان کے درمیان ہو رہی تھیں' ہم بھی سمجھ سکتے ہیں؟ اگر نہیں' تو پھر ان کے احوال باطنی پر نہیں' بلکہ ہمارے حال پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ خانقا میرزا مظہرؒ (چتلی قبر دہلی) میں ان رقعات کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں رقعۂ ہشتم ہے اور وہ غالباً مکتوبات نمبر ۱۱' ۱۴' ۱۸ (دفتر اول) کے جواب میں ہے:

> ''دیگر مکرر توجہ نمایند و بینند کہ ترک مشغول ساختن مردم نسبت بما مرضی ہست یا نہ ایضاً ایں جماعت کہ مصاحب مایند ایشاں را در صحبت دیگراں رافرستیم وخود مجرد باشیم مرضی ہست یا نہ' اندیشۂ بادشاہ راخاطر نیارند' عرض دیگر داریم البتہ مکرر دراوقات نیک توجہ نمایند و بدستے معتمدے نوشتہ فرستند۔ اگر شیخ نور بنقطۂ فوق رسیدہ باشد شیخ نور بیارد و دیگر اسرار محفوظ دارد' چنانچہ خصوصیت آں مقام رانسبت بحضرت ختم الخلافت اظہر نکنند' مردم در غلط می افتند' سبب فساد عقیدہ می شوند والسلام۔''

اس عبارت میں بار بار ''توجہ'' اور ''مکرر توجہ'' کے لئے فرمایا گیا ہے وہ اسی لئے تو ہے کہ حضرت خواجہؒ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کشف واستخارہ پر اعتماد تھا اور شیخ نور کو بھی ''طی مراحل'' کے لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ ''نقطۂ فوق'' تک پہنچ جائیں۔ البتہ حضرت مجددؒ کو اظہارِ مکشوفات کے لئے منع فرمایا تھا کیونکہ ہر شخص ایسے اسرار سمجھنے کا اہل نہیں۔ پھر

جو دو شبہات اپنے رقعۂ عالیہ میں اظہر فرماتے تھے' وہ اغلب ہے کہ اس خیال کے تحت ہوں کہ اگر کوئی غیر شخص ایسے اسرار معلوم کرے تو وہ شبہات کی وجہ سے صاحب حال کے متعلق بدظنی نہ کر سکے۔ آج بھی اس سلسلے کے محتاط بزرگ کتم اسرار کے لئے ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت خواجہؒ نے اپنے بعض مخلصین کو کسی جگہ بھیجنے کے سلسلے میں حضرت مجددؒ سے مشورہ لیا ہے اور یہ بھی ظاہر فرمایا کہ بادشاہ[16] کا اندیشہ دل میں نہ لائیں۔ کیونکہ میرا مقصد اور ہے۔ ''اندیشہ'' کے معنی اردو میں ''خوف'' آتے ہیں لیکن اگر یہی معنی فارسی میں بھی لے لئے جائیں تب بھی یہاں بعض مخلصین کو کسی جگہ بھیجنے ہی کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے کہ ''غرض دیگر داریم۔''

اس کے بعد معترض صاحب نے نہیں معلوم کس مقصد سے وہ نصائح بھی درج کر دی ہیں جو حضرت خواجہؒ نے حضرت مجددؒ کو تحریر فرمائی تھیں اور جو اس سلسلے میں تقویت و ترقی کے لئے خصوصی طور پر کی جاتی ہیں۔ پھر فاضل گرامی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''شاید ان خلفاء کو حضرت مجددؒ کی بعض باتیں بھی کھٹکتی تھیں۔ (صفحہ ۲۱۷)'' اس کے لئے انہوں نے معلوم نہیں کیا مقصد پیش نظر رکھا ہے لیکن ایسا ممکن بھی ہے کیونکہ ان خلفاء کا وہ مقام نہیں جو حضرت مجددؒ کا ہے اور درخت اپنے پھلوں ہی سے پہچانا جاتا ہے۔

ہر کس نہ شناسندۂ راز ست وگرنہ
ایں ہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام است

پھر محترم نے حضرت مجددؒ کے ایک خلیفہ بدیع الدین کا ذکر کیا ہے جو کبھی عشق مجازی میں بھی گرفتار رہ چکے تھے' لیکن پھر حضرتؒ کی توجہ سے اصلاح پذیر ہوئے۔ محترم نے لکھ دیا ہے کہ وہ ''ایک غیر مسلم عورت کی محبت میں مبتلا ہوئے تھے تو اسلام کو ہی جواب دے بیٹھے تھے۔ جب اس سے نجات پائی اور سلوک کی طرف توجہ کی تو اپنے فطری ذوق وشوق کی مدد سے بڑی ترقی حاصل کی'' (صفحہ ۲۱۸)۔ بدیع الدین کا اسلام ہی سے ہاتھ دھو بیٹھنا نہ جانے کہاں سے لیا گیا۔ ''زبدۃ المقامات'' میں تو صرف یہ قول آتا ہے کہ ''ہم دراں سال کہ خدمت حضرت ایشاں بتحصیل علوم مشتغل بودم مرا بہ یکے از جوانان صاحب جمال تعلقے بود۔''[17] یہاں بدیع الدین کی طرف سے صفائی مقصود نہیں لیکن فاضل محترم نے جو تنقیص نگاری کے جوش میں کچھ کا کچھ لکھ دیا ہے' وہ عرض کیا گیا ہے۔ پھر محترم نے یہ بھی لکھا ہے کہ بدیع الدین کے جوش کی وجہ سے حضرت مجددؒ کو قید ہونا پڑا۔ بظاہر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے اور اس قید کے لئے مکتوب یازدہم بھی ایک حیلہ بن سکتا ہے جیسا کہ ''توزک جہانگیری'' میں آتا ہے (حالانکہ مکتوب نمبر ۱۹۲-۲۰۲ میں وضاحت بھی کی جا چکی تھی) لیکن حقیقت کچھ اور ہی معلوم ہوتی ہے جس کا اعتراف خود جہانگیر نے کیا ہے۔ وہ جلوس چہار دہم (۱۰۲۸ھ) کے ضمن میں لکھتا ہے:

''دراں ایام بعرض رسید کہ شیخ احمد نام شیادے در سرہند دام زرق وسالوس فرو چیدہ بسیارے از ظاہر پرستان بے معنی راصید خود کردہ وبہ ہر شہرے ودیارے یکے از مریدان خود را کہ آئین و کان آرائی و معرفت فروشی و مردم فریبی را از دیگراں پختہ تر اند خلیفہ نام نہادہ فرستادہ' مزخرفاتے کہ بہ مریداں ومعتقدان خود نوشتہ کتابے فراہم آوردہ مکتوبات نام کردہ دراں جنگ مہملات و بسا مقدمات لاطائل مرقوم گشتہ کہ بکفر وزندقہ منجر می شود از آں جملہ مکتوبے نوشتہ کہ در اثنائے

Marfat.com

سلوک گذرم بمقام ذی النورینؓ افتاد...... بنا بریں حکم فرمودم کہ بدرگاہ عدالت آئین حاضر سازند۔ حسب الحکم ۔ ملازمت پیوست واز ہر چہ پرسیدم جواب معقول نہ توانست سامان نمود' با عدم خرد و دانش بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شد' صلاح حال او منحصر دریں دیدم کہ روزے چند درزندان ادب محبوس باشد وشوریدگی مزاج وآشفتگی دماغش قدرے تسکین پذیرد وشورش عوام نیز فرونشیند۔ لاجرم بہ انی رائے سنگھ دلن حوالہ شد کہ در قلعہ گوالیار مقید دارد۔''

میرا خیال ہے کہ حضرت مجددؒ کی تعریف اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ ایک معاصر بادشاہ جو شہزادگی کے زمانے میں ابوالفضل جیسے چہیتے وزیر کو قتل کرا سکتا تھا' حضرت مجددؒ کو قتل کرانے میں کیا دقت محسوس کر رہا تھا؟ یہی کہ انہوں نے ملک ہند کے طول وعرض میں (بہ ہر شہر و دیارے) اپنی ''دکان'' کھول رکھی تھی اور گو کہ وہ ''بغایت مغرور وخود پسند'' تھے لیکن ان کا قتل کرانا آسان نہ تھا۔ صرف یہ عبارت حضرت مجددؒ کے پورے ماحول کی ایک اجمالی تصور پیش کردیتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے وہ سب باتیں آئینہ ہوجاتی ہیں کہ ۱۰۲۸ھ تک کس طرح حضرت مجددؒ کے ''زیر تسلط'' پورا ملک آ گیا تھا اور جہانگیر کے خوشامدی امراء اور علمائے سوء نے کس کس طرح بادشاہ کے کان بھرے ہوں گے۔ پھر جہانگیر قتل کرانے کے بجائے صرف قید پر اکتفا کرتا ہے۔ آخر کوئی بات تو تھی' کہیں اسے اپنی مملکت کے امراء روسا اور ''ہر شہر و دیار'' کے لوگوں کی ''شورش'' کا کوئی خیال تو نہیں تھا؟ پھر قید کرتا ہے تو وہ بھی ''روزے چند''۔ دیکھئے ۱۰۲۹ھ ذیل میں یہی تو ہے یعنی پندرہویں سال جلوس (۱۰۲۹ھ) کے ضمن میں ''توزک جہانگیری'' کے یہ الفاظ غور طلب ہیں:

''دریں ایام شیخ احمد سرہندی را کہ بجہت دکان آرائی وخود فروشی و بے صرفہ گوئی روزے چند درزندان ادب محبوس بود' بحضور طلب داشتہ خلاص ساختم' خلعت و ہزار روپیہ عنایت نمودہ در رفتن وبودن مختار گردانیدم او از روئے انصاف معروض داشت کہ ایں تنبیہہ و تادیب در حقیقت ہدایتے وکفایتے بود۔''[۱۸]

دنیوی جاہ وجلال والا اور روحانیت کے فضل وکمال والا اپنے اپنے انداز سے اس قید کو ''ہدایت وکفایت'' سمجھتا ہے۔ پھر اس زمانے کے ''خلعت و ہزار روپیہ'' کا پس منظر کیا ہوگا؟ کہیں بادشاہ متاثر ومعتقد تو نہیں ہوگیا تھا؟ کیا وہ کچھ تالیف قلب کرنا چاہتا تھا؟...... پھر کیا وجہ تھی کہ رہا ہوکر چلے جانے کا اختیار دے دینے کے بعد بھی حضرت مجددؒ نے اس اختیار سے فائدہ نہیں اٹھایا؟ کیا کوئی دنیا کی ہوس تھی؟ یا دوسروں کی ''ہدایت'' پیش نظر تھی یا اب حضرت مجددؒ نے سجدۂ تعظیمی والی ''رخصت'' کو منظور کرلیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ اس خلعت وانعام اور جانے نہ جانے کے اختیار کا ذکر محض عقیدت کی بناء پر تھا اور ''دکان آرائی'' کا ذکر محض اپنی بات رکھنے کے لئے ہے ورنہ خود اپنی تحریر سے اظہار ندامت کیونکر کرسکتا تھا؟ اور ایک شرابی عیش پرست بادشاہ کے ''زندان ادب'' میں جس پر فاضل محترم نے صفحہ ۲۳۶ میں بھی حاشیہ آرائی کی ہے' ایک اہل ورع اور تقویٰ کس طرح کس نظریے کے مطابق کیا کچھ حاصل ہوا ہوگا' وہ جہانگیر کے جائزے اور محاسبے سے بہت بعید ہے۔ ذرا جہانگیر کے پوتے داراشکوہ کا ایک قول بھی ملاحظہ فرما لیجئے وہ ''سفینۃ الاولیاء'' میں لکھتا ہے:

"در اواخر حال بعضے بر شیخ (مجددؒ) تہمت کردند کہ شیخ می گوید مرتبہ من زیادہ است از خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم' اما این محض بہتان و افترائے مخالفان است بر شیخ۔"[۱۹]

داراشکوہ نے اپنے استاد میرک شیخ اور حضرت مجدد الف ثانی کی ملاقات کا حال تفصیل سے لکھا ہے اور اس کی روشنی میں مختلف اعتراضات کی تردید کی ہے۔

بہر حال فاضل محترم نے بھی اعتراف کیا ہے کہ "قید خانے سے رہائی کے بعد جہانگیر نے حضرت مجددؒ کو اجازت دے دی تھی کہ وہ چاہیں تو لشکر کے ساتھ رہیں چاہیں تو گھر چلے جائیں۔ آپ نے لشکر کا ساتھ دینا پسند کیا۔ اس طرح سارے لشکر میں بلکہ ساری مملکت میں جہاں جہاں لشکر جاتا تھا' تلقین و ہدایت کا موقع ملتا۔ اس سے پہلے بھی جب آپ جیل خانے میں محبوس تھے تو آپ نے اپنے رفقائے زنداں میں سے کئی بت پرستوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا تھا۔ لشکر کے ساتھ قیام کے دوران آپ کو بادشاہ کو بھی تلقین کرنے کا موقع ملتا۔"

(پھر مکتوبات شریف کے دفتر سوم کے ایک مکتوب کا اقتباس ہے کہ) "خاص کر آج ماہ رمضان کی سترہویں رات کو انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت کے ایمان اور اس کے عذاب و ثواب اور روایت و دیدار کے اثبات اور خاتم الرسلؐ کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اقتدا اور ترویج کی سنت اور تناسخ کے باطل ہونے' جنوں اور جنتیوں کے احوال اور ان کے عذاب و ثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہوا۔ بادشاہ بڑی خوشی سے سنتا رہا۔ اس اثناء میں اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر ہوا اور اقطاب و اوتاد و ابدال کے احوال اور ان کی خصوصیت وغیرہ کا بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ سب کچھ قبول کرتے رہے اور کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا (صفحہ ۲۲۹) یعنی اس سے پہلے بادشاہ کو ایسی چیزیں سننے سے گریز تھا اور جتنی باتیں اس مکتوب میں بیان کی گئی ہیں ان سب کو پیش کرنے کی ضرورت ہوگی۔ خواہ مخواہ تو پیش نہیں کی گئی ہوں گی۔ اگر ایسا ہے (اور ہے بھی ایسا) تو پھر فاضل محترم کا یہ دعویٰ کہ جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی اکبری بدعات (لیکن سرخی تھی "اکبری الحاد") کا خاتمہ کر دیا (صفحہ ۲۳۶)" کہاں تک درست ہے؟

اوپر کے اقتباس (صفحہ ۲۲۹) کے سلسلے میں فاضل محترم لکھتے ہیں کہ "معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر آپ کا بڑا معتقد ہو گیا تھا۔ وہ رہائی کے تین سال بعد اپنی سالگرہ کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "بدستور ہر سال خود را بہ طلا و اجناس وزن فرمودہ در وجہ مستحقاں مقرر فرمودم از اں جملہ شیخ احمد سرہندی را دو ہزار روپیہ عنایت شد۔" پھر لکھتے ہیں کہ ان تین چار سالوں میں جہانگیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا (پھر حضرت مجددؒ کی ان خدمات پر پردہ ڈالنے کے لئے فرماتے ہیں کہ) عجب نہیں کہ اس میں حضرتؒ کی تعلیمات کو بھی دخل ہو (یعنی دوسرے حضرات کی خدمات کا بھی دخل تھا؟) پھر علاقہ راجوڑی (کشمیر) کے مسلمانوں کا حال ("توزک جہانگیری" سے لے کر) بیان کیا ہے کہ وہ لوگ ہندوؤں کی ستی کی طرح عورتوں کو شوہر کے ساتھ دفن کر دیتے تھے۔ لڑکیوں کو قتل بھی کر دیتے تھے اور ہندوؤں کو اپنی لڑکیاں بھی دے دیتے تھے۔ جوالا مکھی کی پوجا بھی کرتے تھے چنانچہ جہانگیر نے ان باتوں کو ختم کرایا۔ پھر فتح کانگڑہ پر اذان' نماز' خطبہ' گائے کی قربانی وغیرہ شعائر اسلام کی ترویج کرائی گئی اور وہ قلعہ جو پہلے کسی سے فتح نہ ہو سکا تھا' اس کی فتح کے شکرانے میں قلعہ کے اندر مسجد کی تعمیر کا حکم دیا گیا۔ محترم نے اعتراف اس

Marfat.com

طرح کیا ہے کہ "یہ امر غیر اغلب نہیں کہ دیگر علمائے اسلام جو رکاب شاہی میں تھے' ان میں حضرت مجددؒ بھی ہوں۔" (صفحہ ۲۳۱)

پھر محترم نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے تذکرہ میں یہ بات غلط لکھی ہے کہ حضرت مجددؒ نے اکبری الحاد کو ختم کیا۔ بلکہ حضرت مجددؒ کے مکتوبات "اس وقت لکھے گئے جب اکبر کے ساتھ اکبری بدعات ختم ہو چکی تھیں۔ جہانگیر مذہبی امور میں اکبر کا ہم خیال نہ تھا اور پرتگیزی مشنری یہ اکراہ (کس طرح؟) تسلیم کرتے ہیں کہ جہانگیر نے تخت نشین ہونے سے پہلے اس امر کا وعدہ [۲۰] کیا تھا کہ وہ شعائر اسلامی کی پابندی کرے گا۔" (صفحہ ۲۳۸)۔ محترم نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ فرید کو حضرت مجددؒ نے جو بار بار شریعت پر چلانے کے لئے مکتوبات لکھے تھے ان کے بغیر بھی شیخ فرید کو اپنے فرائض کا خیال تھا (صفحہ ۲۳۸)۔ فاضل محترم یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ شریعت کی ترغیب کے لئے وہ مکتوبات لکھے گئے لیکن وہ یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت مجددؒ نے خواہ مخواہ اور بلا ضرورت یہ سب لکھا۔ اس موقع پر فاضل محترم یہ بات ثابت کرتے کہ جہانگیر نے تخت نشین ہونے سے پہلے اس امر کا جو وعدہ کیا تھا کہ وہ شعائر اسلام کی پابندی کرے گا (صفحہ ۲۳۸) تو اس نے اس وعدہ کی پابندی کی۔ حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہوا۔ جہانگیر آخر آخر تک شراب پیتا رہا اور فاضل محترم نے خود بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ "مریدان شاہی بالخصوص درشنیوں کا تھوڑا بہت سلسلہ اکبر کے بعد بھی جاری رہا اور فی الحقیقت جلال ملوکیت کا ایک کرشمہ تھا (صفحہ ۱۳۲)۔" اس کے علاوہ سجدۂ تعظیمی نہ کرنے پر "بغایت مغرور و خود پسند" کو قید کرنا کون سی دینداری کی خاطر کیا گیا تھا؟ پھر ہم ابھی پڑھ چکے ہیں کہ علاقہ راجوڑی (کشمیر) کے مسلمان کس قدر کافرانہ رسم و رواج کے پابند تھے اور حضرت مجددؒ کے اثرات سے کس طرح جہانگیر نے ان کی اصلاح کے لئے احکامات جاری کئے۔ فتح کانگڑہ پر شعائر اسلام کی ترویج کرائی گئی۔ یہ سب کام خواہ مخواہ کرائے گئے یا ان کی ضرورت محسوس ہونے پر ایسا کیا گیا؟ شیخ فرید کے نام حضرت مجددؒ کے بکثرت مکتوبات ہیں۔ ان کے متعلق فاضل محترم فرماتے ہیں کہ "واعظ و نصیحت آسان ہوتی ہے اور ان پر عمل پیرائی کہیں زیادہ مشکل" (صفحہ ۲۳۷)۔ بالکل صحیح فرمایا بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ آج کل کے امن و امان کے دور میں تنقیص کرنا آسان ہے بلکہ تحقیق کو بھی "مصلحت" پر قربان کرنا آسان تر ہے لیکن ایک جابر سلطان کے اعیان مملکت کو ایسے خطوط بھی لکھے گئے تھے جن میں اس سلطان کے طریق کار پر بھی سخت تنقید تھی؟ کیا یہ کوئی آسان کام تھا؟ جہانگیر اگر حضرت مجددؒ کے کارناموں سے ناواقف تھا (صفحہ ۲۳۶) اور اس ناواقفیت [۲۱] کی وجہ سے (بقول فاضل مصنف کے) انہیں قید کر دیا تو یہ چیز خود اس حقیقت کے لئے حجت ہے کہ اس میں دینداری کہاں تک تھی اور وہ کہاں تک قدر کر سکتا تھا۔ پھر مکتوبات شریف کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سفارش کے لئے لکھے گئے تھے (۲۳۹) اور جواب میں نہیں لکھے گئے (کوئی بات تو تھی کہ جواب نہ ملنے پر بھی بار بار لکھے تھے) کس قدر ناانصافی ہے؟ کیا یہ پانچ چھ سو مکتوبات اصلاحی اور تبلیغی نہیں ہیں؟ کیا ان میں شریعت اور رسالت کی اتباع پر جگہ جگہ بحث نہیں ہے؟ کیا یہ بحث اس زمانے اور ماحول کا ردعمل نہیں ہے؟ حضرت خواجہ باقی باللہ کے رقعات (مثلاً ۵۲'۵۴'۶۱ وغیرہ) سفارشی ہیں اور انہوں نے بھی خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی طرح امراء کو بیعت کر کے بادشاہی نظام کی اصلاح کو مدنظر رکھا' گویا ان کی تبلیغ عوام سے زیادہ خواص کے لئے تھی تا کہ "الناس علیٰ دین ملوکھم" کے مصداق آسانی سے اصلاح ہو سکے۔

Marfat.com

(۲)

حضرت خواجہ کے رقعہ نمبر ۸۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مشیخت ترک کر کے اپنے تمام مریدوں کو (سوائے چند کے) حضرت مجددؒ کے سپرد کر دیا تھا۔ شیخ فرید بھی اسی لیے حضرت مجددؒ کے زیر تربیت تھے اور اسی لیے ان کے نام خطوط ہیں تاکہ اعیانِ حکومت میں نمایاں حیثیت رکھنے کی وجہ سے وہ نظامِ سلطانی کی اصلاح میں آسانی سے ہاتھ بٹا سکیں۔ فاضل محترم نے شیخ فریدؒ کے علاوہ خانِ جہاں کے نام مکتوب کا ذکر کیا ہے کہ ان کو شرع مبین کی تابعداری اور دُشمنانِ دین کی مخالفت (یعنی دشمنوں کی حرکت کے خلاف) تلقین کر کے لکھتے ہیں کہ ''یہی خدمت جواب آپ کر رہے ہیں اگر اس کو شریعت کی بجاآوری کے ساتھ جمع کریں تو انبیا علیہم السلام کا سا کام کریں گے جس سے دین منور و معمور ہو جائے گا۔ (یعنی ابھی ایسا نہیں ہوا ہے) ہم فقیر اگر سالوں تک اس عمل میں جان سے کوشش کریں تب بھی آپ جیسے بہادروں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے۔ (صفحہ ۲۳۷۔ حاشیہ)۔ حضرت مجددؒ نے کس قدر تواضع اور انکسار سے کام لیا ہے اور کس طرح ہمت افزائی فرمائی ہے؟ لیکن فاضلِ محترم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت مجددؒ یہ کام نہیں کر سکتے تھے (یعنی عمل پیرائی مشکل ہے) اس لیے وہ ان اعیانِ حکومت کو متوجہ کرا رہے تھے۔ لیکن اعیانِ حکومت میں سے کسی نے بھی قید و بند کی سختیاں جھیلیں؟ دراصل اہل اللہ اور صوفیہ کا یہی معمول رہا ہے کہ وہ خود کو بے مایہ سمجھتے اور کہتے ہیں، لیکن مختلف طریقوں سے شریعت کی اتباع کے لیے متوجہ کراتے ہیں۔ شیخ فریدؒ جو حضرت خواجہؒ کے بعد حضرت مجددؒ کے زیر تربیت تھے، اس قسم کی تلقین کے زیادہ اہل تھے۔ شیخ فرید کے نام حضرت مجددؒ کے ایک مکتوب کا مختصر اقتباس فاضل نے (صفحہ ۲۳۸) دیا ہے۔ ذرا اس مکتوب (۴۷ دفتر اول) کے اور اقتباس بھی ملاحظہ ہوں:

''بادشاہ کی نسبت دنیا کے ساتھ ایسی ہے جیسے دل کی نسبت بدن کے ساتھ۔ اگر دل اچھا ہے تو بدن بھی اچھا ہے، اگر دل بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے۔ (یہ ایک مشہور حدیث کا ترجمہ ہے) اسی طرح دنیا کی بہتری بادشاہ کی بہتری پر منحصر ہے اور اس کے بگڑنے سے جہان کا بگڑنا وابستہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ زمانے میں اسلام پر کیا گزری۔ گذشتہ زمانے میں باوجود کمال غریب ہونے کے اہل اسلام پر اس قسم کی تباہی نہ گزری تھی کہ مسلمان اپنے دین پر قائم رہتے اور کفار اپنے طریقہ پر۔ لکم دینکم ولی دین میں اسی مضمون کا بیان ہے اور گذشتہ زمانے میں کافر غلبہ پا کر دارِ اسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے عاجز تھے اور اگر کرتے تو قتل کیے جاتے تھے (سُن لیجئے غور سے) ہائے افسوس! حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے والے ذلیل و خوار تھے اور ان کے منکر عزت و اعتبار میں۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ ماتم پرسی کرتے تھے اور دشمن ہنسی ٹھٹھا کر کے اُن کے زخموں پر نمک چھڑکتا تھا۔ ہدایت کا آفتاب گمرہی کے پردے میں چھپا ہوا تھا اور حق کا نور باطل کے پردوں میں آ گیا تھا (یعنی اکبر کے اخیر تک ایسا تھا) آج کہ دولتِ اسلام کی ترقی بادشاہِ اسلام کی تخت نشینی کی خوش خبری خاص و عام کے کانوں میں پہنچی، اہلِ اسلام نے اپنے اوپر لازم جانا کہ بادشاہ کے مددگار اور معاون ہوں اور شریعت کے رواج دینے (یعنی ابھی تک رواج نہیں ہوا تھا) اور مذہب کے تقویت دینے میں اس کی رہنمائی کریں۔ خواہ یہ امداد تقویت زبان سے ہو سکے خواہ ہاتھوں سے۔ سب سے بڑھ کر مدد کتاب و سنت اور اجماع امت کے طریق پر

Marfat.com

شرعی مسائل کو بیان کرنا اور کلامیہ عقیدوں کا ظاہر کرنا ہے تا کہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں آ کر راستے سے نہ بہکاوے اور کام خراب نہ کر دے۔ اس قسم کی امداد علمائے حق سے مخصوص ہے جو آخرت کی طرف توجہ رکھتے ہیں اور علمائے دین جن کا مقصود ہمہ تن دنیا پرستی ہے، ان کی صحبت زہر قاتل اور اُن کا فساد متعدی ہے۔

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند　　　او خویشتن گم است کرا رہبری کند

گذشتہ زمانے میں جو بلا اسلام کے سر آئی تھی وہ اسی جماعت کی کم بختی کے باعث تھی۔ اس قسم کے خیالات کے مکتوبات بار بار لکھنا اور ایک ہی شخص کو زیادہ لکھنا بلا ضرورت نہیں ہوسکتا۔ اہلِ انصاف خود دیکھ لیں کہ فاضل مصنف کس مفروضے اور جذبے کو لے کر تنقیص نگاری کر رہے ہیں۔ اگر حضرت مجددؒ نے ایک آدھ بات ان مکتوبات کے ساتھ ضمناً کسی کے لیے سفارش میں لکھ دی تو یہ دیکھنا چاہیے کہ خود لکھنے والے کی کوئی ذاتی اغراض وابستہ تھیں۔ یا دوسروں ہی کے لیے ایسی سفارشیں لکھی گئی ہیں۔ بڑی کوشش سے فاضل محترم نے ایک مکتوب اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۰ میں نقل کیا ہے اور اس میں سے یہ اقتباس لیا ہے۔ ''مدت گزری کہ سرہند میں کوئی قاضی نہیں اور بعض احکامِ شرعیہ کے جاری کرانے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ (یعنی حکومت نے اگر کوئی قاضی مقرر نہیں کیا تو حضرت مجددؒ کو مصلحتاً خاموش رہنا تھا۔) مثلاً ہمارا ایک بھتیجا یتیم ہے، اس کے باپ کی کچھ میراث باقی ہے اور اس کا کوئی وصی نہیں اور ہم شرعی حکم کے بغیر اس کے مال میں تصرف نہیں کر سکتے۔ (ولا تقربوا مال الیتیم...... والے حکم کے باوجود حضرت مجددؒ کو خاموش رہنا تھا۔) اگر قاضی ہوتو اس کے حکم کے بموجب کام آسان ہو جائے۔'' یعنی شرعی حکم بھی جاری نہ کرانا تھا بلکہ مصلحت کا فلسفہ یاد رکھنا تھا۔

فاضل محترم نے اسی صفحہ پر صدر جہاں کے نام ایک مکتوب میں ایک فاضل کو قاضی بنانے کے لیے سفارش کی ہے (یعنی کہیں بھی اپنے اعزہ کے لیے عہدہ نہیں چاہا) اور اُمورِ شرعی کی کمزوری پر (بقول مصنف) ''آنسو بہائے ہیں)'' لیکن مقصد یہ تھا کہ کسی شخص کے لیے سفارش بھی لکھ دی جائے تو یہ بات فاضل محترم کو پسند نہیں ہے (خواہ وہ سفارش ہمیشہ دوسروں ہی کے لیے ہو) معلوم نہیں اس قسم کی سفارشوں پر اعتراض کرنے والے خود بھی در پردہ کس قدر ''اقربا پروری'' کرتے ہیں لیکن انہیں اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

فاضل گرامی نے مخالفت کے جوش میں یہ غور نہیں فرمایا کہ دین و شریعت کی پیروی کرانے کے لیے بادشاہ کے نظامِ حکومت پر کڑی تنقید کرنے والا اور وہ بھی اعیانِ حکومت کو ان مضامین کے مکتوبات لکھنے والا کتنی جرأت والا شخص ہوگا۔ کچھ زمانہ ءحاضرہ کے ''غیر جابرانہ'' نظامِ حکومت کا مقابلہ اُس وقت کی جابرانہ ملوکیت سے کر کے دیکھیے اور سوچیے کہ اہلِ حق کے خلاف کیا کچھ کیا جاسکتا ہے۔ پھر مکتوب (نمبر ۴۷۔ دفتر اوّل) بھی ظاہر کرتا ہے کہ اکبری الحاد نے کیا کیا اور جہانگیر سے (صفحہ ۱۴۰) تخت نشینی کے موقعہ پر ''قوانینِ اسلام کے احترام'' کا وعدہ لیا گیا تھا' وہ کہاں تک پورا ہونے کی اُمید ہوسکتی تھی۔

اکبر نے نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو لیکن بقول بدایونی ''ایں ہمہ باعثِ دعویٰ نبوت شد۔ امانہ بہ لفظ نبوت'' (صفحہ ۱۳۰) چنانچہ شیخ عبدالحق بھی اسے نبوت کا مدعی سمجھتے تھے۔ (صفحہ ۱۳۰) اور عبداللہ اُزبک [۲۲] نے بھی یہی ''دعویٰ'' سنا تھا تو اکبر کو خط لکھا تھا (صفحہ ۱۰۹) شیخ محدث کا وہ مکتوب بھی یاد رکھنا چاہیے جو انہوں نے اکبر کے انتقال پر شیخ فرید کو لکھا تھا۔

Marfat.com

پروفیسر نظامی نے اس مکتوب کے بارے میں لکھا ہے:

''حضرت شیخ سرّ و کتمان کے قائل تھے اور پردے پردے میں بات کرتے تھے۔ اس خط میں انہوں نے اکبر کی ایک ایک گمراہی کی نشاندہی کی ہے اور اُس کے جانشین کو آگاہ کیا ہے کہ کہیں وہ ان گمراہیوں کا اعادہ نہ کر بیٹھے۔ یہ خط بہت غور سے مطالعہ کے قابل ہے۔ اس میں شیر کی حکایت، پیغمبری کی نوعیت پر گفتگو، انقیاد شریعت و اعتقادِ مسلمانی کا مطالبہ، شیخ کے احساسات اور تاثرات کا پتہ دے رہا ہے۔''[۲۳]

چنانچہ اگر (صفحہ ۱۲۷) ملک کے بعض مقامات پر چند امراء شریعت سے تعلق رکھتے تھے تو اکبری الحاد کا قلع قمع ہو جانا کیوں کر صحیح سمجھا جا سکتا ہے؟ حضرت مجددؒ اور حضرت شیخ (جو آپس میں پیر بھائی تھے) یہی مناسب سمجھ رہے تھے کہ شیخ فرید اور دیگر ارکان کو شریعت کے احکام کے لیے متوجہ کیا جائے کیوں کہ صحیح کامیابی اسی طرح ممکن تھی اور اسی کے لیے بھی وہ عہد جہانگیر میں بھی برابر کوشاں رہے۔ شیخ عبدالحق محدث کے سلسلے میں فاضل محترم نے بڑی عقیدت فرمائی ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ حالانکہ حضرت مجددؒ کے حالات بھی (جلالی رنگ کے علاوہ) قریب قریب ویسے ہی تھے لیکن محترم نے انہیں بالکل نہیں بخشا۔ حضرت شیخ کے متعلق محترم کے بیانات ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ ''سیکری میں شیخ عبدالحق کا قیام کوئی دس بارہ برس رہا ہوگا۔ آپ کی علمی قابلیت نے کئی علمائے دربار مثلاً فیضی، مرزا نظام الدین بخشی (مصنف طبقات اکبری) ملا عبدالقادر بدایونی کو مسخر کیا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی اور شاید فیضی، ابوالفضل اور اکبر کی خواہش تھی کہ آپ ان کے ہم خیال ہو جائیں۔ آپ ''زاد المتقین'' میں اختتام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب اللہ کے فضل و کرم سے مجھے علم کا خاصہ حصہ مل گیا تو بعض اہلِ حقوق نے مجھے اہلِ دنیا کی طرف بلایا اور میں بادشاہِ وقت اور اُمراء کے پاس گیا۔ اُنہوں نے میری طرف بہت توجہ کی اور میرا رتبہ بلند کیا بلکہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعے اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھ ضعیف سے اپنی قوت میں اضافہ کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔'' یعنی اکبر اور اُس کے امراء نے حضرت شیخ کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی اور اللہ نے محفوظ رکھا۔ پھر محترم مصنف نے حاشیے میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''شیخ کے یکایک سفرِ حج پر بلا اطلاع روانہ ہونے پر فیضی نے جل بھن کر جو خط لکھا ہے اُس کا ایک پُر معنی فقرہ یہ ہے: ''خدانخواستہ باشد کہ حقِ خدمت و نمک صحبت را فراموش کنند'' (صفحہ ۳۰۰) یعنی ہم خیال بنانے کے لیے فیضی جیسے امراء نے حصرت شیخ سے بھی ''حقِ خدمت و نمک صحبت'' کی توقع رکھی تھی اور وہ خود تو اسی ''نمک حلالی'' کو ''مصلحت اندیشی'' سمجھ کر اکبری الحاد میں دوش بدوش سرگرمِ عمل تھے۔ (شیخ نے دس بارہ سال نمک کھایا اور پھر بھی ہم خیال نہ ہوئے) حضرت شیخ ۹۹۵ھ میں حج کے ارادے سے گجرات پہنچے اور ۹۹۶ھ میں حجاز پہنچ گئے۔ قریب پانچ سال میں حرمین شریف سے واپسی ہوئی۔ فیضی نے پھر دانہ ڈالنے کی کوشش کی اور بڑی عقیدت کا اظہار کیا[۲۴] لیکن شیخ محدثؒ کو ''پھر اللہ نے محفوظ رکھا۔'' فاضل محترم نے حضرت شیخ کی کتاب ''فہرس التوالیف'' کی ایک عبارت (صفحہ ۳۱۳) فیضی کے متعلق خود ہی نقل کی ہے: ''فیضی اگرچہ در فصاحت و بلاغت متانت و رضانتِ سخن ممتاز روزگار بود ولیکن حیف کہ بجہت وقوع و ہبوط در ہادیۂ کفر و ضلالت رقم انگار دداد بار بر ناصیۂ احوالِ خود کشیدہ، زبانِ

Marfat.com

اہل دین وملت جناب نبوت را از برونِ نام وے نام جماعت شوم وبے باک است۔''[۲۵] لیجیے شیخ محدثؒ بھی خواہ مخواہ عبدالقادر بدایونی کی طرح ''غلط بیانی'' کرنے لگے اور ''حق خدمت ونمکِ صحبت'' کا بالکل خیال نہ رکھا۔

فاضل گرامی نے (صفحہ ۳۱۴ بعد) بڑے شدومد کے ساتھ شیخ محدثؒ اور حضرت مجددؒ کے درمیان اختلافات کی خلیج کو وسعت دینے کی کوشش فرمائی ہے۔ آیئے اس کی حقیقت بھی دیکھ لی جائے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ'' (مطبوعہ دہلی ۱۹۵۳ء) کے صفحہ ۳۱۲ سے شیخ عبدالحقؒ کا ایک مکتوب بنام حضرت مجدد الف ثانیؒ نقل کیا ہے جو غلام معین الدین عبداللہ کی تالیف ''معارج الولایت'' (مرتبہ ۱۹۰۴ء) میں ملتا ہے۔ پروفیسر موصوف نے اس میں حواشی اور تعلیقات بھی دیے ہیں اور شاید ایڈٹ بھی کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ محدثؒ کو حضرت مجددؒ کے متعلق بعض اقوال کے سلسلے میں غلط فہمی ہوگئی تھی اور وہ جلد ہی دُور ہوگئی لیکن اس مکتوب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیخ محدثؒ کے قلم سے کم اور دوسروں سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ دیکھیے ''ایڈٹ'' کرنے کے باوجود ایسے جملے نظر آتے ہیں۔

(۱) صفحہ ۳۴۳/۳۱۲ میں آگے آنے والی عبارت سے ایک جملہ نقل کیا ہے۔ ''ایں مقدار کہ مرا بشما نسبت محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود۔'' یہ ''خواہد بود'' کیا فارسی ہوئی۔ کیا ایک محدث اس طرح لکھے گا؟

(۲) پھر صفحہ ۳۱۳ میں ہے۔ ایها الشیخ العالم...... اجتباه الیه۔ کیا عربی ہوئی۔ اسی کے ساتھ تحرفوا فی نفسه؟ کیا معنی ہوں گے۔

(۳) صفحہ ۳۱۸ (سطر ۷) میں ہے۔ ''تلامیذ مانند۔''

(۴) اسی صفحہ میں ہے کہ ''دریں سخن قاتل کنید کہ از قول ایشاں کہ انکارم'' کیا فارسی ہوئی؟

(۵) صفحہ ۳۲۰ (سطر ۵) میں ہے۔ ''ومن الله الاستعانت والتوفیق.'' ''باللہ'' ہوتا تو صحیح کہہ سکتے تھے۔

(۶) صفحہ ۳۳۱ (سطر ۸) میں ہے۔ ''شما بسیر مرادی بمرتبہ رسیدہ اند۔'' (اید)

(۷) صفحہ ۳۳۰ (سطر ۱۷) میں ہے۔ ''بہ تبعیت وطفیل می رفت واقتباس از وے می گردد۔'' کیسی فارسی ہے؟

(۸) صفحہ ۳۳۳ (سطر ۹) میں ہے۔ ''بعد از وصولِ ماتم واکمال مستغنی وفارغ نیستند۔''

(۹) صفحہ ۳۳۵ (سطر ۱۴) میں ہے۔ ''درشانِ کافران ومکذوباں......''

(۱۰) ایضاً (سطر ۹) میں آیا ہے کہ ''شما وغا خوردہ اید۔''

(۱۱) صفحہ ۳۳۷ (سطر ۱۸) میں ہے کہ......''آیا شیخ عبدالقادر درایں کلمہ را...... بامرگفتن۔''

(۱۲) صفحہ ۳۳۷ (آخری سطر) میں ہے کہ ''ایں اکملیت درمقام قطبی است''، یعنی قطبیت؟

(۱۳) صفحہ ۳۴۰ (سطر ۴):......اقوال کہ از شیخ جنید بغدادی آوردہ لم سبق له اثر بر تقدیر صحة' سب خلط ملط کر دیا ہے اور ''لم یُسبقْ'' کیا سے کیا ہوگیا ہے۔

(۱۴) صفحہ ۳۴۱ (سطر ۳) میں ہے۔ ''مرتبہء اہل سکر عاقل ونازاں است۔'' کیا معنی؟

(۱۵) ایضاً (سطر ۱۲) میں آیا ہے۔ ''ہمہ واپس انداختہ۔''

(۱۶) ایضاً (سطر ۲۰) الحمدللہ از آنجا کہ ایشاں اندہم کمال است وہم سخناں شما کردہ اید۔'' یہاں ''ایشاں'' اور ''شما''

Marfat.com

کا خوب رشتہ جوڑا گیا ہے۔

(۱۷) ''ایشاں'' اور ''شما'' کے بعد صفحہ ۳۴۲ (سطر ۸) میں یوں بھی آتا ہے کہ غنتا صحبتِ قیامت بداں بہ تو کار آید۔'' ایک سنجیدہ بزرگ کی تحریر نہیں ہو سکتی۔

(۱۸) صفحہ ۳۴۳ (سطر ۱) میں ہے۔''آنہا کہ منتہی گردیدو بے قید یہا نمودند۔''

(۱۹) صفحہ ۳۴۳ (سطر ۹) میں یہ عبارت غور طلب ہے کہ ''ایں را از چند مجلس املا نمودہ......می نوشت۔''

(۲۰) فحہ ۳۴۳ (سطر ۱۷) میں ہے۔''ہمیشہ دعا فقیر در خلوت و جلوت۔''

(۲۱) صفحہ ۳۴۴ (سطر ۴) میں آیا ہے۔''اگر ایں طریق را مردم و دست آویز دوگر ساختہ اندترک دہید۔'' کیا سے کیا عبارت ہوگئی؟

بہر حال یہ تمام اغلاط ہم کاتب کے ذمے بھی کر دیں تب بھی اس مکتوب میں اضافے معلوم ہوتے ہیں اور ان میں وہ روانی نہیں جو حضرت شیخ کے اُس مکتوب میں ہے جو انہوں نے اکبر کے انتقال پر نواب سید فرید مرتضٰی خاں کو لکھا تھا اور جو پروفیسر نظامی صاحب کی اسی کتاب (صفحہ ۳۷۸ بعد) میں درج ہے۔ آیئے اب ذرا اُس ''نیم تحقیقی'' مکتوب کا ایک اجمالی جائزہ بھی لے لیں۔

مکتوبات شریف کے تیسرے دفتر میں مکتوب نمبر ۱۲۱ کی ابتدائی سطور یہ ہیں۔

''صحیفہء گرامی کہ از روئے شفقت و مہربانی نامزدِ ایں فقیر ساختہ بودند بمطالعہء آں مشرف گشت' اندراج یافتہ بود کہ عزیزے بر عبارت مکتوبے[۲۶] کہ در اجمیر نوشتہ بودی اعتراضہا دارد' در حل آں باید نوشت وبعضے از یاراں چوں تعین مواضع اشتباہ نوشتہ بودند بہ اندازۂ آن چند مقدما ما در حل آں اشتباہ نوشتہ آید......'' حضرت مجدد ۱۰۳۲ھ میں[۲۷] اجمیر شریف میں تھے۔ اسی زمانے میں ایک مکتوب لکھا ہوگا جس پر شور وغوغا ہوا۔ مذکورۂ بالا مکتوب کے آخیر میں یہ عبارت ہے۔

''پس ایں ہمہ شور وغوغا چیست؟ اگر لفظے صادر شدہ است کہ ظاہرش مطابقت بہ علوم شرعیہ نہ دارد آں را بہ اندک توجہ از ظاہر صرف نمودہ مطابق باید ساخت و مسلمانے را متہم نہ باید کرد۔ اشاعت فاحشہ و تفضیح فاسق ہرگاہ در شریعت حرام و منکر باشد۔ تفضیح مسلمانے بمجرد اشتباہ چہ مناسب بود و شہر بشہر منادی کردن۔ کدام تدیّن باشد۔ طریق مسلمانی و مہربانی آنست کہ کلمہ کہ ظاہرش مخالفِ شرعیہ است اگر از شخصے صادر شود باید دید کہ قائل آں کیست۔ اگر ملحد و زندیق بود ردّ آں باید کرد و در اصلاحِ آں نباید کوشید واگر قائلِ آں کلمہ مسلمان بود ایمانے بخدا و رسول داشتہ باشد در اصلاحِ سخنِ او باید کوشید و محلِ صحیح از برائے آں پیدا باید نمود یا آز ان قائل حلِ آں باید طلبید واگر در حلِ آں عاجز آید تصحیحش باید کرد و امر معروف و نہی منکر برفق اولیٰ ست کہ بہ اجابت نزدیک است واگر مقصود اجابت نہ باشد و تفضیح مطلوب بود امر دیگر است۔ اللہ تعالیٰ توفیق واہد......'' اور اسی مکتوب کے اندر ایک ''تنبیہ'' بھی ہے۔ وہ اس طرح ہے۔

''......سادہ لوحے ازیں عدم توسط کہ در طریقِ جذبہ وغیرہا گفتہ شدہ است استغنائے از متبعیت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلاۃ والسلام گمان نہ بُرد کہ آں کفر والحاد و زندقہ است از شریعت حقہء او

Marfat.com

علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام و بالا گذشتہ است کہ جذبہء بے توسطِ سلوک وعبارت از ایان شریعت است علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ابتر و ناتمام است وقمت است کہ بصورتِ نعمت برآمد و حجت را بر صاحبِ جذبہ ناتمام تمام کردہ۔''

اِس مکتوب کو بالاستیعاب پڑھنے کے بعد حضرت شیخ محدثؒ کا مکتوب (پروفیسر نظامی صفحہ ۳۱۲ بعد) پڑھیے تو اندازہ ہوسکے گا کہ اس میں مضامین کے لحاظ سے خاصے اضافے ہیں۔ حضرت مجددؒ نے اپنے مکتوب میں سیر مرادی وسیر مریدی پر بحث کی ہے۔ پھر محمدیُ المشرب سالک کے متعلق ذکر ہے کہ وہ کمال متابعت بلکہ محض فضل سے ایسے مقاماتِ عروج میں پہنچتا ہے جہاں اُسے حقیقتِ محمدی سے اتحاد حاصل ہوتا ہے' جذب کی وجہ سے توسط دُور ہو جاتا ہے لیکن ہندوؤں اور کافروں کو حضور انور ﷺ کی متابعت حاصل نہیں' اس لیے اُنہیں سوائے جذب کے اور کچھ حاصل نہیں۔ پھر یہ بھی بتایا ہے کہ واصل وموصول کے درمیان سے حیلولہ کیونکر دور ہوسکتا ہے۔ افلاطون نے باوجود ریاضت کے خود کو انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے مستغنی جانا۔ اس لیے اس کی ریاضت بے کار گئی۔ پھر یہ بھی بتایا ہے کہ جذب کے معاملے میں حضور انور ﷺ کے توسط وعدم توسّط میں مشائخ قدسؒ سرہم کا بہت اختلاف ہے اور آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس قدر سُکر زیادہ ہوگا شطح غالب ہوگا۔ وغیرہ۔ بس اتنی باتیں جواب میں کہی گئی ہیں اس لیے فتوے[28] بھی لازمی امر ہیں۔ لیکن فاضل محترم کو پھر جوش آیا ہے اور انہوں نے یہ بحث کی ہے کہ ''اخبار الاخیار'' کے مجتبائی ایڈیشن کے آخر میں ناشر یا مرتب نے اپنی طرف سے حضرت مجددؒ کا ذکر بڑھا دیا ہے (صحیح ہے) اور کہا ہے کہ آخر عمر میں شیخ محدثؒ نے حضرت مجددؒ کے متعلق اپنے خیالات سے رجوع کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے تذکرے میں یہی رائے ظاہر کی ہے اور پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بھی رسالہ کا ذکر کرتے ہوئے اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ حضرات رجوع کے معاملے میں بعض غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ (صفحہ ۳۱۷) محترم نے ان حضرات کو غلط فہمیوں کا شکار کہا ہے حالانکہ معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔ محترم نے یہ دلیل دی ہے کہ شیخ محدثؒ کا وہ خط جو شیخ حسام الدین کے نام ہے وہ اس لیے مشتبہ ہے کہ وہ مجموعہ مکاتیب میں نہیں ہے۔ (لیکن کیا وہ خط جو پروفیسر نظامی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۱۲ سے نقل کیا ہے' مجموعہ مکاتیب میں تھا؟) دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ نظامی صاحب کے نقل کردہ خط میں زیادہ محبت وارادت ہے لیکن مجتبائی ایڈیشن والے ''صفائی'' یا ''رجوع'' والے خط میں کم ارادت ہے اور اس میں[29] مجدد نہیں کہا بلکہ ''میاں احمد سرہندی سلمہ اللہ تعالیٰ'' (یعنی میاں میرؒ کی طرح) ہی کہا ہے۔ بس ان دلائل کی بناء پر فاضل محترم نے اس رجوع والے خط کو مشتبہ ہونے کا فیصلہ دے دیا ہے اور اس خط کی زبان یا سبک پر غور کرنے کی بالکل زحمت نہیں فرمائی۔ ہمارا خیال ہے کہ رجوع یا صفائی یقیناً ہو چکی تھی اور ان جیسے بلند پایہ بزرگوں کی شان کا تقاضا بھی یہی تھا۔ مجتبائی ایڈیشن والے خط میں حضرت مجددؒ کے نام کے ساتھ ''سلمہ اللہ تعالیٰ'' کا دُعائیہ فقرہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ صفائی یا رجوع اُن کی زندگی ہی میں (یعنی ۱۰۳۴ھ سے پہلے) ہو چکا تھا۔ یہ جملہ حضرت محدثؒ کے اعلیٰ ظرف کی شہادت دیتا ہے کہ ''دراین ایام صفائے فقیر بخدمت میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ از حد متجاوز است واصلا پردۂ بشریت وغشاوہ جبلت بمیاں نہ ماندہ......''[30]

پھر فاضلِ محترم نے (صفحہ ۳۱۸۔۳۴۰) ایک اور اضافہ فرمایا ہے کہ شیخ محدثؒ نے اپنی کتاب ''مدارج

النبوۃ'' کے سبب تالیف میں جو ''درویشانِ مغرور'' کا ذکر کیا ہے اُن سے مراد حضرت مجددؒ ہیں (معاذ اللہ) اصل عبارت (مدارج النبوۃ کی) یہ ہے۔

''چوں از فسادے زمان الحرافے در مزاج وقت بعضے درویشاں مغرور دراین روزگار راہ یافتہ واز تیرگی آئینہ استعداد تنگئی حوصلہء ادراکِ پایۂ ارفع و مقامِ اقدسِ محمدی را کہ ہیچ کس را بدرک و دریافتِ آں راہ نیست' نشناختہ و تقصیرے در ادائے حق نمودہ و از جادۂ دین و صراطِ مستقیم برافتادہ بودند' لازم حق مسلمانی آں نمود کہ احوال و صفات قدسیہ...... نگارش نماید واین بے خبر را حقیقت حال آگاہ گرداند۔'' یہاں بحث ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے حضور انور ﷺ کے مقام کو فراموش کر دیا تھا؟ کیا وہ کبھی جادۂ دین و ''صراط المستقیم'' سے ہٹ گئے تھے؟ کیا اُنہوں نے پوری عمر شریعت کی پیروی پر جو زور دیا ہے (بلکہ شدت بھی اختیار کی ہے اور پھر رسالہء ''اثبات النبوۃ'' محض اسی نبوت و شریعت کی محبت کی بنا پر لکھا تھا) تو وہ حضور انور ﷺ کی غلامی پر نازاں نہیں تھے؟

فاضل محترم نے ایک اور ستم یہ ڈھایا ہے کہ ''مدارج النبوۃ'' کے اس اقتباس میں جس رسالہ کا ذکر ہے' اس سے وہی مکتوب مراد لے لیا ہے جو شیخ محدثؒ نے حضرت مجددؒ کو بعض شبہات سے متعلق لکھا تھا۔ وہ اقتباس یہ ہے:

> ''بعض کوتاہ بیناں کہ شہودِ حق را از وساطتِ آنحضرتؐ مفارق می دانند و بر ہر رخنہء وے واقف نمی شوند این معنی در رسالہء جدا آوردہ بعضے از مدعا ہارا مشرح تر ازیں گفتہ ایم۔''

حضور انور ﷺ کی وساطت کے بغیر ''شہود حق'' کے مدعی اکبری سکول والے تھے جنہوں نے اپنی کتابوں سے (اور خطبوں سے بھی) نعت خارج کر رکھی تھی۔ اس اکبری اسکول کی اس فتنہ پردازی کا ذکر حضرت شیخ کے ''رسالہء فقرِ محمدیؐ'' میں جابجا ملتا ہے (آگے عرض کیا جا سکے گا) حضرت مجددؒ پر فاضل محترم نے افترا اور بہتان باندھا ہے کہ انہوں نے شہود حق کے لیے اس وساطت کو مفارق سمجھا ہے۔ ہم اُوپر دیکھ چکے ہیں کہ حضرت مجددؒ نے محمدیؐ المشرب سالک کے لیے کہا کہ وہ ''کمال تبعیت'' کی وجہ سے جذب میں کبھی حضور انور ﷺ کی وساطت کے بغیر (مقامات عروج تک' شہودِ حق تک نہیں) پہنچ جاتا ہے لیکن ایسے محمدیؐ المشرب سالک کے ''کمال تبعیت'' والے مسلک ہی کا انہوں نے ذکر کیا تھا۔ اب ذرا دیکھئے کہ فاضل محترم نے جس بنیاد پر افترا پردازی کی عمارت کھڑی کی تھی وہ اس طرح ڈھے جاتی ہے کہ حضرت شیخ کی کتاب ''مدارج النبوۃ'' کا حضرت مجددؒ کے زمانے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یہ کتاب حضرتِ مجددؒ کے بہت بعد لکھی گئی (یعنی ۱۰۳۴ھ کے بعد بھی اکبری فتنوں کا اثر باقی تھا)[۳۱] اس کتاب کے باب دہم (در انواع عبارت) میں یہ عبارت ہے:

> ''شیخ امام عاملِ اجل علی متقی رحمۃ اللہ علیہ دراین باب (رفع سبابہ در تشہد) رسالہ جمع کردہ و روایات فقیہ از مذہبِ حنفی بہ اختلافے کہ در آنہاست ذکر کردہ احادیثِ صحیحہ آوردہ جانب عقد واشارات را راجح ساختہ وآں رسالہ را در شرحین مشکوٰۃ وشرح سفر السعادۃ ترجمہ کردہ ایم''[۳۲]

لیجئے یہاں تو کچھ اور ہی معاملہ ہے۔ شیخ محدثؒ نے شیخ علی متقی بُرہان پوری (م ۹۷۵ھ) کے رسالہ کو ''شرح مشکوٰۃ'' اور ''شرح السعادۃ'' میں ترجمہ کر لیا۔ ''شرح المشکوٰۃ'' انہوں نے ۱۰۲۵ھ میں لکھی تھی اور ''شرح سفر السعادۃ'' کا

Marfat.com

وہ نسخہ جو شیخ محدثؒ کے دستِ خاص کا لکھا ہوا ہے اور بانکی پور میں ہے ۱۰۳۳ھ (۲۷ جمادی الاخری) میں مکمل ہوا تھا[۳۳] یعنی ۱۰۳۳ھ کے بعد "مدارج النبوۃ" جیسی طویل کتاب لکھنی شروع کی ہوگی اور اس میں خاصا وقت صرف ہوا ہوگا کیونکہ "مدارج النبوۃ" میں جو ہے وہ یہی ہے۔ "شہود حق" بغیر از وساطت آنحضرت ﷺ" سے متعلق "مدارج النبوۃ" کا اقتباس ہم نے فاضل محترم کے بیان میں دیکھ لیا ہے۔ اسی مسئلے پر رسالہ محمدیؒ کی ایک بحث کا ایک اقتباس ابھی اوپر درج ہوا ہے۔ تفصیل اس رسالے میں دیکھی جاسکتی ہے جس میں "اتباع واخذ بسنت" کی ضرورت پر مضامین ہیں۔ اسی رسالہ کے ایک اقتباس میں ہم یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ "پس بگرداں تو پیغمبر خود را و شیخ خود را کہ محمد رسول اللہ است ﷺ در دلِ خود...... وتمثال اُو در چشم تو دایم بود......" اسی چیز کو "مدارج النبوۃ" میں بھی پیش کیا ہے کہ "تصورِ جمال اور مطالعہء کمال اور ہر گھڑی اس کو ملحوظ رکھنا اور اس کام کی مشق اور اس کا مراقبہ کرنا اس حیثیت سے مقصود ہے کہ وہ جمالِ جاں فزا ہمیشہ پیش نظر رہے اور مفارقت نہ کرے اور یہ واسطے حصولِ کمال اور قرب اور وصال کے طریقوں میں سے قریب تر طریق ہے اور حصول درجہء صحبت کا اور اگر بطریقِ اتصال اور دوام کے اس پر قابو نہ ملے تو چاہیے کہ کسی وقت صلوٰۃ اور سلام کے وقت میں جو روشنی راہ اور حضوریِ درگاہ کے لیے قریب تر طریقوں میں سے ہے' اس کو نگاہ رکھے......[۳۴] قریب قریب یہی مضمون اُس رسالے میں ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ کر لیجئے کہ "مدارج النبوۃ" میں کس رسالے کا ذکر ہے اور "مدارج النبوۃ" کیوں لکھی گئی۔

فاضل محترم نے (صفحہ ۲۴۰) حضرت مجددؒ کے ایک مکتوب (نمبر ۶۵۔ دفتر اول) کا حوالہ صرف اس لیے دیا ہے کہ اس میں خان اعظم کو "ضمنی طور پر" وعظ و نصیحت فرمائی ہے لیکن فاضل نے ازراہِ دور اندیشی اس کے مضامین بیان نہیں کیے، کیونکہ اس مکتوب میں ایک مسلمان بادشاہ کے زمانے کی حالت بیان کی گئی ہے اور یہ چیز فاضل گرامی کے مقصد کے منافی ہے۔ کیا حرج ہے' ہم بھی اسی مکتوب کے چند اقتباسات دیکھ لیں...... اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور ہر کوچہ و بازار میں نڈر ہو کر کفر کے احکام جاری کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان' اسلام کے احکام جاری کرنے سے رُکے ہوئے ہیں اور شرائع کو بجالانے میں مذموم و مطعون ہیں...... کہا گیا ہے کہ شرع تلوار کے نیچے ہے اور شرع شریف کی رونق پادشاہیوں پر منحصر ہے لیکن اب قضیہ برعکس ہو گیا ہے اور معاملہ بدل گیا ہے...... ہائے افسوس، صد افسوس (جب کفر و الحاد کا قلع قمع ہو گیا تو اب ایسا کیوں کہا؟...... پہلی سلطنت میں (عہد اکبر) دین مصطفےٰ ﷺ کے ساتھ دشمنی مفہوم ہوتی تھی اور اس سلطنت میں ظاہر طور پر وہ عناد نہیں۔ اگر ہے تو بے علمی کے باعث ہے۔ یہ ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ عناد و دشمنی تک نوبت پہنچ جائے اور مسلمانوں پر معاملہ اس سے بھی زیادہ تنگ آجائے......" اسی سے ملتا جلتا مضمون مکتوب نمبر ۹۲ (دفتر دوم) میں بھی آتا ہے۔ الشریعۃ تحت السیف کے موافق شریعتِ غرّا کی ترقی و رواج شاہانِ بزرگ کے حسنِ انتظام پر موقوف ہے۔ جب سے یہ امر ضعیف ہو گیا ہے اُسی دن سے اسلام بھی ضعیف ہو گیا ہے۔ کفارِ ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ تھانیسر میں...... ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ اس کو گرا کر اس کی جگہ[۳۵] وہ کوئی ڈھائی ہزار صفحات کی بڑی تقطیع کی کتاب ہے اور معین الدین کی "معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ" (۳۶ مصنفہ ۸۹۱ھ) کے انداز کی ہے۔ حضرت مجددؒ ۱۰۳۴ھ کے آغاز (یعنی ۲۸ صفر) میں انتقال فرماتے ہیں۔ اس لیے شیخ

Marfat.com

محدثؒ کی کتاب یقیناً ان کے بہت بعد تکمیل کو پہنچی ہوگی۔اب ذرا اس رسالہ کے مضامین کا مطالعہ بھی کر لینا چاہیے جس کا ذکر ''مدارج النبوۃ'' میں ہے اور جس کے متعلق فاضل محترم نے فرمایا ہے کہ وہ حضرت مجددؒ کے خلاف لکھا گیا ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دراصل وہ ''رسالہ فقر محمدیؐ'' ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ حضور انور ﷺ کے فقر و درویشی کے زمرے میں کون لوگ آ سکتے ہیں۔ تجدید توبہ اور پانچوں وقتوں کی نماز کا اہتمام بھی ہو۔ اسی کے ذیل میں لکھا ہے کہ ''صلوٰۃ بر محمد مصطفیٰ ﷺ بسیار گوئی و پیوند باطن را بادے متصل و قوی داری تاوے در دل تو جائے کند کہ مشائخ در دل فقر و مریدانِ ایشاں می بینی کہ چوں شیخ و پیرے کہ نزد وے مذکور گردد چہ اضطراب کند و در احتراز آید بجہت عظمتے و منزلتے کہ شیخ را در دلِ اوست۔ پس بگرداں تو پیغمبرِ خود را کہ محمد رسول اللہ است صلی اللہ علیہ وسلم در دلِ خود ہمچنیں تا صحبت او تمامتر در گیرد و دلِ ترا مالک گردد و تمثال او در چشم تو دایم بود......''

آگے چل کر یوں آتا ہے:

''چوں دلہا از شنیدنِ بدایات تنگی کند شنیدن نہایات کجا طاقت دارد و می گوید کہ واجب است بر ما کہ بگیریم بر احوالِ خود کہ مبتلا شدہ ایم امروز بطائفہء کہ شغل ایشاں اکلِ حرام است و کار ایشاں بطالت حلال نزدِ ایشاں ہماں بود کہ بیابند و حرام ہما کہ نیابند۔'' پھر یوں بھی آتا ہے کہ ''ایں ترجمہ آں رسالہ است بعد از اختصار و حذف بعضے تفصیلات و تطویلاتِ او و بعد از تامّل نیک ظاہر شود کہ قصدش نفی طریقہء مشائخ در تربیت و تسلیکِ درویشاں و توسّلِ و تمسکِ طالباں و مریدان بذلیل ارادت ایشاں نیست۔ مقصودش ترغیب و تحریص بر طریقہء اطباع و اخذ بہ سنت و رعایت تقویٰ و تدین است و ترجیح و تقویتِ طریقہء سلفِ صالح کہ صحابہؓ و تابعینؒ باحسان و اجتناب از بدعت و طرق مستحدثہ کہ مخالفِ اصل پیدا کردہ باشند و مذمتِ جماعتے کہ دین بدنیا فروشندہ و در عمل و اعتقاد تابع ہوائے نفس باشند و نفاق در دین دارند......'' کچھ اور آگے یوں آتا ہے کہ ''مقصودش تنبیہ است بر تمسک و تعلق بہ اصل اصول و اقتباس نور از آں منبع انوار و استغراق محبت و اہتمام بہ متابعتِ سنتِ و لےصلی اللہ علیہ وسلم تابہ فروغ از اصل باز نہ ماند...... نہ آنکہ اصلا طلب آں نمایند و در تحصیل آں نہ کوشند و اہتمام بداں نہ ورزند بلکہ خبر از آں نہ دارند و گاہے بود کہ بہ عکس آں روند و اصل را تابع و موافقِ فرع سازند و آں را بہ ایں تاویل نمایند و ایں روش یا جہل است یا الحاد[۳۷]......'' اور آخیر میں شیخ علی متقی برہان پوری (م ۹۷۵ھ) کے اسی انداز کے مضمون پر رسالہ ختم کیا ہے۔ اب اسی قسم کے مضامین ''مدارج النبوۃ'' میں بھی ملاحظہ فرمایئے تاکہ معلوم ہو سکے کہ جس رسالے کی تطبیق کا ذکر[۳۸] بڑا بھاری مندر بنایا ہے (لیکن کفر و الحاد کا قلع قمع تو ہو چکا تھا؟) نیز کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجا لا رہے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کو جاری کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو اپنا کھانا ترک کر دیتے ہیں، بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان اس دن روٹی نہ کھائے اور نہ بیچے اور وہ کفار ماہِ مبارک رمضان میں برملا طعام پکاتے اور بیچتے ہیں مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث کوئی روک نہیں سکتا۔ ہائے افسوس بادشاہِ وقت ہم میں سے ہو۔ پھر ہم فقیروں کا اس طرح خستہ و خراب حال ہو۔[۳۹] مکتوب نمبر ۱۳۸ (دفتر دوم) میں نگرکوٹ کے مسلمانوں پر ہندوؤں کے مظالم کا ذکر ہے۔ دیکھئے حضرت مجددؒ اپنے زمانے کے کفار کی جسارت کا ذکر کر رہے ہیں کہ وہ لوگ مقبروں اور مسجدوں کو منہدم کر کے ان کی جگہ مندر بنا رہے ہیں اور ایکادشی میں مسلمانوں کو کھانا کھانے اور بیچنے نہیں دیتے اور خود رمضان میں کھلم کھلا کھانا کھاتے اور فروخت کرتے ہیں اور مسلمانوں

کا کشت و خون ہو رہا ہے۔ یہ جہانگیر کے زمانے کے حالات ہیں اور فاضل محترم کا ارشاد تو یہ تھا کہ کفر و الحاد کا خاتمہ اکبر کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ (یہ اور بات ہے کہ ایسا کفر و الحاد پوری جسارت اور غلبے کے ساتھ قائم تھا) اکبر کے زمانے میں بھی مسلمانوں اور اسلام کی توہین و تذلیل کے واقعات بہت ملتے ہیں۔ فاضل محترم بھی (صفحہ ۹۶۔۹۷) لکھ چکے ہیں کہ متھرا کے قاضی نے مسجد بنانے کے لیے مسالا جمع کیا، ایک ہندو مالدار نے زبردستی وہ مسالا چھین لیا اور اُسی سے مندر بنا لیا۔ قاضی نے روکنا چاہا تو اُس ہندو نے نہ صرف اسلام کو بُرا بھلا کہا بلکہ حضور انور ﷺ کی شان میں گستاخیاں کیں۔ [۴۱] اسی طرح فاضل نے (صفحہ ۱۰۱) پادریوں کا واقعہ بھی لکھا ہے کہ وہ لوگ بھی کھلم کھلا حضور انور ﷺ کی شان میں بُرے الفاظ استعمال کرتے ہیں لیکن اکبر و ابوالفضل وغیرہ اُس وقت بھی مصلحت کا فلسفہ یاد کرنے میں مصروف تھے۔ اس سے بڑھ کر بے غیرتی اور کیا ہو سکتی ہے؟

حضرت مجددؒ اس قسم کی بے عزتی دیکھ کر کُڑھتے تھے اور اُمرا کو بار بار لکھتے تھے (جو بقول مصنف کے ضمناً لکھتے تھے کیونکہ مکتوبات میں اور باتیں بھی ہوتی تھیں اور وہ نہیں ہونی چاہئیں) چنانچہ کانگڑہ کے بت کی تذلیل کے لیے جو مکتوب (نمبر ۲۶۹ دفتر اول) انہوں نے شیخ فرید کو لکھا تھا اُس کو فاضل محترم نے (صفحہ ۲۷۳) خوب [۴۱] اُچھالنے کی کوشش کی ہے اور آخر ''بیچارے'' یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ''ملکی معاملات میں سیاسی مصلحتوں اور فیض عام کے اصولوں کو چھوڑ کر جوش اور غصّے کی پیروی کرنے سے جو زوال ہوا اور اس ملک میں اسلامی نظام درہم برہم ہو گیا اُس کا ذمہ دار [۴۲] کون تھا؟ (صفحہ ۲۷۸) فاضلِ محترم کی یہ رائے ہے کہ حضور انور ﷺ کی شان میں اگر کفار گستاخی کریں اور اسلام کی توہین کریں تب بھی کوئی حرج نہیں (خواہ قرآن پاک ایسی حالت میں واغلظ علیھم کا بھی حکم دیتا رہے۔)

(۳)

ورنہ دیکھ لو کہ جو دو سو سال کے بعد مغلیہ سلطنت کا زوال ہوا۔ وہ سب حضرت مجددؒ کی وجہ سے ہوا۔ یعنی ان کا اتنا اثر ہوا (حالانکہ فاضل یہ بھی فرما چکے ہیں کہ حضرت مجددؒ بار بار بلاوجہ مکتوبات لکھتے تھے اور اثر [۴۳] نہ ہوتا تھا بلکہ بغیر مکتوبات کے بھی مکتوب علیہم کو دین کی خدمات کا احساس تھا) محترم کو کوئی خیال نہ رہا کہ دراصل وہ مصلحت ہی کا فلسفہ تھا جس نے کفار کی جسارت کو روز بروز تقویت پہنچائی اور مسلمان کو مجبور ہو کر پاکستان کا مطالبہ کرنا پڑا اور اب پھر ۱۷ سال سے مصلحت کا فلسفہ پڑھا جا رہا ہے۔ قرآن پاک میں نہ معلوم کیوں اس قسم کی آیات نظر آتی ہیں:

۱. یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین و اغلظ علیھم

۲. وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم و طعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر

۳. وقذف فی قلوبھم الرعب یخربون بیوتھم وایدی المومنین

۴. ان الذین یحادون اللہ و رسولہ اولئک فی الاذلین کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی ان اللہ قوی عزیز۔

۵. محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار

Marfat.com

طائف اور مکہ میں بت کیوں توڑے گئے اور مصلحت کا فلسفہ زیر غور کیوں نہیں رہا؟ مکی زندگی اور مدنی زندگی کی جو امتیازی خصوصیات ہیں ان پر غور فرمائیں تو پھر مصلحت کے صحیح فلسفے کی گتھیاں سلجھائی جا سکیں گی اور یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ باقوبہ رنگ میں جمال اور مجددیہ رنگ میں جلال کیوں تھا؟ (صفحہ ۱۹۹۔۲۰۰)[۴۴]

یہاں تک فاضل محترم کے ان اعتراضات کے جوابات عرض کئے گئے تو زیادہ معدانہ نہیں تھے لیکن ایسی تنقیص کے متعلق فرض کرنا ہے جو سراپا ''شر'' اور نہایت غیر سنجیدہ ہے۔ فاضل محترم معترضین کی ایک جماعت تیار کر کے ان کی طرف سے حضرت مجددؒ کے مکتوبات کے متعلق یوں فرماتے ہیں:

> ''معترضین سمجھتے ہیں کہ (حضرت مجددؒ کے) یہ بڑے بڑے دعوے جاہلوں کو بہکانے کے لئے ہیں (پھر چالاکی سے یوں گہرافشانی ہوتی ہے) لیکن یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ جس بزرگ کی نیت اور دیانت داری پر شبہ کیا جاتا ہے وہ کس قدر بلند مرتبہ ہے اور جھوٹے دعوؤں اور ریاکاری سے کتنا دور ہے۔ (ص ۲۵۲) اسی چیز کو ''تاکید الذم بمایشبہ المداح'' کہا جاتا ہے۔ پھر دوسرے صفحہ (۲۵۳) پر محترم نے یہ کرم فرمایا ہے۔ نفسیات کا اصول ہے کہ جو دھن سر پر سوار ہو (مثلاً حضرت مجددؒ کی تنقیص کی دھن) تو وہی عالم خواب یا عالم انجذاب میں نظر آ جاتی ہے۔''[۴۵]

اس اصول کے تحت ہر بزرگ بلکہ ہر نبی پر بھی افترا باندھا جا سکتا ہے۔ پھر یہ بھی حکم لگایا گیا ہے:
''کیا انہوں نے مبتدیوں کے الجھانے کا سامان تو نہیں پیدا کر دیا؟''...... لیکن کیا مبتدیوں کے لئے وہ مکشوفات تھے جو وہ اُلجھ سکیں گے۔ پھر مجددیت اور قیومیت کے خلاف بھی کہا ہے کہ کیا اس قیومیت کی قرآن و حدیث سے تائید ہوتی ہے؟ (کیا صوفی کی بھی ہوتی ہے؟ دراصل نام کی تائید کام سے ہوا کرتی ہے۔) پھر حالؔی کے دو بند لکھ ڈالے ہیں۔ ع: نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں۔ دراصل مجددیت کے متعلق محترم نے ''زبدۃ المقامات'' کی فصل پنجم ضرور پڑھی ہو گی لیکن یہاں (ازراہ دور اندیشی) اس کا حوالہ نہیں دیا اور جس حالؔی کے دو بند انہوں نے پیش کئے ہیں وہی حالؔی تو ان لوگوں پر معترض ہیں جو سرسید کو مجدد نہیں کہتے۔ ''حیات جاوید'' میں حالؔی لکھتے ہیں ''سرسید کی نسبت یہ اعتراض اکثر سنا گیا ہے کہ مصلح یا مجدد مذہب ایسا شخص کیونکر ہو سکتا ہے۔ جو علوم مروجہ اسلام میں متوسط درجے سے کم درجہ رکھتا ہے...... مصلح یا مجدد کو علوم مروجہ کی اتنی ضرورت نہیں کہ حق بات کہنے میں لومتہ لائم سے نہ ڈرے کیونکہ وہ کوئی نئی بات نہیں کہتا بلکہ جو صداقتیں محققین کی تحقیقات میں موجود ہیں اور تقلید نے ان کی طرف سے آنکھوں پر پردے ڈال رکھے ہیں، ان کو علی الاعلان ظاہر کرتا ہے۔''[۴۶]

محترم نے صفحہ ۵۴۹ میں بھی حضرت مجددؒ پر حملے کئے ہیں اور ۲۳۵ پر لکھتے ہیں کہ ''شاہ (ولی اللہ) صاحب نے ان چیزوں کی (یعنی حضرت مجددؒ کے کارناموں کی) جتنی اہمیت تھی وہ بتا دی ہے۔ نہ زیادہ نہ کم'' لیکن محترم نے ''زیادہ اور کم'' سب کو بالائے طاق رکھ کر حضرت ولی اللہ دہلویؒ کے تمام اعترافات (حضرت مجدد کے احسانات کے متعلق) صاف اڑا دیئے ہیں (کیونکہ مصلحت اسی میں تھی) لیکن ''الفرقان'' کے مجدد نمبر میں ایک مضمون کا عنوان ہے ''حضرت مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی نظر میں'' وہ محترم کے لئے کافی ہو گا۔ اسی نمبر میں شروع ہی میں

Marfat.com

''مجددیت''[47] کی تعریف اور اہمیت بتائی گئی ہے اور اسی میں نواب صدیق حسن خان کا ''خراج عقیدت'' بھی ہے۔ مکشوفات مجددیہ کے سلسلے میں نواب مرحوم لکھتے ہیں: ''علوم مرتبۂ کشفہائے مجدد الف ثانی دریافت باید کرد کہ از سرچشمۂ صحو سرزدہ وگاہے مخالف شرع نیفتادہ بلکہ بیشتر را شرع موید است وبعضے چنان است کہ شرع ازاں ساکت است ومرتبۂ اودر اولیاء مثل مرتبہ الوالعزم است در انبیاء......''

لیکن محترم کس طرح کا یقین کریں گے جب کہ مقصد کچھ اور ہے۔ انہوں نے مجددیت کو مہدویت کے صف میں (صفحہ ۳۱۸) رکھا اور قیومیت کو (صفحہ ۲۵۸) معتوب گردانا ہے۔[48] دراصل یہ قیومیت مقامات عروج سے متعلق ہے اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ جو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے زمانے تک لطائف سبعہ' نفی اثبات' تہلیل لسانی' مراقبۂ احدیت' پھر مراقبات مشارب اور مراقبۂ معیت تک محدود تھا۔ وہ حضرت مجددؒ کی برکت سے ولایت کبریٰ' مراقبات کمالات نبوت ورسالت والوالعزم' مراقبۂ حقیقت کعبہ' حقیقت قرآن' حقیقت صلوٰۃ' معبودیت صرفہ اور لاتعین کے مقامات تک وابستہ ہو گیا ہے۔ یہ چیزیں حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کے طفیل میں ان کے وابستگان تک پہنچی ہوئی ہیں اور ان کے متعلق کسی نظریاتی بحث وتمحیص کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ ان چیزوں کا ذکر بھی اس مضمون میں نہیں ہونا چاہئے۔ جو لوگ کچھ جاننا چاہتے ہیں تو بتانے والے بہت سے حضرات سے استفادہ کر لیتے ہیں اور یہ کوئی ڈھکی چھپی چیزیں نہیں ہیں۔ محترم کی خدمت میں اس سے زیادہ عرض نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال محترم کے ہم ممنون ہیں کہ انہوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ''شرع کی ترویج'' طریقۂ نقشبندیہ کی اشاعت' شریعت وطریقت کی تطبیق اور شیعیت کی مخالفت کے علاوہ حضرت مجددؒ نے جو اہم کام کیا ہے وہ اسلام کا احیاء تھا۔ اس زمانے میں جبکہ عام علماء مشائخ نے ایک گوشے میں بیٹھ جانا ہی سلامتی کا راستہ سمجھ رکھا تھا۔ آپ نے جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کر کے قید وبند کی سختیاں جھیلیں اور اپنی جرأت اور اتباع شرع سے مغلوں کے خلاف شرع احکام کا سد باب کیا۔ آپ کی اس نیک مثال نے لوگوں کو جرأت دلائی۔ جو دبے بیٹھے تھے وہ پھر دلیر ہو گئے اور شرع کے احکام ایک بار پھر ہندوستان میں عام ہونے لگے (صفحہ ۲۴۵)

محترم سے یہ عرض ہے کہ ہماری زبان میں انہی اوصاف کو مجددیت[49] اور قیومیت[50] سے تعبیر کیا جاتا اور یہ الفاظ واصلاحات صرف وابستگان سلسلۂ عالیہ تک محدود سمجھیں تو بھی کوئی ہرج نہیں۔ محترم نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ آج بھی آپ کے سلسلے کا فیض جاری ہے اور نقشبندیہ مجددیہ سلسلے کے لوگ اتباع شریعت اور ترویج سنت میں باقی تمام سلسلوں سے آگے ہیں۔ الحمدللہ ایسا ہی ہے اور اللہ پاک سے تعلق اور کائنات کا مقصد بھی کچھ یہی معلوم ہوتا ہے' کیونکہ قرآن پاک میں ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔ حضرت مجددؒ کے یہ احسانات کم نہیں اور اس سے زیادہ کیا ہو سکتے ہیں؟

بہ ہر زمیں کہ نسیمے ز زلف او بوزید
ہنوز از سرآں بوئے عشق می آید

فاضل محترم کے اعتراضات اور پھر اعتراضات اور ناچیز راقم الحروف کے جوابات) کے بعد بدایونی کی باتیں صحیح معلوم ہونے لگتی ہیں اور اسے جو ایک ''شمس العلماء'' نے ''ملا'' کہہ کہہ کر حذف ملامت بنایا تھا اس کی قلعی بھی کھل جاتی ہے۔ آیئے اب اس ''ملا'' کی باتیں بھی دیکھ لیں جن کی تردید میں فاضل محترم کو بکثرت صفحات سیاہ کرنے کی

Marfat.com

زحمت اٹھانی پڑی اور راقم الحروف کو فاضل گرامی کے حوالوں سے کچھ ''حقیقتیں'' پیش کرنی پڑیں۔ ملا صاحب نے اپنی تاریخ میں ۱۰۰۴ھ[51] تک کے حالات درج کئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اکبر ''طالب حق'' تھا لیکن غلط قسم کے علماء اور صوفیہ سے واسطہ رہا اس لئے اسے اسلام سے ضد پیدا ہو گئی تھی۔ (۳۱۸) گجرات کے صدر ابراہیم نے بادشاہ کو جو تحائف بھیجے تھے ان میں ابن العربی علیہ الرحمہ سے منسوب ایک جعلی عبارت بھی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ ''صاحب زماں'' کے پاس بہت سی عورتیں ہوں گی اور وہ ڈاڑھ منڈا ہو گا (ص ۳۲۰)۔ کوئی خواجہ شیرازی تھے جو مکہ معظمہ سے ایک جعلی رسالہ ''مہدی'' کے ظہور سے متعلق لائے تھے (ص ۳۳۴)۔ ایک شیعی عالم شریف آملی نے ''تحیت دین حق'' کے اعداد (۹۹۰ھ) سے اس پیش گوئی کی تصریح کی تھی (۳۳۴)۔ ملا مبارک ناگوری (پدر فیضی و ابوالفضل)[52] اس سے پہلے ہی ایک محضر نامہ ۹۸۷ھ میں تیار کر چکے تھے جس میں اکبر کو درجۂ اجتہاد پر فائز کیا گیا تھا اور فیضی نے فارسی اشعار میں خطبۂ جمعہ تیار کیا تھا لیکن اکبر اس خطبے کو پڑھتے ہوئے لرز گیا تھا اور منبر سے اتر پڑا تھا (۳۳۵)۔ اکبر کو خلیفۃ الزمان قرار دیا تھا۔ نماز، روزہ اور شعائر اسلام کو ''تقلیدات'' اور ''عقل کے خلاف'' سمجھا گیا۔ (۲۹۷) اور اس ''عقل'' نے وہ جوہر دکھائے کہ ابوالفضل کی نگرانی میں محل کے اندر عبادت کے لئے ایک آتش خانہ تیار ہوا (ص ۳۲۱)۔ نصاریٰ کی طرح ناقوس، صور اور ان کی تفریحیں اکبر کا وظیفہ تھیں (ص ۳۴۳)۔ راجاؤں کی لڑکیوں کو تصرف میں لانے کی وجہ سے خود اس کے مزاج پر ان کو تصرف حاصل تھا۔ (ص ۳۴۲) چنانچہ برہما، مہادیو، بشن، کشن، مہامائی وغیرہ کی تعظیم کی جاتی (ص ۳۱۹)۔ سورج کی عبادت دن میں چار مرتبہ کی جاتی، سورج کے ایک ہزار ایک نام کی مالا جپی جاتی۔ قشقہ لگایا جاتا۔ آگ، پانی، درخت اور تمام مظاہر قدرت، حتیٰ کہ گائے اور اس کے گوبر کی پوجا خود بادشاہ کرتا (ص ۳۵۲)۔ خنزیر کو (معاذ اللہ) خدا کے حلول کا مظہر جانتا (ث ۳۴۳)۔ گائے کا گوشت حرام (ص ۳۴۲) اور خنزیر کا گوشت مباح قرار دیا (ص ۳۴۳)۔ سود، شراب اور جوا حلال سمجھا گیا (ص ۳۴۰) اور شراب فروشوں کی نسل سے ایک عورت کے زیر اہتمام ایک سرکاری شراب خانہ کھولا گیا (ص ۳۴۲)۔ ڈاڑھی کی درگت بنائی گئی (ص ۳۴۲) اور درباریوں نے بڑے اہتمام سے ڈاڑھیاں منڈوائیں (ص ۳۸۲)۔ جوان عورتوں کو منہ کھول کر چلنے کا حکم دیا گیا اور بدکاری کے اڈے قائم کئے گئے (ص ۳۴۱)۔ ختنہ کرانے کی عمر بارہ سال کے بعد رکھی گئی (ص ۳۸۰)۔ مردے کو پانی میں ڈالنے یا جلانے یا درخت سے باندھ دینے کا حکم جاری کیا گیا (ص ۳۸۸)۔ نیز قبلہ کی طرف مردے کے پاؤں کرنے کا حکم دیا گیا اور بادشاہ بھی قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سوتا تھا (۳۷۰)۔ خود کو سجدہ کراتا تھا (ص ۳۲۰)۔ اسلام کی ضد پر خنزیر اور کتے کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ کیا گیا اور شاہی محل کے نیچے یہ دونوں جانور زیارت کے لئے رکھے گئے کہ ان کا دیکھنا بھی عبادت سمجھا گیا (ص ۳۴۳)۔ تناسخ پر یقین کیا گیا۔ (ص ۳۴۰)۔ عربی پڑھنا عیب سمجھا گیا (ص ۳۴۴)۔ ابوالفضل کے سامنے اگر ائمۂ مجتہدین کا قول پیش کیا جاتا تو وہ کہتا تم فلاں حلوائی، فلاں کفش دوز اور فلاں چرم ساز کا قول پیش کر سکتے ہو (ص ۲۹۲)۔ صحابہ کرام رضی عنہم اور فدک یا صفین کے قضیئے کے متعلق بات ہوتی تو ایسے سخت الفاظ کہتے کہ بقول بدایونی ''گوش از استماع آں ذکر باد'' (ص ۳۴۵)۔ قرآن کو مخلوق، وحی کو محال اور معراج و شق القمر کو غلط کہا گیا (ص ۳۴۹)۔ احمد، محمد، مصطفیٰ جیسے نام تبدیل کئے جانے لگے (ص ۳۴۸)۔ ہندو مزاج مسلمان اب حضور انور ﷺ کی نبوت کے منکر ہو گئے اور عیسائی ملعونوں نے دجال کی صفت کو ہمارے آقا ﷺ کی ذات گرامی پر ڈھالنا شروع کیا لیکن

Marfat.com

اکبر کی پیشانی پر بل بھی نہیں پڑا (ص ۳۲۱)۔ شاید تاریخ مسلمانان عالم کا یہ بہت بڑا سانحہ ہے۔ پھر ابوالفضل کا ایک بھائی جو اس کا شاگرد تھا' عبادات اسلامی کے خلاف لکھنے پر بہت مقبول اور ممتع ہوا (ص ۳۴۴)۔ بعض شاعروں کی طرح فیضی بھی کتوں کی زبان اپنے منہ میں لیتا اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا (ص ۳۴۳)۔ غرور و تکبر اس کے مزاج میں اتنا تھا کہ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین (رضی اللہ عنہم) پر طعن اور دین کی توہین کرتا۔ عین مستی اور جنابت کی حالت میں تفسیر ''سواطع الالہام'' لکھتا تھا (ص ۵۱۵)۔ چنانچہ نزع کے وقت وہ کتے کی طرح بھونکتا تھا (ص ۵۱۵)۔ ان خباثتوں کی وجہ سے ۵۔۶ سال میں اسلام کا نام و نشان باقی نہ رہا تھا (ص ۳۱۹)۔ اور ساری مسجدوں میں ہندوؤں کے فراش خانے اور چوکی خانے ہو گئے (ص ۳۵۳)۔

ایسے حالات جیسا کہ ہم اوپر بحث کر چکے ہیں' جہانگیر کے زمانے میں بھی پائے جاتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے یہ طریقۂ اصلاح اختیار کیا کہ رفتہ رفتہ خان خاناں' صدر جہاں' خان اعظم' مہابت خاں' تربیت خاں' اسلام خاں' دریا خاں' سکندر خاں' مرتضیٰ خاں وغیرہ امراء کو اپنے حلقۂ عقیدت و ارادت میں داخل کر کے بادشاہ کی توجہ دین کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی۔ بالآخر جہانگیر نہ صرف معتقد ہوا بلکہ اپنے بیٹے خرم (شاہ جہاں) کو حضرت علیہ الرحمہ کے سلسلے میں وابستہ کرایا۔ سجدۂ تعظیمی موقوف ہوا' گائے کا ذبیحہ پھر شروع ہوا' جو مسجدیں گرادی گئی تھیں دوبارہ تعمیر ہوئیں اور جس قدر خلاف شرع قوانین رائج ہو گئے تھے وہ سب منسوخ ہوئے' فن مصوری جو عہد جہانگیری میں بام عروج پر پہنچی ہوئی تھی وہ فن تعمیر اور فن خطاطی کی طرف منتقل ہوا اور ''شجرۃ طیبہ'' کی ''اصل ثابت'' کی وجہ سے شاہ جہاں کے علاوہ اورنگزیب بھی حضرت علیہ الرحمہ کے خاندان [۵۳] کا تربیت یافتہ ہوا اور اس کے عہد میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب ''فتاویٰ عالمگیری'' مرتب ہوئی۔ دربار میں علماء اور فضلاء کو جگہ ملی اور حضرت علیہ الرحمہ کے شاگردان سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی' حضرت مظہر جان جاناں' شاہ غلام علی' قاضی ثناء اللہ پانی پتی' مولانا خالد رومی' صاحب فتاوی شامی' عبدالغنی مجددی (جن کے شاگرد مولانا رشید گنگوہی' مولانا محمد ناتوتوی' محمد مظہر سہارنپوری) اور بانیان مدرسہ ہائے دیوبند و بریلی (علیہم الرحمہ والغفران) وغیرہ پیدا ہوئے۔ پھر ان کے اسباط و اخلاف نے وہ خدمات انجام دیں کہ آج بھی کسی مسلمان حکمراں طبقے کی یہ مجال نہیں کہ وہ عہد اکبری کے فتنوں کو دوبارہ رائج کر سکے۔ ہندوستان اور پاکستان کی دینی حالت سے متعلق اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود جتنے مسائل ۱۰۰۱ھ سے آج تک کھڑے ہوئے ہیں اور آئندہ بھی دوسرے ہزارہ کے اختتام تک (اگر دنیا قائم رہی) کھڑے ہوں گے۔ ان سب کا حل صراحۃً یا کنایۃً مکتوبات شریف میں موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

اکبر ۹۹۴ھ سے ۱۰۰۷ھ تک لاہور میں رہا۔ اس سے پہلے وہ آگرہ میں تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ (۹۷۱ھ/۱۰۳۴ھ) قریب ۲۰۔۲۲ سال کی عمر میں آگرہ تشریف لے گئے تھے' وہیں فیضی اپنی بے نقط تفسیر ''سواطع الالہام'' کی تیاری میں مصروف تھا۔ اس کے لئے حضرت علیہ الرحمۃ نے برجستہ ایک بے نقط عبارت [۵۴] مرحمت فرمائی۔ وہ تفسیر نظر ثانی کے بعد (بدایونی ص ۳۸۹) ۱۰۰۴ھ میں مکمل ہوئی۔ ابوالفضل و فیضی بلکہ ان کے باپ ملا مبارک کی وجہ سے 'دین' اور پھر 'نبوت' پر اعتراضات ۹۸۷ھ سے (بدایونی ۳۲۵) شروع ہو چکے تھے اور ''بے دین مصنفین'' نے اپنی تصانیف سے نعت خارج کر دی تھی۔ ''انہیں ایام میں ابوالفضل نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ

Marfat.com

کی موجودگی میں حضرت امام غزالی کو "نامعقول" [55] کہا تھا اور آپ بے تاب ہو گئے تھے۔ علمائے حق کا انخلاء یا قتل ۹۹۰ھ سے شروع ہو گیا تھا۔ (بدایونی، ص ۳۳۹۔۳۴۱ و ۳۶۱)۔ انہی "فقہائے امت" کا ذکر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے رسالہ [56] "اثبات النبوۃ" کے ابتدائی ۲۔۳ صفحات میں آتا ہے اور ابوالفضل سے نبوت کے سلسلے میں بحث کی وجہ سے اس کا ذکر بار بار اس رسالے میں ہے۔ آیئے اس رسالے کے ابتدائی صفحات کا مطالعہ کر لیں۔

(یہاں فاضل مضمون نگار نے "اثبات النبوۃ" کے صفحات معہ ترجمہ درج فرمائے ہیں، یہ رسالہ چونکہ [57] اب چھپ چکا ہے اس لئے یہاں ان کو حذف کیا جاتا ہے۔)

اس رسالے میں ایک مقدمہ ہے جس میں ایک بحث نبوت کے معنی کی تحقیق میں ہے اور دوسری بحث معجزہ پر ہے۔ پہلا مقالہ شروع ہوتا ہے جس میں بعثت اور نبوت کی حقیقت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ پھر خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت کے اثبات پر بحث کی گئی ہے۔ اس طرح کم وبیش چار جزو پورے ہو جاتے ہیں۔

پھر دوسرا مقالہ فلاسفہ کی مذمت میں ہے لیکن کندیاں شریف، دہلی، ٹنڈو سائیں داد کے نسخوں میں جو دستیاب ہو سکے ہیں، یہ مقالہ ان میں موجود نہیں اور امام غزالی کے انداز رسالہ علم کلام سے متعلق یہ کہ انداز قدیم ہے، ہونا بھی چاہئے کیونکہ قریب قریب چار سو سال پہلے کے اصول کلام ہیں۔ تاہم فن کے لحاظ سے یہ رسالہ بہت بیش قیمت ہے اور جگہ جگہ ابوالفضل سے بحث کا ذکر ہے اس لئے اس کی تاریخی اہمیت بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔

حواشی

۱۔ بحمد للہ یہ رسالہ اب شائع ہو گیا ہے اور رسالہ "بینات" (اپریل ۶۴ء) میں اس کا تعارف بھی کر دیا گیا ہے۔

۲۔ فاضل مصنف نے شیخ سلیم چشتیؒ کے متعلق شیخ عبدالحق محدث علیہ الرحمہ کا قول نقل کیا ہے کہ "بعضے عادات مخالف شریعت کہ متعارف عوام باشد نیز رواداد۔" (صفحہ ۶۸)

۳۔ گو کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے خود ہی ایسے علماء کے خلاف لکھا تھا لیکن فاضل مصنف نے ان پر اعتماد نہ کرتے ہوئے ان پر ایک چوٹ بھی کر دی ہے کہ "اگر مخدوم الملک کی مسند پر حضرت مجددؒ جلوہ فرما ہوتے تو اس معاملے میں وہ بھی مخدوم کے نقش قدم پر چلتے اور عہد اکبری کی کشمکش پھر بھی رونما ہوتی (ص ۹۴)"...... مخدوم الملک کے کردار سے حضرت مجددؒ کے کردار کو کوئی مناسبت نہیں۔ ایک سراپا دنیوی جاہ کا طالب دوسرا حریص "علیکم بالمؤمنین رؤف الرحیم" کے نقش قدم پر چلنے والا تھا۔

۴۔ اکبر ۹۹۴ھ سے ۱۰۰۷ھ تک لاہور میں رہا۔ عبداللہ ازبک کے احتساب کے جواب میں اکبر نے یہ خط ۹۹۴ھ میں لکھوایا تھا۔ کیا ایسا خط سیاسی مصلحت کی خاطر نہیں تھا جبکہ شمس العلماء پروفیسر عبدالغنی نے عہد اکبری کے فارسی ادب کی تاریخ میں ابوالفضل کے "اکبر نامہ" کو Tout de force کہا ہے۔

۵۔ طبقات اکبری از نظام الدین۔ مطبوعہ لکھنؤ سنہ صفحہ ۳۴۴۔ نظام الدین نے جگہ جگہ اکبر کو خلیفہ الٰہی لکھا ہے۔

۶۔ محترم نے صفحہ (۱۱۷) ملا شعری کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

بادشہ امسال دعوائے نبوت کردہ است
گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

لیکن محترم وہ بات نہیں مانتے جو بدایونی کے انداز کی ہے۔ اسی لئے شیخ محدثؒ نے جو اکبر کو نبوت کا مدعی سمجھا ہے تو محترم نے (صفحہ ۱۳۰) ان کی بات کو جھٹلا دیا ہے شاید اس لئے کہ وہ بھی بدایونی کے ہم خیال ہو گئے ہیں۔

۷۔ محترم نے (صفحہ ۱۵۴۔۱۵۵) مولانا شبلی کی رائے بھی نقل کی ہے کہ فیضی اپنی تفسیر میں مسلمات عام کی شاہراہ سے نہیں ہٹا لیکن بدایونی نے اس بات کا کب انکار کیا ہے؟ حضرت مجددؒ نے اس تفسیر میں ایک عبارت کی امداد فرمائی اور ان کے استاد شیخ یعقوب کشمیری نے اس پر تقریظ لکھی۔ مولانا جمال نے اصلاح فرمائی تو اس کی وجہ سے پھر بھی یہ بات نہیں بنتی کہ فیضی نے مستی و جنابت کی حالت میں تفسیر نہیں لکھی تھی اور یہ کہ اہل عرب پر اپنی قابلیت کا سکہ بٹھانے کے لئے نہیں تھی۔ آزاد نے جو لکھا ہے کہ فیضی کو ڈرکس کا تھا تو وہ بھی غلط ہے۔ ڈر ہی تو تھا کہ عمل کچھ اور زبانی جمع خرچ کچھ اور تھا۔ علاوہ ازیں ابوالفضل نے بھی عبداللہ ازبک اکبر کی صفائی میں اسی لئے خط لکھا تھا۔

۸۔ بدایونی (طبع لکھنؤ ۱۸۸۹ء) ص ۳۹۴

۹۔ ایضاً، ص ۵۱۵

۱۰۔ صفحہ ۳۹۴ میں اور بھی تاریخیں ہیں۔

۱۱۔ ایضاً، صفحہ ۵۱۵

۱۲۔ فاضل محترم نے صفحہ ۱۳۵ میں یہ مصرعہ اس طرح لکھا ہے ''تیغ اعجاز ہی اللہ سر باغی برید'' لیکن تذکرہ سرخوش (لاہور ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۲۸) میں متن کے مطابق درج ہے۔

۱۳۔ بدایونی صفحہ ۳۲۵۔ بدایونی نے (صفحہ ۳۷۵) لکھا ہے کہ مجھے رامائن کا ترجمہ کرنے کو کہا گیا۔ میں نے ایک سو بیس جز ولکھ لئے تو بادشاہ نے دیباچہ لکھنے کو کہا، لیکن چونکہ وہ دیباچہ بغیر نعت کے لکھنا پڑتا ہے اس لئے میں نے یہ کام بھی ٹال دیا۔

۱۴۔ رباعی کے پہلے شعر میں قافیہ اور فن کی خامی بھی ہے۔

۱۵۔ دیوان فیضی کے آخر میں توحید سے متعلق ایک قصیدہ ملتا ہے جس کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

از تو کتابے نما ست علم نبوت درست
فاتحۂ آں صفی، خاتمہ ارش مصطفیٰ
جنبش پر کار صنع شدز ازل تا ابد
زیں دو فراہم رسیدہ دائرہ انبیاء
خرمن اصحاب شید چوں نشود سوختہ
برق زناں ذوالفقار در کمر مرتضیٰ

۱۶۔ ابھی کچھ دن ہوئے محترم نے زبانی فرمایا تھا کہ اکبر حضرت خواجہؒ سے بیعت بھی ہو گیا تھا۔ اس لئے خواجہ صاحبؒ نے لکھا تھا کہ اب بادشاہ کی طرف سے دل میں اندیشہ نہ لائیں، لیکن بیعت کے لئے کوئی مستند شہادت نہیں ملتی ہے اور مذکورۂ بالا عبارت کا یہ مطلب بھی نہیں۔

۱۷۔ زبدۃ المقامات از محمد ہاشم کشمی مطبوعہ لکھنؤ (۱۸۹۰ء) صفحہ ۳۴۷۔ حضرات القدس از خواجہ بدرالدین۔ ترجمہ دفتر دوم۔ لاہور ۱۳۴۰ھ صفحہ ۳۰۴۔ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ۔ از مولانا محمد حسن۔ لاہور صفحہ ۲۳۲ بعد۔ عجب بات ہے کہ فاضل محترم نے بدیع الدین کی خامی کو طشت ازبام کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اکبر نے جو ہندو بیویوں کی وجہ سے پورا ماحول کافرانہ اور مشرکانہ بنا دیا تھا، اس کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ تو روحانی نظام قائم کر رہا تھا۔ دیکھیں ان کی کتاب صفحہ ۱۲۰

۱۸۔ محترم نے صفحہ ۲۲۵ کے حاشیے میں سید احمد افغانی کی قید کا ذکر بھی کیا ہے وہ بھی وحدت الوجود کے خلاف تھے اور ان

Marfat.com

کے بھی بہت سے مرید تھے لیکن ان کے متعلق یہ نہیں لکھا کہ چند روز کی قید کے بعد انہیں بھی جانے یا رہنے کا اختیار دیا گیا تھا اور یہ بھی نہیں لکھا کہ انہیں بھی رہائی پر خلعت اور ہزار روپیہ دیا گیا تھا۔ محترم نے صفحہ ۳۵۵ میں ''مخزن افغانی'' کا ایک قول نقل کیا ہے ''درروز ملاقات سجدۂ تکریم وتحریم کہ در سلسلۂ چشتیہ متعارف است نیامد'' صفحہ ۶۸ میں شیخ سلیم چشتیؒ کے متعلق بھی ایک قول آ چکا ہے کہ وہ خلاف شریعت اداب بھی رکھتے تھے۔ بہر حال سید احمد افغانی تین سال تک گوالیار میں قید رہے اور ۱۰۱۹ھ میں خان جہاں کی سفارش سے رہا ہوئے۔ یہ بزرگ مجذوب بھی تھے جیسا کہ فاضل محترم نے (صفحہ ۳۵۷) لکھا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ جذب سے بادشاہ کو سجدہ نہ کرنے پر قید میں جانا پڑا ہوگا۔

۱۹۔ سفینۃ الاولیاء۔ مطبوعہ کانپور ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۹۴

۲۰۔ فاضل محترم (صفحہ ۱۴۰) لکھ چکے ہیں کہ شیخ فرید اور دوسرے مسلمان امراء نے جہانگیر کو تخت نشین کرانے میں کوشش بھی کی تھی اور یہ وعدہ بھی لیا کہ وہ قوانین اسلام کا احترام کرے گا لیکن یہ وعدہ وعدہ ہی تھا اسی لئے شیخ فرید کو وہ مکتوبات بار بار لکھے گئے اور لکھنے کا حق بھی تھا کہ حضرات خواجہ باقی باللہؒ کے بعد ان کی وصیت کے مطابق وہ لوگ حضرت مجددؒ کے زیر تربیت تھے۔

۲۱۔ مکتوب نمبر ۴۷ (دفتر اول) جہانگیر کی تخت نشینی پر لکھا گیا' پھر متعدد مکتوبات شیخ فرید اور دوسرے اعیان حکومت کو لکھے گئے۔ پھر بھی جہانگیر حضرت مجددؒ کے کارناموں سے ناواقف تھا۔ یعنی ان امراء کی ہمت نہ تھی کہ دربار میں اسلام کی ترویج کراسکیں۔ اسی لئے بار بار مکتوبات بھیجنے کی ضرورت تھی۔

۲۲۔ یہ وہی عبداللہ ازبک تورانی تھا جس کی فرمائش پر حضرت مجددؒ نے ایک رسالہ خلفائے اربعہؓ اور حضرت عائشہؓ کے فضائل پر لکھا تھا۔

۲۳۔ نظامی۔ صفحہ ۳۷۸ (حیات شیخ عبدالحقؒ)

۲۴۔ پروفیسر نظامی نے (صفحہ ۳۴۵ بعد) فیضی کے وہ خطوط دیئے ہیں جو اس نے شیخ محدثؒ کو لکھے ہیں۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ یہ مکتوب غالباً دفتر سوم میں مکتوب نمبر ۸۷ ہے۔

۲۷۔ زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۲۰۔ ترجمہ) میں ہے کہ شیخ محدثؒ کے صاحبزادے نورالحق نے اجمیر شریف میں (۱۰۳۳ھ) حضرت مجددؒ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کا راز دریافت کیا تھا۔ دفتر سوم میں مکتوب نمبر ۱۰۰ میں نورالحق کو اسی بات کا جواب لکھا ہے۔

۲۸۔ ان فتووں کا ذکر غلام معین الدین عبداللہ کی ''معارج الولایت'' میں ہوگا۔ دیکھیں حیات شیخ عبدالحق از پروفیسر نظامی' دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۳،۲

۲۹۔ مجدد کہلائے جانے کے متعلق ''زبدۃ المقامات'' کی فصل پنجم ملاحظہ ہو۔

۳۰۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی نے ''نزہۃ الخواطر'' جلد پنجم میں لکھا ہے۔ ومن خالقه الشيخ عبدالحق بن سيف الدين الدهلوى فانه الف رسالة فى تعقبه داورد ايرادات شتى على مقالاته فرّد عليه الشيخ عبدالعزيز بن ولى الله العمرى الادهلوى. والشيخ غلام على العلوى الدهلوى وخلق كثير من العلماء والمشائخ و قيل ان الشيخ نورالحق بن عبدالحق الدهلوى ايضا خالف اباه فى ذالك بل استفاد الطريقة عن الشيخ محمد معصوم والشيخ محمد سعيد ابنى الشيخ احمد والمشهورات الشيخ عبدالحق رجع فى آخر عمره من الازكار عليه و كتب فى رسالة له الى الشيخ حسام الدين ابن

Marfat.com

نظام الدین البدخشی الدھلوی الخ۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ شیخ محدثؒ نے حضرت مجددؒ کے نام کے ساتھ ''سلمہ اللہ تعالیٰ'' لکھا ہے تو اُردو والوں کی طرح یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عمر میں چھوٹے ہونے کی وجہ سے ایسا لکھا ہوگا۔

۳۱۔ فاضلِ محترم کے اس اعتراض کو بھی یہاں یاد رکھنا چاہیے کہ ''مریدانِ شاہی بالخصوص درشنیوں کا تھوڑا بہت سلسلہ اکبر کے بعد بھی جاری رہا اور یہ فی الحقیقت جلالی ملوکیت کا ایک کرشمہ تھا۔'' صفحہ ۱۳۲)

۳۲۔ مدارج النبوۃ۔ طبع لکھنؤ ۱۲۹۴ھ صفحہ ۴۲۶۔

۳۳۔ نظامی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۷۵۔ یہاں یہ امر یاد رکھیں کہ حضرت شیخ کی مذکورہ بالا عبارت میں شرح ''سفر السعادۃ'' کا ذکر ''شرح مشکوٰۃ'' کے بعد آتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد اس (شرح سفر السعادۃ) کی تکمیل ہوئی۔ لیکن ''شرح سفر السعادۃ'' ایک مرتبہ ۱۰۱۶ھ میں بھی مرتب کی گئی جس کا ذکر اس کے مطبوعہ نسخے (کلکتہ ۱۲۵۲ھ) کے آخر میں ہے۔ تم تسوید ھذا الکتاب بین الصلاتین من یوم الاثنین الرابع والعشرین من شھر جمادی الاولیٰ سنہ ست عشر والف والحمدللہ۔

۳۴۔ مدارج النبوۃ (ترجمہ) مطبوعہ لکھنو سنہ نامعلوم جلد دوم صفحہ ۱۰۷۷۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۹۰ میں بھی اسی طرح ہے۔ ''پہلی قسم تعلق معنوی کی آنحضرت ﷺ کی صورت شریف کا تصور کرنا اور ذہن میں حاضر کرنا ہے یا اُس چیز کا تصور جو آپؐ کے ساتھ تعلق رکھتی ہو۔ مداومت و ملازمت اور ہیبت وجلال وعزت وکمال سے ہے۔ پس تو لازم کرلے کہ اسی میں سعادتِ کبریٰ اور مکافتِ زُلفی ہے۔'' یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت مجددؒ نے دفتر سوم مکتوبات نمبر ۷۶ و ۱۳۳ میں حقیقتِ محمدیؐ پر جو بحث کی ہے قریب قریب وہی بحث آسان لفظوں میں ''مدارج النبوۃ'' کے صفحات ۱۰۸۰، ۱۰۹۱ میں بھی نظر آتی ہے۔

۳۵۔ یہاں کچھ عبارت اصل مسودہ میں رہ گئی ہے۔ چونکہ فاضل مضمون نگار یہاں مقیم نہیں اس لیے فوری طور پر کی پوری نہ کی جاسکی۔ (مدیر رسالہ)

۳۶۔ آغازِ کتاب میں معین الدین نے یہی ۸۹۱ھ دیا ہے۔ اس کی تکمیل میں بھی ۲۔۳ سال سے کسی طرح کم مدت نہ لگی ہوگی۔

۳۷۔ پروفیسر نظامی نے (صفحہ ۱۳۹) میں لکھا ہے کہ ''خواجہ باقی باللہ سے ایک مرتبہ رسالہ فقر محمدی کے مصنف اور مضمون کے متعلق دریافت کیا گیا۔ شیخ محدثؒ نے ان کے استفسار کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہندوستان کے حالات پر ایک بصیرت افروز تبصرہ تھا جس میں اس کتاب کی آڑ لے کر حالاتِ گردوپیش پر نہایت بالغ نظری کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ پردے پردے میں انہوں نے عہد اکبری کے سب فتنوں کی طرف اشارہ کردیا ہے۔''

۳۸۔ یہاں بھی کچھ عبارت اصل مسودہ ہی میں رہ گئی ہے۔

۳۹۔ اسی مکتوب میں حضرت مجددؒ نے بعض فقہاء کے اس فیصلے سے اختلاف کیا ہے کہ سجدۂ تعظیمی جائز ہے۔ فاضل محترم نے صفحہ ۸۷ میں لکھا ہے کہ تاج الدین نے بادشاہ کے لیے سجدہ تجویز کیا تھا۔ پھر صفحہ ۱۴۷ میں لکھا ہے کہ قاضی خاں نے بادشاہ کے لیے سجدہ کرنے کا فتویٰ جاری کیا تھا اور صفحہ ۳۵۵ میں لکھا ہے کہ چشتیہ حضرات سجدۂ تعظیمی ادا کرنے کے عادی تھے۔

۴۰۔ اس سے پہلے بھی ایک مسلمان بادشاہ کے زمانے میں شعائر اسلام ختم ہوچکے تھے اور خنزیر کا گوشت فروخت ہوتا تھا (صفحہ ۲۷) یعنی اس وقت بھی مصلحت کا فلسفہ زیرِ غور تھا۔

- ایک صاحب نے معاشی مصلحت کی بناء پر فاضل محترم کی حمایت میں یہی کانگڑہ کے بت کی تذلیل کا معاملہ رسالہ الرحیم

Marfat.com

(حیدرآباد۔ جنوری ۱۹۶۴ء) میں اُچھالا ہے۔

۴۲۔ محترم نے جوش میں آکر اسی کے آگے یہ بھی فرما دیا ہے کہ سکھوں نے سرہند کی اینٹ سے اینٹ بجادی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ مرہٹوں نے سکندرہ کے مزار کی رور اینٹ سے اینٹ بجادی۔

۴۳۔ محترم نے صفحہ ۲۷۲ میں بھی لکھا ہے کہ شیخ فرید نے حضرت مجدد کے مکتوبات کا اثر نہیں لیا۔

۴۴۔ فاضل محترم نے (صفحہ ۱۹۸) شاید خوش ہو کر حضرت مجددؒ کے متعلق حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خط کا وہ حصہ بھی دیدیا ہے جس میں انہوںؒ نے کسی سے سفارش کی ہے کہ حضرت مجددؒ کے اعزا کو زکوٰۃ کا پیسہ دیدیا جائے۔ محترم نے ''زبدۃ المقامات'' کا خوب مطالعہ کیا ہے۔ اسی میں لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ سات بھائی تھے۔ وہ کثیر العیال اعزا تھے۔ حضرت خواجہ کے رقعہ نمبر ۳۸ سے بھی اس زمانے کی عام معاشی پریشانیوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔

۴۵۔ محترم کی کتاب کے صفحات ۳۱۸۔۳۲۰ شاہد ہیں کہ وہ مجددیت کے خلاف ہیں۔

۴۶۔ حیات جاوید صفحہ ۲۲۲، ۲۲۳۔ دہلی ۱۹۳۹ء۔ فاضل محترم نے صفحہ ۱۷۱ کے حاشیے میں ایک اور نیش زنی کی ہے کہ ''چونکہ حضرت مجددؒ نے ہندو جوگیوں کے خلاف کہا ہے کہ وہ حضور انور ﷺ کی اتباع سے محروم ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ حضرت مجددؒ ہندو یوگیوں کے جذب واثر سے واقف ہوگئے تھے'' کتنا پہلودار جملہ ہے!

۴۷۔ مکتوب نمبر ۱۳۰ دفتر اول۔ نمبر ۴ دفتر دوم، نمبر ۸۷ دفتر سوم بھی مجددیت کے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔

۴۸۔ فاضل محترم نے وحدت شہود پر بھی اعتراض کیا ہے۔ خود حضرت مجددؒ نے مکتوب نمبر ۳۱ (دفتر اول) میں اپنی رباعی کا ذکر کیا ہے (جس پر فاضل نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ نے فقط ''سرزنش'' کی جو عالم سکر میں لکھی تھی۔ بعد میں یہ کیفیت زائل ہوگئی اور شہود کی طرف رجحان ہوا۔ دراصل محترم کے فائدے کے لئے وہ رباعی تھی جو وحدت الوجود سے متعلق تھی۔

۴۹۔ مولانا عبدالحیٔ نے ''نزہۃ الخواطر'' (جلد پنجم) میں شاہ عبدالعزیز کے ایک مکتوب کا اقتباس دیا ہے، جو انہوں نے حافظ صدر الدین کو بھیجا تھا۔ ''ہرگاہ ایں معرفت (توحید وجودی) پختہ شد رفتہ رفتہ درفہم کلمات عارفاں طریقۂ مردم کج فہم راہ الحاد پیمود وایں معرفت غامضہ را وسیلہ ابطال شرائع وتکلیفات نمودند و مذہب شیخ محب اللہ الہ آبادی کہ ظاہرش درو ادی الحادی زند شیوع تمام رواج مالا کلام یافت، عنایت خداوندی حضرت شیخ سرہندی رابروے کار آورد وعلوم غریب برایشاں القاء فرمود من قبیل تعدیل الحاد بالبارد والرطب بالیابس تاہیئت اعتدالیہ در اذہان مردم جا گیرو باطل ممزوج بحق ارتفاع وامضا پذیرد وہمین است مصداق معنی مجددیت۔''

۵۰۔ مکتوبات۔ دفتر سوم۔ مکتوب ۹۷ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ شاید بات صاف ہوجائے۔

۵۱۔ تاریخ بدایونی۔ مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۸۹ء۔

۵۲۔ فاضل محترم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ جہانگیر نے ''مذہبی'' خیالات کی وجہ سے (صفحہ ۲۳۶) ابوالفضل کو قتل کرایا تھا لیکن ''توزک'' میں ہے کہ وہ ''لگائی بجھائی کیا کرتا تھا۔''

۵۳۔ حضرت مجددؒ کے پوتے حضرت محمد نقشبند ثانی علیہ الرحمۃ کے مکتوب دو حصوں میں راقم الحروف نے شائع کر دیئے ہیں، ان میں متعدد مکتوبات اورنگزیب کے نام ہیں

۵۴۔ زبدۃ المقامات از مولانا ہاشم کشمی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۷ھ صفحہ ۱۲۳

۵۵۔ ایضاً صفحہ ۱۳۱۔۱۳۲

۵۶۔ ہوسکتا ہے کہ جس طرح حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مکتوبات شریف کے مختلف دفتروں کے نام تاریخی تھے اسی طرح ''اثبات النبوۃ'' (۹۹۸ھ) کا نام بھی تاریخی ہو۔

۵۷۔ اعلیٰ کتب خانہ، ناظم آباد، کراچی۔

☆......☆......☆

محمد احسان عباسی گورکھپوری

مخالفین اور معترضین

ہر بڑے کام کے ساتھ کچھ مخالفین بھی ہوتے ہیں۔ کام جتنا ہی مہتم بالشان ہوگا اتنی ہی مخالفین کی کثرت ہو گی۔ ابتدا سے اکثر نبیوں اور مصلحون کے مخالف ہوتے آئے ہیں۔ انبیاء اور صلحا کے حالات کی کتابوں میں مخالفوں کے ذکر بھی ہیں۔ شروع شروع حضرت مجددؒ کے مخالف بھی تھے لیکن بالآخر علماء، صلحا، مشائخ اور ارباب سیاسیات نے ان کے کمالات تسلیم کئے۔ اختلاف کرنے کے بعد لوگوں کا آپ سے اتفاق کرنا آپ کے درجہ کمال کی خبر دیتا ہے۔ ہرقل شاہ روم آنحضرت محمد ﷺ کا جن وجوہ سے بے دیکھے ہوئے معتقد ہوا تھا ان میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اہل مکہ آپ کے موافق بھی تھے اور مخالف بھی تھے۔[1]

جو اعتراضات مخالفین نے حضرت مجددؒ پر کئے تھے وہ زائد تر غلط اطلاعوں پر مبنی تھے اور بعض اعتراض کم فہمی یا علوم باطن کی ناواقفیت پر بھی مبنی تھا۔ ان اعتراضوں کے جواب میں بہت سے رسالے ہیں۔ دفع انکار منکران میں ایک رسالہ آپ کے فرزند شیخ محمد یحیٰی کا ہے۔ آپ کے نبیرہ شیخ محمد فرخ کا بھی ایک رسالہ ''کشف الغطاعن وجود الخطا'' ہے۔ مولانا محمد بیگ نے ایک رسالہ مکہ شریف میں لکھ کر ہر چہار مذاہب کے مفتیوں کی مہر سے مجل کرایا اور نام اس کا ''عطیۃ الوہاب الفاصل بین الخطاء والصواب'' رکھا۔ مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی نے بھی جو ہندوستان کے ایک بڑے زبردست عالم تھے، معترضوں کے جواب مجملاً لکھے تھے۔ ایک فقرہ ان کی تحریر کا یہ ہے ''ردکلام مشیخت پناہ عرفان دستگاہ شیخ احمد از جہل و نا فہمیدگی است۔'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی ایک مشہور عالم زمانہ مابعد نے بھی مجدد صاحب کی موافقت میں اظہار خیال کیا ہے۔ خود مجدد صاحب نے بھی مخالفین کے اعتراضات کے جواب مکتوبات میں لکھے، انہیں بالاستیعاب دیکھنا چاہئے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے چند تحریری اعتراضات کئے تھے لیکن پھر انہیں اپنے خیالات بدلنے

Marfat.com

پڑے۔ غالباً انہیں اعتراضات کے ساتھ شیخ صاحب نے اپنے پسر نور الحق کو حضرت مجدد کے پاس بھیجا تھا۔ مولوی صاحب کے واپس آنے کے بعد شیخ صاحب کو جب حالات معلوم ہوئے تو حضرت مجدد کی عظمت اپنے دل میں قائم کی۔ اس کتاب کے باب ۸ میں زیر سال ۲۱ اس کی تفصیل درج ہے لیکن مولانا شاہ عبدالحق ایسے مرجع خلائق کے قلم سے جو اعتراضات نقل ہو گئے ان کا واپس لینا شاہ صاحب کے اختیار کے باہر تھا۔ اس زمانہ کے بعض منکرین ومخالفین ان اعتراضوں کو پھر بھی بطور سند کے پیش کرتے رہے۔

اعتراضات وجوابات کا کچھ مختصر بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اعتراضات

۱۔ اپنے پیر خواجہ باقی باللہ کی نسبت آپ رعایت ادب بجا نہیں لاتے۔

۲۔ آپ نے خواہ غواث الثقلین کی نسبت لکھا ہے کہ ان کا نزول ناقص تھا۔

۳۔ آپ نے یہ لکھا ہے کہ میرے پیدا کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ابراہیمی اور محمدی کمال ایک جگہ جمع ہوں۔ یہ بڑی بات ہے۔

جوابات

۱۔ یہ بالکل خلاف واقع ہے ''مبداء و معاد'' اور ''مکتوبات'' اس الزام کے خلاف شاہد ہیں۔

۲۔ دفتر سیوم کا مکتوب ۱۲۳ دیکھئے۔ نزول کی نسبت حضرت مجدد کی رائے یہی ہے کہ غوث اعظم کا عروج اکثر اولیاء سے بلند تر تھا لیکن نزول مقام روح تک ہوا جو عالم اسباب سے اوپر ہے۔ اس میں نقص کہاں پیدا ہوا؟

فضلنا بعضکم علیٰ بعض

۳۔ اصل عبارت حضرت مجدد یہ ہے۔ ''انگارم مقصود آفرنیش من این است کہ ولایت محمدی بولایت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام منصبغ گردد وحسن ملاحت این ولایت مخروج شود۔'' اس عبارت پر وہ اعتراضات یقیناً وارد نہیں ہوتے' جو کیے گئے ہیں۔ یہ بھی متحقق ہے کہ جو معنی اس کے اخذ کئے گئے ہیں وہ چسپاں نہیں ہوتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عبارت عام فہم نہیں ہے۔ حضرت مجدد نے اپنے مریدوں کو جو مطلب اس کا سمجھایا وہ ان کے تسکین خاطر کا سبب ہوا۔

Marfat.com

۴۔آپ کہتے ہیں کہ میرے مایہ وجود کا خمیر رسول خداؐ کی طینت کے بقیہ سے ہے۔

۴۔اس کہنے میں کیا قباحت لازم آئی۔ پیغمبر ﷺ نے اپنے اہل بیت کی شان میں فرمایا تھا ''کہ یہ میری طینت سے پیدا کئے گئے ہیں۔'' ابن مسعودؓ سے خطیب نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کہ میری' ابوبکرؓ کی اور عمرؓ کی ایک طینت سے ہے۔'' شرح صحیح بخاری کتاب الجنائز میں ابن سیرین کا ایک قول منقول ہے کہ رسول ﷺ ' ابوبکرؓ اور عمرؓ ایک طینت سے پیدا ہوئے ہیں۔ عبداللہ بن جعفر کو رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم میری طینت سے پیدا ہوئے ہو۔ شیخ ابن عربی نے ''فتوحات'' میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کا وجود مبارک آنحضرت ﷺ کی طینت سے ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کھجور کی خلقت حضرت آدمؑ کی طینت سے ہے۔

۵۔آپ اپنے آپ کو مجدد الف ثانی کہتے ہیں۔

۵۔حضرت ابوہریرہ کی روایت سنن ابوداؤد میں ہے۔

''ان اللہ یبعث من ھذا الامہ علی راس کل مائتہ سنتہ من یجلھا امر دنھا''

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر امت کے لئے ہر سو برس کے بعد ایسا شخص بھیجے گا جو اس صدی کے دینی امور کی تجدید کرے۔

جلال الدین سیوطی نے سنن ابوداؤد کے حاشیہ پر ان دین کے مجددوں کا بیان کرتے ہوئے اپنے آپ کو بھی مجددوں میں شمار کیا ہے۔ اس معنی میں سلاطین میں عمر بن عبدالعزیزؒ علما میں امام شافعیؒ صوفیوں میں شیخ معروف کرخیؒ، اسرار علم بیان کرنے والوں میں امام غزالی اور محدثون میں شیخ جلال سیوطی اور افاضہ فیوض میں حضرت غوث الاعظمؒ مجدد کہے جائیں تو بجا ہے۔ اسی طرح گیارہویں صدی کا مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی کو کہنا کیا بیجا ہے؟

Marfat.com

۶۔ آپ نے متابعت رسول کے پانچ درجے قائم کر کے ان کے حصول کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ بعید معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ حضرت مجدد نے پانچ نہیں بلکہ سات درجے قائم کئے ہیں۔ ا۔ بجا آوری احکام شرعیہ ۲۔ تہذیب اخلاق ۳۔ اتباع احوال ذوق ۴۔ حصول اطمینان قلب ۵۔ اتباع کمالات سرور کائنات ۶۔ اتباع کمالات مقام محبوبیت ۷۔ متابعت آنحضرت بہ تعلق دعوت خلق۔ حضرت مجدد نے ان مدارج تک پہنچنے کا دعویٰ کیا تو اس میں جائے تعجب کیا ہے۔

۷۔ آپ کہتے ہیں کہ تمام کمالات محمدیہؐ میری ذات سے ہیں۔

۷۔ حضرت مجدد نے ایسا نہیں کہا یہ البتہ کہا کہ جو کچھ کمالات مجھے عنایت ہوئے آنحضرت کی متابعت اور طفیل میں عنایت ہوئے۔

۸۔ آپ کہتے ہیں کہ میں اپنا مقام انبیاء سے بالا دیکھتا ہوں۔

۸۔ یہ غلط ہے۔ دفتر سیوم کے مکتوبات ۱۲۲ میں ہے کہ اس امت کے اخص وخواص کتنے ہی ترقی کریں ان کا سر ادنیٰ پیغمبروں کے پاؤں تک نہیں پہنچتا۔

۹۔ آپ کہتے ہیں کہ میں قرب وصول میں ایسے مقام پر پہنچا جہاں رسول کا واسطہ یا دخل نہیں۔ اگر واسطہ تھا تو راہ مین تھا پہنچنے پر راستہ منقطع ہو گیا۔

۹۔ یہ غلط ہے۔ دفتر سیوم کے مکتوبات ۱۲۱ میں لکھا ہوا ہے ”کہ طریق جذبہ وغیرہ میں جو عدم توسط کا ذکر آیا ہے اس سے بعثت رسول سے ذرا بھی استغنا سمجھئے کہ یہ کفر اور انکار ہے۔ شریعت حقہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ”بندہ جب نماز پڑھتا ہے بندہ اور خدا کے درمیان کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔“ دفتر سیوم کے مکتوبات ۲۸ میں ہے کہ ”میں شریک دولت ہوں“ لیکن یہ شرکت ایسی ہے جیسی کہ خادم کو مخدوم کے ساتھ ہوتی ہے۔ دولت سے مراد فیض ہے۔

۱۰۔ آپ اپنے آپ کو خدا کا مرید کہتے ہیں اور یہ ترک ادب ہے۔

آیہ شریفہ ”یریدون وجھه“ صحابہ کرام کی شان میں آیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”وہ مرید ذات خدا ہیں۔“ رسول ﷺ سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے۔
”ان الذی یبا یعونک انما یتابعون اللّٰہ“ کا یہی مطلب ہے۔

Marfat.com

۱۱۔ آپ کہتے ہیں کہ میں نے تفصیلی تربیت پائی ہے۔ دوسرے کے فعل کو میرے حق میں دخل نہیں ہے۔

۱۱۔ کیا لفظ دوسرے سے ذات پاک رسول ﷺ مراد ہے؟ ہرگز نہیں۔ دفتر سیوم کا مکتوب ۱۲۱ دیکھئے۔ حضرت غوث الثقلین فرماتے ہیں:

''اذا بلغ المريد حالة شيخه افراد عن الشيخ و قطع عنه . فتولاه الحق سبحانه لهذا''

ایک کتاب ''اخبار الاخبار فی ذکر الابرار'' شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مشائخ گزشتہ کے حالات میں لکھی تھی۔ میں نے ایک مطبوعہ نسخہ اس کا دیکھا۔ اس کے آخر میں مولوی محمد قاسم بریلوی نے تاریخ انطباع کی جگہ آخر کتاب میں ایک شعر لکھا ہے جس سے سال انطباع ۱۲۷۰ھ معلوم ہوتا ہے۔ پرانا چھاپا ہے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس شہر میں یہ کتاب چھپی' البتہ مطبع احمدی مملوکہ احمد علی میں اس کا چھپنا ظاہر ہوتا ہے۔ اس کتاب میں شاہ عبدالحق دہلوی نے حضرت شیخ محی الدین عبدالقادرؒ سے شروع کر کے تین سو چالیس اولیاء کے حالات لکھے ہیں۔ سب سے آخر میں حضرت بی بی اولیاء کے حالات لکھے ہیں جو محمد تغلق شہنشاہ کے عہد میں تھیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ محمد تغلق کے زمانہ کے بعد جو اولیاء گزرے ہیں ان کے حالات اس میں نہیں ہیں۔ بعد حالات اولیا ''تکملا'' ہے جس میں شاہ صاحب نے اپنے خاندانی حالات لکھے ہیں۔ پھر ''خاتمہ'' ہے اور اس میں بھی حضرت مجددؒ کا ذکر نہیں ہے۔ سب سے آخر میں ایک تتمہ ہے جس میں حضرت مجددؒ کے حالات مع ان کے کمالات کے درج ہیں۔ یہ تتمہ شاہ صاحب کا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ کسی اور نے بڑھا دیا ہے۔ اس تتمہ کے آخر میں شاہ عبدالحق کے ایک خط کی نقل ہے جو خواجہ حسام الدین خلیفہ حضرتؒ خواجہ باقی باللہ کے پاس شاہ صاحب نے بھیجا تھا۔ اس خط کی عبارت بجنسہٖ یہ ہے:

''درین ایام صفای فقیر بخدمت میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ از حد متجاوز است' واصلا پردہ' بشریت وغشاوہ' جلبیت بمیان نماندہ ۔قطع نظر از رعایت طریقہ و انصاف وحکم عقل کہ با این چنین عزیزان ان و بزرگان' بدنباید بوُ در باطن بطریق ذوق وجدان وغلبہ' چیزے افتادہ کہ زبان از تقریر آن لال است' سبحان اللہ مقلب القلوب ومبدل الاحوال شاید ظاہر بینان استبعاد کنند' من نمیدانم کہ حال چیست وبچہ منوال است'' انتہی بلفظ۔

حضرت عبداللہ معروف بہ غلام علی دہلوی تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں ایک فقیر کامل تھے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے یہ شاگرد تھے۔ یہ اپنی کتاب ''سبع سیارہ'' میں لکھتے ہیں کہ ''شیخ عبدالحق نے جو اعتراضات مجدد صاحب پر کئے تھے' ان پر بطور تعلیقات شاہ عبدالعزیزؒ نے حاشیہ لکھا تھا۔ اس حاشیہ میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ احمد کے لکھنے کا منشاء یہ ہے کہ وصول فیض کسبی میں تو بہت سے واسطے ہیں لیکن فیض وہی کے وصول میں کوئی واسطہ نہیں ہے اور یہ ٹھیک ہے۔ جو واسطہ تھا سلوک کے وقت تھا۔ جب راہ ختم ہوئی اور قرب حاصل ہوا تو واسطہ کہاں رہا؟ حاشیہ کی کچھ

Marfat.com

عبارت بعینہٖ نقل کی جاتی ہے۔

''محمد است اگر تفصیل لازم می آید' تفصیل بعضے مراتب پیغمبر است پر بعضے مراتب او واین معنے ہیچ کدورتے نہ وارد چہ رسالت آنحضرت فوق نبوت آنحضرت است۔''

''من ہم مرید رسول اللہ ام باعتبار سابق یعنی در ابتدائے سلوک وسائط ثابت بود وہم ہمسر اوئیم بحکم حال یعنی در آخر توسط نماند این معنی نہ مراد شیخ است نہ از کلام او بر می آید۔''

''اگر فضل حقیقت کعبہ بر حقیقت محمدی لازم می آمد' در آن قباحتے نیست' زیرا کہ کعبہ الوہیت است وحقیقت محمد تعین عبودیت خدا از بندہ بالاتفاق افضل است۔''

حاشیہ

ا۔ دیکھو تاریخ اسلام مؤلف کتاب ہذا صفحہ ۱۵ طبع ثالث۔

Marfat.com

مجدد الف ثانی اور اقبال

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

اقبال اور مجدد الف ثانی

ہر انسان اپنی ہی آنکھ سے دیکھتا ہے' اپنے ہی فکر سے سوچتا ہے اور اپنی ہی عقل سے سمجھتا ہے۔ وہ دوسروں کے نتائج کو خود سوچے بغیر نہیں اپنا سکتا۔ اس لیے گو یہ صحیح ہے کہ ہر مفکر اپنے پیش روؤں کے فکر سے متاثر ہوتا ہے اور اپنے نتائج فکر سے بعد میں آنے والوں کے ذہن کو متاثر کرتا ہے۔ مگر یہ اثر پذیری یا تو مفکرین ماسبق کے نتائج فکر سے موافقت کی صورت اختیار کرتی ہے یا اختلاف کی یا دوسروں کے نتائج فکر کے پیش نظر کوئی نیا پہلو سامنے آتا ہے یا کسی اور کے ایک بیان کو اپنے نتیجہء فکر کی موافقت میں بطور دلیل کے استعمال کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ خود غور کیے بغیر دوسروں کا فکر نہ اپنایا جا سکتا ہے اور نہ اس سے استفادہ ممکن ہے۔

اب ہمیں اس بات پر غور کرنا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کا اثر علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ پر کیا ہوا۔ لیکن اثر کو متعین کرنے کا سوال جب پیدا ہوتا ہے جب کوئی مماثلت پہلے سے موجود ہو چنانچہ پہلی نظر میں چند باتیں دونوں کے افکار میں مشترک نظر آتی ہیں جن کی وجہ سے اس مسئلہ پر غور کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے فکر کا علامہ اقبال کے فلسفہ پر کب اثر پڑا؟ حضرت مجدد الف ثانی کا نام نامی شیخ احمد ہے۔ آپ سرہند میں ۹۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر پوری فرمائی۔ کم عمری ہی میں قرآن مجید حفظ کیا۔ حدیث و تفسیر اور معقولات کا مطالعہ کیا اور اس کے بعد گھر سے نکلے تاکہ اس زمانہ کے اکابر علما کے پاس جا کر علم حاصل کریں۔ تعلیم سے فارغ ہو کر آپ نے اپنے والد سے چشتی اور قادری طریقہ اخذ کیا اور حضرت خواجہ باقی باللہ سے طریقہء نقشبندیہ کے مطابق سیر و سلوک کی تکمیل کی۔ جب حضرت مجدد الف ثانی نے اصلاح کا کام شروع کیا اس وقت حالت یہ تھی۔ تصوف مسلمانوں کی روح میں جاگزیں ہو گیا تھا۔ توحید تنزیہی کے بجائے متصوفین کے زیر اثر توحید وجودی کا اعتقاد عام ہو گیا۔ تعلیمات اسلامی میں صرف فقہی نقطہء نگاہ باقی رہ گیا تھا اور علما فقہی موشگافیوں میں مصروف تھے اور دین الٰہی اکبر شاہی کے اثر سے لوگوں میں دین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جرأت بے جا پیدا ہو گئی تھی۔ ان حالات میں آپ نے عرصہء دراز تک سخت جانکاہی سے جدوجہد فرمائی ہے کہ ان حالات کی اصلاح کی جائے۔ آپ نے مریدین کو بہت بڑی تعداد میں تیار

کیا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں اور کتاب وسنت پر زور دیں۔ دربارِ شاہی کے بڑے بڑے امرا جو آپ کے حلقہء ارادت میں داخل تھے ان کے ذریعہ بادشاہ کے خیالات کو اسلام کی طرف پھیرنے کی سعی کریں۔ آپ کی جدوجہد نے نہ صرف یہ کہ ہندوستان کی حکومت کا رُخ اسلام کی طرف پھیر دیا بلکہ شریعت وطریقت میں جو بُعد پیدا ہو گیا تھا اسے دور کیا اور تصوف اور متصوفین کے نظریات میں انقلاب پیدا کر دیا۔ مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال کے افکار میں بظاہر جو مماثلت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کے دل میں ولولہ تھا کہ لوگوں کے خیالات کا رُخ اسلام کی طرف پھیرا جائے۔ دونوں کشف کو ذریعہء علم سمجھتے ہیں۔ دونوں وحدت الوجود کو غلط سمجھتے ہیں۔ دونوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی اسوۂ کامل اور معیار کمال کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن علامہ اقبال کے فکر وفلسفہ پر حضرت مجدد الف ثانی کا اثر کس حد تک ہے۔ یہ بات جب ہی واضح ہو سکتی ہے جب حضرت مجدد کے افکار سے وہ اقتباسات پیش کیے جائیں جن سے علامہ اقبال کے افکار میں مماثلت پائی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

> ”صوفیوں کی بیہودہ باتوں سے کیا حاصل ہوتا ہے اور ان کے احوال سے کیا فائدہ ہے۔ وجد و حال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تولیں ہم نیم جیتل کے بدلے نہیں خریدتے اور اُن کے کشفوں اور الہاموں کو جب تک کتاب وسنت کے معیار پر نہ پرکھ لیں، نیم جو کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔“

صوفیا کے طریق پر سلوک حاصل کرنے کا مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ کا حقیقت ایمانی میں زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور احکام فقیہ کا ادا کرنا آسان ہو جائے۔ اس کے سوا اور کوئی مقصود نہیں ہے۔ رویت کا وعدہ آخرت میں ہے، دنیا میں ہرگز واقع نہیں ہے۔ وہ مشاہدات اور تجلیات جس سے صوفیا خوش ہیں، وہ بجائے حقائق کے صرف اضلال سے آرام پانا اور شبیہ اور مثال سے تسلی حاصل کرنا ہے۔ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ اگر ان کے مشاہدات وتجلیات کی حقیقت پوری پوری بیان کر دی جائے تو یہ ڈر ہے کہ اس راہ کے مبتدیوں کی طلب میں فتور اور ان کے شوق میں قصور واقع ہو جائے گا اور ساتھ اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اگر باوجود علم کے کچھ نہ کہا جائے تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا۔

اس قسم کے متعدد بیانات حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں موجود ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی کے اُن اعتراضات کو جو آپ نے متصوفین کے مکشوفات پر کیے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے خطبات کے آخری خطبہ میں ان الفاظ میں سراہا ہے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی کے اس بے باک تجزیہ اور تنقید سے جو انہوں نے اس دور کے متصوفین کے مکشوفات کی نسبت فرمائی، ایک جدید طریقہ کی نشو ونما ہوئی۔

یہ الفاظ علامہ اقبال نے اپنے اس خطبہ میں فرماتے ہیں جس کا عنوان ہے ”کیا مذہب ممکن ہے؟“ اور ان ہی خطبات کے دیباچہ میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ ایمان یا اعتقادِ مذہبی کا انحصار کشف پر ہے۔

چنانچہ اسی خطبے میں امکان مذہب پر جس باطنی سے استدلال کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ایک ایسی سطح پر جہاں تصور اور تجزیہ کام نہ دیتے ہوں جو وہ ہمارے عام تجربہ کی صورت میں انجام دیتے ہیں، ہم یہ کہہ سکتے ہیں

کہ ہمارے حس کی وہ سطح جہاں تصورات کا اطلاق نہ ہوسکتا ہو ہمیں "کل" کی ماہیت کا علم مہیا نہیں کرتی۔ کیوں کہ صرف تصورات کلیہ ہی میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اجتماعی بن سکیں۔ ایسے شخص کا موقف جو کشف کے ذریعہ حقیقت کی گرفت پر اعتماد رکھتا ہے' انفرادی اور نا قابلِ اظہار بیان ہی ہونا چاہیے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ کشف کے بیان و اظہار سے بالاتر اور انفرادی ہونے کا اعتراض اسی صورت میں وزنی اعتراض متصور ہوسکتا ہے' جب اس سے مراد ہو کہ متصوف پر اس کے مروجہ طریقے اس کے ذہن اور اس کی آرزو دامانی ہی کا تمام تر غلبہ ہوتا ہے۔ لیکن علامہ اقبال نے یہ واضح کرنے کے لیے کہ یہ ضروری نہیں کہ سالک اپنے طریقہ اپنے ذہن اور اپنی آرزو سے اتنا مغلوب ہو کہ وہ کشف سے حاصل ہونے والی کیفیات کی نسبت قابلِ اظہار رائے قائم ہی نہ کر سکے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے حوالہ سے دو باتیں کہی ہیں۔ ایک یہ کہ تنقید کی صلاحیت باقی رہتی ہے اور کیفیات باطن کی تنقید سے طریقہ تحقیق کی اصلاح اور نشوونما ہوسکتی ہے۔

علامہ اقبال نے اسی خطبے میں پہلے ایک شخص عبدالمومن کی ایک باطنی کیفیت نقل کی ہے جو حضرت مجدد الف ثانی کو لکھی گئی تھی کہ آسمان، زمین، عرشِ الٰہی، جنت، دوزخ میری نظر میں معدوم ہو گئے۔ جب میں گرد و پیش نگاہ کرتا ہوں ان کا نشان نہیں پاتا۔ جب میں کسی کے سامنے ہوتا ہوں اپنے سامنے کسی کو موجود نہیں دیکھتا بلکہ میرا اپنا وجود بھی گم ہو جاتا ہے۔

علامہ اقبال نے اس کیفیت کی نسبت حضرت مجدد الف ثانی کا تبصرہ نقل کیا ہے۔ جو کیفیت یہاں بیان ہوتی ہے اس کا سرچشمہ قلب کی ہمیشہ بدلتی رہنے والی زندگی ہے اور مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کیفیت کے حامل نے لطیفۂ قلب کے لاتعداد مدارج میں سے ایک چوتھائی مدارج کی سیر بھی پوری نہیں کی۔ اس مقام کی سیر کو ختم کرنے سے پہلے ان باقی تین چوتھائی مدارج کو طے کرنا ضروری ہے۔ مقامِ قلب کے بعد اور مقامات ہیں جنہیں روح سرخفی، سراخفی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مقامات عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں اور عالم امر کی اپنی خصوصیات اور مدارج اور کیفیات ہیں۔ ان مقامات سے گزر کر سالک راہِ حقیقت بتدریج اسمائے الٰہی اور صفاتِ الٰہی کی تجلیات حاصل کرتا ہے اور انجامِ کار تجلی ذات تک رسائی ہوتی ہے۔

یہ تبصرہ نقل کرنے کے بعد علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اس عبارت میں جو امتیازات پیش کیے گئے ہیں اُن کی نفسیاتی اساس کچھ ہی کیوں نہ ہو' عالم باطنی کی نسبت یہ اندازہ تو ہمیں ضرور ہو جاتا ہے کہ اسلام کے ایک صوفی معلم نے عالمِ باطنی کا مشاہدہ کس طرح کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال دونوں وحدت الوجود یا نظریہ توحید وجودی کی تردید کرتے ہیں۔ اگرچہ دونوں کا فکر وحدت الوجود کی تنقیص و تردید میں متحد ہے۔

وحدت الوجود کا اثبات بربنائے کشف شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی نے کیا ہے لہٰذا اس باب میں صرف بربنائے کشف استدلال کرنا درست ہوسکتا ہے۔ یہ پہلو حضرت مجدد الف ثانی کے فکر سے پورا ہوتا ہے۔ آپ نے وحدت الوجود پر اپنے ذاتی کشف کی بنیاد پر ہر پہلو سے بحث کر کے یہ ثابت فرمایا ہے کہ جسے صوفیہ وجودیہ وحدت الوجود کہتے ہیں وہ درحقیقت وحدت شہود ہے۔ یعنی مشہود یہ ہوتا ہے کہ وجود ایک ہی ہے اور وہ خدا ہے۔ واقعے کے اعتبار سے یہ صحیح نہیں ہوتا۔ یہ سچ ہے کہ ایک مسلمان متصوف اُن تمام چیزوں میں اعتقاد رکھتا ہے جو اُسے آنحضرت ﷺ

Marfat.com

سے پہنچی ہیں۔لیکن اُس کی روح میں ایک اُمنگ پیدا ہوتی ہے کہ وہ خدا کو جان لے۔حس عامہ کی یہاں گنجائش نہیں۔ لہٰذا ایک نئی قسم کی حس ہے جسے کشف الشہود کہتے ہیں۔سالک چند روحانی مشقیں کرتا ہے جنہیں مجاہدہ کہتے ہیں اور اس اثناء میں وہ سمجھتا ہے کہ میں خدا اور حقائق کا براہِ راست ادراک کرنے لگا ہوں۔یہی وہ حقیقت ہے جسے حس مذہبی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ اسے ذاتِ خداوندی سے بلاواسطہ قرب حاصل ہو گیا ہے اور اسے خدا کی رویت ہونے لگی ہے اور اس رویت میں ماسوی اللہ کا وجود سالک کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔لہٰذا وہ ''ہمہ اوست'' کا اثبات کرتا ہے۔

علامہ اقبال نے خود صاحب کشف ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔وہ نہ صرف کشف کو ذریعۂ علم مانتے ہیں بلکہ خدا کے علم کا ذریعہ مانتے ہیں۔اس باب میں حضرت مجدد الف ثانی کے کشف کے متعلق نتائج سے وہ کچھ زیادہ نتائج اخذ کرتے ہیں کہ کشف کے ذریعے خدا کا ادراک بھی ہو سکتا ہے۔لیکن اس مسلے پر انہیں اس لیے اصرار ہے کہ وہ حقیقت مذہب مابعد الطبیعی علم کو مانتے ہیں۔لیکن اُن کا یہی خیال ہے کہ یہ بات صرف الٰہیات کی تشکیل جدید کے مباحث سے ہی معلوم ہوتی ہے۔لیکن علامہ اقبال اپنے بعد کے نتائج فکر میں حضرت مجدد الف ثانی کے افکار کے زیادہ قریب آ جاتے ہیں۔کیوں کہ حضرت مجدد الف ثانی کی سعی کا ایک نتیجہ منجملہ دوسرے نتائج کے یہ ہے کہ لوگوں میں یہ رجحان پیدا ہوا کہ علم باطن یعنی تصوف و عرفان سے غیر اسلامی اثرات کو علیحدہ کیا جائے جس سے وہ نکلا ہے۔یعنی براہِ راست آنحضرت ﷺ سے اخذ کیا جائے اور دوسرا اثر یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے اثر سے علمائے ظاہر کو بھی ازسرِ نو کتاب وسنت کی طرف توجہ کرنی پڑی۔آپ سے پہلے علم دین کے معنی صرف علم فقہ کے رہ گئے تھے۔

ایک خط میں حضرت مجدد الف ثانی نے ایک فقرہ تحریر فرمایا ہے کہ ''نقد سعادت دارین وابستہ باتباع سید کونین است وبس'' یعنی دونوں جہاں کی سعادت صرف سرور عالمؐ ہی کے اتباع سے وابستہ ہے اور آخر میں علامہ اقبال نے بھی فرمایا ہے:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

(در: منثورات اقبال' لاہور: بزمِ اقبال' ۱۹۸۸ء۔ص ۲۹۔۳۵)

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام

اقبال اور ملی تشخص

شیخ احمد سرہندی کے حوالے سے

علامہ اقبال نے مشرق و مغرب کے متعدد عالموں' عارفوں اور متفکروں کے خیالات سے استفادہ کیا۔ ان سب میں بلاشبہ مولانا جلال الدین رومی سرفہرست ہیں۔ اقبال نے نہ صرف رومی کو اپنا پیر و مرشد تسلیم کیا بلکہ اپنی زندگی کو بھی اسی عارف کے انفاس قدسی کا نتیجہ قرار دیا۔[1]

برصغیر کے علماء میں علامہ اقبال سب سے زیادہ شیخ احمد سرہندی سے متاثر ہوئے جن کے ساتھ گہری عقیدت کا اظہار انہوں نے اپنے کلام میں جابجا کیا ہے۔ سید نذیر نیازی کے نام خط مورخہ ۲۹ جون ۱۹۳۴ء میں لکھتے ہیں:

''آج شام کی گاڑی میں سرہند شریف جا رہا ہوں۔ چند روز ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا:

''ہم نے جو خواب تمہارے اور شکیب ارسلان کے متعلق دیکھا ہے وہ سرہند بھیج دیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بہت بڑا فضل کرنے والا ہے۔

پیغام دینے والا معلوم نہ ہو سکا کہ کون ہے؟ اس خواب کی بنا پر وہاں کی حاضری ضروری ہے۔ اس کے علاوہ جاوید جب پیدا ہوا تھا تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب وہ ذرا بڑا ہو جائے گا تو اسے حضرت کے مزار پر لے جاؤں گا۔ وہ بھی ساتھ جائے گا تا کہ یہ عہد بھی پورا ہو جائے۔ چودھری محمد حسین' منشی طاہر الدین اور علی بخش ہمراہ ہوں گے۔ اتوار کی صبح لاہور واپس پہنچیں گے۔''[2]

۳۰ جون ۱۹۳۴ء کو خط میں لکھا:

''میں ہفتہ کی شام کو سرہند سے واپس آ گیا تھا۔ نہایت عمدہ اور پُر فضا جگہ ہے۔ انشاء اللہ پھر بھی جاؤں گا۔''[3]

۳ جولائی ۱۹۳۴ء کو پھر ایک خط میں لکھا:

Marfat.com

''سرہند خوب جگہ ہے۔ مزار نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے۔ بڑا پاکیزہ مقام ہے۔''[۴]

اقبال نے انہی قلبی تاثرات کے نتیجے میں مندرجہ ذیل پُر معنی نظم کہی جس کا عنوان ہے:

''پنجاب کے پیرزادوں کے نام'':

حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مری بینا ہیں، ولیکن نہیں بیدار
آئی یہ صدا سلسلۂ فقر ہوا بند
ہیں اہلِ نظر کشورِ پنجاب سے بیزار
عارف کا ٹھکانہ نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلہِ فقر سے ہو طرۂ دستار
باقی کلہِ فقر سے تھا ولولۂ حق
طروں نے چڑھایا نشۂ خدمتِ سرکار[۵]

شیخ احمد سرہندی کی ولادت ۱۵۶۴ء اور اقبال کی ولادت ۱۸۷۷ء میں ہوئی۔ اس طرح دونوں عظیم شخصیتوں میں تقریباً تین سو سال کی مدت کا فاصلہ ہے۔ جس طرح شیخ مجدد کی تحریک احیائے اسلام کی مخالفت علمائے سوء نے کی تھی، اسی طرح یہ حضرات علامہ اقبال اور ان کی اسلامی تحریک کے بھی خلاف آخر وقت تک کمر بستہ رہے۔ درج ذیل اشعار میں اقبال نے ان واقعات کی طرف اشارات کئے ہیں:

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی
مری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے وہ بھی حرام اے ساقی

Marfat.com

شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و مُلّا کے غلام اے ساقی
عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں ہے خالی نیام اے ساقی[6]

اس شعر میں بھی اقبال حضرت مجدد کے بعد تین سو سال کے عرصہ سے امت مسلمہ کو خوار و زبوں قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

از سہ قرن ایں امت خوار و زبوں زندہ بے سوز و سرور اندروں[7]

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کے نزدیک گزشتہ تین سو سال میں ہندوستان میں کوئی شخصیت حضرت مجدد کے پایہ کی پیدا نہیں ہوئی۔

شیخ احمد سرہندیؒ کا ایک واضح اور باقاعدہ نظام فکر ہے جس نے ملت اسلامیہ کے دور و دراز ممالک میں گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس لیے اقبال نے ان کی تعلیمات کو عموماً پیش نظر رکھا۔

۱۹۳۲ء میں انگلستان کے ایک علمی حلقے میں بھی ان کے خیالات کو متعارف کرایا۔ چنانچہ اس ضمن میں ۱۸ اگست ۱۹۳۳ء کو حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ کے نام خط میں لکھا:

> ''میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے ادا شناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر اُدھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔''[8]

اقبال اپنے خطبہ: ''کیا مذہب کا امکان ہے؟'' میں مذہبی زندگی کے واردات و مشاہدات سے حضرت مجدد کی کمال آگاہی کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''نفسیات حاضرہ نے مذہبی زندگی کا گویا قشر تک بھی نہیں چھوا۔ وہ اس تنوع اور گونا گونی سے بالکل بے خبر ہے جو مذہبی واردات و مشاہدات میں پائی جاتی ہے' لیکن جس کا تھوڑا بہت اندازہ شاید آپ سترہویں صدی کے ایک بہت بڑے مرشد کامل حضرت شیخ احمد سرہندی کی ایک عبارت سے کر سکیں گے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے تصوف کا تجزیہ جس بیباکی اور تنقید و تحقیق سے کیا اس سے سلوک و عرفان کا ایک نیا طریق وضع ہوا۔ ان سے پہلے جتنے بھی سلسلہ ہائے تصوف رائج ہوئے وہ یا تو وسط ایشیا یا سرزمین عرب سے آئے تھے' مگر یہ صرف انہی کا طریق ہے' جس نے ہندوستان کے حدود سے نکل کر باہر کا رخ کیا اور جو اب بھی پنجاب' افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک بہت بڑی اور زندہ قوت کی شکل میں موجود ہے۔''[9]

اقبال کے نزدیک نطشے ادراک حقیقت میں اس لیے ناکام ہوا کہ اسے کوئی مرشد کامل نہ ملا۔ اگر وہ حضرت مجدد کے دور میں ہوتا تو ان کی تعلیم کی برکت سے مقام سرمدی پر فائز ہو جاتا۔ اقبال رقم طراز ہیں:

Marfat.com

''بے شک نطشے نے اپنے اندر عالم لاہوت کی ایک جھلک دیکھی تھی اور وہ ایک حکم قطعی بن کر اس کے سامنے آئی۔ ہم اس کو حکم قطعی ہی کہیں گے' کیوں کہ یہی جھلک تھی جس کی بدولت اس میں ایک پیغمبرانہ سی ذہنیت پیدا ہوگئی تھی' وہ ذہنیت جو اس قسم کی تجلیات کو کسی نہ کسی طرح زندگی کی مستقل قوتوں میں تبدیل کر دیتی ہے' لیکن نطشے کو اس میں بجز ناکامی کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ اس لیے کہ اس کے روحانی اسلاف میں شوپن ہاؤر' ڈارون اور لانگے ایسی ہستیاں شامل تھیں اور یہ انہی کا اثر تھا کہ نطشے ان تجلیات اور مشاہدات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ نہ کر سکا۔ بجائے اس کے کہ وہ کسی ایسے روحانی اصول کی جستجو کرتا جس سے ایک عامی کے اندر بھی روحانیت کی دنیا بیدار ہو جاتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ ایک لامتناہی مستقبل اس کے سامنے ہے۔ نطشے یہ سمجھا کہ اس نے جس عالم کی جھلک دیکھی ہے اس کا اظہار ہوگا تو انتہائی امارت پسندی کے کسی نظام کی شکل میں۔ یوں ایک بڑا ذہین و فطین انسان ضائع ہو گیا اور زندگی کی وہ جھلک بھی لاحاصل ثابت ہوئی جس کے لیے وہ صرف اپنی اندرونی قوتوں کا مرہون منت تھا' محض اس لیے کہ اسے کوئی مرشد کامل نہ ملا جو اس کی رہنمائی کرتا۔''[10]

اقبال نے ''جاوید نامہ'' میں یہ کہا ہے کہ کاش نطشے حضرت مجدد کے زمانے میں ہوتا اور وہ سرور سرمدی کو پاتا۔

او بہ لا درماند و تا الا نرفت	از مقام عبدہٗ بیگانہ رفت
با تجلی ہمکنار و بی خبر	دور تر چون میوہ از بیخ شجر
چشم او جز رویت آدم نخواست	نعرہ بے باکانہ زو آدم کجاست
ورنہ او از خاکیان بیزار بود	مثل موسیٰ طالب دیدار بود
کاش بودی در زمان احمدی	تا رسیدی بر سرور سرمدی[11]

اقبال نے جس طرح اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ کاش نطشے حضرت مجدد کے دور میں ہوتا' اسی طرح اس خواہش کا بھی اظہار کیا ہے کہ کاش وہ میرے زمانے میں ہوتا اور میں اسے سمجھاتا کہ مقام کبریا کیا ہے:

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے[12]

یہ امر دونوں مفکروں کی یکساں قوت تبلیغ کا غماز ہے۔ حضرت مجدد اور علامہ اقبال برصغیر میں مسلمانوں کے نہایت خطرناک ادوار میں پیدا ہوئے۔ دونوں اپنے اپنے دور کے خلاف شدید ردعمل تھے۔ دونوں براہ راست وقت کی مخالفت قوتوں کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ حضرت مجدد کو جس باطل ماحول کا مقابلہ کرنا پڑا وہ اکبر کی لامذہب حکمت عملی سے پیدا ہوا تھا۔ ان حالات کا ایک پس منظر یہ ہے کہ ۱۵۴۰ء میں ہمایوں کو شیر شاہ سوری سے شکست ہوئی اور وہ راجپوتانہ اور سندھ کے ریگستانوں میں پھرتا رہا۔ یہیں عمرکوٹ کے مقام پر اکبر پیدا ہوا۔ ہمایوں تخت کی بازیابی کے لیے امداد کی خاطر ایران چلا گیا جہاں شاہ طہماسپ صفوی نے اس کی مدد کی۔ ہمایوں ۱۵۴۵ء میں قندھار اور ۱۵۵۰ء میں کابل فتح کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ۱۵۵۵ء میں ہندوستان آیا اور تخت و تاج پر دوبارہ قابض ہوگیا۔ ہمایوں کے ساتھ

Marfat.com

بے شمار ایرانی سپاہی اور امراء و علماء بھی آئے جن کی وجہ سے ہندوستان کی اسلامی تہذیب میں ایرانی اثرات' تورانی اور عرب اثرات سے بھی زیادہ نمایاں ہوگئے۔[13]

اکبر نے جب یہ دیکھا کہ میرا باپ نامساعد حالات کی بنا پر پندرہ سال تک جگہ جگہ پریشان پھرتا رہا اور طرح طرح کے لوگوں کے ساتھ مجبوری کے عالم میں سمجھوتے کرتا رہا تو اس نے فیصلہ کیا کہ کیوں نہ یہ سمجھوتہ خود مفتوحہ قوم راجپوت سے ہی کر لیا جائے تاکہ باپ کی طرح کم از کم دوسرے بادشاہوں کے دروازے پر نہ جانا پڑے اور مسئلہ حل ہو جائے۔ چنانچہ اکبر نے اپنے کمال تدبر سے ہندوؤں کے ساتھ اپنے اور اپنے بیٹے سلیم کے رشتے ناطے شروع کئے۔ ان کے جان و مال' مذہب و مسلک اور رسوم و رواج کے احترام کے لیے خاص احکام صادر کئے۔ مفتوحہ رعایا کو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے تھا۔ اکبر نے ہندوستان میں اس حکمت عملی کے تحت اسلامی حکومت کے روایتی نظام کو ختم کر کے ہندی قومیت پر مبنی حکومت تشکیل دینے کے لیے اقدامات شروع کئے۔ اس کی اس غیر معمولی جرأت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک مقتدر اور کامیاب بادشاہ تھا لہٰذا اسے کسی قاضی یا مفتی کا خوف نہیں تھا۔ دوسرے خود وقت کے اکثر قاضی اور مفتی نہایت کمزور' مال و دولت کے حریص اور بادشاہ کے خوشامدی اور کاسہ لیس تھے۔ اکبر کے قائم کردہ عبادت خانہ کی مجالس میں علماء کا کردار نہایت پست اور افسوسناک تھا۔ ان مجالس میں ملک بھر کے منتخب علماء آتے تھے لیکن ان کا مقصد علمی مسائل کا حل نہ تھا بلکہ اپنی انا کی تسکین' دوسروں کی توہین اور بادشاہ کی خوشنودی ہوتا تھا۔ ان میں شیخ الاسلام مخدوم الملک عبداللہ' شیخ عبدالنبی صدرالصدور اور حاجی ابراہیم سرہندی زیادہ نمایاں تھے۔ وہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے۔ ایک عالم ایک چیز کو حرام کہتا تو دوسرا اسے حلال ثابت کرنے کی کوشش کرتا اور فتویٰ دیتا۔ یہ دیکھ کر اکبر نہ صرف ان علماء سے بدظن ہوا' بلکہ حرام و حلال کا تعین بھی اس کے دماغ سے نکل گیا۔ سولہویں صدی ہندوستان میں مختلف فرقوں کے ظہور کا زمانہ ہے۔ شیخ محمد اکرام کے مطابق ''بڑی خرابی اس وقت ہوئی جب سب فرقوں کے عالم آ گئے اور شیعہ' سنّی' صوفی' مہدوی خیالات اور اختلافات بادشاہ کے سامنے آئے۔ شیعہ عالم ملا محمد یزدی ان جھگڑوں میں پیش پیش تھے۔''[14] ان حالات میں بعض صوفی حضرات بھی پیچھے نہ رہے۔ شیخ تاج الدین جو تاج العارفین کہلاتے تھے اور بقول بدیوانی ابن عربی ثانی تھے' وحدت الوجود کی نشر و اشاعت میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ تشیع اور تصوف کے ان مبلغوں نے ماحول میں آزاد خیالی کا بہت درس دیا' جس سے راسخ العقیدگی کی بنیاد کمزور ہوگئی۔ ابوالفضل اور فیضی نے بھی جو اکبری دربار کے وزیر اعظم اور ملک الشعراء تھے' اکبر کو فلسفیانہ توجیہات سے آزاد خیال یا سیکولر ذہن کا آدمی بنانے میں بہت کام کیا۔ ابوالفضل ذہنی پراگندگی اور حیرت زدگی کا شکار تھا۔ فیضی کے متعلق اس کے معاصر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے:

> ''فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت' زباں دانی اور انشاء پردازی میں یکتائے روزگار تھا لیکن وائے بدبختی کہ اس نے اپنے آپ کو کفر و ضلالت کے گڑھے میں ڈال کر اپنی پیشانی پر رسوائی کا ایسا داغ لگایا کہ رسول اللہ ﷺ کے امتیوں کے لیے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینا بھی درست نہیں۔''[15]

اس دور میں اسلامی تعلیمات کو مبہم اور ماحول کو مکدر بنانے میں بھگتی تحریک بھی بہت مؤثر ثابت ہوئی۔

Marfat.com

ہندوستان میں جب سے مسلمان آئے تھے وہ اپنی خاص وضع قطع اور تہذیب وتمدن کی بناء پر ہندوؤں سے ہمیشہ مختلف رہے۔ ہندی تہذیب نے دوسرے مذاہب کی طرح مسلمانوں کو بھی اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے اپنے عظیم تمدنی اظہار کی بناء پر اپنا ملی تشخص برقرار رکھا جس کی بناء پر وہ ہندو تہذیب میں نہ صرف خود جذب نہ ہوئے بلکہ اس کے برعکس انہوں نے ہندوؤں کو اپنے اندر جذب کیا اور ہندو تہذیب کے ہر شعبہ پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ اس کا اعتراف ڈاکٹر تارا چند نے اپنی کتاب میں تفصیل سے کیا ہے۔ (۱۶) ہندوؤں کو معلوم تھا کہ وہ مسلمانوں سے سیاسی قوت حاصل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اثر ونفوذ کا دوسرا راستہ اختیار کیا جسے بھگتی تحریک کی رو سے محبت واخوت اور اقبال کے لفظوں میں ''نفی خودی'' کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس تحریک نے ہندوؤں کو مسلمانوں میں مزید جذب ہونے سے بچالیا' لیکن جب اکبر نے ایک غیر اسلامی نظام کو ترویج دینے کی کوشش کی تو بھگتی تحریک کو اپنی کامیابی کے آثار نمایاں نظر آئے۔ اب ہندوؤں نے اپنے مذہب اور رسوم ورواج کا کھل کر اظہار کرنا شروع کیا۔ یہ دور ہندوستان میں اسلام کے سخت ابتلا کا دور تھا۔ اسی دور میں ملا مبارک ناگوری نے ایک محضر نامہ تیار کیا جس کی رو سے اکبر کے احکام کی تعمیل لازمی قرار پائی۔ اس کا مکمل متن عبدالقادر بدایونی نے اپنی تصنیف میں درج کیا ہے۔ [۱۷] بدایونی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اکبری دربار میں:

> ''ملت اسلامیہ کا سارا سرمایہ نامعقول اور فضول قرار دیا گیا۔ اس کے بنانے والے عرب کے وہ چند مفلس بدو قرار پائے جو مفسد اور راہزن تھے۔ ارکان دین اور عقائد اسلامی منجملہ نبوت اور حشر ونشر کا مذاق اڑایا گیا۔ [۱۸] اکبر قرآن کے خلق اور وحی کے محال ہونے پر اصرار کرتا تھا۔'' [۱۹]

احمدؐ، محمدؐ اور مصطفیٰؐ جیسے نام بیرونی کافروں اور اندرونی عورتوں (یعنی راجپوت خواتین) کی وجہ سے اس پر گراں گزرنے لگے۔ [۲۰] علماء خطبہ میں صرف توحید اور بادشاہی القاب کے ذکر پر قناعت کرتے اور سرور کائنات ﷺ کا نام نہ لیتے۔ [۲۱]

بعض ہندو اور ہندو مزاج مسلمان نبوت پر کھلے بندوں اعتراض کرتے۔ نماز' روزہ اور حج اس سے پہلے ہی ساقط ہو چکے تھے۔ [۲۲] ملا مبارک نے بیربل کو بادشاہ کے سامنے خلوت میں مخاطب کر کے کہا تھا کہ جس طرح تمہاری کتابوں میں تحریفیں ہوئیں اسی طرح ہمارے دین میں بکثرت تحریفیں ہوئی ہیں۔ اب اس پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔ [۲۳] زرتشتی مذہب کے مطابق ابوالفضل کی نگرانی میں حکم دیا گیا کہ ہمیشہ رات دن شاہی محل میں آگ روشن رکھنے کا انتظام کیا جائے۔ مسلمانوں کے سوا جس شخص کی جو بات پسند آ جاتی تھی اس کا انتخاب کر لیا جاتا تھا۔ [۲۴] بدایونی مزید لکھتا ہے: اکبری دین کے مطابق سود اور قمار حلال قرار دیا گیا۔ شراب کی حلت کا فتویٰ دیا گیا۔ نوروز کی مجالس میں اکثر علماء وصلحاء بلکہ قاضی اور مفتی بھی شراب نوشی کے لیے لائے جاتے تھے۔ داڑھی کی توہین کی جاتی تھی۔ عورتوں کو حجاب سے منع کیا جاتا تھا۔ اکبر باقاعدگی سے سورج کی پرستش کرتا تھا۔ [۲۵] یہ وہ دور ہے جس میں شیخ احمد سرہندیؒ نے ایک نہایت راسخ العقیدہ اور مستعد مسلمان کی حیثیت سے اپنا مثالی کردار ادا کیا۔

شیخ احمد سرہندی کی شادی ان کے والد مخدوم عبدالاحد کی خواہش کے مطابق اکبر کے ایک مقرب شیخ سلطان

Marfat.com

تھانیسری کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ تھانیسر کے ہندوؤں نے اکبر سے شیخ سلطان تھانیسری کے خلاف گائے کشی کی شکایت کی۔ شیخ تھانیسری کو کچھ عرصہ بھکر بھیج دیا گیا' لیکن وہ پھر تھانیسر آنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے ہندوؤں کا انتقامی جذبہ پھر تازہ ہوا۔ انہوں نے اکبر سے شیخ کے رویے کی پھر شکایت کی' چنانچہ اکبر کے حکم سے ۱۵۹۹ء میں شیخ سلطان تھانیسری کو جو حضرت مجدد کے خسر تھے' پھانسی دی گئی۔[۲۶]

ایسے متعدد واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی بیچارگی اور دین اسلام کی غربت کے بارے میں حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں اپنے احساسات کا اظہار نہایت دل سوزی کے ساتھ کیا ہے۔ مکتوب شمار ۸۱ میں لالہ بیگ کو لکھتے ہیں:

> ''قریباً ایک صدی سے اسلام کی غربت اور پستی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ بلاد اسلام میں کفار صرف احکام کفر کے اجراء پر راضی نہیں ہوتے' بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل مٹ جائیں اور مسلمانوں اور مسلمانی کا کوئی اثر باقی نہ رہے اور ان کی جرأت و بیباکی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائر اسلام کے اظہار کی دلیری کرتا ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے۔''[۲۷]

مکتوب شمارہ ۶۵ میں خان اعظم کو لکھتے ہیں: ''غربت اسلام اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کفار علانیہ اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے تحاشا کفر کے احکام کا اجراء اور کوچہ و بازار میں کفار کی مدح وثناء کرتے پھر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اسلامی احکام کے اجراء سے روک دیا گیا ہے اور احکام شرعیہ کے بجالانے میں ان کی مذمت اور ان پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی است''[۲۸]

بھگتی تحریک کے اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے مکتوب شمارہ ۱۶۷ میں ہردے رام ہندو کو توحید باری تعالیٰ کے بارے میں لکھا کہ رام اور رحمٰن ہرگز ایک نہیں ہیں:

> ''اچھی طرح جان اور آگاہ رہ کہ ہمارا اور تمہارا بلکہ تمام جہانوں کا پروردگار ایک ہے۔ وہ بے کیف و بے مثل ہے۔ شکل اور مثال سے پاک اور مبرا ہے۔ کسی کا باپ یا فرزند ہونا اس ذات پاک کے لیے محال ہے۔ اس کی ہمتائی اور اس جیسا ہونے کی اس بارگاہ میں کچھ گنجائش نہیں' مخلوق کے ساتھ اتحاد یا اس میں حلول اس ذات پاک کی شان کے لیے عیب اور نقص ہے۔ اس جناب قدس کے لیے کسی شے میں پوشیدہ ہونا اور کسی شے میں ظاہر ہونا قبیح ہے۔ وہ زمانہ میں نہیں' کیوں کہ زمانہ اس کی مخلوق ہے اور کسی مکان میں بھی نہیں' کیوں کہ مکان بھی اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس کے وجود کا آغاز نہیں اور اس کی بقاء کی نہایت نہیں' جو بھی خیر و کمال ہے اس ذات سبحانہ کے لیے خاص ہے اور جو بھی نقص و زوال ہے وہ اس بلند ذات سے دور ہے۔ پس مستحق عبادت صرف وہی ہے۔''

رام اور کرشن اور ان کی مانند اور جو ہندوؤں کے معبود ہیں سب ادنیٰ مخلوق ہیں اور انہیں ماں باپ نے جنا ہے۔ رام جسرت کا بیٹا ہے اور لچھمن کا بھائی اور سیتا کا شوہر ہے۔ جب رام اپنی بیوی کی حفاظت نہ کرسکا تو وہ دوسرے کی کیا مدد کرے گا؟ رام اور رحمٰن کو ایک خیال کرنا نہایت ہی بے عقلی کی بات ہے۔ خالق اور مخلوق ایک نہیں ہوسکتے اور بے مثل ذات ممکن کے ساتھ متحد نہیں ہوسکتی۔ رام اور کرشن کی پیدائش سے قبل پروردگار عالم کو رام اور کرشن نہیں کہتے تھے۔ ان کے پیدا ہونے کے بعد کیا ہوا کہ رام اور کرشن کی یاد کو پروردگار کی یاد قرار دیتے ہیں؟

حاشا وکلا...... تفاوت رہ از کجاست بکجا[29]

مکتوب شمارہ ۶۵ میں ملی تشخص پر زور دیتے ہوئے شیخ فرید کو لکھا:

''حضور ﷺ سے کامل محبت کی علامت آپ کے دشمنوں کے ساتھ کامل بغض و عداوت رکھنا ہے۔ محبت میں سستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ محبّ محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے' اس کی مخالفت کی تاب نہیں رکھتا اور محبوب کے مخالفوں کے ساتھ کسی طرح بھی صلح و آشتی نہیں کرسکتا۔ دو مختلف محبتیں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ جمع ضدین کو محال اور ناممکن کہا گیا ہے۔ ایک کے ساتھ محبت دوسرے کی عداوت کو مستلزم ہے۔ اچھی طرح غور کرنا چاہیے۔ ابھی معاملہ ہاتھ سے نہیں نکلا۔ گزشتہ کا تدارک کرنا چاہیے۔ کل جب معاملہ ہاتھ سے نکل جائے گا تو ندامت و شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔''[30]

مکتوب شمارہ ۱۶۳ میں شیخ فرید کو تحریر کیا:

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت احکام اسلامیہ کی بجا آوری اور رسوم کفر کے دور کرنے میں ہے' کیوں کہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا ثابت کرنا دوسرے کے اٹھانے کا موجب ہے۔ ان دو ضدوں کا جمع محال ہے۔ ایک کو عزت دینا دوسرے کو ذلیل و خوار کرنے کا باعث ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کو فرماتا ہے:

یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین واغلظ علیھم قرآن (۹:۷۳)

(یعنی اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو جو خلق عظیم سے موصوف ہیں کفار سے جہاد اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے سخت رویہ اختیار کرنا بھی خلق عظیم میں داخل ہے۔ ثابت ہوا کہ اسلام کی عزت کفر اور اہل کفر کی خواری اور ذلت میں ہے۔ جس نے کفار کو عزت دی اس نے اسلام کو ذلیل کیا۔

کفار اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اگر قابو پائیں تو مسلمانوں کو ہلاک کر دیں یا سب کو قتل کر دیں یا کفر کی طرف پھیر کر لے جائیں۔''[31]

Marfat.com

اقبال کے کلام میں کفار کے خلاف یہی جذبات موجود ہیں جن کا اظہار انہوں نے نظم و نثر میں جا بجا کیا ہے۔ مندرجہ ذیل شعر اس کا ایک واضح نمونہ ہے:

باطل دوئی پسند ہے' حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول[۴۲]

''رموز بیخودی'' اول تا آخر اسلامی تشخص کے اظہار پر مبنی ہے۔ حضرت مجدد کی طرح اقبال بھی ہندوستان میں مسلمانوں کے جان و مال سے بڑھ کر خود اسلام کے وجود کو خطرے میں دیکھ رہے تھے۔ ۱۹۳۱ء میں ایک خط میں لکھتے ہیں:

''اسلام پر ایک بہت بڑا نازک وقت ہندوستان میں آ رہا ہے۔ سیاسی حقوق و ملی تمدن کا تحفظ تو ایک طرف خود اسلام کی ہستی معرض خطر میں ہے۔''[۴۳]

اس خطرے کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے ۱۹۳۱ء میں مزید لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کو مختلف مقامات میں دینی اور سیاسی اعتبار سے منظم کیا جائے' قومی عساکر بنائے جائیں اور ان تمام وسائل سے اسلام کی منتشر قوتوں کو جمع کر کے اس کے مستقبل کو محفوظ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو ابھی تک اس کا احساس نہیں کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس ملک ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے اور اگر وقت پر موجودہ حالات کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو مسلمان اور اسلام کا مستقبل اس ملک میں کیا ہو جائے گا' ہم تو اپنا زمانہ حقیقت میں ختم کر چکے۔ آئندہ نسلوں کی فکر کرنا ہمارا فرض ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی زندگی گونڈ اور بھیل اقوام کی طرح ہو جائے اور رفتہ رفتہ ان کا دین اور کلچر اس ملک میں فنا ہو جائے۔ اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لیے مجھے اپنے کام چھوڑنے پڑے تو انشاء اللہ چھوڑ دوں گا اور اپنی زندگی کے باقی ایام اسی ایک مقصد جلیل کے لیے وقف کر دوں گا۔''[۴۴]

اقبال ہندوستان میں حق و باطل کی واضح اور مستقل تقسیم کا منصوبہ ۱۹۳۰ء میں اپنے معروف خطبہ الٰہ آباد میں پیش کر چکے تھے۔ انہوں نے زندگی کے باقی ایام اسی مقصد جلیل یعنی مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کے استحکام کے پیش نظر ایک مستقل ریاست کے حصول کے لیے وقف کر دیے اور اس کی تعمیل و تکمیل کے لیے تادم آخر قائداعظم سے تقاضا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ مقصد جلیل الحمد للہ حاصل ہوا۔ یہی حضرت مجدد کی روح کا تقاضا تھا۔

شیخ احمد سرہندیؒ نے اکبری دور کے الحاد کیخلاف جہاد کرتے ہوئے اہم عہدوں پر فائز متعدد امراء اور وزراء کو نہایت مؤثر اور موقر انداز میں مکتوبات تحریر کیے جن میں احیائے دین' ترویج شریعت اور رد بدعت پر زور دیا اور ان پر واجب ٹھہرایا کہ وہ نبی ﷺ کے دین کی حمایت اور خدمت کریں کیوں کہ یہی سعادت دارین ہے۔ دوسری طرف انہوں نے ہندوؤں کے بڑھتے ہوئے معاشرتی اور مذہبی زور کے پیش نظر مسلمان امراء کو تاکید کی کہ وہ کفار سے سختی کریں اور

Marfat.com

کسی طرح بھی نرمی روا نہ رکھیں' بلکہ ان کو ذلیل و خوار کریں۔ حضرت مجدد کے اکثر مکتوبات کفار سے سخت نفرت اور بیزاری کے مطالب سے مملو ہیں۔ شیخ فرید کے نام ان کے یہ الفاظ کہ ہر شخص کی کوئی آرزو ہوتی ہے اور میری آرزو یہ ہے کہ کفار پر سختی کی جائے' قابل ملاحظہ ہیں:

''ہر کسے را در دل تمنائے امریست از امور و تمنائے این فقیر شدت نمودن است بہ دشمنان خدا و دشمنان پیغمبر و اہانت رسانیدن بہ این بے دولتان و خوار داشتن ایشان۔''[۳۵]

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مجدد کا یہ سخت طریق کار مسلمانوں کی حکومت میں کفار کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اسلام دشمنی کے خلاف ایک صحیح اور متوازن ردعمل تھا اور ہر اعتبار سے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا اور اس کا محرک اور ذمہ دار بلاشبہ اکبر تھا' لیکن اس کے دو نتیجے نکلے' ایک یہ کہ اکبر کے دین الٰہی کے خلاف نفرت پیدا ہوئی اور مسلمانوں میں تمدنی احیاء کا آغاز ہوا جس سے ان میں ملی شعور اور ''ملی تشخص'' کا احساس بیدار ہوا۔ چنانچہ یہی تشخص جو خاص طور پر حضرت مجدد کی اصلاحی تحریک کے نتیجہ میں قائم ہوا' ہندوستان میں دوقومی نظریے کی ٹھوس بنیاد بن گیا۔ اس دور کے بعد مسلمان اور ہندو دو متخالف اور متحارب قوتوں کی شکل میں ایک دوسرے کے مقابل آ گئے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سلطنت میں احیائے اسلام اور ترویج شریعت کی تحریک مکمل طور پر عملی صورت اختیار کر گئی' لیکن جونہی اورنگ زیب عالمگیر کا نصف صدی پر محیط عظیم الشان دور اختتام پذیر ہوا تو دونوں قومیں انتہائی خصومت اور نفرت کے ساتھ ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ ترویج اسلام کا کام پہلی پانچ صدیوں کی طرح برقرار نہ رہا' جس کا ایک بڑا سبب اکبری دور کے ہندو مزاج' مسلمانوں کا غیر اسلامی رویہ اور دوسرے بھگتی تحریک کا بڑھتا ہوا عمل تھا جس نے ہندو مذہب کے احیاء کو مستحکم کر دیا تھا۔ تیسرے تورانی اور ایرانی مسلمانوں میں مسلک کا اختلاف بھی ایک ایسا باعث تھا' جس نے ہندوستان میں مسلمانوں کو باہمی نظریاتی اختلافات کی نذر کر کے کمزور کرنا شروع کر دیا۔

اکبر کے خلاف جہانگیر کی بغاوت اور جہانگیر کے ایماء پر ابوالفضل کے قتل کو اگر جہانگیر کا ذاتی عمل بھی قرار دیا جائے تب بھی اس سے مسلمانوں کی رائے عامہ کی تائید کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ جب جہانگیر جو داڑھی منڈواتا تھا' شراب پیتا تھا' متعدد راجپوت بیویوں کا شوہر تھا اور سجدہ تعظیمی کرواتا تھا' تخت نشین ہوا تو حضرت مجدد نے اس کی تخت نشینی کو احیائے اسلام کی نوید قرار دیا۔ مکتوب شمارہ ۴۷ میں شیخ فرید کو لکھا:

''امروز کہ نوید زوال مانع دولت اسلام و بشارت جلوس بادشاہ اسلام بگوش خاص و عام رسیدہ' اہل اسلام برخود لازم دانستند کہ ممد و معاون بادشاہ باشند و بر ترویج شریعت و تقویت ملت دلالت نمائندہ۔''[۳۶]

(یعنی آج جب کہ حکومت اسلام کی مخالف قوت کے زوال کی نوید اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی خوشخبری سب نے سن لی ہے' مسلمانوں نے اپنے اوپر واجب ٹھہرا لیا ہے کہ وہ بادشاہ کے ممد و معاون بن کر رہیں گے اور ترویج شریعت اور ملی امور کی تقویت میں رہنمائی کریں گے۔)

Marfat.com

سترہویں صدی کے سیاسی اور معاشرتی ماحول میں ہندوؤں کی مذہبی جارحیت کو روکنے کے عمل کے ساتھ ساتھ حضرت مجدد نے مسلمانوں کے اپنے عقائد ونظریات کی اصلاح کی طرف بھی خاص توجہ کی' کیونکہ مسلمانوں کے معاشرتی انحطاط کا ایک باعث بعض ایسے نظریات تھے جن کی منفی تعبیرات نے مسلمانوں کو کمزور اور منتشر کر دیا تھا۔ شیخ احمد سرہندیؒ بلاشبہ وقت کے سب سے بڑے عالم اور صوفی تھے۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے آپ کو مجدد الف ثانی قرار دیا تھا۔ تصوف کے تمام معروف سلسلوں سے آپ کو ابتداء ہی سے فیض نسبت حاصل تھا۔ چنانچہ بعض صوفیانہ نظریات کو ہدف تنقید ٹھہراتے ہوئے بھی آپ نے تمام بزرگوں کا انتہائی احترام ملحوظ رکھا۔ زندگی کے آخری ایام میں جب آپ جہانگیری لشکر کے ساتھ راجپوتانہ میں تھے تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی خانقاہ پر حاضر ہوئے اور قیام کیا۔ آپ نے جب بچشم خود دیکھا کہ متعدد مسلمان عالم اور صوفی شریعت محمدیہ کی واضح تعلیمات سے انحراف کر کے مختلف مسلکوں کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور شرعی امور میں تحریف وترمیم بھی کر رہے ہیں تو نہایت بے باکی کے ساتھ ان کے خلاف آواز اٹھائی۔ آپ کے مکتوبات میں علمائے سوء اور صوفیائے خام پر شدید تنقید ہے۔ اکبری الحاد کا ایک اہم سبب دراصل یہی علماء تھے جن کا کردار نہایت افسوسناک تھا۔ انہی مہربانوں نے حضرت مجدد کے اقوال واعمال کی شکایت جہانگیر سے کی اور بادشاہ کو سجدہ تعظیم نہ کرنے کے عمل کو آپ کا ذاتی غرور قرار دے کر جہانگیر کے حکم سے ایک سال کے لیے آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کروا دیا۔[۴۷]

یہ آپ کا کمال ظرف ہے کہ آپ نے جس طرح اکبر کے حکم سے اپنے خسر سلطان تھانیسری کے قتل کی کہیں شکایت نہیں کی' جہانگیر کے ہاتھوں قید وبند کی صعوبات کا بھی کہیں گلہ نہیں کیا۔ آپ نے صرف اور صرف دینی اور ملی امور کی ترویج کو پیش نظر رکھا۔ علماء کے خلاف آپ نے اس لیے شدید لحن اختیار کیا کہ انہوں نے دین اسلام کو اپنی ذاتی اغراض کی خاطر سخت نقصان پہنچایا۔

مکتوب شمارہ ۴۷ میں شیخ فرید کو تحریر کرتے ہیں:

"دنیا پرست علماء جن کا مقصود دنیائے دوں ہے' ان کی صحبت زہر قاتل ہے اور ان کی بدی کا فساد دوسروں کو بھی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے:

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

گزشتہ زمانے میں جو بلا وآفت بھی اسلام پر ٹوٹی وہ انہی علمائے سوء کی شومی کی بدولت تھی۔ بادشاہوں کو یہی علمائے سوء راہ راست سے بھٹکاتے ہیں۔ بہتر فرقے جو گمراہی کی راہ اختیار کر چکے ہیں' ان کے مقتداء یہی علمائے سوء ہیں۔ علمائے سوء کے علاوہ گمراہوں کی گمراہی دوسروں تک کم ہی اثر کرتی ہے۔"[۴۸]

مکتوب شمارہ ۵۳ میں شیخ فرید کو پھر تحریر کرتے ہیں:

Marfat.com

''جس طرح لوگوں کی نجات علماء کے وجود سے وابستہ ہے' لوگوں کی بربادی کا باعث بھی یہی علماء ہیں۔ بہترین مخلوق بھی علماء ہیں اور بدترین مخلوق بھی علماء ہی ہیں۔ لوگوں کی ہدایت اور ان کی گمراہی انہی سے وابستہ ہے۔ کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ اور بے کار بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا راز دریافت کیا تو ابلیس نے بتایا کہ اس وقت کے علماء ہمارے کام انجام دے رہے ہیں اور بہکانے اور گمراہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔''[۹۰]

علامہ اقبال نے بھی اسی تلخ نوائی کے ساتھ علمائے سوء کے منفی کردار پر اپنے فارسی اور اردو کلام میں تنقید کی ہے۔ جس طرح اکبری اور جہانگیری دور میں علمائے سوء بادشاہوں' امیروں اور شہزادوں کے تعلق اور چاپلوسی میں پیش پیش تھے اور شریعت کی اعلیٰ اقدار کو نظر انداز کر کے خلاف سنت اقدامات اور بدعت کی ترویج میں سرگرم عمل تھے' اقبال کے دور میں بھی یہ حضرات انگریز حاکموں اور کانگرسی لیڈروں کی طرف داری اور حمایت میں اس قدر مخلصانہ اور صادقانہ کوششیں کررہے تھے کہ انہیں ملک وملت کا مفاد نظر ہی نہیں آتا تھا۔ ان میں سے بعض آخری وقت تک ملی تشخص کی بقاء اور پاکستان کے قیام کی مخالفت پر کمر بستہ رہے۔ تقریباً یہی حال بعض پیروں اور پیرزادوں کا تھا۔ علامہ اقبال نے جو نظم حضرت مجددؒ کے مزار پر حاضر ہونے کے حوالے سے کہی' اس میں ان پیرزادوں کے افسوسناک کردار کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ان لوگوں نے کلاہ فقر کو چھوڑ کر طرہ دستار کو اپنے لیے انتخاب کر لیا ہے۔ کلاہ فقر سے دلوں میں ولولہ حق تھا' لیکن طرہ دستار نے ان پیرزادوں کو خدمت سرکار کے نشہ سے مست کر دیا ہے۔

بیا کہ دامن اقبال را بدست آریم
کہ اوز خرقہ فروشان خانقاہے نیست[۹۱]

اسی حوالے سے اقبال نے اپنی ایک اردو نظم ''ساقی نامہ'' میں مختلف مذہبی اداروں پر تنقید کی ہے جو قابل ملاحظہ ہے:

مسلماں ہے توحید میں گرم جوش — مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش
تمدن' تصوف' شریعت' کلام — بتان عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ امت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو کلام خطیب — مگر لذت شوق سے بے نصیب
بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا — لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد — محبت میں یکتا' حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا — یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے[۹۲]

اقبال کو عجمی تصوف پر سخت اعتراض ہے کیوں کہ اس کی بنیاد یونانی حکمت اور خاص طور پر فلاطینوسی نظام فکر (نو افلاطونیت) پر ہے جسے بعض صوفیہ کی اصطلاح میں وحدت الوجود کہا جاتا ہے۔ مسلمان مفکر صوفیہ میں اس کے غی

Marfat.com

معمولی مفسر اور مبلغ شیخ محی الدین ابن العربی (متوفی ۶۳۸ھ) ہیں جن کی تحریروں سے اکثر صوفیہ اور صوفی منش شعراء متاثر ہوئے۔ ابن العربی نے یونانی افکار کو قرآنی مطالب کے ساتھ اس حیرت انگیز انداز میں بیان کیا کہ وہ فکر اسلامی کا ایک اہم جزو بن گئے اور بہت کم اہل نظر اسے شناخت کر سکے۔ شیخ محی الدین ابن العربی کے متصوفانہ فلسفے کی اساس نظریہ وحدت الوجود ہے' جسے انہوں نے اپنی مختلف تصنیفات میں بیان کیا۔ ''فتوحات مکیہ'' میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:

''بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس نے سب اشیاء کو پیدا کیا اور جو خود ان کا جوہر اصلی (اعیانہا) ہے۔'' [۴۲]

نیز ابن العربی کے ایک شعر کا حسب ذیل ترجمہ قابل ملاحظہ ہے:

''اے کہ تو نے تمام اشیاء کو اپنی ذات میں خلق کیا۔ تو جمع کرتا ہے ہر اس چیز کو جسے تو پیدا کرتا ہے۔ تو وہ چیز پیدا کرتا ہے جس کا وجود تیری ذات میں (مل کر) کبھی فنا نہیں ہوتا اور اس طرح تو ہی تنگ ہے اور تو ہی وسیع ہے۔'' [۴۳]

ابن العربی مزید اظہار خیال کرتے ہیں:

''میرا دل ہر ایک صورت کا مسکن بن گیا۔ یہ غزالوں کے لیے ایک چراگاہ ہے اور عیسائی راہبوں کے لیے خانقاہ اور بت پرستوں کے لیے مندر اور حاجیوں کے لیے کعبہ اور الواح تورات اور کتاب القرآن۔ میں مذہب عشق کا پیرو ہوں اور اسی سمت چلتا ہوں جدھر اس کا کارواں مجھے لے جائے' کیوں کہ یہی میرا دین ہے اور یہی میرا ایمان۔'' [۴۴]

غور سے دیکھا جائے تو یہ نظام فکر فارسی اور اردو ادب خصوصاً صوفیانہ ادب پر مکمل طور سے محیط ہے۔ رومی (متوفی ۶۷۲ھ) نے اگرچہ اپنا عظیم الشان نظام فکر ابن العربی سے مختلف اور قرآنی حکمت کے عین مطابق پیش کیا لیکن اس کا بیان اتنا وسیع اور عمیق تھا کہ ہر کوئی اسے شناخت ہی نہ کر سکا۔ چنانچہ اس نے خود کہا:

ہر کسی از ظن خود شد یار من
وز درون من نجست اسرار من [۴۵]

عالم اسلام پر وحشی منگولوں کا حملہ اور تباہی بغداد کا ایک اہم سبب وحدت الوجودی تعلیمات کو قرار دیا گیا ہے' کیونکہ اس نظریے نے جہاں مسلمان اور کافر کی جداگانہ حیثیت ختم کر کے ملی تشخص کو نابود کیا وہاں دوست اور دشمن کے اختلاف کو بھی محو کر دیا۔ جب تلوار بھی وہی' تلوار چلانے والا بھی وہی اور تلوار کا زخم کھانے والا بھی وہی قرار پایا تو انفرادی یا ملی استحکام کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا۔ بقول نظیری نیشاپوری:

نیاز ارم زخود ہرگز دلے را
کہ می ترسم درو جائے تو باشد [۴۶]

برصغیر میں شیخ احمد سرہندیؒ شاید پہلے عظیم عارف ہیں جنہوں نے وحدت الوجود کے منفی اثرات کو اچھی طرح درک کر لیا اور اکبری تحریک اور بھگتی تحریک کو ایک حد تک مذکورہ نظریہ کا نتیجہ قرار دیا' چنانچہ آپ نے واضح الفاظ

Marfat.com

میں شیخ ابن العربی کے نظریات کی مخالفت کی اور اس کی تعبیرات کو ملت کے لیے نقصان دہ قرار دیا۔ مکتوب شمارہ ۳۱ میں شیخ صوفی کو لکھا:

> ''تعجب ہے کہ شیخ محی الدین اور ان کے پیرو ذات واجب تعالیٰ کو مجہول مطلق کہتے ہیں اور اس کے لیے کسی حکم کا ثبوت بھی نہیں لاتے۔''[47]

مکتوب شمارہ ۱۰۰ میں ملا حسن کشمیری کو تحریر کیا:

> ''آپ نے لکھا ہے کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے کہا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ عالم الغیب نہیں۔ مخدوم گرامی! فقیر اس طرح کی باتیں سننے کی تاب نہیں رکھتا۔ میری رگ فاروقی بے اختیار حرکت میں آتی ہے اور اس طرح کی باتوں کی تاویل وتوجیہہ کی فرصت نہیں دیتی۔ چاہے ایسی باتوں کا قائل شیخ عبدالکبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی۔ محمد عربی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام درکار ہے' نہ کہ محی الدین عربی اور صدر الدین قونوی یا عبدالرزاق کاشی کا کلام۔ ہمیں نص کے ساتھ کام ہے' فص کے ساتھ نہیں۔ فتوحات مدینہ نے ہمیں فتوحات مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔''[48]

حضرت مجددؒ نے مشائخ طریقت کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ مکتوب شمارہ ۱۶۰ میں یار محمد بدخشی و الطالقانی کو تحریر فرماتے ہیں:

> ''پہلا گروہ اس امر کا قائل ہے کہ عالم حق تعالیٰ کی ایجاد سے خارج میں موجود ہے اور جو کچھ اس میں اوصاف وکمالات ہیں سب حق تعالیٰ کی ایجاد سے ہیں...... دوسرا گروہ وہ ہے جو عالم کو حق تعالیٰ کا ظل جانتا ہے' مگر اس امر کا قائل ہے کہ عالم خارج میں موجود ہے۔ اصالت کے طور پر نہیں' بلکہ ظلیت کے طور پر اور یہ کہ عالم کا وجود حق تعالیٰ کے وجود کے ساتھ قائم ہے جس طرح ظل اصل کے ساتھ قائم ہے...... تیسرا گروہ وحدت الوجود کا قائل ہے' یعنی خارج میں صرف ایک ہی ذات موجود ہے اور بس۔ حق تعالیٰ کی ذات اور عالم کا خارج میں اصلاً تحقق نہیں' بلکہ صرف علمی ثبوت رکھتے ہیں اور یہ گروہ یوں کہتا ہے: ''اشیاء نے وجود کی بو بھی نہیں سونگھی'' اگرچہ یہ گروہ بھی عالم کو حق تعالیٰ کا ظل کہتا ہے' لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ ان کا وجود صرف مرتبہ حس میں ہے۔ نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے' یہ لوگ حق تعالیٰ کو صفات وجوبیہ اور امکانیہ کے ساتھ متصف مانتے ہیں اور مراتب تنزلات ثابت کرتے ہیں......
>
> اگرچہ یہ تیسرا گروہ اپنے درجات وصل وکمال میں مختلف ہونے کے باوجود واصل اور کامل ہے لیکن مخلوق کو ان کی ایسی باتوں نے گمراہی اور الحاد میں ڈال دیا ہے اور زندقہ اور بے دینی تک پہنچا دیا ہے۔ پہلا گروہ سب سے زیادہ اکمل اور اتم ہے اور زیادہ محفوظ اور کتاب وسنت کے زیادہ موافق ہے۔''

Marfat.com

مذکورہ مکتوب میں مزید لکھتے ہیں کہ:

''یہ درویش پہلے توحید وجودی میں سرگرداں رہا' پھر مقام ظلیت میں پہنچا' پھر حق تعالیٰ کے کمال عنایت اور غریب نوازی سے بلند تر مقام پر لے گئے اور مقام عبدیت تک پہنچا دیا۔ اس وقت اس مقام کی بلندی واضح ہوئی اور گزشتہ مقامات سے تائب ہوا۔''[۴۹]

اقبال بھی نظریہ وحدت الوجود کے زبردست مخالف ہیں اور حضرت مجدد کی طرح مقام عبدیت کو ہی بلند ترین مقام قرار دیتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو فائز فرمایا ہے۔ اقبال حلاج کی زبانی کہتے ہیں:

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است — خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است
عبدہٗ از فہم تو بالا تر است — زان کہ او ہم آدم وہم جوہر است
عبدہٗ صورتگر تقدیر ہا — اندرو ویرانہ ہا تعمیر ہا
عبد دیگر عبدہٗ چیزی دگر — ما سراپا انتظار او منتظر
عبدہ دہراست و دہر از عبدہ است — ماہمہ رنگیم و او بی رنگ وبو ست
عبدہ با ابتدا بی انتہا ست — عبدہٗ را صبح و شام ماکجاست
کس ز سر عبدہٗ آگاہ نیست — عبدہ جز سرّ الا اللہ نیست
مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت — تا نبینی از مقام ''مارمیت''[۵۰]

نظریہ وحدت الوجود کے متعلق علامہ اقبال کا مندرجہ ذیل بیان مکمل طور پر حضرت مجدد کے بیان کی نہج پر ہے' اس طرح اقبال کے نزدیک وحدت الوجود مکمل طور پر ایک غیر اسلامی نظریہ ہے۔ البتہ اس کے بیان کرنے والے نیک نیت ہیں۔ اقبال لکھتے ہیں:

''مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی شرم نہیں کہ میں ایک عرصے تک ایسے عقائد و مسائل کا قائل رہا جو بعض صوفیہ کے ساتھ خاص ہیں اور جو بعد میں قرآن شریف پر تدبر کرنے سے قطعاً غیر اسلامی ثابت ہوئے' مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی کا مسئلہ قدم ارواح کملا' مسئلہ وحدت الوجود یا مسئلہ تنزلات ستہ یا دیگر مسائل...... مذکورہ بالا تینوں مسائل میرے نزدیک مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ گو میں ان کے ماننے والوں کو کافر نہیں کہہ سکتا کیوں کہ انہوں نے نیک نیتی سے ان مسائل کا استنباط قرآن شریف سے کیا ہے۔ مسئلہ قدم ارواح افلاطونی ہے۔ بوعلی سینا اور ابونصر فارابی دونوں اس کے قائل تھے' چنانچہ امام غزالی نے اس وجہ سے دونوں بزرگوں کی تکفیر کی ہے۔''[۵۱]

اقبال وحدت الوجود کے متعلق اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میرا مذہب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نظام عالم میں جاری وساری نہیں' بلکہ نظام عالم کا خالق ہے اوراس کی ربوبیت کی وجہ سے یہ نظام قائم ہے۔''[۵۲]

خواجہ حسن نظامی کے حوالے سے اقبال وحدت الوجود کے متعلق مزید لکھتے ہیں:

''خواجہ صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یورپ کا علمی مذہب تو وحدت الوجود ہے جس کے وہ حامی ہیں۔ میں تو اس مذہب سے جو میرے نزدیک ایک قسم کی زندیقیت ہے' تائب ہو کر خدا کے فضل وکرم سے مسلمان ہو چکا ہوں۔''[۵۳]

مکتوب شمارہ ۴۰ میں حضرت مجددؒ لکھتے ہیں:

''شریعت راسہ جزو است' علم وعمل واخلاص' پس طریقت وحقیقت خادم شریعت اند در تکمیل جزو اول کہ اخلاص است۔''[۵۴]

مذکورہ عبارت کے پیش نظر علامہ اقبال لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعائر حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔ اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔''[۵۵]

۱۹۱۹ء میں ایک خط میں لکھتے ہیں:

''تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے (اور یہی مفہوم قرن اول میں اس سے لیا جاتا تھا) تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔''[۵۶]

حضرت مجددؒ نے مکتوب شمارہ ۱۴۷ میں فراق اور واصل کو گسستن اور پیوستن کے الفاظ سے تعبیر کر کے خواجہ محمد اشرف کابلی کو لکھا:

''بعض مشائخ طریقت گسستن کو پیوستن پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض دوسرے بزرگ پیوستن کو گسستن پر مقدم سمجھتے ہیں۔ راقم کہتا ہے کہ گسستن اور پیوستن دونوں ایک ہی حالت میں متحقق ہوتے ہیں......لیکن پہلے گروہ کی نظر بلند ہے''......[۵۷]

علامہ اقبال حضرت مجددؒ کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے قطعی طور پر گسستن کو پسند کرتے ہیں اور سر الوصال کی بجائے سرّ الفراق کے خطاب کو اپنے لیے مناسب قرار دیتے ہیں۔ یہی رومی کا مسلک ہے۔ جو کہتا ہے:

Marfat.com

آب کم جو تشنگی آور بدست
تابجوشد آبت از بالا و پست [58]

مندرجہ بالا مکتوب کے حوالے سے علامہ اقبال خواجہ حسن نظامی کو لکھتے ہیں:

''حضرت امام ربانی نے مکتوب میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ گستن اچھا ہے یا پیوستن۔ میرے نزدیک گستن عین اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور اسی کے خلاف میں صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔ گزشتہ علمائے اسلام نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے۔ آپ کو یاد ہوگا جب آپ نے مجھے سرّ الوصال کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا مجھے سرّ الفراق کہا جائے۔ اس وقت میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانی نے کیا ہے۔'' [59]

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے حضرت مجددؒ اور علامہ اقبال کے افکار میں مماثلت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دونوں وحدت الوجود کو غلط سمجھتے ہیں۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے بجا طور پر تحریر کیا ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں' بلکہ وہ اس کی شرعی تعبیرات کو غلط سمجھتے ہیں۔ [60] علامہ اقبال کے نزدیک وحدت الوجود کی تعبیر کے نتائج ملت اسلامی کے حق میں انتہائی خطرناک نکلے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت مجددؒ اور علامہ اقبال نے اس کے اثرات کو زندیقیت سے تعبیر کیا ہے۔

اقبال کا ایک عظیم جہاد تصوف کے ان نظریات وعقائد کے خلاف ہے جنہوں نے مسلمانوں میں رہبانیت کو فروغ دیا۔ اقبال اسے عجمیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سلسلہ نقشبندیہ اور سلسلہ قادریہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہے۔ سید سلیمان ندوی کے نام نومبر ۱۹۱۷ء میں لکھتے ہیں:

''خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے' مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ یہی حال سلسلہ قادریہ کا ہے جس میں مَیں خود بیعت رکھتا ہوں' حالانکہ حضرت محی الدین کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔'' [61]

حضرت سید عبدالقادر گیلانیؒ کی تعلیمات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مسلمان بھی اس رہبانیت سے بچ نہ سکے' جس کی حقیقت سے قرآن نے انہیں آگاہ کر دیا تھا اور آج وہ آیت جو عیسائی راہبوں کے متعلق نازل ہوئی تھی خود مسلمانوں پر صادق آتی ہے۔''

حالانکہ اکابر اسلام وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو رہبانیت کے خلاف متنبہ کرتے رہے۔ مثلاً سید السادات ابو محمد حضرت غوث الثقلین ''فتوح الغیب'' مقالہ ۳۶ میں فرماتے ہیں:

''یعنی اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس کے خلاف نہ کرو اس طرح پر کہ ترک کر دو ان احکام کو جو اللہ

کے رسول لائے ہیں اور اپنے پاس سے بدعتیں ایجاد کرنے لگو جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے گمراہ قوم (عیسائی) کے حق میں فرمایا ہے کہ انہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی جو ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی۔''[۶۲]

جس طرح حضرت مجددؒ کو نص نے فص سے بے نیاز کر دیا تھا اسی طرح علامہ اقبال نے بھی اپنے افکار و نظریات میں صرف اور صرف قرآن پر انحصار کیا جیسا کہ انہوں نے کہا: ''میں اعتقادی امور میں صرف قرآن پر انحصار کرتا ہوں۔''[۶۳] اقبال ایک خط میں اپنی فکری سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میرا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی تیز ہو گیا تھا کیوں کہ یورپین فلسفہ بہ حیثیت مجموعی وحدت الوجود کی طرف رخ کرتا ہے، مگر قرآن میں تدبر کرنے اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے سے مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا۔ اس مقصد کے لئے مجھے اپنے فطری اور آبائی رجحانات کے ساتھ ایک خوفناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا۔''[۶۴]

ہر مسلمان کے لیے قرآن مجید کی اہمیت کے بارے میں اقبال کا مندرجہ ذیل ایک شعر ہزاروں بیانات پر حاوی ہے:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن[۶۵]

علامہ اقبال نے حضرت مجددؒ کی طرح جہاں سیاسی اور معاشرتی میدان میں اتر کر بیسویں صدی کے نازک ترین حالات میں مسلمانوں کی تاریخ ساز خدمت کی وہاں انہوں نے غیر اسلامی نظریات کی تردید میں بھی نہایت بے باکی کے ساتھ قلم اٹھایا۔ مغربی تہذیب و تمدن کے ملحدانہ رجحانات کی بیخ کنی میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس حوالے سے ہمارے مذہبی ادارے بالکل بے حس ہو چکے تھے، ان میں سے بعض تو مکمل طور پر مغربی تمدن کے ہمنوا بن چکے تھے اور بعض اس کے فنی اور سائنسی طلسمات کو دیکھ کر نہ صرف اپنی تاریخ بلکہ دینی حقائق سے بھی چشم پوشی کر رہے تھے۔ اقبال نے علمی اور تحقیقی انداز میں مغربی تمدن کے اغراض و مقاصد کا تجزیہ کیا اور مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق کے لیے اس کے ہولناک چنگیزی چہرے کو بے نقاب کر دیا۔ عالم اسلام کے لیے علامہ اقبال کی نتیجہ خیز خدمات کے پیش نظر قائد اعظم نے بجا طور پر فرمایا کہ ''اس حقیقت کو میں سمجھتا ہوں کہ اقبال دنیا کے بہت بڑے سیاست دان تھے۔ انہوں نے آپ کے سامنے ایک واضح اور صحیح راستہ رکھا دیا، جس سے بہتر دوسرا راستہ نہیں ہو سکتا۔ وہ دور حاضر میں اسلام کے بہترین شارح تھے۔ کیوں کہ اس زمانے میں اقبال سے بہتر اسلام کو کسی شخص نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس امر کا فخر حاصل ہے کہ ان کی قیادت میں ایک سپاہی کی حیثیت سے مجھے کام کرنے کا موقع ملا۔ میں نے ان سے زیادہ وفادار رفیق اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔''[۶۶]

Marfat.com

فکر اقبال خالصتاً اسلامی تحریک ہے جس کا غیر اسلامی تہذیب وتمدن سے تصادم ایک لازمی امر ہے۔ برصغیر میں یہی تصادم مسلمانوں کی بقا کا سبب اور ان کے ملی تشخص کا ضامن ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی [۶۷]

حواشی:

۱۔ پیر رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد
من کہ مستی ہا ز صہبائش کنم
زندگانی از نفس ہائش کنم
اقبال۔ اسرار خودی۔ کلیات اقبال' لاہور ۱۹۹۰ء ص ۲۹

۲۔ اقبال۔ مکتوبات اقبال' کراچی ۱۹۵۷ء' ص ۱۶۱

۳۔ ایضاً ص ۲۶۱

۴۔ عبدالمجید سالک' ذکر اقبال لاہور ص ۱۹۱

۵۔ اقبال۔ بال جبریل لاہور ۲۱۱۔۲۱۲

۶۔ ایضاً' ۱۹۶۲ء' ص ۱۷

۷۔ اقبال' پس چہ باید کرد اے اقوام شرق ص ۲۸

۸۔ اقبال۔ اقبالنامہ حصہ اول لاہور ص ۲۴۲۔۲۴۳

۹۔ اقبال۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ' لاہور ۱۹۵۸ء ص ۲۹۸

۱۰۔ ایضاً ص ۳۰۱' ۳۰۲

۱۱۔ اقبال' جاوید نامہ' کلیات اقبال' تہران ۱۳۴۳ش' ص۔ ۲۵۵

۱۲۔ اقبال' بال جبریل لاہور ۱۹۶۲ ص ۸۲

۱۳۔ شیخ محمد اکرام' رود کوثر۔ لاہور ۱۹۸۲ ص ۳۲۔۳۳

۱۴۔ رود کوثر ص ۹۴' بحوالہ منتخب التواریخ جلد دوم ص ۱۵۹

۱۵۔ ابوالحسن زید فاروقی۔ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین۔ شرقپور ص ۹۳

۱۶۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات' ڈاکٹر تاراچند' ترجمہ

۱۷۔ منتخب التواریخ جلد ۲ کلکتہ ص ۲۷۲

۱۸۔ ایضاً ص ۳۰۷

۱۹۔ ایضاً ص ۳۷۳

۲۰۔ ایضاً ص ۲۱۵

۲۱۔ ایضاً ص ۲۶۹

Marfat.com

۲۲۔ ایضاً ص ۳۱۵
۲۳۔ ایضاً ص ۳۱۲
۲۴۔ ایضاً ص ۲۵۶
۲۵۔ ایضاً ص ۲۵۵
۲۶۔ شیخ محمد اکرام۔ رود کوثر' لاہور ۱۹۸۲ء ص ۲۳۹
۲۷۔ شیخ احمد سرہندی۔ مکتوبات امام احمد ربانی' کراچی ۱۹۷۰ء ص ۲۵۲
۲۸۔ ایضاً ص ۲۱۱
۲۹۔ ایضاً ص ۳۹۵۔۳۹۶
۳۰۔ ایضاً ص ۳۹۲۔۳۹۴
۳۱۔ ایضاً ص ۳۷۸۔۳۸۸
۳۲۔ اقبال۔ ضرب کلیم۔ لاہور ۱۹۶۳ء ص ۷۱
۳۳۔ اقبال۔ اقبالنامہ' حصہ دوم' لاہور ۱۹۵۱ء ص ۳۸۴
۳۴۔ ایضاً ص ۳۸۶۔۳۸۷
۳۵۔ رود کوثر ص ۳۱۹
۳۶۔ شیخ احمد سرہندی' مکتوبات امام ربانی لاہور ۱۹۶۴ء ص ۱۶۲
۳۷۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۲ ص ۱۱۲۷ احمد شیخ سرہندی
۳۸۔ شیخ احمد سرہندی' مکتوبات امام ربانی' کراچی ص ۱۸۰
۳۹۔ ایضاً ص ۱۸۹
۴۰۔ اقبال۔ پیام مشرق' کلیات اقبال' لاہور ۱۹۹۰ء ص ۳۱۶
۴۱۔ اقبال۔ بال جبریل لاہور ۱۹۶۲ء ص ۱۶۷۔۱۶۸
۴۲۔ ابن العربی' اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ دانشگاہ پنجاب لاہور جلد ۱' ص ۶۰۴
۴۳۔ ابن العربی' فصوص ص ۸۸' اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۱' ص ۶۰۹
۴۴۔ ابن العربی' ترجمان الاشواق' ص ۳۹۔۴۰ رک: اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ' دانشگاہ پنجاب جلد ۱ ص ۶۱۱
۴۵۔ رومی' مثنوی معنوی' اسلام آباد ۱۹۷۸ء ص ۳۱
علامہ اقبال نے بھی رومی کے متعلق یہی کہا کہ ''معنی او چوں غزال از ما رمید''
۴۶۔ دیوان نظیر نیشاپوری' تہران ۱۳۴۰ ش' ص ۱۴۳
۴۷۔ شیخ احمد سرہندی' مکتوبات دفتر اول ص ۱۱۱
۴۸۔ ایضاً' ص ۲۸۲۔۲۸۳
۴۹۔ ایضاً' ص ۳۸۰۔۳۸۴
۵۰۔ اقبال۔ جاوید نامہ کلیات اقبال' لاہور ص ۶۰۱' ۶۰۲
۵۱۔ اقبال۔ اسرار خودی اور تصوف' مقالات اقبال لاہور ۱۹۸۸ء ص ۲۰۱
۵۲۔ ایضاً ص ۲۰۳

۵۳۔ ایضاً ص ۲۱۳

۵۴۔ مجدد الف ثانی' مکتوبات امام ربانی لاہور ۱۹۶۴ص ۱۴

۵۵۔ اقبال' مقالات اقبال' لاہور ۱۹۸۸ء ص ۲۸۹

۵۶۔ اقبال۔ اقبالنامہ۔ حصہ اول۔ لاہور ص ۵۳' ۵۴

۵۷۔ شیخ احمد سرہندی' مکتوبات امام ربانی لاہور ص ۳۲۲

۵۸۔ رومیؒ مثنوی معنوی ۳: ۳۲۱۶

۵۹۔ اقبال۔ مجلہ اقبال لاہور اپریل ۱۹۵۴ء ص ۴۵

۶۰۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد' حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال' سیالکوٹ ۱۹۸۰ء ص ۵۳ حاشیہ۔ بحوالہ منثورات اقبال مرتبہ بزم اقبال لاہور ص ۱۱۴ اقبال اور مجدد الف ثانی از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۶۱۔ اقبال۔ اقبال نامہ جلد اول لاہور ص ۷۷' ۷۸

۶۲۔ اقبال۔ مقالات اقبال' لاہور ۱۹۸۸ص ۲۹۱

۶۳۔ البیان۔ اقبال نمبر ۱۹۳۹ص ۲۴۔ بحوالہ اقبال کامل از عبدالسلام ندوی ص ۶۱

۶۴۔ مکاتیب اقبال۔ رک: سید محمد رشید فاضل۔ اقبال اور عشق رسالت مآب' کراچی ص ۱۱۱

۶۵۔ اقبال' رموز بیخودی کلیات اقبال لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۳۳

۶۶۔ قائداعظم محمد علی جناح' مجلہ اقبال' لاہور واکتوبر ۱۹۹۵ء

۶۷۔ اقبال۔ بانگ دراص ۲۲۳

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر محمد مسعود احمد

حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال

بندہ یک مرد روشن دل شوی
بہ کہ بر فرق سر شاہاں روی

اقبال کے والد ماجد شیخ نور محمد کی صحبت کیمیا اثر نے ''مس خام کو کندن بنایا۔''[1] ''آداب فرزندی'' سکھائے' خود شناس و خدا شناس اور خود آ گاہ و خدا آ گاہ بنایا۔ اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے۔

حضرت اقبال میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں
قوم کی نظریں جو ان کے طرز کی شیدا ہوئیں
یہ حق آگاہی' یہ خوش گوئی' یہ شوق معرفت
یہ طریق دوستی' خودداری و تمکنت
اس کے شاہد ہیں کہ ان کے والدین ابرار تھے
باخدا تھے' اہل دل تھے' صاحب اسرار تھے

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی نے لکھا ہے کہ اقبال سلسلہ قادریہ میں اپنے والد سے بیعت تھے۔[2] مگر اقبال کے ایک معاصر مولانا روح اللہ قادری (م ۱۹۶۹ء) کا بیان ہے کہ اقبال کے والد شیخ نور محمد' آوان شریف ضلع گجرات' پاکستان کے ایک بزرگ قاضی سلطان احمد (م۔ ۱۹۱۹ء) سے سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے اور اقبال کو بھی انہیں سے بیعت کرا دیا تھا۔[3] اقبال کے شاگرد پروفیسر سید عبدالقادر (م۔ ۱۹۵۶ء) کی روایت کے مطابق یہ بات خود اقبال نے ان سے فرمائی:

''قاضی صاحب کے ارشاد کے مطابق پہلے سلطان جی (درگاہ شریف سلطان نظام الدین اولیاء' دہلی) کے پاس حاضر ہوا اور وہاں رویا میں حضرت قاضی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا فیض حضرت مجدد کے پاس ہے۔''[4]

چنانچہ اقبال کے مکاتیب سے معلوم ہوگا کہ وہ سرہند جا کر حضرت مجددؒ سے مستفیض ہوئے۔ بے شک

Marfat.com

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانہ دل

جب آغازِ حیات اس شان کا ہو تو انجام حیات کس شان کا ہوگا۔ فی الحقیقت اقبال کے ذوق معرفت نے ان کو معراج کمال پر پہنچایا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ سیالکوٹ کی سرزمین میں پیدا ہونے والا مرد قلندر کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ عالم میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا۔

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
اسی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

۱۹۰۵ء میں انگلستان روانہ ہونے سے پہلے اقبال خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار مبارک پر حاضری کے لئے دہلی گئے۔ ''التجائے مسافر'' کے عنوان سے ''بانگ درا'' میں جن قلبی تاثرات کا اظہار کیا ہے' ان سے اقبال کی عقیدت و محبت کا علم ہوتا ہے۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال انگلستان میں رہے۔ جرمنی بھی تشریف لے گئے اور میونخ یونیورسٹی سے 'ایران میں مابعد الطبیعات' (Metaphysics in Persia) پر مقالہ پیش کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس مقالے کے سلسلے میں علامہ نے مختلف صوفیائے کرام کا مطالعہ کیا۔ مثلاً بایزید بسطامیؒ ذوالنون مصریؒ فرید الدین عطارؒ محی الدین ابن العربیؒ امام غزالیؒ' معروف کرخیؒ' شقیق بلخیؒ' جلال الدین رومیؒ وغیرہ۔ بعض صوفیہ کی تصانیف کے قلمی نسخوں کا بھی مطالعہ کیا مثلاً انڈیا آفس لائبریری' لندن میں شیخ شہاب الدین کی ''عوارف المعارف''، امام غزالی کی ''مشکوٰۃ الانوار''، سید علی ہجویریؒ کی ''کشف المحجوب'' اور سید محمد گیسو درازؒ کی تصنیف ''خاتمہ'' مطالعہ فرمائیں۔ برٹش میوزیم میں میر جرجانی کا رسالہ ''فی الوجود'' اور ٹرینٹی کالج میں عزیز الدین نسفی کے رسائل بھی مطالعہ میں آئے۔[۵]

صوفیائے کرام کے حالات اور تعلیمات کے مطالعہ نے اقبال کے ذوق تصوف کو اور اجاگر کیا۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں جب وہ وطن عزیز واپس آئے تو تصوف کا باقاعدہ مطالعہ شروع کیا۔ خاص طور پر جلال الدین رومی اور شیخ محمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کا مطالعہ کیا۔ اقبال کو جس تصوف سے لگاؤ تھا وہ عجمی الاصل نہ تھا بلکہ اس کی اصل حجازی تھی۔ اسی تصوف کو اقبال' اخلاص فی العمل سے تعبیر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک مکتوب میں مولانا اسلم جیراجپوری کو تحریر فرماتے ہیں:

> ''تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے...... تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہاں' جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔''[۶]

اقبال نے تصوف کی جو تعریف فرمائی' حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی من وعن یہی تعریف فرمائی ہے۔[۷] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال آپ سے بے حد متاثر تھے۔

عجمی تصوف پر اقبال کی سخت تنقید سے کچھ لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ اقبال کو تصوف اور صوفیائے کرام سے نفرت

Marfat.com

ہے۔ چنانچہ اقبال کے دوست خواجہ حسن نظامی نے غلط فہمی کی بناء پر بہت کچھ لکھا اور شائع بھی کیا۔ مگر دوستی اپنی جگہ قائم رہی۔

اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو اقبال کی بیشتر تصانیف صوفیائے کرام سے روحانی طور پر تاثر کا نتیجہ ہیں۔ اقبال کے خطبات، مکتوبات اور منظومات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کو اس گروہ احرار سے خاص تعلق اور روحانی لگاؤ تھا۔ مثلاً ان کی تصانیف میں ان حضرات کا ذکر ملتا ہے۔ شیخ علی ہجویریؒ، شیخ محی الدین گیلانیؒ، میر سید علی ہمدانیؒ، شیخ معین الدین چشتیؒ، شیخ فرید الدین اجودھنیؒ، شیخ محمد غوث گوالیاریؒ، شیخ نظام الدین دہلویؒ، شیخ صابر کلیریؒ وغیرہ وغیرہ۔

اقبال جس قلب میں آثار حیات پاتے اسی کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ ان کو زندگی کی تلاش تھی اور اسی تلاش میں وہ سفر و حضر میں اہل دل کی تلاش میں رہتے تھے۔ مزارات پر حاضر ہوتے اور مستفیض ہوتے۔ ان کی نظر میں ''درس کتاب'' سے ''درس نظر'' کہیں بہتر ہے۔

صد کتاب از اہل ہنر
خوشتر آں درسے کہ گیری از نظر
ہر کسے ذان مے کہ ریزد از نظر
مست می گردد باند از دگر
از دم باد سحر میرد چراغ
لالہ زاں باد سحر مے در ایاغ[8]

خدا شناسی کی یہ لگن ہی تھی کہ آخری عمر میں تمام کتابوں کا مطالعہ ترک کر کے صرف قرآن پاک اور مثنوی مولانا روم کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مجددؒ سے اقبال کی عقیدت

اقبال نے بھی سلسلہ قادریہ میں اپنی بیعت اور حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار اپنے مکتوب محررہ ۱۳ نومبر ۱۹۱۷ء میں کیا ہے جو موصوف نے سید سلیمان ندوی مرحوم (م ۱۹۵۳ء) کے نام لکھا تھا۔ فرماتے ہیں:

> ''خواجہ نقشبندؒ اور مجدد سرہندؒ کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ یہی حال سلسلہ قادریہ کا ہے جس میں میں خود بیعت رکھتا ہوں۔ حالانکہ حضرت محی الدین کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔''[9]

اہل اللہ سے تعلق ہی کا فیضان تھا کہ اقبال نے خوددارانہ زندگی بسر کی۔ نہ اہل دُوَل کی چوکھٹ پر خود جھکے اور نہ اپنی قوم کو جھکایا اور ہر منزل پر اہل اللہ سے تعلق رکھنے کی تلقین کی۔ چنانچہ ''ضرب کلیم'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

چاہیے خانہ دل کی کوئی منزل خالی
شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمان عزیز

وہ نوجوانان قوم کو ''مہمان عزیز'' کی تلاش میں سرگرم رکھنا چاہتے ہیں۔اسی لئے ''ضربِ کلیم'' میں ایک اور جگہ کہا ہے ۔

شیخ مکتب کے طریقوں سے کشاد دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

چراغِ دل کو فروزاں کرنے کے لئے تو کسی ضیا بار قلب ہی کی ضرورت ہے جو اپنی ضیا باریوں سے قلب کو منور کردے اور زندگی' زندگی بن جائے۔اسی لئے اپنے عزیز فرزند جاوید کو نصیحت فرماتے ہیں:

دربار شہنشہی سے خوشتر
مردان خدا کا آستانہ!
ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر
جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا
اللہ کی شان بے نیازی[۱۱]

اقبال خود بھی ایسے فقر کی تلاش میں تھے جس کی اصل حجازی ہو۔وہ عجمیت کے نہیں حجازیت کے عاشق تھے اور جہاں جہاں ان کو حجازیت کے آثار نظر آتے تھے وہ بسر و چشم اور بصد شوق و ذوق اس طرف جاتے تھے۔ان کے نزدیک عجمیت ''سکونی'' (Static) ہے اور ''حجازیت'' حرکی (Dynamic) ہے۔سلسلہ نقشبندیہ سے اقبال کا تعلق خاطر حرکیت پسندی ہی کی وجہ سے ہے۔ان کے نزدیک یہ سلسلہ حرکت اور رجائیت پر مبنی ہے۔چنانچہ عبدالقادر بیدل (م۔۱۱۳۳ھ)[۱۱] کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال نے سلاسل طریقت پر بھی اجمالی روشنی ڈالی ہے۔فرماتے ہیں:

> ''بیدل کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور ہے۔نقشبندی سلسلے اور حضرت مجدد الف ثانی سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد بھی یہی ہے۔نقشبندی مسلک حرکت اور رجائیت پر مبنی ہے مگر چشتی مسلک میں قنوطیت اور سکون کی جھلک نظر آتی ہے۔اسی وجہ سے چشتیہ سلسلے کا حلقہ ارادت زیادہ تر ہندوستان تک محدود ہے مگر ہندوستان سے باہر افغانستان' بخارا' ترکی وغیرہ میں نقشبندی مسلک کا زور ہے۔''[۱۲]

حضرت مجدد کی ذات گرامی اقبال کے دعوے پر شاہد عادل ہے۔خاک ہند نے حضرت مجدد الف ثانی جیسا انقلاب انگیز صوفی پیدا نہیں ہوا۔آپ نے عجمیت کے رنگ میں رنگی ہوئی فضا کو حجازی رنگ میں رنگا۔مسلم کا فرنما کو مسلم بنایا۔حضرت مجدد کی اسی فکری اور عملی انقلاب انگیزی اور حرکت پسندی نے اقبال کو اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ کشاں کشاں آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ع

Marfat.com

رحمت حق بہانہ می جوید

حضرت مجدد کی تعلیمات اور عملی و علمی کارناموں کے مطالعہ سے پہلے اقبال اس طرف متوجہ نہ تھے۔ راقم کے کرم فرما اور خاندان مجددیہ کے چشم و چراغ مخدومی حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب سرہندی مرحوم نے اقبال سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے:

"ایک مرتبہ چند احباب کے ساتھ سرہند شریف جاتے ہوئے لاہور پہنچا تو اقبال سے ملاقات کو دل چاہا۔ چنانچہ عصر کے وقت ملاقات کے لئے گیا۔ اقبال کو جب یہ معلوم ہوا کہ مجھ کو خاندان مجددیہ سے نسبی تعلق ہے تو انہوں نے بڑی عزت افزائی فرمائی اور حضرت مجدد سے اپنی عقیدت کی ابتداء کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا۔

اقبال نے کہا کہ ایک مرتبہ میں حافظ عبدالحلیم کے ہاں چند احباب کے ساتھ بسی گیا ہوا تھا۔ واپسی کے وقت راستے میں سرہند پڑا۔ احباب حضرت مجدد کے مزار مبارک پر فاتحہ خوانی کے لئے گئے۔ مجبوراً مجھے بھی جانا پڑا۔ سب لوگ مراقب ہوگئے۔ میں بیٹھا رہا۔ اچانک مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔ لرزنے لگا اور تھوڑی دیر بعد بے ہوش ہوگیا۔ جب سب لوگ مراقبے سے فارغ ہوئے تو مجھ پر پانی چھڑکا اور میں ہوش میں آیا۔ اس روحانی تجربے کے بعد مجھ کو معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء فیضان الٰہی سے خالی نہیں۔"

حضرت مولانا محمد ہاشم جان فرماتے ہیں کہ اقبال یہ واقعہ بیان کرتے اور روتے جاتے۔ ان کا دل محبت سے معمور اور آنکھیں اشکبار تھیں۔

گاہ بحیلہ می برد گاہ بزور می کشد
عشق کی ابتدا عجب عشق کی انتہا عجب

سید نذیر نیازی کے نام اقبال نے جو مکاتیب ارسال فرمائے ہیں ان میں بھی سرہند شریف حاضری کا ذکر ہے لیکن غالباً یہ حاضری عقیدت مندی اور محبت کے بعد ہوئی چنانچہ اپنے مکتوب محررہ ۲۹ جون ۱۹۳۴ء میں تحریر فرماتے ہیں۔

"آج شام کی گاڑی میں سرہند شریف جا رہا ہوں۔ چند روز ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا۔

ہم نے جو خواب تمہارے اور شکیب ارسلان کے متعلق دیکھا ہے وہ سرہند بھیج دیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بہت بڑا فضل کرنے والا ہے۔

پیغام دینے والا معلوم نہ ہوسکا کہ کون ہے۔ اس خواب کی بناء پر وہاں کی حاضری ضروری ہے۔ اس کے علاوہ جاوید جب پیدا ہوا تھا تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب وہ ذرا بڑا ہوگا تو اسے حضرت کے مزار پر لے جاؤں گا۔ وہ بھی ساتھ جائے گا تا کہ یہ عہد بھی پورا ہو جائے۔ چوہدری محمد حسین،

Marfat.com

منشی طاہر الدین اور علی بخش ہمراہ ہوں گے۔ اتوار کی صبح کو لاہور واپس پہنچیں گے۔'' [۱۳]

۳۰ جون ۱۹۳۴ء کے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''میں ہفتہ کی شام کو سرہند سے واپس آ گیا تھا۔ نہایت عمدہ اور پُر فضا جگہ ہے۔ انشاء اللہ پھر بھی جاؤں گا۔'' [۱۴]

پھر ۳ جولائی ۱۹۳۴ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''سرہند خوب جگہ ہے۔ مزار نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے۔ بڑی پاکیزہ جگہ ہے۔ پانی اس کا سرد و شیریں ہے۔ شہر کے کھنڈرات دیکھ کر مجھے مصر کا قدیم شہر فسطاط یاد آ گیا جس کی بنیاد حضرت عمر بن العاص نے رکھی تھی۔ اگر سرہند کی کھدائی ہو تو معلوم نہیں کہ اس زمانے کی تہذیب وتمدن کے کیا انکشافات ہوں۔ یہ شہر فرخ سیر کے زمانے میں بحال تھا اور موجودہ لاہور سے آبادی و وسعت کے لحاظ سے دگنا تھا۔'' [۱۵]

مندرجہ بالا مکاتیب نقل کرنے کے بعد سید نذیر نیازی صاحب نے مندرجہ ذیل توضیحی حاشیہ لکھا ہے۔

''حضرت علامہ سرہند سے بڑا گہرا اثر لے کر آئے تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ مسلمان اپنی تاریخ وتمدن سے کس درجہ بے خبر ہیں بلکہ اس سے غفلت برت رہے ہیں۔

راقم الحروف کے دل پر ایک تو اس اسلوب کا بڑا اثر تھا جس میں حضرت علامہ نے سرہند کا نقشہ کھینچا تھا...... یہ اسلوب کیسا برجستہ اور تصنع سے پاک تھا۔ صاف و سادہ اور شہر کے ان احوال پر جیسا کہ مشاہدے سے ان کا انکشاف ہوا یعنی حقیقت پر مبنی...... ثانیاً ان کا ذہن بعض سکھ گروؤں کے اس قتل کی طرف منتقل ہو گیا جس کو سکھوں نے مکتوبات کے حوالے سے کسی نہ کسی طرح حضرت مجددؒ کے اثر کا نتیجہ ٹھہرایا ہے اور جن کی بناء پر ان کا مذہبی فریضہ بن گیا تھا کہ ہر آنے جانے والا سکھ' سرہند کی ایک ایک اینٹ دریا میں ڈال دے' اسلام اور مسلمانوں کے اس ثقافتی مرکز کی تباہی گویا سکھوں کے ہاتھ سے ہوئی اور پھر ابدالی کی غلط بخشی ملاحظہ ہو کہ ۱۷۶۷ء میں سکھوں کا زور ٹوٹنے کے باوجود سرہند کی حکومت ایک سکھ سردار کے سپرد کر دی۔'' [۱۶]

مولانا عبد المجید سالک نے بھی ''سفر سرہند'' کے عنوان کے تحت اقبال کے سرہند شریف جانے اور ان کے قلبی تاثرات کو قلمبند کیا ہے۔ [۱۷] پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے بھی سفر سرہند کا ضمنی طور پر ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

''۱۹۳۵ء میں ان کو حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور مزار مبارک پر مراقب ہو کر جو روحانی فیض ان کو حاصل ہوا اور جو کیفیت ان پر طاری ہوئی اس کا کچھ تذکرہ انہوں نے مجھ سے بھی کیا تھا۔'' [۱۸]

Marfat.com

راقم الحروف نے پروفیسر موصوف کو خط لکھ کر اقبال کے تاثرات کے متعلق مزید استفسار کیا تھا جس کے جواب میں انہوں نے تحریر فرمایا:

''تذکرے کی تفاصیل میرے ذہن میں اب بالکل محفوظ نہیں ہیں لیکن اس قدر یاد ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ سجادہ نشین خلیفہ محمد صادق مرحوم نے میرے لئے مزار مبارک پر تخلیہ کرادیا تھا۔ میں ایک گھنٹے تک مراقب رہا اور حضرت مجدد کی روح میری طرف محبت آمیز رنگ میں متوجہ رہی۔ مجھے ماحول کا احساس نہیں رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تمہاری دینی خدمات سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی ہیں۔ آنحضورؐ کی تم پر خاص نگاہ کرم ہے۔ میرے قلب میں سوز وگداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی جس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہوسکتا اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ خاصان خدا کا فیض بعد وفات بھی جاری رہتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ حضور انور کے روضہ مبارک سے کس قدر فیض جاری ہے۔ رقت کا عالم برابر طاری رہا۔ زمان ومکاں کا احساس ختم ہوگیا تھا۔ روحانی فیض میرے رگ وپے میں ساری تھا۔ دل میں اس قدر وسعت پاتا تھا کہ ساری کائنات اس میں سماگئی۔''[۱۹]

اقبال نے ''ضرب کلیم'' (۱۹۳۵ء) میں اسی تجربے کی بناء پر کہا ہے:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اقبال کی عقیدت کا اس سے بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ موصوف نے ۱۹۳۳ء میں انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اقبال نے ۱۸ اگست ۱۹۳۳ء کو پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کو ایک مکتوب تحریر کیا تھا۔ اس میں لکھتے ہیں:

''میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر اُدھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔''[۲۰]

اس مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کے دل میں حضرت مجدد الف ثانی کا کیا مقام تھا۔ وہ ان کے فلسفہ کو یورپ کے لوگوں سے متعارف کرانا چاہتے تھے۔ اسی لئے ۱۹۳۱ء میں روم اور قاہرہ میں جو تقریریں کی تھیں ان میں بھی حضرت مجدد کا ذکر فرمایا تھا۔ موضوع Religious Experience تھا۔ اسی سنہ میں لندن میں ایک تقریر کی تھی جس کا عنوان تھا "Is Religion Possible?"۔ اس میں بھی حضرت مجدد الف ثانی کا تفصیلی ذکر موجود ہے جس کو ہم آئندہ چل کر بیان کریں گے۔

۱۹۳۲ء میں اقبال نے حضرت مجدد پر جس تقریر کا ذکر کیا ہے وہ باوجود تلاش بسیار کے دستیاب نہ ہوسکی۔ راقم

Marfat.com

نے ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم سے دریافت کیا تھا۔ موصوف نے تحریر فرمایا' سنا ہے اس تقریر کا مسودہ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر جاوید اقبال کے پاس ہے۔[۲۱]

راقم نے ڈاکٹر جاوید اقبال سے استفسار کیا۔ جواب نفی میں آیا۔[۲۲] چونکہ اس سفر میں مولانا غلام رسول مہرؔ اقبال کے ساتھ تھے۔ اس لئے موصوف سے بھی دریافت کیا۔ مولانا نے سفر یورپ کا روزنامچہ دیکھ کر تفصیلات سے آگاہ کرنے کا وعدہ فرمایا تھا،[۲۳] مگر ہنوز کوئی جواب نہیں آیا۔ انگلستان میں ڈاکٹر آربری کو لکھا۔ انہوں نے بھی یہی لکھا کہ یہ تقریر انگلستان میں شائع نہیں ہوئی اور تلاش بسیار کے بعد اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔[۲۴] ڈاکٹر عبادت بریلوی آج کل لندن میں ہیں۔ ان کو بھی لکھا لیکن موصوف نے جواب دیا۔

''بہت سے لوگوں سے پوچھا' یونیورسٹیوں کو بھی لکھا لیکن سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں اب بھی تلاش میں ہوں۔ اگر مل گیا تو اس کی نقل آپ کو ضرور بھجوا دوں گا۔''[۲۵]

حضرت مجدد کے علمی اور عملی کارناموں نے اقبال کو بہت متاثر کیا۔ اقبال نے ''بال جبریل'' کی ایک نظم میں اپنے قلبی تاثرات اور حضرت مجدد کے کارناموں کا ایجاز و اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس نظم کا عنوان ہے'' پنجاب کے پیرزادوں سے'' گویا یہ نظم خانقاہ نشینوں کے لئے درس طریقت ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے' گرمی احرار

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں میری بینا ہیں لیکن نہیں بیدار

آئی یہ صدا کہ سلسلہ فقر ہوا بند
ہیں اہل نظر کشور پنجاب سے بیزار

عارف کا ٹھکانہ نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلہ فقر سے ہو طرہ دستار

باقی کلہ فقر سے تھا ولولہ حق
طروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار[۲۶]

Marfat.com

اقبال نے اس نظم میں حضرت شیخ احمد سرہندی کو "شیخ مجدد" کہا ہے۔ غیر متعلق نہ ہوگا' اگر یہاں یہ بتاتا چلوں کہ "مجدد الف ثانی" کا خطاب سرزمین سیالکوٹ کے ایک مایہ ناز عالم علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء) نے دیا تھا۔ سب سے پہلے موصوف نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت شیخ احمد سرہندی کو "مجدد الالف ثانی" تحریر فرمایا۔[۲۷] پھر یہ خطاب دور و نزدیک پھیل گیا اور آج آپ اسی خطاب سے جانے جاتے ہیں اور حسن اتفاق کہ اسی سرزمین سے اقبال پیدا ہوا جس نے تعلیمات مجددیہ کو از سر نو زندہ کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ واقعی آپ الف ثانی کے مجدد ہیں۔

اقبال نے متذکرہ بالا نظم میں حضرت مجدد کے تجدیدی کارناموں اور مجاہدانہ کارگزاریوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ع

اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

"صاحب اسرار" سے علوم دینیہ اور امور دنیویہ میں حضرت مجدد کی ژرف نگاہی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے بعد ہی جہانگیر کے دربار میں حاضری کا اس طرح ذکر کیا ہے ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

جہانگیر نے حضرت مجدد پر ایک جھوٹا الزام لگا کر[۲۸] دربار میں طلب کیا تھا۔ دربار میں جانے سے پہلے شہزادہ خرم (شاہجہاں) نے جو آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا' چند علماء کو بھیج کر یہ درخواست کی تھی کہ حضرت' جہانگیر کے سامنے سجدہ تعظیمی کر لیں تو کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ نیز یہ کہ علمائے کرام نے سجدہ تعظیمی کو مباح لکھا ہے۔ اس پر آپ نے جواب دیا...... یہ تو رخصت ہے' عزیمت یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔[۲۹] حضرت مجدد کی عزیمت پسندی نے سرزمین ہند کو بڑی ہلاکت سے بچا لیا اور تاریخ ہند کا رخ موڑ دیا۔ اگر رخصت پر عمل کیا ہوتا تو پھر جہانگیر' جہانگیر نہ ہوتا۔ شاہجہاں شاہجہاں نہ ہوتا۔ اورنگزیب' اورنگزیب نہ ہوتا۔ تاریخ ہند کا کچھ اور ہی رخ ہوتا۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف علامہ اس شعر میں اشارہ فرماتے ہیں ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

عجب نہیں کہ مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" میں اسلام میں فقر و درویشی کا تصور پیش کرتے ہوئے حضرت مجدد کی سیرت بھی سامنے ہو' ان اشعار کے قرائن سے کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے' اقبال فرماتے ہیں ؎

چیست فقر اے بندگان آب و گل
یک نگاہ راہ بیں' یک زندہ دل
فقر' کار خویش را سنجیدن است
بر دو حرف "لا اللہ" پیچیدن است
فقر' ذوق و شوق و تسلیم و رضاست

Marfat.com

ما امینیم ایں متاع مصطفیٰ ست
برگ و ساز او در قرآن عظیم
مرد درویشے نہ گنجد در گلیم
قلب او را قوت از جذب و سلوک
پیش سلطان نعرہ او ''لا ملوک''

حضرت مجدد نے جہانگیر کے سامنے یہی نعرہ ''لاملوک'' بلند کیا تھا جس کی پاداش میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں [11] اور آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کو برداشت کیا اور ثابت کر دکھایا۔

''فقر، ذوق وشوق وتسلیم ورضاست''

اقبال نے ''ضرب کلیم'' میں انہی حضرات کے لئے کہا ہے......

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انہیں کا طواف بتاں سے ہے آزاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زناری

اقبال اس شخص کی پیشوائی وامامت کوملت اسلامیہ کے لئے فتنہ قرار دیتے ہیں
''''جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے......''

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

حضرت مجدد نے شاہ پرستی نہیں سکھائی۔ خدا پرستی سکھائی۔ یہی ادا اقبال کو بھائی ہے۔ انہوں نے خود، خوددار طبیعت پائی تھی۔ غیر اللہ کے سامنے جھکنا ان کے نزدیک موت کے مترادف تھا۔ وہ ایک سجدے کو سب سجدوں پر بھاری سمجھتے تھے۔

وہ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مذکورہ بالا نظم کے چوتھے شعر میں اقبال نے حضرت مجدد کے اصلاحی کارناموں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

تاریخ کے طلبہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اکبر کے ہاتھ ملت اسلامیہ کا سرمایہ کس بے دردی سے لٹ رہا تھا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ ۱۵۸۲ء میں دین اسلام کے مقابلے میں ایک نیا دین ''دین الٰہی'' کے نام سے بنایا گیا اور یہ دین اسلام پر اکبر کا آخری وار تھا۔ اکبر کے درباری مورخ عبدالقادر بدایونی نے ''منتخب التواریخ'' میں

Marfat.com

اکبر کی بے راہ رویوں اور گمراہیوں اور عام ناگفتہ بہ حالات کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے۔

"اکبر آفتاب کی پرستش کرتا تھا' آب و آتش' شجر و حجر سب کی پرستش کی جاتی تھی۔ گائے کے گوبر کی پوجا ہوتی تھی۔ اکبر قشقہ لگاتا تھا۔ زنار پہنتا تھا۔ کتے کو ناپاک نہیں سمجھتا تھا بلکہ ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا جاتا تھا۔ ان کی زیارت عبادت تصور کی جاتی تھی' جانور ذبح کرنے والے خصوصاً گائے ذبح کرنے والوں کی انگلیاں کاٹ دی جاتی تھیں' قلعہ میں جوئے کی بازیاں لگتی تھیں۔ شراب دھڑلے سے بکتی تھی اور شراب فروش ایک مسلمان عورت تھی' "شیخ الاسلام" مفتی صدر جہاں اور "میر عدل" میر عبدالحیٔ بھی خم پہ خم چڑھایا کرتے تھے۔ داڑھی کا رکھنا معیوب تھا' عربی لکھنا اور پڑھنا جرم تھا۔ حتیٰ کہ عربی حروف کے استعمال کی بھی ممانعت کردی گئی تھی۔ مسجدیں ویران ہورہی تھیں اوران کی جگہ یا تو اصطبل بن رہے تھے یا مندر۔ الغرض دین اسلام کی پوری پوری بیخ کنی کی جارہی تھی اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں ہورہا تھا۔"[۳۱] (ملخصاً)

ان حالات میں حضرت مجدد نے اصلاح وتبلیغ کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ مکتوبات شریف میں اعیان مملکت کے نام بے شمار مکتوب ملتے ہیں جن میں حالات کی اصلاح کی طرف ترغیب دلائی ہے۔ مثلاً دربار اکبری کے ممتاز فرد شیخ فرید بخاری (م ۱۰۲۵ھ۔ ۱۶۱۶ء) کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ذرا خیال کریں کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ مسلمانی کی بو بھی باقی نہیں رہی۔ ایک دوست نے کہا ہے کہ تم لوگوں میں سے جب تک کوئی دیوانہ نہ ہوگا مسلمانی تک پہنچنا مشکل ہے۔ اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے اپنے نفع و نقصان کا خیال بھی نہ کرنا' یہ ہے دیوانگی۔ اسلام رہے تو کچھ بھی ہو اور اگر نہ رہے تو پھر کچھ بھی نہ رہے۔ اگر مسلمانی ہے تو پھر خدا کی رضا اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی بھی ہے اور آقا کی رضا سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔"[۳۲]

اس طرح حضرت مجدد نے اعیان مملکت کو دین اسلام کی زبوں حالی اور آنے والی تباہی سے بروقت خبردار کیا۔ اکبر کے زمانہ میں راستہ ہموار کیا اور جہانگیر کے زمانے میں وہ وقت بھی آیا جبکہ خود جہانگیر نے امور شرعیہ میں مشورہ دینے کے لئے علماء کا ایک کمیشن مقرر کیا اور حالات روبہ اصلاح ہونے لگے۔ اورنگ زیب کے عہد تک اسلام کو جو فروغ ہوا وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ یہ سب کچھ خاندان مجددیہ کی مساعی جمیلہ کا ثمر شیریں تھا۔ اس پر ایک علیحدہ مقالہ لکھنے کی ضرورت ہے۔

"بال جبریل" میں ایک اور نظم ملتی ہے جس کا عنوان ہے "ساقی"۔ اس کا مطلع ہے:

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی[۳۳]

Marfat.com

یہاں ''ساقی'' سے حضرت مجدد الف ثانی کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا شعر ہے ۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

میاں بشیر احمد بیرسٹرایٹ لاء نے اس شعر کا مفہوم اقبال سے پوچھا تھا۔ یہ باتیں انہیں کی زبانی سنیئے ۔

''جب وہ اپنی میو روڈ والی کوٹھی جاوید منزل میں آچکے تھے میں کبھی کبھی حاضر ہوتا اور ''بال جبریل'' کے بعض اشعار کا مفہوم دریافت کرتا۔ ایک دن میں نے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب اس شعر میں کیا اشارہ ہے۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

میں حیران ہوا کہ تین سو سال ہوئے کہ جہانگیر کے ہاں میخواری کا دور دورہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کیا پھر وہی رسم قدیم جاری کرنا چاہتے ہیں کیا؟ جواب دیا کہ نہیں' یہ شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانان ہند کے سب سے زبردست رہنما گزرے ہیں۔''[۳۴]

علامہ اقبال نے اسی مفہوم کا ایک شعر مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' میں بھی کہا ہے۔ فرماتے ہیں ۔

از سہ قرن ایں امت خوار و زبوں
زندہ بے سوز و سرور اندروں[۳۵]

اقبال کو اس حقیقت کا زبردست احساس تھا کہ حضرت مجدد کے بعد تین سو سال سے ایسا مرد حر پیدا نہیں ہوا جو افراد ملت میں آزادی و حریت اور ایمان و عشق کی روح پھونک دے۔ ان کو یہ بھی احساس تھا کہ علماء تقلید کی طرف مائل ہیں اور کوئی ایسا عالم نہیں جو میدان علم میں توسن تحقیق دوڑائے۔ اسی لئے بصد حسرت و یاس فرماتے ہیں ۔

شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملاّ کے غلام اے ساقی

حضرت مجدد الف ثانی نے علم کو عشق آشنا کیا' اسی کے سہارے دلوں پر حکمرانی کی اور باطل کی قوتوں کا مقابلہ کیا۔ اقبال اسی علم کی تلاش میں ہیں جو ہم صفیر عشق ہو۔ اسی لئے اپنے عہد کی عقلیت پرستی اور عشق سے بیگانگی پر ماتم کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

اقبال کو حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات میں مادیت کے اس تاریک دور میں روشنی اور نور نظر آرہا ہے۔ وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ نوع انسانی کے مسائل کا صحیح حل اور اس کے دردوں کا مداوا ایک مرد حر کے پاس ہے۔ اسی

Marfat.com

لئے کس حسرت سے فرماتے ہیں ؎

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی [۳۶]

وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود اور اقبالؒ

''شمع و شاعر'' اقبال کی وہ پہلی نظم ہے جس میں وہ تصور خودی ملتا ہے جو فکر جدید میں انقلاب آفریں ہے۔ اس نظم کا سال اشاعت ۱۹۱۲ء ہے۔ اسی سال اقبال نے اپنی مشہور مثنوی ''اسرار خودی'' لکھی اور مسئلہ خودی کو اس میں باضابطہ طور پر پیش کیا۔

''اسرار خودی'' کی اشاعت سے پیشتر اقبال پر وجودیت کا رنگ غالب تھا۔ ''بانگ درا'' میں وجودی مفہوم کی بہت سی نظمیں ملتی ہیں۔ اس ضمن میں معنی آفرینی کے لحاظ سے مندرجہ ذیل شعر اردو ادب میں شاہکار ہے ؎

ہاں آشنائے لب نہ ہو راز کہن کہیں
پھر نہ چھڑ جائے قصہ دار و رسن کہیں

جس زمانہ میں اقبال ڈاکٹریٹ کا مقالہ تصنیف کر رہے تھے اس وقت وہ جلال الدین رومی سے اتنے متاثر نظر نہیں آتے جتنے کہ محی الدین العربی سے۔ وہ لکھتے ہیں:

"The student of Islamic Mysticism who is anxious to see an all-embracing exposition of the principle of unity, must take up the heavy volumes of the Andalusian ibn al- Arabi, whose profound teaching stands in strange contrast with the dry-as-dust Islam of his countrymen." [۳۷]

لیکن ''اسرار خودی'' کی اشاعت کے بعد اچانک انکشاف ہوا کہ وہ اب ''ہمہ اوست'' نہیں ''ہمہ از وست'' ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ''اسرار خودی'' کے شائع ہونے کے بعد ان کے کیمبرج کے استاد فلسفہ میک ٹیگرٹ نے انہیں لکھا کہ طالب علمی کے زمانے میں تو تم زیادہ تر ''ہمہ اوست'' معلوم ہوتے تھے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ ادھر سے ہٹ گئے۔ [۳۸]

''اسرار خودی'' کی تمہید میں اقبال نے حافظ شیرازی اور عجمی تصوف پر سخت تنقید کی ہے جس سے خواجہ حسن نظامی بہت برگشتہ ہوئے اور علامہ کے خلاف بہت کچھ لکھا۔

اقبال کی ''اسرار خودی'' عجمی تصوف کے خلاف اعلان بغاوت تھا اور احیائے شریعت اسلامیہ کے لئے ایک نیک کوشش۔ خود فرماتے ہیں:

> ''ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین سے آشنائی نہیں۔ ان کے لٹریری آئیڈیل بھی ایرانی ہیں۔ میں

Marfat.com

چاہتا ہوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں جس کی اشاعت رسول اللہ ﷺ کے منہ سے ہوئی۔"[۹۰]

نکلسن "اسرار خودی" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"The cry "Back to the Quran" "Back to Muhammad" has been heard before, and the responses have hitherto been somewhat discouraging. He sees that Hindu intellectualism and Islamic Pantheism has destroyed th capacity for action- now, this capacity depends ultimately on the conviction that Khudi is real and is not merely an illusion of mind."[۹۱]

نظریہ وحدۃ الوجود میں اس تصور کی گنجائش نہیں کہ خودی وہم نہیں بلکہ ایک لازوال حقیقت ہے۔ جیسا کہ اقبال کا نظریہ ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۴ء کے دوران امرتسر میں حضرت مجدد کے مکتوبات شائع ہوتے رہے۔ اقبال نے ضرور ان کا مطالعہ کیا ہوگا۔ حضرت مجدد کے ہاں نظریہ شہود ہے۔ اس میں ذات عبد نمایاں ہے' اقبال اس نظریہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وہ "اسرار خودی" میں حضرت جلال الدین رومی سے کمال عقیدت، کے باوجود ان کے نظریہ "فناء" سے متفق نہیں جیسا کہ نکلسن نے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"Much as he dislikes the type of Sufism exhibited by Hafiz, he pays homage to the pure and the profound genius of Jalaluddin. Though he rejects the doctrine of self-abandonment taught by the great Persian mystic and does not accompany him in his pantheistic flights."

نکلسن نے تو یہ لکھا ہے کہ اقبال جلال الدین رومی کے تصور وحدۃ الوجود سے متفق نہیں تھے لیکن خود اقبال کو رومی کے ہاں وحدۃ الوجود نظر نہیں آتا۔ ایک مضمون میں انہوں نے خواجہ حسن نظامی کو لکھا تھا۔

"حضرت! میں نے مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ کی مثنوی کو بیداری میں پڑھا ہے اور بار بار پڑھا ہے۔ آپ نے شاید اس کو سکر کی حالت میں پڑھا ہے کہ اس میں آپ کو وحدۃ الوجود نظر آتا ہے۔"[۹۲]

گسستن و پیوستن (سرّ الوصال۔ سرّ الفراق)

اقبال نے ابتداء میں جب رومیؒ کا مطالعہ کیا تو وہ وجودی تھے۔ اگر رومی کے ہاں وحدۃ الوجود نہیں تھا تو پھر اقبال کا اس دور میں وجودی ہونا تعجب انگیز ہے کیونکہ سب سے زیادہ انہوں نے رومی ہی سے تاثر قبول کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلک شہودی کے طرف ان کا میلان طبع 'مطالعہ مجدد کا مرہون منت ہے۔ اس فکر کی تعمیر میں اور عوامل بھی شامل رہے۔ استاذی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

''آخر کار ہمارے مجدد الف ثانیؒ نے وحدۃ الوجود کے مقابلے میں وحدۃ الشہود کا عقیدہ قائم کر کے قرآن اور حدیث کی اتباع پر زور دیا اور سب سے آخر میں شاہ ولی اللہ کا ظہور ہوا جنہوں نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود دونوں کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ مشرق کے ان مفکرین سے اقبال نے استفادہ کیا۔''[۴۳]

اقبال نے ایک جگہ خود اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ وہ طالب وصال نہیں' طالب فراق ہیں۔ فراق طلبی ان کے نزدیک اصل حیات ہے۔ اسی لئے وہ اتحاد و حلول کے نظریے سے گریزاں نظر آتے ہیں۔ حضرت مجدد کی فراق پسندی ان کو پسند ہے۔ اسی لئے وہ خود کو ''سرّ الوصال'' کہلانا پسند نہیں کرتے بلکہ ان کو ''سرّ الفراق'' کہلانے پر اصرار ہے۔

چنانچہ ایک مکتوب میں خواجہ حسن نظامی کو تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت امام ربانی نے مکتوب میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ گسستن اچھا ہے یا پیوستن۔ میرے نزدیک گسستن عین اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور اسی کے خلاف میں صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔ گزشتہ علمائے اسلام نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے۔ آپ کو یاد ہوگا جب آپ نے مجھے ''سرّ الوصال'' کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے ''سرّ الفراق'' کہا جائے۔ اس وقت میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانی نے کیا ہے۔''[۴۴]

شیخ محمد اکرام نے بھی اس مکتوب کا کچھ حصہ ''رودِ کوثر'' میں نقل کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے:

''اقبال نے ''سرّ الفراق'' کے جس خطاب کی خواہش کی تھی اس کے حضرت مجدد الف ثانی اس سے بھی زیادہ مستحق ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ابن العربی کو ''سرّ الوصال'' اور حضرت مجدد کو ''سرّ الفراق'' کہا جائے تو ان کے فلسفوں اور وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا امتیاز بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔''[۴۵]

بہرکیف اقبال' حضرت مجدد کی اتباع میں ''سرّ الفراق'' کہلانا پسند کرتے ہیں اور مسلک وحدۃ الشہود ہی ان کا مسلک ہے۔ وحدۃ الوجود کو زندیقیت سے تعبیر کرتے ہیں اور اس سے تائب ہو گئے ہیں۔ ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں:

''خواجہ صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یورپ کا علمی مذہب تو وحدۃ الوجود ہے جس کے وہ حامی ہیں۔ میں تو اس مذہب سے جو میرے نزدیک زندیقیت ہے' تائب ہو کر خدا کے فضل و کرم سے مسلمان ہو چکا ہوں۔''[۴۶]

وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات سے جو مسموم اثرات پھیل رہے تھے اس سے اقبال نے نہ صرف خود کو محفوظ رکھا

Marfat.com

بلکہ ملت اسلامیہ کو محفوظ رکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ یہی وہ مشن تھا جس کی حضرت مجدد نے ابتداء کی تھی۔ اقبال نے حضرت مجدد کے اس مشن کو ترقی دی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''رہبانیت دنیا کی ہر مستعد قوم میں اس کے عملی زوال کے وقت پیدا ہوئی ہے۔ اس کا مٹانا ناممکن ہے کہ بعض رہبانیت پسند طبائع ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ صرف اسی قدر ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کریں اور اس کو رہبانیت کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔''[۴۷]

اسی مقصد کے لئے اقبال نے مثنوی ''اسرار خودی'' اور ''رموز بے خودی'' لکھی جو ملت اسلامیہ کی حیات اجتماعیہ پر اثر انداز ہوئی۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے صحیح لکھا ہے:

''سر محمد اقبال ایک بڑے شاعر اور فلسفی عالم تھے۔ جب سے انہوں نے ''اسرار خودی'' تصنیف کی مسلمانوں کے سیاسی اور اخلاقی خیالات کے رجحان کو بدل دیا۔ انہوں نے تصوف کے نظریہ فنا یا نفی خودی کی تنقیص کی اس کے بجائے خودی اور اثبات خودی کو تجویز کیا اور وحدت وجود پر اعتراض کیا۔''[۴۸]

ڈاکٹر برہان احمد نے جہاں مابعد حضرات پر حضرت مجدد کے اثرات کا جائزہ لیا ہے' وہاں لکھا ہے:

''بعد ازاں سر محمد اقبال نے متصوفین کے عقیدہ وحدت وجود کے خلاف احتجاج کیا اور اسلامی اخلاقیات کو نئی روح بخشی اور جہد و عمل کی زندگی کی تلقین کی۔''[۴۹]

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے ایک نشریہ تقریر میں بھی اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی کے فکری مماثلات کا اس طرح ذکر کیا ہے:

''مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال کے افکار میں بظاہر جو مماثلت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کے دل میں ولولہ تھا کہ لوگوں کے خیالات کا رخ اسلام کی طرف پھیرا جائے۔ دونوں کشف کو ذریعہ علم سمجھتے ہیں۔ دونوں وحدۃ الوجود (نظریہ اتحاد و حلول) کو غلط سمجھتے ہیں۔ دونوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی اسوہ کامل اور معیار کمال کی حیثیت رکھتی ہے۔''[۵۰]

اقبال کی شہودیت پسندی نے ان کو مقام ''عبدیت'' کے تصور سے آشنا کیا کیونکہ وجودیت میں عبدیت کا کیا سوال؟ اسی نظریہ ''عبدیت'' پر علامہ نے اپنے مشہور نظریہ ''خودی'' کی بنیاد رکھی ہے۔ ابوسعید نورالدین نے بھی لکھا ہے:

''شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے بھی جو برصغیر پاک و ہند کے ایک بہت بڑے صوفی گزرے ہیں' انہوں نے بڑے شد و مد کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ سلوک میں سالک کی آخری

Marfat.com

منزل جیسا کہ عام طور پر صوفیہ کا عقیدہ ہے' وحدۃ الوجود نہیں بلکہ اس سے بھی آگے اور ایک منزل ہے جسے مقام عبدیت کہنا چاہیے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر سالک پر یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ ایک بندہ محض ہے۔ وحدۃ الوجود کے تصور سے اس پر خدا سے اتحاد و اتصال کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ کوئی دائمی کیفیت نہیں ہے بلکہ عارضی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بندہ' بندہ ہے اور خدا' خدا ہے۔''

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے اس نقطہ نظر سے علامہ اقبال بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ وہ اپنی خودی کو فنا کر کے خدا یا انائے مطلق میں ضم ہو جانے کے ہرگز قائل نہیں اور ''مقام عبدیت'' یا ''مقام بندگی'' کو ترک کر کے شان خداوندی قبول کرنے کے لئے قطعاً راضی نہیں۔

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی[۵۱]

شریعت وطریقت کو ہم آہنگ کر کے ایک طرف تو حضرت مجدد نے عجمی تصوف کو اسلامی رنگ میں رنگا اور دوسری طرف وحدۃ الوجود کے مقابلے میں وحدۃ الشہود کا تصرف پیش کر کے اس رنگ کو اور نکھارا اور نام نہاد صوفیہ کے دام تزویر سے ملت اسلامیہ کو بچایا۔ یہ تصورات تصوف میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

ذوالنون مصری (م۔ ۲۴۵ھ/ ۸۵۹ء) پہلے صوفی ہیں جن سے وحدۃ الوجود کے خیالات منسوب کئے جاتے ہیں۔ ان کی بدولت اس تصور نے فروغ پایا اور حسین بن منصور الحلاج (م۔ ۳۰۹ھ/ ۹۲۱ء) کے ہاں اس نے کمال حاصل کیا۔ منصور کے بعد محی الدین ابن العربی۔ (م۔ ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء) نے وحدۃ الوجود کو شدومد کے ساتھ پیش کیا۔ ''فتوحات مکیہ''، ''ترجمان الاشواق'' اور ''فصوص الحکم'' وغیرہ میں وجودی تصورات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس تصور کا مؤید ہونے کی وجہ سے دوسرے مذاہب کے متعلق جو ان کا طرز عمل تھا' وہ ان اشعار سے نمایاں ہے جن کا ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے:

''آج سے پہلے میرا یہ حال تھا کہ جس ساتھی کا دین مجھ سے نہ ملتا میں اس کا انکار کرتا اور اسے اجنبی سمجھتا لیکن اب میرا دل ہر صورت کو قبول کرتا ہے' وہ اب ایک چراگاہ بن گیا ہے' غزالوں کی۔ اور دیر ہے راہبوں کا' اور آتشکدہ ہے آتش پرستوں کے لئے اور کعبہ ہے حاجیوں کے لئے اور الواح ہے تورات کی اور صحیفہ ہے۔ قرآن کا۔

میں اب مذہب عشق کا پرستار ہوں۔ عشق کا قافلہ جدھر چاہے مجھے لے جائے۔ میرا دین بھی عشق ہے میرا ایمان بھی عشق ہے۔''[۵۲]

محی الدین ابن العربی کے بعد عبدالکریم جیلی نے اس مسلک کی خوب اشاعت کی اور انسان کامل کا تصور پیش کیا۔ تصور وحدۃ الوجود سے قریب قریب تمام سلاسل طریقت متاثر ہوئے' چنانچہ سلسلہ قادریہ میں صدرالدین قونوی

اور عبدالکریم جیلی، کبرویہ میں جلال الدین رومیؒ شمس تبریز، سہروردیہ میں فرید الدین عطار، چشتیہ میں محمد گیسو دراز، جعفر مکی، نقشبندیہ میں خواجہ عبیداللہ احرار، عبدالرحمٰن جامی، عبدالغفور لاری وغیرہ۔[۵۳]

شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے مرشد خواجہ باقی باللہ کا بھی ابتداء میں یہی مسلک تھا۔[۵۴] لیکن آخر میں وہ وحدۃ الشہود کے قائل ہوگئے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اچانک اللہ کی عنایت بے غایت پردہ غیب سے ظاہر ہوئی اور بے چونی وبچگونگی کا پردہ اٹھایا گیا۔ علوم سابق جو اتحاد و وحدت کی خبر دیتے تھے تنزل پذیر ہونے لگے اور قرب و معیت ذاتیہ اور احاطہ و سریان جو اس مقام پر ظاہر ہوا تھا، مخفی ہوگیا اور یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوگئی کہ صانع کو اس عالم سے مذکورہ نسبتوں سے کوئی نسبت بھی نہیں ہے...... اور اگرچہ عالم مرایائے کمالات صفاتی اور مجالی ظہورات آسمانی ہے لیکن مظہر، عین ظاہر نہیں ہے اور ظل، عین اصل نہیں ہے جیسا کہ اہل توحید وجودی کا مذہب ہے۔''[۵۵]

شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد نے وحدۃ الوجود کو ''علم الیقین'' کے قبیل سے کہا ہے اور وحدۃ الشہود کو ''عین الیقین'' کے قبیل سے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''جو توحید اس جماعت گرامی کی راہ میں آئی ہے، دو قسم کی ہے۔ توحید وجودی اور توحید شہودی ایک دیکھنا ہے، یعنی یہ کہ سالک کا مشہود سوائے ایک کے اور کوئی نہ ہو اور توحید وجودی ایک موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم سمجھنا اور باوجود عدمیت کے اس کے مجالی و مظاہر کو ایک خیال کرنا۔ پس توحید وجودی ''علم الیقین'' کے قبیل سے ہے اور توحید شہودی ''عین الیقین'' کے قبیل سے۔''[۵۶]

غالب کا یہ شعر نظریہ توحید وجودی کا ترجمان ہے......

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

لیکن اقبال کا یہ شعر نظریہ توحید شہودی کا ترجمان ہے۔

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے نمود سیمیائی

حضرت مجدد بھی معرفت نفس اور معرفت ذات پر زور دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک منزل فنا سے اوپر بھی ایک منزل ہے جہاں ابن العربی نہیں پہنچے۔ اس منزل پر سالک کو یہ پتہ چلتا ہے کہ خدا کو محض وجدان کے ذریعہ نہیں پہچانا جاسکتا۔ اس لئے انسان کو وحی اور علوم دینیہ کی قدر و منزلت کرنی چاہیے جس کی بنیاد تمام تر وحی پر ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ شریعت کی قدر و منزلت کرنی چاہیے۔

حضرت مجدد آگے چل کر واضح کرتے ہیں کہ

"دنیا اور خدا میں رشتہ ہے جو خالق ومخلوق میں ہوتا ہے۔ اتحاد وحلول کی تمام تقریریں الحاد ہیں جو سالک کی باطنی غلط فہمی سے پیدا ہوتی ہیں۔"[۵۷]

اقبال بھی اتحاد وحلول کے قائل نہیں' اسی لئے وہ "خودی" پر زور دیتے ہیں اور "وحی" کو معمار سیرت سمجھتے ہیں۔ جس طرح حضرت مجدد سرہندی نے وحی کی اہمیت پر زور دیا ہے' اقبال نے بھی اس پر شدت کے ساتھ زور دیا ہے۔ چنانچہ "ضرب کلیم" میں کہتے ہیں ۔

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہ بر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کار حیات
فکر بے نور ترا جذب عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شب تار حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیوں کر
گر حیات آپ نہ ہو شارحِ اسرار حیات

اقبال کے نزدیک بغیر وحی کے حلال وحرام اور خوب وناخوب کی تمیز ناممکن ہے اور بغیر اس تمیز کے زندگی' زندگی ہی نہیں۔ تمام ترقیات کا دارومدار اسی امتیاز پر ہے۔ عقل پر بھروسہ کیا جائے تو وہ خود تہی دست ہے' ہاں زندگی ہی جب خود اسرار حیات واشگاف نہ کردے' مشکلیں آسان نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے وحی کی سخت ضرورت ہے اور پھر شریعت کی بھی کہ اس کا مدار وحی پر ہے۔ یہی حضرت مجدد کا نظریہ ہے اور یہی اقبال کا' اسی لئے اقبال کو ان کا تصوف پسند ہے جس کی اصل حجازی ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم مرحوم لکھتے ہیں:

"وہ رومی کا مرید ہے لیکن محی الدین ابن عربی کا مخالف ہے' جس کی کتاب "فصوص الحکم" میں اس کو توحید سے زیادہ الحاد نظر آتا ہے' وہ بڑی عقیدت سے مجدد الف ثانی کے تصوف کا قائل ہے جس نے تصوف کو دوبارہ شریعت اسلامی سے ہم آغوش کرنے کی کوشش کی۔"[۵۸]

وجودیت، ظلیت، عبدیت

مشائخ طریقت کو حضرت مجدد الف ثانی نے تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے جن کی تفصیل خود موصوف کے الفاظ میں یہ ہے۔

۱۔ طائفہ اولی قائل اندبآنکہ عالم بایجاد حق سبحانہٗ در خارج موجود است و ہر چہ در دست از اوصاف وکمال ہمہ بایجاد حق است سبحانہٗ وخود را شبحے بیش نمی دانند بلکہ شبحیت ہم از دست عزشانہٗ در بحر نیستی چناں گم می گردند کہ نہ از عالم خبر دارند ونہ از خود۔

۲۔ طائفہ دیگر عالم را ظل حق سبحانہٗ می دانند۔ اما قائل اندبآنکہ عالم در خارج موجود ست' لیکن بطریق ظلیت نہ

Marfat.com

بطریق اصالت۔ وو جود اینہا قائم بوجود حق است سبحانہٗ کقیام الظل بالاصل

۳۔ طائفہ ثالث قائل اند بوحدت وجود یعنی در خارج یک موجود ست وبس۔ وآں ذات حق است سبحانہٗ وعالم را در خارج اصلاً تحققی نیست۔ ثبوت علمی وارندی گویند۔ الاعیان ما شمت رائحۃ الوجود۔[۵۹]

گویا طائفہ اولیٰ عبدیت کا قائل ہے۔ طائفہ ثانی ظلیت کا اور طائفہ ثالث وجودیت کا۔ حضرت مجدد نے ان تین گروہوں کو بیان کر کے ان پر تبصرہ بھی فرمایا ہے چنانچہ طائفہ ثالث کے متعلق فرماتے ہیں:

''ہر چند ایں طائفہ واصل وکامل اند...... اما خلق را سخنان اینہا بضلالت و الحاد رہنمونی کردو بزندقہ رسانید۔''[۶۰]

اقبال نے ''فصوص الحکم'' (ابن العربی) کے مطالعہ کے بعد یہی لکھا ہے کہ اس میں الحاد وزندقہ کے علاوہ کچھ نہیں۔ گویا عارف کے علاوہ وحدۃ الوجود کی حقیقت کو کوئی نہیں پا سکتا جس طرح اقبال نہ پا سکے۔ طائفہ ثانی کے لئے فرماتے ہیں:

''وطائفہ ثانیہ ہر چند ایں مراتب را ہم از مبدأ جدا دیدند وبکلمۃ ''لا'' در آوردہ نفی آں نمودند اما بواسطہ ظلیت واصالت یک چیزے از بقایائے وجود ایں ہا ثابت ماند چہ رتبہ ظل را باصل رشتہ تعلق بسیار قوی است۔ ایں نسبت از نظر شاں محو شود۔''[۶۱]

طائفہ اولیٰ کے لئے فرماتے ہیں:

''طائفہ اولیٰ اکمل واتم اندو اسلم واوفق بکتاب وسنت۔''[۶۲]

پھر فرماتے ہیں:

''اما طائفہ اولیٰ بواسطہ کمال مناسبت ومتابعت حضرت رسالت خاتمیۃ علیہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا جمیع مراتب ممکن را از واجب جدا ساختند وہمہ را تحت کلمہ ''لا'' در آوردہ نفی نمودند وممکن را بواجب ہیچ مناسبتے ندیدند وہیچ نسبت را باو اثبات نکردند وخود را غیر از عبد مخلوق غیر مقدور نہ شناختند واورا غرشانہٗ خالق ومولائے خود دانستند' خود را مولا دانستن ویا خلل او انگاشتن بریں بزرگواراں بسیار گراں ودشواری اید ما للتراب ورب الارباب۔''[۶۳]

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

''ایں طائفہ علیہ را از مقام عبدیت کہ نہایت جمیع مقامات ولایت ست بہرہ تمام ست وکدام دلیل بر صحت حال ایں برگزیدگان ازیں تمام تر است کہ تمام کشف ایشاں موافق کتاب وسنت وظاہر شریعت است وسر موئے از ظاہر شریعت مخالفت برینہا راہ نیافتہ است۔''[۶۴]

متصوفہ کے مندرجہ بالا گروہوں کی تقسیم اور ان پر تبصرہ کے بعد اپنے ارتقائے سلوک کا حال تحریر فرماتے ہیں

Marfat.com

کہ مقام وجودیت سے ترقی کر کے مقام ظلیت پر پہنچے پھر وہاں سے ترقی کر کے مقام عبدیت پر سرفراز ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

۱۔ اول معتقد توحید (وجودی) بوذ از زمان صبی علم ایں توحید داشت وبیقین پیوستہ بود ہر چند حال نداشت وچوں دریں راہ درآمد اول راہ توحید منکشف شد ومدتے در مراتب ایں مقام جولاں نمود۔

۲۔ بعد از مدتے نسبت دیگر بریں درویش غلبہ آورد۔ در غلبہ آن در توحید توقف نمود اما این توقف بحسن ظن بود نہ بہ انکار مدتے متوقف بوذ آخر الامر کار بانکار انجامید ونمود ند کہ این پایہ پایان است رخت مقام ظلیت برد۔ اما درین انکار بے اختیار بود ونمی خواست کہ آن مقام برآید بواسطہ آن کہ مشائخ عظام بآں مقام اقامت دارند وچوں بمقام ظلیت رسید وخودرا و عالم راظل یافت، چناں کہ طائفہ ثانیہ بآں قائلند، آرزوئے آں شد کہ کاشکے ازین مقام نبرند کہ کمال در وحدت وجودی دانست وایں مقام فی الجملہ بادمناسبت دارد۔

۳۔ اتفاقاً از کمال عنایت وغریب نوازی ازآں مقام ہم بالا بردند وبمقام عبدیت رسانیدند، ایں زمان کمال ایں مقام درنظر آمد وعلوآں واضح گشت، واز مقامات گزشتہ تائب ومستغفر شد۔[65]

اقبال نے اسی مقام کے لئے تو کہا ہے۔

مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے بھی حضرت مجدد کے ارتقائے سلوک کے ان مدارج کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ارتقائے سلوک میں تین مدارج ہیں یعنی وجودیت، ظلیت اور عبدیت۔ پہلے مقام پر انہیں وحدت وجود کا کشف حاصل ہوتا ہے...... اس کے بعد وہ مقام ظلیت پر پہنچتے ہیں۔ یہ ایک درمیانی منزل ہے۔ یہاں ان پر منکشف ہوتا ہے کہ عالم کا اپنا وجود علیحدہ ہے، اگرچہ یہ صرف ظل یا عکس یا ایک پرتو ہے حقیقت کا۔ اللہ اصل ہے۔ یہاں ایک ادراک اثنینیت کا پیدا ہو جاتا ہے......اس مقام سے گزرنے میں ان میں تامل تھا۔ اسی اثناء میں بہرکیف انہیں اس مقام سے عروج ہوتا ہے اور وہ مقام عبدیت پر فائز ہو جاتے ہیں، جو اعلیٰ ترین مقام ہے۔ عبدیت پر پہنچ کر عالم اور خدا کی اثنینیت ان پر اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔''[66]

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے علامہ کا نظریہ ''خودی'' حضرت مجدد کے ''تصور عبدیت'' پر مبنی ہے۔ ابوسعید نور الدین نے اقبال کے تصور خودی کے مآخذ پر بحث کرتے ہوئے ان چار عناصر کا ذکر کیا ہے:

۱۔ قرآن مجید

۲۔ حدیث پاک (من عرف نفسه فقد عرف نفسه)

۳۔ مولانا روم۔

۴۔ مجدد الف ثانی کا نظریہ عبدیت۔

اس کے بعد لکھا ہے:

Marfat.com

''حضرت مجدد الف ثانی کے اس نظریہ عبدیت سے انسانی خودی کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔ اقبال ان کے اس نظریہ سے متاثر ہوئے' اسی تاثر کی بناء پر وہ ان کی طرف اشارہ کر کے خدا سے التجا کرتے ہیں۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے مے خانہ بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی''

وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود اور مغربی مفکرین

اقبال کے سامنے تین اہم نظریات تھے۔ وحدۃ الوجود' وحدۃ الشہود اور تیسرا جدید نظریہ فوق البشر۔ نظریہ وحدۃ الوجود میں ذات حق پر اس شدت سے اصرار ہے کہ وجود عبد فنا ہو جاتا ہے اور تصور فوق البشر میں ذات عبد پر اس شدت سے اصرار ہے کہ ذات حق فنا ہوئی جاتی ہے لیکن اس افراط و تفریط کے درمیان ایک تیسرا نظریہ ہے وحدۃ الشہود' جو ذات حق اور ذات عبد دونوں پر اصرار کرتا ہے اور دونوں کی انفرادیت کا قائل ہے' ایک واجب الوجود دوسرا ممکن الموجود۔

اقبال نے حضرت مجدد کے تصور ''عبدیت'' یا وحدۃ الشہود سے متاثر ہو کر نٹشے پر سخت تنقید کی ہے اور آخر لکھا ہے کہ اے کاش! نٹشے حضرت مجدد کے عہد مبارک میں ہوتا تو وہ مقام عبدیت سے اس کو روشناس فرماتے۔

''جاوید نامہ'' میں اقبال نٹشے پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

راہ رو راکس نشان از راہ نداد
صد خلل در واردات او فتاد
عاشقے در آہ خود گم گشتۂ
سالکے در راہ خود گم گشتۂ
مستئی او ہر زجاجے را شکست
از خدا ببرید ہم از خود گسست
خواست تا بیند بچشم ظاہری
اختلاط قاہری با دلبری
خواست تا از آب و گل آید بروں
خوشہ کز کشت دل آید بروں
آں چہ او جوید مقام کبریاست
ایں مقام از عقل و حکمت ماوراست
زندگی شرح اشارات خودی است
لا و الا از مقامات خودی است
او بہ ''لا'' درماند و تا ''الا'' نرفت
از مقام ''عبدہ'' بیگانہ رفت
چشم او جز رویت آدم نہ خواست
نعرہ بے باکانہ زد ''آدم کجا است؟''
کاش بودے در زمان احمدے
تا رسیدے بر سرور سرمدے[۶۷]

فرماتے ہیں کہ نٹشے مقام ''لا'' پر ہی ٹھہر گیا اور مقام ''الا'' کی طرف نہیں بڑھا۔ اسی لئے وہ مقام عبدیت سے بیگانہ وار گزر گیا۔ اس کی آنکھ نے انسان کے علاوہ اور کچھ نہ دیکھا' اسی لئے اس نے بے باکانہ نعرہ لگایا کہ ''فوق البشر'' کہاں ہے؟ آخر میں فرماتے ہیں کہ اے کاش! نٹشے' شیخ احمد (مجدد الف ثانی) کے زمانے میں ہوتا تو وہ اس کے اضطراب کو سرور سرمدی سے بدل دیتے اور وہ مقام عبدیت سے آگاہ ہو جاتا۔

Marfat.com

اقبال نے خطبات میں بھی نٹشے پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ گو اس میں روحانی صلاحیتیں موجود تھیں لیکن چونکہ اس نے شوپنہاور، ڈارون اور لانگے کو اپنا پیر و مرشد بنایا تھا۔ اس لئے وہ گمراہ ہو گیا۔ کاش! اس کو کوئی مرشد کامل ملتا اور وہ اس کی رہنمائی کرسکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''جدید یورپ میں نٹشے، جس کی زندگی اور سرگرمیوں سے کم از کم ہم اہل مشرق کے نزدیک تو نفسیات مذہب کی رو سے بڑے بڑے دلچسپ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، خلقی طور پر اس قابل تھا کہ اس کام کا بیڑا اٹھا سکے۔ اس کے دل و دماغ کی سرگزشت پر نظر ڈالئے تو مشرقی تصوف کی تاریخ میں اس قسم کی اور بھی مثالیں مل جائیں گی۔ بیشک نٹشے نے اپنے اندر عالم لاہوت کی ایک جھلک دیکھی اور وہ ایک حکم قطعی بن کر اس کے سامنے آئی۔ ہم اس کو حکم قطعی ہی کہیں گے کیونکہ یہی جھلک تھی جس کی بدولت اس میں ایک پیغمبرانہ ذہنیت پیدا ہوئی، وہ ذہنیت جو اس قسم کی تجلیات کو کسی نہ کسی طرح زندگی کی مستقل قوتوں میں تبدیل کر دیتی ہے لیکن نٹشے کو بجز ناکامی اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ اس لئے کہ اس کے روحانی اسلاف میں شوپن ہاور، ڈارون اور لانگے ایسی ہستیاں شامل تھیں اور یہ انہیں کا اثر تھا کہ نٹشے ان تجلیات و مشاہدات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ نہ کرسکا۔ بجائے اس کے کہ وہ کسی ایسے روحانی اصول کی جستجو کرتا جس سے ایک عامی کے اندر بھی روحانیت کی دنیا بیدار ہو جاتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ ایک لامتناہی مستقبل اس کے سامنے ہے۔ نٹشے یہ سمجھتا ہے کہ اس نے جس عالم کی جھلک دیکھی ہے اس کا اظہار ہوگا تو انتہائی امارت پسندی کے کسی نظام کی شکل میں۔ جب ہی تو میں نے کہا ہے......

آنچہ او جوید مقام کبریاست
ایں مقام از علم و حکمت ماوراست
خواست تا از آب و گل آید بروں
خوشہ کز کشت دل آید بروں

یوں ایک بڑا ذہین وفطین انسان ضائع ہو گیا اور زندگی کی وہ جھلک بھی لاحاصل ثابت ہوئی جس کے لئے وہ صرف اندرونی قوتوں کا مرہون منت تھا۔ محض اس لئے کہ اسے کوئی مرشد کامل نہ ملا جو اس کی رہنمائی کرتا۔''[۶۸]

اسی لئے تو فرماتے ہیں:

کاش بودے در زمان احمدے
تا رسیدہ بر سرورے سرمدے

اقبال نے اپنے محولہ بالا لیکچر میں سوئٹزر لینڈ کے فلسفی سی جے یونگ (C.J. Jung) پر بھی تنقید کی ہے جس سے نظریہ عبدیت کی مزید تشریح ہوتی ہے۔ اقبال اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ''مذہبی زندگی کی اساس ہمارا یہ ادراک ہے کہ

Marfat.com

خودی کی وحدت کو...... پھر سے تعمیر کیا جاسکتا ہے اور اس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ہر ماحول میں...... جیسے مواقع چاہے پیدا کرلے۔"

یونگ پر تنقید کرتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں:

"لیکن اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یونگ کچھ بھی نہیں سمجھا۔ بات یہ ہے کہ جنسی ضبط نفس' خودی کی تربیت کا اولین مرحلہ ہے اور اس لئے مذہب چاہتا ہے۔ اس نشوونما کو اس راستے پر ڈال دے جس کا تعلق خودی کی تقدیر اور مستقبل سے ہے۔ لہٰذا اس کی اہمیت صرف اس امر تک محدود نہیں کہ جس ماحول میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اس میں ہماری حیات اجتماعیہ کا تار و پود اخلاقی اعتبار سے محفوظ ہے۔ مذہبی زندگی کی بنیاد ہمارا یہ ادراک ہے کہ خودی کی وحدت کو جو یوں دیکھنے میں بڑی نازک اور ناپائیدار نظر آتی ہے اور جسے ہر لحظہ ہلاکت اور فنا کا خدشہ ہے پھر سے تعمیر کیا جاسکتا ہے' اس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ہر ماحول میں' خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہیں' زیادہ سے زیادہ آزادی سے کام لیتے ہوئے جیسے مواقع چاہے پیدا کرلے۔ یہ ادراک ہے جس کے ماتحت اعلیٰ مذہبی زندگی میں ہماری نگاہیں محسوسات و مدرکات کی اس نوع کی طرف منعطف ہو جاتی ہیں جن سے حقیقت کی بعض بڑی نازک حرکات کا سراغ ملتا ہے اور جو اس پہلو سے کہ خودی حقیقت کی ترکیب میں ایک دوامی عنصر بن جائے' اس لحاظ سے دیکھئے تو نفسیات حاضرہ نے مذہبی زندگی کا گویا قشر تک نہیں چھوا۔ وہ اس تنوع اور گوناگونی سے بالکل بے خبر ہے جو مذہبی واردات اور مشاہدات میں پائی جاتی ہے۔"[69]

مذہبی زندگی کے اساسی امور کی وضاحت اور نفسیات حاضرہ پر تنقید کے بعد اقبال سترہویں صدی عیسوی کے جلیل القدر صوفی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے تصورات و نظریات اور مشاہدات و تجربات کا جائزہ لیتے ہیں اور ساتھ ہی اس حقیقت کا اظہار کر دیتے ہیں کہ نفسیات حاضرہ میں ان مصطلحات کا اب تک وجود نہیں جن کے ذریعہ حضرت مجدد کے روحانی تجربات کو بیان کیا جاسکے۔ گویا ان کے نزدیک حضرت مجدد اپنے زمانے سے کہیں آگے جاچکے تھے۔ وہ اس منزل تک پہنچ چکے تھے جس کی گرد تک نفسیات حاضرہ کی رسائی نہیں۔ چنانچہ واردات روحانی کے تنوع کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"تھوڑا بہت اندازہ شاید آپ سترہویں صدی کے ایک بہت بڑے مرشد کامل ؒ حضرت شیخ احمد سرہندی کی ایک عبارت سے کرسکیں گے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے تصوف کا تجزیہ جس بے باکی اور تنقید و تحقیق سے کیا' اس سے سلوک و عرفان کا ایک طریق وضع ہوا۔ ان سے پہلے جتنے بھی سلسلہ ہائے تصوف رائج ہوئے وہ یا تو وسط ایشیا یا سرزمین عرب سے آئے تھے مگر یہ صرف انہیں کا طریق ہے جس نے ہندوستان کی حدود سے نکل کر باہر کا رخ کیا اور جو اب بھی پنجاب' افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک بہت بڑی زندہ قوت کی شکل میں موجود ہے۔ البتہ

Marfat.com

جہاں تک شیخ موصوف کی عبارت کا تعلق ہے مجھے ڈر ہے کہ میں نفسیات حاضرہ کی زبان میں اس کے حقیقی معنی شاید ہی بیان کر سکوں کیونکہ اس قسم کی زبان موجود ہی نہیں لیکن میرا مقصد چونکہ سردست صرف اتنا ہے کہ آپ کی توجہ مذہبی واردات کے اس تنوع اور گوناگونی کی طرف منعطف کراؤں جن سے ایک سالک راہ کو گزرنا پڑتا ہے اور جن کی چھان بین اس لئے ضروری ہے لہٰذا آپ مجھے ان غیر مانوس مصطلحات کے لئے معذور سمجھیں جن کا تعلق ایک دوسری سرزمین اور ایک ایسی نفسیات مذہب سے ہے جس نے تہذیب وتمدن کی ایک سرتاسر مختلف فضا میں پرورش پائی تھی اور جو وضع ہوئیں تو اس کے زیراثر' لیکن جن میں سچ مچ معانی کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔ بہرحال اب میں شیخ موصوف کی عبارت پیش کرتا ہوں۔''

ایک مرتبہ جب عبدالمومن نامی ایک ارادت مند نے اپنے مندرجہ ذیل مشاہدے اور تجربے کا حال شیخ موصوف سے بیان کیا:

''میرے لئے نہ تو ارض وسمٰوٰت کا وجود ہے نہ عرش الٰہی کا' نہ جنت اور دوزخ کا' میں اپنے اردگرد نظر ڈالتا ہوں تو ان کو کہیں نہیں دیکھتا۔ میں جب کسی کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے کوئی نظر نہیں آتا' بلکہ میں اپنا وجود بھی کھو دیتا ہوں۔ ذات الٰہیہ لامتناہی ہے۔ کوئی اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہی منتہا ہے روحانی مشاہدات کا۔ کسی ولی کا گزر اس سے آگے نہیں ہوا۔''

تو اس پر شیخ نے فرمایا:

''میرے سامنے جو مشاہدات بیان کئے گئے ہیں ان کا تعلق قلب کی ہر لحظہ بدلتی ہوئی زندگی سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب مشاہدات نے قلب کے لاتعداد مقامات میں سے ابھی ایک چوتھائی بھی طے نہیں کئے۔ ان مقامات کا طے کرنا ضروری ہے تاکہ عالم روحانیت کے مقام اول کے مشاہدات کی تکمیل ہو جائے۔ اس مقام کے بعد اور بھی کئی مقامات ہیں۔ مثلاً روح کا مقام سرّ خفی اور سرّ اخفی کے مقامات ان سب مقامات کے جن کو مجموعاً ہم اپنی اصطلاح میں عالم امر سے تعبیر کرتے ہیں' اپنے اپنے احوال اور واردات ہیں جب سالک کا گزر ان مقامات سے ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ اس پر اسمائے الٰہیہ اور صفات الٰہیہ کی تجلی ہوتی ہے۔ بالآخر ذات الٰہی کی۔''

شیخ موصوف نے ان ارشادات میں جو امتیازات قائم کئے ہیں ان کی نفسیاتی اساس کچھ بھی ہو اس سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ اسلامی تصوف کے اس ''مصلح عظیم'' کی نگاہوں میں ہمارے اندرونی واردات اور مشاہدات کی دنیا کس قدر وسیع ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ان بے مثال واردات اور مشاہدات سے پہلے جو وجود حقیقی کا مظہر ہیں' عالم امر یعنی اس دنیا سے گزرنا ضروری ہے جسے ہم رہنما توانائی کی دنیا کہتے ہیں۔ ہم نے اسی لئے تو کہا تھا کہ نفسیات حاضرہ کا قدم ابھی مذہبی زندگی کے قشر تک نہیں پہنچا۔[1]

اقبال نے عبدالمومن کا جو بیان نقل کیا ہے وہ موصوف کا نہیں ہے بلکہ یہ شیخ ادریس سامانی نے اپنے واردات ومشاہدات قلبیہ، عبدالمومن کی زبانی حضرت مجدد سے کہلوائے تھے، جس کا جواب شیخ موصوف نے تحریری صورت میں ارسال فرمایا۔

یہ مکتوب نمبر ۲۵۳، مکتوبات شریف کی جلد اول میں شامل ہے۔ اس میں حضرت مجدد نے پہلے ادریس سامانی کے مشاہدات نقل کئے ہیں اور پھر ان پر جرح وتنقید کی ہے۔ حضرت مجدد نے قلب کے جن مقامات کا ذکر کیا وہ اس ترتیب سے ہیں، روح سرّ، خفی۔ اخفی۔ گویا قلب سمیت پانچ مقامات ہیں مگر اقبال نے روح، سرّ خفی، سرّ اخفی لکھا ہے جو صحیح نہیں۔

اس کے علاوہ اقبال نے حضرت مجدد کا جواب جس انداز سے نقل کیا ہے وہ من وعن نہیں ہے بلکہ اصل مکتوب کا خلاصہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے یہاں یہ مکتوب نقل کر دیا جائے جس کی طرف اقبال نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا ہے۔

بنام شیخ ادریس سامانی

''بیان احوال ومواجید کہ لسان مولانا عبدالمومن حوالہ نمودہ بودند واستفسار جواب آن فرمودہ۔ مولانا بتفصیل ہمہ را وانمود وگفت کہ فرمودہ اند (شیخ ادریس) کہ اگر بجانب زمین نظرمی کنم زمین را نمی یابم واگر بجانب آسمان نظرمی اندازم آن را نیزنمی یابم وہم چنین عرش وکرسی وبہشت ودوزخ را نیز وجودنمی یابم۔ وپیش کسے کہ می روم اورا نیز وجودنمی یابم۔ وخودرا نیز موجودنمی دانم و وجودحق جل شانہٗ بے پایان ست، نہایت اوراہیچ کس نیافتہ است۔

وبزرگان نیز تا ہمیں جا گفتہ اند۔ وتا ایں جا آمدہ از سیر ماندہ شدہ اند وزیادہ برایں معنی اختیار نمودہ اند۔ اگر شمانیز ہمیں راکمال می دانید ودرہمیں مقامید پس ما پیش شمابرائے چہ بیائیم وتصدیع بکشیم وتصدیع بدہیم۔ واگر امرے دیگر ورائے ایں کمال است پس اعلام بخشند تا ما دیار دیگر کہ دردطلب بسیار دارد آن جا برسیم۔ چندیں سال توقف درآمدن بواسطہ حصول ایں تردد بودہ۔ مخدوما! ایں احوال وافعال ایں احوال از تلوینات قلب ست۔ مشہود می گردد کہ صاحب ایں احوال از مقامات قلب زیادہ از ربع طے نہ کردہ است۔ سہ حصہ دیگر از مقامات قلب طے باید کرد۔ تا معاملہ قلب ربتمام طے کردہ باشد از گذشت قلب، روح است واز گذشت روح، سراست واز گذشت سر، خفی است بعدازاں اخفی، ہرکدام ازیں چہار باقی ماندہ احوال ومواجید علاحدہ دارد۔ ہمہ را جدا جدا طے باید کرد۔ وبکمالات ہرکدام متحلی باید شد۔ از گذشت ایں پنجگانہ عالم امر وطے منازل اصول آن ہا مرتبۂ بعد مرتبۂ وقطع مدارج ظلال اسماء وصفات کہ اصول ایں اصول است درجۂ بعد درجۂ تجلیات اسماء وصفات است وظہورات شیون واعتبارات از گذشت ایں تجلیات، تجلیات ذات است تعالیٰ وتقدس ایں زماں معاملہ باطمینان نفس می افتد و

Marfat.com

حصول رضائے پروردگار جل سلطانہ میسر می آید کمالاتیکہ دریں موطن حاصل می گردد دو درجب ایں کمالات، کمالات سابق حکم قطرہ دارد در جنب دریائے محیط بیکراں۔"

۱۹۳۲ء میں لندن میں ارسطاطالیسی سوسائٹی کی دعوت پر اقبال نے جو لیکچر دیا تھا اس میں حضرت مجدد کے افکار و خیالات کو اہل انگلستان کے سامنے پیش کیا۔ یہ لیکچر اقبال کے مشہور مجموعہ خطبات Reconstruction of Religious Thought in Islam کا ساتواں خطبہ ہے جس میں اقبال نے حضرت مجدد کی تعلیمات سے یورپ کو روشناس کرایا۔

غلام رسول مہر نے ۱۴ جولائی ۱۹۶۳ء کو لاہور میں راقم سے فرمایا تھا کہ ۱۹۳۱ء میں سفر انگلستان میں اقبال کے ساتھ وہ بھی شریک و رفیق سفر تھے۔ موصوف نے فرمایا کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ علامہ نے روما میں Religious Experiences پر ایک تقریر کی تھی۔ پھر جب مصر پہنچے تو وہاں بھی قریب قریب یہی تقریر دہرائی تھی اور ان دونوں تقریروں میں علامہ نے حضرت مجدد الف ثانی کا ذکر فرمایا تھا۔ راقم کے خیال میں اقبال پہلا شخص ہے جس نے حضرت مجدد کے فلسفہ اور تعلیمات سے یورپ کو روشناس کرایا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اہل ہند کو بھی تعلیمات مجددیہ سے اقبال نے ہی روشناس کیا۔ غلام رسول مہر نے یہ بھی فرمایا تھا کہ علامہ اقبال نے بارہا فرمایا کہ ہندوستان کے صوفیہ میں حضرت مجدد الف ثانی، علماء میں شاہ ولی اللہ اور شاہوں میں اورنگزیب علیہم الرحمۃ یگانہ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اقبال حضرت مجدد سے بے حد متاثر تھے۔ اوپر جس لیکچر کی طرف اشارہ کیا گیا اس میں حضرت مجدد کے ہی روحانی تجربات اور مشاہدات کا جائزہ لیا ہے اور یورپ کے فلاسفہ سے اس کا تقابل کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"آئن اسٹائن کے تصورات کائنات سے، جو اس نے ریاضیات کے نقطہ نظر سے قائم کیا گویا اس عمل، جس کی ابتداء ہیوم نے کی تھی، تکمیل ہوگئی جیسا کہ ہیوم کی تنقید کا تقاضا تھا اس نظریے نے قوت کے تصور کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ کچھ ایسے ہی تزکیے کا (جیسا کہ اس جلیل القدر ہندی صوفی کے ارشادات سے، جن کو ہم نے ابھی پیش کیا تھا، ظاہر ہوتا ہے) وہ شخص بھی آرزومند ہے جس کو نفسیات مذہبی سے عملی دلچسپی ہے۔ اس کی حس معروضیت بھی ایسی ہی تیز ہے جیسے سائنس داں کی اپنے حلقہ معروضیت میں۔ وہ بھی ایک مشاہدے کے بعد دوسرے مشاہدے میں قدم رکھتا ہے۔ اس کی حیثیت بھی تماشائی کی نہیں بلکہ ایک ناقد اور مبصر کی ہے، وہ بھی اپنے دائرہ تحقیق کے پیش نظر جن طریقوں سے کام لیتا ہے ان کے اصول و قواعد کے مطابق محسوسات و مدرکات کی چھان بین کرتا اور ہر ایسے عنصر کو خواہ وہ عضویاتی ہو یا نفسیاتی، مگر جس کی نوعیت داخلی ہے، ان کے شمول سے خارج کر دیتا ہے کیونکہ اس کی آرزو بھی یہی ہے کہ اس حقیقت تک پہنچے جس کی حیثیت فی الواقعہ معروضی ہے۔ یوں بالآخر وہ اپنا گزر جس تجربے اور ارادے سے کرتا ہے اس سے زندگی کا ایک نیا عمل اس پر منکشف ہوتا ہے۔ اصلی، اساسی، ابداعی۔ پھر یہ

Marfat.com

خودی کا ایک ازلی راز ہے کہ جہاں اس پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا اسے یہ ماننے میں مطلق تامل نہیں رہتا کہ وہی دراصل اس کی ہستی کی حقیقی اساس ہے۔''[۲]

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

''بہر حال یہ تجربہ سرتاسر فطری اور طبعی ہوگا اور حیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو خودی کے لئے سب سے زیادہ اہم' کیونکہ یہی اس کا فکر کی حدود سے آگے بڑھنا اور یہی اس کا وجود سرمدی کو اپناتے ہوئے اپنی ناپائیداری کی تلافی کرنا ہے۔ یہاں کوئی خطرہ ہے تو یہ کہ اس انہاک و استغراق میں وہ کہیں اپنی تلاش اور جستجو کا عمل ترک نہ کردے۔ مشرقی تصوف کی تاریخ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خطرہ بے بنیاد نہیں چنانچہ ہم نے جس ہندی بزرگ کے ارشادات کا حوالہ دیا ہے ان کی تحریک اصلاح میں یہی نکتہ مضمر تھا اور اس کے وجوہ بھی ظاہر ہیں۔ خودی کا نصب العین یہ نہیں کہ کچھ دیکھے' بلکہ یہ کہ کچھ بن جائے۔ پھر یہ حقیقت اس کے بن سکنے ہی کی کوشش ہے جس میں بالآخر اسے موقع ملتا ہے کہ اپنی معروضیت کا زیادہ گہرا ادراک پیدا کرتے ہوئے زیادہ عمیق اور مستحکم بنا پر ''انا الموجود'' کہہ سکے۔ یعنی وہ اپنے وجود کی کہنہ اور اساس کو پالے۔ یہ اس لئے کہ اس کی حقیقت کا انکشاف ہوگا تو ڈیکارٹ کے ''میں سوچتا ہوں'' سے نہیں بلکہ کانٹ کے ''کر سکتا ہوں'' سے۔ خودی کا منتہائے جستجو یہ نہیں کہ اپنی انفرادیت کی حدود توڑ ڈالے۔ اس کا منتہا ہے اس انفرادیت کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھ لینا۔''[۳]

اس تقریر سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مجدد کے تصور عبدیت سے کتنے متاثر ہیں۔ پیر رومی تو مسلک ''انا الحق'' سے وابستہ ہیں مگر اقبال مسلک ''انا الموجود'' سے منسلک ہیں۔ ان کے تصور ''خودی'' کا منتہا' مقام عبدیت کا تحقق ہے' اس لئے کس یقین سے کہتے ہیں ؎

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے نمود سیمیائی

اقبال پیر رومی سے سوال کرتے ہیں ؎

گفتمش' موجود و ناموجود چیست؟
معنی محمود و نامحمود چیست؟

اس کے جواب میں پیر رومی کا ارشاد ہوتا ہے۔[۴]

گفت موجود آں کہ می خواہد نمود
آشکارائی تقاضائے وجود

زندگی خود را بخویش آراستن
بر وجود خود شہادت خواستن

Marfat.com

انجمن روز الست آراستند
بر وجود خود شہادت خواستند

زندہ یا مردہ یا جاں بلب
از سہ شاہد کن شہادت را طلب

شاہد اول شعور خویشتن
خویش را دیدن بنور خویشتن

شاہد ثانی شعورے دیگرے
خویش را دیدن بنورے دیگرے

شاہد ثالث شعور ذات حق
خویش را دیدن بنور ذات حق

پیش ایں نور را بمانی استوار
حی و قائم چوں خدا خود را شمار

برمقام خود رسیدن زندگی ست
ذات را بے پردہ دیدن زندگی ست[۷۵]

شاہد اول' مقام وجودیت سے عبارت ہے۔ شاہد ثانی' مقام ظلیت سے عبارت ہے اور شاہد ثالث' مقام عبدیت سے عبارت ہے' اسی لئے فرماتے ہیں۔

شاہد ثالث شعور ذات حق
خویش را دیدن بنور ذات حق

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں۔

ذرہ از کف مدہ تابے کہ ہست
پختہ گیر اندر گرہ تابے کہ ہست

تاب خود را برفزودن خوشتراست
پیش خورشید آزمودن خوشتراست

پیکر فرسودہ را دیگر تراش
امتحان خویش کن موجود باش

ایں چنیں 'موجود' و 'محمود' است و بس
ورنہ نار زندگی دود است و بس[۷۶]

اقبال نے اپنی ساری تعلیمات کو صرف اس ایک مصرع میں سمو کر رکھ دیا ہے۔ ع

امتحان خویش کن موجود باش

Marfat.com

اور موجود رہنا' مقام عبدیت ہی سے عبارت ہے اور مقام عبدیت پر پہنچنا بغیر شعور ذات حق ممکن نہیں۔
اقبال نے معراج سے بھی یہی نکتہ اخذ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ۔

مرد مومن در نسازد باصفات
مصطفیٰ راضی نہ شد الا بذات

چیست معراج آرزوئے شاہدے
امتحانے روبروئے شاہدے

شاہد عادل کہ بے تصدیق او
زندگی مارا چوگل را رنگ و بو

در حضورش کس نماند استوار
در بماند ہست او کامل عیار[۷۷]

اور یہ حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔حق تعالیٰ کے حضور میں ثابت قدم رہی جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

ما زاغ البصر وما طغیٰ (سورۃ نجم)

اور یہ استقامت اسی لئے میسر آئی کہ مقام عبدیت کا تحقق ہو چکا تھا۔

اوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (سورۃ نجم)

اقبال نے 'عبد' اور 'عبدہ' میں بڑا نازک فرق بتایا ہے۔ان کے نزدیک 'عبد' ہونا کمال نہیں 'عبدہ' ہونا کمال ہے۔بندے تو سبھی ہوتے ہیں مگر اس کا بندہ ہونا اور محسوس کرنا ہی مقام ''عبدیت'' ہے اور یہی معراج انسانیت۔اقبال نے ایک جگہ اپنے مسلک ''عبدیت'' کا اس طرح اظہار فرمایا ہے:

آپ کے تصوف کی اصطلاح میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شان ''عبدیت'' انتہائے کمال روح انسانی ہے' اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں۔''[۷۸]

من وعن وہی بات ہے جو حضرت مجدد الف ثانی نے فرمائی ہے۔
اقبال نے حسین بن منصور حلاج کی زبانی آنحضرت ﷺ کے مقام عبدیت کا ذکر کیا ہے۔فرماتے ہیں ۔

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است

عبدہٗ از فہم تو بالا تر است
زاں کہ او ہم آدم وہم جوہر ست

Marfat.com

جوہر او نے عرب نے اعجم است
آدم است و ہم نہ آدم اقدم است

عبدہٗ صورت گر تقدیر ہا
اندر و ویرانہ ہا تعمیر ہا

عبدہٗ ہم جاں فزا ہم جانستاں
عبدہٗ ہم شیشہ ہم سنگ گراں

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر

عبدہٗ دہراست و دہر از عبدہٗ ست
ماہمہ رنگیم او بے رنگ و بوست

عبدہٗ با ابتدا بے انتہا است
عبدہٗ را صبح و شام ما کجا است

کس ز سر عبدہٗ آگاہ نیست
عبدہٗ جز سرّ الا اللہ نیست

لا الہ تیغ دودم او عبدہٗ
فاش تر خواہی بگو ہو عبدہٗ

عبدہ چند و چگون کائنات
عبدہٗ راز درون کائنات

مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت
تانہ بینی از مقام ما رمیت[۷۹]

ایک جگہ "مردحر" کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

ماہمہ عبد فرنگ او عبدہ
او نہ گنجد در جہان رنگ و بو

صبح و شام مابفکر ساز و برگ
آخر ما چیست؟ تلخی ہائے مرگ

در جہان بے ثبات او را ثبات
مرگ او را از مقامات حیات

اہل دل از صحبت ما مضمحل
گل ز فیض صحبتش دارائے دل

Marfat.com

کار ما وابستہ تخمین و ظن
او ہمہ کردار و کم گوید سخن

ما گدایان کوچہ گرد و فاقہ مست
فقر او از لا الہ تیغ بدست[80]

اقبال نے حضرت مجدد کے لئے کہا ہے ع
''جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار''

''مردحرّ'' کی یہ خوبی ہے کہ وہ ''اس کا بندہ'' ہو اور جو سالار احرار ہو اس کے کمالات ''عبدیت'' کا کیا ٹھکانا! ابوسعید نورالدین نے شیخ احمد کے تصور عبدیت سے اقبال کی اثر پذیری کو اس طرح بیان کیا ہے:

''شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے اس نقطہ نظر سے علامہ اقبال بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ وہ اپنی خودی کو فنا کر کے ''خدا'' یا ''انائے مطلق'' میں ضم ہو جانے کے ہرگز قائل نہیں اور مقام عبدیت یا مقام بندگی کو ترک کر کے ''شان خداوندی'' قبول کرنے کے لئے قطعاً راضی نہیں۔''

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

عطا کن شور رومی سوز خسرو
عطا کن صدق اخلاص سنائی

چناں با بندگی در ساختم من
نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی

اقبال مقام عبدیت کو حیات انسانی میں اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ ان کے عقیدے میں یہ مقام عبدیت محکم ہو جائے تو فقیر بادشاہ بن جاتا ہے۔

چوں مقام ''عبدہ'' محکم شود
کلمہ دریوزہ جام جم شود[81]

شریعت وطریقت

اقبال نے تکمیل خودی کے لئے تین منزلیں قرار دی ہیں۔ اطاعت، ضبط نفس، نیابت الٰہی۔ شریعت منزل ''اطاعت'' ہے اور یہ بغیر دوسری منزل کے متصور و متحقق نہیں ہو سکتی۔ یہ دوسری منزل یعنی ضبط نفس، طریقت ہے اور جب دونوں منزلوں تک رسائی ہو جائے تو پھر آخری منزل نیابت الٰہی ہے۔ ع
اسی مقام سے ہے آدم ظل سبحانی

حضرت مجدد نے اس آخری مقام کا اپنے مکتوب (بنام خواجہ محمد معصوم) میں اس طرح ذکر فرمایا ہے:

''عادت اللہ اس طرح جاری ہے کہ عرصہ دراز کے بعد کسی خوش نصیب کو فنائے اتم کے بعد بقائے اکمل عطا فرماتے ہیں' یعنی اپنی ذات مقدس کا ایک نمونہ اس کو عنایت فرماتے ہیں اور اس کا قیام اب ذات کے ساتھ ہو جاتا ہے...... یہاں پہنچ کر انسانی کمالات ختم ہو جاتے ہیں اور انسان کی خلافت کا راز متحقق ہو جاتا ہے یعنی اس مقام پر انسان خلیفۃ اللہ بن جاتا ہے۔''[۸۲]

بہرکیف اقبال نے حضرت مجدد کے مشن یعنی ''وحدت شریعت وطریقت'' کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلامی سیرت کی تعمیر اسی طرح ممکن ہے چنانچہ اکبرالہ آبادی کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''مجدد الف ثانی' عالمگیر اور مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی مگر صوفیاء کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اب اسلامی جماعت کا محض خدا پر بھروسہ ہے۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں' صرف ایک بے چین اور مضطرب جان رکھتا ہوں۔ قوت عمل مفقود ہے۔ ہاں یہ آرزو رہتی ہے کہ کوئی قابل نوجوان جو ذوق خداداد کے ساتھ قوت عمل بھی رکھتا ہو' مل جائے جس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر سکوں۔''[۸۳]

اکبر بادشاہ کے زمانے میں صوفیاء میں یہ عام خیال پیدا ہو گیا تھا کہ شریعت وطریقت دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ حضرت مجدد نے اس خیال کی پُرزور تردید کی کیونکہ اس خیال نے ان صوفیائے خام کو تکلیفات شرعیہ سے غافل کر دیا تھا اور عوام ان کی پیروی میں گمراہ ہو رہے تھے۔ چنانچہ سید احمد قادری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''شریعت وطریقت ایک دوسرے کے عین ہیں۔ حقیقت میں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں۔ ان میں صرف اجمال وتفصیل' استدلال وکشف' غیب وشہادت اور تعمل اور عدم تعمل کا فرق ہے۔ وہ احکام وعلوم جو شریعت غرا کی روشنی میں ظاہر ومعلوم ہو گئے ہیں' حقیقت حق الیقین کے تحقق کے بعد یہی احکام وعلوم بعینہا مفصل طور پر منکشف ہوتے ہیں...... اگر ان دونوں میں بال برابر بھی فرق ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ حقیقت الحقائق تک ابھی رسائی نہیں ہوئی۔''[۸۴]

حضرت مجدد کا یہ فرمانا کہ شریعت وطریقت ایک دوسرے کے عین ہیں' مسلک اقبال کا بھی آئینہ دار ہے۔ اقبال حضرت مجدد کے اس نظریہ سے متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی طریقت کو عین شریعت سمجھا اور اس پر خاص زور دیا۔ چنانچہ مثنوی...... ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' میں ''در اسرار شریعت'' کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں۔

آدمی اندر جہان خیر و شر — کم شناسد نفع خود را از ضرر
کس نداند زشت و خوب کار چیست — جادہ ہموار و ناہموار چیست

Marfat.com

شرع برخیزد زاعماق حیات — روشن از نورش ظلام کائنات
گر جہاں داند حرامش راحرام — تاقیامت پختہ ماند ایں نظام
نیست ایں کار فقیہاں اے پسر — بانگاہے دیگرے او را نگر
حکمش ازعدل ست وتسلیم ورضاست — بیخ او اندر ضمیر مصطفیٰؐ ست
از فراق است آرزوہا سینہ تاب — تو نمانی چوں شود ''او'' بے حجاب
از جدائی گرچہ جاں آید بلب — وصل 'او' کم جو رضائے 'او' طلب
مصطفیٰؐ داد از رضائے 'او' خبر — نیست در احکام دین چیزے دگر
تخت جسم پوشیدہ زیر بوریاست — فقر و شاہی از مقامات رضا است
حکم سلطاں گیرد از حکمش منال — روز میداں نیست روز قیل وقال
تاتوانی گردن از حکمش مپیچ — تانہ پیچد گردن از حکم تو ہیچ

از شریعت احسن التقویم شو
وارث ایمان ابراہیم شو[۸۵]

مندرجہ بالانظم میں یہ مصرعے قابل غور ہیں کہ ان میں شریعت وطریقت دونوں کا حاصل موجود ہے۔

ع بانگاہے دیگرے اورانگر

ع وصل اوکم جو رضائے اوطلب

ع فقروشاہی از مقامات رضااست

اقبال اسی مثنوی میں طریقت کے متعلق فرماتے ہیں ع

پس طریقت چیست اے والا صفات — شرع را دیدن باعماق حیات
فاش می خواہی اگر اسرار دیں — جز بہ اعماق ضمیر خود مبیں
گر نہ بینی دین تو مجبوری ست — ایں چنیں دیں از خدا مہجوری است
بندہ تاحق را نہ بیند آشکار — برنمی آید ز جبر و اختیار
تو یکے در فطرت خود غوطہ زن — مرد حق شو برظن و تخمین متن
تابہ بینی زشت و خوب کار چیست — اندر ایں نہ پردہ اسرار چیست
ہر کہ از سرّ، نبی گیرد نصیب — ہم بہ جبریل امیں گردد قریب[۸۶]

طریقت کے بارے میں اقبال کا یہ نظریہ کہ ''شرع را دیدن بہ اعماق حیات'' حضرت مجدد کے تاثرات کی غمازی کررہا ہے۔

ظفر احمد صدیقی کے نام جو مکتوب اقبال نے تحریر فرمایا تھا اس سے بھی شریعت وطریقت کے متعلق ان کے خیالات کا علم ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

Marfat.com

''بہر حال حدود و خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکام خودی کے پرائیویٹ امیال و عواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصد ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا کہا ہے۔ بعض نے اسی کا نام بقا رکھا ہے۔''[۸۷]

حضرت مجددؒ نے اس کیفیت کو ''بقا'' سے تعبیر کیا ہے اور یہی اقبال کا مسلک ہے۔ اقبال اقوام عالم کی خودی کو قانون الٰہی کے تابع دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس سے بھی شریعت یا قانون الٰہی کے ہمہ گیر اہمیت واضح ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک امن عالم کا یہی ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''جمعیت اقوام جو زمانہ حال میں بنائی گئی ہے اس کی تاریخ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جب تک اقوام کی خودی قانون الٰہی کی پابند نہ ہو امن عالم کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی۔''[۸۸]

اقبال نے بزم ارسطو کی فرمائش پر انگلستان میں ایک لیکچر دیا تھا جس کا عنوان تھا۔ کیا مذہب ممکن ہے؟ اس میں علامہ اقبال موسیقی کو بھی ضمناً زیر بحث لائے ہیں۔ اس لئے کہ موسیقی مختلف اقوام میں مناسک مذہب سے وابستہ رہی ہے۔ نیز اہل روحانیت میں سے کئی روح کی بیداری کے لئے اس کو ذریعہ سمجھتے ہیں مگر اقبال فرماتے ہیں:

''اسلامی تصوف نے تو اس خیال سے کہ ہمارے مشاہدات میں جذبات کی آمیزش نہ ہونے پائے، موسیقی تک کو عبادت میں جگہ نہیں دی۔ بعینہٖ اس نے صلوٰۃ باجماعت پر زور دیا کہ ایسا نہ ہو کہ ہمارے مراقبوں اور ہمارے ذکر فکر سے مصالح جماعت کو نقصان پہنچے۔''[۸۹]

اس بیان میں اقبال نے تین باتیں پیش کی ہیں:

الف۔ اسلامی تصوف نے موسیقی کو جزو عبادت قرار نہیں دیا۔

ب۔ اسلامی تصوف جذبات کی آمیزش سے بالاتر عبادت کا خواہاں ہے۔

ج۔ اسلامی تصوف نے نماز باجماعت پر زور دیا ہے۔

موسیقی سے متعلق اقبال کے مندرجہ بالا خیالات حضرت مجدد کے نظریات پر مبنی ہیں۔ یہاں بالترتیب ان کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ہندو بیرون ہند کے بعض صوفیاء نے سماع مزامیر کو جزو عبادت بنالیا تھا۔ چنانچہ مولانا جلال الدین رومی جو اقبال کے مرشد روحانی ہیں انہوں نے رقص و پاکوبی و سماع مزامیر کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ خود اس پر عمل کیا۔ مگر ان کے برخلاف ہندوستان میں حضرت مجدد کی شخصیت وہ ہے جس نے موسیقی و سماع کے خلاف شدت اختیار کی اور یہ بتایا کہ فقہائے اسلام نے اس کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ ان کے نزدیک یہ حرام ہے۔ چنانچہ وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''آیات و احادیث فقہیہ در حرمت غناء بسیار است بحدیکہ احصائے آن متعذر است معذلک۔ اگر شخصے حدیث منسوخ یا روایت شاذہ را در اباحت سرود بیارد اعتبار نباید کرد۔ زیرا کہ ہیچ فقیہے در

Marfat.com

> ہیچ وقتے وزمانے فتوئی بہ اباحت سرود نداده است ورقص و پاکوبی را مجوز نداشتہ......صوفیان خام این وقت عمل پیران خود را بہانہ ساختہ' سرود و رقص را دین وملت خود گرفتہ اند و طاعت وعبادت ساختہ۔ اولئک الذین اتخذوا دینهم لهوًا ولعبا۔''[90]

اس مکتوب سے معلوم ہوتا ہے حضرت مجدد سماع مزامیر اور رقص و پاکوبی کو مقاصد شریعت کے مناسب حال تصور نہ فرماتے تھے۔ اقبال نے بھی انہیں خیال کا اظہار کیا ہے۔

اقبال نے حرمت رقص وسرود کی جو حکمت بیان کی وہ ہے کہ عبادت میں جذبات کی آمیزش نہ ہونے پائے۔ حضرت مجدد نے جو مکتوب ملا احمد کے نام ارسال فرمایا تھا اس میں بھی اسی حکمت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آپ کی جو پہلے حالت تھی وہ وجد وسماع کی طرح تھی جس کا تعلق جسد سے تھا اور جو حالت اب حاصل ہوئی ہے اس میں جسد کا کوئی حصہ نہیں۔ اس کا زیادہ تعلق قلب اور روح کے ساتھ ہے۔ اس معنی کا بیان تفصیل چاہتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ حالت پہلی حالت سے کئی حصہ بہتر ہے اور ذوق کا نہ پانا اور خوشی کا دور ہونا ذوق وخوشی کے پانے سے بہتر ہے کیونکہ نسبت جس قدر جہالت وحیرت میں ترقی کرے اور جسد سے دور تر ہو اسی قدر اصیل اور مقصد حاصل ہونے کے نزدیک تر ہے۔ اس لئے اس مقام میں عزوجل کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ جہل کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور عجز کا نام ادراک رکھتے ہیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ وہ تاثیر جو پہلے تھی اب نہیں رہی' ہاں تاثیر جسدی نہیں رہی لیکن تاثیر روحی زیادہ تر حاصل ہوگئی لیکن ہر شخص اس کا ادراک نہیں کرسکتا۔''[91]

تیسری بات جو اقبال نے بیان فرمائی یہ ہے کہ اسلامی تصوف نے نماز باجماعت کی تاکید کی ہے اور اس نے موسیقی کو مذموم قرار دیا ہے۔ حضرت مجدد کے ایسے بے شمار مکتوبات ہیں جن میں سماع مزامیر کو مذموم قرار دیتے ہوئے نماز پر زور دیا ہے اور اس کی حکمتوں کو بیان کیا ہے۔ مثلاً ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''از عدم آگاہی حقیقت نماز است کہ جم غفیر ایں طائفہ تسکین اضطراب خود را از سماع ونغمہ ووجد وتواجد جستند ومطلوب خود را در پردہ ہائی نغمہ مطالعہ نمودند۔ لاجرم رقص ورقاصی را دیدن خود گرفتند باآں کہ شنیدہ باشند۔ ما جعل الله في الحرام شفاء۔ بلے۔ الغريق يتعلق بكل حشيش وحب الشئي يعمي ويصم۔ اگر شمہ از حقیقت کمالات صلواتیہ برایشان منکشف شدے ہرگز دم از سماع ونغمہ نزدندے ویاد وجد وتواجد نہ کردندے۔ ع
>
> چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند''[92]

اس میں شک نہیں کہ موسیقی سے متعلق اقبال نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ حضرت مجدد الف ثانی سے تاثر کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے نہ کہ جلال الدین رومی سے۔ کیونکہ جہاں تک موسیقی اور رقص و پاکوبی کا تعلق ہے رومی کا

مسلک بالکل جداگانہ ہے۔ وہ اسے مباح سمجھتے ہیں اور بذات خود سماع کے بانی ہیں۔ انقرہ یونیورسٹی کی فاضلہ ڈاکٹر ملیحہ نے عفیفی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مولانا رومی نے سرود و نغمہ اور رقص و رقاصی کو داخل طریقت کر لیا تھا اور ایسی صلح کل پالیسی اختیار کی کہ مسلم و کافر سبھی ان کے اردگرد جمع ہو گئے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور اقبال کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روش اس کے بالکل مخالف تھی۔ اگر اس خصوص میں اقبال، رومی سے متاثر ہوتے تو سرود، موسیقی اور رقص پر سخت تنقید نہ کرتے۔ یہ حضرت مجددؒ کے اثرات ہی ہیں جن کی وجہ سے اقبال نے ان چیزوں کو مذموم قرار دیا۔

اقبال کے کلام کا اہم مجموعہ ''ضرب کلیم'' کے نام سے ۱۹۳۵ء میں منظر عام پر آیا۔ بقول یوسف سلیم چشتی اسی سنہ میں اقبال نے حضرت مجدد الف ثانی کے مزار مبارک کی زیارت کی اور بڑے گہرے اثرات لے کر واپس لوٹے۔ ''ضرب کلیم'' میں اقبال نے رقص و موسیقی پر تنقید کی ہے۔ اس میں ''ادبیات و فنون لطیفہ'' کے عنوان کے تحت جو منظومات ہیں ان میں ''سرود حرام'' کے عنوان سے یہ نظم ملتی ہے۔

نہ میرے ذکر میں ہے صوفیوں کا سوز و سرور
نہ میرا فکر ہے پیمانۂ ثواب و عذاب
خدا کرے کہ اسے اتفاق ہو مجھ سے
فقیہہ شہر کہ محرم حدیث و کتاب
اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
حرام میری نگاہوں میں نائے و چنگ و رباب[93]

''سرود حلال'' کے عنوان سے یہ نظم ملتی ہے۔

کھل تو جاتا ہے مغنی کے بم و زیر سے دل
نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشود
ہے ابھی سینۂ افلاک میں پنہاں وہ نوا
جس کی گرمی سے پگھل جائے ستاروں کا وجود
جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک
اور پیدا ہو ایازی سے مقام محمود
مہ و انجم کا یہ حیرت کدہ باقی نہ رہے
تو رہے اور ترا زمزمہ لا موجود
جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقیہان خودی
منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک وہ سرود[94]

ایک اور نظم کا عنوان ہے۔ ''موسیقی''۔ اس میں فرماتے ہیں۔

وہ نغمہ سردی خون غزل سرا کی دلیل
کہ جس کو سن کے تیرا چہرہ تابناک نہیں

Marfat.com

نوا کو کرتا ہے موج نفس سے زہر آلود
وہ نے نواز جس کا ضمیر پاک نہیں
پھرا میں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی چمن میں گریبان لالہ چاک نہیں[۹۵]

اور ''رقص'' کے عنوان سے یہ نظم ملتی ہے۔

چھوڑ یورپ کے لئے رقص بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ہے ضرب کلیم اللہی
صلہ اس رقص کا ہے تشنگی کام و دہن
صلہ اس رقص کا ہے درویشی و شہنشاہی

مندرجہ بالا منظومات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کے نزدیک اگر نغمہ بجائے تحریک عمل کے، بے عمل بنا دے تو وہ حرام ہے۔ ہندوستانی خانقاہوں میں سماع اور موسیقی نے خانقاہ نشینوں کی زندگی کو بے عمل بنا کر رکھ دیا تھا۔ اس کا اقبال کو بڑا دکھ تھا اور اس کے خلاف انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اقبال جسمانی رقص کے قائل نہیں بلکہ روح کو رقص کرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس میں ان کو شاہی نظر آتی ہے۔ وہ اس سرود کے قائل ہیں جس کی گرمی سے ستارے پگھل جائیں۔ جو دنیا سے بے نیاز بنا کر اللہ اور صرف اللہ کا نیاز مند بنا دے لیکن یہ سرود ہے کہاں؟

ع منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک یہ سرود

اقبال نے ''ادبیات وفنون لطیفہ'' کے عنوان سے جو منظومات لکھی ہیں ان میں ایک نظم کا عنوان ہے ''مرد بزرگ۔'' اس نظم میں ایسے انسان کی شبیہ ملتی ہے جو شریعت و طریقت کے امتزاج کا نمونہ کامل ہے۔ اقبال یوں نغمہ سرا ہے۔

اس کی نفرت بھی عمیق، اس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق
پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں
ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق
انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق
مثل خورشید سحر فکر کی تابانی ہے
بات میں سادہ و آزادہ ' معانی میں دقیق
اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق[۹۶]

Marfat.com

حضرت مجدد اور اقبال کے فکری مماثلات

حضرت مجدد اور اقبال کے مطالعہ کے دوران ان دونوں حضرات کے درمیان جو فکری مماثلات محسوس کئے ان کا اجمالی خاکہ یہ ہے:

۱۔ تصوف میں دونوں کے فکری اور روحانی ارتقاء کا آغاز وحدۃ الوجود سے ہوا اور انتہا وحدۃ الشہود پر ہوئی۔
۲۔ حضرت مجدد نے جو تصور ''عبدیت'' پیش کیا تھا اقبال نے اس پر اپنے تصور ''خودی'' کی بنیاد رکھی۔
۳۔ دونوں ''اثبات ذات'' کے قائل ہیں، نفی ذات کو تباہ کن سمجھتے ہیں۔ ''بقا بعد الفناء'' کے قائل ہیں۔
۴۔ دونوں فراق طلب ہیں۔ ''گسستن'' کو ''پیوستن'' سے بہتر تصور کرتے ہیں۔ ''سرّ الوصال'' نہیں بلکہ ''سرّ الفراق'' ہیں۔
۵۔ دونوں نے ''عجمیت'' کے خلاف بغاوت کی اور حجازیت کو زندہ کیا۔
۶۔ دونوں فلسفے کو نہیں بلکہ علوم کشفیہ کو فوقیت دیتے ہیں۔
۷۔ دونوں نے وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات کے مسموم اثرات کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ بلکہ اقبال نے تو حضرت مجدد سے زیادہ سختی اختیار کی جو غالباً روحانی تجربے کے فقدان کی وجہ سے ہو۔
۸۔ دونوں نے تصوف کو ''اخلاص عمل'' سے تعبیر کیا اور اس کا ''سکونی'' نقطہ نظر سے نہیں بلکہ ''حرکی'' نقطہ نظر سے مطالعہ کیا۔
۹۔ دونوں شریعت و طریقت کو ایک دوسرے کا عین سمجھتے ہیں۔
۱۰۔ دونوں رقص و موسیقی کے مخالف ہیں کیونکہ وہ جذباتیت کو عبادت میں محمود نہیں سمجھتے۔
۱۱۔ دونوں دوقومی نظریے کے حامی ہیں یعنی ملت اسلامیہ اور ملت باطلہ۔
۱۲۔ دونوں وطن کو حفاظت مذہب کا ذریعہ سمجھتے ہیں نہ کہ مذہب کو حفاظت وطن کا...... دین کی حفاظت کو وطن کی حفاظت پر مقدم سمجھتے ہیں۔
۱۳۔ دونوں نے اپنے زمانے کی طاغوتی طاقتوں کے خلاف قولی اور نظری جہاد کیا ہے جو ''افضل جہاد'' ہے۔
۱۴۔ دونوں نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جس جرأت و بیباکی کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔
۱۵۔ دونوں نے اوامر و نواہی شرعیہ پر زور دیا ہے اور شریعت اسلامیہ کو اعمال کی کسوٹی قرار دیا ہے۔
۱۶۔ دونوں تعلیمات نبوی ﷺ کو نوع انسانی کے لئے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔
۱۷۔ دونوں عشق محمدی ﷺ کو جان ایمان اور جان عبادت سمجھتے ہیں۔

حواشی

۱۔ عبدالرزاق ''کلیات اقبال'' بحوالہ ''اقبالیات کا تنقیدی جائزہ'' از قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۵۵ء۔ ص ۱۱۰

Marfat.com

۲۔ طاہر فاروقی۔ سیرت اقبال، مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۴۹ء۔ ص ۳۵۴

۳۔ نور محمد قادری۔ سلسلہ قادریہ میں علامہ کی بیعت، مطبوعہ ماہنامہ ضیائے حرم (لاہور) شمارہ اپریل ۱۹۷۵ء ص ۴۴، ۴۵ (اضافہ ۱۹۸۰ء)

۴۔ ایضاً ص ۴۴

۵۔ Mohammad Iqbal.The Development of Metaphysics in Persia,Lahore

۶۔ عطاء اللہ۔ اقبال نامہ جلد اول، مطبوعہ لاہور۔ ص ۴۔ ۵۳، مکتوب محررہ ۱۷ مئی ۱۹۱۹ء

۷۔ احمد سرہندی، مکتوبات شریف مطبوعہ امرتسر ۱۳۲۳ھ جلد اول مکتوب ۳۶

۸۔ طاہر فاروقی۔ سیرت اقبال۔ ص ۳۵۵

۹۔ عطاء اللہ شیخ: اقبال نامہ، جلد اول مطبوعہ لاہور، مکتوب ۳۵، ص ۷۷۔ ۷۸

۱۰۔ اقبال: ضرب کلیم، مطبوعہ لاہور، ص ۸۸

۱۱۔ مرزا عبدالقادر بیدل بن عبدالخالق ۱۰۵۴ھ میں بمقام عظیم آباد پیدا ہوئے۔ ترکوں کے قبیلہ برلاس سے آپ کا تعلق تھا۔ کم سنی میں والد کا انتقال ہو گیا تو عم مکرم مرزا قلندر نے پرورش کی۔ بیدل نے ۵ سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کیا۔ پھر ۵ برس علوم نقلیہ کی تحصیل کی۔ اس کے بعد تعلیم ترک کر کے فقیرانہ رنگ اختیار کیا۔ زیادہ وقت فقراء کے ساتھ گزرنے لگا۔

بیدل بڑے ذہین وطباع تھے۔ شعر گوئی کی طرف فطری میلان تھا۔ عبرتی کی ''ریاض الافکار'' کے مطابق بیدل کو مولانا کمال سے شرف تلمذ حاصل تھا اور ''نشتر عشق'' کے مطابق بیدل کا پہلا تخلص رمزی تھا۔ بعد میں بدل کر بیدل رکھ لیا۔

بیدل بڑے پُرگو اور خوش گو شاعر تھے۔ بقول غلام علی آزاد بلگرامی بیدل کی کلیات میں ۹۹ ہزار اشعار ہیں۔ چونکہ طبعاً فقر پسندی کی طرف مائل تھے۔ اس لیے ''ہزار خوف'' میں بھی زبان ''دل کی رفیق'' رہی۔ کیونکہ ع ...... یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق۔

اسی لیے بقول اقبال، بیدل کا کلام سکونی نہیں حرکی ہے۔ بیدل نے ۲۱ سال کی عمر میں وطن عزیز کو چھوڑا، بقول غلام علی آزاد بلگرامی بیدل کی نشو ونما زیادہ تر دوسرے شہروں میں ہوئی۔ ''سفینہ خوش گو'' کے مطابق بیدل، اکبر آباد بھی رہے۔ بعد میں دہلی چلے آئے جس زمانے میں اورنگ زیب مہمات دکن میں مصروف تھا۔ فتنہ وفساد کی وجہ سے بیدل، دہلی سے متھرا آ گئے تھے۔ یہاں سے جاٹوں کی ریشہ دوانیوں سے مجبور ہو کر ۲۷ جمادی الآخر ۱۰۹۶ھ میں پھر دہلی آ گئے۔ یہاں بیدل نے ۳۶ سال گزارے (بقول ''سفینہ خوش گو'') لیکن بیچ میں جب سادات بارہ کے ہاتھوں فرخ سیر قتل ہوا اور بیدل نے امیر الامراء سید حسین علی خاں کو دو تنقیدی شعر لکھ کر بھیجے تو سادات کو ان سے کچھ دشمنی ہو گئی۔ چنانچہ اسی وجہ سے بیدل ۶ ذی الحجہ ۱۱۳۲ھ میں ترک سکونت کر کے لاہور چلے آئے۔ لیکن جب امیر الامراء مارا گیا (۹ اکتوبر ۱۷۲۰ء) اور سادات کا زور ٹوٹ گیا تو بیدل لاہور سے دہلی چلے گئے۔ لیکن چند ماہ بعد بقول بندرا بن داس خوشگو، تپ محرقہ میں مبتلا ہو کر یوم پنج شنبہ چہارم صفر ۱۱۳۲ھ کو دہلی میں انتقال ہو گیا اور حویلی کے آنگن میں دفن ہوئے۔ مگر اب قبر کا نام ونشان تک نہیں۔ ع

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

خواجہ حسن نظامی مرحوم نے شاہ سلیمان پھلواری کی نشان دہی پر ۱۳۵۹ھ میں جو مزار بنوایا ہے وہ اصل جگہ پر نہیں ہے۔ (مجلہ اُردو ادب: علی گڑھ شمارہ نمبر ۱، ۱۹۶۲ء، ملخصاً)

۱۲۔ محمود نظامی: ملفوظات، مطبوعہ لاہور، ص ۱۲۲
۱۳۔ نذیر نیازی: مکتوباتِ اقبال، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۷ء ص ۱۶۱
۱۴۔ ایضاً ص ۱۶۲
۱۵۔ ایضاً ص ۱۶۴
۱۶۔ ایضاً ص ۱۶۴۔۱۶۵
۱۷۔ عبدالمجید سالک: ذکرِ اقبال مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء، ص ۱۹۱
۱۸۔ یوسف سلیم چشتی: شرح بال جبریل، مطبوعہ لاہور، ص ۲۰۶۔۲۰۷
۱۹۔ مکتوب از پروفیسر یوسف سلیم چشتی محررہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۳ء از لاہور
۲۰۔ شیخ عطاء اللہ: اقبال نامہ حصہ اوّل، مطبوعہ لاہور
۲۱۔ مکتوب محرّرہ۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۶۲ء از لاہور
۲۲۔ مکتوب محرّرہ۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء از لاہور
۲۳۔ مکتوب محرّرہ۔ ۱۳ اپریل ۱۹۶۲ء از لاہور
۲۴۔ مکتوب محررہ۔ ۶ مئی ۱۹۶۳ء از کیمبرج
۲۵۔ مکتوب محررہ۔ ۸ مئی ۱۹۶۳ء از لندن
۲۶۔ اقبال: بال جبریل، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء، ص ۲۱۱۔۲۱۲ (۲) (ا) غلام علی آزاد بلگرامی: مآثر الکرام، جلد اول، مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء، ص ۲۰۴ (ب) فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۱ء، ص ۴۱۴
۲۷۔ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات مطبوعہ کانپور ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ء
۲۸۔ داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء (اُردو) مطبوعہ لاہور، ص ۲۳۳
۲۹۔ غلام علی آزاد بلگرامی: سبحۃ المرجان فی آثارِ ہندوستان مطبوعہ ۱۳۰۳ھ ص ۴۹
۳۰۔ (الف) بدرالدین سرہندی: حضرات القدس، ترجمہ اُردو، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۱ھ ص ۳۶
(ب) صدیق حسن خاں: ابجد العلوم، مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۵ھ، ج۔۳، ص ۸۹۹
(ج) T.W. Arnold: The Preaching of Islam, Lahore, 1956, Page, 412
۳۱۔ عبدالقادر بدایونی۔ منتخب التواریخ، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۹ء۔
۳۲۔ احمد سرہندی، مکتوبات شریف دفتر اوّل، حصہ سوم، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ، مکتوب ۱۶۳، ص ۴۵
۳۳۔ اقبال، بالِ جبریل، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء، ص ۱۷
۳۴۔ محمود نظامی: ملفوظاتِ اقبال، مطبوعہ لاہور، ص ۸۹۔۲۸
۳۵۔ اقبال: مثنوی۔ پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق، مطبوعہ لاہور، ص ۲۸
۳۶۔ محمد اقبال: بالِ جبریل، ص ۱۷۔۱۸
۳۷۔ Mohammad Iqbal: The Development of Metaphysics in Persia, Lahore, Introduction p.X
۳۸۔ شیخ عطاء اللہ: مکاتیب اقبال، حصہ اول، مطبوعہ لاہور، ص ۲۴
۳۹۔ R.A.Nicholson: The Secrets of the Self, Lahore 1944, pp.-xi-xii.

Marfat.com

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ ''اسرارِ خودی، از محمد اقبال، مطبوعہ اخبار ''وکیل''، امرتسر، ۹ فروری ۱۹۱۶ء، بحوالہ مجلہ اقبال (لاہور) اپریل ۱۹۵۴ء، ص ۵۵

۴۲۔ جلال الدین رومی کے تفصیلی حالات کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں مطالعہ کی جائیں۔

(الف) سلطان ولد : ولد نامہ

(ب) افلاکی : مناقب العارفین

(ج) رومی : مقالات شمس تبریز

(د) رومی : فیہ مافیہ۔ تہران ۱۹۲۸ء

(ہ) بدیع الزمان : شرح حال مولانا، تہران ۱۹۳۲ء

C. Huart: Les saints Des Derviches Tourneurs, Paris, 1918-22,

Dr. H. Ritter: Der Islam, 1940, 1942

۴۳۔ غلام مصطفیٰ خاں: ادبی جائزے، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء، ص ۱۵

۴۴۔ مجلہ اقبال لاہور: اپریل ۱۹۵۴ء، جلد نمبر ۲۲، شمارہ نمبر ۴، ص ۴۵

۴۵۔ محمد اکرام: رودِ کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء، ص ۲۶۳

۴۶۔ ''اسرارِ خودی'' از اقبال، مطبوعہ اخبار ''وکیل'' (امرتسر: ۹۰ فروری ۱۹۱۶ء، مجلہ اقبال (لاہور)، اپریل ۱۹۵۴ء

نوٹ: اقبال کا یہ خیال صحیح نہیں کہ وحدۃ الوجود معاذ اللہ زندیقیت ہے۔ خود حضرت مجدد اسی منزل سے وحدۃ الشہود تک پہنچے۔

۴۷۔ ''اسرارِ خودی'' از اقبال، مطبوعہ اخبار ''وکیل'' (امرتسر) ۹ فروری ۱۹۱۶ء بحوالہ مجلہ اقبال (لاہور) اپریل ۱۹۵۴ء

۴۸۔ برہان احمد فاروقی: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء ص ۴۶۔۴۷

۴۹۔ برہان احمد فاروقی: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء، ص ۴۶۔۴۷

۵۰۔ منثورات اقبال (مرتبہ بزمِ اقبال) مطبوعہ لاہور، ص ۱۴ (ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اقبال اور مجدد الف ثانی۔)

نوٹ: حضرت مجدد تصور وحدۃ الوجود کو غلط نہیں سمجھتے بلکہ اس کی غیر شرعی تعبیرات کو غلط سمجھتے ہیں اس لیے برہان احمد فاروقی کا یہ خیال صحیح نہیں کہ حضرت مجدد وحدۃ الوجود کو غلط سمجھتے ہیں۔

۵۱۔ ابوسعید نور الدین، ''وحدۃ الوجود اور فلسفہ خودی'' مطبوعہ اقبال ریویو (کراچی) جولائی ۱۹۶۲ء، ص ۱۱۵

۵۲۔ شیخ محمد اکرام: رودِ کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء، ص ۲۶۳۔۲۶۴

۵۳۔ محمد نذیر عرشی: مفتاح العلوم، مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۴ھ، جلد اوّل، ص ۴۵

۵۴۔ محمد معصوم: مکتوبات معصومی (خلاصہ اُردو) مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۶۰ء، ص ۶۔۹۳

۵۵۔ احمد سرہندی: مکتوبات شریف، جلد اوّل، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ، ص ۸۳۔۸۴

۵۶۔ ایضاً۔ ص ۶

۵۷۔ Theodore de Bary: Sources of Indian Tradition, New York

۵۸۔ خلیفہ عبدالحکیم: فکرِ اقبال، مطبوعہ لاہور، ص ۴۴۶

۵۹۔ شیخ احمد: مکتوبات شریف جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۶۰، ص ۳۶۔۳۷

۶۰۔ مکاتیب اقبال، جلد اوّل، ایضاً، ص ۳۸۔۳۹

۶۱۔ ایضاً۔ص ۳۸ نمبر ۷۶

۶۲۔ ایضاً۔ص ۳۸ نمبر ۷۷

۶۳۔ ایضاً۔ص ۳۹

۶۴۔ ایضاً۔ص ۳۹

۶۵۔ ایضاً۔ص ۳۹۔۴۰

۶۶۔ برہان احمد فاروقی: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء، ص ۸۹۔۹۰

۶۷۔ اقبال: جاوید نامہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء، ص ۱۷۷۔۱۷۸

۶۸۔ محمد اقبال: تشکیل جدید الٰہیات (ترجمہ اُردو از نذیر نیازی) مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء، ص ۳۰۱۔۳۰۲

۶۹۔ محمد اقبال: تشکیل جدید الٰہیات، ص ۲۹۷۔۲۹۸

۷۰۔ نذیر نیازی نے "Genus" کا ترجمہ ''مرشد کامل'' کیا ہے۔ اس لفظ میں جو معنویت ہے وہ ''مرشد کامل'' میں نہیں۔ مولوی عبدالحق مرحوم نے اس کا ترجمہ ''روحِ عصر'' کیا ہے جو ایک حد تک اصل معنی سے قریب ہے۔

۷۱۔ محمد اقبال: ''تشکیل جدید الٰہیات، ص ۲۹۸۔۳۰۰

۷۲۔ ایضاً

۷۳۔ ایضاً

۷۴۔ نوٹ: یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اقبال جس کسی کے خیالات و نظریات سے متاثر ہوتے ہیں اگر وہ شخصی ان کے نزدیک زیادہ مؤثر نہیں تو پھر ان خیالات کا اظہار کسی مؤثر شخصیت کی زبانی کرتے ہیں۔ یہاں حضرت مجدد کے افکار کو مرشدِ رومی کی زبانی ظاہر کیا ہے۔

۷۵۔ محمد اقبال: جاوید نامہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء، ص ۱۳۰

۷۶۔ ایضاً۔ص ۱۵

۷۷۔ ایضاً۔ص ۱۴

۷۸۔ اسرار خودی از محمد اقبال، مطبوعہ اخبار ''وکیل'' (امرتسر) ۹ فروری ۱۹۱۶ء بحوالہ مجلہ اقبال (لاہور) اپریل ۱۹۵۴ء، ص ۴۵

۷۹۔ محمد طاہر فاروقی: سیرتِ اقبال، ص ۳۱۷۔۳۱۸

۸۰۔ محمد اقبال: مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء، ص ۳۳۔۳۴

۸۱۔ ابوسعید نورالدین: ''وحدۃ الوجود اور فلسفہ خودی'' مطبوعہ اقبال ریویو کراچی، جولائی ۱۹۶۳ء، ص ۱۱۵

۸۲۔ احمد سرہندی: مکتوبات شریف جلد سوم، مکتوب (۸۰) بحوالہ انوارِ مجددیہ از یوسف سلیم چشتی، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۱ء

۸۳۔ عطاء اللہ: اقبال نامہ، جلد دوم، مکتوب ۱۹، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۱ء

۸۴۔ احمد سرہندی: مکتوبات شریف، جلد اول، حصہ دوم، مطبوعہ امرتسر ۱۳۳۳ھ، مکتوب ۸۴، ص ۷۸

۸۵۔ اقبال: مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مطبوعہ لاہور، ۱۹۳۶ء، ص ۳۸۔۴۰

۸۶۔ ایضاً۔ص ۴۰۔۴۱

۸۷۔ عطاء اللہ: اقبال نامہ، جلد اوّل، مطبوعہ لاہور، مکتوب ۱۰۳، محررہ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۶ء ص ۲۰۲۔۲۰۴

۸۸۔ ایضاً۔

۸۹۔ محمد اقبال: ''تشکیل جدید الٰہیات'' مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء

۹۰۔ احمد سرہندی: مکتوبات شریف، دفتر اول، مطبوعہ امرتسر ۱۳۲۷ھ مکتوب ۲۶۶، ص ۱۳۶
۹۱۔ احمد سرہندی: مکتوب شریف، جلد اوّل (ترجمہ و تلخیص محمد ہدایت علی) موسومہ بہ درلا ثانی، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۳۵۷ھ، ص ۱۲۵ مکتوب نمبر ۲۵۰
۹۲۔ احمد سرہندی: مکتوبات شریف، جلد اوّل، مطبوعہ امرتسر ۱۳۲۷ھ، ص ۹۷، مکتوب نمبر ۲۶۱
۹۳۔ محمد اقبال: ضرب کلیم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۴ء، ص ۱۲۵
۹۴۔ ایضاً، ص ۱۲۴
۹۵۔ ایضاً، ص ۱۳۲
۹۶۔ ایضاً، ص ۱۲۹

(حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال از ڈاکٹر محمد مسعود احمد، سیالکوٹ ۱۹۸۰ء)

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر رحیم بخش شاہین

شیخ سرہندؒ......اقبال کی نظر میں

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

یہ علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے۔ ایک روزنامہ "ہمایوں" کے ایڈیٹر میاں بشیر احمد نے اقبال سے اس شعر کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس میں شیخ مجدد الف ثانی کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے تین سو سال پیشتر ہندوستان کے مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا تھا۔

حضرت مجدد کے بارے میں اقبال کا یہ تاثر اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اقبال نہ صرف تصوف کے قائل تھے بلکہ انہیں صوفیائے کرام اور اولیائے امت سے بھی بے حد عقیدت تھی۔ اقبال کے اس رجحان کی تعمیر میں ان کے خاندانی اثرات کو گہرا دخل حاصل ہے۔ اقبال کے والد ماجد ایک صاحب باطن شخص تھے اور وقتاً فوقتاً اپنے ہونہار بیٹے کو اسرار و تصوف کی تعلیم دیتے رہتے تھے۔ پھر اقبال نے اپنے زمانہ تعلیم میں بھی تصوف کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ بعض لوگوں کے بیان کی رو سے وہ اپنے والد سے قادری سلسلے میں بیعت بھی تھے۔ ہمعصر صوفیاء عرفاء سے بھی ان کے مراسم قائم تھے۔ وہ اصطلاحی معنوں میں صوفی یا ولی نہ تھے لیکن ان کے افکار و احساسات میں صوفیانہ رجحانات بڑی حد تک سرایت کر چکے تھے۔ تصوف پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ اس کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب اپنے پہلے سفر یورپ سے واپس آئے اور انہوں نے چند سال بعد ۱۹۱۵ء میں اپنے شہرہ آفاق فلسفہ خودی کی تشریح کے لئے مثنوی "اسرار خودی" شائع کی تو اس میں ایک مسلمان مفکر اور مصلح کی حیثیت سے عجمی تصوف کو ہدف تنقید بنایا۔ خواجہ حافظ شیرازی کی شاعری اور افلاطون کے افکار پر شدید نکتہ چینی کی۔ اس پر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ صوفیاء کا ایک طبقہ اقبال سے سخت ناراض ہو گیا۔ ان کی مخالفت میں اخباروں اور رسالوں میں نہ صرف خواجہ حافظ کی حمایت میں نظمیں اور مضامین شائع کیے گئے بلکہ اقبال پر طعن و تشنیع کے تیر بھی برسائے گئے۔ اگرچہ اقبال کی مثنوی "اسرار خودی" کے دوسرے ایڈیشن سے حافظ کے سلسلے کے اشعار حذف کر دیئے گئے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اقبال کا انداز فکر درست تھا اور ان کی تنقید بجا تھی اور ان کے بارے میں تصوف دشمنی کے الزام کی تشہیر محض غلط فہمی پر مبنی تھی۔ جس شخص نے اقبال کے کلام کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ اقبال نے جا بجا مسلمان صوفیاء کے تبلیغی اور اصلاحی کارناموں کی تعریف کی ہے۔

Marfat.com

کسے علم نہیں کہ وہ مولانا جلال الدین رومی کو اپنا مرشد معنوی قرار دیتے ہیں۔

وہ حکیم سنائی کے "حدیقہ" کے نکات کی عظمت کے قائل ہیں۔انہوں نے حضرت بوعلی قلندر' شیخ علی ہجویری' جنید بغدادی اور بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہم کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔اس سے آگے بڑھ کر انہوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ ان کا فلسفہ خودی مسلمان صوفیا اور حکماء کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی وہ تصوف کی اس صورت سے برأت کا اعلان کرتے ہیں جس کی تخلیق و تشکیل میں غیر اسلامی افکار اور نظریات کارفرما رہے ہیں۔اسی بناء پر انہوں نے شیخ محی الدین ابن العربی اور خواجہ حافظ شیرازی کی مخالفت بھی کی ہے۔ابن العربی نے وحدت الوجود کے نظریے کو قابل قبول بلکہ ہر دلعزیز بنانے کی کوشش کی۔ان کا دعویٰ ہے کہ نظریہ وحدت الوجود کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر ہے اور اس کے ثبوت میں انہوں نے قرآن و حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔اس سے ان کے افکار کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔حضرت مجدد الف ثانی سے پہلے تک اکثر صوفیا ابن العربی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور پھر عربی' فارسی اور اردو کے نامور صوفی شعراء نے بھی ان کے نظریات کی تشہیر میں اہم کردار ادا کیا۔ان لوگوں کے شاعرانہ تخیل اور اسلوب بیان کی دل آویزی نے وحدت الوجود کے فلسفے کو اور زیادہ پُرکشش بنا کر پیش کیا۔سب سے پہلے عراقی نے "لمعات" میں اور پھر آخر میں حافظ نے اپنی اثر انگیز اور مسحور کن شاعری میں اس کو زیادہ دلکش صورت بخشی' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نظریئے کے خلاف لب کشائی کو تصوف کے حق میں گستاخی اور علمی اعتبار سے جہالت کے مترادف تصور کیا جانے لگا۔حالانکہ فلسفے میں اسلامی تعلیمات کی بجائے بالواسطہ طور پر یونانی فکر خصوصاً افلاطون کے اعیان ثابتہ کے اثرات کارفرما تھے۔

ظاہر ہے کہ یہ نظریہ نہ صرف انسان کو ذوق عمل سے محروم کر دیتا ہے بلکہ دین اسلام اور شریعت حقہ کی بنیادوں کو منہدم کرنے کی مذموم کوشش بھی کرتا ہے۔اس کے علاوہ اس نظریئے نے ظاہر و باطن کے فرق و امتیاز کو ناروا حد تک رواج دیا جس میں شریعت کے سارے نظام کی شکست و ریخت کے خطرات مضمر تھے۔

یہ وہ صورتحال تھی کہ جس کی اصلاح کے لئے اقبال نے کمر ہمت باندھی۔انہوں نے وحدت الوجود کے خلاف آواز اٹھائی اور ایک ایسے وقت میں جب کہ ملت زوال و ادبار سے دوچار تھی۔غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی' بے عملی اور کم ہمتی کا شکار تھی اس کو حرکت و عمل کی ضرورت تھی۔انہوں نے بجا طور پر اس فلسفے کے مضر اثرات کی نشاندہی کی اور ان شخصیتوں کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا جنہوں نے اس کی ترویج و اشاعت میں حصہ لیا تھا تاہم وہ ان عرفا اور صلحاء کے حسب معمول قائل اور معترف رہے' جنہوں نے ملت اسلامیہ کو آزادی و حریت' حرکت و عمل اور اجتہاد کا پیغام دیا تھا۔ان بزرگوں میں حضرت مجدد الف ثانی کو جو مقام حاصل ہے' وہ محتاج بیان نہیں۔اقبال نے انہیں اسلامی تصوف کا مصلح اعظم اور سترہویں صدی کا بہت بڑا مرشد کامل قرار دیا ہے۔

حضرت مجدد کا ایک عظیم کارنامہ وحدت الوجود کی تردید ہے۔اس میں آپ کو اوّلیت حاصل ہے۔آپ نے شریعت حقہ کی بالادستی کے لئے ابن العربی کے نظریات پر شدید تنقید کی اور ثابت کیا کہ وحدت الوجود کا فلسفہ اسلامی تعلیمات کے صریحاً خلاف ہے۔انہوں نے وحدت الوجود کے خلاف وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا جو شریعت کے تقاضوں کے مطابق ہے۔اس نظریے کی رو سے وہ کثرت جو نظر آتی ہے وہ اعیان ثابتہ کا عکس نہیں بلکہ خارج میں موجود

Marfat.com

ہے۔ وہ ممکن کو واجب کا عین نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک کائنات خدا کی مخلوق ہے اور انسان اللہ کا بندہ۔ گویا ہمہ اوست کی بجائے ہمہ از وست کا قائل ہونا ضروری ہے۔

حضرت مجددؒ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اگرچہ دونوں نظریوں کی تطبیق کی کوشش کی لیکن اقبال حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے نظریے کے حامی ہیں اور ان کے نظریہ خودی کا منبع بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ اس میں اصل اہمیت انسان کے مخلوق اور عبد ہونے اور اس کی شخصیت کی اس انداز میں تعمیر و تشکیل کو حاصل ہے کہ جس میں وہ اپنے کمال کو بھی حاصل کر لے اور خدا کی ذات میں فنا ہونے کی بجائے اپنے وجود کی جداگانہ حیثیت برقرار بھی رکھے اور اس طرح کائنات میں خدا کے نائب کی حیثیت سے روحانی ترقی اور تسخیر کائنات میں خدا کے نائب کی حیثیت سے روحانی ترقی اور تسخیر کائنات کے فرائض سرانجام دینے کے قابل ہو سکے۔ یہی وہ لائحہ عمل تھا جس کی نشاندہی ختم المرسلین رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور جس پر صلحائے امت عمل پیرا رہے۔

ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام کا پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف قرآن حکیم اور حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشادات گرامی کی اتباع کرے۔

حضرت مجددؒ نے اپنے مکتوبات میں متعدد مواقع پر اس امر کی تصریح کی ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> ''محمد عربی کا کلام درکار ہے نہ کہ شیخ محی الدین بن عربی (یا ان کے شاگرد) صدرالدین قونوی یا عبدالرزاق کاشی کا (جو کہ وحدت الوجود کے علمبرداروں میں سے تھے) ہم کو نص کلام اللہ و کلام الرسول درکار ہے نہ کہ نص (ابن العربی کی کتاب ''فصوص الحکم'') فتوحات مدینہ (حدیث نبوی) نے ہمیں ''فتوحات مکیہ'' (ابن العربی کی تصنیف) سے مستغنی کر دیا ہے۔''

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں:

> ''اکابر نقشبندیہ...... نصوص کلام اللہ و کلام الرسول کو چھوڑ کر کتاب ''فصوص الحکم'' کی طرف مائل نہیں ہوتے اور رسول ﷺ کے ارشادات سے نگاہ ہٹا کر کتاب ''فتوحات مکیہ'' کی طرف التفات نہیں کرتے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجددؒ کی نظر میں تصوف نام ہے اتباع سنت رسولؐ اور اطاعت احکام الٰہی کا۔ وہ تمام تعبیرات اور تاویلات جو قلب و ذہن کو اس سے دور کرتی ہوں رد کر دینے کے قابل ہیں۔ خواہ وہ شیخ محی الدین ابن العربی کے مکشوفات ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ چیزیں خود شیخ موصوف کے لئے تو مستند ہو سکتی ہیں لیکن دوسرے مسلمانوں کے لئے صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام ہی لائق اتباع ہیں۔ حضرت مجددؒ واضح طور پر کہتے ہیں:

> ''ایمان بالغیب ہی حق ہے اور جملہ جزئیات میں اتباع سنت ہی ارتقائے روحانی کی آخری منزل ہے نہ کہ حقائق کشفیہ کو خضر راہ بنانا۔''

حضرت مجدد الف ثانی کا ایک اہم کارنامہ دین کو بدعت سے پاک کرنا ہے۔ یوں تو ایک مدت سے نفس

Marfat.com

پرست بادشاہوں، جاہل صوفیوں اور علمائے سوء نے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں خلاف اسلام نظریات اور اعمال کی آمیزش کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا لیکن حضرت مجددؒ کے قریبی زمانے میں اس میں بہت شدت آچکی تھی۔ حضرات مجددؒ نے اس فتنے کے سدباب کے لئے بھرپور جدوجہد فرمائی۔ ان کی تعلیمات کا اکثر و بیشتر زور بدعت کے استیصال اور سنت کے احیاء پر ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بدعت میں کوئی خوبی اور نورانیت نہیں، ظلمت اور کدورت کے سوا اس میں کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ انہوں نے ہمیشہ بدعت سے بچنے اور سنت کی اتباع کرنے کی تلقین کی اور اس حدیث کی طرف مریدوں کو متوجہ کیا کہ جس کی رو سے کسی متروک سنت کو زندہ کرنے سے سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا۔ انہوں نے شریعت و طریقت میں فرق کی تردید کرتے ہوئے واضح کیا کہ مستقیم الاحوال صوفیاء احوال و اقوال، اعمال و علوم و معارف میں ہرگز شریعت سے تجاوز نہیں کرتے۔ اگر کسی کا حال سکر کے وقت شریعت کے مخالف ہو تو معذور ہے اور اس کا کشف غیر صحیح ہے اور اس کی تقلید ناجائز اور نادرست ہے۔ ان کے نزدیک استقامت کا طریقہ شریعت اور باطن کی درستی کی علامت ظاہر کو شرعی احکام سے نوارنا ہے۔ حضرت مجدد نے اپنے زمانے کے صوفیا کے برعکس اس امر کا اعلان کیا کہ حقیقت اور طریقت دونوں شریعت ہی کی خادم ہیں نہ کہ شریعت اور ہے اور طریقت و حقیقت کچھ اور۔ انہیں علیحدہ علیحدہ کرنا الحاد و زندقہ ہے۔

حضرت مجدد کی دعوت کی یہی وہ امتیازی خصوصیت ہے جس کی بناء پر علامہ اقبال ان کے معترف تھے۔ لسان العصر اکبرالہ آبادی کے نام خط میں اقبال نے حضرت مجددؒ کو احرار امت کے اس گروہ کا رکن قرار دیا ہے، جس نے مروجہ تصوف کی اصلاح کی جدوجہد کی اور اسلام کے سرچشمہ صافی سے روحانی طور پر سیراب ہونے کو اصل تصوف قرار دیا۔ تصوف کی حقیقت کے بارے میں اقبال کا سرچشمہ اور منبع حضرت مجددؒ ہی کے ارشادات ہیں۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> ''حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعائر حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔ اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ راقم الحروف اس تصوف کو جس کا نصب ایسے شعائر اسلامی میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو عین اسلام جانتا ہے۔''

خواجہ حسن نظامی کے نام خط میں اقبال لکھتے ہیں:

> ''حضرت امام ربانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ گستن اچھا ہے یا پیوستن؟ میرے نزدیک گستن عین اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور اس کے خلاف میں صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔ گزشتہ علمائے اسلام نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے کہ آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ نے مجھے سرّ الوصال کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے سرّ الفراق کہا جائے۔ اس وقت میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانی نے کیا ہے۔ آپ کے تصوف کی اصطلاح میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شان عبدیت انتہائی کمال روح انسانی کا ہے۔ اس سے آگے کوئی اور

Marfat.com

مرتبہ یا مقام نہیں یا محی الدین ابن عربی کے الفاظ میں عدم محض ہے یا بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ حالات سکر منشائے اسلام اور قوانین حیات کے مخالف ہے اور حالت صحو جس کا دوسرا نام اسلام ہے قوانین حیات کے عین مطابق ہے اور رسول اکرم ﷺ کا منشا یہ تھا کہ ایسے آدمی پیدا ہوں جن کی مستقل حالت کیفیت صحو ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم کے صحابہ میں صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بکثرت ملتے ہیں مگر حافظؒ شیرازی کوئی نظر نہیں آتا" ......"میں شیخ (ابن العربی) کی عظمت و فضیلت کا قائل ہوں اور ان کو اسلام کے بہت بڑے حکماء میں سے سمجھتا ہوں۔ مجھ کو ان کے اسلام میں کوئی شک نہیں کیونکہ جو عقائد (مسئلہ قدم ارواح و مسئلہ وحدت الوجود) ان کے ہیں ان کو انہوں نے فلسفہ کی بنیاد پر نہیں مانا بلکہ نیک نیتی سے قرآن سے استنباط کیا ہے۔ پس ان کے اعتقاد صحیح ہوں یا غلط' قرآن کی تاویل پر مبنی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جو تاویل ان کی ہے وہ منطقی یا منقولی اعتبار سے صحیح ہے یا غلط' میرے نزدیک ان کی تعمیر یا تاویل جو کچھ ہے صحیح نہیں ہے۔ اس واسطے گو میں ان کو ایک مخلص مسلمان سمجھتا ہوں مگر ان کے عقائد کا پیرو نہیں ہوں۔"

حضرت مجددؒ کی پیروی میں اقبال وحدت الوجود کی سختی سے تردید کرتے ہیں اور توحید کو اس کی اصلی اور حقیقی صورت میں ماننے پر زور دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں مسئلہ توحید کو فلسفیانہ توجیہات میں الجھانا تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے۔ ہمیں تزکیہ نفس کے اس طریقے کو مشعل راہ بنانا چاہئے اور توحید کے اس صاف اور سادہ عقیدہ کو تسلیم کرنا چاہئے جس کی تلقین قرآن نے کی ہے اور دور از کار تاویلات و تعبیرات سے بچنا چاہیے۔

اقبال ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اسلام کے اوّلین دور کے صوفی زہاد تھے۔ زہد اور تقویٰ ان کا مقصد تھا۔ بعد کے تصوف میں مابعد الطبیعیات اور نظریات شامل ہو گئے۔ تصوف اب محض زہد نہیں رہتا۔ اس میں فلسفہ کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ "ہمہ اوست" مذہبی مسئلہ نہیں یہ فلسفہ ہے۔ "وحدت" اور "کثرت" کی بحث سے اسلام کو کوئی سروکار نہیں۔ اسلام کی روح توحید ہے اور اس کی ضد کثرت نہیں بلکہ شرک ہے۔ وہ فلسفہ اور وہ مذہبی تعلیم جو انسانی شخصیت کے نشو و نما کے منافی ہو' بیکار چیز ہے" ......خالص اسلامی تصوف یہ ہے کہ احکام الٰہی انسان کی اپنی ذات کے احکام بن جائیں۔

یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن"

اقبال ایک اور پہلو سے بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شخصیت سے عقیدت رکھتے تھے۔ یہ پہلو ان کی تبلیغی مساعی سے عبارت ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے عہد اکبری اور عہد جہانگیری کی بدعات اور گمراہیوں کے خلاف

Marfat.com

آواز بلند کی اور اسلامی شریعت کی ترویج اور نفاذ کے لئے جو کوششیں کیں' تجدید و اصلاح کی تاریخ میں ان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آپ نے اپنے مریدوں کی ایک بڑی تعداد دعوت و تبلیغ کے لئے تیار کی اور انہیں مختلف اطراف میں اس کام کے لئے مقرر کیا۔ بااثر حکام اور نامور شخصیتوں سے خط و کتابت کی اور ان پر دینی اقدار کی حفاظت اور شرعی اصولوں کی ترویج کی اہمیت واضح کی۔ بادشاہ کے مقربین اور امراً کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کیا۔ تاکہ وہ بادشاہ کو خلاف اسلام کارروائیوں سے روکنے کی مؤثر کوشش کر سکیں۔ حضرت مجددؒ کی دعوت کا دائرہ صرف شہری حکام تک محدود نہ تھا بلکہ شاہی افواج کے حکام تک بھی وسعت اختیار کر چکا تھا۔ آپ کی تبلیغ کا سلسلہ جس قدر بڑھتا چلا گیا اس قدر آپ کے مخالفین کی سازشوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے بادشاہ کو آپ کے خلاف بھڑکایا۔ آخر اس نے آپ کو بلا بھیجا۔ جب حضرت مجدد جہانگیر سے ملاقات کے لئے گئے تو آپ نے اس کو نہایت معقول جواب دیئے جس پر جہانگیر لاجواب ہو گیا۔ اس دوران بادشاہ سے کسی امیر نے کہا کہ شیخ کا تکبر تو ملاحظہ کیجئے کہ آپ کو سجدہ نہیں کیا۔ حالانکہ آپ ظل اللہ اور خلیفہ الٰہی ہیں۔ اس پر جہانگیر غضب ناک ہوا اور اس نے آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کرا دیا۔ ''سبحۃ المرجان'' میں لکھا ہے کہ شاہجہاں آپ کا بڑا عقیدت مند تھا۔ آپ کے دربار میں آنے سے پہلے اس نے بعض فقہی کتابیں بھجوائیں' جن میں بادشاہ کے لئے سجدہ تحیت جائز قرار دیا گیا تھا اور یہ پیغام بھجوایا کہ اگر آپ بادشاہ کو سجدہ کر لیں تو ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا علماء کا فتویٰ تو معذوروں اور کمزوروں کے لئے ایک اجازت ہے لیکن عزیمت کا تقاضا ہے کہ خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے اور اسی عزیمت کا عملی مظاہرہ آپ نے جہانگیر سے ملاقات کے موقع پر کیا۔ آپ نے قید و بند کی اذیتیں اور صعوبتیں برداشت کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی' لیکن بادشاہ کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ یہ وقت کے زبردست حکمران سے ٹکر لینے کے مترادف تھا لیکن آپ نے علم شریعت کو بلند رکھا اور اپنا سر نیاز غیر اللہ کے سامنے جھکانے سے انکار کر دیا۔ اقبال اپنی نظم ''پنجاب کے پیرزادوں سے'' میں کہتے ہیں۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمئ احرار

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مری بینا ہیں و لیکن نہیں بیدار

آئی یہ صدا سلسلہ فقر ہوا بند
ہیں اہل نظر کشور پنجاب سے بیزار
عارف کا ٹھکانہ نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلہ فقر سے ہو طرہ دستار
باقی کلہ فقر سے تھا ولولہ حق
طروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار

اقبال کے ان اشعار سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ اپنے دور کے صوفیوں سے کیوں بیزار تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ بزرگان دین کی جس صف میں شامل تھے انہوں نے تزکیہ نفوس اور تطہیر قلوب کے ساتھ قانون شریعت کو سر بلند رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی اور اس کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی گریز نہیں کیا۔ حق گوئی اور بیبا کی ان کا شعار تھا۔ ان لوگوں نے نہ صرف اپنی خانقاہوں میں بلکہ اپنے زمانے کے جابر اور قاہر بادشاہوں کے درباروں میں کلمہ حق و صداقت کہنے سے گریز نہیں کیا جب کہ اقبال کے نزدیک ان کے زمانے کے صوفیائے خام ان شاندار روایات کو ترک کر چکے ہیں۔ ایک خط میں حضرت اکبر الہ آبادی کو لکھتے ہیں۔

''صوفیاء کی دکانیں ہیں مگر وہاں سیرت اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔''

علامہ اقبال کو حضرت مجددؒ سے جو عقیدت تھی اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب ان کے صاحبزادے جاوید اقبال پیدا ہوئے تو علامہ نے نذر مانی تھی کہ جاوید جب بڑے ہو جائیں گے تو ان کو حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر لے جائیں گے۔ جون ۱۹۳۴ء کی ایک صبح نماز پڑھ کر سوئے تو خواب میں کسی نے سرہند کے بارے میں اشارہ تو اس پر اقبال نے عزم سفر کیا۔

چنانچہ ۲۹ جون ۱۹۳۴ء کو وہ اپنے صاحبزادے جاوید اقبال کو سرہند لے گئے اور وہاں حاضری دے کر ۳۰ جون ۱۹۳۴ء کو لاہور واپس ہوئے۔ مزار مبارک کی زیارت سے علامہ کے قلب پر جو اثر ہوا اس کے بارے میں سید نذیر نیازی کے نام خط میں خود لکھتے ہیں۔

''مزار نے میرے دل پر بہت اثر کیا' بڑا پاکیزہ مقام ہے۔ پانی اس کا سرد و شیریں ہے۔ سرہند کے کھنڈر دیکھ کر مجھے مصر کا قدیم شہر فسطاط یاد آ گیا جس کی بنا حضرت عمرو بن العاص نے رکھی تھی۔ اگر کھدائی ہو تو معلوم نہیں اس زمانے کی تہذیب و تمدن کے متعلق کیا کیا انکشافات ہوں۔ یہ شہر فرخ سیر کے زمانے تک بحال تھا اور موجودہ لاہور سے وسعت اور آبادی میں دگنا۔''

اس سفر کے بارے میں جاوید اقبال لکھتے ہیں:

''میں نے سن رکھا ہے کہ میری پیدائش سے چند سال قبل ابا جان (اقبال) شیخ احمد سرہند مجدد الف ثانی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک بیٹا عطا کرے۔ آپ نے

حضرت مجدد سے یہ بھی عہد کیا کہ اگر خدا تعالیٰ نے انہیں بیٹا دیا تو اسے لے کر مزار پر حاضر ہوں گے۔ آپ کی دعا پوری ہوئی اور کچھ عرصہ بعد جب میں نے ہوش سنبھالا تو مجھے اپنے ہمراہ لے کر دوبارہ سرہند شریف پہنچے۔ اس سفر کے دھندلے سے تصورات میری نگاہوں کے سامنے ابھرتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ ان کی انگلی پکڑے مزار میں داخل ہو رہا ہوں۔ گنبد کے تیرہ و تار مگر پُر وقار ماحول نے مجھ پر ایک ہیبت سی طاری کر رکھی ہے۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے میں اپنے چاروں طرف گھور رہا ہوں جیسے میں اس مقام کی خاموش ویرانی سے کچھ کچھ شناسا ہوں۔ ابا جان نے مجھے اپنے قریب بٹھا لیا۔ پھر انہوں نے قرآن مجید کا ایک پارہ منگوایا اور دیر تک پڑھتے رہے۔ اس وقت ہم دو ہی تربت کے قریب بیٹھے تھے۔ گنبد کی خاموشی اور تاریک فضا میں ان کی آواز میں گونج ایک ہولناک ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ کر رخساروں پر ڈھلک آئے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کو حضرت مجدد کی ذات بابرکات سے صرف نظریاتی ہی نہیں روحانی اور قلبی تعلق بھی تھا۔ عصر حاضر میں حضرت مجدد کے مسلک کو عام کرنے میں اقبال نے جو کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ تصوف میں اس کو اہم مقام حاصل ہے۔

(در: شیخ سرہند مرتبہ جمیل اطہر سرہندی' لاہور ۱۹۹۹ء، ۲۲۱۔۲۲۳)

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر محمد علی صدیقی

وحدت الشہود: مجدد الف ثانی، اقبال اور تصوف

''حضرت مجدد الف ثانی اور آج کے چیلنج'' کے موضوع پر منعقد ہونے والے سیمینار میں مجھے بحیثیت مقرر دعوت شرکت ملی تو مجھے یک گونہ تعجب ہوا۔ میں خود کو مذہبی عالم اور صوفی ہونے کا دعویٰ کرنے کا اہل نہیں ہوں۔ البتہ برصغیر کی ادبی اور ثقافتی تاریخ سے مجھے طالب علمانہ تعلق ضرور ہے اور یہ تعلق حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات کے اثرات سے لاتعلق نہیں رکھ پایا۔

حضرت مجدد الف ثانی کی فکر کے اثرات نے تمام اسلامی فرقوں کے سوچنے والے اذہان حتیٰ کہ برصغیر کے دیگر مذاہب، ہندومت، بدھ مت، عیسائیت اور سکھ مت کے دانشوروں تک کو متاثر کیا ہے۔ پھر جب اس سیمینار کے موضوع پر غور کیا تو میں متفق ہوا کہ خواہ آپ مذہبی ہوں یا غیر مذہبی، خواہ آپ باطن پرست ہوں یا ظاہر پرست، روایتی فکر کے حامل ہوں یا جدید فکر کے ترقی پسندانہ، لبرل، جمہوری یا آمرانہ رویوں میں سے کسی ایک رویے کو اپنے حق میں بہتر سمجھتے ہوں، آپ کو ہر صورت میں جس بزرگ سے کوئی نہ کوئی زاویہ اتفاق یا اختلاف بنانا ضروری ہو جاتا ہے، وہ حضرت مجدد الف ثانی کی ذات ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ سوچنے والا ذہن رکھنے کے دعویدار ہوں اور آپ مجدد الف ثانی کے بارے میں غیر جانبدار رہ سکیں۔ حضرت مجدد الف ثانی وہ بزرگ ہیں جنہیں اپنے سلسلہ تصوف میں شامل کرنے کے لئے ان کے پیر خواجہ باقی باللہ بنفس نفیس ہندوستان تشریف لائے تھے اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ خود خواجہ باقی باللہ اپنے مرید کے سامنے برائے استفادہ تشریف فرما ہوا کرتے تھے اور خود انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ شیخ احمد یعنی مجدد الف ثانی کے فیض کی بدولت وحدت الوجود کے جال سے باہر نکل سکے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی برصغیر میں وحدت الشہود کے سب سے بڑے طاقتور اور مؤثر وکیل تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ان کے لئے مجدد الف ثانی کے لقب کو سب سے پہلے جس بزرگ نے استعمال کیا وہ سیالکوٹ کے ملا عبدالحکیم (وفات ۱۰۶۷ھ) تھے جو ہندوستان کے شیخ الاسلام کے منصبِ جلیلہ پر فائز تھے۔ ان کے بعد شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے بھی آپ کو اسلامی ہجری کیلنڈر کے دوسرے ہزار سال کے لئے مجدد الف ثانی کے خطاب سے یاد کیا۔ اس وقت تک ہر صدی کا ایک مجدد ہوتا چلا آتا تھا۔ یہ سلسلہ پہلی ہجری میں حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۱ھ) سے شروع ہوتا ہے اور نویں صدی ہجری کے جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) تک چلتا ہے۔ اس میں امام شافعیؒ

Marfat.com

امام باقلانی، امام غزالی، امام رازی، ابن دقیق، امام بلقینی جیسے بزرگ شامل ہیں۔ خود حضرت مجدد الف ثانی اس یقین سے سرشار تھے کہ وہ دو احادیث کی رو سے (جو 'جمع الجوامع' اور 'جامع الرد' میں موجود ہیں) مجدد عصر ہیں۔

مناسب ہوگا اگر میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے تصورات پر مختصر وضاحت پیش کروں۔ میرے خیال میں اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ان دونوں اصطلاحوں کا کوئی وجود نہیں تھا اور صرف وحدانیت پر زور دیا جاتا تھا۔ نظریہ وحدت الوجود کی رو سے وجود صرف ایک ہے اور وہ ذات خداوندی ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء اس کی صفات کے مختلف مظاہر اور شیون ہیں۔ ہمہ وقت وہ ذات اپنی شان کا طرح طرح سے اظہار کرتی رہتی ہے اور اس نظریے کے بموجب ذات خداوندی اور کائنات ایک دوسرے کے عین ہیں اور ان میں کوئی دوئی کا شائبہ نہیں۔

وحدت الشہود کا نظریہ دراصل وحدت الوجود کے ردعمل کے طور پر پیش نہیں کیا گیا تھا۔ ایک صوفی کے مطابق 'ذات خداوندی' اور 'اشیائے کائنات' ایک دوسرے کے عین نہیں بلکہ غیر ہیں۔ خدا کی ذات ہماری عقل وفہم کی رسائی سے باہر ہے۔ اشیائے کائنات' خدا کی ذات یا صفات کا مظاہر نہیں بلکہ موجود بالذات ہیں۔ وحدت الشہود کے نظریے کی رو سے اگر سالک کو حالت جذب میں خدا اور کائنات کے درمیان عینیت کا تعلق نظر آتا ہے تو وہ حقیقی نہیں بلکہ نفسیاتی ہوتا ہے۔ جب سالک راہ دیدار محبّ سے سرشار ہو کر ماسوا سے نظریں ہٹا لیتا ہے اور صرف خدا ہی کے تصور کو اپنے ذہن میں قائم رکھتا ہے تو اس کو ذات خداوندی کے سامنے اپنی ذات اور کائنات معدوم نظر آنے لگتی ہے اور وہ اس کیفیت میں کبھی 'انا الحق' کہہ اٹھتا ہے اور کبھی 'سبحانک شانی'۔ درحقیقت کیفیت اپنے جذبہ اور مشہود کی کارفرمائی ہے اور واقعیت اور اصلیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان ہر دو مکاتب فکر کے بارے میں مندرجہ بالا توضیحات کے بعد یہ امر باعث تعجب ہے کہ شاہ ولی اللہ جیسے عالم اور مفکر نے مجدد الف ثانی سے وحدت الوجود کے مسئلے پر اس درجہ اتفاق کیا کہ اس نظریے کی حمایت کر ڈالی اور اسے اہل حق کا مسلک قرار دے دیا۔ انہوں نے اپنے رسالے فیصلہ وحدت الجود والمشہود (۱۱۴۳ھ) میں فرمایا ہے کہ وحدت الوجود کے بارے میں ان کے اور وحدت الشہود کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی کے نظریات میں چنداں فرق نہیں ہے بلکہ یہ دونوں نظریات اصل میں ایک ہیں۔ یہ ایک تاریخی فیصلہ ہے جس پر کافی لے دے ہوئی ہے۔ اس فیصلے پر مولانا غلام یحییٰ صاحب نے اپنی کتاب 'کلمتہ الحق' (۱۱۸۴ھ) میں شاہ ولی اللہ پر سخت تنقید کی ہے۔ یہ کتاب حضرت مظہر جان جاناں (جو اردو کے مشہور شاعر ہیں اور جنہیں فرقہ وارانہ اختلافات کی بناء پر قتل کر دیا گیا تھا) کے ایما پر لکھی گئی۔ مولانا غلام یحییٰ کی تنقید میں شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے ''دمغ الباطل'' اسی سال (۱۱۸۴ھ) میں تحریر کی جس میں شاہ ولی اللہ سلسلے کی طرف ایک بار پھر دعویٰ کیا گیا کہ وحدت الوجود صحیح نظریہ ہے اور یہ اسلام کا سچ ہے۔ انہوں نے اپنے والد کے شاگرد شاہ شرف الدین کی ''فصوص الحکم'' پر تشریح کی بنیاد پر یہ خیال پیش کیا ہے۔ اب میں اس نزاع کی اصل کی طرف آتا ہوں۔ حضرت محی الدین ابن عربی کا دعویٰ ہے کہ (۱) اللہ کی ذات اس کی صفات کا عین ہے غیر نہیں۔ (۲) دنیا اس ذات واحد کی صفات کی تجلی ہے اور (۳) ذات اور صفات کے مابین دوری مٹ چکی ہے۔

لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ درست ہے کہ وحدت الوجود کا نظریہ مولانا رومی، صدر الدین قونوی، فخر الدین عراقی، اوحد الدین کرمانی، مولانا جامی اور محب اللہ الہ آبادی تک آتے آتے کچھ سے کچھ ہو گیا تھا۔ حضرت مجدد الف

ثانی کے عہد میں جس طرح وحدت الوجود کے نظریے کی تاویل کی جا رہی تھی اس میں نظریہ حلول تک شامل ہو گیا تھا۔ یہ سمجھا گیا کہ اسلامی سماج کے سیاسی قویٰ کی حد درجہ کمزوری اور اضمحلال اسی سبب سے تھا۔ واقعتاً اسلامی سماج میں زندگی کے آثار ہی ختم ہو کر رہ گئے تھے۔ اٹھارویں صدی میں مرزا درگاہ قلی کی تصنیف ''مرقع دہلی'' کے مطالعے سے برصغیر میں اسلامی سماج کی جو صورت سامنے آتی ہے' وہ صرف افسوسناک ہی نہیں بلکہ ہولناک بھی ہے۔ مزارات پر رقاصاؤں کے عریاں دھمال' منشیات کا آزادانہ استعمال' الوہیت میں صاحبان مزار کو شریک سمجھنے کے اثرات' علم بیزاری' عقل دشمنی اور مقدر پرستی کی روش نے شمالی ہند کے مسلم برصغیر کو اس درجہ سیاسی اور فکری طور پر کمزور کر دیا تھا کہ یہ سماج انگریزوں کو ترغیب حکمرانی نہ دیتا تو اور کیا کرتا بلکہ تعجب ہوتا ہے کہ جنگ پلاسی (۱۷۵۷ء) اور ۱۸۵۷ء میں علامتی بادشاہت کے خاتمے میں سو سال کا عرصہ کیوں لگا؟ اودھ انگریزوں کا حلیف تھا اور مرہٹوں کا خاتمہ محض رسمی کارروائی تھی۔ البتہ صرف ایک ٹیپو سلطان کی ذات تھی جس سے خطرہ تھا اور ٹیپو سلطان کی حکومت اور اس کا سماج ''مرقع دہلی'' میں پیش کردہ سماج سے یکسر مختلف تھا۔ اس سماج میں اپنے حکمران کی طرح جرأت اور بے خوفی کے انداز میں زندگی گزارنے کا حوصلہ موجود تھا۔ جہاز سازی کے کارخانے تھے' توپیں اور بندوقیں بن رہی تھیں۔ فرانسیسی طرز پر فوج کی تربیت ہو رہی تھی' کسانوں کو زمین پر ملکیت کا حق دے دیا گیا تھا اور اردو کا ایک ہفت روزہ جریدہ شائع ہونا بھی شروع ہو چکا تھا جبکہ مغلوں نے اپنے دور میں اردو کی سرکاری طور پر سرپرستی نہیں کی تھی۔ ٹیپو سلطان کے کردار پر خود انگریز جنرل حیران تھا کہ آخر عزیمت اور قربانی کے جذبے سے سرشار یہ کون ہے جو ہمیں شکست پر شکست دے رہا ہے۔ لندن میں ٹیپو سلطان کی بہادری سے متاثر ہو کر ڈرامے لکھے گئے۔ فرانسیسی ادیبوں نے ٹیپو کو خراج عقیدت پیش کرنا شروع کر دیا اور یہ سب اس لئے کہ دنیا بہادروں کا ساتھ دیتی ہے اور آج یورپ اگر برصغیر کے کسی حکمران کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو وہ صرف ٹیپو سلطان ہے۔

آخر وہ کیا اسباب تھے کہ ٹیپو سلطان اٹھارہویں صدی کے آخری عشروں میں ایک زیادہ خود آگاہ اور روشن خیال حکمران ثابت ہوا جبکہ اس کے ہم عصر شاہ عالم ثانی نے خود کو کبھی انگریزوں اور کبھی مرہٹوں کا شاہ شطرنج بننے پر مجبور پایا؟ آپ اسے نادر شاہ درانی اور ابدالی کے حملوں کے بعد مغل سلطنت کے صوبے داروں کے پے در پے اعلانات خودمختاری پر محمول کر سکتے ہیں۔ بالآخر شاہ عالم انگریزوں اور مرہٹوں کا اسیر بن کر رہ گیا۔ شاہ ولی اللہ نے جو سیاسی میدان میں مجدد الف ثانی کے مکتب نظر کی توسیع ہیں' اسلامی ہند کے زوال کی روک تھام کے لئے ایک خط میں پانچ نکاتی اصلاحی پروگرام پر زور دیتے ہوئے کہا کہ پانچ طرح کے لوگوں سے بچا جائے:

۱۔ ایک بے حیا صوفی جو رفع تکلیف کے لئے حیلہ کرتا ہے اور اپنے مجازی امور میں توقف نہیں کرتا۔

۲۔ جھگڑالو معقولی جو شکوک و اوہام کے فتنے کو پھیلاتا ہے اور خدا کا منقاد و مطیع نہیں ہوتا۔

۳۔ شیخی خور فقیہ جو مردہ اقوال پر خوش ہوتا ہے۔

۴۔ خشک زاہد جو دین میں اس درجہ سختی اور تشدد کرتا ہے کہ گویا اسے کسی بارے میں اجازت ہی حاصل نہیں۔

۵۔ سرکش مالدار جو تکلف اور بناوٹ کے ساتھ عجمیوں کی ہیئت اختیار کرتا ہے اور ان کے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہونے کو دوست رکھتا ہے۔ والسلام۔

پانچویں نکتے میں عجمیوں کی ہیئت کے بارے میں جو اشارہ ہے اس یترک اور ایرانی امراء کی باہمی چپقلش کے تناظر میں دیکھنا چاہیئے۔ شاہ ولی اللہ کا خیال تھا کہ عجمی امراء لہو ولعب میں زیادہ گرفتار ہیں اور وہ شعائر اسلامی سے ترک امراء کے مقابلے میں زیادہ دور ہیں۔ مندرجہ بالا نکتہ اس لئے بھی کہ جس نظریہ وحدت الوجود کو انہوں نے عین اسلامی قرار دیا تھا وہ عجمیوں میں زیادہ ہر دلعزیز تھا لیکن اس کے باوجود شاہ ولی اللہ نے فکری سطح پر وحدت الوجود کا اثبات ضروری سمجھا لیکن حد سے بڑھی ہوئی اباحیت، رقص و سرود اور عیش کوشی نے مسلم سماج کے قویٰ اس درجہ مضمحل کردیئے تھے کہ اقبال نے جس بنیاد پر مولویہ سلسلہ صوفیا کی رقص و سرود کی محفلوں کی دنیا بیزاری کی مخالفت کی، وہ مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کی رائے سے کامل اتفاق کا نتیجہ تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کو جس روش پر اعتراض ہے کیا وہ طرز زندگی کسی جدید انقلابی گروہ کے لئے مناسب ہوسکتی ہے؟ کیا ایران کی موجودہ حکومت اٹھارویں صدی کے عجمی امراء یا کسی اور علاقے کے امراء کا دفاع کرسکتی ہے؟ مجھے تو اس طرز زندگی کے باب میں شاہ ولی اللہ اور امام خمینی کی تعلیمات میں چنداں فرق نظر نہیں آتا۔ شاہ ولی اللہ نے وحدت الوجودی مکتب فکر کی اس غرض سے پشت پناہی کی تھی کہ شمالی ہند میں اسلامی تشخص کے اس مکتب سے بھی امتداد زمانہ کے ساتھ مفید مطلب کام لیا جاسکتا تھا۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اٹھارویں صدی میں سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں نے جن میں شاہ عبدالہادی اور شاہ فخر الدین پیش پیش رہے، اسلامی تشخص کے لئے بنیادی کام کیا۔ شاید اس لئے اکابر دیوبند کی اکثریت تصوف میں چشتیہ، صابریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے ہوئے بھی اپنی روایتی فکری اساس سے لے کر تحریک ریشمی رومال تک انگریزی سامراج کے خلاف خفی اور کبھی جلی انداز میں سینہ سپر رہی۔

مجدد الف ثانی نے خدا کے ماسوا ہر غیر حق سے بے خوفی کے جذبے سے سرشار ہونے پر زور دیا تھا اور یہ بذات خود اس امر کا اعتراف ہے کہ مجدد الف ثانی کے دور میں مسلم سماج پر خوف و ہراس کی فضا طاری تھی۔ یہ معاشرہ محاصرے جیسی نفسی کیفیت میں مبتلا تھا اور حقیقت پسندی کے جذبے کے ساتھ حقائق سے نبرد آزما ہونے کے بجائے اس سماج نے اپنے لئے فراریت کا راستہ اختیار کرلیا تھا۔ مولویہ سلسلہ رقص و سرود بھی مولانا رومی کی فکر کے برعکس رویہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا رومی کو اپنا رہبر مانتے ہوئے بھی اقبال مولویہ سلسلے کے درویشوں کی محافل رقص و سرود کے خلاف تھے اور اسے مولانا رومی کی تعلیمات کے برعکس خیال کرتے تھے۔ یہ ایک ایسا رویہ تھا جس نے مسلم ہندوستان میں کیا عثمانی دور کے ترکی سے بھی مردوں کی طرح زندہ رہنے کا حوصلہ چھین لیا تھا۔ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک میں شدت کی ایک وجہ ترک اشرافیہ کے زیر سایہ لہو و لعب کا رجحان بھی تھا۔ علامہ اقبال نے صلیبی جنگوں اور مغلوں کے حملوں کے بعد عالم اسلام پر چھائی ہوئی یاس اور مردنی کے اثرات کا مطالعہ کیا جو مسلمانوں کے زوال پر منتج ہوا۔ اس لئے انہوں نے مولانا رومی کی معروف تشریح یکسر بدل کر رکھ دی اور بقول ڈاکٹر ظہیر الدین الجامعی فلسفہ مولانا روم کا دوسرا رخ پیش کیا۔

چناں بابندگی در ساختم من
نگرم گر مرا بخشی خدائی

اور اردو میں اس طرح گویا ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ہے وہی تیرے زمانہ کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بے زار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست
زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے
(ضرب کلیم)

دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
(ضرب کلیم)

اصل میں اقبال نے فرقہ مولویہ کے مشاغل اور رقص وسرود کے اثرات کو دیکھا تو انہیں سعدی کے درج ذیل شعر کا ظہور سمجھ میں آیا۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خال
کہ من از خدا پیش بودم دو سال

ڈاکٹر ظہیرالدین الجامعی کے مطابق الٰہیات اور تصوف کے ان دو راز کار مباحث اندیشہ ہائے افلاکی میں گرفتار ملت کے نام نہاد رہنماؤں کے ان مشاغل رقص وسرود نے زندگی کے ہنگاموں کو سہل اور آسان بنانے میں بڑا کردار ادا کیا تھا اور ترکی کو یورپ کا مرد بیمار بنا کر رکھ دیا تھا۔ یہ سب کچھ اس رہبانی تصوف کی فصل تھی جس کی مخالفت مجدد الف ثانی نے کی تھی۔

غالباً اقبال نے نکلسن کے نام اپنے مکتوب میں ''اسرار خودی'' کی فلسفیانہ بنیاد کی وضاحت اسی نکتے کی صراحت کے لئے کی تھی۔

Obviously the view of man and universe is opposed to that of the English neo-Hegelians as well as to all forms of pantheistic Sufism which regards absorption in a universal life or soul as the final aim and salvation of man.The moral and religious ideology of man is not in self-negation but self-affirmation.

یہ مقصد ذات اور صفات کے عین ہونے سے نہیں بلکہ غیر ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ شیخ مجدد الف ثانی سے علاقہ اقبال کی عقیدت کی ایک وجہ یہ ہے کہ اقبال جس تصوف کے خلاف تھے اس کی ترجمانی درج ذیل اشعار سے ہوتی ہے۔

گوسفندے در لباس آدم است
حکم او برجان صوفی محکم است
فکر افلاطون زیاں راسود گفت
حکمت او بود راہ نابود گفت

Marfat.com

منکر ہنگامہ موجود گشت
خالق اعیان ناشہود گشت

اور شاید اسی لئے اقبال نے رہبانی وحدت الوجود کو مسلمانوں کے سیاسی زوال کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

مجدد الف ثانی اور اقبال کی فکر قطعی طور پر یکساں نہیں ہے۔ اقبال جدید علوم کی روشنی میں علم الکلام میں پیہم تبدیلی کے ہاں ہیں جبکہ مجدد الف ثانی مسلمانوں کے اضمحلال کی تمام تر ذمہ داری ایمان میں کمزوری اور مسلمانوں میں عبدیت کے فقدان کو سمجھتے ہیں۔ اقبال ایمان کی ضرورت کے ساتھ جدید علوم پر کامل دسترس بھی چاہتے ہیں اور ان علوم کو معاشی ترقی کے لئے زینہ بنانا چاہتے ہیں کہ یہی سرچشمہ قوت و حیات تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ ان کے خیال میں آج ہمارا سماج جس دوراہے پر کھڑا ہے وہاں ہنگامہ موجود میں بھرپور حصہ لینے کی ضرورت ہے اور قوت و حیات کے سرچشمہ سے فیض اٹھا سکنے کے لئے اس ربودگی کی ضرورت ہے، جس کے بل پر ہی قوت و حیات تک رسائی ممکن ہے ورنہ وہ رہبانیت کے حامی صوفیوں کے بارے میں یہ کیوں کہتے

منکر ہنگامہ موجود گشت خالق اعیان ناشہود گشت

اقبال کے لئے 'اعیان ناشہود' کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا کار لایعنی کے سوا کچھ اور نہیں اور شاید اسی لئے وہ ہنگامہ موجود میں مقدور بھر شرکت کو اقتضائے حیات سمجھتے ہیں۔ یہ وہ نکتہ ہے جہاں آج کا انقلابی شیخ مجدد الف ثانی اور اقبال بیک زبان ہنگامہ موجود میں شرکت اور جہد مسلسل کی دعوت دیتے ہیں۔

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر ملک حسن اختر

اقبال اور امام ربانی

ابوالبرکات امام ربانی شیخ احمد مجدد الف ثانی[1] ہندوستان کے بزرگانِ دین اور مفکرین اسلام میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں تجدید دین کا فریضہ سرانجام دیا اور ان جلیل القدر بادشاہوں کے رعب وجلال کی کوئی پروانہ کی۔

اسی وجہ سے آپ کو مجدد کا لقب دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد ہوتا ہے جو دین کی روشنی پھیلاتا ہے اور اسے آلودگیوں سے پاک کرتا ہے مگر ایک مجدد ہزار سال کے بعد آتا ہے۔ اس کا مرتبہ صدی والے مجدد سے بلند ہوتا ہے۔ آپ کو مجدد الف ثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ہجری سن کے دوسرے ہزار کے مجدد تھے۔ حضرت مجدد نے خود فرمایا ہے۔

> ''جاننا چاہیے کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد گزرا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور ہے، جس قدر سو اور ہزار کے درمیان فرق ہے اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ دونوں مجددوں کے درمیان فرق ہے اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ جو فیض اس مدت میں اُمتوں کو پہنچا ہے اس کے ذریعہ پہنچتا ہے خواہ اس وقت کے اقطاب و اوتار اور خواہ ابدال ہیں۔''

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اس الف کے مجدد ہیں۔

> ''ان علوم و معارف کا صاحب اس الف کا مجدد ہے چنانچہ اس کے ان علوم و معارف میں جو ذات وصفات اور افعال و احوال و مواجید اور تجلیات وظہورات متعلق ہیں۔ نظر وغور کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراء الوراء ہیں......''[2]

علامہ اقبال حضرت مجدد الف ثانی کے بڑے معتقد تھے۔ آپ نے حضرت کے مزار کی سرہند میں زیارت کی۔ اس کے متعلق سید نذیر نیازی لکھتے ہیں۔

> ''سرہند خوب جگہ ہے۔ مزار نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے۔ بڑی پاکیزہ جگہ ہے۔ پانی اس کا سرد اور شیریں ہے۔''[3]

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانی نے جب تبلیغِ دین کا کام شروع کیا تو اکبر کے دینِ الٰہی کا غلغلہ تھا۔ آپ نے دینِ اکبر کے خلاف پرچار شروع کیا جب جہانگیر بادشاہ بنا تو اس نے آپ کو اپنے دربار میں بلایا۔ آپ نے دربار کے قواعد کے مطابق تعظیمی سجدہ نہ کیا۔ جس کی وجہ سے جہانگیر برافروختہ ہو گیا اور آپ کو باغی قرار دے کر گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ حضرت امام ربانی کو قید کرنے سے پیشتر جہانگیر نے امرائے دربار میں سے خان خاناں کو دکن، سید صدر جہاں کو مشرقی ممالک، خان جہان لودھی کو مالوہ اور مہابت خان کو کابل کی صوبہ داری پر تعینات کر دیا کیونکہ یہ امراء حضرت مجدد کی بیعت میں آ چکے تھے۔ جب ان امراء کو حضرت کے قید ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے بغاوت کر دی۔ جہانگیر مہابت خان کی بغاوت کو کچلنے کے لیے روانہ ہوا مگر مہابت خان نے جہانگیر آصف خان اور بعد میں نور جہاں کو بھی قیدی بنا لیا۔ اس پر حضرت امامِ ربانی نے امراء کو لکھا:

> "مجھے سلطنت کی ہوس نہیں اور میں تمہارے فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے قید و بند کی تکلیف اُٹھائی تو وہ اور کام کے لیے ہے۔ جب وہ کام پورا ہو جائے گا میں خود بخود تمہاری کوشش کے بغیر ہی قید سے رہا ہو جاؤں گا۔ یہ فساد میرے کام کے لیے رکاوٹ ہے۔ بہتر ہے کہ تم بغاوت سے باز آ جاؤ اور فوراً اپنے بادشاہ کی اطاعت قبول کرو۔ میں بھی انشاء اللہ جلد ہی قید سے آزاد ہو جاؤں گا۔"[5]

چنانچہ مہابت نے یہ خط ملنے پر بادشاہ کو رہا کر دیا اور آداب شاہی بجا لایا۔ اس کے بعد جہانگیر آپ کا معتقد ہو گیا۔ بعد میں شاہجہاں نے بھی آپ کی بیعت کر لی۔ علامہ اقبال کو امام ربانی کی یہ جرأت اور دلیری بہت پسند آئی اور انہوں نے اپنی نظم "پنجاب کے پیرزادوں سے" میں انہوں یوں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی لحد پر ۔۔۔ وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے ۔۔۔ اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے ۔۔۔ جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں ۔۔۔ اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

علامہ اقبال نے اس نظم میں حضرت مجدد کی مثال سے پنجاب کے پیرزادوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے اور انہیں حضرت کی طرح بادشاہ کے سامنے نہ جھکنے کی تلقین کی ہے۔ وہ حضرت مجدد سے خودی کی حفاظت کا سبق حاصل کرتے ہیں۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ علامہ اقبال نے ابن عربی کے فلسفۂ وحدت الوجود کی مخالفت کی تھی اور ان کی مخالفت کی بنیاد یہ تھی کہ یہ فلسفہ مسلمانوں میں بے عملی کو جنم دیتا ہے اور ایک بار انہوں نے "فصوص الحکم" کو الحاد و زندقہ سے بھرپور کہہ دیا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی بھی ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کو دینی تعلیمات کے خلاف تصور کرتے ہیں۔ علامہ اقبال کے زمانے کے سیاسی اور سماجی حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ وہ عمل اور جدوجہد کی تلقین کریں۔ انہوں نے وجودی فلسفے کو اس کے خلاف سمجھا تو اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اگرچہ بعد میں وہ خود بھی اس نظریہ کے

Marfat.com

حامی بن گئے تھے کیونکہ اس نظریہ کو رد کرنا آسان نہیں ہے اور اس سے اختلاف صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کے متبادل دوسری دلیلیں اور دوسرا نظریہ پیش کر دیا جائے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے زمانے میں وجودی فلسفہ کے پیروکار زیادہ مستعدی سے اس کے صرف ملحدانہ پہلو کو اُبھار رہے تھے۔ اکبر نے دین الٰہی کا تصور پیش کیا تھا اور وہ اپنے دربار میں آنے والوں سے سجدہ کرواتا تھا۔ وجودی فلسفہ کے تحت یہ نظریہ اس طرح جائز قرار پا سکتا تھا کہ جب ہر چیز میں خدا ہے تو پھر یہ سجدہ غیر خدا کے سامنے نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ وحدت الوجود کی بڑی سطحی تعبیر ہے مگر پھر بھی اکبر کو اس سے تقویت ملتی تھی چنانچہ حضرت مجدد کو ایسے پیچیدہ اور مشکل حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ خود اپنے ایک خط میں توحید وجودی کے پیروکاروں کی اس روش کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

''......ان دقیق علوم کی تحریر کا باعث اور سبب یہ ہے کہ اس وقت کے بہت سے لوگ بعض تقلیداً بعض علم کے باعث اور بعض علم اور قدرے ذوق کی بنا پر اور بعض الحاد اور زندقہ کے باعث اس توحید وجودی کے دامن سے چمٹے ہوئے ہیں اور سب کو حق کی طرف سے بلکہ حق جانتے ہیں اور اپنی گردنوں کو تکلیف شرعی کی رسی سے اس بہانے کے ساتھ باہر نکال رہے ہیں اور احکامِ شرعیہ میں سستیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اسی حالت پر خوش وقت اور مسرور ہیں اور شرعی احکام کی بجا آوری کا اگر اعتراف بھی کرتے ہیں تو اسے طفیلی جانتے ہیں اور مقصود اصلی شریعت کے علاوہ کسی اور کو خیال کرتے ہیں۔''[6]

مجدد صاحب کو ان لوگوں کی یہ بے راہ روی اچھی نہیں لگی اور انہوں نے اس کا ذمہ دار ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کو قرار دیا لہٰذا وہ اس نظریہ کے منکر ہو گئے اور انہوں نے اپنا ایک نیا نظریہ پیش کیا جسے وحدۃ الشہود کہا جاتا ہے۔ علامہ اقبال کو حضرت مجدد کا یہ انداز پسند آیا کہ انہوں نے مدتوں پرانے نظریہ کا تجزیہ بڑی بے باکی اور جرأت سے کیا۔ وہ ''خطبات'' میں رقم طراز ہیں۔

''اس لحاظ سے دیکھئے تو نفسیاتِ حاضرہ نے مذہبی زندگی کا گویا قشر تک بھی نہیں چھوا۔ وہ اس تنوع اور گونا گونی سے بالکل بے خبر ہیں جو مذہبی واردات اور مشاہدات میں پائی جاتی ہے۔ لیکن جس کا تھوڑا بہت اندازہ شاید آپ سترہویں صدی کے ایک بہت بڑے مرشد کامل احمد سرہندی کی ایک عبارت سے کرسکیں گے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے تصوف کا تجزیہ جس بے باکی اور تنقید و تحقیق سے کیا اس سے سلوک و عرفان کا ایک نیا طریق وضع ہوا۔ ان سے پہلے جتنے بھی سلسلہ ہائے تصوف رائج ہوئے وہ یا تو وسط ایشیاء یا سرزمینِ عرب سے آئے تھے مگر یہ صرف انہیں کا طریق ہے جس نے ہندوستان کی حدود سے نکل کر باہر کا رُخ کیا اور جواب بھی پنجاب، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک بہت بڑی قوت ہے۔''

علامہ اقبال اور حضرت مجدد دونوں شروع میں ابن عربی کے معتقدین میں تھے اور دونوں کے والدین کو نظریہ وحدت الوجود سے شغف تھا لہٰذا ''فصوص'' کی تعلیمات دونوں گھرانوں میں عام تھیں۔[9] حضرت مجدد الف ثانی خود اس

Marfat.com

کا اعتراف کرتے ہیں۔

''کم عمری کے زمانہ میں فقیر کا اعتقاد بھی توحید وجودی کے مشرب جیسا تھا۔ فقیر کے والد صاحب قدس سرہ بھی بظاہر اسی شرب پر تھے...... اسی طریقہ عالیہ میں محنت کرنے کے بعد تھوڑی مدت کے بعد ہی توحید وجودی منکشف ہو گئی اور اس کشف میں غلو پیدا ہو گیا۔ اس مقام کے علوم و معارف کثرت سے ظاہر فرمائے گئے اور اس مرتبے کی باریکیوں میں کوئی کم ہی باریکی ہو گی جو منکشف نہ کی گئی ہو۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے معارف کے حقائق پورے طور پر ظاہر کیے گئے اور تجلی ذاتی جسے صاحب ''فصوص'' نے بیان فرمایا ہے' نہایت عروج اسی کو قرار دیا ہے اور اس تجلی کی شان میں فرماتے ہیں اور اس کے بعد صرف علوم محض ہے' مجھے اس ذاتی تجلی سے بھی مشرف فرمایا اور ذاتی تجلی کے علوم و معارف جنہیں شیخ نے خاتم ولایت کے ساتھ مخصوص کیا ہے' وہ تفصیل سے معلوم ہوئے...... یہ حال مدت تک رہا اور مہینوں سے سالوں تک پہنچ گیا۔ اچانک حضرت حق سبحانہٗ کی عنایت بے نہایت غیب کی کھڑکی سے ظہور میدان میں آئی اور بے چون و بے چگون کی روپوشی کے پردہ کو اٹھا دیا۔ علوم جو اتحاد اور وحدت الوجود کی خبر دیتے تھے زائل ہونا شروع ہو گئے اور احاطہ اور ذات حق کا قلب مومن میں سما جانا اور قرب و وصال ذاتی یہ سب کچھ جو اس مقام میں منکشف ہوئے تھے' پوشیدہ ہو گئے اور پورے یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ صانع عالم جل شانہ کے لیے عالم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں۔''[10]

مگر یہ بات حضرت مجدد الف ثانی کے لیے وجہ اضطراب تھی کہ وہ ایک ایسا قدیم مسلک چھوڑ رہے ہیں جس پر بڑی بڑی بزرگ ہستیاں عامل رہی ہیں[11] چنانچہ انہوں نے اس وجودی مسلک کو بھی بالکل غلط قرار نہیں دیا اور اسے صرف ایک منزل سمجھا اور یہ کہا کہ وحدت الوجود کی انتہا سکر پر ہوتی ہے جب کہ وحدت الشہود میں صحو پر اور صحو سکر سے بہتر ہے کیونکہ وہ شریعت کی طرف لوٹ آتا ہے اسی لیے انہوں نے ابن عربی کے برخلاف نبوت کو ولایت پر ترجیح دی کیونکہ نبی صاحب شریعت ہوتا ہے اور ولی شریعت سے محروم ہوتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں انہوں نے کشف سے ہی معلوم کیں اگرچہ ان کے نزدیک کشف ہمیشہ سچائی کا حامل نہیں ہوتا اور بقول اقبال غلط آہنگ بھی سروش معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کے بھی ان کے نزدیک درجے ہیں اور ایک درجہ دوسرے سے برتر ہو سکتا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اس فقیر نے وحدت الوجود کو قبول کیا تھا تو وہ بھی کشف کی بنا پر تھا تقلید کی بنا پر نہیں تھا۔ اب اگر اس کا انکار کر رہا ہوں تو وہ بھی الہام کے باعث اور الہام انکار کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اگرچہ دوسرے کے لیے حجت بھی نہیں ہے۔[12] اس طرح انہوں نے ابن عربی کے کشف سے انکار نہیں کیا ہے مگر کشف کے ماننے کو ضروری قرار نہیں دیا۔ ابن عربی نے ''فصوص الحکم'' کے متعلق کہا تھا کہ یہ کتاب انہیں رسول اکرم ﷺ نے دی تھی۔ کچھ ایسی ہی بات مجدد صاحب نے بھی اپنے ایک رسالے کے متعلق لکھی ہے۔

''وہ رسالہ بعض دوستوں کی فرمائش پر میسر آیا ہے۔ ان دوستوں نے فرمائش کی تھی کہ بعض

Marfat.com

نصائح لکھو جو اس طریقہ میں نفع مند ثابت ہوں اور ان کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسالہ ہذا بے نظیر اور کثیر البرکات ہے۔ رسالہ ہذا کی تحریر کے بعد یوں معلوم ہوا کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے مشائخ کی جماعت کثیرہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور یہ رسالہ دستِ مبارک میں پکڑا ہوا ہے اور کمال کرم و مہربانی سے اسے یوں دے رہے ہیں اور مشائخ کو دکھا رہے ہیں کہ اس طرح کے عقائد رکھنے چاہئیں۔'' [13]

ابتدائی زمانے میں مجدد صاحب کا بھی ابن عربی کی طرح یہی خیال تھا کہ انسان اپنے آپ کو تلاش کرے تو خدا کو پالیتا ہے اور خدا کو پائے تو اپنے آپ کو ہی پاتا ہے۔

''عرض یہ ہے کہ مدتِ دراز تک وہ مطلوبِ حقیقی کو تلاش کرتا رہا مگر اس کے باوجود اس نے اپنے آپ کو ہی پایا۔ اس کے بعد اس کا کام اس مقام کو پہنچا کہ اگر اس نے اپنی تلاش کی تو پھر بھی بجائے اپنے مطلوب حقیقی کو ہی پایا۔ اب اس کو گم کر چکا ہے اور اپنے آپ ہی کو پاتا ہے۔'' [14]

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مجدد صاحب ابن عربی کے مسلک کو ناقص قرار دیتے ہیں اور اسے کلی طور پر رد نہیں کرتے بلکہ بعض صوفیا کے اقوال کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ وہ ان کے مسلک کے مطابق ہو جائیں یا پھر انہیں حالتِ سکر کی پیداوار قرار دیتے ہیں اور سکر کی پیروی کو وہ ضروری نہیں سمجھتے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :

''پس بعض مشائخ کے اقوال جو بظاہر شریعت حقہ کے مخالف معلوم ہوتے ہیں اور بعض لوگ انہیں توحیدِ وجودی پر محمول کرتے ہیں جیسے ابن منصور الحلاج کا قول انا الحق اور ابو یزید بسطامی کا سبحانی کہنا اور اس طرح کے اور اقوالِ اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ انہیں توحید شہودی پر محمول کیا جائے اور عقل و شرح کے ساتھ مخالفت کو دُور کیا جائے۔ چونکہ غلبہء حال میں ماسوائے حق سبحانہ کے ہر شے ان کی نظر سے پوشیدہ تھی تو ایسے الفاظ ان سے صادر ہو گئے اور انہوں نے حق سبحانہ کے سوا کسی شے کو ثابت اور موجود نہ مانا۔ انا الحق کا معنی ہے حق ہے میں نہیں ہوں جب کہ وہ اپنے آپ میں بھی نہیں دیکھتے تو اپنے آپ کو ثابت نہیں کرتے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ بزرگ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور خود اپنے آپ کو حق کہتا ہے۔ یہ مفہوم صریح کفر ہے۔'' [16]

یہاں امام ربانی نے اناء الحق کا مفہوم سکر کے لحاظ سے کیا ہے یعنی سکر کی حالت میں منصور کو اپنی ذات کا احساس نہ ہوا اور اسے ہر طرف خدا ہی کا جلوہ نظر آیا حالانکہ اس کی اپنی ذات موجود تھی مگر علامہ اقبال نے اس کی تشریح صحو کے لحاظ سے کی ہے اور اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ منصور کہہ رہا تھا کہ میرا وجود حق ہے یعنی یہ ایک حقیقت ہے اور اسے فنا نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنے ایک خطبہ میں رقم طراز ہیں۔

''عالمِ اسلام نے جب بھی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق کہ انسان اپنے اندر اخلاق الٰہیہ پیدا کرے مذہبی مشاہدات اور واردات کی طرف قدم بڑھایا ہے تو جیسا کہ مطالعے سے

Marfat.com

پتہ چلتا ہے اس تقرب واتصال کی ترجمانی کچھ اس قسم کے اقوال میں ہوئی مثلاً انا الحق یا انا الدھر میں ہوں قرآن ناطق (علی) ما اعظم شانی [17] (بایزید) لہٰذا اسلامی تصوف کے اعلیٰ مراتب میں اتحاد وتقرب سے یہ مقصود نہیں تھا کہ متناہی خودی لامتناہی خودی میں جذب ہو کر اپنی ہستی فنا کردے بلکہ یہ کہ لامتناہی کے آغوشِ محبت میں آجائے۔ مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے:

علم حق در علم صوفی گم شود
ایں سخن کہ باور مردم شود [18]

یہ جو علامہ اقبال نے کہا ہے کہ ''لامتناہی خودی متناہی کی آغوشِ محبت میں آجاتی ہے تو اس سے ابن عربی تو اتفاق کر سکتے ہیں مگر مجدد صاحب کو اتفاق نہیں ہو سکتا کیونکہ مجدد صاحب کا عقیدہ ہے کہ خدا کی ذات بے مثال ہے اور انسان کے اندر وہ سما نہیں سکتی اور نہ انسان اس کی صفات کو حاصل کر سکتا ہے۔ انسان جب انتہائی کمال حاصل کر لیتا ہے تو اس وقت بھی وہ بقول حضرت مجدد الف ثانی بندہ اس مقام پر پہنچ کر اپنے مولیٰ کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں پاتا' سوائے اس کے کہ وہ اپنے آپ کو اس کا محتاج پاتا ہے اور واجب تعالیٰ تقدس کی جانب سے ذات اور صفت کے لحاظ سے مکمل استغنا ہوتا ہے۔ یہ بات بھی نہیں ہوتی کہ اپنی ذات کی اس سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اور اپنی صفات کی اس ذات عز سلطانہ کی صفات کے ساتھ اپنے افعال کی اس حق سبحانہ کے افعال کے ساتھ کسی وجہ کی مناسبت محسوس کرتا ہے۔'' [19]

مگر علامہ اقبال یہ کہتے ہیں کہ جب انسان ترقی کے انتہائی مراحل طے کر لیتا ہے تو وہ اپنے اندر خدائی صفات پیدا کر لیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب وکار آفریں کار کشا کار ساز

....

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے [19 ب]

البتہ مقامِ بندگی کے حصول میں علامہ اور مجدد صاحب کے نظریات میں اتفاق ہے اور دونوں بندہ ہونے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ مجدد صاحب فرماتے ہیں:

''پیدائش انسانی سے مقصود وظائف بندگی کا ادا کرنا ہے اور اگر ابتداء اور درمیان راہ میں عشق و محبت عطا کر دیا گیا ہے تو اس کا مقصود یہ ہے کہ بندہ جناب قدس جل سلطانہ کے ماسوا سے ہر طرح کا تعلق قطع کر لے۔ عشق ومحبت بھی مقاصد سے نہیں ہیں بلکہ عبدیت کے مقام کے حصول کے لیے ہیں۔ انسان خدا تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا اس وقت مستحق ہوتا ہے جب غرض کی بندگی و گرفتاری سے پوری طرح نجات پا جائے اور عشق ومحبت کی حیثیت قطع تعلقات ماسوا سے زیادہ نہیں لہٰذا مراتب کی انتہا مقامِ عبدیت ہے۔ ولایت کے درجات میں مقامِ عبدیت سے اوپر

Marfat.com

کوئی مقام نہیں۔"[20]

علامہ اقبال نے بھی عشق و محبت کو انسان کی خودی کے بلند کرنے کا سبب قرار دیا ہے یعنی عشق و محبت مقامِ عبودیت پر پہنچانے کا ایک وسیلہ ہے کیونکہ مقامِ عبدیت بہت بلند مقام ہے اور بقول اقبال۔

مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی[21]

رسول اکرم ﷺ بھی حضرت مجدد کے الفاظ میں انسان تھے مگر وہ انسانیت کے بلند مقام پر فائز تھے کیونکہ انہوں نے مقامِ عبودیت کو پا لیا تھا۔ بقول مجدد صاحبؒ "محمد ﷺ بندے ہیں اور محدود متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تقدس غیر محدود و غیر متناہی ہے۔"[22]

رسول اکرم عام انسانوں کی طرح نہ تھے۔ انہوں نے عبدیت کا مقام حاصل کر لیا تھا بلکہ اس سے بھی آگے وہ نبوت کی روشنی سے منور تھے۔ علامہ اقبال نے حلاج کی زبان سے عبد اور عبدہ کی تشریح یوں کی ہے:

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است — خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است
عبدہٗ از فہم تو بالاتر است — زانکہ اوہم آدم وہم جوہر است
جوہر او نے عرب نے اعجم است — آدم است ہم ز آدم اقدم است
عبدہٗ صورت گیر تقدیر ہا — اندرو ویرانہ ہا تعمیر ہا
عبدہٗ ہم جانفزا ہم جانستاں — عبدہٗ ہم شیشہ ہم سنگِ گراں
عبدہٗ باابتدا بے انتہاست — عبدہٗ را صبح و شامِ ماکجاست
کس ز سرّ عبدہٗ آگاہ نیست — عبدہٗ جز سرِّ لا الہ نیست
لا الہ تیغ و دم اوعبدہٗ — فاش تر خواہی بگو ہو عبدہٗ
عبدہٗ چندو چگونِ کائنات — عبدہٗ رازِ درونِ کائنات

ان اشعار میں عبد سے عام انسان اور عبدہ سے رسول اکرم ﷺ کی ذات مراد ہے۔ یہاں بھی علامہ، مجدد صاحب کی نسبت ابن عربی کی طرف جھک گئے ہیں۔ بہر حال آیئے اب دیکھیں کہ حضرت مجدد الف ثانی اور ابن عربی کے نظریات میں کیا فرق ہے کیونکہ جب تک وحدت الشہود اور وحدت الوجود کی اصطلاحوں کا مطلب واضح نہ ہو، بات سمجھ میں نہ آئے گی۔ حضرت مجدد الف ثانی نے ایک خط میں توحید وجودی اور توحید شہودی کا فرق اس طرح بیان کیا ہے:

"وہ توحید جو اس بلند گروہ صوفیا کو راہ سلوک و فقر میں میسر آتی ہے، وہ دو قسم کی ہے۔ توحید شہودی اور توحید وجودی۔ توحید شہودی ایک ذات کو دیکھنا ہے یعنی مالک کا مشہود صرف ایک ہی ذات ہو اور توحید وجودی ایک ذات کو موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم خیال کرنے کے باوجود کائنات کے آئینوں اور مظاہر کو ایک جاننا۔ پس توحید وجودی علم الیقین کے قبیلہ سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین قسم سے۔"[24]

انہوں نے توحید وجودی اور توحید شہودی کو ایک مثال سے واضح کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ "مثلاً ایک شخص کو

Marfat.com

وجود آفتاب کا یقین ہو۔ اس یقین کا غلبہ اس کو مستلزم نہیں کہ ستاروں کو اس وقت منتفی اور معدوم جانے لیکن جب آفتاب کو دیکھا تو ستاروں کو نہیں دیکھے گا اور اس کے مشاہدہ میں صرف ایک آفتاب ہی ہوگا لیکن اس وقت کہ ستاروں کو نہیں دیکھ رہا۔ یہ ضروری جانتا ہے کہ ستارے معدوم نہیں ہیں بلکہ یہ جانتا ہے کہ موجود تو ہیں مگر پوشیدہ ہیں اور نور آفتاب کے پرتو کے آگے مغلوب ہیں۔ یہ شخص اس جماعت کے ساتھ جو اس وقت کے ستاروں کے وجود کی نفی کر رہی ہے، مقامِ انکار میں ہے اور جانتا ہے کہ ستاروں کے وجود کی نفی کرنا ایک غیر واقعی بات ہے تو توحید وجودی جو ایک ذات تعالیٰ و تقدس کے ماسوا کی نفی پر مبنی ہے۔ عقل و شرح کے خلاف ہے بخلاف توحید شہودی کے کہ ایک ذات دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں۔ مثال کے طور پر طلوع آفتاب کے وقت ستاروں کی نفی کرنا اور معدوم جاننا خلاف واقعہ ہے لیکن ستاروں کو اس وقت نہ دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں بلکہ ستاروں کو نہ دیکھنا نور آفتاب کے غلبہ کے واسطہ سے دیکھنے کے ضعفِ بصارت کی بنا پر ہے۔ اگر دیکھنے والے کی آنکھ اسی آفتاب کے نور سے سرگیں ہو جائے اور اپنے اندر قوت اور استعداد پیدا کرے تو عین اسی وقت ستاروں کو بھی آفتاب سے جُدا دیکھے گی اور یہ یقین حق الیقین کے مرتبہ پر ہے۔'' [۲۵]

علامہ اقبال حضرت مجدد الف ثانی کے اس نظریہ سے اتفاق کرتے ہیں کہ انسان کی آخری منزل یہ ہے کہ وہ آفتاب کے سامنے اپنے وجود کو قائم رکھ سکے اور اپنے اندر آفتاب کے نور کو اس طرح پیدا کر لے کہ ستاروں کا وجود اسے نظر آنے لگے۔ علامہ بھی چاہتے ہیں کہ انسان اپنے آپ کو ختم نہ کرے اور نہ کسی ذات میں، خواہ وہ کتنی ہی برتر کیوں نہ ہو، اپنے آپ کو ضم کرے جیسا کہ بعض صوفیا نے کہا ہے کہ انسان قطرہ ہے اور وہ سمندر یعنی خدا میں مل کر سمندر بن جاتا ہے مگر وہ اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے اور یہ بات علامہ اقبال کو پسند نہیں ہے۔ وہ اپنے چھٹے خطبے ''کیا مذہب کا امکان ہے؟'' میں مجدد صاحب کی تعریف اسی لیے کرتے ہیں کہ انہوں نے انا الحق کی بجائے انا الموجود کہا تھا۔ انہوں نے ''جاوید نامہ'' میں بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ [۲۶]

پیشِ ایں نور ار بمانی استوار — حی و قائم چوں خدا خود را شمار
برمقامِ خود رسیدن زندگی است — ذات را بے پردہ دیدن زندگی است
مرد مومن در نسازد باصفات — مصطفیٰؐ راضی نشود الّا بذات
چیست معراج آرزوئے شاہدے — امتحانے رو بروئے شاہدے
شاہدِ عادل کہ بے تصدیقِ او — زندگی مارا چو گل را رنگ و بو
در حضورش کس نماند استوار — ور بماند ہستِ او کامل عیار
ذرّہ ازکف مدہ تابے کہ ہست — پختہ گیر اندر گرہ تابے کہ ہست
تابِ خودرا بر فزودن خوشتر است — پیشِ خورشید آزمودن خوشتر است
پیکرِ فرسودہ را دیگر تراش — امتحانِ خویش کن موجود باش
ایں چنیں موجود محمود است و بس — ورنہ نارِ زندگی دوداست و بس

ان اشعار میں علامہ اقبال نے رسول اکرم ﷺ کے واقعہ معراج کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس طرح وہ اللہ کے سامنے اپنے وجود کو برقرار رکھ سکے ایسے ہی ہمیں بھی رکھنا چاہیے۔ انہوں نے بھی حضرت مجدد کی طرح سورج کی

Marfat.com

مثال دی ہے کہ سورج کے سامنے اپنے وجود کو برقرار رکھنا ہی زندگی ہے۔ اگر اس امتحان میں کامیاب ہو گئے تو انسان کامل کے مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ دراصل علامہ اقبال تخلیقِ کائنات کے سلسلہ میں ابن عربی سے متفق ہیں تو انسان کی ترقی کے مراحل کے سلسلے میں مجدد صاحب کا ساتھ دیتے ہیں۔ وہ حضرت مجدد کے اس لیے بھی قائل ہیں کہ وہ چیزوں کو معروضی نظر سے دیکھتے ہیں اور صوفیانہ تجربوں کو بھی پرکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ وہ ان کی اس صفت کو سراہتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''کچھ ایسے ہی تزکیے کا جیسا کہ اس جلیل القدر صوفی کے ارشادات سے جن کو ہم نے ابھی پیش کیا تھا' ظاہر ہوتا ہے۔ وہ شخص بھی آرزومند ہے۔ جس کو نفسیاتِ مذہبی سے عملی دلچسپی ہے۔ اس کی جس معرفت ایسی ہی تیز ہے جیسی سائنس دان کی اپنے حلقہ مصروفیت میں۔ وہ بھی ایک مشاہدے کے بعد دوسرے مشاہدے میں قدم رکھتا ہے۔ اس کی حیثیت بھی تماشائی کی نہیں بلکہ ایک ناقد اور مبصر کی ہے۔ وہ بھی اپنے دائرہ تحقیق کے پیش نظر جن طریقوں سے کام لیتا ہے' ان کے اصول و قواعد کے مطابق محسوسات و مدرکات کی چھان بین کرتا اور ہر ایسے عنصر کو خواہ وہ عضویاتی ہو یا نفسیاتی مگر جن کی نوعیت داخلی ہے' ان کے مشمول سے خارج کر دیتا ہے کیونکہ اس کی آرزو بھی یہی ہے کہ اس حقیقت تک پہنچے جس کی حقیقت فی الواقع معروضی ہے۔ یوں بالآخر وہ اپنا گزر جس تجربے اور واردات سے کرتا ہے اس سے زندگی کا ایک نیا عمل شروع ہوتا ہے' اصلی' اساسی' ابداعی...... یہاں کوئی خطرہ ہے تو یہ کہ اس آخری تجربے سے پہلے سالکِ راہ کو جو مشاہدات ہوتے ہیں ان سے لطف اندوزی یا انہماک و استغراق میں وہ کہیں اپنی تلاش اور جستجو کا عمل ترک نہ کر دے۔ مشرقی تصوف کی تاریخ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خطرہ بے بنیاد نہیں چنانچہ ہم نے جس ہندی بزرگ کے ارشادات کا حوالہ دیا ہے ان کی تحریکِ اصلاح میں بھی یہی نکتہ مضمر تھا اور اس کے وجوہ بھی ظاہر ہیں۔ خودی کا نصب العین یہ نہیں کہ کچھ دیکھے بلکہ یہ کہ کچھ بن جائے۔ یہ درحقیقت کچھ بن سکنے ہی کی کوشش ہے جس میں بالآخر اسے موقع ملتا ہے کہ اپنی معروضیت کا زیادہ گہرا ادراک پیدا کرتے ہوئے عمیق اور مستحکم بنا پر انا الموجود کہہ سکے یعنی اپنے وجود کی کنہ اور اساس کو پالے۔''[27]

حضرت مجدد نے اپنے مذکورہ بیان میں توحید وجودی کو سکر قرار دیا ہے جبکہ توحید شہودی کو صحو کہا ہے۔ دراصل ابن عربی نے جس مقام کو مقامِ ولایت کہا ہے اس کو مجدد صاحب صرف ایک منزل قرار دیتے ہیں۔ ابن عربی کے نزدیک ولایت نبوت سے افضل ہے کیونکہ ولایت کا رُخ خدا تعالیٰ کی طرف ہے اور نبوت کا مخلوق کی طرف۔ وہ نبی کو بھی سب سے اعلیٰ اس لیے سمجھتے ہیں کہ وہ ولایت میں اعلیٰ ترین مقام رکھتا ہے مگر حضرت مجدد الف ثانی نبوت کو ولایت سے اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ولایت سکر ہے اور نبوت صحو ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اور بعض نے اس جملے کی یوں توجیہ کی ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے لیکن

Marfat.com

اس فقیر کے نزدیک اس طرح کی باتیں دور از کار ہیں کیونکہ نبوت میں رُخ صرف مخلوق کی طرف نہیں بلکہ مخلوق کی طرف توجہ کے باوجود حق تعالیٰ کی طرف توجہ موجود رہتی ہے۔ نبی کا باطن خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر مخلوق کے ساتھ اور جس کی کل توجہ مخلوق کی طرف ہی ہو اور خالق سے بالکل غیر متعلق ہو ایسا شخص بدقسمت ہوتا ہے۔ انبیا علیہم الصلوٰت والتسلیمات تمام موجودات سے افضل ہیں لہٰذا نبوت ہی افضل ہے خواہ نبی کی ولایت ہو یا ولی کی ولایت۔ تو ثابت ہوا کہ صحو سکر سے افضل ہے کیونکہ سکر صحو میں مندرج ہے جس طرح نبوت ولایت میں مندرج ہے۔ وہ صحو یا ہوش جو عوام الناس کو حاصل ہے وہ خارج از بحث ہے۔ اس صحو پر سکر کو ترجیح دینا بے معنی امر ہے لیکن وہ صحو جو سکر کو متضمن ہے البتہ سکر سے افضل ہے۔''

علوم شرعیہ کا مصدر و منبع مرتبہ نبوت ہے جو سراسر صحو ہے اور علوم شرعیہ کے مخالف جو کچھ ہے سکر سے ہے۔ صاحبِ سکر معذور ہوتا ہے۔ تقلید کے لائق صحو کے علوم ہیں۔ سکر کے علوم تقلید کے لائق نہیں ہیں۔ [۲۸]

یہاں مجدد صاحب کا خیال درست ہے کہ نبی ولی سے افضل ہے۔ خود ابن عربی بھی یہ بات مانتے ہیں کہ ''خاتم الاولیاء بھی حکم میں ان امور کے تابع ہیں جو تشریع کا خاتم رسل لایا ہے۔''[۲۹] چنانچہ اگر ولی نبی کے احکام کا پابند ہے تو یقیناً نبی ولی سے افضل ہے مگر مجدد صاحب کے بیان سے کئی اُلجھنیں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ انہوں نے توحیدی وجودی کو صرف ایک منزل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ سکر کی حالت میں صوفی کو سوائے خدا کے کچھ نظر نہیں آتا مگر بات صرف کشف اور منازل سلوک کی ہی نہیں ہے بلکہ توحید وجودی کی بنیاد ابن عربی کے منطقی اور فلسفیانہ افکار ہیں۔ ابن عربی نے وحدت الوجود کو ثابت کرنے کے لیے کائنات کی تخلیق پر غور کیا تھا اور ان کے پیش نظر یہ سوال تھا کہ یہ کائنات، انسان اور خدا کیا ہیں اور ان کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ ان سوالات کا جواب تلاش کرتے ہوئے وہ توحیدِ وجودی تک پہنچے تھے۔ جب امام صاحب نے توحید شہودی کا فلسفہ پیش کیا تو وہ بھی صرف اس حد تک نہ رہ سکتا تھا کہ توحید وجودی میں غیر خدا معدوم ہے مگر توحید شہودی میں سالک خدا کے ساتھ غیر خدا کو بھی موجود مانتا ہے۔ لامحالہ انہیں بھی کائنات' انسان اور خدا کا تعلق کو زیر بحث لانا پڑا۔

ابن عربی نے کہا تھا کہ یہ کائنات خدا کی ذات کی مظہر ہے یا یہ اس کا ظل ہے اور اس میں خدا کی ذات کی نشانیاں ہیں۔ اشیا اس کے مختلف اسماء وصفات کی مظہر ہیں چنانچہ ان کے خیال میں ''وہ اشیا کا عین ہے اور محدود ہے اگر چہ اس کے حدود مختلف ہوں چنانچہ وہ ہر محدود کی حد سے محدود ہے اور جب کسی چیز کی حد ہوتی ہے تو وہ حق تعالیٰ ہی کی حد ہوتی ہے اور وہی مخلوقات زمانی میں ساری ہے۔ اگر یہ امر نہ ہوتا تو کسی موجود کا وجود صحیح نہ ہوتا اور وہ عین وجود ہے اور وہ ہر شے پر بذاتہ محافظ ہے اور اس کو شے کی محافظت تھکاتی نہیں ہے۔ پس اس کو کل اشیا کی حفاظت کرنی عین اپنی صورت کی حفاظت ہے اور وہ اس سے پاک ہے اور بلند تر ہے کہ کوئی اس کی صورت کا غیر ہو اور سوا اس کے دوسری صورت صحیح نہیں ہے۔ پس شاہد سے شاہد وہی ہے اور مشہود سے مشہود وہی ہے اور تمام عالم اس کی صورت ہے اور حق تعالیٰ تمام عالم کی روح ہے اور وہی عالم کا مدبر ہے اور عالم ہی انسان کبیر ہے جس کی حق تعالیٰ روح ہے۔''[۳۰]

Marfat.com

دراصل ابن عربی کا خیال یہ ہے کہ چونکہ تمام چیزوں سے خدا ہی کی ذات قدیم ہے اور کوئی چیز بھی اس سے نہیں ہے اور جب کچھ نہ تھا تو وہی تھا اور اسی سے یہ سارا عالم وجود میں آیا ہے۔ مجدد صاحب بھی اللہ کے قدیم ہونے کے قائل ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے قدم نہیں یعنی ہمیشگی نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی چیز قدیم ہو سکتی ہے۔''[۳۱]

مگر مجدد صاحب یہ کہتے ہیں کہ وہ اشیاء کا عین نہیں ہے بلکہ اس کی ہر صفت کا ایک عدم ہے یا نقیض ہے مثلاً علم کا عدم یا علم کا نہ ہونا جہالت ہے اور خیر کا عدم شر ہے۔ اللہ نے جب کائنات کو پیدا کیا تو عدم کے ساتھ اپنی صفات کے ظل کو ملا دیا اور یوں کائنات وجود میں آ گئی یعنی خیر سے شر کو اور علم سے جہالت کو ملا دیا لہٰذا تمام برائیاں عدم سے تعلق رکھتی ہیں اور تمام خیر خدا سے ''جس طرح وجود ہر خیر و کمال کا مبداء اور ہر حسن و جمال کا منشاء ہے اسی طرح عدم جو اس کے مقابل ہے، بے شک ہر شر و نقص کا مبداء ہر قبیح و وبال کا منشا ہو گا۔ اگر وبال ہے وہ بھی اس سے پیدا ہے اور اگر گمراہی ہے وہ بھی اس سے ظاہر ہے۔ ابلیس یعنی جو ہر فساد و گمراہی کا مبدا ہے، عدم سے بھی زیادہ شریر ہے اور وہ بدبخت ان ہنروں سے بھی جو عدم سے پائے جاتے ہیں، بے نصیب ہے۔''[۳۲]

اس پر ایک بڑا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ عدم بھی اللہ کی طرح قدیم ہو جاتا ہے۔ اگر اللہ خیر ہے تو ابلیس تمام تر شر ہے اور یہ شر خیر کے مقابلے میں موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ غالباً اس اعتراض کو رفع کرنے کے لیے انہوں نے کہا کہ عدم اللہ کی ذات کے مقابل نہیں ہے بلکہ اس کی صفات کا عدم ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ عالم سب کا سب حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر ہے۔ اگر ممکن میں حیات ہے تو اسی حق تعالیٰ حیات کا آئینہ ہے اور اگر علم ہے تو اسی کے علم کا آئینہ ہے اور اگر قدرت ہے تو اسی کی قدرت کا آئینہ ہے۔ علیٰ ہذا قیاس لیکن اس کی ذات کا عالم میں نہ کوئی آئینہ ہے نہ کوئی مظہر۔''[۳۳]

یہاں تک تو بات درست تھی مگر مجدد صاحب نے اللہ کی صفات کو بھی قدیم قرار دیا ہے۔ اس طرح بات پھر اُلجھ گئی ہے کیونکہ یہ مان لیں تو پھر خدا کی طرح شر بھی قدیم قرار پائے گا۔ وہ اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے لکھتے ہیں:

''عدم کی نقیض وہ وجود نہیں جو عین واجب تعالیٰ ہے یا حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ میں سے اخص ہے بلکہ عدم کی نقیض اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل اور اس کے عکسوں میں سے ایک عکس ہے۔ غرض وہ وجود جس کے مقابلہ میں عدم ہے وہ دائرہ امکان میں ہے اور عدم (جو اس کی نقیض ہے) کے رفع کرنے کی احتیاج رکھتا ہے۔ حق تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ امکان سے خارج ہیں لیکن چونکہ حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ احتیاج رکھتی ہیں اور ہر ایک کے مقابل میں

Marfat.com

اعدام ثابت ہیں اس لیے امکان کی آمیزش سے خالی نہیں اور حق تعالیٰ کی ذات کی احتیاج ہمیشہ ان کے دامن گیر ہیں۔ اگر چہ قدیم ہیں حق تعالیٰ کی ذات سے جدا نہیں ہیں لیکن نفس احتیاج امکان کی دلیل ہے اور غیر کی طرف احتیاج ہے تو کامل ناقص ہے۔''

یہ بیان خاصا اُلجھا ہوا ہے اور مسئلہ کو صاف نہیں کرتا کیونکہ اس میں احتیاج کے لفظ سے انسان کبیر اور خدا سے فرق پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جیسا کہ ابن عربی نے بھی کیا تھا۔ یہاں خدا کے ظل کو عدم سے ملایا گیا ہے اور اس کے ذاتی وجود کو پاک رکھا گیا ہے۔ ابن عربی بھی وجوب ذاتی تک کسی کی رسائی کو نہیں مانتے اور اس کائنات کو ظلال ہی کی آمیزش قرار دیتے ہیں لیکن چونکہ یہ صفات الٰہی کے ظلال ہیں اس لیے قدیم ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ لیکن مجدد صاحب ایک اور مقام پر اپنے اور ابن عربی کے فلسفہ کے فرق کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''پس محی الدین کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ اسماء و صفات ہیں جو مرتبہ علم میں ایک دوسرے سے متمیز ہیں اور فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ عدمات ہیں جو اسماء و صفات کی نقیض ہیں مع اسماء و صفات کے عکسوں کے جو خانہ علم میں ان عدمات میں ظاہر ہوئی ہیں اور ایک دوسرے سے باہم مل گئی ہیں۔ قادر مطلق جل شانہ نے جب چاہا کہ ان ماہیات ممتزجہ میں کسی ماہیت کو وجود ظل کے ساتھ جو حضرت وجود کا پرتو ہے' متصف کر کے موجود خارجی بنائے تو اس ماہیت ممتزجہ پر حضرت وجود کا اور اس کے کمالات کا تابع پرتو ہے مثلاً ممکن کا علم واجب الوجود کے علم کا پرتو اور ظلل ہے جو عجز میں اس کے مقابل ہے' منعکس ہوتی ہے لیکن فقیر کے نزدیک شئے کا ظل شئے کا عین نہیں ہے بلکہ اس کا شبح اور مثال ہے اور ایک کا دوسرے پر حمل کرنا ممتنع اور محال ہے۔ پس فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہ ہوگا اور ممکن کا واجب پر حمل کرنا ممتنع اور محال ہے۔ پس فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہ ہوگا اور ممکن کا واجب پر حمل کرنا ثابت نہیں ہوگا کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور وہ عکس جو اسماء و صفات سے اس عدم میں منعکس ہوا ہے وہ ان اسماء و صفات کا شبح اور مثال ہے نہ کہ ان کا عین۔ پس ہمہ اوست کہنا درست نہ ہوگا بلکہ ہمہ از اوست کہنا درست ہوگا...... پس شیخ محی الدین کے نزدیک عالم سب کا سب اسماء و صفات سے مراد ہے جنہوں نے خانہ علم میں تمیز پیدا کر کے ظاہر وجود کے آئین میں نمود و نمائش حاصل کی ہے اور فقیر کے نزدیک عالم ان عدمات سے مراد ہے جن میں حق تعالیٰ کے اسماء و صفات خانہ علم میں منسلک ہوئی ہیں اور وہ عدمات مع ان عکسوں کے حق تعالیٰ کے ایجاد سے وجود ظل کے ساتھ خارج میں موجود ہوئی ہیں۔ پس عالم میں خبثِ ذاتی اور شرارت جبلی ظاہر اور پیدا ہے اور سب خیر و کمال حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔''

مجدد صاحب نے یہاں ہمہ اوست کے مقابلہ میں ہمہ از اوست کی ترکیب استعمال کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اشیاء اللہ سے الگ وجود رکھتی ہیں اور وہ اس کی مخلوق ہیں مگر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عدم تو پہلے سے موجود ہے

یہ کیسے مخلوق ہوگا چنانچہ علامہ اقبال یہاں ابن عربی کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ وہ خدا کو لامتناہی خودی اور انسان کو متناہی خودی قرار دیتے ہیں۔ وہ خدا کو قرآن اور انسان کو سیپارہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مادہ ادنیٰ خودیوں کی ایک بستی ہے۔[۳۶] انہوں نے مسلم لیگ کے خطبہء صدارت (۱۹۳۰ء) میں فرمایا:

''مذہب اسلام کی رو سے خدا اور کائنات کلیسا اور ریاست اور روح اور مادہ ایک ہی کل کے مختلف جز ہیں۔''[۳۷]

مجدد صاحب اس دنیا کو وہم قرار دیتے ہیں جبکہ علامہ اقبال اسے حقیقت سمجھتے ہیں۔ مجدد صاحب کے خطوط سے جو اقتباس اوپر نقل ہوا ہے وہاں بھی عکس اور ظل کے الفاظ اس طرف اشارہ کرتے ہیں مگر مندرجہ ذیل اقتباس میں وہ دنیا کو واضح طور پر وہم قرار دے کر اس سے چھٹکارا پانے کی بات کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم موت کے بعد وہم کی دنیا سے نجات حاصل کر لیتے ہیں۔

''پس معلوم ہوا کہ ولایت ظلی میں مدت کے بعد جبکہ وہم معدوم ہو جاتے ہیں وہم سے خلاصی حاصل ہو جاتی ہے لیکن ولایت اصلی میں جو ولایت کبریٰ ہے اسی جہاں میں وہم و خیال کی قید سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے اور وہم کے باوجود وہم کی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ پہلے گروہ کو جو کچھ آخرت میں جا کر حاصل ہوگا وہ دوسرے گروہ کو اسی جگہ میسر ہوتا ہے۔ ولایت ظلی میں حصول مطلب اس جہاں میں وہم و خیال کا بنایا ہوا اور ولایت اصلی میں مطلوب وہم کو تراش خراش سے منزہ اور مبرا ہوتا ہے۔ شاید حضرت مولاناؒ وہم و خیال سے تنگ آ کر موت کی آرزو کرتے ہیں تاکہ وہم و خیال سے خالی اپنے مطلوب کو پائیں۔''[۳۸]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ عالم وہم و خیال ہے تو پھر انسان بھی وہم و خیال ہے اور ایک وہم دوسرے وہم سے اس دنیا میں کیسے چھٹکارا پا سکتا ہے۔ نیز مرنے کے بعد وہم و خیال سے نجات کیونکر ممکن ہے کیونکہ انسان خود وہم و خیال ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ مرنے کے بعد شر یا عدم ختم ہو جاتا ہے اور صرف ظلال الٰہی رہ جاتے ہیں تو پھر سزا اور جزا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں حضرت مجددؒ کا نقطہ نظر یہ ہے:

''انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عرش میں نہیں ہیں اور نہ ہی عالم کبیر کو ان کا کچھ حصہ ملا ہے۔ انسان میں ایک جز ارض ہے جو عرش میں نہیں ہے اور دوسری ہیئت وجدانی ہے جو عالم کبیر میں نہیں اور وہ شعور جو ہیئت وجدانی سے تعلق رکھتا ہے نورٌ علیٰ نور ہے جو عالم اصغر کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس انسان ایک عجوبہ ہے جس نے خلافت کی لیاقت پیدا کر لی ہے۔''[۳۹]

چنانچہ معلوم ہوا کہ کائنات کی دیگر اشیا انسان کی نسبت کسی اور طرح بنائی گئی ہیں۔ وہ ظل کی پیداوار ہیں جبکہ انسان ظل نہیں بلکہ نور کی پیداوار ہے اسی لیے انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ انسان کے قلب کی تجلی میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے۔ مگر علامہ اقبال اس صورت حال کو قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کے خیال میں انسان اور کائنات کی تخلیق ایک

ہی چیز سے ہوئی ہے اور وہ خودی ہے اگر چہ انسان کی خودی کائنات کی خودی سے زندگی کے متعلق اشعار کو درج کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر چیز کی اصل ایک ہی ہے۔

دما دم رواں ہے یمِ زندگی — ہر اک شئے سے پیدا رمِ زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود — کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دود
گراں گرچہ ہے صحبتِ آب و گل — خوش آئی اسے محنتِ آب و گل
یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی — عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر — مگر ہر کہیں بے چگوں بے نظیر
یہ عالم یہ بت خانہء شش جہات — اسی نے تراشا ہے یہ سومنات
پسند اس کو تکرار کی خو نہیں — کہ تُو میں نہیں اور میں تُو نہیں
من و تُو سے ہے انجمن آفریں — مگر عینِ محفل میں خلوت نشیں
چمک اس کی بجلی میں تارے میں ہے — یہ چاندی میں سونے میں پارے میں ہے
اسی کے بیاباں اسی کے ببول — اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں پھول
کہیں اس کی طاقت سے کہسار چُور — کہیں اس کے پھندے میں جبریل و حور
کہیں جرہ شاہین سیماب رنگ — لہو سے چکوروں کے آلودہ چنگ

کبوتر کہیں آشیانے سے دور
پھڑکتا ہوا جال میں ناصبور

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات — تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود — کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی — فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند — سفر اس کی منزل سے بڑھ کر پسند
سفر زندگی کے لیے برگ و ساز — سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز

حضرت مجدد دنیا کو وہم اور شر کی پیداوار سمجھتے ہیں چنانچہ وہ اسے زہرِ قاتل اور بے کار سامان کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"دنیا بظاہر شیریں اور صورت میں تروتازہ دکھائی دیتی ہے لیکن حقیقت میں زہر قاتل اور بے کار سامان ہے اور اس میں گرفتاری بے فائدہ بات ہے۔ دنیا کی نظر میں مقبول درحقیقت خوار ہے اور اس پر فریفتہ ہونے والا دیوانہ ہے۔ یہ سونا چڑھائی ہوئی نجاست کی طرح اور شکر ملے ہوئے زہر کی مانند ہے۔"[۴۲]

مگر علامہ اقبال حضرت مجدد کے اس خیال سے متفق نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا نہ تو وہم ہے اور نہ زہر

Marfat.com

قاتل اور بے کار سامان ہے۔ وہ اسے کارآمد چیز سمجھ کر اپنے قابو میں کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اس کی تسخیر کا مشورہ دیتے ہیں۔ مجدد صاحب جسم کو دنیا کا حصہ سمجھتے ہیں اور اسے زہر قاتل قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''دنیا کی لذت اور الم دو طرح کا ہے روحانی اور جسمانی۔ ہر وہ چیز جس میں جسم کے لیے لذت ہے روح کے لیے اس میں تکلیف ہے۔ جس سے بدن کو تکلیف پہنچے روح کو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ روح اور جسم ایک دوسرے کی نقیض ہیں اور اس جہاں میں روح جسم کے مقام میں نزول کر چکا ہے اور جسم و جسمانیات میں گرفتار ہو چکا ہے۔ جسم کے حکم میں ہو چکا ہے اور جسم کو تکلیف پہنچنے سے اس کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔''[۴۳]

اور شاید اسی لئے مجدد صاحب نے جسم سے نجات حاصل کرنے کی بات کی تھی مگر علامہ اقبال جسم اور دنیا دونوں کو شر نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ بدن روح کے اعمال کا حاصل جمع ہے[۴۴] لہٰذا وہ بدن کو فتح کر لینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک بدن کا تعلق روح سے وہی ہے جو راکھ کا کوئلے سے ہے۔ وہ کوئلے ہی سے پیدا ہوتی ہے چنانچہ وہ جسم کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ اس کو قابو میں کر کے اس سے کام لینا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے ان تمام گروہوں کی مذمت کی ہے جو بُرائی کی طرف لے جاتے ہیں مگر کہیں بھی دنیا کو شر کا مجموعہ قرار نہیں دیا اور نہ اس سے کنارہ کش ہونے کی تلقین کی ہے۔ دراصل مجدد صاحب کے زمانے میں ایک اسلامی حکومت موجود تھی لہٰذا مجدد صاحب کا کام صرف یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو دنیاوی لذتوں سے محفوظ رکھیں کہ کہیں وہ ان میں کھو کر کمزور نہ ہو جائیں۔ علامہ اقبال کے زمانے میں حکومت مسلمانوں سے چھن چکی تھی لہٰذا وہ بھی دنیا کی برائیوں سے مسلمانوں کو بچانا چاہتے تھے مگر دنیا کے کاموں میں ان کو الجھانا بھی چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عمل اور حرکت پر بڑا زور دیا ہے تاکہ غیر ملکی طاقت کے پنجوں سے نجات حاصل کی جا سکے۔ اس طرح کے عمل کی مجدد صاحب کے زمانے میں ضرورت نہ تھی چنانچہ جب چند امرا نے بغاوت کی تو انہوں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ چونکہ مجدد صاحب جسم اور روح کی دوئی کے قائل ہیں اس لیے وہ جسم کو تکالیف پہنچانے کے حق میں ہیں۔ ان کے خیال میں جو چیز روح کے لیے بہتر ہے وہ جسم کے لیے نقصان دہ ہے چنانچہ وہ جسم کو مصائب میں گرفتار کر کے روح کی جلا کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

''مصائب میں اگرچہ بڑی تکلیف ایذا برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن ان میں بڑی کرامت اور مہربانی کی اُمید ہے۔ اس جہان کا بہتر اسباب حزن و اندوہ ہے اور اس دستر خوان کی خوشگوار نعمت الم اور مصیبت ہے۔ ان شکر پاروں پر داروئے تلخ کا رقیق غلاف چڑھا ہوا ہے۔''[۴۵]

علامہ اقبال بھی درد و الم کو پسند کرتے ہیں اور اسے ایک عظیم نعمت قرار دیتے ہیں مگر وہ درد و الم تک مختلف راستے سے پہنچے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان مصائب جھیل کر اپنی خودی کو پہچان سکتا ہے اور تسخیر کائنات کا جو کام اس نے اپنے ذمہ لیا ہے اس کی راہ میں مقامات آہ و فغاں آتے ہی رہیں گے ۔

اگر کھو گیا اِک نشیمن تو کیا غم[۴۶]
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

یاد رہے یہ اس غزل کا شعر ہے جس کا مطلع ہے

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں[47]

انہوں نے اپنی نظم ''فلسفہء غم'' میں بھی اسی حقیقت سے پردہ اُٹھایا ہے۔ غم ساز زندگی کو چھیڑتا اور خواب سے بیدار کرتا ہے لہٰذا غم کتاب زندگی کا لازمی حصہ ہے اور اس کے بغیر زندگی نامکمل ہے مگر غم واندوہ کو اس لیے برداشت نہیں کرنا چاہیے کہ ہم اپنے جسم کو تکلیف پہنچا کر خوش ہوں کہ یہ شر کی علامت ہے بلکہ ہمیں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دکھ اور درد کو برداشت کرنا چاہیے۔

حضرت مجدد صاحب چونکہ زندگی میں درد والم کی اہمیت پر زور دیتے ہیں اس لیے وہ عشق کے معاملے میں بھی وصال کی بجائے فراق کو پسند کرتے ہیں۔

''عشق میں صرف محبوب کا درد ہوتا ہے اور وصل کچھ ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ وصل کو نہیں چاہتے اور محبوب کے اتصال سے بھاگتے ہیں۔ یہ عشق کے دیوانہ پن کی باتیں ہیں بلکہ عشق کے ہنرو فن ہیں۔''[47 ا]

حضرت مجدد نے عشق میں وصال کو پسند نہیں کیا اور اس معاملے میں علامہ اقبال بھی ان کے ہم نوا ہیں اور وہ زندگی کی تڑپ کو فراق کا ہی مرہونِ منت سمجھتے ہیں۔ وصال چونکہ حرکت کو ختم کر دیتا ہے اور جستجو اور تلاش ختم ہو جاتی ہے، اس لیے علامہ اقبال اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو ہجر میں لذت طلب[48]
گرمئ آرزو فراق! شورش ہائے و ہو فراق
موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق[49]

مگر غالب نے نہایت عجیب طریقے سے وصال کی حمایت کی ہے اور موج کی جستجو کو فراق کا نہیں بلکہ وصال کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ان کا یہ شعر اس سلسلے میں بڑی دلچسپی اہمیت رکھتا ہے۔

گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال
موج محیط آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں[50]

بہر حال علامہ کو مجدد صاحب کا نظریہء فراق پسند ہے۔ وہ اپنے ایک خط میں اس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

حضرت امام ربانی (مجدد الف ثانی) نے ایک جگہ بحث کی ہے کہ گستن اچھا ہے یا پیوستن اچھا۔ ''میرے نزدیک گستن عین اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور اسی کے خلاف میں صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔ گذشتہ علمائے اسلام نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ[51] جب آپ نے مجھے سرالوصال کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے سرالفراق کہا جائے۔ اس وقت میرے ذہن

Marfat.com

میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانی نے کیا ہے۔''[52] اگرچہ علامہ اقبال نے یہاں مجدد صاحب سے اتفاق کیا ہے اور انہوں نے آپ کا نام ہر جگہ ادب اور احترام سے لیا ہے مگر بعض مقامات پر انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا مگر ایسا ہوا ضرور ہے۔ ان کی تحریریں اس کی شاہد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن عربی کا نظریہ بڑی ٹھوس منطقی اور فلسفیانہ دلیلوں پر استوار ہوا ہے اور اگرچہ اس سے بعض مقامات پر اختلاف تو کیا جا سکتا ہے مگر اسے کلی طور پر رد کرنا ممکن نہیں ہے چنانچہ ابن عربی کے نظریہ میں اتنی قوت تھی کہ مجدد صاحب کا نظریہ اس کی جگہ نہ لے سکا اور ان سے بار بار وضاحتیں طلب کی جاتی رہیں حتیٰ کہ خود مجدد صاحب بھی غور و فکر کے بعد اس کی منطقی قوت کو ماننے اور محی الدین ابن عربی کی بزرگی کے قائل ہو گئے۔

> ''مانا کہ یہ مسئلہ توحید متقدین صوفیہ میں صاف اور واضح نہیں ہوا تھا...... جب شیخ صاحب محی الدین ابن عربی قدس سرہ تک یہ نوبت پہنچی' اس نے کمال معرفت سے اس مسئلہ دقیقہ کو مشرح کیا اور بابوں اور فصلوں میں تقسیم کر کے صرف و نحو کو جمع کیا۔ باوجود اس امر کے پھر بھی اس طائفہ میں سے بعض نے اس کی مراد کو نہ سمجھ کر اس کی خطا کی طرف منسوب کیا اور اس پر طعن و ملامت کی' اس مسئلہ کی اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہے۔ اس کے طعنہ لگانے والے دور از صواب ہیں۔ شیخ کی بزرگی اور اس کے علم کی زیادت اس مسئلہ کی تحقیق سے معلوم کرنی چاہیے اور اس کی رد و طعن نہ کرنی چاہیے۔ اس مسئلہ پر جوں جوں غور و بحث کی جاتی ہے متاخرین کے مختلف فکروں کے ملنے سے واضح اور صاف ہوتا جاتا ہے اور حلول و اتحاد کے شبہ سے دور تر ہوتا جاتا ہے۔''[53]

انہیں وحدت الوجود پر یہ اعتراض تھا کہ اس سے بعض لوگ اشیاء میں خدا کے حلول کو ثابت کرتے ہیں' اب انہوں نے وحدت الوجود کو اس اعتراض سے مبرا پایا اور وحدت الوجود کی تشریح اس طرح کی کہ ان کے اپنے نظریہ سے مطابقت پیدا ہو جائے۔''جاننا چاہیے کہ سابقہ تحقیق سے واضح ہوا کہ صوفیا جو کلام ہمہ اوست کے قائل ہیں' عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و سریان ثابت نہیں کرتے بلکہ ظہور و ظلیت کے اعتبار سے حمل کرتے ہیں نہ وجود و تحقیق کے اعتبار سے۔ اگرچہ ان کی ظاہر عبارت سے اتحاد وجودی کا وہم گزرتا ہے لیکن ہرگز ہرگز ان کی یہ مراد نہیں کیونکہ یہ کفر و الحاد ہے جب ایک دوسرے پر حمل کرنا باعتبار ظہور کے ہے نہ باعتبار وجود کے تو پھر ہمہ اوست کے معنی ہمہ از اوست ہیں کیونکہ شئے کا ظل اسی شئے سے پیدا ہوتا ہے اگرچہ غلبہ حال میں ہمہ اوست کہتے ہیں لیکن درحقیقت اس عبارت سے ان کی مراد ہمہ از است ہے۔''[54] حضرت مجدد کے لیے دقت یہ تھی کہ ان کے والد' استاد اور دوسرے بزرگ وجودی مسلک تھے اور اکثر صوفیا عظام کے اقوال وجودی تھے چنانچہ انہوں نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں اشتراک کے پہلو تلاش کر لیے اور دونوں کو حق سمجھنے لگے۔

> ''پس صوفیہ جو وحدت وجود کے قائل ہیں' حق پر ہیں اور علماء جو کثرت وجود کا حکم کرتے ہیں حق پر ہیں۔ صوفیاء کے احوال کے مناسب وحدت ہے اور علماء کے حال کے مناسب کثرت ہے کیونکہ شرائع کی بنا کثرت پر ہے اور احکام کا جدا جدا ہونا کثرت پر موقوف ہے۔ انبیاء

Marfat.com

علیہا الصلوٰۃ والسلام کی دعوت اور آخرت کا ثواب کثرت پر موقوف ہے۔"۵۵

علامہ اقبال بھی اس معاملے میں حضرت مجدد الف ثانی کے ہمنوا ہیں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور وہ شریعت کے کاموں کے محافظ ہیں۔ وہ صوفیا کے ہاتھ میں طاقت کے ہونے کو پسند نہیں کرتے۔ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"پنجاب میں علماء کا پیدا ہونا بند ہو گیا ہے اور اگر خدا تعالیٰ نے کوئی خاص مدد نہ کی تو آئندہ بیس سال نہایت خطرناک نظر آتے ہیں۔ صوفیا کی دکانیں ہیں مگر وہاں سیرت اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔ کئی صدیوں سے علماء اور صوفیا میں طاقت کے لیے جنگ رہی جس میں آخر کار صوفیا غالب آئے یہاں تک کہ اب برائے نام جو علماء باقی ہیں وہ بھی جب تک کسی نہ کسی خانوادے میں بیعت نہ لیتے ہوں، ہردلعزیز نہیں ہو سکتے۔ یہ روش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے۔ مجدد الف ثانی، عالمگیر اور مولانا اسماعیل شہید نے اسلامی سیرت کے احیا کی کوشش کی مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اب اسلامی جماعت کا محض خدا پر بھروسہ ہے میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔"۵۶

علامہ اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی دونوں علماء کو اس لیے پسند کرتے ہیں کہ وہ شریعت کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور بعض صوفیا چونکہ شریعت کی پابندی نہیں کرتے اس لیے ان کے نزدیک ان کی پیروی جائز نہیں۔ ان پر اس وقت سکر کی حالت طاری ہوتی ہے چنانچہ مجدد صاحب طریقت کو شریعت کا خادم کہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"شریعت کے تین جزو ہیں علم، عمل، اخلاص۔ جب یہ تینوں جزو نہ پائے جائیں شریعت متحقق نہیں پاتی اور جب شریعت متحقق ہوگی تو حق سبحانہٗ کی رضا تمام دنیوی و اخروی سعادتوں سے فائق و اعلیٰ ہے اس لیے شریعت تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں کی ضامن و کفیل ہے اور کوئی ایسا مقصود و مطلوب نہیں جو شریعت سے الگ ہو اور انسان کو اس کی محتاجی ہو۔ طریقت و حقیقت جس کے ساتھ صوفیہ کرام ممتاز ہیں، دونوں شریعت کی خادم ہیں۔ ان دونوں سے شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل ہوتی ہے لہٰذا دونوں سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کوئی اور امر جو شریعت کے علاوہ ہو۔"۵۷ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ابن عربی اور علامہ اقبال دونوں ہی شریعت کی پابندی کو ضروری خیال کرتے ہیں چنانچہ تینوں کے مقاصد گو یکساں ہیں مگر طریقہ کار کے سلسلے میں ہر ایک کا راستہ دوسرے سے ذرا مختلف ہو گیا ہے۔

حواشی

۱۔ آپ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ/۱۵۶۴ء میں سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ سرہند کسی زمانہ میں جنگل تھا اور اس میں شیر رہتے تھے۔ اسی مناسبت سے شہر کا نام سرہند رکھا گیا ہے۔ فیروز شاہ تغلق نے اس شہر کی بنیاد اسی لیے رکھی تھی کہ انہیں کسی

Marfat.com

بزرگ نے بتایا تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ہجرت کے ہزار سال بعد یہاں ایک مجدد پیدا ہوگا۔ آپ سترہ برس کی عمر میں علومِ متداولہ کی تکمیل کے بعد آگرہ تشریف لے گئے۔ خلافت حضرت شاہ کیتھلی قادری سے حاصل کی۔ والد کی وفات کے بعد دہلی تشریف لائے اور حضرت باقی باللہ (جو سلسلۂ قادریہ کے ہندوستان میں بانی ہیں) کے مرید ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانی ۲۸ صفر ۱۰۶۸ھ/۱۶۲۴ء کو تریسٹھ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار سرہند میں ہے۔ آپ کے ماننے والے اس وقت بھی ہندوستان، افغانستان، روس اور پاکستان میں موجود ہیں۔ آپ سے تصوف کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا جو مجددیہ ہے۔

۲۔ مکتوباتِ ربانی دفتر دوم ترجمہ حافظ عبدالکریم۔ ناشر اللہ والے کی قومی دکان لاہور ۱۹۵۷ء، ص ۲۱

۳۔ ایضاً، ص ۲۱

شاہ ولی اللہ دہلوی کے نزدیک ان کا بیان محل نظر ہے۔ وہ ''خیر کثیر'' میں لکھتے ہیں:

''ہمارا ذوق تو یہی کہتا ہے لیکن جس نے اپنے ذوق کی بنا پر لکھا ہے کہ آپ کو امت مرحومہ کے ایک فرد کے ذریعہ ہجرت کے ہزار سال کے بعد خلعت کا مرتبہ حاصل ہوا، اس کا یہ کہنا نبوت کے منافی ہے اور نص صریح کے مخالف ہے۔ اس لیے یہ قول سند نہیں۔'' (خیر کثیر ترجمہ مولانا عبدالرحیم ناشر ابن مولوی محمد بن غلام رسول سورتی، تاجران کتب بمبئی نمبر ۳ ص ۱۷۶)

۴۔ مکتوبات اقبال مرتبہ سید نذیر نیازی ص ۱۶۴

5 انوار اصفیا، شائع کردہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۷ء، ص ۴۶۵

۶۔ کلیات اقبال اردو، ص ۴۵۰

۷۔ مکتوباتِ امام ربانی دفتر اول حصہ دوم طبع اول ۱۹۷۱ء ترجمہ مولانا محمد سعید احمد ص ۱۶۹

۸۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ترجمہ سید نذیر نیازی، ص ۲۹۸

۹۔ دیکھیں اقبال اور ابن عربی

۱۰۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ اول، ترجمہ: محمد سعید، ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ص ۱۱۱۔۱۱۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۱۱

۱۲۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ اول، ترجمہ مولوی محمد سعید احمد، ص ۱۱۴ (طبع اول ۱۹۷۱ء)

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۳۷

۱۵۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۲۲۲

۱۶۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ دوم، ترجمہ مولوی محمد سعید احمد، ص ۱۶۷

۱۷۔ پورا قول: ''سبحانی ما اعظم شانی''

۱۸۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ترجمہ سید نذیر نیازی، ص ۱۶۶

۱۹۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ اول ترجمہ مولوی محمد سعید احمد، ص ۱۰۸

۱۹۔ا کلیات اقبال اردو، ص ۳۸۹

۱۹۔ب ایضاً، ص ۳۴۷

۲۰۔ ایضاً، ص ۸۔۱۰۷

Marfat.com

۲۱۔ کلیات اقبال اردو، ص ۳۰۶

۲۲۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۷۱۶

۲۳۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ دوم، ترجمہ مولوی محمد سعید احمد، ص ۱۶۷

۲۴۔ ایضاً ص ۲۶۸

۲۵۔ ایضاً ص ۱۶۷

۲۶۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۸۔۶۰۷

۲۷۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ترجمہ سید نذیر نیازی ص ۶۔۳۰۵

۲۸۔ مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ دوم ترجمہ محمد سعید احمد ص ۲۶۹

۲۹۔ فصوص الحکم ترجمہ حافظ برکت اللہ۔ ناشر اقبال پبلشرز کراچی ص ۸۱۔۱۸۰

۳۰۔ ایضاً ص ۲۵۸

۳۱۔ مکتوبات امام ربانی دفتر سوم ترجمہ قاضی عالم الدین ص ۳۴

۳۲۔ ایضاً، دفتر دوم، ص ۹۶۔۲۹۵

۳۳۔ ایضاً، دفتر دوم، ص ۱۴۳

۳۴۔ ایضاً، دفتر سوم، ص ۵۲۔۱۵۱۔ اللہ والے کی قومی دکان لاہور

۳۵۔ ایضاً دفتر دوم، اللہ والے کی قومی دکان لاہور ۱۳۷۶ھ

۳۶۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ترجمہ نذیر نیازی ص ۱۶۰

۳۷۔ نقد اقبال از میکش اکبر آبادی، آئینہ ادب لاہور ۱۹۷۰ء، ص ۲۷

۳۸۔ مکتوبات امام ربانی دفتر دوم، ترجمہ قاضی عالم الدین، ص ۱۵

۳۹۔ ایضاً ص ۳۹

۴۰۔ ایضاً ص ۳۸

۴۱۔ کلیات اقبال اردو، ص ۲۶۔۱۲۵

۴۲۔ مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ دوم، ترجمہ محمد سعید احمد، ص ۱۸۴

۴۳۔ ایضاً ص ۲۰۸

۴۴۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص ۱۵۹

۴۵۔ مکتوباتِ امام ربانی دفتر دوم، ترجمہ قاضی عالم الدین، ص ۷۵

۴۶۔ کلیاتِ اقبال اردو، ص ۳۵۳

۴۶۔ا ایضاً ص ۳۳۵

۴۷۔ مکتوباتِ امام ربانی دفتر سوم ترجمہ قاضی عالم الدین ص ۲۱۲

۴۸۔ کلیاتِ اقبال اردو ص ۴۰۶

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ دیوانِ غالب مرتبہ ملک حسن اختر، مکتبہ میری لائبریری، لاہور ص ۵۴

۵۱۔ یہ خط خواجہ حسن نظامی کے نام ہے۔

۵۲۔ خطوطِ اقبال مرتبہ رفیع الدین ہاشمی، ص ۱۱۶
۵۳۔ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، ترجمہ از قاضی عالم الدین ص ۲۱-۲۲۰
۵۴۔ ایضاً، ص ۲۲۴
۵۵۔ ایضاً، دفتر دوم ص ۱۴۱
۵۶۔ اقبال نامہ حصہ دوم ص ۴۹-۴۸
۵۷۔ مکتوباتِ امام ربانی، حصہ اوّل، دفتر اوّل، ترجمہ مولانا سعید احمد ص ۱۲۶

(در: اقبال اور مسلم مفکرین از ڈاکٹر ملک حسن اختر، لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۲۱۳-۲۳۳)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد بابر بیگ مطالی

ڈاکٹر محمد اقبال و حضرت مجدد الف ثانی

افکار و نظریات

برصغیر کی وہ عظیم ہستی جس نے ملت اسلامیہ میں حریت پسندی اور حق گوئی کے جذبات کی آبیاری کی، قومیت و وطنیت کے مغربی تصور کو پاش پاش کر کے وحدت اسلامی کا درس دیا، تصوف کی روایتی حد بندیوں کو توڑ کر عمل پیہم کی تلقین کی، عشق مجازی کو سوز و گداز عطا کر کے حقیقی بنا دیا، رسوم و رواج اور تقلید جامد کی زنجیروں میں جکڑی قوم کو اجتہاد کا پیغام دیا، جذبات انسانی کو فکر کا درجہ دیا، جو آسمان شعر و ادب کا آفتاب ہے، جس کی شاعری، شاعری کی معراج ہے، جس کے افکار و خیالات اہل اسلام کے عقائد بن گئے، جس کے اشعار زبان زد عام ہیں، وہ عظیم فلسفی، شاعر، ادیب، محقق علامہ محمد اقبال کی ذات گرامی ہے جنہیں شاعر اسلام، شاعر مشرق، حکیم الامت، مفکر پاکستان، مصور پاکستان اور مفکر اسلام جیسے خطابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ ایک مذہبی گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد شیخ نور محمد ایک صوفی منش انسان تھے۔ تصوف کا رنگ ان پر بہت غالب تھا غالباً اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں:

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اس کا مزاج عارفانہ[1]

پھر ایک دین دار عورت ہونے کی وجہ سے والدہ نے بھی آپ کی اخلاقی اور دینی تربیت میں نمایاں حصہ لیا۔ والدہ کے مرثیہ میں لکھتے ہیں ؎

تربیت سے میں تیری انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر میرے اجداد کا سرمایہ ملت ہوا[2]

والدین کی تربیت کے علاوہ اعلیٰ تعلیم، وسیع مطالعہ اور غور و فکر نے ان کے دل و دماغ کو صحیح راستے پر لگا دیا۔

سفر یورپ سے پہلے تک آپ وطن پرست تھے۔ وطنیت کے شیدائی اور اس کے ترانے گائے۔

مظاہر فطرت میں حقیقت کے متلاشی[3]

مگر انہیں انسان کا محرم راز جاننے کی بجائے بیگانہ تصور کرتے۔[4]

Marfat.com

کچھ صوفیانہ رنگ بھی تھا اور کلام میں تصوف کی چاشنی بھی تھی۔[5] عشق تو تھا مگر سوز و گداز سے خالی تھا۔ ۲ ستمبر ۱۹۰۵ء کو سفر یورپ کے لیے روانہ ہوئے[6] اور جولائی ۱۹۰۸ء میں وہاں سے بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے[7] کے بعد وطن واپس لوٹ آئے۔ اب آپ کے تصورات بدل چکے تھے۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یورپ کے قیام' وہاں کی اعلیٰ تعلیم اور فلاسفہ یورپ کے افکار سے استفادہ نے اقبال کی نظر میں وسعت پیدا کر دی لیکن یہ درست نہیں۔ اختر جونا گڑھی لکھتے ہیں:

> ''بعض حضرات نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اقبال کے افکار کی بنیاد ہی تمام تر مغربی مفکرین پر ہے۔ اس سے زیادہ غلط بیانی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ قیام یورپ کے دوران میں اپنے مغربی اساتذہ سے فلسفہ میں انہوں نے بہت کچھ استفادہ کیا اور ان ارباب فکر کی صحبتوں سے بہت کچھ حاصل کیا لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اقبال کی فکر کا منبع اور ان کے فیض کا سرچشمہ تمام تر فلاسفہ مغرب کی تصانیف ہیں' کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ یورپ سے ان کو اپنا نظام فکر قائم کرنے میں ضرور مدد ملی ہے لیکن باقی جو کچھ ہے وہ ان کی اپنی متاع ہے۔''[8]

درحقیقت سفر یورپ کے دوران جہاں مغربی مفکرین کی تصانیف کا مطالعہ کیا وہاں اسلامی روایات سے بھی گہرا تعلق رہا اور مسلم مفکرین کے افکار و نظریات سے بھی استفادہ کیا۔ آپ کے پی ایچ۔ ڈی مقالہ: The Development of Metaphysics in Persia میں ابن عربیؒ[9]' ابن مسکویہ[10]' امام احمد بن حنبلؒ[11] امام رازیؒ[12] رومیؒ[13] شہاب الدین سہروردیؒ[14] اور امام غزالیؒ کے نام نمایاں طور پر ملتے ہیں۔[15]

اس مقالہ کی تیاری میں آپ کو ایرانی مفکرین' یونانی اور قدیم و جدید فلاسفرز کی ذہنی کاوشوں سے واقفیت حاصل کرنا پڑی۔ یوں یونانی افکار کے منفی اثرات سے آگاہی حاصل ہوگئی اور سفر یورپ کے بعد آپ کے فکر میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔

۱۹۱۵ء میں ''اسرار خودی'' شائع ہوئی۔ اس میں اقبال نے افلاطون' حافظ شیرازی اور عجمی صوفیا آپ کے وجودی رجحانات پر خوب تنقید کی۔ آپ کے استاد ''میک ٹیگرٹ'' نے جب اس کا انگریزی ترجمہ پڑھا تو علامہ اقبال سے اپنے ایک خط کے ذریعے استفسار کیا:

> ''کیا آپ نے اپنی پوزیشن تبدیل نہیں کر لی؟ کیونکہ کیمبرج میں قیام کے دوران تو آپ وجودی تصوف کے قائل معلوم ہوتے تھے۔''[16]

یہی وہ دور ہے جب اقبال' حضرۃ مجدد الف ثانی کے افکار و نظریات بالخصوص نظریہ وحدۃ الشہود سے متاثر ہو کر وحدۃ الوجود کو خیر آباد کہہ چکے تھے۔ آپ کی تحریروں میں حضرت مجددؒ کا ذکر بھی اسی دور میں ملتا ہے۔ اکبر الہ آبادی کے نام مکتوب محررہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں لکھتے ہیں: ''کئی صدیوں سے علماء اور صوفیا میں طاقت کے لیے جنگ رہی جس میں آخر کار صوفیا غالب آئے یہاں تک کہ اب برائے نام علماء جو باقی ہیں وہ بھی جب تک کسی خانوادے میں بیعت نہ

Marfat.com

لیتے ہوں ہر دلعزیز نہیں ہوسکتے۔ یہ روش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے۔ مجدد الف ثانی' عالمگیر اور مولانا اسماعیل شہید نے اسلامی سیرت کے احیا کی کوشش کی مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔'' [17]

اقبال کے فکر و فلسفہ پر حضرت مجدد الف ثانی کے اثرات کا اندازہ دونوں کے مشترکہ افکار و نظریات سے لگایا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اپنی ایک نشریہ تقریر میں اقبال اور حضرت مجدد کی فکری مماثلات کا یوں ذکر کیا ہے: ''مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال کے افکار میں بظاہر جو مماثلت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کے دل میں ولولہ تھا کہ لوگوں کے خیالات کا رخ اسلام کی طرف پھیرا جائے۔ دونوں کشف کو ذریعہ علم سمجھتے ہیں۔ دونوں وحدۃ الوجود کو غلط سمجھتے ہیں۔ دونوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اسوہ کامل اور معیار کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔'' [18]

علامہ اقبال کے فکر پر حضرت مجدد الف ثانی کا اثر کس حد تک ہوا' اس بات کی وضاحت اس وقت ہوسکتی ہے جب حضرت مجدد کے افکار و نظریات سے وہ اقتباسات پیش کیے جائیں جن سے ڈاکٹر اقبال کے افکار میں مماثلت پائی جاتی ہو۔ مطالعہ اقبال و مجدد کے دوران بندہ نے حسب ذیل فکری مماثلات محسوس کیں۔

۱۔ تصور عبدیت

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وماخلقت الجن والانس الالیعبدون [19]

(ترجمہ: اور میں نے جن اور آدمی اس لئے پیدا کیے کہ میری بندگی کریں)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تخلیق انسان کی اصل غایت فقط عبادت خداوندی ہے۔ انسان عابد ہے اور خدا معبود ہے۔ انسان کا خدا سے تعلق ''عبدیت'' کا ہے۔ انسان کی ہستی خدا کی ہستی سے الگ ہے۔ دونوں ایک نہیں۔ یہی وہ نظریہ عبدیت ہے جس کا حضرت مجدد الف ثانی نے زور و شور سے پرچار کیا۔ آپ کے ہاں انسانی پیدائش کا مقصد وظائف بندگی کا ادا کرنا ہے۔

اگر ابتدا اور درمیان میں خالق کائنات کی محبت اور عشق عطا کر دیا گیا تو اس سے مقصود یہ ہے کہ بندہ جناب قدس جل سلطانہ کے ماسوا سے ہر طرح کا تعلق قطع کرلے۔ عشق و محبت مقاصد نہیں بلکہ مقام عبودیت کے حصول کے لیے ذریعہ ہیں۔ انسان خدا کا بندہ کہلانے کا مستحق اس وقت ہوگا جب غرض کی بندگی و گرفتاری سے پوری طرح نجات پاجائے اور عشق و محبت کی حیثیت قطع تعلقات ماسوا سے زیادہ نہیں۔ لہٰذا مراتب ولایت کی انتہا مقام عبدیت ہے۔

شیخ نظام تھانیسری کی طرف اپنے مکتوب میں حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

''مقصود از خلقت انسانی اداء وظائف بندگی است واگر در ابتداء و وسط' عشق و محبت دادہ اند

Marfat.com

مقصود قطع تعلق اوست از ما دون جناب قدس جل سلطانہ' عشق و محبت ہم از مقاصد نیستند از برائے حصول مقام عبودیت اند۔ بندہ خدا جلشانہٗ وقتی شود کہ از گرفتاری و بندگی' غیر او تعالیٰ بتمام خلاص شود و عشق و محبت وسیلہ انقطاع بیش نیستند۔ لہٰذا نہایت مراتب ولایت مقام عبدیت است۔''[۲۰]

خدا معبود ہے اور انسان عابد ہے۔ پھر عابد ہمیشہ اور لازمی طور پر معبود کا محتاج ہوا کرتا ہے اور انسان کو اس احتیاج پر فخر ہے اسی کا نام ''بندگی کا مقام'' ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

''دریں مقام خود را با مولائی خود ہیچ مناسبت نمی یابد الا الاحتیاج من جانبہ والاستغناء الاتم ذاتاً وصفتہً من جانب المولیٰ تعالیٰ و تقدس''[۲۱]

''اسی مقام بندگی'' کے متعلق علامہ اقبال کہتے ہیں:

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی[۲۲]

ابو سعید نور الدین لکھتے ہیں:

''مجدد الف ثانی نے شیخ محی الدین ابن عربی کے نظریہ ''وحدت الوجود'' کی تنقید میں یہ ثابت کیا ہے کہ سالک کی آخری منزل ''وحدت الوجود'' نہیں' بلکہ ''مقاصد عبدیت'' ہے۔''

''مقام عبدیت'' سلوک میں وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر سالک کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بندہ محض ہے۔ ''وحدت الوجود'' کے تصور سے اس پر جو خدا سے اتحاد کی کیفیت طاری ہوتی ہے وہ کوئی دائمی کیفیت نہیں ہے۔ بندہ بندہ ہے اور خدا خدا ہے۔

''علامہ اقبال اپنے نظریہ خودی میں اس بات سے خاص طور پر متاثر ہوئے ہیں وہ اپنی خودی کو چھوڑ کر خدا میں ضم ہونا نہیں چاہتے اور ''مقام عبدیت'' یا ''مقام بندگی چھوڑ کر شان خداوندی قبول کرنے کے لئے راضی نہیں۔''[۲۳]

''ارمغان حجاز'' میں اقبال کہتے ہیں:

عطا کن شور رومیؒ سوز خسرو
عطا کن صدق و اخلاق سنائی
چنان با بندگی در ساختم من
نگیرم گر مرا بخشی خدائی[۲۴]

Marfat.com

یہاں اقبال رب العلمین کے حضور میں التجا گداز ہیں کہ اے مولا! مجھے رومی کی سی مستی، خسرو کا سوز و گداز اور سنائی کا سا صدق و اخلاص عطا فرما۔ میں بندگی (مقام عبدیت) کو اس قدر و قیع سمجھتا ہوں کہ خدائی لینے کو بھی تیار نہیں ہوں۔

آپ کے ہاں "مقام عبدیت" کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اگر یہ "مقام بندگی" محکم ہو جائے تو "فقر" بادشاہ بن جاتا ہے۔ بندہ دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں:

چوں مقام عبدہ محکم شود

کاسئہ ی دریوزہ جام جم شود[۲۵]

دراصل بندگی کی بدولت عابد کو معبود سے الفت و محبت اور انس پیدا ہوتا ہے اور یہ انس نعمت عظمیٰ (دیدار خداوندی) کا باعث بنتا ہے۔ بندگی کی لذت ذوق شہود سے وابستہ ہے اور اہل محبت کا انس محبوب کے مشاہدہ سے ہے جو انہیں ہر شئے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

"لاجرم مقام عبدیت فوق جمیع مقامات باشد چہ ایں معنی در مقام عبدیت اتم و اکمل است، محبوباں را بایں مقام مشرف میسازند، محبان بذوق شہود متلذذ اند، التذاذ در بندگی و انس بآں مخصوص بمحبوبانست انس محبان بمشاہدہ محبوبست وانس محبوبان بہ بندگی محبوب دریں ایشاں را بایں دولت (دید نقص) میر سانند و بایں نعمت سرفراز میسازند۔"[۲۶]

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے مشائخ طریقت کے تین گروہ بیان کئے۔ ان کی تفصیل آپؒ کے الفاظ میں یوں ہے:

۱۔ "طائفہ اولیٰ قائلند بآنکہ عالم بایجاد حق سجانہٗ درخارج موجود است وہر چہ درو ست از اوصاف کمال ہمہ بایجاد حق است سبحانہٗ وخود را شبحے بیش نمی دانند بلکہ شجیت ہم از دست عزشانہٗ در بحر نیستی چناں گم می گردند کہ نہ از عالم خبر دارند و نہ از خود۔"[۲۷]

(ترجمہ: پہلا گروہ اس امر کا قائل ہے کہ کائنات عالم حق سجانہ کی ایجاد سے خارج میں موجود ہے اور جو کچھ اس میں اوصاف و کمالات ہیں سب حق سجانہ کی ایجاد سے ہیں اور اپنے آپ کو صرف شبح اور مثال کے درجے میں جانتے ہیں بلکہ اس شجیت کو بھی حق سجانہ کے دست قدرت کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ یہ حضرات نیستی کے سمندر میں اس طرح گم ہیں کہ نہ انہیں عالم کی خبر ہے نہ اپنی)۔

۲۔ "طائفہ دیگر عالم را ظل حق سجانہٗ میدانند اما قائلند بآنکہ عالم درخارج موجود است لیکن بطریق ظلیت نہ بطریق اصالت و وجود انہا قائم بوجود حق است سبحانہٗ کقیام الظل بالاصل"[۲۸]

(ترجمہ: دوسرا گروہ عالم کو حق سجانہ کا ظل جانتا ہے مگر اس امر کا قائل ہے کہ عالم خارج میں

موجود ہے لیکن اصالت کے طریق پر نہیں بلکہ ظلیت کے طور پر اور یہ کہ عالم کا وجود حق سبحانہ کے وجود کے ساتھ قائم ہے جس طرح ظل اصل کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔)

۳۔ ''طائفہ ثالث قائلند بوحدۃ الوجود یعنی در خارج یک موجود است وبس آں ذات حق است سبحانہٗ وعالم را در خارج اصلاً تحققی نیست۔ ثبوت علمی دارند می گویند الاعیان ماشمت رائحتہ الوجود۔'' [۲۹]

(ترجمہ: تیسرا گروہ وحدت وجود کا قائل ہے یعنی خارج میں صرف ایک ہی ذات موجود ہے اور بس اور حق سبحانہ کی ذات اور عالم کا خارج میں اصلاً تحقق نہیں بلکہ صرف علمی ثبوت رکھتے ہیں۔ یہ گروہ یوں کہتا ہے: ''اشیاء نے وجود کی خوشبو بھی نہیں سونگھی۔)

یوں پہلا گروہ ''عبدیت'' کا قائل ہے۔ دوسرا گروہ ''ظلیت'' کا جبکہ تیسرا گروہ ''وجودیت'' کا قائل ہے۔
حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے ان تینوں گروہوں پر تبصرہ بھی فرمایا ہے۔
تیسرے گروہ یعنی قائلین وجودیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہر چند ایں طائفہ واصل وکامل اند علیٰ تفاوت درجات الوصل والکمال اما خلق را سخنان ایشاں بضلالت والحاد رہنمونی کرد۔'' [۳۰]

(ترجمہ: اگرچہ یہ گروہ اپنے درجات وصل وکمال میں تفاوت ہونے کے باوجود واصل وکامل ہے لیکن مخلوق کو ان کی ایسی باتوں نے گمراہی اور الحاد میں ڈالا ہے۔)

دوسرے گروہ یعنی قائلین ظلیت سے متعلق فرماتے ہیں:

''طائفہ ثانیہ ہر چند ایں مراتب را ہم از مبدا جدا دیدند و بکلمہ لا در آوردہ نفی آں نمودند اما بواسطہ ظلیت واصالت یک چیزے از بقایای وجود ایشاں ثابت ماند چہ رتبہ ظل را با اصل رشتہ تعلق بسیار قوی است۔ ایں نسبت از نظر شاں محو نشد۔'' [۳۱]

(ترجمہ: دوسرے گروہ نے اگرچہ مراتب کو مبداء سے جدا قرار دیا ہے اور کلمہ لا کے نیچے لا کر اس کی نفی بھی کی ہے لیکن ظلیت اور اصالت کے واسطے سے ایک چیز ان کے بقایا وجود سے ثابت رہی ہے کیونکہ رتبہ ظل کا اصل کے ساتھ تعلق کا رشتہ بڑا قوی ہے۔ یہ نسبت ان کی نظر سے محو نہیں ہو سکی۔)

پہلے گروہ کو سب سے زیادہ کامل اور محفوظ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وطائفہ اولیٰ اکمل واتم اند واسلم واوفق بکتاب وسنت۔'' [۳۲]

(ترجمہ: پہلا گروہ سب سے اکمل واتم ہے اور زیادہ محفوظ اور کتاب وسنت کے زیادہ موافق ہے)۔

Marfat.com

اس گروہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مناسبت اور آپ کی کمال متابعت کی وجہ سے ممکن کے تمام مراتب کو واجب سے جدا قرار دیا ہے اور کلمہ 'لا' کے نیچے لا کر سب کی نفی کر دی۔ انہوں نے ممکن کی واجب کے ساتھ کوئی مناسبت نہ دیکھی اور اس کی طرف کسی نسبت کا اثبات نہیں کیا۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا عبد' مخلوق اور بے قدرت کے سوا کچھ نہ جانا اور اللہ تعالیٰ کو اپنا مولیٰ اور خالق سمجھا۔ انہوں نے اشیا سے محبت صرف اس لئے رکھی کہ وہ خالق کی پیدا کردہ ہیں۔ حضرت مجدد کے الفاظ ہیں:

''اما طائفہ اولیٰ بواسطہ کمال مناسبت و متابعت حضرت رسالت خاتمیۃ علیہ من الصلوات اتمہات ومن لتحیات اکملہا جمیع مراتب ممکن را از واجب جدا ساختند و ہمہ راتحت کلمہ لا در آوردہ نفی نمودند و ممکن را با واجب ہیچ مناسبتے ندیدند و ہیچ نسبت را باو اثبات نکردند و خود را غیر از عبد مخلوق غیر مقدور نشناختند و اورا عز شانہ خالق و مولای خود دانستند خود را مولا دانستین و باطل اونگاشتن برین بزرگواران بسیار گران و دشوار می آید۔ ماللترو رب الارباب۔''[۴۳]

حضرت مجددؒ نے اس گروہ کے ہر کشف کو کتاب و سنت کے مطابق قرار دیا۔ انہیں مقام عبدیت پر گردانا اور شریعت مطہرہ کی موافقت کے باعث اس گروہ کے پیروکاروں میں ہونے کی دعا کی:

''ایں طائفہ علیہ را از مقام عبدیت کہ نہایت جمیع مقامات ولایت است بہرہ تمام است و کدام دلیل بر صحت حال ایں برگزیدگان ازیں تمامتر است کہ تمام کشف ایشاں موافق کتاب و سنت و ظاہر شریعت است و سرموی از ظاہر شریعت مخالفت بر ینہا راہ نیافتہ است۔ اللھم اجعلنا من محبیھم ومتابعیھم بحرمتہ محمد المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم''[۴۴]

انہیں خیالات کا اظہار اقبال مولانا رومؒ کی زبان سے کرتے ہیں:

گفت موجود آنکہ می خواہد نمود
آشکارائی تقاضائی وجود
زندگی خود را بخویش آراستن
بر وجود خود شہادت خواستن
انجمن روز الست آراستند
بر وجود خود شہادت خواستند
زندہ یا مردہ یا جاں بلب
از سر شاہد کن شہادت را طلب
شاہد اول سعور خویشتن
خویش را دیدن بنور خویشتن

Marfat.com

شاہد ثانی شعور دیگری
خویش را دیدن بنور دیگری

شاہد ثالث شعور ذات حق
خویش را دیدن بنور ذات حق

پیش این نور را بمانی استوار
حی و قائم چوں خدا خود راشمار

برمقام خود رسیدن زندگی است
ذات را بی پردہ دیدن زندگی است[۳۵]

ان اشعار میں شاہد اول' مقام وجودیت سے عبارت ہے۔ شاہد ثانی' مقام ظلیت سے جبکہ شاہد ثالث' مقام عبدیت سے عبارت ہے۔ اسی لیے اقبال کہتے ہیں:

شاہد ثالث شعور ذات حق
خویش را دیدن بنور ذات حق[۳۶]

آگے چل کر فرماتے ہیں:

ذرئی ازکف مدہ تابی کہ ہست
پختہ گیر اندر گرہ تابی کہ ہست[۳۷]
پیکر فرسودہ را دیگر تراش
امتحان خویش کن ''موجود' باش[۳۸]

اس آخری مصرع ''امتحان خویش کن ''موجود' باش'' میں اقبال نے اپنی ساری تعلیمات کو سمو دیا ہے اور موجود رہنا ''مقام عبدیت'' سے عبارت ہے۔

اقبال کا ''نظریہ خودی' حضرت مجددؒ ''تصور عبدیت'' پر مبنی ہے۔ ابوسعید نورالدین نے اقبال کے تصور خودی کے مآخذ پر بحث کرتے ہوئے ان عناصر کا ذکر کیا۔

۱۔ قرآن مجید
۲۔ مثنوی مولانا رومی
۳۔ مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ عبدیت[۳۹]

بعدازاں آپ لکھتے ہیں:

> ''مجدد الف ثانی کے اس ''نظریہ عبدیت'' سے انسانی خودی کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔ علامہ اقبال ان کے اس نظریہ سے متاثر ہوئے۔ اسی تاثر کی بنا پر وہ ان کی طرف اشارہ کر کے خدا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

Marfat.com

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی!''[۶۰]

اقبال نے حضرت مجددؒ کے ''تصور عبدیت'' سے متاثر ہو کر نٹشے پر سخت تنقید کی اور آخر میں لکھا ہے کہ اے کاش! نٹشے' حضرت مجدد الف ثانیؒ کے زمانہ میں پیدا ہوتا تو وہ اسے مقام عبدیت سے روشناس کرا دیتے۔

''''جاوید نامہ'' میں اقبال لکھتے ہیں:

مرد راہ دانی نبود اندر فرنگ
پس فزوں شد نغمہ اش از تار چنگ

را رو را کس نشان از راہ ندار
صد خلل در واردات اوفتاد

نقد بود و کس عیار او رانکرد
کار دانے مرد کار او رانکرد

عاشقی در آہ خود گم گشتہ ی
سالکی در راہ خود گم گشتہ ی

مستی او ہر زجاجی راشکست
از خدا ببرید و ہم از خود گشت

خواست تابیند بہ چشم ظاہری
اختلاط قاہری بادلبری

خواست تا از آب و گل آید برون
خوشہ ی کذکشت دل آید برون

آنچہ او جوید مقام کبریاست
ایں مقام از عقل و حکمت ماوراست

زندگی شرح اشارات خودی است
لا و الا از مقامات خودی است

او بہ لا درماندو تاالا نرفت
از مقام ''عبدہ'' بیگانہ رفت[۶۱]

چشم او جز رویت آدم نخواست
نعرہ بیبا کانہ زد' آدم کجاست[۶۲]

کاش بودی در زمان احمدی
تارسیدی برسرور سرمدی[۶۳]

Marfat.com

یہاں اقبال واضح کرتے ہیں کہ نطشے مقام "لا" پر ہی ٹھہر گیا اور مقام "الا" کی طرف نہیں بڑھا۔ اسی لئے وہ مقام "عبدیت" سے بیگانہ وار گزر گیا۔ اس کی آنکھ نے انسان کے علاوہ اور کچھ نہ دیکھا۔ وہ مرد کامل کے نظارے کی متمنی تھی۔ اس نے بے باکانہ نعرہ لگایا کہ "فوق البشر" (آدم) ہے۔ آخر میں اقبال کہتے ہیں کہ اے کاش! نطشے، شیخ احمد سرہندی کے زمانے میں ہوتا تو وہ اس کے اضطراب کو سرور سرمدی سے بدل دیتے اور اسے مقام عبدیت سے آگاہ کرتے۔

اقبال نے اپنے خطبات میں بھی نطشے پر تنقید کی اور لکھا کہ اس میں روحانی صلاحیتیں موجود تھیں۔ اس نے اپنے اندر عالم لاہوت کی جھلک دیکھی لیکن اسے ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ اس لئے کہ اس کے روحانی اساتذہ میں شوپنہاور، ڈارون اور لانگے ایسی ہستیاں شامل تھیں اور یہ انہیں کا اثر تھا کہ نطشے ان تجلیات و مشاہدات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ نہ کرسکا۔ ایک بڑا ذہین و فطین انسان ضائع ہوگیا اور وہ زندگی کی جھلک بھی مفید نہ بنا سکا۔ اس کی وجہ مرشد کامل نہ ملنا تھا جو اس کی رہنمائی کرتا۔ آپ کہتے ہیں:

In modern Europe, Nietzsche whose life and activity form at least to us Easterns, an exceedingly interesting problem in religious psychology was endowed with some sort of a constitutional equipment for such an undertaking. His mental history is not without a parallel in the history of Eastern Sufism that a really imperative vision of the Divine in man did come to him cannot be denied. I call his vision imperative because it appears to have given him a kind of prophetic mentality which by some kind of technique, aims at turning its vision into permanents life-farces; yet Nietzsche was a failure and his failure was mainly due to his intellectual progenitors such as Schopenhauer, Darwin and Lange whose influence completely blinded him to the real significance of his vision. Instead of looking for a spiritual tale wich would develop the Divine even in a Plebeian and thus open up before him an infinite future Nietzsche was driven to seek the realization of his vision in such schemes as aristocratic radicalism as I have said of him elsewhere.

The I am which seeketh
Lieth beyond Philosophy beyond knowledge
The plant that growth only from the invisible
Soil of the heart of man, groweth not from a
mere heap clay.

Thus failed a genius whose vision was solely determined by his internal forces and remained unproductive for want of expert internal guidance in his spiritual lift.[۲۶]

گزشتہ عرض کیا جاچکا ہے کہ اقبال کا تصور خودی حضرت مجددؒ کے تصور عبدیت پر مبنی ہے۔ آپ کے ہاں یہ

Marfat.com

''محض احساس ذات یا تعین ذات'' ہے۔[۴۵] آپ نے اسے ''احساس ذات' شعور ذات' شعور نفس' اپنے آپ کی پہچان' وحدت وجدانی' خودداری یا خود اعتمادی''[۴۶] کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ خودی درحقیقت خود شناسی کا نام ہے۔
اقبال کہتے ہیں:

خودی نے عطا کی مجھے خود شناسی
ترا حسن دائم میرے روبرو ہے[۴۷]

خودی معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے خود شناسی سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔
حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

''درخود رفتن لازم است کہ یافت اینجا است در برون خود یافت نمیا شد۔

باتو درزیر گلیم است ہرچہ ہست
ہمچو نابینا مبر ہر سوئے دست''[۴۸]

(ترجمہ: اپنے اندر کی سیر کرنا ضروری ہے کیونکہ مقصود (حق تعالیٰ) کی یافت نہیں ہے۔ اپنے سے باہر مقصود کی یافت نہیں۔ جو کچھ ہے تیری گودڑی کے نیچے ہی ہے لہٰذا اندھوں کی طرح اِدھراُدھر ہاتھ نہ مار۔)

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں:

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن![۴۹]

لامتناہی خودی کا تعلق خدا سے ہے جبکہ متناہی اور محدود خودی کا تعلق انسان سے ہے۔ اس انسانی خودی کے تین مراحل ہیں: (۱) اطاعت (۲) ضبط نفس (۳) نیابت الٰہی۔
یوں منتہائے خودی نیابت الٰہی کا باعث بنتی ہے اور یہاں بھی نظریہ عبدیت کا تحقق ہوتا ہے۔
خودی کا منتہائے جستجو یہ نہیں کہ اپنی انفرادیت کی حدود توڑ ڈالے بلکہ اس کا منتہا ہے۔ اس انفرادیت کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھ لینا۔ اقبال لکھتے ہیں:

The end of the ego's quest is emancipation from the limitations of individuality, it is on the other hand a more preciste definition of if.[۵۰]

خودی کی انتہا نیابتِ الٰہی ہے۔ یہی مقامِ عبدیت ہے۔ اس کا حصول شعور حق تعالیٰ کے بغیر ممکن نہیں۔ آپ کہتے ہیں:

شاہد ثالث شعور ذات حق
خویش رادیدن بنورذات حق[۵۱]

Marfat.com

اقبال نے معراج سے بھی یہی نکتہ اخذ کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

چیست معراج آرزوی شاہدی
امتحانی روبروی شاہدی
شاہد عادل کہ بے تصدیق او
زندگی مارا چوگل را رنگ و بو
در حضورش کس نماند استوار
ور بماند ہست او کامل عیار[52]

آخری شعر میں واضح کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے حضور کوئی شخص قائم نہیں رہا اور جو رہا ہے وہ کامل اور اکمل ہے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بابرکات۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہوتا ہے:

ماذاغ البصرو ماطغی[53]
(آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی)

تو یہ استقامت اس لئے میسر آئی کہ مقام عبدیت کا تحقق ہو چکا تھا۔
ارشاد خداوندی ہے:

فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ[54]
(پس وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی)

حضرت اقبال نے ''عبد'' اور'' عبدہٗ'' میں فرق بیان کرتے ہوئے واضح کر دیا کہ ''عبدہٗ'' ہونا ہی کمال انسانیت ہے۔ یہی معراج آدمیت ہے اور یہی مقام عبدیت ہے۔ حسین بن منصور حلاج کی زبانی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''مقام عبدیت'' کا ذکر کرتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں:

پیش اوگیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است
عبدہٗ از فہم تو بالا تراست
زاں کہ او ہم ادم و ہم جوہراست
جوہر او نی عرب نی اعجم است
آدم است وہم ز آدم اقدم است
عبدہٗ صورت گر تقدیر ہا
اندر و ویرانہ ہا تعمیر ہا

Marfat.com

عبدۂ ہم جانفزا ہم جاں ستان
عبدۂ ہم شیشہ ہم سنگ گران
عبد دیگر عبدۂ چیزی دگر
ماسراپا انتظار او منتظر
عبدۂ دہراست و دہر از عبدۂ ست
ماہمہ رنگیم و اوبے رنگ و بوست
عبدۂ باابتدا بی انتہاست
عبدۂ را صبح و شام ماکجاست
کس زسرعبدۂ آگاہ نیست
عبدۂ جز سر الا اللہ نیست
لا الہ تیغ و دم او عبدۂ
فاش تر خواہی بگو ''ہوعبدہٗ''
عبدۂ چند و چگون کائنات
عبدۂ راز درون کائنات
مدعا پیدانگردد زین دوبیت
تانہ بنی از مقام ''مارمیت''
بگزرراز گفت و شنودا ے زندہ رود
غرق شو اندر وجود اے زندہ رود[۵۵]

ان اشعار میں بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کائنات جبین نیاز جھکائے ہوئے ہے۔لیکن آپ نے خودکو''عبدہٗ'' کہا۔عبدہ آدم بھی ہے جو ہرآدم بھی ہے۔جو ہر نہ عرب سے ہے نہ عجم سے اور آپ کا وجود آدم سے پہلے کا ہے۔آپ تقدیر بنانے والے'مومنوں کی جان افزونی کرنے والے' کفار کی جان کھینچ لینے والے ہیں عبد اور عبدۂ میں فرق ہے۔

عبد انتظار کرتا ہے جبکہ عبدۂ کا معراج کی صورت میں انتظار کیا جاتا ہے۔عبدۂ زمانہ ہے' زمانہ عبدۂ سے پیدا ہوا۔اس کی ابتداء تو ہے مگر ارتقا کی کوئی حد نہیں۔الا اللہ کا راز عبدۂ ہے۔لا الہ تلوار ہے اور عبدۂ اس کی دھار ہے۔ کائنات کا معیار ہے اور اس کا راز درون ہے۔مقام ''مارمیت'' کو سمجھنا اور باتیں چھوڑ کر عبدۂ کے وجود میں گم ہو جانا چاہیے۔

خودی کا آخری مرحلہ نیابت الٰہی ہے۔یہ مقام عبدیت ہے۔یہاں آ کر انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بن جاتا ہے اور اس کی صداقت کا احساس صحیح معنوں میں کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

Marfat.com

انی جاعل فی الارض خلیفة[56]

اس منزل پر آ کر انسان ''انسان کامل'' بن جاتا ہے' جو دانائے راز ہوتا ہے۔ مدتوں تک خودی روتی ہے تب جا کر کہیں ایک انسان کامل پیدا ہوتا ہے:

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانای رازآید برون[57]

رسول اکرم ﷺ انسان کامل ہیں۔ وہ دانائے راز ہیں اور نائب خدا بن کر تشریف لائے ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں:

شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت
تا چراغ یک محمد برفروخت[58]

(ترجمہ: اس کے شعلوں نے سینکڑوں ابراہیم اپنی آغوش میں لے لیے۔ صرف اس لئے کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ روشن کرنے کی یہی صورت تھی)۔

انسان کامل' نہایت خودی ہے۔ وہ تمام کائنات پر حاوی ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق[59]

اقبال نے اپنے تصور انسان کامل کی بنیاد بھی نظریہ عبدیت پر رکھی۔ آپ نے تربیت خودی کے تین مراحل بیان کئے:

''تربیت خودی را سہ مراحل است۔ مرحلہ اول را اطاعت' و مرحلہ دوم را ضبط نفس و مرحلہ سوم را نیابت الٰہی نامیدہ اند۔''[60]

پہلے مرحلہ میں اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور احکام الٰہیہ کی فرمانبرداری کی جاتی ہے۔ دوسرے مرحلہ میں ارکان اسلام کی پابندی ہے۔ اس کی بدولت انسان فرد کامل بن جاتا ہے۔

اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پالینے سے ہی یہ مقام ملتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

گرشتربانی جہانبانی کنی
زیب سرتاج سلیمانی کنی

تاجہاں باشد جہاں آرا شوی
تاجدار ملک لایبلی شوی

نائب حق درجہاں بودن خوش است
برعناصر حکمران بودن خوش است[61]

حضرت مجددؒ کے نزدیک بھی ذات احدیت تعالیٰ کے ماسوا کی گرفتاری سے آزادی ہی انسان کامل کا وصف ہے۔[62]

Marfat.com

اقبال نے ''اسرار خودی'' میں خودی کے تیسرے مرحلہ کا ذکر کرتے ہوئے نائب حق کے اوصاف گنوائے۔ اچھائیوں کا سرچشمہ' فطرت خام کو پختہ کرنے والا' خوشخبری سنانے والا' برائیوں پر ڈرانے والا' علم وقدرت کا مالک' زندگی کی تفسیر نئے سرے سے کرنے والا اس کی پوشیدہ ہستی زندگی کا راز ہے۔ وہ اپنے زور عمل کے اعجاز سے ہر شئے میں زندگی کی قوت بھر دیتا ہے۔ اس کی ہیبت دریائے نیل کو خشک کر دیتی ہے۔ اس کی صدائے قم سے مری جانیں قبروں سے اٹھ پڑتی ہیں۔ اس کے سائے کی حفاظت میں ذرے کو سورج سے شناسائی پیدا کرنے کا موقع ملتا ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ ذات حق کا آئینہ بن جاتا ہے۔

حضرت مجددؒ نے خواجہ معصوم کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا کہ انسان کامل جب ذات احدیت وتقدس کے ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہو جاتا ہے تو ذات احد جل وعلا کے ساتھ گرفتاری پیدا کر لیتا ہے۔ اس وقت انسان کامل ذات احد کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اس میں احدیت مجردہ تعالت وتقدست ظاہر اور جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ جس طرح عرش مجید عالم کبیر میں حضرت ذات جامع الصفات تعالیٰ وتقدس کا مظہر ہے اسی طرح انسان کامل عالم صغیر میں ہے۔

''عرش مجید در عالم کبیر مظہر حضرت ذات مستجمع صفات است تعالیٰ وتقدس وانسان کامل در عالم صغیر مظہر حضرت ذات احد است کہ مجرد از اعتبارات است۔''[۶۳]

انسان کامل امن کا پیامبر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نکلسن کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں:

''انگریزوں کو چاہیے کہ اس نوع کے خیالات کی روشنی میں انسان کامل کے متعلق میرے افکار کا مطالعہ کریں۔ ہمارے عہد نامے اور پنچایتیں' جنگ و پیکار کو صفحہ حیات سے محو نہیں کر سکتیں۔ کوئی بلند مرتبہ شخصیت ہی ان مصائب کا خاتمہ کر سکتی ہے۔''[۶۴]

''کامل انسانوں کے بغیر سوسائٹی معراج کمال پر نہیں پہنچ سکتی اور اس غرض کے لیے محض عرفان اور حقیقت آگاہی کافی نہیں بلکہ ہیجان اور تحریک کی ضرورت ہے۔''[۶۵]

ڈاکٹر اقبال کا تصور ''انسان کامل'' قدیم وجودی صوفیاء کے برعکس حضرت مجددؒ کے تصور ''عبدیت'' پر قائم ہے اور اس کی بنیاد آپ کے نظریہ خودی پر ہے۔ اس کا انتہائی مقام ''عبدیت'' ہے۔ انسانی روح کا اعلیٰ مقام یہی ''عبدیت'' ہے۔ خواجہ حسن نظامی کے نام اپنے ایک مکتوب میں اقبال لکھتے ہیں:

''آپ کے تصوف کی اصطلاح میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں گا تو یہ ہوگا کہ شان عبدیت انتہائی کمال' روح انسانی کا ہے اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں۔''

یہ من وعن وہی بات ہے جو حضرت مجددؒ نے کہی کہ:

''مقام عبدیت کہ نہایت جمیع مقامات ولایت است۔''[۶۷]

ڈاکٹر اقبال نے بھی مذکورہ بات حضرت مجددؒ سے متاثر ہو کر کہی۔ یہ تصور ''فراق'' ہے۔ ''وصال'' نہیں اور

Marfat.com

اقبالؒ نے اسی پس منظر میں یہ تحریر کیا۔ آپ فرماتے ہیں:

''آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ نے مجھے سرّ الوصال کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا مجھے سرّ الفراق کہا جائے۔ اس وقت میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانیؒ نے کیا ہے۔ آپ کے تصوف کی اصطلاح میں اگر اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شان عبدیت انتہائی کمال، روح انسانی کا ہے۔ اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں۔''[68]

۲۔ شریعت وطریقت

حضرت مجدد الف ثانی نے ایک ایسے سلسلہ تصوف کی اشاعت کی جو شریعت کی قیود سے آزاد نہیں تھا اور شریعت وطریقت کے اس رشتہ کو مستحکم کیا جو ٹوٹ رہا تھا۔ شریعت سے دین اسلام کے وہ تمام احکام مراد ہیں جو قرآن و سنت، اجماع اور قیاس سے مستنبط ہوں۔ اسلامی شریعت ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے۔ اس میں عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات سبھی داخل ہیں۔

''طریقت''لغوی اعتبار سے ''طرق یطرق طرقاً''(کوٹنا) سے بنا ہے۔

طرق الطریق کے معنی ہیں: ''راستہ پر چلنا۔''[69]

''طریقۃ'' کے لغوی معانی ہیں: ''حالت، کیفیت، طرز، واسطہ، مذہب اور مسلک۔''[70]

اصطلاح میں طریقت سے مراد وہ مسلک ہے جسے صوفیا کرام، معرفت الٰہی کے لیے اپناتے ہیں اور یہی راہ تصوف ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری کے الفاظ میں:

''طریقت کا تعلق ان روحانی لذات اور معنوی کیفیات سے ہے جو طاعت و نیکی کے نتیجے میں انسان کے دل پر مرتب ہوتی ہیں۔ اسے ہی عام زبان میں تصوف کہا جاتا ہے۔''[71]

شریعت ظاہر ہے جبکہ طریقت کا تعلق باطن سے ہے یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ ''شریعت علم الیقین'' جبکہ طریقت ''عین الیقین'' سے تعلق رکھتی ہے۔

The Law of Shariat are based on ilm-al-yaqeen or knowledge through inference, the struggles of the tarica (طریقہ) depends upon ain-ul-yaqeen (عین الیقین)

ڈاکٹر محمد اقبال نے تکمیل خودی کی تین منازل قرار دیں۔ آپ ''اسرار خودی'' میں لکھتے ہیں:

''تربیت خودی را سہ مراحل است۔ مرحلہ اول را اطاعت و مرحلہ دوم را ضبط نفس، و مرحلہ سوم را نیابت الٰہی نامیدہ اند۔''[73]

ڈاکٹر مسعود احمد نے دوسرے مرحلہ کو طریقت قرار دیا۔[74] شریعت طریقت باہم لازم ملزوم ہیں۔
شیخ فرید بخاری کے نام اپنے مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

''طریقت و شریعت عین یکدیگراند۔ سر موئے از مخالفت درمیان ایشاں واقع نیست۔ فرق اجمال و تفصیل است و استدلال و کشف ہر چہ مخالف شریعت است مردود است کل حقیقة ردته الشریعة فهو زندقة.''[۶۷]

یعنی طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں۔ ان کے درمیان بال برابر بھی مخالفت نہیں۔ فرق صرف اجمال اور تفصیل' استدلال اور کشف کا ہے۔ جو چیز بھی شریعت کے خلاف ہے مردود ہے۔ ہر حقیقت جسے شریعت رد کرے وہ مردود ہے۔

شیخ محمد یوسفؒ کے نام مکتوب میں فرماتے ہیں:

''ظاہر را بظاہر شریعت و باطن بباطن شریعت کہ عبارت از حقیقت است متحلّی و متزین دارند۔ چہ حقیقت و طریقت عبارت از حقیقت شریعت است و طریقت آں حقیقت نہ آنکہ شریعت چیزی دیگر است و طریقت و حقیقت دیگر کہ آں الحاد و زندقہ است۔''[۶۸]

(ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ اور باطن کو باطن شریعت کے ساتھ جو حقیقت سے عبارت ہے' آراستہ اور مزین رکھیں کیونکہ حقیقت و طریقت' حقیقت شریعت اور اس حقیقت کے راستے سے عبارت ہیں۔ یہ بات نہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت و حقیقت امر دیگر ہے کیونکہ یہ تو الحاد و زندقہ ہے۔)

یوں حضرت مجددؒ کے نزدیک طریقت دراصل شریعت کا ہی باطنی پہلو ہے۔ ان دونوں کا تعلق ظاہر اور باطن کا ہے۔ شیخ درویش کے نام مکتوب ہیں اس حقیقت کو یوں واضح کرتے ہیں:

''باطن متمم ظاہر است و مکمل آں سر موی با یک دیگر مخالفت ندارند مثلاً دروغ بزبان ناگفتن شریعت است و از دل نفی خاطر کذب نمودن طریقت و حقیقت است اگر ایں نفی بہ تکلف و تعمل است طریقت است و اگر بے تکلف میسر است حقیقت پس فی الحقیقت باطن کہ طریقت و حقیقت است متمم و مکمل ظاہر آمد کہ شریعت است۔''[۶۹]

یہاں حضرت مجددؒ نے تین باتوں کا ذکر کیا۔ شریعت' طریقت اور حقیقت شریعت کا تعلق ظاہر سے جبکہ طریقت اور حقیقت کا باطن سے ہے اور یہ باطن' ظاہر کو ہی تمام اور کمال تک پہنچانے والا ہے اور بال برابر بھی ایک دوسرے کے مخالف نہیں۔ زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے جبکہ دل سے جھوٹ کا خیال دور رکھنا باطن سے متعلقہ ہے۔ یہ باطن طریقت اور حقیقت سے عبارت ہے۔ طریقت اور حقیقت میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اگر یہ عمل باطن تکلف اور مشقت سے حاصل ہو تو طریقت ہے اور اگر بے تکلف' رب کریم کے خصوصی کرم سے' کسی کی نظر فیض سے میسر آ جائے تو حقیقت ہے۔ یہی وہ وحدت شریعت و طریقت کا مجددی مشن ہے جسے ڈاکٹر اقبال نے زندہ کرنے کی کوشش کی۔ ظفر احمد صدیقی کے نام اپنے مکتوب میں انہی خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Marfat.com

''حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت۔ جب احکام الٰہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں کہ خودی کے پرائیویٹ امیال وعواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا کہا ہے بعض نے اسی کا نام بقا رکھا ہے۔''[۷۸]

''مثنوی پس چہ باید کرد'' میں طریقت کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

پس طریقت چیست اے والا صفات
شرع را دیدن بہ اعماق حیات[۷۹]

طریقت کے بارے میں اقبال کا یہ نظریہ کہ ''شرع را دیدن بہ اعماق حیات'' حضرت مجددؒ کے تاثرات کا ہی غماز ہے۔ آپ کے ہاں اسلامی سیرت کی تعمیر اسی طرح ممکن ہے کہ ''وحدت شریعت وطریقت'' کے مجددی مشن کو از سرنو حیات بخشی جائے۔ اکبر الہ آبادی کے نام مکتوب محررہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں لکھتے ہیں:

''مجدد الف ثانی' عالمگیر اور مولانا اسمٰعیل شہید نے اسلامی سیرت کے احیا کی کوشش کی مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔''[۸۰]

پھر اپنی بے چینی کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اب اسلامی جماعت کا محض خدا پر بھروسہ ہے۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔ صرف ایک بے چین اور مضطرب جان رکھتا ہوں۔ قوت عمل مفقود ہے۔ ہاں یہ آرزو رہتی ہے کہ کوئی قابل نوجوان جو ذوق خداداد کے ساتھ قوت عمل رکھتا ہو مل جائے جس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر دوں۔''[۸۱]

قاضی نذیر احمد کے نام مکتوب محررہ ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء میں شریعت کی یوں وضاحت کی:

''عصبیت زندگی کا ایک خاصہ ہے جس کی پرورش اور تربیت ضروری ہے۔ اسلام میں انفرادی اور اجتماعی عصبیت دونوں کی حدود مقرر ہیں۔ انہیں کا نام شریعت ہے۔ میرے عقیدہ کی رو سے بلکہ ہر مسلمان کے عقیدہ کی رو سے ان حدود کے اندر رہنا باعث فلاح ہے اور ان سے تجاوز کرنا بربادی۔''[۸۲]

ایسی طریقت جو شریعت کی قیود سے آزاد ہو وہ رہبانیت کے زمرے میں آتی ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ اقبال لکھتے ہیں:

''رہبانیت عیسائی مذہب کے ساتھ خاص نہیں' بلکہ ہر قوم میں پیدا ہوئی ہے اور ہر جگہ اس نے

Marfat.com

شریعت اور قانون کا مقابلہ کیا ہے اور اس کے اثر کو کم کرنا چاہا ہے۔ اسلام حقیقت میں اسی کے خلاف ایک صدائے احتجاج ہے۔ تصوف جو مسلمانوں میں پیدا ہوا (اور تصوف سے میری مراد ایرانی تصوف ہے) اس نے ہر قوم کی رہبانیت سے فائدہ اٹھایا ہے اور ہر راہبی تعلیم کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی ہے۔"[۸۳]

یہ وہی تعلیمات ہیں جن کا حضرت مجددؒ نے پرچار کیا تھا۔ اقبال لکھتے ہیں:

"حضرت امام ربانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ گستن اچھا ہے کہ پیوستن، میرے نزدیک گستن عین اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور اسی کے خلاف میں صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔"[۸۴]

وہ تصوف یا طریقت جو شریعت سے متضاد ہو وہ جھوٹ ہے۔ اپنے مضمون "اسلام اور تصوف" میں اقبال لکھتے ہیں:

"اسلامی فکر و ادب کا مطالعہ کرنے والا کوئی فرد اس اعتراف میں شامل نہ ہوگا کہ شریعت سے اعراض کا رجحان اسی جھوٹے تصوف کا براہ راست نتیجہ ہے جو عجمی دل و دماغ کی پیداوار ہے حالانکہ شریعت ہی اسلامی معاشرے کو منظم و مرتبط رکھنے کا واحد ذریعہ ہے۔"[۸۵]

شریعت اور طریقت کی دوئی کے قدیم صوفیائی تصور کو ان الفاظ میں بیان کیا:

"قدیم صوفیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ شریعت کی حیثیت تو محض ایک مظہر کی تھی اور وہ خفیہ خفیہ اس کی تلقین بھی کرتے رہے یعنی یہ کہتے رہے کہ یہ حقیقت کا ایک قشر اور ایک پردہ ہے اور حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ شریعت سے الگ ہے۔"

مذکورہ بالا تصور کی آپ نے مذمت فرمائی اور واضح کیا کہ اسلامی شریعت ہی معاشرے کو منظم[۸۶] و مرتبط رکھنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اپنے خیالات کا اظہار شیخ احمد رفاعی کے الفاظ میں یوں کیا:

"شیخ وہ ہے جس کا ظاہر و باطن شرع ہو۔ طریقت عین شریعت ہے جھوٹا (مرزا قادیانی) اس فرقے کو نجاست آلودہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ باطن اور ہے ظاہر اور ہے۔"[۸۷]

اسی وحدت شریعت و طریقت کا اظہار حضرت مجددؒ نے کیا تھا۔

"شریعت و حقیقت عین یکدیگر اند و در حقیقت از یک دیگر جدا نیستند۔"[۸۸]

شیخ بدیع الدین کے نام اپنے مکتوب میں حضرت مجددؒ نے ظاہر شریعت اور حقیقت کو شریعت کے ہی دو اجزاء بیان کیا۔ آپ لکھتے ہیں:

"باید دانست کہ شریعت عبارت از مجموع صورت و حقیقت است۔ صورت ظاہر شریعت است و حقیقت باطن شریعت۔ پس قشر و لب ہر دو اجزاء شریعت اند۔"[۸۹]

Marfat.com

(جاننا چاہیے کہ شریعت صورت اور حقیقت کے مجموعہ سے مراد ہے۔صورت ظاہر شریعت ہے اور حقیقت باطن شریعت۔پس قشر ولب یعنی پوست و مغز دونوں شریعت کے اجزاء)

اقبال کا یہ کہنا کہ ''قدیم صوفیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ شریعت کی حیثیت تو محض ایک مظہر کی تھی اور وہ خفیہ خفیہ اس کی تلقین بھی کرتے رہے یعنی یہ کہتے رہے کہ یہ حقیقت کا ایک قشر اور ایک پردہ ہے اور حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ شریعت سے الگ ہے۔اکثر حالتوں میں شریعت کی پابندی قائم رکھی گئی تھی کہ اجتماعی نفرین سے بچے رہیں''[۹۰] حضرت مجددؒ کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہے۔

''وجمع دیگر گرفتار حقیقت آن گشتند اما آں حقیقت را حقیقت شریعت ندانستند بلکہ شریعت را مقصود برصورت داشتند وقشر انگاشتند ولب رائے آں تصور نمودند مع ذالک سرموئے از اتیان احکام شریعت باز نماند۔''[۹۱]

حضرت مجددؒ کہتے ہیں کہ یہ لوگ حتی المقدور شریعت کے بجالانے میں سرِ مُو تجاوز نہیں کرتے لیکن چونکہ انہوں نے حقیقت کو شریعت کے ماسوا جانا اور شریعت کو اس حقیقت کا پوست جانا۔اس لئے اس حقیقت کے ظلال میں سے کسی ظل میں رہ گئے اور اس حقیقت کے اصل معاملہ تک پہنچنے کی راہ نہیں پائی۔[۹۲]

آپ کے ہاں علمائے راسخین کو حقیقت معاملہ پر اطلاع ہے اور آداب شریعت کو مدنظر رکھنے کی برکت سے ان کو شریعت کی حقیقت تک رسائی حاصل ہوئی۔ان کی یہ شان اور خوبی ہے کہ انہوں نے مغز اور چھلکا کو ایک ساتھ جمع کیا۔آپؒ نے انہیں لوگوں سے موافقت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

''پس شریعت را در رنگ شخصی کہ مرکب از صورت و حقیقت است تصور باید کرد۔''[۹۳]

مرزا شمس الدین کی طرف صادر کردہ مکتوب میں حضرت مجددؒ نے صریحاً بیان کیا کہ شریعت کی ایک صورت ہے اور اس کی ایک حقیقت ہے۔ظاہر شریعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان' اس کے احکامات کی حقانیت تسلیم کرنے کے بعد احکام شرع کو بجالایا جائے۔البتہ نفس امارہ کی مزاحمت اور اس کی سرکشی اور بغاوت جو اس کی سرشت میں رکھی گئی ہو' موجود ہو۔یوں اس مقام میں اگر ایمان ہے تو صرف اس کی صورت ہے اور اگر نماز ہے تو وہ بھی اس کی صورت۔اگر روزہ ہے تو وہ صورت روزہ۔علی ہذا القیاس دوسرے تمام احکام۔اللہ تعالیٰ نے صرف صورت کو قبول فرما کر دخول جنت کی بشارت دی اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نفس مقام اطمینان میں آجائے اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بن جائے تو یہ حقیقت شریعت ہے۔یوں ایمان' حقیقی ایمان' نماز' حقیقی نماز' روزہ حقیقی روزہ وغیرہ۔[۹۴]

حضرت مجددؒ کے ہاں سالک کے لیے لازم ہے کہ وہ بتدریج نفس کو امارگی سے اطمینان کی طرف کھینچے لیکن یہ اعمال شریعت مثلاً ذکر الٰہی اور دیگر مامورات شرعیہ پر عمل اور ممنوعات شرعیہ سے اجتناب سے ممکن ہے۔صورت شریعت کمالات ولایت کے لیے پاک درخت کی طرح ہے اور کمالات ولایت حقیقت شریعت کے گویا ثمرات ہیں۔یوں

Marfat.com

حقیقت اور صورت شریعت کا گہرا تعلق ہوا۔[95]

شریعت کی مخالفت حقیقت کار تک عدم وصول کا باعث ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

''خلاف شریعت علامت عدم وصول است بحقیقت کار۔''[96]

شریعت پر استقامت کی یوں دعا کرتے ہیں:

''رزقنا الله سبحنه الثبات والا ستقامة على الشريعة علماً وعملاً

صلوٰت الله تعالیٰ وسلامه علیٰ صاحبها''[97]

طریقت در حقیقت، شریعت کے خادم ہیں۔ آپؒ کے الفاظ ہیں:

''فقیر در کتب ورسائل خود نوشتہ است کہ شریعت وحقیقت خادمان شریعت اند۔''[98]

آپؒ کے نزدیک اصل کار، مدار نجات اور ذریعہ سعادت شریعت کی پیروی ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں:

ثبتنا الله سبحانه وایاکم علی جادة الشريعة المصطفوية علیٰ صاحبها الصلوٰة والسلام والتحية اذ هو ملاک الامر ومدار النجاة ومناط السعادة ولنعم ماقيل بالفارسيه:

محمد عربی کآبروئے ہر دوسراست
کسیکہ خاک درش نیست خاک سراو[99]

آپؒ نے شریعت کی اہمیت اسقدر بیان کی کہ سنت کی بال برابر مخالفت کو امور ولایت کے منافی گردانا اور باعث استدراج تصور کیا۔ جباری خان کی طرف اپنے مکتوب میں فرمایا:

''وصول بایں نعمت عظمیٰ باتباع سید اولین وآخرین است علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا تا تمام خود را در شریعت گم نشازد وبامتثال اوامر وانتہائی از نواہی متحلی نہ گردد بوئی ازیں دولت بمشام جان او نرسد باوجود مخالفت شریعت اگر برابر سرموئے باشد اگر بالفرض احوال ومواجید دست دہد داخل استدراج است۔ آخر او را ہوا خواہند ساخت خلاصی بے اتباع محبوب رب العالمین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا ممکن نیست۔''[100]

اسی بات کا ذکر اقبال یوں کرتے ہیں:

''ارکان اسلام کی پابندی مسلمانوں کا عظیم امتحان ہے اور دراصل اسی کا نام اسلامی تصوف ہے کیونکہ شعائر اسلام کی پابندی سے روح کو وہ تاریخی تربیت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں تبتل الی اللہ کی قابلیت پیدا ہوجاتی ہے۔''[101]

خان نیاز الدین خاں کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

''آج کل زمانے کا اقتضا یہ ہے کہ علم دین حاصل کیا جائے اور اسلام کے عملی پہلو کو نہایت وضاحت سے پیش کیا جائے۔ حضرات صوفیہ خود کہتے ہیں کہ شریعت ظاہر ہے اور تصوف باطن۔ لیکن اس پُر آشوب زمانے میں وہ ظاہر جس کا باطن تصوف ہے، معرض خطر میں ہے۔ اگر ظاہر قائم نہ رہا تو اس کا باطن کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔''[۲]

شریعت اور طریقت (اسلامی تصوف) کی وابستگی کا اظہار آپ کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے کہ

''خالص اسلامی تصوف یہ ہے کہ احکام الٰہی انسان کی اپنی ذات کے احکام بن جائیں۔''

یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن[۳]

حضرت مجددؒ نے علمائے شریعت کو بعض صوفیا اور اہل طریقت سے بالاتر قرار دیا اور ممتاز و فائق تصور کیا کیونکہ علما ذات و صفات کے متعلق درست عقائد رکھتے ہیں جبکہ وہ صوفیا ریاضات اور مجاہدات کے باوجود ان جیسی عقائد میں پختگی نہیں رکھتے۔ لہٰذا علماء جمال و نورانیت عقائد سے آراستہ ہوتے ہیں اگرچہ بعض اعمال میں کوتاہی کے حامل بھی ہوں۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں ارسال کردہ مکتوب میں فرماتے ہیں:

''وعلماء ظاہر اہل سنت و جماعت ہرچند در بعضے اعمال مقصر باشند اما جمال درستی عقائد اینہا درذات وصفات آں قدر نورانیت وارد کہ آں تقصیر درجنب آں مضمحل و ناچیز درنظرمی آید در آید وبعضی متصوفہ باوجود ریاضت ومجاہدات چوں درذات وصفات آں قدر درستی عقیدہ ندارند آں جمال در اینہا یافتہ نمی شود۔''[۴]

البتہ متشرع صوفیا جن کو فنا اور بقا، سیر عن اللہ اور سیر باللہ کے بعد عالم دنیا کی طرف لایا گیا ہو، ان کو علمائے شریعت کا درجہ دیا:

''آرے صوفی راکہ بعداز فنا وبقا و سیر عن اللہ و باللہ بعالم گردانید باشند وبدعوت خلق فرود آوردہ از مقام نبوت نصیبی دارد و داخل مبلغان شریعت است، حکم علماء شریعت وارد۔''[۵]

ایسے صوفیا کا کشف درست اور اسے دلائل کا مقام عطا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امامنتہی حقیقی موافق ظاہر شریعت باطن رامی یابد درمیان علماء واین بزرگواران ہمین قدر تفاوت ست کہ علماء استدلالاً وعلماً میدانند وایشاں کشفاً وذوقاً مے یابند وای دلیل علی صحۃ حالہم اول من ھذہ المطابقۃ: ''یضیق صدری ولا ینطلق لسانی'' نقد وقت است۔''[۶]

آپؒ نے شریعت کو تین اجزاء علم، عمل اور اخلاص کا مرکب قرار دیا اور تمام دینی و دنیاوی سعادتوں کا ضامن گردانا۔ ایک مکتوب میں فرمایا:

Marfat.com

''شریعت راسہ جزو است علم و عمل و اخلاص۔ تا ایں سہ جزو مستحق نشوند شریعت متحقق نشود و چوں شریعت متحقق شد رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ حاصل گشت کہ فوق جمیع سعادت دنیویہ واخرویہ است ورضوان اللہ من اللہ اکبر۔''[107]

خواجہ محمد عبداللہ کی طرف مکتوب میں اتباع شریعت کو باعث نجات قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''اتباع سنت البتہ منجی ست و مثمر خیرات و برکات و در تقلید غیر سنت خطر در خطر ست۔''[108]

اقبال نے شریعت کی تعلیمات پر عمل پیرا رہنے کی تلقین کی۔ خالق کائنات کی نافرمانی سے بچنے کا درس دیا۔ شریعت کی پابندی کو احسن تقویم کا مصداق قرار دیا۔ طریقت کو شریعت کا عین گردانا۔ جیسا کہ حضرت مجددؒ کا نظریہ ہے۔ پھر شرع کا معاملہ فقیہوں کے علاوہ طریقت کی نگاہ سے دیکھنے کی ترغیب دی۔ وصال حق کی بجائے رضائے حق کے حصول پر زور دیا۔ شریعت کو حیات کی گہرائیوں سے دیکھنا' طریقت گردانا۔ چنانچہ

مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' میں لکھتے ہیں:

شرع برخیزد زاعماق حیات
روشن از نورش ظلام کائنات

گر جہاں داند حرامش را حرام
تا قیامت پختہ ماند این نظام

نیست ایں کار فقیہان ای پسر
با نگاہے دیگری اوراں نگر

حکمش از عدلست و تسلیم و رضاست
بیخ او اندر ضمیر مصطفیٰ است

از فراق است آرزو ہا سینہ تاب
تو نمانی چون شود او بی حجاب

از جدائی گرچہ جاں آید بلب
وصل او کم جو رضای اوطلب

مصطفیٰ دارد از رضا او خبر
نیست در احکام دیں چیزی دگر

تخت جم پوشیدہ زیر بوریاست
فقر و شاہی از مقامات رضااست

Marfat.com

حکم سلطاں گیر واز حکمش منال
روز میدان نیست روز قیل و قال
تاتوانی گردن از حکمش مپیچ
تا نپیچد گردن از حکم تو ہیچ
از شریعت احسن التقویم شو
وارث ایمان ابراہیم شو
پس طریقت چیست ای والاصفات؟
شرع را دیدن بہ اعماق حیات[۱۰۹]

مندرجہ بالا اشعار میں تیسرے شعر کا دوسرا مصرع' (بانگاہے دیگری اورانگر)' چھٹے شعر کا دوسرا مصرع (وصل اوکم جو رضای اوطلب)' ساتویں شعر کا دوسرا مصرع (فقر وشاہی از مقامات رضاست) شریعت اور طریقت کا ماحصل ہیں۔ آٹھویں شعر میں شریعت' رضائے الٰہی کا نام قرار دیا۔ نویں سے گیارہویں شعر میں احکام شرعیہ کی پاسداری کا درس دیا اور بارہویں شعر میں طریقت کی تعریف کی کہ یہ تو شریعت کو ہی حیات کی گہرائیوں سے دیکھنے کا نام ہے۔

اقبال نے دسمبر ۱۹۳۲ء میں لندن کی ارسطاطلین سوسائٹی کے اجلاس میں ایک لیکچر دیا تھا جس کا عنوان تھا[۱۱۰] Is Religion Possible?۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:

A great religious genius of the seventeenth century Shaikh Ahmad of Sirhind -whose fearless analytical criticism of contemporary Sufism resulted in the development of a new technique.[۱۱۱]

بعد ازاں آپ واضح کرتے ہیں کہ مشاہدات کو جذبات کی آمیزش سے بچانے کے لیے اسلامی تصوف (طریقت) نے عبادت میں موسیقی کو جگہ نہیں دی۔ مراقبوں اور ذکر وفکر سے اجتماعی مصالح کو نقصان کے خدشہ کے پیش نظر نماز باجماعت پر زور دیا۔

Indeed with a view to secure a wholly non-emotional experience the technique of Islamic Sufism at least takes good care to forbid the use of music in worship and to emphasize the necessity of daily congregational prayers in order to counteract the possible anti-social effects of solitary contemplation.[۱۱۲]

یہی نقطہ نظر حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تھا۔ آپ نے طریقت (تصوف) میں موسیقی کیخلاف شدید ردعمل ظاہر فرمایا۔ آپ نے واضح کیا کہ بیشمار آیات واحادیث اور روایات فقہیہ موسیقی اور غنا کی حرمت میں ہیں۔ لہٰذا کسی منسوخ روایت یا شاذ کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ پھر صوفیا کا عمل حلت کا باعث نہیں بن سکتا۔ خواجہ عبداللہ کے نام مکتوب میں رقم طراز ہیں:

''آیات واحادیث وروایات فقہیہ در حرمت غنا بسیار است بحدیکہ احصائے آں متعذر است

معذلک اگر شخصے حدیث منسوخ یا روایت شاذہ رادر اباحتہ سرود بیارد اعتبار نباید کرد زیرا کہ ہیچ فقیہے درہیچ وقتے وزمانے فتوے باباحتہ سرود ندادہ است ورقص و پاکوبی را مجوزنداشتہ چنانچہ درملتقط رسالئہ امام ہمام ضیاء الدین شامی مذکوراست وعمل صوفیہ درحل وحرمت سند نیست ہمین بس نیست کہ ماایشاں رامعذورداریم وملامت نکنیم وامرایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم۔ اینجا قول امام ابی حنیفہ وامام ابی یوسف و امام محمد معتبراست' نہ عمل ابی بکرشبلی و ابی حسن نوری۔ صوفیان خام ایں وقت عمل پیران خودرا بہانہ ساختہ سرودورقص رادین وملت خود گرفتہ اندوطاعت وعبادت ساختہ

اولئک الدین اتخذ وادینھم لھواً اولعباً" ۲ ؎

ملا احمد برکی کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

"(آپ کی) پہلی حالت اہل وجد وسماع کی طرح تھی جس میں جسد کو کامل دخل تھا اور جو حالت اب حاصل ہوئی ہے اس میں جسد کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس کا زیادہ تر تعلق قلب وروح کے ساتھ ہے۔ اس معنی کا بیان کرنا تفصیل چاہتا ہے۔ حاصل یہ کہ دوسری حالت پہلی حالت سے کئی مرتبہ بڑھ کر ہے اور ذوق کا نہ پانا اور خوشی کا دور ہونا ذوق وشوق اور خوشی کے پانے سے برتر ہے کیونکہ نسبت جسقدر جہالت اور حیرت میں ترقی کرے اور جسد سے دور تر ہو۔ اسی قدر اصل اور مقصود حاصل ہونے کے نزدیک تر ہے اس لئے کہ اس مقام میں عجز وجہل کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ جہل کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور عجز کا نام ادراک رکھتے ہیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ اس نسبت کی وہ تاثیر جو پہلے تھی اب نہیں رہی۔ ہاں تاثیر جسدی نہیں رہی لیکن تاثیر روحی زیادہ تر حاصل ہوگئی ہے لیکن ہر شخص کا ادراک نہیں کرسکتا۔" ۳ ؎

میر نعمان کی جانب اپنے مکتوب میں نماز کے فضائل اور بلند معارف بیان کئے۔ اس مکتوب میں لکھتے ہیں کہ صوفیاء کے اس گروہ میں بہت سے لوگوں نے اپنے اضطراب اور بے قراری کی تسکین سماع ونغمہ اور وجد وتواجد سے حاصل کی اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردہ میں مطالعہ کیا اس لئے رقص اور رقاصی کو دیکھنا اپنی عبادت بنالیا۔ بعدازاں نماز اور نغمہ وسماع کے متضاد ہونے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"اگر شمہ از حقیقت کمالات صلوٰتیہ برایشاں منکشف شدے ہرگز دم از سماع ونغمہ نزدندے ویاد وجد وتواجد نہ کردندے۔" ۵ ؎

(اگر نماز کے کمالات کی حقیقت کچھ بھی ان پر منکشف ہوجاتی تو ہرگز سماع ونغمہ کا دم نہ مارتے اور وجد وتواجد کو یاد نہ کرتے)

Marfat.com

اقبال کی تعلیمات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ سرود، موسیقی اور رقص کے سخت مخالف تھے۔ یہ حضرت مجدد الف ثانی کا ہی اقبال کے فکر پر اثر ہے وگرنہ رومی نے تو اسے داخل طریقت کر لیا تھا۔ ''سرود حرام'' کے عنوان سے اقبال لکھتے ہیں:

نہ میرے ذکر میں ہے صوفیوں کا سوز و سرور
نہ میرا فکر ہے پیمانہ ثواب و عذاب
خدا کرے کہ اسے اتفاق ہو مجھ سے
فقیہہ شہر کہ ہے محرم حدیث و کتاب
اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
حرام میری نگاہوں میں نائے و چنگ و رباب

مراد یہ ہے کہ جس موسیقی سے قوم میں بے عملی پروان چڑھے وہ ہر حالت میں حرام ہے۔ ''سرود حلال'' میں آپ کہتے ہیں کہ نغمہ گانے والے کے اونچے نیچے سروں سے تھوڑی دیر کے لئے دل شگفتہ تو ہوجاتا ہے لیکن یہ شگفتگی پائیدار نہیں لہٰذا نغمہ گانے والے کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیے۔ ان گانوں کی بجائے نغمہ توحید گایا جائے جو آدمی کو غم اور آلائش سے پاک کر دیتا ہے۔ صرف یہی نغمہ جائز ہے:

جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک
اور پیدا ہو ایازی سے مقام محمود!
مہ و انجم کا یہ حیرت کدہ باقی نہ رہے
تُو رہے اور ترا زمزمہ لا موجود!
جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقیہان خودی
منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک وہ سرود[۱۱۷]

بدنی رقص اور رقاصی کی مذمت میں کہتے ہیں:

چھوڑو یورپ کے لئے رقص بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ہے ضرب کلیم اللّٰہی!
صلہ اُس رقص کا ہے تشنگی کام و دہن
صلہ اس رقص کا درویشی و شاہنشاہی!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال جسمانی رقص اور رقاصی کے قائل نہ تھے۔[۱۱۸] بلکہ اس روحانی وجد کے قائل ہیں جو انسان کو دنیا سے بے نیاز بنا کر رب العلمین کا نیازمند بنادے اور درویشی، قلندری اور شہنشاہی عطا کرے۔

آپ کی ایک نظم کا عنوان ہے ''مرد بزرگ۔'' اس میں مرد مومن کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو کہ شریعت اور طریقت کا حسین امتزاج ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ مومن کی نفرت اور محبت اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع

ہوتی ہے۔شمع محفل کی طرح سب سے جدا ہوتا ہے مگر روشنی سے منور سب کو کرتا ہے۔ بہت معنی خیز باتیں کرتا ہے۔اس کے حالات سے مدعیان طریقت بھی واقف نہیں ہوتے:

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق!

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ' معانی میں دقیق

اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق![119]

انہیں روحانی خوبیوں کے مالک حضرت مجددؒ تھے اور اقبال مولانا رومؒ کے مرید روحانی کہلانے کے باوجود اس نظریہ وحدت شریعت وطریقت میں حضرت مجددؒ سے متاثر تھے اور طریقت (تصوف) میں رقص وسرود دونوں کے ہاں حرام ہے۔

۳۔اسلامی قومیت

لغوی اعتبار سے "قام یقوم قوماً" کے معنی: "کھڑا ہونا" کے ہیں۔لفظ قوم اسم جمع ہے جس سے مراد: "پبلک' عوام اور گروہ"[120] ہے۔لوگوں کا ایک ایسا گروہ جو اپنوں کے ساتھ کھڑا اور اپنے امور کا متکفل ہو۔ایسا گروہ کہ جیسے تاریخ نے مشترک اغراض و مقاصد یا دیگر اسباب کی بنیاد پر اکٹھا کر دیا ہو۔ وہ اسباب "مخصوص وطن' تہذیب و ثقافت' نظام معیشت' نظام حکومت اور اشتراک رنگ ونسل' وغیرہ ہو سکتے ہیں۔

قومیت سے مراد وہ جذبہ ہے جو ایک ہی قسم کی روایات وثقافت کے حامل انسانوں اور ایک مخصوص علاقے میں بسنے والے افراد اور واحد منتہائے مقصود رکھنے والے اشخاص کو متحد رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔یوں وہ لوگ بقیہ پوری انسانیت سے ممتاز اور الگ ہو جائیں۔

ایچ جے لاسکی (H.J.Laski) لکھتے ہیں:

Broadly speaking, in fact, the idea of nationality is as Renan insisted in a famous essay. Essentially spiritual in chacracter it implies the sense of a special unity which marks off those who share in it from the rest of manhind[121]

پروفیسر محمد منور رقم طراز ہیں:

"افراد سے کنبے بنے' کنبوں سے قبیلے وجود میں آئے' قبیلوں سے قومیتیں متشکل ہوئیں' قومیتوں کا مجموعہ "قوم" کہلایا۔عمومی معنوں میں قوم جن عناصر پر استوار ہوتی ہے ان میں وطن' نسل' زبان' تاریخ اور تمدن وغیرہ کے اشتراک کو اہمیت دی جاتی ہے۔"[122]

Marfat.com

یوں مغربی تصور کے اعتبار سے قومیت کے عناصر ترکیبی یہ ہیں:

(۱) اشتراک وطن (۲) اشتراک رنگ (۳) اشتراک نسل (۴) اشتراک زبان (۵) اشتراک حکومت (۶) اشتراک سیاست (۷) اشتراک اغراض معیشت۔

اس کے برعکس اسلامی تصور قومیت کی بنیاد عقائد و نظریات ہیں۔ قوم کے عناصر ترکیبی ''توحید اور رسالت'' کے معتقدات ہیں اور مسلم قومیت ان بنیادی اشتراک سے تشکیل پاتی ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

> ''تمام مسلمانوں میں مشترک صفت' جس سے وہ مسلمان کہلاتے ہیں یعنی جس پر ان کی قومیت کا دارومدار ہے وہ اعتقاد فی التوحید یعنی لا الہ الا اللہ ہے۔ ایمان بالتوحید صرف وہ مشترک صفت ہے جو تمام مسلمانوں میں پائی جاتی ہے اور جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔[۱۲۳]

اپنے خطبہ: The Muslim Community: a Sociological Study میں فرماتے ہیں:

The essential difference between the Muslim community and other communities of the world consists in our peculiar conception of nationality. It is not the unity of language or country or the identity of economic interest that constitutes the basic principle of our nationality.It is because we all believe in a certain view of the universe and participate in the same historical tradition that we are members of the society founded by the Prophet of Islam.[124]

> (ملت اسلامیہ اور دنیا کی دیگر اقوام کے درمیان بنیادی فرق مخصوص تصور قومیت کا ہے۔ ہماری قوم کا بنیادی اصول' وحدت زبان' اشتراک وطن یا اشتراک معاشی مفادات نہیں ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ ہم اس کائنات کے بارے میں ایک خاص مطمح نظر رکھتے ہیں اور ان تاریخی روایات سے اشتراک رکھتے ہیں جن کی بنا پر ہم اس معاشرے کے ارکان پاتے ہیں جس کی بنا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی)۔

انہیں نظریات کا ''رموز بے خودی'' میں یہاں اظہار کیا:

باوطن وابستہ تقدیر امم
برنسب بنیاد تعمیر امم

ملت مارا اساس دیگر است
. ایں اساس اندر دل ما مضمر است[۱۲۵]

(ترجمہ: قوموں کی تقدیریں وطن سے وابستہ ہیں یا قوموں کی تعمیر کی بنیاد نسب پر ہے۔ ہماری

Marfat.com

ملت کی بنیاد دوسری ہے۔ یہ بنیاد ہمارے دلوں میں پوشیدہ ہے)۔

آپ کے ہاں وطن درحقیقت تصور اسلام ہی ہے۔ ملت اسلامیہ کے اساسی ارکان توحید اور رسالت ہیں۔[۱۲۶] کسی بھی ملک کا باشندہ' کسی بھی رنگ و نسل کا' کوئی بھی زبان بولنے والا ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھ لیتا ہے اور دل سے یقین کر لیتا ہے تو وہ ملت اسلامیہ کا فرد بن جاتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

The idea of Islam is, so to speak, our eternal home or country wherein we live move and have our being .To us it is above every thing else as England is above to the Englishman and "Deutschland ueber alles" to the German. [۱۲۷]

(تصور اسلام ہمارا ابدی گھر اور وطن ہے جس میں ہم رہتے ہیں' چلتے پھرتے اور جیتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ ہر دوسری چیز سے ایسے ہی برتر ہے جیسے انگریزوں کے لیے انگلستان یا جرمنوں کے لیے المان کبیر)۔

انگریزوں کے ہاں قومیت کا انحصار جغرافیائی بنیاد پر ہے۔ اگر ان کے مذہب پر تنقید کریں تو ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا لیکن ان کی وطنیت اور تہذیب و ثقافت پر تنقید سے ان کا جذبہ عصبیت برانگیختہ ہو جاتا ہے۔ اہل اسلام کے ہاں یہ مقام اور مرتبہ مذہب کو حاصل ہے لہٰذا تہذیب اسلامی پر تنقید مسلمانوں کو برانگیختہ کر دیتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

Criticise an Englishman's religion he is immovable but criticise his civilization, his country or the behaviour of his nation in any sphere of activity and you will bring out his innate fanaticism. The reason is that his nationality does not depend on religion; it has a geographical basis country. His fanaticism then is justly roused when you criticise his country .Our position however is fundamentally different. With us nationality is a pure idea; it has no material basis.Our only ralling point is a sort of mental agreement is a certain view of the world.If then our fanaticism is roused when our religion is critised. I think we are as much justified in our fanaticism as an Englishman is when his civilisation is denounced. [۱۲۸]

اسی جغرافیائی تصور قومیت جس کی بنیاد وطن پر قائم ہے' کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مسلم کی بنائے قومیت ہے اسلام
مسلم ہے اگر تُو تو وطن سے کیا کام [۱۲۹]

''بانگِ درا'' میں فرماتے ہیں:

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے [۱۳۰]

اسلام بنی نوع آدم کو جغرافیائی حدود سے بالاتر قرار دیتا ہے اور نسلی و جغرافیائی قومیت کے مصنوعی امتیازات

Marfat.com

مٹاتا ہے۔ علامہ اقبال نظریاتی بنیادوں پر ملت بیضا کی تشکیل کے داعی ہیں:

بتان رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی [۱۳۱]

وطن پرستی ایک بت ہے اور اسلام بت پرستی کا مخالف ہے لہٰذا مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کا بنیادی اصول وطنیت کسی صورت بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اقبالؒ کہتے ہیں:

Islam appeared as a protest against idolatry and what is patriotism but a subtle form of idolatry; a deification of a material object.The patriotic songs of various nations will bear out in my calling patriotism a deification of a material object.Islam could not tolerate idolatry in any form .It is our eternal mission to protest against idolatry in all its forms .What was to be demolished by Islam could not be made the very principle of its structure as a political community. The fact that the Prophet prospered and died in a place not his birth-place is perhaps a mystic hint to the same effect. [۱۳۲]

اقبال ایک ایسے نظریہ قومیت کے داعی ہیں جو احکامِ الٰہی اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تحت ایک ایسے انسانی معاشرے پر قائم ہے جو نسلی امتیازات اور وطنی بندشوں سے آزاد ہے اسی لیے آپ کہتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی [۱۳۳]

۸ جنوری ۱۹۳۸ء کو مولوی حسین احمد مدنی نے دہلی کے ایک جلسہ میں اپنی تقریر میں کہا کہ ''موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں اور یہ کہ انگلستان میں بسنے والے سب ایک قوم سمجھے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں عیسائی بھی، پروٹسٹنٹ بھی اور کیتھولک بھی۔''

علامہ اقبال کو پتہ چلا تو بہت صدمہ ہوا اور اسی پس منظر میں حسب ذیل تین اشعار کہے: [۱۳۴]

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر زمقام محمد عربی است

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است [۱۳۵]

اس کے بعد بھی مولانا حسین احمد مدنی اپنی بات پر اڑے رہے [۱۳۶] اور وضاحت کے لیے ایک خط اخبار ''انصاری'' میں شائع کرایا۔ وہاں یہ موقف اختیار کیا کہ انہوں نے کہا تھا ''موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ انہوں نے ہرگز نہیں کہا تھا کہ مذہب وملت کا دارومدار وطنیت پر ہے۔ یوں ''قوم'' اور

Marfat.com

''ملت'' کی لفظی بحث میں الجھ کر رہ گئے اور یہ ظاہر کرنا چاہا کہ ''قوم تو وطن سے ہی بنتی ہے البتہ ملت وطن سے نہیں بنتی لہٰذا ان کا فرمان کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں' قابل اعتراض نہ تھا۔''[۱۳۷]

اس کے جواب میں اقبالؒ نے اپنا یادگار مضمون۔

''جغرافیائی حدود اور مسلمان'' تحریر فرمایا جو ۹ مارچ ۱۹۳۸ء کو اخبار ''احسان'' میں شائع ہوا۔[۱۳۸]

اس میں آپ نے واضح کیا کہ لفظ ''ملت'' میں نے قوم کے معنوں میں استعمال کیا ہے:

سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است

چہ بے خبر زمقام محمد عربی است

"In my verse I have used the word millat in the sense of "qaum" (nation)."[۱۳۹]

حسین احمد مدنی کے تصور وطنیت پر اعتراض کی گنجائش اسلئے پیدا ہوئی کہ انہوں نے کہا زمانہ حال میں اقوام کی تشکیل اوطان سے ہوتی ہے:

Objection must however be raised when it is contended that in modern times nations are formed by lands and the Indian Muslims are advised to accept this view.[۱۴۰]

اقبال نے اس نظریہ پر تنقید کی کیونکہ اس سے فرنگی نظریہ سامنے آتا ہے اور اس کا ایک اہم پہلو دینی ہے لہٰذا اس کی تردید ضروری ہے۔

Such advice brings before our minds the western modern conception of nationalism, to one aspect of which it is absolutely essential for a Muslim to take exception.[۱۴۱]

یہی وہ اسلامی قومیت کا تصور ہے جس کی بنیاد پر ہندوستان میں بسنے والے لوگ مذہبی بنیادوں پر الگ قومیں شمار ہوئے۔ ہندو اور مسلم متحدہ قومیت کا شیشہ چکنا چور ہو گیا ورنہ ہندو تو اپنی چالاکی کے پیش نظر متحدہ قومیت کا نعرہ لگاتے رہے۔ ان کے ہاں قومیت یہی ہے کہ ہندوستان کے تمام باشندے باہم خلط ملط ہو جائیں کہ ان کے اندر کسی مخصوص ملت کا وجود باقی نہ رہے۔ اقبال کہتے ہیں:

The Hindu thinks that separate electorates are contrary to the spirit of true nationalism because he understands the word nation to mean a kind of universal amalgamation in which no communal entity ought to retain its private individuality.[۱۴۲]

آپ نے خطبہ الہ آباد میں واضح طور پر کہہ دیا کہ ہندو اور مسلم ایک قوم نہیں' الگ قومیں ہیں اور ہندوستان میں صرف ایک ہی قوم نہیں بستی بلکہ مختلف اقوام اور مختلف مذاہب ہیں۔

Such a state of things, however, does not exist nor is it desirable that it should exist. India is a land of racial and religious variety.[۱۴۳]

Marfat.com

آپ بھی پہلے متحدہ قومیت کے حامی تھے۔ سید محمد سعید الدین کے نام اپنے مکتوب محررہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۳ء میں لکھتے ہیں:

"ابتداء میں مَیں بھی قومیت پر اعتقاد رکھتا تھا اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کا خواب شاید سب سے پہلے میں نے دیکھا تھا لیکن تجربے اور خیالات کی وسعت نے میرے خیال میں تبدیلی پیدا کردی۔" [۱۴۴]

آپ نے متحدہ قومیت کے تصور پر ضرب کاری لگائی اور دوقومی نظریہ کا پرچار کیا' جداگانہ طرز انتخاب پر زور دیا اور مخلوط انتخاب کی مخالفت کی:

ممکن نہیں کہ ایک ہی بازار میں چلیں
ہم سکے اور دھات کے وہ اور دھات کے

مخلوط انتخاب سے ہے نا امید ہند
پابندیاں کے ووٹ بھی ہیں چھوت چھات کے [۱۴۵]

ڈائریکٹر "ہمدم" لکھنؤ کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ ابھی ایک عرصہ تک مسلمانان ہند کا مستقبل جداگانہ انتخاب سے وابستہ ہے۔ میرے نزدیک جداگانہ انتخاب قومیت کے مغربی تصور سے بھی (قومیت کا مغربی تخیل ایک روحانی بیماری ہے) متناقض نہیں۔" [۱۴۶]

قائداعظم محمد علی جناح کے نام اپنے مکتوب محررہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء میں آپ نے فرمایا:

"آل انڈیا مسلم کنونشن میں پوری قوت اور قطعی وضاحت کے ساتھ بیان کردیں کہ سیاسی مطمح نظر کی حیثیت سے مسلمانان ہند ملک میں جداگانہ سیاسی وجود رکھتے ہیں۔" [۱۴۷]

"پہلی جنگ عظیم کے بعد تقریباً ۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے ظلم و استبداد کے خلاف تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔" [۱۴۸] اقبال کو تحریک خلافت کے رہنماؤں سے اختلاف تھا جس کی وجہ مسئلہ خلافت پر ہندوؤں کے ساتھ مل کر عدم تعاون کی تحریک میں شرکت کرنا اور گاندھی کو اپنا امام اور پیشوا بنانا تھا۔ [۱۴۹]

ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

"انہیں (اقبال کو) خدشہ تھا کہ کہیں ایسے اشتراک اور مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر متحدہ قومیت کے داعی ان کی علیحدہ ملی حیثیت کو ختم نہ کردیں۔" [۱۵۰]

خان نیاز الدین کے نام اپنے مکتوب محررہ ۱۱ فروری ۱۹۲۰ء میں لکھتے ہیں:

"جس طرح یہ کمیٹی قائم کی گئی اور جو کچھ اس کے بعض ممبران کا مقصد تھا اس کے اعتبار سے تو اس کمیٹی کا وجود میری رائے میں مسلمانوں کے لیے خطرناک تھا۔" [۱۵۱]

Marfat.com

ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

''اقبال نے اصولی طور پر خلافت یا ترک موالات کی تحریکوں میں حصہ نہ لیا کیونکہ وہ مسلمانوں کا ہندوؤں کے ساتھ مل کر تحریک ترک موالات میں شامل ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے احتجاجی یا ایجی ٹیشن سیاست میں ملوث ہونے کے بھی خلاف تھے۔ علاوہ اس کے انہیں شبہ تھا کہ ان تحریکوں کے لیڈر گو مسلمان تھے لیکن درحقیقت مسلم قومیت کی بجائے قومیت متحدہ کے مبلغ اور ترجمان تھے۔''[۱۵۲]

سید سلیمان ندوی کے نام اپنے مکتوب محررہ ۱۸ مارچ ۱۹۲۸ء میں لکھتے ہیں:

''اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارہ نہیں ہوسکتا۔ افسوس اہل خلافت اپنی اصل راہ سے بہت دور جا پڑے۔ وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کرسکتا۔''[۱۵۳]

یہی وہ دو قومی نظریہ کا تصور ہے جس کی بنیاد پر اقبال نے لازم سمجھا کہ برصغیر میں اہل اسلام ایک الگ مملکت حاصل کریں تا کہ جذبہ حریت' مذہبی آزادی' نظام اخلاق کے قیام' مذہبی عقائد کی حفاظت' اسلامی قوت میں اضافہ جیسے مقاصد کا حصول ممکن ہو۔ اسلام کو بحیثیت ایک تمدنی قوت زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک مخصوص علاقے میں مرکزیت قائم ہو۔

The life of Islam as a cultural force in the country very largely depends on its centralisation in a specified torrritory.[۱۵۴]

خطبہ الہ آباد میں آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ پنجاب' صوبہ سرحد' سندھ اور بلوچستان کو ایک ریاست بنا دیا جائے جو اسلامی ریاست ہو:

I would like to see the Punjab North-West Frontier Province, Sind and Baluchistan amalgamated into a single state. Self-government within the British Empire or without the British Empire the formation of a consolidated North-West Indian Muslim state appears to me to be the final destiny of the Muslims at least of North-West India.[۱۵۵]

علامہ اقبال پہلے متحدہ قومیت کے حامی تھے۔ آپ خود لکھتے ہیں:

''ابتداء میں مَیں بھی قومیت پر اعتقاد رکھتا تھا اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کا خواب شاید میں نے دیکھا تھا لیکن تجربے اور خیالات کی وسعت نے میرے خیال میں تبدیلی کردی۔''[۱۵۶]

اقبال کے دور کی طرح برصغیر (پاک و ہند) میں جداگانہ تشخص کے خاتمے اور یک قومی نظریہ کے پرچار کی ایک کوشش بڑی شد و مد سے مغل بادشاہ اکبر کے دور میں ہوئی جب اکبر بادشاہ نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے

Marfat.com

اسلامی شعائر کے خاتمے کے لئے اقدامات کرنا شروع کر دیئے۔ اس دور میں شریعت کو بالائے طاق رکھ کر مشرکانہ رسوم اور بدعات کو عام کیا گیا۔ ذبیحہ گاؤ پر پابندی لگادی گئی' جزیہ ختم کر دیا گیا' خلاف شرع احکامات جاری کیے جانے لگے۔ بادشاہ کے لئے سجدہ تعظیمی لازمی قرار دیا گیا اور اہل اسلام کے جداگانہ تشخص کو ختم کرنے اور اسلامی تصور کو لوگوں کے قلوب و اذہان سے نکالنے کی غرض سے ''دین الہٰی'' کے نام سے ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی گئی تو اس وقت حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جوانمردی اور بلند ہمتی سے مقابلہ کیا اور اہل اسلام کو اس فتنہ سے بچانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی۔

علامہ اقبال نے آپؒ کو ''سرمایہ ملت کا نگہبان'' ''صاحب اسرار'' اور ''شیخ مجددؒ'' جیسے القابات سے یاد فرمایا۔ عین ممکن ہے کہ علامہ اقبال کے یک قومی نظریہ (متحدہ قومیت) کے خاتمہ کا باعث حضرت مجدد الف ثانیؒ کے افکار و نظریات کا مطالعہ ہو۔

ڈاکٹر مسعود احمد لکھتے ہیں:

''پاک و ہند کے عظیم مفکر اور شاعر علامہ اقبال نے (جو پہلے ایک قومی نظریہ کے مؤید تھے اور بعد میں اس کے مخالف ہو گئے تھے) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور فاضل بریلوی کے ''فتاویٰ رضویہ'' کا عمیق مطالعہ فرمایا تھا۔ اس لئے ظن غالب ہے کہ علامہ کے افکار و خیالات میں ان دونوں مآخذ نے ایک انقلاب پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔''[۱۵۷]

ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت اور دو قومی نظریہ کے پروان چڑھانے میں اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ اقبال کے افکار و نظریات کی روشنی میں اسلامی قومیت کے تصور کی وضاحت کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کے فرمودات و ارشادات سے چند پیراگراف نقل کیے جاتے ہیں تاکہ اکبری دور میں آپ کی اس ضمن میں خدمات سامنے آسکیں۔

اکبر کے دور میں کفار علانیہ طور پر اسلام پر اعتراضات کرتے۔ کفار کی مدح سرائی کی جاتی۔ اہل اسلام کو اسلامی احکام کے اجراء سے روک دیا گیا۔ احکام شرعیہ کے بجالانے پر ان کی مذمت کی جاتی۔ ان پر طعن و تشنیع کی جاتی۔

خان اعظم کے نام اپنے مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔

''مخبر صادق علیہ علیہ وعلیٰ الہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا فرمودہ است الا سلام بداء غریباً وسیحود کما بداء فطوبیٰ للغرباء

غربت اسلام تا مجدی رسیدہ است کہ کفار برملا طعن اسلام وذم مسلمانان می نمایند وبی تحاشی اجراء احکام کفر و مداحی اہل آں در کوچہ و بازار می کنند ومسلمانان از اجرائے احکام اسلام ممنوع اند و درایتان شرائع مذموم ومطعون ہیت

Marfat.com

پری نہفتہ و دیودر کرشمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبی است"[158]

اہل اسلام کے کافرانہ رسوم بجالانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

"مسلمانانے کہ باوجود ایمان رسوم اہل کفر بیمانیدو تعظیم ایشاں می کنند۔"[159]

ہندوؤں کی دیوالی کے ایام میں جاہل مسلمان خاص طور پر عورتیں کافروں کی رسوم بجالاتیں اور اسے عید بناتیں۔ کافروں کی طرح اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے گھروں میں تحفے تحائف بھیجتیں اور اپنے برتنوں پر کفار کی طرح اس موسم میں رنگ کرتیں۔ انہیں سرخ رنگ کے چاولوں سے بھر کر بھیجتیں اور ان دنوں میں خاص اعتبار اور اہتمام کرتیں۔

حضرت مجدد الف ثانی ایک خاتون کی طرف اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"درایام دوالی کفار جہلہ اہل اسلام علی الخصوص زنان ایشاں رسوم اہل کفررا بجاے آرندو عید خود میسازندو ہدایائے شبیہہ بہدایائے اہل کفر بخانہائے دختراں و خواہران دررنگ اہل شرک میفرستند وظرفہائے خودرادررنگ کفاردرآن موسم رنگ مے کنندو بہ برنج سرخ آنہارا پر کردہ میفرستند وآں موسم رااعتبار واعتنا میدہند۔"[160]

شیخ نظام تھانیسری کی طرف مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"مردم معتمد نقل کردہ اند کہ بعضی از خلفاء شمارا مریدان ایشاں سجدہ میکنند بزمین بوس ہم کفایت نمیکنند۔"[161]

(معتمد لوگوں نے بتایا ہے کہ تمہارے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں اور زمین بوسی پر اکتفا نہیں کرتے۔)

بعض ملحد اور بے دین جو اپنے تئیں شیخ طریقت بنے بیٹھے تھے ہندوؤں کے نظریہ تناسخ کے قائل ہو چکے تھے۔ ان کو ملحد اور بے دین جیسے الفاظ سے ذکر کرتے ہوئے حضرت مجددؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"بعضے از ملاحدہ کہ بباطل خودرا بہ مسند شیخی گرفتہ اند حکم بجواز تناسخ بیمانیند۔"[162]

یہ نظریہ تناسخ یا آواگون ہندوؤں کا تصور حیات ثانوی ہے۔ اسلام اس کا قائل نہیں۔ مرنے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں کسی دوسری صورت میں جنم لینا محال ہے۔ اسلامی تصور حیات بعد الممات کا تعلق اخروی زندگی سے ہے اور یہ آواگون نہیں۔ اقبال لکھتے ہیں:

It may, however, be noted here that this return to life after death is nothing in the sense of the cycles of births and rebirths as commonly understood.[163]

شہنشاہ اکبر کے بعد جہانگیر کے ابتدائی دور میں بھی یہی خرافات جاری تھیں۔ لالہ بیگ کے نام مکتوب میں

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

''غربت اسلام نزدیک بیک قرن است بر نہجے قرار یافتہ است کہ اہل کفر بمجرد اجرای احکام کفر برملا در بلاد اسلام راضی نمی شوند میخواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلیہ زائل گردند واثرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نشود و کار را تا بآن سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانی از شعار اسلام اظہار نماید بقتل میرسد۔ ذبح بقرہ در ہندوستان از اعظم شعار اسلام است۔ کفار بجزیہ دادن شاید راضی شوندا ما بذبح بقرہ ہرگز راضی نخواہند۔ در ابتداء پادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت و مسلمانان اعتبار پیدا کردند فبہا واگر عیاذاً باللہ سبحانہ در توقف افتاد کار بر مسلمانان بسیار مشکل خواہد شد۔ الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث۔ تا کدام صاحب دولت بایں سعادت مستعد گردد و کدام شاہباز باین دولت دست برد نماید ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔''[۱۶۴]

(اسلام کی غربت اور پستی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ بلاد اسلامیہ میں کفار صرف احکام کفر کے اجراء پر راضی نہیں ہوتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام مٹ جائیں اور مسلمانوں اور مسلمانی کا کوئی اثر باقی نہ رہے اور ان کی جرأت و بے باکی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائر اسلام کے اظہار کی دلیری کرتا ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے۔ ذبیحہ گاؤ جو ہندوستان میں اسلام کے اعظم شعائر میں سے ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ کفار شاید جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو جائیں مگر ذبح گائے پر کبھی راضی ہونے کو تیار نہیں۔ ابتدائے بادشاہت (جہانگیر) ہی میں اگر مسلمانی رواج پذیر ہوگئی اور مسلمانوں نے کچھ حیثیت پیدا کر لی تو فبہا اور اگر عیاذاً باللہ سبحانہ معاملہ سستی اور توقف میں پڑ گیا تو مسلمانوں پر سخت برے دن آ جائیں گے۔ الغیاث الغیاث۔ الغیاث دیکھئے کون صاحب قسمت اس دولت (ترویج شریعت) سے سرفراز ہوتا ہے اور کس شہباز کا ہاتھ اس دولت تک پہنچتا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور وہ بڑے فضل والا ہے۔)

حضرت مجددؒ نے اس پر آشوب دور میں اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی۔

اقبال نے اکبر الہ آبادی کے نام اپنے مکتوب محررہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''مجدد الف ثانی عالمگیر اور مولانا اسماعیل شہید نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی۔''[۱۶۵]

آپؒ نے اہل اسلام کے جداگانہ تشخص کی حفاظت کی۔ اکبر کے دین الٰہی کا علمی اور عملی طور پر رد فرمایا سجدہ تعظیمی اور مشرکانہ افعال کی مذمت کی خلاف شروع احکامات کیخلاف آواز بلند فرمائی۔ اہل کفر سے موالات اور دوستی کو خلاف ایمان قرار دیا۔ اسلامی شریعت سے وابستگی اور احکام اسلامیہ کی پیروی کرنے کی تلقین کی۔ یوں اسلامی قومیت

Marfat.com

کے تحفظ اور دوقومی نظریہ کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

حضرت شیخ فرید کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:

''نقد سعادت دارین وابستہ باتباع سید کونین است وبس علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰت افضلھا ومن التسلیمات اکملھا متابعتہ اوعلیہ الصلوٰۃ والسلام باتیان احکام اسلامیہ است ورفع رسوم کفریہ چہ اسلام وکفر ضد یک دیگر اند اثبات یکے موجب رفع دیگر است احتمال جمع شدن این دوضد محال است وعزت دادن یکے رامستلزم خواری دیگر است حق سبحانہ وتعالیٰ حبیب خود را علیہ الصلوۃ و التحیہ امر مے فرماید: یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم'' پس پیغمبر خود را کہ موصوف بخلق عظیم است بجہاد کفار وغلظت برایشاں امر فرمود۔''[166]

(دنیا وآخرت کی سعادت صرف سید کونین علیہ وعلی الہ من الصلوٰت وافضلھا ومن التسلیمات اکملھا کی اتباع سے وابستہ ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی متابعت احکام اسلامیہ کی بجا آوری اور کفریہ رسوم دور کرنے میں ہے کیونکہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک کا ثابت کرنا دوسرے کے اٹھانے کا موجب ہے ان دوضدوں کا جمع ہونا محال ہے حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ الصلوۃ والتحیہ کو فرماتا ہے ''اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔'' پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو جو خلق عظیم سے موصوف ہیں جہاد کفار اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا۔)

دشمنان دین (یعنی ہندوؤں) سے میل جول کی ممانعت کرتے ہوئے حضرۃ مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

''دررنگ سگان ایشان را دور باید داشت واگر غرضی از اغراض دنیاوی باایشاں مربوط باشد وبے ایشاں میسر نشود شیلوہ بی اعتبارے رامرعی داشتہ بقدر ضرورت باایشاں باید پرداخت وکمال اسلام آنست کہ ازان غرض دنیاوی نیز باید گذشت وباایشاں نباید پرداخت۔''[167]

(انہیں کتوں کی طرح دور رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی دنیوی غرض اور کام ان سے متعلق ہو اور ان کے سوا کسی سے حاصل نہ ہو سکے تو انہیں بے قدر جانتے ہوئے بقدر ضرورت ان سے معاملہ کرنا چاہیے اور کمال اسلام تو یہ ہے کہ دنیوی غرض کیلئے بھی ان سے رابطہ نہ کیا جائے اور ان سے میل جول نہ رکھا جائے۔)

چونکہ اسلام اور کفر میں معکوسی رشتہ پایا جاتا ہے اس لیے حضرۃ مجددؒ نے فرمایا:

''پس عزت اسلام درخواری کفر است کسیکہ اہل کفر راعزیز داشت اہل اسلام راخوار ساخت۔''[168]

(پس اسلام کی عزت' کفر اور اہل کفر کی خواری اور ذلت میں ہے۔ جس نے کفار کو عزت دی، اس نے اسلام کو ذلیل کیا۔)

Marfat.com

آپؒ نے کافروں سے ہر قسم کی موالات حرام قرار دی۔ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا گفتگو کرنا بھی ان کا اعزاز گردانتے ہوئے منع کر دیا:

''عزیز داشتن عبارت ازان نیست کہ البتہ ایشاں را تعظیم کنند و بالا نشانند در مجالس خود جا دادن و باایشان مصاحبت نمودن و ہمزبانی کردن باایشان داخل اعزاز است۔''[169]

(عزیز رکھنے یعنی موالات کا مطلب صرف یہی نہیں کہ ان کی خواہ مخواہ تعظیم ہی کی جائے اور انہیں اونچی جگہ بٹھایا جائے بلکہ انہیں اپنی مجالس میں جگہ دینا' ان کے ساتھ بیٹھنا' اٹھنا ان سے گفتگو کرنا بھی ان کے اعزاز میں شامل ہے۔)

اہل کفر' خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہیں لہٰذا ان سے موانست گناہ کبیرہ ہے۔

''پس اختلاط و موانست با این دشمنان خدا و رسول او از اعظم جنایات باشد۔''[170]

اسلامی قومیت کے تحفظ اور اہل اسلام کی انفرادیت برقرار رکھنے کے لیے لازم ہے کہ کافروں سے بغض و عناد رکھا جائے۔ یہی وہ اصول ہے جو اہل اسلام کے اہل کفر سے اختلاط میں رکاوٹ بنتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اسی اصول کو مسلمانوں کے قلوب واذہان پر محبت فرمانے کی غرض سے رقم طراز ہیں:

''علامت حصول دولت اسلام بغض است با اہل کفر و عناد است باایشاں حق سبحانہ وتعالیٰ درکلام مجید خود ایشاں را نجس فرمودہ و در جائے رجس فرمودہ۔ پس در نظر اہل اسلام میباید کہ اہل کفر نجس و پلید در آیند و چون چنیں بینند و دانند لاجرم از صحبت ایشاں پرہیز نمایند و در مجالست ایشان مستکرہ بوند چیزہا از ایشان پرسیدن و بمقتضائے حکم اینہا عمل کردن از کمال اعزاز این دشمنان است۔''[171]

(دولت اسلام کے حصول کی علامت اہل کفر کے ساتھ بغض وعناد رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں ان کو نجس اور ناپاک کہا ہے۔ پس اہل اسلام کی نظر میں بھی اہل کفر نجس اور پلید ہی ہونے چاہئیں اور جب ان کو اس طرح ذلیل وخوار دیکھیں اور جانیں گے تو ضرور ان کی صحبت سے پرہیز اور ان کی ہمنشینی کو برا تصور کریں گے۔ ان سے باتیں پوچھنا اور پھر ان کے مطابق عمل کرنا ان دشمنوں کا کمال اعزاز ہے جو سراسر منع ہے۔)

اس حکم کی مخالفت کر کے اگر کفار سے موالات اور دوستی رکھی جائے تو اہلِ اسلام کے لیے یہ بڑے نقصان کی بات ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

''اقل ضرر در مصاحبت و مخالطت این دشمنان آنست کہ قدرت اجراء احکام شرعی و رفع رسوم کفری زبون میگردد و حیای موانست مانع آں و آید و این ضرر بسیار عظیم است۔''[172]

Marfat.com

(ان دشمنوں کے ساتھ دوستی اورانس کا کم از کم نقصان یہ ہے کہ احکام شرعی کے اجراء کی قدرت اور کفر کے نشانات اٹھانے کی قوت مغلوب اور کمزور ہو جاتی ہے اور ان سے تعلق دوستی کا حیاء اس میں مانع ہو جاتا ہے اور یہ بہت بڑا ضرر و نقصان ہے۔)

اسلام اللہ تعالیٰ سے محبت سکھاتا ہے اور یہ محبت اس کے دشمنوں سے بیزاری کے بغیر قابل قبول نہیں:

''تولی بے تبری نیست ممکن۔'' [173]

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دوستی' اہل کفر سے بیزاری کے بغیر ناممکن ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

''محبت خدائے عزوجل و محبت رسول او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات بے دشمنی دشمنان ایشاں صورت نہ بندد۔'' [174]

یہی وہ تصور ہے جو مسلمانوں کو کافروں سے میل جول سے باز رکھتا ہے اور ان سے موالات کی ممانعت کرتا ہے۔ اہل کفر کی ذلت اور ان پر خوف طاری رکھنے کی غرض سے حربہ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مقصود اصلی از جزیہ گرفتن از ایشان خواری ایشان است و این خواری بحدیست کہ از ترس جزیہ جامئہ خوب نمیتوانند بود و ہمیشہ ترسان و لرزان میباشند از اخذ اموال۔'' [175]

اہل کفر کی یہ عادت رہی ہے کہ اہل اسلام کا تمسخر اڑاتے ہیں اور اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اگر غلبہ پالیں تو مسلمانوں کو ہلاک کر دیں یا کفر کی طرف زبردستی پھیرلیں۔ حضرت مجددؒ اسی بات کا ذکر کرتے ہوئے' اہل اسلام کو شرم دلاتے ہوئے کفار کی تذلیل پر آمادہ کرتے ہیں:

''کار ایں نابکاراں استہزا و سخریت است باسلام و اہل آن و منتظر ند اگر قابو بیابند دمار از اہل اسلام بر آرند باہمہ رابقتل برسانند یا بکفر باز گردانند پس اہل اسلام را ہم شرمے در کار است کہ الحیاء من الایمان و ننگ مسلمانی ضرور یست ہموارہ در مقام خواری اینہا باید بود۔'' [176]

کافروں سے مدد طلب کرنا گمراہی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

''ہمتے کہ کسے از ایشان طلبد و دعا کہ بتوسط ایشان خواہد چہ خواہد بود حق سبحانہ وتعالیٰ در کلام مجید خود میفرماید وما دعاء الکفرین الا فی ضلل۔'' [177]

خان اعظم کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''چوں حق سبحانہٗ ببرکت محبت شما با کابر ایں خوانوادہ بزرگ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سخن شما را تاثیری بخشیدہ است و عظمت مسلمانی شما در نظر اقران ظاہر گشتہ' سعی فرمایند کہ لااقل احکام کبیرہ اہل کفر کہ در اہل اسلام شیوعی پیدا کردہ اند منہدم و مندرس گردند و اہل اسلام از ان منکرات محفوظ مانند' جزاکم اللہ سبحانہ' عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔'' [178]

Marfat.com

(چونکہ آپ کی اس بزرگ خانوادہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سے محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی باتوں میں تاثیر رکھی ہے اور ہم عصر لوگوں میں آپ کی عظمت مسلمانی کو نمایاں فرمایا ہے لہٰذا آپ کوشش کریں کہ اہل کفر کی بڑی بڑی کافرانہ باتیں جو اہل اسلام میں پھیل چکی ہیں ویرانی کا شکار ہو جائیں اور مٹ جائیں اور اہل اسلام خلاف شرع امور سے محفوظ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔)

یہ ایک پیغمبرانہ مشن تھا' جو حضرت مجددؒ نے شروع کیا۔ آپ کا مقصود' اکبری دور میں اسلامی عقائد و نظریات پر پڑنے والے اثرات کو زائل کرنا تھا۔ تاکہ اسلام کو حقیقی اور اصلی روپ میں پیش کیا جاسکے اور ہندو اور مسلم کو عملی لحاظ سے ایک قوم ظاہر کرنے والی رسومات کا قلع قمع کیا جائے۔ یوں اہل اسلام کی انفرادیت نمایاں کر کے کفر سے ممتاز کیا جائے اور اہل اسلام کو بالا دستی اور فوقیت حاصل ہو۔

یہی وہ اسلامی تشخص کی حفاظت کے لیے کوششیں تھیں جن سے واقفیت پر اقبال نے متحدہ قومیت (ہندو مسلم اتحاد) کو چھوڑ کر دو قومی نظریہ اپنا لیا اور آپؒ کی کوششوں کو اسلامی سیرت کے احیاء کے لیے بارانِ رحمت قرار دیا۔

۴۔ عشق رسول ﷺ

عشق کے لغوی معنی ہیں کسی شئے کے ساتھ دل کا وابستہ ہو جانا۔ ''المنجد'' میں لکھا ہے:

''عشق عشقاً و معشقاہ: تعلق بہ قلبہ'' [۱۷۹]

چنانچہ ''عشق بالشئ'' کے معنی ہیں: لصق بہ [۱۸۰] (یعنی وہ اس کے ساتھ چمٹ گیا) عشق اور محبت باہم مترادف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں

ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومت عشق
سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں [۱۸۱]

البتہ اہل زبان نے اس میں فرق بیان کیا ہے۔ محبت جب شدت اور فریفتگی کی حد تک پہنچ جاتی ہے تو عشق کہلاتی ہے یوں والہانہ اور انتہائی درجہ کی محبت کا دوسرا نام عشق ہے وحید الزماں کیرانوی نے عشق کا معنی ''شدت محبت' فریفتگی'' بیان کیا ہے۔ [۱۸۲] ''المنجد'' میں لکھا ہے: ''العشق (مص): افراط الحب ویکون فی عفاف وفی دعارۃ [۱۸۳]

ابن منظور نے ''لسان العرب'' میں اسی مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا: ''العشق فرط الحب وقیل ہو عجب المحب بالمحبوب یکون فی عفاف الحب و دعارۃ'' [۱۸۴]

(عشق' محبت کی زیادتی کا نام ہے اور کہا گیا کہ یہ محبّ کا محبوب کے ساتھ والہانہ شغف ہے جو محبت کی پارسائی اور غیر پارسائی دونوں طرح ہو سکتا ہے)۔

احمد بن یحییٰ کے حوالہ سے ابن منظور نے لکھا ہے: ''سئل ابو العباس احمد بن یحییٰ عن الحب

Marfat.com

والعشق ایھما احمد؟فقال:الحب لان العشق فیہ افراط.''[185]

(احمد بن یحییٰ سے پوچھا گیا کہ محبت اور عشق میں سے کونسا زیادہ قابل ستائش ہے تو اس نے کہا کہ ''محبت'' کیونکہ عشق میں افراط ہے۔)

بقول ابن منظور: عاشق کو عاشق اس لیے کہتے ہیں کہ وہ شدت آرزو اور محبت سے دبلا پتلا ہوتا چلا جاتا ہے۔[186]

ڈاکٹر ابوسعید نورالدین: ''اسلامی تصوف اور اقبال'' میں لکھتے ہیں:

''محبت احوال سالک میں سے تیسرا حال ہے۔ عشق اسی کی شدید ترین صورت ہے۔ محبت جب درجہ کمال تک پہنچ جاتی ہے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔''[187]

پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی فرماتے ہیں:

''اگرچہ زبان وادب میں لفظ 'خلق' کی طرح لفظ 'عشق' بھی اچھے اور برے دونوں معنوں میں استعمال ہوسکتا ہے لیکن اکثر یہ دونوں الفاظ اچھے معنوں میں ہی استعمال ہوتے ہیں چنانچہ خلق کا مذموم پہلو بیان کرنے کے لئے اہل زبان سوء خلق یا خلق بد کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور عشق کا مذموم پہلو بیان کرنے کے لئے ہوس کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور لفظ عشق کامل وابستگی کے مثبت پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔''[188]

یوں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ جذبہ صادقہ ہے جس کی بنا پر انسان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے اتنا گہرا اور مضبوط قلبی تعلق رکھے کہ اپنے والدین' اولاد بلکہ اپنی جان سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزیز اور پیارا جانے۔ خالق کائنات کی پیدا کردہ تمام اشیاء اس (عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نگاہ میں حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں ہیچ اور کمتر ہوں۔ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی شدت اور گہرائی کی تلقین خود خالق کائنات جل وعلا نے کی۔ ارشاد خداوندی ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[189]

(اے محبوب فرمادیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا۔)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور پیروی کی جائے اور اتباع' اطاعت کی وہ صورت ہے کہ تعمیل ارشاد برضا ورغبت ہو اور اس رضا ورغبت کا حصول' محبوب سے کامل وابستگی اور والہانہ تعلق کے بغیر ممکن نہیں۔ یوں اطاعت جب محبت سے کی جائے تو اتباع کہلائے گی۔ اسی لیے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا: ''لایومن احد کم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔''[190]

Marfat.com

(تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہیں ہوگا یہاں تک کہ میں اسے اس کے والدین' اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا ہو جاؤں)۔

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں ؎

تا مرا افتاد بر رویت نظر
از اب وام گشتہ ئی محبوب تر [191]

(ترجمہ: حضور والا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): جب سے میری نظر حضور کے رخ انور پر پڑی ہے۔ آپ مجھے میرے ماں باپ سے زیادہ پیارے ہوگئے ہیں۔)

حیات انسانی کا مقصود خالق ارض وسما سے محبت ہے۔ یہی حقیقی محبت ہے۔
علامہ اقبال کے افکار ونظریات اسی حب حقیقی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ چنانچہ آپؒ کہتے ہیں:

از نگاہ عشق خارا شق شود
عشق حق آخر سرا پا حق شود [192]

(ترجمہ: عشق کی نگاہ میں وہ قوت ہے جو پتھر چیر ڈالتی ہے۔ حق کے ساتھ عشق آخر خود حق بن جاتا ہے۔)

لیکن یہ محبت حق بلا واسطہ ممکن نہیں۔ اس کا حصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم' آپ سے عشق ومحبت کے بغیر اپنی معراج تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس لئے مسلمان کے لئے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سرمایہ حیات ہے۔ آپؐ کی ذات بابرکات انسانیت کی معراج ہے اور ملت کا وجود اسی صورت میں برقرار اور قائم رہ سکتا ہے جب آپؐ سے وابستگی اور والہانہ عقیدت کے جذبات موجود ہوں۔
اقبال کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کی حد تک محبت تھی۔ آپ کا یہ عقیدہ اور نظریہ تھا کہ مسلمان کو حقیقی عزت اور آبرو اسی وقت میسر آسکتی ہے جب کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے۔ آپؒ کہتے ہیں:

در دل مسلم مقام مصطفٰے است
آبروی ماز نام مصطفٰی است [193]

(مسلمان کے دل میں قیام گاہ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضور ہی کے اسم گرامی سے ہماری عزت اور آبرو ہے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق دل کو قوت اور توانائی عطا کرتا ہے۔ ذرہ خاک کو آسمان مراتب کی بلندیوں تک لے جاتا ہے اور عشاق مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم بہترین اور پیارے لوگ ہیں:

ہست معشوقی نہان اندر دلت
چشم اگر دارے بیا بنمایمت

Marfat.com

عاشقان او زخوبان خوب تر
خوشتر و زیباتر و محبوب تر
دل زعشق او توانا مے شود
خاک ہمدوش ثریا می شود
خاک نجد از فیض او چالاک شد
آمد اندر وجد و برافلاک شد[194]

اسی تعلق اور وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا:

محمد عربی کا بروی ہر دوسراست
کسیکہ خاک درش نیست خاک برسر او[195]

(محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں کی عزت و آبرو ہیں۔ جو آپ کے دروازے کی خاک نہیں بنتا' اس کے سر پر خاک پڑے)۔

اقبال کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی دین ہے۔ آپ سے وابستگی کے بغیر سب بولہبی ہے:

بمصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بو لہبی است![196]

اقبال یہ بات واضح کرتے ہیں کہ حب رسول جزو ایمان ہے اور ابلیس کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اہل اسلام کے دل سے نکال دے' اپنے سیاسی فرزندوں کو پیغام دیتے ہوئے شیطان کہتا ہے:

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو[197]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور محبت کا اظہار مقصود ایمان ہے۔ آپؐ کی ذات سے انسان تو درکنار حیوانات و جمادات بھی الفت رکھتے ہیں۔

اہل اسلام کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرہون منت ہے۔ اقبال انہیں تصورات کو سامنے رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں یوں رطب اللسان ہیں:

شور عشقش درنے خاموش من
می تپد صدنغمہ در آغوش من
من چہ گویم از تولا یش کہ چیست
خشک چوبی در فراق او گریست

Marfat.com

ہست مسلم تجلے گاہ او
طورہا بالد زگرد راہ او

پیکرم را آفرید آئینہ اش
صبح من از آفتاب سینہ اش

در پید دمبدم آرام من
گرم تر از صبح محشر شام من[۱۹۸]

۱۔ میری بانسری اگرچہ خاموش ہے لیکن عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جوش وخروش اس میں بھرا ہوا ہے۔ میرے پہلو میں اسی عشق ومحبت کے سینکڑوں نغمے تڑپ رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جلد از جلد لوگوں کے کانوں تک پہنچ جائیں۔

۲۔ میں کیا کہوں کہ محبت کیا چیز ہے۔ میری گویائی کی طاقت اس کی حقیقی حیثیت بیان کرنے سے قاصر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر محبوب ہستی ہیں کہ خشک لکڑی پر آپ کی جدائی میں گریہ طاری ہو گیا۔

۳۔ مسلمان کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلیات کا کرشمہ ہے۔ آپ کی گرد راہ کو یہ مرتبہ حاصل ہے کہ اس سے کئی طور جلوہ افروز ہوتے ہیں۔

۴۔ ہمارا وجود، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینے سے نمایاں ہے اور آپ کے سینہ مبارک کے آفتاب چمکنے سے ہماری صبح نمودار ہوئی۔

۵۔ میرے آرام اور سکون کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ہر آن اور ہر لحہ تڑپتا ہوں۔ میری تڑپ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ میری شام قیامت کی صبح سے بھی زیادہ گرم ہے۔

عشق ومحبت کا یہ تقاضا ہے کہ محبوب کا ذکر کثرت سے کیا جائے۔ محبوب کی اداؤں کے مطابق عمل کیا جائے۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے۔ محبوب کی پسند کو اپنی پسند سمجھا جائے۔ اس کے دشمنوں سے دشمنی اس کے دوستوں سے دوستی، دید محبوب کا اشتیاق، اس کے مسکن سے محبت ہو اور محبوب کے مقام ومرتبہ کو ارفع واعلیٰ تصور کیا جائے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں انہیں باتوں کا ذکر کیا اور اقبال کے تصورات بھی اسی سے ملتے جلتے ہیں۔ حضرت مجددؒ کے نزدیک مقصود کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

''حقیقت محمدی علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام کہ حقیقۃ الحقائق واست آنچہ در آخر کار بعد از طی مراتب ظلال برین فقیر منکشف گشتہ است تعین وظہور حبی ست کہ مبدا ظہورات ومنشاء خلق مخلوقات ست...... اگر ایں حب نمے بود در ایجاد نمے کشود و عالم در عدم راسخ ومستقر میبو دسر. حدیث قدسی: لولاک لما خلقت الا فلاک را کہ درشان خاتم الرسول واقع است علیہ وعلیھم الصلوٰت والتسلیمات اینجا باید جست وحقیقت لولاک لما اظھرت الربوبیتہ را

درین مقام باید طلبید۔"[199]

اسی لولاک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں:

تیرے صد زبوں افرشتہ وحور
کہ شاہین شہ لولاک ہے تو[200]

"جواب شکوہ" کے ان اشعار میں بھی اسی بات کا اظہار ہے کہ تخلیق کائنات کا مقصود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ ہے۔

ہو نہ یہ پھول' تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو' تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے[201]

"باقیات اقبال" میں اس کا اظہار یوں ہوا:

گرچہ پوشیدہ رہا حسن تیرا پردوں میں
ہے عیاں معنی لولاک سے پایا تیرا[202]

حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی والہانہ محبت تھی۔ آپؒ کے مکتوبات کا ہر لفظ (پیارے محبوب) محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق میں ڈوبا ہوا ہے۔ شیخ فریدؒ کے نام اپنے ایک مکتوب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا سے متعلقہ چند احادیث ذکر کیں تو اسے اپنے لیے نجات اخروی کا ذریعہ قرار دیا۔ آپؒ کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کلام کی تزئین کا ذریعہ قرار دیا۔ آپؒ فرماتے ہیں:

> "آنکہ فقرہ چند بعبارت عربی ماثور در فضائل جد بزرگوار ایشاں کہ خیر العرب است بنویسد علیہ وعلیٰ الہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا وآں سعادت نامہ را وسیلہ اخوی خود سازد نہ آنکہ مداحی اوعلیہ الصلوۃ والحیہ نماید بلکہ مقولہ خود بآں ستاید شعر:
>
> ما ان مدحت محمدا بمقالتی
> لکن مدحت مقالتی بمحمد[203]

(یہ کہ احادیث اور کتب سیرت میں سے چند عربی فقرے آپ کے جدامجد' خیر العرب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل ومناقب میں لکھتے ہیں اور اس سعادت نامہ کو اپنی نجات اخروی کا وسیلہ بناتے ہوئے یہ مقصد نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح وثنا کرے بلکہ اپنے کلام کو آپ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر شریف سے مزین اور آراستہ کرنے کی غرض سے

ترجمہ شعر: میں اپنے کلام سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح وثنا نہیں کرتا بلکہ اپنے کلام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر سے آراستہ کرتا ہوں۔)

اقبال نے عزت وآبرو کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک قرار دیتے ہوئے فرمایا:

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروی ما ز نام مصطفیٰ است (ﷺ)[۲۰۴]

اقبال کے ہاں زمین وآسمان کو مقام ومرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدولت نصیب ہوا اور ساری کائنات کا رتبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اونچا ہوا اور خواب حیات کی تعبیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ ہے۔

ای ظہور تو شباب زندگی
جلوہ ات تعبیر خواب زندگی[۲۰۵]

(حضور والا: آپ کا ظہور زندگی کا عہد شباب تھا اور آپ کا جلوہ زندگی کے خواب کی تعبیر تھا) صلی اللہ علیہ وسلم۔

ای زمین از بارگاہت ارجمند
آسمان از بوسہ بامت بلند[۲۰۶]

(حضور والا: ہماری زمین نے صرف اس وجہ سے اونچا درجہ پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے شرف پایا۔ آسمانِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب بام کو چومنے کی بدولت سر بلند ہوا)

از تو بالا پایہ این کائنات
فقر تو سرمایہ این کائنات[۲۰۷]

(اس کائنات کا رتبہ صرف آپ کی بدولت اونچا ہوا اور اس کا سرمایہ آپ کا فقر ہے)

حضرت مجدد الف ثانی نے روضۂ مقدسہ کو کعبہ معظمہ کے علاوہ تمام روئے زمین سے افضل قرار دیا۔ یونہی مدینہ منورہ کو بھی۔ میر نعمان کی طرف اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:

''خیر البقاع کعبہ معظمہ است بعد از روضہ مقدسہ مدینہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والتحیہ بعد ازاں زمین حرم مکہ حرسھا اللہ تعالیٰ عن الافات۔ اگر علماء روضہ متبرکہ را از مکہ معظمہ بہتر گفتہ باشند مراد از مکہ معظمہ سوائے زمین کعبہ مقدسہ داشتہ باشند۔''[۲۰۸]

اقبال نے شہر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں جہاں سے حسین قرار دیا۔

خاک یثرب از دو عالم خوش تر است
ای خنک شہری کہ آنجا دلبر است[۲۰۹]

Marfat.com

(میرے لیے یثرب کی زمین دونوں جہانوں سے زیادہ پیاری ہے۔ وہ شہر کتنا روح افزا اور دل میں جاودانی ٹھنڈک پیدا کرنے والا ہے، جہاں ہمارا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم قیام پذیر ہے۔)

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کثرت سے کیا جائے۔ حدیث پاک میں ہے: "من احب شیأء اکثر من ذکرہ" [۱۰] (جو شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے تو کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے)۔

اقبال نے نظم اور نثر کے مختلف مقامات پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک کیا ہے اور دوسروں کو ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنانے کا درس دیتے ہوئے فرمایا:

بہ مشتاقان حدیث خواجہ بدروحنین آور
تصرف ہائے پنہانش بچشم آشکار آمد [۱۱]

"مثنوی پس چہ باید کرد" میں بعنوان "در حضور رسالت مآب" دس اشعار بیان کیے جن میں اپنی فریاد، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کے ذکر کو روحانیت کا منبع ہونا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا:

ذکر تو سرمایہ ذوق و سرور
قوم را دارد بہ فقر اندر غیور [۱۲]

حکیم محمد حسن قرشی لکھتے ہیں:

"ایک رات میں ان (اقبال) کی خدمت میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ذکر شروع ہوگیا، تکلیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ نے اس کی پیروی کی بے حد تاکید فرمائی۔ ثابت کیا کہ آپ کا پیکر اطہر مجسم اسلام ہے۔" [۱۳]

علامہ اقبال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت وابستگی تھی۔ مولانا الطاف حسین حالی کی "مسدس" اکثر سنا کرتے تھے۔ مرزا جلال الدین لکھتے ہیں:

"میں وہ بند جو "وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا" سے شروع ہوتے ہیں یا جو مسدس حالی کے آخر میں ہیں۔ انہیں بطور خاص مرغوب تھے۔ ان کو سنتے ہی ان کا دل بھر آتا اور وہ اکثر بے اختیار رو پڑتے۔ اسی طرح اگر کوئی عمدہ نعت سنائی جاتی تو ان کی آنکھیں ضرور پرنم ہو جاتیں۔" [۱۴]

حضرت مجدد الف ثانی اپنے مکاتیب قدسیہ میں جابجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتے ہیں۔ آپ کے فضائل کا بیان، مقام نبوت، حقیقت محمدی، سنت مطہرہ، اطاعت نبوی، درود شریف غرض مختلف پہلوؤں سے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرماتے ہیں [۱۵] اور اسے اپنے مضامین ومکتوبات کی زینت کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔

ما ان مدحت محمدا ابمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد [۱۶]

Marfat.com

حضرت مجددؒ کے اکثر مکاتیب کا آغاز رب العلمین کی حمد وثناء کے بعد محمد مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کی تعریف و توصیف اور سلام سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ''مبدأ و معاد'' میں بھی اپنی بات کا اختتام اکثر درود وسلام پر کرتے ہیں۔[217]

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی تقاضا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام اس طرح کیا جائے کہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہو۔ آپ کا نام مبارک کمال تعظیم وتکریم اور صلوٰۃ وسلام کے ساتھ لیا جائے اور نام پاک لیتے وقت عجز وانکسار اور خشوع وخضوع کا اظہار کیا جائے: ''لاتجعلوا دعآء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً''۔[218] (تم آپ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نہ بلاؤ جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو) یہ ادب و احترام محبت کا قرینہ ہے۔ بقول اقبال ؒ:

آدب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں[219]

آپ کی بارگاہ میں بلند آواز سے گفتگو کرنا حبط اعمال کا باعث ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

یایھا الذین امنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھر واله ' بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون[220]

(اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو اور ان سے اونچی آواز میں بات نہ کرو اس طرح کہ جیسے تم میں سے بعض بعض کے ساتھ کرتے ہیں۔ کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں حالانکہ تمہیں خبر تک نہ ہو)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ ایسی ادب گاہ ہے کہ عرش سے بھی نازک تر ہے۔ اس درگاہ میں بڑے بڑے بلند پایہ بزرگ بھی دم سادھے ہوئے آتے ہیں۔

اقبال نے ''ارمغان حجاز'' میں حضور رسالت کے زیر عنوان کچھ اشعار لکھتے ہیں وہاں ''عزت بخاری'' کا یہ شعر درج کیا ہے:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید بایزید اینجا[221]

حضرت مجدد الف ثانیؒ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ادب واحترام کرتے' آپ کے قلب میں تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ بے پایاں موجود تھا۔ آپ فرماتے:

محمد عربی کابروی ہر دوسراست
کسیکہ خاک درش نیست خاک برسراو[222]

خواجہ محمد سعید اور خواجہ علیہما الرحمتہ کی طرف اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:

''مجوبان کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رابشر گفتند ودر رنگ سائر بشر تصور نمودند ناچار منکر آمدند وصاحب دولتان کہ اورا علیہ الصلوٰۃ والسلام بعنوان رسالت ورحمت عالمیان دانستند واز سائر ناس ممتاز دیدند بدولت ایمان مشرف گشتند واز اہل نجات آمدند۔''[223]

Marfat.com

(ترجمہ: جن محجوبوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا بالآخر منکر ہو گئے اور جن سعادتمندوں نے ان کو رسالت اور رحمت عالمیان کے طور پر دیکھا' دیگر تمام لوگوں سے ممتاز اور سرفراز سمجھا وہ ایمان کی سعادت سے مشرف ہو گئے اور نجات پانے والوں میں شامل ہو گئے۔)

اقبال کی حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض جاری و ساری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور زندوں کی طرح فیض رساں ہیں۔ خان نیاز الدین خاں کے نام اپنے مکتوب میں۔ لکھتے ہیں:

''میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں۔''[۲۲۴]

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ بھی پوری امت مسلمہ کی طرح یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان میں شامل ہیں) اپنی قبروں میں زندہ ہیں: شیخ بدیع الدین سہارنپوری کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''الا نبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشند وحضرۃ پیغامبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گذشتند دیدند کہ در قبر نماز میگذ ارد وہ ہمان لحظہ چون بآسمان رسیدند حضرت کلیم را آنجا یافتند۔ معاملہ این موطن عجائب و غرائب دارد۔''[۲۲۵]

حضرت مجددؒ کے عقیدہ کے مطابق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک فیضاں رساں ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''ایک دن یہ خوف غالب ہوا کہ مبادا ان کشفوں پر مواخذہ کریں اور ان وہمی باتوں کی نسبت پوچھیں۔ اس خوف کے غلبہ نے بڑا بیقرار اور بے آرام کیا اور بارگاہ الٰہی میں بڑی التجا اور زاری کا باعث ہوا۔ یہ حالب بہت مدت تک رہی۔ اتفاقاً اسی حالت میں ایک بزرگ کے مزار پر گزر ہوا اور اس معاملہ میں اس عزیز کو اپنا مددگار بنایا۔ اسی اثناء میں خداوند تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوئی اور معاملہ کی حقیقت کما حقہٗ ظاہر کر دی گئی اور حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمت عالمیاں ہیں' ان کی روح نے حضور فرمایا اور غمناک دل کو تسلی دی۔''[۲۲۶]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمالات نبوت کے بلند ترین مقام پر ہیں۔ آپ کے لئے اختصاص نبوت تخلیق آدم

Marfat.com

سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ امام ترمذیؒ روایت فرماتے ہیں:

"عن ابی هریرة قال قالوا یارسول الله صلی الله علیه وسلم متی وجبت لک النبوة؟قال: وآدم بین الروح والجسد"[۲۲۷]

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے نبوت کب واجب ہوئی ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھا۔)

حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"ونبوتے کہ پیش از خلق حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام آں سرور را حاصل بودہ وازاں مرتبہ خبر دادہ وگفتہ: کنت نبیاً و آدم بین الم آ والطین ۔ باعتبار حقیقت احمدی بودہ است کہ بعالم امر تعلق دارد۔"[۲۲۸]

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں:

یعنی آن شمع شبستان وجود
بود در دنیا و از دنیا نبود
جلوہ ی او قدسیاں راسینہ سوز
بود اندر آب و گل آدم ہنوز[۲۲۹]

دوسرے شعر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت اول یعنی نورانیہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اسی نورانی تخلیق اول کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"باید دانست کہ خلق محمدی در رنگ خلق سائر افراد انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افراد عالم مناسبت ندارد کہ او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشاء عنصری از نور حق جل وعلا مخلوق گشتہ است کما قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام: خلقت من نور اللہ و دیگران را ایں دولت میسر نشدہ است۔"[۲۳۰]

اسی نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں:

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آن کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنور مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است[۲۳۱]

حضرت مجددؒ اور اقبال ہر دو ہستیوں کا مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ مراتب میں بیان کرنے کا مقصود

Marfat.com

صرف یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کی حد تک والہانہ محبت اور تعلق قلبی قائم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کے مطابق خوشدلی سے زندگی ڈھالی جا سکے کیونکہ محبت کا ایک یہ بھی تقاضا ہے کہ محبوب کی عادات واطوار اپنائے جائیں اور اس کی اداؤں کے مطابق اپنی ادا بنالی جائے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

"کل مایفعله المحبوب محبوب "[۲۳۲]

(یعنی محبوب جو کچھ بھی کرتا ہے وہ محبوب اور پسندیدہ ہوتا ہے)

حضرت مجدد الف ثانی، شیخ فرید کی طرف اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"فعليكم باتباعه واطاعته في او امره ونو اهيه
وکمال متابعت فرع کمال محبت با آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام
مصرع "ان المحب لمن هواه مطيع. "[۲۳۳]

(پس تم پر اوامر ونواہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت لازمی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت آپ کے ساتھ کمال محبت کی فرع ہے۔)

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت انسان کائنات میں محبوب بن جاتا ہے۔
اقبال کہتا ہے:

در جہاں زی چون رسول (ﷺ) انس وجان
تاچواو باشی قبول انس و جان[۲۳۴]

(دنیا میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی بسر کرتا کہ تو بھی ان کی مانند انس وجن کا محبوب بن جائے)۔

میرزا داراب کی طرف اپنے مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ بیان کرتے ہیں کہ اخروی فلاح کا حصول متابعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہی حق تعالیٰ کا محبوب بنا جا سکتا ہے اور کمال مراتب اور مقام محبوبیت کے اوپر کا مقام یعنی مقام عبدیت بھی اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملتا ہے۔ امت مسلمہ کی باقی امتوں پر برتری کی وجہ یہی متابعت ہے، بعد ازاں شریعت کی پیروی کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فعلكيم بمتابعته والتزام سنته وايتان شريعته عليه وعلىٰ جميع اخوانه من الصلوات افضلها ومن التسليمات اكملها[۲۳۴]

حضرت مجددؒ نے شیخ فرید کی طرف اپنے مکتوب میں فرمایا:

"قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ من يطع الرسول فقد اطاع الله ۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اطاعت

Marfat.com

رسول راعین اطاعت خود فرمود پس اطاعت خدائے عزوجل کہ در غیر اطاعت رسول باشد اطاعت او نیست سبحانہ، واز برای تاکید و تحقیق این معنی کلمہ قد آورد تا بوالہوسی درمیان این دو اطاعت جدائی پیدا نکند و یکی را بر دیگری نگزیند۔"[۲۳۶]

آپ نے شریعت اسلامیہ کو علم، عمل اور اخلاص کا مرکب قرار دیا اور تمام دینی و دنیاوی سعادتوں کا ضامن گردانا۔ حاجی محمد لاہوریؒ کی طرف اپنے مکتوب میں فرمایا:

"شریعت راسہ جزو است علم و عمل و اخلاص تا ایں سہ جزو متحقق نشوند شریعت متحقق نشود و چوں شریعت متحقق شد رضائے حق سبحانہ و تعالیٰ حاصل گشت کہ فوق جمیع سعادات دنیویہ و اخرویہ است ورضوان اللہ من اللہ اکبر۔"[۲۳۷]

خواجہ محمد عبداللہ کی طرف مکتوب میں اتباع سنت کو نجات کا ذریعہ قرار دیا۔ آپؒ نے فرمایا: "اتباع سنت البتہ منجی ست و مثمر خیرات و برکات و در تقلید غیر سنت خطر در خطر ست۔"[۲۳۸]

میر محب اللہ کی طرف مکتوب میں دینی احکام کے التزام اور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی تلقین کی اور بدعۃ ضلالہ سے اجتناب کا درس دیتے ہوئے فرمایا:

"النصيحة هى الدين ومتابعة سيد المرسلين عليه وعلىٰ اله وعليهم الصلوٰة والسلام واتيان السنة السنية والا جتناب عن البدعة غير المرضية"[۲۳۹]

شریعت مطہرہ کی مخالفت کو بے دینی اور الحاد قرار دیا:

"كل حقيقة ردته الشريعة فهو زندقة"[۲۴۰]

"خواجہ جہاں" کی طرف مکتوب میں کمالات کا حصول متابعت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستہ قرار دیا:

"منوط "بمتابعة سيد المرسلين عليه وعلىٰ آله من الصلوٰة افضلها ومن التسليمات اكملها"[۲۴۱]

شیخ درویش کی طرف صادر مکتوب میں فرمایا:

"پس در متابعت او علیہ الصلوۃ والسلام کوشیدن منجر بمقام محبوبیت آمد فعلیٰ كل عاقل ذى لب السعى لكمال اتباع حبيبه عليه الصلوٰة والسلام ظاهراً اوباطناً۔"[۲۴۲]

حضرت مجددؒ اتباع سنت کے کس قدر گرویدہ تھے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"ہم ماہ رمضان کے عشرہ اخیرہ کے اعتکاف کے لئے بیٹھے۔ دوستوں کو جمع کر کے ہم نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے سوا کوئی دوسری نیت نہ کریں۔ کیونکہ ہمارا اعتکاف

Marfat.com

اور انقطاع کیا ہوسکتا ہے۔ ہمیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیروی حاصل ہوجائے تو ہم سو گرفتاریاں قبول کرنے کو تیار ہیں لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے وسیلے کے بغیر ہمیں ہزار تبتل اور انقطاع قبول نہیں۔"[۲۴۳]

بعدازاں یہ شعر نقل کیا:

آنرا کہ درسرائے نگاریست فارغ است
از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار[۲۴۴]

(ترجمہ: موجود جس کے گھر میں ہو محبوب گلزار
حاجت نہیں ہے کچھ اسے باغ و بہار کی)

پھر آپؒ اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت کے حصول کی دعا فرماتے ہیں:

"رزقنا اللہ سبحانہ کمال متابعته و علیٰ علیه الصلوٰت والتسلیمات اتمھاو اکملھا۔"[۲۴۵]

اقبالؒ حضور نبی کریم ﷺ کے عشق و محبت میں اس قدر مستغرق تھے کہ ملی وجود کے۔ لئے رسالت سے بہتر کوئی چیز آپ کو نظر نہ آئی۔ آپ فرماتے ہیں۔

از رسالت درجہاں تکوین ما
از رسالت دین ما، آئین ما[۲۴۶]

شریعت کی تعلیمات پر عمل پیرا رہنے کی تلقین کی اور شریعت کی پابندی کو احسن تقویم کا مصداق قرار دیا۔

از شریعت احسن التقویم شو
وارث ایمان ابراہیم شو[۲۴۷]

آپ نے واضح کیا کہ شریعت مطہرہ کے نور سے تمام تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔

شرح برخیزد زاعماق حیات
روشن از نورش ظلام کائنات[۲۴۸]

اقبال کے ہاں نبوت کا سب سے بڑا کام تکمیل اخلاق ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

علماء کا فرض ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق ہمارے سامنے پیش کیا کریں تا کہ ہماری زندگی حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کی تقلید سے خوشگوار ہو جائے اور اتباع سنت زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں تک جاری و ساری ہو جائے۔[۲۴۹]

آپ کے ہاں رمز بقا محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع اور پیروی میں مضمر ہے۔

تا شعار مصطفیٰ از دست رفت
قوم را رمز بقا از دست رفت[۲۵۰]

Marfat.com

(جب سے مسلمانوں نے اپنے نبی کا طریقہ چھوڑا۔ رمز بقا سے وہ نا آشنا ہو گئے)۔

اتباع سنت مصطفیٰ ﷺ ہی فوز و فلاح کا راستہ ہے۔

کشودم پردہ را از روی تقدیر
مشو نومید و راہ مصطفیٰ گیر[۲۵۱]

ترجمہ: میں نے تقدیر کے چہرے سے پردہ ہٹا دیا۔ تُو رحمت الٰہی سے نامید نہ ہو اور اتباع رسول اللہ ﷺ کو اپنا شعار بنا لے۔

اگر باور نداری آنچہ گفتم
ز دین بگریز و مرگ کافری میر[۲۵۲]

ترجمہ: اگر میری بات پر تجھے یقین نہیں آتا تو پھر دین سے بیگانگی اختیار کر لے اور نتیجتاً کافر کی موت مر جا۔

"رموز بے خودی" میں اتباع شریعت پر ہی اٹھارواں باب تحریر کیا۔ اس میں بیالیس اشعار ہیں جن میں سنت کی پیروی کی اہمیت اجاگر کی گئی۔ تیسرے شعر میں سنت کی اصل محبت قرار دی۔

علم حق غیر از شریعت ہیچ نیست
اصل سنت جز محبت ہیچ نیست[۲۵۳]

سیرت و اخلاق مصطفیٰ ﷺ سے مزین ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا

غنچہ ئی از شاخسار مصطفیٰ
گل شو از باد بہار مصطفیٰ

از بہارش رنگ و بو باید گرفت
بہرہ ئی از خلق او باید گرفت[۲۵۴]

تو رسول اللہ ﷺ کی شاخ کا غنچہ ہے۔ حضور ﷺ ہی کی نسیم بہار سے شگفتہ ہو کر پھول بن جا۔ تجھے حضور ﷺ کی نسیم بہار سے رنگ و بو حاصل کرنا چاہیے یعنی حضور کے خلق سے حصہ لینا چاہیے۔

حضرت مجددؒ کی طرح اقبال کو بھی حضور سرور کونین ﷺ سے والہانہ عقیدت و محبت تھی اور ایسی سچی محبت کہ وہ پوری زندگی میں حضور ﷺ کے اطوار کو جاری رکھنا چاہتے تھے۔ زمانہ میں اسم محمد ﷺ سے اجالا اور روشنی کی کرنیں بکھرتی ہوئی دیکھنا پسند کرتے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے[۲۵۵]

Marfat.com

پھر عشق و محبت کی انتہائیں کرتے ہیں۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یاسیں، وہی طاہا [256]

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا [257]

۵۔ اعلائے کلمۃ الحق

اعلاء کے لغوی معنی ''بلند کرنا'' اور ''غالب کرنا'' ہیں۔ کلمۃ الحق حق اور سچ کی بات کو کہتے ہیں۔ اصطلاحاً دین اسلام کی تعلیمات یعنی اللہ رب العزت کے احکامات اور فرامین ارشادات رسول اللہ ﷺ کو ''کلمۃ الحق'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایمان فروشوں، جاہ پرستوں اور فرعونی و طاغوتی طاقتوں کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دین حق کی تعلیمات کا پرچار کرنا اعلائے کلمۃ الحق کہلاتا ہے۔ انبیائے کرام کی آمد کا حقیقی مقصد بھی اعلائے کلمۃ الحق رہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون. [258]

(وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے، اگرچہ مشرک برا مانیں)

پھر اسلامی تعلیمات میں جہاد کا مقصود بھی کلمۃ الحق کی بلندی ہی قرار دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ ط وکلمۃ اللہ ھی العلیا [259]

(پس اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور اس کی مدد ان فوجوں سے کی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈالی اور اللہ کا کلمہ ہی بلند و بالا ہے)

امام بخاری اپنی ''صحیح'' میں حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ کوئی مال غنیمت کے لئے لڑتا ہے، کوئی اپنی ناموری کے لئے، کوئی اپنی جوانمردی دکھانے کے لئے، پس ان میں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا کون ہے؟ ارشاد فرمایا: من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ [260]

یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہ ہے جو کلمہ حق کی سربلندی کے لئے لڑتا ہے۔

یوں مقصود جہاد، اعلائے کلمۃ الحق ہوا۔ میدان جنگ میں لڑنا تو جہاد اصغر ہے اور احیائے دین کی خاطر اپنی زندگی وقف کر دینا جہاد اکبر ہے۔ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا افضل ترین جہاد شمار ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: افضل الجھاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر۔ [261]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ کون سا جہاد بہترین ہے تو اس پر آپ ﷺ

Marfat.com

نے جواب دیا: کلمتہ حق عند ذی سلطان جائر [۲۶۲] یعنی جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا۔
تعلیمات قرآن وسنت کا نفاذ اور احکامات خداوندی پر سر تسلیم خم کرنا مسلمانوں کا انفرادی اور اجتماعی فریضہ ہے۔ اس لئے پوری تاریخ اسلام میں ان لوگوں کے نام چوٹی کے رہنماؤں اور بہترین لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جنہوں نے اس فریضہ کی سرانجام دہی میں اپنی زندگی وقف کر دی۔ حضرت مجدد الف ثانی اور اقبال ہر دو ہستیوں نے اپنی زندگی کا حقیقی مقصد "اعلائے کلمتہ الحق" بنالیا۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں' لا الہ الا اللہ [۲۶۳]

سید سلیمان ندوی کے نام اپنے مکتوب محررہ ۲۰ اگست ۱۹۳۵ء میں لکھتے ہیں:

"میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا۔ اس واسطے میرا کوئی رقیب نہیں اور نہ میں کسی کو اپنا رقیب تصور کرتا ہوں' فن شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی' ہاں بعض مقاصد خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لئے اس ملک کے حالات و روایات کی رو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کرلیا ہے۔" [۲۶۴]

وہ خاص مقاصد اعلائے کلمہ حق کے لئے جدوجہد کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ اعلائے کلمہ حق کے لئے دن رات جدوجہد کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اعلائے کلمہ حق کے لئے دن رات جدوجہد کی اور دین حق کا کام وسیع پیمانے پر شروع فرمایا۔ اس مقصد کے لئے اپنے مکتوبات قدسیہ کے ذریعے نامور لوگوں سے رابطہ فرمایا اور دین کی اہمیت اجاگر کی۔ بادشاہ کے امراء کو حلقہ ارادت میں داخل کیا تاکہ وہ بادشاہ کے مزاج میں دین اسلام کے مزاج کے مطابق انقلاب پیدا کرنے کا کام سرانجام دے سکیں۔ آپ کے مشن سے جاہل صوفیاء کی قدر کم ہونے لگی اور روافض کے عقائد ونظریات کو ٹھیس پہنچی تو آپ کے خلاف جھوٹے الزام لگائے گئے جس کے نتیجے میں آپ کو جہانگیر کے دربار میں بلایا گیا۔ آپ نے نہایت معقول جواب دیئے جس پر جہانگیر خاموش ہو گیا۔ آپ نے شاہی آداب یعنی سجدہ تعظیمی پر عمل نہ کیا اور جہانگیر کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ [۲۶۵]
اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار [۲۶۶]

حضرت مجددؒ کے سجدہ نہ کرنے پر جہانگیر غضبناک ہوا۔ شاہجہاں حضرت مجدد کا معتقد تھا۔ وہ یہ خطرناک صورتحال بھانپ کر آپ سے التجا کرنے لگا کہ علماء نے سلاطین کے لئے سجدہ تعظیمی جائز قرار دیا ہے۔ اگر آپ بادشاہ کو سجدہ کرلیں تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا تو اس پر آپؒ نے جواب دیا۔

Marfat.com

''یہ فتویٰ تو رخصت ہے۔ عزیمت یہ ہے کہ غیرحق کے سامنے سجدہ نہ کیا جائے۔''[۲۶۷]

اقبال کہتے ہیں۔

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی[۲۶۸]۔

ظالم اور فاسق کے سامنے ڈٹے رہنا شیوہ حسینی رضی اللہ عنہ ہے اور حریت اسلامیہ کی روشن مثال ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے یزید کے احکامات کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ کلمہ حق کا پرچم بلند فرما کر دین اسلام کا بول بالا فرما دیا۔ اسی کلمہ اعلائے حق کے علمبردار اقبال بھی ہیں۔ آپ نے حضرت امام حسینؓ کو خراج عقیدت پیش کیا۔ واقعہ کربلا کو حریت اسلامیہ اور شوکت وسطوت امت مسلمہ کی عظیم داستان کے طور پر بیان کیا[۲۶۹] اور فرمایا

ماسوی اللہ را مسلمان بندہ نیست
پیش فرعونی سرش افگندہ نیست

خون او تفسیر ایں اسرار کرد
ملت خوابیدہ رابیدار کرد[۲۷۰]

(ترجمہ: مسلمان، خدا کے سوا کسی کا غلام نہیں ہو سکتا۔ اس کا سر کسی فرعون کے آگے نہیں جھک سکتا۔ امام حسینؓ کے خون نے دین حق یعنی اسلام کا یہ راز کھول کر بیان کر دیا اور سوئی ہوئی ملت کو جگا دیا یعنی اس حق سے غافل ملت کو بیدار کر دیا)۔

اقبال حق گوئی کو پسند کرتے ہیں اور امر حق کے اخفاء کو عظیم گناہ قرار دیتے ہیں۔ مولانا غلام قادر گرامی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''تعجب ہے آپ نے میرے عذرات سے یہ سمجھا کہ میں حق گوئی سے پہلوتہی کرتا ہوں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ جو کچھ مجھے معلوم ہے مجھے اس کے کہنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا اور حق امر کے اخفا کو میں گناہ عظیم جانتا ہوں۔[۲۷۱]

حضرت مجددؒ کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا مگر وہاں بھی آپؒ نے احیائے دین اور اعلائے کلمہ حق کی تحریک جاری رکھی۔ یوں وہ قید خانہ بھی تجدید سنت کا گہوارہ بن گیا اور آپؒ وہاں بھی اطمینان سے شکر الٰہی ادا کرتے رہے۔ آپ خود میر نعمان کے نام اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''الحمدللہ الذی عافانی فی عین البلاء واکرمنی فی نفس الجفاء و احسن بی فی حالۃ العناء ووفقنی علی الشکر فی السراء و الضراء وجعلنی من متابعی الانبیاء ومن مقتفی اثار الاولیاء ومن محبی العلماء والصلحاء۔ صلوات اللہ سبحانہ و تسلیماتہ علی الانبیاء وعلیٰ مصدقیھم ثانیاً۔''[۲۷۲]

(تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے عین بلا میں عافیت بخشی اور جفا کی حالت میں کرم نوازی فرمائی۔ حالت محن میں

Marfat.com

مجھ پر احسان فرمایا اور خوشی اور تکلیف میں شکر کی توفیق بخشی اور مجھے انبیاء کی تابعداری کرنے والوں' اولیاء کے آثار کا پیچھا کرنے والوں اور علماء و صلحا سے محبت رکھنے والوں سے بنایا)۔

حضرت مجددؒ نے اعلائے کلمہ حق کا فریضہ ایسے مشکل اور کٹھن حالات میں سرانجام دیا جب برصغیر کے مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ اسلامی شعائر ذبیحہ گاؤ پر پابندی' جزیہ سے انکار اور احکام کفر کا اجراء عام تھا۔ آپؒ لالہ بیگ کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''غربت اسلام نزدیک بیک قرن است برنہجے قرار یافتہ است کہ اہل کفر بمجرد اجرای احکام کفر برملا در بلاد اسلام راضی نمی شوند میخواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلیۃ زائل گردند واثرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نشود و کار را تا بآن سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانی از شعار اسلام اظہار نماید بقتل میرسد۔ ذبح بقرہ در ہندوستان از اعظم شعار اسلام است۔ کفار بجزیہ دادن شاید راضی شوند اما بذبح بقرہ ہرگز راضی نخواہند۔''[۲۷۳]

بلدہ سامانہ کے خطیب نے عید قربان کے خطبہ میں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر ترک کر دیا اور جب کچھ لوگوں نے اس سے وجہ دریافت کی تو نسیان کا عذر کرنے کی بجائے سرکشی پر اتر آیا اور کہنے لگا کہ کیا ہوگیا ہے اگر خلفائے راشدین کے نام خطبہ میں نہیں لئے۔ شہر کے اکابرین اور باشندگان نے اس پر سختی نہ کی اور اس معاملہ میں سستی دکھائی تو حضرت مجددؒ نے انہیں خط لکھا اور تنبیہ فرمائی اور واضح کیا کہ اگرچہ خلفائے راشدین کا نام شرائط خطبہ سے نہیں لیکن اہلسنت کے شعار میں سے ہے لہٰذا ان کے ذکر مبارک کو صرف وہی ترک کرے گا۔ قصداً اور سرکشی کے ساتھ' جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہو۔ آپؒ قصبہ سامانہ کے سادات کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذی اصطفیٰ۔ باعث تصدیع خدام ذوی الاحترام سادات عظام وقضاۃ واہالی وموالی کرام بلدہ سامانہ آنکہ شنید شد کہ خطیب آں مقام در خطبہ عید قربان ذکر خلفاء راشدین را (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ترک کردہ واسامی متبرکہ ایشان رانخواندہ ونیز شنیدہ شد کہ چون جمعے بادتعرض نمودند سہو ونسیان خود اعتذار ناکردہ بتمرد پیش آمدہ وگفتہ کہ چہ شد اگر اسامی خلفاء راشدین مذکور نشدہ ونیز شنیدہ کہ اکابر واہالی آں مقام درین باب مساہلہ ورزیدند وبشدت وغلظت باآں خطیب بے انصاف پیش نیامدند وائے نہ یکبار کہ صد بار وائے۔ ذکر خلفاء راشدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) اگرچہ از شرائط خطبہ نیست ولیکن از شعائر اہل سنۃ است۔ شکر اللہ تعالیٰ سعیھم ترک نہ لحند آنرا بعمد وتمرد مگر کسیکہ دلش مریض است خبیث وباطن۔''[۲۷۴]

مکتوب کے آخر میں انہیں تنبیہ کی کہ یہ غفلت بدعقیدہ لوگوں کو دلیر کرنے والی بات ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔

''دریں طور واقعات تغافل ورزیدن مبتدعان را دلیر ساختن است درخنہ در دین کردن از مساہلات است۔''[۲۷۵]

Marfat.com

اقبال نے بھی تاریک دور میں اسلام کی اشاعت کی تلقین کی۔ ''تذکار اقبال'' میں لکھا ہے:

''اس تاریک زمانے میں حضور رسالت مآب (ﷺ) کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ اپنی دولت وعظمت کو حقائق اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کیا جائے۔''[۷۶]

حضرت مجددؒ نے علماء کی دو اقسام (۱) علمائے حق (۲) علمائے سوء بیان کیں۔

علمائے حق کا مقصود آخرت ہے اور وہ شریعت کی تعبیر وہی کرتے ہیں جو خالق کائنات کا مقصود ہے جبکہ علمائے سوء مسائل کی تشریح میں اپنی مرضی کرتے ہیں اور ان کا مقصود فقط ذلیل اور رذیل دنیا ہے۔ اس کے مادی فوائد ہیں۔ چنانچہ شیخ فرید کی جانب اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''سابق ترین دولت مدد ہا تبین مسائل شرعیہ است و اظہار عقائد کلامیہ برطبق کتاب وسنت و اجماع امت تا مبتدی وضالی درمیان آمده از راه نبرد و کار بفساد نہ انجامد۔ ایں اقسام امداد مخصوص بعلماء اہل حق است کہ رو بآخرت دارند۔ علماء دنیا کہ ہمت ایشاں دنیاوی دنیہ است صحبت ایشاں زہر قاتل است و فساد ایشاں فساد متعدی

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔''[۷۷]

آپ نے بے عمل علماء کو بھی علمائے سوء کے درجے میں رکھا کہ لوگ ان کے علم سے استفادہ کرتے ہیں جبکہ وہ خود فقدان عمل کے سبب بے نصیب رہتے ہیں اور ان کا علم انہیں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ حضرت مجددؒ نے ان کی مثال پتھر سے دی اور فرمایا:

''در رنگ سنگ پارس اند کہ ازمس وآہن ہرچہ باو رسد زر گردد و اوفی حد ذاتہ برحجر خود است و ہم چنیں آتشی کہ در سنگ نے مودع است۔ عالم را از ان آتش حصول منافع است اما آن سنگ و نے ازاں آتش درونی بے نصیب اند بلکہ گوئیم کہ ایں علم در حق ذوات ایشاں مضر آمد کہ حجت را برایشان تمام ساخت۔

ان اشد الناس عذاباً یوم القیامة عالم لم ینفعه الله بعلمه.''[۷۸]

پھر اسی مکتوب میں آپؒ لکھتے ہیں کہ اکابرین میں سے کسی نے دیکھا کہ ابلیس لعین فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور دلوں کو بہکانے سے بے فکر ہے۔ اس بزرگ نے اس لعین سے اس کا راز دریافت کیا تو شیطان نے جواب دیا۔

''علماء سوء ایں وقت درین کار بامن خود مدد عظیم کردند و مرا ازیں مبہم فارغ ساختند۔''[۷۹]

آپؒ نے جاہل صوفیاء کو بھی علماء سوء میں داخل فرمایا۔

''واکثر جہلائے صوفی نمائے این زمانہ حکم علماء سوء دارند۔ فساد اینہا نیز فساد متعدی است۔''[۸۰]

اعلائے کلمہ حق کے لئے تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دینا آپ کے نزدیک اہم فریضہ ہے۔ اس سے روگردانی کرنے والے کا کوئی عذر قیامت کو قبول نہ کیا جائے گا۔ شیخ فرید بخاری کی طرف اپنے مکتوب میں فرمایا۔

''اگر فی الجملہ گنجایش وقت یا بند بعضے از علماء اہل اسلام را اعلام بخشند کہ آمدہ بر شناعت رسوم اہل کفر اعلام نمایند کہ از برائے تبلیغ احکام شرعی اظہار خوارق و کرامات ہیچ در کار نیست۔ در قیامت عذر نخواہد شنید کہ بے تصرف تبلیغ احکام شرعی نکرد۔''[281]

شیخ فرید بخاری کی جانب اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ خلوت و جلوت میں جو بھی موقع دستیاب ہو بادشاہ کی قربت کا فائدہ اٹھا کر اسے نفاذ شریعت کی طرف راغب کیا جائے۔

''جوں استطاعت و قرب بادشاہ بروجہ اتم ایشاں را حق سبحانہ وتعالیٰ میسر ساختہ است در خلا و ملا در ترویج شریعت محمدی علیہ وعلیٰ الہ من التصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کوشند و مسلمانان از غربت برآرند۔''[282]

حضرت مجددؒ نے یہ اعلائے کلمہ حق ہر مسلمان پر لازم قرار دیا کہ بادشاہ وقت کو ان بدکیش کافروں کی رسموں کی خرابیوں سے آگاہ کریں تاکہ اسے ان رسوم کے مٹانے پر آمادہ کیا جاسکے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''بر مسلمانان لازم است کہ بادشاہ اسلام را از زشتی رسوم آں بدکیشاں اعلام بخشند و در رفع آن کوشند۔''[283]

مبلغ کو چاہئے کہ اس کا مقصود فقط اعلائے کلمہ حق ہو۔ اس کی غایت صرف کلمہ حق ہو۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص کتنا مرد میدان اور صاحب دولت ہے جو دنیوی شان و شوکت، نوکروں، چاکروں اور ان لذیذ و چرب کھانوں اور لباسہائے فاخرہ امیرانہ کے باوجود کلمہ حق قبول کر لینے والے کانوں سے سنتا ہے اور تبلیغ کرنے والے کا کتنا بڑا مقام ہوگا جو صرف ابلاغ کی غرض پیش نظر رکھتا ہے۔

من آنچہ شرط بلاغست باتو میگوئیم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال[284]

(شرط تبلیغ کے تحت جو کچھ میرے ذمے تھا وہ میں نے تجھے کہہ دیا ہے۔ آگے میری باتوں سے تجھے چاہے نصیحت حاصل ہو جائے یا رنج و ملال ہو۔)

اقبال کے ہاں نہ صرف تبلیغ بلکہ مسلمان کی زندگی کا مقصد ہی اعلائے کلمہ حق ہے۔ ''مثنوی اسرار خودی'' میں سولھواں باب اسی عنوان پر مبنی ہے یعنی

''در بیان اینکہ مقصد حیات مسلم اعلائے کلمۃ اللہ وجہاد۔''[285]

مسلمان کے ہر عمل کا مقصد قرب الٰہی کا حصول ہونا چاہیے اور اگر یہ مقصود نہ ہو تو بظاہر اچھا کام بھی برائی بن

Marfat.com

جائے گا۔ جہاد کا مقصد بھی اعلائے کلمہ حق ہونا چاہیے۔ اقبال کہتے ہیں ۔

قرب حق از ہر عمل مقصود را
تاز تو گردد جلالش آشکار

صلح شر گردد چو مقصود است غیر
گر خدا باشد غرض جنگ است خیر

گرنگردد حق ز تیغ مابلند
جنگ باشد قوم رانارجمند[286]

اعلائے کلمہ حق کی خاطر اس قدر دل جمعی، لگن اور محبت سے کام کرنا چاہیے کہ لوگ دیوانہ سمجھنے لگیں۔ اس دیوانہ وار اور ابلاغ حق کے بغیر مقصد کا حصول مشکل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ خان اعظم کو تلقین کرتے ہیں کہ تبلیغ دین میں کمربستہ ہو جاؤ۔ یہ قولی جہاد، جہاد اکبر ہے۔ بوجہ قربت شاہ، آپ کو یہ چیز میسر ہے لہٰذا اسے غنیمت جانیں۔ یہ دیوانگی جس کا مبنی اسلامی غیرت ہے، آپ کی طبیعت میں موجود ہے اور ہم آپ کے وجود شریف کو غنیمت جانتے ہیں۔[287] درحقیقت یہی تقاضائے ایمان ہے۔ حضرت مجددؒ یہ روایت نقل فرماتے ہیں۔

لن یومن احد کم حتیٰ یقال انه مجنون[288]
(تم میں سے ہرگز کوئی ایمان والا نہیں ہوگا جب تک اسے دیوانہ نہ کہا جائے۔)

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں ۔

امتاں را زندگی جذب درون
کم نظر این جذب را گوید جنون

ہیچ قومی زیر چرخ لاجورد
بی جنون ذو فنون کاری نکرد[289]

(ترجمہ: جذب دروں ہی سے قوموں کی زندگی ہے مگر کم نظر اس جذب کو جنون کہتے ہیں۔ کوئی قوم اس نیلے آسمان کے نیچے جنون ذوفنون کے بغیر عظیم کارنامہ سرانجام نہیں دے سکی)۔

حضرت مجددؒ اعلائے کلمہ حق کے لئے علمائے حق سے خدمات لینے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں کیونکہ یہ علماء ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر فقط رضائے الٰہی کے لئے دینی فرائض سرانجام دینا باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ آپ علیہ الرحمتہ نے سنا کہ بادشاہ نے دین دار فطرت کے باعث چار علماء اپنے دربار میں رکھنے کے احکامات جاری کئے ہیں تاکہ احکام شرعیہ بیان کرتے رہیں تو آپ علیہ الرحمتہ کو بہت خوشی ہوئی اور اسے اہل اسلام کے لئے خوشخبری گردانا۔ شیخ فرید کی طرف مکتوب میں فرمایا:

"شنیدہ شد کہ بادشاہ اسلام از حسن نشا مسلمانی کہ در نہاد خود دارند باپشاں فرمودہ اند کہ چہار کس

Marfat.com

از علماء دیندار پیدا کنند کہ ملازم باشند و بیان مسائل شرعیہ میکردہ باشند تا خلاف شرع امری واقع نشود والحمدللہ سبحانہ علیٰ ذالک مسلمانان را بہ ازین چہ بشارت۔"[290]

ڈاکٹر اقبال، اعلائے کلمہ حق کی خاطر ایک مرکز تبلیغ کی بناڈالنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں اور اسے مختلف مقامات پر مبلغین بھیجنے سے بہتر قرار دیتے ہیں۔ مصطفیٰ مراغی کی طرف اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"معلوم ہوا تھا کہ جامع ازہر اپنے خرچ پر ہندوستان میں چند مبلغین مختلف مقامات میں بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں آپ سے درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ ایک مرکز اسلامی جیسا کہ میں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے۔ مقصد تبلیغ کے لئے مختلف مبلغین بھیجنے سے زیادہ اولیٰ و اقرب ہے۔ مجھے توقع ہے کہ دین حق کا نور اس مرکز سے ہندوستان کے تمام اطراف و اکناف میں پھیلے گا اور اگر آپ میرے ساتھ اس لائحہ عمل پر اتفاق کریں تو آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔"[291]

اگر کلمہ حق کے اعلاء کے لئے ہجرت کرنا پڑ جائے تو حضرت مجددؒ اسے بہت بڑے درجات کا باعث قرار دیتے ہیں۔ آپ علیہ الرحمہ واضح کرتے ہیں کہ اصحاب کہف کو فقط اس لئے درجات ملے کہ انہوں نے دشمنان حق کے ہاں سے ہجرت کر لی۔ شیخ فرید کے نام اپنے مکتوب میں فرمایا:

"اصحاب کہف ایں ہمہ درجات کہ یافتند بواسطہ یک حسنہ است و آن ہجرت بود از دشمنان حق سبحانہ تعالیٰ بنور یقین ایمانی۔"[292]

خان اعظم کی طرف تحریر فرمایا:

"از اصحاب کہف غیر از ہجرت عملی دیگر نمایاں نیست کہ ایں ہم اعتبار پیدا کردہ است"[293]

یوں ہجرت اعلائے کلمہ حق کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس کی بدولت ملت اسلامیہ کو استحکام ملتا ہے۔ اس بات کا اظہار اقبال نے یوں کیا۔

ہجرت آئین حیات مسلم است
این ز اسباب ثبات مسلم است[294]

اقبال نے اپنے دور میں لادینی وطنی سیاست کو دیکھا تو اس کے خلاف قلمی معرکہ آرائی کا کام کیا تاکہ تجدید اسلام کا زندگی افروز مشن پایہ تکمیل تک پہنچے۔ ۸ جنوری ۱۹۳۸ء کو مولوی حسین احمد مدنی نے دہلی کے ایک جلسہ میں اپنی تقریر میں کہا کہ موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں اور یہ کہ انگلستان میں بسنے والے سب ایک قوم سمجھے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں، عیسائی بھی، پروٹسٹنٹ بھی اور کیتھولک بھی۔[295]

اقبال کو پتہ چلا تو بہت صدمہ ہوا اور اسی پس منظر میں یہ اشعار صادر فرمائے۔

Marfat.com

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
دیوبند حسین احمد ایں چہ بو العجبی است
سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر زمقام محمد عربی است
بمصطفی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بو لہبی است[۲۹۶]

اعلائے کلمہ حق کے لئے لازم ہے کہ مبلغ خود شریعت اسلامیہ کا پیرو ہو اور سنت محمدی سے وابستہ ہو کیونکہ اتباع سنت ہی باعث فلاح ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب بنام خواجہ محمد عبداللہ میں لکھتے ہیں:

''صوفیہ وقت نیز اگر برسر انصاف بیایند وضعف اسلام وافشائے کذب راملاحظہ کنند باید کرد کہ در ماورائے سنت تقلید پیران خود نکنند وامور مخترعہ را بہانہ عمل شیوخ دیدن خود نگیرند اتباع سنت البتہ منجی ست ومثمر خیرات وبرکات ودر تقلید غیر سنت خطر در خطر است۔''[۲۹۷]

اقبال بھی اپنے دور کے رہنماؤں اور پیروں کو اصلاح احوال اور اعلائے کلمہ حق کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نکل کر خانقاوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقیر خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری[۲۹۸]

اور علماء اور واعظین کو ان کی بے عملی پر یوں تنبیہ کرتے ہیں۔

میں نے اے میر سپاہ تیری سپاہ دیکھی ہے
قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ! اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہہ
وحدت افکار کی ہے وحدت کردار ہے خام[۲۹۹]

اعلائے کلمہ حق کے لئے قوت شمشیر کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا خالد جانباز ہے یا حیدر کرار[۳۰۰]

آپ فرماتے ہیں۔

''قرآن میں مسلمانوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اشاعت حق کے پیچھے شمشیر کی حمایت ہونی چاہیے اس لئے کہ بغیر طاقت کے امرونہی کیسے ممکن ہوسکتی ہے اور مسلمان اگر امرونہی کے فرائض انجام دینا چاہتے ہیں تو ان کے ہاتھ میں تلوار کا ہونا بھی ضروری ہے۔''[۳۰۱]

حضرت مجددؒ بھی اعلائے کلمۃ الحق کے لئے قوت کی اہمیت کے پیش نظر شیخ فرید بخاری کی طرف اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ بادشاہ کی قربت کا فائدہ اٹھا کر اسے نفاذ شریعت کی طرف راغب کریں کیونکہ وہ بوجہ قوت ایسا کر سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''چوں استطاعت وقرب بادشاہ بروجہ اِتم ایشان راحق سبحانہ وتعالیٰ میسر ساختہ است درخلا وملا در ترویج شریعت محمدی افضلہا ومن التسلیمات واکملہا کوشند و مسلمانان را از غربت برآرند۔'' [302]

یوں ہر دو بزرگوں میں اعلائے کلمہ حق کے سلسلے میں فکری ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

۶۔ نظریہ اجتہاد

جب زمان ومکاں میں تبدیلی، تہذیب وتمدن میں تغیر، آلات واوزار کی ہیئت میں جدت کے سبب انسانوں کے طبائع، ان کے افکار اور نقطہ ہائے نگاہ بدلنے لگتے ہیں تو انسانی زندگی نت نئے مسائل سے دوچار ہوتی ہے جن کو عقلی طور پر حل کرنا انسانوں کے بس میں نہیں رہتا تو ایسے مسائل کے حل کے لئے کسی خارجی رہنمائی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

خالق کائنات نے ابتدائے آفرینش سے ہی انسانوں کی رہنمائی کے لئے آسمانی کتب اور صحائف کی صورت میں اصول وضوابط مہیا فرما دیئے اور انسانوں کی عملی تعلیم وتربیت کے لئے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ اس سلسلہ نبوت کی انتہا حتمی مرتبت، سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہوئی۔

''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً'' کا نزول ہوا۔ [303]

قرآن مجید مکمل ہوگیا شارح قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرح وبست کے ساتھ علمی وعملی رہنمائی فرما دی۔ یوں قرآن وسنت کے اصول وکلیات کی صورت میں قانون کا ناقابل تغیر دائرہ وضع کر دیا گیا۔ مثلاً وراثت، وصیت، طلاق اور نکاح وغیرہ کے احکامات کہ ان کی موجودگی میں اس ضمن میں مزید قانون سازی کی گنجائش ہی نہیں البتہ بعض معاشرتی تبدیلیوں کے سبب عملدرآمد کے اسلوب وانداز بدلے جا سکتے ہیں۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اقبال کہتے ہیں۔

''ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اپنے مقدس دنوں کے مراسم پر غور کریں اور جو تبدیلیاں افکار کے تغیرات سے ہونی لازم ہیں ان کو مدنظر رکھیں۔'' [304]

شارح اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تو من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا [305] فرما کر نئے تحسنات کی طرف اشارہ کر دیا۔ نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے ایک الگ دائرہ وضع فرما دیا کہ قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کر لیا جائے۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو آپ ﷺ اور حضرت معاذؓ کے مابین ہونے والا مکالمہ بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔

Marfat.com

"ان رسول الله ﷺ بعث معاذا الیٰ الیمن فقال کیف تقضی؟ فقال اقضی بما فی کتب الله ' قال' فان لم یکن فی کتب الله ؟ قال فبسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فان لم یکن فی سنة رسول الله ﷺ ؟ قال اجتهد رائی' قال الحمد لله الذی وفق رسول الله " [۳۰۶]

(ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا' تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ تو آپ نے عرض کیا جیسا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے اس کے مطابق فیصلہ دوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ تو آپؓ نے عرض کیا میں اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ کے رسول ﷺ کی سنت میں بھی نہ پاؤ؟ اس پر حضرت معاذؓ نے عرض کیا۔ تو (ایسی صورت میں) اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر نبی پاک ﷺ نے (خوشی سے) فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لئے ہر ستائش ہے جس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو یہ توفیق دی)۔

اقبال نے اپنی کتاب The Reconstruction of Religious Thought in Islam میں اجتہاد کی اہمیت کے سلسلے میں یہ حدیث بیان کی۔ [۳۰۷]

لغوی اعتبار سے اجتہاد کے معنی ہیں "کوشش کرنا' محنت کرنا' طاقت لگانا۔" [۳۰۸]

اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ کسی نئی صورت حال میں اسلامی تعلیمات کے مطابق فیصلہ دیا جائے۔

اقبال فرماتے ہیں۔

" The word literally means to exent. In the terminology of Islamic Law it means to exist with a view to form an independent judgment on a legal question." [۳۰۹]

(لغوی اعتبار سے تو اجتہاد کے معنی کوشش کرنا' لیکن اسلامی قانون کی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے وہ کوشش کرنا جو کسی قانونی مسئلہ میں آزادانہ رائے قائم کرنے کے لئے کی جائے)۔

اہل اصول کے ہاں لفظ اجتہادُ فقہ پر بولا جاتا ہے' الشیخ محمد الفاضل بن عاشور فرماتے ہیں۔

" قد استقر اصطلاح اصولیین علی ان الفقه هو الاجتهاد۔" [۳۱۰]

امام غزالیؒ کے نزدیک فقہ' فہم اور ادراک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ آپؒ نے ہر دو الفاظ کو مترادف قرار دیتے ہوئے فرمایا:

" ان الفقه والفهم فی اللغة اسمان بمعنی واحد " [۳۱۱]

امام آمدی کے الفاظ میں

" الاجتهاد استفراغ الوسع فی طلب الظن بشی من الاحکام الشرعیّة علیٰ وجهه یحس من النفس العجز عن المزید فیه " [۳۱۲]

ترجمہ: شرعی احکام میں کسی مسئلہ پر یقینی علم کے حصول کے لئے اتنا غور وفکر کرنا کہ مزید کوشش کے لئے انسان خود کو عاجز پائے' اجتہاد کہلاتا ہے۔

Marfat.com

''المنجد'' میں لکھا ہے:

''اجتهد فی الامر: جد و بذل وسعه'' [۳۱۳]

فقہ اور اجتہاد قریب المعنی ہیں۔ اجتہاد اس عملی ارتقا کا نام ہے جو فقہ کے باب میں جلوہ گر ہو۔ یوں قرآن و سنت کی روشنی میں نئے مسائل کا حل تلاش کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ اسی بناء پر اسلام بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دے سکتا ہے اور ہر علاقے اور ہر زمانے کے لئے کفایت کرنے والا عالمگیر دین ہے۔ اسی اہمیت اجتہاد کے پیش نظر اقبال نے اسے ہیئت اسلامی میں اصول حرکت سے تعبیر کیا۔ چونکہ عملی طور پر فقہ کے ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند نظر آتا ہے اور یہ صورتحال اسلام کے حرکی تصور حیات کی نفی کرتی ہے لہٰذا اقبال نے اس کا نوٹس لیا اور جدید دور میں ہونے والے اجتہاد کا جائزہ لیا۔ مختلف اجتہادی کوششوں کو احاطہ تحریر میں لاکر ان میں گہری دلچسپی لی۔ اسلامی فقہ کی تدوین نو کی خواہش کا اظہار کیا تاکہ معاشی و معاشرتی مسائل جدیدہ کا عملی حل پیش کیا جاسکے۔

ڈاکٹر محمد اقبال کے مجموعہ خطابات

"The Reconstruction of Religious Thought in Islam" [۳۱۴]

میں چھٹا خطبہ اسی موضوع پر ہے۔ اس کا نام ہے۔

"The Principle of Movement in the Structure of Islam" [۳۱۵]

اس کا لفظی ترجمہ یوں ہے

''اسلام کی ترکیب میں حرکت کا اصول۔'' [۳۱۶]

سید نذیر نیازی نے علامہ اقبال کی تجویز پر [۳۱۷] ان کے مذکورہ مجموعہ خطابات کا اردو ترجمہ کیا تو اس چھٹے خطبہ کو ''الاجتہاد فی الاسلام'' کا نام دیا۔ [۳۱۸]

اس خطبہ میں اقبال نے اسلام کے حرکی نظریہ حیات اور تصور توحید، اجتہاد کی ضرورت و اہمیت، ترک اجتہاد کے اسباب، سعودی عرب اور ترکی میں اجتہادی کوششوں، اسلامی فقہ کی خصوصیات، شریعت اسلامیہ کے چاروں مآخذ (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) اور اسلامی تعلیمات کی آفاقیت پر روشنی ڈال کر اجتہاد سے اپنی دلچسپی کا ایک بڑا ثبوت مہیا کر دیا۔ دینی و مذہبی نقطہ نظر سے اجتہاد کی اہمیت اس چیز سے مزید اجاگر ہوتی ہے کہ اجتہاد میں خطا پر بھی اجر ہے جبکہ صواب پر اجر دوگنا ہو جاتا ہے۔

سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

'' اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد ثم اخطا فله اجر '' [۳۱۹]

(جب حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح فیصلہ کردے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے)۔

Marfat.com

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

”خطائے کشفی حکم خطائے اجتہادی دارد کہ ملامت و عتاب ازان مرفوع است بلکہ یک درجہ از درجات ثواب درحق او متحقق است۔“ [۳۲۰]

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

”بر مجتہد چہ اعتراض است کہ خطائے اورانیز یک درجہ ثوابست۔“ [۳۲۱]

اسلامی قانون' شریعت' آئین اور اجتہاد کے مآخذ بالعموم چار ہی تصور کئے جاتے ہیں۔ اقبال نے اپنے خطبہ The Principle of Movement in the Structure of Islam میں یہی چار مآخذ بیان کئے ہیں۔ [۳۲۲]

وہ قرآن' حدیث' اجماع اور قیاس ہیں۔

قرآن مجید اسلامی شریعت اور اجتہاد کا پہلا ماخذ ہے۔ سب سے پہلے اسی طرف رجوع کیا جائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

” فاحکم بینهم بما انزل الله و لا تتبع اهواء هم عما جاء ک من الحق “ [۳۲۳]

قرآن مجید میں احکامات بتدریج نازل ہوئے۔ لوگوں کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی' ارشاد ربانی ہے۔” یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر “ [۳۲۴]

اسلاف کی طرح اقبال کے ہاں بھی قرآن مجید' اسلامی شریعت کا اولین ماخذ ہے لیکن آپ کے نزدیک قانونی ضابطوں کی یہ ایسی کتاب نہیں جس میں جملہ امور اور ان کی جزا و سزا ضابطہ وار اور دفعہ وار موجود ہو۔ اس میں اصول ہیں۔ قرآن مجید کی روح یہ ہے کہ انسان کائنات اور خالق کائنات سے اپنے ربط کا اعلیٰ شعور حاصل کرے۔ قرآن مجید میں پوری حیات انسانی کا احاطہ کیا گیا ہے۔ آپ اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ فقہاء نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام کیا۔ آپ فرماتے ہیں:

" Says von Kremer, 'there is no other nation besides the Arabs which could call its own system of law so carefully worked out-'" [۳۲۵]

اقبال کے ہاں یہ نقطہ نظر پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے وہ اپنے اسلاف کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مسائل خود حل کریں۔ اجتہاد کریں اور فقہ کی تدوین نو کی جائے۔ اس کے لئے سب سے پہلے قرآن مجید کو پیش نظر رکھا جائے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ماخذ اول قرآن مجید سے زیادہ تر استنباط کیا اور احادیث کی نسبت زیادہ احتیاط سے کام لیا۔ اسی وجہ سے اقبال نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو اہلسنت و جماعت کے ایک امام الائمہ (One of the greatest exponents of Muhammadan law in Sunny Islam) کی حیثیت سے ذکر کیا۔ [۳۲۶] حضرت مجدد الف ثانی ان کو فقہ کا بانی تصور کرتے ہیں اور یہ کہ فقہ کے تین حصے ان کے لئے مخصوص ہیں۔

Marfat.com

باقی چوتھائی حصے میں باقی ائمہ فقہ شریک ہیں۔

''بانی فقہ ابو حنیفہ است و سہ حصہ از فقہہ او را مسلم داشتہ اند و ربع باقی ہمہ شرکت دارند۔''[۳۲۷]

امام شافعیؒ نے آپ کو یوں خراج عقیدت پیش کیا۔

''الفقهاء کلهم عیال ابی حنیفه ''[۳۲۸]

(فقہاء سارے ہی امام ابو حنیفہؒ کے بچے ہیں)

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔

''قرآن مجید جامع جمیع احکام شرعیہ است بلکہ جامع جمیع شرائط ما تقدم است۔''[۳۲۹]

(قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے بلکہ تمام پہلی شریعتوں کا بھی جامع ہے)

قرآن کی یہی وہ عظمت ہے کہ اقبال، حدیث کے ناسخ قرآن ہونے کا اسلاف کی طرح انکار کرتے ہیں۔ سید سلیمان ندوی کی طرف اپنے مکتوب محررہ ۲۷ اگست ۱۹۲۴ء میں لکھتے ہیں:

''اگر صحابہ کے اجماع نے کوئی حکم نص قرآنی کے خلاف نافذ کیا تو علامہ آمدی کے خیال کے مطابق ایسا کسی ناسخ حکم کی بناء پر ہوا ہے۔ وہ ناسخ حکم سوائے حدیث نبوی ﷺ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث ناسخ قرآن ہو سکتی ہے جس سے کم از کم مجھے تو انکار ہے۔''[۳۳۰]

حضرت مجددؒ نے قرآنی احکام کو تین اقسام میں تقسیم فرمایا:

(الف) وہ احکام جو عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے معلوم ہوتے ہیں اور اہل لغت میں سے عوام اور خاص لوگ سبھی ان کو سمجھنے میں برابر ہیں۔

(ب) وہ احکام جو کہ اجتہاد اور استنباط کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں ان احکام کا سمجھنا مجتہدین کے ساتھ خاص ہے۔

(ج) وہ احکام کہ جنہیں انسانی طاقت سمجھنے سے قاصر ہے جب تک خداوند تعالیٰ کی جانب سے ان کی اطلاع نہ ہو۔ اس اطلاع کا حصول پیغمبر ﷺ سے مخصوص ہے اور پیغمبر کے علاوہ اور کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی۔ یہ احکام قرآن مجید سے ماخوذ ہیں۔ البتہ اعلان بزبان نبی ﷺ کے سبب انہیں سنت کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔[۳۳۱]

آپ علیہ الرحمتہ دوسری قسم کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں اجتہادی غلطی کا ازالہ وحی کے ذریعے کر دیا جاتا تھا۔ یوں حق اور باطل باہم ملے جلے نہ رہتے تھے اس لئے وہ موجب عمل و یقین ہیں۔

''احکام اجتہادیہ در زمان آں سرور کہ اوان وحی بودہ علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام درمیان خطا و صواب متردد نبودند بلکہ وحی قطعی صواب محق از خطائے مخطی متمیز میگشت ...... لہٰذا احکام اجتہادی کہ در زمان وحی مقرر گشتہ اند موجب یقین اند کہ مفید عمل و اعتقاد است۔''[۳۳۲]

Marfat.com

دوسرا ماخذ حدیث نبوی ﷺ ہے۔
رسول اللہ ﷺ کے فرمودات علم و عمل میں کتاب اللہ جیسا حکم رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

" وما اتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنه فانتھوا " [۳۳۴]
(اور رسول اللہ ﷺ جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں پس اس سے رک جاؤ)

علامہ نظام الدین شاشیؒ فرماتے ہیں۔

" خبر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بمنزلة الکتاب فی حق لزوم العلم والعمل فان من اطاعه فقد اطاع اللہ "
(رسول اللہ ﷺ علم و عمل کے لازم ہونے کے باب میں قرآن پاک کی منزلت میں ہے کیونکہ جس نے آپ ﷺ کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی)

حضرت مجدد الف ثانی نے عمل رسول اللہ ﷺ کو دو اقسام میں منقسم فرمایا ہے۔
(الف) عبادات (ب) عادات
آپؒ فرماتے ہیں:

"عمل آنسرور ﷺ بر دو نوع است۔ بر سبیل عبادت است یا بر طریق عرف و عادت عملیکہ بر سبیل عبادت بودہ خلاف آن را از بدعتہائے منکر میدانیم و در منع آں مبالغہ مینمائیم کہ احداث در دین است و آں مردود است و عملیکہ بنا بر عرف و عادت است خلاف آں را بدعت منکر نمیدانیم و در منع آن مبالغہ نمی نمائیم کہ بدین تعلق ندارد و وجود و عدم آں مبنی بر عرف و عادت است نہ بر دین و ملت چہ عرف بعضے بلاد خلاف عرف بعضے از بلاد دیگر است" [۳۳۵]

(آنسرور ﷺ کا عمل دو طرح پر ہے۔ ایک عبادت کے طور پر دوسرا عادت اور عرف کے طور پر۔ وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو بدعت منکرہ نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے۔ نہ کہ دین و مذہب پر کیونکہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے برخلاف ہے۔)

اقبال نے بھی عمل رسول ﷺ کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ ایک عبادات اور دوسرے معاملات۔ سید سلیمان ندوی کے نام اپنے مکتوب محررہ ۷ اپریل ۱۹۲۶ء میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

''آپ کے بعض خطوط میرے پاس محفوظ ہیں اور یہ آخری خط بھی جو نہایت معنی خیز ہے اور جس کے مضمون سے مجھے بحیثیت مجموعی پورا اتفاق ہے' محفوظ رہے گا۔ عبادات کے متعلق کوئی ترمیم و تنسیخ میرے پیش نظر نہیں ہے بلکہ میں نے اپنے مضمون اجتہاد میں ان کی ازلیت و ابدیت پر دلائل قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہاں معاملات کے متعلق بعض سوالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں چونکہ شرعیت احادیث (یعنی وہ احادیث جن کا تعلق معاملات سے ہے) کا مشکل سوال پیدا ہو جاتا ہے اور ابھی تک میرا دل اپنی تحقیقات سے مطمئن نہیں ہوا۔ اس واسطے وہ مضمون شائع نہیں کیا گیا۔''[۳۳۶]

اقبال اجتہاد کے ضمن میں احادیث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔
(الف) وہ احادیث جن کا تعلق قانون سے ہے۔ (ب) وہ احادیث جن کا تعلق قانون سے نہیں۔
پھر اوّل الذکر کو مزید دو حصوں میں بانٹتے ہیں۔ (الف) وہ احادیث جن میں عرب کے ماقبل اسلام رسوم و رواج کا حصہ ہے اور کس قدر ہے۔ (ب) دیگر احادیث جن کا تعلق قانون سے ہے۔
آپ فرماتے ہیں:

" For our present purposes, however , we must distinguish traditions of a purely legal import from these which are of a non-legal character, with regard to the former, these arises a very important question as to how far they embody the pre-Islamic usages of Arabia which were in some cases left intact, and in others modified by the Prophet"[۳۳۷]

یوں رسوم و رواج کے مطابق جو احکامات صادر ہوتے ہیں' تعزیرات کے زمرے میں آتے ہیں اور اس مخصوص قوم کے لئے ہوں گے جن کے رسوم و رواج کو پیش نظر رکھ کر وضع کئے گئے۔ چونکہ احکام مقصود بالذات نہیں اس لئے اقبال کے ہاں اگلی نسلوں کے لئے ان کا واجب ٹھہرانا ضروری نہیں۔

"The Shari'ah values (Ahkam) resulting from this application (e.g. rules relating to penalties from crimes) are in a sense specific to that people and since their observance not an end itself they cannot be strictly enforced in the case of future generations."[۳۳۸]

اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اقبال واضح کرتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اسلام کی عالمگیر نوعیت کو سمجھتے ہوئے احادیث سے اعتنا نہیں کیا۔

" It was perhops in view of this that Abu Hanifa who had a keen insight into the universal character of Islam been insight into the universal character of Islam, made practically no use of these traditions."[۳۳۹]

حضرت مجدد الف ثانی بظاہر اس کے متضاد فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ سنت کی پیروی میں بڑھ چڑھ کر ہیں

Marfat.com

اور مرسل احادیث کی پیروی بھی مسند احادیث کی طرح کرتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر فوقیت دیتے ہیں۔ اسی طرح قول صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی۔

''عجب معاملہ است امام ابوحنیفہ در تقلید سنت از ہمہ پیش اقدام است واحادیث مرسل را در رنگ احادیث مسند شایان متابعت میداند و بر رائے خود مقدم میدارد وہمچنیں قول صحابی را بواسطہ مشرف صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات بر رائے خود مقدم میدارد و دیگران نہ چنین اند مع ذالک مخالفان او را اصحاب رای میدانند۔'' [۳۴۰]

الغرض تطبیق ہر دو اقوال (یعنی مجدد اور اقبال کے اقوال) میں یوں ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہؒ فقہی روایات نبوی ﷺ سے استناد فرماتے اور ان کی مرسل وموقوف احادیث کو اپنی رائے پر ترجیح دیتے۔ البتہ عرف اور عادت پر مبنی احادیث سے اپنے علاقہ کے لوگوں کے لئے غیر حسب عادت وعرف استناد نہ فرماتے' پھر اول ماخذ قرآن پر زیادہ انحصار فرماتے اور وہاں سے مسئلہ نہ ملنے پر احادیث کی طرف رجوع کرتے البتہ فقیہہ راویوں کی مروی روایات کو غیر فقیہہ کی روایت کردہ احادیث پر ترجیح دیتے۔ اسے اصول استحسان (فقہی ترجیح) کا نام دیا جاتا ہے۔

اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ یہ بھی عمل میں وجوب کا درجہ رکھتا ہے۔

علامہ نظام الدین شاشیؒ فرماتے ہیں۔

" اجماع هذه الامة بعد ماتوفى رسول الله ﷺ فى فروع الدين حجة موجية للعمل بها شرعاً كرامته لهذه الامة " [۳۴۱]

قرآن مجید میں بھی ''اولی الامر'' کی پیروی کا حکم دیا گیا۔

" اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم " [۳۴۲]

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

" ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن " [۳۴۳]

(جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی حسن ہے)

لیکن اجتہاد کے سلسلے میں اہل اجتہاد کا اجماع معتبر ہے نہ کہ عامتہ المسلمین کا۔

علامہ شاشیؒ فرماتے ہیں۔

" والمعتبر فى هذا الباب اجماع اهل الراى والاجتهاد فلا يعتبر بقول العوام والمتكلم والمحدث الذى لا بصيرة له فى اصول الفقه." [۳۴۴]

فقہ اسلامی کے اس تیسرے ماخذ کو اقبال بہت اہمیت دیتے ہیں۔

"The third source of Muhammadan law is Ijma, which is, in my opinion, perhaps the most important legal notion in Islam" [۳۴۵]

Marfat.com

اجتہاد کی اجتماعی صورت اجماع کہلاتی ہے۔عودہؒ کے الفاظ میں

"الاجماع هو اتفاق جميع المجتهدين من الامة الاسلامية فى عصر من العصور بعد وفاة الرسول صلى الله عليه وسلم علٰى حكم شرعى"[۳۴۵]

(ترجمہ: اجماع سے مراد یہ ہے کہ امت مسلمہ کے تمام مجتہدین رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد کسی بھی دور میں کسی حکم شرعی پر اتفاق کرلیں)

قانون سازی کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ یہ درحقیقت اجتماعی اجتہاد اور مشترکہ قیاس ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں جب کوئی اہم قومی یا انفرادی مسئلہ پیش ہوتا تو اہل الرائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مجلس میں پیش کیا جاتا جو خلیفہ کی مشاورت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ یہ مجلس شوریٰ تھی۔

اقبال اجماع کو اجتہاد کے سلسلہ میں خاص اہمیت دیتے ہیں کیونکہ وہ انفرادی اجتہاد کی بجائے اجتماعی اجتہاد کو ترجیح دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ اسے اسلام کے قانونی تصورات میں سب سے اہم تصور کرتے ہیں اور اسے مجلس قانون کے دائرہ اختیار میں دینے پر زور دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

"It is, however, extremely satisfactory to note that the pressure of new world-forces and the political experience of European nations are impressing on the mind of modern Islam the value and possibilities of lagislative assemblies in Muslim lands constitute a great step in advance. The transfer of the power of Ijtihad from individual representatives of school to a Muslim Legislative assembly etc."[۳۴۷]

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال انفرادی اجتہاد کی بجائے پارلیمانی اجتہاد کے کس قدر معترف تھے۔ اتنی اہمیت دینے کا سبب آپ کے ہاں یہ تھا کہ مسلمان مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ پارلیمانی اجماع کے ذریعے وہ متفق ہوسکیں گے۔ پھر غیر علماء جو ان امور پر بہت گہری نظر رکھتے ہیں اس مباحثہ میں حصہ لے سکیں گے۔ آپ فرماتے ہیں۔

In view of the growth of opposing sects, is the only possible from Ijma, can take in modern times will secure contributions to legal discussion from laymen who happen to possess a keen insights into affairs."[۳۴۸]

دور حاضر میں کسی بھی ملک میں جہاں کہیں بھی قانون ساز اسمبلی قائم ہوگی تو اس کے زیادہ تر ارکان فقہ اسلامی کی نزاکتوں سے ناواقف ہوں گے۔ یوں اس قسم کی اسمبلی شریعت کی تعبیر اور اجتہاد میں شدید غلطیوں کی مرتکب ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اقبال یہ مشورہ دیتے ہیں کہ قانون ساز اسمبلی میں علماء کو بطور موثر جزو شامل کرلیا جائے اور علماء بھی ہر قانونی امر میں آزادانہ بحث وتمحیص اور اظہار رائے کی اجازت دیں۔ پھر بلاد اسلامیہ میں فقہ کی تعلیم جس نہج پر ہورہی ہے اس کی اصلاح کی جائے۔

"The Ulama should form a vital part of a Muslim legislative

Marfat.com

assembly helping and guiding free discussion on question relating to law . The only effective remedy for the possibilities of erroneous interpretations is to reform the present system of legal education in Muhammadan countries, to extend its sphere, and to combine it with our intelligent study of modern jurisprudence." [349]

حضرت مجدد الف ثانی کے دور میں بادشاہت تھی اور جمہوری نظام حکومت نہ تھا تاہم بادشاہوں کی اصلاح کی خاطر علماء کو اپنے مکتوبات کے ذریعے آمادہ کیا۔ شیخ فرید کی جانب ایک مکتوب میں فرمایا۔

"چوں استطاعت وقرب بادشاہ بروجہ اتم ایشاں را حق سبحانہ وتعالیٰ میسر ساختہ است در خلا وملا در ترویج شریعت محمدی علیہ وعلیٰ الہ من الصلوات افضلھا ومن التسلیمات اکملھا کوشند ومسلمانان را ازغربت برآرند۔" [350]

قانون اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے۔ اقبال کے الفاظ میں اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے۔

" The use of analogical reasoning in legislation" [351]

(ترجمہ: قانون سازی میں مماثلتوں کی بناء پر استدلال سے کام لینا)

قیاس سے مراد یہ ہے کہ علت ایک ہونے کی وجہ سے دوسرے مسئلہ کا وہی حکم دینا جو پہلے کا ہو۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں " تفقھوا فی الدین " کا درس دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

" لیتفقھوا فی الدین " [352] یعنی انہیں چاہیے کہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں۔ قیاس حجت ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

" القیاس حجة من حجج الشرع یحب العمل به عند انعدام مافوقه من الدلیل فی الحادثه " [353]

اقبال کے ہاں قیاس کو نصوص قرآنی کی حدود کے اندر رہ کر استعمال کیا جائے تو ٹھیک ہے اور یہ اجتہاد ہی ہوگا۔

"Abu Hanifa eternalized the decisions given on concrete cases. Properly understood and applied, the essential principle of this school, i.e. Qiyas , as Shafi rightly says, is only another name for Ijtihad which, within the limits of the revealed texts, is absolutely free." [354]

حضرت مجدد الف ثانی قیاس کو بطور حجت تسلیم کرتے ہیں اور اجتہاد کے ذریعے حل شدہ مسائل کو شریعت کے مسائل تسلیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اسے بدعت کی تعریف سے خارج کردیا۔ آپ فرماتے ہیں۔

" علماء مجتہدین اظہار احکام دین فرمودہ اند نہ احداث مالیس منہ۔ پس احکام اجتہادیہ از امور محدثہ نباشند بلکہ از اصول دین اند لان الاصل الرابع ھو القیاس۔" [355]

Marfat.com

جو شخص درجہ اجتہاد پر فائز ہو اس کے لئے دوسرے کی رائے اور اجتہاد کی تقلید کرنا جائز نہیں۔

''زیرا کہ شخصے کہ پایہ اجتہاد داشتہ باشد در احکام اجتہادیہ اور اتقلید ورائے دیگر نمودن خطاست۔''[۳۵۶]

جب حضور نبی کریم ﷺ نے مرض وصال میں کاغذ طلب فرمایا تا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے لئے کچھ لکھیں تو ایک گروہ صحابہ کرامؓ کاغذ لانا چاہتے تھے اور دوسرا گروہ روکنے والا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ روکنے والوں میں سے تھے اور آپ نے فرمایا۔ ''حسبنا کتاب اللہ۔''[۳۵۷]

حضرت مجددؒ نے اس کی وجہ یوں بیان فرمائی۔

''حضرت عمر فاروقؓ جانتے تھے کہ زمانہ وحی منقطع ہو گیا ہے اور احکام سماوی مکمل ہو چکے ہیں اور رائے واجتہاد کے سوا اثبات احکام میں اب کوئی گنجائش نہیں۔ اس وقت آنسرور ﷺ جو کچھ بھی تحریر فرمائیں گے امور اجتہادیہ میں سے ہوگا' جس میں دوسروں کو بھی فاعتبروا یا اولی الابصار کے مطابق شرکت کی اجازت ہے۔ اس طرح آپ نے بہتری اس میں محسوس کی کہ اس قدر درد و تکلیف کی حالت میں آپ کو رنج و تکلیف نہیں دینی چاہیے اور دوسروں کی رائے اور اجتہاد پر ہی کفایت کرنی چاہیے۔ حسبنا کتب اللہ یعنی قرآن مجید جو قیاس اور استنباط کا ماخذ ہے مجتہدین کے لئے کافی ہے۔ وہ اس سے احکام کا استنباط کر لیں گے۔''[۳۵۸]

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں۔

''احکام کی دوسری قسم وہ ہے جو کہ اجتہاد اور استنباط کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں اور ان احکام کا سمجھنا ائمہ مجتہدین کے ساتھ خاص ہے۔ بقول جمہور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور آپ کی امت کے تمام مجتہدین سب شامل ہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو کہ وحی کا زمانہ تھا۔ اجتہادی احکام خطا اور صواب میں متردد نہ تھے بلکہ یقینی وحی سے خطا کرنے والے کی غلطی اور درست اجتہاد کرنے والے کی درستگی بالکل الگ الگ ہو جاتی تھی اور حق اور باطل آپس میں ملے جلے نہ رہتے تھے کیونکہ غلطی پر ثابت اور برقرار رکھنا نبی ﷺ کے لئے جائز نہیں۔ برخلاف ان احکام اجتہادیہ کے جو کہ وحی کے زمانہ کے بعد مجتہدین کو بطریق استنباط حاصل ہوئے ہیں' ان میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہے۔''[۳۵۹]

مقلد کے لئے لازم ہے کہ مجتہد کے اخذ کردہ احکام کی پیروی کرے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

''ائمہ مجتہدین از کتاب وسنت استنباط فرمودہ اند واستخراج احکام از انہا نمودہ از حلال وحرام و فرض و واجب وسنت ومستحب ومکروہ ومشتبہ وعلم بایں احکام ضروری است ومقلد را نمیرسد کہ خلاف رائے مجتہد از کتاب وسنت احکام اخذ کند وبران عامل باشد۔''[۳۶۰]

Marfat.com

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"در جمیع امور بمقتضاے فتوی علماء دین دارد کہ راہ عزیمت را اختیار نمودہ اندواز رخصت اجتناب کردہ۔"[۶۱]

اس طرح تمام کاموں میں ان دیندار علمائے کرام کے فتویٰ کے مطابق عمل کریں جنہوں نے عزیمت کا راستہ اختیار کیا اور رخصت سے اجتناب کیا۔

البتہ مجتہد کے لئے تقلید محض جائز نہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"پس مجتہدان امت را در احکام اجتہادیہ متابعت رائے پیغمبر لازم نیست علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ صواب دران موطن متابعت رای خود است۔"[۶۲]

(امت کے مجتہدین کے لئے اجتہادی احکام میں پیغمبر کی رائے کی متابعت لازم نہیں بلکہ اس مقام پر درست یہ ہے کہ مجتہد اپنی رائے پر عمل کرے)

اجتہاد کی اسی اہمیت کے پیش نظر اقبالؒ تنقیدی نقطہ نظر سے کہتے ہیں۔

"افسوس ہے کہ زمانہ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانہ کے میلان طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ ایران میں مجتہدین شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت پرستی نے بہاء اللہ کو پیدا کیا جو سرے سے احکام قرآنی کا ہی منکر ہے۔ ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں۔"[۶۳]

شریعت، فقہ اور اجتہاد کے چار مآخذ ہیں۔ سنت، اجماع امت اور قیاس۔ علامہ شاشیؒ فرماتے ہیں۔

"فان اصول الفقه اربعة: كتاب الله تعالىٰ وسنة رسوله و اجماع الامة والقياس۔"[۶۴]

حضرت مجدد الف ثانی کے ہاں بھی یہی چار ادلہ شرعیہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"احکام شرعیہ مربوط بادلۂ اربعہ است۔"[۶۵]

اقبال بھی یہی کہتے ہیں۔

"We study the four accepted sources of Muhammadan Law."[۶۶]

ان فکری مماثلات کے علاوہ حضرت مجددؒ اور اقبال دونوں بزرگ یہ ترغیب دیتے ہیں کہ اہلسنت و جماعت کے معتقدات سے وابستہ ہونا چاہیے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں۔

(۱) "اہلسنت و جماعت کہ فرقہ ناجیہ...... نجات بی اتباع این بزرگواراں متصور نیست، اگر سرمو مخالفت است خطر در خطر است۔"[۶۷]

(۲) "بالجملہ طریق النجات متابعة اهل سنة والجماعة كثرهم الله سبحانه فى الاقوال والافعال وفى الاصول والفروع فانهم الفرقة الناجية."[۶۸]

Marfat.com

(۳) ''حق سبحانہ و تعالیٰ شانہٗ ما مفلسان را بحقیقت معتقدات حقہ اہل حق یعنی اہل سنت و جماعت متحقق ساختہ۔''[۳۶۹]

(۴) ''اولاً تصحیح عقائد بمقتضائے آرائے صائبہ اہلسنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیھم لازم دارند۔''[۳۷۰]

(۵) ''و بمعتقدات حقہ اہل سنت و جماعت متحلّی باشند۔''

اقبال اپنے بیٹے جاوید اقبال کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ملک ہندوستان میں مسلمانوں کی غلامی نے جو دینی عقائد کے نئے فرقے مختص کر لئے ہیں ان سے احتراز کرے۔ بعض فرقوں کی طرف لوگ اس واسطے سے مائل ہو جاتے ہیں کہ ان فرقوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے دنیوی فائدہ ہے۔ میرے خیال میں بڑا بدبخت ہے وہ انسان جو صحیح دینی عقائد کو مادی منافع کی خاطر قربان کر دے۔ غرض یہ ہے کہ طریقہ حضرات اہل سنت محفوظ ہے اور اسی پر گامزن رہنا چاہیے اور ائمہ اہل بیت کے ساتھ محبت اور عقیدت رکھنی چاہیے۔''[۳۷۲]

ڈاکٹر جاوید اقبال کے نام یہ وصیت اقبال نے ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو تحریر فرمائی۔[۳۷۳]

حواشی

ا۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ ۱۹۹۱ء ص ۵۵۱ (ضرب کلیم ''جاوید سے'')

۲۔ ایضاً..... ص ۲۲۹ (بانگ درا ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'')

۳۔ ''ترانہ ہندی'' میں لکھتے ہیں۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستان ہمارا
(کلیات اقبال اردو۔ ص ۸۳)
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستان ہمارا
(کلیات۔ ص ۸۳)

۴۔ عابد علی عابد، شعر اقبال (بزم اقبال، لاہور ۱۹۹۳ء) ص ۴۷

۵۔ اقبال کہتے ہیں۔

(الف) دل ہر ذرہ میں پوشیدہ کسک ہے اس کی
نور یہ وہ ہے کہ ہر شے میں جھلک ہے اس کی
(کلیات اقبال اردو ص ۱۱۷)
(ب) حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انسان میں وہ سخن ہے، غنچے میں وہ چٹک ہے

Marfat.com

کثرت میں ہوگیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے' وہ پھول میں مہک ہے
(کلیات اقبال اردو ص ۸۵' "جگنو")

۶۔ جاوید اقبال' زندہ رود (شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور ۱۹۸۵ء) جلد ۱' ص ۱۰۵
۷۔ ایضاً......جلد ۱' ص ۱۲۴' عبداللہ قریشی' حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں (بزم اقبال' لاہور' ۱۹۸۲ء) ص ۲۰۸
۸۔ اختر جوناگڑھی' قاضی احمد میاں' اقبالیات کا تنقیدی جائزہ (اقبال اکادمی پاکستان' لاہور ۱۹۹۷ء) ص ۹۶
۹۔ Muhammad Iqbal, Dr,
The Development of Metaphiysics in Persia (Bazm -i - Iqbal, Lahore,1964) p. 132
۱۰۔ ایضاً' ص ۲۳' ۲۴' ۲۵' ۲۶' ۲۷' ۲۸
۱۱۔ ایضاً
۱۲۔ ایضاً' ص ۵۹' ۶۷' ۷۴' ۹۵' ۹۶
۱۳۔ ایضاً' ۹۵' ۷
۱۴۔ ایضاً' ص ۹۵' ۹۶
۱۵۔ ایضاً' ص ۵۸' ۶۰' ۶۲' ۹۴' ۹۵' ۹۶
۱۶۔ زندہ رود' جلد اول ص ۱۱۴
۱۷۔ عطاء اللہ شیخ' اقبال نامہ (شیخ محمد اشرف' لاہور) حصہ دوم ص ۴۸۔۴۹
۱۸۔ منثورات اقبال مرتبہ بزم اقبال' لاہور ۱۹۸۸ء' ص ۳۱۔۳۰
(ڈاکٹر برہان احمد فاروقی' اقبال اور مجدد الف ثانیؒ)
۱۹۔ القرآن (۵۶:۵۱)
۲۰۔ مجدد الف ثانی' مکتوبات امام ربانی (فارسی)' باہتمام محترم لالہ اسرار محمد خان' کراچی' دفتر اول مکتوب ۳۰' ص ۸۱۔۸۰
۲۱۔ مجدد الف ثانیؒ' مکتوبات امام ربانی (فارسی) ص ۸۱
۲۲۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۳۰۶ (بال جبریل' غزل نمبر ۱۰)
۲۳۔ ابوسعید نور الدین' اسلامی تصوف اور اقبال (اقبال اکادمی پاکستان لاہور' ۱۹۹۵ء ص ۲۸۰)
۲۴۔ محمد اقبال' کلیات اقبال (فارسی)' (اقبال اکادمی پاکستان' لاہور ۱۹۹۰ء) ص ۷۷۷ (ارمغان حجاز' حضور حق' نمبر ۶)
۲۵۔ ایضاً......ص ۱۰۵ (اسرار و رموز' ارکان اساسی ملیہ اسلامیہ' رکن اول: توحید)
۲۶۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۹ (حصہ اول ص) ۱۸
۲۷۔ ایضاً......مکتوب ۱۶۰ (حصہ سوم ص) ۳۶
۲۸۔ ایضاً......ص ۳۷
۲۹۔ ایضاً......ص ۳۷
۳۰۔ ایضاً......ص ۳۸
۳۱۔ ایضاً......ص ۳۸

Marfat.com

۳۲۔ ایضاً.....ص ۳۸

۳۳۔ ایضاً.....ص ۳۹۔۳۸

۳۴۔ ایضاً.....ص ۳۹

۳۵۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۴۹۲ (جاوید نامہ)

ترجمہ اشعار:

(i) انہوںؒ نے کہا: موجود وہ ہے جو نمود چاہتا ہے۔ اپنے آپ کو ظاہر کرنا وجود کا تقاضا ہے۔

(ii) زندگی اپنے آپ کو اپنی نظروں میں آراستہ کرنا اور اپنے وجود پر شہادت طلب کرنا ہے۔

(iii) حق تعالیٰ نے بھی روز الست انجمن آراستہ کی اور اپنے وجود پر شہادت طلب چاہی۔

(iv) تو زندہ ہے یا مردہ ہے یا جاں بلب ہے۔ تین شاہدوں سے شہادت طلب کر۔

(v) شاہد اول اپنا شعور ہے۔ اپنے آپ کو اپنے نور سے دیکھنا۔

(vi) شاہد دوم دوسروں کا شعور ہے۔ یعنی اپنے آپ کو دوسروں کے نور سے دیکھنا۔

(vii) شاہد سوم حق تعالیٰ کا شعور ہے یعنی اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے نور سے دیکھنا۔

(viii) اگر تو اللہ تعالیٰ کے نور کے سامنے قائم رہے تو اپنے آپ کو حی قیوم سمجھ لے۔

(ix) اپنے قیام پر پہنچنا اور ذات باری تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنا ہی زندگی ہے۔

۳۶۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۴۹۲

۳۷۔ ایضاً ص ۴۹۳

ترجمہ: اگر تو ذرہ بھی ہے تو اپنی چمک کو ہاتھ سے نہ دے بلکہ اسے اپنی گرہ میں مضبوطی سے باندھ رکھ۔

۳۸۔ ایضاً ص ۴۹۳

ترجمہ: اپنے پیکر فرسودہ کی نئے سرے سے تراش خراش کر۔ اپنے امتحان کے ذریعے اپنے آپ کو موجود ثابت کر۔

۳۹۔ اسلامی تصوف اور اقبال (مطبوعہ ۱۹۹۵ء) ص ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۵

یہ تیسری اشاعت ہے۔ دوسری اشاعت ۱۹۷۷ء میں ہوئی۔

اس نسخہ میں خودی کے چار مآخذ کا ذکر ہے۔

i۔ قرآن مجید (ص ۲۷۲)

ii۔ حدیث شریف (ص ۲۷۴)

iii۔ مثنوی مولانا رومی (ص ۲۷۴)

ix۔ مجدد الف ثانی کا نظریہ ''عبدیت'' (ص ۲۸۱)

۴۰۔ اسلامی تصوف اور اقبال (مطبوعہ ۱۹۹۵ء) ص ۲۷۶۔۲۷۵

یہ شعر ''بال جبریل'' کی ایک بغیر عنوان غزل کا ہے۔ (کلیات اقبال اردو ص ۳۰۴)

یوسف سلیم چشتی کہتے ہیں۔

''میرا قیاس کہتا ہے کہ علامہ کا اشارہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی طرف ہے۔ (شرح بال جبریل، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور ص ۱۳۱)

آپ (یوسف سلیم چشتی) کا قیاس مبنی برحق ہے کیونکہ میاں بشیر احمد نے اقبال سے اس شعر کے متعلق دریافت کیا تو

Marfat.com

انہوں نے فرمایا: "یہ اشارہ ہے شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ کی طرف۔"
(محمود نظامی: ملفوظات اقبال' اقبال اکادمی پاکستان' لاہور ۱۹۷۷ء ص ۵۲ اور ڈاکٹر رحیم بخش شاہین' اوراق گم گشتہ' اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ' لاہور ۱۹۷۹ء ص ۳۳۸)

۴۱۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۶۲۶۔۶۲۵

ترجمہ(i) یورپ کے اندر کوئی مرد راہ داں نہ تھا۔ اس لئے نطشے کا نغمہ اس کے تار چنگ کی استعداد سے بڑھ گیا۔
(ii) مسافر کو کسی نے راستہ نہ بتایا۔ اس لئے اس کی واردات میں سینکڑوں خلل پیدا ہو گئے۔
(iii) اس کے پاس نقدی تھی مگر کسی نے اسے پرکھا نہیں۔ کسی کامل نے اسے مرد کامل نہ بنایا۔
(iv) وہ ایسا عاشق تھا جو اپنی آہ میں گم رہا۔ وہ ایسا سالک تھا جو اپنے راستے کی بھول بھلیوں میں کھو گیا۔
(v) اس کی مستی نے ہر شیشہ (نظریہ) توڑ دیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے بھی تعلق توڑ لیا اور اپنے آپ سے بھی۔
(vi) اس نے چاہا قاہری اور دلبری کے اختلاط کو ظاہری آنکھ سے دیکھے۔
(vii) اس نے چاہا کہ وہ آب وگل سے باہر نکلے۔ اس کے دل کی کھیتی بار آور ہو۔
(viii) اسے مقام کبریا کی تلاش تھی اور یہ مقام عقل وحکمت سے ماوراء ہے۔
(ix) زندگی خودی کے رموز کی شرح ہے۔ "لا" اور "الا" خودی ہی کے مقامات ہیں۔
(x) وہ "لا" ہی میں رہ گیا۔ "الا" تک نہ پہنچا۔ اس لئے مقام عبدہ سے ناآشنا رہا۔

۴۲۔ کلیات اقبال۔ (فارسی) ص ۶۲۶ (جاوید نامہ)

ترجمہ: اس کی آنکھ صرف مرد کامل کے نظارے کی متمنی تھی۔ اس نے بے باکانہ نعرہ لگایا کہ آدم کہاں ہے؟

۴۳۔ ایضاً......ص ۶۲۶

ترجمہ: کاش وہ حضرت مجدد الف ثانی کے زمانے میں ہوتا' تاکہ وہ اسے سرور سرمدی تک پہنچا دیتے۔

۴۴۔ Muhammad Iqbal,Dr,
The Reconstruction of Religious Thought in Islam (Iqbal Academy Pakistan,Lahore,1989) p.154

۴۵۔ محمد اقبال "دیباچہ اسرار خودی" مشمولہ مقالات اقبال (مرتبہ سید عبدالواحد معینی) آئینہ ادب' لاہور ۱۹۸۸ء' ص ۱۹۹

۴۶۔ جاوید اقبال' ڈاکٹر
"افکار اقبال" (اقبال اکادمی پاکستان' لاہور' ۱۹۹۴ء) ص ۴

۴۷۔ محمد اقبال' باقیات اقبال (مرتبہ عبدالواحد معینی)' آئینہ ادب' انار کلی' لاہور' بار دوم ۱۹۶۶ء) ص ۴۱۳ (غزل)

۴۸۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۱۵۴ (حصہ سوم ص ۳۰)

۴۹۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۳۲۳ (بال جبریل' افکار پریشان نمبر ۷)

۵۰۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam. pp.156-7

۵۱۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۴۹۲

۵۲۔ ایضاً ص ۴۹۲' ۴۹۳

(الف) معراج کیا ہے شاہد کی آرزو کہ اس کے روبرو اپنا امتحان کیا جائے۔
(ب) ایسا شاہد عادل جس کی تصدیق کے بغیر زندگی ہمارے لئے ایسی ہے جیسے پھول کے رنگ و بو (ناپائیدار)

Marfat.com

(ج) حق تعالیٰ کے حضور میں کوئی شخص قائم نہیں رہ سکتا اور جو رہا ہے وہ کامل واکمل ہے۔(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

۵۳۔ القرآن۔(۵۳:۱۷)

۵۴۔ ایضاً۔(۵۳:۱۰)

۵۵۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) ص (۶۰۱۔۶۰۲) (''حلاج'')

۵۶۔ القرآن۔(۲:۳۰)

۵۷۔ کلیاتِ اقبالؒ (فارسی) ص ۳۹۰ (زبور عجم، حصہ دوم، نظم: ۱۲، سطر ۳)

۵۸۔ ایضاً۔ص ۳۳ (در بیان اینکہ نظام عالم از خودی است)

۵۹۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۵۰۸ (''ضرب کلیم''۔''کافر ومومن'')

۶۰۔ ایضاً...... (فارسی)، ص ۵۶ (اسرار خودی)

۶۱۔ ایضاً......ص ۵۹۔۶۰

ترجمہ: اگر تو نفس کے اونٹ کو قابو میں لے آئے اور اس پر پورا تسلط حاصل کر لے تو دنیا پر حکم چلائے گا اور تاج سلیمانی تیرے سر کی زینت بنے گا۔ جب تک یہ جہاں باقی ہے تو اس کی آرائش کا سامان بنا رہے گا۔ یعنی ایسی مملکت کا تاجدار بن جائے گا جس پر کبھی زوال نہ آئے...... تو دنیا میں خدا کا نائب ہوگا اور یہ منصب بہت اچھا ہے، یہ عناصر پر حکمرانی کتنی اچھی ہے۔

۶۲۔ مکتوبات مجدد الف ثانی۔دفتر دوم مکتوب، ص ۳۵

۶۳۔ ایضاً......ص ۳۶

۶۴۔ اقبال نامہ، حصہ اول ص ۴۶۴

۶۵۔ ایضاً......ص ۴۶۲

۶۶۔ ہاشمی، رفیع الدین، خطوط اقبال (مکتبہ خیابان ادب، لاہور، ۱۹۷۶ء) ص ۱۱۶

شاہین، رحیم بخش، اوراق گم گشتہ (اسلامک پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۷۹ء) ص ۴۷

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ''سرّ اسرار خودی'' از محمد اقبال، مطبوعہ وکیل (امرتسر)۔ ۹ فروری ۱۹۱۶ء بحوالہ مجلّہ اقبال (لاہور) اپریل ۱۹۵۴، ص ۴۵'' (مجدد ہزارہ دوم ص) ۱۸۶

راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق یہ پیراگراف اقبال کے مضمون ''سرّ اسرار خودی'' مشمولہ مقالات اقبال (مرتبہ سید عبدالواحد معینی) میں موجود نہیں۔ البتہ ''خطوط اقبال'' اور ''اوراق گم گشتہ'' میں مکتوب بنام خواجہ حسن نظامی میں تحریر شدہ ہے۔(مقالات اقبال ص ۲۱۱۔۲۲۲، اوراق گم گشتہ ص ۴۷ وخطوط اقبال ص) ۱۱۶

۶۷۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب، ۱۶۰ (حصہ دوم ص ۳۹)

۶۸۔ خطوط اقبال ص ۱۱۶ واوراق گم گشتہ ص ۴۷

۶۹۔ کیرانوی، وحید الزمان، القاموس الفرید (صابری دار الکتب، لاہور ۱۹۸۲ء) ص ۳۹۶

۷۰۔ ایضاً......ص ۳۹۷

۷۱۔ طاہر القادری، حقیقت تصوف (منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور 1995ء) جلد ا، ص ۵۷

۷۲۔ Sardar Ali Ahmad Khan, The Naqshbandis (Sahibzada Mian Kamil Ahmad Sharaqpuri) p.74

Marfat.com

۷۳۔ کلیات اقبال۔ (فارسی) ص ۵۶

۷۴۔ مجدد ہزارہ دوم ص ۱۸۷

۷۵۔ مکتوبات امام ربانی (فارسی) دفتر اول' مکتوب ۴۳ (حصہ دوم ص ۹)

۷۶۔ ایضاً مکتوب' ۵۷ (ص ۳۰)

۷۷۔ ایضاً.....مکتوب' ۴۱ (ص ۳)

۷۸۔ اقبال نامہ' حصہ اول ص ۲۰۲۔۲۰۳ (مکتوب محررہ' ۱۳ دسمبر ۱۹۳۶ء)

۷۹۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۲۰۷ (مثنوی پس چہ باید کرد۔ ''در اسرار شریعت'')

۸۰۔ اقبال نامہ' حصہ دوم ص ۴۸

۸۱۔ ایضاً.....ص ۴۹

۸۲۔ ایضاً.....ص ۲۴۰

۸۳۔ خطوط اقبال' ص ۱۱۵

۸۴۔ ایضاً.....ص ۱۱۶

۸۵۔ معینی' عبدالواحد' مقالات اقبال (آئینہ ادب' انار کلی' لاہور ۱۹۸۸ء) ص ۳۰۱

۸۶۔ ایضاً.....

۸۷۔ ایضاً.....ص ۳۰۱۔۳۰۲

۸۸۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۸۴ (حصہ دوم ص ۷۷)

۸۹۔ ایضاً.....مکتوب' ۲۷۶ (حصہ پنجم ص ۲۷)

۹۰۔ مقالات اقبال' ص ۳۰۱

۹۱۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۲۷۶ (حصہ پنجم' ص ۲۷، ۲۸)

(ترجمہ: اور دوسری جماعت کے لوگ اس کی حقیقت کے گرفتار ہو گئے لیکن اس حقیقت کو شریعت کی حقیقت نہ جانا بلکہ شریعت کو صورت پر محدود رکھا اور چھلکا (قشر) خیال کیا اور اس کے سوا کو مغز تصور کیا اور باوجود اس کے احکام شریعت کے بجالانے سے سرمُو نہ ہٹے)

۹۲۔ مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول' مکتوب ۲۷۶ (حصہ پنجم ص ۲۸)

۹۳۔ ایضاً.....ص ۲۷

۹۴۔ ایضاً.....دفتر دوم' مکتوب ۵۰ ''ماخوذ''

۹۵۔ ایضاً.....ماخوذ

۹۶۔ ایضاً.....دفتر اول' مکتوب ۸۴' (حصہ دوم ص ۷۸)

۹۷۔ ایضاً.....

۹۸۔ ایضاً.....مکتوب' ۲۶۱ (حصہ چہارم ص ۹۸)

۹۹۔ ایضاً.....مکتوب ۲۳ بطرف خان خاناں (حصہ اول' ص ۵۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے طریقہ پر قائم اور ثابت رکھے کیونکہ متابعت شریعت ہی اصل کار اور مدار نجات' مناط سعادت ہے۔ فارسی میں کیا ہی اچھا کہا گیا ہے کہ '' محمد عربی صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم جو دنیا اور آخرت دونوں کے سردار ہیں' جو شخص آپ کے دروازے کی خاک نہیں بننا چاہتا اس کے سر پر خاک پڑے یعنی ذلیل و نامراد ہو۔''

۱۰۰۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۷۸ (حصہ دوم ص ۶۸)

ترجمہ: اس نعمت عظمیٰ تک وصول سید اولین و آخرین علیہ وعلیٰ الہ من الصلوات افضلھا ومن التحیات اکملھا کی اتباع سے وابستہ ہے۔ بندہ جب تک اپنے آپ کو پورے طور پر شریعت میں گم نہ کردے اور اوامر کی بجا آوری اور ممنوعات سے رکنے کے ساتھ مزین و آراستہ نہ کرے' اس دولت ونعمت کی خوشبو' بندے کی روح سونگھ نہیں سکتی۔ شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی ہو' اگر احوال ومواجید حاصل ہوں تو وہ استدراج میں داخل ہیں۔ آخر اسے رسوا اور ذلیل کریں گے۔ محبوب رب العالمین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰت افضلھا ومن التسلیمات اکملھا کی اتباع اور پیروی کے بغیر اخروی عذاب سے خلاصی اور نجات ممکن نہیں۔

۱۰۱۔ فوق' محمد دین منشی' تذکار اقبال (بزم اقبال' لاہور ۱۹۸۸ء) ص ۲۵۸' ص ۱۲۳

۱۰۲۔ مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں (اقبال اکادمی پاکستان' لاہور ۱۹۸۶ء) مکتوب نمبر ۲

۱۰۳۔ محمود نظامی' ملفوظات اقبال (مع حواشی و تعلیقات از ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی) اقبال اکادمی پاکستان' لاہور ۱۹۹۷ء) ص ۱۳۹

(اقبال کے ہاں ایک شام) یہ شعر ''ضرب کلیم'' میں لفظ ''بات'' کی بجائے ''راز'' کے ساتھ یوں درج ہے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے' حقیقت میں ہے قرآن

(کلیات اقبال' اردو ص ۵۲۴ ''ضرب کلیم'' ۔ ''مرد مسلمان'')

۱۰۴۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۸ (حصہ اول ص ۱۶)

۱۰۵۔ ایضاً...... مکتوب ۴۸ (حصہ دوم ص ۲۱۔۲۲)

ترجمہ: ہاں وہ صوفی جس کو فنا اور بقا اور سیر عن اللہ اور سیر باللہ کے بعد عالم کی طرف لایا گیا ہو اور مخلوق کو راہ راست کی طرف لانے کا فریضہ اسے تفویض کیا گیا ہو' وہ مقام نبوت کے نور سے حصہ پا چکا ہے۔ ایسا صوفی مبلغین شریعت میں داخل ہے اور علماء شریعت کا ہی حکم رکھتا ہے۔

۱۰۶۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۱۳ (حصہ اول ص ۲۹)

ترجمہ: حقیقتاً انتہا کو پانے والا باطن کو ظاہر شریعت کے مطابق پاتا ہے۔ علماء اور ان بزرگواران کے درمیان اسی قدر فرق ہے کہ علماء دلیل اور علم سے جانتے ہیں اور یہ بزرگ اسی شے کو کشف اور ذوق سے پالیتے ہیں اور ان کے صحت حال پر اس مطابقت سے بڑی اور کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔ ''میرا سینہ تنگی محسوس کرتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔'' نقد وقت ہے۔ پیراگراف میں درج الفاظ ''یضیق صدری ولا ینطلق لسانی'' آیت کریمہ ہے۔ (القرآن ۲۶: ۱۳)

۱۰۷۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۳۶ (بطرف حاجی محمد لاہوری)

۱۰۸۔ ایضاً...... دفتر دوم' مکتوب ۲۳

۱۰۹۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۷۰۱۔۷۰۲ (در اسرار شریعت)

۱۱۰۔ ڈاکٹر جاوید اقبال' زندہ رود' جلد ۳' ص ۲۱۰

۱۱۱۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam. p.152

Marfat.com

۱۱۲۔ ایضاً، ص ۱۵۶

۱۱۳۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۶ (حصہ چہارم ص ۱۳۶)

۱۱۴۔ ایضاً مکتوب ۲۵۰، (حصہ چہارم ص ۵۲)

۱۱۵۔ ایضاً مکتوب ۲۶۱، (حصہ چہارم، ص ۹۷)

۱۱۶۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۵۹۰ (ضرب کلیم)

۱۱۷۔ ایضاً......ص ۵۸۹

۱۱۸۔ ایضاً......ص ۵۹۸

۱۱۹۔ ایضاً......ص ۵۹۳۔۵۹۴

۱۲۰۔ وحید الزمان کیرانوی نے اس کا معنی "قوم اور پبلک" لکھا ہے (القاموس الفرید، صابری دارالکتب، لاہور ۱۹۸۲ء، ص ۵۵۵ زیر مادہ "ق۔ؤ")

۱۲۱۔ Lashi, H.J., A Grammar of Politics (London,George Allen & Unwin Ltd. 1925) p. 219

۱۲۲۔ محمد منور، پروفیسر، ایقان اقبال (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۸۸ء) ص ۱۲۳

۱۲۳۔ فوق، تذکار اقبال ص ۲۵۲۔۲۵۳

۱۲۴۔ Sherwani, Latif Ahmad, Speeches, Writings and Statements of Iqbal (Iqbal Academy Pakistan, Lahore,1995) p.121 (Muslim Community- a Sociological Study)

۱۲۵۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۰۶
پہلا شعر: رکن اول (توحید) کا چھبیسواں شعر ہے۔
جبکہ دوسرا شعر: رکن اول کا انتیسواں شعر ہے۔

۱۲۶۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۰۴، ص ۱۱۲

۱۲۷۔ Speeches, Writings and Statements of Iqbal. p.125

۱۲۸۔ Dr.Javid Iqbal (Editor), Stray Reflections (Iqbal Academy Pakistan,Lahore,1992) p.39 (Fanaticism)

۱۲۹۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، باقیات اقبال، ص ۲۰۷

۱۳۰۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۱۶۱ "وطنیت"

۱۳۱۔ ایضاً......ص ۲۷۰ "طلوع اسلام"

۱۳۲۔ Stray Reflections p. 41 (Pakistan)

۱۳۳۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۲۴۸ "مذہب"

۱۳۴۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، باب ۲۱، ص ۶۳۷ (آخری ایام)

۱۳۵۔ ایضاً......

Marfat.com

یہ اشعار ''ارمغان حجاز'' میں زیر عنوان ''حسین احمد'' درج ہیں۔ (کلیات اقبال اردو ص ۶۳۹)

۱۳۶۔ محمد عثمان پروفیسر ''اقبال کی عظیم نثر'' مشمولہ ''مطالعہ اقبال'' مرتبہ گوہر نوشاہی (بزم اقبال' لاہور ۱۹۸۳ء) ص ۴۱۰

۱۳۷۔ زندہ رود ص ۶۴۹

۱۳۸۔ Speeches, Writings and Statements of Iqbal, pp. 300

۱۳۹۔ ایضاً

۱۴۰۔ ایضاً ص ۳۰۰۔۳۰۱

۱۴۱۔ ایضاً ص ۳۰۱

حسین احمد مدنی کے جواب میں لکھا گیا وضاحتی ''بیان'' مقالات اقبال ص ۲۶۲۔۲۷۹ پر زیر عنوان ''جغرافیائی حدود اور مسلمان'' درج ہے۔

۱۴۲۔ Speeches, Writings and Statements of Iqbal p.13

۱۴۳۔ ایضاً

۱۴۴۔ خطوط اقبال ص ۱۶۵

۱۴۵۔ باقیات اقبال ص ۴۷۰ (ظریفانہ: ۲۲)

۱۴۶۔ خطوط اقبال ص ۲۲۱

۱۴۷۔ اقبال کے خطوط جناح کے نام (مرتبہ محمد جہانگیر عالم) یونیورسل بکس' لاہور ۱۹۹۴ء ص ۴۵

۱۴۸۔ محمد مسعود احمد' ڈاکٹر' فاضل بریلوی اور ترک موالات (رضا پبلیکیشنز' لاہور ۱۹۷۸ء) ص ۲۷

۱۴۹۔ زندہ رود ص ۲۴۸ (ماخوذ)

۱۵۰۔ ایضاً.....ص ۲۴۸

۱۵۱۔ پروفیسر محمد منور (مرتب) مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان۔ ص ۴۶' خط ۳۷

۱۵۲۔ زندہ رود ص ۴۰۰

۱۵۳۔ اقبال نامہ' حصہ اول ص ۱۵۸

۱۵۴۔ Speeches , Writings and Statements of Iqbal. p.11

۱۵۵۔ ایضاً

۱۵۶۔ خطوط اقبال ص ۱۶۵ (مقالہ ہذا حوالہ گزشتہ ۱۴۴)

۱۵۷۔ فاضل بریلوی اور ترک موالات۔ ص ۲۹

اقبال نے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کا مطالعہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی تحریوں میں ان کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر رحیم بخش شاہین لکھتے ہیں۔

''پروفیسر محمد مسعود احمد ایم اے' پی ایچ۔ ڈی نے ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو مرکزی مجلس رضا' لاہور نے شائع کی ہے۔ اس میں تحریک آزادی میں فاضل بریلویؒ کے مقام پر روشنی ڈالی گئی ہے اس کے صفحات ۱۵۔۱۶ پر ان کے بارے میں ڈاکٹر محمد اقبال کی رائے اس طرح نقل کی گئی ہے۔

''ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا...... میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی اور ان کے فتاویٰ ان کی ذہانت' فطانت' جودت طبع' کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر

Marfat.com

علمی کے شاہد عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور وفکر کے بعد کرتے ہیں۔ لہٰذا انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی...... اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خاںؒ گویا اپنے دور کے امام ابو حنیفہ ہوتے'' (اوراق گم گشتہ' ص ۲۸۵)

ڈاکٹر مسعود احمد کی یہ کتاب ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' رضا پبلیکیشنز لاہور نے ۱۵ اپریل ۱۹۷۸ء کو شائع کی۔ اس کے صفحہ ۱۶ پر یہ پیراگراف موجود ہے اور حاشیہ پر حوالہ یوں درج ہے۔

''محمد صدیق اکبر' آسمان علم کا ایک درخشاں ستارہ'' ماہنامہ عرفات (لاہور) اپریل ۱۹۷۰ء ص ۲۷ (بحوالہ ڈاکٹر احمد عابد علی' بیت القرآن' لاہور)

۱۵۸۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۶۵' حصہ دوم ص ۴۵ پیرگراف میں مذکورہ حدیث ''الاسلام بدا غریباً وسعود کما بدا فطوبیٰ للغرباء'' صحیح حدیث ہے۔

اسے امام ابن عدی نے حضرت انس بن مالکؓ سے مرفوعاً بلفظہ بیان کیا۔ (ابن عبدی: الکامل فی ضعفاء الرجال' جلد ۷' ص ۲۵۵۶) جبکہ امام مسلمؒ نے ''صحیح'' میں بلفظ ''بدا الاسلام غریباً وسیعود کما بدا فطوبیٰ للغرباء'' حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے مرفوعاً ذکر کیا۔ (صحیح مسلم' جلد اول ص ۸۴' کتاب الایمان) مزید تخریج کے لئے مطالعہ' ڈاکٹر بابر بیگ' مکتوبات مجدد الف ثانی (مکتوبات مجدد الف ثانی) تخریج احادیث' مقالہ پی ایچ ڈی' پنجاب یونیورسٹی' لاہور' ۱۹۹۲ء جلد اول ص ۲۹۲

ترجمہ پیراگراف:

مخبر صادق علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اسلام مسافر کی طرح ظاہر ہوا اور عنقریب اپنی ابتدائی غربت کی طرف لوٹ جائے گا۔ پس خوشحالی ہے غرباء کے لئے'' اسلام کی بے بسی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کفار علانیہ اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے تحاشا کفر کے احکام کا اجراء اور کوچہ و بازار میں کفار کی مدح ثنائی کرتے پھر رہے ہیں اور اہل اسلام کو اسلامی احکام کے اجراء سے روک دیا گیا ہے اور احکام شرعیہ کے بجالانے میں ان کی مذمت کرتے ہیں اور ان پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے۔ بیت: پری نے تو اپنا چہرہ چھپا لیا ہے اور دیو نخرے دکھا رہا ہے۔ حیرت سے عقل جل جاتی ہے کہ یہ کیا عجیب معاملہ ہے۔

۱۵۹۔ مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۶۶' حصہ چہارم ص ۱۲۶ (بطرف خواجہ محمد عبداللہ)

ترجمہ: مسلمان باوجود ایمان کے' کافروں کی رسمیں بجالاتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔

۱۶۰۔ مکتوبات امام ربانی۔ دفتر سوم۔ مکتوب ۴۱' حصہ ہشتم ص ۹۳۔۹۴

۱۶۱۔ ایضاً...... دفتر اول' مکتوب ۲۹' حصہ اول ص ۷۷

۱۶۲۔ ایضاً...... دفتر دوم' مکتوب ۵۸' حصہ ہفتم ص ۲۴' مکتوب بطرف خواجہ محمد تقی۔

۱۶۳۔ Speeches, Writings and Statements of Iqbal, p.190 (Corporeal Resurrection)

۱۶۴۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۸۱' حصہ دوم ص ۷۵۔۷۶

۱۶۵۔ اقبال نامہ' حصہ دوم ص ۴۹

۱۶۶۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۱۶۳' حصہ سوم ص ۴۳

Marfat.com

پیراگراف میں موجود آیت کریمہ سورہ توبہ (۹: ۷۳) اور سورہ تحریم میں ہے (۹:۶۶)

۱۶۷۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۶۳، حصہ سوم ص ۴۴

۱۶۸۔ ایضاً......ص ۴۳

۱۶۹۔ ایضاً......ص ۴۳۔۴۴

۱۷۰۔ ایضاً......ص ۴۴

۱۷۱۔ ایضاً......ص ۴۵

۱۷۲۔ ایضاً......ص ۴۴

۱۷۳۔ ایضاً......مکتوب ۲۶۶، حصہ چہارم ص ۱۲۴

۱۷۴۔ ایضاً......مکتوب ۲۶۶، حصہ چہارم ص ۱۲۴

۱۷۵۔ ایضاً......مکتوب ۱۶۳، حصہ سوم ص ۴۴

۱۷۶۔ ایضاً......مکتوب ۱۶۳ حصہ سوم ص ۴۴

پیراگراف میں مذکور حدیث نبوی ﷺ ''الحیاء من الایمان'' کو امام مسلمؒ نے اپنی ''صحیح'' میں روایت کیا۔ (صحیح مسلم، جلد اول، ص ۴۷، کتاب الایمان، باب ''عدد شعب الایمان'')

۱۷۷۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۶۳، حصہ سوم ص ۴۵

پیراگراف موجود آیت (وما دعاء الکفرین الا فی ضلل) سورہ رعد میں ہے (۱۳: ۱۴)

۱۷۸۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۶۳، حصہ سوم ص ۴۵

۱۷۹۔ المنجد (دار المشرق، بیروت، ۱۹۷۳ء) ص ۵۰۷

۱۸۰۔ ایضاً......

۱۸۱۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۳۳۰ (بال جبریل)

اس شعر میں الفاظ ''عشق'' اور ''محبت'' ایک ہی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

۱۸۲۔ القاموس الفرید ص ۴۳۲

۱۸۳۔ المنجد، ص ۵۰۷

۱۸۴۔ ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب (دار صادر، بیروت) جلد دہم، ص ۲۵۱

۱۸۵۔ ایضاً......ص ۲۵۲

۱۸۶۔ ابن منظور کے الفاظ یہ ہیں۔ ''وسمی العاشق عاشقاً لانہ یذبل من شدہ الھویٰ'' (لسان العرب جلد دہم ص ۲۵۲)

۱۸۷۔ اسلامی تصوف اور اقبال ص ۲۸۳

۱۸۸۔ بشیر احمد صدیق، مقالات صدیقی۔ (صدیقی پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۹ء) ص ۱۸۸

۱۸۹۔ القرآن المجید (۳:۳۱)

۱۹۰۔ بخاری، امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری (فرید بک ڈپو اردو مارکیٹ دہلی) جلد اول ص ۱۰۴، کتاب الایمان باب حب الرسول ﷺ من الایمان۔

۱۹۱۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۷۲، اسرار و رموز عرض حال، بحضور رحمۃ للعلمین۔

۱۹۲۔ ایضاً......ص ۳۸، اسرار و رموز ''درمیان اینکہ خودی از عشق و محبت استحکام می پذیرد۔''

Marfat.com

۱۹۳۔ ایضاً......

۱۹۴۔ ایضاً......

۱۹۵۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۱۶۵' حصہ سوم ص ۴۸

۱۹۶۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۶۹۳ (ارمغان حجاز' حسین احمد)

۱۹۷۔ ایضاً.....ص ۶۱۰ (ضرب کلیم' ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام)

۱۹۸۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۴۰

۱۹۹۔ مکتوبات امام ربانی۔ دفتر سوم۔ مکتوب ۱۲۲' حصہ نہم ص ۱۲۸

(ترجمہ: حقیقت محمدی علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ حقیقت الحقائق ہے۔
مراتب ظلال کے طے کرنے کے بعد اس فقیر پر آخر کار جو منکشف ہوا ہے وہ تعین وظہور حبی ہے جو کہ تمام ظہورات کا مبدا اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے......اگر یہ محبت نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں مستقل طور پر اپنا ٹھکانا نہ رکھتا۔ حدیث قدسی "لولاک لما خلقت الافلاک" (یعنی اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمان کو پیدا نہ کرتا) جو کہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں واقع ہے' کا راز اس جگہ سے معلوم کرنا چاہیے اور "لولاک لما اظہرت الربوبیۃ" کی حقیقت کو اس مقام میں تلاش کرنا چاہیے۔

۲۰۰۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۳۷۶

ترجمہ: فرشتے اور حوریں تیرے معمولی شکار ہیں۔ اس لئے کہ تو شاہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پالا ہوا شاہین ہے۔
اب حجر مکیؒ فرماتے ہیں۔
"وفی حدیث رواہ صاحب شفاء الصدور وغیرہ"
قال اللہ! یا محمد وعزتی وجلالی لولاک ما خلقت ارضی ولا سمائی۔"
(الفتاویٰ الحدیثیہ' مصطفی البابی الحلبی واولادہ' مصر ۱۳۹۰ء/۱۹۷۰ء۔ ص ۱۸۹' کمطلب فی جماعت یصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
امام حاکمؒ نے "مستدرک" میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں الفاظ "فلولا محمد ما خلقت آدم ولولا محمد ما خلقت الجنتہ ولا النار۔"
ذکر کئے اور اس روایت کے بارے میں فرمایا "ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔"
(ابوعبداللہ الحاکم النیشاپوری' المستدرک علی الصحیحین' دار الکتاب العربی' بیروت' لبنان ص۔ب ۵۸۶۹۔۱۱' جلد ۲ ص ۶۱۴۔۶۱۵' کتاب التاریخ)

۲۰۱۔ کلیات اقبال' (اردو) ص ۲۰۷ (بانگ درا)

۲۰۲۔ باقیات اقبال' ص ۱۵۴ "فریاد امت"

۲۰۳۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول مکتوب ۴۴' حصہ دوم ص ۱۰

۲۰۴۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۳۸' اسرار و رموز

۲۰۵۔ ایضاً.....ص ۱۷۱

۲۰۶۔ ایضاً.....ص ۱۷۱

۲۰۷۔ ایضاً......

Marfat.com

۲۰۸۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول مکتوب ۳۱۲' حصہ پنجم ص ۱۶۳

۲۰۹۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۴۱' اسرار و رموز

۲۱۰۔ سیوطی' جلال الدین' علامہ' الجامع الصغیر (المکتبۃ الاسلامیہ لائل پور ۱۳۹۴ھ) ص ۱۵۷ بحوالہ مسند الفردوس للدیلمی' یہ حدیث ضعیف ہے اور فضائل میں قابل قبول ہے۔

۲۱۱۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۲۷۵ (بانگ درا)

۲۱۲۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۷۱۹

(ترجمہ: اے حضور ﷺ! آپ کا ذکر ذوق و سرور یعنی روحانیت کا سرمایہ ہے' اسی سے قوم کو فقر میں غیور بننا نصیب ہوتا ہے)

۲۱۳۔ محمود نظامی' ملفوظات اقبال ص ۲۸۵۔ مضمون ''حکیم مشرق''

۲۱۴۔ ایضاً ص ۹۸........... ''میرا اقبال''

۲۱۵۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول مکتوب ۴۱' ۴۴' ۵۱' ۷۵' ۹۵' ۱۱۴' ۱۸۶' ۲۳۷' ۶۸۔ دفتر دوم مکتوب ۵۳۔ دفتر سوم مکتوب ۹' ۱۳

۲۱۶۔ ایضاً..... دفتر اول' مکتوب ۴۴' حصہ دوم ص ۱۰

۲۱۷۔ مجدد الف ثانی' مبدأ و معاد (مکتبۃ الیشق' دار الشفقت' استنبول' ترکی ۱۹۹۰ء)

(صفحات ۱۰' ۱۱' ۱۴' ۲۲' ۲۴' ۳۴' ۳۷' ۳۹' ۴۲' ۴۴' ۴۶' ۵۲' ۵۴' ۵۷' ۵۸' ۶۰' ۶۵' ۶۸' ۷۲' ۷۷' ۷۹' ۸۰' ۸۲' ۸۳'

۲۱۸۔ القران: (۲۴: ۶۳)

۲۱۹۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۱۰۵ (بانگ درا' غزلیات)

۲۲۰۔ القرآن (۴۹: ۲)

۲۲۱۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۸۱۷

۲۲۲۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۱۶۵' حصہ سوم ص ۴۸

۲۲۳۔ ایضاً..... دفتر سوم' مکتوب' ۶۴' حصہ ہشتم ص ۱۴۵

۲۲۴۔ اقبال نامہ' حصہ دوم ص ۳۱۷ (نیاز الدین خان کے نام)

مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان' مکتوب ۵۴' محررہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۲ء ص ۶۰' پیراگراف ''مکاتیب اقبال'' میں بلفظہ تحریر ہے جبکہ ''اقبال نامہ'' میں الفاظ ''ان کی صحبت سے'' مفقود ہیں شاید سہو کتابت سے یہ چھوٹ گئے ہوں۔ (مطالی)

۲۲۵۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر دوم' مکتوب ۱۶' حصہ ششم ص ۴۳

(ترجمہ: ''انبیاء علیہم السلام قبور میں نماز پڑھتے ہیں۔'' آپ نے سنا ہوگا اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی قبر پر گزرے تو دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور جب اسی وقت آسمان پر پہنچے تو ان کو وہاں پایا۔ اس مقام کے معاملات نہایت عجیب ہیں)

الفاظ ''الانبیاء یصلون فی القبور'' حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کی طرف اشارہ ہیں جسے امام ابویعلیٰ موصلی نے ''مسند'' میں حضرۃ انسؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا۔

Marfat.com

(ابو یعلیٰ موصلیؒ مسند ابی یعلیٰ دار المامون للتراث بیروت الطبعتہ الاولیٰ ۱۹۸۴ء) جلد ۶ ص ۱۴۷
بیان: مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث ۶۷۰
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے رجال ابی یعلیٰ کو ثقہ قرار دیا۔
(شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ مطبع نامی منشی نول کشور کانپور بار اول ۱۸۹۴ء جلد دوم ص ۵۷۵ وصل در بیان حیات انبیاء الصلوٰۃ والتسلیمات علیہم) علامہ سیوطیؒ نے حدیث ابی یعلیٰ کو "حسن" قرار دیا۔ (الجامع الصغیر جلد اول ص ۱۲۳ حرف الالف) اور پیراگراف میں مذکور الفاظ "حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام...... نماز میگزارد" حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں......
امام احمدؒ فرماتے ہیں۔
"ثنا یزید انا سلیمان عن انس رضی اللہ عنہ ان بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدثہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلتہ اسری بہ مر بموسیٰ علیہ السلام وھو قائم یصلی فی قبرہ"
(مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی للطباعتہ والنشر بیروت لبنان) جلد ۵ ص ۳۶۵ احادیث رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
امام مسلمؒ حضرت انسؓ سے روایت فرماتے ہیں۔
"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مررت علیٰ موسیٰ وھو یصلی فی قبرہ" (مسلم بن حجاج نیشاپوری: صحیح مسلم جلد دوم ص ۲۶۸ کتاب الفضائل باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام)

۲۲۶۔ مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۲۰ حصہ سوم صفحہ ۱۳۱ (ترجمہ)

۲۲۷۔ امام ترمذی جامع ترمذی (فرید بک سٹال لاہور ۱۹۸۴ء) جلد دوم ص ۶۶۷
ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ "ھذا حدیث حسن صحیح غریب من حدیث ابی ھریرۃ لانعرفہ الا من ھذا الوجہ" (حوالہ مذکورہ بالا)

۲۲۸۔ مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۰۹ حصہ سوم ص ۱۰۴
(ترجمہ: اور وہ نبوت جو حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے آنسرور ﷺ کو حاصل تھی اور اسی مرتبہ کی خبر دی اور فرمایا "کنت نبیاً وادم بین الماء والطین" یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔" وہ باعث بار حقیقت احمدی کے تھا جس کا تعلق عالم امر سے ہے۔)
پیراگراف میں مذکور حدیث پاک کو علقمیؒ نے "شرح جامع صغیر" میں صحیح قرار دیا۔
امام غزالیؒ نے "روضتہ الطالبین" ابن عربی "الفتوحات المکیہ" شہاب الدین سہروردی "معارف المعارف" عین القضاۃ ہمدانی "تمہیدات" نجم الدین رازی "مرصاد العباد" سمنانی "العروۃ" ابوالحسن بکری "الانوار" الدیار بکری "تاریخ الخمیس" شعرانی "الیواقیت والجواہر" اور اصفہانی نے "شرح المواہب" میں مرفوعاً بلفظہ بیان کیا۔ البتہ زرکشی نے "الالی المنشورہ" میں ذکر کر کے بے اصل قرار دیا۔ (ماخوذ از مکتوبات الف مجدد ثانی/تخریج احادیث مقالہ پی ایچ ڈی از ڈاکٹر بابر بیگ مطالی جلد ۲ ص ۹۸۹۔۹۹۰)
یوں حدیث معنوی اعتبار سے صحیح ہے اور مفہوم حدیث ترمذی کے مترادف ہے۔

۲۲۹۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۲۳ (اسرار و رموز بیان در معنی اینکہ چوں ملت محمدیہ مؤسس بر توحید رسالت واست)
ترجمہ: وہ ذات پاک جسے ہستی کے شبستان میں شمع کی حیثیت حاصل ہے یعنی جس کی وجہ سے اندھیرے کی جگہ اجالا

Marfat.com

ہوا۔ دنیا میں موجود رہی لیکن دنیا سے کوئی تعلق پیدا نہ کیا۔ جب (حضرت) آدم علیہ السلام آب و گل ہی میں تھے یعنی پیدا نہیں ہوئے تھے اس وقت حضور ﷺ کا جلوہ فرشتوں کے سینوں میں حرارت پیدا کر رہا تھا۔)

۲۳۰۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر سوم' مکتوب ۱۰۰' حصہ نہم ص ۷۵

ترجمہ: (جاننا چاہیے کہ خلق محمدی ﷺ دوسرے افراد انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ عالم کے افراد میں سے کسی فرد کی پیدائش سے بھی مناسبت نہیں رکھتی کہ رسول اللہ ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خلقت من نور اللہ یعنی میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں۔'' اور دوسروں کو یہ دولت حاصل نہیں ہے۔

حضرت مجددؒ نے دوسری جگہ فرمایا ''قال علیہ وعلی الہ الصلوٰۃ والسلام'' ''خلقت من نور اللہ والمومنون من نوری''
(مکتوبات امام ربانی' دفتر سوم' مکتوب ۱۲۲' حصہ نہم ص ۱۲۷)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''مدارج النبوۃ'' میں لفظ ''خلقت'' کی بجائے ''انا'' سے ذکر کیا۔ چنانچہ آپ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''قول وی صلی اللہ علیہ وسلم: انا من نور اللہ والمومنون من نوری۔ وفی روایۃ انا من اللہ والمومنون منی'' (مدارج النبوۃ' جلد ۲' ص ۷۷۳' تکملہ وصل اول در کمال معنوی)

قطعہ زیر تحقیق کا معنی ایک دوسری حدیث سے ماخوذ ہے' جسے امام عبدالرزاقؒ نے حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت کیا۔ چنانچہ علامہ قسطلانی ''المواہب اللدنیہ'' اور امام ابن حجر مکیؒ ''الفتاویٰ الحدیثیہ'' میں لکھتے ہیں۔

'' اخرج عبدالرزاق بسنده عن جابر بن عبدالله الانصاری رضی الله عنهما قال قلت یا رسول الله بابی انت وامی' اخبرنی عن اول شی خلقه الله قبل الاشیاء ؟ قال : یا جابر ان الله تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نوره .''

(علامہ قسطلانی' المواہب اللدنیہ مع شرحہ للزرقانی' دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر' بیروت' لبنان ۱۳۹۳ھ' جلد اول ص ۴۶' المقاصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ علیہ السلام بسبق نبوتہ + ابن حجر مکی' الفتاوی الحدیثیہ ...... بسبق نبوتہ الخ' ص ۵۹' مطلب' المراد من قوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ان من اجل اللہ)

۲۳۱۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۶۰۱ (جاوید نامہ' حلاج)

ترجمہ: تو کائنات کی ہر چیز کو رنگین اور خوشبو سے معطر دیکھ سکتا ہے کہ ہر چیز کی ایک ہی خواہش ہے کہ مجھے نور مصطفیٰ ﷺ کا حصہ ملے۔ بعض چیزیں اپنا حصہ پا کر منور ہو گئی ہیں جبکہ کچھ نور مصطفیٰ ﷺ کی تلاش میں ہیں۔

۲۳۲۔ مکتوبات امام ربانی دفتر اول' مکتوب ۳۵' حصہ اول ص ۹۷

یہ دیگر بزرگوں کا بھی قول ہے۔ حضرت سہروردیؒ ''عوارف المعارف'' میں لکھتے ہیں۔

''کما قیل' وکل مایفعل'' (سہروردی' ابو حفص عمر بن محمد: عوارف المعارف' دار احیاء التراث' العربی بیروت) ص ۲۳۹ باب: ۶۰' ذکر اشارات المشائخ فی المقامات علی الترتیب' ذکر قولھم فی الرضا)

۲۳۳۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول مکتوب ۱۶۵' حصہ سوم ص ۴۸' پیرا گراف میں مذکور مصرع حضرت رابعہ کے اس مصرع ''ان المحب لمن یحب مطیع'' کی طرف اشارہ ہے۔ ''عوارف'' میں لکھا ہے۔

'' وکانت رابعته تنشد : تعصی الا له وانت تظهر حبه هذا العمری فی الفعال بدیع لو کان حبک صادقاً لا طعته ان المحب لمن یحب مطیع (عوارف المعارف ص ۲۴۱' باب: ۶۱ ذکر الاحوال وشرحها)

Marfat.com

حضرت امام غزالیؒ نے اسے حضرت ابن مبارکؒ کا شعر قرار دیا۔ (احیاء علوم الدین' جلد نمبر ۴ ص ۳۳۱)

۲۳۴۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۶۰۲' جاوید نامہ "حلاج"

۲۳۵۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۲۴۹ حصہ چہارم ص ۵۱

ترجمہ: پس آپ پر لازم ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متابعت اور سنت کو لازم پکڑیں اور شریعت حقہ کے موافق اعمال بجا لائیں۔

۲۳۶۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۱۵۲ حصہ سوم' ص ۲۸

۲۳۷۔ ایضاً.....مکتوب ۳۶' حصہ اول ص ۹۸

۲۳۸۔ ایضاً.....دفتر دوم' مکتوب ۲۳۔ حصہ ششم ص ۵۸

۲۳۹۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر دوم' مکتوب ۱۹' حصہ ششم ص ۴۷

۲۴۰۔ ایضاً دفتر اول مکتوب ۴۳' حصہ دوم ص ۹

۲۴۱۔ ایضاً.....مکتوب ۲۵' حصہ اول ص ۶۶

۲۴۲۔ ایضاً.....مکتوب ۴۱' حصہ دوم ص ۵

۲۴۳۔ مبدأ و معاد ص ۵۶۔۵۷

۲۴۴۔ ایضاً.....ص ۵۷

۲۴۵۔ ایضاً.....

۲۴۶۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۱۳
(رموز بے خودی' رکن دوم' رسالت)

۲۴۷۔ ایضاً.....ص ۷۰۲ (مثنوی پس چہ باید کرد
اے اقوام شرق' در اسرار شریعت)

۲۴۸۔ ایضاً.....ص ۷۰۱

۲۴۹۔ ملاقات اقبال ص ۲۳۹

۲۵۰۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۳۷ (اسرار و رموز' در معنی اینکہ پختگی سیرت ملیہ از اتباع آئین الٰہیہ است)

۲۵۱۔ ایضاً ص ۸۱۲ (ارمغان حجاز' حضور ملت (۱)

۲۵۲۔ ایضاً......

۲۵۳۔ ایضاً.....ص ۱۳۵ (اسرار و رموز' در معنی اینکہ پختگی سیرت ملیہ از اتباع آئین الٰہیہ است)

۲۵۴۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۴۰ (اسرار و رموز' در معنی اینکہ حسن سیرت ملیہ از تادب بہ آداب محمدیہ است)

۲۵۵۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۲۰۷ (بانگ درا)

۵۲۵۶۔ ایضاً.....ص ۳۱۸ (بال جبریل)
کلیات میں لفظ "طاہا" مذکور ہے جبکہ عربی تلفظ میں یہ "طٰہٰ" ہے۔

۲۵۷۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۳۱۸

۲۵۸۔ القرآن (۹:۶۱)

۲۵۹۔ ایضاً......(۹:۴۰)

Marfat.com

۲۶۰۔ صحیح بخاری، جلد دوم ص ٦٦، کتاب الجہاد السیر، باب، من قاتل لتکون کلمتہ اللہ ھی العلیا۔
۲۶۱۔ امام ابن ماجہ، سنن (میر محمد کتب خانہ آرام باغ، کراچی) ص ۲۹۹۔ ابواب الفتن۔
۲۶۲۔ ایضاً......
۲۶۳۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۴۸۰ (ضرب کلیم)
۲۶۴۔ اقبال نامہ۔ حصہ اول ص ۱۹۵
۲۶۵۔ دیکھئے مقالہ ھذا باب اول (حضرت مجدد الف ثانی کے حالات زندگی) تحت عنوان ''تبلیغ دین''
۲۶۶۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۴۵۱ (بال جبریل: پنجاب کے پیرزادوں سے خطاب)
۲۶۷۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر سیرت مجدد الف ثانی ص ۱۷٦
بحوالہ مناقب آدمیہ وحضرات احمدیہ (تالیف محمد امین بدخشی، مخطوطہ ۱۰۷۰ھ)
۲۶۸۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۳۴۹ (بال جبریل)
۲۶۹۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۲۰۔۱۲۲ (ماخوذ)
۲۷۰۔ ایضاً ص ۱۲۲ (اسرار ورموز، بیان در معنی حریت اسلامیہ وسر حادثہ کربلا)
۲۷۱۔ محمد عبداللہ قریشی (مرتب)، مکاتیب اقبال بنام گرامی (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۸۱ء) ص ۱۴۳، مکتوب نمبر ۳٦
۲۷۲۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۵، حصہ ہشتم ص ۱۵
۲۷۳۔ ایضاً.....، دفتر اول مکتوب، ۸۱، حصہ دوم ص ۷۵
۲۷۴۔ ایضاً......دفتر دوم مکتوب، ۱۵، حصہ ششم ص ۴۰۔۴۱
۲۷۵۔ ایضاً......، ص ۴۲
۲۷٦۔ فوق، منشی محمد دین، تذکار اقبال، ص ۱۲۱
۲۷۷۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۴۷، حصہ دوم، ص ۱۹
۲۷۸۔ ایضاً.....، ''، مکتوب ۳۳، حصہ اول ص ۹۲
پیراگراف میں مذکور الفاظ ''ان اشد الناس عذاباً یوم القیامته عالم لم ینفعه الله بعلمه'' حدیث نبوی ﷺ ہیں۔ اسے امام بیہقی ''شعب الایمان'' اور ابن عدی نے '' الکامل فی ضعفاء الرجال'' میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے (امام بیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین، شعب الایمان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، الطبعتہ الاولیٰ ۱۹۹۰ء، جلد ۲، ص ۲۸۵، شعبہ ۱۸ باب فی نشر العلم، حدیث ۱۷۷۸ + ابن عدی، الکامل فی ضعفاء الرجال، جلد ۵ ص ۱۸۰۷ بیان عثمان بن مقسم ابو سلمہ البرسی۔ بصری)
یہ حدیث ضعیف ہے۔ (مطالی) البتہ احادیث ضعیفہ فضائل میں قبول ہیں۔
۲۷۹۔ مکتوبات امام ربانی (فارسی) دفتر اول۔ مکتوب ۳۳ حصہ اول، ص ۹۳
۲۸۰۔ ایضاً، مکتوب ۴۷، حصہ دوم ص ۱۹......
۲۸۱۔ مکتوب ۱۹۳، حصہ سوم ص ۸۳
۲۸۲۔ ایضاً......دفتر اول......مکتوب ۴۷، حصہ دوم ص ۲۰
۲۸۳۔ ایضاً..........مکتوب ۱۹۳، حصہ سوم ص ۸۲۔۸۳
۲۸۴۔ ایضاً.....مکتوب ۲۷، حصہ دوم ص ۵۴

Marfat.com

۲۸۵۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۷۶ (اسرار خودی)

۲۸۶۔ ایضاً.....ص ۷۷

۲۸۷۔ مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول' مکتوب ۶۵ (ماخوذ)

۲۸۸۔ ایضاً.....مکتوب ۶۵' حصہ دوم ص ۴۵

امام ابن حبان ؒ "صحیح" میں حضرت ابی سعید خدریؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اکثر و اذکر اللہ حتیٰ یقولوا مجنون (صحیح ابن حبان) المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل' پاکستان' جلد ۸' ص ۳۹' باب الذکر' ذکر استحباب الاستھتار للمرء بذکر ربہ عزوجل وعلا' حدیث ۸۱۴۔

امام بغوی نے "شرح السنۃ" میں حضرت عمرو بن العاص سے مرفوعاً بلفظ "لا یؤمن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعا لماجئت بہ" روایت کیا۔

(امام بغوی' ابو محمد حسین بن مسعود' شرح السنۃ' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۹۸۳ء' جلد اول ص ۲۱۳' کتاب الایمان' باب' ردالبدع ولا اھواء' حدیث ۱۰۴) یوں خبر مجدد کا معنی صحیح ہے کیونکہ ذکر الٰہی اور تبلیغ دین' مظہر ایمان ہیں۔ تو اس کی کثرت کمال ایمان ہوئی اور اسی کثرت ذکر کی بناء پر لوگ دیوانہ کہنے لگتے ہیں۔

۲۸۹۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۶۸۱' (مثنوی پس چہ باید کرد' تمہید شعر نمبر ۹۔۱۹)

۲۹۰۔ مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول' مکتوب ۵۳' حصہ دوم ص ۲۶

۲۹۱۔ خطوط اقبال ص ۲۸۶۔۲۸۷

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی رقمطراز ہیں۔

"اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر علامہ المراغی کے جوابی مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۵ اگست ۱۹۳۶ء کو لکھا گیا۔" (خطوط اقبال ص ۲۸۴) راقم الحروف (مطالی) کہتا ہے کہ ہاشمی صاحب کا فرمودہ سنہ سہو کتابت معلوم ہوتی ہے۔

درحقیقت علامہ مصطفیٰ مراغی نے تو ۵ اگست ۱۹۳۷ء ذکر کیا' چنانچہ وہ اپنے جوابی خط محررہ ۲۱ اگست ۱۹۳۷ء میں لکھتے ہیں۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ "قرات خطا بکم المورخ ۵۔ اغسطس سنہ ۱۹۳۷" (خطوط اقبال) ص ۲۸۹

۲۹۲۔ مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول۔ مکتوب ۴۴' حصہ دوم ص ۱۳

۲۹۳۔ ایضاً.....مکتوب ۶۵' حصہ دوم ص ۴۵

۲۹۴۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۲۴' (اسرار و رموز' در معنی اینکہ چون ملت محمدیہ موسس بر توحید و رسالت است)

۲۹۵۔ جاوید اقبال' ڈاکٹر زندہ رود ص ۶۳۷۔ باب ۲۱ (آخری ایام)

۲۹۶۔ ایضاً...... یہ اشعار "ارمغان حجاز" میں زیر عنوان "حسین احمد" درج ہیں۔ (کلیات اقبال اردو ص ۶۳۹)

۲۹۷۔ مکتوبات امام ربانی۔ دفتر دوم' مکتوب ۲۳' حصہ ششم ص ۵۸

۲۹۸۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۶۸۲ (ارمغان حجاز ۷)

۲۹۹۔ ایضاً.....ص ۴۸۹ (ضرب کلیم' توحید)

۳۰۰۔ ایضاً.....ص ۴۹۱ (ضرب کلیم آزادی شمشیر کے اعلان پر)

۳۰۱۔ ملفوظات اقبال ص ۱۸۱ ("یاد ایام" از خواجہ عبدالوحید)

Marfat.com

۳۰۲۔ مکتوبات امام ربانی، مکتوب ۴۷، حصہ دوم ص ۲۰
۳۰۳۔ القرآن (۵:۳)
۳۰۴۔ مقالات اقبال ص ۲۳۶
۳۰۵۔ باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق، صحیح مسلم، جلد اول، ص ۳۲۷، کتاب الزکوٰۃ
۳۰۶۔ جامع ترمذی۔ جلد اول ص ۶۶۹، ابواب الاحکام باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی؟ حدیث: ۱۳۳۸
۳۰۷۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p.118
۳۰۸۔ القاموس الفرید ص ۱۰۳ "ج۔ ہ" کے تحت۔
۳۰۹۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p.117
۳۱۰۔ محمد منور، پروفیسر، برہان اقبال (اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۷ء) ص ۱۸۲ بحوالہ "الندوۃ العالمیۃ الاسلامیۃ" مطبعہ جامعہ پنجاب، ص ۲۶
۳۱۱۔ احیاء علوم الدین، جلد ۱۔ ص ۳۲
۳۱۲۔ الآمدی۔ الاحکام فی اصول الاحکام (دار الکتاب العربی، بیروت ۱۹۸۶ء) علی بن محمد، جلد ۴، ص ۱۶۹
۳۱۳۔ ......المنجد، ص ۱۰۶............تحت لفظ "جھد"
۳۱۴۔ اس مجموعہ میں سات خطبات ہیں۔ پہلے تین خطبات مدراس، اوائل جنوری میں پڑھے جبکہ چوتھا پانچواں اور چھٹا خطبہ یعنی تین خطبات علی گڑھ میں نومبر ۱۹۲۹ء میں دیئے (زندہ رود، جلد سوم ص ۳۵۲) ساتواں خطبہ ارسطوٹی لیئن سوسائٹی لندن کی درخواست پر لکھا (تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجمہ سید نذیر نیازی، بزم اقبال، لاہور ۱۹۸۳ء، ص ۵ مقدمہ از مترجم) اور وہاں لندن میں ہی ۱۹۳۲ء میں پڑھا گیا۔ (زندہ رود، جلد سوم ص ۳۶۹) ان ساتوں خطبات پر مشتمل مجموعہ
"The Reconstruction of Religious Thought in Islam"
آکسفورڈ یونیورسٹی پریس انگلستان نے ۱۹۳۴ء میں شائع کیا (زندہ رود، جلد سوم ص ۳۶۹)
۳۱۵۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p.116-142
۳۱۶۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۲۲۳، ص ۲۵۳
۳۱۷۔ ایضاً.....ص ۵
۳۱۸۔ ایضاً.....ص ۲۲۳
۳۱۹۔ صحیح بخاری، جلد سوم ص ۸۲۱، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ
باب: اجر الحاکم اذا اجتھد فاصاب او اخطاء حدیث نمبر ۲۲۰۸
۳۲۰۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۳۱، حصہ اول ص ۸۶، مکتوب بطرف شیخ صوفی۔
۳۲۱۔ ایضاً.....، دفتر سوم، مکتوب ۲۲، حصہ ہشتم ص ۴۹، مکتوب بطرف ملا مقصود علی تبریزی
۳۲۲۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p.131
۳۲۳۔ القرآن۔ (۵:۴۸)
۳۲۴۔ ایضاً (۲:۱۸۵)
۳۲۵۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p.133

Marfat.com

۳۲۶۔ ایضاً، ص ۱۳۷

۳۲۷۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۵۵، حصہ ہفتم ص ۱۵

۳۲۸۔ ایضاً.....ص ۱۴

۳۲۹۔ ایضاً.....ص ۱۱

معتبر حدیث، قرآن کی توضیح تو کرتی ہے مگر ناسخ نہیں ہو سکتی۔
ہاں حالات کے تغیرات کی بناء پر تخصیص و تعمیم کر سکتی ہے۔

۳۳۰۔ اقبال نامہ۔ حصہ اول ص ۱۳۴۔۱۳۵

۳۳۱۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۵۵، حصہ ہفتم ص ۱۱ (ماخوذ)

۳۳۲۔ ایضاً.....ص ۱۱، ڈاکٹر اقبال کے تصورات، اس نقطہ نظر سے متصادم نہیں۔

۳۳۳۔ القرآن۔ (۵۹:۷)

۳۳۴۔ شاشی، نظام الدین، اصول الشاشی (معہ مصباح الحواشی از سید مظہر الحق) ادارہ اسلامیات، لاہور ۱۹۸۲ء) ص ۱۳۸، بحث دوم۔

۳۳۵۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۲۳۱، حصہ چہارم ص ۲۲

۳۳۶۔ اقبال نامہ، حصہ اول ص ۱۴۶۔۱۴۷

۳۳۷۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p.136

۳۳۸۔ ایضاً، ص ۱۳۶۔۱۳۷

۳۳۹۔ ایضاً، ص ۱۳۷

۳۴۰۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۵۵، حصہ ہفتم ص ۱۴۔۱۵

۳۴۱۔ اصول الشاشی، ص ۱۴۸، ''البحث الثالث فی الاجماع''

۳۴۲۔ القرآن (۴:۵۹)

۳۴۳۔ المستدرک علی الصحیحین، جلد تین، ص ۷۹، کتاب معرفۃ الصحابۃ

۳۴۴۔ اصول الشاشی۔ ص ۱۴۸

۳۴۵۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p.137

۳۴۶۔ عودہ، عبدالقادر، التشریع الجنائی الاسلامی (دار الکتاب العربی، بیروت) جلد ۱، ص ۱۷۹

۳۴۷۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p.138

۳۴۸۔ ایضاً، ص ۱۳۸

۳۴۹۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔۱۴۰

۳۵۰۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۴۷، حصہ دوم ص ۲۰، مزید تفصیل اور حوالہ جات کے لئے ''اعلائے کلمۃ الحق'' کے سلسلہ میں تحریر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۳۵۱۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p.140

۳۵۲۔ القرآن۔ (۹:۱۲۲)

۳۵۳۔ اصول الشاشی۔ ص ۱۵۵

Marfat.com

۳۵۴۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p.141

۳۵۵۔ مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول' مکتوب ۲۶۰' حصہ چہارم ص ۹۴

۳۵۶۔ ایضاً......دفتر دوم' مکتوب ۳۶' حصہ ششم' ص ۸۸

۳۵۷۔ ایضاً......ش

۳۵۸۔ اس واقعہ کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

" عن ابن رضی الله عنه قال' لما حضر النبی صلی الله علیه وسلم قال' وفی البیت رجال فیهم عمر بن الخطاب رضی الله عنه' قال هلم اکتب لکم کتاباً تضلوا بعده' فقال عمران النبی صلی الله علیه وسلم غلبه الوجع وعندکم القران فحسبنا کتاب الله." (صحیح بخاری' جلد ۳' کتاب الاعتصام بالکتب والسنۃ' باب کراهیۃ الخلاف) ص ۸۲۶۔۸۲۷

۳۵۹۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر دوم' مکتوب ۳۶' حصہ ششم' ص ۸۸ (ترجمہ)

اصل متن یوں ہے۔

" حضرت عمر فاروق دانستہ بودند کہ زمان وحی منقطع گشتہ است واحکام سماوی تمام شدہ وغیر رائے واجتہاد را اثبات احکام گنجایش نمائندہ۔ درین وقت آن سرور ﷺ ہر چہ خواہند نوشت از امور اجتہادیہ خواہد بود کہ دیگران را دران شرکت ست بحکم فاعتبروا یا اولی الابصار۔ پس صلاح در آں دید کہ درین ظور غلبہ وجع ایشانرا تصدیع نباید داد دبہ رائے واجتہاد دیگر ان کفایت باید نمود حسبنا کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کہ ماخذ قیاس واجتہاد ست مر مستنبطان را کافی ست احکام را ازانجا استباط خواہند نمود۔"

اس پیراگراف میں الفاظ "اعتبروا یا اولی الابصار" حکم الٰہی ہے (القرآن۔ ۵۹:۲)

۳۶۰۔ مکتوبات دفتر اول' مکتوب ۲۸۶' حصہ پنجم ص ۵۰

۳۶۱۔ ایضاً......مکتوب ۷۰' حصہ دوم ص ۵۲

۳۶۲۔ ایضاً......دفتر دوم' مکتوب ۵۵' حصہ ہفتم ص ۱۲

۳۶۳۔ اقبال نامہ' حصہ اول ص ۵۱' مکتوب بنام صوفی غلام مصطفیٰ تبسم محررہ ۲۔ ستمبر ۱۹۵۲ء

۳۶۴۔ اصول الشاشی' ص ۱۵

۳۶۵۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر دوم۔ مکتوب ۵۵' حصہ ہفتم ص ۱۷

۳۶۶۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p.131

۳۶۷۔ مکتوبات امام ربانی' دفتر اول' مکتوب ۵۹' حصہ دوم ص ۳۳

۳۶۸۔ ایضاً......مکتوبات ۶۹' حصہ دوم' ص ۵۰

۳۶۹۔ ایضاً......مکتوب ۱۲۲' حصہ دوم ص ۱۱۶

۳۷۰۔ ایضاً......مکتوب ۱۷۷' حصہ سوم۔ ص ۶۴

۳۷۱۔ ایضاً......مکتوب ۲۷۰' حصہ پنجم' ص ۳

۳۷۲۔ رحیم بخش شاہین' اوراق گم گشتہ۔

۳۷۳۔ ایضاً......ص ۴۶۸

☆......☆......☆

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانیؒ

(سوانح، مطالعاتِ عمومی، مجددؒ اور اقبال)

ترتیب وتدوین

محمد اکرام چغتائی

Marfat.com